بوادر النوادر

حکیم الامت مجدد الملت حضرت مولانا شاہ اشرف علی تھانوی قدس اللہ سرہ

تفسیر، حدیث، فقہ، علم کلام اور تصوف کے نادر علمی مضامین پر مشتمل حضرت کی آخری تصنیف

ادارہ اسلامیات لاہور

۱۹۰ - انارکلی، لاہور

بوادر النوادر

حکیم الامت مجدد الملت حضرت مولانا شاہ اشرف علی تھانوی قدس اللہ سرہٗ

تفسیر، حدیث، فقہ، علم کلام اور تصوف کے نادر علمی مضامین پر مشتمل حضرت کی آخری تصنیف

ادارہ اسلامیات
پبلشرز، بک سیلرز، ایکسپورٹرز

● ——— دینا ناتھ مینشن، مال روڈ، لاہور
فون ۶۳۲۴۴۱۲-۶۳۲۳۴۱۲، فیکس ۹۲-۴۲-۶۳۲۴۸۵

● ——— ۱۹۰- انارکلی، لاہور، پاکستان
فون ۷۲۲۱۴۹۱-۷۲۵۳۲۵۵

● ——— موہن روڈ
چوک اردو بازار، کراچی فون ۷۷۲۲۴۰۱

پہلی بار عکسی طباعت : ذیقعدہ ۱۴۰۵ھ، اگست ۱۹۸۵ء

باہتمام و انتظام : اشرف برادران (سلّمہم الرحمٰن)

ناشر : ادارہ اسلامیات، لاہور

طباعت :

قیمت، اعلیٰ کاغذ مجلد ڈائی دار :

ادارہ اسلامیات

پبلشرز، بک سیلرز، ایکسپورٹرز

* —— موہن روڈ، چوک اردو بازار، کراچی فون ۷۲۲۴۰۱	* —— ۱۹۰، انارکلی، لاہور، پاکستان فون —— ۷۲۳۳۹۹۱، ۷۳۵۳۲۵۵	* —— دینا ناتھ مینشن، مال روڈ، لاہور فون ۳۲۳۳۱۲، ۳۲۳۴۸۵، فیکس ۹۲۰۴۲۰

ملنے کے پتے

ادارہ اسلامیات ۱۹۰، انارکلی، لاہور نمبر ۲

دارالاشاعت، اُردو بازار، کراچی نمبر ۱

ادارۃ المعارف، ڈاک خانہ دارالعلوم، کراچی نمبر ۱۴

مکتبہ دارالعلوم، ڈاک خانہ دارالعلوم، کراچی نمبر ۱۴

—

بسم اللہ الرحمٰن الرحیمؒ

عرضِ ناشر

نحمدہٗ ونصلی علیٰ رسولہٖ الکریمؐ۔ اما بعد!

الحمد للہ عرصہ دراز کے بعد بوادر النوادر کا جدید ایڈیشن آپ کے ہاتھوں میں ہے۔ یہ کتاب حکیم الامت مجدد الملت حضرت مولانا شاہ محمد اشرف علی تھانوی قدس اللہ سرہٗ کے اُن علمی تحقیقی مضامین پر مشتمل ہے۔ جو حضرت ممدوح قدس سرہٗ نے مختلف اوقات میں تحریر فرمائے اور متفرق جگہوں میں ان کی اشاعت ہوتی رہی، مگر چونکہ یکجا نہ ہونے کی بناء پر ان سے استفادہ آسان نہ تھا۔ اس لئے حضرت اقدس قدس اللہ سرہٗ نے ان تین صد نادر علمی مضامین کو ایک کتاب میں یکجا جمع کرنے کا حکم دیا اور اس کا نام بوادر النوادر تجویز فرمایا۔ یہ کتاب حضرتؒ کی آخر حیات میں زیورِ طبع سے آراستہ ہوکر آئی۔

حضرت قدس سرہٗ کے خلیفہ مجاز حضرت مولانا ڈاکٹر محمد عبدالحی صاحب مدظلہم العالی مآثر حکیم الامت میں بیان فرماتے ہیں:

"حضرت کے وصال سے شاید ایک ہفتہ یا عشرہ قبل کتاب بوادر النوادر طبع ہوکر آئی۔ جن صاحب نے طبع کرائی تھی، انہوں نے اس کتاب کے بیس نسخے حضرتؒ کی خدمت میں ہدیۃً ارسال کئے تھے۔ کتابیں جس وقت پیش کی گئیں حضرتؒ اُٹھ کر بیٹھ گئے اور بڑی مسرت کے اظہار کے ساتھ ایک ایک کتاب پر ہاتھ رکھ کر فرما رہے تھے کہ میری جان ان کے

انتظار میں اٹکی ہوئی تھی، پھر ان کتابوں کو چند مخصوص احباب میں تقسیم فرمایا۔ (مآثر حکیم الامتؒ ص۶۷)

یہ علمی شاہکار سب سے پہلے محمد عبدالکریم صاحب جج پنشنر نے کراچی سے ۱۳۵۹ھ میں طبع کروایا جبکہ دوسری بار جد اقدس حضرت مولانا مفتی محمد شفیع صاحب قدس اللہ سرہٗ نے اپنی زیر نگرانی اپنے اشاعتی ادارہ سے والد محترم مولانا محمد زکی کیفی رحمۃ اللہ علیہ کے ذریعہ ۱۳۶۵ھ میں اس کی اشاعت کی خدمت سر انجام دی اور کہیں کہیں کچھ مفید حواشی کا اضافہ فرمایا۔

اللہ تعالیٰ کے فضل و کرم سے اسی ایڈیشن کی فوٹو کاپی مکمل فہرست کے اضافہ کے ساتھ ہمیں آپ کی خدمت میں پیش کرنے کی سعادت حاصل ہو رہی ہے۔

تقبل اللہ منا ونفعنا بہ فی الدنیا والآخرۃ۔ آمین۔

اللہ تعالیٰ حکیم الامت قدس سرہٗ کے مزید علمی جواہر پارے نئی آب و تاب کے ساتھ ہمیں شائع کرنے کی توفیق عطا کرے۔ آمین

والسّلام
اشرف برادران (سلمہم الرحمٰن)
ادارہ اسلامیات، ۱۹۰۔ انار کلی، لاہور۲

فہرست بترتیب مضامین فن وار

قرآن و تفسیر

حدیث

فقہ

تصوّف

عقائد و کلام (اور فلسفہ و منطق)

متفرقات

فارسی ادب

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

فہرست مضامین

بترتیب صفحات

مسائل فہرست دوم

۲- الکِلَمُ الدالّۃ علی الحِکَمِ الضالّۃ

مجموعۃ الرسائل الاشرفیہ

وہ چوالیس رسائل جن کا حوالہ بوادر النوادر کی تین فہرستوں میں دیا گیا ہے

حلیۃ الورق من مؤلف ہذا الرسالۃ المحشی حکیم الامت مجدد الملت حضرت مولانا محمد اشرف علی صاحب نور اللہ مرقدہٗ

قال اللہ تعالیٰ فی النجم

أَمْ لَمْ يُنَبَّأْ بِمَا فِي صُحُفِ مُوسَىٰ ... الیٰ قولہ فَغَشَّاهَا مَا غَشَّىٰ

(اذ الی ما قبلہ بلا تعیین)

لما دلت الآیات علی حسن التقاط بعض المرام ٭ من کثیر الکلام باقتضاء المقام حیث ذکر فیہا بعض ما فی صحف موسیٰ وابراہام ٭ علیہما الصلوٰۃ والسلام ٭ وکانت من ذوات ہذا الشان۔

رسالہ

بوادر النوادر

المنتخبۃ من تالیفات ہذا العبد المستہام ٭ حیث اقتصر فی انتخابہا علی المہام ٭ من العلوم والاحکام ٭ وہذبتہا ورتبتہا باکمل اہتمام ٭ واجمل نظام ٭

ثم اعید طبعہا مرۃ ثانیۃ

العبد الضعیف محمد شفیع الدیوبندی غفر لہ بما اضاف المقدر بعض الحواشی فی مواضع عدیدۃ

فی محرم الحرام سنہ ۱۳۶۵ھ

من مکتبۃ اشرف العلوم شعبۃ دار الاشاعۃ بدیوبند ضلع سہارنپور

وقد اہتم بتصحیحہ العزیز الفاضل المولوی سمیع حسن المدرس بدار العلوم الدیوبند

(مطبوعہ کمال پرنٹنگ پریس دہلی)

عرض از ناشر

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

الحمد للہ وکفیٰ وسلام علیٰ عبادہ الذین اصطفیٰ - اما بعد بقیۃ السلف حجۃ الخلف۔ مجدد الملۃ حکیم الامۃ امام ربانی سیدی حضرت مولانا اشرف علی صاحب قدس اللہ سرہٗ کی یہ تصنیف تاریخ تصنیف کے اعتبار سے سب سے آخری اور خاتمۃ التصانیف ہے۔ اور مضامین کے اعتبار سے روح التصانیف حضرت اقدس نور اللہ مرقدہٗ نے اس کتاب کی اصل یعنی فہرست مضامین مع حوالہ کتب کو ۱۳۴۲ھ سے ۱۳۵۱ھ تک مختلف وقتوں میں مرتب فرمایا۔ حق سبحانہ وتعالیٰ نے حضرت اقدس کو مشکل سے مشکل کام میں آسان سے آسان راستہ نکالدینے کی ایک خصوصیت عطا فرمائی تھی اس لئے یہ فہرستیں تو خود قلم مبارک سے مرتب کردیں اور شائع کردیں اور یہ وصیت لکھدی کہ کوئی صاحب ان فہرستوں کے اصل مضامین کو تمام تصانیف سے منتخب کرکے شائع کردیں۔ اللہ سبحانہ وتعالیٰ کا یہ معاملہ بھی حضرت اقدس کیساتھ ہمیشہ سے تھا کہ ؎

می دہد یزداں مراد متقیں	تو چناں خواہی خدا خواہد چنیں

چنانچہ جنگ کی وجہ سے سامان طباعت مفقود ہونے کے باوجود ایک صاحب خیر شیخ محمد عبد الکریم صاحب شیخ کراچی اسکی طباعت کیلئے آمادہ ہوگئے جنکی لکھی ہوئی تمہید شروع میں درج ہے۔ اور حضرت اقدس کے مرض وفات میں یہ کتاب مکمل طبع ہوگئی۔ لکھنؤ میں چھپی تھی۔ تھانہ بھون پہونچنے میں کچھ دیر لگی تو روزانہ انتظار رہتا تھا۔ وفات سے تقریباً بیس روز پہلے یہ کتاب پہونچ گئی جس سے بہت ہی مسرور ہوئے۔ گرانی شدید کی وجہ سے بہت ہی تھوڑے نسخے طبع ہوئے تھے جنمیں کچھ نسخے حضرت والا نے اپنی رقم سے اپنے لئے طبع کرائے تھے۔ یہ نسخے اپنے مخصوص متعلقین میں تقسیم فرمائے سب سے پہلا نسخہ اس ناکارہ کو عطا فرمایا۔ یہ سب مطبوعہ نسخے اسقدر قلیل تھے کہ بہت کم حضرات کو دستیاب ہوئے۔ حضرت اقدس کی وفات کے بعد اسکی دوبارہ طباعت سب سے زیادہ ضروری معلوم ہوئی۔ اور چند مخلص دوستوں کے تقاضانے اور ہمت پیدا کردی۔ اونکی برکت سے حق تعالےٰ نے اس کی طبع ثانی کا شرف اس ناکارہ کو عطا فرمایا۔ کہیں کہیں کچھ مفید حواشی کے اضافہ کی بھی توفیق ہوئی تصحیح کا بھی حسب قدرت اہتمام کیا گیا اور بلحاظ تناسب ضخامت کتاب کی دو جلدیں کردی گئیں جلد اول میں اصل کتاب کے تین حصے غرائب حِکَم نوادر ہیں اور جلد دوم میں دو رسائل مستقل جنکا حوالہ تینوں مذکورہ حصوں میں آیا ہے وللہ الحمد اولہ و آخرہ +

بندہ محمد شفیع دیوبندی عفا اللہ عنہ - محرم ۱۳۶۵ھ۔

تمہید ناشر اول

بعد الحمد و الصلوٰۃ۔ یہ ایک نہایت عجیب دلچسپ رسالہ ہے ملقب بہ بوادر النوادر جو جامع ہے حضرت سیدی وسندی حکیم الامۃ مجدد الملۃ مولانا مولوی محمد اشرف علی صاحب دام ظلہم العالی کے تین سو متفرق مضامین کا اس کے قبل ان مضامین کی تین فہرستیں بھی صاحب مضامین کے قلم سے مختلف اوقات میں مرتب ہوچکی ہیں جنمیں سے بعض

شائع بھی ہوئی ہیں اور بعض قلمی مدرسہ امداد العلوم میں محفوظ تھیں۔ ان میں ہر فہرست ۱۰۰ مضمون کی ہے مع عدم التباہ الکسر اور یہ مضامین مختلف علمی ابواب کے ہیں جو باستثناء نہایت قلیل مختلف رسالوں میں شائع ہو چکے ہیں مگر بعض دواعی جو کہ بعض فہرست ہائے مذکورہ کی تمہیدیں مذکور ہیں ان کے مجتمعاً شائع ہونے کے مقتضی تھے جنکا حاصل یہ ہے بعض مضامین جو وقت کا بدون تعب ملجانا اور خود ایک جلد میں انکے مطالعہ کا موجب تجدید نشاط ہونا اور حق تعالیٰ کی نعمت کا اظہار کہ ایک خاص شان کے مضامین بدون مشقت حضرت صاحب تالیف دام ظلہم کے قلب پر وارد فرمائے اور ان مصالح کی تحصیل و تکمیل کیلئے بعض تمہیدات میں منجانب صاحب مضامین ان مضامین کے مستقلاً شائع کرنے کا مشورہ بھی دیا گیا ہے۔ اس عاجز نے اس مشورہ پر عمل کرنے کیلئے اس خدمت کی سعادت حاصل کرنے کا عزم کیا اور توفیق الٰہی نے دستگیری فرمائی چنانچہ رسالہ ہذا جو تینوں مذکورہ فہرستوں کے مضامین کا جامع ہے اس صورت مجوزہ میں آپ کے سامنے ہے۔ ناظرین سے امید ہے کہ رسالہ کے نافع ہونے کی اور اس عاجز کی یہ خدمت علمی مقبول ہونے اور ذخیرۂ آخرت ہونے کی دعا فرماویں۔

چونکہ مذکورہ فہرستوں کی تمہیدیں بھی بہت فوائد پر مشتمل ہیں اس لئے صاحب مضامین کے مشورہ سے اصلح وانفع یہی معلوم ہوا کہ نقل مسائل سے پہلے اُن تمہیدات کو بھی بعینہا نقل کر دیا جاوے۔ پھر مسائل کو اُن ہی عنوانات سے جو فہرستوں میں تجویز کئے گئے ہیں نقل کیا جاوے اور قبل نقل ان تمہیدات اور فہرستوں کو احتیاطاً صاحب مضامین کے نظر سے بھی مکرر گذران دیا گیا ہے اس نظر کے وقت کہیں کہیں عبارات اور مسائل کے نمبروں میں خفیف خفیف تصرف بھی کام لیا گیا ہے اُن مواقع میں عبارات سابقہ مطبوعہ کی ساتھ اختلاف ہونے سے شبہ نہ کیا جاوے۔

واللہ ولی الھدایۃ فی کل بدایۃ ودرایۃ وھو العاصم عن کل غوایۃ۔

العارض الشیخ محمد عبد الکریم جج پنشنر مقام کراچی ۔ سلخ رجب ۱۳۵۰ھ

تمہید فہرست اوّل

غرائب الرغائب

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

بعد الحمد والصلوٰۃ۔ یہ مجموعہ ہے احقر کے ایسے چند مضامین کا جو بلا نقل جزئی استناداً الی الکلیات مواقع خاصہ پر ذہن میں آیا کئے۔ اسی لئے ان کو غرائب سے ملقب کیا گیا اور چونکہ یہ مضامین نہایت دلچسپ ہیں اسلئے ان کو رغائب سے موصوف کیا گیا اور غرض ان کے جمع کرنے سے چند امور ہیں۔

(۱) تفریح ناظرین ان کے مطالعہ سے بوجہ ان کے عجیب و غریب ہونے کے لان کل جدید لذیذ۔

(۲) تحدث بالنعمۃ کہ احقر کو باعتبار ان کے علم کے ان نعم علمیہ میں بعضے لوگوں سے متفرد فرمایا گیا۔

(۳) توقع اصلاح از اہل علم بوجہ احتمال غلط بسبب عدم استناد الی النقل الصریح اور گو ان مضامین کا اکثر حصہ مختلف تالیفات میں شائع بھی ہو چکا ہے مگر متفرق ہونے کے سبب بعض اوقات خود مجھ کو بھی انکا موقع یاد نہ آتا تھا اسلئے سرسری تتبع کے بعد انکو مجتمع کر دینا اجمل و اسہل فی النفع معلوم ہوا۔ اور اسی وجہ سے مستقل تصنیفات کے مضامین کو اس میں نہیں لیا گیا۔ الا نادر العارض ما کیونکہ ان سے اخذ کرنا چنداں دشوار نہیں۔ اور یہ مضامین ایک مائہ محدود تک ہیں اور ایسے مضامین اور بھی ہیں مگر فی الحال ۱۰۰ پر اکتفا کیا گیا اور ان دونوں وصف میں یہ رسالہ

ہمرنگ ہے اصدق الرؤیا کا اور زمانہ بھی دونوں کی تالیف کا ایک ہے۔ واللہ تعالیٰ ولی النعم ومن العلوم والحکم۔

(اشرف علی عفی عنہ)

تمہید فہرست دُوم

الکلم الدالۃ علی الحکم الضالۃ

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

بعد الحمد والصلوٰۃ۔ عرض ہے کہ اس رسالہ کی اجمالی حقیقت اس کے نام ہی سے ظاہر ہے اور تفصیل یہ ہے کہ مجھ کو بعض اوقات اپنے لکھے ہوئے بعض مضامین کے تفحص کی ضرورت ہوتی تھی خواہ کسی سائل کے جواب کیلئے خواہ کسی شائق کے ابتدائی خطاب کیلئے اور وہ اس وجہ سے کہ غیر مستقل مؤلفات میں (جیسے مختلف اوقات کے فتاویٰ اور جیسے ماہواری رسالے) منتشر تھے بعض اوقات ملتے نہ تھے اسلئے میں نے ایسے مؤلفات پر ایک سرسری نظر ڈالکر ایسے مضامین کے نشانات کو اپنی سہولت کیلئے اولاً اور دوسرے ناظرین کیلئے ثانیاً ایک جدول کی شکل میں ضبط کر لیا اگر کسی کو مختلف رسائل کا جمع کرنا بھی مختلف معلوم ہو وہ انہی نشانات سے انکو ایک مستقل رسالہ کی صورت میں بھی جمع کر سکتا ہے اور چونکہ اسکو رسالہ غرائب کیساتھ بعض اوصاف میں اشتراک بھی ہے جیسے مجموعہ مضامین کی تعداد اور جیسے ان مضامین کا خاص شان سے نافع ہونا اسلئے اسکو حکماً غرائب کا دوسرا حصہ بھی قرار دیا جا سکتا ہے اور حقیقۃً اسلئے نہیں کہ اُس کے تدوین کی بناء جو کہ اسکے خطبہ میں مذکور ہے اسکی تدوین کی بناء سے جو کہ ابھی اوپر مذکور ہوئی متمائز ہے۔ اللّٰھم ربنا لک الحمد علی ما سہلت لنا الامور وشرحت لنا الصدور۔ کتبہ اشرف علی خامس شہر رمضان المبارک ۱۳۳۲ھ

تمہید فہرست سوم

نوادر

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

بعد الحمد والصلوٰۃ۔ یہ رسالہ گویا جلد ثانی ہے رسالہ الکلم الدالۃ علی الحکم الضالۃ کی جو ۱۳۳۲ھ کے رمضان میں چھپا اور النور میں شائع کیا گیا تھا جسکی حقیقت اُسکے خطبہ سے ظاہر ہے جس کا حاصل یہ ہے کہ بعض اوقات مجھ کو اپنے ایسے لکھے ہوئے مضامین کے تفحص کی ضرورت ہوتی تھی جو غیر مستقل مؤلفات میں منتشر تھے اور وہ بعض اوقات ملتے نہ تھے۔ اسلئے میں نے ایسے مؤلفات پر سرسری نظر ڈالکر ایسے مضامین کے نشانات کو اپنی سہولت کیلئے اولاً اور دوسرے ناظرین کے نفع کیلئے ثانیاً ایک جدول کی شکل میں ضبط کر لیا ہے چونکہ سنہ مذکور کے بعد اور مضامین بھی اس قسم کے لکھے گئے یا اس شان کے ثابت ہوئے اسلئے اس فہرست میں اضافہ کی حاجت ہوئی وہ اضافہ یہ ہے اور فہرست ہائے بالا سے امتیاز کیلئے اسکے اجزا کا عنوان نادرہ مناسب معلوم ہوا اب یہ کل تین فہرستیں ہوئیں مضامین عجیبہ مہمہ کی۔ اگر ان مضامین کے دیکھنے کیلئے کسی کو مختلف رسائل کا جمع کرنا تکلف ہو وہ ان ہی نشانات سے انکو ایک مستقل رسالہ کی صورت میں جمع کر سکتا ہے۔ اگر ایسا اتفاق ہو تو مشورۃً عرض کیا جاتا ہے کہ اس مجموعہ کا لقب بوادر النوادر رکھا جاوے۔ کتبہ اشرف علی ۱۳۵۱ھ

عہ بکسر الکاف وفتح اللام جمع کلمۃ بکسر الکاف وسکون اللام بکسر جمع کسرۃ کذا فی القاموس ۱۲ منہ عہ اور بعض مستقل مؤلفات کا جو ایک وہ مضمون آگیا ہے یا کوئی مضمون مستأنف غیر منقول عن المؤلف السابق آگیا ہے وہ استطراداً آ گیا ہے ۱۲ منہ

آغاز مسائل مقصودہ

اب ہر فہرست کے مسائل بامتیاز عنوانات مجوزہ تمہیدات منقول ہوتے ہیں

مسائل فہرست اوّل

غرائب الرغائب

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

پہلا غریبہ

۱۔ دفع اشکال عدم اطمینان بذکر

حال ۔ احقر کی اپنے حال زار پر بہت ندامت وپریشانی ہے کہ ارشاد خداوندی تو ہے الا بذکر اللہ تطمئن القلوب احقر کو کیوں برخلاف اسکے بے اطمینانی وپریشانی شامل حال ہے ۔

تحقیق ۔ مراد آیت میں اطمینان طبعی نہیں ورنہ حضرت ابراہیم علیہ السلام کا یہ قول ولکن لیطمئن قلبی کردال ہے اس وقت عدم حصول اطمینان پر مستلزم ہوگا نعوذ باللہ انکے عدم تاثر کو ذکر سے حاشا وکلا ۔ اس کا کون قائل ہوسکتا ہے بلکہ مراد اس سے اطمینان عقلی یعنی ایمان اعتقادی ہے جس کو ابراہیم علیہ السلام نے اپنے قول بلیٰ میں ظاہر فرمایا ہے پس آیت میں یہی اطمینان اعتقادی مراد ہے دلیل اسکی خود سیاق وسباق ہے قال تعالیٰ ویقول الذین کفروا لولا انزل علیہ اٰیۃ من ربہ اس کے جواب کے سلسلہ میں ارشاد ہوا ہے یعنی یہ لوگ عناد سے فرمائش معجزات مقترحہ کی کرتے ہیں اور جو اہل ایمان ہیں وہ ذکر اللہ سے کہ فرد اعظم اس کی قرآن ہے مطمئن ہوتے ہیں یعنی ایمان لاتے ہیں یعنی قرآن

کے اعجاز کو دلالت علی النبوۃ کے لئے کافی سمجھتے ہیں اور ذکر اللہ میں بھی خود بہت ہے کہ جس مرتبہ کا ذکر ہوتا ہے اسی مرتبہ کا اس سے اطمینان ہوتا ہے۔ ذکر اعتقادی سے اطمینان اعتقادی اور ذکر حالی سے اطمینان حالی۔ آپ ذکر اعتقادی پر اطمینان حالی تلاش کرتے ہیں۔ وہ بھی انشاء اللہ تعالیٰ شدہ شدہ ہوجاویگا اس کے نہ ہونے سے شبہ عدم نافعیت ذکر کا نہ کریں فقط ترتیبہ حصہ سوم ص۳

دوسرا غریبہ

در تحقیق قاعدہ اصولیہ اعتبار عموم الفاظ	قاعدہ کلیہ اصولیہ لاعبرۃ لخصوص السبب بل العبرۃ

لعموم الالفاظ میں عموم سے وہ عموم مراد ہے جو مراد متکلم سے متجاوز نہ ہو چنانچہ حدیث میں ہے لیس من البر الصیام فی السفر ظاہر ہے کہ الفاظ عام ہیں مگر یہ بھی جمہور کے نزدیک یقینی ہے کہ مراد صرف وہ صوم ہے جیسا اس حدیث کے سبب ورود میں تھا یعنی جسمیں مشقت و مصیبت تھی۔

تیسرا غریبہ

در تجربہ زیادت شہوت در پیراں بہ نسبت جواناں از بعض وجوہ	اکثر بوڑھوں میں شہوت جوان سے زیادہ ہوتی ہے گو قوت کم ہوتی ہے اور جوانی میں قوت عفت کی زیادہ ہوتی ہے

پہلی وجہ یہ ہے کہ جوانی میں چونکہ شہوت قوی ہوتی ہے اس لیے اُس کے روکنے میں نفس کو حظ وافر حاصل ہوتا ہے بخلاف ایام ضعیفی کے اور حظ وافر نفس کو محمود اور مطلوب معلوم ہوتا ہے۔ دوسری وجہ ہے کہ جوانی کی حالت میں ہمت زیادہ ہوتی ہے بخلاف عالم ضعیفی کے۔ تیسری وجہ یہ ہے کہ انسان بوجہ شدت شہوت عالم جوانی میں عفت کا اہتمام زیادہ کرتا ہے بخلاف عالم ضعیفی کے کہ اس زمانہ میں بوجہ ضعف شہوت اس طرف اہتمام نہیں ہوتا۔ چوتھی وجہ یہ ہے کہ اکثر لوگ جوانوں سے تو اپنے لڑکوں اور عورتوں کو دور رکھتے ہیں اس لئے بھی ان کو ابتلا رکم ہوتا ہے بخلاف بوڑھوں کے کہ اُن سے کسی کو اندیشہ نہیں ہوتا اس لئے اُن سے احتیاط نہیں کیجاتی وہ معصیت نظر و مس میں زیادہ مبتلا ہوجاتے ہیں اور گو یہ معاصی اصل زنا کی برابر نہ ہوں لیکن چونکہ اکثر لوگ انکو خفیف سمجھتے ہیں اس حیثیت سے ان میں اشدیت آجاتی ہے۔

چوتھا غریبہ

در مکان مقصود نبودن توجہ متعارف

کمال تو وہ ہے جو مقبولان الٰہی میں پایا جاوے اور نا مقبول اس سے محروم ہوں اور توجہ متعارف مشترک ہے بین المقبولین والمردودین۔ اور مدار اسکا ایک خاص طریق پر مشق کرنا ہے جس سے قوت نفسانیہ متصرفہ حاصل ہوجاتی ہے اور وہ اگر نیک نیتی سے ہو تو گو جائز ہے لیکن انبیاء علیہم الصلوٰۃ والسلام کا یہ طریقہ رہا نہیں وہاں تو فقط نصیحت اور مواعظ اور دعا و شفقت سے کام لیا جاتا تھا (وکفی بھم قدوۃ ۱۲ جامع) اور بعض اوقات یہ قوت اہل باطل میں بھی بہت ترقی پذیر ہوتی ہے۔ اسی لئے ہر توجہ دینے والے کے پاس بیٹھنا مناسب نہیں جب تک کہ اس کا متبع سنت ہونا تیقن نہ ہوجاوے بعض اوقات بڑا ضرر ہوتا ہے۔

پانچواں غریبہ

در جواب حدیث ذوالیدین بابداء احتمال خصوصیۃ نبویہ

اجماع ہے نماز میں کلام کرنے سے فساد صلوٰۃ پر۔ اب رہا یہ کہ کوئی خاص نوع کلام کی اس حکم سے مستثنےٰ ہے یا نہیں سو اس دعوے استثناء کے لئے دلیل کی حاجت ہے سو خصم سے مطالبہ کیا جائے اور اس پر منع وارد کیا جاوے رہی حدیث ذوالیدین عہ سو اگر بعد نسخ بھی ہو تب بھی اس تقریر کو مضر نہیں کیونکہ یہ خصوصیت ہوگی رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کی کہ آپ سے کلام کرنا مثل کلام مع اللہ تعالیٰ مبطل صلوٰۃ نہ تھا علی ہذا آپ کا کلام کرنا بھی کہ آپ کے لئے مثل خصائص بیشمار کے اسکا بھی خاص ہونا کچھ بھی بعید نہیں۔

چھٹا غریبہ

در حکمت حصر منکوحات در اربع

جائز نکاح سے متجاوز نہ ہونے کی ایک حکمت یہ بھی ہے کہ عورت کا فی نفسہ حق قضاء وطر بھی اور نکاح کی جو اصلی مصلحت ہے یعنی ابتغاء ولد[1] جو موقوف ہے اجمال[2] پر وہ بھی مقتضی اس کو ہے کہ کم از کم ہر طہر میں ایک بار ہمبستری ہوجایا کرے اور صحیح المزاج عورت کو ہر ماہ میں ایک بار حیض ہوکر طہر ہوتا ہے یہ امر تو باعتبار حالت عورت کے ہے اور متوسط قوت کا

عـــہ اس مضمون کو مثنوی حکمۃ میں بھی دیکھ لیا جائے بہت مفصل ہے ۱۲

[1] اولاد حاصل کرنا ۱۲ [illegible]

مرد ایک ہفتہ میں ایک بار صحبت کرنے سے صحت کو محفوظ رکھ سکتا ہے یعنی ایک ماہ میں چار بار قربت کر سکتا ہے پس اس طرح سے اگر چار عورتیں ہونگی تو ہر عورت سے ایک طہر میں ایک بار صحبت ہوگی جس میں تمام مصالح متعلقہ جانبین کی رعایت ملحوظ رہے گی اور اس سے زیادہ منکوحات میں یا تو مرد پر زیادہ تعب ہوکر اُس میں قوت تولید کی نہ رہے گی اور یا عورت کا حق ادا نہ ہوگا اور چونکہ قانون عام ہوتا ہے اسلئے کسی خاص مرد کا زیادہ قوی ہونا اس حکمت میں مخل نہیں ہوسکتا البتہ پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم میں چونکہ قوت بھی زیادہ تھی اور آپ کو قوانین عامہ سے ممتاز کرکے بہت سی خصوصیات بھی عطا کی گئی ہیں اس لئے اس حکم میں بھی آپ کو ایک خاص امتیاز عطا فرمایا گیا۔

ستائواں غریبہ

در دفع اشکال متعلق بعض اشعار دیباچہ بوستاں

دگر سالکے محرم راز گشت ۔۔۔ بہ بستند بروے در باز گشت
کسے را دریں بزم ساغر دہند ۔۔۔ کہ دارُوئے بیہوشیش در دہند
یکے باز را دیدہ بر دوختہ است ۔۔۔ یکے دیدہا باز و پر سوختہ است
کسے رہ سوے گنج قارون نبرد ۔۔۔ وگر بردہ باز بیروں نبرد
بمردم دریں موج دریائے خوں ۔۔۔ کزو کس نبردہ است کشتی بروں
اگر طالبی کایں زمیں طے کنی ۔۔۔ نخست اسپ باز آمدن پے کنی
تامل در آئینۂ دل کنی ۔۔۔ صفائی بتدریج حاصل کنی
مگر بوئے از عشق مستت کند ۔۔۔ طلبگار عہد الستت کند
بپائے طلب رہ دریجا بری ۔۔۔ وزینجا ببال محبت پری
بتدریج پردہائے خیال ۔۔۔ نماند سرا پردہ الا جلال
دگر مرکب عقل را پویہ نیست ۔۔۔ عنانش بگیرد تحیر کہ ایست
دریں بحر جز مرد داعی نرفت ۔۔۔ گم آں شد کہ دنبال راعی نرفت

قال السعدی رح وگر سالکے محرم راز گشت الی قولہ دریں بحر جز مرد داعی نرفت۔ ان ابیات میں

ظاہراً ایک اشکال ہے وہ یہ کہ اس سے اوپر ادراک ذات وصفات بالکنہ کا امتناع بیان کیا ہے تو ظاہر یہی ہے کہ یہاں سے ؎ وگر سالکے الخ میں اُسی کا تحقق فرض کیا گیا ہے اور یہ صریح تعارض کیا ہے دوسرے واقع کے بھی خلاف ہے کیونکہ ادراک بالکنہ فی الواقع ممتنع ہے تو اُس کا فرض محال ہے اُس پر احکام واقعیہ مرتب نہیں ہوتے جیسا یہاں وگر سالکے الخ میں مرتب کئے گئے ہیں پھر اخیر میں سے ؎ دریں بحر الخ میں ظاہر اشارہ الیہ بھی ادراک بالکنہ ہوگا تو اُسمیں ایک تعارض مذکور کا اشکال ہوگا کہ اول مطلقاً امتناع کا حکم کیا تھا یہاں اُس سے استثنا کیا دوسرے واقع کے بھی خلاف ہوگا کیونکہ ادراک بالکنہ کا امتناع واقع میں عام ہے تیسرے سے ؎ وگر سالکے الخ کے مدلول سے معارض ہوگا کیونکہ اس میں بعض سالکین کے لئے اس کا وقوع فرض کرلیا گیا ہے پھر اس حصر دریں بحر جز مرد داعی الخ کے کیا معنی اور اگر شعر سے ؎ وگر سالکے الخ کی توجیہ کے لئے ادراک بالکنہ نہ لیا جاوے بلکہ معرفت مخصوص جاہل الفنا لی جاوے تو اشکال تعارض کا تو جاتا رہیگا لیکن سے ؎ یہ بندند بروے الخ میں اشکال ہوگا کیونکہ اس میں بقا بعد الفنا کی نفی ہوتی ہے حالانکہ یہ حکم صحیح نہیں دوسرے سے ؎ دریں بحر جز مرد داعی نرفت میر، اگر بحر سے مُراد فنا ہے تو اوپر کے حکم سے ؎ وگر سالکے الخ سے معارض ہے اور اگر مراد بقا ہے تو علاوہ اس کے کہ اس تعبیر میں بُعد ہے کیونکہ بحر کا خاصہ استغراق ہے اور بقا میں استغراق نہیں، خود یہ حصر بھی واقع کے خلاف ہے اولاً اکثر سالک حصول بقا سے ممتاز ہوتے ہیں۔ اور اگر کوئی درجہ عالیہ لیا جاوے تو دوسرے انبیاء علیہم السلام اس میں شریک ہیں یہ ہے تقریر اشکال کی۔ توجیہ اس کی جو چند روز کے غور کے بعد خیال میں آئی یہ ہے کہ ایک ادراک عقلی ہے ایک کشفی ہے اور ایک یعنی ہے یعنی سویت۔ پس اشعار بالا میں تو ادراک عقلی کے متعلق بالکنہ ہونے کی نفی ہے چنانچہ لفظ قیاس و لفظ فکرت اس کا قرینہ ہے اور اس حکم کی صحت ظاہر ہے اور ادراک کشفی کا ان ابیات میں ذکر ہے سے ؎ وگر سالکے الخ مگر ادراک کشفی بھی متعلق بالکنہ نہیں جیسا دوسرے دلائل مستقلہ سے ثابت ہے بلکہ بہ نسبت ادراک عقلی کے اسمیں قدرے زائد انکشاف ہے جو کہ ذوقی و وجدانی ہے پس معنی مقام کے یہ ہیں کہ ادراک عقلی تو درجہ انکشاف ممکن تک بھی نہیں چلتا البتہ ادراک کشفی انکشاف ممکن کے درجہ تک ہو سکتا ہے مگر اس میں قدرت علی التعبیر نہیں ہوتی جو دوسرے کو محرم راز کر سکے سے ؎ یہ بندند بروے الخ میں رجوع سے مُراد تعبیر و خطاب

اہل عقل کو ہے آگے اسی کشف کا طریقہ بتلایا ہے ؎ اگر طالبی الخ میں اور چونکہ کشف کا درجہ ادراک عقلی سے بڑھا ہوا ہے اسی لئے ؎ بسوئے یقیں پردہ ہائے خیال۔ کا حکم فرمایا اب آگے رہ گئی رویت اسکی نفی اہل کشف کیلئے بھی کرتے ہیں ؎ نماند سرا پردہ الا جلال۔ اور اسی مرتبہ رویت کو رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کے لئے بطور حصر ثابت کرتے ہیں اس قول میں دریں بحر الخ فافہم حق الفہم پھر زبانی فرمایا کہ ان اشعار کے حل کے بعد معلوم ہوا کہ فن دانی میں (یعنی فن تصوف میں) حضرت مولانا رومی قدس سرہ زیادہ محقق ہیں حضرت شیخ سعدی رح سے۔

آٹھواں عشریہ

(در حل اشکال متعلق بحدیث رفع عن امتی الخطأ والنسیان)

سوال میرے دل میں آنجناب کی تفسیر لَا یُکَلِّفُ اللّٰہُ نَفْسًا الآیہ دیکھکر ایک خدشہ پیدا ہوا ہے جو معروض خدمت ہے اُمید کہ جواب سے مشرف فرمایا جاوے وَھُوَ ھٰذَا۔ لا یکلف اللہ نفسًا سے معلوم ہوتا ہے کہ امم سابقہ بھی خطا و نسیان سے معفو عنہم تھے اور حدیث رفع عن امتی الخطأ والنسیان سے معلوم ہوتا ہے کہ وہ خطا و نسیان کے مکلف تھے کما اشعر نوالیہ فی التفسیر فما وجہ التوفیق بینھما

الجواب میری عبارت متعلقہ تفسیر آیت ہذا کے اخیر میں اس سے صریحاً تعرض ہے ملاحظہ فرمایا جاوے اس کا ضروری حصہ نقل کرتا ہوں "و تو بھی ممکن ہے کہ جتنے مراتب خطا و نسیان کے اور اسی طرح وساوس و خطرات کے معاف کئے گئے ہیں اُن میں بعض اختیاری ہوں چنانچہ تامل سے یہی معلوم بھی ہوتا ہے اس لئے اُن کا مکلف بنانے میں کوئی اشکال نہ تھا اور حدیثوں میں عن اُمتی کی قید سے امم سابقہ کا بعض مراتب میں مکلف ہونا مفہوم بھی ہوتا ہے ورنہ محض تکلیف ما لا یطاق کی نفی تو لفظ نفسًا سے عام معلوم ہوتی ہے سب امم کو اھ۔ ۲۵ محرم ۱۳۳۲ھ

نواں عشریہ

(در حل بعض اشعار لغات) منہیہ متعلق شعر ؎ دو گلستان ارم دوش چو از لطف ہوا۔ الی آخر الیتین

ایک بوسے اشعار یہ ہیں ؎ دو گلستان ارم دوش چو از لطف ہوا ✤ زلف سنبل ز نسیم سحری می آشفت
گفتم اے مسند جم جام جہاں بینت کو ✤ گفت افسوس کہ آں دولت بیدار بخفت

واقع رسالہ عرفان حافظ ردیف التاء

میں نے تین رسالہ میں تو ان اشعار کا اپنے فہم میں آنا اور پھر حاشیہ میں انکی کچھ توجیہ لکھی ہے اسکے بعد ۱۳۳۳ھ کے دوثلث گذرنے کے بعد اتفاقاً مرادآباد جانے کے وقت مولانا محمد صدیق صاحب سے پھر ملاقات ہوئی انہوں نے پھر ان اشعار کی نسبت یہ فرمایا کہ شعر اوّل کا مصرع اوّل بعض نسخوں میں اور طرح پایا گیا ہے یعنی بعض میں تو اس طرح ع درگلستان جہاں دوش جو از لطف ہوا - اور بعض میں اس طرح ع درگلستان جہاں دوش جوانا از لطف - مگر اس نسخہ ثانیہ پر قلم بھی لگا ہوا ہے اھ یہ اختلاف نسخ سُننے کے بعد آج میں نے پھر غور کیا تو نسخہ اولٰے کی یہ تقریر ذہن میں آئی کہ میں نے گلستان عالم میں گذشتہ زمانہ میں (اور دوش سے یہی مُراد ہے نہ کہ خاص شب متصل) چونکہ لطف ہوا کے سبب سنبل میں تمایل ہو رہا تھا اور آج جا کر دیکھا تو چونکہ خزاں کے سبب کچھ بھی نہ رہا اس سبب میں نے اُسکے معنت کو خطاب کیا کہ اے مسند جم کہ گذشتہ زمانہ میں تجھ پر گل اور سنبل کہ سلطان چمن ہیں مشابہ شاہ جم کے تیرا وہ سامان آرائش کہ مشابہ جام جم کے تھا مجامع التزئین کہاں گیا - اس نے بزبان حال کہا کہ وہ سب فنا ہوگیا پس مصرعہ اولیٰ شعر اوّل میں کلمہ جو ظرفیہ نہیں تا کہ آشفتن اور گفتن کا زمانہ متحد ہو بلکہ شرطیہ ہے اور ایک جزو شرط کا مقدر ہے جس پر قرینہ مقام دال ہے خصوص لفظ دوش کہ اس سے انقطاع بھی مفہوم ہوتا ہے یعنی اوّلاً می آشفت بازآں آشفتگی و شگفتگی نماند لہذا گفتم الخ اور مقصود اس مضمون سے وہی تزہید ہوگی جو منہیہ سابقہ میں لکھی ہے اور نسخہ ثانیہ کی اوّل تو اس لئے توجیہ ضروری نہ رہی کہ وہ قلم زدہ پایا گیا اور اگر اس سے قطع نظر کیجاوے تو اس میں بقرینہ مقام کلمہ شرط مقدر ہوگا اور لطف سے مُراد وہی لطف ہوا ہوگا اور جوانا میں الف ندائیہ ہونے سے مخاطب کو بہ صفت جوان خطاب ہوجاویگا اور مطلب کی وہی تقریر ہوگی جو ابھی لکھی گئی اور دونوں تقریر بلکہ تقدیر تقریر منہیہ سابقہ پر بھی خود یہ اشعار بھی اور انکے بعد کا شعر سخن عشق نہ آنست الخ بھی سب اپنے مضمون میں مستقل ہونگے جیسا کہ غزل میں سابق ولاحق کے ارتباط کی کوئی ضرورت بھی نہیں ہوتی - عجیب اتفاق ہے کہ پہلا منہیہ بھی عشرہ اولیٰ محرم میں لکھا گیا تھا اور یہ منہیہ بھی عشرہ اولیٰ محرم میں لکھا گیا البتہ سنہ بدلا ہوا ہے یعنی ۱۳۳۳ھ - ۳ محرم ۱۳۳۴ھ

دسواں عشریہ

(تحقیق تسبب رفع صوت بہ سبب حبط اعمال) سورۃ الحجرات۔ قولہ تعالیٰ۔ یٰٓاَیُّھَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا لَا تَرْفَعُوْٓا اَصْوَاتَکُمْ الیٰ قولہ تعالیٰ اَنْ تَحْبَطَ اَعْمَالُکُمْ وَاَنْتُمْ لَا تَشْعُرُوْنَ۔

احقر نے اپنی تفسیر میں اس مقام پر اولاً یہ لکھا تھا۔ اس کا مطلب یہ ہے کہ بعض اوقات رفع صوت الی قولہ گو اور معاصی موجب حبط نہیں ہوتے، لیکن یہ اس عام میں سے مخصوص ہے۔ الی قولہ لا تشعرون کے یہی معنی ہیں اور اس تقریر پر جو شبہ ہو سکتا تھا کہ اس میں تو معتزلہ و خوارج کے استدلال کی بھی گنجایش نہ رہی الی قولہ غایت مافی الباب ایک معصیت کو بھی حابط اعمال کہنا پڑیگا سو اس موجبہ جزئیہ کی نقیض کوئی سالبہ کلیہ منصوص نہیں ثم الی قولہ قایل ہونا ارجح ہے یہ تھی تقریر مقام کی جو تفسیر میں اختیار کی گئی تھی مگر بعد میں اسمیں یہ جزو قلب میں کھٹکنے لگا کہ اہلِ سنت کے اس قاعدہ کو جو ظاہراً عام معلوم ہوتا ہے کہ معاصی حابط اعمال نہیں مخصوص کہنا پڑیگا جسپر بجز ضرورت توجیہ قریب آیت کے اور کوئی دلیل نہیں اور چونکہ دوسری توجیہات بھی محتمل ہیں اس لئے احتمال کے ہوتے ہوئے اس ظاہر کا دلیل بننا مشکل ہے اور بلا دلیل تخصیص کا دعویٰ مشکل اسلئے ایسی توجیہ کی تلاش ہوئی جس میں تخصیص کا بھی قایل ہونا نہ پڑے اور آیت میں بھی کسی بعید تاویل کا ارتکاب کرنا نہ پڑے پس متعدد تفاسیر میں بھی تلاش کیا گیا اور دوسرے احباب سے بھی مشورہ کیا گیا مگر میرے قلب کو کسی توجیہ سے شفا نہ ہوئی آخر حضرت مولانا رومیؒ کے کلام سے جناب باری تعالیٰ میں دعا کر کے استمداد کی ان کے کلام میں کوئی ایسا مضمون ظاہر فرما دیجئے جو اس آیت کی تفسیر میں معین ہو جاوے یہ دعا کر کے جو مثنوی کھولی تو دو ایک اشعار مناسبہ کے ساتھ یہ شعر نکلا ؎

چوں دل آں شاہ زیں ساں خوں بود		عصمت وانت فیہم چوں بود		

جسمیں بہت ہی تھوڑا تامل کرنے سے فوراً قلب میں تقریر ذیل وارد ہوئی وہ یہ کہ بے ادبی اور گستاخی سے جبکہ بقصد ایذاء رسول نہ ہو صرف گناہ ہی ہوگا مگر چونکہ یہ سبب ہوگا ایذاء رسول کا (وہ منطبق علی قول مولانا زیں ساں خوں بود) اور ایذاء رسول حق تعالیٰ کے نزدیک اسقدر مبغوض ہے کہ بعض اوقات وہ سبب ہو جاتا ہے خذلان و عدم توفیق و عدم ضفاحق للعبد کا (وہ منطبق علی قول مولانا عصمت چوں بود) اور یہ خذلان

سبب قریب ہوجاتا ہے وقوع فی الکفر الاختیاری کا اور کفر کا حابط اعمال ہونا معلوم ہے پس معنے یہ ہوئے کہ تم حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے رفع صوت وجہر بالقول مت کرو کبھی ایسا نہ ہو کہ آپ کو تکلیف پہنچے جس سے تم مخذول ہوجاؤ اور اس خذلان کے سبب خدانخواستہ تم قصداً کفر کے اعمال کرنے لگو اور جس وقت تم رفع صوت وجہر بالقول کے مرتکب ہوئے تھے اسوقت تم کو اس تسبب رفع وجہر للکفر بواسطہ تاذی رسول وخذلان حق کی خبر اور اسکا احتمال بھی نہ تھا کیونکہ اُسکے ارتکاب کا کب احتمال ہوسکتا تھا پس میں نے جو کہا کہ کبھی ایسا نہ ہو الخ یہ حاصل ہے ان تحبط بتاویل مخافۃ ان تحبط کا اور یہ جو کہا ہے اُسوقت الی قولہ خبر اور اس کا احتمال بھی نہ تھا یہ حاصل ہے وانتم لا تشعرون کا پس اس تقریر پر کسی معصیت کا حابط بلاواسطہ ہونا بھی لازم نہ آیا اور اسی حبط بلاواسطہ ہی کی اہل سنت نے نفی فرمائی ہے اور اس معصیت کا دوسرے معاصی سے اشد ہونا بھی جو کہ مفہوم عن المقام ہے ثابت ہوگیا کہ دوسرے معاصی میں اس شان کی وعید نہیں آئی۔ الحمدللہ اس تقریر سے سب غبار صاف ہوگئے اور لفظاً بھی کسی تکلف کا ارتکاب کرنا نہیں پڑا۔ وھذا من فضل اللہ تعالیٰ ثم من برکات مولانا دام۔ ۲۹ محرم ۱۳۳۴ھ

نیز اشرف علی عارض ہے کہ تقریر بالا میں جملہ حالیہ وانتم لا تشعرون کی مقارنت عامل کے ساتھ حکمیہ ہوگی اسکے بعد ایک تقریر اس حال کی مقارنت حقیقیہ کی ذہن میں آئی جس کو ہنوز ضبط نہ کرنے پایا تھا کہ مشفقی مولوی حبیب احمد صاحب نے مجھ کو لکھکر دکھلائی چونکہ وہ بالکل وہی تقریر تھی جسکو میں لکھنا چاہتا تھا اس لئے میں اسمیں بالکلیہ متفق ہوا اور ذیل میں اسکو نقل کیا جاتا ہے وھو ھذا چونکہ وانتم لا تشعرون حال ہے ان تحبط اعمالکم سے اسلئے مجھے اچھا معلوم ہوتا ہے کہ عنوان بیان یہ ہو پس معنی یہ ہوئے کہ تم رفع صوت وجہر بالقول مت کرو مبادا اس کی شامت سے تمہارے اعمال حبط ہوجائیں (اس طرح کہ رفع صوت وجہر بالقول موجب ایذاء رسول ہو کر مفضی الی الخذلان ہو اور خذلان منجر بکفر اختیاری اور کفر اختیاری موجب حبط اعمال ہوجائے) اور تمہیں احساس بھی نہ ہو کہ اسکا اصلی سبب تمہارا رفع صوت وجہر بالقول ہی تھا اور تمہارے ایسے لاابالی پن نے تم کو یہ روز بد دکھایا اس عنوان میں پورا مقصود بھی آگیا اور انتم لا تشعرون کی حالت بھی ظاہر رہی۔ انتہی تقریر المشفق الموصوف۔

عـــہ الامداد جلد ۱ نمبر ۱ صفحہ ۲ پر اسکے بعد ایک اور توجیہ بعنوان ایضاً توجیہ آخر وہ بھی قابل ملاحظہ ہے ۱۲ منہ

تتمۃ التحقیق المذکور السؤال من العبد

من العبد الکئیب الی جناب الشیخ الاکمل
النجیب مد اللہ ظلالہ بعد الاف تحیۃ و
سلام۔ اما بعد فقد طالعت رسالۃ
الامداد لشہر رجب المرجب و فیہا
نبذ من بقیۃ تاویل الآیۃ الکریمۃ
یا ایہا الذین اٰمنوا لا ترفعوا اصواتکم
فوق صوت النبی الخ ولاشک فی متانۃ
ذلک التاویل لکن اختلج فی صدری
ان فی ای موضع قال اہل السنۃ و
الجماعۃ ان الاعمال بعضہا لاتکون
موجبۃ لحبط بعض الاعمال بل ظنی ان
الامر خلاف فہذ الامام الہمام محمد
ابن اسمٰعیل البخاری رحمہ اللہ مع علو
کعبہ فی العلوم والکلام قد بوب بابا
فی صحیحہ ص۱۲ المطبوع فی المصطفائی
وقال باب خوف المومن ان یحبط عملہ
وھو لا یشعر وقال السندھی فی تعلیقہ
علی البخاری ای خوف من ان یکون
منافقا فیحبط لذلک عملہ وھو لا
یعلم بنفاقہ لکمال غفلتہ او خوف من
ان یحبط عملہ لشؤم معاصیہ کما دفع

از غلام شکستہ دل بجناب شیخ کامل شریف مد اللہ
ظلالہ۔ بعد ہزاروں ہزار تحفہائے سلام مسنون معروض
آنکہ میں نے رسالہ الامداد بابت ماہ رجب المرجب ۳۴ھ
مطالعہ کیا جس میں کچھ بقیہ حصہ بابت تفسیر آیت کریمہ
یا ایہا الذین اٰمنوا لا ترفعوا اصواتکم فوق صوت
النبی الآیہ مذکور تھا۔ اس تفسیر کی خوبی اور متانت میں
شک نہیں لیکن میرے دل میں یہ خلجان ہو رہا ہے کہ
اہل سنت نے تو کسی موقعہ میں بھی یہ نہیں کہا کہ بعض
اعمال دوسرے اعمال کے حبط (و غارت ہونے) کا سبب
نہیں بن سکتے بلکہ میرا گمان یہ ہے کہ معاملہ برعکس ہے
دیکھئے امام ہمام محمد بن اسمٰعیل بخاری رحمۃ اللہ علیہ نے
جنکا پایہ علوم و کلام میں بہت بلند ہے اپنی صحیح میں
ایک باب باندھا ہے۔ باب خوف المومن ان
یحبط عملہ وھو لا یشعر (باب اس بیان میں کہ
مومن کو ڈرنا چاہیئے اپنے عمل کے حبط ہونے سے
غفلت کی حالت میں) ص۱۲ مطبوع مصطفائی علامہ
سندھی حاشیہ بخاری میں فرماتے ہیں یعنی مومن
کو اس بات سے ڈرنا چاہیئے کہ وہ منافق ہو اور اس وجہ
سے اُسکے اعمال حبط ہو جائیں اور اُسکو اپنے نفاق
کی بوجہ کمال غفلت کے خبر بھی نہ ہو یا مطلب یہ ہے کہ
مومن کو اپنے اعمال کے حبط ہونے سے ڈرنا چاہیئے

علم ليلة القدر من قلبه صلى الله عليه وسلم لشؤم الاختصام اهـ وفي تفسير جامع البيان في تلك الآية الكريمة هكذا ان تحبط اى كراهة او خشية ان تحبط اعمالكم وانتم لا تشعرون بحبطها وفي الصحيح ان الرجل ليتكلم بالكلمة من سخط الله لا يلقي لها بالا الا يكب بها في النار ابعد ما بين السماء والارض اهـ وقد رايت في الصحيح صفحہ ۹۵۹ جلد دوم مصطفائی بلفظ آخر عن ابي هريرة رضي سمع رسول الله صلى الله عليه وسلم يقول ان العبد يتكلم بالكلمة ما يتبين فيها يزل بها في النار ابعد ما بين المشرق والمغرب وفي رواية عن ابي هريرة عن النبي صلى الله عليه وسلم قال ان العبد ليتكلم بالكلمة من رضوان الله لا يلقي لها بالا يرفع الله بها درجات وان العبد ليتكلم بالكلمة من سخط الله لا يلقي لها بالا يهوي بها في جهنم اهـ فترجمة البخاري وتفسير جامع البيان يدلان صراحة مع هذين الحديثين ان بعض الاعمال قد يكون موجبا لبطلان الاعمال فاي شناعة بالتزامه وفرق بين هذا القول وقول المعتزلة والخوارج فانهم يقولون ان الكبائر تخرج العبد من

بوجہ گناہوں کی نحوست کے جیسا کہ شب قدر کا علم رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کے قلب مبارک سے اٹھا لیا گیا بوجہ نحوست خصومت کے اور تفسیر جامع البیان میں اس آیت کریمہ کی تفسیر اس طرح کی ہے کہ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کی آواز پر آواز بلند نہ کرو بوجہ خوف اس بات کے کہ تمہارے اعمال حبط ہو جائیں اور تم کو انکے حبط ہونیکی خبر بھی نہ ہو صحیح میں ہے کہ آدمی بعض دفعہ ایک بات اللہ تعالی کی مرضی کے خلاف کہتا ہے جسکی اسکو پروا بھی نہیں ہوتی مگر اسکی وجہ سے اسکو جہنم میں زمین و آسمان کے فاصلہ سے بھی زیادہ گہرے درجہ میں ڈالدیا جاتا ہے اور میں نے خود صحیح بخاری جلد دوم صفحہ ۹۵۹ مصطفائی میں دیگر الفاظ سے اس حدیث کو دیکھا ہے۔ ابوہریرہ رضی نے رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم سے سنا ہے کہ آپ نے ارشاد فرمایا کہ بندہ بعض دفعہ ایک بات کہتا ہے جسمیں اسکو کوئی بات نہیں معلوم ہوتی اور اسکو جہنم میں مابین مشرق و مغرب سے زیادہ گہرے درجہ میں ڈالا جائیگا۔ ابوہریرہ رضی حضور صلے اللہ علیہ وسلم سے روایت کرتے ہیں فرمایا حضور نے کہ بندہ بعض دفعہ کوئی بات اللہ کی خوشی کی کہتا ہے جسکی اسکو قدر نہیں ہوتی حق تعالے اسکی وجہ سے اسکے بہت درجے بلند فرما دیتے ہیں اور بعض دفعہ کوئی بات اللہ کی ناراضی کی کہتا ہے جسکی اسکو پروا بھی نہیں ہوتی مگر اسکی وجہ سے جہنم میں جھونکا جائیگا بس بخاری کا ترجمۃ الباب اور تفسیر جامع البیان ان دونوں حدیثوں کے ساتھ ملکر صراحۃً اس بات پر دلالت کرتے ہیں کہ

الایمان فاما یدخل فی الکفر کما ھو رأی الخوارج
اولا یدخل فی الکفر ویثبت منزلۃ بین المنزلتین
وھو قول المعتزلۃ بخلاف تلک المقالۃ فانھا
تدل علی الحبط بدون رفع الایمان فیستأنس
ھذا من تلک الایۃ الکریمۃ ایضا فان اللہ
تعالیٰ صدرھا بقولہ یا ایھا الذین اٰمنوا
تنبیھا علی ان ذلک الحبط یکون مجامعا
مع الایمان وذیلھا بقولہ وانتم لاتشعرون
اشعارا علی ان ھذا لایدخل فی الکفر
لعدم تعمد الکفر ولا یبعد ان یکون الامر
ھکذا لان اللہ تعالیٰ مھما ذکر الحبط
فی غیر ھذہ الاٰیۃ فاما قارنھا
بخسران فی الدنیا والاٰخرۃ او الخلود
او عدم اقامۃ الوزن وغیر ذلک من
الوعید وفی ھذہ الایۃ لم یذکر کذلک
ونحن نعد الاٰیات حسبما ادی الیہ
نظری۔

قال اللہ تعالیٰ ومن یرتدد منکم
عن دینہ فیمت وھو کافر فاولٰئک
حبطت اعمالھم فی الدنیا والاٰخرۃ
الخ (سیقول رکوع ۱۱)

ومن یکفر بالایمان فقد حبط
عملہ الخ (لا یحب اللہ رکوع ۵)

کہ بعض اعمال کبھی دوسرے اعمال کیلئے موجب بطلان ہوجاتے ہیں
پس اس بات کے ماننے میں کوئی خرابی ہو اور اس قول میں
اور معتزلہ اور خوارج کے قول میں بڑا فرق ہے کیونکہ وہ قائل
ہیں کہ کبائر بندہ کو ایمان سے نکال دیتے ہیں پھر یا تو وہ کافر ہو
جاتا ہے جیسا کہ خوارج کی رائے ہے یا یہ کہ کفر میں بھی داخل
نہیں ہوتا اور ایمان وکفر کے بیچ میں ایک مرتبہ نکل آتا ہے
یہ قول معتزلہ کا ہے یہ سب اس مذکورہ بالا قول کے خلاف ہیں
کیونکہ اس قول سے صرف حبط عمل پر دلالت ہوتی ہے نہ کہ
زوال ایمان پر اور اسکے لئے اشارہ اس آیت میں بھی موجود
ہے کیونکہ حق تعالیٰ نے اس آیت کو اس قول سے شروع فرمایا ہے
یا ایھا الذین اٰمنوا اے ایمان والو جس سے اس امر پر تنبیہ
ہوتی ہے کہ یہ حبط عمل ایمان باقی رہنے کی حالت میں ہوتا ہے اور
اخیر میں یہ قول بڑھایا وانتم لاتشعرون (اس حال میں
کہ تم جانتے بھی نہیں) یہ بات جتلانے کیلئے کہ یہ جہر کفر میں بھی داخل نہ
کریگا کیونکہ کفر کا قصد نہ تھا اور کچھ بعید نہیں کہ یہ حبط عمل اسی
طرح یعنی بدون زوال ایمان ہو کیونکہ حق تعالیٰ نے اس آیت کے
سوا جہاں کہیں بھی حبط عمل کا ذکر فرمایا ہے وہاں یا تو ساتھ خسران دنیا
وآخرت کا یا دائمی خلود جہنم کا یا وزن نہ ہونیکا یا اور کسی وعید کا
ذکر ضرور کیا ہے اور اس آیت میں ایسی باتیں مذکور نہیں (اب میں
اپنی وسعت نظر کے موافق آیتوں کا شمار کرتا ہوں) حق تعالیٰ
فرماتے ہیں اور جو کوئی پھر جائے تم میں سے اپنے دین سے
اور مر جائے کافر ہو کر پس ان لوگوں کے اعمال اکارت ہوگئے دنیا
وآخرت میں (سیقول رکوع ۱۱) اور جو کوئی ایمان کا انکار

ویقول الذین آمنوا اھؤلاء الذین اقسموا باللہ
جھد ایمانھم انھم لمعکم حبطت اعمالھم الخ
(لا یحب اللہ رکوع ۱۲) اولئک الذین لیس لھم
فی الآخرۃ الا النار وحبط ما صنعوا فیھا وباطل
ما کانوا یعملون (وما من دابۃ فی الارض رکوع ۲)
ما کان للمشرکین ان یعمروا مساجد اللہ شاھدین
علی انفسھم بالکفر اولئک حبطت اعمالھم الخ
(براءۃ رکوع ۹) وخضتم کالذی خاضوا اولئک
حبطت اعمالھم فی الدنیا والآخرۃ (براءۃ
رکوع ۱۵) اولئک الذین کفروا بآیات ربھم
ولقائہ فحبطت اعمالھم (قال الم اقل لک رکوع ۳)
لئن اشرکت لیحبطن عملک ولتکونن من
الخاسرین (فمن اظلم رکوع ۴) والذین
کفروا فتعسا لھم واضل اعمالھم ذلک
بانھم کرھوا ما انزل اللہ فاحبط اعمالھم
(حم رکوع ۵) بل اقول القول بعدم حبط
الاعمال ھو قول المرجئۃ الذین یقولون لا
یضر مع الایمان معصیۃ فالظاھر
ان القول بالتخصیص او غیر ذلک غیر
ضروری۔ ھذا ما ظھر لخویدمکم فان
صح فالمرجو القبول والارشاد وفی
الی مواقع غلطی واھدنی
الی سواء الطریق افیدنی

(انکار سے ان کے اعمال اکارت ہوگئے (لا یحب اللہ رکوع ۵)
اور مسلمان لوگ کہیں گے ارے کیا یہ وہی لوگ ہیں کہ بڑی مبالغہ سے
قسمیں کھایا کرتے تھے کہ ہم تمہارے ساتھ ہیں۔ ان لوگوں کی
ساری کاروائیاں غارت گئیں (لا یحب اللہ رکوع ۱۲)
یہی لوگ ہیں جنکے لئے آخرت میں سوائے آگ کے کچھ نہیں اور جو
انہوں نے کیا دنیا میں اکارت گیا اور جو کچھ کرتے تھے فضول ہوگا
(وما من دابۃ رکوع ۲) مشرکوں کو حق نہیں کہ اللہ کی مسجدوں کو
آباد کریں اس حال میں کہ اپنے نفسوں پر کفر کے گواہ ہیں ان
لوگوں کے اعمال اکارت ہوگئے (براءت رکوع ۹) اور تم نے بھی
فضول باتوں میں خوض کیا جیسا کہ پہلوں نے خوض کیا۔ ان
لوگوں کے اعمال ضائع ہوگئے دنیا و آخرت میں (براءت
رکوع ۱۵) یہی لوگ ہیں جنہوں نے اپنے رب کی آیتوں کا کفر
کیا اور اُس کی لقا سے انکار کیا پس انکے اعمال ضائع گئے
(قال الم اقل لک رکوع ۳) البتہ اگر تو نے شرک کیا تو تیرے
اعمال ضائع ہو جائیں گے اور تو خاسروں میں ہو جائیگا۔
(فمن اظلم رکوع ۴) اور جنہوں نے کفر کیا اُنکے لئے ہلاکت ہے جو
اور خدا نے اُنکے اعمال غارت کر دیئے یہ اسلئے کہ انہوں نے
کلام الٰہی سے کراہت کی تو خدا نے انکے اعمال کو ضائع
کر دیا (حم رکوع ۵) بلکہ میں کہتا ہوں کہ عدم حبط اعمال کا قول
مرجئہ کا قول ہے جو کہتے ہیں کہ ایمان کیساتھ کوئی معصیت مضر
نہیں ہوتی پس ظاہر ہے کہ تخصیص وغیرہ کے قائل ہونیکی
ضرورت نہیں یہ وہ بات ہے جو ناچیز خادم کے ذہن میں
آئی اگر صحیح ہو تو امیدوار قبول ہوں ورنہ مجھ کو مواقع غلطی

دمتم مفيدين ومد الله ظلالكم - والسّلام مع الاكرام -

الجواب - ليعلم ان الحبط الذى نسبت نفيه الى اهل السنة والجماعة هو الذى يكون اثره كون الاعمال السابقة كالعدم كما يكون فى الكفر حتى يبطل صلوته وصيامه اصلا ويجب عليه الحج ثانيا اذا استطاع الزاد والراحلة بعد التوبة وانتفائه عند اهل الحق لا يشك فيه والا فكيف لم يحكموا فى فتاويهم باعادة الحج مثلا بعد صدور بعض المعاصى كما حكموا بها بعد التوبة عن الارتداد فالحبط الذى اثبتموه بتبويب البخارى وتعليق السندهى ان كان هذا هو المذكور سابقا فلا نسلم دلالتهما عليه وان كان غيره من ذهاب بركة الاعمال وثوابها كلا او بعضا فلا يضرنا فى دعوى انتفائه عن اهل الحق لانا لا ننكره فيبقى النزاع اذن لفظيا لكنه لا يناسب للاية فان سوقها يدل ظاهرا على ان شان هذا الحبط اشد من سائر المعاصى ولا اشدية فيما يشترك بينه وبينها وكذا ما نقلتم

سے مطلع فرمایا جائے اور مجھے سبیل عافیت دکھائیے - مجھے بھی افادہ فرمایئے ہمیشہ آپ افادہ فرماتے رہیں اور خدا تعالیٰ آپ کا سایہ دراز کرے

جواب - جاننا چاہیئے کہ جس حبط کی نسبت بطور نفی کے اہل سنت والجماعت کی طرف کیگئی ہے وہ وہ ہے جسکا اثر یہ ہو کہ اعمال گذشتہ بالکل کالعدم ہوجائیں جیسا کہ کفر سے ہوتا ہے کہ نماز اور روزہ بالکل باطل ہوجاتا ہے اور اُسپر دوبارہ حج واجب ہوتا ہے اگر طاقت زاد و راحلہ بعد توبہ کے ہوجاوے۔ اور اہل حق کے نزدیک اسکے انتفاء میں کوئی شک نہیں ہوسکتا ورنہ پھر انہوں نے اپنے فتاوی میں بعض معاصی موجب حبط اعمال کے صدور کے بعد اعادۂ حج کا حکم کیوں نہیں کیا جیسا کہ وہ یہ حکم بعد توبۂ ارتداد کرتے ہیں پس وہ حبط جسکو آپنے ترجمۂ باب بخاری اور حاشیۂ سندھی سے ثابت کیا ہے یہی مذکورہ بالا ہے تو ہم تسلیم نہیں کرتے کہ وہ دونوں اسپر دال ہیں اور اگر اسکے سوا حبط کے کوئی دوسرے معنی مراد ہیں مثلاً برکت عمل اور ثواب کا کل اعمال کے یا بعض کے ضائع ہوجانا تو یہ ہمارے دعوی انتفاء حبط عن اہل الحق کو مضر نہ ہوگا کیونکہ اس حبط کا ہم انکار نہیں کرتے تو اب نزاع صرف لفظی رہ گیا مگر یہ معنی ثانی حبط کے اس آیت میں مناسب نہیں کیونکہ سوق آیت کھلم کھلا اس بات پر دلالت کر رہا ہے کہ اس حبط کی شان وہ جو ہے ہو دیگر معاصی سے زیادہ سخت ہے اور

من الحدیثین فلا مساس له بالحبط اصلا وانما مدلولها الوقوع فی المعصیة العظیمة ولا یلزمه الحبط بشیٔ من التفسیرین واما تفسیر جامع البیان فلیس فیه شیٔ زائد علی الترجمة حتی یستدل به علی المدعی واما ماذکرتموه من الفرق بین قولکم وقول المعتزلة والخوارج فنعم الفرق لومس الیه الحاجة ولا تمس مالا یثبت بناءه من الحبط ولو یثبت ولا یدل شیٔ من الآیات التی سردتموها علی شیٔ من المقصود کما هو ظاهر واما دلالة آیة الحجرات علی کون هذا الحبط مجامعًا مع الایمان فمنقوض بقوله تعالی یا ایها الذین آمنوا من یرتد منکم عن دینه والحال ان الایمان باعتبار الحال والحکم المقصود باعتبار المآل۔ وما فسرتم قول المرجئة بانتفاء هذا الحبط یحتاج الی النقل بل الظاهر ان معنی قولهم لا یضر ای لا یعاقب علیه فبقی الحاجة الی التخصیص والتاویل علی حالها هذا ما عندی ولعل غیری یقدر علی احسن مما قدرت وقررت ۔۶ رجب سنه ۳۳ھ

جس بات میں تمام اعمال مشترک ہیں اسمیں اشد یہ کہاں اسی لئے جو احادیث آپنے نقل کی ہیں انکو حبط کوئی بھی علاقہ نہیں بلکہ اُنکا مدلول تو صرف ایک بڑے گناہ میں پڑجانا ہے اُن میں حبط کسی تفسیر کے موافق بھی لازم نہیں آتا رہی تفسیر جامع البیان تو اُسمیں ترجمہ سے زیادہ کوئی بات نہیں یہانتک کہ اُس سے مدعی پر استدلال کیا جائے اور جو فرق آپنے معتزلہ وخوارج کے قول میں اور اپنے قول میں کیا ہے تو وہ فرق اچھا ہے اگر اُسکی کچھ ضرورت ہوتی مگر ضرورت نہیں جبتک کہ اُسکا مبنی یعنی حبط ثابت نہ ہوجائے اور یہ ثابت نہیں ہوا اور جتنی آیات آپنے بیان کی ہیں وہ مقصود پر بالکل دلالت نہیں کرتیں اور یہ ظاہر ہے۔ رہا آیت حجرات کا حبط پر دلالت کرنا ایمان کے بقا کے ساتھ تو یہ دوسری آیت سے منقوض ہے فرماتے ہیں حق تعالے نے ایمان والو جو کوئی تمہارے میں سے اپنے دین سے پھر جائے۔ بات یہ ہے کہ ایمان بالفعل کے اعتبار سے ہے اور حکم کفر آیندہ حالت کے اعتبار سے ہے اور آپنے جو قول مرجئہ کی تفسیر اس حبط کی نفی سے کی ہے اس کیلئے نقل کی ضرورت ہے بلکہ ظاہر یہ ہے کہ اُنکے قول کے معنی یہ ہیں کہ ایمان کو معصیت مضر نہیں یعنی اُسپر عذاب ہی نہیں ہوتا تو تخصیص اور توجیہ کی ضرورت بحالہا موجود ہے یہ تو میرا خیال ہے اور شاید کوئی کوئی دوسرا میری قدرت اور میری تقریر سے زیادہ عمدہ بیان کرسکے

گیارہواں غریبہ در حل اشکال متعلق آیت لو انزلنا ھذا القرآن علی جبل

مثنوی معنوی دفتر دوم عنوان خان رئیس روستائی الخ کے تحت میں اشعار یہ

حق ہمی گوید کہ اے مغرور کور	نے ز نامم پارہ پارہ گشت طور
کہ لو انزلنا کتابا للجبل	لانصدع ثم انقطع ثم ارتحل
از من ار کوہ احد واقف بدے	پارہ گشتے و دلش پرخوں شدے

ان اشعار کے مقصود پر اور اسی طرح اسکے ماخذ یعنی آیۃ لو انزلنا ھذا القرآن علی جبل الخ پر یہ شبہ ہوتا ہے کہ یہ الزام تو مقبولین ومطیعین پر بھی عاید ہوتا ہے کہ وہ بھی تو اس درجہ قرآن سے متاثر نہیں ہوئے۔ جواب یہ ہے کہ مقصود اس سے اس درجہ کے تاثر کی مطلوبیت نہیں کیونکہ اس صورت میں تو پھر اطاعت ہی کا تحقق نہ ہوگا اور یہ حکمت تکلیف کے منافی ہے بلکہ مطلب یہ ہے کہ قرآن مجید سے جو کہ فی نفسہ ایسا موثر ہے گو اسکی اتنی تاثیر انسان میں بوجہ حکمت مطلوب نہیں مگر جسقدر مطلوب ہے اسقدر تو انسان کو متاثر رہنا چاہیے جیسا کہ مطیعین ہوتے بھی ہیں۔ فافہم۔ ۱۷ صفر ۳۲ھ

بارہواں غریبہ در تحقیق احادیث اشتراط حج نفسہ للحج عن غیرہ وحدیث المصراۃ وحدیث خیار المجلس

سوال من العبد المشتاق الی حضرۃ الشیخ الاکمل الاشرف الاجل مد اللہ ظلالہ اما بعد فھذا العبد منذ زمان قد قصر عن التحریر ولیس ھذا الامر من قصدہ الباعث علی انی قد کان عرض لی الحمی بنافض فحالت بینی وبین ما اشتھی وبحمد اللہ قد برء السقم فشکر اللہ علی سباغ النعم۔ وفی تلک الایام لما استطع علی ضربی خیا لھف نفسی ثم انی اکلف جنابکم لحل شبھات قد عرضت لی فی اثناء التدریس الصحیح للامام محمد بن اسمعیل البخاری ولو اقدر علی جواب شاف من عندی ما التجأت الی مستند یحی وسیلۃ النجاح فی یومی وغدی۔ انا معاشر الحنفیۃ نستدل علی جواز الحج عن الغیر وان لم یحج

عن نفسه بحديث الخثعمية المروية فی البخاری المطبوع فی المطبع المصطفائی صـ ٢٠٥ و ٢٢٦ و ٢٥٠
ونقول الحديث مطلق وايضا لم يسئلها صلی الله عليه وسلم احججت ام لا - فيدل علی جواز حج
البدل وان لم يحج عن نفسه لكن فی هذا شیء لان سوال الخثعمية كان غداة جمع كما وقع
فی الصحيح صـ ٢٢٦ و ٢٥٠ استنباطا وفی سنن النسائی صريحا بهذا اللفظ ان امرأة من خثعم
سألت النبی صلی الله عليه وسلم غداة جمع الحديث باب الحج عن الحی الذی لا يستمسك
علی الرحل فلا يمكن ان يكون المعنی افاحج عنه العام لان الوقت قد مضی بل المعنی
افاحج عنه عاما آخر ولما كان الغالب من حالها انها قد قضت الحج ثم سألت فلهذا
لم يتعرض النبی صلی الله عليه وسلم عن سؤالها بانها حججت ام لا وقال نعم ای يجوز لك اداء
فريضة الحج عن ابيك ولما كان الملبی عن شبرمة لم يحج من قبل قطعا اذ كان ذلك عام حجة
الوداع فلما قال لبيك عن شبرمة سأله من شبرمة فلما قال هو اخی فلا جرم نهی النبی صلی
الله عليه وسلم عن ذلك وامره بقضاء الوطر عن نفسه ثم عن شبرمة فحديث الخثعمية
ظنی انه مقيد لا مطلق وعدم انكشاف له امر فلعل مبنی تلك المسئلة كون وقت الحج
ظرفا موسعا هو العمر لا هذا الحديث وامثاله فالمرجو ان تفيدنی بجواب شاف من عندكم
اذ الشراح لم يأتوا بشیء يغنی ولم يتضح لی ما يعنی -

الجواب نعم هذا الحديث محتمل فلا يصلح للاستدلال لكن لنا فی اصل المسئلة دليل آخر
ايضا وهو سوال الجهنية وجوابه صلی الله عليه وسلم لها بقوله ارأيت لو كان علی امك
دين الحديث وهو مذكور فی صحيح البخاری صـ ٢٥٠ من الجلد الاول فلما الحق صلی الله عليه
وسلم الحج عن الغير بقضاء الدين ولم يشترط فی قضاء الدين تقديم دين نفسه علی دين
غيره فكذا الحج - واما الاستدلال بحديث شبرمة فليس بقوی لاحتمال الكراهة و
قد قال فقهاءنا به والله اعلم - وما ورد فی بعض الروايات قوله عليه السلام هذه
منك فيحمل علی ما فی بعض روايات اخری حج عن نفسك ثم هو موقوف عند بعضهم
ورجحه كثير وهذا كله فی التلخيص الحبير صـ ٢٠٣ مطبع انصاری - ١٠ ربيع الآخر سنه ١٣٣٢ھ

سوال انا ندعی ان حديث المصراة مخالف للقياس الصحيح من كل وجه مثل

هذا اذا روی غیر الفقیه یردو بنوا علیه ما بنوا لکن هذا الحدیث قد رواه حنبا الصحیح
فی ص٢٣ عن ابن مسعودؓ موقوفاً ولما کان هذا الحکم غیر مدرک بالرأی کما ندعی
فالموقوف له حکم الرفع ایضاً والراوی لهذا فقیه فلابد ان یترک القیاس لان الراوی
فقیه فما المناص عن هذا۔

الجواب ماقالوا فی حدیث المصراة لم یلصق بقلبی قط وانما الذی اری فیه حمل
هذا الحدیث علی ما اذا اشترط الخیار فی العقد وقرینة هذا الحمل ما ورد فی روایة من
اشتری مصراة فهو منها بالخیار ثلاثة ایام ان شاء امسکها وان شاء ردها ومعها
صاعاً من تمر لاسمراء رواه الجماعة الا البخاری کذا فی نیل الاوطار ج ٥ ص٢٣٢ واما
تخصیص الصاع من التمر فمحمول علی الصلح والمشورة فلم یخالف القیاس۔ اربع الآخر
سوال روی البخاری فی ص٢٨٣ ج١ حدثنا قتیبة ثنا لیث عن نافع عن ابن عمر عن رسول الله
صلی الله علیه وسلم انه قال اذا تبایع الرجلان فکل واحد منهما بالخیار ما لم یتفرقا وکانا جمیعاً
او یخیر احدهما الآخر فان خیر احدهما الآخر (نسائی) فتبایعا علی ذلک فقد وجب البیع وان
تفرقا بعد ان تبایعا ولم یترک واحد منهما البیع فقد وجب البیع ص٢١ کتاب البیوع وهذه
الروایة رواها النسائی بعین هذا السند ومتنه سوی انه زاد لفظ الشرط ثم روی البخاری
فی تلک الصفحة عن عبد الله بن عمر قال بعت من امیر المؤمنین عثمان الی قوله فلما
تبایعنا رجعت علی عقبی حتی خرجت من بیته خشیة ان یراد فی البیع وکانت السنة
ان المتبایعین بالخیار حتی یتفرقا الخ ففی هاتین الروایتین المرفوعتین حقیقة وحکماً
بیان واضح لثبوت خیار المجلس وقاطع لکل تاویل ولا یعارضه ما رواه النسائی ص٢١
عن عمرو بن شعیب عن ابیه عن جده ان النبی صلی الله علیه وسلم قال المتبایعان
بالخیار ما لم یتفرقا الا ان یکون صفقة خیار ولا یحل له ان یفارق صاحبه خشیة
ان یستقیله اھ لان هذا متکلم فیه ولو سلم فهو لا یعارض الصحیح ولو سلم فهی
اشارة والاولی کالصریح او صریح والاشارة لا تفوق الصراحة واما قول ابن عمرؓ ما
ادرکت الصفقة حیاً مجموعاً فهو من المتباع رواه البخاری ص٢٨٤ فهذا وان احتج به

الطحاوی فہو غیر تام و غیر مفید لنا الا انا لا نقول بمفاده اذا الہلاک قبل القبض عندنا یوجب فسخ البیع وکون الہالک من مال البائع لامن المبتاع فما لا نقول بہ کیف نحتج بہ فلا یفید نا الا اثبات المخالفۃ بین قول و فعلہ فہما وان تعارضا بقیت روایتہ سالمۃ بل ینبغی ان یؤول ہذا الاخیر و یراد بالصفقۃ الصفقۃ التامۃ باعتبار جمیع شرائطہ ومن شرائطہ التفرق بالابدان فمعنی ہذا القول ما ادرکت الصفقۃ بعد التفرق بالبدن حیا مجموعا فہو من المبتاع فبمجرد قول النخعی یرد الحدیث الصحیح مرفوعا وموقوفا یابی الطبع ویستنکرہ ولا نرید من جنابکم ذکر ما رواہ الشراح او الاحناف اذ ہو رد الحدیث الصریح الصحیح لا غیر بل معاملۃ مع عثمان تدل علی ان تلک السنۃ کانت مستقرۃ عندہم۔

الجواب - ہذہ الشبہۃ من شبہاتی القدیمۃ ولا شک فی ان ظاہر الاحادیث ہو ثبوت خیار المجلس لکن لا یصح الحکم بکون المذہب الحنفی مخالفا للاحادیث یقینا ما دامت الاحادیث تحتمل التاویل ولو کان فیہ شیئ من البعد ولا یسلم احد من اہل المذاہب المتبوعۃ عن ہذہ التاویلات کما حمل بعض الشافعیۃ قولہ علیہ السلام فاقرأ ما تیسر معک من القرآن علی الفاتحۃ فانہا متیسرۃ واقرب دلائل الحنفیۃ قولہ علیہ السلام لا یحل لہ ان یفارقہ خشیۃ ان یستقیلہ رواہ الخمسۃ الا ابن ماجۃ ورواہ الدارقطنی کذا فی النیل ج ۵ ص ۱۸۰ ففیہ دلیل ان صاحبہ لا یملک الفسخ الا من جہۃ الاستقالۃ واما قول المخالفین انہ لو کان المراد حقیقۃ الاستقالۃ لم تمنعہ من المفارقۃ لانہا لا تختص بمجلس العقد فالجواب عنہ ان قرب العہد بالعقد لہ دخل مشاہد فی تاثر کل من المتعاقدین بالتماس الآخر۔ اما قولہ لا یحل فمحمول علی الکراہۃ من حیث انہ لا یلیق بالمروۃ وحسن معاشرۃ المسلم کما اضطر الیہ الینا القائلون بخیار المجلس فان حل المفارقۃ اجماعی عندنا وعندہم جمیعا واما کونہ متکلما فیہ فیعتبر لو کان معارضا للصحیح ولو یعارض بعد تاویل الصحیح اقرب التاویلات حمل التفرق بالابدان علی الاستحباب تحسینا للمعاملۃ مع المسلم کما ذکر فی تقریر الحدیث

الاستقالة واما قول المخالفین انه لوکان المراد تفرق الاقوال فخلا الحدیث عن الفائدة
وذلك ان العلم محیط بان المشتری مالم یوجد منه قبول المبیع فهو بالخیار وکذلك
البائع خیاره فی ملکه ثابت قبل ان یعقد البیع ام فغیر ملتفت الیه لانه یمکن ان
یکون مقصود الشارع نفی بعض بیوع الجاهلیة من نحو الملامسة والمنابذة فلم
یکن خالیا عن الفائدة واما دعوی کون بعض الفاظ الحدیث غیر محتمل للتاویل
کقوله علیه السلام فان خیر احدهما الآخر فتبایعا علی ذلك فقد وجب البیع وان
تفرقا بعد ان تبایعا ولم یترك واحد منهما البیع فقد وجب البیع ام فممنوع
لان معنی قوله فقد وجب البیع فی الاول ای بشرط الخیار حیث خیر احدهما الآخر
وفی الثانی ای البیع البات حیث لم یشترط فیه الخیار ولیس لفظ اصرح منه و
لیس الامام متفردا فی هذا بل قد ذهب الیه النخعی والمالکیة والثوری واللیث
وزید بن علی وغیرهم کما فی النیل ج ۵ ص ۱۲۳ واللہ اعلم ۱۰ ربیع الآخر ۱۳۳۲ھ

تیرھواں ۱۳ عشریہ

در کیفیت عرض اعمال المسمی الاقوال فی عرض الاعمال من مقال العارف الجلال

یعنی خلاصہ مضمون اشعار ذیل واقعہ دفتر دوم سرخی قسم غلام در صدق و وفائے یار خود الخ جسکا زیادہ
حصہ مشتمل ہے بحث نقل اعمال دنیویہ الی صورہا الخاصة الاخرویہ پر

شاہ گفت اکنوں ازاں خود بگو	چند گوئی آں ایں و آں او
تو چہ داری و چہ حاصل کردۂ	از تگ دریا چہ دُر آوردۂ
روز مرگ ایں حس تو باطل شود	نور جاں داری کہ یار دل شود
در لحد کیں چشم را خاک آگند	ہست آنچہ گور را روشن کند

عہ یہ مضمون مثنوی مولانا روم دفتر دوم کے بعض اشعار کی شرح ہے چونکہ ایک معتد بہ مقدار
ہوگئی تھی لہذا اس کا مستقل نام رکھ کر رسالہ کی صورت کر دیا گیا۔ شبیر علی

نہ دل ازجاں بودے یار غار — مستعار آں را مداں اے مست عار

آں زماں کیں دست و پایت بردہد — پر و بالت ہست تا جاں برپرد

آں زماں کیں جان حیوانی نماند — جان باقی بایدت برجا نشاند

شرط من جاء بالحسن نے کردن است — ایں حسن را سوئے حضرت بردن است

جوہرے داری ز انساں یا خری — ایں عرضہا کہ فنا شد چوں بری

ایں عرضہائے نماز و روزہ را — چونکہ لا یبقیٰ زمانین انتفا

نقل نتواں کرد مر اعراض را — لیک از جوہر برند امراض را

تا مبدل گشت جوہر زیں عرض — چوں ز پرہیزے کہ زایل شد مرض

گشت پرہیز عرض جوہر بجہد — شد دہان تلخ از پرہیز شہد

از زراعت خاکہا شد سنبلہ — داروئے مو کرد مو را سلسلہ

آں نکاح زن عرض بُد شد فنا — جوہر فرزند حاصل شد ز ما

جفت کردن اسپ و استر را عرض — جوہر کرہ بزائیدن عرض

ہست آں بستاں نشاندن ہم عرض — گشت جوہر میوہ اش اینک غرض

ہم عرض داں کیمیا بردن بکار — جوہری زاں کیمیاگر شد بیار

صیقلی کردن عرض باشد شہا — زیں عرض جوہر ہمی زاید صفا

پس مگو کہ من عملہا کردہ ام — دخل آں اعراض را بنما مرم

ایں صفت کردن عرض باشد خمش — سایۂ بز را پئے قرباں مکش

گفت شاہا بے قنوط عقل نیست — گر تو فرمائی عرض را نقل نیست

بادشاہا جز کہ یاس بندہ نیست — ہر عرض کاں رفت باز آیندہ نیست

گر نبودے مر عرض را نقل و حشر — فعل بودی باطل و اقوال قشر

ایں عرضہا نقل شد لون دگر — حشر ہر فانی بود کون دگر

نقل ہر چیزے بود ہم لایقش — لایق گلہ بود ہم سائقش

وقت محشر ہر عرض را صورتیست — صورت ہر یک عرض را نوبتیست

بنگر اندر خود که تو بودی عرض
جنبش جفتی و جفتی با غرض

بنگر اندر خانه و کاشانها
در هندس بود چوں افسانها

کاں فلاں خانه که ما دیدیم خوش
بود موزوں صفه و سقف و درش

از هندس آں عرض و اندیشها
آلت آورد و ستوں از بیشها

چیست اصل و مایهٔ هر پیشهٔ
جز خیال و جز عرض و اندیشهٔ

جمله اجزائے جہاں را بے غرض
در نگر حاصل نه شد جز از عرض

اول فکر آخر آمد در عمل
بنیت عالم چناں داں در ازل

میوه ها در فکر دل اوّل بود
در عمل ظاهر بآخر مے شود

چوں عمل کردی شجر بنشاندی
اندر آخر حرف اوّل خواندی

گرچه شاخ و برگ و بیخش اول است
آں همه از بهر میوه مرسل است

پس سرے که مغز ایں افلاک بود
اندر آخر خواجهٔ لولاک بود

نقل اعراض است ایں بحث و مقال
نقل اعراض است ایں شیر و شغال

جمله عالم خود عرض بودند تا
اندریں معنی بیامد هل اتیٰ

ایں عرضها از چه زاید از صور
ویں صور هم از چه زاید از فکر

ایں جہاں یک فکرتست از عقل کُل
عقل چوں شاه است و فکرتها رسل

عالم اوّل جہان امتحان
عالم ثانی جزائے ایں و آں

چاکرت شاها خیانت می کند
آں عرض زنجیر و زنداں می شود

بندات چوں خدمت شایسته کرد
آں عرض نے خلعتے شد در نبرد

ایں عرض با جوهر آں بیضه است و طیر
ایں ازاں و آں ازیں زاید به سیر

یعنی بادشاہ نے بغرض امتحان اس غلام کے اُس سے سوال کیا اور امتحان کا قرینہ یہ ہے کہ آخر قصہ سے کہ بادشاہ نے دونوں غلاموں کے افعال سے استدلال کیا ان کے اخلاق پر اور حسن السیرۃ کو اس کے اخلاق حسنہ کے سبب باوجود اُس کی قبح صورت کے مقبول اور حسن الصورۃ کو اس کے اخلاق ذمیمہ کے سبب باوجود اُس کے حُسن صورت کے مخذول کیا اور یہ استدلال اور اُس کے

مقتضا کا امتثال یہ کام عارف ہی کا ہے پس عارف کا سوال ظاہر ہے کہ امتحان ہی کے سبب ہوگا وصدرہ بکونہ امتحانا بعض المحشین علے قولہ گفت شاہنشہ الخ الواقع بعد الاشعار المذکورۃ متصلا دیدن علیہ قولہ رہ بنفس حق بمن بنمود وقولہ تو نشانے دہ کہ من دانم تمام الواقع بعد ہا غیر متصل۔ اور وہ سوال یہ ہے کہ تو اپنا تو کچھ حال بیان کر کہ تو نے اپنی روح کے حسن کرنے کی کیا کوشش کی ہے اور اس کی ضرورت بطور خطابہ کے ایک آیت سے بطور تفسیر خاص بیان کی کہ حق تعالی نے من جاء بالحسنہ فرمایا ہے من عمل بالحسنہ نہیں فرمایا جس سے اقرب یہ ہے کہ یہ حسنہ عمل نہیں بلکہ مصدر عمل یعنی روح انسانی ہے جس کو اعمال سے حسن بنا کر درگاہ حق میں لانا چاہیئے کیونکہ آوردن کا متعلق جوہر ہو سکتا ہے نہ کہ عرض کیونکہ العرض لا یبقی فی آنین پھر آوردن اُس کے متعلق کیسے ہوگا۔ نیز الاعراض لا تنتقل عن محل الی محل اور آوردن ایک نقل ہے۔ البتہ اعراض یعنی اعمال مکمل اس جوہر یعنی روح کے ہو سکتے ہیں۔ واورد لہ امثلۃ من قولہ چوں زپرہیزی الی قولہ صیقلی کردن الخ غلام نے جواب دیا کہ تم جو عدم نقل اعراض سے استدلال کرتے ہو یہ استدلال ناتمام ہے خود یہ مقدمہ ہی ثابت نہیں پس نقل ممکن ہے گو عدم انتقال بھی ممکن ہے مگر ان دونوں ممکنوں میں نقل اولی بالقبول ہے کیونکہ عدم نقل کا قایل ہونا مصلحت عامہ کے کہ وہ جب سنیں گے کہ ہمارے اعمال آخرت میں نہ جائیں گے کم ہمتی سے مایوس ہو جاویں گے اور عمل میں سستی کریں گے جس طرح بعض احادیث مبشرہ کو اسی سستی کی مصلحت سے چندے ظاہر نہیں کیا گیا آگے بیان ہے اعراض کے امکان نقل کا جس کا حاصل یہ ہے کہ اس کے امتناع کی کوئی دلیل نہیں۔ اصل جواب تو اسی قدر ہے باقی اُس کی توضیح ہے۔ حاصل اس کا یہ ہے کہ نقل اعمال میں عقلی اشکال صرف یہ ہے کہ یہ نقل اعراض یعنی اعمال من الدنیا الی الآخرۃ گو تبعاً للموضوع تو ظاہر الجواز ہے لیکن جس طرح نصوص سے ثابت ہے کہ مثلاً اُن کا وزن کیا جاویگا اور ظاہر اُن نصوص سے یہ ہے کہ عامل کا وزن نہ ہوگا۔ پس یہ نقل تبعاً للموضوع نہیں ہے پھر اسمیں دو احتمال ہیں یا تو وہ اعراض اعراض رہیں گے یا مستحیل الی الجواہر ہو جاویں گے دونوں شق باطل ہیں اوّل اس لئے کہ نقل اعراض بلا موضوع محال ہے دوسرا اس لئے کہ عرض کا جوہر بنجانا محال ہے۔ پس یہ ہے اس میں اشکال عقلی سو اس کا جواب بہ اختیار شق ثانی ہو سکتا ہے اور ہم اسکا

ـــہ جاء بالحاشیۃ۔ چوں شاہ اختیار او کرد معلوم کرد کہ او عالم السر ست الخ ۱۲

استحالہ نہیں مانتے۔ سند منع یہ ہے کہ ہم خود دنیا ہی میں دیکھتے ہیں کہ اختلاف موطن سے ایک ہی چیز عرض و جوہر ہو سکتی ہے مثلاً صورت عقلیہ جواہر کہ ذہن میں عرض ہے کیونکہ موجود فی موضوع ہے اور خارج میں جوہر کیونکہ موجود لافی موضوع ہے اور دونوں کی حقیقت ایک ہی ہے اگرچہ بعض ہی کے نزدیک سہی جو کہ قائل ہیں حصول اشیاء فی الذہن بانفسہا کے اور گو بعض نے عرض و جوہر کی تفسیر میں اذا وجدت فی الخارج کی قید لگا کر اس صورت ذہنیہ پر عرض کے صادق آنے سے انکار کیا ہو مگر اس سے ہمارے اصل مقصود میں خلل نہیں آتا کیونکہ قول حصول اشیاء بانفسہا پر حقیقۃ واحدہ ہی کا وجود فی موضوع فی موطن اور وجود لافی موضوع فی موطن تو ثابت ہوا اور یہی اصل مقصود ہے خواہ اس کا نام کچھ ہی رکھ لیا جاوے پس جو نسبت ذہن کو خارج کے ساتھ ہے اگر وہی نسبت خارج دنیا کو خارج آخرت کے ساتھ ہو۔ اور اس وجہ سے یہاں جو اشیاء موجود فی موضوع ہیں وہ وہاں موجود لافی موضوع ہو جاویں تو اس میں کیا استحالہ ہے چنانچہ اہل کشف نے اس عالم شہادت پر بمقابلہ عالم غیب کے لفظ خیال وغیرہ کا اطلاق کیا بھی ہے۔ اسی طرح اس عالم شہادت میں ظاہر ہونے کے قبل بھی ایسی اشیاء کا اس عالم غیب میں وجود لافی موضوع ظاہر نصوص سے معلوم ہوتا ہے۔ کقولہ علیہ السلام لما خلق اللّٰہ الرحم قامت فقالت ھذا مقام العائذ بک من القطیعۃ۔ اور بہت نصوص سے اس عالم کے بعد بھی یہی معلوم ہوتا ہے کقولہ علیہ السلام ان البقرۃ وآل عمران تاتیان یوم القیمۃ کانھما غمامتان او غیایتان او فرقان من طیر وکقولہ علیہ السلام یوتی بالدنیا یوم القیمۃ فی صورۃ عجوز شمطاء چنانچہ اسی تمثل خاص کے اعتبار سے اس عالم کا لقب اصطلاح میں عالم مثال کہا گیا ہے۔ کما ذکرہ الشاہ ولی اللّٰہ رح فی الحجۃ البالغۃ وسرد فیہ احادیث کثیرۃ اور مولانا جلال الدین المحقق الدوانی نے اپنے رسالہ زوراء اور اس کے حواشی میں اسکی تصریح بھی کر دی ہے۔ عبارتہا۔

(تنبیہ) کانک فیما قرع سمعک من ھذہ المقدمات اطلعت علی حقیقۃ الانطباق بین العوالم بل علی حقیقۃ العوالم بل انکشف علیک اسرار غامضۃ فی حقیقۃ المبدأ والمعاد وتیسر علیک مشاھدۃ الواحد الحقیقی فی الکثرات من غیر شوب ممازجۃ ولا انفصال وتسلفت بہ الی حقایق ما انبأ عنہ لسان النبوات من ظھور

الاخلاق والاعمال فی المواطن المعادیۃ بصور الاجساد وکیفیۃ وزن الاعمال وسو حشر الافراد بصور الاخلاق الغالبۃ علیہم واطلعت علی سر قولہ تعالیٰ وان جہنم لمحیطۃ بالکٰفرین۔ وقولہ تعالیٰ ان الذین یاکلون اموال الیتامیٰ ظلماً انما یاکلون فی بطونہم ناراً وقول الخاتم الفاتح علیہ وعلٰی اٰلہ افضل الصلوٰۃ والتحیۃ۔ الذین یشربون فی اٰنیۃ الذہب والفضۃ انما یجرجر فی بطونہم نار جہنم وقولہ علیہ الصلوٰۃ والسلام ان الجنۃ قیعان وان غراسہا سبحان اللہ وبحمدہ الی غیر ذٰلک من غوامض الحکم والاسرار الالٰہیۃ وعلمت ان جمیع ذٰلک علی الحقیقۃ لا علی المجاز والتاویل کما انتہی الیہ نظر بعض المتوغلین فی الفحص عن الحقائق بطریق البحث فانہ قصور ظاہر کما لایخفی۔

شک و تحقیق لعلک تقول کیف یکون العرض بعینہ ہو الجوہر وکیف یکون العین والمعنی واحداً والحال ان الحقائق متخالفۃ بذواتہا فنقول قد لوحنا الیک ان الحقیقۃ غیر الصورۃ فانہا فی حد ذاتہا وصرافۃ سذاجتہا عاریۃ عن جمیع الصور التی تتجلی بہا لکنہا تظہر فی صورۃ تارۃ وفی غیرہا اخریٰ والصورتان متغایرتان قطعاً لکن الحقیقۃ المتجلیۃ فی صورتین بحسب اختلاف الموطنین شئ واحد۔

تشبیہ ما اشبہ ذٰلک بما یقول اہل الحکمۃ النظریۃ ان الجواہر باعتبار وجودہا فی الذہن اعراض قائمۃ بہ محتاجۃ الیہ ثم ہی فی الخارج قائمۃ بانفسہا مستغنیۃ عن غیرہا فلذا اعتقدت ان حقیقۃً تظہر فی موطن بصورۃ عرضیۃ محتاجۃ وفی اخریٰ بصورۃ مستغنیۃ مستقلۃ فاجعل ذٰلک تانیساً لک تکسر بہ صولۃ نبو طبعک عنہ فی بدو النظر حتی یاتیک الیقین وتنصدع الافق للمبین۔ انتہی بنقل الضرورۃ

پس اس تقریر سے جواب ہوگیا استدلال علی امتناع نقل الاعمال بامتناع نقل الاعراض کا اور اسی سے مستدل کی دوسری دلیل عقلی یعنی عدم بقاء اعراض اور دلیل نقلی یعنی من جاء بالخ کا جواب بھی مستفاد ہوگیا گو لسان غلام اس سے بوجہ ظہور کے تعرض نہیں کیا گیا عدم بقاء اعراض کا تو جواب یہ ہوا کہ اگرچہ عدم بقاء مان لیا جاوے گو اس پر کوئی دلیل صحیح قوی قائم نہیں ہوئی مگر ماننے کی تقدیر پر وہ عدم بقاء در صورت عرض ہونے کے ہے اور اگر بحجرد صدور

دوسرے عالم میں بصورۃ جوہریہ منتقل ہوجاوے تو پھر بقا میں کیا امتناع ہے - اور استدلال بالآیۃ
کا جواب یہ ہے کہ اگر یہ تفسیر مان بھی لیجاوے تو جب یہ عمل بھی جوہر بن گیا تو مجئی بہ اسپر بھی مثل ورع
حسن کے صادق آتا ہے یہ تقریر ان اشعار تک کی ہے وقت محشر ہر عرض را صورتے ست الخ آگے
تنویر دعویٰ امکان مذکور کے لئے چند امثلہ اشیاء جوہریہ متصورہ فی الذہن کی ہیں جو ذہن میں فی
موضوع اور خارج میں لافی موضوع ہیں اس شعر تک گرچہ شاخ و برگ و بیخش لا الخ اور پھر مضمون مذکور
پر ایک نظیر کی تفریع بطور جملہ معترضہ کے ہے گو وہ اس کی مثال نہیں پس سرے کہ مغز الخ آگے شعر
نقل اعراض الخ میں یہ بیان کیا ہے کہ عرض موجود فی مرتبۃ العلم جس طرح کبھی خارج میں جوہر ہوجاتا ہے
کماذکر اسی طرح کبھی عرض بھی رہتا ہے چنانچہ یہ بحث و مقال کہ پہلے سے ذہن میں تھا اور عرض تھا
بعد نقل کے خارج میں بھی عرض ہی رہا اور دوسرے مصرعہ میں پھر ایک نظیر عرض فی مرتبۃ العلم کی جوہریت
فی الخارج کی بیان کی نقل اعراض است ایں شیر و شغال اور نظیر اس لئے کہا گیا مراد اس مصرعہ میں
وجود فی مرتبۃ العلم الالٰہی ہے اور وہ عرض ہونے سے منزہ ہے لتنزہہ عن الامکان - اسی طرح اس
کے بعد کے شعر جملہ عالم خود عرض بودند الخ میں اسی مرتبہ علم الٰہی میں تمام عالم کے کالعرض ہونے کو بتلایا
پس یہ بھی نظیر ہے آگے شعر ایں عرضہا از چہ زائید میں اختلاف موطن سے جواہر کا عرض ہونا اور عرض
کا جوہر ہونا بتلاتے ہیں اس طرح سے کہ اعراض موجودہ فی الدنیا عالم مثال میں صور جوہریہ
تھے وہو معنی قولہ ایں عرضہا از چہ زائید از صور کما ذکرہ قبل عن الشیخ ولی اللہ رح اور صور جوہریہ
موجودہ فی الدنیا علم الٰہی میں کالعرض تھے وہو معنی قولہ ویں صور ہم از چہ زائید از فکر اور شعر ایں
جہاں یک فکرتست اُسی مصرعہ ثانیہ کی شرح ہے اور یہ احکام مذکورہ فی الاشعار القریبہ وجود
قبل عالم الدنیا کے متعلق تھے آگے وجود بعد الدنیا کے یہی احکام کہ اُس میں سے اعظم عرض کا جوہر
ہونا ہے مذکور ہیں - اس شعر میں عالم اوّل الی قولہ بندہ ات اور اس کے اعظم ہونے کے سبب
یہاں ذکر میں اس کی تخصیص کی گئی آگے تمام مقام کا خلاصہ کہ کبھی جوہر سے عرض اور کبھی عرض
سے جوہر ظاہر ہوتا ہے - اس شعر میں فرماتے ہیں ایں عرض با جوہر الخ -

(تہذیب المقام وتقریب المرام الی عامۃ الافہام)

اگر انصاف سے غور کیا جاوے تو عرض کا جوہر ہوجانا جس کا کہ تقریر مذکور میں دعویٰ کیا گیا ہے

اس سے زیادہ بعید نہیں ہے کہ جوہر عرض ہوجاوے اور حصول الجواہر فی الاذہان میں شب وروز اسکے وقوع کا مشاہدہ کیا جاتا ہے تو پھر آخرت میں اس کا وقوع کیا مستبعد ہے سو یہاں حصول فی الذہن کے وقت جواہر سے لباس مادی کا منخلع ہو کر وہ موجود فی موضوع ہوجاتا ہے وہاں وزن وغیرہ کے وقت عرض پیادہ ملبوس ہو کر وہ موجود لافی موضوع ہوجاوے تو اس میں کیا عجب اور بُعد ہے اور راز اس میں یہ کہا جاویگا کہ جوہریت وعرضیت ذاتیات سے نہیں ہیں منجملہ کیفیات ظہور حقیقت کے ہیں اور حکمار کا مقولات عشرہ کو اجناس عالیہ ماننا نہ کسی دلیل سے ثابت ہے اور نہ بداہت اس کی مسلم ہے خاصکر جبکہ اُن کے اکابر خود اس کی تصریح کرتے ہیں کہ عرض عام اور جنس میں اسی طرح خاصہ اور فصل میں فرق کرنا بہت دشوار ہے کما لا ح لک شئ من ذلک مما نقلتہ من الزاہد۔ ونیز بعض محشین مثنوی نے بھی اس کی اس طرح تصریح کی ہے تحقیق مقام آنست کہ جوہریت وعرضیت از ذاتیات حقائق نیست اور مولانا بحرالعلوم نے بھی اپنے حواشی میں اسکی تائید کی ہے اور یہ سوال کہ عرض کا جوہر ہونا کسی طرح اسکو عقل نہیں قبول کرتی۔ دوسرے سوال معارض ہے کہ جوہر کا عرض ہوجانا باوجود روز وشب کے وقوع کے آج تک عقل اسکی کنہ کو نہیں سمجھ سکی سو الحمد للہ مجھ کو تو جب اس میں غور کرتا ہوں حیرت ہوتی ہے کہ الٰہی اس قیام الصورۃ بالذہن و اتصاف الذہن بالصورۃ کی کیا حقیقت ہے اور کیا کیفیت ہے اور اس حال ومحل یعنی صورۃ و ذہن میں کیا علاقہ ہوجاتا ہے اور اس حلول سے ذہن میں کیا تاثر ہوجاتا ہے اور حقیقت موجود فی الاعیان میں تجرد عن المواد کا کیسے تغیر ہوجاتا ہے کچھ سمجھ میں نہیں آتا مگر شب وروز کے وقوع سے اس حیرت کی طرف التفات نہیں ہوتا گو کیفیت وحقیقت نہ جاننے کا اعتراف سب کو ہے چنانچہ آج تک یہ طے نہ ہوسکا کہ علم کون سے مقولہ سے ہے اور اس کا عکس یعنی عرض کا جوہر بننا چونکہ نشاۃ دنیویہ میں ایسے بین طور پر جس میں کسی تاویل وعذر کی گنجائش نہ رہے نہیں دیکھا جاتا اس لئے حیرت کی طرف التفات ہوتا ہے ورنہ حقیقت کی مجہولیت میں دونوں یکساں ہیں

تقویت | مولانا نے ایک مقام پر اس مضمون کو اس سے زیادہ صریح عنوان سے ذکر فرمایا ہے

(منقولا من جزاء الاعمال) ص ۵

چوں سجودی یا رکوعی مرد گشت	شد دراں عالم سجود او بہشت

چونکہ پرید اند ہا نت حمد حق ‌ ‌ ‌ مرغ جنت ساختش رب الفلق

حمد و تسبیحت نماند مرغ را ‌ ‌ ‌ ہچو نطفہ مرغ باد است و ہوا

چوں ز دستت رفت ایثار و زکوٰۃ ‌ ‌ ‌ گشت ایں دست آں طرف نخل و نبات

آب صبرت آب جوئی خلد شد ‌ ‌ ‌ جوئے شیر خلد مہر تست و دود

ذوق طاعت گشت جوئے انگبیں ‌ ‌ ‌ مستی و شوق تو جوئے خمر بیں

ایں سببہا آں اثرہا را نماند ‌ ‌ ‌ کس نداند چونش جائے آں نشاند

ایں سببہا چوں بہ فرماں تو بود ‌ ‌ ‌ چار جو ہم مر ترا فرماں نمود

ہر طرف خواہی روانش مے کنی ‌ ‌ ‌ آں صفت چوں بد چنانش مے کنی

چوں منی تو کہ در فرمان تست ‌ ‌ ‌ نسل تو در امر تو آیند چست

می دود در امر تو فرزند تو ‌ ‌ ‌ کہ منم جزوت کہ کردیش گز

آں صفت در امر تو بود ایں جہاں ‌ ‌ ‌ ہم در امر تست آں جو یا رواں

آں درختاں مر ترا فرماں برند ‌ ‌ ‌ کاں درختاں از صفاتت با برند

چوں بہ امر تست اینجا ایں صفات ‌ ‌ ‌ پس در امر تست آنجا آں جزات

چوں ز دستت زخم بر مظلوم رست ‌ ‌ ‌ آں درختے گشت آں زقوم رست

چوں ز خشم آتش تو در دلہا زدی ‌ ‌ ‌ مایہ نار جہنم آمدی

آتشت اینجا چو مردم سوز بود ‌ ‌ ‌ آنچہ از وے زاد مرد افروز بود

آتش تو قصد مردم مے کند ‌ ‌ ‌ نار کزوے زاد بر مردم زند

آں سخنہائے چو مار و کژدمت ‌ ‌ ‌ مار و کژدم گشت دمی گیرد دمست

توجیہ آخر اگر باوجود اس قدر بسط و ایضاح کے اب بھی کسی کی عقل اس جوہریت اعراض کو قبول نہ کرے تو وہ لقل اعمال کی دوسری توجیہ اس طرح سے سمجھ لے کہ یہ اعمال گو ظاہراً اعراض ہیں مگر واقع میں وہ جواہر ہیں جیسے اور بھی بعض اشیاء ایسی ہیں کہ ان کو بہت عقلاء نے اعراض سمجھا مگر دوسرے عقلاء نے اُن کے جوہر ہونے کا دعویٰ کیا جیسے قدماء میں کیفیت شم میں اختلاف ہے کہ آیا ہوا

کیفیت مشموم سے متکیف ہوکر شامہ کی مدرک ہوتی ہے یا مشموم سے کچھ اجزا منفصل ہوکر شامہ تک پہونچتے ہیں یا اب متاخرین میں بعض فلاسفہ نے نور شمس وغیرہ کو جس کو اب تک عرض کہا جاتا تھا جوہر مانا ہے پس اسی طرح ممکن ہے کہ جب آدمی سے کوئی طاعت یا معصیت صادر ہوتی ہو فوراً اس عامل سے کچھ اجزا جوہریہ غیر مبصرہ للعامہ طیبہ یا خبیثہ حاملہ لکیفیۃ العمل منفصل ہوکر دوسرے کسی عالم میں کسی طریق سے منتقل ہوجاتے ہوں اور وہ وہاں بصور مناسب محفوظ ہوجاتے ہوں اور قیامت میں وہی معروض اور موزون ہوجاویں اور بعض اہل کشف سے جو منقول ہے کہ اُنہوں نے غسلخانہ میں سے پانی نکلتا ہوا دیکھا اور آنکھیں بند کرلیں کسی نے پوچھا تو فرمایا کہ ان قطرات میں مجھ کو زنا کا نقشہ نظر آتا ہے سو عجب نہیں کہ اُس پانی میں اُن ہی اجزا میں سے بعض اجزا موجود ہوں اور وہ ہیئت زنا یہ اُن اجزا میں حال ہو اور اسی طرح اُن کو مکشوف ہوگئے ہوں۔ اور میں نے اپنے استاد علیہ الرحمۃ سے قولہ تعالےٰ ووجدوا ما عملوا حاضرا کی تفسیر میں سُنا ہے کہ ہر عمل کی ہیئت بھی قیامت میں نظر آوے گی مثلاً چور چوری کرتا ہوا نظر آویگا زانی زنا کرتا ہوا۔ سو عجب نہیں کہ وہی اجزا اس ہیئت سے نظر آویں اور اُن اجزا کی شکل عامل کسی ہو اور اہل محشر کے بصر میں خاصیت خوردبین کی پیدا ہوجاوے کہ وہ اجزا خوب بڑے بڑے ہوکر اس عامل کے برابر جثہ میں نظر آویں واللہ اعلم۔ اور اس توجیہ کی بنا پر مولانا کے کلام میں ان کو اعتراض سے تعبیر کرنا بحسب زعم اہل ظاہر کے ہوگا۔

افادہ چونکہ یہ کیفیت عرض اعمال کی یعنی اُن کا ظہور صور جوہریہ میں اوفق بظواہر الکتاب والسنۃ ہے اس لئے اس قول کو ارضی الاقوال کہا گیا جیسا رسالہ کا تسمیہ اس پر دال ہے۔ واللہ الحمد علےٰ ما علموا فہم۔ سلخ صفر ۱۳۲۳ھ

چودھواں عشریہ

در توجیہ بعض اجزا مشکلہ حکایت راعی موسیٰ علیہ السلام مذکورہ مثنوی معنوی بر قریب نصف دفتر دوم	یہ شخص جاہل تھا مگر صاحب حال غلبۂ حالت میں بنا بر اپنے جہل کے کچھ کچھ کہہ رہا تھا۔

موسیٰ علیہ السلام کو اُس کی باتوں سے اُس کا جہل تو معلوم ہوا اور مغلوب الحال ہونا معلوم نہیں ہوا اور اس میں کچھ استبعاد نہیں حضور صلے اللہ علیہ وسلم نے خود ماعز کی نسبت پوچھا تھا کہ اس کو جنون تو نہیں اس لئے اس پر نکیر فرمایا اس نکیر سے وہ حال جاتا رہا اور اپنے جہل کے اقوال پر ندامت ہوئی اور اس ندامت کے اشتغال سے وہ اشتغال سابق جو بلاواسطہ بحق تھا جاتا رہا جو اپنی ذات میں اشتغال بالندم کی نسبت اکمل فی قرب الالٰہی ہے کیونکہ قرب بھی اشتغال بحق ہے اور قرب بلاواسطہ اکمل ہوگا بواسطہ سے گو کسی عارض سے وہ بواسطہ والا انفع ہو چنانچہ اُس راعی کو اُس سے نفع عظیم پہونچا جو کہ حکایت ہی میں مذکور ہے مگر چونکہ یہ ممکن تھا کہ موسیٰ علیہ السلام ذرا توقف فرماتے اور غور کے بعد قرائن قویہ و نور بصیرت سے اُس کا صاحب حال ہونا معلوم کر کے اس وقت سکوت فرماتے کیونکہ اس وقت وہ مکلف نہ تھا اور بعد افاقہ کے اس کے جہل کو رفع فرما دیتے تو اس طریق سے اُس کا جہل بھی رفع ہو جاتا اور وہ قرب خاص بھی زائل نہ ہوتا اس لئے حق تعالےٰ نے اس پر شکایت فرمائی اور دونوں مذکورہ اشتغالوں کے تفاوت سے اس کو جدا کردن سے تعبیر فرمایا پس اس میں جو یہ مضامین ہیں ہیچ آدابے و ترتیبے مجو الخ مطلب یہ ہے کہ عین غلبۂ حال میں اُس سے تعرض مناسب نہ تھا نہ یہ کہ مکلف ہونے کے وقت بھی وہ مطلق العنان چھوڑ دیا جاوے اور شاید سہ لے معاف بفضل اللہ یا شار الخ سے مطلق العنانی کا شبہ پڑے تو اس کی توجیہ یہ ہے کہ شارع کو اختیار ہے اگر کسی شخص کو حکم عام سے کسی قدر مخصوص کر دیا جاوے جیسا حضور صلے اللہ علیہ وسلم نے ایک صحابی کو بکری کے بچّہ کی قربانی کی اجازت دیکر فرمایا ولن تجزئ عن احد بعدک اور ایسی تخصیص باعتبار بعض شرائط و قیود کے مستلزم اطلاق عنان کو نہیں اور مبنی اس تخصیص کا یہ ہو سکتا ہے کہ حق تعالےٰ کو اس راعی کی حالت و قدرت سے معلوم تھا کہ جس مرتبہ تنزیہ پر اس کو موسیٰ علیہ السلام پہونچانا چاہتے ہیں بوجہ ضعف عقل کے وہاں نہ پہونچ سکے گا خاصکر غلبۂ عشق عقل سے اتنا بھی کام نہ لینے دیگا پس جس طرح فقہاء نے ایسے شخص کو جو بعد کوشش کے تصحیح حروف سے ناامید ہو گیا ہو ترک تجوید کی اجازت دیدی اسی طرح اس کی حالت یاس عن کمال المعرفۃ مقتضی ہوئی اس کے لئے کسی قدر توسع کو اور گو ایسے شخص کے لئے ایسا توسع یہ بھی کلیہ عامہ شرعیہ ہے مگر اس کی تخصیص صرف اتنی ہوگی کہ دوسروں پر جو کہ مغلوب العشق نہیں زیادہ کوشش کرنا

ضروری تھا اور اس سے زیادہ کوشش ضروری نہ رہی اور گو یہ بھی ایک کلیہ ہے لیکن چونکہ اس کلیہ کے مصادیق شاذ و نادر ہیں والنادر کالمعدوم اس لئے سمجھا ایسا سمجھا جاویگا کہ گویا یہ حکم اسی کے لئے ہے اور کسی کے لئے نہیں اور اگر یہ کہا جاوے کہ جو غلبۂ عشق بلاجمع اسباب ہے اُس میں تو معذوری قاعدہ عامہ ہے لیکن جو غلبہ بجمع اسباب ہو جیسا بعض ذاکرین کی حالت سے مشاہدہ کیا جاتا ہے کہ جب وہ خلوت یا مراقبہ میں ذکر و فکر میں مشغول ہوتے ہیں فوراً یا کسی قدر دیر کے بعد اُن پر ایسے آثار غالب ہو جاتے ہیں سو جس شخص کی ایسی حالت ہو اور اس کو معرفت صفات حق کی بقدر ضرورت حاصل نہ ہوئی ہو اُس کو حکم یہ ہے کہ اس معرفت کو تحصیل میں مقدم کرے اور اُس کو اُن اسباب کے جمع سے منع کیا جاویگا اور ممکن ہے کہ اُس شبان کی ایسی ہی حالت ہو مگر باوجود اس کے وہ اُس معرفت کی تقدیم کا مامور اور اس جمع اسباب کا منہی نہ ہو۔ اس کے لئے معرفت ناتمام ہی کو جائز رکھکر اس کی اس حالت عشقیہ کو اس کے لئے پسند کیا گیا ہو تو اس تقریر پر تخصیص بے تکلف محفوظ رہے گی۔ ۲۵ ربیع الاول ۱۳۳۲ھ

پندرھواں عنبریہ

نکتہ عدم ذکر عروج سموات در آیت اسراء | بعض لوگوں کو سبحٰن الذی اسریٰ الآیہ میں اسراء کی غایت مسجد اقصیٰ فرمانے سے اور سموات کے ذکر نہ کرنے سے اُس کے انتفاء کا شبہ ہو جاتا ہے سو اول تو احادیث میں پھر خود قرآن میں سورہ والنجم کی آیت ولقد راٰہ نزلۃ اخریٰ الخ میں مذکور ہونے کے بعد یہ شبہ محض باطل ہے اور ہر جگہ ہر جزو کا مذکور ہونا ضروری نہیں دوسرے اس جگہ اُس کا ذکر کرنا بعد تامل بدون ارتکاب تجوز کے (جو کہ خلاف اصل ہے اور بدون کسی خاص مقتضی کے اصل سے عدول نہیں کیا جاتا) صحیح بھی نہ تھا۔ بیان اس کا موقوف ہے دو مقدمہ پر۔ ایک یہ کہ شروع آیت میں اسریٰ بعبدہٖ لیلاً واقع ہوا ہے جس کا ذکر کرنا بحکمت اشارہ وقوع اسراء فی اللیل کے ذکر وہ دلالت سے زیادہ اختصاص پر بوجہ اس کے کہ لیل عادۃً وقت خلوت کا ہے، خصوصیت واقعہ کے مناسب دوسرا یہ کہ حسب تصریح اہل ہیئت کے لیل و نہار کے تکون کا محل ہوا کا طبقہ کثیفہ مخلوطہ

بالابخرہ ہے جس کا لقب کرۃ البخار اور عالم نسیم اور کرۃ اللیل والنہار بھی ہے کیونکہ ہواؤں کا چلنا اور ظلمت و نور کی قابلیت اسی میں ہے اور اس کا ثخن ارض سے تقریباً سترہ فرسخ یعنی اکاون میل ہے اور اس سے آگے ہوائے لطیف صافی من الابخرہ ہے اور شمس کی شعاعین چونکہ طبقہ کثیفہ سے متجاوز نہیں ہوتیں اس لئے وہاں نہار کا تحقق نہیں اور چونکہ لیل ضد ہے نہار کی اس لئے لیل کا بھی تحقق نہیں۔ ان دونوں مقدموں سے معلوم ہوگیا کہ فوق سموات تو در کنار یہاں سے پچاس میل آگے بھی لیل و نہار کا تحقق نہیں پس اگر بعد مسجد اقصیٰ کے عروج سموات کا ذکر فرماتے مثلاً ثم منہ الی السمٰوات وما فوقہا یا مثل اس کے تو وہ بھی مظروف لیلاً کا ہوتا تو لازم آتا کہ سیر سموات وما فوقہا لیل میں واقع ہوئی حالانکہ وہاں لیل ہی کا تحقق نہیں پس اس کی ظرفیت صحیح نہ ہوتی اس لئے یہاں عروج سموات کا ذکر صحیح نہ تھا مگر باوجود اس کے لنریہ من آیاتنا میں جو کہ ایک غایت ہے اُس کی طرف اشارہ فرمادیا اس طرح سے کہ آیات سے مراد بقرینہ مقام و اضافۃ الی العظیم آیات عظمیٰ و کبریٰ ہیں جس کو سورہ والنجم آیت لقد رای من آیات ربہ الکبریٰ میں صاف اس عنوان سے ذکر فرمایا ہے اور آیات کبریٰ کا محل فوق السموات ہیں پس اُس کی اراءۃ کے ذکر میں اشارہ ہوگیا عروج فوقہا کی طرف کیونکہ اصل یہی ہے کہ رؤیت اور مرئی ایک جگہ ہو الا بدلیل یقتضی العدول عن ذلک الاصل باقی یہ کہ جب یہ آیات سماویہ مرئی اسریٰ لیلاً اس میں کیسے عامل ہوا وہی وجہ عدم صحت کی یہاں ہونا چاہیے جواب یہ ہے کہ غایت کے معمول ہونے سے اراءۃ کا مظروف ہونا لازم نہیں آتا اور بدون مظروفیت کے اُس کا غایت ہونا اسی طرح صحیح ہوسکتا ہے کہ اسرا الی المسجد مقدمہ ہے عروج سما کا اور عروج کی غایت ہے اراءۃ اور مقصود کی غایت بواسطہ مقصود کے غایت ہوتی ہے مقدمہ کی بھی کیونکہ مقصود باعتبار مقدمہ کے کالغایت ہے اور غایۃ الغایۃ غایت ہوتی ہے۔ واللہ افاض علیّ ہذہ النکتۃ لیلۃ الخمیس تاسع عشر من ربیع الآخر ۱۳۳۲ھ وللہ الحمد ما لا یحد ولا یحصیٰ۔ ۱۹ ربیع الآخر ۱۳۳۲ھ

سولہواں عشریہ

سوال نمبر (۱) جناب نے جو روح کے قدم کو تحقیق میں	جواب بعض شبہات بمقصود روح منکمدہ سار الفتوح

باطل فرمایا اس میں علوم کا قدم شخصی باطل ہوتا ہے نہ نوعی۔

نمبر(۲) ما ثبت قدمہ امتنع عدمہ یہ موجودات میں ہے نہ اعدام میں ورنہ حوادث یومیہ کا وجود محال ہوجاوے کیونکہ یہاں بھی اس کا عدم قدیم ہے تو جیسے علم حادث روح کا عدم محال ہے زید کے عدم کا عدم کیوں نہ محال ہوگا۔

الجواب نمبر۱ - میں ہمیشہ سے حدوث کل شخص شخص کے مستلزم للحدوث النوعی ہونے کو بدیہی سمجھتا ہوں اور تنبیہ اسپر یہ ہے کہ جب وجود نوع کا بدون وجود شخص کے محال ہے تو جب ہر شخص حادث ہوگا تو قدم نوع کی کیا صورت ہوگی **نمبر۲** جہل عدم محض نہیں ہے بلکہ عدم ملکہ کا ہے جو احکام عقلیہ میں مثل وجودی کے ہوتا ہے وجہ یہ کہ عدم معلول ہوگا علت کا پس جب یہ قدیم ہوگا تو علت بھی اس کی قدیم ہوگی اور اسکے عدم سے عدم قدیم کا لازم آویگا جو کہ محال ہے پس یہ بھی ممتنع العدم ہوگا بخلاف عدم محض کے کہ وہ معلول نہیں کسی علت کا اُس کے عدم سے کوئی محذور لازم نہیں آتا اور قطع نظر اس کے منہیہ میں جو دلیل ہے وہ اس غبار سے بھی پاک ہے واللہ اعلم - ۲۳ جمادی الاولیٰ ۱۳۳۲ھ

سترھواں عنوان

دفع اشکال برمضمون وما علمناہ الشعر

سوال - مجادلات معدلت کے نمبر(۳) میں قرآن اور تغنی کے ضمن میں آپنے تحریر فرمایا ہے کہ قرآن مجید اور حدیث شریف کے بعض جملوں میں مصراعیت کی شان ہے اور بعض بالکل موزوں ہیں لیکن چونکہ وہ بلا قصد ہیں اس لئے یہ نہیں کہا جاسکتا کہ یہ ما علمناہ الشعر کے خلاف ہیں شعر وہ ہے کہ جس میں قصد وزن کا ہو نہ کہ اتفاقاً وزن ہوگیا ہو اھ ماحصل آپ کی تقریر کا یہ ہے کہ کلام موزوں بلا قصد شعر نہیں اور جب شعر نہیں تو ما علمناہ الشعر کا خلاف لازم نہیں آتا مگر اساتذہ فن نے لکھا ہے کہ شعر اصطلاح میں کلام موزوں مناسب الالفاظ کو کہتے ہیں قصد موزونیت اگرچہ داخل صفت شعر ہے لیکن وجود شعر میں اُس کو دخل نہیں جو شعر بلا قصد منہ سے نکل جاتا ہے اُسکو فی البدیہہ کہتے ہیں - اس صراحت کا نتیجہ یہ ہے کہ کلام موزوں بلا قصد شعر ہے اور آورد پر آمد کو ترجیح ہے اگر بر سبیل تنزل مان بھی لیا جاوے کہ کلام موزوں بلا قصد شعر نہیں تب بھی یہ شبہ باقی رہتا ہے کہ قصد موزونیت نہ تھا تو یہ موزونیت کہاں سے آگئی مختصر

اللہ پاک کی شان سے یہ بعید ہے کہ با وصف اہتمام نیز اتفاقاً بعض کلام موزوں ایسا صادر ہو جاوے کہ اوزان متعارفہ پر بے تکلف تقطیع کیا جا سکے۔ امید ہے کہ آپ اس شبہ کے دور کرنیں جواب تحریر فرماویں گے

الجواب۔ شعر اصطلاحی وہ کلام موزوں ہے جس کے ایراد میں موزونیت من حیث الشعر العرفی کا قصد کیا گیا ہو۔ پس اس تعریف سے ایسی آیات و احادیث خارج ہو گئیں جو اوزان شعریہ پر منطبق پائی جاتی ہیں۔ احادیث تو اس لئے کہ ان میں موزونیت کا قصد ہی نہیں اور آیات اس لئے کہ ان میں موزونیت من حیث الشعریۃ کا قصد نہیں۔ پس صرف قصد کا التزام قول بالاضطرار سے بچنے کیلئے مضر نہیں اور فی البدیہہ شعر میں عدم قصد کا شبہ نہ کیا جاوے کیونکہ عدم قصد اس کے ورود میں ہے تو اس مرتبہ میں اس کے شعر ہونے پر کوئی دلیل نہیں اور شعر ہونا اس کا مرتبہ ایراد میں ہے تو اس مرتبہ میں وہ شعر بھی ہے اور کلام نفسی باری تعالیٰ میں خود عدم قصد سے جواب ہو جاویگا کیونکہ وہ مرتبہ صفت کا ہے جو ارادہ کا متعلق نہیں ہے اور تعریف مذکور میں عرفی کی قید سے دور کا شبہ جاتا رہا۔ اب جواب مذکور کی تائید کے لئے اہل مہارت کی کچھ نقل پیش کیجاتی ہے۔ فی کشاف اصطلاحات الفنون للقاضی محمد اعلیٰ التھانوی وھو (ای الشعر) الکلام الموزون المقفی الذی قصد الی وزنہ و تقفیتہ قصدا اولیا الی قولہ یعنی لیس مقصودہ تعالیٰ ان یکون ھذا الکلام شعرا علی حسب اصطلاح الشعراء صفحہ ۷۴۲ اور مجادلات کی عبارت میں جو بلا قصد واقع ہے مراد اس سے خاص قصد کی نفی ہے یعنی قصد وزن من حیث الشعریۃ اور اسی کو لفظ اتفاق سے تعبیر کیا ہے ولامشاحۃ فی الاصطلاح اور جب ماہرین نے تعریف میں قصد وزن کی تصریح کر دی تو کسی دوسرے کی تصریح نہ کرنا معارض اسکے نہیں ہو سکتا لان الناطق یقضی علی الساکت اس تقریر میں تامل کرنے سے تمام شبہات مذکورہ فی السوال مرتفع ہو جاویں گے۔ ۳۰ جمادی الاولیٰ ۱۳۳۴ھ

اٹھارواں عشریہ

در دفع شبہ متعلقہ آیت فنا خلق

سوال۔ مجھے چند روز سے ایک خلجان سا رہتا ہے اور باوجود غور و فکر اطمینان نہیں ہوتا وہ یہ ہے۔ كُلُّ مَنْ عَلَيْهَا فَانٍ وَّيَبْقٰى وَجْهُ رَبِّكَ ذُو الْجَلٰلِ وَالْاِكْرَامِ

متقابلہ سے صاف معلوم ہوتا ہے کہ ذات باری کے لئے بقا ہے اور اُس کے ماسوا ہر شے فانی ہے حتیٰ کہ روح وجسم و اجزائے جسم جنت و دوزخ غرضکہ ہر شے اور فنا سے عدم محض معلوم ہوتا ہے کیونکہ اس کے سوا جو صورت فنا کی (مثلاً انتشار اجزا یا انقطاع تعلق وغیرہ اگر مراد لیا جاوے تو وہ بقا کے ساتھ متصف ہو سکیگا اور تقابل سے بقا سوائے ذات باری عز اسمہٗ کے سب سے منفی ہے علاوہ بریں کُلُّ شَیْءٍ هَالِكٌ اِلَّا وَجْهَهٗ بھی نص صریح ہے جس میں احتمال تاویل نہیں معلوم ہوتا اُدھر مومنین کے لئے خلود فی الجنۃ اور کفار کے لئے خلود فی النار بھی منصوص ہے اور بضرورت تعارض تاویل کی ضرورت ہے آیات مذکورۂ بالا میں تاویل سمجھ میں نہیں آتی خلود میں بعض مقام پر مادامت السموات والارض الاما شاء ربك کیساتھ تقیید بھی واقع ہوئی ہے اور بظاہر اس تقیید اور استثنار مشیت سے شبہ ہوتا ہے کہ شاید یہ مقصود ہو خلود و دوام فی الجنۃ والنار مشیت کے وقت تک ہے گویا یہ معنی ہوئے کہ اخراج نہ ہوگا بلکہ جنت و دوزخ میں ہمیشہ رہیں گے جب تک کہ جنت و دوزخ کو بقا ہو اور جب مشیت ازلی ان کے فنا کیساتھ متعلق ہوگی سب فنا ہو جائینگے اور خلود کا مکث طویل پر بھی اطلاق ہو سکتا ہے لیکن یہ معنی جمہور کے خلاف ہیں اس لئے متحیر ہوں کچھ سمجھ میں نہیں آتا جناب والا اس کی توجیہ سے سرفراز فرماویں اور عاجز کو خلجان سے نجات بخشیں

الجواب فانی یا ہالک اسم فاعل کا صیغہ ہے جو مستقبل کے لئے مستعمل ہے اور نفخ صور کا زمانہ نزول قرآں کے زمانہ سے مستقبل ہے پس کسی زمانہ میں اُن کا انعدام متحقق ہو جانا صدق کلام کے لئے کافی ہے اس انعدام کا دوام کسی دلیل سے ثابت نہیں پھر دوسری آیت سے یعنی فصعق من فی السموات ومن فی الارض الا من شاء اللہ سے جبکہ صعق کی تفسیر موت کیساتھ کیجاوے خود استثنار بعض بھی معلوم ہوتا ہے پس احتمال ہے کہ فانی و ہالک سے بعض اشیار مستثنیٰ ہوں اور احتمال ہے کہ سب فانی ہو جاویں حتیٰ کہ روح و جنت و نار بھی اگرچہ ایک لمحہ ہی کے لئے ہو اور استثنار متعلق بمشیت ہو اور مشیت واقع نہ ہو اس لئے سب منعدم ہو جاویں - بہرحال دو آیتوں میں جمع دونوں طریق سے ممکن ہے اور کسی طریق پر بھی دوام انعدام لازم نہیں اور خلود کا حکم منصوص ہے اور وہ اس انعدام کے مناقض نہیں کیونکہ یہ انعدام اور زمانہ میں ہے اور خلود کا دوسرا زمانہ ہے یعنی بعد حیات ثانیہ اور مادامت السموات الخ عدم خلود پر دال نہیں بلکہ اس کا صدق خود سموات وارض کے خلود کے

ساتھ ہوسکتا ہے خواہ وہ سموات جنت کے ہوں یا یہی سموات کہ بعد وجود ثانی کے منعدم نہ ہوں اور الاما شاء
ربک کی تفسیر بیان القرآن میں دیکھ لیجیے۔ ۲۸ رجادی الاخری ۱۳۳۴ھ

(سوال متعلق مسئلہ بالا) جناب کی تحریر کے موافق اگر فنا وہلاکت کا زمانہ نفخ صور لیا جائے
تو آیات خلود جنت ونار سے کل من علیہا فان وکل شئ ھالک الا وجہہ کا تعارض دفع
ہوجاتا ہے۔ لیکن اس میں عاجز کا ذرا سا شبہ باقی رہ گیا ہے وہ یہ ہے کہ دونوں جملے اسمیہ ہیں
ان کا مقتضیٰ دوام واستمرار ہوا کرتا ہے اس بنا پر اگر یہ کہا جائے کہ فانی اور ہالک اسم فاعل ہیں
اور استقبال کے لئے مستعمل ہیں تو اسمیت جملہ کا لحاظ کرکے یہ معنی معلوم ہوتے ہیں کہ زمانہ آیندہ
میں فنا وہلاکت کا استمرار ودوام ہوگا تو پھر آیات خلود سے تعارض ہوجاتا ہے اس کے علاوہ
ایک شبہ یہ ہوتا ہے کہ اگر نفخ صور کے وقت ہر شے فنا ہوجائے حتی کہ بسائط بھی تو جزا وسزا کے
لئے پھر مخلوق ہونے کی صورت میں یا تو اعادہ معدوم لازم آتا ہے یا جزا وسزا مخلوق جدید کے
متعلق ہوتی ہوئی معلوم ہوتی ہے۔ شرح عقائد کا جواب اجزا اصلیہ وفضلیہ نکال کر اس
بنا پر مبنی معلوم ہوتا ہے کہ روح کے لئے فنا نہ ہو صرف جسم فنا ہو یعنی اس کے اجزا منتشر ہوجاویں غرضکہ
وہ حشر اجساد پر اعتراض کو دفع کرتا ہے۔ بسائط (مثلاً روح بنا بر مذہب محققین وذرات بسیطہ مادی)
کے اعدام واعادہ پر اس اعتراض کا کوئی جواب سمجھ میں نہیں آتا۔ امید کہ جناب والا اپنی عنایات قدیمانہ
سے ازالہ شبہ فرماکر اطمینان بخشیں۔

الجواب اگر جملہ اسمیہ کے استمرار کے یہ معنی ہوں تو زید ضارب غداً کے یہ معنے ہونگے کہ جس کل کو
جب اس سے ضرب صادر ہوگی تو پھر ابداً ضرب ہی صادر ہوتی رہا کرے گی۔ آیت ثم انکم بعد
ذلک لمیتون ثم انکم یوم القیمۃ تبعثون کے دونوں جملوں میں صریح تعارض ہوگا کیونکہ لمیتون
کا مدلول دوام موت ہوگا دوسرا جملہ اس دوام کی نفی کرتا ہے اور اعادہ معدوم کا اشکال جو لکھا ہے
تو کیا اس کا استحالہ کسی دلیل سے ثابت ہے عین ہونے کے لئے جن امور کی ضرورت ہے وہ وجود ثانی
میں محفوظ رہ سکتے ہیں اور اگر بعض عوارض کا بدل جانا بقاء عین میں مضر ہو تو پھر زید جو کل تھا لازم آتا
ہے کہ آج نہ ہو اور جس معنے کر اس کا استحالہ ثابت ہے اسی معنے کر ہم قائل نہیں نہ جزا وسزا
اس معنی پر موقوف ہے اور جب اعادہ معدوم ممکن ہے تو ظاہر ہے کہ بعد فرض اعادہ کے یہ معاد وہی

عالم طاعت و معصیت ہے جو نشأۃ اولیٰ میں تھا اور پھر معدوم کر دیا گیا تھا اور اس کا لغۃً خلق جدید ہونا مضر مقصود نہیں حق تعالیٰ کے کلام سے ایسا جدید ہونا مسلم ہے بَلْ هُمْ فِي لَبْسٍ مِّنْ خَلْقٍ جَدِيدٍ اور اگر اس کا نام خلق مثل فرض کر لیا جاوے تب بھی کوئی عقلی اشکال نہیں اور مثلین کا ایسا تغایر جزا و سزا کے توجہ میں مضر نہیں جیسا بعض حکماء بھی تجدد امثال کے قائل ہیں پھر بھی خطابات و تبعات بالخصیہ دوسرے مثل پر متوجہ ہیں عجب نہیں ایسی گنجائش کی بنا پر حق تعالیٰ نے بعض جگہ یَخْلُقُ مِثْلَهُمْ فرمایا ہو فی جواب قولہم أَإِنَّا لَمَبْعُوثُونَ خَلْقًا جَدِيدًا ۔ ۲۳ رجب ۱۳۳۲ھ

سوال متعلق مسئلہ بالا (کُلُّ شَیْءٍ هَالِكٌ اِلَّا وَجْهَهٗ کے متعلق عاجز کے شبہ کا جواب جناب نے جو تحریر فرمایا ہے اس میں چونکہ میرے منشا شبہ سے تعرض نہیں ہے اس وجہ سے کچھ سمجھ نہیں آیا اس کا باعث غالباً اظہار شبہ میں عاجز کی عبارت کا قاصر ہونا ہے۔ اب زیادہ واضح لکھنے کی کوشش کرتا ہوں۔ قبل قیامت جب ہر شے فنا ہوگی تو مثلاً زید بھی فنا اور معدوم ہوگا اور بمقتضائے کُلُّ شَیْءٍ الخ زید کی روح اور جسم سب معدوم ہو جائیں گے یعنی زید بجمیع اجزاء معدوم ہو جائیگا اس کے بعد جب دوبارہ جزا و سزا کیلئے بعث ہوگا (یا جو کچھ نام رکھا جائے) اسوقت زید کا ہر ہر جز مخلوق جدید ہوگا اور جب ہر جز مخلوق جدید ہوا تو زید معدوم بجمیع اجزائہ اور زید ثانی مخلوق بجمیع اجزائہ میں مابہ الاشتراک کیا رہا نہیں اس لئے اس زید ثانی کا جو بجمیع اجزائہ مخلوق جدید ہے اعمال زید معدوم بجمیع اجزائہ کے لئے مثاب یا معذب ہونا سمجھ میں نہیں آتا منشا میرے شبہ کا ایک تو یہ ہے کہ کُلُّ شَیْءٍ استیعاب کو مقتضی ہے (سوائے خدا کے) اس لئے زید کا ہر ہر جز شے ہے اور ہر شے ہلاک اور فنا ہوگی۔ دوسرا منشا شبہ کا یہ ہے کہ فنا اور ہلاکت کے معنے معدوم ہونے کے سمجھ رہا ہوں۔ کیونکہ ایک آیت میں فنا بقاء کے مقابل واقع ہوا ہے اور بقاء استمرار وجود کو کہتے ہیں جو خدا تعالیٰ کے لئے ثابت ہے الخ لامحالہ ماسوا کے لئے عدم فی زمان ملکم سے کم ثابت ہونا چاہیئے امید کہ تحقیقی جواب سے سرفراز فرماویں الزامی جواب سے اول تو شبہ دفع نہیں ہوتا بلکہ ایک شبہ اور بڑھ جاتا ہے اور اگر اس کا جواب سمجھ میں آجاتا ہے تو وہ خود قابل التفات نہیں رہتا اور اصل شبہ بدستور باقی رہ جاتا ہے اس لئے بادب تحقیقی جواب کے لئے مکرر مستدعی ہوں۔

الجواب یہ بھی مسلم کہ اس وقت سب پر عدم محض طاری ہو جائیگا۔ یہ بھی مسلم کہ پھر وجود مستانف ہوگا

لیکن اُس کو من کل الوجوہ جدید کہنا غیر مسلم۔ خلاصہ یہ کہ زمان بھی ایک ظرف ہے مثل مکان کے پس جس طرح زوال من مکان وحصول فی مکان آخر موجب شبہ نہیں اسی طرح زوال من زمان وحصول فی زمان آخر موجب شبہ نہ ہوگا۔ پس وجود ثانی کو اگر باعتبار زمانہ خاصہ کے جدید کہا جاوے مسلم مگر غیر مضر اور اگر مطلقاً جدید کہا جاوے تو غیر مسلم۔ اور راز اس میں یہ ہے کہ معدوم فی زمان خاص مطلقاً معدوم نہیں علم الٰہی میں یاد ہر میں کہئے موجود ہے جو دوسرے زمانہ میں پھر ظاہر ہوا۔ پس مبنی اشکال کا منہدم ہوگیا اور اشکال بھی منعدم ہوگیا جیسا کہ ایسے ہی وجود کا ماننا اس اشکال کے رفع کرنے کے لئے ضروری ہے کہ تعلق ارادۂ ایجاد آیا معدوم کے ساتھ ہے یا موجود کے ساتھ شق اول پر تحقق تعلق کا موقوف ہے تحقق متعلقین پر اور شق ثانی پر ایجاد موجود لازم آویگا جو کہ محال ہے۔ ۱۲ رمضان المبارک ۱۳۳۲ھ

انیسواں[19] عشریہ

(دفع اشکال متعلق رجم شیاطین)

سوال۔ حضرت ایک سوال سخت پریشان کرتا ہے کہ قرآن شریف میں ستاروں کی بابت ارشاد باری ہے وَلَقَدْ زَيَّنَّا السَّمَآءَ الدُّنْيَا بِمَصَابِيحَ وَجَعَلْنَاهَا رُجُومًا لِّلشَّيٰطِينِ الآیہ اور حدیث شریف میں فضل شہر رمضان میں یہ ارشاد شریف ہے اذا کان اوّل لیلۃ من شھر رمضان صفدت الشیاطین ومردۃ الجن۔ الحدیث۔ اوّل سے ستاروں کے چھٹنے کی وجہ وعلت رجماً للشیاطین۔ دوسرے سے قید شیاطین از اوّل تا آخر رمضان تو پھر کیوں رمضان المبارک میں شب کو ستارے چھوٹتے ہیں کیونکہ کئی ایک معتبر اشخاص نے و نیز بندہ نے بھی چھوٹتے دیکھے ہیں۔

الجواب۔ ستارے چھوٹنا کبھی رجم کے لئے ہوتا ہے کبھی دوسرے اسباب طبعیہ سے بھی اوّل میں منحصر نہیں نیز تصفید مخصوص ہے مردۃ الشیاطین کیساتھ سب شیاطین کو عام نہیں دونوں طرح تعارض رفع ہوگیا۔ ۱۴ رمضان المبارک ۱۳۳۲ھ

بیسواں عشریہ

(دفع اشکال عدم عموم صیف باوجود نفس جہنم)

سوال۔ حدیث شریف میں آیا ہے اشتکت النار

الی ربہا فقالت یارب اکل بعضہا بعضا فاذن لہا بنفسین فی کل عام نفس فی الشتاء ونفس فی الصیف اکثر علماء نے اس حدیث کو حقیقت پر محمول کیا ہے بنابریں یہ شبہ واقع ہوتا ہے کہ کیا وجہ ہے کہ بعض خطۂ ارض میں (جہاں ہمیشہ سردی پڑتی ہے) نفس فی الصیف کا اثر ظاہر نہیں ہوتا۔

الجواب۔ حدیث میں امکنہ کہاں مذکور ہے جو اشکال لازم آوے۔ اصل یہ ہے کہ اس نفس فی الصیف کا اثر بواسطہ آفتاب کے خاص اوضاع کے پہونچتا ہے پس جہاں اوضاع خاصہ شمس کے نہ ہوں گے وہ اثر بھی نہ پہونچے گا۔ ۹ شوال ۱۳۳۴ھ

اکیسواں (۲۱) عشریہ

در حکم نماز در ہوائی جہاز وقت طیران

سوال۔ ہوائی جہاز میں جس وقت کہ وہ ہوا میں ہو خواہ چلتا ہو یا ٹھہرا ہو اس میں نماز فرض جائز ہے یا نہیں۔

الجواب فی رد المحتار ہو ای السجود لغۃ الخضوع قاموس وفسرہ فی المغرب بوضع الجبہۃ فی الارض وفی البحر وحقیقۃ السجود وضع بعض الوجہ علی الارض الخ ج۱ ص۲۹۵ وفیہ تحت قول الدر المختار وان یجد حجم الارض ما نصہ تفسیرہ ان الساجد لو بالغ لا یتسفل رأسہ ابلغ من ذلک فصح علی طنفسۃ وحصیر وحنطۃ وشعیر وسریر وعجلۃ ان کانت علی الارض لا علی ظہر حیوان کبساط مشدود بین اشجار الخ ج۱ ص۳۲۳

ان روایات سے معلوم ہوا کہ سجدہ میں وضع جبہہ یا وضع وجہ ارض پر شرط ہے اور یہ بھی معلوم ہوا کہ جو چیز مستقر علی الارض ہو وہ تبعاً بحکم ارض ہے دو شرط سے ایک وجدان حجم بالتفسیر المذکور اور اسی واسطے بساط مشدود بین الاشجار پر جائز نہیں اور دوسرے یہ کہ وہ چیز جاندار نہ ہو کیونکہ جاندار میں بوجہ متحرک بالارادہ ہونے کے ایک گونہ استقلال ہے وہ مثل جمادات کے تابع للارض نہیں ہے۔ اسی لئے حیوان پر بلا عذر جائز نہیں اور سریر وعجلہ وغیرہ میں تبعیت مع دونوں شرطوں کے پائی جاتی ہے اُس پر جائز ہے پس یہاں چار چیزیں نکلیں۔ ارض۔ سریر وعجلہ وغیرہ بساط مشدود و مثلہ حیوان۔ اولیں پر جائز ہے اور آخرین پر ناجائز الا لعذر فی الحیوان۔ بعد اس تمہید کے سمجھنا چاہئے کہ یہ تو ظاہر ہے کہ ہوائی جہاز ارض تو ہے نہیں اور بساط مشدود بین الاشجار کی مثل بھی نہیں بوجہ

تفاوت وجدان وعدم وجدان حجم کے اب دو احتمال رہ گئے ایک یہ کہ مثل عجلہ کے ہو۔ دوسرے یہ کہ مثل حیوان کے ہو تو گو ظاہراً مثل عجلہ کے معلوم ہوتا ہے کہ بواسطہ ہوا کے مستقر علی الارض کے وہ بھی مستقر علی الارض ہے مگر غور کرنے سے معلوم ہوتا ہے کہ نہ وہ ہوا پر مستقر ہے اور نہ ہوا ارض پر مستقر ہے چنانچہ ہوا کا سیلان الی المحیط ظاہر ہے تو وہ ارض پر کیسے مستقر ہے اور اتصال اوپر جزا ہے اور ہوا کا مادہ رقیقہ بھی جہاز کے ثقل کا معاوق نہیں ہوسکتا چنانچہ اگر اس میں سے گیس نکل جاوے تو فوراً زمین پر گر پڑے پس وہ حقیقۃً ارض پر غیر مستقر ہوا اور حیوان جو کہ حقیقۃً مستقر تھا مگر حکماً مستقر نہ تھا جب اُس پر بلا عذر نماز جائز نہیں تو جہاز پر جو کہ حقیقۃً غیر مستقر ہے کس طرح نماز جائز ہوگی الا بعذر معتبر فی الصلوٰۃ علے الحیوان۔ حاصل جواب یہ نکلا کہ جن عذروں کے سبب اونٹ گھوڑے وغیرہ پر نماز جائز ہے اگر وہی عذر پائے جاویں مثلاً نزول میں خوف ہلاک وغیرہ ہو یا نزول پر قادر نہ ہو اور یہ عذر اخیر جہاز رانوں کے لئے جو کہ اُس کے آتارنے یا ٹھہرانے پر قادر ہیں متحقق نہ ہوگا) تب تو اُس پر نماز جائز ہے اور بدون ایسے عذر کے جائز نہیں

(دفع اشتباہ) اس جہاز کو مثل دریائی جہاز کے نہ سمجھا جاوے کیونکہ وہ بواسطہ پانی کے مستقر علے الارض ہے اور اس کا استقرار پانی پر اور پانی کا استقرار ارض پر بالکل ظاہر ہے

(تنبیہ) یہ جواب قواعد سے لکھا گیا ہے علماء سے اُمید ہے کہ اگر یہ جواب صحیح نہ ہو تو براہ نصح دین احقر مجیب کو مطلع فرما دیں سمجھنے کے بعد اپنے جواب سے رجوع کر کے اُسکو شائع کردونگا۔
۲۲ ذیقعدہ ۱۳۳۵ھ

تحقیق صلوٰۃ بر جہاز ہوائی

میرا ایک فتویٰ اس کے متعلق رسالہ الامداد محرم ۱۳۳۶ھ میں صفحہ ۳۰ پر چھپا تھا اُس کے متعلق ایک تحریر مشتمل دو سوال جواب آئی جو ذیل میں منقول ہے اُس کے ایک حاشیہ میں جو بعنوان ظہرے شروع ہوا ہے میری ایک عبارت معنون بہ رفع اشتباہ پر اعتراض بھی تھا اُس کا جواب مولوی حبیب احمد صاحب نے لکھکر مجھ کو دکھلایا جو اُس تحریر کے بعد منقول ہے۔

سوال بر ہوائی جہاز در حالت طیران او یا وقوف او در ہوا سجدہ کردن یا نماز فرض خواندن جائز باشد یا نہ بینوا توجروا

جواب واللہ تعالیٰ اعلم بالصواب۔ قال العلامۃ القہستانی فی شرح مختصر الوقایۃ۔ والسجود لغۃ ھو الخضوع وشرعاً وضع الجبہۃ علے الارض غیرھا انتہیٰ۔ وفی البحر

شرح الکنز تحت قولہ وکرہ باحدھما اوبکور عمامۃ من فصل اذا اراد الدخول فی الصلوٰۃ فی اثناء ما انبسط۔ والاصل انہ کما تجوز السجدۃ علی الارض تجوز علی ما ھو بمعنی الارض مما تجد جبھتہ حجمہ وتستقر علیہ وتفسیرہ وجدان الحجم ان الساجد لو بالغ لا یتسفل راسہ ابلغ من ذلک انتہی۔ وفی الوقایۃ فی آخر باب صفۃ الصلوٰۃ فان سجد علی کور عمامتہ او فاضل ثوبہ او شئ یجد حجمہ وتستقر علیہ الجبھۃ جاز ان لم تستقر لا یجوز انتہی۔ فالمرکب الھوائی ان کان مرکبا من اشیاء صلبۃ بحیث تستقر علیہ الجبھۃ ولا تتسفل بالتسفیل تجوز السجدۃ علیہ والظاھر انہ ملحق بالدابۃ کالسفینۃ السائرۃ والموقوفۃ بالشط الغیر المستقرۃ علی الارض فانھا ملحقۃ بالدابۃ کما یستفاد من رد المحتار قبیل سجدۃ التلاوۃ فالصلوٰۃ المکتوبۃ علی المرکب الھوائی لا تجوز بدون العذر کما ھو حکم الصلوٰۃ علی الدابۃ والسفینۃ السائرۃ وھل یلزم التوجہ الی القبلۃ ھھنا کما فی السفینۃ او لا کما فی الدابۃ۔ و الظاھر انہ یلزم لان المرکب الھوائی بمنزلۃ البیت کالسفینۃ فان لم یمکنہ یمکث عن الصلوٰۃ الا اذا خاف فوت الوقت لما تقرر من ان قبلۃ العاجز جھۃ مقدرتہ ودوما من حادثۃ الا ولہا ذکر فی کتاب من الکتب المعتبرۃ اما بعینھا او بذکر قاعدۃ کلیۃ تشتملھا ۱۲) واللہ تعالیٰ اعلم۔

سوال - بر ریل گاڑی نماز فرض خواندن درحالت سیر او بدون عذر جائز ست یا نہ بینوا توجروا۔

جواب - جائز ست - قال فی رد المحتار شرح الدر المختار من باب الوتر والنوافل، تحت قولہ وان لم یکن طرف العجلۃ علی الدابۃ جاز لو واقفۃ الخ کذا قیدہ فی شرح المنیۃ ولو ارادہ لغیرہ یعنی اذا کانت العجلۃ علی الارض لم یکن طرف العجلۃ علی الدابۃ جاز لو واقفۃ الخ کذا قیدہ فی شرح المنیۃ ولوارادہ لغیرہ یعنی اذا کانت العجلۃ علی الارض لم یکن شئ منھا علی الدابۃ وانما لھا حبل مثلا تجرھا الدابۃ تصح الصلوٰۃ علیھا لانھا حینئذ کالسریر الموضوع علی الارض ومقتضی ھذا التعلیل انھا لو کانت سائرۃ فی ھذہ الحالۃ لا تصح الصلوٰۃ علیھا بلا عذر وفیہ تامل کان جرھا بالحبل وھی علی الارض لا تخرج بہ عن کونھا علی الارض و

یفیدہ عبارۃ التاتارخانیہ عن المحیط وھی لو صلّی علی العجلۃ ان کان طرفھا علی الدابۃ وھی تسیر تجوز فی حالۃ العذر لا فی غیرھا وان لم یکن طرفھا علی الدابۃ جازت وھی کالسریر انتہیٰ فقولہ وان لم یکن طرفھا الخ یفید ما قلنا الا انہ راجع الی الاصل لمسئلۃ وقد قیدھا بقولہ وھی تسیر ولو کان الجواز مقیدا بعدم السیر لقیدہ بہ فتامل انتہیٰ اقول وکذا یفیدہ ما افادنا السید قدس سرہٗ عن عبارۃ المحیط عبارۃ فتاوی قاضیخان وھی اما الصلوٰۃ علی العجلۃ ان کان طرف العجلۃ علی الدابۃ وھی تسیر او لا تسیر فھی صلوٰۃ علی الدابۃ تجوز حالۃ العذر ولا تجوز فی غیرھا وان لم تکن طرف العجلۃ علی الدابۃ جاز وھی بمنزلۃ الصلوٰۃ علی السریر انتہیٰ قبل باب صلوٰۃ المریض فلھا جازت الصلوٰۃ علی العجلۃ اذا لم یکن شیئ منھا علی الدابۃ وھی تسیر او لا تسیر بدون العذر وکانت بمنزلۃ السریر فی الحالتین فبالطریق الاولیٰ تجوز علی المرکب الدخانی الذی یجری علی الارض حال کونہ سائرا بدون العذر فظھر ان ما فی غایۃ الاوطار جلد ا ص ۳۳۳ تحت قولہ وان لم یکن طرف العجلۃ علی الدابۃ جاز لو وافقۃ (فی باب الوتر والنوافل)

علماء ہند مختلف ہیں کہ ریل گاڑی چلتے میں نماز فرض و واجب درست نہیں اور بعضے درست کہتے ہیں الخ منشأہ عدم اطلاع الفریقین والمؤلف ایضاً علی ما حققہ السید العلامۃ تحت القول المذکور کما نقلنا ھذا واعترض (فی باب الوتر والنوافل) محقق المصر علی قول السید قدس سرہ وفیہ تامل لان جرھا الخ حیث قال وھی وان لم تخرج بالجر بالحبل عن کونھا علی الارض الا ان ھذا لقید لا بد منہ اذ بدونہ یفوت اتحاد مکان الصلوٰۃ الذی ھو شرط لصحتھا الا بعذر الخ ویقول العبد الضعیف ان ھذا منہ عجیب جدا فان مکان الصلوٰۃ فیما نحن فیہ العجلۃ ولو حصل الواسطۃ دون الارض التی تحتھا الا تری ان الصلوٰۃ علی السفینۃ السائرۃ جائزۃ واعتبار العذر ھھنا لانھا لما کانت علی الماء دون الارض فکانت کالدابۃ لا لعدم اتحاد مکان الصلوٰۃ فان الحکم فی السفینۃ المربوطۃ بالشط اذا کانت علی القرار من الماء ولم یکن شیئ منھا مستقرا علی الارض ایضا کذلک وھھنا ظھر ان کون السفینۃ علی الماء والماء علی الارض مما لا ینتج

نتیجۃ تقیید حکما من الاحکام (۲) ان قیل قد تقرر ان بعض الائمۃ اذا صرح بقید وجب اتباعہ قلت ھذا اذا کان من اھل الترجیح و ابن امیر الحاج شارح المنیۃ لیس من اھل الترجیح (کذا فی الحموی شرح الاشباہ من الفن الثالث فی احکام الخنثی) بل ھو من نقلۃ المذھب فکان علیہ عزو القید المذکور الی کتاب من الکتب المعتبرۃ ولعل الیہ اشار السید المحقق بقولہ ولو ان لغیرہ بقی ھل یجب التوجہ الی القبلۃ وکلما دار المرکب الدخانی عنھا عند استفتاح الصلوٰۃ وفی خلال الصلوٰۃ الظاھر نعم فان لو یمکنہ یمکث عن الصلوٰۃ الا اذا خاف فوت الوقت ھذا ما ظھر لی واللہ تعالیٰ اعلم وعلمہ احکم۔

الجواب من المولوی حبیب احمد

فی الدر المختار المربوطۃ بالشط کالشط فی الاصح اھ وقال فی رد المحتار قولہ المربوطۃ بالشط کالشط فلا تجوز الصلوٰۃ فیھا قاعدا اتفاقا وظاھر ما فی الھدایۃ وغیرھا الجواز قائما مطلقا ای استقرت علی الارض اولا وصرح فی الایضاح بمنعہ فی الثانی حیث امکنہ الخروج الحاقا لھا بالدابۃ۔ نھر۔ واختارہ فی المحیط والبدائع بحر۔ و عزاہ فی الامداد ایضا الی مجمع الروایات عن المصفی وجزم بہ فی نور الایضاح و علی ھذا ینبغی ان لا تجوز الصلوٰۃ فیھا سائرۃ مع امکان الخروج الی البر وھذہ المسئلۃ الناس عنھا غافلون شرح المنیۃ اھ صـ ۵۲۲ اس عبارت سے معلوم ہوتا ہے کہ سفینہ کے مثل دابہ ہونے میں اختلاف ہے صاحب ہدایہ وغیرہ کے بیان سے ظاہر ہوتا ہے کہ وہ اس کو مثل دابہ نہیں سمجھتے اور اس میں نماز بلا عذر جائز ہے اور دیگر علماء نے تصریح کی ہے کہ وہ مثل دابہ کے ہے اور اس میں نماز بلا عذر جائز نہیں اور راجح یہ ہے کہ وہ مثل دابہ کے ہے جب یہ معلوم ہو گیا تو اب سمجھنا چاہیئے کہ الامداد میں جو لکھا گیا ہے (رفع اشتباہ) اس جہاز کو مثل دریائی جہاز کے نہ سمجھا جاوے کیونکہ وہ بواسطہ پانی کے مستقر علی الارض ہے اور اس کا استقرار پانی پر اور پانی کا ارض پر بالکل ظاہر ہے اور اس کا مطلب یہ ہے کہ اس ظہور استقرار کی وجہ سے اسکو اگر مثل دابہ نہ کہا جاوے بلکہ اس کو مثل سریر سمجھا جاوے تو گو یہ مرجوع ہے مگر اس کی گنجائش ہے جیسا کہ ظاہر ہدایہ وغیرہ سے معلوم ہوتا ہے برخلاف ہوائی جہاز کے کہ وہ

گنجایش نہیں۔ فانظر فائدۃ ہذا الکلام وانہ فرع ما اورد علیہ بقولہ بہ الظاہر ان کون السفینۃ علی الماء والماء علی الارض مما لا ینتج نتیجۃ تفید حکما من الاحکام

التماس۔ اب ناظرین علماء سے اس کی تنقید کرلیں فقط ۲ ذی الحجہ ۱۳۳۶ھ

بائیسواں غریبہ در حل بعض اشعار گلستان

سوال گرکسے وصف او زمن پرسد
عاشقاں کشتگان معشوق اند
اے مرغ سحر عشق ز پروانہ بیاموز
ایں مدعیاں در طلبش بے خبر اند

بیدل از بے نشاں چہ گوید باز
برنیاید ز کشتگاں آواز
کاں سوختہ را جاں شد و آواز نیامد
کاں را کہ خبر شد خبرش باز نیامد

ان دونوں قطعوں کا مفصل مطلب مرحمت ہو جس سے اصل مقصود واضح ہو جائے۔

جواب۔ ان دونوں قطعوں میں حال فنا قبل العود الی البقار کا مذکور ہے اس حالت میں سالک کو بیدل کہنا اسلئے مناسب ہے کہ قلب کا فعل ہے شعور و ادراک اور اس حالت میں یہ رہتا نہیں اور ہر چند کہ ذات حق جل وعلا شانہ بے نشان اس معنی کے اعتبار سے دائماً ہے کہ کوئی نشان اس کی کنہ تک نہیں پہونچاتا مگر بالخصوص حالت فنار سالک میں اس کے ساتھ اتصاف اس اعتبار سے ہے کہ اس کی نظر میں اس وقت کوئی نشان دال علی الوجہ بھی نہیں ہوتا لعدم النفاتہ الی الآثار واقتصار نظرہ علی الذات البحت فقط او مع الصفات ایضاً اور اسی فنار کو کشتگی سے تعبیر کیا ہے اور چونکہ قبل العود الی البقار یعنی قبل التنزل استغراق محض کی حالت ہوتی ہے اس حالت میں نطق و بیان بالاختیار جو کہ خواص صحو سے ہے سب فنا ہو جاتا ہے اسکو آواز برنیا یہ سے تعبیر کیا اس سے قطعہ اول حل ہو گیا دوسرا قطعہ اس پر بمنزلہ تفریع کے ہے کہ اے مدعی ناطق بالتقلید والتکلف تو حال فنار سے عاری ہے تو عشق کی صفت حاصل کر جو موقوف علیہ ہے اس حال کا اور صاحب حال و عشق کی یہ حالت ہوتی ہے کہ بیان و نطق فنا ہو جاتا ہے اگرچہ یہ فنار ممتد نہ ہو مگر اس کا عروض تو طریق میں ضرور ہوتا ہے اور تجھ پر اس کا عروض بھی نہیں ہوا پس تیرا نطق و بیان تکلف محض ہے۔ ایسے ہی متکلفین و تقالین کی نسبت فرماتے ہیں کہ ان کو حقیقت سے آگاہی نہیں گر آگاہی

ہوتی تو ان پر فنا شعور و ادراک ضرور طاری ہوتا۔ اسی کو فرماتے ہیں خبرش باز نیامدیہ دوسرے قطعہ کا حل ہوا۔ اور اس تقریر سے یہ شبہ بھی رفع ہوگیا کہ وہ عارفین جو اہل ارشاد ہیں اور اس لئے وہ اسرار ظاہر کرتے ہیں کیا وہ بھی اسی میں داخل ہیں۔ وجہ رفع ظاہر ہے کہ یہ عدم نطق دائم نہیں عارض ہے سو جس کو عروض کے بعد نطق کا اتفاق ہو وہ بے خبر نہیں اور جو بدون اس کے عروض ہی کے نطق کرنے لگے وہ مدعی ہے اُس کو فرماتے ہیں کہ جب تجھ پر یہ حالت ہی وارد نہیں ہوئی تجھ کو کیا منصب ہے نطق کا پس مطلق نطق علامت غیر عارف ہونے کی نہیں بلکہ نطق قبل عروض الفنا علامت ہے غیر عارف ہونے کی۔ ۱۵ ربیع الاول ۱۳۳۵ھ

تیسواں عشریہ

در توجیہ تکلم رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم در اُردو در خواب

سوال (یہ سوال بعض صلحاء کی اس تحریر پر کہ اُنھوں نے رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کو اُردو میں کلام فرماتے دیکھا اُن ہی صاحب رویا کے نام آیا تھا) آپ عالم اور عربی دان ہیں پھر باوجود اس کے جناب رسول کریم صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم نے آپ سے منام میں عربی زبان میں کس وجہ سے کلام نہیں فرمایا فقط

الجواب (من صاحب المکتوبات) خواب میں جو حقائق منکشف ہوتے ہیں خواہ وہ مبصرات میں سے ہوں یا مسموعات میں سے اُن کا انکشاف دو طرح ہوتا ہے کبھی صورت واقعیہ میں اور کبھی صورت مثالیہ میں اور دوسری صورت اکثر ہوتی ہے اور احیاناً پہلی صورت بھی ہوتی ہے پس تکلم بارُدو میں غالب الوقوع یہ ہے کہ حضور صلے اللہ علیہ وسلم کی جانب سے افاضہ معانی کا ہوا ہو اور معانی حسب اقتضاء حالت مخاطب اردو کلمات کی صورت میں متمثل ہو کر مسموع ہوئے اور احتمال یہ بھی ہے کہ بطور خرق عادت کے احیاناً آپ ہی نے غیر عربی میں تکلم فرمایا ہو جیسا بعض روایات حدیثیہ میں بھی آیا ہے کہ آپ نے ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے پوچھا کہ اشکمت درد۔ رواہ ابن ماجہ۔ واللہ تعالیٰ اعلم۔

اور ایک بار صاحب المکتوبات نے اس مضمون کو اس عنوان سے ارشاد فرمایا کہ خواب عالم تمثل ہے کچھ عجب نہیں آپ نے عربی میں فرمایا ہو مگر خصوصیات طبعیہ رائی کے سبب وہ عربی اُردو میں متمثل ہوگئی ہو۔ وھذا اقرب الیٰ قواعد فن الرؤیا۔

چوبیسواں غریبہ [۲۴]

در حل بعض اشعار مثنوی واقعہ دفتر چہارم شرح قصہ مسجد اقصیٰ وخراب رستن

گفتہ [عہ] اے مغلوب الخ یہاں سے جواب ہے سوال داؤد علیہ السلام کا کہ میں اس امر میں غیر مختار رہوں اور یہاں ایک نفس جواب ہے ایک ترقی فی الجواب ہے پس نفس جواب تو یہ ہے کہ تم غیر مختار نہیں ہو بلکہ اس طرح مختار ہو کہ تلاوت بکیفیت خاص (کہ ایسے آثار کے ترتب کے انعدام کا قصد نہیں کیا) تمہارا فعل اختیاری ہے اور اُس سے یہ ہلاک ناشی ہوا تو نظراً الی تقرب داؤد علیہ السلام یہ امر خلاف اولیٰ ہوا تم اس پر بھی قادر تھے کہ انعدام مذکور کا قصد کرتے تو یہ آثار مرتب ہوتے تو ایسا کیوں نہ کیا یہ تو نفس جواب ہوگیا۔ دوسرا ترقی فی الجواب ہے وہ یہ کہ تم ایسے مختار ہو کہ اوروں سے بھی زیادہ ہو اس طرح کہ تم فانی ہو اور فانی فی الحق بوجہ اتصاف بصفات الحق اختیار میں بھی اوروں سے اکمل ہے پس اشعار ایں چنیں معدوم کو از خویش رفت الخ۔ اسی ترقی جواب کی تقریر ہیں اور چونکہ ترقی فی الجواب نفس جواب کو بھی مستلزم ہے اس لئے نفس جواب کی مستقل تقریر کی ضرورت نہ ہوئی۔

پچیسواں غریبہ [۲۵]

در تحقیق حکم قائلین بالمعیۃ الذاتیۃ

مسئلہ۔ قال اللہ تعالیٰ۔ نحن اقرب الیہ من حبل الورید۔ وقال وھو معکم۔ الآیۃ فمن الناس من یقول ان القرب باعتبار الذات والوصف ویقول بعض الناس ان القرب بحسب الوصف فقط فای الحزبین علی الصواب وای الفریقین علی الحق وان کان اللہ قریباً بالذات ھل یقرب معہ کون استوائہ علی العرش ام لا نعم الذین یقولون بالقرب الوصفی یدعون بالقائلین بالقرب الذاتی انھم کفروا بقولھم بالقرب الذاتی ھل یجوز نسبۃ الکفر الی من قال ان القرب ذاتی ام لا۔

الجواب۔ لما کان المتبادر عند العامۃ من المعیۃ الذاتیۃ ھی المعیۃ الجسمانیۃ ابطلہا

عہ ملخص قصہ کا یہ ہے کہ داؤد علیہ السلام سے فرمایا گیا کہ تم مسجد اقصیٰ نہیں بنا سکتے اُنہوں نے اس کے متعلق عرض کیا ارشاد ہوا کہ تم نے اپنی خوش آوازی سے بہت سے خون کئے ہیں۔ احقر کی تقریر میں اس کی توجیہ ہے ۱۲ منہ

العلماء وکفر بعضھم القائلین بہا ولو ارید بہا المعیۃ الغیر المتکیفۃ فلا محذور فی القول بہا والامتناع فی اجتماعہا بالاستواء لان الذات لیست بمتناھیۃ والمعیۃ لیست بمتکیفۃ ومن لم یقدر علی اعتقادھا بلا کیفیۃ فالاسلم لہ ان یقول بالمعیۃ الوصفیۃ فقط وبھذا التقریر خرج الجواب من کل سوال وارتفع کل اشکال والحمد للّٰہ الکبیر المتعال عن کل مقال وخیال۔

چھبیسواں ۲۶ غرائب در تخطیہ بعض شعرا

شعر متعلق بعض حال

نقصان نہ قابل است وگرنہ علی الدوام	فیض سعادتش ہمہ کس را برابر است

تحقیق۔ اگر ضمیر ش کا مرجع مخلوق ہو تو اُس کے خلاف واقع ہونے میں حرج نہیں اور اگر خالق ہو تو اس شعر کا مضمون صحیح نہیں کہ اس سے فاعل کا غیر مختار ہونا مفہوم ہوتا ہے اور واقع میں وہ مختار ہے کسی کے اضلال کا ارادہ کرتا ہے۔ کسی کی ہدایت کا پھر ان دونوں میں بھی تفاوت بالارادہ +

ستائیسواں ۲۷ غرائب

بعضے شرائط وقف علی الاولاد وتحریک ترمیم بعض قوانین وتحریک درخواست منصب قاضی	ایک معزز عہدہ دار پنشنر کا خط۔ (بعد القاب و آداب کے) اس کے (یعنی وقف علی الاولاد کے) بابت

آپ اگر کوئی مضمون ٹھیک احکام شریعت کے موافق شائع فرمادیں تو مسلمانوں کے حق میں نفع کی بات ہے لیکن اُس کے ساتھ ہی یہ بھی ہو کہ واقف کی نیت کسی بے ایمانی پر مبنی نہ ہو یعنی کوئی کسی کا قرضہ مارنے کی غرض سے یا کسی کا حق العباد مارنے کے واسطے یا کسی حقدار شرعی کو کسی وجہ رنج یا بدنیتی سے محروم کرنے کے واسطے وقف کرے تو ناجائز ہوگا۔ دوم یہ کہ قانون میعاد میں ترمیم کی ضرورت ہے۔ مثلاً کسی کا لگان واجب الادا ہے یا کہ قرضہ چاہتا ہے تین سال گذر گئے یا کہ مہر کی نالش ایک سال کے اندر نہ کی تو وہ ساقط ہوگیا میعاد وہ ہونا چاہیے

شریعت نے مسلمانوں کے واسطے قرار دی ہے۔ (از کراچی)

(اتفاق سے اُس کا جواب مدت کے بعد لکھا گیا مگر مفید ہونے کے سبب نقل کرلیا گیا وہ یہ ہے)

الجواب۔ وقف کے متعلق مستقل مضمون شائع کرنے کی تو اب اس لئے ضرورت نہ تھی کہ وہ کوشش گورنمنٹ میں کامیاب اور مسلم ہوگئی چنانچہ اس کا اجرا موافق فقہ حنفی کے ہوگیا البتہ اس کے متعلق اور بعض ضروری امور قابل لکھنے کے ہیں ایک تو یہ کہ خط سوال میں جو شرط تجویز کی گئی ہے (فی قولہ لیکن اُس کے ساتھ ہی یہ بھی سوالی قول تو ناجائز ہوگا) واقعی یہ واجب الرعایت ہے مگر اُس کے یہ معنی نہیں کہ اگر اس نیت سے کیا تو وہ قانوناً نافذ نہ ہوگا بلکہ معنی یہ ہیں کہ خود واقف پر واجب ہے کہ ایسی نیت سے وقف نہ کرے ورنہ گنہگار ہوگا اور ثواب سے محروم رہیگا گو نافذ ہوجاوے۔ حاصل یہ کہ ایسا کرنا دیانۃً ناجائز ہے مگر قضاءً جائز ہے جیسا فقہاء نے تفضیل بعض الاولاد علی البعض فی العطاء میں اس کی تصریح فرمائی ہے۔ دوسرا امر یہ کہ اس شرط کے ساتھ ایک اور شرط بھی ہے جسکی رعایت اس سے زیادہ فرض ہے وہ یہ کہ اس وقف کا باعث واقف کا یہ عقیدہ نہ ہو کہ وہ میراث کے منصوص حکم کو مضر اور سبب خرابی جائداد و مانع ترقی قومی سمجھتا ہو جیسا بعض ہوا پرستوں کا اس وقت خیال ہے اور یہ شرط پہلی شرط سے زیادہ اس لئے ہے کہ شرط سابق کا خلاف تو صرف فساد نیت ہی ہے جو محض ایک معصیت ہے اور اس شرط کا خلاف فساد اعتقاد ہے اور فساد بھی اس درجہ میں کہ منصوص قطعی کو خلاف حکمت سمجھنا اور یہ کفر ہے چنانچہ اُستاذی مولانا محمد یعقوب صاحب رحمۃ اللہ علیہ فرماتے تھے کہ ابلیس کے کفر کی وجہ یہی اعتقاد حکم حق کو خلاف حکمت سمجھنے کا ہے اور اسی لئے مولانا مرحوم کے زمانہ میں ایک مدعی خیرخواہ قومی کی رائے اس وقف علی الاولاد کی ترجیح علی المیراث کے بارہ میں ایک رئیس نے بغرض تحقیق مولانا کی خدمت میں بھیجی تھی تو مولانا نے اُس بنا رخاص پر اس پر عمل کرنے کو حرام اور اس بنا کو کفر فرمایا تھا اب قریب زمانہ میں بھی جن لوگوں کا ذہن بعض محرکین کی اس منشار کی طرف پہونچ گیا اُنہوں نے ایسی تحریرات پر دستخط نہیں کئے اور جن کی نظر محض اس کے مسئلہ شرعیہ ہونے پر مقتصر رہی اُنہوں نے دستخط کردیئے یہ گفتگو تو اس وقف کے متعلق تھی باقی خط سوال میں جو میعاد کے بارہ میں لکھا ہے اگر اہل اسلام ادب کے ساتھ حکام سے اس کے مرتفع کرنے کی درخواست کریں تو مصلحت ہے لیکن اس مضمون میں کاتب خط کا یہ خیال قابل ترمیم ہے کہ وہ حقوق کیلئے شریعت میں کوئی میعاد نہیں

ہوتے ہیں سو شریعت مطہرہ میں جو حق بینہ یا اقرار یا نکول سے حاصل یہ کہ حجت شرعیہ سے ثابت ہو جاوے اُسیں کوئی میعاد نہیں اور بعض کتب میں جو ۳۳ سال یا کم و بیش لکھدیا ہے سو اسکے یہ معنی نہیں کہ ثبوت کے بعد صرف انقضاء میعاد مسقط حق ہے بلکہ مطلب یہ ہے کہ غالباً اتنی مدت کے بعد پورا ثبوت دشوار ہے ورنہ ثبوت کے بعد پھر احیاء حق کا یقینی ہے۔ اور مثل درخواست متعلق ارتفاع میعاد کے ایک اور درخواست بھی بہت ضروری ہے وہ یہ کہ بہت مسائل میں شرعاً حاکم مسلم کا فیصلہ شرط ہے جسکو قضاء قاضی سے تعبیر کیا جاتا ہے۔ پھر کتاب القضاء میں اس قاضی کے شرائط میں سے اسلام کو کہا ہے گو اس کا تقرر حکام غیر مسلم کی طرف سے ہو۔ درمختار و ردالمحتار میں اس عموم کی تصریح ہے جیسے مفقود یعنی بے نشان شخص کی زوجہ کے نکاح اول کے فسخ میں یا خیار بلوغ کی بنا پر فسخ کرلے میں اور بعض [illegible] مسائل میں سو اگر حکام سے یہ درخواست کی جاوے کہ وہ ہر ضلع یا ہر تحصیل میں علماء اہل اسلام [illegible] مشورہ و انتخاب سے ایک عالم متدین و متیقظ بنام قاضی محض ایسے مقدمات کی سماعت [illegible] مقرر کردیں اور اس کی تنخواہ کا یہ انتظام کردیا جاوے کہ مسلمان زمینداروں سے مالگذاری [illegible] ساتھ مثل دوسرے ابواب مدارس و سڑک وغیرہ کے کچھ مختصر سی رقم اضافہ کرکے اور وصول کرلی جاوے تو مسلمانوں کو ایسے معاملات میں بہت آسانی ہو جاوے ورنہ بعض مواقع پر تو تنگی پیش آتی ہے جیسے احقر نے زن مفقود میں ایک جگہ فتویٰ لکھا کہ بعد انقضاء میعاد مقرر عندالامام مالکؒ کے حکام سے یہ درخواست کرو کہ وہ خاص اس مقدمہ کی سماعت کا اختیار کسی عالم کو دیدیں اور وہ عالم یہ کہدے کہ میری رائے میں وہ مفقود مرگیا ہے پھر اس کہنے کے بعد وہ عورت عدت وفات کی پوری کرکے نکاح ثانی کرلے چنانچہ اُن لوگوں نے پھر اطلاع دی کہ ہم نے حاکم ضلع سے کہا تھا اُنہوں نے جواب دیا کہ ہم مذہبی معاملات میں دخل نہیں دیتے تو دیکھئے کیسی تنگی پیش آئی اور بعض مواقع میں ظاہراً تو تنگی نہیں مگر شرعاً تنگی ہوتی ہے مثلاً خیار بلوغ میں ایک حاکم غیر مسلم نے نکاح اول کے فسخ ہونے کا حکم دیکر نکاح ثانی کی اجازت دیدی تو ظاہراً کارروائی ہوگئی مگر شرعاً یہ کارروائی معتبر نہیں ہوئی یعنی اس سے وہ نکاح اول فسخ نہیں ہوا اور نکاح ثانی صحیح نہیں ہوا تو تمام عمر ناجائز ہمبستری کا گناہ زوجین کو رہا۔ اگر مثل کوشش مسئلہ وقف علی الاولاد کے اس میں بھی کوشش کریں تو یہ اُس سے زیادہ ضروری ہے کیونکہ اُس میں تو بہت سے بہت وقف علی الاولاد کا انسداد ہو جاتا ہے سو خود یہ وقف ہی ضروری نہیں تو کوئی حرج شرعی نہ تھا

اور یہاں تو حرام وحلال کا قضیہ ہے جو بہت ہی نازک ہے جمیں شرعی حرج ہے پھر وقف کی ضرورت علاوہ اُس کے خفیف ہونیکے تمام قوم کے لئے عام نہیں صرف اہل ثروت کے ساتھ مختص ہے اور اسکی ضرورت شدید بھی ہے جیساکہ مذکور ہوا پھر تمام قوم کو عام اس لئے اس کا اہتمام بہت زیادہ موجب ثواب ہوگا اور اس کا آسان طریق یہی ہے کہ اہل قلم اس کی مصالح کو ظاہر کریں اور پھر درخواست لکھکر اُسپر کثرت سے دستخط کراکر پیش کریں۔ گورنمنٹ کی شفقت اور رعایا کی بہی خواہی سے اُمید ہے کہ وہ ضرور ایسے ضروری معروضہ پر توجہ فرما دیگی + ۱۹ ارج ۲ ۱۳۳۵ھ

اٹھائیسواں عنزیہ

سوال۔ بابت استقبال قبلہ شامی و بحر الرائق و طحطاوی | در توجیہ زیارت کعبہ جسنار بعضے اولیاء را

بر مراقی الفلاح و باب ثبوت النسب در مختار و شامی وغیرہ معتبرات فقہیہ سے جو جواز آنے بیت اللہ شریف کا واسطے زیارت اولیاء اللہ کے بلکہ طواف اولیاء کرنے کے ممکن و منجملہ کرامات ہونا لکھاہے اور روض الریاحین امام یافعی وغیرہ میں وقوع اس کا اور دیکھنا ثقات ائمہ و علماء کا اس کرامات کو منقول ہے اس کو غیر مقلدین لغو و غلط امر کہتے ہیں۔ ان کا قول وخیال یہ ہے کہ کعبہ ایسا معظم کہ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم نے جو اشرف المخلوقات تھے اس کی تعظیم طواف سے کی وہ دوسرے اپنے سے کم درجہ کی زیارت و طواف کے لئے جائے یہ قلب موضوع و ناممکن امر ہے ہاں اگر قرآن وحدیث سے یہ امر مدلل کیا جاوے تو قابل تسلیم ہو سکتا ہے۔ لہذا علماء احناف کے جناب میں گذارش ہے کہ عقیدے کو نصوص قرآن و احادیث سے یا باستنباط از آیات و احادیث مدلل و ثابت فرما کر کتب فقہ حنفیہ و روض الریاحین وغیرہ تالیفات ائمہ سلف کو دھبہ غیر معتمد ہونے سے بچائیں اور جہانتک جلد ممکن ہو جواب سے سرفراز فرماویں اس امر کی نسبت سخت نزاع درپیش ہے

الجواب ۔ حدیث نمبر (۱) عن ابن عمرؓ انہ نظر یوماً الی الکعبۃ فقال ما اعظمک وما اعظم حرمتک والمؤمن اعظم حرمۃ عند اللہ تعالی منک اخرجہ الترمذی و حسنہ (صہ ۲۴ ج ۲ مطبوعہ مجتبائی) و رواہ ابن ماجہ مرفوعاً عن ابن عمرو ولفظہ قال رأیت رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم یطوف بالکعبۃ ویقول ما اطیبک و اطیب ریحک و اعظم حرمتک

والذی نفس محمد بیدہ لحرمة المؤمن اعظم عند اللہ حرمة منك الحدیث اصح المطابع

حدیث نمبر (۲) عن جابر ان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم قال اریت الجنة فرایت امرأة ابی طلحة وسمعت خشخشة امامی فاذا بلال رواہ مسلم (مشکوٰۃ ص۵۷۶)

حدیث نمبر (۳) عن جابر قال سمعت النبی صلی اللہ علیہ وسلم یقول اهتز العرش لموت سعد بن معاذ وفی روایة قال اهتز عرش الرحمٰن لموت سعد بن معاذ متفق علیہ (مشکوٰۃ ص۵۷۶)

حدیث نمبر (۴) عن انس قال قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ان الجنة تشتاق الی ثلثة علی وعمار وسلمان رواہ الترمذی (مشکوٰۃ ص۵۷۶)

حدیث نمبر (۵) عن انس قال قال ابوبکر لعمر بعد وفاة رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم انطلق بنا الی ام ایمن نزورها کما کان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم یزورها الحدیث رواہ مسلم (مشکوٰۃ ص۵۷۲)

حدیث نمبر (۶) عن جابر فی حدیث طویل فلما رای رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ما یصنعون طاف حول اعظمها بیدراً ثلث مرات الحدیث رواہ البخاری (مشکوٰۃ ص۵۲۹)

حدیث نمبر (۷) عن جابر انه سمع رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم یقول لما کذبنی قریش قمت فی الحجر فجلی اللہ لی بیت المقدس الحدیث متفق علیہ (مشکوٰۃ ص۵۲۲)

وفی اللمعات جاء فی حدیث ابن عباس فجیئ بالمسجد حتی وضع عند دار عقیل وانا انظر الیہ ۔ بعد نقل ان احادیث کے جواباً عرض کرتا ہوں کہ سوال میں معترض کے دو قول نقل کئے ہیں۔ ایک یہ کہ یہ قلب موضوع ہے دوسرا یہ کہ یہ ناممکن ہے قول اول کی دلیل یہ بیان کیگئی کہ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم نے اُس کی تعظیم طواف سے کی۔ اور قول ثانی کی کوئی دلیل بیان نہیں کی سو قلب موضوع کا جواب حدیث نمبر (۱) سے ظاہر ہے کہ ابن عمرؓ کعبہ سے ہر مؤمن کو افضل سے بتا رہے ہیں اور اول تو یہ امر مدرک بالرائے نہیں اس لئے حکماً مرفوع ہوگا اور اگر اس سے قطع نظر بھی کیا جاوے تاہم کسی صحابی سے اس پر نکیر منقول نہیں پھر اس کی صحت میں کیا شک ہا پھر ابن ماجہ میں تو اس کے رفع کی تصریح ہے اور سند بھی اچھی ہے اب کلام مذکور کی بھی حاجت نہیں رہی۔ رہ گیا طواف فرمانا رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کا اُس کا اور اُس کی تعظیم کرنا سو یہ

ایک امر تعبدی ہے جس طرح رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم مساجد کا احترام فرماتے تھے تو کیا مسجد کا آپ سے افضل و اعظم ہونا لازم آگیا اسی طرح بیت معظم بھی آپ سے افضل نہ ہوگا۔ پھر جب آپ اُس سے افضل ہوئے اور پھر آپ نے اُس کا طواف کیا تو اس سے ثابت ہوگیا کہ مفضول کا طواف افضل کر سکتا ہے سو اگر مومن بیت معظم سے مفضول بھی ہوتا تب بھی افضل کا طواف کرنا مفضول کے لئے جائز ہوتا چہ جائیکہ مومن کا افضل ہونا بھی ثابت ہوگیا پھر تو کچھ بھی استبعاد نہ رہا۔ باقی یہ ظاہر ہے کہ یہ فضیلت جزئی ہے اس سے یہ بھی لازم نہیں آتا کہ انسان کو جہت سجدہ بھی بنایا جاوے یا انسان کا کوئی طواف کرنے لگے اور یہ سب اُس وقت ہے کہ طواف بطور تعظیم ہو اور اگر یہ طواف لغوی ہو بمعنی آمد و رفت جو مقارب ہے زیارت کا تو وہ اپنے مفضول کے لئے بے تکلف ہو سکتا ہے جیسا حدیث (نمبر ۵ و ۶) میں مصرح ہے اور محض ایسے امور سے افضلیت کا لزوم کیسے ضروری ہوگا جبکہ حدیث (نمبر ۲) میں تقدم بلال رض کا حضور صلے اللہ علیہ وسلم پر منقول ہے اسی لئے اس تقدم کو شراح حدیث نے تقدم الخادم علے المخدوم سے مفسر کیا ہے پس ایسا ہی یہاں ممکن ہے نیز عرش جو کہ تجلی گاہ خاص حق ہے اور اس کی صنعت میں کسی بشر کو دخل نہیں ظاہراً بیت معظم سے افضل ہے باوجود اس کے اُسکی حرکت ایک اُمتی کے لئے حدیث (نمبر ۳) میں مذکور ہے سو اسی طرح اگر بیت معظم کسی مقبول امتی کے لئے حرکت کرے تو کیا استبعاد ہے۔ نیز دوح اس حرکت کی اشتیاق ہے سو جنت جو کہ حق تعالیٰ کے تجلی خاص کا دار ہے حدیث (نمبر ۴) میں اُس کا مشتاق ہونا بعض امتیان مقبولین کی طرف وارد ہے تو کعبہ کا اشتیاق بھی کسی مقبول امتی کی طرف کیا مستبعد ہے پس ان حدیثوں سے خود زیارت و طواف کا استبعاد تو دفع ہوگیا جو کہ بحث نقلی تھی اب صرف یہ بحث عقلی باقی رہی کہ خانہ کعبہ اتنا بھاری جسم ہے یہ کیسے منتقل ہو سکتا ہے سو اول تو ان اللہ علی کل شیء قدیر میں اس کا جواب عام موجود ہے۔ دوسرے حدیث (نمبر ۶) کے ضمیمہ میں جواب خاص بھی ہے جو خصائص کبریٰ جلد اول (صفحہ ۱۰۶) میں نقل کیا ہے بتخریج احمد و ابن ابی شیبۃ والنسائی والبزار والطبرانی و ابی نعیم بسند صحیح اور یہ سب گفتگو قول اول کے متعلق تھی۔ رہا قول ثانی کہ یہ ناممکن ہے۔ سو استفسار یہ ہے کہ آیا عقلاً ناممکن ہے یا شرعاً یا عادۃً اول کا انتفا ظاہر ہے اگر شق ثانی ہے تو معترض کے ذمہ اس کا ثبوت ہے و انی لہ ذلک اور اگر شق ثالث ہے تو مسلم ہے بلکہ مفید ہے

کیونکہ کرامت ایسے ہی واقعہ میں ہے جو عادۃً ممتنع ہو ورنہ کرامت نہ ہوگی۔ اب ایک شبہ باقی ہے وہ یہ کہ جس اسکی مکذب ہے کیونکہ تاریخ میں کہیں منقول نہیں کہ کعبہ اپنی جگہ سے غائب ہوا ہو سو ایسا ہی شبہ حدیث سابع کے ضمیمہ میں ہوتا ہے سو جو اُس کا جواب ہے وہی اس کا جواب ہے اور وہ یہ ہے کہ ہو سکتا ہے کہ اُس وقت اتفاق سے کعبہ کا دیکھنے والا کوئی نہ ہو اذا اراد اللہ تعالیٰ شیئاً هيأ اسبابه۔ اور یہ اُس وقت ہے جب یہی جسم منتقل ہوا ہو ورنہ اقرب یہ ہے کہ کعبہ کی حقیقت مثالیہ اس حکم کا محکوم علیہ ہے جس طرح حدیث دنمبر۱۵ میں آپ نے بلال رضؓ کی مثال کو دیکھا تھا ورنہ بلال رضؓ یقیناً اُس وقت زمین پر تھے اب صرف ایک عامیانہ شبہ رہا کہ اسکی سند جب تک حسب شرائط محدثین صحیح نہ ہو اس کا قائل ہونا درست نہیں سو اس کا جواب یہ ہے کہ خود محدثین نے غیر احکام کی احادیث میں سند کے متعلق ایسی تنقید نہیں کی یہ تو اُس سے بھی کم ہے یہاں صرف اتنا کافی ہے کہ راوی ظاہراً ثقہ ہو اور اُس واقعہ کا کوئی مکذب نہ ہو۔ اس تقریر سے اسکا جواب بھی نکل آیا جو سوال میں ہے کہ اگر قرآن وحدیث سے مدلل کیا جاوے الخ وہ جواب یہ ہے کہ اگر مدلل کرنے سے یہ مراد ہے کہ بعینہ وہی واقعہ یا اُس کا نظیر قرآن وحدیث میں ہو تب تو اُسکے ضروری ہونیکی دلیل ہم قرآن وحدیث ہی سے مانگتے ہیں نیز ائمہ محدثین کی کرامات کو کیا اس طرح ثابت کیا جا سکتا ہے اور اگر یہ مراد ہے کہ جن اصول پر یہ مبنی ہے وہ قرآن وحدیث کے خلاف نہ ہوں تو بحمد اللہ تعالیٰ یہ امر حاصل ہے تنبیہ۔ یہ سب اصلاح تھی غلو فی الانکار کی باقی جو غالی فی الاثبات ہیں علماً یا عملاً اُن کی اصلاح بھی واجب ہے۔ واللہ اعلم۔ ۸ رجب ۱۳۳۵ھ

انتیسواں عشریہ ۲۹

در دفع شبہات متعلق حدیث الحیاء والعی شعبتان من الایمان ویستفاد منہ تحقیق معنی قول من عرف اللہ کل لسانہ وقول من عرف اللہ طال لسانہ	**سوال**۔ ہاں ایک بات حضرت کے والا نامہ میں سمجھ میں نہیں آئی۔ الحیاء والعی شعبتان من الایمان کے مطابق تو

تمام مؤمنین کاملین راسخین فی العلم کے اندر عی کا شعبہ موجود ہونا چاہیئے۔ لیکن دیکھنے سے تو معلوم ہوتا ہے کہ اب بھی اور پہلے زمانہ میں بھی ان لوگوں کی برابر قدرت کسی میں نہیں ہے اسمیں شفاپوری

طرح نہیں ہوئی گویا حضرت کے والا نامہ سے علیحدہ ہوکر بھی نفس حدیث کے متعلق یہ شبہ گذرتا ہے۔

جواب۔ یہ عی عجز نہیں بلکہ مشابہ عجز ہے۔ یعنی باوجود قدرت کے یہ خوف کہ کبھی منہ سے کوئی کلمہ خلاف مرضی حق نہ نکل جاوے جسکو حدیث میں حیا رسے تعبیر کیا ہے ان کی روانی مقدور کو روک کر مشابہ عاجز کے بنا دیتا ہے اور وہ رُک رُک کر بولتے ہیں اور جتنی روانی اس حالت میں بھی ہوتی ہے وہ بہ نسبت روانی مقدور کے عی ہوتی ہے اگر یہ خوف نہ ہوتا تو ان کی روانی زیادہ ہوتی۔ البتہ جب اصابۃ میں ملکۂ تامہ راسخہ ہو جاتا ہے تو پھر یہ احتیاط عادت بنکر بشکل عی ظاہر نہیں ہوتی۔ اور کبھی غلبہ التفات الی الحق سے علوم اصطلاح سے ذہول ہونے لگتا ہے اسلئے تکلم میں عی واقع ہوتا ہے۔ سو یہ التفات بھی شان مومن سے ہے اور اس تقدیر پر حیا مستقل صفت ہوگی عی کی علت نہ ہوگی الا بتوجیہ بعید وھو حمل الحیاء علی الحیاء عن الالتفات الی غیر الحق۔ اور ایک حالت جو صورۃً عی ہے منتہی غیر مغلوب الحال کو پیش آتی ہے وہ یہ کہ امر محقق ہے کہ افعال لسان میں مقصود بالذات ذکر ہے اور کلام مقصود بالذات نہیں اور طبع سلیم کا مقتضٰی یہ ہے کہ غیر مقصود میں مشغول ہونا گراں معلوم ہوتا ہے۔ اور اشتغال بالمقصود میں انبساط ہوتا ہے پس محقق مبصر جب کلام میں مشغول ہوگا اُچاٹ دل سے ہوگا۔ اور اُس وقت بھی اس کو انجذاب ذکر کی طرف ہوگا اسلئے اس کو اس میں ایک گونہ تکلف ہوگا اور شکستگی ہوگی۔ اور اس کے نیچے کسی درجہ میں عی لازم ہے اگر ایسے شخص کو عی نہ ہو تو اس کا سبب غلبہ حال ہے جو احیاناً اکابر کو بھی ہوتا ہے جیسا سابق میں عی کا سبب حال کا غلبہ تھا یہاں عدم عی کا سبب حال کا غلبہ ہے۔ تربیت حصہ پنجم ص۲۲

انتیسویں [۲۹] غریبہ کا تتمہ

سوال۔ اُس تقریر[۵] کے مفہوم مخالف کو لحاظ کرتے ہوئے یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ زیادہ قدرت غیر منتہی کو حق تعالیٰ سے بُعد پر دال ہے۔ خواہ وہ قدرت نفس علم میں ہو یا تحریر میں ہو یا تقریر میں ہو۔ اور ایمان کی شان کے خلاف ہے۔ اب گذارش ہے کہ احقر جب سے دیوبند سے اس جگہ آیا ہے یوماً فیوماً اپنی سابقہ حالت کے اعتبار سے ہر قدرتوں میں ترقی پاتا ہے۔ اور یوں معلوم ہوتا ہے کہ بعض باتوں کی حقیقت جن سے اس کے پہلے بالکل بے خبری تھی سامنے رکھدی گئی حتی کہ بعض احباب نے کسی بات کے

[۵] یعنی غریبہ بست و نہم میں جو تقریر ہے جواب کی ۱۲ منہ

متعلق سوال کیا تو ایسا جواب ذہن میں آیا کہ بعینہ وہی بات جناب کے بعض رسالوں میں تھی جن کی بندہ کو اصلا خبر نہیں تھی۔ سو نیز بعض قوی شبہات خود ذہن میں پیدا ہوئے اور ان کا جواب اپنے ساتھیوں سے دریافت کیا اور نہ معلوم ہوا اور پھر غور کیا اور سمجھ میں آجانے کے بعد ظاہر کیا تو بعد کو معلوم ہوا جناب نے بعینہ فلاں جگہ یہ جواب لکھا ہے۔ بعض اوقات کسی جگہ سے خط آیا اور کوئی بات قابل جواب تھی تو ان کے جواب میں ایسا لکھا گیا کہ لکھنے کے بعد تعجب ہوتا تھا کہ کیسے لکھدیا۔ بہر کیف خلاصہ یہ کہ اپنے سابق حالت کے اعتبار سے ترقی نظر آتی ہے جس سے بعض اوقات نفس کو عجب بھی پیدا ہوا جس کے ساتھ ہی ساتھ لاحول ولاقوۃ اور اعوذ باللہ سے دفع کیا گیا اور اپنے معائب کا اظہار اور عدم قدرت سابقہ کا استحضار کیا گیا جس سے عجب بالکل دفع ہوگیا۔

جواب۔ یہ مفہوم غلط سمجھا گیا جس کا مبنی قیاس غیر الاختیاری علی الاختیاری ہے۔ تکلم اختیاری ہے۔ اس میں اسباب مذکورہ مانع ہوں گے اور علم بہذا المعنی غیر اختیاری ہے اس میں وہ امور مانع نہ ہونگے بلکہ قرب مع المبدء الفیاض اس کے انکشاف کا زیادہ سبب ہے۔

تیئسواں عشریہ

دردفع شبہ غلبہ حب نبوی بر حب الٰہی

حال۔ دیگر یہ عرض ہے کہ جس وقت حضور صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم کا نام مبارک احقر کے سامنے لیا جاتا ہے تو فوراً بدن میں لرزہ سا پیدا ہوجاتا ہے اور درود مبارک فوراً زبان پر آجاتا ہے اور بہت دیر تک رہتا ہے اور یہ حالت ہوتی ہے کہ اگر (نعوذ باللہ) میں قصداً درود شریف نہ پڑھنا چاہوں تو اس پر بالکل قدرت نہیں ہوتی اور جس وقت خدا تعالیٰ کا نام مبارک لیا جاتا ہے تو محسوس بھی نہیں ہوتا یہ تعدی فی الدین تو نہیں ہے اگر ہے تو کیا علاج ہے

تحقیق۔ اس میں طبعاً مذاق مختلف ہے بعض پر آثار حب حق کے غالب ہوتے ہیں اور بعض پر آثار حب نبوی کے غالب ہوتے ہیں اور چونکہ دونوں محبتوں میں تلازم ہے لہذا دونوں مذاق مقبول و محبوب ہیں صرف لون کا اختلاف ہے حقیقت دونوں جگہ محفوظ ہے جو کہ مقصود ہے اس واسطے کچھ تردد کریں نہ یہ تعدی ہے نہ اس کے علاج کی ضرورت ہے مبارک حالت ہے جب اس کا غلبہ ہو اسی کا اتباع کرنا چاہیئے البتہ اعتقاد عقلی امر اختیاری ہے اُس کا تعلق واجب اور ممکن کے ساتھ بالذات و بالعرض ہونے

میں متفاوت ہونا چاہیئے ۔ والسلام

اکتیسواں ۳۱ غریبہ

در دفع شبہ زیادت جمعیت درنفل بہ نسبت فرض

حال۔ نماز میں بمقابلہ فرض کے سنت میں اور بمقابلہ سنت کے نفل میں اطمینان اور دلبستگی زیادہ ہوتی ہے اور یہ امر اختیاری نہیں بیحالم برعکس معلوم ہوتا ہے اس طرف توجہ کی ضرورت ہے یا نہیں ۔

تحقیق۔ نمازوں کے انواع میں جو تفاوت لکھا ہے میرے نزدیک یہ امر طبعی ہے طبیعت کی خصوصیت اس کا سبب ہے منشا اس کا یہ معلوم ہوتا ہے کہ بعض نفوس کی خاصیت ہے کہ لزوم اُن پر گراں ہوتا ہے اور عدم لزوم کی صورت میں بوجہ بشاشت کے اُن کو کام سہل ہوتا ہے اور بعض طبیعتوں کی طبعی خاصیت یہ ہے کہ لزوم میں تو ان کو آسانی ہوتی ہے اور اختیار دیدینے میں تساہل ہوتا ہے اور دونوں بوجہ طبعی ہونے کے غیر مذموم ہیں اگرچہ باعتبار اثر کے دوسرا مذاق اچھا معلوم ہوتا ہے بہرحال اس کی فکر میں نہ پڑیئے ۔ والسلام ۔ تربیۃ حصہ پنجم ص۲۶۳ ۔

اکتیسویں ۳۱ غریبہ کا تتمہ

حال۔ دوسری عرض یہ ہے کہ ہر رات عشا کے بعد جب سونے لگتا ہوں بلکہ شام ہوتے ہی دل میں بہت شدت کیساتھ یہ خواہش ہوتی ہے کہ یا اللہ تہجد کا وقت کب آوے اور جب آخر شب کو حضرت کی برکت سے اور اللہ پاک کی مدد سے اُٹھکر وضو و مسواک کرنے لگتا ہوں تو دل میں بہت خوشی پیدا ہوتی ہے اور جی چاہتا ہے کہ بہت جلدی نماز شروع کروں اور جب نماز میں کچھ جہر سے قرأت شروع کرتا ہوں تو دل چاہتا ہے کہ ساری رات نماز پڑھوں لیکن اس کے ساتھ ہی ذکر کے لئے اُدھر سے دل میں الگ ایک کشش ہوتی ہے تو گویا دل کو سمجھا بجھا کر نماز کو ختم کرکے ذکر شروع کرتا ہوں ۔ دن میں بھی یہ خیال رہتا ہے کہ تہجد کا وقت کب آوے اس خوشی ہونے پر میرے اندر یہ شبہ پیدا ہوتا ہے کہ تہجد اور ذکر میں جتنی خوشی محسوس ہوتی ہے اور فرضیات میں اُتنی خوشی نہیں ہوتی ہاں پہلے کی حالت کی نسبت آجکل فرضیات میں بھی کچھ لذت محسوس ہوتی ہے لیکن تہجد کی نسبت کم

تحقیق۔ فرض میں تو دوسری شق یعنی ترک کا اختیار ہی نہیں اور تہجد میں اس شق کا بھی اختیار ہے باوجود اس کے فعل کی توفیق ہونا اس میں انعام حق کا زیادہ مشاہدہ ہے اس لئے اس میں زیادہ فرحت ہوتی ہے۔ اور ایسی فرحت مطلوب ہے۔ قل بفضل اللّٰہ وبرحمتہ فبذلک فلیفرحوا۔ گو دوسرے اعتبار سے توفیق فرض میں زیادہ انعام ہے تو کبھی ایک اعتبار کا اثر طبیعت پر غالب ہوتا ہے کبھی دوسرے کا اور یہ غیر اختیاری امر ہے۔

بتیسواں ۳۲ غنیمہ

در تحقیق توحد و تعدد نسبت باطنہ

سوال۔ اکثر بزرگوں کو متعدد سلاسل سے اجازت حاصل ہوئی ہے تو کیا ان حضرات کو متعدد نسبتیں مثلاً نسبت چشتیہ و نقشبندیہ مجیزین سے حاصل ہوئی تھیں یا محض اجازت ہی ہوئی تھی اور متعدد نسبتوں کا ایک شخص میں جمع ہونا ممکن ہے اسی طرح ایسا شخص جس کو متعدد سلاسل سے اجازت ہے جس شخص کو اجازت دے تو اس کو بھی متعدد نسبتیں حاصل ہونا چاہئیں۔ لیکن حضرات چشتیہ میں آثار دیگر سلاسل کے نہیں معلوم ہوتے اور اگر ہیں تو کس طرح تعدد نسب کا حال معلوم ہو سکتا ہے۔

جواب نسبت ایک حقیقت واحدہ ہے اختلاف استعداد سے اس کے الوان مختلف ہوتے ہیں جس میں چشتیت وغیرہ کی خصوصیت نہیں۔ ممکن ہے کہ ایک چشتی اور ایک نقشبندی کی نسبت ایک لون کی ہو اور ممکن ہے کہ دو چشتیوں کی نسبت کا لون مختلف ہو اسی طرح اختلاف اوقات سے اس لون میں اختلاف ہو سکتا ہے پس صاحب اجازت کے لئے نسبت کا حصول شرط ہے خواہ اس کا لون کچھ ہی ہو اور خواہ مجیز اور مجاز کے الوان بھی مختلف ہوں اس تحقیق کے بعد کوئی اور سوال متوجہ نہیں ہوتا۔ (تربیت حصہ ہفتم صفحہ ۳)

تینتیسواں ۳۳ غنیمہ

در اجتماع تواضع و بغض فی اللہ

سوال۔ ایک سوال معروض خدمت ہے اس کے جواب سے بھی سرفراز فرمائیں۔ فتوح الغیب میں تحریر فرماتے ہیں تواضع کی حقیقت میں ھو ان لا یلقی العبد احداً من

الناس لاناس لہ الفضل علیہ اور آگے فرماتے ہیں خواہ جاہل ہو یا فاسق ہو یا کافر ہو کسی سے اپنے کو بہتر نہ سمجھے۔ سوال اول تو یہ عرض ہے کہ بندہ نے جو اپنے آپ کو دیکھا تو میرے اندر بالکل یہ صفت نہیں پائی جاتی۔ سو نہایت ادب کے ساتھ استدعا ہے کہ حضور بندہ کے واسطے دعا فرما دیں اور کوئی آسان تدبیر ایسی تحریر فرما دیں جس سے بسہولت یہ صفت حاصل ہو جاوے اور کبر و عجب کا نام نہ رہے ثانیاً یہ گذارش ہے کہ تواضع کا مقتضا تو یہ ہے کہ ہر ایک کو بہتر سمجھا جاوے اور اُسکے ساتھ نرمی کیجائے اور بغض فی اللہ کا مقتضا یہ ہے کہ عاصی کو بُرا سمجھا جائے اور اُسپر سختی اور خفگی کیجائے سو دونوں کیسے جمع ہوں۔

جواب - اچھا بُرا سمجھنا درجہ احتمال میں کافی ہے یعنی یہ سمجھے کہ گو اس وقت ظاہراً یہ شخص ہم سے کمتر ہے لیکن ممکن ہے کہ اسی وقت اس کے باطن میں کوئی خوبی ہم سے زیادہ ہو یا مآل میں یہ ہم سے اچھا ہو پس اس کا یہ اثر ہوگا کہ اپنے کو یقیناً افضل نہ سمجھے گا اور دفع کبر کیلئے اتنا کافی ہے اور اس طرح سے احتمالاً کسی کو اچھا سمجھنا مستلزم نرمی والفت کو نہیں کیونکہ ممکن ہے کہ جس شخص کا مآل میں ہم سے اچھا ہونا محتمل ہو بالفعل اُس کی کوئی ایسی حالت ہو کہ اُسپر نظر کرکے شریعت سے ہم اُسکو مبغوض رکھنے کے مامور ہوں تو ان دونوں میں کیا تنافی ہوئی اور اس احتمال کا استحضار عجب و کبر کو دفع کرے گا۔ (تربیت حصہ ہفتم صفحہ ۱۰)

چونتیسواں ۳۴ غبسر

درنیت ایصال ثواب بارواح بزرگاں

سوال - حضرت حاجی صاحب قدس اللہ سرہ و دیگر بزرگان دین جن کے متبرک نام نامی شجرہ میں درج ہیں اگر کبھی کبھی ان حضرات کو ایصال ثواب بذریعہ طعام غربا و مساکین یا زر نقد بطور امداد غربا و مساکین کے پہونچا دیا کروں اس میں کوئی خاص طور پر اہتمام یا کسی مہینہ یا تاریخ کی قید نہ رکھونگا بلکہ جب حق تعالےٰ توفیق عطا فرمائیں۔ طریقہ مذکورہ بالا میں کوئی حرج تو نہیں ہے۔ اور اگر اس میں کسی مفاسد یا کسی ناجائز امر کا احتمال ہو تو جس طور سے حضور والا ارشاد فرمائیں وہی طریقہ عمل میں لاؤں۔

جواب - موجب ثواب ہے مگر یہ نیت نہ ہو کہ اس عمل سے ان کی ارواح طیبہ سے فیض ہوگا گو باطنی ہی سہی۔ (تربیت حصہ ہفتم صفحہ ۲۴)

پینتیسواں ۳۵ غرِیبہ

در حل بعض اشعار مثنوی موہم علم محیط و عدم رد دعا ر اولیار

سوال - کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیان شرع متین اس مسئلہ میں کہ جو مندرجہ ذیل ہے۔ کتاب حکایات الصالحین میں اولیاء اللہ کی شان مبارک میں جناب مولانا معنوی صاحب کے یہ ابیات درج ہیں ؎

بندگان خاص علام الغیوب		در جہاں جان جواسیس القلوب	
آنکہ واقف گشت بر اسرار ہو		سر مخلوقات چہ بود پیش او	

اور دوسری جگہ مصنف صاحب یہ کہتے ہیں اللہ اللہ۔ اللہ والوں کی کیا عظمت اور حشمت ہو کر ؎

برتر ند از عرش و کرسی و خلا		ساکنان مقعد صدق خدا	
پاسبان آفتاب اند اولیا		در بشر واقف ز اسرار خدا	

دوسری جانب انبیاء کرام علیہم السلام کے حالات پر غور کرنے سے یہ باتیں ذہن نشین ہوتی ہیں کہ انکو امور غیبی سے صرف اتنی ہی واقفیت ہوسکتی تھی جتنی کہ خود خدائے تعالیٰ بذریعہ وحی والہام انپر منکشف فرماتا تھا۔ ثابت ہے کہ یوسف علیہ السلام کی گمشدگی سے اُن کے والد محترم علیہ السلام کے دل و دماغ پر ایک سخت صدمہ ہوا تھا بلکہ روتے روتے اُنکی آنکھیں بھی سفید پڑ گئیں تھیں اور آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کو جو حضرت صدیقہ رض پر بہتان کے بارہ میں نزول وحی تک سخت تردد و فکر ہوتی تھی۔ اس سے یہ واضح ہوتا ہے کہ جبکہ اولیاء اللہ فرش سے عرش تک اور اسرار خدا سے واقف کار ہوتے تھے تو شبہ اس امر کا متوہم ہوتا ہے منقصت شان نبوت متصور ہوتی ہے لہٰذا مع خلاصہ تشفی فرمایئے۔

جواب - مراد مولانا کی بعض اسرار ہیں اور مقصود اُنپر بڑی جو اولیاء کیلئے اسکو بھی مستبعد سمجھتے ہیں فزال الاشکال۔

سوال - اور اسی کتاب میں یہ تحریر ہو کہ اولیاء اللہ کی دعا رد نہیں ہوتی بلکہ اسی وقت قبول ہوتی ہے۔ فی الحقیقت اولیاء اللہ کی دعا مانند تیر بہدف ہے مگر جبکہ حضرت نوح علیہ السلام نے اپنے فرزند کے لئے بارگاہ ایزدی میں دعا کی تھی تو خداوند کریم سے یہ الہام ہوا یانوح انہ لیس من اھلک انہ عمل غیر صالح۔ اس سے یہ واضح ہوتا ہے کہ جبکہ اولیاء اللہ کی دعا غیر ایمان اور بدکردار آدمی کے حق میں بھی قبول ہوتی ہے تو اس سے یہ شبہ پیدا ہوتا ہے کہ منقصت شان نبوت متصور ہوتی ہے لہٰذا تشفی فرمایئے۔

جواب۔ اس میں بھی وہی تقریر ہے۔ فزال الاشکال۔

ف۔ اسی طرح مولانا نے جو اولیاء کی شان میں فرمایا ہے ؎

بانگ مطلوبان زہر جا بشنوند	سوئے او چوں رحمت حق میدوند

اور اس سے ایہام ہوتا ہے اُن کے لزوم ودوام کشف کا۔ اس کی توجیہ میں بھی مثل سابق کہا جاوے کہ یہاں محط فائدہ زہر جا نہیں ہے بلکہ بشنوند ہے یعنی ان کو توجہ میں دریغ نہیں ہوتا خواہ طالب قریب ہو جس سے سماع بلاواسطہ ہو سکے خواہ بعید ہو جس سے سماع بواسطہ ہو اور میدوند کا بھی یہی محمل ہے

چھتیسواں غرایبہ

سوال۔ زکوٰۃ میں نوٹ دینے سے زکوٰۃ ادا ہو جاتی ہے یا نہیں۔ اسی طرح دوسری رقوم واجب التملیک مثل فدیہ صوم وصلوٰۃ وغیرہ۔ | اداے زکوٰۃ بہ نوٹ

جواب۔ چونکہ وہ مال نہیں محض سند مال ہے اس لئے نوٹ دینے سے زکوٰۃ ادا نہیں ہوتی اور یہی حکم ہے۔ دوسری رقوم واجب التملیک کا بلکہ ان صورتوں سے زکوٰۃ وغیرہ ادا ہو جاتی ہے۔ (الف) یا تو خود مسکین کو نقد دے یا کوئی چیز از قسم مال اتنی قیمت کی دے کہ امام ابوحنیفہ رح کے نزدیک زکوٰۃ غیر جنس سے بھی ادا ہو جاتی ہے اور (ب) یا مسکین کو نوٹ دیا اور اُس مسکین نے اُس کو نقد یا کسی جنس کے بدلے فروخت کر کے اُس نقد یا جنس پر قبضہ کر لیا اب قبضہ کیوقت زکوٰۃ وغیرہ ادا ہو گئی اور اگر یہ دونوں صورتیں نہ ہوئیں مثلاً اُس مسکین کے پاس سے وہ نوٹ ضائع ہو گیا یا اُس نے اپنے قرض میں کسی کو دیدیا ان صورتوں میں زکوٰۃ ادا نہیں ہوئی۔ ۵ صفر ۱۳۳۷ھ

سوال۲۔ اگر کسی مسکین کو زکوٰۃ وغیرہ میں نوٹ دیدیا اور اُس نے اُس کا نقد یا جنس لیکر قبضہ کر لیا مگر نوٹ لینے والے نے اُس نوٹ پر بٹہ لیا۔ مثلاً فی روپیہ ایک پیسہ اور اسی طرح اگر کسی مدرسہ میں دیا اور مہتمم نے اُس کو نقد کر کے کسی مستحق طالب علم کو دیا اور نقد کرنے کیوقت اسی طرح بٹہ لگا تو آیا زکوٰۃ میں پورا روپیہ ادا ہوا یا پیسہ کم روپیہ اور اگر اپنے روبرو ایسا نہ ہوا مگر معلوم ہے کہ جہاں نوٹ بھیجا ہو وہاں ایسا ہوا ہوگا تو احتیاط کی بات کیا ہے۔

جواب۲۔ اس صورت میں پیسہ کم روپیہ ادا ہوگا۔ ایک پیسہ مثلاً اُس شخص کو اور زکوٰۃ میں کسی

مسکین کو دیدینا چاہئے۔ اسی طرح حسب قرائن سے اپنی فہرست میں بٹہ لگنا معلوم ہو تب بھی فی روپیہ مثلاً ایک پیسہ اور بھی مسکین کو دیدے۔ ۵ صفر ۱۳۳۷ھ

سوال ۔ الامداد ماہ صفر المظفر ۱۳۳۷ھ نوٹ کے متعلق ایک مضمون چھپا ہوا ہے جس سے یہ معلوم ہوتا ہی کہ نوٹ مال نہیں ہے اور اُس سے زکوۃ ادا نہیں ہوسکتی۔

نمبر ۱۔ تو اب یہ شبہ پیدا ہوتا ہی کہ جسکے پاس سوائے نوٹ کے کچھ نقد نہیں ہے اسکے اوپر سال گذرنیکے بعد زکوۃ واجب نہیں ہونی چاہئے۔

نمبر ۲۔ اسی طریقہ سے یہ بھی خیال پیدا ہوتا ہی کہ اگر زکوۃ میں نقد روپیہ بذریعہ ڈاک روانہ کیا اور مرسل الیہ کو روپے کی عوض نوٹ ملے تو زکوۃ ادا ہوگئی یا نہیں۔

نمبر ۳ بہشتی زیور میں یاد پڑتا ہی کہ جناب نے تحریر فرمایا ہے کہ نوٹ کو کمی زیادتی میں نہیں بیچ سکتے جس سے یہ معلوم ہو کہ نوٹ اور روپیہ ایک چیز ہے۔

نمبر ۴۔ تو اس صورت میں نوٹ زکوۃ میں بھی ادا ہوسکتا ہی اور زکوۃ بھی نوٹ پر واجب ہوسکتی ہے۔

نمبر ۵۔ آجکل چونکہ رمضان میں زکوۃ دینے کا وقت آیا ہے اور یہاں لوگوں کے پاس اکثر نوٹ ہیں نقد روپیہ نہیں ہے تو اس صورت میں کیا کرنا چاہئے۔

الجواب نمبر ۱۔ یہ شبہ غلط ہی اسلئے کہ یہ نوٹ جس روپے کی سند ہو وہ تو مال ہی جو بذمہ گورنمنٹ قرض ہے اُسپر زکوۃ واجب ہے۔

نمبر ۲ جب وہ اس نوٹ کو نقد بنا کر قبضہ کرلیگا اُسوقت زکوۃ ادا ہوگی۔

نمبر ۳۔ یہ معلوم ہونا غلط ہی کمی بیشی کے ناجائز ہونیکی بنا یہ نہیں ہے کہ دونوں ایک حکم میں ہیں بلکہ اس کی بنا یہ ہے کہ یہ کمی بیشی حوالہ میں بھی درست نہیں اور نوٹ کا معاملہ حوالہ ہے۔

نمبر ۴۔ یہ تفریع غلط ہے جیسا اوپر معلوم ہوا۔

نمبر ۵۔ یہ کرنا چاہئے کہ خود اگر دیں تو اوّل اُس نوٹ کو نقد بنا دیں اور وہ نقد مساکین کو دیں یا یہ کریں کہ اُس نوٹ کا کپڑا یا غلہ خریدیں اور وہ کپڑا یا غلہ زکوۃ میں دیں یا ایسا کریں کہ جس مسکین کو مثلاً دس روپیہ کا نوٹ دینا چاہیں اُس سے کہیں کہ تو کہیں سے دس روپیہ نقد لے آ جب وہ لاوے تو اس سے کہیں کہ تو اس روپے کی عوض ہمارا یہ نوٹ خریدلے جب اس خرید کی رو سے اس زکوۃ دینے والیکے پاس نقد روپیہ آجاوے

تو وہ نقد روپیہ اُس مسکین کو دیدیں پھر وہ اپنا فرض خواہ نوٹ سے ادا کرے خواہ نقد سے ادا کرے۔ دوسرے
شخص کے ذریعہ سے ادا کریں تو ایسے شخص کو وکیل بنادیں جو ان طریقوں کو سمجھتا ہو اور اُن کے ذریعہ سے ادا کرے۔
(نوٹ) میں نے بہت واضح کرکے لکھا ہے مگر میرا گمان یہ ہے تا وقتیکہ آپ کسی عالم سے اس خط کو زبانی
نہ سمجھ لیں سمجھنے میں غلطی ہوگی۔ ۶ رمضان ۱۳۳۷ھ

سینتیسواں غریبہ در حل اشکال زیادت انجذاب الی الشیخ بہ نسبت انجذاب الی الرسول صلی اللہ علیہ وسلم

حال۔ یہ امر قابل گذارش ہے کہ احقر کو بفضلہ تعالیٰ کا خیال لگا رہتا ہے اور اُدھر کشش بھی رہتی ہے۔ اسی طرح جناب والا کا لیکن نبی کریم علیہ التحیۃ والتسلیم کا تو اکثر اوقات خیال نہیں رہتا اور نہ اُدھر کشش رہتی ہے اور کبھی زیارت سے مشرف ہوا اور نہ چنداں اسکی جستجو ہے۔ زیارت کے نہ ہونے پر چنداں حسرت نہیں لیکن اسکی تلاش و جستجو نہ ہونے پر البتہ بیحد غم اور حسرت ہے غرضکہ جیسے اور لوگوں کو بالطبع اس کا خیال ہے احقر کو نہیں۔

تحقیق۔ بالکل غلط وہم ہے اگر حضور اقدس صلے اللہ علیہ وسلم عالم ظاہر میں تشریف رکھتے تو کیا اس دوسرے اشتیاق سے زیادہ نہ ہوتا اگر یہ دوسرا اشتیاق والا عالم ظاہر میں ہوتا تو کیا اُس کی قبر کا اشتیاق قبر نبوی سے زیادہ ہوتا۔ موازنہ کا یہ طریقہ ہے۔

اڑتیسواں غریبہ در تحقیق بسملہ یا ترک آں در ابتدا سورۃ توبہ

سوال۔ سیدی و مولائی دام ظلکم العالی السلام علیکم۔ عرض یہ ہے کہ جناب نے ترک بسملہ کو آغاز براءۃ بلا وہ براءۃ سے ہوا اغلاط العوام میں داخل کیا ہے اور مکرر یہ ہے کہ اجمع القراء علی ترک البسملۃ فی اول براءۃ سواء ابتدأ بہا او وصلہا بالانفال ایسا ہی شاطبیہ میں ہے لہذا جناب کے قول در کرہ میں جو صورت تطبیق ہو تحریر فرمائیں۔

یہ جواب گیا

واقع میں ان دونوں قولوں میں تطبیق نہیں ہو سکتی مگر یہ مسئلہ فن قرات کا نہیں اسلئے میرے نزدیک اس میں قاری کا قول حجت نہیں۔ قواعد فقہیہ کا مقتضا میرے نزدیک وہی ہے جو میں نے لکھا ہے واللہ اعلم۔ بعد تحریر سطور ہذا ایک وجہ تطبیق کی جو مجھکو بہت لطیف معلوم ہوتی ہے خیال میں آگئی وہ یہ کہ ابتداء سورہ توبہ میں بسم اللہ پڑھنے کی دو حیثیتیں ہیں

ایک حیثیت ابتداء مطلق القراءۃ[ف] کی دوسری حیثیت ابتداء بالسورۃ کی پس اغلاط العوام میں اول کا اثبات ہے اور مکررہ و شاطبیہ میں ثانی کی نفی ہے فلا تعارض واللہ اعلم۔

انتالیسواں[۳۹] غریبہ[ف] در تحقیق تکرار اسم جلالہ مفردا

سوال نسیم الریاض شرح شفاء قاضی عیاض مصنفہ شہاب الدین خفاجی میں ایک استفسار اور اُسکا جواب اور جواب الجواب صحیح ہو اُسکو پیش نظر حضور انور کرکے کچھ عرض کرتا ہے ۔ وھھنا بحث وھو انہ قیل ان ذکر اللہ بتکریر الجلالۃ بدعۃ لا ثواب فیھا قال الخطابی فی شرح مختصر الشیخ خلیل سئل العز بن عبد السلام عمن یقول اللہ اللہ مقتصرا علی ذلک ھل ھو مثل سبحان اللہ والحمد للہ واللہ اکبر ونحوھا فاجاب بانہ بدعۃ لم ینقل مثلہ عن احد من السلف وانما یفعلہ الجھلۃ والذکر المشروع لابد فیہ کلہ من ان یکون جملۃ مفیدۃ والاتباع خیر من الابتداع ونحوہ ما افتی بہ البلقینی فی قوم لا یزالون یقولون محمد محمد کثیرا ثم یقولون فی اٰخرہ مکرم معظم فاجاب بانہ ترک الادب وبدعۃ لم تنقل ولا ثواب فیھا وکذا قولھم علی محمد وتابعہ علیہ کثیر من العلماء اقول القائل الشہاب ما ذکرہ فی اسم النبی صلی اللہ علیہ وسلم مکررا من کونہ بدعۃ ظاھر لانہ مع کونہ لم یتعبد بمثلہ داخل فی ما نھی عنہ بقولہ لا تجعلوا دعاء الرسول بینکم کدعاء بعضکم بعضا کما یاتی مثلہ ولم یرد تعظیم النبی صلی اللہ علیہ وسلم الا بالدعاء لہ والصلٰوۃ والسلام علیہ فلو عظم بمثل ذلک کان مراغما للسنۃ ولو ذکر احد غیرہ بہ زجروہ واھانوہ فما بالک باشرف الخلق واعظمھم واما ذکر اللہ تعالیٰ فقد ورد الامر بہ ووعد ذاکرہ بالثواب فی اٰیات ولما لا یحصی کقولہ والذاکرین اللہ کثیرا والذاکرات وفی حدیث القدسی من شغلہ ذکری عن مسئلتی اعطیتہ افضل ما اعطی السائلین الی غیر ذلک مما لا یحصی ولم یقید بقید علی ان الذاکر قصدہ التعظیم والتوحید فھو اذا قال اللہ ملاحظ لمعناہ فکانہ قال معبودی واجب الوجود مستحق بجمیع المحامد ولم یزل اہل اللہ من العلماء والصلحاء یفعلونہ من غیر نکیر وکان الاستاذ البکری یفعلہ ویقول نستغفر اللہ مما سوی اللہ وکل شیٔ یقول اللہ

ف اس مضمون کو پچاسویں حکمت میں بھی دیکھ لیا جاوے ۱۲

وفی مجلسہ اجلۃ العلماء والمشائخ وھذا ھو الحق وقد صنف فی رد مقالۃ ابن عبد السلام
ھذا عدۃ رسائل رأیناھا وممن صنف فیھا القطب القسطلانی والعارف باللہ المرصفی و
الشیخ عبد الکریم الخلوتی وبہ افتی من عاصرناہ اللھم احشرنا فی جملۃ الذاکرین ولا تجعلنا
من الغافلین اھ ص ۳۷ و ۳۸ ج ۱

بندہ کی غرض یہ ہے نہ بطور رشبہ بلکہ بطور اتمام شفاء العی السوال کہ جن آیات اور احادیث میں
فضیلت ذکر اللہ وارد ہے منہا ما ذکرہ الشہاب۔ یہ اگرچہ مطلق ہیں مگر اس مطلق کو صاحب شرع نے اوقات
اور حالات و دیگر قیود کی ساتھ ضرور مقید فرمایا ہے اذکار اور ادعیہ میں ذرا ذرا سے تغیر پر صاحب شرع اور
اُن کے جانشینوں نے متنبہ فرما دیا ہے بنبیک الذی ارسلت کی جگہ میں برسولک پر انکار فرمایا۔ ایک
شخص نے چھینکنے کے بعد السلام علیکم کہا اس پر ابن عمر رض نے متنبہ فرمایا ما ھکذا علمنا رسول اللہ صلی
اللہ علیہ وسلم۔ اور امام بخاری نے ص ۹۴۸ ج ۲ مصطفائی میں جو حدیث فضل ذکر اللہ تعالیٰ میں روایت کی
اُس سے بھی صاف ظاہر ہے کہ ذکر اللہ سے خاص ذکر مراد ہے حیث قال یسبحونک ویکبرونک ویحمدونک
ویمجدونک الی قولہ یسئلونک الجنۃ والی قولہ یتعوذون بعد قولہ یلتمسون اھل الذکر فاذا
وجدوا قوما یذکرون اللہ تنادوا ھلموا الخ اور تتبع احادیث سے احقر کو معلوم ہوا گو بندہ کو اُسپر
اطمینان نہیں کہ حضور نے حصول دعا کو ثنائے باری اور سوال کے اندر محصور فرما دیا ہے ثنا جیسے تسبیح تحمید
تہلیل تکبیر و حوقلہ ہے اور سوال یا تو سوال ما ینفعہ ہے یا تعوذ عما یضرہ ہے جسکے شعب میں استغفار اور صلوۃ
علی النبی صلی اللہ علیہ وسلم ہے اور تبرک باسمائہ الحسنیٰ ثنا میں داخل ہے اور یہ بجدا فیرہا جمل مفیدہ ہیں یا
بصورت خبر یا بصورت انشاء۔ اور بندہ ناچیز کی نظر میں کہیں تکرار اسم ذات بصورت افراد نہیں گذرا۔ ایک
حدیث میں اللہ اللہ ربی لا اشرک بہ شیئا ہے وہ بھی جملہ مفیدہ ہے اور حضرت سید کائنات کا ذکر اللہ
کو ان الفاظ ماثورہ میں بیان فرمانا اور کہیں تکرار اسم ذات کا بصورت انفراد بیان نہ فرمانا عز بن عبد السلام کا ضرور
مؤید ہے ورود اثر او روایت ہے اور استنباط او روایت ہے ہاں اگر تکریر جلالہ کو بحذف حرف ندا اختیار کیا جائے تو ممکن
ہے جملہ ہو مگر سنت سے جب بھی ثابت نہیں اور شراح حدیث نے قاطبۃ ذکر اللہ سے الالفاظ التی ورد
الترغیب فی قولھا ذکر کیا ہے فی فتح الباری والمراد بذکر اللہ ھھنا الاتیان بالالفاظ التی ورد الترغیب
فی قولھا والاکثار فیھا وقد یطلق ذکر اللہ ویراد بہ المواظبۃ علی العمل بما اوجبہ اللہ تعالیٰ او ندب

الیہ کقراءۃ القرآن و قراءۃ الحدیث و مدارسۃ العلم والتشغل بالصلوٰۃ الخ بس اخیر کی افراط ہے کہ حضرات چشتیہ رحمہم اللہ تعالیٰ کے یہاں جو اسم ذات کا وظیفہ معمول ہے اسکا کیا حکم ہے کیا یہ ممکن نہیں ہے کہ یہ طریقہ یوں رواج پا گیا ہو کہ نفی و اثبات کرتے کرتے بعضے بزرگوں نے صرف الا اللہ پر اکتفاء کیا اور پھر بوجہ ورود تجلیات کے الا بھی غائب ہوگیا۔ رہ گیا فقط اللہ بہرحال جو کچھ ہو بندہ نے عرض کر دیا جو کچھ ارشاد ہو بالراس والعین ہے ۔

الجواب ۔ توجیہ ابتداء تو وہی اقرب ہے جو آخر خط میں لکھی ہے۔ باقی دلیل مشروعیۃ کی اگر نقل جزئی نہیں ہے اور حدیث لاتقوم الساعۃ حتیٰ لایقال فی الارض اللہ اللہ کو نقل جزئی نہ مانا جائے تو نقل کلی استنباط کے دعوی کی ضرور گنجائش ہے کما نقل عن کثیر من الاکابر فی السوال اور اس دعوی میں اختلاف مضر نہیں کشأن مسائل الاجتہادیات اور استنباط بھی ثبوت بالنص ہی کی ایک فرد ہے۔ خاص الغیا مظہر لا مثبت اور گو اس صورت میں اس طریق ذکر کو طریق منقول صریح سے مفضول کہا جاویگا لیکن عارض نفع خاص کے سبب (کہ وہ دفع وساوس وجمع خواطر ہے جو کہ مشاہد ہے) بعض کیلئے اسکو عملاً ترجیح دیجا سکتی ہے جیسا کہ ایسے ہی مصلحت کے سبب ذکر جلی کو ذکر خفی پر کہ دلائل سے اسکا افضل ہونا ثابت ہے۔ اسی طرح اعلان صدقہ کو اخفاء صدقہ پر بعض کیلئے عملاً راجح ہونیکو فقہا نے لکھا ہے اور اگر مستنبط بھی نہ کیا جاوے جیسا ابن عبد السلام کی رائے ہے مگر تاہم منہی عنہ بھی نہیں اور مشاہدہ ہے اس کا جمع خواطر میں جو کہ مامور بہ ہے معین ہونا معلوم ہے پس مثل دیگر تدابیر امور مطلوبہ شرعیہ کے یہ بھی مطلوب ہوگا ولو لغیرہ ۔ اور گو نفر پر حرف ندا سب سے اچھی توجیہ ہے مگر غالباً نادل القول بما لا یرضی بہ قائلہ میں داخل ہے اور تبدیلک کی تغییر پر انکار نہیں ترک اولی پر انکار ہے اور ابن عمرؓ کا انکار تغییر منظف پر ہے اور یہاں تکرار جلالہ کیوقت کوئی ذکر منظف نہ تھا پس ان دونوں کو مبحث سے مس نہیں ۔ ۶ جمادی الاخری ۱۳۳۷ھ ۔

چالیسواں غریبہ در تحقیق مشروعیۃ یا عدم مشروعیۃ مباہلہ

سوال ۔ عرض ہے کہ جماعت ...... کے اشتہار مباہلہ کے جواب میں اشتہار مباہلہ طبع کیا گیا اور بھیجا گیا جو حضرت کی خدمت میں بھی روانہ کیا گیا ہے کل سے جواب طبوع ہونا ہے آج اس کا جواب مولوی .... صاحب نے لکھا کاپی لکھی جارہی ہے کل طبع ہو کر انشاء اللہ تعالیٰ روانہ ہو جاویگا اب حضرت کی ملتسا در تو جا دو

دعا کی ضرورت ہے۔

جواب۔ پہلا اشتہار پہونچ گیا دوسرے کا انتظار ہے دل وجان سے دعا کرتا ہوں کہ حق تعالیٰ تبیین نجلی اہل حق کو دے کہ سب دیکھ لیں۔ آمین۔ رائے جو دریافت فرمائی ہے تو مجھکو اکابر کے سامنے رائے دینے کی کیا لیاقت ہے مگر امتثالاً للامر جو کچھ سرسری نظر سے ذہن میں حاضر ہوا عرض کرتا ہوں۔ میرے خیال میں اسکی تحقیق بھی ضروری ہے کہ آیا مباہلہ اب بھی مشروع ہے یا نہیں۔ اور یہ کہ اس کا اثر متعین کیا ہے اور اس اثر کے یقینی ہونے کی کیا دلیل ہے اسکی تحقیق اسلئے ضروری ہے کہ اگر اس مباہلہ کا کوئی موعود یقینی اثر متعین نہوا اور ممکن ہے کہ اُس کے بعد اتفاقی طور پر اہل حق کو کوئی ابتلا پیش آجاوے تو عام دیکھنے والوں کو التباس نہو جاوے جس سے اور زیادہ ضرر ہوا اور اگر ایسا ہو تو اُس کے جواب کیلئے کس طرح تیار رہنا چاہئے۔ اور اگر اس کا کوئی اطمینان کسی دلیل یقینی سے نہو تو مباہلہ کی درخواست میں بجائے مباہلہ کے اُس صحیح تحقیق کو جواب میں کیوں نہ پیش کر دیا جاوے جو کہ دلیل سے ثابت ہو گو لوگوں نے اسکی مشروعیت پر آیۂ لعان سے استدلال کیا ہے مگر وہاں تو نتیجہ تفریق ہے اور یہاں جس نتیجہ کی توقع ہو سکتی ہے اسکے ترتب کی کوئی دلیل ہونا چاہئے اسلئے اس کا اس پر قیاس مع الفارق ہے۔

اکتالیسواں غریبہ در دفع شبہ تنافی درمیان تعذیب مؤبد کافر و درمیان شان الوہیت حق

سوال۔ شبہ پنجاب میں جن دنوں خاکسار وہاں تھا اٹھا تھا کہ جہنم سزا کیلئے ہے یا تعذیب صرفہ کیواسطے صورت اول میں جہنم جہنمی کے حق میں ایسا ہی ہے جیسے سونے کے حق میں بھٹی۔ اور صورت ثانی میں شان الوہیت کے مخالف کہ وہ نقائص عناد وغیرہ سے منزہ اور پاک ہے۔ خیر میں نے وہی جو اہل سنت کو پیش کیا ماننے والوں نے مانا یہی شبہ اکبر بادشاہ جلال الدین کے عہد میں پیدا ہوا تھا اور جلیل القدر علما بھی جمع ہوئے تھے ابو الفضل شق اول وہاں کا فیصلہ نقل کرتے ہیں اور خفیف سا اشارہ آیت استثنا رند کو ارصد کی طرف کرتے ہیں۔ اور ابو موسیٰ اشعریؓ کے عہد میں بھی یہی شبہ دورہ کر چکا ہے جواب پنجاب میں چکر لگا رہا ہے۔ اگر تصدیعہ نہو تو شبہ ہذا پر بھی کچھ لکھ توجہ مبذول فرماکر ممنون و مشکور کیجئے ورنہ بنظر مصلحت تو حتی الامکان اخفا ضروری ہے مگر چونکہ حسب اشکال بروز کر چکا تو توجہ کا برلازم العزیمت ہوگی۔

جواب۔ عبارت سوال کی کافی نہیں۔ غالباً منشا سے مراد تطہیر ہے سو اگر وہ جہنمی مومن ہے تب تو جواب اس کا باختیار شق اول ظاہر ہے اور اگر جہنمی کافر مخلد موبد ہے تو جواب اس کا باختیار شق ثانی ہے اور یہ الزام کہ وہ بوجہ نقص منزہ کے شان الوہیت کے خلاف ہے موقوف اس پر ہے کہ اُس کا نقص ہونا ثابت کیا جاوے۔ اور دعا اثبات میں یہ دعویٰ کہ یہ عناد ہے

خود محتاج اثبات ہے ورنہ اسی کی کیا تخصیص ہے ایسا شبہ تو اس سنکھیا کھانے کے اعتبار سے بھی لازم آتا ہے جو ہمیشہ کیلئے مرگیا۔ کیونکہ ظاہر ہے کہ ہلاک بدون اہلاک نہیں پس یہ اہلاک تطہیر ہے یا تعذیب شق اول پر بعد تطہیر زندہ کردینا چاہیے اور شق ثانی شان الوہیت کے خلاف ہے بوجہ لزوم نقص عناد وغیرہ کے۔ اور اگر کہا جاوے کہ سنکھیا کی تو خاصیت یہی ہے۔ تو ہم کہیں گے کہ کفر کی بھی خاصیت یہی ہے اور ہمنے نہیں سنا کہ ابوموسی اشعری کے زمانہ میں یہ شبہ پیش ہوا تھا۔ اگر ایسا ہے تو جواب بھی تو منقول ہوگا اُس پر نظر ضروری ہے۔

بیالیسواں[۴۲] غریبہ در دفع اشکال ہلاکت بعضے بتوجہ بزرگان

حال۔ میں نے اپنے ایک عریضہ میں ضمناً اس مضمون کی تحقیق کی تھی کہ اکثر مشائخ کو حالات میں دیکھا گیا ہے کہ ایک توجہ میں طالب کی تکمیل کردی ہے۔

اسکے جواب میں حضرت نے تحریر فرمایا یہ سب تصرفات ہیں جو ایک مشاق آدمی کرسکتا ہے ان سے ایک گونہ استعداد طالب میں پیدا ہو جاتی ہے جسکو ذوق میں جو حقیقت ہے ولایت کی کچھ دخل نہیں قرب یا تو موہوب ہے جیسا کہ انبیا علیہم السلام کو یا مکسوب بالاعمال جیسا صلحا کو اور ان تصرفات کو دونوں سے کوئی تعلق نہیں۔

اب مجھکو ان حکایات بالا حضرت محمود و زبان پر طالب کے انتقال سے یہ اشکال پیدا ہوا کہ یہ تصرفات جو بزرگان عمل میں لاتے ہیں جائز بھی ہے یا نہیں اگر جائز نہیں تو پھر اس قسم کا تصرف باوجود صاحب بصیرت ہونے کیوں عمل میں لایا گیا اس تحقیق فرماکر تشفی بخشی جاوے۔

تحقیق۔ جائز ہے اگر کسی ضرر کا ظن غالب ہو جیسے ایک غریب کو کسی نے ایک لاکھ روپیہ دیدیا اور وہ خوشی کے غلبہ سے مرگیا مگر دینے والے کو معلوم نہ تھا اسلئے دینا جائز تھا۔

تینتالیسواں[۴۳] غریبہ در دفع اشکال بر بعضے اشعار مولانا جامی در وصف زلیخا

سوال۔ کتاب یوسف زلیخا مصنفہ مولوی عبدالرحمن جامی پڑھنا یا پڑھانا جائز ہے یا نہیں کیونکہ مولانا عبدالرحمن جامی نے بی بی صاحبہ کو وصف میں حد سے زیادہ تعریف کی ہے چنانچہ پستان کی تعریف میں کہا ہے ؎

دو پستان ہر یکے چوں قبۂ نور | حبابے ساختہ از عین کافور
دونار تازہ تر رستہ زیک شاخ | کف امید شان نا سودہ گستاخ

اور دیگر جا میں کہا ہے ؎

شکم چوں تختۂ قاقم کشیدہ — بزے راہ بہ ناف او بریدہ

سرینش کوہ اما سیم سادہ — چو کوہ کز کمر زیر او فتادہ

وعلیٰ ہذا القیاس جناب من التماس یہ ہے کہ اگر کسی بڑے زمیندار یا کسی حاکم کی بی بی کی تعریف ایسی کیجائے تو کتنا نہ وہ خشمناک ہوجاویگا۔ غور کرنا چاہیے کہ یوسف علیہ السلام کو کیا اتنی قدر سے غصہ نہ ہوگا۔ بینوا توجروا

الجواب۔ یہی ہے گو خلاف احترام ہو مگر ایسی حالت کے اعتبار سے ہے کہ اسوقت وہ واجب الاحترام نہ تھیں یعنی حضرت یوسف علیہ السلام کے نکاح میں آنیکے بلکہ اسلام لانیکے بھی قبل جس حالت کے اعتبار سے خود حق تعالیٰ نے ان کا قصہ بادم احترام ذکر فرمایا ہے راودتہ التی ھو فی بیتھا الخ قالت ماجزاء الخ للتسلیم للکذب والکید ونحوھما سو اسکے منع کا سبب یہ عارض تو ہو نہیں سکتا البتہ اگر ایسے مضامین سے کولی شہوت کو ہیجان کا احتمال ہو تو مرتد بہ مضمون نہ پڑھا دیں فقط

چوالیسواں غریبہ در تحقیق الحاق مسجد مبنی لغرض فاسد بمسجد ضرار

سوال۔ بخدمت علمائے کرام نہایت مؤدبانہ عرض ہے کہ چھاونی ہذا کی آبادی اہل اسلام کے لحاظ سے ایک مسجد قدیم الایام سے کافی ووافی آباد ہے جسمیں نماز پنجگانہ وجمعہ وجماعت بروقت ادا ہوتی ہے لیکن چند مادہ حضرات ساکنان چھاونی مسجد مذکور کی قدیم انتظامی حالت میں غیر ضروری تبدیلی کرنا چاہتے ہیں جس پر اہل اسلام چھاونی راضی نہوئے اسی بنا پر حضرات معروف نے عدالت مجاز میں دعویٰ دائر کیا جب عدالت نے بھی ان کے خلاف دائر فیصلہ فرماکر قدیم انتظام کو جو سالہا سال سے جاری ہے بجنسہ بحال رکھنے کیلئے حکم صادر فرمایا۔ اسلئے حضرات مذکور علیحدہ ایک مسجد بنانے کی کوشش کر رہے ہیں باوجودیکہ موجودہ مسجد میں ان حضرات کو نماز ادا کرنے کیلئے کوئی شخص مانع نہیں ہے اور نہ آئندہ ہو سکتا ہے ایسی حالت میں ایک جدید مسجد کی تعمیر کی کوشش وہ بھی بے ضرورت محض اہل اسلام میں تفرقہ ڈالنے اور گروہ اہل اسلام کو دو فریق کرنے اور قدیم مسجد کی جماعت کو کم کر کر ویران کرنے کی نیت سے کیجارہی ہے بنابریں عرض ہے کہ یہ فعل ان حضرات کا از روئے قانون شریعت اسلام جائز ہے یا نہیں۔ وبہ نیت مذکورہ مسجد بنانا داخل حکم مسجد ضرار ہے یا نہیں۔ اور ایسی مسجد کیلئے کسی قسم کی مدد کرنا داخل ثواب ہے یا باعث عذاب۔ خلاصہ جواب عطا فرمایا جاوے۔ بینوا توجروا۔

الجواب۔ جس مسجد ضرار کا ذکر قرآن مجید میں ہے وہ وہ ہے جس کی نسبت قطعی دلیل سے ثابت ہے کہ وہاں مسجد ہی بنانے کی نیت نہ تھی محض صورت مسجد اضرار اسلام کی نیت سے بنائی تھی سو جس مسجد کا بانی دعوی نیت بنا مسجد کا کرے اور کوئی قطعی دلیل اسکی مکذب نہو اسکو مسجد ضرار کیسے کہا جا سکتا ہے ورنہ لازم آتا ہے کہ ایسی مسجد کے انہدام و رامیں انقاض کنا سہ کو جائز کہا جاوے لان الشیٔ اذا ثبت ثبت بلوازمہ اور اس کا کوئی قائل نہیں۔ پس ثابت ہوا کہ ایسی مساجد مسجد ضرار میں تو داخل نہیں البتہ خود یہ قاعدہ مقرر ہے کہ اگر طاعت میں غرض معصیت ہو جیسے مسجد بنانے سے غرض تعصب و تفریق مذموم ہو تو اس فعل میں عاصی ہوگا لیکن مسجد مسجد ہی ہوگی مع اپنے جمیع احکام لازمہ کے باقی اس نیت کا حال اللہ تعالیٰ ہی کو معلوم ہے دوسروں کو اس پر حکم جازم لگانا جائز نہیں۔ ۱۰ ذیقعدہ ۱۳۳۵ھ

پینتالیسواں غریبہ در تحقیقات عجیبہ متعلقہ وساوس

ایک صالحہ کا حال

حال۔ خادمہ کی حالت سوا دو ماہ سے حسب ذیل ہے گو یہ کیفیت پرانی ہے مگر تھوڑے زمانہ سے اسمیں شدت ہو گئی

تحقیق۔ پھر صحیح کیا ہے۔

حال۔ قلب میں ہر وقت ایک خاص قسم کا جوش رہتا ہے اور بعد ذکر کرنے کے اس جوش میں شدت ہو جاتی ہے اسی جوش میں قلب کے اندر اللہ تعالیٰ کے حضور میں دل سے گستاخی کرنے کے خطرات پیدا ہوتے ہیں گو کسی وقت زبان سے کوئی بری بات نہیں نکلتی نہ آجتک نکلی مگر دل میں یہ ساری حالتیں گذرتی ہیں جسکے اندر اپنا قصد بھی شامل معلوم ہوتا ہے

تحقیق۔ ہرگز نہیں۔ بھلا جس چیز سے اسقدر تکلیف ہو کیا آدمی بلا ضرورت اسکو قصداً کر سکتا ہے وہ قصد نہیں بلکہ قصد کا شبہ اس سے ہو جاتا ہے کہ یہ خوف و احتمال قصداً ہوتا ہے کہیں وہ وسوسہ تو نہیں ہوا اس طرح سے اس وسوسہ کی طرف قصداً التفات ہو جاتا ہے تو وہ قصد وسوسہ لانے کے ساتھ متعلق نہیں ہے بلکہ اس کا تعلق اصل میں اس خوف کیساتھ ہے کہ وہ وسوسہ کہیں پھر تو نہیں ہوا اور چونکہ اس خوف کا محل وہ وسوسہ ہے اسلئے وسوسہ کا بھی خیال آجاتا ہے جس سے شبہ ہو جاتا ہے کہ شاید وہ وسوسہ قصداً لایا گیا ہے۔ خوب سمجھ کر مطمئن رہنا چاہئے۔

حال۔ جب یہ حالت شدت کی کم ہو جاتی ہے پھر اپنی بد طینتی قلب کی برائی پر رنج اور افسوس بیحد ہوتا ہے

باوجود دو مرتبہ حضرت کے ارشاد فرمانے کے اس کیفیت خاص کا قلع قمع نہیں ہوتا۔ حضرت کے ارشاد بعدم توجہ سے نفع معلوم ہوتا ہے مگر عدم توجہی کو استقلال نہیں رہتا۔

تحقیق۔ واقع میں آپ نے عدم توجہ پر عمل ہی نہیں کیا بلکہ اس عدم توجہ کو ابتدا اس حیثیت سے اختیار کیا ہے کہ یہ تدبیر ہے دفع وسوسے کی تو پھر عدم توجہ کہاں ہوئی۔ عدم توجہ کے تو یہ معنی ہیں کہ اگر آئے بھی تو پروا نہ کیجائے بس عدم توجہ کے بعد اسکا خیال بھی نہ رہے کہ وسوسہ کیوں ہوا۔

حال۔ اس بے چینی کے سبب سے اوپر ۶ روز ۱۲ وقت کھانا نہیں کھایا صرف چار وقت میں آدھ پاؤ گھی میں شکر ملا کر کھالی اس سبب سے کہ دماغ میں خشکی نہ ہو جاوے پہلے تو کچھ بھوک معلوم ہوئی بعد کو بھوک بھی نہیں معلوم ہوئی اس کیفیت میں بعض اوقات اپنا منہ پیٹ لیتی ہوں سینہ پر گھونسہ مارتی ہوں بعض وقت خیال ہوتا ہے کہ میری ان قلبی حالتوں کو کوئی شخص مشاہدہ کرکے اگر سخت سزا دیدے تو بہت بہتر ہو کبھی کمری کمری ہونے والے دم میں بھر آتی ہوں۔

تحقیق۔ پھر عدم توجہ کہاں رہی بلکہ یہ تو پورا اہتمام ہوا بس بالکل اسکا غم ہی نہ کرنا چاہیئے میں نے جو عدم توجہ کا مشورہ دیا ہے میرا یہ مطلب نہیں کہ اس سے جاتا رہیگا بلکہ مقصود یہ ہے کہ وسوسہ توجہ کی قابل ہی نہیں۔

حال۔ یہ حسرت ہر وقت رہتی ہے کہ ایمان ان خطرات اور حالتوں سے دو اشرا علم باقی ہے یا نہیں۔

تحقیق۔ سابق کیا معنی ترقی پر ہے البتہ آپ نے اپنے ہاتھوں رنج بڑھا رکھا ہے پھر اس رنج میں شبہات پر حالتیں ہیں ان شبہات سے قلب میں ضعف ہو گیا اور اس ضعف سے شبہات میں قوت اور کثرت ہو گئی۔ لگا ایمان میں ضعف ہے نہ خلل بلکہ ثواب ملتا ہے۔

حال۔ حضرت سے دعا کی التجا ہے۔

تحقیق۔ بجائے دفع وسوسے کے فہم کی زیادہ دعا کرتا ہوں۔

حال۔ اور علاج کی استدعا ہے۔

تحقیق۔ علاج یہی ہے جو بار بار بتلا چکا ہوں۔ اب قدر اور عمل آپ کا فعل ہے۔

حال۔ اللہ تعالیٰ سے امید ہے کہ حضرت مدظلہ کی دعا سے مجھے نفع کامل ہو جائیگا۔

تحقیق۔ نفع اسمیں منحصر نہیں کہ وسوسہ دفع ہی ہو جائے اس سے بڑا نفع یہ ہے کہ فہم درست ہو جائے۔

چھیالیسواں غریبہ در تحقیق معنی حدیث لا یقص الا امیر الخ

حال۔ ایک یہ عرض ہے کہ بندہ پیشتر وعظ نہیں بیان کرتا تھا پھر ایک مرتبہ در صورت بیکاری بیان کرنا شروع

کیا اسمیں کچھ بلکہ بھی ہوگیا کہ رعب عوام نہ ہوا اور آمد مضمون قائم رہی پھر مدرسی مل گئی۔ ملازمت کے بعد عہد
کیا کہ بامید نفع وعظ نہ کہوں گا اور طالب کو انکار نہ کروں گا اسکے علاوہ گاہے گاہے جمعہ کو بیان کرتا تھا۔ ایک بار
حدیث میں دیکھا وعظ گوئی تین شخصوں کا کام ہے یا امیر یا مامور یا محتال اسکا قال تو خیال ہوا کہ امیر اور
مامور تو ہوں نہیں تیسری بلا سے نجات مانگتا ہوں جب سے باقتضائے طبع وعظ بیان کرنا چھوڑ دیا اسمیں اسبیل ارشاد
تحقیق - آپ مامور ہیں کیونکہ امیر کے مقابلہ میں جو مامور آیا ہے مراد اس سے مامور من الامیر ہے یعنی من نصبہ
الامیر لوعظ الناس اور قواعد شرعیہ سے ثابت ہے کہ جہاں امیر نہ ہو عامہ مسلمین جنمیں اہل حل و عقد بھی ہوں
قائم مقام امیر کے ہوتے ہیں پس اگر عامہ مسلمین کسی سے درخواست یا رغبت وعظ کی کریں اور اس شخص کے
وعظ پر اہل فہم انکار نہ کریں پس وہ شخص یقیناً مامور ہے آپ وعظ بدستور جاری رکھئے ۔

سینتالیسواں غریبہ در تحقیق معنی اشراف النفس

حال - ایک بات یہ دریافت طلب ہے کہ ایک درزی کا میں نے آنکھ کا علاج کیا اس نے ایک چھتری دینے
کا وعدہ کیا تھا لیکن ابھی اس نے نہیں دی تھی کہ میں نے بوجہ ضرورت ایک پرانی چھتری پر غلاف نیا چڑھوالیا
جس سے وہ مثل نئی کے ہوگئی اور ایک دوسری پرانی چھتری پر پرانے غلاف کی درست کرلی وہ . . . . .
کیلئے ہوگئی اسکے بعد وہ نئی چھتری نہایت خوبصورت لایا مجھے اسکے دیکھتے ہی خوشی ہوئی اور چھتری
دی لیلی یہ اشراف نفس ہوا یا نہیں میں نے تو یہ بھی چاہا تھا کہ کسی کو دیدوں مگر گھر میں کہا کہ تمہاری چھتری آخر
پرانی ہے اور . . . . کی چھتری بالکل پرانی ہے اسکو پڑا رہنے دو ۔
تحقیق اشراف مطلق انتظار یعنی احتمال کو نہیں کہتے بلکہ خاص اس انتظار کو جسکے یہ آثار ہوں کہ اگر نہ ملے
تو قلب میں کدورت ہو اسپر غصہ آئے اور اس درجہ کا اشراف بھی اہل توکل کے لئے مذموم ہے اور اہل حرفہ
کیلئے مذموم نہیں مثلاً طبیب کیلئے یہ نقص نہیں ہے ۔

اڑتالیسواں غریبہ در مدلولیت ثبوت اقطاب و اہل خدمت از قرآن و حدیث

سوال - یہ جو کہا جاتا ہے کہ فقراء منجانب قطب وقت ہر مقام پر متعین ہوتے ہیں اور ان کے سپرد نظم ونسق ہوتا ہے
اسکا ثبوت قرآن شریف و حدیث شریف سے ہے یا غلط ہے براہ کرم مطلع فرمائیے کیونکہ سلف سے شاہ ولایت

اور صاحب خدمت مقرر ہوتے ہیں اور ان کے تبادلے بھی ہوا کرتے ہیں جیسا کہ حکام کا تبادلہ ہوتا ہے ۔

الجواب ۔ کیا یہ قول مشہور قرآن و حدیث کے خلاف ہے یعنی کہیں قرآن و حدیث نے اسکا انکار کیا ہے ۔ اگر خلاف نہیں ہے تو پھر کیا موافقت کے ڈھونڈنے کی ضرورت ہے کیا تاریخی واقعات سب قرآن و حدیث میں مذکور ہیں اگر نہیں ہیں تو کیا محض اس بنا پر ان کی تکذیب واجب یا جائز ہے ۔ اور یہ جواب علی سبیل التنزل ہے ورنہ مبصر و منصف کیلئے اصل جواب اور ہے جسکی اصل حضرت خضر علیہ السلام کا قصہ ہے ۔ والعاقل تکفیہ الاشارۃ

اونچاسواں غریبہ در تحقیق توہم حجاب بہ بعض طاعات

حال ۔ اس میں (یعنی تصانیف میں) جسقدر مشغول ہوتا ہوں نسبت کو ضعف ہوتا جاتا ہے ۔

تحقیق ۔ اس ضعف کی حقیقت التفات الی المقصود کا بواسطہ ہونا ہے اسکے مقابلہ میں جو قوت ہے وہ التفات بلا واسطہ ہے جیسے محبوب کا مشاہدہ بواسطہ آئینہ کے کہ بار بار دل بیقرار ہوتا ہے کہ آئینہ کی طرف پشت کرکے مگر بلا واسطہ آئینہ کے محبوب کو دیکھ لوں لیکن اگر محبوب کی رضا اور امر کسی وقت وہی مشاہدہ بواسطہ ہو تو عاشق کو قرب اسی مشاہدہ بواسطہ میں ہوگا اگرچہ لذت انکشاف کی مشاہدہ بلا واسطہ میں زیادہ ہے پس جب نسبت و تعلق خاص اس مشاہدہ بلا واسطہ کو سمجھا اسکو شبہ ہوگا مشاہدہ بواسطہ میں ضعف تعلق کا ۔ والا فالامر بالعکس میں ہمیشہ سے وجداناً یہی سمجھتا ہوں کہ حدیث میں جو ہے انہ لیغان علی قلبی وہ غین یہی توجہ الی الخلق للارشاد ہے کہ وہ عین توجہ الی الحق بواسطہ مرآۃ الخلق ہے کہ عاشق بے صبری طبعی سے اسکو حجاب سمجھتا ہے ۔

پچاسواں غریبہ در مفاسد اہتمام امور غیر اختیاریہ تحصیلاً یا ازالۃً

منجملہ موانع طریق سلوک کے دو امر خاص ہیں جو اسقدر کثیر الوقوع ہیں کہ شاید ہی کوئی سالک ان میں مبتلا ہونے سے بچا ہو بلکہ اہل علم بھی ان میں مبتلا ہیں ۔ ان میں سے ایک تو یہ ہے کہ بعض امور غیر اختیاریہ کی تحصیل کی فکر میں پڑجاتے ہیں جیسے ذوق و شوق و استغراق و لذت و یکسوئی و دفع خطرات و سوزش و انجذاب و عشق طبعی و امثالہا اور ان امور کو ذکر و شغل و مجاہدہ کے ثمرات سمجھ جاتے ہیں اور ان کے حاصل نہ ہونیکو حرمان سمجھتے ہیں ۔ اور دوسرا یہ ہے کہ بعض امور غیر اختیاریہ کے ازالہ کے اہتمام میں لگجاتے ہیں جیسے قبض و ہجوم خطرات اور دل نہ لگنا یا کسی آدمی یا مال کی طبعی محبت یا شہوت یا غضب طبعی کا غلبہ یا قلب میں رقت نہ ہونا یا رونا نہ آنا یا کسی دنیوی غم کا غلبہ یا کسی دنیوی

خوف کا غلبہ و اشالہا اور ان امور کو طریق کے لئے مضر اور مقصود سے مانع سمجھتے ہیں اور ان کے زائل نہ ہونیکو موجب بُعد عن اللہ سمجھتے ہیں۔ یہیں وہ دو امر جنمیں عام طور پر اہل سلوک مبتلا ہیں۔ اور امر مشترک ان دونوں امر میں یہ امر ہے کہ امور غیر اختیاریہ کے درپے ہوتے ہیں تحصیلاً یا ازالۃً اور امور غیر اختیاریہ کے درپے ہونا مشتمل ہے متعدد مفاسد پر۔ ایک مفسدہ یہ ہے اور یہ اعتقادی مفسدہ ہے کہ در پردہ اس میں حق تعالیٰ کے ارشاد لَا یُکَلِّفُ اللّٰہُ نَفْسًا اِلَّا وُسْعَهَا کی مزاحمت ہے کیونکہ جب یہ امر غیر اختیاریہ ہیں تو انسان کی وسع میں نہ ہوئے نہ تحصیلاً نہ ازالۃً کیونکہ قدرت ضدین سے متعلق ہوتی ہے تو جس چیز کی تحصیل اختیار میں نہیں اس کا ازالہ بھی اختیار میں نہیں۔ اسی طرح جس چیز کا ازالہ اختیار میں نہیں اسکی تحصیل بھی اختیار میں نہیں بس جب یہ انسان کی وسع میں نہ ہوئے اور سالک نے ان کی تحصیل یا ازالہ کو موقوف علیہ مقصود مامور بہ کا سمجھا اور ظاہر ہے کہ مامور بہ کا موقوف علیہ مامور بہ ہوتا ہے تو اس نے ان امور کی تحصیل یا ازالہ کو مامور بہ سمجھا اور مامور بہ کیلئے وسع کا شرط ہونا نص سے ثابت ہے اور یہ وسع میں ہیں نہیں تو گویا یہ معتقد ہوا اس امر کا کہ مامور بہ کیلئے وسع شرط نہیں تو صریح مزاحمت ہوئی ارشاد لَا یُکَلِّفُ اللّٰہُ نَفْسًا اِلَّا وُسْعَهَا کی اور یہ کتنی بڑی غلطی ہے۔ دوسرا مفسدہ یہ ہے اور یہ عملی مفسدہ ہے کہ جب یہ امور اختیاری نہیں تو کوشش کرنے سے نہ حاصل ہوں گے اور نہ زائل ہوں گے اور یہ تحصیل و ازالہ کیلئے کوشش کریگا جب کامیابی نہ ہوگی تو روز بروز پریشانی ہی بڑھے گی پھر اس پریشانی کے یہ آثار محتمل ہیں۔ اوّل پریشانی کے تو اتر سے کبھی بیمار ہو جاتا ہے پھر بیماری میں بہت سے اوراد و طاعات سے محروم رہجاتا ہے۔ ثانی۔ پریشانی و غم کے غلبہ سے بعض اوقات اخلاق میں تنگی ہو جاتی ہے اور دوسروں کو اس سے اذیت پہونچتی ہے۔ ثالث غم و فکر کے غلبہ سے بعض اوقات اہل و عیال یا دیگر اہل حقوق کے حقوق میں کوتاہی ہونے لگتی ہے اور معصیت تک نوبت پہونچ جاتی ہے۔ رابع کبھی یہ پریشانی اس حد تک پہونچ جاتی ہے کہ مقصود سے مایوس ہو کر خودکشی کر لیتا ہے اور خسر الدنیا والآخرۃ کا مصداق بنتا ہے۔ خامس کبھی مایوس ہو کر اعمال و طاعات کو بیکار سمجھکر سب چھوڑ بیٹھتا ہے اور طاعت و تعطل محض کی نوبت پہونچ جاتی ہے۔ سادس کبھی شیخ سے بداعتقاد ہو جاتا ہے کہ مقصود کا راستہ خود ان ہی کو معلوم نہیں۔ سابع کبھی حق تعالیٰ سے ناراض ہو جاتا ہے کہ ہم اتنی کوشش و مجاہدہ کر رہے ہیں مگر کامیابی ہی نہیں ہوتی ذرا رحمت نہیں فرماتے بالکل توجہ نہیں ہے خدا جانے وہ تمام وعدے کہاں گئے وَالَّذِیْنَ جَاهَدُوْا فِیْنَا لَنَهْدِیَنَّهُمْ سُبُلَنَا الآیہ اور مَنْ تَقَرَّبَ اِلَیَّ شِبْرًا تَقَرَّبْتُ اِلَیْهِ ذِرَاعًا الحدیث تو نعوذ باللہ نصوص کی صریح تکذیب کرنے لگتا ہے۔ نعوذ باللہ من الحور بعد الکور۔

اکیاونواں غریبہ در تحقیق متعلق کرامت

مسئلہ اوّل - جاننا چاہیئے کہ خلاصہ کلام محققین کا اس باب میں یہ ہے کہ کرامت اُس امر کو کہتے ہیں جو کہ نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام کے کسی متبع کامل سے صادر ہو اور قانون عادت سے خارج ہو پس اگر وہ امر خلاف عادت نہ ہو تو کرامت نہیں ہے اور جس شخص سے وہ امر صادر ہوا ہے اگر وہ کسی نبی کا متبع اپنے کو نہیں کہتا وہ بھی کرامت نہیں ہے جیسے جوگیوں ساحروں وغیرہم سے عجائب امور ایسے سرزد ہو جاتے ہیں اور اگر وہ شخص مدعی اتباع کا تو ہے مگر واقع میں متبع نہیں ہے خواہ اصول میں خلاف کرتا ہو جیسے اہل بدعت یا فروع میں جیسے فاسق فاجر اس سے بھی اگر ایسا امر صادر ہو تو وہ بھی کرامت نہیں ہے بلکہ استدراج ہے جسکا ضرر یہ ہے کہ یہ شخص بوجہ خرق عادت کے اپنے کو کامل سمجھتا ہے اور اس دھوکہ میں کبھی حق کے طلب کرنے اور اتباع کرنے کی کوشش نہیں کرتا نعوذ باللہ کسقدر خسران عظیم ہے۔ پس کرامت اُسوقت کہلائیگی جبکہ اُس فعل کا صدور مومن متبع سنت کامل التقویٰ سے ہو۔ اب ہماری زمانہ میں جس شخص سے کوئی فعل عجیب سرزد ہو جاتا ہے اُسکو غوث قطب قرار دیتے ہیں خواہ اس شخص کے کیسے ہی عقائد ہوں اور کیسے ہی اعمال واخلاق ہوں یہ بہت بڑی غلطی ہے۔ بزرگوں نے تصریح فرمائی ہے کہ اگر کسی شخص کو ہوا میں اڑتا ہوا یا پانی پر چلتا ہوا دیکھو گر شریعت کا پابند نہ ہو تو اسکو بالکل ہیچ سمجھو اور **جاننا چاہیئے** کہ کرامت کیلئے نہ اُس ولی کو اُس کا علم ہونا ضروری ہے اور نہ اُسکے متعلق قصد کا متعلق ہونا ضروری ہے اور احیاناً علم ہوتا ہے اور قصد نہیں ہوتا اور کبھی علم اور قصد دونوں امر ہوتے ہیں۔ اس بنا پر کرامت کی تین قسمیں ٹھہریں **ایک قسم** وہ جہاں علم بھی ہو اور قصد بھی ہو جیسے نیل کا جاری ہونا حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے فرمان مبارک سے اور **دوسری قسم** وہ جہاں علم ہو اور قصد نہ ہو جیسے حضرت مریم علیہا السلام کے پاس بے فصل میووں کا آجانا۔

تیسری قسم وہ جہاں نہ علم ہو نہ قصد جیسے حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کا مہمانوں کیساتھ کھانا کھانا اور کھانے کا دوچند اور سہ چند ہو جانا چنانچہ خود حضرت ابوبکر رض کو تعجب ہوا جس سے اُنکے علم و قصد کا پہلے سے متعلق نہ ہونا ثابت ہوتا ہے۔ اور ایک احتمال حصر عقلی میں سے خلاف واقع ہے کہ قصد ہو اور علم نہ ہو کیونکہ بدون علم قصد ممکن نہیں اور لفظ تصرف و ہمت کا صرف قسم اول پر اطلاق کیا جاتا ہے قسم ثانی و ثالث کو تصرف نہیں کہتے البتہ برکت و کرامت کہلاتی ہیں"

اور جاننا چاہئے کہ ایک اور اعتبار سے کرامت کی دو قسم ہیں ایک حسّی ایک معنوی۔
عام لوگ اکثر حسّی کو جانتے ہیں اور اسی کو کمال شمار کرتے ہیں جیسے ما فی الضمیر پر مطلع ہو جانا۔ پانی پر چلنا۔ ہوا پر اُڑنا وغیرہ اور خواص کے نزدیک بڑا کمال کرامت معنوی ہے یعنی شریعت پر مستقیم رہنا مکارم اخلاق کا خوگر ہو جانا۔ نیک کاموں کا پابندی و بے تکلفی سے صادر ہونا۔ حسد و کینہ و دیگر صفات مذمومہ سے قلب کا پاک ہو جانا۔ کوئی سانس غفلت میں نہ گذرنا۔ یہ وہ کرامت ہے جس میں استدراج کا احتمال ہی نہیں بخلاف قسم اول کے کہ اسمیں یہ احتمال موجود ہے اسی واسطے کاملین صدور کرامت کے وقت بہت ڈرتے ہیں کہ یہ استدراج نہ ہو یا خدانخواستہ اس سے نفس میں عُجب نہ پیدا ہو جاوے یا اس کی وجہ سے عوام میں شہرت و امتیاز پیدا ہو کر موجب ہلاکت ہو بلکہ بعض نے فرمایا ہے کہ بعض اولیاء نے مرتے وقت تمنا کی ہے کہ کاش دنیا میں ہماری کوئی کرامت صادر نہ ہوتی تاکہ اس کا عوض اور اجر بھی آخرت میں ملتا کیونکہ یہ امر مقرر ہے کہ جسقدر دنیا میں کسی نعمت میں کمی رہے گی اُس کا بدلہ آخرت میں عنایت ہوگا۔
اور جاننا چاہئے کہ بعض علماء نے کرامت کی قوت ایک حد خاص تک معین کی ہے اور جو امور نہایت عظیم ہیں جیسے بدون والد کے اولاد پیدا ہونا۔ یا کسی جماد کا حیوان بن جانا یا ملائکہ کا باتیں کرنا اس کا صدور کرامت سے ممتنع قرار دیا ہے۔ مگر محققین کے نزدیک کوئی حد نہیں کیونکہ وہ فعل پیدا کیا ہوا اللہ تعالیٰ کا ہے صرف ولی کے ہاتھ پر اس کا ظہور ہو گیا ہے واسطے اظہار کرامت و قرب و مقبولیت اُس ولی کے۔ سو اللہ تعالیٰ کی قدرت کی جب کوئی حد نہیں پھر کرامت محدود کیسے ہو سکتی ہے۔ رہا یہ شبہ کہ معجزہ کے ساتھ مساوات لازم آنیکا احتمال ہے۔ اسکا جواب یہ ہے کہ جب صاحب کرامت خود کہتا ہے کہ میں نبی کا غلام ہوں تو جو کچھ اُس سے ظاہر ہوا ہے بہ تبعیت اس نبی کے ہے استقلالاً نہیں جو اس شبہ کی گنجایش ہو۔ البتہ جس خرق عادت کی نسبت نبی کا ارشاد ہو کہ اسکا صدور مطلقاً محال ہے وہ بطور کرامت کے سرزد نہیں ہو سکتی۔ جیسے قرآن مجید کا مثل لانا۔
اور جاننا چاہئے کہ بزرگوں نے فرمایا ہے کہ اپنی کرامت کا اخفاء واجب ہے مگر جہاں اظہار کی ضرورت ہو یا غیب سے اذن ہو۔ یا حالت اسقدر غالب ہو کہ اسمیں قصد و اختیار باقی نہ رہے یا کسی طالب حق و مرید کا یقین قوی کرنا مقصود ہو وہاں جائز ہے۔
اور جاننا چاہئے کہ بزرگوں نے فرمایا ہے کہ بعض اولیاء کاملین کا مقام غلبۂ عبودیت و رضا کا ہوتا ہے اسلئے کسی شے میں وہ تصرف نہیں کرتے اسوجہ سے اُن کی کرامتیں نہیں معلوم ہوتیں اور بعضوں کو قوت تصرف ہی

عنایت نہیں ہوتی تسلیم و تفویض ہی انکی کرامت ہوتی ہے اس سے معلوم ہوا کہ ولایت کیلئے کرامت کا وجود یا ظہور ضروری نہیں

اور جاننا چاہیئے کہ بعض اولیاء اللہ سے بعد انتقال کے بھی تصرفات و خوارق سرزد ہوتے ہیں اور یہ امر معنیً حد تواتر تک پہنچ گیا ہے۔

اور جاننا چاہیئے کہ کرامت کیلئے یہ بھی شرط ہے کہ اسباب طبعیہ سے وہ اثر پیدا نہ ہوا ہو خواہ وہ اسباب جلی ہوں یا خفی۔ اس مقام پر لوگوں کو دو غلطیاں واقع ہو جاتی ہیں بعض تو مطلق عجیب امور کو کرامت سمجھ گئے اور عامل کو معتقد کمال بنجاتے ہیں آج کل اس قسم کے بہت قصے واقع ہوئے ہیں مسمریزم۔ تسخیر جن حاضرات ہمزاد کا عمل۔ عملیات و نقوش۔ طلسمات۔ وشعبدات۔ تاثیرات عجیبہ۔ ادویات۔ سحر چشم بندی وغیرہ کہ ان میں بعض کے آثار تو محض خیالی ہیں اور بعض کے واقعی بھی ہوں تو اسباب طبعیہ خفیہ سے مربوط ہیں کرامت ان سب خرافات سے منزہ ہے اور بعض کرامات کو بھی قوت طبعیہ پر محمول کر کے سب کو ایک لکڑی ہانکتے ہیں صاحب بصیرت طالب حق کو ذائق تو یہ سے بنظر انصاف فرق معلوم ہو جاتا ہے کہ اس فعل میں قوی طبعیہ کو دخل ہے یا محض قوت قدسیہ ہے یا کسی قوت کو بھی دخل نہیں محض کائن عن الغیب ہے"۔

اور جاننا چاہیئے کہ جس فعل کا ظاہری قوی سے کرنا ممنوع ہے جیسے کسی بیگناہ کو قتل کرنا یا کسی کے قلب پر زور ڈالکر اس سے کچھ روپیہ لے لینا۔ یا کسی کا راز پنہانی معلوم کرنا یا قصداً نامحرم کی طرف التفات کرنا بعض لوگ مطلقاً خرق عادت کو شعبہ ولایت کا سمجھکر ان سب تصرفات کو حلال اور داخل کرامت سمجھتے ہیں۔

اور جاننا چاہیئے کہ ولی سے احیاناً کوئی امر ناجائز صادر ہو جانا بشرطیکہ اس پر اصرار نہ ہو اور تنبیہ کے وقت توبہ کرنے یا کسی اختلافی مسئلہ میں غلط شق کو اختیار کرنا ولایت و کرامت میں قادح نہیں۔ یہ کل دس مسئلے اس باب کے متعلق ہیں۔

باونواں غریبہ در تحقیق طریق عشق ۵۲

سوال کبھی کبھی یہ شبہ ستاتا ہے کہ تعلیم الدین میں ترتیب سلوک اہل طریق کے نزدیک یہ تحریر فرمائی ہے۔ اول ارادہ قلبی۔ پھر تجویز شیخ کامل۔ پھر شیخ کامل ریاضت اجمالی یا تفصیلی کرائے یا اول القا نسبت کر کے پھر ریاضت کرائے الخ مگر اس سے چند سطر قبل یہ تحریر فرمایا ہے کہ کسی بزرگ کی توجہ و ہمت سے اول نسبت حاصل ہو جاتی ہے اور یہ اقرب طرق ہے اور اس زمانہ میں اکثر معمول مشائخ یہی ہے اور یہ طریق طریق عشق سے ملقب ہے۔ الخ کئی مرتبہ خطرات سے گھبرا کر مجھکو اس شبہ نے پریشان کیا کہ جب اہل اللہ کی توجہ و ہمت کو بھی اسمیں دخل ہے اور تما لیا ہماری بزرگوں کا

یہی مسلک ہو تو ایسی توجہ و ہمت کی ضرور درخواست کرنا چاہئے جس سے قلب میں نسبت و تعلق مع اللہ کا القاء اور اس تعلق مع اللہ سے حضورِ قلب حاصل ہو طاعت و نماز و ذکر میں لیکن میں نے اس پر نہ پہلے عمل کیا اور نہ اب عمل کرنے کی جرأت ہے کیونکہ مریض کو طبیب حاذق و شفیق کی تجویز میں دخل دراندازی دینے کا کیا حق ہے یہی سمجھ کر شبہ کو دفع کر دیا لیکن اگر اسکے سوا اور طرح بھی اس شبہ کو دفع فرمایا جائے تو بین عنایت ہو۔ لیطمئن قلبی۔"

(جواب) اول تو ہر زمانہ کی تحقیقات جدا ہوتی ہیں پھر ان میں اضافہ ہوتا رہتا ہے ثانیاً بعض دفعہ کلام میں اجمال ہوتا ہے پھر بعض احکام کلیہ بھی نہیں ہوتے۔ ان سب امور کے استحضار کے بعد سمجھئے کہ حاصل اس طریق عشق کا یہ ہے کہ اول انجذاب الی اللہ کے اسباب مہیا کرے یعنی انجذاب الی اللہ مراد ہے عشق سے اور اس کا مہیا کرنا یہی مراد ہے توجہ و ہمت و القاء نسبت سے اس میں ایک قید اور ہے کہ اس قصد سے مہیا کرنا اگر یہ قصد نہ ہو تو اس مہیا کرنے کو ہمت نہ کہا جائیگا۔ اور توجہ و ہمت سے مراد وہ متعارف معنی نہیں کہ مریدوں کو لیکر بیٹھا کرے اور دونوں ایک دوسرے کی طرف تمام خطرات سے خالی ہو کر متوجہ ہوں اور اسکا اثر وہی انجذاب الی اللہ ہے لقبہ ساتھ ہوا در اس انجذاب کے آثار یعنی حضورِ قلب یا تعلق یا یکسوئی وغیرہ کے بھی مدارج مختلف ہیں۔ سو یہ نہیں کہ اس القاء کیلئے ہر درجہ اس کا لازم ہو۔

سوال متعلق مضمون بالا۔ پرچہ سابق میں جو حاصل طریق عشق کا تحریر فرمایا ہے وہ احقر کی سمجھ میں نہ آیا ..... صاحب اور مولوی ..... صاحب سے بھی سمجھنے کی استدعا کی ان صاحبوں نے بھی یہی عذر کیا کہ ہماری سمجھ میں بھی نہیں آیا لہذا اس کی شرح و توضیح کا اُمیدوار ہوں۔

جواب توضیح بقدر ضرورت یہ ہے کہ اول انجذاب الی اللہ کے اسباب مہیا کرے جیسے کثرت ذکر یا وہ اشغال جنمیں بالخاصہ جمع خواطر و قلتہ وساوس و اشتعال حرارت کا اثر ہے یا جن پر عشق کا طبعاً غلبہ ہو ان کی صحبت اختیار کرنا یا ایسے مضامین نثر یا نظم کا مطالعہ میں رکھنا اور اسکے ساتھ غذا میں تقلیل کرنا جس سے گرانی و کسل ہو اور نہ ضعف ہو۔ یہ اسباب ہیں انجذاب کے اسی انجذاب کا نام عشق ہے اور اس کے اسباب کا قصداً جمع کرنا توجہ و ہمت کہلاتا ہے اور اس توجہ و ہمت کیساتھ طالب و شیخ دونوں متصف ہو سکتے ہیں یعنی طالب نے اگر جمع کیا تو یہ کہا جاوے گا کہ اس نے توجہ و ہمت کی اور اگر شیخ اس جمع کا طالب کیلئے اہتمام کرتا رہا اور وقتاً فوقتاً طالب کو اس کا لکر کرتا رہا تو کہیں گے کہ شیخ نے ہمت و توجہ کی اور القاء نسبت بھی کہلاتا ہے مگر اسکے ساتھ صرف شیخ ہی متصف ہو سکتا ہے جسکا ایک طریق یہ بھی ہے کہ اپنی قوت خیالیہ سے طالب میں کسی اثر کے پیدا ہونیکا قصد کرے اور اگر یہ اسباب عملاً جمع کر دے

گئے لیکن مقصود اس جمع سے یہ تھا کہ یہ انجذاب پیدا ہو تو اسکو ہمت نہ کہیں گے گو اتفاقاً اسپر کبھی انجذاب مرتب
بھی ہو جاوے اور یہ جو کہا ہے کہ مراد وہ متعارف معنی نہیں مطلب یہ ہے کہ یہ اسمیں منحصر نہیں باقی یہ بھی ایک طریق ہے
جیسا اوپر مذکور کیا گیا اور اس میں کچھ مفاسد غالباً بھی ہیں اسلئے بعض محققین متبعین سنت نے ترک کر دیا ہے اور اس مذکور
جمع اسباب کا اثر جو انجذاب الی اللہ ہے یہ اثر ہر شخص میں مختلف درجہ میں بقدر استعداد پیدا ہوتا ہے یہ نہیں کہ ہر
شخص میں سوزش و شورش و اضطراب و التہاب ہی کے رنگ میں پیدا ہو۔ ہاں گاہے ایسا بھی ہو جاتا ہے باقی نفس
انجذاب سب میں ہوتا ہے خواہ قوی خواہ ضعیف اور یہ انجذاب طبعی ہوتا ہے اور اسی قید سے یہ طریق ایک قسم مستقل ہے
جو مقابل ہے طریق عمل و سلوک کا ورنہ مطلق انجذاب تو طریق عمل میں بھی ہوتا ہے اگرچہ وہ عقلی و اعتقادی ہوتا ہے
اسی طرح اس انجذاب مذکور کے جو آثار ہیں تعلق و یکسوئی وغیرہ یہ سب انجذاب کیلئے لازم ہیں مگر یہ نہیں کہ ان آثار کا
درجہ اس انجذاب کیلئے لازم ہو بلکہ اسمیں بھی استعداد کے اختلاف سے اختلاف ہو جاتا ہے یعنی یہ تعلق و یکسوئی
کبھی قوی درجہ کی ہوتی ہے کبھی ضعیف درجہ کی جب ضعیف درجہ ہوتا ہے تو طالب غیر مبصر سمجھتا ہے کہ مجھکو
تعلق و یکسوئی نصیب نہیں ہوئی اور بقاعدہ انتفاء اللازم یستلزم انتفاء الملزوم سمجھتا ہے کہ مجھکو انجذاب بھی
حاصل نہیں ہوا اور اس سے یاس کا غلبہ ہو جاتا ہے جو کہ طریق کیلئے سم ہے اور اس تحقیق کے استحضار سے حقیقت واضح
ہو گی اور یاس سے محفوظ رہیگا۔

تریپنواں ۵۳ غریبہ در تحقیق آمد و آورد وساوس

سوال حضور کا ارشاد ہے...... کہ خیالات فاسدہ کا آنا مضر نہیں ہے لانا مضر ہے بعض دفعہ ایسی حالت
ہو جاتی ہے کہ میں یہ نہیں سمجھ سکتا کہ یہ خود آئے ہیں یا میں لایا ہوں۔ ملتبس حالت ہو جاتی ہے کوئی معیار بتلا دیا
جاوے جس سے ایسی حالت میں فرق یقینی طور پر سمجھ لیا کروں۔

جواب معیار کی حاجت نہیں جب آمد و آورد میں شک ہوا اور ادنیٰ درجہ یقینی ہے تو الیقین لا یزول بالشک
اسکو آمد ہی سمجھنا چاہئے۔

چونواں ۵۴ غریبہ در احکام اقسام استعانت بالمخلوق

سوال طریق الاربعین یعنی چلہ میں حضرت حاجی صاحب رحمۃ اللہ علیہ ضیاء القلوب صفحہ ۵۵ میں تحریر فرماتے ہیں

استعانت و استمداد از ارواح مشائخ طریقت بواسطہ مرشد خود کردہ الخ استعانت و استمداد کے الفاظ دیکھ کر کھٹکتے ہیں غیر اللہ سے استعانت و استمداد بطریق جائز کس طرح کرتے ہیں خالی الذہن ہونگی تاویل و توجیہ بالکل جی کو نہیں لگتی ایسی بات ارشاد ہو جس سے قلب کو تشویش نہ رہے۔

الجواب۔ جو استعانت و استمداد بالمخلوق باعتقاد علم و قدرت مستقل مستمد منہ ہو شرک ہے اور جو باعتقاد علم و قدرت غیر مستقل ہو مگر وہ علم و قدرت کسی دلیل صحیح سے ثابت نہ ہو معصیت ہے اور جو باعتقاد علم و قدرت غیر مستقل ہو اور وہ علم و قدرت کسی دلیل سے ثابت ہو جائز ہے خواہ وہ مستمد منہ حی ہو یا میت اور جو استمداد بلا اعتقاد علم و قدرت ہو نہ مستقل نہ غیر مستقل پس اگر طریق استمداد مفید ہو تب بھی جائز ہے جیسے استمداد بالنار والماء والوقعات التاریخیہ ورنہ لغو ہے۔ یہ کل پانچ قسمیں ہیں پس استمداد ارواح مشائخ سے صاحب کشف الارواح کیلئے قسم ثالث ہے اور غیر صاحب کشف کیلئے محض ان حضرات کے تصور اور تذکرہ سے قسم رابع ہے کیونکہ اچھے لوگوں کے خیال کرنے سے اُن کو اتباع کی ہمت ہوتی ہے اور طریق مفید بھی ہے اور غیر صاحب کشف کیلئے بدون قصد نفع تذکرہ و تصور قسم خامس ہے۔ ۱۸ ذیقعدہ ۱۳۳۲ھ۔

پچپنواں غریبہ در تحقیق مجاہدۂ ثانیہ

حال۔ علاوہ ازیں عرض یہ ہے کہ پچھلی حالت جس میں توجہ الی اللہ زیادہ تھی ان ایام میں تقاضائے معصیت بہت مغلوب تھا اور ایک گونہ جمعیت اور سکون اور یکسوئی حاصل تھی لیکن اب وہ حالت نہیں رہی تقاضائے معصیت کا بعض وقت بہت غلبہ ہوتا ہے اور وہ پہلی یکسوئی نہیں رہی؎

مرغ دل را صید جمعیت بدام افتادہ بود ۔۔۔ زلف بکشادی و باز از دست شد نخچیر ما

اور معاصی کے غلبہ کی یہ حالت ہے؎

فغاں از بدیہا کہ در نفس ماست ۔۔۔ کہ ترسم شود ظن ابلیس راست

اس حالت سے جی بہت گھٹتا ہے اور جان گھٹی جاتی ہے حضور کیلئے دعائے استقامت علی صراط مستقیم فرماویں ورنہ یہاں کچھ حال نہیں ع چہ برخیزد از دست و تدبیر ما۔

تحقیق۔ یہ وقت مجاہدۂ ثانیہ کا بعد فراغ مجاہدۂ اولیٰ کے اور یہی ہے جسکے نہ جاننے سے ایک سالک جاہل کو شبہ رجعت کا ہو جاتا ہے اور بعض اوقات مایوس ہو کر نوبت تعطل کی آجاتی ہے حالانکہ یہ کمال سلوک کے

لوازم عادیہ سے ہے حقیقت اسکی یہ ہے کہ ابتدا میں جوش کی زیادتی سے امور طبعیہ مغلوب ہو جاتے ہیں تو توسط یا انتہا میں جوش کم ہونیسے وہ امور طبعیہ پھر عود کرتے ہیں کیونکہ ان کا زوال نہیں ہوتا صرف مغلوب ہو گئے تھے اس عود کے وقت پھر مجاہدہ کی ضرورت ہوتی ہے لیکن اس مجاہدہ میں تعب و کشاکشی کم ہوتی ہے لرسوخ الملکۃ فی النفس گو عزم و توجہ و ہمت و ضبط کی حاجت ہوتی ہے "

۵۶ چھپنواں غریبہ در رفع اشکال متعلق بآیت لقطعنا منہ الوتین

سوال - ایک شبہ قوی میں مبتلا ہوں تفسیر بیان القرآن میں آیہ لقطعنا منہ الوتین کی تفسیر میں مذکور ہے (مدعی نبوت) یا ہلاک ہوتا ہے یا ظہور کذب سے رسوا و ذلیل ہوتا ہے اس سے معلوم ہوا کہ قطع وتین عام ہے سو ہلاک سے کیا مراد ہے - اگر موت ہے تو معتاد ہے یا غیر معتاد در صورت اول کوئی خصوصیت نہیں در صورت ثانی قادیانی کو گنجایش ہے کیونکہ مرزا ہیضہ سے مرا تھا - اگر کہا جاوے کہ آیت مغلوبیت فی الحجہ کو بھی شامل ہے جیسا کہ تتمہ امداد الفتاوی سے ظاہر ہے تو کلام ذرا اکثر و معلوم ہوتا ہے کیونکہ ہر فریق صادق ہونیکا قائل ہے - اور سورہ احقاف کی آیت ام یقولون افتراہ الخ کی تفسیر سے ظاہر ہے کہ عقاب آسمانی مراد ہے اور جملہ اگر اتنے روز تک عقاب نازل نہونیسے لزوم پر شبہ ہو الخ اسی پر دال ہے - امید قوی ہے کوئی تسکین ارشاد ہو -

الجواب - عبارت تفسیر کی ناتمام نقل کی گئی پوری عبارت یہ ہے - یہ کنایہ ہے اہانت سے لفظاً یا حجۃً یعنی جھوٹا مدعی نبوت مؤید بالحجہ نہیں ہوتا بلکہ یا ہلاک ہوتا ہے یا ظہور کذب سے رسوا و ذلیل ہوتا ہے پس مطلق اہانت کو اخذ یمین و قطع وتین سے تشبیہاً تعبیر فرما دیا گیا کما فی الخازن فکان کمن قطع وتینہ - اس سے معلوم ہو گیا کہ قطع وتین بنفسہ عام نہیں بلکہ خاص ہے اہانت کیساتھ پھر اہانت خواہ عام ہوا ور اس کے واسطے خواہ قطع وتین کا عموم لازم آجاوے اور ہلاک سے مراد ہلاک غیر معتاد ہے اور مرزا کے ہیضہ میں مرنیسے اس وقت گنجایش ہوتی جب بالتعیین ہلاک غیر معتاد ہی کو لازم دعوی کاذب کا کہا جاتا اب تو لازم احد الامرین ہے بطور مانعۃ الخلو یا ہلاک یا مغلوبیت فی الحجہ - اور اصل لازم یہی ہے اور حجۃ سے مراد معجزہ ہے یعنی مدعی کاذب سے معجزہ صادر نہیں ہوتا کما صرحوا - اور عدم صدور معجزہ عن القادیانی ظاہر ہے - یہ تو حل ہے عبارت تفسیر کا جسکے صحیح نہ سمجھنے سے سوال پیدا ہوا - اب ایک مستقل فائدہ عرض کرتا ہوں وہ یہ کہ یہ حکم قطع وتین کا احتمال تحقیق نبوت تک ہے کہ اسکے مرتب نہونے سے خلق کو اشتباہ ہوتا اور جب یہ احتمال قطع ہو جاوے جیسا

اب ایک نبی سو دیا لیجی کی نص سے انقطاع نبوت ثابت ہوچکا اب قطع وتین کا ہونا معز اور موجب استبعاد نہیں ہو سکتا پس قطع وتین بھی لازم نہیں اور تتمہ کی عبارت پیش کیجاوے تو اسکے متعلق عرض کیا جاسکتا ہے۔ بکم ۲۲ محرم ۵۷ھ

ستاونواں غریبہ در استفاضہ از اموات فی تحقیق سلب نسبت

سوال۔ حضرت کی تالیفات میں کہیں دیکھا ہے کہ صاحب نسبت کے مزار پر جانے سے اتنا فائدہ ہوتا ہے کہ نسبت میں قوت اور ترقی باطنی ہوتی ہے۔ نسبت میں قوت اور ترقی ہونے سے کیا مطلب بحالت حیات تو اہل اللہ سے یہ نفع ہوتا ہے کہ وہ اپنی قوت علمیہ عملیہ حالیہ سے طالب کو مستفیض کرتے ہیں۔ اس سے یہ فائدہ ہوتا ہے کہ اعمال ظاہری باطنی میں طالب کی قوت و ترقی اور اعمال حسنہ کی توفیق ہوجاتی ہے اور اخلاق ظاہری باطنی سب درست ہوجاتے ہیں اور میرے خیال ناقص میں بعد ممات کے استفاضہ روحانی اس طور سے ہو نہیں سکتا کیونکہ وہ مثل زندہ بزرگ کے اپنے اعمال ظاہرہ باطنہ سے استفاضہ پہونچانے سے معذور ہوتے ہیں پھر یہ روحانی استفاضہ کس نوع کا حضرات اہل اللہ کرتے ہیں اور اسکا احساس صاحب نسبت کو جبکہ صاحب کشف بھی نہو کس نوع کا ہوتا ہے۔

الجواب۔ اعمال سے جو احوال حاصل ہوتے ہیں جیسے محبت خشیت وغیرہا یہ کبھی غیر راسخ ہوتے ہیں کبھی راسخ اور راسخ ہونے کے اسباب مختلف ہوتے ہیں کبھی تعلیم کبھی دعا کبھی صحبت کو صاحب صحبت کا قصد بھی نہو جیسے آگ کی مصاحبت سے پانی گرم ہوجاتا ہے اور یہ صحبت جیسے حیات کی نافع ہوتی ہے اسی طرح اموات کی بھی جبکہ دونوں کی روح میں مناسبت ہو جو کہ شرط فیض ہے پس جبکہ صاحب مزار صاحب نسبت ہو اور زائر بھی صاحب نسبت ہو اور دونوں کی نسبت میں تناسب ہو اس سے زائر کے احوال حاصلہ میں رسوخ و استحکام ہوجاتا ہے اسی کو ترقی و قوت سے تعبیر کیا جاتا ہے اور نسبت کا رسوخ و صلابت ہونے کے سبب وجدان سے مدرک بھی ہوجاتا ہے۔

سوال۔ اور اہل اللہ کی قبر سے استفاضہ حاصل کرنے کا بطور صوفیہ کیا طریقہ ہے اور ان کے مزار پر حسن اتفاق سے اگر جانا ہو گیا تو کیا کرنا چاہئے تاکہ ان کے فیضان روحانی سے طالب مستفیض ہو۔

الجواب۔ اول کچھ پڑھکر بخشے پھر آنکھیں بند کر کے تصور کرے کہ میری روح اس بزرگ کی روح سے متصل ہوگئی ہے اور اس سے احوال خاصہ منتقل ہو کر پہونچ رہے ہیں۔

سوال۔ اور دوسری تحقیق یہ ہے کہ جو صوفیہ تصرفات وغیرہ کی مشق رکھتے ہیں وہ دوسرے صاحب نسبت

کی نسبت کو کیونکر سلب کر لیتے ہیں۔

الجواب نسبت کو کوئی سلب نہیں کر سکتا وہ تو تعلق مع اللہ کا نام ہے ہاں کیفیات نفسانیہ کو ضعیف کر دیتا ہے جس سے ایک قسم کی غباوت ہو جاتی ہے بعض اوقات اسکا اثر ارادہ پر واقع ہو کر اعمال پر پہونچتا ہے یعنی اعمال میں سستی ہونے لگتی ہے لیکن اختیار سلب نہیں ہوتا اپنے قصد سے اسکی مقاومت کر سکتا ہے۔

سوال - اور اس سے ان کو کیا فائدہ ہوتا ہے۔

الجواب اکثر تو کچھ بھی نہیں بلکہ یہ معصیت ہوتی ہے ہاں احیانا کسی کیفیت کے مفرط ہونے سے بعض واجبات میں خلل ہونے لگتا ہے ایسے وقت میں اسکو ضعیف کرنے میں مصلحت ہوتی ہے۔

سوال اور بغیر مشاقی تصرفات صاحب نسبت صاحب تصرف ہو سکتا ہے یا نہیں۔

الجواب نہیں۔ البتہ بعض لوگ فطرۃ صالح للتصرف ہوتے ہیں گو صاحب نسبت بھی نہوں۔

سوال - بر جواب بالا۔ یہ بات تو معلوم ہو گئی کہ اصل نسبت جو عبارت تعلق مع اللہ سے ہے سلب کرنے سے سلب نہیں ہوتی ہے صرف کیفیات نفسانیہ ضعیف اور مضمحل ہو جاتی ہیں لیکن یہ نہ معلوم ہوا کہ اسکے ضعیف کر دینے کا کیا طریق اہل طریق کے یہاں ہے اور اگر کوئی مشاق ایسا عمل کرے تو اسکے روک دینے کی بھی کوئی تدبیر ہے کہ اس کا اثر اپنے اوپر نہ آنے دیویں تاکہ اسکے بیجا تصرف سے بچ جاوے اس سے بھی مطلع فرمائیے۔ اور اہل طریق نے جو طرق تصرفات کے کتب فن میں لکھے ہیں اسکی تحصیل صرف مشاقی پر موقوف ہے یا کچھ شرائط خاصہ اسکے ہیں اس سوال کے جواب میں کہ بغیر مشاقی صاحب نسبت صاحب تصرف ہو سکتا ہے یا نہیں تحریر فرمایا کہ نہیں البتہ بعض لوگ صالح للتصرف فطرۃ ہوتے ہیں گو صاحب نسبت نہوں اس سے معلوم ہوتا ہے کہ صاحب تصرف ہونیکے لئے صاحب نسبت ہونا ضروری نہیں ہے صرف تصرفات کی مشاقی کر لینے سے صاحب تصرف ہو جاتا ہے لیکن حضرت حاجی صاحب نے ضیاء القلوب صفحہ ۴۴ میں جہاں بعض طرق تصرفات مندرج ہیں تحریر فرمائے ہیں اما ایں تصرفات عجیبہ وغریبہ بدون حصول نسبت فنا و بقا دست نمی دہد وایں معاملات از متوسطان سلوک اکثر واقع می شوند الخ بہر کیف میری سمجھ ناقص میں آئیں اور اس تحقیق میں فرق معلوم ہوا اسلئے مکرر عرض ہے تشفی فرمائی جاوے۔

جواب ۱؎ طریق اسکا ہمت کا صرف کرنا ہے ۲؎ دوسرے کی بھی اگر ہمت قوی ہو تو اس سے روک سکتا ہے ۳؎ صرف مشاقی ۴؎ اور حضرت رحمہ اللہ تعالیٰ کے ارشاد کے معنی یہ ہیں کہ یہ تصرفات عجیبہ

وغریبہ بقید نافع فی الدین ہونے کے موقوف ہیں حصول نسبت بقا و فنا پر یعنی اشتیاقی یا قوۃ فطریہ کیساتھ یہ بھی شرط ہے اور یہ قید گو مذکور نہیں مگر بدلیل مشاہدہ نیز قواعد سے یہ حکم اسکے ساتھ مقید ہے کیونکہ سالک کا اصل مقصود یہی نفع فی الدین ہے تو سلوک کی کتاب میں یہی مراد ہوگا اور بدون اس نسبت کے نافع فی الدین نہ ہوں گے کیونکہ جو حسنات تصرف انوار سے خالی ہوگا اس سے تعدیہ نور کا کیسے ہوگا اور یا مراد بعض تصرفات عجیبہ و غریبہ سے خاص وہی ہوں گے جو سلوک کے متعلق ہیں جیسے توجہ بخشی وغیرہ اور عجیب و غریب کہنا اس کا قرینہ ہو سکتا ہے ورنہ سلب مرض وغیرہ تو اہل باطل بھی کر لیتے ہیں ایسے معمولی تصرف کو عجیب و غریب کیوں فرماتے۔ حاصل دونوں توجیہ کا متقارب ہے۔

اٹھاونواں غریبہ در رفع شبہ نامکمل شدن سلسلہ چشتیہ بنابر عدم لقا حسن بصری رح با علی رضی اللہ عنہ

سوال۔ رفع خلجان و اطمینان قلب کے لئے عرض ہے کہ حضرت امام حسن بصری رضی اللہ عنہ کی حضرت مولا علی کرم اللہ وجہہ سے لقا ثابت ہے یا نہیں غالباً امام ترمذی اسکے قائل ہیں کہ لقا ثابت نہیں اور اسماء رجال کی کتابیں بھی شاہد ہیں ایسی حالت میں حضرات چشت علیہم الرضوان کا سلسلہ نامکمل ہو جاتا ہے بحث مباحثہ و حجت تکرار مرکوز نہیں ہے صرف اپنی تحقیق کیلئے یہ عرض ہے کہ اگر حضور کو فرصت ہو تو ایسی کتابوں کا حوالہ عطا فرمایئے کہ میں ان سے دیکھ سکوں اور تحقیق کر لوں۔

الجواب۔ فی تہذیب التہذیب ترجمۃ الحسن البصری۔ قال ابن سعد ولد لسنتین بقیتا من خلافۃ عمر و نشأ بوادی القری وکان فصیحا رای علیا۔ وفیہ روی عن ابی بن کعب و سعد بن عبادۃ و عمر بن الخطاب ولم یدرکہم وعن ثوبان و عمار بن یاسر و ابی ہریرۃ و عثمان ابن ابی العاص و معقل بن سنان ولم یسمع منہم وعن عثمان و علی الخ اس میں نص ہے روایت و رویت پر اور روایت بھی بلا واسطہ ورنہ اس کیساتھ بھی ولم یدرکہم یا لم یسمع ہوتا وفیہ عن قتادۃ واللہ ما حدثنا الحسن عن بدری مشافہۃ اس سے سماع عن علی کی نفی ہوتی ہے مگر یہ بھی احتمال ہے کہ قتادہ نے کسی بدری کی روایت ان سے نہ سنی ہو۔ وفیہ سئل ابو زرعۃ ہل سمع الحسن احدا من البدریین قال رآہم رؤیۃ رای عثمان و علیا قیل ہل سمع منہما حدیثا قال لا۔ رای بالمدینۃ وخرج علی الی الکوفۃ والبصرۃ ولم یلقہ الحسن بعد ذلک

وقال الحسن رأيت الزبير يبايع عليا وقال علي بن المديني لم ير عليا الا ان كان بالمدينة وهو غلام
اس سے رویت کا اثبات و سماع کی نفی ہوتی ہے و فیہ حدثنا حماد بن زید عن ایوب قال ما حدثنا الحسن
عن احد من اهل بدر مشافهة۔ اس سے بھی نفی سماع کی ہوتی ہے۔ و فی حاشیہ من تهذیب الکمال
عن يونس بن عبيد سألت الحسن قلت يا ابا سعيد انك تقول قال رسول الله صلى الله عليه
وسلم وانك لم تدركه قال يا ابن اخي لقد سألتني عن شيء ما سألني عنه احد قبلك ولولا منزلتك
مني ما اخبرتك اني في زمان كما ترى (وكان في عمل الحجاج) كل شيء سمعتني اقول قال رسول الله
صلى الله عليه وسلم فهو عن علي بن ابي طالب غير اني في زمان لا استطيع ان اذكر عليا اه
اس سے ظاہراً روایت بلا واسطہ مفہوم ہوتی ہے گو احتمال بواسطہ کا بھی ہے مگر اس واسطہ کے ذکر نہ کرنے کی کوئی وجہ نہیں
اسلئے ظاہراً احتمال اول ہے اور اس عذر پر نظر کرتے ہوئے بقولہ ما حدثنا الحسن عن بدری مشافہۃ سے
نفی سماع پر استدلال نہ ہوگا اور اسی طرح خلافت علی رض کے ابتدا تک مدینہ میں رہنا عدم سماع کو مستبعد کرتا
ہے کیونکہ آخر خلافت عمر رض میں ولادت ہے جیسا اس وقت تک وہ بالغ یا قریب بہ بلوغ ہوتے ہیں اور غلام خاص
نہیں ہے صغیر کیساتھ تو کبیر ہو کر حدیث کا نہ سننا از بس مستبعد ہے خصوصاً جبکہ مثبت مقدم ہوتا ہے نافی پر
وفی منهاج السنة المجلد الثالث وفيها ان الحسن صحب عليا وهذا باطل باتفاق اهل المعرفة
فانهم متفقون على ان الحسن لم يجتمع بعلي وانما اخذ عن اصحاب علي اخذ عن الاحنف بن قيس وقيس
بن عباد وغيرهما عن علي وهكذا رواه اهل الصحيح اه اس سے صحبت و اجتماع کی نفی ہوتی ہے اور مراد اس سے
صحبت طویلہ و اجتماع مدید ہے بقرینہ دیگر روایات کے خلاصہ یہ ہوا کہ رویت تو بالاتفاق ثابت اور صحبت طویلہ بالاتفاق
منفی اور روایت بالسماع مختلف فیہ مگر راجح اس کا اثبات ہے پس اگر فیض باطنی کیلئے صحبت و اجتماع قصیر بھی کافی
ہو تب تو کچھ اشکال ہی نہیں اور اگر طول شرط ہو تو فیض بواسطہ ممکن ہے تو فیض بلا واسطہ کے عدم سے مطلق
فیض کا انتفا کیسے لازم آیا پس سلسلہ کا نامکمل ہونا کہاں ثابت ہوا۔ ۲۰ صفر ۱۳۳۲ھ۔

۵۹ انسٹھواں غریبہ در ابتداء وقت تہجد از بعد عشاء

سوال۔ جناب محمد علی صاحب متعلم جبت پور نے اپنے ہمشیرزادہ امام الدین صاحب سے یہ کہا کہ صرف آخر
شب میں تہجد کا پڑھنا قرآن و احادیث سے ثابت ہے اول شب میں بوقت عشاء جو تم پڑھتے ہو وہ بدعت و غیر مشروع

چھوڑ دو یہ سنکر انھوں نے اوّل شب میں نوافل تہجد کا پڑھنا موقوف کر دیا۔ علاوہ صاحب موصوف کے دوسرے لوگ بھی اکثر نوافل اوّل شب کے مانع ومعترض ومتعجب وطعن کناں ہیں لہذا دست بستہ بکمال ادب عارض ہوں کہ حکم فقہ یا حدیث متعلقہ کی نقل مرحمت ہو اور نوافل اول شب کا پڑھنا مسنون یا مستحب ہونا بوضاحت وصراحت مرقوم ہو تو تا بقید حیات غرق بحر احسان عالی رہونگا اور ان سب کو مطمئن وساکت کرونگا اور جملہ پیر بھائیوں کو بھی بغرض عمل آگاہ کرونگا۔

الجواب فی الدر المختار وصلوٰۃ اللیل الی قولہ ولو جعلہ اثلاثا فالاوسط افضل وانصافا فالاخر افضل۔ فی رد المحتار وروی الطبرانی مرفوعا لابد من صلوٰۃ بلیل ولو حلب شاۃ وما کان بعد صلوٰۃ العشاء فہو من اللیل وھذا یفید ان ھذہ السنۃ تحصل بالتنفل بعد صلوٰۃ العشاء قبل النوم اھ ص۱۵ ج ۱ اوسط واخیر کے افضل ہونے سے بھی اوّل شب میں جواز مفہوم ہوا اور طبرانی کی روایت میں اسکی صاف تصریح ہے۔ شامی نے اسمیں بسوط تقریر کی ہے۔ بہرحال یہ قول بے سند تو نہیں اگر کسی کو فضل کی ہمت نہ ہو محض ترک سے جائز ہی پر عمل کر لینا احسن ہے۔ النور ص ۱۵۵۔

سا ٹھواں غریبہ در تحقیق تجلی ذاتی یا صفاتی حق بر عرش یا ہر مکان

سوال۔ چند آدمیوں کے درمیان ایک معاملہ میں جھگڑا ہو رہا ہے۔ ایک فریق کہتا ہے کہ خدا تعالیٰ کسی مقام پر جلوہ فرما نہیں ہے وہ ہر جگہ موجود ہے اب رہا یہ کہ کیسا اور کس طرح پر یہ ہماری فہم وادراک سے باہر ہے۔ دوسرا فریق کہتا ہے کہ حق تعالیٰ عرش معلّی پر ہے جیسا کہ جا بجا قرآن سے ثابت ہوتا ہے ایک جگہ فرمایا ہے کہ مرنے پر ہم روحوں کو اپنے پاس بلا لیتے ہیں اور سونے کی حالت میں بھی مگر ایک میعاد مقررہ تک سونے والوں کی روحوں کو واپس کر دیا کرتے ہیں اس سے معلوم ہوتا ہے کہ کہیں پر جلوہ فرما ہے معراج میں رسول پاک عرش معلّی تک پہنچائے گئے اور جس وقت قریب حق تعالیٰ کے پہنچے تو آواز آئی تھی کہ ٹھہرو اسوقت رب آپکا صلوٰۃ میں مشغول ہے۔ پھر روایت میں باتیں بھی ہوئیں اس سے معلوم ہوتا ہے کہ اللہ تعالیٰ عرش معلی پر جلوہ فرما ہے۔ جبرئیل علیہ السلام وحی لاتے تھے اس سے بھی ثابت ہے کہ وہ عرش معلی پر جلوہ فرما ہے اور تمام عالم کا انتظام وہیں سے کیا کرتا ہے۔ جنتیوں کو پورا دیدار الٰہی ہوگا نہ کہ ادھر ادھر بلکہ جنت کے ایک مقام پر کہا جائیگا کہ اوپر کو سر اٹھاؤ۔ جب وہ اوپر سر اٹھائیں گے اس سے بھی ثابت ہے کہ اللہ تعالیٰ اوپر ہے یعنی عرش معلّی پر۔ اب رہی یہ بات کہ خدا حاضر وناظر ہے تو اسمیں کچھ

شک نہیں مگر حاضر وناظر سے یہ مطلب ہے کہ وہ سب دیکھ رہا ہے اور سب سن رہا ہے جس طرح کوئی پاس کا بیٹھا ہوا آدمی
دیکھتا اور سنتا ہے بلکہ اللہ تعالیٰ دلوں کے بھید تک سے واقف ہے جواب صاف وانہ فرمائیے تاکہ بے علم کی بھی سمجھ میں آجائے

الجواب مسئلہ نازک ہے عقول متوسطہ اس کی تحقیق سے عاجز ہیں اسلئے اسمیں بحث بھی جائز نہیں خصوص تحریر
تو بالکل ہی کافی نہیں خصوص جبکہ علوم متداولہ میں تبحر کا بھی اتفاق نہ ہوا ہو جواب تو اتنا ہی مصلحت تھا
مگر آپکے شوق وفہم کا تقاضا باعث ہوا کہ کچھ مختصر اور سلیس لکھ ہی دوں۔ دونوں فریق کے مقولے مبہم اور
محتاج تفسیر ہیں۔ فریق اول کی اگر یہ مراد ہے کہ اللہ تعالیٰ ہر جگہ مثل ہوا کی پھیلا ہوا ہے اور بھرا ہوا ہے تب تو یہ
غلط ہے کیونکہ اس سے لازم آتا ہے کہ اللہ تعالیٰ مکانی ہو دوسرے مکانیات سے صرف یہ امتیاز ہوگا کہ اوروں کا مکان
محدود ہے اور اللہ تعالیٰ کا مکان غیر محدود سو مکانی ہونا چونکہ احتیاج الی المکان کو مستلزم ہے اور احتیاج سے حق تعالیٰ
منزہ ہے اسلئے مکان سے بھی منزہ ہے بلکہ غور کیا جائے تو اسمیں دوسرے مکانیات سے بھی زیادہ احتیاج ثابت ہوتی
کہ اور تو ایک ایک مکان کے محتاج ہونگے اور یہ ہر مکان کا نعوذ باللہ۔ اگر یہ مطلب ہے کہ اسکی تجلی جیسی کہ اسکی ذات
منزہ کے شان کو زیبا ہے عرش کے ساتھ خاص نہیں جیسے عرش پر ہے اسی طرح غیر عرش پر ہے سو یہ مسئلہ کسی نقل
قطعی الدلالہ یا کسی دلیل عقلی کے خلاف نہیں بعض صوفیہ اس طرف گئے ہیں اسلئے اسکے قائل ہونے کی گنجائش ہے
بعض آیات واحادیث کے ظاہری الفاظ بھی اسپر چسپاں ہیں مثلاً وھو معکم اینما کنتم اور ترمذی کی حدیث
ہے لو دلیتم حبلا الی الارض السفلی لھبط علی اللہ ومثلھما اور اگر ان میں تاویل کیجاوے تو تاویل دوسری
جانب بھی ہوسکتی ہے مثلاً عرش کا تجلی عام کے ساتھ کسی خاص تجلی سے بھی مشرف ہونا ونحوہ لیکن جو شخص اس کا
قائل ہو بوجہ قطعی نہ ہونے کے دوسرا احتمال رکھنا بھی اسپر واجب ہے۔ اسی طرح فریق ثانی کی اگر یہ مراد ہے کہ عرش
حق تعالیٰ کیلئے مکان ہے اور یہ حیز ہے تو مکانیت کا انتفا ابھی معلوم ہوچکا ہے بلکہ ایک معنی کر مکانیت شق کو سابقہ
سے بھی اس میں زیادہ نقص لازم آتا ہے کیونکہ وہاں تو مکان غیر محدود کا حکم کیا گیا تھا جو فی الجملہ عظمت کا مقتضی ہے
اور یہاں تو عرش سے بھی اس کا محاط ہونا لازم آتا ہے اور اگر یہ مراد ہے کہ اس کی کچھ خصوصیت عرش سے ایسی ہے
جو ادراک وفہم سے عالی ہے تو ظاہر نصوص کی موافق ہے جیسے کہ سوال میں ایسی نصوص کی طرف اشارہ بھی ہے
اور یہ سب خلاصہ ہے اقوال منقولہ کا۔ باقی اسلم یہی ہے کہ اسمیں گفتگو نہ کیجاوے اور حقیقت کو خدا تعالیٰ کے
سپرد کیا جاوے۔ فی التفسیر المظہری تحت قولہ ثم استوی الی السماء والصوفیۃ العلیۃ کما اثبتوا معیۃ
لا کیف لھا الی قولہ کذلک اثبتوا تجلیا خاصا رحمانیا علی العرش وفیہ تحت قولہ تعالیٰ

مع الصابرين بل معية غير متكيفة يقصر عنها العارفين ولا يدرك كنهه الخ وفيه بحث قوله تعالى يا تيهم الله فى ظلل الايمان به والتفويض الى الله تعالى والتحاشى عن البحث فيه وهو مسلك السلف الخ ۱۱ رجب ۱۳۴۱ھ

اکسٹھواں غریبہ در تحقیق حکم عمل تسخیر

سوال۔ بیوہ عورت کو کوئی عمل پڑھ کر نکاح کی خواہش کرنا جائز ہے یا نہیں کوئی عمل قرآن سے پڑھ کر بیوہ عورت کو کھلانا واسطے نکاح کے جائز ہے یا نہیں۔

جواب۔ عمل باعتبار اثر کے دو قسم کے ہیں ایک قسم یہ کہ جس پر عمل کیا جاوے وہ مسخر اور مغلوب الحب مغلوب العقل ہو جاوے ایسا عمل اس مقصود کیلئے جائز نہیں جو شرعاً واجب ہو جیسے نکاح کرنا کسی معین مرد سے کہ شرعاً واجب نہیں اس کیلئے ایسا عمل جائز نہیں۔ دوسری قسم یہ کہ صرف معمول کو اس مقصود کی طرف توجہ بلا مغلوبیت ہو جاوے پھر بصیرت کیساتھ اپنے لئے مصلحت تجویز کرلے ایسا عمل ایسے مقصود کیلئے جائز ہے اس حکم میں قرآن وغیرہ قرآن مشترک ہیں۔ ۳۰ شعبان ۱۳۴۱ھ

باسٹھواں غریبہ در حکم عمل مسمریزم

سوال۔ علم مسمریزم کا واسطے محض نفع رسانی مخلوق خدا کی مثل بیمار وغیرہ کو اس کے ذریعے سے علاج کرنا یا خواص بھوت وغیرہ کو دریافت کرنا یا کسی کی بری عادتوں کو چھوڑانا وغیرہ کیلئے جائز ہے یا نہیں۔

الجواب۔ جو خواص آپ نے مسمریزم میں لکھے ہیں بعض تو ان میں خلاف واقع ہیں جیسے خواص بھوت کے دریافت کرنا اس کا مسمریزم سے کچھ تعلق نہیں اور کسی معمول کے ذریعہ سے جو مخفیات میں سے کچھ معلوم ہو جاتا ہے اور اس سے یہ دھوکا ہوا ہے سو وہ بالکل عامل یا کسی حاضر مجلس کے خیال کا تصرف ہوتا ہے معمول کے متخیلہ میں خواہ وہ خیال صحیح ہو یا غلط ہو چنانچہ جب چاہے امتحان کر لیا جاوے کہ ایک واقعہ ایک عامل کے روبرو ایک خاص طور پر بیان کر دیا جاوے اور وہی واقعہ دوسرے عامل کے روبرو دوسرے طور پر بیان کیا جاوے پھر دونوں عامل جدا جدا مجلس میں مختلف معمولوں پر مختلف حاضرین کی مجلس میں کہ وہ معمول اور حاضرین سب

ف یہ مضمون بامیوتل اور دستاسی دین حکمت میں بھی دیکھ لیا جائے۔

خالی الذہن ہوں۔ اس عمل کو استعمال کریں تو یقیناً دونوں عمول جدا جدا جواب دیں گے اور ظاہر ہے کہ نقیضین کا اجتماع محال ہے لامحالہ ایک کا جواب خلاف واقع ہوگا پس ثابت ہوا کہ اس عمل کے ذریعہ سے واقعیات کا انکشاف نہیں ہوتا۔ البتہ بعض خواص اکثر اسپر مرتب ہو سکتے ہیں جیسے سلب مرض اور اصلاح خیالات مگر ان مصالح سے بڑھ کر اسمیں دوسرے مفاسد ہیں گو وہ لازم عقلی نہیں مگر لازم عادی ہیں جنکا بیان زبانی ہو سکتا ہے اور تجربہ کار مشاہدہ کرتے ہیں اسلئے حسب ارشاد قل فیہما اثم کبیر ومنافع للناس واثمہما اکبر من نفعہما اسکو منع کیا جاویگا گو وہ منع قبح لغیرہ کی سبب ہوگی جیسے فقہاء نے کیمیا کو اسی بنا پر حرام کہا ہے اسی قسم کے کئی فن ہیں سب کا یہی حکم ہے اور وہ پانچ فن ہیں۔ کیمیا۔ لیمیا۔ ہیمیا۔ سیمیا۔ ریمیا۔ ان سب کی شرح میرے رسالہ مائۃ دروس میں ہے ان کا مجموعہ ہے کُلُّہٗ سِرٌّ ۵ رمضان ۱۳۲۱ھ

۶۳ تریسٹھواں غریبہ در جبر و قدر

سوال۔ عرض یہ ہے کہ جبکہ کل امور ارادۂ اللہ تعالیٰ سے ہیں پھر انسان کی عدم مجبوریت کی کیا وجہ۔

الجواب۔ جو افعال اختیاری کہلاتے ہیں اُن کے صدور کیوقت اختیار یعنی ان شاء فعل وان شاء لم یفعل کا وجود تو وجداناً و فطرۃً ایسا بدیہی بلکہ محسوس و مشاہد ہے کہ اگر کسی دلیل کی اعانت سے بھی کوئی اُسکے علم کا زائل اور رفع کرنا چاہے تو اسپر قادر نہیں اسلئے اُس کا تو انکار ہو نہیں سکتا اور یہی اختیار علت قریبہ ہے صدور افعال اختیاریہ کی اور اسمیں بھی کوئی شک نہیں کہ اس اختیار کی صفت بھی اور اس صفت کا فعل کے ساتھ تعلق بھی دونوں مخلوق ہیں حق تعالیٰ کے اس طرح سے کہ تخلیق حق کے بعد ان کا عدم وقوع قدرت عبد سے خارج ہے اور یہ تخلیق علت بعیدہ ہے صدور افعال اختیاریہ کی پس جس شخص نے افعال مذکورہ کی صرف علت قریبہ پر نظر کی وہ قدری ہوگیا اور جس نے صرف علت بعیدہ پر نظر کی وہ جبری ہوگیا اور جسنے دونوں پر نظر کی وہ کہیگا کہ لا جبر ای محضا ولا قدر ای محضا ولکن الامر بین بین سنی ہوگیا۔ وھذا لعلہ کاف شاف ان شاء اللہ تعالے وھذا معنی ما قالوا ان العبد مختار فی الفعل مجبور فی الاختیار ولا یجوز الخوض فی المسئلۃ بالغ من ھذا لکونہ عالیا من العقول المتوسطۃ واللہ اعلم۔ ۲ ذیقعدہ ۱۳۲۱ھ

چونسٹھواں غریبہ در رفع شبہ مردودیت از عدم استجابت دعا

سوال بعض امراض مثل کثرت احتلام وکثرت ریح در نیز مش قوی دماغیہ بالکل مضمحل کردہ از اجتناب

چند بار دعا کنانید مگر افسوس کہ از شامتِ اعمال من اثر دعا ہویدا نگشتہ والحال کہ ہمیں حدیث در بیاض مخدوم عبدالواحد سیوستانی کہ یکے از اجلہ علمار این دیار بود دیدہ بسے مایوس گشتہ ام۔ الحدیث القدسی عن انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ عن النبی صلی اللہ علیہ وسلم قال یاتی علی الناس زمان یدعو فیہ المؤمن للعامۃ فیقول اللہ تعالیٰ ادع لخاصۃ نفسک استجیب لک فاما العامۃ فانی علیہم ساخط رواہ ابو نعیم انتہی آیا این حدیث صحیح است

الجواب - از سیاق عبارت سائل مفہوم می شود کہ عدم استجابہ دعا را در حق خود علامت سخط حق پنداشتہ است وازہمیں جا مایوس شدہ پس اگر حدیث ثابت باشد کہ بر تحقیق سند موقوف ست (ولم اتفق بہا) آنست کہ در حدیث دلیلے نیست بر انحصار علّت عدم استجابت در سخط حق نظیرش این ست کہ گفتہ شود فاما صلاتک ففاسدۃ لانک تکلمت فیہا بکلام الناس ظاہر ست کہ مفسدات صلوۃ دیگر امور نیز ہستند ہمیں ساں در موانع استجابت نیز تعدد ست منجملہ آنہا سخط حق ست ومنجملہ آنہا خلاف حکمت بودن استجابت چنانچہ خود سرکار نبوی در باب دعائے خود کہ متعلق اتفاق است بود ارشاد فرمودند فمنعنیہا الکون بعضہ جواب ترجمۂ معنی حدیث تنبہ می کنم چرا کہ احتمال بود کہ کسے از حدیث ممانعت دعا برائے عامہ فہمد پس ظاہر ست کہ مدلول لفظ محض عدم استجابت ست چنانکہ مقابلہ جملہ فاما العامۃ الخ بقول استجب قرینہ است بر آں واگر کسے این نہی را ذوقاً ادراک نماید پس بعد تسلیم جواب آنست کہ مراد دعائے خاص رفع عقوبات دنیویہ است از ایشان یا قضائے حاجات دنیویہ ایشان کہ از اسمعین اعمال مسخوطہ ساختہ باشند کہ این چنین دعا تسبب ست معاصی را یا بعنوان دیگر آں حاجات منشا معاصی است یا آں عقوبات ناشی است از آں معاصی نہ کہ دعائے اصلاح دین ایشان کہ عین مطلوب شرعی است بدلیل وجوب یا استحباب امر بالمعروف ونہی عن المنکر فتامل حق التامل ۲۱ ربیع الاول ۱۳۴۲ھ

پینسٹھواں غریبہ در استدلال بر حرمت مصاہرت بآیت

سوال - کیا حنفیہ کے پاس حرمت مصاہرت بالزنا کے مسئلہ میں کوئی وجہ استنباط کی قرآن مجید سے بھی ہے۔

الجواب - قال تعالیٰ وربائبکم اللاتی فی حجورکم من نسائکم اللاتی دخلتم بہن فان لم تکونوا دخلتم بہن فلا جناح علیکم الآیۃ۔ آیت اس بات میں تو نص ہے کہ حرمت مصاہرۃ بنت المنکوحہ کی موقوف ہوا منکوحہ سے دخول پر اور اس حرمت کیلئے اس سے صرف نکاح کافی نہیں۔ رہی یہ بات کہ صورت دخول میں موثر اس حرمت میں کیا چیز ہے آیا نکاح محض یا نکاح بشرط دخول یا دخول محض یا دخول بشرط نکاح یا دونوں کا مجموعہ تو یہ سب

احتمالات ہیں کیونکہ تتبع احکام سے سب میں صلاحیت علت مؤثرہ ہونیکی معلوم ہوتی ہے چنانچہ بعض احکام میں صرف
نکاح کو بلا دخول مؤثر پایا جاتا ہے جیسے امہات نساء کی حرمت اور جیسے حلائل ابناء یا نساء آباء کی حرمت اور بعض احکام
میں صرف دخول کو بلا نکاح مؤثر پایا جاتا ہے جیسے موطوءہ بالشبہ کا عقر اور بعض احکام میں احدہما بشرط الآخر مؤثر دیکھا
جاتا ہے جیسے نکاح کو بعد خلوت صحیحہ سے وجوب مہر کامل اور بعض احکام میں مجموعہ مؤثر پایا جاتا ہے جیسے رجم کہ اس کیلئے
نہ صرف نکاح موجب ہے نہ صرف دخول اور اس میں یہ احتمال غیر ناشی عن دلیل ہے کہ مؤثر نکاح ہو مگر بشرط دخول کیونکہ نکاح
مجرد کا کوئی اثر اس عقوبت کی جنس میں کہیں پایا نہیں گیا بخلاف وجوب مہر کامل بعد النکاح والدخول کے کہ وہاں
یہ احتمال موجود ہے کیونکہ صرف نکاح بھی نصف مہر کے وجوب میں مؤثر پایا گیا ہے تو مہر میں اس احتمال کی دلیل موجود ہے
اور یہاں نہیں اور احتمال غیر ناشی عن دلیل غیر معتبر ہے لہذا رجم میں صرف نکاح بشرط دخول کو مؤثر نہ کہیں گے اور اسی طرح
دخول کے مؤثر ہونے کا بھی کوئی قرینہ نہیں۔ لہذا اس کو بھی مؤثر نہ کہیں گے پس مجموعہ ہی مؤثر ہوا اس سے ثابت ہو گیا
کہ علیت کی صلاحیتیں ان سب میں ہے نکاح میں بھی دخول میں بھی بالاشتراط بھی بلا اشتراط بھی مجموعہ میں بھی
اسلئے بنت منکوحہ کی حرمت کی علت میں سب مذکورہ احتمالات ہوسکتے تھے مگر نص سے احتمال اول تو باطل ہے پس چار
احتمال باقی ہے اور نص ہی سے یہ بھی یقینی ہے کہ مجموعہ کے وجود کے بعد ترتب حرمت کا دخول ہی کے متصل ہوا ہے اور
اصل نسبت حکم کی ہے جزو قریب کی طرف جبتک کہ اسکے خلاف کوئی دلیل نہ ہو اور یہاں اسکے خلاف کوئی دلیل نہیں ہے
جیسا عنقریب واضح ہوگا لہذا حرمت کو دخول ہی پر مرتب کیا جاوے گا پس احتمال اخیر بھی ساقط ہوا پس ترجیح اس کو
ہوئی کہ اصل علت حرمت کی دخول ہے خواہ بشرط نکاح یا بلا شرط نکاح اور اصل علت کی مؤثریت میں عدم اشتراط ہے
الا ان یدل علیہ دلیل اور یہاں کوئی دلیل نہیں کیونکہ اس اشتراط کی دلیل بھی وہی ہوسکتی تھی جو صرف دخول
کی طرف حکم حرمت کے منسوب ہونے کی دلیل ہو سکتی تھی۔ سو اس کے متعلق اوپر اس قول میں تحقیق کا وعدہ کیا گیا ہے
کہ عنقریب واضح ہوگا پس ایک ہی احتمال متعین ہو گیا کہ ربائب کی حرمت مصاہرت کی علت صرف دخول ہے
اور جب دخول کا علت مؤثرہ ہونا مورد نص میں ثابت ہو گیا تو غیر ربائب میں یعنی بنات الموطوءہ میں بھی قیاس سے
حکم متعدی ہو گیا اور چونکہ موطوءہ کے تمام اصول و فروع میں اسی طرح تمام اصول و فروع کی موطوات میں کوئی فصل
قائل نہیں اسلئے بنات الموطوءہ میں حرمت مصاہرت کا حکم کرنے سے سب میں حکم کر دیا جاوے گا مگر چونکہ اس دلیل کے بعض
مقدمات ظنیہ ہیں اسلئے اس حکم کو ظنی کہا جاوے گا اب صرف وعدہ مذکورہ قول واضح ہوگا کا ایفا باقی رہا سو مراد
اس سے وہ روایات ہیں جن سے جمہور نے اس میں تمسک کیا ہے کہ صرف لمس سے حرمت مصاہرۃ نہیں ہوتی اگرچہ تمسک کا کلام

فیہ ہوتا تو اس سے یہ بھی ثابت ہو جاتا کہ دخول میں علت ہونے کی صلاحیت نہیں اسی طرح یہ بھی ثابت ہو جاتا کہ دلالۃ کیسا نہ تکلم شرط ہے لیکن وہ روایات متکلم فیہ ہیں جیسا اعلاء السنن میں اسکی تحقیق کیگئی ہے اسلئے ان کی دلالت خفیہ پر حجیت نہیں ورنہ جب مسئلہ کی من حیث المعقول ہے اور اسکی تائید منقول سے بھی ہوتی ہے جیسا اعلاء السنن میں مذکور ہے

۱۸ ربیع الاول ۱۳۳۸ھ

چھیاسٹھواں (۶۶) غریب در حکم رطوبت فرج،

سوال- اگر عورت کو رحم سے سفید رطوبت ہمیشہ جاری رہتی ہو کیا وہ پاک ہے یا ناپاک در نماز بحالت اخراج جائز ہے یا نہ بحالت اخراج وضو ساقط تو نہیں ہو جاتی -

الجواب- یہاں تین موقع ہیں اور ہر جگہ کی رطوبت کا حکم جدا- ایک موقع فرج خارج کا ہے اسکی رطوبت درحقیقت پسینہ ہے اور وہ طاہر ہے اور ایک موقع فرج داخل کا باطن یعنی اس سے آگے ہے یعنی رحم اس کی رطوبت مذی یا مثل مذی ہے اور وہ نجس ہے اور ایک موقع خود فرج داخل اس کی رطوبت میں تردد ہے کہ وہ پسینہ ہے یا مذی اسلئے اسکی نجاست میں اختلاف ہے اور احتیاطاً اسکے نجس کہنے میں ہے وان کان الاقوی دلیلا هو الطهارۃ لان هذا المحل لیس بمعدن للنجاسۃ ولان الرطوبۃ هذه من الرحم وانما هی ابخرۃ محتبسۃ صارت ماء بالاحتقان فهی کالعرق ومن ثم ابیح الوطی فی هذا المحل والاثم بیح لکونه موضع الاذی کحالۃ الحیض- پس رطوبت مذکورہ سوال قسم دوم ہے اسلئے نجس ہے البتہ اگر محقق ہو جاوے کہ قسم اول کی ہے تو طاہر ہے یا قسم سوم ہے تو احتیاطاً نجس ہے اور جو نجس ہے ناقض وضو ہے البتہ اگر ہر وقت جاری ہے اس کا حکم معذور کا سا ہے فی الدر المختار ای برطوبۃ الفرج ..... فیکون مفرعا علی قولهما بنجاستها اما عنده فهی طاهرۃ کسائر رطوبات البدن جوہرہ فی رد المحتار قوله برطوبۃ الفرج الخارج فطاهر اتفاقا اه وفی منهاج الامام النووی رطوبۃ الفرج لیست بنجسۃ فی الاصح قال ابن حجر فی شرحه هی ماء ابیض متردد بین المذی والعرق یخرج من باطن الفرج الذی لا یجب غسله بخلاف ما یخرج مما یجب غسله فانه طاهر قطعا ومن وراء باطن الفرج فانه نجس قطعا ککل خارج من الباطن کالماء الخارج مع الولد او قبیله اه ص۱۲۰ ج۱ وما قالوا من طهارۃ رطوبۃ الولد الخارج من الرحم فالمراد ما علی بدنه وهو کالدم الذی علی الصحیح ان الدم السائل نجس فکذلک رطوبۃ الرحم نجسۃ ورطوبۃ الولد طاهرۃ فافهم ۱۲ رمضان المبارک ۱۳۳۷ھ

سترھواں غریبہ در تحقیق نکاح سنیہ با شیعی تبرائی

سوال۔ کیا فرماتے ہیں .... اس مسئلہ میں کہ رافضی جو کہ سب صحابہ پر تبرا کرتے ہیں اور اہل اسلام سے مذہبی تعصب رکھتے ہیں مسلمان ہیں یا کافر ہیں۔ ان سے تعلقات نکاح وغیرہ کر رکھ سکتے ہیں یا نہیں۔ قوم بوہری جو بمبئی اور اس کے اطراف میں کثرت سے پائی جاتی ہے ایک متعصب رافضی قوم ہے ان کا قاعدہ یہ ہے کہ اہل سنت جماعت کی لڑکی اسکے والدین کو لالچ زر دیکر اپنے نکاح میں لاتے ہیں ایسی حالت میں اگر کوئی سنت جماعت لالچ زر میں جان کر لڑکی دیوے اور وہ رافضی اپنے آپ کو مصلحت جان کر اسلام لانیکو ظاہر کرے لیکن تمام لوگ اس بات کو جانتے ہیں کہ اسکا اسلام لانا نکاح کی غرض سے ہے تو ایسی حالت میں اسکے اسلام کا اعتبار کیا جائیگا یا نہیں اور اس کا نکاح درست ہے یا نہیں۔ بینوا توجروا۔

الجواب۔ فی الدر المختار و تعتبر (الکفاءۃ) فی العرب والعجم (دیانۃ) ای تقوی فلیس فاسق کفوا لصالحۃ بنت صالح معلنا کان اولا علی الظاہر وفیہ وللولی انکاح الصغیر والصغیرۃ ولزم النکاح ولو بغبن فاحش او بغیر کفو ان کان الولی ابا او جدا لم یعرف منہما سوء الاختیار مجانۃ وفسقا وان عرف لا وان کان المزوج غیرہما لا یصح النکاح من غیر کفو او بغبن فاحش اصلا وفیہ ولہا ای للولی اذا کان عصبۃ الاعتراض فی غیر الکفو مالم تلد منہ ویفتی فی غیر الکفو بعدم جوازہ اصلا وھو المختار للفتوی لفساد الزمان وفی رد المحتار وھذا اذا کان لہا ولی لم یرض بہ قبل العقد فلا یفید الرضی بعدہ بحر واما اذا لم یکن لہا ولی فھو صحیح نافذ مطلقا اتفاقا کما یاتی

بنا بر روایات مذکورہ و دیگر قواعد معروفہ مسلمہ جواب میں تفصیل یہ ہے کہ اگر وہ رافضی عقائد کفر کے رکھتا ہے جیسے قرآن مجید میں کمی بیشی کا قائل ہونا یا حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا پر تہمت لگانا یا حضرت علی رضی اللہ عنہ کو خدا ماننا یا یہ اعتقاد رکھنا کہ جبرئیل علیہ السلام غلطی سے حضور صلے اللہ علیہ وسلم پر وحی لے آئے تب تو وہ کافر ہے اور اس کا نکاح سنیہ سے صحیح نہیں اور محض تبرائی کے حکم میں اختلاف ہے، علامہ شامی نے عدم کفر کو ترجیح دی ہے صفحہ ۴۵۳ ج ۳ مگر اسکے بدعتی ہونے میں کچھ شک نہیں تو اس صورت میں گو وہ کافر نہ ہوگا مگر بوجہ فسق اعتقادی کے سنیہ کا کفو نہ ہوگا اور غیر کفو مرد سے نکاح کرنے میں تفصیل یہ ہے کہ اگر لڑکی نابالغ ہے اور نکاح کیا ہے باپ دادا کے علاوہ کسی اور ولی نے تب تو نکاح صحیح ہی نہ ہوگا اور اگر باپ دادا نے کیا ہے اور واقعات سے معلوم ہوا کہ طمع زر سے کیا ہے اور لڑکی کی مصلحت کو

نہیں لڑکی جیسا سوال میں مذکور ہو تب بھی نکاح صحیح نہ ہوگا اور اگر منکوحہ بالغ ہو تو اگر اس نے خود اپنا نکاح کر لیا
اور ولی عصبہ راضی نہ تھا تب بھی نکاح صحیح نہیں ہوا اسی طرح اگر ایسے ولی نے کر دیا اور وہ منکوحہ راضی نہیں یعنی
زبان سے انکار کر دیا تب بھی نکاح صحیح نہیں ہوا یہ صورتیں تو عدم جواز نکاح کی ہیں۔ اور اگر لڑکی نابالغ ہو اور
نکاح کیا ہو باپ یا دادا نے اور لڑکی کی مصلحت سمجھ کر کیا ہو کسی طمع وغیرہ کے سبب نہیں کیا یا لڑکی بالغ ہے
اور نکاح خود کیا ہو اور ولی عصبہ کی رضا سے کیا ہو یا اس کا کوئی ولی عصبہ ہی نہیں یا لڑکی بالغ ہو اور
ولی نے اس کی اجازت سے کر دیا تو ان صورتوں میں ان علماء کے نزدیک نکاح صحیح ہو جاویگا جو تبرائی کو کافر نہیں کہتے
اور یہ سب تفصیل اس وقت ہے کہ نکاح کے وقت اسکا رفض معلوم ہوا اور اگر اس وقت اپنے کو سنی ظاہر کیا اور بعد نکاح
کے رفض ثابت ہوا تو جس صورت میں وہ کافر ہو ارتداد کے سبب نکاح ٹوٹ جاویگا اور جس صورت میں محض
بدعتی ہو۔ تو اگر منکوحہ بالغہ ہے اور وہ اور اس کا ولی عصبہ دونوں راضی ہیں تو نکاح کے فسخ کا حق حاصل ہوگا اور
اگر منکوحہ سے اجازت نہیں لیگئی تو نکاح نہ ہوگا اور اگر ولی سے اجازت نہیں لیگئی تو ولی کو حق فسخ ہے جس کی ایک شرط
قضاء قاضی مسلم ہے۔ اور اگر منکوحہ صغیرہ ہو تو بعد بالغ ہونے کے اگر راضی ہو تب نکاح صحیح رہیگا اور اگر راضی
نہ ہوئی تو اسکو حق فسخ حاصل ہوگا جس کی شرط اوپر مذکور ہوئی کما فی الدر المختار فلو نکحت رجلا ولم تعلم
حاله فاذا هو عبد لا خيار لها بل للاولياء ولو زوجها برضاها ولم يعلموا بعدم الكفاءة
ثم علموا لا خيار لاحد الا اذا شرطوا الكفاءة او اخبرهم بها وقت العقد فزوجها على
ذلك ثم ظهر انه غير كفو كان لهم الخيار وفي رد المختار قوله لا خيار لاحد هذا في الكبيرة
كما هو فرض المسئلة بدليل قوله نكحت رجلا فقوله برضاها فلا يخالف ما قدمناه في الباب
المار عن النوازل لو زوج بنته الصغيرة ممن ينكر انه يشرب المسكر فاذا هو مدمن له وقالت
بعد ما كبرت لا ارضى بالنكاح ان لم يكن يعرفه الاب بشربه وكان غلبة اهل بيته صالحين
فالنكاح باطل لانه انما زوج على ظن انه كفو اه ثم بعد اسطر لكن كان الظاهر ان يقال
لا يصح العقد اصلا كما في الاب الماجن والسكران مع ان المصرح به ان لها ابطاله بعد البلوغ وهو
فرع صحته فليتامل۔ ۲۰ ربیع الثانی ۱۳۲۲ھ

اٹھتواں غریبہ ۹۸ در تلاوت سورہ واقعہ بہ نیت صدمۂ فاقہ

سوال۔ دو رکعت نماز سورہ واقعہ سے پڑھتا ہوں اس میں یہ نیت ہے کہ اللہ تعالیٰ اس کے ثواب کے بدلے مرگان

امت محمد صلے اللہ علیہ وسلم کی روحوں پر بخشے اسکے ضمن میں یہ نیت بھی ہوتی ہے کہ حدیث شریف میں ہے کہ رات سورہ واقعہ ایک دفعہ پڑھنے سے کبھی فاقہ نہیں رہیگا اب عرض یہ ہے کہ یہ دونوں نیتیں کیسی ہیں۔

جواب۔ کچھ حرج نہیں رفع فاقہ کا قصد اسلئے کرنا کہ اطمینان رزق سے دین میں اعانت ہوگی دین ہے اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی یہ خاصیت بیان فرمانا اسکی محمودیت کی دلیل ہے البتہ جو عملیات خاص قسم دکیساتھ پڑھے جاتے ہیں اور عامل انکی دلیل سے زائد موثر سمجھکر گویا اثر کو اپنے قبضہ میں سمجھتا ہے وہ عملیات طالب حق کی وضع کے خلاف ہیں

تربیت السالک صفحہ ۲۱۴

انتقال غریبہ در مثنوی نسبت بعضے رسائل تصوف

سوال پس از سلام سنت الاسلام عرض مدعا ہے کہ پچھلے دنوں اختتام مثنوی کے مطالعہ کے دوران میں کچھ یادداشتیں اپنے مطالب سمجھنے کیلئے لکھی تھیں اب انکو ایک رسالہ کی شکل میں ترتیب دیکر ارسال خدمت کرتا ہوں۔ اسمیں میرا ذاتی تصنیف کردہ تو کچھ نہیں صرف اقتباسات ہیں جو اختتام یا بحر الحقیقت کے متن یا حواشی سے لئے گئے ہیں۔ مقصد ترتیب کا یہ ہے کہ جو مطالب متفرق و مختلف مقامات میں واقع ہوئے ہیں وہ یکجا ہوکر اور ایک ترتیب خاص میں منسلک ہوکر سمجھنے میں آسان ہوجاویں اسلئے جناب کی خدمت میں اصلاح کی غرض سے پیش کرتا ہوں کہ فرصت کیوقت دیکھکر اسمیں اصلاح فرماویں۔ سب سے پہلی اصلاح تو مجھے اپنے ذاتی خیالات و عقائد کی مقصود ہے جو رسالہ کے پڑھنے سے معلوم ہوسکتے ہیں۔ دوسری اصلاح اس رسالہ کی ترتیب و عبارت کی ہے بالخصوص وہ حصہ جو میری ذاتی عبارت ہے وہ سراسر قابل اصلاح ہی ہے اگر خدا ایسا کرے کہ جناب اپنے نہایت معروف اوقات میں سے کوئی وقت نکالکر اس اصلاح کی طرف صرف کریں تو میرے لئے باعث ہدایت ہوگا بشرطیکہ یہ قابل اصلاح بھی ہو۔ دوم یہ کہ یہ رسالہ بعد اصلاح انجناب کے دوسروں کیلئے بھی مفید ہوسکتا ہے اگر جناب کی رائے میں مفید ہوسکتا ہو تو اس کے طبع کا انتظام کیا جاوے ورنہ نہیں امید کہ جناب انکو مستفسر کے جوابات سے معزز فرمادیں گے۔۔ والسلام مع الاکرام۔

نوٹ۔ اور اس خط کی ساتھ ایک رسالہ آیا تھا جسکا نام تنزلات ستہ میں نزول و عروج ہے۔

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

الجواب۔ بعد الحمد والصلوٰۃ مکرمی سلمہ السلام علیکم ورحمۃ اللہ الطاف نامہ مع رسالہ نزول و عروج پہنچا رسالہ کو گو بوجہ عدم فرصتی بالاستیعاب نہیں دیکھ سکا مگر اسکا اکثر حصہ

دیکھ کر جو رائے قائم ہوئی وہ بھی مخفی ہوگئی مفصل دیکھنے سے اب وہ رائے عرض کرتا ہوں۔

نمبر ۱۔ صاحب رسالہ کی نیت بالکل بخیر ہے یعنی سہولت تعلم و استفادہ عام جیسا کہ خطبہ رسالہ میں مذکور ہے

نمبر ۲۔ مگر اسکے ساتھ ہی دو امر اور بھی قابل نظر ہیں ایک یہ کہ آیا یہ غرض اس رسالہ سے حاصل ہوگئی یا نہ
دوسرے یہ کہ آیا یہ استفادہ خاص قابل مقصودیت ہے یا نہیں۔

نمبر ۳۔ سو امر اول کا فیصلہ تو خود مضامین کے غوص ہی سے ہو سکتا ہے جس کے سبب سے اصل متن ہی بجائے خود
مشکل ہوگئی اور سہل ہونا دشوار بھی ہے جب یہ ہے تو عوام تو در کنار خواص اہل علم بھی اس سے منتفع نہیں ہو سکتے بجز
ان کے جنکو اس فن میں بھی تبحر تام ہو اور اسکے ساتھ جمیع معقولات و منقولات میں وسعت و عمق نظر بھی حاصل ہو۔

نمبر ۴۔ رہا امر ثانی تو اسکی حقیقت یہ ہے کہ یہ مسائل علوم مکاشفہ کہلاتے ہیں جن کے یہ ضروری احکام ہیں

اول۔ ان کو مقصود حقیقی میں کہ قرب و نجات ہے اصلا دخل نہیں۔

دوم خود ان علوم پر کوئی دلیل شرعی نہیں جو قواعد سے حجت ہو۔ اگر علوم شرعیہ سے مصادم نہ ہو تو [illegible]

سوم۔ اسی وجہ سے ان کا جازم معتقد رکھنا شرعاً جائز نہیں۔

چہارم اکثر اہل ذوق نے جو ان علوم کو اپنی عبارات میں تعبیر کیا ہے وہ عبارات ان پر دلالت کرنے کیلئے
کافی نہیں۔ اکثر تو مدلول کے ذوقی ہونے کے سبب کہیں تنگی عبارت کے سبب کہیں اختلاف اصطلاح کے سبب وغیرہا
من الاسباب لغلبۃ الحال وغیرہا۔

پنجم۔ اس وجہ سے اہل قال وغیر اہل کمال ان کے سمجھنے میں بکثرت غلطی کرتے ہیں۔

ششم۔ یہاں ہی اہل قال غیر اہل کمال ہیں سے بعضے ایسے لوگ جو نقل عبارات سے آگے مقصود سے مس بھی
نہیں رکھتے (حتیٰ کہ اگر ان سے کسی خاص مسئلہ کی تقریر کرائی جاوے تو بجز الفاظ کے الٹ پھیر کے ظاہری تعبیر پر
قادر نہ نکلیں گے) ان مضامین سے اپنی تقریرات یا تحریرات کو آراستہ کر کے سامعین یا ناظرین کو ضلالت میں مبتلا کرتے ہیں

ہفتم۔ تو ایسی حالت میں ظاہر ہے کہ ان مضامین سے استفادہ کجا ان کی اشاعت سے مضرات کا اندیشہ ہے
اسی لئے حضرت شیخ اکبرؒ نے ارشاد فرمایا ہے یحرم النظر فی کتبنا۔ مولانا رومی بھی مختلف مقامات پر اسی
حکایت کہیں شکایت فرماتے ہیں مثلاً ؎

لقمہ و نکتہ است کامل را حلال — تو نہ کامل مخور ہے باش لال
نکتہ ہا چوں تیغ پولاد است تیز — چوں نداری تو سپر واپس گریز

پیش این الماس بے اسپر میا — کز بریدن تیغ را نبود حیا
ظالم آں قومیکہ چشماں دوختند — از سخنہا عالمے را سوختند
معنی اندر شعر جز باخبط نیست — چوں فلاسنگ است آنرا ضبط نیست
انت کالریح و نحن کالغبار — یختفی الریح و غبراہ جہار
اے بروں از وہم و قال و قیل من — خاک بر فرق من و تمثیل من
حرف درویشاں بدزدد مرد دوں — تا بہ پیش جاہلاں خواند فسوں
زانکہ صیاد آورد بانگ صفیر — تاکہ گیرد مرغ را آں مرغ گیر
ہرچہ می گوید موافق چوں نبود — چوں تکلف نیک نالایق نمود

ونحوھا من الابیات ۔

تنبیہ اس میں بعض امثلہ میں تنبیہ کے امر چہارم کی مثلاً **الف**۔ رسالہ ہذا کی فصل اول میں وجود کو مطلق غیر متعین کہا ہے اور تعین وجوبی کی بھی نفی کی ہے اسمیں اگر اعتبار خاص لیا جاوے تو محال ہے وجود حقیقی کو تشخص و تعین لازم ہے اور لازم کا انتفا مستلزم ہے انتفاء ملزوم کو وھو ھنا محال۔ اور اس اعتبار خاص کا رسالہ میں کہیں ذکر نہیں ۔ **ب**۔ اسکے بعد تعین میں ایک مرتبہ اجمال کا نقل کیا ہے اور اس کی تفسیر کی ہے علم غیر متمائز المعلومات کیساتھ اسمیں بھی مثل الف کے کلام ہے ۔
ج۔ فصل دوم میں مراتب الٰہیہ میں تقدم و تاخر کا حکم کیا گیا ہے جس سے متبادر افہام عامہ کیطرف تقدم و تاخر زمانی ہے جسمیں متقدم کیساتھ متاخر معدوم ہوتا ہے وھو ھنا محال اور رسالہ میں اس تقدم و تاخر کی حقیقت کہیں مذکور نہیں نہ اس کا ذکر ہے کہ یہ تقدم و تاخر اعتباری ہے یا حقیقی ۔
د فصل چہارم میں روح انسانی کو عالم جبروت سے اور روح حیوانی کو عالم ملکوت سے کہا گیا ہے حالانکہ روح انسانی عالم ملکوت سے ہے اور روح حیوانی عالم ناسوت سے اور جبروت کوئی عالم ہی نہیں کیونکہ وہ مراتب الٰہیہ سے ہے اور عالم نام ہے ماسوی اللہ یعنی مراتب کونیہ کا اور جس تاویل یا اصطلاح پر یہ حکم مبنی ہے وہ کہیں مذکور نہیں ۔
ہ فصل پنجم میں جبروت و ملکوت و ناسوت سے وجود خارجی کو سلب کیا ہے جبتک اُسکی کافی تقریر نہ کیجاوے اسمیں تاسیس ہے الحاد و ابطال شرائع کی اور تقریر رسالہ میں مذکور نہیں ۔
و فصل ہشتم میں عروج سوم اضطراری میں جنت و نار کی مدت کو بقدر حیات زمین و آسمان کے کہا ہے اور یہ

اجماعاً باطل ہے اور آیت مادامت السموات والارض کی یہ تفسیر نہیں اور عروج چہارم و پنجم مطرانی کی جو حقیقت بیان کی ہے وہ بالکل موہم ہے واجب و ممکن کے اتحاد و حلول کی وھو باطل۔

ز۔ اس فصل میں قسم سیوم عروج ایزدی میں معراج کی جو حقیقت بیان کی ہے اجماعاً باطل ہے الا ان یاول و فوق ید کل ذی علم علیم

ح۔ فصل دہم میں معراج نبی کو اذیت سے بری کہا ہے یہ محتاج دلیل ہے اور رسالہ میں اس پر دلیل نہ ہونا بھی مذکور نہیں۔

ط۔ فصل یازدہم میں نوع اول ظالم لنفسہ کے باب میں لکھا گیا ہے از راہ اضطراب از شعلۂ برق تجلی سوختند جبتک انکی سعی ختم نہ کیجاوے اس سے بادی النظر میں ظالم کا واصل و فانی فی التجلی ہونا مفہوم ہوتا ہے۔

ی۔ فصل دوازدہم میں وحدت و کثرت کی بحث اس قدر مجمل بلکہ مبہم ہے جس سے ناظر کا ایمان خطرہ میں پڑتا ہے پھر ذات بحت کو لا بشرط شئ کہا گیا ہے جس سے بدون تنبیہ اصطلاح واجب و ممکن میں علاقہ کلیت و جزئیت کا اور وجود خارجی میں دونوں میں عدم تبائن مفہوم ہوتا ہے تعالی اللہ عن ذلک علواً کبیرا۔ اسی طرح فصل سیزدہم کا مضمون بھی اسی کے متقارب ہے اسمیں بھی وہی عرض ہے اسی طرح بہت مقامات ہیں بلکہ کل ہی مقامات ہیں۔ یہ نمونہ کے طور پر چند امثلہ عرض کر دی گئی ہیں۔ ان کی تصحیح کی جو توجیہات ہیں ان کے جاننے والے سمجھنے والے اہل علم میں بھی گنتی کے ہیں تا بہ عوام چہ رسد۔ اس سے اندازہ ہو سکتا ہے کہ انکی اشاعت درحقیقت مصداق اثمهما اکبر من نفعهما ہے یا نہیں۔ اسی تقریر سے خط میں اس فرمانے کا جواب بھی ہو گیا کہ سب سے پہلے اصلاح لوگوں کی انہی ذاتی خیالات و عقائد کی مقصود ہے جو رسالہ کے پڑھنے سے معلوم ہو سکتے ہیں حاصل جواب کا یہ ہے کہ عنوانات مضامین کے ذو وجوہ ہیں جب تک کسی وجہ کی تعیین نہ کیجاوے عقائد کی تعیین نہیں ہو سکتی اسلئے انکی نسبت کچھ عرض نہیں کیا جا سکتا یہ سب کلام تھا علوم مکاشفہ کی نسبت جس سے واضح ہو گیا کہ یہ شعبہ تصوف کا قابل خوض نہیں ہے البتہ تصوف کا دوسرا شعبہ جو علوم معاملہ سے ملقب ہے وہ وہ علوم ہیں جنکی اشاعت حضرات انبیاء علیہم السلام اور اُن کے کامل نائبین و ورثہ عظام یعنی علماء راسخین و صوفیہ محققین فرماتے رہے اور غایت انکی نجات و قرب حق ہے اس شعبہ کی جسقدر خدمت ہو سکے بیشک نافع ہے معلم کیلئے بھی اب اس مضمون کو ختم کرتا ہوں۔ اور چونکہ حاصل اس مضمون کا علوم مکاشفہ کے اشتغال سے خروج و احتراز اور علوم معاملہ کے اشتغال میں دخول و توجہ ہے اس حاصل کی مناسبت سے معہ رعایت قافیہ اصل رسالہ جسکے متعلق یہ لکھا گیا ہے اسکا نام دخول و خروج بر نزول و عروج رکھا گیا۔ واللہ الهادی الی سواء السبیل۔

ازالۂ اشکال۔ تقریر مذکور پر یہ سوال محتمل ہے کہ اگر علوم مکاشفہ قابل اشاعت نہیں تو اکابر نے ایسی کیوں کلام

کیا ہے۔ جواب یہ ہے کہ اُن حضرات کا مقصود اشاعت عام نہ تھی بلکہ دو سبب تھے اظہار کے ایک تو غلبۂ حال جس سے اظہار میں کالمضطر ہو جاتے تھے دوسرے اظہار اہل کیلئے تاکہ وہ اپنے اذواق و مواجید کو اس پر منطبق کر کے شفا حاصل کرے اور عدم انطباق کی صورت میں اُس سے اعراض کرے۔ چنانچہ ان حضرات کی تصریحات سے ظاہر ہے

والسلام خیر ختام ۵ منتصف رجب ۱۳۳۲ھ

ستّرواں غریبہ در تحقیق محبت عقلی و طبعی و تحقیق معنی حدیث لا یؤمن احدکم حتی اکون احب الیہ الخ

مضمون۔ فرمایا کہ محبت کی دو قسمیں ہیں ایک طبعی دوسری عقلی۔ اور مطلوب عند الشارع مؤخر الذکر ہے بعض لوگ حب طبعی نہ ہونے سے سمجھتے ہیں کہ واقع میں محبت ہی نہیں حالانکہ حب عقلی خدا اور رسول سے ہر مسلمان کو ضرور ہوتی ہے۔

(ارشاد) حب طبعی وہ ہے جو بلا واسطہ دلائل و مقدمات کے قلب میں پیدا ہو۔ مثلاً بیٹے سے یا باپ سے اور حب عقلی وہ ہے جس میں عقلی دلائل و مقدمات کی وساطت محبت کی متقاضی ہو، مثلاً حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے کہ آپکی خوبیاں آپکے اخلاق اور آپکی شفقت و رحمت پر غور کرنے سے عقل بے اختیار آپ کو محبوب سمجھنے لگتی ہے۔

سوال کیا گیا کہ حدیث میں ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ کوئی شخص تم میں سے مؤمن نہیں ہو سکتا تا وقتیکہ میں اسکے نزدیک سب سے زیادہ محبوب نہ ہو جاؤں۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے عرض کیا یا رسول اللہ میرے نزدیک تو آپ سب سے زیادہ محبوب ہیں بجز میری جان کے آپ نے فرمایا تو تم مؤمن بھی نہیں ہو۔ پھر حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے عرض کیا کہ اب میری جان سے آپ زیادہ محبوب ہو گئے آپ نے فرمایا کہ تم مؤمن بھی ہو گئے اشکال یہ ہے کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے جس محبت کی نفی فرمائی ہے وہ محبت عقلی تو ہو نہیں سکتی اسواسطے کہ وہ تو ہر مؤمن کو ہوتی ہے۔ اور اگر وہ طبعی محبت مراد لیجاوے تو اسکی نفی تو صحیح ہے مگر پھر اثبات درست نہیں کیونکہ پہلے حضرت عمرؓ کو یہ محبت نہ تھی چنانچہ انہوں نے خود ہی اس کا اقرار کیا تھا۔ اور اتنی جلدی عادۃً تغیر ہو نہیں سکتا۔

اسپر فرمایا کہ حدیث کو سنکر اول اول حضرت عمرؓ یہ سمجھے کہ محبت طبعی مراد ہے اسلئے انہوں نے صاف صاف عرض کر دیا کہ مجھے ایسی محبت تو ہے نہیں۔ جب اس پر آپ نے یہ فرمایا کہ تم مؤمن بھی نہیں ہو تو معاً اپنی کمال ذکاوت سے ان کا ذہن اس طرف منتقل ہوا کہ حضور کی مراد محبت عقلی ہے کیونکہ جسقدر اعلیٰ درجے کے عامل مؤثر تھے اسی قدر اعلیٰ درجے کے مخاطب بھی متاثر تھے۔ اسلئے زبان سے حب طبعی و عقلی کی تفصیل کی گئی

کی ضرورت نہیں ہوئی۔ ذرا تامل سے سمجھ گئے۔ پس فرمایا کہ اب ہے مجھے اتنی محبت آپ نے فرمایا تم مومن بھی ہو
الحاصل جملہ منفیہ میں حب طبعی کی نفی ہے۔ اور جملہ مثبتہ میں حب عقلی کا اثبات۔ فاندفع الاشکال۔

اکہتّرواں غریبہ در زیادت رکعات تہجد بر دوازدہ

سوال شب کو وتر سے پیشتر چار رکعت بہ نیت تہجد کے نام سے پڑھ لیتا ہوں۔ اور آٹھ رکعت
آخر شب میں بہ اس غرض سے لکھا کہ ایک بزرگ کے زمانے سے شبہ ہو گیا تھا کہ جب چار رکعت اول
شب میں بہ نیت تہجد ادا کر لی تو پھر آخر شب میں تہجد ساقط ہو گئے۔ اب اس وقت جو کچھ پڑھے جائیں گے وہ
نفل ہوں گے تہجد نہیں ہوں گے۔ کیا یہ خیال صحیح ہے۔

جواب نہیں۔ ذیل کی روایت سے فعلاً بارہ رکعت سے زیادہ گو محدود اور قولاً غیر محدود رکعات تہجد
کی ثابت ہیں یعنی رکعات تہجد کی کوئی ایسی حد نہیں جس کے بعد کی نماز کو تہجد نہ کہا جاوے۔ قال الحافظ
العلامۃ شیخ الاسلام مفتی الانام فی التلخیص الحبیر فی حواشی المنذری (وھو الحافظ
زکی الدین عبد العظیم المنذری استاذ الشیخ تقی الدین ابن دقیق العید) قیل اکثر
ماروی فی صلوٰۃ اللیل سبع عشرۃ وھی عدد رکعات الیوم واللیلۃ وروی ابن حبان
(ای فی صحیحہ) وابن المنذر والحاکم (ای فی مستدرکہ) من طریق عراک عن ابی ھریرۃ
مرفوعاً اوتروا بخمس او بسبع او بتسع او باحدیٰ عشرۃ او باکثر من ذلک اھ النور ص ۲۳۸

بہترواں غریبہ در حل اشکال متعلق حدیث اہل علی غیرین

سوال ایک شبہ یہ ہوتا ہے کہ دیندار وہ شخص ہے کہ تمام امور شرعیہ میں شریعت کا پابند ہو عبادات
معاملات۔ اخلاق۔ عادات وغیرہ لک۔ اگر کوئی شخص محض فرائض خمسہ جو کہ ارکان اسلام قرار دئے
گئے ہیں بنی الاسلام علی خمس اسپر دال ہے اکتفا کرے اور دیگر امور شرعیہ کی پابندی نہ کرے تو بظاہر
یہ معلوم ہوتا ہے کہ نہ دیندار ہے اور نہ مو... وہ آخرت میں بچ سکتا ہے کیونکہ قانون سرکاری میں انتخاب کے
ساتھ عمل کرنے والا اور بقیہ میں انکار یا تساہل کرنیوالا مواخذہ ہوتا ہے کما لا یخفی۔ مگر حدیث میں ان
ارکان کے موافق عملدرآمد کرنیکی بابت آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم روحی وجسمی فداہ نے افلح وابیہ

فرمایا ہے فلاح کے لفظ میں نجات کامل مفہوم ہوتی ہے قد افلح المؤمنون الذین هم فی صلوٰتهم وغیرہ کے اطلاق سے اسکی تائید بھی ایک درجہ میں ہوتی ہے - علاوہ بریں اگر نجات ناقص و فلاح ناقص مراد ہو تو اس اشکال میں کمی ہوگی مگر ایک دوسرا واقع ہوتا ہو وہ یہ کہ وفد عبد القیس کا غالبًا یہ واقعہ ہے انہوں نے هل علی غیرهن سے سوال فرمایا تھا اسکے جواب میں جناب نے فرمایا کہ لا الا ان تطوع اس سے معلوم ہوا کہ نجات کامل محض ارکان خمسہ کی ادا سے ہوگی اگر نہ ہوتی تو آپ اور احکام کی بابت بھی کا حکم فرماتے اگر خلاف مزاج نہ ہو تو کچھ تحریر فرمایا جاوے -

جواب - فلاح سے مراد فلاح کامل ہی ہو حدیث اول کا مطلب یہ ہے کہ ان احکام کی التزام کی یہ خاصیت ہو فلاح کامل ہو باقی ہر شے کی خاصیت کی ترتب کے کچھ شرائط اور موانع ہوا کرتے ہیں یہاں بھی ہیں ومنها الاشتغال والاخلال لاحکام اخر اور حدیث ثانی کا مطلب یہ ہو کہ هل علی غیرها من جنس هذه الاحکام قرینہ اس کا یہ ہو کہ جواب میں ارشاد ہوا لا الا ان تطوع دوسرے احکام سے نہ سوال میں تعرض ہو نہ جواب میں نفی اور کیسے ہو سکتا ہو ورنہ دوسرے نصوص کا ابطال لازم آوےگا وهل یلتزمه احد -

تہترواں غریبہ در جواب از مسح ارجل

سوال - ایک مجتہد شیعہ میرے شناسا ہیں ایک دن وہ ایک آبشار کے کنارے پاؤں سکھلا رہے تھے تاکہ وضو کریں میرا ان سے ذرا مذاق بھی ہے - میں نے مذاقیہ کہا کہ کیوں تمام دنیا سے الٹا وضو کرتے ہو - سیدھے ہو جاؤ اس نے فورًا کھڑے ہو کر کہا کہ اس مسئلہ کو تم لوگوں نے نہیں سمجھا لو سنو فاغسلوا وجوهکم الآیۃ پڑھکر کہا کہ چار فرض ہیں دو کا دھونا فرض اور دو کا مسح کرنا فرض ہے اسکی تشریح تیمم کے مسئلہ نے کر دی جن کا دھونا فرض تھا وہ تیمم میں رہ گئے اور جن کا مسح فرض تھا وہ معاف کئے گئے اگر پاؤں کا دھونا فرض ہوتا تو تیمم میں معاف نہ ہوتے چونکہ سر کا مسح معاف ہو معلوم ہوا کہ پاؤں کا بھی مسح تھا جو سر کی طرح معاف ہو گیا انتہی کلامہ - اسکی اس گفتگو کا مجھ سے کچھ جواب نہ بن پڑا مذاق میں ٹلانا پڑا البتہ اسوقت سے ایک کھٹک سی دل میں ہے

جواب یہ تو محض ایک نکتہ تھا جو خود موقوف ہو پاؤں کے ممسوح ہونیکے ثبوت پر پھر اسکے ثبوت کو اس نکتہ پر مبنی کرنا دور صریح ہے کیا اس استلزام کی کوئی دلیل ہو کہ ساقط ہونا مستلزم ہو ممسوحیت کو تعجب ہے ایسے صریح تحکم سے آپ متاثر ہو گئے -

چوہترواں غریبہ در حل عبارت قشیریہ متعلق انس

سوال۔ رسالہ قشیریہ صفحہ ۴۳ میں ان ادنی محل الانس انه لو طرح فی لظیٰ لم یکدر علیہ انسہ اسمیں لفظ لظی سے کیا مراد ہے نار دنیا یا طبقہ جہنم امید ہے کہ حضور اسکے جواب باصواب سے ضرور مشرف فرمادیں گے

جواب ظاہراً تو طبقۂ جہنم ہی مراد معلوم ہوتا ہے اور یہ یا تو مبالغہ ہے کما فی قولہ تعالیٰ وان کان مکرھم لتزول منہ الجبال اور یا مقید ہے بقاء انس کے ساتھ یعنی اگر اس وقت انس باقی رہے تو نار لظی اس کو مکدر نہیں کرسکتی انس کی یہی خاصیت ہے جیسا بعض شراح حدیث نے حدیث لا یدخل الجنۃ من کان فی قلبہ مثقال حبۃ من خردل من کبر میں کہا ہے کہ یہ عدم دخول مقید ہے بقاء الکبر سے اور یا کہا جاوے کہ محل انس قلب ہے تعذیب بدن سے تعذیب قلب لازم نہیں جیسے معشوق کے مارنے سے چوٹ لگتی ہے مگر دل بُرا نہیں ہوتا۔

پچہترواں غریبہ در شرائط نافعیت تحقیق مصالح احکام

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

بعد الحمد والصلوٰۃ۔ یہ احقر عرض کرتا ہے کہ اسمیں تو کوئی شک نہیں کہ اصل مدار ثبوت احکام شرعیہ فرعیہ کا نصوص شرعیہ ہیں جنکے بعد اُن کے امتثال اور قبول کرنے میں اُن میں کسی مصلحت و حکمت کے معلوم ہونیکا انتظار کرنا بالیقین حضرت حق سبحانہ و تعالیٰ کے ساتھ بغاوت ہے جس طرح دنیوی سلطنتوں کے قوانین کی وجوہ واسباب اگر کسی کو معلوم نہ ہوں اور وہ اس معلوم نہ ہونیکے سبب اُن قوانین کو نہ مانے اور یہ عذر کرے کہ بدون وجہ معلوم کئے ہوئے میں اسکو نہیں مان سکتا تو ۔۔۔ بجز باغی ہونے کے کوئی عاقل شبہ کرسکتا ہے تو کیا احکام شرعیہ کا مالک اُن سلاطین دنیا سے بھی کم ہوگا! ۔۔۔ اسمیں کوئی شک نہ رہا کہ اصل ثبوت احکام شرعیہ فرعیہ کا نصوص شرعیہ ہیں لیکن اسی طرح اسمیں بھی شبہ نہیں کہ باوجود اسکے پھر بھی اُن احکام میں بہت سے مصالح اور اسرار بھی ہیں اور گو مدار ثبوت احکام کا اُن پر نہ ہو جیسا اوپر مذکور ہوا لیکن اُن میں یہ خاصیت ضرور ہے کہ بعض طبائع کے لئے اُنکا معلوم ہو جانا احکام شرعیہ میں مزید اطمینان پیدا ہونے کیلئے ایک درجہ میں معین ضرور ہے گو اہل الیقین راسخ کو اسکی ضرورت نہیں لیکن بعض ضعفاء کیلئے تسلی بخش ہوتے

بخشش بھی ہے (اور اسوقت ایسی طبائع کی کثرت ہی) اسی راز کے سبب بہت سے اکابر علما مثل امام غزالی وخطابی
وابن عبدالسلام وغیرہم رحمہم اللہ تعالیٰ کے کلام میں اس قسم کے لطائف ومعانی مذکور بھی پائی جاتے ہیں چونکہ
ہمارے زمانہ میں تعلیم جدید کے اثر سے جو آزادی طبائع میں آگئی ہے اُس سے بہت لوگوں میں ان مصالح کی
تحقیق کا شوق اور مذاق پیدا ہوگیا ہے اور گو اسکا اصل علاج تو یہی تھا کہ ان کو اس سے روکا جاوے (چنانچہ
بعض اوقات یہ مذاق مضر بھی ہوتا ہی لیکن تجربہ سے اسمیں ! منتشر طالبین صادقین کے عام لوگوں کو
اس سے روکنے کا مشورہ دینے میں کامیابی متوقع نہیں تھی اسلئے تسہیلاً للطامہ وتیسیراً علی العامہ بعض اہل علم
بھی جستہ جستہ اسمیں تحریر و تقریر کرنے لگے ہیں اور اگر ان تقریرات وتحریرات میں حدود شرعیہ کی رعایت
ملحوظ رکھی جاتی تو ان کو کافی سمجھکر کسی نئے مجموعہ کی ضرورت نہوتی مگر علوم حقہ واتباع علوم حقہ کی تحقیقات
اور آراء فاسدہ اور اتباع اہواء مختلفہ کی کثرت کے سبب بکثرت ان میں تجاوز عن الحدود سے کام لیا
گیا ہے چنانچہ اس وقت بھی ایک ایسی ہی کتاب جسکو کسی صاحب علم نے لکھا ہے مگر علم وعمل کی کمی کے
سبب تمام تر رطب و یابس وغث وسمین سے پر ہے ایک دوست کی بھیجی ہوئی میرے پاس دیکھنے کی غرض
سے آئی ہوئی رکھی ہے اُسکو دیکھکر یہ خیال پیدا ہوا کہ ایسی کتابوں کا دیکھنا تو عامہ کو مضر ہے مگر عام مذاق
کے بدل جانے کے سبب یہ نہیں ہو سکتا کہ اُسکا ضرر سب لوگوں کو بتلا یا جاوے اس کے مطالعہ سے روکنا خارج عن
القدرہ ہے اسلئے اسکی ضرورت محسوس ہوئی کہ ایک ایسا مستقل ذخیرہ ان مضامین کا جو ان مفاسد سے
مبرّا ہو ایسے لوگوں کیلئے مہیا کیا جاوے تاکہ اگر کسی کو ایسا شوق ہو تو وہ اسکو دیکھ لیا کریں کہ اگر موثر
منافع نہ ہوگا تو واقع مضار تو ہوگا - (البتہ جس طبیعت میں مصالح کے علم سے احکام الٰہیہ کی عظمت وقعت
کم ہو جاوے یا وہ انکو مدار احکام سمجھنے لگے کہ اُن کے انتفا سے احکام کو منتفی اعتقاد کرے یا اُن کو مقصود
بالذات سمجھکر دوسرے طریق سے اُن کی تحصیل کو بجائے اقامت احکام کے قرار دے لے جیسا کہ اوپر بھی ان
مضار کی طرف اجمالاً اس قول میں اشارہ بھی کیا گیا ہے "چنانچہ بعض اوقات یہ مذاق مضر بھی ہوتا ہے" سو ایسے
طبائع والوں کو ہرگز اسکے مطالعہ کی اجازت نہیں بہر حال وہ ذخیرہ یہی ہے جو آپکے ہاتھوں میں موجود ہے
احقر نے غایت بے تعصبی سے اسمیں بہت سے مضامین کتاب مذکور بالا سے بھی جو کہ موصوف بصحت تھے لیلئے

عہ اور بہت زیادہ ان مضامین کا حجۃ اللہ البالغہ سے ماخوذ تھا جیسا کہ بعد اخذ کے حجۃ اللہ کے دیکھنے سے معلوم ہوا اور
بعض جگہ ہمارے اکابر سے وللہ الحمد علی ان اخذنا لم یکن من غیر الماخذ ۱۲ منہ

ہیں اور اسمیں احکام مشورہ کی کچھ کچھ وہی مصلحتیں مذکور ہونگی جو اصول شریعت سے بعید نہوں اور افہام عامہ کے قریب ہوں مگر یہ مصلحتیں نہ سب منصوص ہیں نہ سب مدار احکام ہیں۔ اور نہ ان میں انحصار ہے محض ایک نمونہ ہے اس بحث میں ہمارے زمانہ سے کسی قدر پہلے زمانہ میں حضرت مولانا شاہ ولی اللہ صاحب حجۃ اللہ البالغہ لکھ چکے ہیں۔ سنا ہے کہ ترجمہ اسکا بھی ہو چکا ہے مگر عوام کو اسکا مطالعہ مناسب نہیں کہ غامض زیادہ ہے اور اس ہمارے زمانہ میں بھی ایک مصری فاضل ابراہیم آفندی اعلی المدرس بالمدرسۃ الخدیویہ نے ایک کتاب لکھی ہے جسکا نام اسرار الشریعۃ ہے اور جو ۱۳۲۹ھ میں مصر کے مطبع الواعظ میں چھپی ہے اور اسکے قبل ایک رسالہ حمیدیہ شائع ہو چکا ہے مگر یہ دونوں کتابیں عربی زبان میں ہیں جنمیں سے حمیدیہ کا ترجمہ اردو تو کئی سال ہوئے شائع ہو چکا ہے اور اس دوسری کتاب اسرار الشریعت کا ترجمہ کاندھلہ میں مولوی حافظ محمد اسمٰعیل صاحب کر رہے ہیں میرے اس مجموعہ کے ساتھ ان دونوں کتابوں کا مطالعہ کرنا معلومات میں ترقی دیگا اور چونکہ طرز ہر ایک کا جدا ہے اسلئے ایک کو دوسرے سے مغنی نہ سمجھا گیا۔ میں نے ان دونوں کتابوں کا ذکر اس مصلحت سے بھی کیا ہے اور اسلئے بھی کہ میرے اس عمل کو تفرد نہ سمجھا جاوے اور اس تفرد کے شبہ کو صاحب حجۃ اللہ البالغہ نے بھی خطبہ میں اسکی اصل کو کتاب و سنت کے اشارات واضحہ سے نکالکر رفع فرمایا ہے اور بطور مثال کے اسکے بعض بعض ماخذ کو بھی بیان فرمایا ہے اور نام اسکا المصالح العقلیہ للاحکام النقلیہ رکھتا ہوں حق تعالیٰ اسکو اسکے موضوع میں نافع اور ترددات و شکوک فی الاحکام کا دافع فرماوے والسلام

کتبہ اشرف علی عفی عنہ یکم رجب یوم الخمیس ۱۳۳۴ھ

چھیترواں غریبہ تہترویں کا تتمہ در توجیہ عجیب قراءۃ وارجلکم بالجر

اگر ہم جر جوار کے بھی قائل نہوں اور ارجل کے مسح ہی کو مان لیں تب بھی اس کا غیر مغسول ہونا لازم نہیں آتا بلکہ احتمال ہے کہ یہ وہ مسح ہو جو عین غسل کے وقت کیا جاوے یعنی دلک جو باعث ہے کہ پاؤں کی جلد سخت ہوتی ہے اسلئے غسل کے ساتھ کہ مفہوم ہے ایک قراءۃ کا دلک کا حکم کہ مفہوم ہے دوسری قراءت کا فرمایا ہو۔

عہ اور تمیم فائدہ کیلئے بعض دوسری مفید کتب کا بھی پتہ دیتا ہوں جن کا مطالعہ اس موضوع میں بصیرت بڑھا دیگا۔ الانتباہات المفیدہ للاحقر۔ العقل والنقل مولوی شبیر احمد دیوبندی سلمہ۔ مواعظ مفصلہ و مختصرہ وعظ روح الارواح۔ رسالۃ الحق جو پرچہ الرشاد میں نکلتا ہے۔ آل التہذیب نو مقالے ۱۲ منہ

ستترواں غریبہ در تنبیہ متعلق بہ قاعدہ حجیۃ شرائع من قبلنا

اس قاعدہ اصولیہ میں ایک قید مشہور ہے کہ نقل کر کے نکیر نہ کیا گیا ہو اُس میں اتنی تنبیہ ضروری ہے کہ یہ ضرور نہیں کہ اُسی مقام پر نکیر ہو بلکہ کسی نص میں بھی نکیر ہونا کافی ہے۔ ورنہ تبرئہ یوسف علیہ السلام کے قصہ میں جو اُس شاہد کا قول منقول ہے ان کان قمیصہ قد من قبل الخ اور اس مقام پر نکیر نہیں ہے تو لازم آتا ہے کہ ہماری شریعت میں بھی حجت ہو وہو منتف۔ اس سے اُن لوگوں کا بھی جواب ہو گیا جو سجدہ ملائکہ و اخوان یوسف علیہ السلام سے جواز سجدہ تحیۃ پر استدلال کرتے ہیں وجہ جواب ظاہر ہے کہ دوسری نصوص میں نکیر موجود ہے۔

وفی المقام تفریعان لطیفان یتعلقان بقصۃ موسی علیہ السلام مبنیان علی کون ما قص اللہ ورسولہ علینا من غیر نکیر حجۃ لنا۔ احدہما اباحۃ مال الحربی برضاہ ولو بعقد فاسد فان استیجار الام لارضاع الابن عقد فاسد وہو مذہب الحنفیۃ۔ والثانی کون المعاہدۃ التی تحرم دم الحربی عاما للقالی والحالی فان موسی علیہ السلام لم یعاہدہم قالًا فلو لم ینعقد العہد بالحال کان دم القبطی مباحا فلا معنی لتسمیۃ قتلہ عمل الشیطان واستغفارہ منہ ھذا۔

اٹھترواں غریبہ در عدم تنافی بین الرق و ولدیت اسمٰعیل عم

احادیث میں بعض اعمال کی فضیلت میں وارد ہے کہ مثل اعتاق اولاد بنی اسمٰعیل علیہ السلام کے ہے اس پر اشکال ہوتا ہے کہ یہ کیسے ممکن ہے جواب یہ ہے کہ حریت و رق میں ولد باپ کا تابع نہیں ہوتا ماں کا تابع ہوتا ہے تو اگر کسی قریشی نے جاریہ سے نکاح کر لیا تو اُس کی اولاد ولد اسمٰعیل علیہ السلام بھی ہے اور رقیق بھی۔

اناسی واں غریبہ در نقض ذمہ بہ شتم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم

حنفیہ و شافعیہ اس مسئلہ میں مختلف ہیں مدت سے دونوں مذہبوں میں یہ تطبیق سمجھتا تھا کہ شتم دو قسم کے ہیں ایک بطور اپنے مذہب کی تحقیق کے یہ نقض نہیں کیونکہ ما یدینون بہ میں داخل ہے دوسرا بطور طعن و اہانت کے یہ نقض ہے کیونکہ یہ ما یدینون بہ پر زائد ہے و یدل علیہ قولہ تعالیٰ وان نکثوا ایمانہم من بعد عہدہم وطعنوا فی دینکم فقاتلوا ائمۃ الکفر انہم لا ایمان لہم الآیۃ پھر شامی میں اسی کے قریب تقریر نظر سے

گذری قدس اللہ تعالیٰ علیہ۔

اسّی واں غریبہ در امتناع تصور حق بالکنہ و تفاوت عارفین در تصور بالوجہ

سوال۔ تصور حق تعالیٰ کی جو چار قسمیں کی ہیں یعنی تصور تام بالوجہ، تصور ناقص بالوجہ۔ بالکنہ، بکنہہ ان میں سے کاملین کو کونسی حاصل ہو جاتی ہے۔

الجواب۔ سب کو بالوجہ ہی ہوتا ہے مگر خود اس وجہ میں تفاوت ہے کسی کو اس وجہ کی کنہ منکشف ہوتی ہے کسی کو اس وجہ کی بھی وجہ ہی مدرک ہوتی ہے۔

اکیاسی واں غریبہ در معتبر بودن ذکر غیر لسانی

سوال۔ اگر ذکر لسانی بلا اسماع نفس ہو تو ذکر سمجھا جائیگا یا نہیں بعض وقت اس طرح بھی کرتا ہوں فقہ میں تو ادنیٰ مخافت کا اسماع نفس لکھا ہے اس صورت میں تو یہ نہ سری ہے نہ جہری اور یہ صورت اکثر نوم کے وقت پیش آتی ہے کہ اگر کسی قدر صوت کیساتھ کرتا ہوں تو نوم میں دقت ہوتی ہے اور بالکل زبان روکنے کو بھی دل نہیں چاہتا لہذا یہ صورت اختیار کرتا ہوں۔

جواب۔ فقہا نے جو اعتبار نہیں کیا اسکے معنی یہ ہیں کہ احکام دنیویہ بدون اسکے معتبر نہیں نہ یہ کہ ثواب بھی نہیں ہوتا آپ بے تکلف ایسا کرتے رہیں۔

بیاسی واں غریبہ در غیر معتبر بودن حالے کہ باطلاع شیخ زائل شود

حال۔ حضور والا نماز میں جو دلچسپی و خضوع و خشوع پیدا ہو گیا تھا وہ حضرت کو اطلاع دینے کے بعد فوراً جاتا رہا عجیب حالت ہے جس حالت کا اظہار کرتا ہوں وہی حالت موقوف ہو جاتی ہے امید ہے کہ حضور تسلی فرماوینگے

تحقیق۔ وہ کیفیات معتبر نہیں جو مصلح کو اطلاع دینے سے جاتی رہیں۔ اطلاع دینا ضروری ہے خواہ ایک کیفیت بھی نہ رہے۔ کیفیات غیر اختیاریہ مطلوب ہی نہیں۔ ہاں جو امور اختیاری ہیں اُن میں کوتاہی نہ ہونا چاہئے جیسے نماز میں قلب کو خود حاضر کرنا گو حاضر نہ رہے۔

تیراسی واں غریبہ در رفع اشکال بحدیث واجعلنی فی اعین الناس کبیرا

حال حضرت مولانا و مرشدنا دامت برکاتکم السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہٗ گذارش یہ ہے کہ
(۱) (اجعلنی فی عینی صغیرا و فی اعین الناس کبیرا) یہ دعا مناجات مقبول میں ہے بوقت تلاوت
(وفی اعین الناس کبیرا) کو خالی الذہن ہو کر پڑھتا تھا اور یہ خیال ہوتا تھا کہ یہ حالت تو ایسی ابتداء لوگوں
کی نظر میں بڑا معلوم ہونیکی حضرت حق سے دعا کروں کل یہ خیال پیدا ہوا جب حضور سرور کائنات صلی اللہ
علیہ وسلم نے تعلیم فرمایا ہے تو اسمیں مصالح و حکم ہوں گے اور اللہ تعالیٰ کو یہی دعا پسند ہوگی (اگر طمع
خواہد زمن سلطان دیں + خاک بر فرق قناعت بعد ازیں) دنیا میں بھی کوئی مالک شفیق یہ نہیں چاہتا
کہ میرا غلام لوگوں کی نظر میں ذلیل و خوار رہے اب یہ جی چاہتا ہے کہ اس دعا کو مع ملاحظہ معنی کے پڑھا
کروں کیونکہ ایسی دعا میں نفس کو بھی لذت آتی ہے اور وہ لوگوں کی نظر میں بڑا بننا چاہتا ہے اور کمترین
میں ایسی استعداد نہیں کہ امتیاز کرسکے کہ یہ خطرہ رحمانی ہے یا نفسانی لہذا حضور والا میں عرض رسا ہوں
حسب معمول پڑھا کروں یا معنی کا بھی تصور کیا کروں کمترین کا طبعی مذاق یہی ہے کہ گمنام رہوں کوئی امتیازی حالت نہ ہو
تحقیق نہایت مبارک مذاق ہے اور اس دعا کی حقیقت اس مذاق کے خلاف نہیں اور اس حقیقت کا سمجھنا
موقوف ہے حکمت جاہ کے سمجھنے پر اور وہ یہ ہے کہ جاہ خود مقصود نہیں بلکہ ذریعہ ہے رفع مفسدہ کا اور وہ مفسدہ
اذیت خلق ہے اسکا دافع جاہ ہے کہ وہ مانع ہوتا ہے ظالموں کی دست درازی سے پس اصل مقصود یہ ہے کہ اذیت
عوام و حکام سے محفوظ رہے تا کہ بلا تشویش مشغول طاعت رہ سکے پس اس معنی کے تصور سے دعا کرنا نہ خلاف مذاق
ہے گا نہ نفس کو اسمیں بڑے بننے کی لذت ہوگی۔

چوراسی واں غریبہ در حل بعض عبارت لوائح جامی رحمہ اللہ

سوال۔ لوائح جامی لائحہ بست و ہفتم میں مذکور ہے کہ پس عالم ظاہر حق است و حق باطن عالم عالم پیش از ظہور
عین حق بود و حق بعد از ظہور عین عالم بلکہ فی الحقیقۃ یک حقیقت است ظہور و بطون و اولیت و آخریت
از نسبت و اعتبارات او دیند۔ دوسرے مواضع میں بھی ایسا ہی مذکور ہے جیسا کہ لائحہ ہیزدہم میں ہے پس نسبت

ع۵ غور کرنے سے سمجھ میں بھی آسکتیں ہیں ۱۲ منہ

درخارج الا حقیقتے واحد کہ بواسطہ تلبس شیون و صفات متکثرہ متعدد می نماید نسبت باآں کہ در ضمن
مراتب محبوس اند و باحکام و آثار آں مقید۔ اول سے اخیر تک بہت جگہ ایسا ہی مضمون ہے۔ اس کا
مطلب حل نہیں ہوا۔ بہت مرتبہ مطالعہ کر چکا ہوں توقع قوی ہے کہ جواب شافی مرحمت فرمایا جاوے۔

الجواب۔ یہاں ایک اصل ہے اور بعض اصطلاحات ہیں ان کے استحضار سے ایک یہ عبارت کیا غالباً تمام لوائح حل ہو جاوینگی۔ وہ یہ کہ محقق فی الخارج ان حضرات کے نزدیک صرف ایک وجود واجب ہے اور دوسرے موجودات اس وجود حقیقی کی ساتھ ایک خاص تعلق رکھنے کی سبب متصف بالوجود ہیں اور اس تعلق کی کیفیت ان حضرات کے نزدیک ایسی ہے جیسے متصف بالعرض کا تعلق متصف بالذات کے ساتھ پس اس بنا پر موجود بالذات صرف ذات حق ہے اور ممکنات موجود بالعرض اور اسی مرتبہ میں ممکنات کو غیر موجود بھی کہدیا جاتا ہے جیسے جالسین سفینہ کو غیر متحرک بالذات میں کہا جاسکتا ہے۔ اور چونکہ یہ موجود بالعرض شاہد ہے اور موجود بالذات غیر شاہد اسلئے عالم کو ظاہر حق اور حق کو باطن عالم کہدیا ہیں ظاہر و باطن کے وہ معنی نہیں جس معنی کر روح کو باطن انسان اور جسد کو ظاہر انسان کہا جاتا ہے بلکہ ظاہر بمعنی مظہر و باطن بمعنی ذی مظہر ہے فلا اشکال اور چونکہ ما بہ الاتصاف بالذات و ما بہ الاتصاف بالعرض شی واحد ہے محض تغایر اعتباری ہوتا ہے اسلئے دونوں متغایرین بالاعتبار کو ایک دوسرے کا عین کہا جاسکتا ہے اور اصل بہ الاتصاف کے اعتبار سے دونوں اتصاف کو اور پھر ان دونوں اتصاف کے اعتبار سے دونوں متصف کو تجوزاً و تسامحاً عین کہنا صحیح ہو سکتا ہے اور در حقیقت حکم عینیت کا خود ان دونوں حیثیتوں ہی پر ہے پس اس بنا پر عالم اور حق کو عین کہدیا اور اس میں قبل ظہور و بعد ظہور دونوں حالتیں اصل میں متساوی ہیں۔ مگر چونکہ قبل ظہور عالم میں خفاء محض تھا اسلئے اسکو حق میں مندرج کہدیا اور بعد ظہور امر بالعکس ہو گیا اسلئے اسکے عکس کا حکم کردیا پس یہ عینیت بمعنی اتحاد اثنین نہیں بلکہ بمعنی وحدت شی واحد ہے

مشورہ۔ ایسی کتابیں دیکھنا مضر ہے آئندہ نہ پوچھا جاوے۔

پچاسی واں غریبہ در تقریر اشارہ بہ لطائف ستہ از حدیث فی ضیاء القلوب

باید دانست کہ لطائف ستہ شش اند یعنی شش موضع اند در جسم انسان کہ بخصوص بر انوار و شغل بسیار برکات
اول لطیفہ قلبی کہ مقام او دو انگشت فرو تر زیر پستان چپ است و نور او سرخ است۔ **دوم** لطیفہ

روحی کہ مقام او دو انگشت فرو تر زیر پستان راست است و نور او سفید است **سوم** لطیفہ نفس کہ موضع آں زیر ناف است و نور او زرد است **چہارم** لطیفہ سری مقام آں مابین سینہ و نور او سبز است۔ **پنجم** لطیفہ خفی مقام آں بالائے ابرو و نور او نیلگوں است **ششم** لطیفہ اخفی محل آں ام الدماغ است و نور او سیاہ است مثل سیاہی چشم حدیث ثم وضع (صلی اللہ علیہ وسلم) یدہ علی ناصیتہ ابی محذورۃ ثم امرھا علی وجھہ من بین ثدییہ ثم علی کبدہ ثم بلغت ید رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سرۃ ابی محذورۃ ثم قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم بارک اللہ لک وعلیک الحدیث (ابن ماجہ باب الترجیع فی الاذان)

ترجمہ۔ پھر حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنا دست مبارک ابو محذورہ کے مقدم راس پر (یعنی سر کے اگلے حصہ پر) رکھا پھر اُس (ہاتھ) کو اُن کے چہرہ پر سے گذارا (اس طرح سے کہ) انکے دونوں پستانوں کے درمیان ہو (ہوتا ہوا اور دوسرے نسخہ پر اُن کے دونوں ہاتھوں کے درمیان جو جسم کا سطح ہو اس سے لگتا ہوا) انکے جگر پر (گذرا) پھر حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کا دست مبارک ابو محذورہ کی ناف پر پہونچا۔ پھر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ اللہ تعالیٰ تمہارے لئے اور تمہارے اوپر برکت فرماوے۔ روایت کیا اسکو ابن ماجہ نے۔

ف لطائف کی ماہیت اجمالیہ بھی مضمون دوم[1] کے فائدہ کے تحت میں گذر چکی ہے اور وہاں یہ بھی مذکور ہوا ہے کہ ان لطائف کا خاص خاص تعلق جسد مادی کے بعض بعض اجزاء سے ہے جسکی تفصیل ضیاء القلوب کی عبارت بالا میں مذکور ہے اور گو اصل دلیل ان تخصیصات کی کشف ہے اور ورود نص پر موقوف بھی نہیں لیکن درجہ استیناس میں یہ حدیث اُن مقامات کی طرف اس طرح مشیر ہو سکتی ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے دست مبارک ایصال برکت کیلئے ان ہی خاص مقامات پر پھیرا۔ پھر برکت کی دعاء فرمائی۔ سو یہ تو ضروری بات ہے کہ ان مقامات کو قابلیت للبرکت میں دوسرے مقامات پر ترجیح ہے اگر آپ نے قصداً ایسا کیا تب تو ترجیح ظاہر ہے اور اگر اتفاقاً ایسا کیا تو اس اتفاق کا واقع ہونا خود اس ترجیح کی علامت ہے اور بعد انضمام کشف کے اس ترجیح کی بناء قریب ہی خاص تعلقات ہیں اُن لطائف کے ان خاص خاص اجزاء جسد مادی کے ساتھ چنانچہ مقدم راس محل ہے ام الدماغ کا جس سے لطیفہ اخفیٰ متعلق ہے اور روجہ مشتمل ہے بالائے ابرو پر جو محل ہے لطیفہ خفی کا اور دونوں پستانوں کے درمیان سینہ ہے جو مقام ہے لطیفہ سر کا اور ظاہر ہے کہ جب طبعی حالت

[1] یعنی النکت الدقیقہ میں ضیاء القلوب سے ۱۲ منہ

کھلا ہوا ہاتھ بلکہ قصداً پھیلا ہوا جیسا کہ قصداً ایصال برکت اسکا قرینہ ہے۔ دونوں پستانوں کے درمیان میں کو ہوتا ہوا نیچے کو گذریگا جیسا کہ سُرّہ تک پہونچنا اس نیچے کو گذرنے پر دال ہے تو عادۃً دونوں پستانوں کے تحت سے بھی مس کریگا اور یہ دونوں مقام ہیں لطیفہ روح ولطیفہ قلب کے اول کیلئے راست ثانی کیلئے چپ خصوص حدیث کے دوسرے نسخہ پر کہ بجائے ثدییہ کے یدیہ ہے اور ما بین یدین کی دلالت اشتمال تحت الثديين پر (جبکہ اُس کی ساتھ کوئی استثنا نہ ہو جیسا کہ یہاں استثنا نہیں ہے اور مقصود مقام کا ایصال برکت ہے خود مقتضی ہے استیعاب محل مرور کو) اور بھی واضح ہے پھر دونوں پر کبد پر کو گذرنا گویا یہ نص ہے ثدیین کے تحت سے مس کرنے پر پھر اس مرور علی الکبد کی حالت میں اگر ید مبارک کا میلان خاص ایمن کی طرف مان لیا جاوے تو پھر ناف پر گذرنا جو کہ وسط میں ہے تکلف بعید کا محتاج ہوگا جسکا بدون دلیل کے قائل ہونا تحکم ہے اسلئے ماننا پڑیگا کہ ہاتھ کو دونوں طرف نسبت برابر تھی پس جب کبد کا ذکر پستان راست کے تحت پر مرور کا قرینہ ہے تو یہ مقدمہ تساوی نسبت پستان چپ کے تحت پر مرور کا قرینہ ہوگا۔ پس ہر حال میں اقرب یہی ہے کہ دونوں لطیفوں کے مقاموں پر ید مبارک کا مرور مانا جاوے اور سُرّہ پر گذرنا جو کہ محل ہے لطیفہ نفس کا یہ تو صریح مدلول ہے حدیث کا پس اس طرح سے ان خاص خاص مقامات سے ان خاص خاص لطائف کے تعلق ایک نکتہ لطیفہ کے درجہ میں حدیث کے مدلول ہوگئے فتفکر وتشکر واللہ اعلم۔

ف ۲۔ ان لطائف میں سے بعض کا نام تو نصوص میں بھی مذکور ہے جیسے روح اور قلب اور نفس اور بعض کا غیر مذکور ہے جیسے سر اور خفی اور اخفی۔ بعض نے اُن کی مذکوریت کے دعوی کیلئے اتنا بعید تکلف کیا ہے جو قریب تحریف کے ہے۔ چنانچہ دو کو تو سورۂ طٰہ کی آیت وان تجھر بالقول فانہ یعلم السر واخفی میں لفظاً اور خفی کو اخفی کے تقابل سے دلالۃً مذکور مانا ہے مگر جسکو ذرا بھی زبان سے مس ہوگا وہ یقیناً اس دعوی کو باطل سمجھیگا اور اس سے بڑھ کر جہل وہ ہے جسکا بعض نے دعوی کیا ہے کہ صوفیہ کی اصطلاح میں جن اشغال کا نام مقاماً محموداً اور سلطاناً نصیراً ہے وہ اسی عنوان سے قرآن مجید میں مذکور ہیں نعوذ باللہ من التحریف۔ یہ جہل بعینہٖ ایسا ہی ہے جیسے کسی نے کہا تھا کہ مولوی لوگ جو فاتحہ دینے سے منع کرتے ہیں اتنا نہیں سمجھتے کہ قرآن مجید میں جو سورہ فاتحہ نازل ہوئی ہے وہ خاص فاتحہ ہی دینے کی نازل ہوئی ہے اور اسی لئے تو اُس کا نام فاتحہ ہے۔ ماشاء اللہ خود ہی اپنی طرف سے ایک اصطلاح تجویز کی اور قرآن مجید کی تفسیر کو اُس کا تابع بنا دیا اللھم احفظنا واصلحنا۔

ف ۳ نفس بقول محققین عالم خلق یعنی مادیات سے ہے عالم امر یعنی مجردات سے نہیں پس اسکو لطائف میں سے شمار کرنا تغلیباً ہے اسی بنا پر بعض اکابر کے کلام میں لطائف خمسہ کا عنوان واقع ہوا ہے پس ترکیب انسان کی دس اجزا سے ہے پانچ عالم خلق سے ہیں چار عنصر اور ایک نفس اور پانچ عالم امر سے یعنی لطائف خمسہ کشاف اصطلاحات الفنون میں مجمع السلوک سے نفس کا مادی ہونا ایک عبارت میں نقل کیا ہے ان النفس جسم لطیف کلطافۃ الھواء ظلمانیۃ غیر ترکیبیۃ منتشرۃ فی اجزاء البدن کالزبد فی اللبن والدھن فی الجوز واللوز والروح نور روحانی آلۃ للنفس کما ان السراج لھا ایضاً فان الحیٰوۃ فی البدن انما تبقی بشرط وجود الروح فی النفس اھ بحث الروح پہلے نفس سے بحث کرنا اور عناصر سے بحث نہ کرنا وجہ اسکی یہ ہے کہ غرض صوفی کی کہ تصفیہ ہے نفس سے متعلق ہے عناصر سے نہیں۔

چھیاسی وان غریبہ در رفع اشکال بر حرمت بیع باذان اول جمعہ

فقہا نے فرمایا ہے کہ جمعہ کی اذان اول سے بیع وغیرہ حرام ہو جاتی ہے اور اسپر آیت سورۂ جمعہ سے استدلال کیا ہے۔ اسپر اشکال ہوتا ہے کہ نزول آیت کے وقت یہ اذان اول نہ تھی تو یہ آیت میں کیسے مراد ہو سکتی ہے اور جب مراد نہیں تو اس سے استدلال کیسے ہو سکتا ہے جواب یہ ہے کہ مراد تو اس سے اذان ثانی ہی ہے لیکن اشتراک علت سے حکم متعدی ہو جاویگا اذان اول کی طرف پس آیت سے استدلال بواسطہ قیاس کے ہے اور کلام فقہاء کا یہی محمل ہے فارتفع الاشکال۔

ستاسی وان غریبہ در تحقیق قاعدہ مناظرہ لا یجوز النقل من دلیل الی دلیل آخر

اہل مناظرہ ایک دلیل پر جب اشکال واقع ہو اسکو چھوڑ کر دوسری دلیل کی طرف منتقل ہونیکو ناجائز کہتے ہیں اور ہونا بھی چاہئے ورنہ قیامت تک کوئی کلام ختم ہی نہو دلیلیں تو غیر متناہی ہو سکتی ہیں خواہ صحیح ہوں یا غلط اور حضرت ابراہیم علیہ السلام کا قصہ محاجہ مع نمرود کا قرآن مجید میں مذکور ہے جسمیں آپنے دلیل اول کو چھوڑ کر دوسری دلیل کی طرف انتقال فرمایا۔ جواب یہ ہے کہ اس قاعدہ میں تفصیل ہے وہ یہ کہ یہ عدم جواز اُسوقت ہے جب داعی اس نقل کا مستدل کا عجز ہو اور یہاں ایسا نہیں ہوا۔ جواب بہت صاف تھا کہ توا حیا ر وا ماتت کے معنی نہیں سمجھا اور جب داعی مخاطب کی غباوت ہو کہ وہ دلیل کی حقیقت

نہیں سمجھا اور نہ سمجھنے کی امید اسوقت یہ نقل جائز اور عین مقتضائے شفقت ہے اور یہاں ایسا ہی ہوا

اٹھاسی واں غریبہ در انطباق مسئلہ کلام بر آیت قرآنیہ

قال اللہ تعالیٰ فی سورۃ الزخرف انا جعلناہ قرآنا عربیا لعلکم تعقلون وانہ فی ام الکتاب لدینا لعلی حکیم استدل المعتزلۃ بقولہ جعلناہ علی حدوث القرآن والجواب حملہ علی الکلام اللفظی ولا نزاع فیہ ھذا ھو المشھور قلت ولو فسر ام الکتاب بالعلم الالٰھی کما فی الدر المنثور فی سورۃ الرعد بروایۃ عبد الرزاق وابن جریر عن سیار عن ابن عباس انہ سأل کعبا رضی اللہ عنہ عن ام الکتاب فقال علم اللہ ما ھو خالق وما خلقہ عاملون فقال لعلمہ کن کتابا وکان کتابا فی مرتبۃ الظھور لاستحالۃ کون القدیم حادثا کانت الآیۃ دالۃ علی قدم الکلام النفسی وتفسیر قولہ لدینا بکونہ فی مرتبۃ الصفات التی ھی اقرب الی الذات وتفسیر قولہ لعلی بکونہ عالیا عن الحدوث وقولہ حکیم بحکم لان القدیم لا یتغیر والمسئلتان عقلیتان وانما ذکرت تبرعا وتقویۃ للعقل بالنقل ومثل دلالۃ القرآن علی المسئلۃ یدل الحدیث علیہا فان مسلما روی عن خولۃ بنت حکیم قالت سمعت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم یقول من نزل منزلا فقال اعوذ بکلمات اللہ التامات من شر ما خلق لم یضرہ شیء حتی یرتحل من منزلہ ذلک ورد فی الحدیث الاستعاذۃ بکلمات اللہ وقد ذم القرآن الاستعاذۃ بالمخلوق حیث قال وانہ کان رجال من الانس یعوذون برجال من الجن الآیۃ فلو کانت کلمات اللہ الشاملۃ للکلام مخلوقۃ لم یاذن فی الاستعاذۃ بھا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم وھذا ظاھر جدا۔

نواسی واں غریبہ در رفع اشکال مشھور متعلق تقسیم موجود الی الخارجی والذہنی

تقریر الاشکال ان الموجود الذہنی موجود فی الذہن والذہن موجود فی الخارج والمظروف المظروف شیء یکون مظروفا لذلک الشیء کما ھو بدیہی فلزم کون الموجود فی الذہن موجودا فی الخارج ویلزم کون الموجود فی الخارج مقسما للموجود وفی الذہن وقد کانا قسیمین۔

والجواب علی ما ادی الیہ نظری ان الموجود فی الخارج الذی ہو قسیم ہو ما کان موجودا فی الخارج بلاواسطۃ (ای بلاواسطۃ الذہن) وہو غیر شامل للموجود الذہنی الذی وجد فی الخارج بواسطۃ الذہن فتبصر وتشکر۔

نوسے واں غریبہ در رفع اشکال متعلق بوجوب وتر [90]

روی النسائی فی باب المحافظۃ علی الصلوات الخمس ان رجلا من بنی کنانۃ یدعی المخدجی سمع رجلا بالشام یکنی ابا محمد یقول الوتر واجب (ای حتم کھیئۃ المکتوبات) قال المخدجی فرحت الی عبادۃ بن الصامت فاعترضت لہ وہو رائح الی المسجد فاخبرتہ بالذی قال ابو محمد فقال عبادۃ کذب ابو محمد سمعت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم یقول خمس صلوات کتبہن اللہ علی العباد الخ قلت قد اشکل الحدیث علی الحنفیۃ فی قولہم بوجوب الوتر لان الوتر لو کان واجبا فی حقنا لکان فرضا فی حق الصحابۃ لان الفارق بین الفرض والواجب ہو الظنیۃ ولاظنی فی حقہم لوصول الدلیل منہ صلی اللہ علیہ وسلم بلاواسطۃ فلما نفی الصحابی فرضیتہ انتفی وجوبہ وہذا اشکال قوی وحلہ علی ما الہمنی اللہ تعالی بمنع عدم الظنیۃ فی حق الصحابۃ فان الظنیۃ تکون تارۃ فی الطریق وہو منتف فی حق الصحابۃ وتکون تارۃ فی الدلالۃ وہو مشترک بیننا وبینہم ولایلزم کون ہذا الظنی فرضا فی حقہم لیلزم من انتفائہ الوجوب وان لم یکن ہذا العنوان فی اصطلاحہم۔

اکیانوے واں غریبہ در معنی تقیید تکفیر صغائر بعدم غشیان الکبائر [91]

روی الترمذی فی فضل الصلوات الخمس ان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم قال الصلوات الخمس والجمعۃ الی الجمعۃ کفارات لما بینہن ما لم تغش الکبائر الحدیث۔

وظاہرہ انہ اذا غشی الکبائر لم تکن کفارات للصغائر ولیس کذلک فوجہ الحدیث ان کلمۃ ما عامۃ شاملۃ للصغائر والکبائر والمعنی ان کونہا کفارۃ لجمیع المعاصی مقیدۃ بعدم غشیان الکبائر واما اذا غشی الکبائر فلا تکون کفارۃ لجمیعہا اما کونہا کفارۃ لبعضہا

فلیس بمنتقض فافهم۔

بانوے واں غریبہ در توجیہ بودن مسجد نبوی مصداق المسجد اسس علی التقوے [۹۲]

روی الترمذی فی باب ماجاء فی المسجد الذی اسس علی التقوی عن ابی سعید الخدری قال امتری رجل من بنی خدرۃ و رجل من بنی عمرو بن عوف فی المسجد الذی اسس علی التقوی فقال الخدری ھو مسجد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم وقال الاخر ھو مسجد قبا فاتیا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فی ذلک فقال ھو ھذا یعنی مسجدہ و فی ذلک خیر کثیر الحدیث وھذا مشکل لاجماع اھل التفسیر علی کونہ مسجد قبا قلت یحتمل ان یکون النزاع فی عموم المسجد المؤسس علی التقوی للمسجد النبوی بعد الاتفاق علی صدقہ علی مسجد قبا فاثبت احدھما بطریق الدلالۃ [۱] لان المسجد الذی اسسہ الصحابۃ لما کان مؤسسا علی التقوی کان المسجد الذی اسسہ النبی صلی اللہ علیہ وسلم کذلک بالاولی فنفاہ الاخر نظرا الی عبارۃ النص فقضی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم للمثبت فافھم

ترانوے واں غریبہ در اثبات تصرف از نبی صلی اللہ علیہ وسلم [۹۳]

روی الترمذی فی باب ماجاء فی السجدۃ فی النجم عن ابن عباس رضی اللہ عنہ قال سجد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فیھا یعنی النجم والمسلمون والمشرکون والجن والانس الحدیث وکثیرا ما یقع السوال عن سبب سجدۃ المشرکین واقرب الاجوبۃ عندی کونھا بتصرف النبی صلی اللہ علیہ وسلم وفیہ اثبات التصرف ولو قلیلا من الکاملین لاسیما النبی صلی اللہ علیہ وسلم واللہ اعلم

چورانوے واں غریبہ در اصل وصول ثواب طاعت بدنیہ الی الاموات [۹۴]

روی الترمذی فی باب المتصدق یرث صدقتہ عن امرأۃ فقالت یا رسول اللہ کان علیھا ای علی امی صوم شھر قال صومی عنھا الحدیث قلت ھو اصل فی وصول ثواب العبادۃ البدنیۃ کما ھو مذھب الحنفیۃ ولا یلزم منہ کفایۃ ھذا الصوم لاحتمال ان یکون مقصودہ الی مطلق النفع لھا قلت ویدل حدیث ابی ھریرۃ رضی اللہ عنہ رجلا بان یصلی رکعتین فی مسجد العشار ویقول ھذہ

لابی ہریرۃ علی وصول الثواب الی الحی ویدل تضحیۃ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم عن امتہ علی وصولہا لو من سیولد وذکرت المسئلتین تبعا لمسئلۃ الباب۔

پچانوے وان غریبہ در اشکال متعلق بتصدیق دعوی قاتل عدم قتل را

روی الترمذی فی باب حکم ولی القتیل فی القصاص والعفو عن ابی ہریرۃ قال قتل رجل فی عہد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فدفع القاتل الی ولیہ فقال القاتل یارسول اللہ واللہ ما اردت قتلہ فقال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اما انہ ان کان صادقا فقتلتہ دخلت النار فخلاہ الرجل الحدیث ویرد علی الحدیث ان قول القائل ہذا ان کان حجۃ شرعیۃ فکیف اذن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فی قتلہ وان لم یکن حجۃ شرعیۃ فکیف یجب علی الولی قبولہ والجواب عندی ان معناہ انہ ان کان صادقا فی قلب الولی فلا یحل قتلہ دیانۃ۔

چھیانوے وان غریبہ در تحقیق کفارہ بودن حدود

روی الترمذی فی باب ماجاء ان الحدود کفارۃ لاہلہا عن عبادہ بن الصامت قال علیہ السلام فی ما علیہ البیعۃ ومن اصاب من ذلک (کالسرقۃ والزنا) شیئا فعوقب علیہ فہو کفارۃ لہ الحدیث ظاہرہ یشکل علی الحنفیۃ وہم ان یقولوا انہا تکون کفارۃ لاصل الاثم ثم لما تبقی علی ترک التوبۃ کما فی المرقاۃ ان ترکہا ذنب اخر غیر ما وقع علیہ العقاب اھ والذی اضطرہم الی التاویل قولہ تعالی فی قطاع الطریق بعد ذکر حدہم ذلک لہم خزی فی الدنیا ولہم فی الاخرۃ عذاب عظیم وقولہ تعالی فی السارق بعد ذکر حدہ فمن تاب من بعد ظلمہ واصلح فان اللہ یتوب علیہ وقولہ علیہ السلام للعاہر الحجر وحسابہم علی اللہ تعالی رواہ الترمذی فی باب ماجاء لاوصیۃ لوارث ولو حمل قولہم علی عدم التفصیل لا صل الاعمال یدل الحدیث علی ان العقاب یکون فی اکثر العادۃ سببا للتوبۃ فکونہا کفارۃ بواسطۃ التوبۃ لا بانفسہا

ستانوے وان غریبہ در تفصیل حکم نذر فی المعصیۃ فیما لا یملک

روی الترمذی فی ابواب النذور والایمان قولہ علیہ السلام لانذر فی معصیۃ وکفارتہ کفارۃ

یمین وقوله علیه السلام من نذر ان یعصی الله فلا یعصه وقوله علیه السلام لیس علی العبد
نذر فیما لا یملك والتفصیل فیه انه ان کان الجزاء معصیة فلا ینعقد کاللعب بالغناء وهذا
هو المراد فی الحدیث الثانی حیث لم یذکر فیه الکفارة وان کان الجزاء طاعة والشرط معصیة
ینعقد ویخیر بین الایفاء والکفارة وهو المراد فی الحدیث الاول ومعنی لا نذر لا تنذر ۱۲
والحدیث الثالث شامل لما لا یقدر علیه کصوم الدهر اذا ضعف عنه فلا یجب الوفاء
فیه بل کفارة الیمین وفی التفسیر المظهری کلام مشبع فی الباب -

۹۸ اٹھانوے واں غریبہ در بودن لسان اشد از سیف در فتنہ

روی الترمذی فی باب ماجاء فی الرجل یکون فی الفتنة قال علیه السلام اللسان فیها اشد
من السیف الحدیث معناه عندی ان اللسان اکثر ما یکون سببا للسیف فکان لابد اشد منه -

۹۹ ننانوے واں غریبہ در عدم استلزام غلبہ در محاجہ مر حقانیت را

روی الترمذی فی باب ما جاء فی التشدید علی من یقضی له بشیء وقوله علیه السلام لعل بعضکم
ان یکون الحن بحجته من بعض فان قضیت لاحد منکم بشیء من حق اخیه فانما اقطع له قطعة من
النار فلا یاخذ منه شیئا الحدیث - دل باشتراك العلة علی عدم استلزام الغلبة فی المناظرة
کونه علی الحق لاحتمال کونه الحن ولا ینافی الحدیث نفاذ قضاء القاضی ظاهرا وباطنا لاحتمال
دلالته علی عدم الحل لا علی عدم الملك -

۱۰۰ سوواں غریبہ در تحقیق مسئلہ نفاذ قضاء قاضی ظاہرًا وباطنًا

سوال - ایک کتاب موسوم بہ مجموعہ فتاوی حصہ اول صفحہ ۷۵ باب اٹھارہویں میں یہ مسئلہ ہے کہ قضاء
قاضی ظاہرًا وباطنًا نافذ ہو جاتا ہے یعنی اگر کوئی شخص کسی عورت پر دعوی کرے کہ یہ میری عورت ہے اور قاضی
کے سامنے جھوٹے گواہ پیش کر کے مقدمہ جیت لیا اور وہ عورت اسکو ملجاوے تو وہ عورت عند اللہ وعند الناس
حلال ہو جاویگی اور صحبت اس سے جائز ہو گی اور خدا کے نزدیک مواخذہ میں گرفتار نہ ہو گا جیسا کہ ہدایہ میں ہے

مصطفائی کی جلد دوسری صفحہ ۲۵ میں موجود ہے۔ اب گذارش یہ ہو کہ یہ حکم عند الناس کے مقابلہ میں تو جیسا کہ لکھا ہو ٹھیک معلوم ہوتا ہو مگر عند اللہ خیال میں نہیں آتا ہے کیونکہ اللہ تبارک و تعالیٰ سمیع و بصیر ہیں انکو ان سب واقعات کی خبر ہو تو اللہ تعالیٰ کے نزدیک وہ عورت کیسے حلال ہوئی نور الہدایہ ترجمہ اردو شرح وقایہ مؤلفہ مولوی وحید الزماں الفاظ قضاء قاضی ملاحظہ فرما کر حضور اسکے جواب سے مطلع فرمادیں تاکہ جو شبہ ہو وہ رفع ہو جاوے۔

الجواب مفصلاً سمجھنا تو اس مسئلہ کا زبانی آسان ہو باقی مجملاً اتنا لکھے دیتا ہوں کہ صحبت کا حلال عند اللہ ہونا موقوف ہو نکاح کے منعقد ہو جانے پر خواہ طریق انعقاد میں گناہ ہی ہو مثلاً اگر کوئی شخص کسی کو قتل کی دھمکی دیکر اسکی بی بی کو طلاق دلوالے اور وہ جب طلاق دیدے تو بعد عدت کے عورت کو قتل کی دھمکی دیکر اس سے ایجاب و قبول کے الفاظ کہلوالے تو طلاق بھی واقع ہو جاویگی اور نکاح بھی منعقد ہو جاویگا البتہ اس طریق کے اختیار کرنے کا اسکو سخت گناہ ہوگا۔ بس اسی طرح اس طریق مذکور فی السوال میں یہ شخص گناہگار ہوگا لیکن نکاح منعقد ہو جاویگا پس صحبت کے حلال ہونے پر کوئی شبہ نہیں ہو سکتا کہ وہ فرع ہو صحت نکاح کی البتہ نکاح کے منعقد ہونے کا سوال ہو سکتا ہو جبکہ واقع میں نکاح نہیں ہوا سو اس انعقاد کا سبب قضاء قاضی ہو دو شخصوں کی شہادت پر جنکو قاضی سچا سمجھتا ہو بشرطیکہ عورت کسی کی منکوحہ و معتدہ نہ ہو۔ باقی قضاء قاضی کا سبب ہو جانا یہ لکھنے سے سمجھ میں نہ آویگا کبھی ملاقات کے وقت پوچھے انشاء اللہ تعالیٰ اطمینان کر دونگا۔ ۲۲ جمادی الاولیٰ ۱۳۳۳ھ۔

ضمیمہ متعلقہ مسئلہ بالا جسکی سائل بالا سے ملاقات کیوقت زبانی تقریر ہوئی تھی

اصل میں سب حقوق ملک حق تعالیٰ کی ہیں مگر احتیاج عبد کی مصلحت سے حق تعالیٰ نے ان حقوق کے احداث و ابقاء کا (کہ عبارت ہو عقد و فسخ سے) اختیار عبد کو بھی دیدیا اور جس طرح عبد کی مصلحت اسکو مقتضی ہو کہ اسکو اسکے نفس میں یہ اختیارات دیے جاویں اسی طرح بعض احوال میں اسکی مصلحت اسکو بھی مقتضی ہے کہ اسکے نفس پر اسکے حکام کو بھی یہ اختیارات دیے جاویں اور وہ بعض احوال اختلاف و نزاع فیما بین کا حال ہو کیونکہ ایسے وقت میں بجز عطاء اختیار للحکام کے ان حقوق کے طے ہونیکی کوئی صورت نہیں اور گو اسمیں یہ شبہ ہو سکتا ہو کہ صورت اختیار بھی اسکے لیے کافی ہو حقیقت اختیار کی حاجت نہیں لیکن ایسا ہونے سے نزاع و فساد کبھی منقطع نہیں ہو سکتا۔ مثلاً اس مدعی علیہا کا واقع میں اگر نکاح صحیح نہ ہوا تو

ہمیشہ وہ اپنے کو بچا لیگی یا مرد مدعی عورت کے حقوق ادا نہ کرتا یا اور ہمیشہ تباغض وتزاحم رہیگا پس صورت
اختیار کیلیے کافی ہوگی پس ضرور حقیقت اختیار ثابت ہونا چاہیئے اور چونکہ ملک کا اثبات اور رفع خود اپنے
نفس میں تصرف کرنیکے وقت بھی اسی عقد وفسخ پر مبنی ہے اسلئے حکام کے اختیارات کا محل بھی یہی ہوگا
املاک مرسلہ نہ ہونگے کہ وہ بلا واسطہ عقد وفسخ کے خود صاحب حق کے تصرف سے بھی مثبت و رافع حقوق
کے نہیں ہوتے گو بعض جگہ اباحت ہو جاتی ہے کالاموال اور بعض جگہ اباحت بھی نہیں ہوتی کالفروج اسلئے
ان عقود وفسوخ کو محل نفاذ قضاء ظاہراً وباطناً رکھا گیا اب یہ بات محتاج دلیل نقلی رہ گئی کہ حق تعالیٰ نے
ایسے اختیارات حکام کو عطا فرمائے ہیں یا نہیں سو اسکے لئے حدیث شاهداك زوجاك کہ مرفوع
حکمی ہے کمافی رد المحتار کتاب القضاء قال محمد فی الاصل بلغنا عن علیؓ ان رجلا اقام
عنده بینة علی امرأة انه تزوجها فانکرت فقضی له بالمرأة فقالت انه لم یتزوجنی فاما
اذا قضیت علی فجدد نکاحی فقال لا اجدد نکاحك الشاهدان زوجاك قال وبهذا ناخذ
قلت وبلاغات محمد مسندة اور حدیث تفریق فی اللعان کہ مرفوع حقیقی ہے کافی دلیل ہے اور نظائر اسکے
بعض متفق علیہ ہیں کالولایة فی النکاح والتفریق فی العنة اور بعض مختلف فیہ ہیں اسمیں بعض تصرفات
امام صاحب کے نزدیک ہیں کمحل البحث اور بعض دوسرے ائمہ کے نزدیک بھی جیسے تفریق فی الاعسار تو امام
صاحب پر اسمیں شبہ توسع کا بھی نہیں ہو سکتا کیونکہ بعض جگہ ان کے یہاں تضییق بھی ہے اور حقیقت
امر کی ان سب نظائر میں متحد ہے خصوصیت شہادت کو محل شبہ قرار دینا ناشی قلت تدبر سے ہے ۶ جمادی الاخری ۱۳۳۳ھ

ضمیمہ ۲ متعلقہ مسئلہ بالا

اسکے بعد کچھ اور مضامین خیال میں آئے مگر وہ ہدایہ وغیرہا میں نظر سے گذرے وہاں ہی سے نقل کئے دیتا ہوں
فی الهدایة قبیل باب الاولیاء والاکفاء ولابی حنیفة رحمه الله ان الشهود صدقة عنده وهو
الحجة لتعذر الوقوف علی حقیقة الصدق بخلاف الکفر والرق لان الوقوف علیهما متیسر
واذا ابتنی القضاء علی الحجة وامکن تنفیذه باطنا بتقدیم النکاح نفذ قطعا للمنازعة بخلاف
الاملاك المرسلة لان فی الاسباب تزاحما فلا امکان اه وفی الحاشیة نقلا عن الغایة قوله امکن تنفیذه اما
بان یجعل هذا القول من القاضی انشاء النکاح او یثبت بالاقتضاء اذا کان محمولا علی الخبر اه قلت

وهذا ظهر الجواب عما عسى ان يرد ان الفقهاء قالوا ان القضاء مظهر لا مثبت۔ والاظهار يتوقف على التحقيق في الواقع ولم يكن فبطل الاظهار فبطل القضاء وجه الجواب ان كونه اظهارا انما هو لا بمسّ الحاجة الى كونه اثباتا ومنا مست فيجعل انشاء ولو سلم كونه اظهارا فلنا نحكم بكونه واقعا على سبيل الاقتضاء بضرورة الدليل ثم يجعل هذا القضاء اظهارا له فلذا بنى المحشى الحكم على كلا الاحتمالين فافهم وايضا في الحاشية له قوله لان في الاسباب تزاحما اى انما لا يوجب الملك الباطني ههنا لان وجود الملك الذي هو مسبب بناء ان السبب محال و السبب متعدد كالهبة والارث والشراء ولها احكام مختلفة ولا يجوز ان يثبت سبب باقتضاء حكم القاضي لمعارضة بعض الاسباب بعضا فيلزم الترجيح من غير مرجح ولما لم يمكن تقدير السبب لم يمكن تقدير المسبب بحسب الواقع اه وفي رسالة بعض الناس في قصة حكم على رض لا يقال انما لم يجبها الى ذلك لان الزوج لم يرض به لذلك لانا نقول ليس كذلك بل الزوج راض لانه يدعي النكاح والمرأة رضيت الصاحبيت قالت فزوجني منه وكان يتيسر عليه ذلك فقد كان الزوج راغبا فيها لم يشتغل به وبين ان مقصودهما قد حصل بقضائه فقال شاهداك زوجاك اى الزمانى القضاء بالنكاح بينكما فثبت النكاح بقضائى اه وفيها فلو لم ينعقد النكاح بينهما باطنا بالقضاء لما امتنع من تجديد العقد عند طلبها ورغبة الزوج فيها وقد كان في ذلك تحصينها من الزناء وصيانة مائه اه وفيها واذا كان يثبت له ولاية انشاء التفريق بين العنين وبين امرأته ليعفها به عن الزناء ويثبت له ولاية تزويج الصغير والصغيرة لمعنى النظر لهما فلان يثبت له ولاية انشاء العقد بينهما ليعفها به عن الزناء ويصون قضاءه به عن التمكين من الزناء اولى۔ وكذلك يثبت له ولاية انشاء التفريق بين المتلاعنين لقطع المنازعة مع يقينه بكذب احدهما كما قال عليه السلام الله يعلم ان احدكما لكاذب فلذلك يثبت له ولاية الانشاء مع كذب الشهود لتوجه الامر بالقضاء عليه شرعا اه وفيها ويتبين بهذا ان ما استدلوا به من الآية والحديث (كالذي اورده البخاري في كتاب الحيل معترضا من قوله عليه السلام فمن قضيت له من حق اخيه شيئا فلا يأخذ فانما اقطع له قطعة من النار) في الاملاك المرسلة وبه نقول

قلت وهو احد الوجهين في الحديث والآخران نفي الحل لا يستلزم نفي الملك ونفي الحل لا يستلزم حرمة الانتفاع بل بمعنى كونه سببا للمعصية وعقوبة النار بالكذب والخداع والاضرار وقلت ان علل حدوث العقد والفسخ ليست علل الابقاء هما كما لا يخفى فلا يرتفع العقد والفسخ بعد ظهور كذب الشهود وقد رد هما في الهداية وان رجع الشهود عن شهادتهم قبل الحكم بها سقطت فان حكم بشهادتهم ثم رجعوا لم يفسخ الحكم اهـ

ایک سو ایک واں غریبہ در قیاس استثنائی با سہل عنوان

قولہ قیاس استثنائی وہ قیاس ہے الخ اسمیں بتدیوں کے لئے ضرورت ہے کہ دوسرے عنوان سے اس کی حقیقت سمجھائی جاوے پھر متن کے عنوان کو اس پر منطبق کردیا جاوے۔ سو سنو۔ قیاس استثنائی وہ ہے جو ایسے دو قضیوں سے مرکب ہو جنمیں پہلا قضیہ شرطیہ ہو خواہ متصلہ ہو یا منفصلہ پھر منفصلہ میں خواہ حقیقیہ ہو یا مانعۃ الجمع ہو یا مانعۃ الخلو اور دوسرا قضیہ حملیہ ہو اور لکن سے شروع ہو اور اس کا مضمون یہ ہو کہ اسمیں مقدم کا یا تالی کا اثبات ہو یا مقدم یا تالی کی نفی ہو پس یہ استثنائی کی حقیقت ہے آگے نتیجہ میں تفصیل ہے اگر پہلا قضیہ متصلہ ہو تو اس دوسرے قضیہ میں یا تو مقدم کا اثبات ہوتا ہے اور یا تالی کی نفی اگر اس دوسرے قضیہ میں مقدم کا اثبات ہے تو نتیجہ تالی کا اثبات ہے مثلاً اسی دوسرے قضیہ میں تالی کی نفی ہے تو نتیجہ مقدم کی نفی ہے جیسے یوں کہیں کہ جب سورج نکلے تو دن موجود ہوگا یہ پہلا قضیہ ہے اور شرطیہ متصلہ ہے پھر کہیں کہ لیکن سورج نکلا ہوا ہے یہ دوسرا قضیہ ہے اور حملیہ ہے لیکن سے شروع ہوا ہے اور مضمون اس کا یہ ہے کہ اسمیں مقدم کا اثبات ہے تو نتیجہ تالی کا اثبات نکلے گا یعنی نتیجہ یہ ہوگا کہ دن موجود ہے اس کا نام آگے کی آسانی کے لئے مثال اول رکھتا ہوں اسکو یاد رکھنا اور اگر پہلا قضیہ وہی اوپر والا شرطیہ متصلہ ہے یعنی جب سورج نکلے گا دن موجود ہوگا اور دوسرا قضیہ یہ کہیں کہ لیکن دن موجود نہیں اسکا مضمون یہ ہے کہ اسمیں تالی کی نفی کی گئی ہے تو نتیجہ مقدم کی نفی نکلیگا یعنی نتیجہ یہ ہوگا کہ سورج نکلا ہوا نہیں ہے اس کا نام مثال ثانی رکھتا ہوں اس عنوان سے استثنائی کی حقیقت خوب سمجھ گئے ہوگے۔ کتاب کے متن میں یہی دو مثالیں مذکور ہیں۔ اب کتاب کی تعریف کو منطبق کرتا ہوں

ملـه قال العبد الضعيف وهذا يبين ما ذكروا في المبسوط عن ابي حنيفة بقوله المراد الاملاك المرسلة والمراد بيان الوعيد لمن يدعي الباطل ويقيم عليه شهودا زورا فالوعيد يلحقه بذلك عندنا وان كان الملك يثبت له بقضاء القاضي جـ ١ ص ١٢٥ فالشيخ سلف فيما قال والله اعلم ۱۲ منه۔

یہ تو تمکو معلوم ہو گیا کہ مثال اول میں نتیجہ یہ ہے کہ دن موجود ہے اب دیکھو کہ یہی نتیجہ اس مثال کے قیاس میں مذکور ہے کیونکہ یہ قضیہ اول کی تالی ہے جو قضیہ میں مذکور ہوا کرتی ہے اسی طرح سمجھو کہ مثال ثانی میں نتیجہ یہ ہے کہ سورج نکلا ہوا نہیں ہے اب دیکھو کہ اس نتیجہ کی نقیض اس مثال کے قیاس میں مذکور ہے کیونکہ قضیہ اول کا مقدم یہ ہے کہ سورج نکلیگا اور یہ نتیجہ اسکی نقیض ہے (گو روابط بدلے ہوئے ہوں) پس مثال اول میں یہ بات صادق آئی کہ اس قیاس میں خود نتیجہ مذکور ہے اور مثال ثانی میں یہ بات صادق آئی کہ اس قیاس میں نتیجہ کی نقیض مذکور ہے پس کتاب میں اور دوسری کتابوں میں بھی اس طرح تعریف کر دی گئی کہ قیاس استثنائی وہ ہے جسمیں نتیجہ یا نقیض نتیجہ مذکور ہو۔ پہلے مبتدی اسمیں چکراتا ہے کوئی تو نہ سمجھنے سے اور کوئی اس وجہ سے کہ اس تعریف کا سمجھنا موقوف ہے اسپر کہ اول نتیجہ اس قیاس کا معلوم ہو اور نتیجہ جاننا اسپر موقوف ہے کہ اول اس قیاس استثنائی کی حقیقت معلوم ہو تاکہ قیاس استثنائی کے نتیجہ نکالنے کے جو قاعدے ہیں ان قاعدوں کے موافق نتیجہ نکال سکے میری توضیح کے بعد اول آسانی سے حقیقت استثنائی کی سمجھ میں آگئی اور کتابوں میں جو تعریف مذکور ہے وہ بھی آسانی سے اسپر منطبق ہو گئی۔ اور جو قیاس ایسا ہو اقترانی ہے جیسے ہر انسان جاندار ہے اور ہر جاندار جسم ہے اور نتیجہ یہ ہے کہ ہر انسان جسم ہے دیکھو اس قیاس میں نہ بعینہ نتیجہ مذکور ہے یعنی ہر انسان جسم ہے اور نہ اسکی نقیض مذکور ہے یعنی بعض انسان جسم نہیں سمجھانے کیلئے تو اتنا ہی کافی تھا مگر آگے چلکر کار آمد ہونے کے لئے جس قیاس استثنائی کا پہلا قضیہ منفصلہ ہو اس کے نتائج کی تفصیل بھی بتلائے دیتا ہوں وہ اس طرح ہے کہ دیکھنا چاہئے کہ وہ قضیہ منفصلہ حقیقیہ ہے یا مانعۃ الجمع یا مانعۃ الخلو اگر منفصلہ حقیقیہ ہے تو دوسرے قضیہ میں اگر مقدم اثبات کیا گیا ہے تو نتیجہ تالی کی نفی ہے اور اگر تالی کا اثبات کیا گیا ہے تو نتیجہ مقدم کی نفی ہے اور اگر دوسرے قضیہ میں مقدم کی نفی کیگئی ہے تو نتیجہ تالی کا اثبات ہے اور اگر تالی کی نفی کی گئی ہے تو نتیجہ مقدم کا اثبات ہے یہ چار صورتیں ہوئیں پہلی صورت کی مثال عدد یا زوج ہے یا فرد لیکن یہ عدد زوج ہے نتیجہ یہ ہوگا کہ فرد نہیں (اس کا نام سلسلہ سابقہ سے مثال سوم رکھتا ہوں) دوسری صورت کی مثال عدد زوج ہے یا فرد لیکن یہ عدد فرد ہے نتیجہ یہ ہوگا کہ زوج نہیں (اس کا نام مثال چہارم رکھتا ہوں) تیسری صورت کی مثال عدد زوج ہے یا فرد لیکن یہ عدد زوج نہیں نتیجہ یہ ہوگا کہ فرد ہے (اس کا نام مثال پنجم رکھتا ہوں) چوتھی صورت کی مثال عدد زوج ہے یا فرد لیکن فرد نہیں نتیجہ یہ ہوگا کہ زوج ہوگا (اس کا نام مثال ششم رکھتا ہوں) یہ منفصلہ حقیقیہ کا بیان ہو گیا اور اگر پہلا قضیہ مانعۃ الجمع ہے تو دوسرے قضیہ میں اگر مقدم کا اثبات ہے تو نتیجہ تالی کی نفی ہے اور اگر تالی کا اثبات ہے تو نتیجہ مقدم کی نفی ہے یہ دو صورتیں ہوئیں پہلی

پہلی صورت کی مثال شے حجر ہے یا شجر لیکن یہ شے حجر ہے نتیجہ یہ ہوگا کہ شجر نہیں (اسکا نام مثال ہفتم رکھتا ہوں)
دوسری صورت کی مثال شے یا حجر ہے یا شجر لیکن یہ شے شجر ہے نتیجہ یہ ہوگا کہ حجر نہیں (اس کا نام مثال ہشتم
رکھتا ہوں) اور اسمیں بھی دو صورتیں نتیجہ دیتی ہیں اور مقدم کی نفی نتیجہ نہیں دیتی کیونکہ حجر نہ ہونے سے شجر ہونا
یا شجر نہ ہونا اور شجر نہ ہونے سے حجر ہونا یا نہونا لازم نہیں اور اگر پہلا قضیہ مانعۃ الخلو ہو تو اسکے نتائج بالکل مانعۃ
الجمع کے عکس ہیں یعنی دوسرے قضیہ میں اگر مقدم کی نفی ہے تو نتیجہ تالی کا اثبات ہے اور اگر تالی کی نفی ہے
تو نتیجہ مقدم کا اثبات ہے یہ دو صورتیں ہیں پہلی صورت کی مثال شے یا لاحجر ہے یا لاشجر ہے لیکن یہ شے لاحجر
نہیں ہے نتیجہ یہ ہوگا کہ لاشجر ہے (اس کا نام مثال نہم رکھتا ہوں) دوسری صورت کی مثال شے یا لاحجر ہے
یا لاشجر لیکن یہ شے لاشجر نہیں ہے نتیجہ یہ ہوگا کہ لاحجر ہے (اس کا نام مثال دہم رکھتا ہوں) اور اسمیں مثل مانعۃ
الجمع کے بھی دو صورتیں نتیجہ دیتی ہیں اور مقدم کا اثبات اور تالی کا اثبات نتیجہ نہیں دیتا کیونکہ لاحجر ہونے
سے لاشجر ہونا یا نہ ہونا یا لاشجر ہونے سے لاحجر کا ہونا یا نہ ہونا لازم نہیں یہ سب منفصلہ کا بیان ہوا۔ اور یہ
سب دس مثالیں قیاس استثنائی کی ہوئیں ان میں سے اول کی دو مثالوں میں تو نتیجہ یا نقیض نتیجہ کا قیاس
میں مذکور ہونا پہلے بیان ہو چکا تھا اب اخیر کی آٹھ مثالوں کو بھی دیکھ لو کہ ان میں بھی یہ بات ہے چنانچہ مثال
سوم و چہارم و ہفتم و ہشتم میں نقیض نتیجہ قیاس میں مذکور ہے و مثال پنجم و ششم و نہم و دہم میں نتیجہ مذکور ہے۔
ایک ایک کو ملا کر دیکھ لو۔ وههنا قد استراح القلم وتم ما كان المقصود من الرقم وصلى الله
تعالى على سيد العالم الرسول الاكرم ابد الآبدين ودهر الداهرين فقط -

مسائل فہرست دوم

الکلمۃ الدالۃ علی الحکم الضالۃ

بسم اللہ الرحمن الرحیم

پہلی حکمت تحقیق غسل ومسح ریش

سوال شرح وقایہ میں ہے وعند ابی حنیفۃ اما اللحیۃ ربعہا فرض اسکا کیا مطلب ہے آیا داڑھی کا مسح بھی فرض ہے یا کہ فقط سر کا مسح فرض ہے داڑھی کا مسح سنت ہے۔

الجواب اس میں تفصیل یہ ہے کہ اگر داڑھی ایسی ہو جس کے اندر جلد وجہ کی نظر آتی ہو وہاں تو اس جلد کا بھی دھونا فرض ہے اور اگر جلد مستور ہو تو جس قدر بعد وجہ از دائرہ وجہ نیچے لٹکی ہو اس کا مسح سنت ہے اور جو دائرہ وجہ کے اندر ہو کہ اگر اس بال کو پکڑ کر کھینچا جاوے تو وجہ سے باہر نہ رہے تو اس میں کئی روایتیں ہیں ایک روایت وہ بھی ہے جو شرح وقایہ میں ہے لیکن صحیح روایت یہی ہے کہ سب کا دھونا فرض ہے۔ ھکذا فی الدر المختار ورد المحتار۔ فقط ۱۷ محرم ۱۳۲۴ھ

دوسری حکمت وتر بجماعت خواندن متخلف فرض را | **سوال** چہ حکم ست اندریں صورت کہ دو سہ مردم بعد ادائے نماز فرض کہ امام بجماعت تراویح مشغول است دراں مسجد حاضر شدند ان اشخاص نماز فرض بجماعت ادا نمایند یا علیحدہ علیحدہ خواندہ شامل جماعت تراویح شوند و باز شریک نماز وتر با امام بخوانند یا تنہا چونکہ امام را بجماعت فرض نیافتہ است

الجواب۔ در صغیری بعبارت صریحہ مذکور است واذا لم یصل الفرض مع الامام قیل لا یتبعہ فی التراویح ولا فی الوتر وکذا اذا لم یصل معہ التراویح لا یتبعہ فی الوتر والصحیح انہ یجوز ان یتبعہ فی ذلک کلہ۔

تیسری حکمت شرط وطن بودن تاہل | **سوال** میں اپنی حالت پہلے عرض کر چکا ہوں کہ قیام فتحپور کی بظاہر امید نہیں نہ میرا کوئی مکان نہ وہاں میرا کوئی اسباب دار السکونت کا ایک ثمن ثانی صاحبہ کا جو بطور وصیت مجھکو مل سکتا ہے وہ بالکل ناکافی اور چونکہ وہاں کوئی عزیز و قریب نہیں سب غیر ہی غیر ہیں اسلئے مکان خریدنا یا بنوانا ایسا ہی ہے جیسے کہیں پردیس میں بنوانا اسلئے کیا عجب ہے کہ اسی پر بالآخر قرار پائے کہ قنوج میں مکان تعمیر کیا جائے گو ابھی تک وہاں کے قیام کی بھی کوئی مستقل رائے قائم نہیں ہوئی۔ اب دریافت طلب یہ ہے کہ فتحپور میرا وطن رہا یا نہیں اور میں وہاں جا کر قصر کیا کروں یا اتمام۔ صرف اتنا تعلق میرا باقی ہے کہ ثانی صاحبہ وہاں رہتی ہیں وبس۔ نیز

ثانی صاحبہ کو وہاں نہ ہونے کی صورت میں اگر کسی وجہ سے جانا ہو تو کیا حکم ہے ایسی حالت میں قنوج کا کیا حکم ہے قصر کیا کرے یا
بلا اتمام نکاح کر لینے سے فقہا رحمہم اللہ اتمام کا حکم دیتے ہیں بشرطیکہ وہیں قیام کا ارادہ ہو جاوے حتی کہ اگر دو تین جگہ نکاح کرے
اور عورت کو وہاں سے لانے کا ارادہ نہ ہو تو تینوں جگہ اتمام کا حکم ہو اور میری حالت یہ ہے جو مذکور ہوئی لہذا تردد ہی رہا کرتا ہے کہ قصر ہو یا اتمام

الجواب۔ فتحپور یقیناً ایک زمانہ تک آپکا وطن اصلی رہ چکا ہے اب جب تک دوسرے مقام کو وطن اصلی بنانیکا عزم نہ کیا ہوگا
وہ بدستور وطن اصلی رہیگا اور چونکہ ابھی اس پر آپکی رائے قرار نہیں پائی لہذا فتحپور میں اتمام واجب ہے۔ فی الدر المختار الوطن الاصلی
یبطل بمثلہ فیہ۔ الاصل ان الشیء یبطل بمثلہ وبما فوقہ لا بما دونہ اھ اور اب تک مجکو اس مسئلہ کی شرح صدر نہیں ہوا کہ صرف تزوج
سے وہ جگہ اس کیلئے وطن اصلی ہو جاتا ہے میں سمجھتا ہوں کہ تزوج سے جبکہ اہل کو وہاں سے لیجانیکا ارادہ نہ ہو غالباً اس شخص کا
بھی ارادہ اس کو وطن اصلی بنانیکا اور خود ہمیشہ کے لئے بود و باش کرنیکا ہو جاتا ہے اس بنا پر اسکو وطن بنانیکا سبب قرار
دیدیا ہے ورنہ مدار صرف اسکی نیت اتخاذ وطن اصلی پر ہے اگر میرا یہ سمجھنا صحیح ہے تب تو قنوج ہنوز آپکا وطن اصلی نہیں بنا اور اگر مطلق تاہل سے
وطن اصلی ہو جاتا ہے تو وطن اصلی میں تعدد ممکن ہے جیسا کہ فقہاء نے تصریح کی ہے اس کے وطن اصلی ہونے سے فتحپور کا وطن اصلی
نہ ہونا لازم نہیں آتا قاضی خاں کی ایک جزئی میری مؤید ہے المسافر اذا جاوز عمران مصرہ الی قولہ اذا کان ذالک وطنا
اصلیا بان کان مولدہ وسکن فیہ اولم یکن مولدہ ولکنہ تاہل بہ وجعلہ دارا الخ اس میں تاہل کے بعد جعلہ دارا بڑھایا ہے
جیسا کان مولدہ کے بعد وسکن فیہ بڑھایا جس طرح ظاہر ہے کہ کان مولدہ سے بدون سکنی فیہ کے وطن اصلی نہیں بنتا۔ اسی طرح تاہل بہ سے
بدون جعلہ دارا کے وطن اصلی نہ ہوگا۔ فافہم۔ ۱۸ ربیع الاول ۱۳۲۱ھ

چوتھی حکمت تخصیص وجوب اعادہ بترک واجب داخل صلوٰۃ

سوال: ہماری کتب فقہ میں ہے کہ اگر فاسق یا بدعتی کے پیچھے نماز پڑھی تو نماز کا اعادہ ضروری ہے لیکن جب
حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے زمانہ میں بلوہ ہوا اور حضرات صحابہ رضی اللہ عنہم نے بلوائیوں کے پیچھے نماز پڑھنے کو حضرت عثمان رضی اللہ عنہ سے پوچھا تو آپ نے
اجازت دی اور یہ نہیں فرمایا کہ پڑھ کے پھر اعادہ کر لیا کرو حالانکہ بلوائیوں سے زیادہ اور کون فاسق اور بدعتی ہوگا خصوصاً
ایسے بلوائی جنھوں نے خلیفہ برحق امیر المؤمنین داماد رسول مقبول صلی اللہ علیہ وسلم داخل عشرہ مبشرہ پر بلوہ کیا

الجواب: یہ روایت مجھکو نہیں ملی اگرچہ حوالہ لکھا جاوے تو تحقیق کی جاوے البتہ درمختار میں یہ قاعدہ لکھا ہے
واجبا کلھا فی کل صلوٰۃ ادیت مع کراھۃ التحریم تجب اعادتھا اور رد المحتار میں اس کے عموم پر ایک قوی
اعتراض کر کے تصحیح کے لئے یہ توجیہ کی ہے الا ان یدعی تخصیصہا بان مرادھم بالواجب والسنۃ
التی تعاد بترکہ ما کان من ماھیۃ الصلوٰۃ واجزائہا پس صلوٰۃ خلف الفاسق ونحوہ میں واقع کوئی امر حرام

صلوٰۃ میں سہو محتمل نہیں ہوا اسلئے قاعدہ وجوب اعادہ کا جاری نہ ہوگا دوسرے انفراد سے انکے ساتھ پڑھنا اولیٰ ہے
اور اعادہ میں ترجیح غالباً علی الانفراد ہوگا اولیٰ سے غیر اولیٰ کی طرف آنا ہے۔ فی الدر المختار صلی خلف فاسق او مبتدع نال
فضل الجماعۃ وفی رد المحتار افاد ان الصلوٰۃ خلفہما اولیٰ من الانفراد۔ فقط ۲۷ محرم ۱۳۳۲ھ

پانچویں حکمت تحقیق رفع الیتین در سجدۂ مصلی قاعداً

سوال۔ زید جو مولوی و عالم مشہور ہے جب نوافل وغیرہ بیٹھکر پڑھتا ہے تو سجدہ کرتے ہوئے سرین زمین سے
نہیں اٹھاتا ہے اپنے معتقد و اتباع کو حکم دیتا ہے کہ نفل بیٹھکر پڑھو تو سجدہ میں سرین زمین سے نہ اٹھاؤ ورنہ نماز
فاسد ہوگی اور صحیح مسلم شریف کی حدیث واقعہ باب جواز النافلۃ قاعداً و قائماً سے استدلال کرتا ہے ان النبی صلے
اللہ علیہ وسلم اذا صلے قائماً رکع و سجد وھو قائم واذا صلے قاعداً رکع و سجد وھو قاعد
اور عبارت ذیل فقہ کی پیش کرتا ہے من صلی قاعداً فسجد لا یرفع الیتیہ وان رفع الیتیہ فسدت صلوٰتہ
لان الیتیہ فی صلوٰۃ القاعد بمنزلۃ القدمین واذا رفع قدمیہ فی صلوٰۃ القائم فسدت الصلوٰۃ
فکذا الیتیہ کذا فی المحیط چلپی والاصل ان المریض او غیرہ اذا صلی قاعداً لا یرفع الیتیہ
کما لا یرفع رجلیہ فی السجدۃ واذا رفع رجلا واحدا و الیۃ واحدۃ لا تفسد کذا فی چلپی ابن
الملک والمختار ان یقعد کما یقعد فی حالۃ التشہد وھو الذی اختارہ الفقیہ ابو اللیث و شمس
الائمۃ السرخسی وقال ابو یوسف رحمہ اللہ تعالیٰ اذا جاء وقت الرکوع والسجود یقعد کما یقعد
فی التشہد کذا فی العینی شرح الہدایۃ ج ۱ ص ۲۶۶ انتہی۔ اب سوال یہ ہے کہ حدیث صحیح مسلم کے یہی معنی ہیں جیسے
زید نے سمجھے ہیں کہ قائم اور قاعد کو ہیئت سجدہ میں رفع الیتین سے فرق کرنا چاہئے اور عبارات فقہ کی تصحیح کریں
کہ یہ نص واقع ہیں یا نہیں اور مفتی بہا ہیں یا نہیں جیسا کہ تعامل علماء اساتذہ اور شیوخ سے رفع الیتین فی
السجدہ شاہد ہے بینوا باسناد الکتب المعتبرۃ عند الحنفیہ۔ توجروا یوم الحساب۔

الجواب۔ زید کے قول پر کوئی دلیل صحیح قائم نہیں حدیث مسلم میں اگر سجد وھو قاعد کے یہ معنی ہیں
کہ سجدہ کے وقت بھی ہیئت قعود کی رہتی تھی سو اول تو یہ خود مقصود زید کے خلاف ہے کیونکہ زمین پر سر رکھنے
سے ہیئت قعود کی باقی نہیں رہتی اور اگر بعض ہیئت مراد ہے تو وہ رفع الیتین کی حالت میں بھی حاصل ہے
دوسرے لازم آتا ہے کہ اسی طرح پر اس حدیث کے اس جزو سجد وھو قائم کے بھی یہی معنی ہوں کہ سجدہ کے

وقت قیام بھی رہتا تھا حالانکہ یہ بالاتفاق باطل ہے۔ پس معلوم ہوا کہ حدیث کے یہ معنی نہیں بلکہ مراد یہ ہے کہ اکثر ایسا کرتے تھے کہ رکوع وسجدہ کے قبل کھڑے ہو جاتے ہوں اور پھر قیام سے رکوع میں اور اسکے بعد سجدہ میں جاتے ہوں جیسا کہ گاہ گاہ ایسا بھی کرتے تھے جیسا کہ حدیث مذکور کے بعد ہی دوسری حدیث مسلم میں ہے قلت لعائشة کیف کان یصنع فی الرکعتین وھو جالس قالت کان یقرء فیھما فاذا اراد ان یرکع قام فرکع رہگئیں عبارات کتب فقہیہ سو اُن میں سے عبارت اولیٰ یعنی من صلے قاعدا اور عبارت ثانیہ یعنی والاصل الخ اول تو محتاج تصحیح نقل ہیں مستدل کو ان عبارتوں کا پورا پتہ بتلانا چاہیے کہ کہاں سے نقل کی ہیں تاکہ ماخذ سے مطابق کیا جاوے دوسرے عبارت اولیٰ میں جو دلیل بیان کی ہے لان الیتیہ فی صلوۃ القاعد الخ وہ دعوی مذکورہ پر منطبق نہیں ہوتی کیونکہ یہ اگر حالت سجدہ کا بیان ہوتا تو دلیل میں بجائے واذا رفع قدمیہ فی صلوۃ القائم کے رفع قدمیہ فی السجود ہوتا ورنہ قید فی صلوۃ القائم سے لازم آتا ہے کہ صلوۃ قاعد میں رفع قدمیں فی السجود مفسد صلوۃ نہ ہو اور صلوۃ قائم میں ہو حالانکہ باطلاق دلائل مبطل تفاوت ہے اس سے غالب ظن یہ ہوتا ہے کہ اس عبارت میں کچھ ناقل یا کاتب کی غلطی ہے اور مطلب اس عبارت کا یہ ہے کہ حالت قیام حکمی میں رفع الیتین جو کرے ورنہ وہ ایسا ہوگا جیسے قیام حقیقی میں کوئی شخص رفع قدمین کرے کہ مفسد صلوۃ ہے اس تقریر پر یہ اس بحث ہی سے خارج ہے اور عبارت ثانیہ میں تو لا یرفع الیتیہ کے ساتھ قید فی السجدہ کی بھی مذکور نہیں اس سے بھی وہی مراد ہوگی لا یرفع الیتیہ فی القیام الحکمی اور آگے جو تشبیہ کیساتھ فی السجدۃ مذکور ہے سو وہ محتمل ہے کہ صرف لا یرفع رجلیہ کے ساتھ متعلق ہو اور تشبیہ محض فساد میں ہو اگر یہ احتمال متعین بھی نہ ہو تاہم مستدل کو تو مضر ہے لانہ اذا جاء الاحتمال بطل الاستدلال۔ تیسرے متون و شروح و فتاوائے مشہورہ میں جو مطلقاً سجدۂ رجال کی ہیئت لکھی ہے وہ اسکے خلاف ہے اور بقاعدہ رسم المفتی وہ مقدم ہیں پس اگر عبارات مذکورہ کی صحت نقل و درد لالت دونوں مسلم بھی ہوں تب بھی بوجہ تعارض روایات مشہورہ کے غیر مقبول و غیر معمول بہا ہونگی اور اخیر عبارت یعنی والمختار الخ بھی بوجہ موجود نہ ہونے عینی کے منطبق نہیں ہو سکتی غالباً اسکے نقل میں بھی کچھ غلطی رہی ہوگی جیسا کہ ہات کا مہمل ہونا اسپر دال ہے لیکن اس سے قطع نظر کرکے کہا جاتا ہے کہ اسکو بحث سے کچھ مس نہیں اسمیں صرف کیفیت قعود بیان ہوا ہے اور احتراز ہے تربع وغیرہ سے بہرحال زید کا نہ دعوی درست نہ استدلال صحیح۔ واللہ اعلم۔ یکم جمادی الاولی ۱۳۲۳ھ

چھٹی حکمت افساد تنحنح بلاعذر و عدم افساد لعذر یا مصلحت

سوال ۔ نماز میں مطلقاً تنحنح جائز بلا کراہت ہے یا نہیں اور تحسین صوت کیلئے امام اور مقتدی تنحنح کریں تو کیا حکم ہے ۔

الجواب ۔ فی الدر المختار والتنحنح بحرفین بلا عذر اما به بان نشأ من طبعه فلا او بلا غرض صحیح فلو لتحسین صوته او لیهتدی امامه او للاعلام انه فی الصلٰوۃ فلا فساد علی الصحیح (جلد اول صفحہ ۶۶۴ باب المفسدات) اس روایت سے معلوم ہوا کہ اگر تنحنح بلا اختیار ہو تو بھی جائز ہے اور اگر تحسین صوت کیلئے ہو تو بھی درست ہے اور امام اور غیر امام اسمیں برابر ہیں واللہ اعلم ۔ ۲۰ رمضان ۱۳۲۲ھ

ساتویں حکمت رفع تعارض درمیان قول عاصم و امام صاحب در جہر تسمیہ بر سورت

سوال ۔ ایک امر قابل دریافت ہے وہ یہ کہ باب البسملہ میں امام عاصم کے نزدیک بین السورتین بسملہ ضروری ہے اور امام ابو حنیفہ رح کے مذہب میں تراویح کے اندر ہر سورۃ پر بسم اللہ نہیں پڑھی جاتی تو ایسی صورت میں بروایۃ حفص عن العاصم الکوفی رح ختم کلام مجید پوری طور پر کیونکر ہوگا اسلئے کہ بسم اللہ ایک غیر معین سورۃ کے اول میں پڑھی جاتی ہے اور باقی ایک سو تیرہ سورۃ کے اول میں نہیں پڑھی جاتی ختم کلام مجید موافق امام عاصم کے قول پر عمل کرنا ضروری ہے اور اگر امام ابو حنیفہ رح کے رائے پر عمل کیا جاوے تو ختم کلام مجید ناقص ختم ہوتا ہے خارج از نماز امام عاصم رح کے قول پر عمل کرنے میں کوئی دشواری نہیں ۔ اندر نماز کے بسم اللہ پڑھنا احناف کے نزدیک پکار کر ہر سورت کے شروع میں جائز ہے یا نہیں اگر احناف کے نزدیک جائز ہو تو ایسا عمل کرنا فی زماننا کوئی حرج تو نہیں ۔

الجواب ۔ بسم اللہ کے باب میں ایک مسئلہ قراءۃ کے متعلق ہے اور ایک مسئلہ فقہ کے متعلق عاصم رح کا قول اول مسئلہ کی تحقیق ہے اور امام ابو حنیفہ رح کا قول دوسرے مسئلہ کی تحقیق ۔

حاصل مسئلہ اولیٰ کا یہ ہے کہ گو بسم اللہ ہر سورۃ کا جزو نہو ۔ مگر باوجود عدم جزئیت روایۃً اسکا پڑھنا ہر سورت پر منقول ہے پس اگر کوئی شخص ہر سورت پر نہ پڑھے تو اسکی قرأت اُس روایت کے موافق نہوئی گو کوئی جزو متروک نہوا ہو جب کہ کم از کم ایک سورۃ پر پڑھ لے ۔ اور دوسرے مسئلہ کا حاصل یہ ہے کہ گو روایۃً ہر سورت پر بسم اللہ

منقول ہو لیکن ہر سورت کا جزو نہیں ہو بلکہ جزو مطلق قرآن کا ہو اگر ایک جگہ بھی پڑھ لے تو قرآن پورا ختم ہو جاویگا
گو اس روایت کے موافق اسکی قراءت نہو پس امام عاصمؒ اور امام ابو حنیفہ کے قول میں کوئی تخالف نہیں
کیونکہ دونوں کی نفی اور اثبات کی حیثیتیں جدا جدا ہیں۔ اور حیثیات کے بدلنے سے تعارض جاتا رہتا ہے
یہ جب ہے کہ ہر سورۃ پر بسم اللہ پڑھے اور اگر پڑھ لے تو شبہ کی گنجائش ہی نہیں اور امام صاحب کے بھی خلاف
نہیں کیونکہ امام صاحب قراءتِ تسمیہ کو ہر سورت پر ضروری نہیں کہتے یہ نہیں کہ جائز نہیں کہتے، درمختار و ردالمحتار
میں ہر سورت پر تسمیہ کو حسن کہا ہے۔ رہا ہر جگہ پکار کر پڑھنا یہ بلا شبہ احناف کے خلاف ہے اور امام عاصمؒ
بھی جہر کو ضروری نہیں کہتے صرف تسمیہ کو ضروری کہتے ہیں۔ واللہ تعالیٰ اعلم وعلمہ اتم۔ ۶ ربیع الثانی ۱۳۳۲ھ

آٹھویں حکمت تفصیل کراہت جماعۃ ثانیہ

سوال۔ قول محقق اور معتبر باعتبار موافقۃ فقہ و حدیث دربارہ جماعۃ ثانیہ آپکے نزدیک کیا ہے مگر
بحوالہ احادیث اور اقوال فقہاء و نیز بحوالہ کتب تحریر ہو اور نیز قطع نظر حالت موجودہ لوگوں کے بلکہ نفس مسئلہ
محقق ہو اور اگر حالت موجودہ لوگوں کے اعتبار سے جماعۃ ثانیہ کی کراہۃ یا عدم کراہۃ ہو تو اس کیلئے علیحدہ
ارقام ہو۔ ہندوستان کے محقق علماء مثل حضرت مولانا مولوی شیخ محمد صاحب تھانوی و حضرت
مولانا مولوی احمد علی صاحب سہارنپوری و حضرت مولانا مولوی سعادت علی صاحب سہارنپوری
و جناب مولانا مولوی عبدالحی صاحب لکھنوی و جناب مولوی مشتاق احمد صاحب سہارنپوری و جناب
مولوی سید جمال الدین صاحب دہلوی رحمۃ اللہ علیہم اجمعین بلا کراہت جائز فرماتے تھے مگر غالب گمان یہ ہے
کہ جو لوگ جماعت اولیٰ کے پابند ہوں انکے لئے بلا کراہت فرماتے تھے۔

الجواب۔ فی جامع الآثار لھذا العبد الحقیر ھکذا کراھۃ تکرار الجماعۃ فی المسجد عن ابی بکرۃ
ان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اقبل من نواحی المدینۃ یرید الصلوٰۃ فوجد الناس قد صلوا
فمال الی منزلہ فجمع اھلہ فصلی بھم رواہ الطبرانی فی الکبیر والاوسط وقال الھیثمی رجالہ
ثقات قلت ولو یکرہ لما ترک المسجد وعن ابراھیم النخعی قال قال عمرؓ لا یصلی بعد صلوٰۃ
مثلھا رواہ ابن ابی شیبۃ قلت واقرب تفاسیرہ حملہ علی تکرار الجماعۃ فی المسجد وعن خرشۃ
الحر ان عمرؓ کان یکرہ ان یصلی بعد صلوٰۃ الجمعۃ مثلھا رواہ الطحاوی واسنادہ صحیح قلت

حمل علی کراهة تکرار الجمعة خاصة وفی حاشیة تابع الآثار وما ورد من قوله علیه السلام
من یتصدق الخ لایدل علی جواز التکرار المتکلم فیه وهو اقتداء المفترض بالمفترض اذ الثابت
به اقتداء المتنفل بالمفترض ولا یحکم بکراهته بل ورد فی جوازه حدیث آخر من قوله علیه
السلام اذا صلیتما فی رحالکما ثم اتیتما صلوٰة قوم فصلیا معهم واجعلا صلوتکما
معهم سبحة کما هو ظاهر وما رواه البخاری تعلیقا عن انس محمول علی مسجد الطریق
او نحوه لما نقل فیه انه اذن واقام وهو مکروه عند العامة اما ما الروایات الفقهیة
فی هذا الباب ففی الدر المختار ویکره تکرار الجماعة باذان واقامة فی مسجد محلة لا فی
مسجد طریق او مسجد لا امام له ولا موذن وفی رد المحتار قوله ویکره ای تحریما لقول
الکافی لایجوز والمجمع لایباح وشرح الجامع الصغیر انه بدعة کما فی رسالة السندی
قوله باذان واقامة عبارته فی الخزائن اجمع مما ههنا ونصها یکره تکرار الجماعة فی مسجد
محلة باذان واقامة الا اذا صلی بهما فیه اولا غیر اهله او اهله لکن بمخافتة الاذان ولو
کرر اهله بدونهما او کان مسجد طریق جاز اجماعا کما فی مسجد لیس له امام ولا موذن
ویصلی الناس فیه فوجا فوجا فان الافضل ان یصلی کل فریق باذان واقامة علی حدة کما فی
امالی قاضیخان اھ ونحوه فی الدرر والمراد بمسجد المحلة ماله امام وجماعة معلومون کما
فی الدرر وغیرها الی ان قال ولان فی الاطلاق هکذا تقلیل الجماعة معنی فانهم لا یجتمعون
اذا علموا انها لاتفوتهم ثم قال بعد سطور ومقتضی هذا الاستدلال کراهة التکرار فی مسجد
المحلة ولو بدون اذان ویؤیده ما فی الظهیریة لو دخل جماعة المسجد بعد ما صلی فیه
اهله یصلون وحدانا وهو ظاهر الروایة اھ وهکذا مخالف لحکایة الاجماع المارة
ص۱۲ وفیه ما نصه وفی آخر شرح المنیة وعن ابی حنیفة رح لو کانت الجماعة اکثر من ثلثة
یکره التکرار والا فلا وعن ابی یوسف اذا لم تکن علی الهیئة الاولی لاتکره ......
وهو الصحیح وبالعدول عن المحراب تختلف الهیئة کذا فی البزازیة وفی التاترخانیة
عن الولوالجیة وبه ناخذ اھ ص۱۲ وفیه قوله الا فی مسجد علی طریق هو ما لیس له امام و
موذن راتب فلا یکره التکرار فیه باذان واقامة بل هو الافضل خانیة ص۱۲۔

روایاتِ فقہیہ مذکورہ سے چند صورتیں اور اُن کے احکام معلوم ہوئے -

صورۃ اولیٰ مسجد محلہ میں غیر اہل نے نماز پڑھ لی ہو صورۃ ثانیہ مسجد محلہ میں اہل نے بلا اعلان اذان یا بلا اذان بدرجہ اولیٰ نماز پڑھی ہو صورۃ ثالثہ وہ مسجد طریق پر ہو - صورۃ رابعہ اُس مسجد میں امام و مؤذن معین نہوں صورۃ خامسہ مسجد محلہ ہو یعنی اسکے نمازی اور امام معین ہوں اور انھوں نے اسمیں اعلان اذان کی صورت نماز پڑھی ہو - پس صورت اربعہ اولیٰ میں تو بالاتفاق جماعۃ ثانیہ جائز بلکہ افضل ہو جیسا کہ افضلیت کی تصریح موجود ہو اور صورت خامسہ میں اگر جماعۃ ثانیہ بہیئت اولیٰ ہو تب بالاتفاق مکروہ تحریمی ہو جیسا کہ درمختار میں تحریمی ہونیکی تصریح ہو اور اگر بہیئت اولیٰ پر نہو پس یہ محل کلام ہے -

امام ابویوسف رحمہ اللہ کے نزدیک مکروہ نہیں اور امام صاحب کے نزدیک مکروہ ہو جیسا ظہیریہ میں اسکا ظاہر روایت ہونا مصرح ہو البتہ ایک روایت امام صاحب سے یہ ہو کہ اگر تین سے زیادہ آدمی ہوں مکروہ ہو ورنہ مکروہ نہیں یہ تو خلاصہ ہوا روایات کا مدلول ظاہری کا آگے دو مسلک ہیں یا تو امام صاحب اور امام ابویوسف کے اقوال کو متعارض کہا جاوے یا دونوں میں تطبیق دیجاوے اگر متعارض کہا جاوے تو حسب رسم المفتی و اختلف فیما اختلفوا فیہ والاصح کما فی السراجیۃ وغیرہا انہ یفتی بقول الامام علی الاطلاق ثم بقول الثانی الی قولہ وصحح فی الحاوی القدسی قوۃ المدرک الخ ہکذا فی الدر المختار امام صاحب کے قول پر عمل ہوگا اگر سراجیہ کے قاعدہ کو ترجیح دیجاوے تب تو ظاہر ہے اور اگر حاوی قدسی کے قاعدہ کو ترجیح دیجاوے تب بھی امام صاحب کی دلیل نقلی حدیث ہو جو اوپر نقل ہوئی ہو اور دلیل قیاسی رد المحتار سے کان فی الاطلاق الخ معلوم ہو چکی ہو جسکی قوت ظاہر ہو اور جو حدیثیں امام صاحب کی دلیل سے ظاہراً متعارض ہیں اُن سب کا جواب کافی شافی تابع الآثار سے گذر چکا ہو اور اگر بعض کی حکایت اجماع علی الجواز سے شبہ ہو کہ امام صاحب نے حکم بالکراہۃ سے رجوع کرلیا ہوگا تو شامی نے بعد نقل روایۃ ظہیریہ کے عدم ثبوت اجماع کی تصریح کردی ہو پس یہ استدلال قطع ہوگیا اور اگر امام صاحب اور ابویوسف رحمہ اللہ کے اقوال میں تطبیق دیجاوے تو وجہ تطبیق یہ ہوسکتی ہو کہ امام صاحب تو کراہۃ تنزیہیہ کے مثبت ہیں اور امام ابویوسف کراہۃ تحریمیہ کے نافی ہیں و قرینہ اسکا یہ ہے کہ درمختار میں جو مسجد میں اذان کے ساتھ جماعۃ ثانیہ کو مکروہ کہا ہو اسمیں شامی نے تصریح کردی کہ کراہۃ تحریمیہ مراد ہو پس اسکے مقابلہ میں جو دوسری صورتوں میں عدم کراہۃ کا حکم ہوگا اُسی کراہۃ مذکورہ کی نفی ہوگی پس کراہۃ تنزیہیہ کی نفی محتاج دلیل مستقل ہو جیسا کہ صور اربعہ اولیٰ میں افضلیت کی تصریح بالاستقلال کراہۃ تنزیہیہ کی نفی ہو

دال ہے پس صور اربعہ اولیٰ میں نفی کراہت سے کراہت تحریمیہ منتفی ہوگئی اور حکم افضلیت سے کراہۃ تنزیہیہ منتفی ہوگئی اور مندوبیت ثابت ہوگئی بخلاف صورۃ متکلم فیہا کے کہ اسمیں انتفاء کراہۃ تحریمیہ کی دلیل تو قائم ہے لیکن انتفاء کراہۃ تنزیہیہ کی کوئی دلیل نہیں اور ظاہر روایۃ میں کراہت کا اثبات ہے پس کراہۃ تحریم منتفی ہوئی اور کراہۃ تنزیہیہ ثابت رہی بس امام صاحب کے اثبات اور امام ابو یوسف کی نفی میں کوئی تعارض نہ رہا اور اگر یہ شبہ ہو کہ جاز اور یباح وغیرہ عبارات سے کراہۃ تنزیہیہ منتفی معلوم ہوتی ہے تو اُس کا جواب یہ ہے کہ لفظ جائز کبھی مکروہ کو بھی شامل ہوتا ہے کذا فی رد المحتار صفحہ ۱۲۵ ج ۲ اور جیسا درمختار میں اذان جنبی جائز بلا کراہت کہا ہے و علامہ شامی نے کہا ہے کہ مراد نفی کراہت تحریمیہ کی ہے اور تنزیہی ثابت ہے صفحہ ۲۶۴ ج ۱ و نیز حکایت اجماع جسمیں تقدیر تعارض پر کلام ہوا ہے۔ اس تقریر تطبیق پر یہ حمل کیا جا سکتا ہے کہ نفی کراہت تحریمیہ پر اجماع ہے۔ اور اگر ثبوت کراہت تنزیہیہ سے قطع نظر بھی کیجاوے اور اباحۃ بالمعنی المتبادر مان لیجاوے تب بھی چونکہ ندب و استحباب کسی دلیل سے ثابت نہ ابو یوسف رحمہ سے منقول اسلئے نفی کراہۃ سے ثبوت ثواب کا لازم نہ آویگا جیسا ردالمحتار میں جماعۃ فی التطوع میں مرکب نون ہونے سے ثواب کی نفی کی ہے گو بعض صورتوں میں مباح بھی ہے صفحہ ۴۸۲ پس نہایۃ مافی الباب ایک فعل مباح ہو جسمیں نہ ثواب نہ عقاب اور امام صاحب کراہۃ کے قائل تب بھی اسلم اور احوط اسکا ترک ہی ہوا کیونکہ فعل میں تو احتمال کراہت کا ہے اور ترک میں کوئی ضرر محتمل نہیں حتی کہ حرمان ثواب بھی نہیں پس ترک ہی راجح ہوا یہ سب تحقیق ہے باعتبار حکم فی نفسہ کے اور اگر مفاسد سے کہ امام ابو یوسف رحمہ کے زمانہ میں پیش ہوجاتے تو یقیناً کراہۃ شدیدہ کا حکم فرماتے لیکن چونکہ مسئلہ مختلف فیہا ہے اور علماء کے فتوے بھی مختلف ہیں اسلئے کسی کو کسی پر نکیر شدید و طعن زیبا نہیں۔ واللہ اعلم ۱۰ جمادی الاولیٰ سنہ ۱۳۲۴ھ۔

نویں حکمت حرمت سجدہ تحیۃ

سجدۃ التحیۃ کان مشروعا فی شرع من قبلنا ونسخ فی شرعنا والناسخ ما رواہ الترمذی عن ابی ہریرۃ عن النبی صلی اللہ علیہ وسلم قال لو کنت امرا احدا ان یسجد لاحد لامرت المرءۃ ان تسجد لزوجہا وفی العزیزی قال الشیخ حدیث صحیح اھ وقال الترمذی وفی الباب عن معاذ بن جبل وسراقۃ بن مالک وصہیب وعقبۃ بن مالک بن جعشم وعائشۃ وابن عباس وعبد اللہ بن ابی اوفی وطلق بن علی وام سلمۃ وانس وابن عمر اھ وفی نیل الاوطار عن

قد اخرج حديث ابي هريرة المذكور البزار باسناد فيه سليمان بن داؤد اليمامي وهو ضعيف
واخرج قصة معاذ المذكورة في الباب (التي عزاها الماتن الى احمد وابن ماجة عن
عبد الله بن ابي اوفى) البزار باسناد رجاله رجال الصحيح واخرجها ايضا البزار و
الطبراني باسناد اخر وفيه النهاس بن قهم وهو ضعيف واخرجها ايضا البزار والطبراني
باسناد اخر رجاله ثقات وقضية السجود ثابتة عن حديث ابن عباس عند البزار وعن
حديث سراقة عند الطبراني ومن حديث عائشة عند احمد وابن ماجه ومن حديث عصمة
عند الطبراني وعن هؤلاء وحديث عائشة الذي ذكره المصنف ساقه ابن ماجه باسناد
وفيه علي بن زيد بن جدعان وفيه مقال منقد كثيرون ووثقه بعضهم واخرج له
مسلم مقرونا بغيره كما في التهذيب) وبقية اسناده من رجال الصحيح (واورد هذا
الحديث ابن الجارود في المنتقى فهو صحيح عنده فانه لا ياتي الا بالصحيح كما صرح به السيوطي
في ديباجة جمع الجوامع) وحديث عبد الله بن ابي اوفى ساقه ابن ماجه باسناد صالح
مختصرا وفي الترغيب للمنذري عن بعد رواية انس بن مالك مع قصة الجمل رواه احمد باسناد جيد
رواته ثقات مشهورون والبزار بنحوه ورواه النسائي مختصرا وابن حبان في صحيحه من حديث
ابي هريرة بنحوه باختصار (وفيه بعد رواية قيس بن سعد رواه ابو داؤد وفي اسناده شريك
وقد اخرج له مسلم ووثق (قلت لما سكت عنه ابو داؤد فهو حجة عندنا) وفيه بعد حديث ابي
اوفى رواه ابن ماجه وابن حبان في صحيحه وساق في كنز العمال هذا الحديث متونا عديدة
وطرقا كثيرة نسرد منها سوى التي ذكرناها انفا الحاكم عن بريدة وقيس بن سعد (ولم يتعقب
عليهما السيوطي بل صححهما في الصغير صريحا فهما حديثان صحيحان) والترمذي عن انس والطبراني
في الكبير عن ابن عباس والبيهقي عن ابي هريرة وعبد بن حميد عن جابر والطبراني في الكبير وسعيد
بن منصور عن زيد بن ارقم (وفي الخصائص الكبرى روايات كثيرة منها رواية ثعلبة بن ابي
مالك عند ابي نعيم ورواية يعلى بن مرة عند الطبراني وابي نعيم ووجدت في [illegible]
ولم يحضرني الان من اين كتبته اخذته ان الحديث رواه ابو داؤد والطبراني والحاكم والبيهقي عن
قيس بن سعد والترمذي عن ابي هريرة والدارمي والحاكم عن بريدة واحمد عن معاذ والطبراني في

عن سراقة بن مالك وصهيب وعقبة ابن مالك وغيلان بن مسلم ورواه ابن ابی شيبة عن عائشة والبيهقی ايضا عن ابی هريرة كذا فی جمع الجوامع للسيوطی انتهی ما فی القرطاس. فهذا اسانيد بلغ بعضها صحيح وبعضها حسن وبعضها ضعيف يقوی باخر ومنتهی هذه الاسانيد الی عشرين صحابيا لو اقتصرنا علی الطرق المارة والحديث اذا روی من عشرة فهو متواتر علی القول المختار (كما فی تدريب الراوی) فهذا الحديث متواتر بالاولی وان اختلف احد فی تواتره للاختلاف فی العدد الذی يحصل به التواتر فلا يمكنه ان ينكر من كونه مشهورا ويكفی المشهور لنسخ المتواتر علی ما تقرر فی الاصول واطلنا الكلام فيه للضرورة الداعية فی هذا الزمان والا يكفينا الاجماع الامة ولم تر احدا من السلف ولا من الخلف اختلف فی حرمة سجدة التحية مع تصفح كثير من كتب التفسير والحديث والفقه وما نقل عن بعض الصوفية فی كتب تواريخهم لم يثبت عنهم وان ثبت فلا عبرة بقولهم لانهم ليسوا ممن يعتد بقولهم فی الاجماع وان سلم كونهم ممن يعتد بقوله فی الاجماع فلا يعتد به ايضا فی هذا المقام لان الاجماع السابق لا يرتفع بالاختلاف اللاحق نعم لا يلام عليهم لعدم اشتغالهم بالتحقيقات العلمية ومع ذلك لا يحتج بقولهم وصنيعهم لاسيما اذا ثبت النكير عن بعض اكابرهم ويحتاج الی هذا الكلام اذا سلم ان سجود الملئكة لآدم وسجود اخوة يوسف وابيه له كان سجودا حقيقيا وكان تحية لهما والحال انه مختلف فيه فقال بعضهم لم يكن سجودا حقيقيا بل هو كناية عن التعظيم وقال بعضهم كان آدم والی يوسف بمنزلة الكعبة لنا فاللام بمعنی الی وقال بعضهم اللام للسبب ای كانت السجدة لله تعالی شكرا علی ما انعم عليهم بسببهم لاجل يوسف وآدم علی نبينا وعليهما السلام واذا جاء الاحتمال بطل الاستدلال ومع لا يحتاج الی اثبات النسخ ويثبت الحرمة بخبر الواحد ايضا ولنقول ايضا ان الاية وان كانت قطعی الثبوت ولكنها ظنی الدلالة فلا بعد فی نسخها بحديث ظنی الثبوت قطعی الدلالة كما لا يخفی واللہ اعلم بالصواب ۔

سوال ۔ کیا فرماتے ہیں علماء دین اس مسئلہ میں کہ سجدہ تحیۃ جو صوفیا رکرام رضہ میں علی منہج التعظیم لا علی سبیل العبادۃ مروج اور جسکی اباحۃ کے قائل ہیں جائز ہے یا نہیں قرآن شریف سے اسکی حرمۃ ثابت ہے یا نہیں ۔ امم سابقہ میں یہ سجدہ مباح تھا چنانچہ سورہ یوسف میں موجود ہے لیکن کوئی آیت اسکے نسخ میں

وارد نہیں ہوئی خبر واحد سے قرآن شریف کی آیۃ کا نسخ جائز نہیں ہے شاہ عبدالعزیز صاحب محدث دہلوی کا
یہ فرمانا کہ ہماری شریعت میں حرام ہے صحیح ہے یا نہیں شاہ صاحب نے یہ بھی لکھا ہے کہ احادیث کثیرہ اس کی
حرمت میں موجود ہیں وہ احادیث کونسی ہیں اور انکے خبر واحد ہونے پر جو شبہ بظاہر وارد ہوتا ہے اس کا
کیا جواب ہے بعض عالم فرماتے ہیں کہ اسکی حرمت پر اجماع ہو چکا اگر اجماع ہو چکا تو اصحاب طریقت نے
اسکو کیوں مباح سمجھا چنانچہ سلطان الاولیا والمشائخ فرماتے ہیں کہ میں اباحۃ اصلیہ کی وجہ سے اسکو
منع نہیں کرتا ان سب کا جواب مع حوالہ کتب معتبرہ متقدمین نیز اجماع کس کا معتبر ہے قلمبند فرمایا جاوے بینوا توجروا
الجواب۔ وہ حدیث مشکوۃ باب عشرۃ النساء میں ترمذی سے بروایت ابو ہریرہؓ اور ابو داؤد سے بروایت قیس
بن سعدؓ اور احمد سے بروایت معاذ بن جبلؓ مذکور ہے جس سے نہی عن سجدۃ التحیۃ ثابت ہے، اور سجدہ عبادت کا
احتمال ہی نہیں ہو سکتا کیونکہ وہ غیر اللہ کیلئے شرک محض ہونیکی وجہ سے بالذات قبیح ہے اسمیں احتمال جواز
یا احتمال استیذان صحابہؓ ممکن نہیں پس یقیناً سجدہ تحیۃ ہی ان احادیث کا مدلول ہے پس نہی کا مدلول
حدیث ہونا یقیناً ثابت ہو گیا رہا شبہ حدیث کے خبر واحد ہونے کا اور قرآن کے قطعی ہونیکا سو ایک جواب
تو وہی ہے جو مستفتی نے نقل کیا ہے یعنی اجماع کے انضمام سے حکم حدیث قطعی ہو گیا۔ رہا اسپر شبہ اہل طریقت
کے خلاف کا سو اول تو یہ امر دلائل سے ثابت ہو چکا ہے کہ اجماع میں ہر اختلاف مضر نہیں بلکہ جو کسی مجتہد کا اختلاف
ہو اور وہ بھی مستند الی الدلیل الشرعی ہو سو اس مسئلہ میں اختلاف کرنیوالے نہ مجتہد ہیں نہ کسی دلیل معتد بہ
کی طرف استناد ہے۔ دوسرے اس اختلاف سے پہلے اجماع منعقد ہو چکا ہے چنانچہ سلف میں کسی سے خلاف
منقول نہیں اور یہ ثابت ہو چکا ہے کہ اختلاف مؤخر اجماع مقدم میں قادح نہیں بہر حال یہ اختلاف اجماع
مذکور میں مخل نہیں ہو سکتا ہے گو کرنیوالے پر بھی بوجہ لغزش کے ملامت نہ کرینگے اور معذور سمجھیں گے۔
دوسرا جواب یہ ہے کہ حدیث اس باب میں اگرچہ ثبوتاً ظنی ہے مگر دلالۃً قطعی ہے اور اس باب میں قرآن اگرچہ ثبوتاً
قطعی ہے مگر دلالۃً ظنی ہے کیونکہ بعض اہل تفسیر نے ان آیات میں سجدہ کی تفسیر انحنا سے کی ہے پس سجدہ حقیقیہ
قطعاً مراد و مدلول نہ ہوا اور یہ ثابت ہو چکا ہے کہ دلیل کی یہ دونوں قسمیں یعنی قطعی الثبوت ظنی الدلالۃ اور ظنی
الثبوت قطعی الدلالۃ اثبات حکم میں ظنی ہوتی ہیں پس ایک ظنی دوسرے ظنی کا ناسخ ہو سکتا ہے تیسرا جواب
یہ ہے کہ کتب اصول حدیث میں یہ قاعدہ مذکور ہے کہ اگر طرق و رواۃ حدیث میں اتنا تعدد ہو کہ عقل تواطو
علی الکذب کو تجویز نہ کر سکے تو وہ حدیث متواتر ہو جاتی ہے۔ چونکہ تواتر میں کوئی عدد خاص معتبر نہیں بلکہ کثرت

حد یہی ہے جو مذکور ہوئی پس اس بنا پر حدیث مذکور میں تواتر کے قایل ہونیکی گنجایش ہو پس یہ بھی قطعی اور ایک قطعی دوسرے قطعی کا ناسخ ہو سکتا ہو۔ اور قرآن مجید کی آیت وان المساجد للہ اپنے عموم سے نیز مؤید اسکی ہو ورنہ احادیث بھی کافی ہیں جیسا گذرا اور سب سے اخیر بات مقلد کی شفا رکیلئے یہ ہو کہ مقلد کے ذمہ اثبات بالدلیل نہیں اسکے لئے متبوعین فی المذہب کا قول بس ہو پس جب اسکی حرمت کتب فقہ میں منصوص ہو اب اسمیں کیا کلام ہو سکتا ہے ورنہ یہ صریح ترک تقلید ہو واللہ اعلم۔ ۹ شوال المکرم ۱۳۳۲ھ

از انیس الارواح

یعنی ملفوظات حضرت خواجہ عثمان ہارونی رحمۃ اللہ علیہ مرتبہ حضرت خواجہ معین الدین رحمۃ اللہ علیہ

(واقعہ ۶) حضرت خواجہ معین الدین رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ خواجہ عثمان ہارونی رحمۃ اللہ علیہ کی خدمت میں حاضری ہوئی اور فقیر نے پابوسی کیلئے زمین پر سر رکھا الخ۔

اشکال۔ زمین پر سر رکھنا ظاہراً سجدہ ہو اور مخلوق کے آگے سجدہ کرنا گو تحیت ہی کا ہو حرام ہے۔

حل اشکال۔ ممکن ہو کہ مجاز ہو نیاز مندی سے جیسا حضرت سعدی رحمۃ اللہ علیہ کے اس شعر میں ہے ؎

خدایت ثنا گفت و تبجیل کرد[51] زمین بوس قدر تو جبریل کرد

یقینی بات ہو کہ حضرت جبریل علیہ السلام نے کبھی آپ کے روبرو زمین بوسی نہیں کی اور اس کا قرینہ خود انیس الارواح کی چوتھی مجلس میں خواجہ عثمان رحمۃ اللہ علیہ کا ارشاد ہے کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی زمین بوسی کی الخ اور ظاہر ہے کہ اسوقت ہرگز اس کا معمول نہ تھا پس یہاں مجاز ہونا یقینی ہے۔ اسی طرح حضرت خواجہ صاحب کے قصہ میں بھی سمجھ لیا جاوے۔ دوسرے اگر سجدہ کو حقیقی ہی معنی پر محمول ہو تب بھی اسکی کوئی دلیل نہیں کہ وہ بزرگ مسجود ہوں ممکن ہو مسجود حق تعالیٰ ہوں اور وہ بزرگ جہت سجدہ ہوں جیسے سجدہ الی الکعبہ میں مسجود حضرت حق ہیں اور کعبہ جہت سجدہ جیسا بعض مفسرین نے سجدہ ملائکہ لآدم میں یہی کہا ہو کہ آدم علیہ السلام مسجود نہ تھے صرف جہت سجدہ تھے اور انھوں نے لام کو بمعنی الی لیا ہو اور حضرت حسان رضی اللہ عنہ کے قول سے استشہاد کیا ہو الیس اول[52] من صلے لقبلتکم اور اسی پر محمول ہے بعض عشاق کا قول ہے ؎

---

[51] خدا تعالیٰ نے آپ کی ثنا فرمائی اور عزت افزائی کی اور جبریل علیہ السلام نے زمین بوسی تعظیم کی۔ مترجم۔
[52] کیا وہ ایسے نہیں کہ انھوں نے سب سے پہلے تمہارے قبلہ کی طرف نماز پڑھی ۱۲

قسم بقبلۂ[۵۸] روئے تو یا رسول اللہ　　　　روا ست سجدہ بسوئے تو یا رسول اللہ

آپکے روئے مبارک کو قبلہ کہنا اور بسوئے تو کہنا اسمیں نص ہو لفظ تو نہیں کہا۔ ایسا ہی جواب دیا ہے تصور شیخ کے معاملہ میں حضرت شیخ مجدد الف ثانی رضی اللہ عنہ نے جسکو انوار العارفین میں مکتوبات جلد ثانی مکتوب سی ام سے نقل کیا ہے ضروری عبارت اُسکی یہ ہے کہ درزش[۵۹] نسبت رابطہ را نوشتہ بودند کہ بحدے استیلاء یافتہ است کہ در صلوات آں را مسجود خود می دانند می بینید واگر فرضًا نفی کنند منتفی نمیگردد والی قولہ رابطہ را چرا نفی کنند کہ از مسجود الیہ است نہ مسجود لہ چرا محاریب ومساجد را نفی نکنند اھ باقی یہ سوال کہ سجدہ میں استقبال قبلہ تو ہونا ضروری ہے اور اسمیں اس شرط کا التزام نہیں ہو سکتا اس کا جواب یہ ہے کہ یہ شرط اجتہادی ہے اسمیں اختلاف کی گنجائش ہے چنانچہ نیل الاوطار باب التکبیر للسجود میں ہے کہ حضرت ابن عمرؓ کے نزدیک سجدہ تلاوت میں وضو شرط نہیں اور ابو عبدالرحمن کے نزدیک استقبال قبلہ بھی شرط نہیں اھ اور ایک شبہ اسمیں ایہام کا ہو سکتا ہے کہ دوسرے دیکھنے والے غلطی میں پڑ سکتے ہیں اور نیت کا علم انکو نہیں اسکا جواب یہ ہے کہ غلبہ تو اضع سے اپنے مقتدا ہونیکی طرف التفات نہیں ہوا اور اس جواب میں ادر ہی طرح اسکی اُس فرع میں جو حضرت مجدد صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے ارشاد فرمائی ہے گو یہ خدشہ ہے کہ کسی سمت کا جہت سجدہ بنانا خود امر تعبدی ہے قیاسی نہیں اسلئے غیر کعبہ کو اس باب میں کعبہ پر قیاس نہیں کر سکتے ورنہ اسکی نظیر سلف میں کسی سے منقول ہے تو گویا غیر سمت کعبہ کو جہت سجدہ بنانیکی ممانعت پر امت کا اجماع ہے اور محاریب کی نفی اس سے لازم نہیں آتی کیونکہ وہ ساجد کی نیت میں جہت سجدہ نہیں بلکہ جہت سجدہ کے طریق میں واقع ہو گئے ہیں اور یہ وقوع فی الطریق محاریب کے جہت سجدہ ہونیکو مستلزم نہیں مگر اولاً اجماع میں کلام ہے ابو عبدالرحمن کا قول مذکور قادح اجماع ہے ثانیًا بعد تسلیم اجماع یہ خدشہ خود دقیق ہے اسلئے اگر کسی کی نظر اس تک نہ پہونچے اسکو خطاء اجتہادی میں داخل کرکے موجب معصیت نہ کہا جاویگا مگر یہ جواب باوجود اس خدشہ کے جو ایک درجہ میں اُن حضرات سے دفع بھی کر دیا گیا ہے اُس جواب سے اچھا ہے جو بعض نے اختیار کیا ہے یعنی سجدہ

---

[۵۸] ۔ یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم آپ کے روئے مبارک کے قبلہ کی قسم ہے کہ سجدہ کرنا آپکی طرف جائز ہے ۱۲۔

[۵۹] نسبت رابطہ کی ورزش کے متعلق لکھا تھا کہ اسقدر اسکا غلبہ ہو گیا ہے کہ نمازوں میں وہ مسجود معلوم ہوتا ہے اور نظر آتا ہے اور اگر بالفرض اسکی نفی کیجاوے تو منتفی نہیں ہوتا الی قولہ رابطہ کی کیوں نفی کرتے ہیں کیونکہ وہ مسجود الیہ ہے نہ کہ مسجود لہ (اور اگر باوجود مسجود الیہ ہونیکے نفی کرنیکی ضرورت ہے تو) محرابوں اور مسجدوں کی نفی کیوں نہیں کرتے (حالانکہ یہ چیزیں بھی مسجود الیہ ہیں) ۱۲ مترجم۔

تحیت کی حرمت میں کلام کیا ہے وہ کلام یہ ہے کہ شرائع من قبلنا میں سجدۂ تحیت کا جائز ہونا قرآن مجید سے
ثابت ہے چنانچہ آدم علیہ السلام کو ملائکہ نے سجدۂ تحیۃ کیا یوسف علیہ السلام کو آنکے ابوین اور اخوان نے کیا
اور ہماری شریعت میں اسکا نسخ ثابت نہیں کیونکہ جو حدیث نہی کی اس باب میں آئی ہے وہ خبر واحد ہے
اور خبر واحد معارض خبر قطعی کی نہیں ہو سکتی اسلئے حسب قاعدہ حجیت شرائع من قبلنا وہ ہمارے لئے بھی
جائز ہوگا سو یہ جواب چند وجوہ سے مخدوش ہے اول سجدہ ملائکہ یا اہل بیت یوسف علیہ السلام جو قرآن
میں مذکور ہے یہی ثابت نہیں کہ وہ سجدہ تھا یا انحنا دوسرے اگر سجدہ ہی تھا تو آدم علیہ السلام یا یوسف
علیہ السلام مسجود تھے یا جہت سجدہ تیسرے یہ بھی مسلم نہیں کہ وہ حدیث خبر واحد ہے اسکی اسانید میں اتنا
تعدد ہے کہ اسپر تواتر کا حکم کیا جا سکتا ہے فان الحدیث رواہ ابو داؤد والطبرانی والحاکم والبیہقی
عن قیس بن سعد والترمذی عن ابی ھریرۃ والدارمی والحاکم عن بریدۃ واحمد عن معاذ والطبرانی
عن سراقۃ بن مالک وصہیب عقبۃ بن مالک وغیلان بن مسلم ورواہ ابن ابی شیبہ عن
عائشۃ والبیہقی ایضاً عن ابی ھریرۃ کذا فی جمع الجوامع للسیوطی (ھکذا وجدتہ فی قرطاس ملتق
بخطی لم یحضر الان من این کنت اخذتہ فلیراجع) چوتھے اگر وہ سجدہ تحیت ہی تھا اور مسجود جہت سجدہ
نہ تھا اور وہ خبر خبر واحد ہی ہے تب بھی جب اسکی حرمت پر اجماع ہو گیا تو حکم قطعی ہو گیا اور گو اجماع خود ناسخ
نہیں ہوتا مگر دلیل قطعی ہوتی ہے کسی ناسخ کے وجود کی وہ ناسخ ہمکو معلوم نہ ہو یا معلوم ہو اور ظنی ہو اہل علم کو
یہ سب مقدمات معلوم ہیں اور بعض نے یہ جواب دیا ہے کہ سجدۂ تحیت تو حسب فتویٰ فقہا حرام ہی ہے لیکن
یہ حضرات بھی مجتہد تھے گو مجتہد مطلق نہ ہوں مگر ایک دو مسئلہ میں اجتہاد کے امتناع کی بھی کوئی دلیل نہیں
پس ممکن ہے کہ ان کے نزدیک سجدہ منصوصہ سجدہ متعارفہ ہو اور وہ حدیث خبر واحد ہو یا معلل علت کے ساتھ
ہو کہ حسب اندیشہ افضا الی الشرک کا ہو اور یہاں علت منتفی ہے کیونکہ فاعلین اہل فہم تھے اسلئے نکیر نہ کیا ہو اور
یہ جواب تجویز سجدہ تحیت کا اسلئے بھی پسندیدہ نہیں کہ خود انیس الارواح چوتھی مجلس میں حضرت خواجہ صاحب سے
یہ حدیث منقول ہے کہ اگر سوائے خدا کے دوسرے کو سجدہ کرنا جائز ہوتا تو میں حکم کرتا عورتوں کو اپنے خاوند کو

لـه - اسلئے کہ اس حدیث کو قیس بن سعد سے روایت کیا ابو داؤد اور طبرانی و حاکم و بیہقی نے اور ابو ہریرہ رض سے
روایت کیا ترمذی نے اور حاکم و دارمی نے بریدہ رض سے اور احمد نے معاذ رض سے اور طبرانی نے سراقہ ابن مالک
سے و صہیب و عقبہ بن مالک [illegible] اور ابن ابی شیبہ نے عائشہ رض سے روایت کیا اور بیہقی
نے ابو ہریرہ رض سے روایت کیا کذا فی جمع الجوامع [illegible]

سجدہ کریں اور ظاہر ہے کہ یہ سجدہ تحیت ہی ہوتا تو حضرت خواجہ صاحب بھی اسکے ناجائز ہونے کے قائل ہیں

ف . بعد تحریر ان سطور کے اس باب میں بعض ملفوظات حضرت سلطان نظام الدین رحمہ اللہ تعالیٰ کی نظر سے گذرے مزید بصیرت کیلئے وہ بھی نقل کرتا ہوں ۔

(۱) از فوائد الفواد جلد چہارم مجلس ۱۹ رجب ۷۱۸ھ اسکے بعد اس بات کا ذکر چھڑ گیا کہ جو لوگ حضرت خواجہ کی خدمت میں آتے ہیں اور سر زمین پر جھکتے ہیں ۔

حضرت خواجہ ذکرہ اللہ بالخیر نے فرمایا میں تو یہ چاہتا تھا کہ لوگوں کو منع کر دوں چونکہ میرے شیخ کے سامنے لوگوں نے اس طرح کیا ہے اسلئے میں نے منع نہیں کیا ۔

(۲) از فوائد الفواد جلد چہارم مجلس ۲۸ جمادی الاولیٰ ۷۱۶ھ آپنے فرمایا کہ میرے پاس خلق آتی ہے اور زمین بوسی کرتی ہے چونکہ شیخ الاسلام فرید الدین و شیخ قطب الدین قدس اللہ روحہما العزیز منع نہیں کرتے تھے میں بھی منع نہیں کرتا ۔

(الی قولہ خطابا لبعض الشاغبین) سو جس فرض کی وضعیت اٹھا دیجاتی ہے تو اسکا درجہ استحبابی باقی رہا کرتا ہے جیسا ایام بیض اور عاشوراء کے روزے (الی قولہ) سجدہ پہلی امتوں پر مستحب تھا جبکہ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کا زمانہ آیا تو وہ استحباب جاتا رہا اباحت باقی رہی اب اگر مستحب نہیں ہو تو مباح ہو اور امر مباح پر نفی و منع کہیں آیا نہیں ۔

(۳) از درر نظامی باب ۱۵ جمع کردہ مولانا علی بن جاندار احد الخلفاء رح

اسمیں مضمون بالا پر اتنی زیادت ہے فرمایا میرے سامنے لوگ سر زمین پر رکھتے ہیں میں اسکو اچھا نہیں نہیں سمجھتا مگر چونکہ میرے مشائخ کے سامنے ایسا ہی کرتے چلے آتے ہیں لہذا منع بھی نہیں کر سکتا کیونکہ منع کرنے سے یا تجہیل مشائخ لازم آتی ہے یا ان کی تفسیق لازم آتی ہے اھ گو اس استدلال میں یہ کلام ہے کہ یہ اسوقت ہو سکتا ہے جب نہی وارد نہ ہوا اور یہاں نہی موجود ہے جو شاید مشائخ کے نزدیک معلل بعلت ہو کیساتھ جیسا عنقریب گذرا ہے نیز یہ بھی کلام ہے کہ اگر منع کیساتھ انکے فعل کو ماؤل کہا جاوے تو بلا تجہیل و تفسیق بھی لازم نہیں آتی مگر تاہم ان ملفوظات سے یہ امور مستفاد ہوتے ہیں ۔

اوّل ۔ حضرت اس سجدہ کو سجدہ تحیت فرماتے ہیں اور گو میرے جواب سے اسکو اس لئے منافی نہیں کہ شاید یہ تقریر علی سبیل التنزل ہو کہ اگر سجدہ تحیت بھی مان لیا جاوے تو پھر یہ جواب ہے لیکن اس کا تنزل محمول

کرنا ظاہر کے خلاف ہے۔

(دوم) حضرت اسکو اچھا نہیں سمجھتے تھے اور منع فرمانا بھی چاہتے تھے مگر منع کرنے کو ان شائخ کے ساتھ صورۃً مزاحمت سمجھکر خلاف ادب سمجھتے تھے۔

(سوم) ۔ غلبۂ ادب کے سبب اس استدلال کے جواب کی طرف اُن حضرات کا ذہن عالی ملتفت نہیں ہوا اب اسپر یہ تفریع لازم ہوگی کہ اگر کسی کی یہ حالت نہ ہو یعنی ایسا مغلوب الحال بھی نہ ہو اور اس استدلال کا جواب بھی اسکو معلوم ہوگیا ہو جیسا میں نے درمیان درمیان ظاہر کردیا ہے تو وہ شخص معذور نہ ہوگا خصوص جبکہ عالی اسکا ترفع وجاہ ہو تب تو دین کا سالم رہنا نہایت مشکل ہے واللہ یعلی مابتدئی ملکتوب ۔

دسویں حکمت عمل مصلی بر قول غیر مصلی و تحقیق حدیث ذوالیدین

سوال ۔ صلوۃ مغرب میں امام نے سہواً دو رکعت پر سلام پھیرا اور سلام ہی پھیر چکے تھے اسکو شبہ ہوا کہ شاید دو رکعت پڑھیں مگر عدم تیقن اور اس شبہ کی مرجوحیت باعث توجہ نہ کی سلام پھیرنے کے بعد مقتدی نے کہا دو رکعت ہوئیں مقتدی کے اس قول سے اسکا شبہ راجح ہوا اور امام فوراً کھڑا ہوگیا مقتدی بھی کھڑے ہوگئے اور تیسری رکعت پر سلام پھیر کر سجدہ سہو کرلیا نماز ہوئی یا نہیں اگر ہوئی تو اس مقتدی متکلم کی بھی ہوئی یا نہیں اسی میں یہ بات بھی معلوم ہوتی ہے کہ تکلم عند الاحناف مطلق مفسد صلوۃ ہے خواہ لاصلاح الصلوۃ ہو یا نہیں ذوالیدین کی حدیث کس حدیث سے منسوخ ہے۔

الجواب ۔ اس قسم کی جزئیات میں فروع مختلف لکھی ہیں کما یظھر من مطالعۃ الدر المختار و رد المحتار صفحہ ۵۹۶ و ۶۵۰ و ۶۷۳ لیکن اس باب میں طحطاوی نے خوب فیصلہ کیا ہے جس سے سب فروع بھی متفق ہوجاتی ہیں ، شامی نے صفحہ ۵۹۶ میں اس طرح نقل کیا ہے وقال لو قیل بالتفصیل بین کونہ امتثل امر الشارع فلا تفسد و بین کونہ امتثل امر الداخل مراعاۃ لخاطرہ من غیر نظر لامر الشارع فتفسد لکان حسنا اھ پس جب امام کا شبہ راجح ہوگیا تو امر شارع کے سبب وہ کھڑا ہوا ہے پس اسلئے اسکی اور مقتدیوں کی سب کی نماز ہوگئی بجز کلام کرنیوالے مقتدی کے کہ اسکی نماز بوجہ کلام کے فاسد ہوگئی جیسا حنفیہ کا مذہب مشہور او رمتون میں مذکور ہے اور حدیث کے متعلق بحث اس مسئلہ میں یہ ہے کہ مسلم میں یہ تین حدیثیں نہی عن الکلام میں وارد ہیں ایک معاویہ بن حکم سلمی کی جسمیں ارشاد ہے

ان هذه الصلوٰة لا تصلح فیها شیء من کلام الناس قلت عموم شیء لکونه نکرة ووقوعه تحت النفی یشمل کل کلام بای وجه کان عامدًا او ناسیا او لاصلاح الصلوٰة دوسری حدیث عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کی نجاشی کے پاس سے آنیکے وقت فقلت یا رسول اللہ کنا نسلم علیک فی الصلوٰة قال ان فی الصلوٰة شغلا تیسری زید بن ارقم رضی اللہ عنہ کی کنا نتکلم فی الصلوٰة الی قولہ فامرنا بالسکوت ونهینا عن الکلام قلت اطلاق الکلام فی الحدیث الاخیر وکذا کونه منافیا لشغل الصلوٰة فی الذی قبلہ یعم کل کلام اور یہ تینوں حدیثیں بوجہ اشتمال علی النہی کے حدیث ذو الیدین سے ظاہرًا معارض ہیں اب مسلک مشہور علمائے حنفیہ کا یہ ہے کہ قصہ ذی الیدین کو نہی عن الکلام سے مقدم کہتے ہیں اسلئے قصہ ذی الیدین کو منسوخ اور نہی عن الکلام کو ناسخ قرار دیتے ہیں اسپر شبہ مشہور ہے کہ رجوع عن الحبشہ ابتدا میں ہوا ہے اور قصہ ذی الیدین میں حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ موجود تھے اور اُن کا اسلام بعد خیبر کے ہوا ہے پس حدیث نہی کی مقدم ہوا اور حدیث کلام کی موخر ہوئی پس نسخ صحیح نہیں - اور حنفیہ نے جواب دیا ہے کہ ابو ہریرہ کا قصہ میں موجود ہونا مسلم نہیں اور سند منع یہ ہے کہ ذو الیدین بدر میں شہید ہوئے ہیں اور بدر خیبر سے بہت پہلے ہے تو ابو ہریرہ رض اُس قصہ میں کس طرح موجود ہو سکتے ہیں اس سے معلوم ہوا کہ ابو ہریرہ رض کسی اور سے روایت کرتے ہیں پس ممکن ہے کہ یہ قصہ قصۂ نہی عن الکلام سے مقدم ہوا اور منسوخ ہو باقی ابو ہریرہ رض کا یہ قول کہ بینما انا اصلی یا صلی بنا یا صلی لنا محمول ہے معنی صلی بالمسلمین اور روایۃ بالمعنی پر پھر اسپر یہ شبہ ہوا ہے کہ مقتول بالبدر ذو الشمالین ہیں نہ کہ ذو الیدین پھر اس کا جواب دیا ہے کہ دونوں نام ایک ہی کے ہیں پھر اس پر شبہ ہوا کہ امکان تقدم سے وقوع تقدم لازم نہیں آتا جواب یہ ہے کہ مبیح اور محرم میں جب تعارض ہوتا ہے بدلیل مذکور فی الاصول مبیح کو مقدم رکھکر نسخ کیا جاتا ہے یہ مختصر کلام ہے جو جانبین سے پیش کیا جاتا ہے اور اس احقر کا مسلک ان سب دعووں سے قطع نظر کرکے یہ ہے کہ آپکا کلام زمانہ خصوصیات میں ہی ہو سکتا ہے اور صحابہ رضی کا کلام مع الرسول مفسد صلوٰۃ نہیں جیسا بعض علما نے اُس حدیث میں لکھا ہے کہ آپنے ابی بن کعب کو پکارا تھا پھر بعد نماز کے آپنے یہ آیت یاد دلائی استجیبوا للہ وللرسول اذا دعاکم الآیۃ یا کلام بالایما ہو جیسا ابوداؤد میں ہے او مئوا ای نعم بعدم فسادا بالکلام مع الرسول اور ایما کو نووی نے شرح مسلم صفحہ ۲۱۴ میں نقل کیا ہے واللہ اعلم-

گیارہویں حکمت ثبوت تشہدین در سجدہ سہو از حدیث

سوال- ایک صاحب اکثر سہو کا سجدہ بلا تشہد کرتے ہیں اور تشہد کا ثبوت حدیث صحیح نص صریح سے مانگتے ہیں

الجواب- فی الحدیث المتفق علیہ عن ابن مسعود رض قال علیہ السلام اذا شک احدکم فی صلوٰۃ فلیتحر الصواب فلیتم علیہ ثم لیسلم ثم یسجد سجدتین متفق علیہ وایضاً فی المتفق علیہ من بنا حتی اذا قضی الصلوٰۃ وانتظر الناس تسلیمہ کبر وھو جالس فسجد سجدتین وفی حدیث الترمذی عن عمران بن حصین ان النبی صلی اللہ علیہ وسلم صلی بھم فسہی فسجد سجدتین ثم تشہد ثم سلم کذا فی المشکوٰۃ- حدیث اول میں فلیتم علیہ سے تشہد قبل سجدہ سہو ثابت ہے کیونکہ بدون تشہد کے صلوٰۃ ناقص ہے اسی طرح حدیث ثانی سے کیونکہ بدون تشہد کے انتظار سلام کا نہیں ہو سکتا اور حدیث ثالث سے تشہد سجدہ سہو ثابت ہے بس مجموعہ[عہ] ثابت ہوگیا فقط واللہ اعلم- یکم ربیع الثانی ۱۳۲۵ھ

بارہویں حکمت تفسیر سورہ صغیرہ کہ فصل بہ آں مکروہ است

سوال- نماز میں دو سورتیں اس طور پڑھنا کہ درمیان میں ایک سورت چھوٹ جائے مسئلہ اول میں سورہ فتح یعنی اذا جاء دوسری میں سورہ اخلاص پڑھنا کیسا ہے-

الجواب- اگر درمیان میں بڑی سورت چھوٹ جاوے جسمیں[عہ] دو رکعت ہو سکیں جائز ہے چھوٹی ناجائز- واللہ اعلم- ۶ رمضان ۱۳۱۹ھ

تیرہویں حکمت در اثنا خطبہ ترجمہ وغیرہ کردن،

سوال- کیا فرماتے ہیں علماء دریں مسئلہ میں کہ خطبہ جمعہ میں قرآن شریف اور احادیث کی عبارت پڑھکے

عہ- پھر رحمۃ مہداۃ میں ابوداؤد و نسائی کی روایت سے ایک حدیث نظر سے گذری جسمیں مجموعہ تشہدین مصرح ہے عن عبداللہ بن مسعود عن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم قال اذا کنت فی صلوٰۃ فشککت فی ثلاث او اربع واکثر ظنک علی اربع تشہدت ثم سجدت سجدتین وانت جالس قبل ان تسلم ثم تشہدت ایضاً ثم تسلم ص۱۴۳ منہ

عہ- یہ میں نے یاد سے لکھا تھا مگر پھر کوئی روایت اسکی ساعد نہیں ملی تتبع سے معلوم ہوا کہ مطلب اس کا یہ ہوا کہ ایک بیچ میں چھوڑنا جائز ہے یہ ہے کہ وہ سورت پہلے سے بڑی ہو کہ اسکے پڑھنے سے دوسری رکعت اس رکعت سے طویل ہو جاوے اذا جاء کے بعد سورہ تبت پڑھنے میں بھی امر لازم آتا ہے کذا فی رد المحتار فصل القرأۃ-

اس کا ترجمہ زبان ہندی میں سمجھانا جائز ہے یا نہیں۔

الجواب۔ جناب رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کے زمانہ مبارک سے ابتک امت میں یہی تعامل و توارث رہا کہ خطبہ میں اور کوئی غیر چیز لاحق نہیں کرتے اسلئے فقط خطبہ عربی پر اکتفا کرنا چاہئے ترجمہ وغیرہ کراہت نہیں ہاں اگر کوئی نصیحت مناسب وقت کسی واقعہ درپیش شدہ میں کرے جائز ہے یکرہ للخطیب ان یتکلم فی حال الخطبۃ الا ان یکون امرا بمعروف کذا فی فتح القدیر عالمگیری ص۱۴۵ ج۱ ویروی رجوعہ فی اصل المسئلۃ الی قولھما وعلیہ الاعتماد فی الخطبۃ والتشھد علی ھذا الاختلاف ۱۲ ھدایہ اقول فلما ثبت الرجوع عنہ فی القراءۃ بالفارسیۃ ثبت فی الخطبۃ بھا فقط واللہ اعلم

مسئلہ چودھویں حکمت اقتداء غیر الثغ بالثغ وغیر مشاق

تحقیق فقہی مہم۔ فی الدر ولا غیر الالثغ بہ ای بالالثغ علی الاصح کما فی البحر وحرر الحلبی وابن الشحنۃ انہ بعد بذل جھدہ دائما حتما کالامی فلا یؤم الا مثلہ الی ان قال ھذا ھو الصحیح المختار فی حکم الالثغ وکذا من لا یقدر علی التلفظ بحرف من الحروف اھ (ص۳۱۰ وص۳۱۱ ج۱ امع الشامی) وفی رد المحتار تحت قولہ علی الاصح ای خلافا لما فی الخلاصۃ عن الفضلی من انھا جائزۃ لان ما یقولہ صار لغۃ لہ ومثلہ فی التاترخانیۃ وفی الظھیریۃ وامامۃ الالثغ لغیرہ تجوز وقیل لا ونحوہ فی الخانیۃ عن الفضلی وظاھرہ اعتمادھم الصحۃ وکذا اعتمدھا صاحب الحلیۃ قال لما اطلقہ غیر واحد من المشائخ من انہ ینبغی لہ ان یؤم غیرہ ولما فی خزانۃ الاکمل وتکرہ امامۃ الفافاء لکن الاحوط عدم الصحۃ اھ (ص۳۹۶ ج۱) ان عبارات سے امور ذیل مستفاد ہوئے

(۱) الثغ کی امامت کے جواز میں اختلاف ہے بعض نے اس کی امامت کو سب کے حق میں جائز رکھا ہے۔

(۲) الثغ صرف وہی نہیں جسمیں صحیح پڑھنے کی قابلیت ہی نہ ہو کیونکہ حلبی و ابن شحنہ نے اسپر بذل جہد دائماً حتماً کیا ہے اور وجوب جہد فرع ہے قدرت کی پس الثغ سے مراد وہ الثغ ہے جو اس وقت حالت موجودہ میں صحیح پڑھنے پر قادر نہیں (۳) جو شخص الثغ نہ ہو لیکن اسوقت کسی حرف کی صحیح تلفظ پر قادر نہ ہو وہ بھی بحکم الثغ ہے پس ہر چند کہ صحیح مختار قول یہ ہے کہ الثغ کی امامت غیر الثغ کیلئے درست نہیں اور اس کا مقتضا یہ ہے کہ صحیح خوان کی اقتدا ایسے شخص کے پیچھے جائز نہ ہو جو حروف کو صحیح ادا نہیں کرتا مگر اسوقت ضرورت کی وجہ سے امام فضلی کے قول

فتویٰ دینے کو جی چاہتا ہے خصوصاً حرف ضاد کے مسئلہ میں کیونکہ عام طور پر قراء تک اسکو غلط پڑھتے ہیں پایا
لہذا قاری کی اقتدا غیر قاری کے پیچھے صحیح ہے البتہ ایسے شخص کے پیچھے صحیح نہیں جو بحالت موجودگی تصحیح
حروف پر قادر ہے مگر غفلت یا بے توجہی یا رعایت عوام کی وجہ سے کسی حرف کو مثلاً ضاد کو اصلی مخرج سے
نہیں نکالتا کیونکہ وہ بحکم الثغ نہیں بلکہ عمداً غلط پڑھنے والا ہے۔ واللہ اعلم۔ ۱۹ ربیع ۱۳۳۱ھ

پندرھویں حکمت اشتراط تملیک در ثمن جرم اضحیہ

سوال۔ چرم قربانی مدارس میں دینا یا اسکی قیمت جائز ہے یا نہیں اور درصورت جواز متولی کو مدرسہ کی ضروریات
کیواسطے چرم کو بیچکر کتابیں فرش وغیرہ بنانا یا خریدنا بلا تملیک جائز ہے یا نہیں۔

الجواب مدارس میں مصارف مختلف ہیں بمصرف جائز میں صرف کرنیکے لئے مدارس میں دینا درست ہے اور
متولی وکیل ہے مالک کا جو تصرف مالک کو درست ہے متولی کو بھی درست ہے جسکی تفصیل یہ ہے کہ یا تو کھال
کسی حاجتمند طالب علم کو مثلاً دیدے یا خود کھال کی کوئی چیز بنوالی جاوے جیسے کتابوں کی جلدیں یا
ڈول وغیرہ بنوالے یا خود کھال کی عوض اگر مل سکے ایسی چیز بدل لے جو باقی رہکر کام آسکے جیسے فرش کتاب
ولباس و امثال ذالک اور یہ سب صورتیں قبل بیع ہیں اور اگر کھال کو بعوض روپیہ کے بیچ ڈالا تو اسوقت
بجز اسکے کہ کسی حاجتمند کو تملیکاً دیدے اور کسی محل میں صرف کرنا اسکا جائز نہیں سو ان داموں سے کتابیں یا
فرش وغیرہ خریدنا درست نہ ہوگا اور اگر ایسا کیا تو ان چیزوں کا تصدق واجب ہوگا اور اگر تصدق کیوقت
کسی وجہ سے انکی قیمت کم ہو جاوے تو اس کمی کا اپنے پاس سے ضمان دینا ہوگا اور وہ ضمان بھی تصدق کیا جاوے
فی الدر المختار ویتصدق بجلدھا او یعمل منہ نحو غربال وجراب وقربۃ وسفرۃ ودلو او یبدلہ
بما ینتفع بہ باقیا کما مر لا بمستھلک کخل ولحم ونحوہ کدراھم فان بیع اللحم او الجلد بہ
ای بمستھلک او بدراھم تصدق بثمنہ اھ فی رد المحتار کما مر ای فی اضحیۃ الصغیر وقال
فی اضحیۃ الصغیر وما بقی یبدل بما ینتفع الصغیر بعینہ کثوب نفع فی رد المحتار ما ہو
انہ لا یجوز بیعہ بدراھم ثم یشتری بھا ما ذکرہ ویفیدہ ما نذکرہ عن البدائع و فی رد المحتار
قبیل باب الرجوع فی الھبۃ والصدقۃ کالھبۃ وقال فی الدر المختار فی بدء کتاب الھبۃ ھی
تملیک العین مجانا اھ قلت فاذا اشتراط التملیک فی الصدقۃ فحیث ما وقع التصدق

یجب فیہ التملیك فقط واللہ تعالیٰ اعلم ۵ رجادی الاولیٰ ۱۳۳۱ھ

سولھویں حکمت حلت زکوۃ برائے ابن السبیل لہ مال الامعہ

سوال۔ اگر سفر میں کوئی مالدار طالب علم یا کوئی شخص صاحب نصاب ہو خواہ بقدر نصاب اُسکے ساتھ ہو یا نہ ہو اسکو زکوۃ لینا جائز ہے یا نہیں۔

الجواب۔ ابن السبیل مالک نصاب خواہ طالب علم ہو یا غیر طالب علم جب اُسکے پاس خرچ نہ رہے زکوۃ لینا بقدر حاجت جائز ہے۔ اگر فقیر ہو تو حاجت سے زیادہ بھی جائز ہے وابن السبیل وھو کل من لہ لامعہ در مختار وفی الشامی عن الفتح ولا یحل لہ ان یاخذ اکثر من حاجتہ اور بعض فقہا نے جو طالب علم کیلئے مطلقاً اخذ زکوۃ جائز رکھا ہو کما فی الدر المختار ان طالب العلم یجوز لہ اخذ الزکوۃ ولو غنیا الخ وہ غیر معتمد ہے کما فی الطحطاوی وھذا الفرع مخالف لاطلاقھم الحرمۃ فی الغنی ولم یعتمدہ احد پس قول مرجوح پر افتا رباطل ہے کما بین فی رسم المفتی واللہ اعلم ۲۹ محرم

سترہویں حکمت ادائے زکوۃ بذریعہ منی آڈر

سوال۔ منی آڈر کے ذریعہ سے کسی فقیر کو زکوۃ بھیجنے سے زکوۃ ادا ہوتی ہے یا نہیں۔ وجہ شک یہ ہے افقہا رنے تو یہ تصریح کی ہے کہ کافر کو وکیل بنانا ادا رزکوۃ میں جائز ہے مگر یہاں اہل ڈاکخانہ صرف وکیل ہی نہیں بلکہ یہ عقد داخل قرض ہو کر یہ صورت قرار پائی کہ کافر دیوں سے یوں کہا کہ ہمارا یہ قرض زید کو دیدینا اور دل میں یوں نیت کی کہ ہم زکوۃ میں دیتے ہیں لہذا مسئلہ دو وجہ سے مشکوک ہوا ایک تو یہ کہ حوالہ سے زکوۃ ادا ہوتی ہے یا نہیں۔ دوم کافر کے اس طرح دینے سے زکوۃ جائز ہوگی یا نہ۔ آجکل مدارس میں اس کا بہت دستور ہے۔

الجواب فی الدر المختار مسائل متفرقۃ من کتاب الھبۃ تملیك الدین ممن لیس علیہ الدین باطل الا فی ثلث حوالۃ او وصیۃ واذا سلطہ ای سلط المملك غیر المدیون علی قبض الدین فیصح حینئذ ومنہ مالو وھبت من ابنھا ما علی ابیہ فالمعتمد الصحۃ للتسلیط۔

اس جزئیہ ومنہ مالو وھبت الخ سے معلوم ہوا کہ صورۃ تسلیط میں بالفعل تملیک ہوتی ہے ورنہ صحۃ کو تسلیط سے معلل نہ کیا جاتا کیونکہ قبض حسی کے وقت تو صحۃ ہبہ میں کوئی تردد ہی نہیں پھر اس بنا پر ترجیح صحت کے کوئی معنی

نہیں اس سے ثابت ہوا کہ خود تسلیط تملیک ہے گو قبل القبض اس تسلیط سے عزل جائز ہو لعدم تمام العقد کما لو قال وھبت ولم یقل الآخر قبلت یصح رجوعہ ومع ذلک ھو تملیک ولیصح نیۃ الزکوٰۃ عندہ وان لم ینو وقت قبول الموھوب لہ پس جب تسلیط تملیک ہوا اور تملیک کیوقت نیت ادا زکوٰۃ کافی ہے اور منی آرڈر بھیجنے میں یقیناً تسلیط ہے لہذا روانگی منی آرڈر کے وقت نیت کافی ہے اب دونوں وجہ شک کیجاتی رہیں کیونکہ یہاں حوالہ سے زکوٰۃ ادا نہیں ہوئی اور نہ کافر کے دینے سے بلکہ مزکی کی تسلیط سے کما ذکر مفصلاً فقط واللہ اعلم۔ ۱۸ ربیع الاول ۱۳۳۱ھ

اٹھارویں[۱۸] حکمت تحقیق حکم خبر تار

سوال - خبر تار واحد افطار شوال یعنی عید الفطر کے لئے موجب للعمل ہے یا نہیں بسند صحیح ارشاد فرمائیے۔

الجواب تار دلالت وضعیہ غیر لفظیہ میں مشابہ خط کے ہے اور اس فرق کے لحاظ سے کہ خط میں جو علامت ممیزہ موجود ہے اور تار میں مفقود ہے بہ نسبت خط کے توپ ڈھول وغیرہ کے زیادہ مشابہ ہے اور خط امور ملزمہ میں باستثنا مواضع معدودہ ضرورت شدیدہ بشرط امن من التزویر مثل فرامین شاہی وغیرہا کے بدون اقرار کاتب یا قیام بینہ حجۃ نہیں اور امور غیر ملزمہ میں اگر قرائن صدق وصحت کو مجتمع ہوں جس سے نسبت الی الکاتب مظنون ہو جاوے حجت ہے ورنہ نہیں ہے اور توپ وغیرہ کا حکم بھی ایسے امور میں یہی ہے کہ ظن صحت میں معتبر ہے ورنہ نہیں پس خبر ہلال افطار میں کہ ہماری دیار میں بوجہ والی مسلم نہ ہونیکے محض اخبار ہے بلا اشتراط شہادۃ اسکا مثل اخبار ہلال صوم کے امور غیر ملزمہ سے ہے۔ اگر فقدان علامت تار دہندہ وتوسط غیر مسلم کسی شخص کے اعتبار سے مانع غلبۂ ظن ہو اسکو مطلقاً عمل جائز نہیں ورجسکے اعتبار سے مانع نہو مثل نطق کے صوم میں اخبار کثیرہ متواترہ اور غیم میں اخبار عدلین پر عمل جائز ہے اور خبر واحد پر کسی طرح عمل جائز نہیں۔

والدلائل علی الدعاوی المذکورۃ ھذہ فی الدر المختار بخلاف کتاب الامان فی دار الحرب حیث لا یحتاج الی بینۃ لانہ لیس بملزم وفی رد المحتار قولہ لانہ لیس بملزم لان لہ ان لا یعطیھم الامان بخلاف کتاب القاضی فانہ یجب علی القاضی المکتوب الیہ ان ینظر فیہ ویعمل ولا بد لہ من الحجۃ وھی البینۃ فتح ج۴ ص۴۶۳ مطبوعہ مصر وفی رد المحتار وذکر فی الغایۃ آخر الکتاب عن الشافی ان الصحیح مثل الاخرس فاذا کان مستبیناً مرسوماً وثبت ذلک باقرارہ او ببینۃ فھو کالخطاب

[۱۸] بیتیسویں صفحہ کا حاشیہ ملاحظہ ہو ۱۲

ج۳ ص۳۵۵ و فی رد المحتار وقدمنا اول القضاء استظهار کون علة العمل بما له رسوم فی دواوین
القضاة الماضین هی الضرورة ومثل ذلک فانه یتعذر اقامة البینة علی ما یکتب السلطان
من البراءات لاصحاب الوظائف ونحوهم وبعد اسطر عبارة وان ابن الشحنة وابن وهبان
جزما بالعمل بدفتر الصراف ونحوه لعلة الامن من التزویر کما جزم به البزازی والسرخسی وقاضی خان
قال ان هذه العلة فی الدفاتر السلطانیة اولی کما یعرفه من شاهد احوال هالیها حین نقلها
و فی رد المحتار قال البیری المراد من قوله لا یعتمد ای لا یقضی القاضی بذلک عند المنازعة
لان الخط مما یزور ویفتعل کما فی مختصر الظهیریة وبعد اسطر قال الشیخ ابو العباس یجوز
الرجوع فی الحکم الی دواوین من کان قبله من الامناء ای لان سجل القاضی لا یزور عادة
حیث کان محفوظا عند الامناء بخلاف ما کان بید الخصم اه وبعد اسطر وصرح ایضا
فی الاسعاف وغیره بان العمل بما فی دواوین القضاة استحسان والظاهر ان وجه الاستحسان
ضرورة احیاء الاوقاف ونحوها عند تقادم الزمان بخلاف السجل الجدید لامکان الوقوف علی
حقیقة ما فیه باقرار الخصم او البینة فلذا لا یعتمد علیه اه ج۴ ص۳۵ وفی الهدایة کتاب الشهادات
ثم التزکیة فی السر ان یبعث المستورة الی المعدل فیها النسب والحلی والمصلی ویردها
المعدل وکل ذلک فی السر کیلا یظهر فیخدع او یقصد وفیها بعد اسطر واذا کان رسول
القاضی الذی یسئل عن الشهود واحدا جاز الی قوله ولهما انه لیس فی معنی الشهادة الخ وقوله
المستورة اسم للرقعة التی یکتبها القاضی ویبعثها سرا بید امینه الی المزکی سمیت بذلک
لانها تستر عن نظر العوام کفایة وفی رد المحتار ینبغی قبول عدل وکذا الضرب بالطبول لا
بعد اسطر لا یجوز اخذ المرصد قه ولا بقول المستورین مطلقا وبالاولی سماع الطبل والمدافع
الحادث فی زماننا لاحتمال کونه لغیره ولان الغالب کون الضارب غیر عدل فلا بد حینئذ
من التحری فیجوز لان ظاهر مذهب اصحابنا جواز الافطار بالتحری وبعد اسطر وقد یقال
ان المدفع فی زماننا یفید غلبة الظن وان کان ضاربه فاسقا لان العادة ان الموقت یذهب
الی دار الحکم آخر النهار فیعین له وقت ضربه ویعینه ایضا للوزیر وغیره واذا ضربه

یکون ذلک عمر افیۃ الوزیر واعوانہ للوقت المعین فیغلب علی الظن بھذہ القرائن عدم الخطأ وعدم قصد الافساد ص۱۶۹ وص۱۷۰ ج ۲ وفی رد المحتار وکون المدعی والکاتب ذمیین یقوی شبھۃ التزویر بعد اسطر وقلما یشتبہ الخط من کل وجہ الخ ص۲۹ وفی الدر المختار ولو کانوا ببلدۃ لا حاکم فیھا صاموا بقول ثقۃ وافطروا باخبار عدلین مع العلۃ للضرورۃ وبعد اسطر وقیل بلا علۃ جمع عظیم الخ واللہ اعلم ۲ شوال ۱۳۲۱ھ

انیسویں[۱۹] حکمت برگ تنبول یافتن صائم در دہن وقت صبح

سوال۔ بہت سے لوگ شب رمضان میں شب کو بہ نیت صوم پان کھا کر لیٹ گئے۔ اتفاق سب کو نیند آگئی سب کے سب بدون کلی غرارہ کئے ہوئے پان منہ میں لئے ہوئے سو گئے صبح کو جاگے تو کسی کے منہ میں کل پان اور کسی کے چنے سے زیادہ اور کسی کے منہ میں بقدر چنے کے اور کسی کے منہ میں بقدر ماش کے اور کسی کے منہ میں صرف ایک دو پتی باقی ہے اور کسی کے منہ میں کچھ بھی نہیں لیکن شب کو کلی غرارہ نہیں کیا تھا تو اس صورت میں کس کس کا روزہ صحیح ہوگا اور کس کس پر قضا واجب ہے اور جسکا روزہ صحیح نہیں ہوگا اس نے اگر افطار کر ڈالا تو اسپر کفارہ واجب ہوگا اور جسکا روزہ صحیح ہوگا اگر اسنے لاعلمی سے افطار کر ڈالا تو اسپر کفارہ ہے یا قضا

الجواب۔ اگر سوتے وقت پان منہ میں لیکر سوئے اور صبح تک منہ میں رہا روزہ جاتا رہیگا جس صورت میں پان منہ میں نہ پایا تو ظاہر ہے کہ نگل گیا اور یہی کہا جاویگا کہ بعد صبح کے نگلا ہے لان الحادث یضاف الی اقرب الاوقات علی ما فی قواعد الفقہ اور اگر پان سالم بھی پایا تب بھی غالب ہے[۵] کہ اس کا عرق ضرور حلق میں گیا ہوگا دلیل اسکی یہ ہے کہ حکما و اطبا رصل السوس وغیرہ منہ میں ڈالکر سونے کو بتلاتے ہیں اگر عرق نہیں پہونچتا تو اس سے کیا نفع جب وصول ثابت ہو گیا تو حالت نوم میں افطار کرنے سے قضا لازم آتی ہے او شرب نائما در مختار فی موجبات القضاء اور اگر سونے سے پہلے پان تھوک دیا اور غرغرہ نہیں کیا تو اگر منہ میں بقدر نخود یا زیادہ تھا اور سونے میں نگل گیا موجب قضا ہے اور جو اس سے قلیل ہو مفسد نہیں ولو اکل لحما بین اسنانہ فان کان قلیلا لم یفطر وان کان کثیرا یفطر والفاصل مقدار الحمصۃ وما دونھا قلیل ھدایہ اور افطار صحیح الصوم و فاسد الصوم کا گذر چکا فتذکر البتہ باوجود

[۵] صرف اس جزو میں قدرے شبہ ہے دوسرے علماء سے تحقیق کر لیا جاوے ۱۲ منہ

صحت صوم کی افطار کر ڈالا تو کفارہ و قضا ہر دو لازم ہیں لان ظنہ لیس بمستند الی دلیل شرعی واللہ اعلم

بیسویں حکمت اخذ زکوۃ کسے اکہ منافع اراضیش زاید از حاجت نباشد سنہ ۱۳۰۴

سوال۔ ایک زمیندار کے پاس چار سو پانچ سو روپیہ کے منافع کی جائداد ہے مگر اہل و عیال کے خرچ ایسے ہیں کہ سال میں کچھ بھی بچت نہیں ہوتی تو آیا اس پر حج واجب ہے۔

الجواب۔ فی رد المحتار صفحہ ۱۰۴ جلد ثانی و فی التتار خانیۃ عن الصغری لہ دار یسکنھا ولکن تزید علی حاجتہ بان لا یسکن الکل یحل لہ اخذ الصدقۃ فی الصحیح و فیہا سئل محمد عمن لہ ارض یزرعہا او حانوت یستغلہا او دار غلتہا ثلثۃ الاف ولا تکفی لنفقتہ و نفقۃ عیالہ یحل لہ اخذ الزکوۃ وان کانت قیمتہا تبلغ الوفا و علیہ الفتوی و عندہما یحل اہ اس روایت سے معلوم ہوا کہ اس شخص پر حج واجب نہیں اور اسی طرح یہ بھی معلوم ہوا کہ اسکو زکوۃ لینا جائز ہے۔ واللہ تعالی اعلم و علمہ اتم۔ ۴ ربیع الثانی سنہ ۱۳۲۴ھ۔

اکیسویں حکمت عدت نو مسلمہ بعد از اسلام سنہ ۲۱

سوال۔ سوال ہندہ برہمنی مسلمان ہو گئی ...... خان اُس سے نکاح کرنا چاہتا ہے تو کیا عدت ہندو عورت کو پوری کرنا ضروری نہیں۔

الجواب۔ اگر اس کو حیض آتا ہے تو تین حیض اور اگر کسی وجہ سے حیض نہیں آیا تو تین ماہ گذرنے کے بعد شوہر اول کا نکاح اُس سے ٹوٹیگا اب اس نکاح ٹوٹنے کے بعد پھر بھی عدت ہوگی فی الدر المختار ولو اسلم احدہما ثمہ لم تبن حتی تحیض ثلاثا او تمضی ثلثۃ اشہر قبل اسلام الاخر فی رد المحتار وھل تجب العدۃ بعد مضی ھذہ المدۃ الخ واللہ تعالی اعلم۔ ۲۳ ربیع الاول سنہ ۱۳۲۴ھ۔

بائیسویں حکمت حکم مسمریزم سنہ ۲۲

سوال۔ مسمریزم ایک علم ہے جسمیں صرف نظر کی اور طبیعت کی یکسوئی کی مہارت چند روز حاصل کیجاتی ہے پھر اُس سے مراحل تصوف مثلاً وحدۃ الوجود، کشف القبور، سلب الامراض وغیرہ بلا کسی ذکر کے طے کرتے ہیں اور

اُس سے علاوہ ان کے اوراد و ریاضتیں بھی حاصل ہوتی ہیں۔ مثلاً کسی کو بزور نظر بے ہوش کرنا اور اُس سے پوشیدہ اسرار پوچھنا غیر مواضع کا جو نظر سے غائب ہیں حال بتانا وغیرہ جیسا کہ حکماء اشراقیین کیا کرتے تھے اسکا حاصل کرنا درست ہے۔ کوئی خلاف شرع امر تو نہیں ہے۔

الجواب۔ تصوف نہ یکسوئی کا نام ہے نہ مکاشفات کا نہ تصرفات کا نہ واردات کا بلکہ اُسکی حقیقت ہے اصلاح ظاہر و باطن بس مقاصد اُسکے اعمال قالبیہ و قلبیہ ہیں اور غایت اُسکی قرب و رضاء حق ہے اور یکسوئی اسکا مقدمہ ہے جبکہ مقصود مذکور اُسپر مرتب ہو اور واردات مثل وحدۃ الوجود وغیرہ اُسکے عوارض و آثار غیر لازمہ سے ہیں اور مکاشفات کونیہ مثل کشف القبور وغیرہ اور تصرفات مثل سلب الامراض وغیرہ کو اُس سے کوئی مس نہیں ریاضت پر اسکا ترتب ہو سکتا ہے چنانچہ کفار بھی اسمیں شریک ہیں اور مسمریزم میں کل تین چیزیں ہیں بعض مخفیات کی خبر دینا کچھ تصرفات کرنا اور اُسکی مہارت کیلئے یکسوئی کی مشق کرنا سو اول تو اسمیں مخفیات کی خبر دینا اکثر تابع خیال عامل کے ہوتا ہے چنانچہ اگر ایک واقعہ غائبہ کو دو عاملوں کے سامنے جدا جدا مختلف طور پر بیان کرکے ہر ایک کو یقین دلا دیا جائے اور پھر کوئی شخص جدا جدا مجلس میں اُس واقعہ کی نسبت عاملوں سے دریافت کرے تو وہ دونوں اپنے قواعد و طریق کو استعمال کرنے کے بعد الگ الگ جواب دینگے جب چاہے اسکا امتحان کرلیا جائے اور اگر فرض کرلیا جائے کہ احیاناً انکشاف واقعی بھی ہو جاتا ہے تو کشف کا تصوف سے تعلق نہ ہونا اوپر معلوم ہو چکا ہے اسی طرح تصرفات کا اُس سے تعلق نہ ہونا اب رہی یکسوئی سو وہ مقدمۂ تصوف جب ہی ہے جب تصوف اُس پر مرتب ہو اور جب مسمریزم میں یہ نہیں تو وہ مقدمہ تصوف بھی نہ ہوا پس محقق ہو گیا کہ تصوف سے اُسکو اصلا تعلق نہیں اب رہا اس سے قطع نظر کرکے اُس کا جواز یا ناجواز تو چونکہ مشاہدہ سے اسپر مفاسد کثیرہ کا ترتب معلوم ہوا ہے جیسے انبیاء و اولیاء رض کے کمالات کو اسی قبیل سے سمجھنا چنانچہ ایسا ہی توہم اس سوال کا منشا بھی ہوا ہے یا اُن کے ساتھ دعوی و زعم مساوات و مماثلت کا کرنا اور عامل میں عُجب پیدا ہو جانا بعض امور جنکا تجسس حرام ہے اُن پر مطلع ہونیکی کوشش کرنا ان انکشافات پر جو کہ شرعی حجت نہیں ہیں بلا دلیل شرعی بینہ و اقرار و مشاہدہ کے یقین کرلینا اس بنا پر کسی پر چوری وغیرہ کے سوء ظن کو پختہ کرلینا بعض اغراض غیر مباحہ میں تصرف سے کام لینا یا خود اگر مفاسد سے بچ سکے مگر دوسرے عوام کیلئے اس عامل کا موجب افتتان و ضلال ہو جانا وغیر ذلک من المفاسد العدیدۃ الشدیدۃ اسلئے یہ فن گو بالذات و بعینہ مقتضی قبح کو نہ ہو مگر بوجہ عوارض و مفاسد مذکورہ

کے کہ عادۃً اسکے لوازم میں سے ہیں قبیح لغیرہ کی قسم میں داخل ہوکر منہی عنہ اور حرام ہے چنانچہ ماہر اصول و فقہ پر یہ قاعدہ مخفی نہیں فقط۔ ۶ ربیع الاول ۱۳۲۵ھ

تیئیسویں ۲۳ حکمت خریدن جائداد بنام شخصے دیگر

سوال - کیا فرماتے ہیں علمائے دین رحمہم اللہ تعالیٰ اجمعین اس مسئلہ میں کہ مثلاً زید نے اگر اپنے بیٹے عمرو کے نام کسی مصلحت سے بعوض اپنے مال کے کوئی معاش خرید کی جیسا کہ فی زماننا اکثر رائج اور عرف میں بنام اسم فرضی مشہور ہے تو آیا وہ معاش زید کی ملک ہوگی یا عمرو کی اور بھی زید کو اس میں ضیاً نقل و تصرف مثل بیع و ہبہ وغیرہ کا ہے یا نہیں: بینوا۔ توجروا۔

الجواب - رکن بیع کا ایجاب و قبول ہے جسکے درمیان ایجاب و قبول ہوا مبیع اسی کی ملک ہوگی پس زید نے اگرچہ مصلحتاً اپنے بیٹے کے نام سے معاش خرید کی زید ہی کی ملک ہوگی نظیر اسکی بیع تلجیہ ہے کہ دو شخص کسی وجہ سے ظاہر بیع کریں اور مقصود بیع نہ ہو سو وہ بیع مفید ملک نہیں ہوتی باوجود ایجاب و قبول کے بوجہ عدم قصد ثبوت حکم کے ملک نہیں ہوتی تو جسکے ساتھ ایجاب و قبول تک نہیں ہوا اور نہ اسکے ہاتھ بائع کا بیچنے کا قصد ہے نہ اسکے لئے مشتری کا خریدنے کا قصد ہے اسکی ملک کیونکر ہو سکتی ہے فی الدر المختار و بیع التلجیۃ وھو ان یظھرا عقدا وھما لا یریدانہ یلجأ الیہ لخوف عدو وھو لیس ببیع فی الحقیقۃ بل کالھزل اھ پس مشتری ہی کی ملک ہوگی اور اسکو تصرفات مالکانہ جائز ہوں گے تا وقتیکہ کوئی سبب صحیح موجب انتقال ملک جس سے عمرو کی ملک ہو جائے نہ پایا جاوے ہاں بعض اشیاء میں بوجہ عرف کے نفس شراء سے مشتری کی ملک ہو جاتی ہے جیسے چھوٹے بچے کیلئے کپڑے بنانے جاویں نفس اتخاذ سے اسکی ملک ہو جاتے ہیں فی الدر المختار عن الخلاصۃ وفیھا اتخذ لولدہ او لتلمیذہ ثیابا ثم اراد دفعھا لغیرہ لیس لہ ذلک مالم یبین وقت الاتخاذ انھا عاریۃ انتھیٰ - نہ اس وجہ سے کہ اشتراء کہ موجب ملک ہے بلکہ اس وجہ سے کہ قرائن دال ہیں ہبہ پر اور ہبہ للصغیر میں باپ کا ایجاب اگرچہ دلالۃً ہو کافی ہے یہی وجہ ہے کہ اگر اعادہ کی تصریح کردے تو صغیر کی ملک نہیں ہوتی کما مر اور یہی وجہ ہے کہ کبیر کیلئے اگر کپڑے بنائے تو قبل تسلیم اسکی ملک نہوں گے فی رد المحتار تحت قولہ لولدہ ای الصغیر واما الکبیر فلا بد من التسلیم کما فی جامع الفتاوی انتھیٰ - اور زمین وغیرہ خریدنے میں جب قرائن عدم ہبہ پر دال ہیں تو ہبہ بھی صحیح نہ ہوا پس نہ بیعاً نہ ہبۃً کسی طرح بیٹے کی ملک

نہیں خواہ صغیرہ ہو یا کبیرہ واللہ اعلم۔

وانما اطلنا الکلام فی ھذا المقام لانہ من مطارح الاعلام فکم من اقدام فیہ زلت وکم من افہام فیہ ضلت واللہ ولی العصمۃ۔

چوبیسویں حکمت تحقیق وصیت نامہ مشتہرہ از مجاور مدینہ

سوال - کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیان شرع متین اس مسئلہ میں کہ ایک وصیت نامہ چھپا ہوا جناب رسول مقبول صلے اللہ علیہ وسلم کی طرف سے شائع ہوا ہے جو شیخ عبداللہ خادم ومجاور روضہ مطہرہ کو ارشاد ہوا ہے اسکی کیا اصل ہے مستفتی نے تمام وصیت نامہ کی نقل لکھی تھی بوجہ اختصار اور بناء علی الشہرۃ چھوڑ دیا گیا

الجواب - ایسا وصیت نامہ بہت دفعہ شائع ہو چکا ہے ہمیشہ اسی نام اور لقب سے شائع ہوتا ہے اول تو یہ تعجب ہے کہ ایک شخص اتنی بڑی عمر پائے - دوسرے یہ تعجب ہے کہ ایک شخص کے سوا اور کسی خادم کو یا اور ملکوں کے بزرگوں ولیوں کو یہ دولت زیارت اور ہمکلامی کی نصیب نہ ہو تیسرے اگر ایسا قصہ ہوتا تو خود مدینہ میں اسکی زیادہ شہرت ہونا چاہیے تھی حالانکہ وہاں سے آنے جانیوالوں یا خطوط سے ان امور کا نام ونشان بھی نہیں معلوم ہوتا پھر محض اس طرح بلا سند کوئی مضمون قابل اعتبار قاعدہ سے نہیں ہو سکتا ورنہ جو جسکے جی میں آئے مشہور کر دیا کرے . شرع میں حکم ہے کہ جو بات ہو خوب تحقیق کے بعد اسکو معتبر سمجھو علاوہ اسکے اسمیں بعض مضامین ایسے ہیں جو شرع اور عقل کے خلاف ہیں مثلاً ستر لاکھ کلمہ گو مریں اور اُن میں سترہ آدمی صرف مسلمان ہوں اول تو خدا تعالیٰ کی رحمت غالب ہے اُن کے غضب پر - دوسرے ہم خود دیکھتے ہیں کہ زیادہ مسلمان توبہ کرکے اور کلمہ پڑھتے ہوئے مرتے ہیں جو علامت خاتمہ بالخیر کی ہے پھر اس مضمون کی گنجایش کہاں ہے اسی طرح اسمیں لکھا ہے کہ تارک الصلوۃ کے جنازہ کی نماز نہ پڑھیں - یہ حکم صاف حدیث کے خلاف ہے صلوا علی کل بر وفاجر یہ بھی قرینہ ہے اس وصیت نامہ کے غلط ہونیکا اسی طرح جن چیزوں کا بدعت ہونا دلیل شرعی سے ثابت ہو چکا ہے جیسے تخصیص شربت کی شہداء کربلا کے واسطے اور کھیر حضرت خاتون جنت کیواسطے اور ملیدہ حضرت غوث اعظم رحمہ اللہ کیواسطے اسی طرح آجکل کا سا مولود شریف ان سب چیزوں کی اسمیں ترغیب ہے یہ سب باتیں اسمیں عقل اور شرع کے خلاف ہیں اسلئے یہ وصیت نامہ محض کسی کا تراشیدہ ہے محدثین نے اس ہی جیسے قرینوں سے حدیث کو موضوع کہدیا ہے اور موضوع کی اشاعت و روایت نصاً اور اجماعاً حرام بلکہ بعض محدثین کے نزدیک کفر ہے ہرگز اسکے تمام مضمون کو صحیح نہ سمجھیں البتہ جو باتیں قرآن وحدیث اور دین کی کتابوں

میں لکھی ہیں اُسکے موافق نیک راہ پر چلیں اور بری راہ سے بچیں اور جھوٹی بات کا نسبت کرنا حضرت پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف بڑا بھاری گناہ ہے اسلئے ایسے مضمون کا رواج دینے والا گنہگار ہوگا - ۱۶ ذی الحجہ ۱۳۲۲ھ

پچیسویں ۲۵ حکمت تعدد آدم

سوال - در کتاب ہدایۃ الاسرار منقول است کہ یکے از علمائے نصاریٰ بجناب ولایت مآب حضرت علی علیہ السلام عرض نمود کہ پیش از آدم صفی اللہ چہ بود حضرت فرمود کہ آدم باز تکرار کرد و باز ہماں جواب داد و بار سوم سوال کرد و ہماں جواب یافت و صاحب تاریخ خواجگی می نویسد کہ شخصے از امام برحق امام جعفر صادق علیہ السلام احوال پیدائش آدم پرسید حضرت فرمود کہ از آدم صفی اللہ کہ جد من وتست می پرسی یا از آدم دیگر آں شخص متعجب شد و عرض کرد کہ یا حضرت سوائے آدم صفی اللہ دیگر ہم بوجود آمدہ آنجناب فرمود کہ آدم صفی اللہ آدم صد و یکم است و قبل از وے یکصد آدم گذشتہ اند کہ اولاد و احفاد ہر یکے از انہا در دنیا ماندہ ہم در تاریخ طبری مسطور است کہ روزے موسیٰ علیہ السلام از مدت خلقت آسمان و زمین بحضرت رب العالمین استدراک نمود حکم شد کہ در فلاں وادی چاہے ہست خود را بر سر آں چاہ برساں و سنگ ریزہ دراں بینداز تا حقیقت حال بر تو ہویدا شود موسیٰ علیہ السلام بر سر آں چاہ رفت و سنگ ریزہ دراں انداخت از اندروں چاہ آوازے برآمد کہ کیست بر لب چاہ فرمود کہ منم موسیٰ بن فلاں و فلاں تا آنکہ سلسلہ نسب خود تا آدم صفی اللہ علیہ السلام شمرد دیگر باز آواز آمد کہ در ہر زمانے شخصے بہمیں نام و نسب بر سر ایں چاہ آمدہ و سنگے دریں چاہ انداختہ تا آنکہ نصف چاہ پر شد واللہ اعلم حاصل آنکہ ایں ہمہ معنی مذکور سوائے کتب مسطورہ از دیگر کتبہائے معتبر سیر یا آثار وغیرہ بثبوت می رسد یا چہ خلاف احوال آں چہ جواب

الجواب - ایں چنیں مضمون از اکثر بزرگاں منقول شدہ است مگر تحقیق آنست کہ حضرت شیخ مجدد الف ثانی رح در مکتوب پنجاہ و ششم از جلد ثانی نوشتہ اند و ہو ہذا۔ نوشتہ بودند کہ شیخ محی الدین العربی قدس سرہ در فتوحات مکیہ حدیثے نقل می کنند کہ آں سرور فرمودہ علیہ وعلیٰ آلہ الصلوٰۃ والسلام ان اللہ تعالیٰ خلق مائۃ الف آدم و حکایتے می آرد در بعضے مشاہدات عالم در وقت طواف کعبہ معظمہ چنیں ظاہر شد کہ ہمراہ جمعی طواف می کنند کہ من ایشاں را نمی شناسم و در اثنائے طواف ایشاں دو بیت عربی خواندند کہ یکے ازاں دو بیت اینست ؎

لقد طفنا کما طفتم سنینا ۔۔۔ ھذا البیت طرا اجمعینا

چوں اہل بیت شنیدم در خاطر گذشت کہ ایشاں ابدال عالم مثال اند و مقارن ایں خطور یکے از ایشاں بجانب من نگاہ

کردو فرمود کہ سن از جملہ اجداد توام من پرسیدم کہ چند سال ست از قوت تو فرمود کہ از فوت من زیادہ از چہل ہزار سال سابق
من از روئے تعجب گفتم کہ از ابتدائے خلقت آدم ابی البشر علیٰ نبینا وعلیہ الصلوٰۃ والسلام تا ایں دم ہفت
ہزار سال تمام نشدہ است فرمود تو از کدام آدم میگوئی ایں آدم ست کہ در اول دورہ ہفت ہزار سال
خلق شدہ است شیخ فرمود دریں وقت آں حدیث نبوی علیہ وعلیٰ آلہ الصلوٰۃ والسلام کہ سابق تحریر یافتہ
است بخاطر گذشت کہ مویدایں قول است مخدوما مکرما دریں مسئلہ بعنایت اللہ سبحانہ انچہ بریں فقیر ظاہر
گشتہ است کہ ایں ہمہ آدم کہ پیش از وجود حضرت آدم علیٰ نبینا وعلیہ الصلوٰۃ والسلام گذشتہ اند وجود
شان در عالم مثال بودہ است نہ در عالم شہادۃ ہمیں حضرت آدم ست کہ در عالم شہادت موجود گشتہ
است ودر زمین خلافت یافتہ ومسجود ملائکہ شدہ صلوات اللہ تعالیٰ وتسلیماتہ...... علیٰ نبینا وعلیہم اجمعین
غایت ما فی الباب آدم چوں بصفت جامعیت مخلوق گشتہ است ودر حقیقت خود لطائف واوصاف
بسیار دارد پیش از وجود او بقرون متطاولہ در ہر وقتے از اوقات صفتے از صفات یا لطیفۂ از لطائف او
بایجاد خداوندی جل سلطانہ در عالم مثال موجود گشتہ است وبصورت آدم ظاہر شدہ مسمی باسم او گشتہ دکار
وبار آدم منتظر از دے بوقوع آمدہ حتی کہ توالد وتناسل کہ مناسب عالم مثال است نیز بظہور پیوستہ وکمالات
صوری ومعنوی مناسب آں عالم نیز یافتہ وشایاں عذاب وثواب گشتہ بلکہ در حق او قائم شدہ بہشتے بہشت
ودوزخی بدوزخ رفتہ بعد ازاں در وقتے از اوقات بمشیت اللہ سبحانہ صفتے یا لطیفۂ دیگر از صفات لطائف
او علیٰ نبینا وعلیہ الصلوٰۃ والسلام دریہاں عالم بمنصہ ظہور آمدہ وکار وبارے کہ از ظہور اول بوجود آمدہ بود از
ظہور ثانی نیز بوجود آمدہ چوں آں دورہ نیز تمام شدہ ظہور ثالث ازاں صفات ولطائف او علیٰ نبینا وعلیہ
الصلوٰۃ والسلام بحصول پیوستہ وچوں آں ظہور نیز دورۂ خود را تمام کردہ ظہور رابع بہ ثبوت پیوستہ
الیٰ ماشاء اللہ تعالیٰ وچوں دوائر ظہورات شایدا وکہ تعلقات بہ صفات ولطائف او داشت تمام گشتہ آخر الامر
آں نسخۂ جامعہ در عالم شہادت بایجاد خداوندی جل سلطانہ بوجود آمدہ وبفضل خداوندی جل سلطانہ معزز ومکرم گشتہ
اگر صد ہزار آدم باشند ہم اجزاء ہمیں آدم اند وو دست ویا تو اویند ومبادی ومقدمات وجود اویند انتہی مختصراً
وتمام او در مکتوب ست من شاء فلیرجع الیہ واللہ اعلم۔ ۲۳ جمادی الثانیہ سنہ ۱۳ھ

۲۶ چھبیسویں حکمت لمسائل طاعون

سوال۔ رسالہ مسئلہ خدمت الماعون میں صفحہ ۳ سے صفحہ ۴ کے شروع تک جو فتوی مندرج ہے جسکی شرح

رسالہ مرسلہ خدمت اعاذۃ الناس میں صفحہ ۴ سے صفحہ ۸ تک اور صفحہ ۲۸ سے ۴۲ تک بیان کیگئی ہے
آیا اس زمانہ حیلہ جوئی میں زید کو اس قسم کا فتوی لکھنا صحیح ہے یا نہ بینوا توجروا۔

الجواب میں نے دونوں رسالے مع انکے لواحق کے سرسری نظر سے دیکھے مؤیدات زائدہ سے قطع نظر کر کے
اصل مقصود میں نزاع لفظی معلوم ہوتا ہے اور اختلاف باضرط سے تناقض حقیقی نہیں چنانچہ اعاذہ کے
صفحہ ۳۵ میں مصرح ہے اگر کوئی اس نیت سے بھاگے کہ طاعونی مقام میں ٹھیرنے اور طاعون میں مبتلا ہونے سے
کہیں یہ اعتقاد پیدا نہ ہو جاوے کہ طاعونی مقام میں رہنا طاعون ہونیکا سبب ہوا ہے تو ایسے بھاگنے
کی ممانعت حدیث سے ہرگز مفہوم نہیں ہوتی اھ اور صفحہ ۷ میں ہے اگر طاعون سے بچنے کی نیت ہو تو ممنوع ہے اھ
اس سے صاف معلوم ہوا کہ جس فرار کا منشا یہ غرض اور اعتقاد ہو کہ خروج موجب نجات ہوگا حسب تصریح اعاذہ
کے نزدیک بھی ممنوع ہے اور مانعین اسی کو منع کر رہے ہیں اور جس خروج کا منشا یہ غرض اور اعتقاد نہ ہو حسب تصریح
اعاذہ اسکو جائز بتلا رہے ہیں اور مانعین بھی اسکو منع نہیں کرتے پس جائز اور چیز ہوئی اور منہی عنہ
دوسری چیز پس نفس مسئلہ میں اختلاف نہ رہا اور اسی تفصیل کی تائید عبارت درمختار واقعہ آخر مسائل شتی
سے ہوتی ہے اب صرف محل نزاع یہ رہگیا کہ آیا فارین کی غرض فاسد ہے یا صحیح ہے سو یہ کوئی مسئلہ شرعیہ نہیں ہے
جسمیں اسقدر کلام کیا جائے محض ایک واقعہ جزئیہ ہے جسکی تحقیق تجربہ و مشاہدہ و تتبع احوال ناس سے آسانی
کر کے نزاع مرتفع ہوسکتا ہے سو جہاں تک استقراء صحیح سے کام لیا گیا یہی ثابت ہوا کہ اکثر میں جہل و معصیت
کے غلبہ سے اور بعض میں الحاد و دہریت کے اثر سے فساد غرض متیقن ہے الا نادراً والنادر کالمعدوم بل عسی
ان لا یکون فی زماننا الا المفھوم لہذا مقتضائے انتظام احکام منع عام ہے جو مانعین کا حاصل کلام و ملخص
مرام ہے واللہ اعلم۔ ۱۵ ذی الحجہ ۱۳۲۲ھ

سوال۔ ایک مقام میں طاعون واقع ہوا اور چوہے کثرت سے مکانوں میں مرنے لگے اور کچھ لوگ بستی کے
محض بغرض تبدیل آب و ہوا مکان چھوڑ کر محلہ کے بالکل متصل چند بیگھ کے فاصلہ پر میدان صاف و پر فضا میں
میں قامت پذیر ہوگئے آیا خروج محض باین نیت جائز ہوگا یا نہیں۔

الجواب چونکہ فناء آبادی حکم میں آبادی کے ہے لہذا مجموعہ کو مکان واحد کہا جاویگا اسلئے صورت مسئولہ
میں میدان میں رہنا جائز ہے والدلیل علیہ علی ما ادی الیہ نظری ان بعض الاحادیث ذکر فیہ
لفظ ارض کما رواہ مسلم وفی بعضہا بلد کما حکاہ النووی ولما کان الحدیث یفسر بعضہ بعضا

علم ان المراد بالارض هی البلدة ويؤيده ما فی الدر المختار اذا خرج من بلدة حيث قيد الحکم بالبلدة ولما ثبت کون متعلق الحکم هی البلدة فهی بجميع اجزائها محل واحد کما اعتبر فی احکام الجمعة والعيد لم يکن الخروج الی الفناء خروجا من البلدة فتفکر نعم نقل فی بعض الرسائل عن الفتاوی الکبری لابن حجر المکی ان المراد بالارض محل الاقامة وقع به الطاعون سواء کان بلدا ام قرية ام محلة ام غيرها لا جميع الاقليم الخ لکنه من العلماء الشافعية فلا يکون قوله حجة علينا الا ان لم فلتزم اتباعه واللہ اعلم ۲۰ ذی الحجہ ۱۳۳۲ھ

شبہ متعلق جواب مندرجہ بالا

طاعونی مقام سے فنا ر بلد میں خروج کے جواز کی دلیل حضرت نے جو لکھی ہے مطالعہ کی لیکن تھوڑی سی تشریح کیلئے اور مکلف خدمت ہوں ۱۔ عبارت درمختار کے جواب میں جو مرقوم ہے بہت تھوڑی ہے یعنی اسقدر اذا خرج من البلدة الخ معلوم نہیں یہ کہاں کی عبارت ہے میں نے اپنے مظنونہ مقامات میں تلاش کیا نہ ملی تا مجھے معلوم ہو جاتا کہ یہ عبارت خروج من بلد الطاعون ہی کی بابت ہے ۲۔ دوسرے یہ کہ اصل محاورات عربیہ تو بلد قطعة من الارض عامرة کانت او غامرة کے معنی میں مستعمل ہوتا ہے قال اللہ لبلد میت قال الشاعر

وبلدة ليس بها انيس ۔ الا اليعافير والا العيس

اسلئے مجھے خیال ہوتا ہے کہ کلام نبوی میں محض قدیم استعمال کے بموجب ارادہ معنی بہتر ہوگا فلا ضرورة اذا فی ادخال الفناء الغير المعمور فی حکم العمران ۳۔ تیسرے یہ کہ فنا کی بابت خروج للسفر و قصر صلوٰۃ کی بحث پر شامی میں ہے اما الفناء وهو المکان المعد لمصالح البلد کرکض الدواب ودفن الموتی والقاء التراب فان اتصل بالمصر اعتبر مجاوزته وان انفصل بغلوة او مزرعة فلا کما يأتی بخلاف الجمعة فتصح اقامتها فی الفناء ولو منفصلا بمزارع لان الجمعة من مصالح البلد بخلاف السفر پس خروج از بلد للسفر اور جمعہ کیلئے فنا کے اعتبار میں فرق ہوا اس مسئلہ مسئول عنہا میں کیا معتبر ہوگا ارض متصل ہی یا منفصل بمزارع بھی داخل ہے وعلی کل حال کيف تقدير الفناء وتحديده ونیز اس میں ہو بخلاف البساتين ولو متصلة بالبناء لانها ليست من البلدة فما حالها فی هذه المسئلة ۔

الجواب ۔ سوال اول درمختار میں کتاب الفرائض سے چند سطر پہلے یہ عبارت ہے ۔

جواب سوال دوم۔ اگر بلدہ میں تعمیم لیلی جاوے تب بھی مضر نہیں کیونکہ اس تقدیر پر بھی ہر جزو ارض پر تو اطلاق کیا نہ جاویگا تاکہ بیوت و محلات کو شمول ثابت ہو بلکہ ایک قطعہ محدودہ کے ساتھ خاص ہوگا چنانچہ قاموس میں قطعہ کے بعد متحیزہ کی قید مصرح ہے اور تعیین حدود کا مبنی عرف پر ہے سو ظاہر ہے کہ عرفاً معنی خاص کے اعتبار سے حقیقۃً مجموعہ اجزاء معمورہ پر اور حکماً اجزاء تابعہ غیر معمورہ پر بھی اور معنی عام کے اعتبار سے حقیقۃً ولغۃً اجزاء معمورہ و غیر معمورہ پر اُس کا اطلاق ہوتا ہے پس خروج عن العمارات کا خروج عن البلد ہونا پھر بھی ثابت نہ ہوگا اور فناء غیر معمور تقدیر اول پر حکماً اور تقدیر ثانی پر لغۃً بلد میں داخل ہوگا سو تقدیر ثانی تعمیم کیسے بقدر ہدعا میں مقید ہوگئی **جواب سوال سوم**۔ فناء کو حکم جمعہ میں متصل و منفصل دونوں کیلئے عام اور وسیع ماننے کی اور سفر میں وسیع نہ ماننے کی جو علت بیان کی ہے لان الجمعۃ من مصالح البلد بخلاف السفر خود بتلا رہی ہے کہ خروج متکلم فیہ کو حکم جمعہ میں کہنا چاہئے کیونکہ سکنے بھی مثل جمعہ کیلئے مصالح بلد سے ہے پس اندر باہر کا سکنی یکساں ہوا اور ارض متصل و منفصل مزارع سب سمیں داخل ہوگئی اور عبارت بخلاف البساتین الخ سے بساتین کا فناء بلد سے خارج کرنا مقصود نہیں بلکہ ابنیہ بلد سے خارج کرنا مقصود ہے چنانچہ سباق و سیاق سے یہ امر صاف ظاہر ہے اس سے سابق یہ عبارت ہے واشار الی انہ یشترط مفارقۃ ما کان من توابع مواضع الاقامۃ کربض المصر وھو ما حول المدینۃ من بیوت ومساکن فانہ فی حکم المصر وکذا القری المتصلۃ بالربض فی الصحیح بخلاف البساتین الخ اور اُسکے بعد یہ عبارت واما الفناء الخ پس معلوم ہوا کہ اما الفناء سے پہلے غیر فناء کا ذکر ہے اور وجہ اسکی یہ ہے کہ قصر سفر میں تو عمارات ولواحقہا معتبر ہیں پس بساتین چونکہ سکنی اور اُسکے مرافق کیلئے موضوع نہیں لہذا ابنیہ سے خارج ہیں اور جمعہ میں فناء معتبر ہے اور اسمیں زیادہ عموم و وسعت ہے جیسا خود سوال میں مصرح ہے پس بساتین کا قصر میں خارج عن البلد ہونا مستلزم نہیں کہ جمعہ وما یماثلہا کالخروج المتکلم فیہ میں بھی خارج ہو اور لفظ بلدہ کے محلات و منازل کو عام ہونے اور بساتین اور مزارع ونحوہا کے داخل ہونے کے لئے اتنا امر کافی ہے کہ ایک گھر سے دوسرے گھر میں کسی کی ملاقات کیلئے یا بساتین و مزارع کیلئے جو کہ ضرورت شدیدہ نہ ہونیکی وجہ سے مجوز خروج عن محل الطاعون نہیں ہو سکتا جانا بالاتفاق جائز سمجھا جاتا ہے اس سے معلوم ہوا یہ خروج عن البلد الی بلد آخر نہیں ہے فتامل وانصف۔ واللہ اعلم

۱۱ صفر ۱۳۲۲ھ

سوال۔ طاعون شہر میں داخل ہونیکے بعد یہاں سے کچھ لوگوں نے بستی چھوڑ دی ان میں سے بعض دوسری بستیوں میں چلے گئے اور بعض بستی کے نزدیک ہی چھپر وں میں قصبہ میں جاگزیں ہیں فریق ثانی بھی مرضی کی عیادت و نماز جنازہ و تکفین کی محنت وغیرہ میں شریک نہیں ہوتے جی میں آئی تو شہر سے باہر دفن میں آکر مٹی دیدی ان میں سے بعض کہتے ہیں کہ ہمنے گنگوہ سے اور تھانہ بھون سے فتویٰ منگایا ہے۔ تبدیل آب وہوا کیلئے بستی سے زمانہ طاعون میں نکلنا درست ہے۔ ایک شخص نے الہ آباد سے شاید حضور کے پاس بھیجنے کیلئے اپنے عزیزوں کے اشارہ سے استفتار کیا تھا اور بستی کے باہر قریب میدان میں جانیکی اجازت کا سوال کہتے ہیں کہ جواز کا فتویٰ مولانا نے دیا بہرکیف طالب علم کے استفتار کا خیال حضور کو ہو یا نہو ان دونوں فریقوں کا جو حال حکم شرعی سے ہو اور جب کچھ پہلے کبھی لکھا گیا تحریر فرمایئے کیونکہ ہمارے یہاں کے علماء کل اس جواز کے مخالف ہیں مجھسے کم مایہ شخص کی فہم میں بھی ہر دو فریق گناہگار معلوم ہوتے ہیں اور سخت مجرم۔ اہل محلہ کو مبتلائے متعدد اموات ہوتے اور ایک روز میں پانچ پانچ سات سات مردوں کی تجہیز و تکفین کی محنت شاقہ اٹھاتے ہوئے دیکھتے ہیں اور شرکت نہیں کرتے نماز پنجگانہ باوجود سماعت اذان محلہ میں پڑھنے نہیں آتے تبدیل آب وہوا کا بہانہ کرتے ہیں اور طاعونی مریضوں کے پاس اوسط طاعونی مکان بلکہ اپنی بستی میں جانے سے نہایت ڈرتے ہیں کیا یہ عدوی و فرار من الطاعون میں داخل نہیں۔

الجواب چونکہ جواب تابع سوال ہوتا ہے اور اُس سوال میں ان مفاسد سے تعرض نہ تھا جو اس سوال میں مذکور ہیں لہٰذا جواب اُس کا جواز سے دیا گیا چنانچہ نقل جواب[۱] یہ ہے لیکن جب اسکے ساتھ یہ مفاسد بھی ہیں جو اس سوال میں مذکور ہیں جسمیں عقیدہ کا فساد اور فرائض اور واجبات و سنن ہدی کا ترک لازم آتا ہے اس عارض کی وجہ سے یہ خروج جائز نہ ہوگا واللہ اعلم ۱۸ ارمحرم ۱۳۲۲ھ۔

سوال۔ کیا فرماتے ہیں علماء دین ان مسائل میں ۱؎ طاعون سے بھاگنا جائز ہے یا نہیں خواہ بیماری لگجانے کے اندیشہ سے ہو یا موت کے خوف سے اور بھاگنا ایک بستی سے دوسری بستی میں ہو یا بستی سے باغوں کی جانب ہو ۲؎ اگر سارا مکان چوہوں کے مرنیکے سبب سڑ جاوے اور اُسمیں سکونت دشوار ہو تو نقل مکان جائز ہے یا نہیں یا ایک مکان سے دوسرے مکان میں ہو یا مکان سے باغوں کی جانب ہو یا بستی سے دوسری بستی کی جانب ہو ۳؎ اگر ساری بستی کے لوگ بھاگ گئے ہوں اور بستی کے خالی ہو جانیکے

[۱] چونکہ یہ جواب مسائل طاعون کے دوسرے سوال کے جواب میں مذکور ہے اسلئے یہاں ترک کر دیا گیا۔

سبب وحشت ہو خواہ چوروں کے خوف سے یا محض تنہائی کے سبب تو نقل مکان بمواضع مذکورہ جائز ہی یا نہیں ع۴ اگر بستی کے خالی ہو جانیکے سبب حوائج ضروریہ نہ پورے ہوتے ہوں اور تکلیف ہونے لگے تو اس حالت میں دوسری بستی میں یا جہاں حوائج پورے ہوتے ہوں چلا جانا جائز ہے یا نہیں ع۵ مرض طاعون یا موت سے کسی کو اگر وحشت ہو تو اسکے لئے تبدل مکان بمواضع مذکورہ جائز ہی یا نہیں ع۶ اگر بستی بالکل خالی نہ ہو اور حوائج ضروریہ برابر پورے ہوتے ہوں اور کوئی تکلیف پیش نہ آتی ہو تو اس وقت بستی کا چھوڑنا کیسا ہے ع۷ اگر کسی کے بستی چھوڑنے سے ضرر متعدی ہو اور عوام سند جواز پکڑیں تو اسکے لئے فرار جائز ہے یا نہیں ع۸ اگر بعض مکان سڑ گیا ہو اور بعض نہ سڑا ہو اور اس وجہ سے سکونت دشوار ہو تو کیا حکم ہے ع۹ اگر مکان بالکل سڑ گیا ہو اور اس وجہ سے مکان میں سکونت دشوار ہو تو تبدل مکان صرف بستی ہی کے اندر کسی مکان میں کر سکتا ہی یا بستی کے باہر باغوں میں یا کسی دوسری بستی میں جا سکتا ہو ع۱۰ قصہ حضرت سیدنا عمر فاروق رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے جواز مفرورین پر استدلال کرتے ہیں جو بعض مورخین نے نقل کیا ہو چنانچہ الفاروق میں مولوی شبلی لکھتے ہیں مصر اور عراق میں سخت وبا پھیلی حضرت عمر رض کو اول جب خبر پہونچی تو اسکی تدبیر اور انتظام کیلئے خود روانہ ہوئے سرغ پر پہونچکر ابو عبیدہ رض وغیرہ سے جو انکے استقبال کو آئے تھے معلوم ہوا کہ بیماری کی شدت بڑھتی جاتی ہے مہاجرین اولین اور انصار کو بلایا اور رائے طلب کی مختلف لوگوں نے مختلف رائیں دیں لیکن مہاجرین فتح نے یک زبان ہو کر کہا کہ آپ کا ٹھیرنا یہاں مناسب نہیں حضرت عمر رض نے حضرت عباس رض کو حکم دیا کہ پکار دیں کہ کل کو کوچ ہے۔

حضرت ابو عبیدہ رض چونکہ تقدیر کے مسئلہ پر نہایت سختی کے ساتھ اعتقاد رکھتے تھے انکو نہایت غصہ آیا اور طیش میں آکر کہا (افرارا من قدر اللہ) حضرت عمر رض نے آنکی سخت کلامی کو گوارا کیا اور کہا (نعم نفر من قضاء اللہ الی قضاء اللہ) غرض خود مدینہ چلے آئے۔ یہ مضمون الفاروق حصہ اول صفحہ ۱۳۲و۱۳۳ میں مذکور ہے۔ افر من قضاء اللہ الی قضاء اللہ کا صحیح مطلب کیا ہے اور اسی کتاب کے صفحہ ۱۴۲ میں ہے معاذ رض کے مرنے کے ساتھ انھوں نے یعنی عمرو بن العاص رض نے عام مجمع میں خطبہ پڑھا اور کہا کہ وبا جب شروع ہوتی ہے تو آگ کی طرح پھیلتی چلی جاتی ہے اسلئے تمام فوج کو یہاں سے اٹھکر پہاڑوں پر جا رہنا چاہئے اگرچہ انکی رائے بعض صحابہ رض کو جو معاذ رض کے ہم خیال تھے ناپسند آئی یہاں تک کہ ایک بزرگ نے علانیہ کہا کہ تو جھوٹ کہتا ہے تاہم عمرو رض نے اپنی رائے پر عمل کیا فوج انکے حکم کے مطابق ادھر ادھر پہاڑوں پر پھیل گئی

اور وبا کا خطرہ جاتا رہا ۔ ۱۱ بخاری شریف اور مسند امام احمد بن حنبل رحمہ اللہ کی احادیث سے استدلال عدم جواز پر مطلقاً کرتے ہیں خواہ ایک بستی سے دوسری بستی میں یا غوں کی جانب ہو بخاری کی حدیث یہ ہے عن النبی صلی اللہ علیہ وسلم قال اذا سمعتم بالطاعون بارض فلا تدخلوھا واذا وقع بارض وانتم بھا فلا تخرجوا منہا اور مسند احمد مطبوعہ مصر جلدہ صفحہ ۱۰۲ میں طاعون کے متعلق جو حدیث ہے اسکا اخیر ٹکڑا یہ ہے فاذا وقع بارض فلا تدخلوا علیہ واذا وقع بارض فلا تخرجوا فرارا منہ اور نیز اسی مسند میں ہے الفار من الطاعون کالفار من الزحف ۔ ۱۲ فرار من الطاعون اگر گناہ ہے تو کبائر میں سے ہے یا صغائر میں سے اور فرار کو جو جائز سمجھے اور جواز کا حکم کرے وہ کیسا ہے ۔ ۱۳ اگر بھاگنے کو سبب حفاظت لئے موت سمجھا جاوے تو کیسا ہے ۔ ۱۴ جس مقام پر طاعون ہو وہاں جانا ممنوع ہے یا نہیں اگر ممنوع ہے تو مطلقاً ممنوع ہے یا ضرورت کیوقت اجازت ہے ۔ ۱۵ احادیث سے معلوم ہوتا ہے کہ طاعون مسلمانوں کیلئے رحمت ہے اور شہادت ہے مسند مذکور میں حضرت ابو عسیب رضی اللہ عنہ کی روایت ہے فالطاعون شہادۃ للمؤمنین ورحمۃ لہم مروی ہے پس اس سے تعوذ اور دعا جائز ہے یا نہیں ۔

الجواب ۔ ۱۱ طاعون سے بھاگنا جائز نہیں لقولہ علیہ السلام واذا وقع بارض وانتم بھا فلا تخرجوا فرارا منہ متفق علیہ کذا فی المشکوٰۃ اور اطلاق حدیث ہر فرار کو شامل ہے جو طاعون سے خواہ بخوف موت ہو خواہ بخوف بیماری لگ جانیکے البتہ یہ امر کہ یہ حکم خود اُس بستی کے میدان و باغ وغیرہ کو بھی شامل ہے یا نہیں تصریح کتب مذہب میں نظر سے نہیں گذرا لیکن ظاہرا یہ خروج منہی عنہ میں داخل نہیں کیونکہ فناء مصر احکام شرعیہ میں حکم مصر میں قرار دیا گیا ہے کما فی الجمعۃ والعیدین ویؤیدہ ما وقع فی الحدیث من قولہ علیہ السلام فیمکث فی بلدہ الحدیث رواہ البخاری کذا فی المشکوٰۃ حیث علق الحکم بالبلد وبالخروج الی الفناء لم یخرج من مکثہ فی البلد واما ما وقع من لفظ الارض فیفسر بالبلد فان الحدیث یفسر بعضہ بعضا ویؤیدہ ایضا ما روی عن انس قال رجل یا رسول اللہ انا کنا فی دار کثیر فیہا عددنا واموالنا فتحولنا الی دار قل فیہا عددنا واموالنا فقال ذروھا ذمیمۃ رواہ ابو داود وکذا فی المشکوٰۃ باب الفال والحدیث وان حمل علی الفال والشوم لکنہ یعارض بالاحادیث الاخر والذی یحمل لیہ القلب ان تلک الدار للضیق ولغیرھا من النتن ونحوہ کان تنافیہا الھواء موروثۃ للامراض وھذہ الامراض کانت الموت وبکثرۃ الموت وقلۃ عدد الکاسبین

وكثرة الصرف الى الادوية والتدبير فى الاحوال والتاثير مبنى على هذا الوجه والله اعلم ف
ان قال قائل قد ورد الاذن فى ما يلى ذلك الحديث فى المشكوٰة بترك البلدة للوباء يقال قد
ضعف هذا الحديث واول فى الشرح الفارسى للمشكوٰة فانظر فيه والله اعلم بحقيقة الحال
؎۲ جو خروج کسی اور عارض کی وجہ سے ہو وہ فرار من الطاعون نہیں ہے اگر وہ عارض قوی معتبر ہے تو خروج جائز ہے
یدل علیہ ما فی الدر المختار قبیل کتاب الفرائض واذا خرج من بلدة بها الطاعون فان علم
ان كل شئ بقدر الله تعالى فلا باس ان يخرج او يدخل الخ اب یہ امر باقی رہا کہ کون عارض قوی ہے
کون نہیں سو چوہوں کا مرجانا اس طور کہ سکونت دشوار ہو جائے عارض قوی معلوم ہوتا ہے اور دوسری
بستی اور اس بستی کے اجزا کا حکم اوپر لکھا گیا ؎۳ صرف وحشت یا خوف قلیل عارض قوی نہیں ہے
اور خوف شدید عارض قوی ہے یؤیدہ ما فی قاضی خان المعتدة اذا كانت فى منزل ليس معها
احد وهى لا تخاف من اللصوص ولا من الجيران ولكنها تفزع من امر الميت ان لم يكن الخوف
شديدا ليس لها ان تنتقل من ذلك الموضع لان قليل الخوف يكون بمنزلة الوحشة وان كان
الخوف شديدا كان لها ان تنتقل لانها لو لم تنتقل يخاف عليها من ذهاب العقل ونحوه اه ۱۴۲
؎۴ یہ عارض قوی معلوم ہوتا ہے ؎۵ وحشت کا غیر معتبر ہونا جواب سوال سوم میں مذکور ہو چکا ؎۶ یہاں
عارض قوی نہیں ہے ؎۷ مباحات سے بھی بنظر العوام سے بچنے کا وجوب اس وقت ہے جبکہ کوئی ضرورت شرعی
یا طبعی معتبر اس عقیدہ کو لاحق نہ ہو ورنہ دوسرے کے عدم تضرر کے واسطے اس کا تضرر گوارا نہ ہوگا وہذا ظاہر جدا
؎۸ یہاں عارض قوی نہیں ہے ؎۹ عارض قوی ہے اور دوسری بستی میں اور اس بستی کے جمیع اجزا میں فرق
جواب سوال اول میں بیان ہو چکا ؎۱۰ حضرت عمر رضؓ کے قصہ سے کچھ استدلال نہیں ہو سکتا کیونکہ خروج عن
محل الطاعون نہیں ہوا بلکہ عدم الدخول فی محل الطاعون ہوا جسکے جواز بلکہ وجوب میں بھی کلام ہے چنانچہ
حدیث شیخین میں ہے فاذا سمعتم بہ بارض فلا تقدموا علیہ کذا فی المشکوٰۃ والمعنی الفرار الی القضاء انا
لم نعتمد فى ذهابنا هذا على سبب غير قدر الله تعالى بل نتوكل على الله تعالى ونمتثل فى الذهاب
الامر فليس هذا من الفرار من القضاء فى شئ البتة حضرت عمروؓ ابن العاص کی اس مسئلہ میں جو رائے
معلوم ہوئی ہے کہ نہی عن الفرار من الطاعون معلل ہے علت فساد اعتقاد کے ساتھ کہ خروج کو طبعاً موثر فی النجاۃ
سمجھے جیسا اہل سائنس کا خیال ہے اور جو صرف اسباب عادیہ میں سمجھے اس کے لئے جائز ہے سو اول تو یہ ان کا اجتہاد

جو دوسرے مجتہد پر جو کہ ظاہر حدیث فرع سے تمسک کرتا ہو حجت نہیں دوسرے اب اکثر فارین ہیں بوجہ اختلاط معتقدین سائنس کے فساد اعتقاد یقینی ہے پس اسمیں کسی کے نزدیک بھی گنجایش نہیں کیونکہ اسمیں مخالفت ہی شریعت کی جو نافی ہی تاثیر طبعی لازم کی ۱۱ انکے معانی کی تحقیق جواب سوال اول میں گذر چکی ہے ۱۲ شیخ عبدالحق محدث رحمہ نے شرح مشکوٰۃ فارسی میں تحت حدیث الفار من الطاعون کالفار من الزحف کے لکھا ہی ازیں حدیث معلوم می شود کہ گریختن از طاعون گناہ کبیرہ است چنانکہ فرار از زحف انتہیٰ اور جائز سمجھنے والا اگر احادیث کو رد کرتا ہو کفر ہے اور اگر خلاف قواعد شرعیہ تاویل کرتا ہو مبتدع اور اگر باوجود رعایت قواعد کسی شبہ سے غلطی کرتا ہو امید ہے کہ معذور ہو ۱۳ شیخ عبدالحق رحمہ نے تو عبارت مذکورہ کے بعد اس اعتقاد کو کفر لکھا ہو لیکن تفصیل حق معلوم ہوتی ہو اگر موثر حقیقی سمجھے تو کفر ہے اور جو سبب عادی سمجھے تو لوجہ ورود نہی کے معصیت ہو ۱۴ اوپر جواب سوال دوم میں گذر چکا ہو کہ ضرورت وعارض قوی سے خروج اور اسی طرح دخول جائز ہے ۱۵ باوجودیکہ مطلق امراض وبلیات کا موجب رحمت ہونا احادیث میں آیا ہو پھر بھی انکے لیے دعا و تعوذ قولاً و فعلاً حضور صلے اللہ علیہ وسلم سے ثابت ہوا اور راز اسمیں یہ ہو کہ بحیثیت مصیبت فی الحال ہونیکے دعا و دوا کی اجازت ہوا اور بحیثیت رحمت فی المآل ہونیکے صبر و رضا و تسلیم کا امر ہے فلا منافاۃ اور جسنے منع کیا ہو اسکی غلطی ہو واللہ اعلم - ۲۹ محرم ۱۳۲۲ھ -

سوال - مرض طاعون سے جو تقریباً نو سال سے بلاد ہندوستان میں پھیلا ہوا ہے فرار کرنا کیسا ہے کیونکہ اس مسئلہ میں اختلاف عظیم واقع ہو بعض جواز و بعض عدم جواز فرار کے قائل ہیں مدعیان جواز فرار میں چند دلائل پیش کرتے ہیں اول یہ کہ جب طاعون عمواس واقع ہوا تو حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے ابو عبیدہ کو طلب کیا جو امیر لشکر دمشق تھے جہاں کہ طاعون کا زور تھا لیکن جب وہ نہ آئے تو آپنے انکو لکھ بھیجا کہ اس مقام کو چھوڑ کر جابیہ نامی مقام پر جو بلند ہو چلے جاؤ - چنانچہ ابو عبیدہ رضی کی وفات کے بعد عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ نے امیر المومنین کے اس حکم کی تعمیل کی ھکذا فی روضۃ الاحباب پس درصورت عدم جواز فرار ان حضرات کے متعلق کیا خیال رکھنا چاہیے کہ ان کا یہ فعل صواب پر ہو یا نہیں دوسرے یہ کہ لوگ وقت نمود طاعون موضع طاعون کے مضافات و باغات و صحرا میں نکلکر مقیم ہوتے ہیں اور وہ فنا شہر ہی تو گویا من وجہ شہر ہے پس جو حدیث کہ حرمت فرار میں عبدالرحمن بن عوف رضی اللہ عنہ سے مروی ہوا اور جس کا آخری جملہ یہ ہو ولا تخرجوا منہا فراراً یعنی موضع طاعون سے نہ بھاگو کے یہ فعل

مخالف نہیں ہے کیونکہ ارض موضع طاعون و مقام قیام فارین واحد ہے پس اُس موضع سے فرار ہوا اور نیز اسوقت علّتِ ممانعتِ فرار میں سے صرف ایک وجہ یعنی عدم صبر استقامت موجود ہے والا سب مفقود جیسا کہ مولانا شاہ عبد العزیز صاحب رحمۃ اللہ علیہ رجزا من السماء کی تفسیر میں فتح العزیز میں ارشاد فرماتے ہیں کہ حرمت فرار بوجہ اسکے ہے کہ درصورت فرار علاج و تدابیر دشوار ہے اور صحار کی فرار پر مرضاء کے مزید تکلیف کا گمان ہے پس یہ صعوبتیں فی زماننا دور ہیں کیونکہ طاعون در صحرا میں علاج بھی ممکن ہے جیسا کہ اکثر ہوتا ہے اور ان کی دلشکنی کا پورا لحاظ کیا جاتا ہے تیسری یہ کہ جس گھر میں آگ لگی ہو یا کوئی دیوار گر رہی ہو وہاں ٹھیرنا خلاف عقل ہے بلکہ ولا تلقوا بایدیکم الی التھلکۃ کے نہی کو امر کے ساتھ ادا کرنا ہے پس درصورت عدم جواز فرار دلائل مسطورہ بالا کا کیا جواب ہے عقلاً و نقلاً عدم جواز ثابت کرنا چاہیئے۔

سوال دوم۔ درصورت عدم جواز فرار جو لوگ فرار کو جائز قرار دیتے ہیں اور فرار کرتے ہیں عند الشرع کیسے ہیں۔

سوال سوم۔ جابیہ دمشق کا کوئی محلہ ہے یا دوسرا مقام اگر محلہ ہے تو کیا ایک محلہ سے دوسرے محلہ میں فرار کر جانا جائز ہے اور درصورت دوسرا مقام ہونیکے تو فرار کا پورا ثبوت ہے اسکا کیا جواب ہے۔ مدعیان عدم جواز فرار اپنے دعوی پر اُن احادیث کو پیش کرتے ہیں جو اسکی ممانعت میں صحاح میں پائی جاتی ہیں جیسے الفار من الطاعون کالفار من الزحف وغیرہ بہرحال جواز و عدم جواز عند الشرع جو کچھ ثابت ہو بالتفصیل الدلیل عقلاً و نقلاً بیان کرنا چاہیئے بینوا توجروا۔

الجواب۔ احادیث صحیحہ میں تنصیصاً فرار عن الطاعون کی ممانعت آئی ہے اور شبہات جو اسپر کئے گئے ہیں انکا یہ جواب ہے۔ ملے قاعدہ کلیہ ہے کہ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کا ارشاد اگر کسی امتی کے قول و فعل کے معارض ہو تو آپکے ارشاد کو ترجیح ہوگی اور امتی کے قول و فعل میں اگر وہ مقبولین سے ہو تاویل کیجاویگی پس حضرت عمرؓ کا یہ فعل اگر معارض مان لیا جاوے تو حدیث مرفوع صحیح پر مقدم نہیں ہو سکتا دو وجہ سے اولاً سند اسکی صحاح کے برابر نہیں۔ دوسرے شارع غیر شارع برابر نہیں۔ پس لابد حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے قول و فعل میں کوئی دلیل ضروری ہوگی مثلاً اُسی لشکر کو دوسری جگہ بھیجنے کی ضرورت ہوگی اور یہ مسلم ہے کہ مقام طاعون سے اور کسی ضروری کام کیلئے سفر کرنا جائز ہے یا اگر علت یہ قرار دیجاوے کہ صحار کے چلے جانے سے مرضی کی خرابی ہے تو اس صورت میں سارا لشکر کا لشکر سفر کرے تو یہ علت نہ پائی جاویگی اسلئے اجازت دیدی ہوگی چنانچہ بعض محققین قائل ہیں کہ اگر بستی کے کل آدمی دوسری جگہ چلے جاویں تو کچھ حرج نہیں یا انکے نزدیک یہ بھی معلل ہوگی علت احتمال فساد

اعتقاد دفارین کے ساتھ اور یہ علت مفقود تھی اسلئے اجازت دیدی بہرحال یہ امر اُن کا اجتہادی سمجھا جاوے
جو دوسرے پر حجت نہیں اور دوسرے صورت جبیہ اس زمانہ کی طبائع کو مفید بھی نہیں کیونکہ اب خاص طاعون کی وجہ
سے بھاگتے ہیں اور ساری بستی کے لوگ کہیں نہیں جاتے اور فساد اعتقاد بھی اگر کسی خاص میں نہ ہو تب بھی یہ کا
فعل موجب فساد اعتقاد عامی کا ہے اسلئے اسکو بھی منہی عنہ للغیر کہیں گے یہ سب جب ہے جبکہ تعارض ظاہری
مان لیا جاوے اگر تعارض نہ ہو تو ان تکلفات کی حاجت نہیں چنانچہ قاموس میں جابیہ کو دمشق کا قریہ لکھا ہے
اور دمشق کا بلد عظیم ہونا مشہور ہے اور بلد عظیم کا فنا بعض جگہ میں نے خود مشاہدہ کیا ہے کہ گرد و نواح کے قریے
تک ہوتا ہے چنانچہ کانپور کے فوجی لوگ موضع جاجمئو تک جو کہ مستقل آبادی اور کانپور سے کئی میل پہ واقع ہے
اکثر اوقات نشانہ کی مشق وغیرہ کرنے کے واسطے جاتے ہیں۔ پس جابیہ اگر فنا دمشق میں داخل کر لیا جاوے کو کیا
بعید ہے اور فنا شہر میں جانا جائز ہے جیسا ۵ میں بیان ہوا اور یہ جو لکھا ہے کہ اس وقت علل فرار میں سے
ایک ہی علت ممانعت کی ہے اگر اسکو تسلیم کر لیا جاوے تب تو جواز کا احتمال ہی نہیں پھر جواز میں سعی کرنا
فضول ہے کیونکہ ممانعت کیلئے ایک ہی علت کافی ہے جیسا اہل علم پر ظاہر ہے ۳ یہ قیاس مع الفارق ہے
گرتی ہوئی دیوار یا لگتی ہوئی آگ میں عادۃً ہلاک متیقن ہے اور یہاں متیقن نہیں پس ایک کا قیاس دوسرے پر صحیح
نہیں ورنہ قتال کفار تہلکہ میں داخل ہو کر ممنوع ہوگا اور طاعون کو وصف کیساتھ تشبیہ خود حدیث میں وارد ہے
اور من وخز الجن بھی آیا ہے **جواب سوال دوم** ناجائز کو جائز قرار دینا ظاہر ہے کہ فساد اعتقاد ہے
اور اسکا فعلاً اختیار کرنا فساد عمل ہے **جواب سوال سوم**۔ جواب سوال ۱ میں گذر چکا واللہ اعلم۔
۲۳ جمادی الاولی ۱۳۲۲ھ۔

سوال۔ طاعون سے بھاگنے کی نسبت ہمارے علماء کرام یہ فرماتے ہیں کہ طاعون سے بھاگنا حرام ہے خواہ
اندیشہ موت سے ہو یا اندیشہ مرض سے طاعون سے بھاگنے والا لشکر اسلام سے بھاگنے والا ہے طاعون سے بھاگنا
خدا و رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی نافرمانی ہے اگر بھاگنے کو کوئی شخص گناہ نہ سمجھے اسکے ایمان میں خرابی ہوگی
اگر یہ اعتقاد کرے کہ بھاگے گا تو نہ مریگا ورنہ مر جائیگا تو کافر ہوگا اس بارہ میں چند شکوک مندرجہ ذیل ہیں انکا جواب تحریر فرمایئے
(۱) جبکہ یہ مسلم ہے کہ علاج کرنا مسنون ہے اور ہر شخص استعلاج کا مجاز ہے اور ہر صاحب علم جانتا ہے کہ فن طب دو
مقصدوں پر مبنی ہے ایک حفظ صحت دوسرا استرداد صحت پس جبکہ علاج مسنون اور عام ٹھہرا تو کیا سبب ہے
کہ تدابیر حفظ صحت جو شامل تدبیر مکان اور تصفیہ آب و ہوا اور نقل شہر وغیرہ کو ہیں گناہ کبیرہ یا کفر متصور ہوں

(۲) اختلاج قلب میں جو کہ سوء مزاج حار سے ہو مریض کا شہر بارد میں جانا مستحق کو بجائے جانا صاحب امراض
باردہ کو ملک حار میں اور بالعکس جانا اب تک گناہ کبیرہ اور کفر نہ تجویز کیا گیا۔

(۳) اگر کہیں جنگ معمولی تیر و تفنگ کی ہو اور بخوف جان کوئی شخص وہاں نہ جائے یا وہاں سے
علیحدہ ہو جاوے یا سنکھیا بخوف مرنے کے نہ کھائے یا سنکھیا کھانا مہلک اور نہ کھانا باعث امن تصور کرے
تو اب تک ایسا شخص کافر کیوں نہ قرار پایا اور طاعون ہی مہلک مرض سے یہ خیال کیوں کفر ہوا۔

(۴) اس حدیث شریف کا یعنی جہاں وبا ہو نہ جاؤ اور جہاں ہو وہاں سے نہ بھاگو اگر یہ مطلب تصور کیا جائے
یعنی جہاں وبا ہو جا کر مبتلا ہو گے لہٰذا نہ جاؤ اور وہاں سے بھاگ کر دوسرے شہر کو تہلکہ میں نہ ڈالو بلکہ اپنے ہی
آبادی کے کنارے پر ویرانی میں رہو کیا عیب ہے گو باعتبار شرع شریف کے کوئی مرض متعدی یعنی ایک مریض
دوسرے تندرست کو بیمار کرے نہیں بلکہ آلودگی اجزائے سمیہ دوسرے مقام کی اچھی ہوا کو اپنی صفت ذمیمہ سے
موصوف کرے گی اسکے ماننے میں کیا قباحت ہے (۵) درحالیکہ طاعون و اسہال و دردزہ پانی میں ڈوب کر
مرنا دیوار یا مکان میں دب کر اور مسلول ہو کر مرنا جل مرنا یہ سب شہادتیں ہیں پھر تخصیص طاعون کی کیا ہے گرے
ہوئے مکان ٹوٹی ہوئی کشتی میں بھی رہنا چاہیے یہ حضرات شوق شہادت استعمال فرمانا چاہیے دیگر شہادتیں
نظر انداز نہ کرنا چاہیے۔ (۶) یہ حدیث شریف کہ طاعون سے مرنا شہادت ہے اس کا یہ نتیجہ نکالنا کہ طاعون سے
بھاگنا شہادت اور لشکر اسلام سے بھاگنا ہے کیا ضرور ہے بلکہ اکثر کفار کا یہ قول بالعموم سنا گیا ہے کہ وبا آسیب
وبلا ہے اور اُس کا مُردہ بھی اسی گروہ میں شامل ہو جاتا ہے اور مغفور نہیں ہوتا۔ ہمارے حضرت صلی اللہ علیہ وسلم
اپنی امت کیواسطے اس خیال کی نفی فرماتے ہیں اور ماجور فرماتے ہیں نہ یہ کہ حصول طاعون کی ترغیب فرماتے ہیں

(۷) درحالیکہ طبیب حاذق حرام دوا کو یہ سمجھ کر کہ بجز اس دوا کی کوئی مفید اور مزیل مرض نہیں کھانا تجویز کرے
تو شریعت اجازت دیتی ہے پس تمام حذاق بھاگنے کو مفید بتلاتے ہیں تو یہ امر کفر و گناہ کبیرہ کیوں قرار پائے حالانکہ
حرام چیز کھا لینا اور بھاگنا اسمیں تفاوت ہر ہوشمند جانتا ہے (۸) ہمارے حضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے دعا
فرمائی ہے کہ میری ...... امت کے لوگ طاعون میں مریں یہ حدیث شریف پوری نقل فرمائی جاوے۔

(۹) درصورتیکہ طاعون سے بھاگنا منع ہے تو اُس آبادی کی دربانی کی اجازت کیوں دیجاتی ہے جب بھاگنا
منع ہے تو پچاس قدم اور پچاس کوس سب برابر ہے اسکا ثبوت کتابی کیا ہے۔ (۱۰) درصورتیکہ جو لوگ بغرض
حفظ شہادت طاعون کے مفید سمجھا گیا ہے مشروع فرمایا گیا بھاگنا کیوں گناہ کبیرہ و کفر قرار دیا گیا حالانکہ

غرض متحد ہے چونکہ خلائق کی جانوں سے متعلق ہے لہذا امید ہے کہ کریمانہ توجہ خاص مبذول فرمائی جاوے گو قیمتی وقت صرف ہوگا

الجواب (۱) نفس معالجہ کی اجازت سے یہ لازم نہیں آتا کہ ہر علاج جائز ہو اور کسی خاص علاج کی ممانعت سے یہ لازم نہیں آتا کہ مطلق علاج کی ممانعت ہو پس جس طرح شراب دیگر اشیاء محرمہ تجربہ سے بعض امراض کا علاج ثابت ہوئی ہیں اور پھر بھی ناجائز ہیں اسی طرح اگر فرار باوجود علاج ہونیکے ناجائز ہو تو کیا استبعاد ہے (۲) چونکہ ان امراض میں نقل کی ممانعت نہیں آئی اور طاعون میں ممانعت آئی ہے اسلئے دونوں میں جواز و ناجواز کا تفاوت ہو گیا اور اگر یہ شبہ صاحب شرح پر ہے تو اسکا جواب اسوقت ضروری ہے جب سائل غیر مسلم ہو جواب نے کو اس بناء پر دیا گیا ہے کہ شبہ علماء پر ہے تو اس بناء کافی ہے (۳) اگر ان تدابیر کو موثر حقیقی سمجھے جس سے تخلف محال ہو جیسے دہریوں کا مذہب ہے تو یہ اعتقاد ہی کفر ہے اور فرار من الطاعون کو موجب سلامت سمجھنا بھی کفر اسی وقت ہے جبکہ اسکو موثر حقیقی سمجھے اور اگر اسباب عادیہ سے سمجھے تو نہ یہاں کفر ہے نہ وہاں کفر ہے البتہ طاعون میں ممانعت شرعی کی وجہ سے یہ فرار گناہ ہوگا اور دوسری تدابیر بوجہ ماذون فیہ ہونیکے جائز ہونگی (۴) اگر صرف یہ حدیث ہوتی تو فی نفسہ اسکی گنجائش تھی گو یوں جاسکے کہ سلف کے خلاف خلف کا اجتہاد جائز نہیں یعنی مقبول نہ ہوتے لیکن صحیح مسلم میں یہ لفظ ہیں عن اسامة قال قال رسول الله صلى الله عليه وسلم ان هذا الطاعون رجز سلط على من كان قبلكم او على بني اسرائيل فاذا كان بارض فلا تخرجوا منها فرارا منه الخ اس حدیث میں خود رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی نص سے معلوم ہو گیا کہ علت نہی کی فرار من الطاعون کا قصد ہے سو اگر دوسری بستی کے کنارہ پر کوئی شخص جا ٹھیرے تب بھی فرار من الطاعون تو صادق آگیا اب وہ علت نہیں چل سکتی جو سوال میں لکھی ہے کہ دوسرے شہر کو تہلکہ میں نہ ڈالو (۵) اول تو اس شبہ میں قیاس مع الفارق سے کام لیا گیا ہے کیونکہ مقیس تو طاعون حادثہ کی جو مہلک ظنی ہے ایک تدبیر خاص کرنا ہے اور امور مقیس علیہا میں سے بعض میں آفات حادثہ مہلکہ بالیقین کی تدبیر کرنا ہے جیسے دار منہدم یا سفینہ منکسرہ میں رہنا اور بعض میں خود آفات کا احداث ہے جیسے مضرات ردیہ کا قصداً استعمال کرنا البتہ اس دوسری قسم کے مقیس علیہ کے مشابہ وہ صورت ہو سکتی ہے کہ کوئی شخص اشیاء و اسباب مورثہ طاعون کا قصداً استعمال کرتے تو موجب اقرار یقینی ہوگا اسکی اجازت نہ دیجاویگی دوسرے طاعون میں فرار سے نہی آئی ہے اور مکان منہدم وغیرہ میں فرار سے نہی ہے پس دونوں جگہ منہی عنہ کو منع کرینگے (۶) اس سے کس نے نتیجہ نکالا ہے اس مضمون کی توضیح حدیث وارد ہے فی المشکوٰۃ قبیل باب تمنی الموت عن جابر ان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم

قال الفار من الطاعون كالفار من الزحف والصابر فيه له اجر شهيد رواه احمد آگے جو لکھا ہے وہ مبنی ہے اس حدیث کے معلوم نہ ہونے پر اسلئے قابل التفات نہیں (۷) اول تو اسی میں کلام ہے کہ شریعت نے ادویہ محرمہ کی اجازت دی ہو حدیث میں تو صاف نہی آئی ہے آگے امام ابو حنیفہ کا مذہب منع ہی کا ہے گو بعد کے بعض علماء نے اجازت دیدی ہو تو اسکو شریعت کی اجازت کہنا خود واجب التسلیم نہیں دوسرے اگر ان علماء کے قول کو حجت شرعیہ سمجھا جاوے تو فقہاء نے رسم المفتی و تفصیل طبقات فقہاء میں یہ بات طے کر دی ہے کہ ہمارے زمانہ کے لوگوں کو اجتہاد کی اجازت نہیں تو اُن کے استنباط پر اپنے استنباط کو قیاس کرنا غلط ہوگا (۸) یہ حدیث میری نظر سے نہیں گذری (۹) بعض علماء کے نزدیک تو یہی منع ہے اپر تو شبہ ہی نہیں بعض نے البتہ اجازت دی ہے اُن کی دلیل جو اب تک مجھکو معلوم ہوئی ہے وہ یہ ہے کہ فناء مصر حکم مصر میں ہے بدلیل احکام جمعہ وغیرہا اور مصر مجمع اجزاء شے واحد ہے تو اس بنا پر تبدل مکان ہی نہیں ہوا لہذا یہ فرار نہیں ہے اس سے زیادہ کوئی تصریح میں نے نہیں دیکھی (۱۰) اگر ایک مرض کے دو علاج ہوں ایک ماذون فیہ دوسرا منہی عنہ تو اسمیں کیا محال ہے اور یہ کیا ضرور ہے کہ اگر ایک ماذون فیہ ہو تو دوسرا بھی ماذون فیہ ہو اور اگر ایک منہی عنہ ہو تو دوسرا بھی منہی عنہ ہو مثال اسکی جواب سوال اول میں گذر چکی آخر میں اسقدر التماس ہے کہ مسائل شرعیہ دریافت کرنے میں معاندانہ عنوان سے احتراز واجب ہے ان سوالات میں اسکا لحاظ نہیں کیا گیا۔ واللہ اعلم۔ ۱۱ جمادی الاخری ۱۳۲۲ھ

سوال۔ اُردو کے ایک رسالہ میں چند احادیث منقول دیکھیں اُنکی اسانید و متون کے متعلق جو شبہات واقع ہوئے تسکین قلب کیلئے ان کا دریافت کرنا بہتر معلوم ہوا اول حدیث یہ ہے کہ مسند امام احمد بن حنبل رحمۃ اللہ علیہ میں حضرت ابوبردہ بن قیس رض سے جو کہ حضرت ابو موسیٰ اشعری کے بھائی ہیں حضرت سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اللہ میری امت کا خاتمہ اپنے راستہ میں طعن و طاعون سے فرما۔ دوسری حدیث یہ ہے کہ منتخب کنز العمال میں ہے کہ حضرت معاذ رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ طاعون ہم لوگوں کیلئے رحمت اور تمہارے پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم کی دعا ہے اور موت صلحاء کی ہے کہ تم سے پیشتر گذری ہیں اور یہ شہادت ہے تیسری حدیث یہ ہے اُسی مسند میں کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ یہ وبائی طاعون عذاب ہے کہ ہلاک کیا اللہ تعالیٰ نے اس سے اگلی امتوں کو اور تحقیق موجود ہے یہ زمین میں کہ آجاتا ہے کبھی اور دفع ہو جاتا ہے کبھی پس جب کبھی یہ کسی مقام پر نازل ہو تو مت نکلو اس سے اور جب سنو کہ یہ کسی مقام پر ہے تو وہاں مت جاؤ۔ چوتھی حدیث یہ ہے کہ بخاری شریف میں ہے کہ حضرت عائشہ

صدیقہ رضی اللہ عنہا نے حضور سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم سے طاعون کی کیفیت پوچھی فرمایا کہ یہ طاعون عذاب تھا کہ نازل فرماتا تھا اللہ تعالیٰ جسپر چاہتا تھا اور اب جل جلالہٗ نے مومنین کیلئے اسکو رحمت بنایا ہو جو بندہ اسمیں مبتلا ہو صبر کرے اور ثابت قدم رہے اپنی جگہ پر یعنی بھاگے نہیں اور یقین رکھتا ہوا اس بات کا کہ نہیں پہونچے گا اسکو کچھ مگر جو کہ اللہ تعالیٰ نے لکھدیا ہو اُسکے لیُ تو ملتا ہو اسکو ثواب شہید کا۔ پانچویں حدیث یہ ہے اسی مسند میں حضرت ابوموسیٰ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ میری است کا خاتمہ طعن اور طاعون میں ہوگا۔ عرض کیا گیا کہ طعن تو معلوم ہو مگر طاعون نہیں معلوم کہ کیا شے ہی فرمایا کہ جنوں میں سے جو تمھارے دشمن ہیں اور تمسے عداوت رکھتے ہیں اُنکا نیزہ ہو اور طعن و طاعون دونوں میں شہادت ملتی ہے

احادیث بالا کے متعلق سوالات

(۱) یہ احادیث باعتبار اسانید صحیح ہیں یا نہیں (۲) پہلی اور دوسری حدیث سے معلوم ہوتا ہو کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی امت کیلئے طاعون کی دعا کی ہو آپ رحمۃ للعالمین اور مومنین پر رؤف رحیم تھے چند خاص کفار کے سوا آپنے کسی کافر کیلئے بھی بددعا نہیں کی بلکہ دعائے ہدایت ہی کی پھر آپ خود اللہ تعالیٰ سے دنیا و آخرت کی عافیت طلب کیا کرتے تھے اور امت کو بھی دعائے طلب عافیت دنیا و آخرت تعلیم فرمایا کرتے تھے جیسا صحاح کی بعض روایتوں میں عافیت طلب کرنیکی دعائیں موجود ہیں اور آپکی حالت یہ تھی کہ جب کبھی باد تند دیکھتے تو چہرہ متغیر ہو جاتا اس حالت پر آپ طاعون کی بددعا کیوں فرماتے (۳) دوسری حدیث میں جو یہ ہو کہ موت صلحا کی ہو کہ تمسے پیشتر گذری ہیں یہ الفاظ تیسری حدیث کو ان الفاظ کے خلاف ہیں کہ وبائے طاعون عذاب ہے کہ ہلاک کیا اللہ تعالیٰ نے اُس سے اگلی امتوں کو۔ زمانہ رسالت و زمانہ صحابہؓ سے پہلے کون سے صلحا گذرے ہیں جنکی موت طاعون سے ہوئی ہے البتہ حضرت موسیٰ علیہ الصلوٰۃ والسلام کے زمانے میں بعض ظالم و فاسق بنی اسرائیل کی موت طاعون سے ہوئی ہو وہ انکے فسق کے سبب سے ہوئی ہے نہ آنکی صلاحیت کی وجہ سے جیسا انزلنا علی الذین ظلموا رجزا من السماء بما کانوا یفسقون کی تفسیر میں لکھا ہو (۴) میرا عقیدہ یہ ہو کہ طاعون کو جو بعض احادیث میں رحمت کہا گیا وہ باعتبار اجر اخروی کے کہا گیا ہو نہ باعتبار صورت دنیوی اگر وہ باعتبار صورت دنیوی رحمت ہوتا تو پھر ان الفاظ کے کچھ معنی نہ ہوتے جو چوتھی حدیث میں مذکور ہو کہ جو بندہ اسمیں مبتلا ہو صبر کرے کیونکہ رحمت پر صبر نہیں کیا جاتا بلکہ مصیبت پر صبر کیا جاتا

اسکے علاوہ طاعون میں نقل مکان کی اجازت ہو رحمت کو چھوڑ کر نقل مکان کرنا عاقل کا کام نہ تھا جاہل کا
کام تھا پھر ممانعت ہو کہ جہاں طاعون ہو وہاں نہ جاؤ رحمت میں جانیکی ممانعت خلاف عقل و نقل ہو
جس وجہ سے دیکھا جاتا ہو طاعون صورت نبوی کے اعتبار سے رحمت نہیں بلکہ اجر اخروی کے لحاظ سے انشاء اللہ
تعالیٰ ہوگا۔ میرا یہ عقیدہ خلاف سنت تو نہیں ہو (۵) تیسری حدیث کے ان الفاظ سے اور تحقیق موجودہ سے یہ ثابت ہی
میں کہ آجاتا ہو کبھی اور رفع ہو جاتا ہو کبھی معلوم ہوتا ہو کہ طاعون زمین سے آتا ہے مگر اسی حدیث کے ان الفاظ
سے اور جب کبھی کسی مقام پر یہ نازل ہو معلوم ہوتا ہو کہ یہ زمین سے نہیں بلکہ زمین پر نازل ہوتا ہو اور
قرآن مجید کے الفاظ انزلنا اور رجزا من السماء سے تو بہت صاف طور پر معلوم ہوتا ہو کہ زمین سے نہیں
آتا بلکہ آسمان سے نازل ہوتا ہو زمین میں موجود ہونے اور آسمان سے نازل ہونے میں زمین آسمان کا فرق ہو۔
(۶) کتب طب میں طاعون کی جو حقیقت و ماہیت لکھی ہو وہ اور ہی کچھ ہے اور یہاں پانچویں حدیث سے
اور ہی کچھ ثابت ہوتا ہو حدیث کے سامنے قول اطبا مردود ہو مگر یہ معلوم ہو جانا ضرور ہو کہ یہ حدیث صحیح ہو طاعون
کو جنوں کا نیزہ کہا گیا ہو اور نیزہ مارنیکا سبب دشمنی و عداوت کو بتایا گیا ہو تو جنوں کو دشمنی و عداوت ہمیشہ سے ہی
تھی اور انسان پر نیزہ مارنے کی قدرت بھی ہر وقت حاصل ہو کیونکہ وہ انسان کو دیکھتے ہیں اور انسان اُن کے
نیزوں کو نہیں دیکھتا پھر خاص خاص وقتوں میں اور خاص خاص مقاموں میں طاعون کے ظاہر ہونے کی کیا وجہ ہو کہیں تو
کہیں بلکہ سب کہیں ہر وقت طاعون موجود رہنا چاہئے لیکن ایسا نہیں ہو۔ میرا عقیدہ تو یہ ہو کہ اللہ تعالیٰ کی
طرف سے ایک عذاب ہو بصورت طاعون بسبب فسق و فجور نازل کیا جاتا ہو اور وہ عام ہو جاتا ہو تو مومن کو
بھی لے لیتا ہو تاکہ اُن کے مراتب آخرت میں اور عالی کئے جاویں جنوں کی دشمنی و عداوت اور نیزہ مارنیکا حال
اگر صحیح حدیث سے معلوم ہو جاوے تو اسی پر یقین اور عقیدہ رکھنا ضروری ہو خواہ وہ سمجھ میں آوے یا نہ آوے اتنا
لکھنے کے بعد علاج القحط کی بہت سی عبارتیں اس رسالہ کی عبارتوں کے خلاف معلوم ہوئیں دو باتوں کو
بطور نمونہ عرض کرتا ہوں (۱) اس رسالہ کی پہلی اور دوسری حدیث سے معلوم ہوتا ہو کہ طاعون کیلئے آپنے
دعا کی اور علاج القحط سے معلوم ہوتا ہو کہ طاعون سے آپنے پناہ مانگی جیسا علاج القحط کی اس عبارت سے واضح ہے
ابن ماجہ میں حضرت عبداللہ بن عمرؓ سے روایت ہے کہ دس آدمی مہاجرین میں سے حضور نبوی صلی اللہ علیہ وسلم
میں حاضر تھے جن میں سے ایک میں تھا آپنے فرمایا کہ اے مہاجرین پانچ باتیں ہیں اور میں تمہارے لئے اللہ کی
پناہ مانگتا ہوں کہ تم اُن میں نہ پڑو۔ (۱) نہیں ظاہر ہوئیں بے حیائی کی باتیں کسی قوم میں حتی کہ کھلم کھلا کرنے لگیں مگر

ہوئے طاعون میں اور ایسی بیماریوں میں کہ جو اُنکے باپ دادوں میں کبھی نہ ہونگی۔ علاج القحط صفحہ ۱۶۶ و ۱۷۱، ۱۴ - (۲) اس رسالہ کی چوتھی حدیث میں یہ لفظ ہیں یہ طاعون عذاب تھا کہ نازل فرماتا تھا اللہ تعالیٰ جس پر چاہتا تھا اور اس حدیث کے علاوہ ایک جگہ یہ لفظ ہیں اور امتوں کیلئے یہ طاعون عذاب تھا اور اس امت کیلئے رحمت وشہادت ہے۔ تھا کے لفظ سے صاف ظاہر ہے کہ اب اس زمانہ میں ہر چار طرف طاعون پھیل رہا ہے وہ عذاب نہیں علاج القحط کی یہ عبارت ہے وہ فرماتی ہیں (یعنی عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا) کہ میں نے رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم سے طاعون کی نسبت سوال کیا آپنے ارشاد فرمایا کہ وہ ایک عذاب ہے کہ جس پر اللہ تعالیٰ کو منظور ہوتا ہے بھیجتا ہے ہے کے لفظ سے صاف ظاہر ہے کہ اب اس زمانہ میں جو طاعون پھیل رہا ہے وہی عذاب ہے ہاں اس کا مومنین کیلئے رحمت ہونا وہ باعتبار اجر اُخروی پہلے زمانہ میں بھی تھا اور اب بھی ہے دونوں میں فرق کی وجہ سمجھ میں نہیں آتی۔

الجوابات (۱) اول مسند اور کنز العمال یا اُسکے منتخب میرے پاس نہیں اسلئے ان احادیث کی صحت کی تحقیق نہیں کرسکتا علی تقدیر الثبوت جواب شبہات کے لکھوں گا البتہ بخاری کی جو حدیث ہے اس میں جو دعا ہے صحیح ہے (۲) ایک شے میں مختلف اعتبارات اور حیثیات ہوتی ہیں اگر رحمت ہے کسی حیثیت سے دعا ہو تو کیا حرج ہے اور اس حیثیت سے عافیت کے بھی منافی نہیں جیسے حدیثوں میں تمنائے شہادت بھی ہے اور سوال عافیت بھی اور باد تند پر قیاس مع الفارق ہے کیونکہ اُسکا رحمت ہونا کہیں وارد نہیں (۳) اگر سابقین میں سے اشرار کیلئے عذاب اور ابرار کیلئے رحمت کہا جاوے تو دونوں حدیثوں میں تعارض نہ ہوگا اور صلحاء امم سابقہ میں بھی بہت گذرے ہیں گو اُن میں سے اہل طاعون کا قصہ ہمکو بالتعیین معلوم نہ ہو۔ (۴) ٹھیک عقیدہ ہے لیکن تعبیر کیلئے یہ عنوان زیادہ واضح ہے کہ رحمت اور مصیبت دونوں دنیا ہی میں ہیں لیکن رحمت باعتبار اثر یعنی استحقاق اجر کے ہے اور مصیبت باعتبار صورت ظاہری کے (۵) اگر دونوں طرح ہوتا یا اسباب سماویہ اسباب ارضیہ دونوں کو کچھ دخل ہو تو کیا بعید ہے (۶) اگر دونوں طرح ہوتا ہو یا مجموعہ کو دخل ہو اطبا نے ظاہری اسباب کو بیان کردیا ہے اور شارع علیہ السلام نے باطنی سبب کو یا ان اسباب میں خود ایک دوسرے کیلئے سبب ہو جب احتمالات ممکن اور دفع تعارض کیلئے کافی ہیں مثلاً کسی کو مٹھائی کھانے سے صفرا کا ہیجان ہوا اور اُس سے بخار ہو گیا تو دونوں کو بخار کا سبب قرار دیا جاسکتا ہے یا جیسے حکما رحال نے آثار طاعون کا سبب کیڑوں کو بتلایا ہے اور قدما نے مادہ کو اور دونوں میں کچھ تدافع نہیں اور جنون کی دشمنی پر جو شبہ کیا ہے اس کا یہ مقدمہ کہ

ہر وقت نیزہ مارنیکی قدرت حاصل ہو مسلم نہیں ممکن ہو کہ حفاظت خداوندی مانع دوام قدرت ہو اور گاہ گاہ ابتلاء کیواسطے حفاظت اٹھالیجاتی ہو اور اُسکے لئے فسق و فجور کا سبب ہونا اسکے منافی نہیں ممکن ہے کہ سزا کا یہی طریقہ ہو۔

اب شبہات متعلقہ علاج القحط کا جواب سنیئے

(۱) جب معصیت کی سزا میں عقوبت ہو اس ترتب کے مرتبہ میں پناہ مانگی جو درحقیقت معصیت سے پناہ مانگنا ہے اور بلا ترتب علی المعصیت رحمت ہو اس درجہ میں دعا مانگے پس کچھ تعارض نہیں کیونکہ لوگوں کے حالات معصیت و طاعت میں خود مختلف ہیں پس ایک جگہ عقوبت ہے دوسری جگہ رحمت۔

(۲) جس حدیث کی ترجمہ میں لفظ ہی واقع ہو یہ حدیث مشکوٰۃ شریف میں باین لفظ ہو انہ عذاب یبعثہ اللہ الخ۔ اگر اشرار کیلئے پہلے بھی عذاب ہو اور اب بھی تو تھا اور ہے دونوں درست ہو گئے رہا یہ کہ پھر دونوں امتوں میں فرق نہ ہوا حالانکہ ظاہراً لفظ حدیث سے فرق مقصود معلوم ہوتا ہے سو وہ فرق یہ ہو سکتا ہے کہ ابتدا اسکی امم سابقہ سے بطور عذاب کے ہوئی چنانچہ صحیح مسلم میں مرفوعاً بعد حدیث ہو الطاعون رجز ارسل علی بنی اسرائیل الخ اسلئے عذاب کی حیثیت کو بعض احادیث میں صرف اُن کے ساتھ نسبت فرما تمیع خاص فرما دیا باوجودیکہ دونوں ہی میں رحمت و عذاب ہونے میں شریک ہیں کیونکہ ابتداء عرفاً و محاورۃً اعظم اسباب تخصیص ذکری سے ہو یا یوں کہا جاوے کہ امم سابقہ میں حیثیت عذاب غالب تھی اور حیثیت رحمت مغلوب اور اس امت میں بالعکس وللاکثر حکم الکل اسلئے وہاں عذاب کی اور یہاں رحمت کی تخصیص ذکر کی بعض احادیث میں کر دی گئی اور بعض میں دوسری حیثیت کی بھی دونوں امتوں کیلئے تصریح کر دی واللہ اعلم ۵ ربیع الاول ۱۳۲۲ھ

سوال۔ زید کہتا ہو کہ جب طاعون میں چوہے وغیرہ وغیرہ مریں تو جس دالان یا کوٹھڑی میں مریں اُسکو چھوڑ دیں اور دوسرے دالان یا کوٹھری میں آرہے اور جب اس دالان اور کوٹھری میں بھی بو آنے لگے اور اس دوسری کوٹھری کو بھی چھوڑ دے تو صحن وغیرہ میں رہے غرض ہر پھر کے گھر ہی کے اندر ہے یا زیادہ سے زیادہ گھر کے دروازہ کمرہ وغیرہ میں رہے اس محلہ کے یا دوسرے محلہ کے گھر میں اپنا گھر چھوڑ کے نجاوے ورنہ فرار میں داخل ہو جاویگا اور اسکی وجہ یہ بتاتا ہو کہ آخر گھر چھوڑنیکی کیا وجہ موت سے بچنے کیلئے گھر چھوڑتا ہے تو جسکی موت نہیں آئی ہے وہ مر نہیں سکتا چاہے گھر چھوڑے یا نہ چھوڑے اور جان بچانیکے لئے گھر چھوڑنا یہی تو فرار ہے اگر دفع وحشت کیلئے چھوڑتا ہے تو وحشت کیسی کس چیز سے وحشت موت سے تو وحشت ہو نہیں سکتی جب موت سے پہلے کوئی مر نہیں سکتا اور یہی

عقیدہ ہو تو پھر وحشت کیوں جو لوگ طاعون زدہ بستی کے باہر اسی بستی کے متعلق باغوں میں یا کھیتون میں یا عیدگاہ یا اور کہیں جا بسے ہیں یا اسی بستی کے اندر ایک محلہ سے دوسرے محلہ میں یا اسی بستی بلکہ اسی محلہ کے اندر ایک گھر سے دوسرے گھر میں جا بسے ہیں انکو زید صف جہاد سے بھاگنے والوں کی برابر خیال کرتا ہے اور ارتکاب گناہ کبیرہ کا الزام لگاتا ہے اور مجمع عام میں ملامت کرتا ہو اور بڑے زور و شور سے بیان کرتا ہے کہ نہ بستی کے اندر بھاگنا درست ہو نہ بستی کے متعلق باغوں کھیتوں عیدگاہوں یا اور کسی جگہ نہ بستی کے باہر اور بستی کے خلاف دوسری بستی میں کیونکہ طاعون سے بھاگنے کی حدیث شریف میں سخت ممانعت آئی ہو اور بستی او غیر بستی کی قید حدیث میں نہیں پس جس طرح دوسری بستی میں جان بچانیکیلئے بھاگ جانا درست نہیں۔ اسی طرح بستی کے اندر اور بستی کے متعلقات میں بھی جائز نہیں اسکی وجہ یہ ہو کہ جب طاعون نہ تھا تو کوئی بھی بھاگا نہ تھا سب اپنے اپنے گھروں میں تھے جب طاعون آیا اور لوگ بھاگے تو ضرور طاعون سے بھاگے اور جان بچانیکے لئے بھاگے اور ضرور اس خیال سے بھاگے کہ اگر بستی میں رہیں گے تو مر جائینگے تو بچ جائینگے اگر اللہ تعالیٰ ہی کو مارنے جلانے والا سمجھتے تو اپنا اپنا گھر چھوڑ کے تکلیف کیساتھ کبھی بستی کے باہر رہنا گوارا نہ کرتے بھاگنے والوں کی ظاہری حالت سے صاف ظاہر ہے کہ وہ بھاگنے کو زندگی میں دخیل سمجھتے ہیں جب لوگوں کی یہ حالت ہو تو بستی کے اندر اور بستی کے باہر اُسکے متعلقات میں بھاگ کر جا کر رہنا کسی طرح جائز نہ ہوگا بلکہ یہ فرار میں داخل ہوگا پس جن لوگوں نے حدیث مطلق کو بستی کے اندر یا متعلقات کی قیدیں لگا کر مقید کیا ہے اور اُسکو فلاں فلاں حالتوں پر محمول کیا ہو یہ سب غلط اور حدیث میں اصلاح دینا ہو جو کسی مسلمان کے نزدیک جائز نہیں ہو سکتا جو لوگ یہ قید لگاتے ہیں کہ موثر حقیقی اللہ تعالیٰ ہی کو سمجھے تو جانا درست ہو یا دفع وحشت یا علاج کرنے یا تجارت کرنے یا اور کسی ضرورت سے چلا جائے تو درست ہو یہ سب قیدیں غلط اور من گھڑت ہیں اگر اسی طرح ہر شخص کہنے لگے تو بھاگنا ہی درست ہو جائیگا اور ایک کو جانے اور بھاگنے سے دوسرا بھی حیلہ نکال کر بھاگنا چاہیگا اور ضرور نقصان متعدی ہوگا پس کوئی صورت ایسی نہیں جس سے گناہ متعدی نہ ہوتا ہو یا کم از کم گناہ لازمی نہ لازم آتا ہو اسلئے اس وقت بلکہ ہر زمانہ میں مطلقاً بستی سے نکلنے بلکہ گھر چھوڑنے ہی سے ممانعت کرنا ضرور ہو اب دریافت طلب یہ ہے کہ زید کا یہ اعتقاد و عمل جو اوپر مذکور ہوا موافق شریعت کے ہے یا نہیں اور زید کو کیا سمجھنا اور اس کی بات کو ماننا چاہیئے یا نہیں۔

الجواب۔ احکام شرعیہ بعضے معلل ہوتے ہیں اور اُس علت کو مجتہدین اپنے ذوق اجتہادی سے سمجھ جاتے ہیں اور یہ اجتہاد وہ رائے نہیں ہے جسکی مذمت وارد ہے کیونکہ اجتہاد کا استعمال بلا نکیر صحابہ سے قاطبۃً ثابت ہے اور وہ علت کبھی صراحۃً منقول ہوتی ہے کبھی اشارۃً مفہوم ہوتی ہے اس تمہید کے بعد جاننا چاہیے کہ راحت المحزون میں کنز العمال سے یہ روایت نقل کی ہے فکتب الیہ (ابی عبیدۃ) عمر ان الاردن ارض عمیقۃ وان الجابیۃ ارض نزھۃ فاظھر بالمہاجرین الیھا اھ باوجودیکہ حضرت عمر رضی اللہ کو حدیث مرفوع نہی عن الفرار پر اطلاع تھی اس سے مفہوم ہوا کہ علت نہی کی آپ کے نزدیک لوازم معصیت کا ضائع ہوجانا سمجھا تھا اسی بناء پر چونکہ سب کے منتقل ہوتے میں ضیاع مذکور نہ تھا اسلئے آپنے اجازت دیدی اور حضرت عمر رضی اللہ عنہ مجتہد ہیں اسلئے یہ علت معتبر ہوگی چونکہ نقل عن المکان یا خروج الی الفناء میں یہ علت نہیں ہے اسلئے نہی نہوگی۔ دوسری حدیث میں بارض اور ببلدۃ الفاظ آئے اور حدیث ایک دوسرے کی مفسر ہوتی ہے معلوم ہوا کہ ارض سے مراد بلد ہی ہے اور فناء بلد احکام میں مثل بلد کے ہے پس قرار فی البلد کو فرار کہنا حدیث کے مقابلہ میں لائے لگا ہے اس تقریر سے سب شبہات کا جواب ہوگیا۔ ۱۲ شعبان ۱۳۲۲ھ

سوال۔ نقل مکان میں اگر نقل بلد کے ساتھ نہ ہو مجھکو شبہ ہے کیونکہ حکم تو عام اور مطلق ہے جو مشتمل ہے تمام افراد خروج دخول کو پس مخصص کونسا حکم ہے جسمیں نقل مکان کی فرد خاص ہے اور جو علت نقل بلد میں متحقق ہے وہی نقل مکان میں جواب شافی مرحمت ہو۔

الجواب فی المشکوۃ عن البخاری عن عائشۃ قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم لیس من احد یقع الطاعون فیمکث فی بلدہ الخ وفیہا عن الشیخین عن اسامۃ قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اذا وقع بارض وانتم بھا فلا تخرجوا فرارا منہ چونکہ طبعاً وعرفاً وشرعاً لازم ہے کہ ترغیب اسی امر پر ہوتی ہے جسکے ترک پر ترہیب ہو اور ترغیب میں مکث فی البلد کا عنوان ہے اس سے معلوم ہوا کہ اسی ترک مکث فی البلد پر ترہیب ہوگی پس یہ قرینہ ہے کہ ارض کی تفسیر بلد ہے ونیز آکثر احکام شرعیہ فقہیہ میں تمام بلد وما یلحق بہ کو حکم موضع واحد میں ٹھیرایا ہے جیسے اقامت جمعہ میں فناء مصر حکم مصر میں ہے اسلئے تمام امکنہ بلد واحد کو حکم مکان واحد میں کہا جاویگا۔ یہ کلام تو متعلق نص کے ہے رہی علت سو وہ محققین کے نزدیک ضیاع حقوق مرضی واموات ہے اور نقل مکان فی البلد الواحد میں یہ علت نہیں لہذا معلول یعنی نہی بھی نہیں واللہ اعلم۔

سوال۔ مقام طاعون سے بخوف طاعون بھاگنا کیسا ہے جو مسلمان طاعون سے بھاگ کر دوسری جگہ چلے گئے اور پھر وہاں جا کر بھی طاعون سے نہ بچے اور اسی عارضہ میں مبتلا ہو کر مرے تو انکا شمار شہیدوں میں ہوگا یا نہیں۔

الجواب۔ یہ بھاگنا حرام ہے اور قاعدہ ہے کہ جو شخص معصیت کے سبب مرے وہ شہید نہیں ہوتا اور جو شخص معصیت میں کسی سبب شہادت سے مرجاوے وہ شہید ہے اور گناہ کا وبال جدا رہا پس یہ شخص کو معصیت کی حالت میں مرا ہے مگر مرا ہے سبب شہادت سے اسلئے شہید ہوگا فی رد المختار قبیل باب الصلوٰۃ فی الکعبۃ من غرق فی قطع الطریق فھو شہید وعلیہ اثم معصیتہ وکل من مات بسبب معصیۃ فلیس بشہید وان مات فی معصیۃ بسبب من اسباب الشہادۃ فلہ اجر شہادتہ وعلیہ اثم معصیتہ وکذلک لو قاتل علی فرس مغصوب او کان قوم فی معصیۃ فوقع علیھم البیت فلھم الشہادۃ وعلیھم اثم المعصیۃ اھ فقط ۶ شعبان ۱۳۲۲ھ

سوال۔ بخوف طاعون مقام طاعون کی آبادی سے فرار کرکے اسکے مضافات میں یعنی آبادی سے کم و بیش ایک میل کے ایسے فاصلہ پر چلا جانا جو آبادی کے اکثر ضروریات کو پورا کرتا ہو کیا داخل فرار عن الطاعون ہوگا جسکی ممانعت و حرمت حدیث عبد الرحمن رضی سے جو بخاری کی جلد رابع باب ما یذکر فی الطاعون میں مروی ہے ثابت ہے اگر داخل فرار طاعون ہوگا تو کیوں جبکہ مسافر کو رباعی نماز میں موضع اقامت کی عمارات سے نکلنے سے فوراً قصر واجب ہو جاتا ہے جیسا کتب فقہ سے ثابت ہے کہ شہر کا اطلاق محض عمارات پر ہوتا ہے کہ فنا ر عمارات پر۔

الجواب۔ فنا مصر حکم مصر میں ہے در باب مصالح بلد کے اور سکنے مصالح بلد سے ہے مثل اقامت جمعہ کے اسلئے فنا ر شہر میں آکر رہنا مثل شہر میں رہنے کے ہے بخلاف سفر کے کہ وہ مصالح بلد میں سے نہیں بلکہ مقابل ہے مصلحت بلد یعنی سکنے کا اسکے بارہ میں فنا ر حکم بلد میں نہیں اور فنا ہی سے قصر شروع ہو جاتا ہے فی الشامیۃ عن الشرنبلالی بخلاف الجمعۃ فتصح اقامتھا فی الفناء ولو منفصلا بمزارع لان الجمعۃ من مصالح البلد بخلاف السفر ج ۱ ص ۵۲۴ واللہ اعلم ۶ صفر ۱۳۲۷ھ

سوال۔ اذان دینا واسطے دفع وبا کے جائز ہے یا ناجائز اور جو لوگ جواز استدلال میں حصن حصین اذا تغولت الغیلان نادی بالاذان پیش کرتے ہیں یہ استدلال انکا درست ہے یا نہیں اور اس حدیث

کا کیا مطلب ہے اور ایسے ہی یہ جو حدیث میں آیا ہے کہ شیطان اذان سے اسقدر دور بھاگ جاتا ہے جیسے روحا (ایک مقام ہے مدینہ سے .... فاصلہ پر) اور طاعون اثر شیاطین سے ہے اس کا کیا مطلب ہے۔

الجواب اس باب میں دو حدیثیں معروف ہیں ایک حصن حصین کی مرفوع اذا تغیلت الغیلان نادی بالاذان دوسری صحیح مسلم کی موقوف حضرت سہل سے قال ارسلنی ابی الی بنی حارثۃ قال ومعی ... الحائط فلم یر شیئا الی قولہ اذا سمعت صوتا فناد بالصلوۃ فانی سمعت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اذا نودی للصلوۃ ولی الشیطان ولہ حصاص اور حصن حصین میں مسلم کا جو حوالہ دیا ہے وہ یہی حدیث ہے اور دونوں حدیثیں مقید ہیں اذا تغیلت اور اذا سمعت صوتا کے ساتھ اور تغول کے معنی حرز ثمین میں نہایہ سے نقل کئے ہیں یتغول تغولا ای یتلون تلونا اور حاصل اس حدیث کا یہ لکھا ہے اذا رأی اشیاء منکرۃ او تخیلت لہ خیالات مستنکرۃ او تلونت لہ اجسام مکروھۃ اور جو حکم مقید ہوتا ہے کسی قید کے ساتھ اسمیں قائلین بمفہوم المخالف کے نزدیک تو عدم القید مفید ہوتی ہے عدم الحکم کو اور غیر قائلین بالمفہوم کے نزدیک گو عدم الحکم کو مفید نہو مگر حکم کو بھی مفید نہیں بلکہ عدم القید کی صورت میں حکم اپنے وجود میں محتاج دلیل مستقل کا ہوتا ہے اور ظاہر ہے کہ طاعون میں دونوں قیدیں منتفی ہیں کیونکہ اسمیں نہ شیاطین کا تشکل اور تمثل ہے اور نہ انکی آواز مسموع ہے ہوتی ہے صرف کوئی اثر مبطن ہے جسکے بارہ میں یہ حدیث مرفوع آئی ہے فنا امتی بالطعن والطاعون قالوا یا رسول اللہ ھذا الطعن قد عرفناہ فما الطاعون قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم وخز اعدائکم من الجن اخرجہ احمد عن ابی موسیٰ کذا فی بعض الرسائل عن فتح الباری للعلامۃ ابن حجر پس جب اسمیں قیدیں منتفی ہیں تو حدیثیں مذکورین سے اسمیں حکم اذان کا بھی ثابت نہوگا پس دوسری دلیل شرعی کی حاجت ہوگی اور چونکہ بوجہ اشتمال اذان کے حی علی الصلوۃ وحی علی الفلاح پر غیر صلوۃ کیلئے اذان کہنا حکم غیر قیاسی ہے اور ایسے حکم کا تعدیہ قیاس سے صحیح نہیں اسلئے وہ دلیل شرعی کوئی نص ہونا چاہئے محض قیاس کافی نہیں اور طاعون میں کوئی نص موجود نہیں اگر کہا جائے کہ حدیث مسلم میں صحابی کا سماع صوت شیطان کے وقت حکم بالاذان کیساتھ معتقضی ہے صحت تعدیہ اس حکم کو دوسرے محل پر بھی جہاں دفع شیطان کی حاجت ہو اور طاعون میں اسکی حاجت ہے پس اسی علت سے طاعون کو بھی سماع صوت پر قیاس کرلیا جاویگا جواب یہ ہے کہ اول تو بدلیل مذکور یعنی بوجہ اشتمال اذان کے حی علی الصلوۃ وحی علی الفلاح پر غیر نماز کیلئے اذان کہنا حکم مخالف قیاس ہے اور ایسے حکم کا تعدیہ

ومعی غلام لنا او صاحب لنا فناداہ مناد من الحائط باسمہ قال فاشرف الذی معی علی

قیاس سے جائز نہیں ہوتا بلکہ مورد نص پر مقتصر رہا کرتا ہے یہی وجہ ہے کہ غیر صلوۃ کے جن مواقع پر اذان
وارد ہوئی ہو اُن میں احادیث سے استدلال کیا گیا ہو چنانچہ رد المحتار میں ایسے مواقع نقل کر کے کہا ہے
لان ماصح الخبر فیہ بلامعارض فھو مذھب المجتھد اور آگے کہا ہے ونقل الاحادیث الواردۃ
فی ذلک اور یہی وجہ ہو کہ جسمیں نص نہ تھی اُسکو علماء نے رد کر دیا ہو چنانچہ شامی نے موقع مذکور میں
کہا ہو قیل وعند انزال المیت القبر قیاسا علی اول خروجہ للدنیا لکن ردہ ابن حجر فی شرح
العباب اور حدیث بالا میں ممکن ہو کہ صحابی نے رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم سے بالخصوص یہ حکم سنا
جیسا غیر مدرک بالرائے میں حدیث موقوف کو مرفوع حکمی کہا جاتا ہے اور حدیث قولی کو ذکر کرنا تعلیل کیلئے
نہو بلکہ بیان حکمت حکم منصوص کیلئے ہو اور اگر اس سے غض بصر کر کے اس حکم کو قیاس ہی مان لیا جاوے
تب بھی صحت قیاس کیلئے اول تو مجتہد ہونا قائس کا شرط ہو اور طاعون میں اذان کہنا کسی مجتہد سے
منقول نہیں اور اب قیاس مفقود ہو دوسرے صحت قیاس کیلئے اشتراک علت موثرہ کا درمیان مقیس
اور مقیس علیہ کے شرط ہے اور یہاں علت مؤثرہ اگر محض احتیاج الی دفع الشیطان ہو تو لازم آتا ہے کہ
جتنے امور از قسم تصرفات خفیہ شیطانیہ ہیں سب کے لئے اذان مشروع ہو مثلاً استحاضہ کی نسبت حدیث میں ہے
رکضۃ من رکضات الشیطان تو اس کا علاج بھی اذان سے مشروع ہونا چاہئے ولاقائل بہ اس سے
معلوم ہوا کہ یہاں علت مؤثرہ میں کوئی اور وصف بھی معتبر ہے سو ممکن بلکہ غالب یہ ہو جیسا کہ اُن
مواقع میں تأمل کرنے سے جہاں اذان بہیئت اذان صلوۃ وارد ہوئی ہے معلوم ہوتا ہے کہ وہ وصف
یہ ہو کہ وہ حادثہ دفعۃً پیش آجاوے اور فی الفور ہی اُسکے علاج کی احتیاج ہو چنانچہ وہ مواقع یہ ہیں عند
مزدحم الجیش وعند الحریق وعند تغول الغیلان وخلف المسافر ولمن ضل الطریق فی
ارض قفر کذا فی رد المحتار ان سب مواقع میں وصف مذکور مشترک ہو اور جو اذان بہیئت اذان صلوۃ
نہو اسمیں بحث نہیں کالاذان فی اذن المولود والمھموم والمصروع والغضبان ومن
ساء خلقہ من انسان او بھیمۃ کما فی رد المحتار الخ اور ظاہر ہے کہ طاعون میں یہ وصف دفعتاً
ہے چنانچہ اس کا عروض ومعالجہ دونوں اسقدر متدرج اور ممتد ہیں کہ عین اُسکے دوران میں خود نماز کی متعدد
اذانیں ہو جاتی ہیں جو دفع اثر جنات کیلئے کافی ہیں خود اُسکے لئے مستقل اذان کی کچھ حاجت نہیں اور یہی
سر ہے وصف مذکور کے علت مؤثرہ ہونے میں کیونکہ جو امر فوری نہو اُسکے لئے اذان صلوۃ کافی ہو سکتی تھی البتہ

جہاں کان میں اذان کہی جاوے چونکہ اذان صلوۃ کان سے منہ قریب کرکے نہیں ہوتی لہذا اُس میں
علت منوگی اور نہ طاعون میں یہ وصف عملاً ہو کیونکہ جب مریض کو عین عروض مرض کا وقت ہوا اُس وقت کوئی
بھی اذان نہیں کہتا بلکہ شب و روز میں کیفما اتفق یا کسی وقت کی تعیین کیساتھ اذان کا معمول ہو خواہ عروض
مرض اُسکے قبل ہو یا بعد ہو سو اوپر معلوم ہو چکا ہے کہ بلا وصف فور تو پانچ وقت کی اذان ہی کافی ہے اور
یہی وجہ ہو کہ اذان میں جو علاوہ خاصیت تولی شیطان کے اور خواص حدیثوں سے ثابت ہوئے ہیں مثل
اجابت دعا عند اللہ اور شہادت اشیاء علی ایمان المؤذن اُنکی تحصیل کیلئے مستقل اذان کی کسی نے
اجازت نہیں دی کیونکہ اذان نماز کی اُسکے لیے کافی ہے ورنہ چاہیئے کہ جب بیمار کرنا ہو پہلے اذان کہہ لینا
جائز ہو خواہ کوئی وقت ہو یا اسی طرح جب اشیاء کو شاہد ایمان بنانا ہو ولا قائل بہ۔ اور جاننا چاہیئے کہ جواب
ثانی میں جو کہ علی سبیل التنزل ہے تبرعاً غض بصر کر لیا گیا ہو تاکہ طاعون میں اذان کا ثبوت اس تقدیر پر بھی
نہ ہو سکے ورنہ نفس الامر میں یہ حکم غیر قیاسی ہو پس اس قیاس سے زلزلہ وغیرہ کیوقت بھی اذان کی گنجائش نہیں
ہو سکتی تیسرے خود یہی امر معرض کلام میں ہو کہ آیا یہ طاعون سبب وخز جن سے ہے جیسا کہ اطلاق حدیث اسکا
مرجح ہے یا بعض طاعون اسکا سبب ہے جیسا حملہ کا قوت جزئیہ میں ہونا اس کا مصحح ہے جب خود مبنی یعنی
وخز جن ہی مشکوک فیہ ہو تو مبنی یعنی اذان کا کیسے ثبوت ہو جاویگا چوتھے اسمیں بہت سے مفاسد لازم آتے
ہیں مثلاً التباس مصلین بوجہ غلبہ جہل اہل زمانہ کے اور توحش ضعیف القلب لوگوں کا کہ وہ اُنکے ذہن
میں تخیل ہجوم مرض کی تجدید کر دیتا ہو اور عوام الناس کا اذان کے بھروسہ اصلاح اسال و استغفار و دعا
الٰہی سے بیفکر ہو جانا اور اسکو احکام مقصودہ سے سمجھنے لگنا وغیرہ وغیرہ تو ایسی حالت میں تو جائز بھی ناجائز
ہو جاتا ہو چنانچہ تغول وغیرہ کے مواقع میں جو اذان وارد ہو اُسمیں بھی عدم لزوم مفسدہ شرط ہو۔ پس تقریر
مذکور سے ثابت ہو گیا کہ حدیث تغیل سے استدلال کرنا اس باب میں درست نہیں اور یہ اذان محض احداث فی
الدین ہو اور یہی وجہ ہو کہ طاعون عمواس میں باوجود شدت احتیاج کے کسی صحابی سے منقول نہیں کہ طاعون
کیلئے اذان کا حکم دیا ہو یا خود عمل کیا ہو اور سوال ثانی میں حدیث کا مدلول تو ظاہر ہے اگر اسکے متعلق کوئی
خاص امر پوچھنا ہو تو تصریح اور تعیین کرنا چاہیئے اور سوال ثالث میں جس حدیث کی طرف اشارہ ہو اُسکے تحقق
کی صورت قریب الی الفہم یہ ہو سکتی ہو کہ وخز جن سے مادہ سمیہ کا حدوث ہو جاتا ہو جس سے ہیجان دم یا
انصباب دم عارض ہوتا ہو خواہ ہمیشہ یا کبھی کبھی جیسا اوپر گزرا باقی حقیقت حال اللہ کو معلوم ہو ۲۰ ربیع الثانی

سوال۔ حدیث الطاعون کے جملہ فلا تخرجوا فرارًا منہ کی مثال مثلاً آیۂ ولا تمش فی الارض
مرحًا کی ہے تو جیسے مطلق مشی منع نہیں ہے ایسے حدیث سے مطلق خروج منع نہیں بخلاف دخول کے کہ ظاہر
حدیث میں مطلقًا منع ہے اور ظاہر ہے کہ فرار سے مراد ترک مکان ہے اب رہا یہ کہ نہی فرار اگر مطلق غیر مخصوص
وغیر معلل ہے تو بغیر مجبوری مثلاً بدبو نا قابل برداشت غیر قابل دفع وغیرہ بقصد تبدیل آب وہوا ایک کوٹھری
سے دوسری کوٹھری میں یا ایک مکان سے دوسرے مکان میں کیا اندرون کیا بیرون شہر کیا دوسرے شہر میں
جائز نہ ہونا چاہئے تاکہ تفویض وتسلیم کے خلاف نہ ہو مگر یہ کہا جائے کہ باعانت روایت ثانیہ ارض سے
مراد بلد ہے اور فنا بلد حکم میں بلد کے ہے تو فنا بلد تک فرار جائز ہوگا اور اگر نہی فرار بلد کی مخصوص ہے یعنی
معتقدین تعدیہ کیلئے ہے جیسا کہ درمختار کا مفہوم ہے تو اول تخصیص کی دلیل کیا ہے دوسرے شرط فنا بلد
کی معتقدین عدم تعدیہ کیلئے نہیں ہوگی یہ لوگ نہی میں داخل نہیں تو شرط کیسی اور اگر حضرت عمر رضی اللہ عنہ
کے قول کی وجہ سے معلل بعلت تضییع مرضیٰ کہہ کے شرط کہی جائے تو اول تو انھوں نے تو وارد لشکریاں کے
بارہ میں حکم صادر فرمایا تھا دوسرے یہ کہ اگر قبل طاعون عسکر کا قیام اردن میں کافی طریق سے ثابت ہو جائے
تو بھی اردن وجابیہ ملک شام کے دو شہر ہیں لہذا قبیلہ بلد وبائی سے دوسرے بلد میں فرار کریں یا چند اشخاص
قریب کے موضع میں فرار کریں اور بوقت ضرورت شریک اہل مصائب ہوا کریں یا ایسے لڑکے دوسرے موضع
میں بھیج دیئے جائیں جو شریک نہیں ہوا کرتے تو جائز ہونا چاہئے خلاصہ یہ کہ فلا تخرجوا فرارًا منہ مذہب
قوی میں مخصوص ہے یا غیر مخصوص معلل ہے یا غیر معلل اگر مخصوص ہے تو دلیل کیا ہے اور مخصوص ہونے کی حالت
میں کسی کو دوسرے شہر میں فرار جائز ہے یا نہیں اور اسی طرح حضرت عمر رضی اللہ عنہ کا قول لو وارد کے بارہ میں
ہے یا مقیم کے اور اگر مقیم کے بارہ میں ثابت ہو تو بصورت عدم خلل پذیر ہونے علت کے مثلاً صورۃ ثلثہ مذکورہ
میں معتقد تعدیہ یا غیر تعدیہ فرار دوسرے شہر میں جائز ہے یا نہیں اور اگر نا جائز ہے تو حضرت عمر رضی اللہ نے دوسرے
شہر میں جانے کا کیوں حکم فرمایا۔

الجواب۔ میرے نزدیک محقق یہ ہے کہ نہی عن الفرار معتقد تعدیہ اور غیر تعدیہ کو تو عام ہے لاطلاق الاحادیث
لیکن مقیمین کے ساتھ خاص ہے یدل علیہ قولہ علیہ السلام فیمکث فی بلدہ رواہ البخاری اور احکام
میں وطن اصلی اور وطن اقامت یکساں ہے حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے فعل پر بھی شبہ رہا البتہ بعض محققین
نے اسکو معلل کہا ہے بتضییع حقوق جیران کیساتھ اور اس سے صحاح کے نقل کا جواز لازم نہیں آتا کیونکہ منجملہ حقوق جیر

قلوب بھی ہو اور نقل صغار میں بھی کسر قلوب یقینی ہو تقریر سوال کا جو حاصل میں نے سمجھا ہو اُسکے موٗ یہ جواب انشاء اللہ کافی ہے اور اگر کوئی جزو رہ گیا ہو تو مکرر پوچھ لیا جائے۔ ۱۸ شعبان ۳۲ھ

سوال بر جواب بالا - فقرہ حدیث فلا تخرجوا فرارا منہ سے شہر سے باہر فرار کرنیکی ممانعت ہے لہذا شہر کے حدود میں فرار جائز ہوگا لیکن قریب کے دوسرے موضع میں یا دوسرے شہر میں کسی حالت میں فرار جائز ہے یا نہیں اور اگر معلل ہو کسی حالت میں بھی جائز نہیں ہو تو حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے شہر اردن سے شہر جابیہ جانیکا حکم کیوں فرمایا تھا۔ اور قول حضرت عمر رض کے محی طبیبین نے شہر اردن کو قبل طاعون زدہ ہونیکے وطن اقامت بنایا تھا یا بعد طاعون ہونیکے اگر بعد شروع طاعون کے کیا تو اس قول سے معللیت حدیث پر استدلال صحیح ہو یا نہیں۔ اور اسقدر اضافہ کرتا ہوں کہ فقرہ حدیث فلا تدخلوا فیہ مطلق ہے تو مطلقاً دخول منع ہو یا جائز ہے اور جائز ہے تو کسی مجبوری کی وجہ سے یا بغیر مجبوری بھی مثلاً دوسرے موضع سے طاعونی مواضع میں جاکر مریض کو دیکھنا یا جمعہ پڑھنا یا تکفین یا عیادت کرنا وغیرہ جائز ہے یا نہیں اور اگر جائز ہے تو نکرنیوالا ملام و گنہگار ہوگا یا نہیں -

الجواب عن السوال علی اصل الجواب ۱ جائز نہ ہوگا لوجود الفرار ۲ کیونکہ نہی حالت مقیمین کیساتھ کما ذکر فی الجواب السابق ۳ محمول اسپر ہوگا کہ وطن اقامت نہ بنایا تھا جیساکہ غالباً لشکر مفازہ میں رہتا ہو ۴ یہ جزو سوال کا سمجھ میں نہیں آیا بوجہ اجمال عبارت کے مگر یہ مبنی ہو وطن اقامت بنانے پر اور وہ خود ثابت نہیں (الجواب عن الاضافۃ) ۵ مطلقاً منع نہیں لان الضرورۃ مستثناۃ باطلاق الدلائل ۶ حاجت کیوقت جائز ہے گو وہ درجہ مجبوری تک نہ پہنچی ہو مگر جائز ہو خواہ دوسرے دلائل سے واجب ہو یا نہ ہو اگر واجب بھی ہوگا تو ترک پر ملامت ہوگی و الا فلا فقط ۱۸ شعبان ۳۲ھ

سوال قبل ابتلائے مرض بطور حفظ ما تقدم تدبیر تداوی جائز ہے یا نہیں۔

الجواب - تداوی بالمباح قبل سے بھی جائز ہے - ۱۲ صفر ۳۳ھ

سوال ساصول ڈاکٹری طاعونی ٹیکہ اندازی جسکا عرق بقول بعض موش دخرموش متاثرہ طاعون کا عصارہ کیا جاتا ہو اور بقول بعض لحم خنزیر کا عصارہ بھی آمیں ممزوج ہونا بیان کیا جاتا ہو باقی حال اجزائے نجسہ کا بذریعہ ٹیکہ جسم و خون میں بخلاف ارشاد الشفاء فی الحرام دائرہ سائر کرنا درست ہوسکتا ہو یا کیا

الجواب - بیقین شفا میں بعض متاخرین نے تداوی بالحرام کی رخصت دی ہو - کذا فی الدر المختار ۱۲ صفر ۳۳ھ

سوال۔ دوسرے طاعونی مقام سے تخلیہ و نقل مکان جو طبّاً ضروری خیال کیا گیا ہے جائز ہے یا نہیں۔

الجواب۔ انتقال بلد درست نہیں ایک ہی بلد میں محلہ یا دار کا نقل درست ہے، ۱۲ صفر ۱۳۳۰ھ۔

سوال۔ ایک فریق مسلمانوں کا طاعون سے فرار کو مثل فرار عن الزحف خیال کرتا ہے جسکی تائید آیۂ قرآنی (قل لن ینفعکم الفرار ان فررتم من الموت او القتل واذا لا تمتعون الا قلیلا) سے ہوتی ہے دوسرا فریق فرمان نبوی (فر من المجذوم کما تفر من الاسد) کے احتجاج پر خلاف ارشاد سرا پا رشاد (لا طیرۃ ولا عدوی) مرض طاعون کے تعدیہ و سرایت کا قائل ہو کر فرار کو اقرار پر مقدم سمجھتا ہے ان دونوں میں کون صواب پر ہے۔ بینوا

الجواب۔ نہی عن الفرار من الطاعون منصوص ہے۔ اور اجازت اسکی فرار من المجذوم پر مقیس ہے اور یہ مقدم ہے قیاس پر لہذا قول نہی صواب ہے۔ ۱۲ صفر ۱۳۳۰ھ

سوال۔ تاریخ سے ثابت ہے کہ یہ مرض قرون سابقہ بلکہ زمانۂ صحابہ رضی اللہ عنہم میں بھی ہوا کیا ہے آیا یہ روایت صحت کو پہونچی ہے کہ خلیفہ دوم جناب عمر رضی اللہ عنہ نے اس لشکر اسلام کو جو با مارت حضرت ابو عبیدۃ بن الجراح رضی اللہ عنہ معرکہ شام میں گیا تھا بمقام عمواس یہ مرض طاعون شائع ہونے کی اطلاع ہونے پر تخلیہ و تبدیل مقام کا فرمان صادر فرمایا تھا۔

الجواب۔ منقول تو ہے اور ورود صحت کی تحقیق نہیں لیکن اگر مان بھی لیا جاوے تب بھی فرار کے جواز کی دلیل نہیں ہو سکتا کیونکہ علت نہی کی تضییع حقوق مرضی وموتی ہے اور وہ انتقال البعض میں ہے اور یہاں نقل کل کی ہوئی لہذا اس پر قیاس نہیں ہو سکتا۔ ۱۲ صفر ۱۳۳۰ھ

سوال۔ اگر طاعونی مقام سے کوئی شخص فرار کرے اور اس کا یہ عقیدہ ہو کہ اگر بھاگ جاؤنگا تو ضرور بچ جاؤنگا اور اگر نہ بھاگوں گا تو ضرور مر جاؤنگا تو ایسے شخص کی طرف کفر کی نسبت کر سکتے ہیں یا نہیں۔

الجواب۔ نہیں مگر سخت گنہگار ہے۔

سوال۔ اگر کوئی شخص طاعونی مقام پر سے بغیر عقیدہ مذکورہ[عہ] بالا محض بخوف طاعون بلا لحاظ کسی دوسری ضرورت وعوارض کے بھاگ جائے تو وہ مرتکب کبیرہ کا ہے یا نہیں اور شیخ عبدالحق محدث دہلوی صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے اشعۃ اللمعات میں حدیث الفار من الطاعون کالفار من الزحف کی شرح میں جو فرمایا ہے کہ (از یں حدیث معلوم میشود کہ گریختن از طاعون گناہ کبیرہ است چنانکہ فرار از زحف اگر اعتقاد کند کہ اگر بگریزد البتہ می میرد

[عہ] یعنی اس سوال سے قبل جو سوال ہے اس میں جو عقیدہ مذکور ہے کہ اگر بھاگ جاؤں گا الخ ۱۲۔

اگر یزید بسلامت می ماند آں خود کفر ست) تو یہ حکم صحیح اور قابل تسلیم ہے یا نہیں

الجواب۔ یہ مرتکب کبیرہ کا ہے اور شیخ کا حکم کبیرہ کا بلا تاویل صحیح ہے اور کفر کا حکم اس تاویل سے صحیح ہے کہ جب وہ خدا تعالیٰ کو اسکے خلاف پر قادر نہ سمجھے جیسا کہ اہل سائنس کا اصل مذہب ہے۔

سوال۔ اگر کوئی شخص کسی مقام سے بوقت شدت طاعون کسی دوسرے شہر میں چلا جائے اور ظاہر کرے کہ میں بغرض تبدیل آب و ہوا گیا تھا اور اس قسم کا نقل مکان جائز ہے تو ایسا شخص فرار من الطاعون کا مصداق ہے یا نہیں اور اگر اس طرح کا نقل مکان جائز ہے تو فرار من الطاعون کی کونسی صورت ہوگی اور حدیث الفار من الطاعون کالفار من الزحف وغیرہ دیگر احادیث مشعر حرمت فرار کس پر محمول ہونگی۔ بینوا بالکتاب توجروا یوم الحساب

الجواب۔ جب علت ذہاب کی طاعون ہو تو یہ بھی فرار ہے۔ ۲۲ رجب ۱۳۳۱ھ

تقریر دافع اشکال متعلق نہی از دخول مقام طاعون

اس حقیر سے ایک طبیب ماہر فن نے سوال کیا کہ جب حدیثوں سے عدوی یعنی تعدیہ مرض کی نفی ثابت ہوتی ہے تو پھر مقام طاعون میں جانے کی ممانعت کی کیا وجہ البتہ اگر عدوی ثابت مانا جاوے تو وجہ اس نہی کی ظاہر ہے کہ مرض سے بچانے کے لئے ہے انتہی بمعناہ۔ احقر نے اسکے جواب میں ایک تقریر عرض کی تھی چونکہ مجمع حاضرین کو جنمیں اکثر اہل علم تھے اس سے شفا ہوئی اسلئے اسکا ضبط اور اشاعت کرنا مستحسن معلوم ہوا وھو ہذا۔

قلت۔ اسکی تحقیق موقوف ہے اس پر کہ اول عدوی کے متعلق تحقیق کیجاوے کہ اسکی کچھ اصل ہے یا نہیں سو اس باب میں دو قسم کی حدیثیں ہیں اول وہ جن سے ظاہرا عدوی کی نفی ہوتی ہے جیسے حدیث لا عدوی اور دوسری وہ جن سے اسکے وجود کا شبہ پڑتا ہے جیسے حدیث فر من المجذوم کما تفر من الاسد یعنی جذامی سے ایسا بھاگ جیسے شیر سے بھاگتا ہے اور بھی حدیثیں اس مضمون کی آئی ہیں چونکہ ظاہراً ان میں صورت تعارض کی معلوم ہوتی ہے اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے دونوں ارشادوں میں بوجہ آپکے صادق و مصدوق ہونے کے حقیقۃً تعارض ہو نہیں سکتا لان المتعارضین یستلزم صدق احدھما کذب الآخر والکذب ینافی النبوۃ اسلئے ان حدیثوں میں جمع کرنا ضرور ہوا پس جمع کے باب میں علماء نے دو مختلف مسلک اختیار کئے بعض نے لا عدوی کو اپنے ظاہر پر رکھکر فر من المجذوم وغیرہ میں تاویل کی اور بعض نے فر من المجذوم کو ظاہر پر رکھکر لا عدوی کو ظاہر سے منصرف کیا چنانچہ اہل مسلک اول نے یہ کہا ہے کہ عدوی مطلقاً در اصل منفی ہے

اس کا کسی درجہ میں بھی وجود نہیں اور جذامی سے بچنے کا جو امر فرمایا ہے نہ کہ احتمال عدویٰ سے بلکہ بسد ذرائع
کے طور پر اعتقاد عدوی سے حفاظت کرنیکے لئے یعنی اگر جذامی سے اختلاط کیا اور اتفاق سے ابتداءً اسکو بھی
مستقل سبب سے جذام ہوگیا تو اس شخص کو یہ شبہ ہو سکتا ہے کہ شاید جذام کا تعدیہ ہوا ہے اور اسمیں فساد اعتقاد
ہے پس اس سے دور ہی رہنا چاہئے تاکہ کسی حال میں تعدیہ کا احتمال پیدا نہ ہو اور اہل مسلک ثانی نے یہ
کہا ہے کہ عدوی کی نفی سے مطلقاً نفی کرنا مقصود نہیں کیونکہ اسکا مشاہدہ ہے گو اس مشاہدہ کا اہل مسلک
اول یہ جواب دیسکتے ہیں کہ مشاہدہ اگر ہے تو صرف اسقدر ہے کہ ایک مریض کے اختلاط کے بعد دوسرا
شخص مریض ہوگیا مگر اس سے تسبب اول کا ثانی کیلئے اور ترتب ثانی کا اول پر کیسے ثابت ہوا اقتران فی
الوجود دلیل تاثیر نہیں ہو سکتی مگر اہل مسلک ثانی نے اسکو خلاف ظاہر سمجھ کر یہ کہا کہ مطلق عدوی کی نفی
اس سے مقصود نہیں بلکہ اس عدوی کی نفی مقصود ہے جسکے قائل اہل جاہلیت تھے اور جسکے معتقدین سائنس
اب بھی قائل ہیں یعنی بعض امراض میں خاصیت طبعی لازمی ہے کہ ضرور متعدی ہوتے ہیں تخلف کبھی ہوتا
ہی نہیں سو اسکی نفی فرمائی گئی ہے اور یہ معنی جس طرح نص سے منفی ہیں اسی طرح مشاہدہ سے بھی منفی ہیں چنانچہ
مثلاً کسی مقام پر طاعون ہی پھیلتا ہے بعد انقطاع کے حساب کیا جاتا ہے تو اموات کی تعداد محفوظین کی تعداد
سے بہت کم ہوتی ہے اگر عدوی ضروری ہوتا تو اس کا عکس ہوتا بلکہ کوئی بچتا ہی نہیں غرض تعدیہ کے طبعی
ولازمی ہونیکی نفی فرمائی گئی ہے اور اگر مثل دوسرے اسباب محتملہ کے اسکو بھی مفضی فی الجملہ و مؤثر فی
وقت دون وقت مان لیا جاوے جیسے محققین اطبا جس جگہ افعال و خواص قویٰ طبعیہ اعضاء کے یا اغذیہ
وادویہ کے بیان کرتے ہیں وہاں باذن خالقہا کی قید بھی لگا دیتے ہیں اسطرح سے عدوی کے قائل ہونیمیں
کچھ حرج نہیں اور فرار من المجذوم کی علت اسی درجہ کے احتمال عدوی کو قرار دیا ہے اور حدیث میں حضور
اقدس صلے اللہ علیہ وسلم کا ایک سائل کے جواب میں (جس نے ایک اونٹ کے خارشتی ہونیکے بعد دوسرے
اونٹوں کے خارشتی ہوجانیکا اشکال پیش کیا تھا) یہ فرمایا کہ فمن اعدی الاول یعنی پہلے اونٹ کو کسنے
بیماری لگا دی تھی اس مسلک کے مزاحم نہیں کیونکہ ممکن ہے کہ مقصود اسی تعدیہ کی نفی ہو جسکا قائل وہ سائل تھا
غرض عدوی کے باب میں یہ تحقیق ہے جسپر جواب مقصود موقوف ہے اب اسکے بعد جواب اصل سوال کا واضح ہوجاویگا
یعنی نہی عن الدخول فی مکان الطاعون کی علت ان دونوں مسلکوں پر جدا جدا ہوگی پس اہل مسلک اول جو کہ
عدوی کو راساً و اساساً منفی کہتے ہیں یہ کہیں گے کہ یہ نہی بوجہ احتمال عدوی کے نہیں بلکہ اسلئے ہے کہ شاید

مقام طاعون میں جانیکے کسی مستقل سبب سے اسکو بھی طاعون ہو جاوے اور اسکو یا دوسروں کو یہ وسوسہ ہو کہ
دوسروں کا طاعون اسکو لگ گیا اور خواہ مخواہ اعتقاد خراب ہو اسلئے خود جانے ہی سے جسمیں احتمال تھا فساد
اعتقاد کا منع فرمادیا اور اہل مسلک ثانی جو کہ مرتبہ سبب غیر لازم التاثیر میں عدوی کو ثابت مانتے ہیں کہیں گے
کہ اسی واسطے جانے سے منع فرمادیا کہ شاید وہاں کے طاعون کا اسمیں بھی اثر ہو جاوے گو دوسرا بھی احتمال ہے
کہ یہ اثر نہو غرض بلا ضرورت خطرہ ہلاکت میں کیوں پڑے گو وہ یقینی نہ ہو مگر ہلاکت کے اسباب مثل تناول سم
وغیرہ کا ارتکاب کبھی تو قصداً بلا ضرورت نقلاً وعقلاً ممنوع ہے گو اس سے کبھی بچ بھی جاتا ہے البتہ جسکی ہلاکت
اس سے بھی کم محتمل ہو جیسے معمولی بدپرہیزی وہ داخل نہی نہ ہوگی اور اسپر اگر یہ شبہ ہو کہ جب عدوی اسباب
مشکوکہ میں سے ہے تو نہی عن الدخول تو موجہ ہوگیا لیکن نہی عن الخروج کیوں ہے چاہیئے کہ خروج جائز ہو کیونکہ
خطرہ محتمل الضرر میں واقع ہونیکے بعد اس سے خارج ہوجانا عقلاً اور بدلائل نصوص نقلاً بھی جائز بلکہ اولیٰ ہے
جیسے مرض کہ اسباب مشکوکہ موت سے ہے اور تداوی سے غرض خروج عن المرض ہوتا ہے اور اجماعاً جائز ہے اسطرح
یہاں بھی خروج جائز ہونا چاہیئے تھا تو جواب اس شبہ کا یہ ہے کہ بیشک اس کا مقتضا فی نفسہ تو یہی تھا
جیسا صاحب شبہ نے کہا ہے لیکن عقل اور نقل نے ایک دوسرا قاعدہ بھی مقرر و مسلم رکھا ہے کہ جہاں ایک
شخص کے ضرر مشکوک سے بچنے میں دوسرے شخص کا جسکا اسکے ذمہ حق اعانت ہے یقینی ضرر لازم آوے وہاں اسکو
ضرر مشکوک سے بچنے کی اجازت نہیں مثلاً کسی گھر میں آگ لگ گئی اگر پڑوسی نہیں بجھاتے تو یقیناً وہ گھر جل جاویگا
اور گھر والے کی جان و مال کا نقصان ہوگا اور اگر بجھاتے ہیں تو درصورت شک یہ احتمال ہے کہ شاید اس آگ کا
صدمہ ان بجھانیوالوں کو بھی پہونچے مگر شک ہی شک ہے ممکن ہے کہ کچھ صدمہ نہ پہونچے تو کیا ان پڑوسیوں
کو یہ اجازت ہوگی کہ کھڑے دیکھا کریں اور بجھانیکی کوشش نکریں غرض قاعدہ سابقہ کہ خطرہ مشکوکہ سے
خارج ہونا جائز ہے مقید ہوا اس قید کیساتھ کہ جب اس خروج میں دوسرے کا ضرر یقینی نہ ہوا اور طاعون سے
فرار کرنے میں دوسرے لوگ جو باقی رہجاتے ہیں ان کا کسر قلب اور زیادہ توحش وضیاع ہے جو کہ مضار یقینیہ
ہیں اسلئے اثقل المضرتین کے دفع کیلئے اخف المضرتین کو گوارا کیا جاویگا اور خروج کو ناجائز کہا جاویگا اور
یہ حکم کچھ خروج ہی کیساتھ خاص نہیں اگر کسی طور پر معلوم ہو جاوے کہ مقام طاعون میں میرے نہ جانیکے کسی کا
یقینی ضرر ہے وہاں بھی اسکے ضرر یقینی کے دفع کیواسطے اسکے ضرر مشکوک پر جو کہ دخول میں تھا نظر نہ کیجاویگی مثلاً
مقام طاعون میں کوئی عورت بیوہ ہو گئی اور اس جگہ سب اسکے مخالف ہیں اور بضرورت عدت وغیرہ اسلئے کہ

اموال واقعۃ کا نقل وہاں سے اُسکو متعذر ہو وہاں اسکا قیام ضروری ہو اور دوسرے شہر میں اس عورت کا کوئی محرم ہو کہ اُسکے پاس رہنے سے وہ اسکی جان ومال وآبرو کی حفاظت کرسکتا ہو تو اس صورت میں اسکے لئے نہی عن الدخول نہ رہیگا اور اس ضرورت سے اُسکو اُس جگہ جانیکی اجازت بلکہ بشرط عدم حرج تاکید ہوگی اور کوئی شخص یہ شبہ نکرے کہ جیسے خروج میں دوسروں کا ضرر یقینی ہو اسی طرح عدم خروج میں اسکا ضرر یقینی ہو کہ ہلاک ہو جاویگا تو دونوں ضرر برابر ہو اور حق نفس مقدم ہو حق غیر پر اس شبہ کی گنجائش اسلئے نہیں کہ گفتگو اس تقدیر پر ہو رہی ہو کہ عدوی یقینی نہیں جیسا اوپر سمع ومشاہدہ سے ثابت ہو چکا ہو پس دونوں مسلکوں[۵] میں سے کسی مسلک کے جواب پر کوئی غبار نہیں رہا۔ رہی یہ بات کہ ان دونوں مسلکوں میں راجح کون مسلک ہے سو اس میں اپنے مذاق واجتہاد کے موافق ہر شخص کو اختیار ہے جس مسلک کا چاہے قائل ہو اختلاف امتی رحمۃ ایسے ہی امور میں وارد ہے تو جس طرح احکام فرعیہ کا اختلاف رحمت ہے اسی طرح حکم متفق علیہ کے دلائل وعلل کا اختلاف بھی رحمت ہے جسکو جو مسلک قریب معلوم ہو اُسکو اختیار کرسکتا ہے اور ہر مسلک میں ایک خاص حکمت ہے چنانچہ جن پر تفویض کا غلبہ ہو اُنکے مناسب مسلک اول ہے اور جن پر اسباب کا غلبہ ہو اُنکے مناسب مسلک ثانی ہے یا غلو فی التفویض کا علاج مسلک ثانی ہے اور غلو فی الاسباب کا علاج مسلک اول ہے یہ تو ذوق وحکمت کے اعتبار سے ہے باقی اقرب الی التحقیق مجھکو مسلک ثانی معلوم ہوتا ہے۔

ولکل وجھۃ ھو مولیھا واللہ اعلم بالصواب عنہ ۱۲ از الکتاب فی البیہم الحقائق فی کل باب ۲۵ محرم ۱۳۲۹

ستائیسویں حکمت دفع تعارض درحدیث اعتاق ومذہب حنفی

سوال جاء فی حدیث الترمذی ص۱۶۲ مطبوعہ اصح المطابع عن النبی صلے اللہ علیہ وسلم قال من اعتق نصیبا لہ فی عبد فکان لہ من المال ما یبلغ ثمنہ فھو عتیق من مالہ والا فقد عتق منہ ما عتق ومذھب ابی حنیفۃ خلاف ذلک لانہ قال ان کان موسرا ضمن او استسعی الشریک العبد او اعتق وان کان معسرا لایضمن لکن الشریک اما ان یستسعی او یعتق اس حدیث ودر مذہب امام صاحب میں مطابقت فرمادیجئے

الجواب - یہ حدیث مجمل ہے اور امام صاحب کا مذہب اسی حدیث کی تفصیل ہے اور ظاہر ہے کہ اجمال اور تفصیل میں معارضہ نہیں ہوا کرتا کیونکہ اجمال میں نفی واثبات سے سکوت عنہ ہوتے ہیں تفصیل اسکے ساتھ ناطق ہوتی ہے

---

[۵] زاد المعاد میں نہی عن الدخول کی جو پانچ حکمتیں بیان کی ہیں اُن کا مرجع بھی دو مسلک ہیں ۱۲ منہ۔

اور ناطق و ساکت معارض نہیں ہوتے تقریر اسکی یہ ہے کہ حدیث سے صورت اعتبار معتق میں تجزیہ اعتاق کا ثابت ہوتا ہے اور اس باب میں کل دو ہی مذہب ہیں تجزیہ مطلقاً یا عدم تجزیہ مطلقاً اور یسار و اعسار کا تجزیہ و عدم تجزیہ میں متفاوت ہونا باجماع مرکب باطل ہے پس جب صورت اعسار میں تجزیہ ثابت ہو گیا تو صورت یسار میں بھی ثابت ہو گیا اور تجزیہ کے لوازم میں سے ہے احتباس مالیت حصہ غیر معتقہ عند العبد اور اس احتباس کے لوازم میں سے ہے تضمین عبد اور بقاعدہ الشئ اذا ثبت ثبت بلوازمہ جب تجزیہ ثابت بالنص ہے تو تضمین عبد بھی بواسطہ ثابت بالنص ہے اور اطلاق دلیل سے قیاس مقتضی ہوا اس اقتصار علی التضمین العبد کے عموم کو لیس حدیث نے فھو عتیق من مالہ سے اس عام کی تخصیص کر دی یعنی صورت یسار معتق میں تضمین معتق بالکسر بھی جائز ہے جیسا کہ تضمین معتق بالفتح کی بھی جائز ہے اور صورت اعسار میں وہی حکم ہے تضمین عبد کا جو مقتضا ہے تجزی اعتاق کا اسلئے استسعی العبد کو تعبیر فرمایا گیا عتق منہ ما عتق سے اور اعتاق کا جواز دونوں صورت میں چونکہ اظہر تھا اسلئے اس سے کہیں تعرض نہیں فرمایا تحمل ضرر کا برضائے خود ظاہر الجواز ہے۔ فقط ۱۴ ربیع الاول ۱۳۲۹ھ

اٹھائیسویں حکمۃ حل بعض اشعار جامیؒ درشان یوسف علیہ السلام

حل اشعار حضرت مولانا جامی قدس سرہ۔ قال العارف الجامی فی وصف یوسف علی نبینا و علیہ السلام۔

مقدس نورے از قید چہ و چوں ‏ ‏ ‏ ‏ ‏ ‏ سراز جلباب چوں آورد بیروں

چو آں بیچوں دریں چوں کردہ آرام ‏ ‏ ‏ ‏ ‏ ‏ پئے روپوش کردہ یوسفش نام

(حل مفردات) چہ ترجمہ ما ہو کہ موضوع است بجائے سوال از جنس یا نوع مرکب وگاہے مستعمل باشد در سوال از مطلق حقیقت خواہ مرکب یا جزء مرکب باشد خواہ بسیط مجرد یا غیر مجرد باشد۔ چوں ترجمہ کیف کہ مقولہ ایست از مقولات تسعہ عرض کہ قسمے است از ممکن گاہے مستعمل باشد در مطلق صفت حادث باشد یا قدیم ممکن باشد یا واجب لوجوب لذات جلباب چوں باضافت مراد قیود بشارکت و صفت مترقید و جلباب گفتند آرام تجلی و نزول مقصود کہ منتہائے ارادہ باشد مجازاً و آرام گفتہ کہ آرام بمعنی سکون منتہائے حرکت حسیہ واراد می باشد۔ روپوش حجاب

مقدمات۔ مقدمہ اولیٰ۔ حق تعالیٰ کو بیچوں اور ماہیت وکیفیت سے مطلق کہنے کے دو محمل ہیں اگر چوں کو

مقولہ کیف کیساتھ خاص کہا جاوے یا ماہیت کو جنس و نوع مرکب کیساتھ تب تو اس سے مطلق اور مقید میں
ہونا ظاہر ہے کیونکہ مقولہ کیف قسم ہے ممکن کی اور مقسم حق تعالیٰ پر صادق نہیں تو قسم بھی صادق نہیں ورنہ
صدق قسم کا بدون مقسم کے لازم آویگا اور یہ محال ہے اور جنس و نوع دونوں میں ترکیب لازم آتی ہے اور وہ مستلزم
ہے حدوث کو اور حدوث باری تعالیٰ کا محال ہے۔ پس لامحالہ باری تعالیٰ اس کیف اور اس ماہیت سے منزہ ہے
اور اگر چون سے مراد مطلق صفت لیجاوے اور چہ سے مراد مطلق حقیقت لیجاوے تو اُس وقت اس حکم
میں استعمال مجاز کا ہے کہ عام بول کر خاص مراد لیا یعنی صفات و حقیقت سے مراد ممکن کی صفات و حقیقت
ہیں پس اس معنی کے اعتبار سے بھی تنزیہ ظاہر ہے ورنہ خود ظاہر ہے کہ اللہ تعالیٰ کیلئے حقیقت اور صفت
دونوں ثابت ہیں۔

مقدمہ ثانیہ۔ تجلی اور نزول معنی لغوی پر محمول نہیں الفاظ اصطلاحیہ ہیں مطلق ظہور کو کہتے ہیں مثلاً حروف
مکتوبہ کو دیکھکر کاتب کا وجود استدلال سے ظاہر ہوتا ہے کہ مصنوع بدون صانع کے پایا نہیں جاتا تو ضرور صانع
موجود ہے اس معنی کے اعتبار سے حق تعالیٰ تمام موجودات میں متجلی ہیں کہ ان سے اُن کے وجود اور صفات
کمال پر دلالت ہوتی ہے اتنا فرق ہے کہ یہ ظہور اور تجلی اہل ظاہر کے نزدیک عقلی ہے اور اہل باطن کے نزدیک
ذوقی ہے اور اسی تجلی ذوقی کے اعتبار سے گاہ تخصیص کردی جاتی ہے قلوب عارفین کیساتھ کہ ان پر تجلی ہوتی
ہے یعنی ظہور حق تعالیٰ کا اشیاء میں ان کے قلوب پر بوجہ خاص یعنی ذوقاً منکشف ہوتا ہے۔

مقدمہ ثالثہ۔ مجال تجلی یعنی اشیاء کو مظاہر اور حجب بھی اصطلاح میں کہتے ہیں مظاہر تو اس اعتبار سے
کہ اگر یہ واسطہ نہوتا تو انکشاف وجود واجب کی عند المکلف کوئی صورت نہ تھی تو اشیا آلہ ظہور ہوئیں
اور حجب اس اعتبار سے کہ اکثر اہل غفلت ان وسائط ہی کو دیکھتے ہیں۔ اور ان سے استدلال وجود صانع پر
نہیں کرتے تو ان وسائط کی طرف ایسا التفات مانع ہوگیا التفات الی الصانع سے اس اعتبار سے یہ اشیاء
آلہ اختفاء ہوگئیں پس صدق مفہومین متضادین کا اعتبارین مختلفہ سے موجب اشکال نرہا۔

مقدمہ رابعہ۔ کبھی کسی نکتہ شاعری یا تحقیقی کی وجہ سے مطلق اثر کو گو وہ مقصود نہو غایت یعنی اثر مقصود تعبیر کردیتے ہیں
مقدمہ خامسہ۔ چونکہ انسان بہ نسبت اور مخلوق کے عجائب و غرائب کا زیادہ جامع ہے اسکی دلالت بھی صفات
کمال الٰہی پر زیادہ ہوگی اسلئے انسان کو مظہر اتم و منتہائے تجلیات وغیرہ کہتے ہیں۔

مقدمہ سادسہ۔ صوفیہ جو کہتے ہیں کہ سب ظہور ذات و صفات حق تعالیٰ کا اُن کی صفت جمال ہے یعنی جمال

مقتضی ظہور کو ہوتا ہے اور ذات و صفات سب جمیل ہیں اسلیے مقتضی ظہور کو ہوئیں اور یہ اقتضا بمعنی اضطرار نہیں بلکہ اداء حق حکمت ہے۔

مقدمہ سابعہ مخلوقات میں اجمل انسان ہے لقولہ تعالیٰ لقد خلقنا الانسان فی احسن تقویم الآیۃ ولقولہ تعالیٰ وصورکم فاحسن صورکم الآیۃ اور انسانوں میں ظاہری جمال کے اعتبار سے اجمل حضرت یوسف علیہ السلام ہیں لقولہ علیہ السلام وقد اعطی شطر الحسن الحدیث۔

تقریر شرح

جب یہ سب امور ذہن نشین ہوگئے اب مطلب اشعار کا ظاہر ہے۔ یوسف علیہ السلام کے حسن کا بیان ہے کہ یوں سمجھو کہ نور حق جو کہ بالمعنیین المذکورین فی المقدمۃ الاولیٰ قید ماہیت و کیفیت سے منزہ ہے وہ قید چون یعنی حجاب مخلوق سے یا بعنوان دیگر مظہر مخلوق سے کما ذکر کلاھما فی المقدمۃ الثالثۃ ظاہر ہوا اور ان دو عنوانوں میں سے پہلے شعر میں آور دہیروں میں عنوان مظہریت کی طرف اور دوسرے شعر میں لفظ روپوش میں عنوان حجاب کی طرف اشارہ ہے اور جب اس مطلق نے اس مقید میں بالمعنی المذکور فی المقدمۃ الثانیۃ نزول فرمایا جسکو یا باعتبار مطلق نزول مقصود کے آرام سے تعبیر کیا گیا یا خاص منتہائے نزول کے اعتبار سے آرام کہا گیا کیونکہ یہاں مظہر خاص انسان ہے کما ذکر فی المقدمۃ الخامسۃ تو اُس مقید کا نام روپوشی کیواسطے یوسف رکھدیا اور اس روپوشی کا ہر چند کہ مقصود ہونیکا دعویٰ نہ کیا جاوے لیکن چونکہ اس نزول پر یہ مرتب ہوئی ہے مجازاً اسکو لفظ پے سے غایت قرار دیدیا کما ذکر فی المقدمۃ الرابعۃ اور یہاں نکتہ شاید یہ ہو کہ اس روپوشی سے ابتلاء و امتحان خلق منظور تھا کہ دیکھیں کون محو تماشائے یوسف ہوکر جمیل حقیقی کو بھولتا ہے اور کون انکو دیکھکر زبان حال یہ کہتا ہے ؎

حسن خویش از روئے خوباں آشکارا کردۂ
پس بچشم عاشقاں خود را تماشا کردۂ

ع چہ باشد آں نگار خود کہ بندد ایں نگارہا۔ اور ہرچند کہ یہ تجلی اور یہ احتجاب ہر مخلوق میں حاصل ہے لیکن چونکہ یوسف علیہ السلام صفت جمال میں اور مخلوق سے اکمل ہیں کما ذکر فی المقدمۃ السابعۃ تو آپ خاص اُس صفت کی زیادہ تجلی گاہ ہوئے جو کہ بمقدمۂ سادسہ اصل منشا ظہور و تکوین کا ہے اسلیے اس تجلی و احتجاب خاص ہیں اعتبار سے آپکو ترجیح ہوئی۔ لہذا اس شعر میں تخصیص کر لیگئی۔ واللہ اعلم۔ ۲۴ جمادی الاخریٰ ۱۳۳۲ھ

انتیسویں حکمت وجہ اختلاف در سماع و سبب سماع وفات بعض را

سوال - ایک امر قابل گذارش ہے، اسکا جواب مرحمت فرمایا جاوے
حضور اور مولانا احمد حسن صاحب مرحوم اور مولوی شاہ محمد حسین صاحب الہ آبادی حضرت حاجی صاحب
قبلہ علیہ الرحمۃ والغفران کے مریدیں باوصف اتحاد بیعت حالت علیحدہ علیحدہ نظر آئی حضور کو سماع سے
نفرت اور مولانا احمد حسن صاحب کو نہ اقبال اور نہ انکار اور مولانا محمد حسین صاحب مرحوم کو بغیر سماع چین
نہ تھا اسمیں کیا اسرار تھا اور غالباً وجہ انتقال جناب مولانا محمد حسین صاحب مرحوم حضور نے بھی سماعت
فرمائی ہوگی اس واقعہ سے مجوزان سماع کیواسطے ایک بہت بڑا موقع اس کے جواز کا ملگیا اگر براہ کرم تحریر
فرمایا جاوے کہ ایسا کون قوی سبب ہوا کہ عین حالت سماع میں مولانا صاحب ممدوح مغفور نے رحلت
فرمائی تو باعث تسکین خاطر خاکسار متصور ہو۔

الجواب کسی دلیل عقلی یا نقلی سے ثابت نہیں کہ کسی حالت پر موت آجانا اس حالت کے محمود ہونے کی
علامت ہے۔ بعض لوگوں کو عین معصیت میں موت آگئی۔ چنانچہ پانچ چھ سال ہوئے کہ سہارنپور میں ایک
بوڑھا آدمی ایک بازاری عورت سے عین مشغولی کی حالت میں مرگیا تھا اور شدت لذت سے اسکی روح فنا
ہوگئی تھی۔ اسی طرح سکر شدید کہ منجملہ سمیات ہے قاتل ہے تو اگر کوئی شخص جو غنا و مزامیر کو بدلیل شرعی معصیت
کہتا ہے جواب میں بطور احتمال یہ کہے کہ ممکن ہے کہ اس معصیت میں اسوقت لذت ایسی شدید ہوئی ہو یا
سکر ایسا قوی ہوا ہو کہ اس سے روح فنا ہوگئی ہو یا تو اس وجہ سے کہ روح فی نفسہ ضعیف تھی جسکا سبب
ممکن ہے کہ کوئی بیماری ہو جیسا کہ محل کلام میں اختلاج قلب کا مرض پہلے سے عارض تھا یا یہ کہ سکر و لذت اس سے
بھی زیادہ قوی ہو کہ اسکی قوت کے اعتبار سے روح قوی بھی ضعیف ہوگئی کیونکہ قوت وضعف امور اضافیہ
سے ہے تو استدلال کرنیوالے کے پاس اس احتمال کا کیا جواب ہے اس سے کوئی بزرگوار یہ نہ سمجھیں کہ یہ احقر مولانا
مرحوم کی نسبت ایسا خیال رکھتا ہے حاشا وکلا یہ صرف جواب ہے اہل غلو کا جو ادلہ شرعیہ کے معارضہ میں واقعہ
محتملہ سے استدلال کرتے ہیں باقی خود احقر کا مشرب اولاً سب کے ساتھ حتی الامکان حسن ظن رکھتا ہے خصوصاً
ایک عالم اور صاحب سلسلہ کے ساتھ پھر خاص کر بعد وفات کے اسلئے میرے نزدیک اس واقعہ کی توجیہ بظن غالب یہ ہے
(اور حقیقت حال اللہ تعالیٰ کو معلوم ہے) کہ مختلفین فی حکم السماع میں سے مولانا مرحوم کا مذاق یہ تھا کہ سماع

فی نفسہ اہل کیلئے جائز ہے اور آلات میں حرمت لغیرہ ہو اور وہ غیر قوت شہوۃ بہیمیہ ہو اور اپنے کو اس قوت کا مغلوب نہ جانتے تھے اسلئے تو جائز سمجھتے تھے اور اس جائز کو وجدان مسئلہ وحدت وجودی نے جس کا سبب والا نشراعلم کثرت مطالعہ و استماع اقوال موحدین سے شدت تخیل تھا راجح کر دیا تھا کیونکہ سماع کیوقت بوجہ یکسوئی کے اس وجدان میں ایک خاص قوت و لذت ہو جاتی ہے یہ سبب ہو گیا تھا اس عمل میں منہمک ہونیکا۔ جب ایک مجمع میں کہ وہاں سب مولانا مرحوم کیساتھ حسن ظن رکھتے تھے جو سبب اعظم ہے اجتماع خاطر و انبساط کا اور کوئی سبب انقباض و انتشار کا وہاں نہ تھا وہ مضمون نظم میں پڑھا گیا یہ مضمون حسب مذاق نظم دلکش۔ کلام ایک صاحب حال کا پھر معتقد فیہ کا قوال خوش آواز۔ یہ خصوصیات تو فاعل کی جانب میں کچھ اختلاج کے دوروں سے قلب میں ضعف کچھ تقلیل طعام سے روح میں لطافت یہ خصوصیات منفعل کی جانب میں نغمات والحان سے کچھ ایسا سماں بندھا کہ بیخود ہو گئے اور اس بیخودی میں اس مضمون سے مظہر برنگ ظاہر یا یوں کہیے کہ ظاہر برنگ مظہر وجداناً متخیل ہوا اور اس تخیل کے جزم اور جانب مقابل کی طرف اصلاً التفات نہونے نے شوق من المشاہدہ یا شوق الی المشاہدہ کو ایسا غالب اور قوی کر دیا کہ دفعۃً روح نے تن کو چھوڑ دیا۔ سو اس تقریر پر اس واقعہ میں کئی جزو مختلف فیہ ہیں۔ مثلاً سماع کے باب میں تحقیق مذکور کا صحیح ہونا یا نہونا دوسرے وحدۃ الوجود کے بمعنی ہونا یا نہ ہونا یا خود وحدۃ الوجود کا مطابق واقع کے ہونا یا نہ ہونا اور ایک جزو بلا اختلاف قابل نظر ہے کہ خواص کا فعل گو وہ کسی وجہ سے اُنکے لئے مباح ہو اگر عوام کے لئے موجب مفسدہ ہو جاوے تو خواص کے لئے بھی واجب الترک ہو جاتا ہے لیکن احقر اجزاء مختلف فیہا میں خود اختلاف کو اور جزو غیر مختلف فیہ میں عدم تعمق یا عدم اطلاع و عدم التفات الی المفاسد کو موجب عذر سمجھتا ہے بہر حال صاحب حال سے اگر کوئی امر موہم خلاف صادر ہو تو منتہائے حسن ظن یہ ہے کہ خود اُس کے فعل میں تاویل مناسب کر کے اُسکو قواعد شرعیہ کے تابع بنا دے نہ یہ کہ شریعت میں تبدیل کر کے شریعت کو اُسکے تابع بنائے یہ جواب ہے سوال ثانی کا اور اسی تقریر میں جو ایک قول یہ ہے (مختلفین فی حکم السماع میں الی قولہ منہمک ہوتا) اور دوسرا قول یہ ہے (ایک جزو بلا اختلاف الی قولہ واجب الترک ہو جاتا ہے) ان قولوں سے سوال اول کا جواب بھی نکل آیا کہ جو شخص مانع اور خود ممتنع ہے وہ یا تو آلات کو فی نفسہ محرم سمجھتا ہے یا اپنے کو قوت بہیمیہ کا مغلوب پاتا ہے یا اپنے فعل کو موجب مفسدہ عوام کہتا ہے اور جو شخص نہ انکار کرتا ہے نہ اہتمام کرتا ہے وہ ان امور کو جائز اور اپنے کو قوت بہیمیہ پر غالب سمجھتا ہوگا اور مفاسد عوام

کی طرف ملتفت یا اُن پر مطلع نہ ہوگا یہ وجہ عدم انکار کی ہے اور وجدان مرج مثل تخیل وحدۃ الوجود ونحو ذلک اُس پر غالب نہ ہوگا یہ وجہ عدم اہتمام کی ہے اور انہماک کی وجہ اُن اقوال میں صراحتاً مذکور ہے۔ رہا یہ شبہ کہ ایک پیر کے مرید ہو کر عمل مختلف کیوں ہے سو ایسے اُمور نہ مریدی کے ارکان میں نہ شرائط یا لوازم تاکہ اتحاد سلسلہ کے ہوتے ہوئے اُن میں اختلاف ہونا موجب شبہ ہو بلکہ اپنا اپنا مذاق اور تحقیق اور نظر ہے جس میں پیر اور مرید کا باہم اگر مختلف ہونا بھی محل استعجاب نہیں۔ فقط واللہ اعلم۔ ۲۳ رجب ۱۳۳۲ھ

سوال۔ گذارش خدمت ہے کہ لفظ خود بخود آزاد پر اپنی طرف اشارہ کر دینے کیا مطلب ہے اور یہ مضمون عارفین کے نزدیک کیا نہایت سخت ہے کہ بوجہ خوف وصال ہوا یا کیا مراد ہے۔ خادم کا جی چاہتا ہے کہ اس غزل کی تفسیر موافق مذاق اہل حال آنحضور تحریر فرماویں نہایت اشتیاق ہے۔

غزل

آستیں بر رو کشیدی ہمچو مکار آمدی	باخودی خود در تماشا سوی بازار آمدی
در بہاران گل شدی در صحن گلزار آمدی	بعد ازاں بلبل شدی با نالۂ زار آمدی
شور منصور از کجا و دار منصور از کجا	خود زدی بانگ انا الحق بر سر دار آمدی
گفت قدوسی فقیری در فنا و در بقاء	خود بخود آزاد بودی خود گرفتار آمدی

اس سے زیادہ خادم کو یاد نہیں شاید اور بھی اشعار ہوں (ضمیمہ سوال) مولانا شاہ محمد حسین خان بہادر صاحب الٰہ آبادی علیہ الرحمۃ نے ۸ رجب ۱۳۲۲ھ مطابق ۱۹ ستمبر ۱۹۰۴ء بمقام اجمیر شریف ساڑھے نو بجے صبح کو انتقال فرمایا نواب سرور جنگ کی مکان پر جو احاطہ درگاہ شریف میں واقع ہے سماع کا جلسہ تھا مولانا صاحب قدس سرہ وہاں تشریف لیگئے آستانہ مبارک کے قوالوں نے حضرت شیخ عبدالقدوس گنگوہی رحمۃ اللہ علیہ کی یہ غزل شروع کی شعر آستیں بر رو کشیدی ہمچو مکار آمدی + باخودی خود در تماشا سوئے بازار آمدی۔ مولانا صاحب نے حسب عادت ہر مصرعہ کی تفسیر زبانی شروع کی جب قوالوں نے مقطع کا شعر یعنی گفت قدوسی فقیری در فنا و در بقاء + خود بخود آزاد بودی خود گرفتار آمدی۔ گانا شروع کیا تو مولانا صاحب نے تفسیر اس شعر کی کی اور دو بار الفاظ خود بخود آزاد کو فرمایا اور اپنی طرف اشارہ کر کے سجدہ میں چلے گئے اور چشم زدن میں روح اقدس قید تن سے آزاد ہو گئی۔ آٹھ بجے شب کو حضرت خواجہ غریب نواز

رحمۃ اللہ علیہ کے پائیں میں مدفون ہوئے۔

الجواب۔ آپ نے اس واقعہ کے متعلق تین سوال کئے ہیں اول اشارہ سے کیا مطلب ہے دوسرے وجہ وفات تحقیق۔ تیسرے ان اشعار کی تفسیر۔ سو وجہ وفات کا سوال ایک اور صاحب نے بھی کیا ہے اس جواب کا خلاصہ دوسرے پرچہ پر لکھے دیتا ہوں تفسیر سے پہلے ایک تمہید سمجھ لیجئے وجہ اشارہ کا سمجھنا بھی اسی پر موقوف ہے وہ یہ کہ ممکن من حیث الامکان کسی وصف وجودی کو یا کسی جمال و کمال کو بذاتہ مقتضی نہیں ورنہ وہ واجب ہوجاویگا۔ (ہف) پھر جب ان اوصاف کیساتھ موصوف ہوگا اسمیں کسی علت و واسطہ کی ضرورت ہوگی جو مرجع اتصاف کا ہو اور وہ واسطہ ذات حق مع الصفات والافعال ہے۔ اب رہا یہ امر کہ اس توسط کی کیا کیفیت ہے اور آیا وہ واسطہ فی العروض ہے یا فی الثبوت یا فی الاثبات اسکی تحقیق از بس طویل ہے اور کلید مثنوی میں بقدر ضرورت مذکور بھی ہے بہر حال اسمیں اہل ذوق کے اقوال مختلف ہیں لیکن اتنا امر مشترک التسلیم ہے کہ ممکن کو واجب تعالی کی ذات و صفات و افعال کے ساتھ ایک خاص تعلق اور نسبت ہے اور ممکن کے تطورات وجود اسی انتساب کی بدولت ہیں پس کمال و جمال کے ساتھ موصوف بالذات و بالتحقیق ذات حق ہے اور ممکنات اسکے مفتقر اور مستعیر۔ پس بعض اوقات کثرت مراقبات یا قوۃ تخیل یا ذوق و جدانی یا غلبہ فنا وسکر سے یہ اوصاف و تطورات تو ملاحظہ میں رہتے ہیں لیکن ممکن پر من حیث الحلول و واجب پر من حیث الاتصاف نظر پڑتی ہے اسوقت ان اوصاف کو قالاً و حالاً ذات حق کی طرف نسبت کرنے لگتا ہے جیسے کوئی شخص بدستعیر کو ملاحظہ میں رکھکر پھر اسکے غیر مالک ہونے پر اور غیر کے مالک ہونے پر نظر کرے تو بالاضطرار کہہ اٹھے گا ان ید المستعیر ھی ید المعیر چنانچہ اسی بنا پر فقہا کے کلام میں یہ اطلاق وارد ہے اور اسکو توحید افعالی و صفاتی کہتے ہیں اور جب اسی حالت کا زیادہ غلبہ ہوتا ہے تو ممکن کا اضمحلال اس درجہ معلوم ہوتا ہے کہ وہ اس قابل بھی نہیں معلوم ہوتا کہ اسکی ذات کو اسپر محمول کیا جاوے کیونکہ یہ حمل ایجابی بھی ایک گونہ ثبوت موضوع کو چاہتا ہے اور ممکن کیلئے حقیقۃً ثبوت نہیں اسلئے جسطرح افعال ممکن کو افعال حق اور صفات ممکن کو صفات حق کہہ دیا تھا اسی طرح ذوات ممکن کو ذات حق کہہ دیتا ہے اور ان سب کو اسکی ایک ذات کے ظہورات سمجھتا ہے بلا اتحاد و بلا حلول جیسا تصریحاً مولانا نے کہا ہے ؎

اتصالے بے تکیف بے قیاس ہست رب الناس را با جان ناس

اس حمل کے حاکم کو توحید ذاتی کہتے ہیں اور منصور علیہ الرحمۃ کے قول کا منشا یہی تھا اور ہمہ اوست

ہی ایک تفسیر یہ بھی ہے ان اشعار میں توحید کے ان ہی مراتب کو بیان کیا ہے اب ان کی تفسیر میں کوئی خفا
نہیں رہا اور بعض اوقات خلو ممکن اور اتصاف پر نظر پڑنے کے ساتھ اوصاف وافعال وذوات ممکن ملحوظ
میں نہیں رہتے اسوقت ان سب موصوفات اور اوصاف کو معدوم سمجھتا ہے اور ان امور کی نسبت ذات
حق کی طرف نہیں کرتا بلکہ ان سب پر عدم کا حکم کرتا ہے جیسا نظامی رحمۃ اللہ علیہ کے قول میں ہے ؎
ہمہ نیستند آنچہ ہستی توئی - اور ہمہ اوست کی ایک تفسیر یہ بھی ہے جسکو میں نے کلید مثنوی کے دیباچہ میں
لکھا ہے اور کبھی اوصاف ممکن کے ساتھ اتصاف ممکن پر بھی نظر ہوتی ہے اور ساتھ ہی افتقار کو
بھی دیکھتا ہے تو ہمہ از دست کہتا ہے اور یہ حالت صحو کی اور مدرک بالعقل ہے اب دیکھئے وجہ اشارہ
کی سو چونکہ بہ نسبت دیگر ممکنات کے انسان اجمع للکمالات ہے اور اسی بناء پر اسکو مرتبہ جامع
اور مظہر اتم کہا گیا ہے اسلئے انتساب مذکور میں یہ اوروں سے زیادہ احق ہے سو میرا ظن غالب یہ ہے کہ مولانا
نے اس حالت کے تعلیم میں اس دلالت وضعیہ غیر لفظیہ سے بودنی کے مخاطب کو مشار الیہ بتایا۔
ولعل معنی السجدۃ ما قال المنصور لما سئل ان کنت انت الحق فلم تصلے فقال یصلی
باطنی ظاہری مگر یہ سب ظن وتخمین ہے اور حقائق امور پر عالم الاسرار مطلع ہیں محض آپ کی خاطر سے
لکھدیا ہے اگر غلطی ہوگئی ہو اللہ تعالیٰ معاف فرماویں والسلام - ۲۴ رجب سنہ ۱۳۲۶ھ

تیسویں حکمت دفع شبہات متعلقہ اختلاف مسلک حضرت حاجی صاحب وخلفائے ایشان

سوال - بخدمت فیضدرجت والا مجد اکرم مولانا ومقتدانا مولوی اشرف علی صاحب دام فیضہم - پس از سلام مسنون معروض
آنکہ اگرچہ میں ایک شخص اجنبی ہوں لیکن بعض اعتبارات سے اپنے آپ کو زمرۂ خدام میں تصور کرتا ہوں اور اس
بناء پر بے تکلفانہ ایک تکلیف خاص دینے کی جرأت کرتا ہوں اور وہ یہ ہے کہ مجھکو حضرت حاجی امداد اللہ
صاحب مہاجر مکی قدس اللہ سرہ العزیز کیساتھ بعض وجوہات سے ہمیشہ سے ایک عقیدہ قلبی ہے اور
جو حضرات حضرت حاجی صاحب رحمۃ اللہ علیہ کیساتھ واسطہ وارادت رکھنے والے ہیں ان کیساتھ
بھی دلی اخلاص ہے اور بالخصوص حضرت مولانا رشید احمد صاحب گنگوہی مدظلہم العالی کیساتھ
جنکے مدارج خود حضرت حاجی صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے اپنی بعض تالیفات میں بالتخصیص رقام فرمائے
ہیں اور اپنے معتقدین کو انکی جانب رجوع دلانیکی ہدایت فرمائی ہے ایک خاص ارادت ہے بعض اوقات

بعض مخالفین اور مبتدعین کے بعض اعتراضات اور شبہات کی وجہ سے جو حضرت حاجی صاحب رحمۃ اللہ علیہ و حضرت مولانا سلمہ اللہ تعالیٰ کے بعض معمولات اور معتقدات کے مختلف فیہ ہونیکے بارہ میں کئے جاتے ہیں اور جنکا جواب معقول اپنے آپ سے بن نہیں پڑتا طبیعت کو ایک خلجان پیدا ہوجاتا ہے اسلئے میں چاہتا ہوں کہ ان شبہات کا دفعیہ مخالفین کے جواب اور نیز اپنی تشفی قلب کے واسطے آپکے ذریعہ سے کروں کیونکہ اول تو مخالفین کو ایسے شبہات پیدا کرنیکے لئے جو زیادہ جرأت اور قوت ہوگئی ہے وہ رسالہ فیصلہ ہفت مسئلہ کی اشاعت ہے اور یہ رسالہ آپ ہی کا شائع کیا ہوا ہے۔ اگرچہ آپنے اسکے ساتھ ایک مضمون بطور ضمیمہ کے بھی اضافہ فرمایا ہے جو صرف ہم جیسے معتقدین کیلئے فی الجملہ باعث طمانیت ہوسکتا ہے لیکن تاہم وہ مضمون اس اصلی تحریر کے مطلب پر کوئی کافی ووافی اثر پیدا نہیں کرسکتا۔ اور مخالفین اسکو نظر تام سے دیکھتے اور قابل قبول قرار نہیں دیتے بلکہ اس تقریظ کے مضمون سے جو رسالہ درمنظم مؤلفہ شاہ عبدالحق صاحب مہاجر مکی پر جو حضرت حاجی صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے ارقام فرمائی ہے اس اصلی مضمون رسالہ فیصلہ کی تائید ہوتی ہے دوسرے یہ کہ جناب کی تحریرات جسقدر اسوقت تک میرے مطالعہ سے گذری ہیں انکو تعصب و تشدد و نفسانیت سے مبرا اور انصاف و حقانیت اور معقولیت سے مملو پایا جو مخالف کو موافق اور حق ناشناس کو حق پسند بنانیکا ایک اعلیٰ ذریعہ ہے تیسرے یہ کہ غالباً آپکو ان فتاوی کا حال بھی معلوم ہوگا جو اہل ہند نے کسی کسی مسئلہ مختلف فیہ کی نسبت مکہ معظمہ سے طلب کئے تھے اور اسکا جواب بعض مخالفین کے حسب منشا ملا اور جن پر مخالفین حضرت حاجی صاحب کی مہر اور دستخط ہونا بھی بیان کرتے ہیں چوتھے یہ کہ جہانتک مجھکو تحقیق ہوا ہے آپ اسی کار خیر کے متعلق عرائض کے جواب دینے اور اپنے اوقات عزیزہ کے صرف کرنے میں بخیال اصلاح حال و قال مومنین و حقوق المسلمین دریغ بھی نہیں فرماتے ہیں لہذا وہ شبہات ذیل میں گذارش کرکے امیدوار ہوں کہ بمقتضائے شفقت و ہمدردی اسلامی تفصیلی جواب ان کا مرحمت ہو تاکہ آئندہ کیلئے اس قسم کے خلجان سے جو وسواس شیطانی کہے جانیکے لائق ہیں طبیعت محفوظ رہے اور مخالفین کو جواب معقول دیکر ساکت کرنیکا موقع ملے۔

شبہ اول یہ ہے کہ حضرت حاجی صاحب رحمۃ اللہ علیہ کے بعض معتقدات و معمولات جو انکے رسالہ فیصلہ ہفت مسئلہ سے یا تقریظ مندرج رسالہ درمنظم سے یا بعض دیگر فتوے ہم مضمون رسالہ مذکور پر دستخط اور مہر ہونے سے یا ان معتقدات اور معمولات کی نسبت بعض اشخاص معتمد کی چشم دید اور گوش زد احوال و اقوال بیان کرنے سے ثابت ہوتے ہیں آیا واقعی تھے یا یہ اقوال و افعال بخلاف اپنے ذاتی عقیدہ کے کسی مصلحت پر

مبنی تھے دبرعایت شریف فلاں لیان بکہ مغلظہ وغیرہ حضرت سے سرزد ہوتے تھے اگر بخلاف عقیدہ واقعی کے تھے تو یہ صورۃ تقیہ کی اور شعار روافض ہی جو حضرت کے کمالات ظاہری و باطنی کے بالکل منافی ہے اور اگر موافق عقیدہ واقعی تھے تو ان حضرات کے جو حضرت سے واسطہ ارادت اور خلافت رکھتے ہیں اُن معتقدات اور معمولات کو بدعۃ اور ضلالت کہنے کا حضرت حاجی صاحب رحمۃ اللہ علیہ کے اوپر کیا اثر ہوا اور اُن حضرات کے حق میں کیا نتیجہ پیدا ہوا۔

دوسرا شبہ یہ ہے کہ آیا مرید اور خلیفہ کو من کل الوجوہ اتباع شیخ کی ضرورۃ ہے یا نہیں اور اگر نہیں ہے اور صرف اوراد و اشغال متعلقہ طریقت میں اتباع کافی ہے اور دیگر مسائل شرعیہ میں اپنے علم اور اجتہاد سے کام لینے کا مجاز حاصل ہو تو اس صورت میں احکام شرعیہ میں شیخ کے عمل بالخلاف سے مرید کے قلب میں عظمت شیخ جیسا کہ چاہیئے تاہم نہیں رہ سکتی بلکہ جب شیخ کے عقائد اور اعمال بزعم مرید خلاف شرع اور سنت ہونگے تو شیخ کیساتھ ارادت بھی کسی طرح باقی نہیں رہ سکتی اور ایسی حالت میں خود شیخ لائق مشیخت متصور نہیں ہو سکتا اسلئے کہ جب شیخ کو قطع نظر علم ظاہری کے اپنے کشف باطنی اور نور عرفان سے بالخصوص ایسے مسائل میں جو اُن کے اور ان کے مریدوں کے فیما بین مابہ الاختلاف ہوں حق و باطل اباحۃ و ضلالت میں تمیز نہ ہو سکے تو وہ بھی ترقی مدارج وسط منازل الی اللہ کا ذریعہ کیونکر بن سکتا ہو یا کیونکر بنایا جا سکتا ہو اور وہ کامل مکمل کیونکر متصور ہو سکتا ہو اور اگر یہ کہا جاوے کہ ایسے مسائل فرعیہ کا اختلاف قدیمی بات ہے اور اس سے معاملات طریقت میں کچھ حرج متصور نہیں ہے تو اول تو یہ اختلاف ایسا ادنی درجہ کا نہیں ہے دوسرا اسکے تسلیم کرنے میں طالبان حق کو کسی عالم و کامل متبع سنت شیخ کی تلاش کرنیکی جو ایک ضروری بات قرار دی گئی ہو ضرورت باقی نہیں رہتی بلکہ ہر صوفی مشرب ان اشغال معینہ و معمولات کی تعلیم اور بذریعہ بیعت داخل سلسلہ کرنے کیلئے کافی ہو سکتا ہے اور اگر مرید اور خلیفہ کو اتباع کامل کی ضرورت ہو اور مرشد کیساتھ ہم خیال و ہم عقیدہ و ہم عمل ہونا ضروری ہو تو بوجہ اختلاف مسائل معلومہ متذکرہ شبہ اوّل ان حضرات کے اندر اُن کا فقدان ظاہر ہے پس ایسی حالت میں ان حضرات کی خلافت راشدہ کیونکر تسلیم ہو اور اگر تسلیم ہو تو حضرت حاجی صاحب رحمۃ اللہ علیہ کے وہ فرمان جو بالتخصیص حضرت مولانا رشید احمد صاحب کے حق میں نافذ ہوئے ہیں کیا معنی رکھتے ہیں اور کس بناء پر ہیں اور اگر ہر دو حضرات کے معتقدات اور معمولات یکساں قرار دیجائیں تو تطبیق کس طریقہ سے کی جاوے اور قطع نظر دیگر مضامین کے حضرت حاجی صاحب رحمۃ اللہ علیہ کے

رسالہ فیصلہ ہفت مسئلہ کیلئے ایک شرح مع ازالہ تاویلات کثیرہ مطلوب ہوگی۔ **تیسرا شبہ** یہ ہے کہ حضرت حاجی صاحب کے خلفاء میں باعتبار اختلاف بعض معتقدات و معمولات معلومہ کے دو فریق ہیں اور ہر فریق علماء کا ہے جنمیں ایک فریق مولوی احمد حسن صاحب کانپوری اور شاہ عبدالحق صاحب مہاجر مکی و مولوی عبدالسمیع صاحب میرٹھی وغیرہ کا ہے جنکے معتقدات و معمولات مثل حضرت حاجی صاحب و دیگر متقدمین صوفیہ کرام پیشوایان سلسلہ چشتیہ صابریہ قدوسیہ کے ہیں۔ اور دوسرا فریق مولوی رشید احمد صاحب و مولوی اشرف علی صاحب و مولوی محمد قاسم صاحب مرحوم وغیرہ کا ہے جو ان معتقدات و معمولات کو بدعت و ضلالت بلکہ اس سے بھی زیادہ بدتر کہتے ہیں کہ نوبت بشرک و کفر پہنچاتے ہیں پس ان ہر دو فریق میں سے خلافت راشدہ کس فریق کی متصور ہو سکتی ہے اور حضرت حاجی صاحب رحمۃ اللہ علیہ کا ایسے دو مختلف العقیدہ والعمل اشخاص کو خلافت عطا فرمانا کیسا عمل ہے پس یہ ہیں وہ اعتراضات و شبہات جنکے جوابات معقول دینے میں اور مخالفین نامعقول کو معقول کر دینے میں مجھ جیسے بعض کم علم محبان خانوادۂ امدادیہ کو دشواری ہوتی ہے پس اگر والاجناب توجہ فرماویں اور ان امور کا جواب مفصل تحریر فرما دیں تو قطع نظر اسکے کہ مخالفین کے جواب دینے میں سہولت ہو جاوے بمصداق لیطمئن قلبی کے موافقین کے انشراح خاطر کیلئے بھی بے نہایت اسکا امداد اور مفید ہو۔ زیادہ بجز نیاز کیا عرض کیا جاوے فقط والسلام۔

الجواب۔ مکرمی السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ۔ بعض امور فی نفسہ مباح و جائز ہوتے ہیں مگر مفاسد عارضہ سے قبیح ہو جاتے ہیں جیسے اعمال متنازعہ فیہا فی زماننا مثل مجلس مولد شریف اور فاتحہ و گیارہویں و نحوہا ان میں دو طرح کا اختلاف ہو سکتا ہے اول یہ کہ ان مفاسد کو قبیح نہ سمجھے یہ اختلاف ضلالت و معصیت ہے دوم یہ کہ ان مفاسد کو قبیح سمجھے اور ان مفاسد کیساتھ ان اعمال کی بھی اجازت نہ دے مگر بوجہ حسن ظن اور عوام الناس کے حالات کی تفتیش نہ کرنے سے یہ سمجھ کر کہ لوگ ان مفاسد سے بچتے ہونگے یا بچ جاوینگے اجازت دیدی سو یہ اختلاف فی الواقع مسئلہ میں اختلاف نہ ہوا بلکہ ایک واقعہ کی تحقیق کی غلطی ہے جو علم و فضل یا ولایت بلکہ نبوت کے ساتھ بھی جمع ہو سکتی ہے اور اس سے عظمت یا شان یا کمال اور قرب الٰہی میں کچھ فرق نہیں آتا انتم اعلم بامور دنیاکم خود حدیث میں ہے۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کا مشورہ درباب بشارت یا حضرت علی کرم اللہ وجہہ کا باوجود صدور حکم نبوی درباب اجراء حد زنا ایک جاریہ کے زچہ ہونے کی وجہ سے تعمیل حکم میں التوا کرنا اور حضور کا اسکو پسند فرمانا خود احادیث صحیحہ میں آیا ہے امید ہے کہ میرے اس مختصر

مضمون سے سب شبہات حل ہوگئے ہونگے مگر احتیاطاً کسیقدر مفصل بھی عرض کرتا ہوں۔

شبہ اول کا جواب یہ ہے کہ حضرت حاجی صاحب رحمۃ اللہ علیہ کے وہی عقائد ہیں جو اہل حق کے
ہیں اور حضرت رح کا ان اعمال میں شریک ہونا یا تحریراً و تقریراً اذن فرمانا نعوذ باللہ مبنی فساد عقیدہ پر نہیں ہے
نہ تقلید پر ہے بلکہ چونکہ یہ اعمال فی نفسہا جائز ہیں انکو جائز سمجھکر کرتے تھے اور کہتے تھے اور گمان یہ تھا کہ
فاعلین یا مخاطبین یا حاضرین مجلس بھی ان مفاسد سے مبرا ہونگے تو بعض جگہ یہ گمان صحیح تھا۔ اور
بعض جگہ حسن ظن کا غلبہ تھا اور یہی صورت اکثر تھی اور جو لوگ بدعۃ و ضلالت کہتے ہیں
نفس افعال کو نہیں کہتے کہ حضرت پر اثر پہنچے بلکہ مفاسد کو کہتے ہیں جس سے حضرت خود بری ہیں
پس حضرت کے قول و فعل کا خلاصہ یہ نکلا کہ یہ افعال بلا مفاسد جائز ہیں اور فتوائے علماء کا حاصل یہ ہوا
کہ یہ افعال مع المفاسد ناجائز ہیں سو اسمیں کچھ اختلاف نہ ہوا البتہ یہ امر کہ آیا اکثر مواقع میں یہ مفاسد
موجود ہیں یا نہیں اسمیں حضرت رح اور علماء کا اختلاف رہا سو یہ ایک واقعہ میں اختلاف ہے جیسے
زید کے کھڑے ہونے میں اس میں اگر حضرت رح کو صحیح خبر تحقیق نہ ہو تو حضرت رح پر الزام و ملامت
نہیں اور نہ اختلاف کرنیوالوں کو اسکے خلاف سے کوئی ضرر۔

دوسرے شبہ کا جواب یہ ہے کہ جو امر یقیناً خلاف ہو اس میں شیخ کا اتباع مرید کو ضرور نہیں اور
جو امر ایسا ہو کہ شیخ کا عقیدہ اس میں صحیح ہے اور کسی واقعہ کی صحیح خبر نہ پہنچنے سے عمل خلاف مصلحت
ہوگیا چونکہ فی نفسہ وہ امر خلاف شرع نہیں حسن عقیدہ و نیت سے شیخ نے کیا ہے وہ خلاف شرع نہیں ہے
اسلئے شیخ کی عظمت مرید کے قلب سے ذرہ برابر نہیں گھٹ سکتی۔ مثلاً اگر کسی شخص نے ہمارے پیغمبر صلی اللہ
علیہ وسلم کو کھانے میں زہر ملا کر کھلا دیا اور آپ کو اسوقت خبر نہ ہوئی تو صحابہ کے قلب سے یہ سمجھکر کہ
حضور نے زہر نوش فرمایا ہرگز عظمت کم نہیں ہو سکتی بلکہ یہی کہا جاویگا کہ آپنے تو کھانا نوش فرمایا ہے
مگر زہر کی اطلاع حضور کو نہ ہوئی ورنہ ہرگز نوش نہ فرماتے اور اس بنا پر مرید افعال شیخ کو خلاف شرع دیکھکر
جو عظمت کم ہو اور کشف باطن اور نور عرفان سے حق و باطل کا انکشاف کسی درجہ میں مسلم سہی۔ مگر یہاں تو
حق و باطل میں شیخ کو التباس ہی نہیں جو انکشاف کی حاجت ہو۔ اس کا انکشاف تو حاصل ہے کہ فلاں
طور پر حق ہے اور فلاں طور پر باطل ہے صرف ایک واقعہ جزئیہ اسکی نظر سے مخفی ہے جسکا مخفی ہونا انبیاء
علیہم السلام سے بھی مستبعد نہیں خود حدیث میں حضور کا ارشاد ہے کہ میں بشر ہوں شاید کوئی شخص اپنے

دعوے پر حجت شرعیہ قائم کرکے مقدمہ جیت لے اور اُس کا حق نہ ہو اور میں اُسے دلا دوں تو وہ دوزخ سے حصہ لے رہا ہو۔ ظاہری حجت پر حضور فرما دیتے تھے اور بعض اوقات احتمال ہوتا تھا کہ شاید دوسرے کا حق ہو حضور پر پھر ہرگز کوئی طعن نہیں ہو سکتا آپ نے تو حق ہی فیصلہ فرمایا مگر چونکہ واقعہ کی تحقیق صحیح نہ تھی اسلئے صاحب حجت کو غالب فرما دیا ایسی حالت میں کامل مکمل ہونے میں کوئی شبہ نہیں ہو سکتا بخلاف اُس شیخ کے جسکے عقائد یا مسلک میں غلطی یقینی ہو وہ البتہ قابل شیخ ہونیکے نہیں۔ اور اوپر معروض ہو چکا ہے کہ حضرتؒ کے عقاید یا مسلک میں خلاف نہیں صرف ایک واقعہ کی تحقیق صحیح نہیں پہنچی پس حضرت پر کوئی شبہ رہا نہ خلفاء کی خلافت راشدہ میں کوئی قدح رہا۔ سلطان نظام الدین اولیا قدس سرہ کے خلیفہ کا سماع سے منکر ہونا شیخ کے روبرو مشہور و معروف ہے اور فہیم آدمی کیلئے خود فیصلہ ہفت مسئلہ کی عبارت میں جا بجا التقییدہ کو مرتبۂ ضرورت میں سمجھنے کی خدمت شرح کافی ہے اور حجام کے حق میں دفاتر و دساتیر بھی کافی نہیں۔

تیسرے شبہ کی نسبت یہ عرض ہے کہ حضرتؒ کے تمام خدام کی خوش اعتقادی کا دعویٰ ہم نہیں کر سکتے یقیناً بعض اہل علم کو بعض امور میں لغزش واقع ہوئی ہے۔ بعض کو تو مسائل میں غلطی ہو گئی ہے جس سے حضرتؒ بالکل مبرا و منزہ ہیں اگر وہ حضرت کے قول کی سند لاویں تو بہت یقین کیساتھ کہا جا سکتا ہے کہ اُنھوں نے حضرت کے ارشاد کو نہیں سمجھا یا حضرت نے غلبہ حال میں کوئی امر فرمایا جو تاویل کے قابل ہوتا ہو اور اُن صاحبوں نے اسکو ظاہر پر محمول فرما لیا۔ چنانچہ اس ناکارہ کے روبرو غلبہ حال میں بعض امور غامضہ فرمائے اور خود حضرت کی حالت سے معلوم ہو گیا کہ اسوقت غلبہ ہے۔ ممکن ہے کہ کسی کو اسکی طرف توجہ نہوئی کہ اسکو غلبہ سمجھا ہو اور بعض امور میں غلطی بھی نہیں ہوئی مگر عوام اس سے برباد ہوئے چونکہ ان صاحبوں کو غلبہ حال ہی نہیں اور عوام کے حال سے بھی علماء کو بوجہ اختلاط عوام کے اطلاع زیادہ ہوتی ہے اسلئے ان صاحبوں کی غلطی تحقیق واقعہ میں یا غلبہ حال کے ارشادات نقل کر دینے میں قابل معذوری نہیں اور مشائخ میں یہ دونوں عذر صحیح ہیں اور یہ مسئلہ کی یقینی غلطی تو کسی کے لئے بھی عذر نہیں مگر حضرتؒ اس سے بالکل بری ہیں اور حضرت کا خلافت عطا فرما دینا کسی مبتلائے غلطی کو بنا بر عدم اطلاع اس شخص کی غلطی کے ہو جسکا خلاف شان نہونا اوپر ظاہر ہو چکا ہے اگر اسکے بعد کوئی شبہ ہو بے تکلف اظہار فرما دیا جاوے۔ میں ایک ضرورت سے دوسری جگہ آیا ہوں۔ شاید دو چار روز اور

رہنا ہو فقط والسلام۔ راقم اشرف علی عفی عنہ۔

مستفتی کا دوسرا خط جسمیں اُسنے پہلے خط کے جواب پر کچھ شبہات کئے ہیں

بخدمت فیضدرجت جامع کمالات صوری و معنوی مولانا مولوی محمد اشرف علی صاحب دامت فیوضہم۔
بس از سلام مسنون عقیدۃ مشحون معروض آنکہ افتخار نامہ بجواب عریضہ صادر ہوکر کاشف اسرار ہوا اس میں شک نہیں کہ جناب نے بطریق تمہید جواب جو کچھ اجمالاً تحریر فرمایا ہے وہ بھی مخلصین کے اطمینان قلب کیلئے کافی ووافی ہے لیکن منکرین کیلئے ہنوز گنجایش کلام باقی ہے جسکو جناب کے اس ارشاد کی تعمیل میں (کہ اسکے بعد اگر کوئی شبہ ہو تو بے تکلف اظہار کر دیا جاوے) ذیل میں گذارش کرتا ہوں اور اُمید ہے کہ اس تحریر کافی اور مفصل جواب کے بعد اس معاملہ میں ضرورت تصدیعہ باقی نہ رہیگی سہر دو روایات مشہورہ کتمان بشارت اور التماس لئے اجرار حدزنا کو تفصیل کیساتھ ارقام فرما دیجئے۔ اور خلیفہ حضرت مولانا نظام الدین اولیا رقدس اللہ سرہ العزیز کی مخالفت بمعاملہ سماع کا قصہ بھی مفصل مع حوالہ کسی کتاب کے اور نیز اسی قسم کی دیگر روایات اگر مستند کتابوں سے بہم پہنچ سکیں رقم فرمایئے اسلئے کہ یہ اکثر دیکھا گیا ہے کہ بمقابلہ دلائل و براہین عقلی ونقلی کے گذشتہ واقعات کی تمثیل متصوفین زمانہ حال میں زیادہ اثر پیدا کرتی ہے بنظر علم شبہات جوابات سابقہ عریضہ مع سامی نامہ ہمرشتہ عریضہ ہذا مرسل ہے تاکہ تحریر جواب میں سہولت ہو۔ ایک امر خاص بنظر اطلاع پیش کرتا ہوں اور وہ یہ ہے کہ اس عرصہ میں میری نظر سے ایک تحریر مولوی احمد حسن صاحب کانپوری کی گذری ہے جسمیں رسالہ فیصلہ ہفت مسئلہ کی بابت یہ الفاظ تحریر تھے (ہفت مسئلہ میں جو ضمیمہ لگایا گیا ہے اسکی عدم رضا حضرت کی طرف سے ثابت ہے مولوی شفیع الدین صاحب نے بتاکید آپنے فرمایا ہے کہ اشتہار رد و اس امر کا کہ ضمیمہ ہمارے خلاف ہے) اب اصل مطلب عرض کیا جاتا ہو اور بطریق مدعیانہ شبہ اول کے جواب میں آپ نے ارقام فرمایا ہے کہ چونکہ یہ اعمال فی نفسہا جائز ہیں انکو جائز سمجھا کرتے تھے اور گمان یہ تھا کہ فاعلین و حاضرین مجلس ان مفاسد سے مبرا ہونگے۔ ....

....

.... اس موقع پر اس کی تحقیق مطلوب ہوئی کہ وہ مفاسد کیا ہیں جن سے حضرت مبرا تھے اور بعض نکا

مبتر ہونا اپنے حسن ظن سے خیال فرماتے تھے جہانتک خیال کیا جاتا ہے مفاسد وہی امور قرار دیئے گئے ہیں جنکو حضرت حاجی صاحبؒ نے مصالح پر مبنی نہ ہونا ارشاد فرمایا ہے اگر یہ کہا جاوے کہ یہ امور فی نفسہ جائز ہیں اور تبدیل نیت اور عقیدہ سے ناجائز ہو جاتے ہیں اسکے بارہ میں یہ شبہ ہوتا ہے کہ اول تو نیت و عقیدت کا حال کسی کو معلوم نہیں ہو سکتا۔ دوسرے باستثناء رجال دعوام عموماً تعلیم یافتہ اور خواص نیک نیتی و خوش عقیدتی کے ساتھ محض ان مصالح پر نظر کر کے جو سلف سے منظور نظر ہیں اس قسم کے اعمال کرتے ہیں اور ان اعمال کے ترک کو بھی صرف بخیال فوت ہو جانے ان مصلحتوں کے یا ترک اقتدار بزرگان پیشین کے مذموم تصور کرتے ہیں پھر ایسی حالت میں عام طور پر بلا کسی استثناء کے ان علماء کی ممانعت حضرت حاجی صاحبؒ کے ارشاد کے خلاف کیوں نہ سمجھی جاوے کیا حضرت حاجی صاحبؒ کے یہاں جو محفل میلاد شریف ہوتی تھی یا جن محافل کے اندر ہندوستان میں یا مکہ معظمہ وغیرہ میں حضرت حاجی صاحب کو شرکت کا اتفاق ہوا ہوگا ان محافل میں تداعی اور کثرت روشنی اور استعمال خوشبو و اہتمام فروش و جائے نشست ذاکر کو بلند و ممتاز قائم کرنا اور قیام بالتخصیص عند ذکر الولادۃ اور اجتماع ہر خاص و عام کا نہ ہوتا تھا نہیں ضرور ہوتا تھا۔ پس وہ کون سے مفاسد تھے جن سے حضرت کو عدم واقفیت و لاعلمی تھی اور وہ کون سے واقعات تھے کہ جن سے حضرت بیخبر تھے کہ جسکی بنیاد پر واقعہ کی تحقیق میں غلطی ہونا تسلیم کیا جا سکے۔ شبہ دوم چونکہ شبہ اول پر مبنی ہے اسلئے اسکے جواب کا بھی وہی انداز قائم کیا گیا کہ کسی واقعہ کی صحیح خبر نہ پہنچنے سے کوئی عمل خلاف مصلحت مرشد سے سرزد ہو جاوے تو اس سے عظمت شیخؒ کی بابت کوئی ناقص خیال پیدا نہیں ہو سکتا اول تو حسب اقوال و اعمال متصوفین سابقین شیخ کے حق میں یہ کلام و گمان بھی کہ عمل خلاف مصلحت ہوا سوء ادبی ہے کیونکہ باوجود علم و احتمال ایسے اختلافات عظیم کے ایسے شیخ سے عمل خلاف مصلحت ہو جانا اسکی شان میں فرق ڈالنے والی بات ہے۔ دوسرے یہ امر دریافت طلب ہوا کہ وہ کون سے ایسے واقعات تھے جنکی خبر صحیح حضرت کو نہ پہنچی تھی جہانتک خیال کیا جاتا ہے اس امر کا ثابت کرنا سخت متعذر معلوم ہوتا ہے بلکہ اسکے خلاف شہادتیں تحریری و تقریری ہندوستان میں اکثر موجود ہیں۔ شبہ سوم کا جواب بھی بطرز سابق یہ ارقام ہوا ہے کہ حضرت کا خلافت عطا فرما دینا کسی مبتلائے غلطی کو بنا بر عدم اطلاع اس شخص کی غلطی کے ہے جسکا خلاف شان نہ ہونا اوپر ظاہر ہو چکا اس معاملہ میں اول تو اس بات کا مان لینا کہ حضرت کو ان اشخاص کے احوال و اقوال عقائد و اعمال کی اطلاع نہ ہو سخت دشوار بلکہ

بداہت کا انکار ہے اور کسی طرح قرین عقل نہیں کہ جو لوگ مدتوں خدمت و صحبت میں حاضر رہے ہوں اور نزدیک و دور سے فیضان باطنی سے مستفیض ہوتے رہے ہوں انکے معتقدات اور معمولات سے حضرت بے خبر رہیں اور اگر عیاذاً باللہ بہ تمثیل منافقان اوائل زمانہ رسالت بے خبری تسلیم بھی کیجاوے تو حضرت پر یہ الزام یہ عائد ہوگا کہ بلا اطمینان تصحیح حال و اعمال خلافت کیوں عطا فرمادی اسلئے کہ یہ امر خلافت تو کوئی دنیا کا کام نہ تھا یا کوئی عبادات یا معاملات کا مسئلہ یا استفتا رنہ تھا کہ جسکے بابت یہ حجت کیجا سکے کہ واقعات و حالات سے بے خبر رہنے کی وجہ سے حکم یا عمل خلاف واقعہ یا مصلحت صادر ہوگیا بلکہ یہ معاملہ تو بالکل نور باطن و تصفیہ قلب و عرفان سے تعلق رکھتا ہو۔ پھر کیوں ان ذریعوں سے مثل بزرگان سلف مریدین کے حالات کو دریافت نہیں کیا تاکہ وہ غلطیاں جنمیں بعض خلفا مبتلا تھے آیندہ سلسلہ میں سنت پیر یا عمل شیخ قرار پاکر شائع نہ ہونے پائیں کیوں مراقبہ قلب حضرت میں ان خلفا کے بعض عقائد و اعمال فاسدہ کا عکس جیسا کہ اکثر بزرگواروں کے حالات میں مذکور ہوتا ہے منعکس نہیں ہوا۔ اب ان امور کا جواب بعد ملاحظہ و توجہ تحریر اول کے ارشاد فرمایا جاوے اور پہلے پتہ کے موافق ارسال فرمایا جاوے۔ اگرچہ اسمیں شک نہیں کہ اس فضول کام میں جناب کے اوقات عزیز کا صرف کرانا نہایت بےموقع تصدیعہ دہی ہے۔ مگر مقتضائے ضرورت بنظر بہ اشفاق عمیم جناب والا مجبوراً تکلیف دیگئی فقط زیادہ نیاز۔

الجواب - از خاکسار اشرف علی عفی عنہ۔ السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ۔ میں ہنوز چونکہ علیل ہوں اسلئے آپکا خط دیر میں ملا۔ آپنے جو تحریر فرمایا ہے کہ منکرین کیلئے ہنوز گنجایش کلام باقی ہے سو احقر نے پہلے بھی تصفیہ کیلئے لکھا تھا اور اب بھی اسی غرض سے لکھتا ہوں۔ منکرین کیلئے پہلے ہی خط میں لکھ چکا ہوں کہ وہ تو کبھی کافی نہیں۔ خلاصہ یہ کہ تحقیق حق مقصود ہو مناظرہ مقصود نہیں نہ آجکل اس سے کوئی نفع۔ لہذا تمام تر تحریرات جواب اسکات منکرین سے قطع نظر کیجیے اپنے شبہات کو البتہ رفع کر لیجیے۔ دوسروں سے اگر گفتگو ہو تو اگر وہ منصف ہوں تو انکو علماء کا حوالہ دیجیے خود وہ اپنے شبہات رفع کر لیں آپ کیوں فکر فرماتے ہیں اور اگر وہ معاند ہوں جانے دیجیے ان کے ساکت کردینے کا کوئی شرعاً مکلف نہیں پھر تعب برداشت کرنا ایک فضول امر کیلئے کسکو ضرورت پڑی ہو مشورہ کتمان بشارت مشکوٰۃ کی کتاب الایمان میں موجود ہو۔ التولئے صدرنا کا قصہ مسلم وابوداؤد وترمذی میں موجود ہو۔ ہکذا فی التیسیر فی کتاب الحدود اور مسلم میں ایک۔ قصہ مذکور ہے کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ کو ایک شخص کی گردن مارنیکا حکم

فرمایا چونکہ وہ شخص کسی ام ولد کے ساتھ متہم کیا گیا تھا حضرت علی رضی اللہ عنہ نے اسکو مجبوب پاکر چھوڑ دیا
اور آپ نے تحسین فرمائی۔ معاملہ خلیفہ سلطان جی کا غالبًا انوار العارفین میں مذکور ہو۔ دیگر روایات علی ہٰذا تفتیش
کی چونکہ ضرورت نہیں اسلئے اس کا قصد نہیں کیا گیا جبکہ ایک دلیل بھی کافی ہے۔ اگر یہ امر قابل اطلاع تسلیم
بھی کرلیا جاوے تو مضر نہیں کیونکہ ممکن ہے کہ حضرت رح کی خدمت میں تمیداس طرح اور ایسے عنوان سے
پیش کیا گیا ہو کہ حضرت کو مظنہ انکار نفس اعمال یا منع القیود المباحہ بلا لزوم المفاسد کا ہوگیا ہو اس
بنا پر اظہار مخالفۃ مانعین کو مضر نہیں ہے جو مفاسد آپنے دریافت فرمائے ہیں اگر آپ اصلاح الرسوم کی
مفصل بحث میلاد شریف۔ یا رسالہ طریقہ مولد شریف از تالیفات احقر ملاحظہ فرمادیں تو ان مفاسد کا
بخوبی انکشاف ہوجاوے مگر یہاں بھی ان کا خلاصہ واصل الاصول عرض کئے دیتا ہوں وہ مفسدہ تبدیل
نیت وعقیدہ ہو اور اسپر جو شبہ لکھا ہو اسکا جواب یہ ہو کہ عقیدہ ونیت کا حال بلا اظہار البتہ معلوم
نہیں ہوسکتا مگر جب اہل عقیدہ اپنے قول سے یا فعل سے اسکا اظہار کردیں تو معلوم ہوجاویگا چنانچہ
ان صاحبوں کی مجموعی حالت سے اعتقاد کا حال صاف صاف ظاہر ہوتا ہے۔ مختصر امتحان یہ ہے کہ اگر
یوں مشورہ دیا جاوے کہ جو قیود فی نفسہا مباح اور جائز الفعل والترک ہیں انکو دس بار ترک بھی کردو تاکہ
قولًا وفعلًا اباحت ظاہر ہوجاوے تو اس قدر شاق ہوگا کہ فورًا مخالفت پر آمادہ ہوجاوینگے اگر یہ ان
امور کو ضروری نہیں سمجھتے تو اس شاق گذرنے کی کیا وجہ اکثر عوام کا تو یہی حال ہو اگر کسی تعلیم یافتہ
فہیم کا یہ عقیدہ نہ بھی ہو تو غایۃ مافی الباب اس کیلئے علت ممانعت یہ نہ ہوگی مگر یہ لازم نہیں آتا
کہ کسی دوسری علت سے بھی منع نہ کیا جاوے اگر کوئی دوسری علت منع کی پائی جاویگی تو انکو بھی کہینگے
وہ علت ایہام جاہل ہو یعنی خواص کے کسی فعل مباح سے اکثر عوام کے عقائد میں فساد آنے کا اندیشہ
غالب ہو تو خواص بھی مامور بترک مباح ہونگے شامی محشی درمختار نے بحث کراہت تعیین سورۃ میں
یہ قاعدہ لکھا ہو کہ جہاں تغیر مشروع ہو یا ایہام جاہل ہو وہاں کراہت ہوگی پس عوام الناس تغیر
مشروع کی وجہ سے روکے جاتے ہیں اور خواص ایہام جاہل کی وجہ سے یہی وہ مفسدہ ہو جس کا مخفی رہ جانا
اور ملتفت الیہ نہ ہونا بعید نہیں اکثر مفاسد نیات وعقائد عوام کے بزرگان واکابر سے مخفی رہتے ہوئے
روز وشب مشاہدہ میں آتے ہیں شبہ دوم کا جواب بھی اسی تقریر سے نکل آیا سو ادب کا شبہ اہل فہم
سے نہایت بعید ہو جب انبیاء علیہم السلام سے زلت کے صدور کے معتقد وقائل ہونے میں کچھ ادب

لازم نہیں آیا تو اولیاء کرام کے حق میں کونسی بات سوء ادب کی ہو۔ ہاں سوء ادب ایک طرح یہ بھی ہے کہ بلا ضرورت ان زلات کو گاتا پھرے اور جو شخص مقام تحقیق احکام شرعیہ میں ان زلات کا ذکر کرے در باب احکام کے ان کا حجت نہ ہونا بیان کرے یہ ہرگز بے ادبی نہیں بلکہ عین ادا ر مامور بہ ہے اور یہ امر دریافت طلب کہ وہ کونسے واقعات تھے اسکی تحقیق اوپر ہو چکی ہے اور وہاں یہ بھی ثابت کر دیا گیا ہے کہ ایسے مفاسد دقیقہ عوام کا خواص سے مخفی رہنا شب و روز مشاہدہ میں آرہا ہے۔ اور ایک شہادت تحریری یا تقریری بھی اسکے خلاف پر قائم نہیں البتہ اسکی موافقت میں بیشمار شہادتیں ہیں۔ شبہ سوم کا جواب بھی مضامین مذکورہ بالا میں نظر کرنے سے صاف ظاہر ہے یعنی اوپر ظاہر ہو چکا ہے کہ مفسدہ دو ہیں تغیر مشروع اور ایہام جاہل سو ایک عالم کے عقائد میں ایسا فساد کہ تغیر مشروع کی نوبت آدے اگر مستبعد بھی ہو مگر ایہام جاہل یعنی انکے عمل سے عوام مبتلا ر فساد ہو جاویں ہرگز مستبعد نہیں اور چونکہ حضرت کی خدمت میں حاضر رہنے تک نہ ان صاحبوں کو ان اعمال کا مستقل اہتمام کا موقع ملا نہ وہاں کی حاضری میں مقتدا ہونیکا خاص موقع ملا۔ البتہ ہندوستان میں پہنچکر شان پیشوائی ظاہر ہوئی ان اعمال کا اہتمام بھی کیا معتقدین کا ہجوم بھی ہوا ایہام کی نوبت بھی آئی تو اس ایہام کا یہ زمانہ حاضری میں مشاہدہ کب ہو سکتا تھا پھر مخفی رہنے میں کوئی استبعاد نہیں۔ اب شبہ تمثیل منافقان وعطائے خلافت بلا تحقیق سب زائل ہو گیا اور یہ سوال کہ نور باطن سو حضرت کو کیوں نہ معلوم ہو گیا یا کیوں نہ معلوم کر لیا اسکا حاصل یہ ہوا کہ آپکو کشف کیوں نہ ہوا یا آپنے قوت کشفیہ کو کیوں نہ استعمال کیا سو جو لوگ اس فن سے واقف ہیں ان کے نزدیک اسکا جواب بدیہی ہے کہ کشف امر اختیاری نہیں نہ امر دائمی ہے اسلئے یہ سوال ضعیف ہے اس پر جو تفریعات کی ہیں وہ بھی سب اسی طرح مدفوع ہیں اب آخر میں یہ عرض ہے کہ اگر کوئی نیا شبہ ہو تو تحریر فرمانے کا مضائقہ نہیں اور اگر مثل خط دوم کے پہلے ہی شبہات کا اعادہ اور ان کے جوابوں کی توضیح کا لکھنا مد نظر ہو تو اس تطویل سے بہتر ہوگا اگر خود تشریف لاکر فیصلہ فرمالیں کیونکہ تحریر میں بہت سے امور مفصل و مشرح ہو جانے سے رہ جاتے ہیں اور غیر ضروری امر میں وقت صرف کرنا دریغ دشوار معلوم ہوتا ہے فقط والسلام

اکتیسویں[۳۱] حکمۃ جواب روایتے دالہ بر سماع نبوی درود را بلا واسطہ

سوال۔ خادم کا عقیدہ یہ ہے کہ درود شریف کو فرشتے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم تک پہونچا دیتے ہیں بنا

پڑ الصلوٰۃ والسلام علیک یا رسول اللہ اگر پڑھا جاوے تو یہ خیال کیا جاتا ہے کہ فرشتے پہونچا دیں گے خود سماع آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کا بلا واسطہ نہیں ہوتا مگر استاذی مولانا مولوی... صاحب چند روز ہوئے آرہ تشریف لیگئے تھے ایک بزرگ نے ایک کتاب ابن قیم جوزی کی جس کا نام جلاء الافہام فی الصلوٰۃ والسلام علی خیر الانام ہے دیکھنے کو دی اسمیں یہ حدیث موجود ہے جسکو مولانا نے نقل فرمایا ہے۔ حدثنا یحییٰ بن ایوب العلاف حدثنا سعید بن ابی مریم حدثنا یحییٰ بن ایوب عن خالد بن یزید عن سعید بن ہلال عن ابی الدرداء قال قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اکثروا الصلوٰۃ علی یوم الجمعۃ فانہ یوم مشہود تشہدہ الملئکۃ لیس من عبد یصلے علی الا بلغنی صوتہ حیث کان قلنا و بعد وفاتک قال و بعد وفاتی ان اللہ حرم علی الارض ان تاکل اجساد الانبیاء اس حدیث میں کوئی کلام بھی نہیں کیا کہ ضعیف ہے یا موضوع اس حدیث سے معلوم ہوتا ہے کہ ہر شخص کی آواز کو سماع فرماتے ہیں علاوہ اس کے کوئی معنی بیان فرماویں تاکہ تردد رفع ہو یا ایسا ہی عقیدہ رکھنا چاہئے آنحضور کا کیا ارشاد ہے۔

الجواب۔ اس سند میں ایک راوی یحییٰ بن ایوب بلا نسب مذکور ہیں جو کئی راویوں کا نام ہے جنمیں سے ایک غافقی ہیں جنکے باب میں ربما اخطأ لکھا ہے یہاں احتمال ہے کہ وہ ہوں دوسرا ایک راوی خالد بن یزید ہیں یہ بھی غیر منسوب ہیں اس نام کے رواۃ میں سے ایک کی عادۃ ارسال کی ہے اور یہاں عنعنہ سے ہے جسمیں راوی کے متروک ہونیکا اور اس متروک کے غیر ثقہ ہونیکا احتمال ہے تیسرے ایک راوی سعید بن ابی ہلال ہیں جنکو ابن حزم نے ضعیف اور امام احمد نے مختلط کہا ہے و ھذا کلہ من التقریب پھر کئی جگہ اس میں عنعنہ ہے جسکے حکم بالاتصال کیلئے ثبوت تلاقی کی حاجت ہے یہ تو مختصر کلام ہے سند میں باقی رہا متن سو اولا معارض ہے دوسری احادیث صحیحہ کے ساتھ چنانچہ مشکوٰۃ میں نسائی اور دارمی سے بروایت ابن مسعود رضی اللہ عنہ یہ حدیث ہے۔ قال رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم ان للہ ملئکۃ سیاحین فی الارض یبلغونی من امتی السلام اور یہی حدیث حصن حصین میں بحوالہ مستدرک حاکم و ابن حبان بھی مذکور ہے اور نیز مشکوٰۃ میں بیہقی سے بروایت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ حدیث ہے قال رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم من صلے علی عند قبری سمعتہ ومن صلے علی نائیا ابلغتہ اور نسائی کی کتاب الجمعہ میں بروایت اوس بن اوس یہ حدیث مرفوع ہے فان صلوتکم معروضۃ علی

الحدیث یہ سب حدیثیں صحیح ہیں عدم السماع عن بعید میں و ظاہر ہے کہ جلاء الافہام ان کتب کی برابر قوت میں نہیں ہوسکتی لہذا اقوی کو ترجیح ہوگی تاہم لفظ بلغنی صوتہ محتمل تاویل ناشی من دلیل کو ہے واذا جاء الاحتمال بطل الاستدلال اور وہ دلیل جو منشا تاویل کا ہے دوسری احادیث مذکورہ ہیں پس بضرورت جمع بین الاحادیث اس لفظ کی یہ توجیہ ہوگی کہ صوت سے مراد جملہ صلوتیہ ہے کیونکہ کلام اور کلمہ قسم ہے لفظ کی اور وہ قسم ہے صوت کی پس درود شریف بھی ایک صوت ہوا اور بلاغ عام ہے بلاغ بالواسطہ و بلا واسطہ کو اور بقرینہ دوسری احادیث کے بلاغ بالواسطہ متعین ہو پس معنی بلغنی صوتہ کے یہ ہونگے بلغنی صلوتہ بواسطۃ الملئکۃ رابعاً اگر حدیث کے ضعف سند اور متن کے معارض و محتمل تاویل ہونے سے قطع نظر کرلیجاوے اور کل ازمنہ و امکنہ و احوال اور جمیع مصلین میں عام لیا جاوے تب بھی اہل حق کے کسی دعوی مقصودہ کو مضر نہیں اور نہ ان کے غیر کے کسی دعوی مقصودہ کو مفید اگر اس اجمال پر قناعت نہ ہو تو اس ضرور یا نفع کو متعین کرنے سے انشاء اللہ تعالیٰ جواب میں تفصیل ہوگی واللہ اعلم۔ بعد تحریر جواب ہذا بلا توسط فکر قلب پر وارد ہوا کہ اصل حدیث میں صوتہ نہیں ہے بلکہ صلوتہ ہے کاتب کی غلطی سے لام رہ گیا ہو امید ہے کہ اگر نسخ متعددہ دیکھے جائیں تو انشاء اللہ تعالیٰ کسی نسخہ میں ضرور اسی طرح نکل آوے گا والغیب عند اللہ تعالیٰ فقط ۱۶ ذیقعدہ ۱۳۲۲ھ

بتیسویں۳۲ حکمت عموم قدرت واجبہ صدق و کذب ایضاً

سوال۔ امکان کذب میں ایک عالم نے ایسی تقریر کی جس سے شبہ پیدا ہوگیا وہ یہ ہے کہ کلام صفت باریتعالیٰ کا قدیم ہے اور تمام صفات اسکے کمال کے ہیں اور کذب نقص و عیب ہے اس سے منزہ ہونا ضروری ہے لہذا صفت کا صفت یعنی صدق بھی ہوگا پس اس کا خلاف ممکن نہیں اور صفات پر قدرت کا تعلق نہیں ہوسکتا کیونکہ قدرت ممکنات پر ہے صفات قدیم ہیں اور اس کا کلام صادق ہونا ازلاً و ابداً ضروری ہے کہ تمام صفات اسکی کمال کی ہیں نقص اسمیں ممکن نہیں لہذا کذب غیر ممکن ہے اس کا جواب شافی عطا ہو

الجواب۔ امکان و امتناع کے باب میں اس تقریر کی لطافت و حقیقت میں کوئی کلام نہیں مگر تمام متعلق کلام نفسی کے ہے سو اس مرتبہ میں صدق کے وجوب بالذات و کذب کے امتناع بالذات میں کسی کو اختلاف نہیں بلکہ بحث کلام لفظی میں ہے جبکہ وہ افعال میں سے اور مخلوق ہو جیسا ماتریدیہ کا مسلک ہے سو اسمیں

یہ تقریر نہیں چلتی بلکہ افعال پر بوجہ مخلوق ہونیکے قدرت ہونا ضروری ہے اور قدرت ہمیشہ ضدین کیساتھ متعلق ہوتی ہے جس سے اُس قدرت کا تعلق مثل صدق کے اُسکی ضد کے ساتھ بھی واجب ہوگا گو بالغیر ممتنع الوقوع ہو۔ خلاصہ یہ کہ صفات میں نقص ممتنع بالذات و افعال میں ممتنع بالغیر واللہ اعلم۔ ۲۶ ربیع الاول ۱۳۲۲ھ

سوال۔ از ناچیز ابو البرکات عُفی عنہ۔ بعد الیخدمت حضرت استاذی جناب مولانا صاحب عم فیضکم السلام علیکم ورحمۃ اللہ۔ شرفنامہ شرف صدور ہو کر باعث شرف اندوزی ہوا امکان و امتناع کے باب میں ایک دوسرا شبہ پیدا ہوا بفحوائے انما شفاء العی السؤال عرض کرنا مناسب سمجھا جبکہ کلام لفظی دال ہے کلام نفسی پر تو گویا یہ دونوں دال مدلول ہوئے یا معبر بہ و معبر عنہ چونکہ کلام نفسی ضروری الصدق ہے لہٰذا دال بھی ضروری الصدق ہونا چاہیئے ورنہ تغایر لازم آویگا اور معنی تغایر نہیں ہونا چاہیئے ورنہ کلام لفظی کلام اللہ نہ رہیگا کیونکہ وہی کلام ہے جسکا مدلول کلام نفسی ہے اور ہماری فہم کیلئے اصوات و حروف کا غلاف پہنا کر نازل فرمایا تاکہ سمجھنا آسان ہو۔ دوسرا شبہ یہ کہ کلام نفسی میں کذب ممتنع بالذات ہے پس لفظ امکان کذب باری تعالیٰ کیساتھ تعبیر صحیح نہیں ہے کیونکہ جناب باری تعالیٰ کا موصوف ہونا اس صفت کیساتھ یا کسی دوسرے عنوان سے تعبیر کرنا چاہیئے اور نیز یہ عرض ہے کہ کلام لفظی جو مقروء باللسان ہے وہی حادث ہے یا فی نفسہ قبل از قرارت لسان انسان بھی حادث ہے۔

الجواب۔ قولہ چونکہ کلام نفسی ضروری الصدق ہے لہٰذا دال بھی ضروری الصدق ہونا چاہیئے اقول پھر انکار کسکو ہے لیکن ضرورت عام ہے بالذات اور بالغیر کو۔ اگر کوئی بالغیر کا قائل ہو اور وہ غیر اس کلام نفسی کا ضروری الصدق ہونا ہو تو کیا محذور ہے قولہ ورنہ تغایر لازم آویگا اقول دال مدلول یا معبر بہ و معبر عنہ میں تغایر لازم ہے پھر اسکے التزام میں کیا محذور ہے گو اسکا التزام مضر نفس ضرورت صدق کلام لفظی کو نہیں قولہ تعبیر صحیح نہیں اقول عدم صحت کی کیا دلیل جبکہ امکان مساوق مقدوریت کا ہے اور کذب سے مرتبہ مخلوق مراد ہو البتہ سو ادب کہنا مسلم ہونیکی قابل ہے اور دوسرا عنوان غیر موہم بیشک مناسب ہے تاکہ عوام کو بھی وحشت نہو قولہ یا فی نفسہ قبل از قرارت لسان انسان بھی حادث ہے اقول ہاں لسان انسان سے پہلے وہ الفاظ خاصہ مسلک ماتریدیہ پر مخلوق ہو چکے۔ ۶ ذی الحجہ ۱۳۲۲ھ

تینتیسویں حکمت عموم قدرت واجبہ صدق و کذب ۳۳

سوال۔ امکان کذب کی ایک تقریر نہایت ہی عجیب آپنے ایک مرتبہ فرمائی تھی وہ بطلق زمین

سے اتر گئی اگر مختصر تحریر فرما دیں تو بڑا احسان ہو۔ نیز ایک صاحب کی اس بارہ میں ایک سخت تحریر تھی
سے اسکی طرف توجہ ہوئی۔ بہتیرے شبہات و شکوک پڑ سا واقع ہو گئی دن کے بعد ایک امر منقح ہوا
اور تحریر عام فہم میں لایا۔ مولانا عبدالمومن صاحب سے اسمیں گفتگو ہوئی اور کچھ شبہات پر جسکو جن کا دل نے
اندفاع کر لیا مگر تسلی نہ ہوئی نیز قابل وثوق نہ رہی کہ الزام قائم کر سکیں اسمیں چند باتیں دریافت
طلب ہیں مضمون کے متعدد پہلو اور جملہ اطراف ذہن میں چکر لگا رہے ہیں اسلئے انشاء اللہ آپ کی مختصر
تحریر نافع ہو جائے گی اس خیال سے سکوت نہ فرمائیگا کہ دیر طلب جواب یا محتاج بسط مسئلہ ہے
جس کیلئے فرصت کی ضرورت ہو امکان کذب سے مراد امکان وقوع الکذب فی کلام الباری تعالیٰ
عز اسمہ ہے۔ کلام باری سے مراد وہ کلام نفسی ہے جو صفت باری ہو اور قدیم ہو یا کلام لفظی حادث
یا کلام نفسی سے مافوق کوئی درجہ ہے جسکو مبدء کلام کہکر صفت باری کہا جاوے اور اس کلام نفسی کو
جیسے عام افہام کلام باری سمجھے ہوئے ہیں اس صفت یعنی مبدء کلام کا اثر کہا جائے کیا یہ مبدء کلام
جو درجہ نکلیگا فقط قابلیت تکلم نہ ہوگا اگر امکان کذب سے اس کلام میں مقدوریت وقوع کذب مراد
ہے جو صفت باری ہو تو کیا یہ قضیہ شکل ثالث یہ جنیگا کہ وقوع الکذب فی الکلام ممکن ووقوع الکذب عیب
فالعیب فی الصفۃ ممکن صدق کلام کا حسن ہو اور صفات حسن یا صفات الصفات مثل صفات ذاتی
اور لاعین اور لاغیر نہیں ہیں زید کہتا ہو امکان کذب کے یہ معنی ہیں کہ صدق کلام فعل اختیاری ہے پس مقدوریت
کذب قائم یعنی وقوع کذب فی الکلام مثلاً عدم ساعت اللہ کیلئے مقدور الوقوع ہے اگر چاہے تو نہ لائے
مگر تعلق ارادہ اس جانب عدم کے ساتھ لاحق نہیں ہوا اسلئے معدوم ہے۔ عمر کہتا ہو کہ یہ معنی وجود بالذات
اور عدم بالغیر کے ہیں نہ کہ امکان بالذات و امتناع بالغیر کے امکان کے یہ معنی ہیں کہ اس کا وقوع مستلزم
محال نہ ہو اور ممتنع کے یہ معنی ہیں کہ اس کا وقوع مستلزم محال ہو اور قیامت چونکہ ازل میں وجود کیساتھ
معلوم ہو چکی ہے مگر اسکے عدم کا وقوع جہل باری کو مستلزم ہو اب خواہ عدم ساعت بلا ارادہ ہو یا بارادہ۔
بہرحال چونکہ مستلزم ہو محال کو پس ممتنع اور محال اس سے امکان کذب کے صرف یہ معنی ہیں کہ کلام کے
مقتضیات یعنی صدق کا دوسرا پہلو جسکو کذب کہا جاتا ہے مثلاً عدم ساعت وجود خارجی میں آ ہی
غیر مقدور الوقوع ہے جیسا جہل باری وغیرہ مگر یہ غیر مقدور الوقوع ہونا چونکہ اسوجہ سے ہو کہ اسکی جانب
ثانی یعنی صدق کیساتھ جس طرح علم وغیرہ کا تعلق ہوا ہے ارادہ کا بھی تعلق ہوا ہے پس صدق بالارادہ

الازلیہ ہوا اور ارادہ ازلیہ کے قدم کا عدم محال وممتنع او رغیر مقدور پس کذب بھی غیر مقدور الوقوع پس صدق کو بالارادۃ الازلیہ ہونیسے یہ بات معلوم ہوئی کہ ارادہ کیلئے صدق وکذب دونوں مساوی تھے جسکے ساتھ چاہے تعلق ارادہ فرمائے محض اس وجہ سے تو امکان بالذات یعنی نفس شیٔ کی ذات میں نہ اپنے ساتھ تعلق ارادہ کا موجب ہو نہ اباؤ انکار کا سبب کیونکہ یہ تعلق ارادہ بھی معلوم باری ہو جس کا تخلف غیر مقدور الوقوع ہے پس معنی ... کہ نفس شے میں مانع عن تعلق الارادہ نہ ہونیکے باعث امکان بالذات ہو اور چونکہ ارادہ ایک جانب ہو گیا امتناع بالغیر یعنی امتناع بالارادۃ الالٰہیہ الی الجانب المخالف جس سے یہ نتیجہ اخذ ہوتا ہے کہ کلام کے بعد کذب کلام کا وقوع غیر مقدور الوقوع فقط

الجواب ۔ سب سے اول لکھنے کے قابل یہ بات ہو کہ جن مسائل اعتقادیہ کی تخصیص کسی نص میں تصریح نہیں آئی بلا ضرورت اسمیں کلام اور خوض کرنا اور خصوص جبکہ ضرورت سے زیادہ وہ ظاہر بھی ہو چکا ہو اشتغال بمالایعنی بلکہ عجب نہیں کہ منجر بدعت وسوء ادب ہو ۔ دوسرے یہ کہ بعض عنوانات ایسے ہوتے ہیں جو خود بھی موجب انقباض قلب و نیز دوسرے کم فہموں کیلئے مورث وحشت وتوہم غلط ہو جاتے ہیں اسی لئے حق تعالیٰ کو خالق کل شیٔ کہنا درست ہو اور خالق الکلاب والخنازیر کہنا بے ادبی ہے چونکہ مسئلہ متنازع فیہا اسی قبیل سے ہے اسلئے بعد واجب سمجھنے اعتقاد عموم قدرت لکل شیٔ ممکن و اعتقاد تنزہ عن کل نقیصۃ کے خصوص کیساتھ اسمیں کلام کرنے کو میں مستحسن نہیں سمجھتا لیکن صرف توجہ سوال کی ضرورت اور سلامت فہم مخاطب کی وجہ سے بہت ہی مختصر مگر سلیس طور پر اس مسئلے کو لکھے دیتا ہوں اول چند امور مقدمہ کے سمجھ لئے جاویں ۔ اول صفات باری تعالیٰ غیر مقدور ہیں اور افعال مقدور ۔ دوم کلام نفسی صفت ہو اور کلام لفظی فعل ۔ سوم قدرت دونوں ضدوں سے متعلق ہوتی ہے مثلاً عدم ابصار پر اسی کو قادر کہیں گے جو ابصار پر بھی قادر ہو ۔ چہارم صدق وکذب میں تقابل تضاد ہو ۔ پنجم جو وجوب تعلق ارادہ الٰہیہ کی وجہ سے ہو اور اسی طرح جو امتناع عدم تعلق ارادہ الٰہیہ کی وجہ سے ہوتا ہے خواہ اسکو وجوب بالغیر و امتناع بالغیر کہا جاوے یا یہ نظر کرکے کہ وجوب بالغیر و امتناع بالغیر وجوب و امتناع عقلی کی قسمیں ہیں اور یہاں خود مقسم ہی صادق نہیں کیونکہ جو علت اس مقسم میں اثباتاً وجوب میں اور نفیاً امتناع میں ماخوذ و معتبر ہے وہ علت موجبہ ہی جو بدلیل مختار ہونے حق تعالیٰ کے اہل حق کے نزدیک غیر ثابت بلکہ منفی و ثابت العدم ہے اور جب بنا ہی منعدم ہے تو مبنی بھی منعدم ہی اسکو وجوب عادی و امتناع عادی

کہا جاوے (وھو الحق عندی لان الامتناع العقلی والوجوب العقلی لاستلزامہما الایجاب ینافی
الاختیار) ہر حال میں اس تعلق و عدم تعلق سے وہ شے قدرت و اختیار سے خارج نہیں ہو جاتی گو اسکا
وقوع یا عدم وقوع کسی دلیل سے ابدیت کی طور پر ثابت ہو جاوے پس بعد تمہید ان مقدمات کے سمجھنا
چاہئے کہ صدق مرتبہ کلام نفسی میں واجب ہے غیر مقدور اور اسکی ضد یعنی کذب اس مرتبہ میں ممتنع غیر مقدور ہے
للمقدمۃ الاولی والثانیۃ اور مرتبہ کلام لفظی میں مقدور ہیں صدق تو اسلئے کہ اس کا فعل ہے للمقدمۃ
الاولی والثانیۃ ایضاً اور اسکی ضد اسلئے کہ مقدور کی ضد ہے للمقدمتین الثالثۃ والرابعۃ کیونکہ اگر
اس ضد کو مرتبہ لفظی میں غیر مقدور کہا جاوے تو دوسری ضد یعنی صدق بھی غیر مقدور ہوگا تو لازم آویگا کہ اللہ تعالیٰ
نعوذ باللہ صدق پر بھی قادر نہیں حالانکہ صدق فی الکلام اللفظی صفت فعل کی ہے یا صفت فاعل کی باعتبار
اس فعل مقدور کے جیسا ظاہر ہے اور افعال مع اپنی صفات و آثار کے مقدور ہیں ھذا خلف لیکن چونکہ ثابت
ہو چکا ہے کہ اسکے ساتھ کبھی تعلق ارادہ کا نہ ہوگا اسلئے ابداً ابداً اسمیں احتمال وقوع کا نہیں اور امکان بمعنی احتمال
کا قائل ہونا کفر ہے اور یہی معنی ہیں امکان کے جسنے عوام کو وحشت میں ڈالا ہے مگر تعجب اہل علم سے ہے کہ وہ
کیوں ایسی تہمت اپنے مقابل پر لگاتے ہیں البتہ یہ کہا جاوے کہ چونکہ لفظ امکان عوام کے اعتبار سے موہم ہے
اور موہم سے بچنا ضرور ہے لقولہ تعالیٰ لا تقولوا راعنا الآیۃ تو یہ ایک فقہی مسئلہ ہو جاویگا جو قابل تسلیم و
عمل ہے لیکن اسکو مسئلہ کلامیہ میں کوئی دخل نہیں ہے بہر حال باوجود امر احتمال کے قطعاً منفی ابدی ہونیکے
خارج من القدرۃ نہ ہوگا جیسا مقدمہ خامسہ میں ثابت ہوا۔ یہ ہے تقریر شافی کافی منصف کیلئے اب بعد اس
تفصیل و اسکی تقریر اور اسکی دلیل کے اجزا سوال کا جواب اسپر تطبیق کرنیکے بعد ہر ایک کے انطباق و عدم مفصلاً سے
خود معلوم ہو جاویگا حاجت مستقلاً تعرض کرنیکی نہیں ہے اور جس تقریر کو آپنے دریافت کیا ہے وہ اسی کے
اندر آگئی واللہ اعلم۔ اب ایک اور بات رہ گئی وہ یہ کہ کتب کلامیہ میں مزداریہ کا قول لکھا ہے اللہ قادر
علی ان یکذب ویظلم تو اس میں اور مذہب مذکور میں کیا فرق ہوا جواب یہ ہے کہ ان کے قول مذکور کے بعد
یہ قول بھی ہے ولو فعل لکان ظالما کاذبا۔ کذا فی شرح المواقف۔ پس یہ دوسرا قول تفسیر ہے پہلے قول
کی پس مقصود مجموعہ قول ہے جسکا مطلب یہ ہے کہ یہ امور مرتبہ صفت میں مقدور ہیں جیسا صیغہ کاذبا ظالما
سے تعبیر کرنا جو صفت کیلئے موضوع ہے اس کا قرینہ اور اس پر دال ہے پس فرق دونوں میں یہ ہوا کہ مذہب سابق
میں مرتبہ فعل کو مقدور کہا گیا ہے اور مذہب لاحق میں مرتبہ صفت کو مقدور کہا ہے جسکا حاصل یہ ہے کہ نعوذ باللہ

یہ امر قبیح حق تعالیٰ کی صفت بن سکتا ہو تعالی اللہ عن ذلک علوا کبیرا ھذا ما عندی الآن لعل اللہ یحدث بعد ذلک امرا فقط۔ ۱۲ محرم ۱۳۲۵ھ

چونتیسویں حکمت شرح مکالمۃ بینی وبین بعض المعقولین در قدرت حق تعالیٰ براخبار عن غیر الواقع از مولوی اسعد اللہ

یہ رسالہ اس کتاب کے صفحہ ۴۸۰ سے شروع ہو کر صفحہ ۴۹۳ پر ختم ہوا ہے

پینتیسویں حکمت معنی قول غزالی لیس فی الامکان ابدع مما کان

سوال۔ امام غزالی علیہ الرحمۃ افعال کے باب میں لکھتے ہیں کہ جیسا کہ جیسا عالم پیدا ہوا اس سے بہتر غیر ممکن ہے کیونکہ باوجود امکان کے اگر نہ پیدا کرے تو عجز لازم آوے یا بخل اور یہ دونوں اس کے لئے محال ہیں، اس مضمون کا مطلب تحریر فرمایئے تاکہ موافق اہل سنت کے عقیدہ کے سمجھ میں آجائے۔

الجواب۔ یہ تقریر قدیماً وحدیثاً لوگوں پر مشکل ہوئی ہیں بتوفیقہ تعالیٰ کہتا ہوں کہ یہ نفی امکان کی باعتبار قدرت خالق تعالیٰ کے نہیں بلکہ باعتبار حالت مخلوق کے ہے کہ اس عالم کے مجموعی مصالح باعتبار اس کی استعداد خاص کے اس ہیئت موجودہ ونظام خاص پر موقوف ہیں اس معنی خاص کے افادہ کیلئے اس سے بہتر نظام ممکن نہیں پس رعایۃ المصالح الخاصۃ باعتبار الاستعداد الخاص ملزوم ہے اور ہیئت موجودہ اور نظام خاص لازم ہے اور انفکاک لازم کا ملزوم سے غیر ممکن اس معنی کی تعبیر اس عنوان سے کی گئی کہ اس سے بہتر غیر ممکن ہے۔ باقی خود استعداد خاص کا جو کہ قید ہے ملزوم کی اور شرط ہے لزوم کی بدل دینا یہ ممکن اور مقدور ہے اور اس طور پر رعایت مذکورہ وہیئت موجودہ میں انفکاک ممکن ہے اور یہی شان ہے کل لوازم وملزوم اور ذواتیات کی جیسے انسان کے ناطق ہونے کا ذاتی اور اور ضاحک بالقوۃ مثلاً اس کا لازم ہے اور انسان سے ممتنع الانفکاک لیکن خود انسان ہی کا انتفاء لو اس کے واسطہ سے ناطق اور ضاحک کا انتفاء یہ ممکن ہے اور یہ امر نہایت ظاہر ہے واللہ تعالیٰ اعلم۔ ۰ محرم ۱۳۲۳ھ

چھتیسویں حکمت تفصیل حکم رطوبت فرج

امداد الفتاوی حصہ ۴ کے مسئلہ مرقومہ تاریخ ۱۶ شوال ۱۳۳۴ھ میں جو کہ رسالہ الامداد

بابتہ محرم ۵۳ھ میں شائع ہوا ایک جواب طہارت رطوبت فرج کے متعلق لکھا گیا ہے۔ اس پر ایک دوست صاحب علم کا خط ذیل آیا۔ ایک دوسرا مسئلہ جسمیں جمہور کی ظاہرًا مخالفت لازم آتی ہو اس پر غور کرکے اشاعت اصلاح ضروری ہے وہ یہ ہے کہ اس پرچہ مذکورہ کے صفحہ (۳۴) میں جو سوال سفیدی خارج از فرج کا ہے اس سے مراد وہ سفیدی ہے جو مرض سیلان الرحم میں خارج ہوتی ہے جیسا کہ مردوں کو مرض جریان میں ہوتا ہے جسے اصطلاح اطبا و فقہا میں ودی کہتے ہیں یہ بالاتفاق نجس اور وضو شکن ہے اور ردمختار کی جو عبارت آپنے اس مسئلہ کے جواب میں نقل فرمائی ہے (ص۳۵) یہ اسمیں وہ رطوبت مراد ہے جو فرج پر ہر وقت موجود رہتی ہے جیسے کہ انسان کے لب پر اور اسیطرح سخلہ وجلدِ ولد پر جو رطوبت موجود رہتی ہے وہ پاک ہے فقط۔

جواب اس کا یہاں سے یہ لکھا گیا،

فی شرح الاسباب والعلامات بحث سیلان الرحم انہ قد یعرض النساء ان یسیل من ارحامہن دائمًا رطوبات عرض لہن سیلان المنی کما یعرض للرجال وتلک الرطوبات اما یکون تولدہا فی الرحم نفسہا اذا ضعفت القوۃ الغاذیۃ التی فیہا واما فضول تصل الیہا من جمیع البدن علی جہۃ الاستفراغ والتنقیۃ وفیہ یستدل علی المنی بلونہ فی البیاض وقوامہ فی یسیرا لغلظ وعدم العفونۃ الی قولہ فلذلک یکون ای المنی السائل) خالیا من العفونۃ بخلاف الرطوبات الفضلیۃ التی تصرفت فیہا الحرارۃ الغریبۃ الی قولہ واما سیلان المنی فقد ذکرنا معنہ وفیہ قبل ذلک فی تعریف الودی وہو رطوبۃ لزجۃ تسیل فی مجری البول عند ارادتہ ای البول) الی قولہ وہی اذا کثرت غلظت و سالت بعد البول ایضا وفیہ اما سیلان المنی وخروجہ من غیر ارادۃ ای من غیر مزاولۃ جماع فیکون اما لکثرۃ المنی لقلۃ الجماع وکثرۃ تناول مولد المنی واما لحدۃ المنی وحرافتہ واما الاسترخاء اوعیۃ المنی وبرد مزاجہا وضعف قوتہا الماسکۃ واما للتشنج فقد یعرض لعضل اوعیۃ المنی واما لضعف الکلیۃ ودوبان شحمہا فی شدۃ الشہوۃ اوکثرۃ الجماع واما لفکر فی الجماع اوسماع من حدیثہ اہ ملخصا وفی رد المحتار علی قول در المختار رطوبۃ الفرج طاہرۃ عندہ اھ مانصہ ای الداخل اما الخارج فرطوبتہ طاہرۃ باتفاق الی قولہ فرطوبۃ کرطوبۃ الفم والانف والعرق الخارج من البدن ص۱۲۸ ج۱۔

ان عبارات سے امور ذیل مستفاد ہوئے ۱؎ جو رطوبت اکثر اوقات رحم سے سائل ہوتی ہے جسکو اصل سائل نے پوچھا ہے چنانچہ سوال میں اکثر کا لفظ مصرح ہے وہ ودی نہیں ہے جیسا کہ ودی کی تعریف مذکور فی العبارۃ الطبیۃ المذکورہ سے معلوم ہوتی ہے ۲؎ وہ رطوبت منی بھی نہیں ہے کہ سیلان منی ایسے اسباب سے ہے جو گاہ گاہ عارض ہوتے ہیں چنانچہ اسکے اسباب مذکورہ فی العبارۃ الطبیۃ المذکورہ سے معلوم ہوا اور اس رطوبۃ مسئولہ کا سیلان اکثر ہوتا ہے ۳؎ پس جب نہ وہ ودی ہے نہ منی اور ہے رطوبت سائلہ پس یہ وہ ہے جسکو اس عبارت میں ذکر کیا گیا ہے قد یعرض للنساء ان یسیل من ارحامهن دائما رطوبات اور دائما سے مراد وہی ہے جسکو اصل سائل نے بعنوان اکثر تعبیر کیا ہے چنانچہ ظاہر ہے اور یہ رطوبت وہ بھی نہیں جسکو اصل سائل نے بعنوان اکثر تعبیر کیا ہے چنانچہ ہوا اور یہ رطوبت وہ بھی نہیں جسکو سائل ثانی نے انسان کے لعاب سے تشبیہ دی ہے کیونکہ یہ تو بالاتفاق طاہر ہے چنانچہ عبارۃ فقہیہ مذکورہ میں مصرح ہے تو اسکو محل اختلاف کیسے کہہ سکتے ہیں پس یہ جب ودی ہے جیسا سائل متاخر کو شبہ ہوا اور نہ منی ہے اور مذی کا نہ ہونا ظاہر ہے تو اسکے نجس ہونیکے لئے ودی و منی کا نجس ہونا تو کافی ہے نہیں کوئی دوسری دلیل مستقل چاہئے اور نہ وہ رطوبت ہے جو رطوبت رحم کے حکم میں ہے جو کہ بالاتفاق طاہر ہے پس یہی رطوبت مغایرہ للودی والمنی والمذی والشبیہہ باللعاب میں امام صاحب صاحبین مختلف ہیں اور بوجہ ابتلاء کے اصل جواب میں قول بالطہارۃ پر فتوی دیا گیا جس پر سائل ثانی نے اسکے ودی ہونیکی بناء پر شبہ کیا پس جب تقریر بالا میں اس بناء کا منہدم ہونا ثابت ہو گیا تو شبہ کا منعدم ہونا بھی ظاہر ہو گیا۔

(تنبیہ) اصل جواب کیوقت بوجہ طب نہ جاننے کے احقر کا ذہن اس تفصیل سے خالی تھا بعد ورود سوال ثانی کے تردد ہوا تو ایک مہمان دوست کے پتہ دینے پر شرح اسباب کی طرف رجوع کیا تو تحقیق بالا ذہن میں آئی چونکہ عدم مہارت طب کا لقصور اب بھی مجھ میں باقی ہے۔ دوسرے علماء سے جواب پر نظر کرالیجاوے جو صحیح جواب معلوم ہو اسپر عمل کیا جاوے۔ ۲۰ ربیع الاول ۱۳۳۵ھ

۲۰ و ۹۳

سینتیسویں حکمت ۳۷ طریق ثبوت ہلال و تحقیق حکم خبر تار مع تفسیر حکایت شعبدہ سطح

اصل طریق اثبات رویت کا شہادت علی الرویۃ یا شہادت علی الشہادۃ یا شہادۃ علی قضاء الحاکم الشرعی ہے

۱؎ اشارہ تیئیسویں حکمت کا مضمون پہلے دیکھ لیا جاوے۔ ۲؎ ومن ہذا التفسیر فی العالمگیریۃ فی قولہ ثم انما یلزم الصوم علی متاخری المطالع اذا ثبت عندہم رویۃ اولئک بطریق موجب حتی لو شہد جماعۃ ان اہل بلدۃ قد رأوا ہلال رمضان قبلکم بیوم فصاموا وہذا

حتی کہ شہادۃ علی رویۃ الغیر بھی حجۃ نہیں کذا فی الدر المختار ورد المحتار۔ باقی استفاضہ کو جو حجت کہا ہے
تو خود اسکو فی ذاتہ حجت نہیں کہا بلکہ علت اسکی یہ لکھی ہے لان البلدۃ لا تخلو عن حاکم شرعی عادۃ
فلابد من ان یکون صومہم مبنیا علی حکم حاکمہم الشرعی فکانت تلک الاستفاضۃ
بمعنی نقل الحکم المذکور الخ کذا فی رد المحتار صفحہ ۱۰۵ ج ۲ اور جہاں یہ علت متحقق نہو وہاں حجت بھی
نہ ہوگا۔ اور جمعرات کے روز ہی کی خبر میں تو استفاضہ بھی نہیں ہوا اور جمعہ کے چاند میں شنبہ کی شب اور
روز تک بذریعہ تاروں کے بعض کو استفاضہ کا شبہ ہوگیا تھا مگر تار دینے والوں کا بکثرت بے علم خود رائے
غیر محتاط ہونا اور علماء سے رجوع نہ کرنا چونکہ معلوم ہے اسلئے وہ علت منتفی ہے لہذا احتجاج بھی منتفی ہے اگرچہ
تار کو مثل خبر لسانی کے بھی قرار دیدیا جاوے مگر خود خبر لسانی میں جب یہ ہی شرط ہے تو تار میں کیوں نہ ہوگی
پس اکثر جگہ ایسے تاروں کی بناء پر افطار کر ڈالنے میں غلطی عظیم ہوئی۔ واللہ اعلم ۱۲ شوال ۱۳۳۲ھ۔

سوال۔ رویت ہلال ماہ رمضان و ماہ شوال تار برقی کی خبر پہ معتبر ہے یا نہیں اور تار کی خبر پر روزہ
رکھنا یا افطار کرنا جائز ہے یا نا جائز۔ بینوا توجروا۔

الجواب۔ اس کے قبل بندہ نے تار کو خط یا طبل و مدفع یعنی توپ پر قیاس کر کے اس باب میں ایک
تقریر لکھی تھی جسمیں قبول خبر تار میں کچھ تفصیل و بعض شرائط کیساتھ تقیید تھی مگر اس سال یعنی ۱۳۳۲ھ
کی رویت شوال کے متعلق تاروں پر عمل کرنے میں بے علموں اور کم علموں نے بے احتیاطیاں کیں اور ان سے
جو فتن و شرور پیدا ہوئے انکو دیکھکر تجربہ ہوا کہ عوام ان قیود و شرائط کو ملحوظ نہیں کر سکتے و نیز اخبار متواترہ
سے تحقیق ہوا کہ تار میں مختلف اقسام کی غلطی اور دھوکہ بھی زیادہ محتمل ہے لہذا وہ خط سے بھی ادون ہے کہ
خط میں اسکے طرز سے کچھ تو معرفت کاتب کی ہوتی ہے پھر بھی الخط یشبہ الخط بعض احکام میں کہا
گیا ہے اور تار میں تو اسکی بھی کوئی علامت نہیں اور نیز طبل سحر و مدفع افطار سے بھی اضعف ہے کیونکہ
ان کی ضرب میں ایک جماعت حاضرین کی مشارکت سی ہوتی ہے جس میں جرأت تعمد خداع کی ابعد ہے۔ تار
میں یہ بھی نہیں ان امور پر نظر کر کے سدا للذرائع وحسما للمادۃ اس تفصیل سے رجوع کر کے اب یہ حکم
متعین سمجھتا ہوں کہ اس باب میں تار کی خبر اصلاً قابل اعتبار و لائق عمل نہیں ولھذا النظائر فی فن
الفقہ منھا عدم جواز القضاء بعلمہ کما بسط القول فیہ فی الدر المختار ورد المحتار صفحہ ۴۳۳
وصفحہ ۵۵ ج ۴ واللہ اعلم۔ ۳ ذیقعدہ ۱۳۳۲ھ۔

سوال متعلق حکم تار کے تھا جسکی عبارت نقل نہیں کی گئی۔

الجواب۔ اول دو مسئلے بطور تمہید کے لکھے جاتے ہیں پھر جواب سوالات کا عرض کیا جائیگا۔

اول مسئلہ یہ ہے کہ تار دلالت وضعیہ غیر لفظیہ میں مشابہ خط کے ہے اور اس فرق کے لحاظ سے کہ خط میں خود علامات ممیزہ موجود ہیں اور تار میں یہ مفقود ہیں بہ نسبت خط کے توپ و طبل وغیرہ کیساتھ زیادہ مشابہ ہے اور خط کا حکم یہ ہے کہ امور ملزمہ میں باستثناء مواضع معدودہ ضرورت شدیدہ بشرط امن من التزویر مثل فرامین شاہی وغیرہا کے بدون اقرار کاتب یا قیام بینہ حجۃ نہیں اور امور غیر ملزمہ میں اگر قرائن صدق وصحت کو مجمع ہوں جس سے نسبت الی الکاتب مظنون ہو جاوے حجۃ ہے ورنہ نہیں اور توپ وغیرہ کا حکم بھی ایسے امور میں یہی ہے کہ ظن صحت میں معتبر ہے ورنہ نہیں پس خبر ہلال افطار میں کہ ہمارے دیار میں بوجہ والی مسلم نہ ہونیکے محض خیال پر بلا اشتراط شہادت احکام دار ہونے میں مثل اخبار ہلال صوم کے امور ملزمہ سے ہے اگر فقدان علامات تار دہندہ و توسط غیر مسلم کی کسی شخص کے اعتبار سے مانع غلبہ ظن ہو اسکو مطلقاً عمل جائز نہیں اور جسکے اعتبار سے مانع نہ ہو مثل نطق کے صحو میں اخبار کثیرہ متواترہ اور غیم میں اخبار عدلین پر عمل جائز ہے۔ اور چونکہ کلام ہلال عید میں ہے اسلئے خبر واحد کسی طرح عمل جائز نہیں (ثم ساق الدلائل علی ھذہ الدعاوی) امداد الفتاوی جلد اول صفحہ ۱۷۲۔

دوسرا مسئلہ یہ ہے طریق اثبات رویۃ کا شہادۃ علی الرویۃ یا شہادۃ علی الشہادۃ یا شہادۃ علی قضاء الحکم الشرعی ہے حتی کہ شہادۃ علی رویۃ الغیر بھی حجۃ نہیں کذا فی الدر المختار و رد المحتار باقی استفاضہ کو جو حجۃ لکھا ہے تو خود اسکو فی ذاتہ حجۃ نہیں کہا بلکہ علت اسکی یہ لکھی ہے لان البلدۃ لا تخلو عن حاکم شرعی عادۃ فلابد من ان یکون صومہم مبنیا علی حکم حاکمہم الشرعی فکانت تلک الاستفاضۃ بمعنی نقل الحکم المذکور الخ کذا فی رد المحتار جلد دوم صفحہ ۱۵۰ اور جہاں یہ علت متحقق نہ ہو وہ حجۃ بھی نہ ہوگا۔ بعد اس تمہید کے اب سوالات کا جواب دیا جاتا ہے۔

۱ اول ایک یا متعدد تار کا مضمون دیکھنا چاہیئے کہ کیا ہے اگر یہ ہے کہ یہاں چاند ہوا ہے یا فلاں شخص نے دیکھا ہے یا بہت آدمیوں نے دیکھا ہے اور اکثر تاروں کا ایسا ہی مضمون ہوتا ہے تب تو معتبر نہیں اگرچہ کتنے ہی تار ہوں اور اگر یہ مضمون ہے کہ میں نے دیکھا ہے یا فلاں شخص نے میرے سامنے اپنا دیکھنا بیان کیا یا یہاں کے فلاں حاکم شرعی یا عالم و مفتی نے قبول کر لیا ہے یا یہاں عید ہے تو اس کا حکم یہ ہے کہ اگر ایک تار ہے

تو عمل جائز نہیں کیونکہ کلام ہلال عید میں ہے اور اگر دو تین ہیں اور بادل نہیں تھا تب بھی عمل جائز نہیں اور اگر دو تین تار بادل کی حالت میں آئے مگر تار دینے والے معتبر نہیں یا شناسا نہیں تب بھی عمل جائز نہیں اور اگر بادل کی حالت میں دو تین معتبر لوگوں کے آئے یا بدون بادل آٹھ دس آگئے اور مضمون وہ ہے جو آخر میں لکھا ہے کہ میں نے دیکھا ہے الخ تو اس کا حکم یہ ہے کہ اگر دل گواہی دے کہ اسمیں کذب اور خطا نہیں ہوئی تو عمل جائز ہے اور اگر دل گواہی نہ دے تو عمل جائز نہیں اور جہاں کوئی عالم محقق ہو وہاں عوام کے دل کی گواہی معتبر نہیں عالم کے دل کی گواہی اور اُن کا فتوی حجۃ ہے۔ اور عوام کو خود رائی کرنا یا فتوے کے خلاف کرنا جائز نہیں اور ایک جگہ کے تار کی خبر جو دوسری جگہ بذریعہ تار دی جاتی ہے چونکہ اسکا مضمون ایسا نہیں ہوتا جس کا معتبر ہونا اوپر بیان کیا ہے اسلئے وہ بھی معتبر نہیں ہے اور یہی تفصیل صورتوں کی اور حکم کی خط میں بھی ہے عبارۃ سابقہ متضمنہ حکم تار میں ہر جگہ بجائے لفظ تار لفظ خط رکھدیا جاوے تو خط کے سب احکام کی تعیین ہوجاویگی۔

۲ جو طرق خبر کی حجۃ ہونیکے ملا میں مذکور ہوئے ہیں چونکہ ان ممالک کے تاروں کے آنے یا منگانے میں ان کی رعایت نہیں کی جاتی لہذا وہ حجۃ نہیں لہذا اگر قواعد شرعیہ کی پوری رعایت ہو تو واقعہ جزئیہ کو عین وقت پر کسی عالم سے رجوع کر کے حکم شرعی پوچھ لیا جاوے اور صرف اختلاف مطالع حنفیہ کے نزدیک مانع قبول نہیں۔

۳ چونکہ معاملات و دیانات میں فرق ہے اسی طرح شہادۃ و اخبار میں بھی فرق ہے اسلئے معاملات میں عدم اعتبار شہادۃ مطلقا مستلزم نہیں دیانات میں عدم اعتبار مطلقا کو بلکہ اسمیں تفصیل ہوگی جو ملا میں مذکور ہوئی

۴ جس طرح تار کے مضمون میں تفصیل ہے اسی طرح خط کے مضمون میں بھی ہے جو ملا میں بسط کیساتھ مذکور ہوچکی ہے فقط واللہ اعلم ۸ شعبان ۱۳۲۹ھ

اڑتیسویں حکمت تفصیل بیع سمک در تالاب

سوال تالاب میں مچھلی فروخت کرنے کے مسئلہ کی کیا تحقیق ہوئی جائز ہے یا ناجائز مطلع فرماکر سرفراز فرماویں اگر ناجائز ہو تو فتح القدیر کی روایت کے معنی اور اگر جائز ہو تو جو اور کتابوں میں ناجائز لکھا ہے اسکی کیا توجیہ

الجواب ۔ ولا یجوز بیع السمک قبل ان یصطاد لانہ باع مالا یملکہ ولا فی حظیرۃ اذا کان لا یؤخذ الا بصید لانہ غیر مقدور التسلیم ومعناہ اذا اخذہ ثم القاہ فیھا ولو کان یؤخذ

من غیر حیلة جاز الا اذا اجتمعت فیها بانفسها ولم یسد علیها المدخل لعدم الملک اھ
خیریہ اول باب البیع الفاسد وایضا فیها آخر المسائل المنثورة واذا فرخ طیر فی ارض رجل فھو لمن
اخذہ وکذا اذا باض فیها وکذا اذا تکنس فیها ظبی الی قولہ وصاحب الارض لم یعد ارضہ
لذلک فصار کنصب شبکة للجفاف وکما اذا دخل الصید دارہ او وقع ما نثر من السکر والدراھم
فی ثیابہ لم یکن لہ ما لم یکفها وکان مستعدا لہ اھ وفی فتح القدیر علی القول الاول المذکور
للھدایة فان کانت لہ حظیرة فدخلها السمک فاما ان یکون اعدها لذلک اولا فان کان
اعدها لذلک فما دخلها ملکہ ولیس لاحد ان یاخذہ وان لم یکن اعدها لذلک لا یملک
ما یدخل فیها فلا یجوز بیعہ لعدم الملک الا ان یسد الحظیرة اذا دخل فح یملکہ ولو لم
یعدها لذلک ولکنہ اخذہ ثم ارسلہ فی الحظیرة ملکہ اھ مختصرًا بنا بر روایات مذکورہ کے
اس تالاب میں دو امر ہیں ایک مچھلی کے مملوک وغیر مملوک ہونیکے متعلق دوسرا اسکے جواز بیع وعدم جواز کے
متعلق سو امر اول میں تین صورتیں ہیں اور ہر صورت کا جدا حکم ہے ایک صورت یہ کہ مچھلی پکڑ کر یا خرید کر
تالاب میں چھوڑے اس کا حکم یہ ہے کہ وہ مچھلی اور اسکی نسل سب اس چھوڑنے والے کی مملوک ہیں دوسرے کو
بلا اذن پکڑنا درست نہیں۔ دوسری صورت یہ کہ خود پکڑ کر یا خرید کر نہیں چھوڑی لیکن مچھلیوں کے آنیکی
کوئی خاص تدبیر کی ہو یا آجانے کے بعد اُن کے روک لینے کا کوئی خاص سامان کیا ہے اس کا حکم یہ ہے
کہ اس اعداد اور اس سامان انسداد سے بھی اس شخص کی ملک ہوجاتی ہے مگر صرف نیت کر لینے کو اعداد
نہ کہیں گے لان معناہ سامان کردن لا محض قصد کردن۔ تیسری صورت یہ کہ ان دونوں صورتوں میں
سے کوئی صورت نہیں ہوئی بلکہ قدرتی طور پر مچھلیاں پیدا ہوگئیں یا آگئیں نہ اُن کے جمع کرنیکا کوئی اہتمام
کیا اور نہ اُن کے منع یعنی روک دینے کا کوئی انتظام کیا اس کا حکم یہ ہے کہ قبل پکڑنے کے کسی کی ملک نہ
ہوگی۔ یہ تو امر اول میں تفصیل تھی اور امر دوم میں تفصیل یہ ہے کہ جن صورتوں میں کہ مچھلی داخل ملک
ہی نہیں ہوئی انمیں تو بدون پکڑے ہوئے بیع کرنا مطلقًا جائز نہیں اور جن صورتوں میں داخل ملک ہوگئی
انمیں دیکھنا چاہئے اگر پکڑنے کیلئے کچھ حیلہ وتدبیر کی ضرورت ہے تب بھی بیع جائز نہیں لانہ غیر مقدور التسلیم
اور اگر بلا کسی تدبیر کے پکڑنا آسان ہو تو بیع جائز ہے مثلاً کسی چھوٹے گڑھے یا برتن میں ہو کر ہاتھ ڈال کر
پکڑ سکیں اور جن کتب میں مطلقًا ناجائز لکھا ہے مراد اُس سے یہی خاص صورتیں عدم جواز کی ہیں۔ ۲۹ ذی الحجہ سنہ ۱۳۳۴ھ

سوال - ولا یجوز بیع السمک قبل ان یصطاد لانہ باع ما لا یملکہ ولا فی حظیرۃ اذا کان لا یؤخذ الا بصید لانہ غیر مقدور التسلیم ومعناہ اذا اخذہ ثم القاہ فیہا ولو کان یؤخذ من غیر حیلۃ جاز الا اذا اجتمعت فیہا بانفسہا ولم یسد علیہا المدخل لعدم الملک زید الا اذا اجتمعت فیہا سے حظیرۂ صغیرہ مراد لیتا ہے اور اپنے استدلال میں عبارت عنایہ کو جو اسکی شرح ہے پیش کرتا ہے قولہ اذا اجتمعت الخ استثناء من قولہ جاز یعنی الحظیرۃ اذا کانت صغیرۃ تؤخذ منہا من غیر حیلۃ جاز الا اذا اجتمعت فیہا بانفسہا ولم یسد علیہا المدخل فانہ لا یجوز لعدم الملک وھو استثناء منقطع لکونہ غیر مستثنی من الماخوذ الملقی فی الحظیرۃ والمجتمع بنفسہ لیس بداخل فیہ وفیہ اشارۃ الی انہ لو سد حسنا الحظیرۃ علیہا ملکہا اما بمجرد الاجتماع فی ملکہ فلا کما لو باض الطیر فی ارض انسان او فرخت فانہ لا یملک لعدم الاحراز اس بنا پر اس اطراف میں جو تالاب ہوتے ہیں جنکو یہاں کے عرف میں پوکھرا بولتے ہیں ان کی بیع سمک کو باطل ٹھہراتا ہے کیونکہ یہ حظیرۂ کبیرہ ہیں اور ان تالابوں کی مقدار مختلف ہوتی ہے کوئی تالاب بیس بیگہ کا اور کوئی اس سے بھی زیادہ اور کوئی آٹھ بیگہ اور کوئی دس بیگہ کا غرضکہ اسکی کوئی خاص مقدار معین نہیں ہے اور پھر انمیں بھی دو طرح کے تالاب ہیں بعض تو متصل ندی کے جنکا مدخل اس ندی میں ہوتا ہے اور بعد بارش کے انکے مدخل کو باندھ دیتے ہیں یا خود بخود اس مدخل سے ندی کا پانی متصل ہو جاتا ہے اور بعض تالاب وہ ہیں جو بعد بارش کے پانی سے بھر جاتے ہیں اور ادھر ادھر سے مچھلیاں آجاتی ہیں۔ اب پوچھنا یہ ہے کہ ان دونوں قسموں کے تالاب کا حکم جداگانہ ہے یا ایک یعنی مالک زمین تالاب ان دونوں کی مچھلیوں کو اپنی ملک سمجھکر عند الشرع فروخت کر سکتا ہے یا نہیں **زید**۔ اس شرح عنایہ کی وجہ سے یہ سمجھ رہا ہے کہ جو تالاب کہ جنکی مقدار پہلے مذکور ہوئی ہے حکم حظیرۂ صغیرہ کا نہیں رکھتے لہذا ہر صورت تالاب کی مچھلیاں بوجہ سد مدخل کے مالک زمین کو فروخت کرنا اور دوسروں کو منع کرنا درست نہیں جانتا ہے اور عبارت (عینی) وقید بہ لانہ لو سد موضع الدخول حتی صار بحیث لا یقدر علی الخروج فقد صار اخذ الہ بمنزلۃ ما لو وقع فی شبکتہ فیجوز بیعہ کو حظیرۂ صغیرہ پر محمول کرتا ہے تاکہ عینی اور عنایہ میں موافقت ہو جائے **زید** کا اس عبارت مذکورہ کو یہ سمجھنا صواب ہے یا خطا اور دوسرا استدلال میں بہشتی زیور اور صفائی معاملات جسمیں تالاب کی مچھلیوں کی بیع مطلقًا باطل و حرام ٹھہرائی گئی ہے پیش کرتا ہے اور زید یہ بھی کہتا ہے کہ حظیرہ صغیرہ جب مراد ہے تو زمین

چاہے کسی کی ہو باندھنے والا ہی مالک سمجھا جائیگا نہ کہ صاحب زمین جیسا کہ عنایہ کی اس عبارت سے معلوم ہوتا ہے وفیہ اشارۃ الی انہ لو سد صاحب الحظیرۃ علیہا ملکہا اما بمجرد الاجتماع فی ملکہ فلا کما لو باض الطیر فی ارض انسان او فرخت فانہ لایملک لعدم الاحراز۔ اور حظیرہ صغیرہ کو مدخل کو جب بند کر دیا جاوے تو مالک اُسکا باندھنے والا ہو اسی طرح اگر کبیرہ ہو تو محض بند ڈالدینے سے باندھنے والا مالک ہوجاتا ہے یا نہیں اگر مالک ہوجاتا ہے تو ایک ندی فرض کیجائے کہ خط (ا) سے نکلی اور کئی کوس تک جا کر کسی بڑے دریا میں ملگئی اب اُس ندی کو چار یا پانچ کوس کے بعد عرضاً باندھ دیا تو جسقدر آب محاط کے اندر مچھلیاں ہیں اُن سے زید لوگوں کو روک سکتا ہے اور مالک اُس کا عند الشرع قرار دیا جاسکتا ہو یا نہیں۔ اور حظیرۂ صغیرہ کی عند الشرع کیا مقدار ہے۔

الجواب۔ یہاں دو حکم الگ الگ ہیں ایک تو مچھلی کا ملک میں داخل ہونا۔ دوسرا ملک میں داخل ہونیکے بعد بیع کا جائز ہونا سو حکم اول کیلئے قبضہ و احراز شرط ہے جسکی ایک صورت یہ ہو کہ مچھلی کو پکڑ کر ڈالدے اور ایک صورت یہ ہو کہ اُن کے از خود جمع ہوجانیکے بعد بند لگا دے جس سے وہ خروج پر قادر نہوں عینی کی عبارت مذکورہ فی السوال اسکے متعلق ہے اور اسمیں صغیرہ و کبیرہ کی کوئی قید نہیں۔ اور حکم ثانی کیلئے قدرت علی التسلیم شرط ہے جسکی ایک صورت یہ ہو کہ حظیرہ سے نکالکر کسی ظرف میں رکھی ہوئی ہو۔ دوسری صورت یہ ہو کہ حظیرۂ صغیرہ میں ہو کہ جب چاہیں بلا تکلف پکڑ لیں عنایہ کی عبارت مذکورہ فی السوال اسکے متعلق ہو اور اسمیں صغیرہ کی قید ہو پس عینی اور عنایہ میں تطابق موقوف نہیں ہے اسپر کہ عینی میں بھی صغیرہ مراد لیا جاوے پوری عبارتیں دیکھنے سے یہ امر بالکل واضح ہے پس یوں کہیے جسکا ذکر سوال میں ہو اُن میں تفصیل یہ ہے کہ جو ندی متصل ہیں اور ندی سے اسمیں مچھلی آنیکے بعد اُسکے مدخل کو بند کر دیتے ہیں اسکی مچھلی ملک میں داخل ہوجاتی ہو کما ذکر فی العنایۃ والعینی او سد صاحب الحظیرۃ علیہا ملکہ اھ ولو سد موضع الدخول حتی صار بحیث لا یقدر علی الخروج فقد صار آخذا لہ اھ اور جو بند نہیں کیا خود ندی سے اُسکا اتصال جاتا رہا تو اسمیں دیکھنا چاہئے کہ اُس تالاب کو آیا اس غرض کیلئے پہلے سے مہیا کیا گیا تھا یا نہیں اگر مہیا کیا گیا تھا تو بدون بند کئے ہوئے بھی ملک میں داخل ہوجاویگی ورنہ نہیں فی فتح القدیر فان کانت لہ حظیرۃ فدخلہا السمک فاما ان یکون اعدہا لذلک اولا فان کان اعدہا لذلک فما دخلہا ملکہ ولیس لاحد ان یاخذہ الی قولہ وان لم یکن اعدہا لذلک لا یملک ما یدخل فیہا فلا یجوز بیعہ

لعدم الملک الخ- اور جو ندی سے متصل نہیں بارش کے پانی سے بھر جاتے ہیں اور مچھلیاں یا تو اُن میں پیدا ہوجاتی ہیں یا اِدھر اُدھر سے جمع ہو جاتی ہیں اُن میں بند لگانے کا تو تحقق ہی نہیں ہوتا اب صرف یہ دیکھا جاویگا کہ آیا اُسکو پہلے سے اس کام کیلئے مہیا کر رکھا تھا یا نہیں صورت اولیٰ میں مچھلی ملک میں داخل ہو جاویگی اور صورت ثانیہ میں نہیں وقد ذکر دلیلہ انفا۔ یہ تو تفصیل ہوئی مچھلیوں کے مملوک وغیر مملوک ہونے میں اب جواز بیع بمعنی صحتہ وعدم فسادہ کیلئے مملوک ہونے کے بعد یہ شرط ہے کہ وہ مقدور التسلیم ہو چونکہ حظیرہ کبیرہ میں یہ قدرت نہیں ہے اسلئے اسکے حظیرہ کا صغیرہ ہونا شرط ہوگا چنانچہ فتح القدیر میں بھی بعد عبارت لیس لاحد ان یاخذہ کے جو کہ دال ہے سمک کے مملوک ہو جانے پر یہ عبارت ہے ثم ان کان یوخذ بغیر حیلة اصطیاد جاز بیعہ لانہ مملوک مقدور التسلیم مثل السمکة فی جب وان لم یکن یوخذ الا بحیلة لا یجوز بیعہ لعدم القدرة علی التسلیم عقیب البیع اھ باقی بہشتی زیور وصفائی معاملات کی عبارت مختصر اور متعلق بعض صورتوں کے ہے اُس سے شبہ نہ کرنا چاہئے اُن دونوں میں تفصیل نہیں لکھی بعض کثیر الوقوع صورتوں کو لکھدیا۔ باقی رہی یہ بات کہ اگر حظیرہ کی (صغیرة کانت او کبیرة کما مر) زمین کسی کی ہو اور بند ڈالنے والا دوسرا شخص ہو تو اُسمیں تفصیل یہ ہے کہ اگر زمین والے نے اُس زمین و حظیرہ کو اسکے لئے مہیا کر رکھا تھا تو اُس سمک کا بھی مالک ہوگا بند ڈالنے والا مالک نہ ہوگا اور اگر اُس نے مہیا نہیں کر رکھا تھا تو مقتضا قواعد کا یہ ہے کہ یہ بند ڈالنے والا مالک ہو جاوے اور اگر اسمیں اختلاف ہو تو زمین والے کا قول معتبر ہوگا کہ میں نے مہیا کر رکھا تھا اور جس صورت میں بند ڈالنے والا مالک ہو جاوے تو مالک زمین کو اُسپر جبر جائز ہے کہ فوراً میری زمین خالی کر دو کہ غیر کی ملک کو مشغول کرنا بدون اُسکی رضا کے جائز نہیں اور ندی مذکور فی آخر السوال کو عرضاً باندھ دینے کی صورت سمجھ میں نہیں آئی مگر تو امر مذکورہ فی الجواب سے اُس کا حکم نکال لینا چاہئے اور حظیرہ صغیرہ کی حد کسی پیمایش سے نہیں ہے بس حد ہے کہ یمکن الاخذ منہا بلا تکلف واحتیال کما فی العنایة اول عبارتہا المذکورة فی السؤال۔ ۲۰ صفر ۱۳۳۳ھ

انتالیسویں[۳۹] حکمت تحقیق مذہب مالک در مسئلہ مفقود

فی الدر المختار کتاب المفقود قلت وفی واقعات المفتین لقدری افندی معزیا للقنیة انہ انما یحکم بموتہ بقضاء لانہ امر محتمل فما لم ینضم الیہ القضاء لا یکون حجة۔ پس امراۃ مفقود

میں خواہ مذہب حنفیہ کا راجح ہو خواہ مالکیہ کا کہ یہ بحث آخر متعلق خلافیات ہے لیکن ضرورت میں جو حنفیہ نے اس پر عمل جائز لکھا ہو تو اُس کا یہ مطلب نہیں کہ محض فتوی عمل کیلئے کافی ہو بلکہ اُنہیں حسب روایت بالا انضمام قضاء قاضی مسلم کی ضرورت ہو پس عمل کی یہی صورت ہو سکتی ہے کہ کسی مسلمان حاکم کے اجلاس میں یہ واقعہ پیش کیا جائے اور وہ کہدے کہ میں اس مفقود کی موت کا حکم کرتا ہوں اس حکم کے بعد وہ عورت عدت وفات کی پوری کرے اس وقت دوسرے شخص سے نکاح جائز ہوگا واللہ اعلم۔

خلاصہ سوال۔ از نکاح زن کہ زوج آں مفقود باشد۔

خلاصہ جواب۔ نزد حنفیہ بروایت چہار سال بموجب قول امام مالک رح عمل جائز است بشرط قضاء قاضی

تسامح در نقل عبارت قدری آفندی در سند قضاء قاضی

اصلاح تسامح۔ تلفیق درمیان دو مذہب بالاجماع باطل ست ان الحکم الملفق باطل بالاجماع ۱۲ در المختار جلد ا صـــ۔ ہرگاہ در بارہ زوجہ مفقود مذہب امام مالک رح اختیار کرد دریں بارہ تمام شرائط از قضاء قاضی وغیرہ مذہب او رعایت باید کرد و از کتب و یا از کتب مذہب موافق کہ حوالہ کتب در ہند بابت جمیع شرائط حکم باید کرد ونہ یجوز العمل بما یخالف ما عملہ علی مذہبہ مقلدا فیہ غیر اما مستجمعاً شروطہ ۱۲ رد المحتار جلد ا صـــ۔ پس مجیب مدظلہ در ما نحن فیہ حکم بر مذہب امام مالک رح کردہ است و ضرورت شرط قضاء قاضی از مذہب حنفیہ آوردہ است کہ بعد موت اقران یا بعد مدت کہ مفوض الی الامام است قاضی حکم کند و دریں بارہ روایت قدری آفندی صاحب رد المحتار سند آوردہ است ثم رأیت عبارۃ الواقعات عن القنیۃ ان ھذا ای ما روی عن ابی حنیفۃ رح من تفویض موتہ الی رای القاضی لعل انہ انما یحکم بموتہ بقضاء لانہ امر محتمل الخ رد المحتار جلد ۳ صـــ۵۱۲ قدری آفندی ۱۲

پس تلفیق حاصل ست و آں بالاجماع باطل ست واجب بود بر مجیب قدس سرہ کہ از مذہب امام مالک بابت ضرورت و عدم ضرورت قاضی سند تحریر فرمودند و ایں روایت را در بسیار جا در یں فتاوی سند آوردند تمام را قیاس بریں باید کرد و نزد بندہ کدام کتاب مذہب امام مالک موجود نیست مگر فتوی اہل علم موجود ست بعینہ درج ست از کتب مذہب امام مالک رح معلوم میشود کہ تفریق باید کرد .... و تفریق کنندہ اگر قاضی نباشد جماعت مسلمین تفریق کنند و ایں کافی ست و للزوجۃ المفقود الرفع الی القاضی والوالی و الی الوالی والا لجماعۃ المسلمین ۱۲

شرح خلاصہ دردیر فی مذہب الامام مالک رحمہ فقط واللہ تعالیٰ اعلم بالصواب ۔

فائدہ فقہیہ متعلقہ مسئلہ مفقود بر مذہب امام مالک رحمہ

اس مذہب کی ایک معتبر کتاب شرح الشیخ الدردیر علی مختصر الشیخ الخلیل صفحہ ۳۹۹ موجود کتب خانہ دیوبند میں اس مسئلہ میں یہ تفصیل نظر سے گذری کہ زوجہ مفقود کی چار حالتیں ہیں ایک یہ کہ دارالاسلام میں ہو اور مفقود اتنا مال چھوڑ گیا ہو کہ اس عورت کے نفقہ کا انتظام اس سے ہو سکے۔ دوسری یہ کہ دارالاسلام میں ہو اور نفقہ کا انتظام اسکے مال سے نہ ہو سکے۔ تیسرے یہ کہ دارالکفر میں ہو اور مفقود کے مال سے نفقہ کا انتظام ہو سکے چوتھی یہ کہ دارالکفر میں ہو اور نفقہ کا انتظام اسکے مال سے نہ ہو سکے صورت اول کا حکم یہ ہے کہ عورت حاکم اسلام سے استغاثہ کرے ورنہ جماعت مسلمین سے رجوع کرے اور حاکم یا جماعت مسلمین اس مفقود کی خوب اہتمام سے تلاش کریں اگر خبر نہ معلوم ہو اسوقت چار سال کی مہلت مقرر کریں اور چار سال کے بعد بھی اگر پتہ نہ لگے تو پھر عورت عدت وفات پوری کرے اور نکاح ثانی کر سکتی ہے اور دوسری صورت کا حکم یہ ہے کہ عجز عن النفقہ کے سبب منجانب حاکم شرع یا نائب حاکم طلاق واقع کر دیجاوے اور عدت طلاق پوری کرے۔ اور تیسری صورت کا حکم یہ ہے کہ مرد کی ستر سال کی عمر تک انتظار کریں اور چوتھی صورت کا حکم مثل دوسری صورت کے ہے اسی طرح خوف زنا میں بھی یہی حکم ہے۔ یہ حاصل ہے اسکی عبارت کا تطویل کے سبب عبارت نقل نہیں کی بعد اسکے نقل کرنے کے غرض یہ ہے کہ بعض اہل فتویٰ جو زوجہ مفقود کے لئے علی الاطلاق چار سال کے انتظار کا حکم دیدیتے ہیں یہ اس مذہب کے بھی خلاف ہے واقعہ میں سب صورتوں کی تحقیق کر لینا ضروری ہے اور اشتراط قضاء قاضی کی بحث اسکے علاوہ ہے۔ کتبہ اشرف علی ۲۵ ربیع الثانی ۱۳۳۲ھ

سوال۔ زید عرصہ دس سال سے مفقود الخبر ہے اسکی موت وحیات کی کچھ خبر نہیں ملتی ہے حتی الوسع تلاش کی گئی کچھ پتہ نہیں ملتا۔ ہندہ زوجہ اس کی نوجوان ہے۔ زمانہ کی حالت نازک دیکھکر اس کے والد صاحب اور برادر صاحب کا ارادہ ہے کہ اس کا عقد ثانی کسی دوسرے شخص نیکبخت کے ساتھ کر دیا جاوے اور فتاویٰ رشیدیہ میں شاید یہ لکھا ہے کہ امام مالک صاحب یا امام شافعی صاحب کے یہاں یہ درست ہے کہ اس قدر مدت کے بعد اس کا عقد کر دیا جاوے اور ضرورتاً حنفی المذہب بھی اس مسئلہ پر عمل کر سکتے ہیں۔ لہذا التماس ہے کہ حضور والا کا اس مسئلہ میں کیا ارشاد ہے تاکہ اسکے موافق اس کا عمل درآمد کیا جاوے ۔

الجواب فی شرح الزرقانی المالکی علی موطا الامام مالک رح فی عدۃ التی تفقد زوجہا ما نصہ وضعف الاول (ای الوجہ الاول للتحدید باربع سنین) بقول مالک لو اقامت عشرین سنۃ ثم رفعت یستانف لہا الاجل ثم قال والثانی (ای الوجہ الثانی) لقول مالک الخ تستانف الاربع من بعد الیاس وانہا من یوم الرفع ثم قال فلا سبیل لزوجہا الاول الیہا اذا جاء او ثبت انہ حی لان الحاکم اباح للمرأۃ الزواج الی قولہ ثم رجع مالک عن ہذا قبل موتہ بعام وقال لا یفیتہا علی الاول لاخول لثانی غیر عالم بحیاتہ ثم قال و فرق بینہما (ای المرأۃ یطلقہا زوجہا وہو غائب عنہا الخ) وبین امرأۃ المفقود بانہ لم یکن فی ہذہ امر ولا قضیۃ من حاکم بخلاف امرأۃ المفقود کان فیہا قضاء من الحاکم

اس عبارت میں چار جگہ تصریح ہے کہ مفقود کی بی بی امام مالک رح کے مذہب میں بدون قضاء قاضی یعنی بدون حکم حاکم اسلام کے نکاح ثانی نہیں کرسکتی پس امام مالک رح کے قول پر عمل کرنا یہ ہے کہ اس قید پر بھی عمل ہو اور جب ایسا نکیا جاوے تو نکاح ثانی ناجائز ہے اور ظاہر ہو کہ اب کوئی اس کا اہتمام نہیں پس ایسے نکاح ان کے مذہب پر بھی جائز نہیں ہیں۔ ۲۶ رمضان ۱۳۳۲ھ

چالیسویں حکمت تحقیق شبہات متعلقہ مضمون القاسم بابت دعائے میت

سوال۔ فخر اقران یادگار رہبر گان جناب مولانا اشرف علی صاحب مد ت فیوضکم کمترین بعد سلام مسنون گذارش پرداز ہے جناب کی ہمت با صلاح امت ہر نوع قابل شکر گذاری ہے بندہ کو اپنی کم فہمی اور قلت اعتنا بامور دینی سے آپ کے بعض مضامین پر کچھ شبہے ہوجایا کرتے ہیں مگر بوجہ مذکورہ کے مشاغل فاسدہ دنیویہ وقت کیساتھ ہی رفت وگذشت ہوجاتے ہیں بعض دفعہ استفہاماً و استفادۃً کچھ عرض بھی کرنا چاہتا ہوں مگر وجوہ مسطورہ کیساتھ میری علمی بے بضاعتی اور اخلاصی فرومائگی دست کشی پر آمادہ ہوجاتی ہے۔ اور لوں شعبان کے القاسم کے صفحہ ۱۰ و صفحہ ۱۶ کے دیکھنے سے پھر وہی کیفیت پیدا ہوئی وجوہ مذکورہ تو اب بھی مانع عرض حال ہیں مگر ۲۹ رجب گذشتہ کو چند منٹ کی حصول نیاز

عــہ ۱۰ اس مسئلہ کی پوری تفصیل کتاب حیلہ ناجزہ میں دیکھی جائے ۱۲۔

عــہ ۔ یہ عبارت جواب کے حاشیہ میں پوری منقول ہے ۱۲۔

مقام اس دفعہ معروضہ کی تقریب کرتی ہوئی نظر آتی ہے لہذا نہایت ادب سے مختصراً گزارش ہے بندہ
آپکے مضمون صلالقائم کے اس جملہ کو نہیں سمجھ سکا اور اگر مقصود اس عمل سے حق تعالیٰ ہے اور اُن
بزرگ کو محض ثواب بخشنا ہے تو وہ اس حد تک (یعنی شرک تک) تو نہیں پہونچا اور ظاہراً جائز بھی ہو مولانا
آپ مضمون شرطکو لفظ مقصود اور لفظ محض سے اتنا مضبوط و محفوظ فرما چکے ہیں کہ یہ عمل و عقیدہ ہر
حد اساءت سے دور اور ظاہراً باطناً جائز اور مستحسن ہو گیا۔ بس یہی جواب شرط ہونا چاہئے تھا کہ وہ اس
حد تک تو نہیں پہونچا الخ اور نہ اس محفوظ و مضبوط مقدمہ سے کوئی استدراک ہو سکتا ہو اور جناب
اپنی تفتیش اور معلوم خیالی کے واسطے جدا مسئلہ قائم فرما سکتے تھے حاشا وکلا کہ مجھے آپکے بیان سے
کوئی مزاحمت یا سیاق سے کوئی مناقشہ مدنظر ہو مگر آپکے اس بیان سے اس مسئلہ کا مفہوم جو میں سمجھ سکا
ہوں وہ یہ ہے کہ جس صدقہ نافلہ میں مقصود فقط حق تعالیٰ ہو اور بزرگوں کو محض ثواب بخشنا ہو وہ
بھی بُرا اور گناہ ہے اور ظاہراً جائز اور باطناً منع ہو۔ مولانا مجھے اپنے کان تو بکن معلومات میں
ایسا کوئی مسئلہ معلوم نہیں ہوتا جسکو ظاہر شرع نے جائز قرار دیا ہو اور وہ بغیر عروض کسی قاعدہ
خارجی کے ناجائز ہو سکے اور مبحوث عنہ میں آپکی لفظی اور معنوی حد بست جملہ خوارج کا سدباب کر چکی
ہے لہذا یہ عمل مطلقاً جائز اور مستحسن ہونا چاہئے عقیدہ مدد از بزرگان کی جناب نے دو صورتیں نکالی
ہیں ایک عقیدہ مدد بتصرف باطنی جسکو صلا میں قریب شرک اور صلا میں عین شرک فرمایا ہے
دوسری صورت عقیدہ مدد از دعا، تصرف باطنی کے اُس ہیبتناک مفہوم کی تصریح سے پہلے جبکہ
عقیدہ کرنے سے ایک کلمہ خوان نماز گزار روزہ دار مؤمن باللہ و بالرسول و بالیوم الآخر غرض عامل
ارکان اسلام کو ان اللہ لا یغفر ان یشرک بہ کی سخت ترین وعید کی تحت میں خلود فی النار
کا مستوجب بناوے) یہ حکم تصرف باطنی کے ظاہری مفہوم پر جو بحالت غلو بھی کسی مسلمان
کی سمجھ یا عمل میں آ سکتا ہو نہایت شدید بلکہ متجاوز عن الحق معلوم ہوتا ہے اگر صفحہ ۱۶ کے اس جملہ کو
زدہ خوش ہو کر ہمارا کام کر دینگے) تصرف باطنی کے مفہوم شرک کی تصریح بھی مان لیجائے تو یہ تصریح خود محل
توجیہ و تاویل ہو کام کر دیں گے یعنی دعا کرینگے شفاعت کر دینگے اُن کی دعا خدا تعالیٰ قبول فرمائیگا تو
ہمارا کام ہو جاویگا گویا انھوں نے ہی ہمارا کام کیا وسائط سے افعال کی نسبت مجازاً ہر زبان میں رات
دن کا روزمرہ ہے قرآن و حدیث میں بھی ایسی نسبتیں بکثرت موجود ہیں غایۃ ما فی الباب یہ کہ احتیاطاً اگر کسی

مجدد و مصلح قوم کو دور اندیشی سے لوگوں کو اس سے باز رکھنے کی ضرورت ہو تو وہ مشرک اور کافر قرار دینے کے سوا بھی اور تہذیبی طریقوں سے ہو سکتی ہے اور زیادہ کیا عرض کروں قرآن و حدیث و تعامل صحابہ و قرون خیر و اتفاق صلحاء سلف و خلف ایسی سخت گیری سے کس قدر مانع ہے وہ جناب کے خدام مجلس کی نظر سے بھی پوشیدہ نہیں اسوقت اس حکم کی شدت ہی میری گھبراہٹ کی باعث ہوئی ورنہ من خراب کجا و صلاح کار کجا۔ عقیدہ مدد از دعا میں بعد جواز عقیدۂ احتمال دعا دو عقیدے دوسرے آپنے ظاہر فرمائے ہیں ایک عقیدہ وقوع احتمال دعا دوسرا الغرض وقوع عقیدہ اجابت دعا ان عقیدوں کے فساد پر عدم ثبوت آپنے دلیل پیش کی ہے بس بغیر اسکے کہ اندریں مسئلہ عدم ثبوت دلیل فساد ہونے پر کچھ عرض کروں عقیدہ اولی کی صحت و ثبوت میں یہ حدیث پیش کرتا ہوں جسکو علامہ ابن القیم نے کتاب الروح میں نقل کیا ہے قال ابو عبد اللہ بن مندة وروى موسى بن عبيدة عن عبد الله بن يزيد عن ام كبشة بنت المعرور قالت دخل علينا رسول الله صلى الله عليه وسلم فسألناه عن هذه الارواح فوصفها صفة ابكى اهل البيت فقال ان ارواح المومنين فى حواصل طير خضر ترعى فى الجنة .... وتاكل من ثمارها وتشرب من مائها وتاوى الى قناديل من ذهب تحت العرش يقولون ربنا الحق بنا اخواننا واتنا ما وعدتنا فتلك دعوتهم قد وقعت لاخوانهم الاحياء وتدوم الى ما دامت السموات والارض اسی عقیدہ اول کی صحت و ثبوت میں قرآن شریف کی یہ آیت بھی پیش کرتا ہوں۔ الذين يحملون العرش ومن حوله يسبحون بحمد ربهم ويستغفرون لمن فى الارض من حوله کے عموم میں اگرچہ مفسرین نے ان بزرگوں کو شامل نہ کیا ہو جنکو میں شامل کرنا چاہتا ہوں مگر سرور کائنات صلی اللہ علیہ وسلم کی بعض تصریحات اندریں باب ان حضرات کائنات کے مدد و معاون ہیں چنانچہ ام کبشہ کی حدیث مذکور میں تاوى الى قناديل من ذهب تحت العرش آیا ہے اور بعض حدیثوں میں الى قناديل معلقة بالعرش ومدلية تحت العرش آیا ہے ومعلوم ان تحت العرش داخل فى حول العرش والمعلقات بالعرش هى من حول العرش۔ تیسرا ثبوت قال ابن عبد البر ثبت عن النبى صلى الله عليه وسلم انه قال ما من مسلم يمر على قبر اخيه كان يعرفه فى الدنيا فيسلم عليه الا رد الله تعالى عليه روحه حتى يرد عليه السلام اور سلامتی بہترین دعا ہے اور یا من الا کی نفی و اثبات سے اسکی ضروری الوقوع اور ہر گونہ احتمالات سے بالاتر ہونے پر ایک تجلی پڑتی ہے اور حضرت ابی ہریرہ کی حدیث میں رضی اللہ عنہا عرضا و لا یعرفہ

رد علیہ السلام بھی ہے فتلک دعواتھم لنا بغیر احسان منا والمعاوضۃ فکیف اذا احسنا الیھم ووصلناھم وارسلنا الیھم الھدایا وھم متنعمون متکرمون عند ربھم فرحون بما اٰتاھم اللہ من فضلہ وھو تعالیٰ یطلع الیھم فیقول ھل تشتھون شیئا فکیف یدعونا فی مثل ھذا الوقت من الدعاء اناوھدایانا تصل الیھم وربنا القدیر یسئلھم ھل تشتھون شیئا والحمد للہ رب العلمین عقیدہ ثانیہ یعنی بعد فرض وقوع دعا اس دعا کے بالقطع قبول ہونیکا عقیدہ کرنا اس کا ثبوت میں تقریباً آہی چکا ہے مگر علیحدہ بھی اسکے ثبوت میں حضرت ابی ہریرہ کی حدیث پیش کرتا ہوں عن ابی ھریرۃ رضی اللہ عنہ قال قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ادعوا اللہ وانتم موقنون بالاجابۃ رواہ الترمذی اسمیں شک نہیں کہ دعا تو بعض اوقات انبیاء علیہم السلام کی بھی قبول نہیں ہوتی مگر ہمکو بصراحت دعا کی بالقطع قبول ہونیکا عقیدہ رکھنے کا حکم ہے ادعوا اللہ وانتم موقنون بالاجابۃ والسلام اب میں زیادہ جناب کی تضیع اوقات نہیں کرتا چونکہ بندہ کو فقط تحقیق حق مقصود ہے اگر جواب عنایت ہو تو تحقیقی اور مختصر دو بالعافیۃ۔

الجواب ۔ مخدومی معظمی دامت فیوضکم ۔ السلام علیکم ورحمۃ اللہ ۔ میں آجکل سفر میں ہوں سفر ہی میں کرمنامہ نے مشرف فرمایا خیرخواہی سے ممنون ہوا اگر جواب لکھنے کا حکم نہ ہوتا تو جواب کو سوء ادب سمجھکر اسکی جرأت نہ کرتا مگر حکم ہونیکے بعد جواب عرض نہ کرنا سوء ادب تھا اسلئے کچھ عرض کرتا ہوں میں نے صاف دل سے خلو ذہن کے ساتھ اپنا پورا مضمون[ع] القاسم میں مکرر بغور دیکھا کوئی خدشہ نہیں معلوم ہوا ۔ والانامہ کو مکرر دیکھا

[ع] وہ پورا مضمون یہ ہے ۔ ایک کوتاہی یہ ہے کہ بعضے آدمی جو صدقہ نافلہ نکالتے ہیں ان کا دل گوارا نہیں کرتا کہ محض حق تعالیٰ کی خوشنودی کیلئے خرچ کریں بلکہ وہ ہر چیز کو کسی پیر فقیر شہید ولی کے نام زد کر دیتے ہیں سو اگر خود وہ بزرگ ہی اس سے مقصود ہے تب تو وہ ما اہل بہ لغیر اللہ میں داخل ہو کر بعینہٖ حد شرک تک پہنچ گیا اور بعض غلاۃ جہلاء کا واقعی یہی عقیدہ ہے سو ایسی چیز کا نذر اول بھی درست نہیں اور اگر مقصود اس عمل سے حق تعالیٰ ہے اور اس بزرگ کو محض ثواب ہی بخشنا ہے تو وہ اس حد تک تو نہیں پہنچا اور ظاہراً جائز بھی ہے لیکن عوام بلکہ بعض خواص کالعوام کے حالات و خیالات کے تفتیش سے معلوم ہوتا ہے کہ لوگ محض ثواب ہی پہنچانا انکو مقصود نہیں سمجھتے بلکہ انکی یہ نیت ہوتی ہے کہ فلاں ولی کو ثواب پہونچیگا تو وہ خوش ہونگے اور ہماری اس حاجت میں مدد کرینگے خواہ تصرف باطن سے اور زیادہ عقیدہ یہی ہے اور اسکا بھی قریب شرک ہونا ظاہر ہے اور خواہ دعا سے سو احتمال دعا کا عقیدہ تو نا جائز نہیں لیکن دو عقیدے اسمیں بھی فاسد ہیں ایک اس احتمال کے وقوع کا (بقیہ بر صفحہ آئندہ)

تب بھی کوئی خدشہ پیدا نہیں ہوا انما لبا آپکو جملہ ظاہراً جائز بھی ہے کہ بعد استدراک سے خلجان ہوا ہے
سو بقرینہ سیاق اس جملہ کا مطلب یہ ہے کہ ظاہراً علی الاطلاق جائز بھی ہے پس باعتبار قید علی الاطلاق
کے یہ استدراک کیا گیا ہے اور گو علی الاطلاق کا لفظ اس مقام پر مصرح نہیں مگر سیاق کو ملا کر دیکھنے سے
مطلب واضح ہے پس میں بزرگوں کے نفس ثواب بخشنے کو منع نہیں کرتا جس پر یہ شبہ مذکورہ والا نامہ متوجہ ہو سکے
کہ جس صدقہ نافلہ میں مقصود فقط حق تعالیٰ ہو اور بزرگوں کو محض ثواب بخشنا ہو وہ بھی برا اور گناہ ہے اور یہ مطلب
کیسے ہو سکتا ہے جبکہ آئندہ نو سطر بعد ہی اسمیں یہ مصرح ہے کہ جب بزرگوں کو کچھ بخشنا ہو اپنی حاجت کا خیال
اسمیں نہ ملایا کریں الخ بلکہ مطلب وہی ہے جو اوپر مذکور ہوا کہ گو ظاہراً علی الاطلاق جائز معلوم ہوتا ہے مگر بعد
تامل و تفتیش حال عوام اسمیں باطنی مفسدہ ہے جو بعد استدراک مذکور ہے اور واقعی یہ عدم جواز بغیر عروض
کسی قبیح خارجی کے نہیں ہوا بلکہ قبیح کے عروض ہی سے ہوا اور وہ قبیح دو عقیدے ہیں ایک اعتقاد وقوع دعا
دوسرا اس کا بالقطع مقبول ہونا اور جس امر کو میں نے شرک یا قریب شرک کہا ہے وہ ایسا ہی شرک ہے جیسے
من حلف بغیر اللہ فقد اشرک چنانچہ اس کا لفظ قریب بہ شرک ہی تعبیر کرنا اس کا موید ہے باقی اس تصرف
باطنی کے عقیدہ کی جو تاویل کی گئی ہے جو لوگ ان امور میں منہمک ہیں ان کی تصریحات اس تاویل کو رد کرتی
ہیں اور تشدد جو سلف کے خلاف ہے وہ تشدد ہے جو محل عدم تشدد میں ہو اور یہ عقیدہ خود محل تشدد ہی ہے چنانچہ
اسی واسطے ان امور پر حدیثوں میں شرک کا اطلاق آیا ہے اور وقوع دعا میں جو حدیث نقل فرمائی ہے اسمیں جو
دعا منقول ہے وہ خود اس استدلال کا جواب ہے یعنی اس سے صرف ایک معین دعا کا وقوع ثابت ہے ربنا
الحق بنا اخواننا اور دعویٰ عدم ثبوت دوسری دعا کا ہے یعنی جس حاجت کیلئے یہ شخص ایصال ثواب کرتا ہے

(بقیہ صفحہ گذشتہ) اعتقاد کرنا کہ جس کی کوئی دلیل نہیں اور بلا دلیل عقیدہ کرنا کذب لفظی و مخالفت ہے آیت لا تقف ما لیس لک بہ علم کی
دوسرے بعد فرض وقوع دعا کے اس دعا کا بالقطع قبول ہو جانے کا عقیدہ کرنا دعا تو بعض اوقات انبیاء علیہم السلام کی بھی کسی مصلحت سے
قبول نہیں ہوتی بجز انبیاء چند سو اسلئے مصلحت یہی ہے کہ جب بزرگوں کو کچھ بخشنا ہو اپنی حاجت کا خیال اُن میں نہ ملایا کریں
کہ توحید کے خلاف ہو کما ذکر اور اگر بہت ہی احتیاط کی تو اخلاص کے تو خلاف ہو ایسی مثال ہو گئی کہ زندہ کو ہدیہ دیا وہ سمجھا کہ محبت
سے دیا اور خوش ہوا پھر معلوم ہوا کہ کسی مطلب کو دیا فوراً وہ کبیدہ ہو گیا مسئلہ بعض لوگ بزرگوں کو اسلئے ثواب بھیجتے ہیں کہ وہ
خوش ہو کر ہمارا کام کر دینگے سو یہ شرک ہے اور اگر یہ سمجھیں کہ دعا کریں گے اور وہ دعا ضرور قبول ہو گی تو یہ دونوں مقولات بھی ایسے
ہیں کہ کہیں یہ ثابت ہے کہ وہ ضرور دعا کرینگے اور نہ یہ ثابت ہے کہ دعا ضرور قبول ہو گی پس ایسی مشکوک بات کا پختہ
یقین کر لینا بھی گناہ ہے۔ ۱۲ منہ۔

مثلاً ترقی معاش وصحت اولاد ونحو ذلک تو اس کا ثبوت اس حدیث سے کیسے ہوا اسی طرح قرآن مجید کی
آیت میں اگر من حولہ کو بلا دلیل عام بھی لے لیا جاوے تب بھی اس سے خاص دعار کا ثبوت ہوتا ہے نہ کہ دعاء متکلم
فیہ کا اسی طرح سلامتی کی دعا رخاص ہے اس سے ہر دعا رکا وقوع اور خاصکر ایصال ثواب کے بعد اسکا وقوع
جیسا کہ عقیدہ عوام کا ہے یہ کیسے ثابت ہوا باقی اس پر جو دوسری ادعیہ کو قیاس کیا ہے وہ مع الفارق ہے اور وہ
فارق اذن ہے ممکن ہے کہ یہ دعا ر ماذون فیہ ہو اور دوسری دعائیں غیر ماذون فیہ جب تک کہ نقل صحیح سے ثابت نہ ہو
اور جب دعا ہی ثابت نہیں تو اجابت کے یقین کا کیا ذکر اور انتم موقنون بالاجابۃ سے مراد خاص
قبول متعارف نہیں اسی کی قطع کی نفی کی گئی ہے ورنہ جب اجابت واقع نہ ہو لازم آتا ہے کہ ہمکو ایک غیر
واقعی امر کا یقین دلایا گیا اس کا کوئی متدین قائل ہو سکتا ہے بلکہ مراد اجابت سے عام ہے جیسا کہ اس آیت
میں ہے ادعونی استجب لکم اور عوام اجابۃ متعارفہ کا قطع کرتے ہیں بہت غور درکار ہے اور اصل بات جو بنا
ہے میرے منع کی وہ یہ ہے کہ عوام الناس یہ اعتقاد رکھتے ہیں کہ اس طریق سے گویا وہ کام ان بزرگوں کے سپرد
ہو گیا اور وہ ذمہ دار ہو گئے وہ جسطرح بن پڑیگا خواہ تصرف سے یا دعا سے ضروری ہے اسکو پورا کرا لیں گے اور انکا
ایسا دخل ہے کہ ان کی سپردگی کے بعد اب اندیشہ تخلف نہیں اور اگر تخلف ہوگا تو یہ احتمال نہیں ہوگا کہ انکی
قوت میں کچھ عجز ہے بلکہ اپنے عمل میں کمی سمجھیں گے بعینہ جیسا خدا تعالیٰ کے ساتھ یہی اعتقاد ہوتا ہے بس یہ
اگر شرک نہیں تو کیا ہے حسب الحکم مختصر لکھا ہے اس سے زیادہ میں عرض کرنا نہیں چاہتا نہ اب نہ پھر اس سے
۔۔ فیصلہ نہ ہوا ہو تو بہتر یہ ہے کہ اپنی تحقیق القاسم میں یا اور کسی پرچہ میں طبع کرا دیجئے تاکہ مسلمانوں کی اصلاح
ہو جاوے میں بھی اگر سمجھ لونگا تو رجوع و اعلان کر دوں گا ورنہ میں اسکا وعدہ کرتا ہوں کہ اسکا رد نہ لکھونگا باقی
خود اپنا عقیدہ اپنی تحقیق کے موافق رکھنے میں معذور ہوں گا۔ ۲۱ محرم سنہ ۱۳۳۱ھ۔

اکتالیسویں[۴۱] حکمۃ حد الانحراف عن القبلہ

فی رد المحتار وکان الخط الخارج من جبین المصلی یصل علی استقامۃ[عہ] الی ہذا الخط المار علی الکعبۃ فانہ بہذا
الانتقال لا تزول المقابلۃ بالکلیۃ لان وجہ الانسان مقوس ثم قال المفہوم مما ذکرناہ علی المعراج

عہ ای علی زاویتین قائمتین ۱۲

والدر من التقيید بحصول زوایتین قائمتین عند انتقال المستقبل لعین الکعبۃ یمینا او یسارا
انه لا یتم لو کانت احدٰهما حادة والاخرٰی منفرجة بهذه الصورة کعبہ | مصلی \ وفیه
ان الانحراف الیسیر لا یضر وهو الذی یبقٰی معه الوجه او شیء من جوانبه مسامتا للکعبة او لهوائها
مستقیما ولا یلزم ان یکون الخارج علی استقامة خارجا من جبهة المصلی بل منها او من جوانبها
کما دل علیه قول الدر من جبین المصلی فان الجبین طرف الجبهة وهما جبینان صـ۳۶ وصـ۳۷

۱۷ شب ۲۷ صفر ۱۳۳۱ھ۔

سوال۔ کیا فرماتے ہیں علماء دین اس مسئلہ میں کہ ایک مسجد ملک افریقہ میں بمقام شہر برلن واقع ہے حسب نقشہ ذیل لہذا اس صورت میں جس جانب کہ رخ محراب کا واقع ہے اگر نماز پڑھی جاوے تو جائز ہے کہ نہیں۔
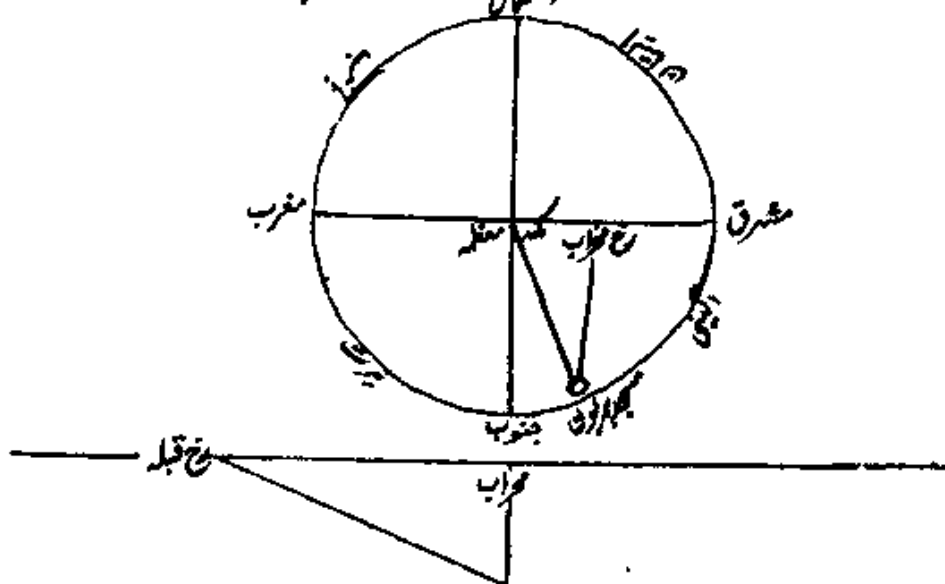
صورت مسجد کی یہ ہے غلطی سے یہ اس رخ پر بنادی گئی معلوم ہوتے سے اب فرق رخ قبلہ کا اسقدر ہے کہ اوپر جو تمام دنیا کا نقشہ ہے اسمیں شہر برلن جس رخ پر واقع ہے وہ بھی ملاحظہ میں پیش ہے۔

الجواب۔ سیدھے رخ پر جو خط کھینچا جاوے اگر مصلی کے جبہہ و جبین کے کسی جزو سے بھی ایسا خط نکلے جو پہلے خط سے زاویہ قائمہ پر تقاطع کرے تو اتنے انحراف سے نماز ہو جاویگی اور جو کسی جزو سے ایسا خط نہ نکلے تو نماز نہ ہوگی۔ اب اسکو خود دیکھ لیا جاوے دلیل المسئلة [عہ] ما فی رد المحتار وکان الخطا الخ قلت
والخذه قوله تعالٰی فول وجهك شطر المسجد الحرام حیث امر بتولیة الوجه الا الجبهة خاصة

عہ قدمت هذه العبارة قبل هذا السوال متصلا ۱۲ منه۔

بیالیسویں حکمۃ فرق درمیان علماء و انبیاء در کتمان حق وقت خوف

سوال۔ جناب والا نے سورۂ بقر آیۃ ۱۷۶ کی وجہ ربط میں تحریر فرمایا ہے کہ اسمیں تعلیم ہے علماء امت محمدیہ کو کہ ہمنے جو کچھ احکام بیان کئے ہیں کسی نفسانی غرض اور منفعت سے ان کے بیان و تبلیغ میں کوتاہی نکریں اور حاشیہ تحریر فرمایا ہے اشارۃ الی جواز الکتمان لخوف ضرر شدید کما ھو المقرر فی کتب الفقہ۔ اس عبارت میں کتمان سے کیا مراد ہے عدم اظہار الحق یا اظہار خلاف الحق پھر اس تقیہ میں اور شیعوں کے تقیہ میں کیا فرق ہے۔ کیونکہ وہ بھی یہی کہتے ہیں کہ ہمارے آئمہ بخوف ضرر شدید خلفاء کی پیروی اور انکی تعریف کرتے تھے۔ اور حق کو چھپاتے تھے میرے خیال میں جانشینان انبیاء کیلئے انبیاء علیہم الصلوٰۃ والسلام کی طرح کتمان حق کسی حالت میں بھی جائز نہونا چاہئے اور فقہ کے مبحث اکراہ غیر ذمہ دار اشخاص سے متعلق سمجھی جائے کیونکہ یہ تو ظاہر ہے کہ نبی کی جان اور غیر نبی کی جان برابر قیمتی نہیں نیز جو مفسدہ دینی ایک نبی کی جان کے تلف ہونے پر مترتب ہوتا ہے اسکے برابر کسی غیر نبی کی جان تلف ہونے پر مترتب نہیں ہوتا پس جبکہ نبی کو کسی حال میں کتمان حق کی اجازت نہیں تو کسی عالم کیلئے بالاولیٰ نہونی چاہئے نیز آیۃ ۱۵۹ میں کتمان ما انزلنا مطلق ہے کسی خاص حالت کیساتھ مقید نہیں۔ لہذا اسکی تقیید کم از کم کسی خبر مشہور سے ہونی چاہئے۔ کوئی فقہی روایت جسمیں احتمال مذکور الصدر (ان کا غیر ذمہ دار اشخاص سے متعلق ہونا) موجود ہو میرے خیال میں اسکو مقید نہیں کر سکتے۔

الجواب۔ یہ تفصیل باب اکراہ میں کہ ذمہ دار وغیرہ ذمہ دار کے حکم میں تفاوت ہو بلا دلیل ہے آیۃ کریمہ من کفر باللہ من بعد ایمانہ الا من اکرہ وقلبہ مطمئن بالایمان الآیۃ اپنے اطلاق سے دونوں کو شامل ہے اور اگر نبی پر قیاس کیا جاوے تو یہ قیاس ہے مقابلہ نص کے اسلئے مقبول نہیں ہو سکتا اور آیات وعید کتمان جن لوگوں کے حق میں ہیں ان کو کوئی اندیشہ اس قسم کا نہ تھا محض فوت نفع کے خیال سے ایسا کرتے تھے۔ رہا فرق اسمیں اور تقیہ میں اسکا بیان کرنا موقوف ہے شرائط و محال تقیہ کے معلوم ہونے پر سو مجھکو معلوم نہیں۔ رہا یہ دعویٰ کسی کا کہ ائمہ کو بھی خوف تھا ضرر شدید کا خلفاء سے اس کا الزامی جواب تو ان لوگوں کی کتب دیکھنے پر موقوف ہے، رہا تحقیقی جواب یہ ہے کہ خلفاء کے حالات جو شخص تحقیق کریگا وہ یقین کرلے گا کہ وہ اظہار حق کو سب سے زیادہ محبوب سمجھتے تھے تو ان سے خوف ضرر کیا معنی اور قیاس کی

جو وجہ لکھی ہے وہ اسلئے محذوش ہے کہ نبی کے کتمان یا اظہار خلاف میں ایسی تلبیس ہے کہ جس کا تدارک ممکن نہیں کیونکہ مدار خبر احکام کا نبی کا قول ہے جب وہ قول بھی مخلط ہونے لگا تو پھر مابہ الوثوق کیا چیز ہوگی۔ بخلاف غیر نبی کے کہ اس کے اظہار خلاف حق سے صرف یہ سمجھا جاویگا کہ اس کا عقیدہ یہ ہے اصل حکم حق میں تخلیط نہ ہوگی۔ اور اگر کسی کے نزدیک ہوگی تو اس سے اقوی دلیل سے کہ قول نبی ہے جب تعارض ہوگا اقوی کو ترجیح ہوگی۔ اور رہا نبی کی جان کا قیمتی ہونا وہ تو اسلئے ہے کہ نبی مدار احکام ہے جب اسکے لئے ایسا امر جائز رکھا جاوے تو پھر اس قیمتی ہونیکا مبنی ہی منعدم ہوجاویگا۔ پھر قیمتی کیسے رہے گی جسپر اس کی حفاظت کیجاوے۔ رہا قصہ مفسدہ کا تو دین کی تخلیط سے بڑھکر کوئی مفسدہ نہیں ہوسکتا اور یہ اور بات ہے کہ افضل ان امور میں عزیمۃ پر عمل کرنا ہے سو اس میں کلام نہیں فقط واللہ اعلم۔ سلخ شوال ۱۳۳۱ھ

سوال ۱۔ جس طرح وعید کتمان اہل کتاب کی اہل طمع علماء سے متعلق ہے اور اس لئے اسمیں علماء امت محمدیہ میں سے وہی لوگ اسکے مصداق ہوں گے جو ان کی طرح بطمع کتمان حق کریں یونہی الامن اکرہ وقلبہ مطمئن بالایمان بھی ان معذبین فی اللہ لوگوں سے متعلق ہے جو لوجہ وجود حضرت سرور کائنات علیہ التحیات والصلوات غیر ذمہ دار تھے اسلئے اسکو بھی امت محمدیہ کے غیر ذمہ دار اشخاص سے متعلق ہونا چاہئے۔ اور جس طرح کہ آیۃ الامن اکرہ الخ لفظ کے ذریعہ سے عام ہے یوں ہی الذین یکتمون بھی عام ہے غرض شان نزول کے اعتبار سے دونوں خاص اور الفاظ کے اعتبار سے دونوں عام پھر ایک میں خصوص موقع کا اعتبار دوسری میں عموم الفاظ کا لحاظ۔ اس فرق کی وجہ سمجھ میں نہیں آئی۔

۲۔ من اکرہ وقلبہ مطمئن بالایمان اپنے عموم سے نبی کو بھی شامل ہے اسمیں سے نبی کی تخصیص کس نص سے ہوئی ہے یہ سب کر ذہن میں نہیں حضور والا مطلع فرماکر ممنون فرماویں یا محض دلیل عقلی ہو سے مستثنیٰ کیا ہے۔

۳۔ بر تقدیر آیۃ مذکورہ سے نبی کو بذریعہ کسی نص کے خاص کرنیکے آیۃ مذکورہ مخصوص البعض ہونیکی وجہ سے ظنی ہوجاتی اور قیاس کے ذریعہ سے قابل تخصیص ہوگی اور اس وجہ سے آیۃ وعید کتمان حق کے معارض نہ ہوگی بلکہ آیۃ وعید ان لوگوں سے متعلق ہوگی جو جاہی یا مالی نفع کی غرض سے دوسروں کی گمراہی کا ذریعہ بنتے ہیں اور آیۃ من اکرہ ان سے جو کسی کی گمراہی کا ذریعہ (بوجہ اپنی غیر ذمہ داری کے) نہیں بنتے فلا تعارض۔

۴۔ اگر نبی کو آیۃ من اکرہ سے بذریعۂ دلیل عقلی خاص کیا جاتا ہے تو اس دلیل کے ذریعہ سے ذمہ دار

اشخاص کو بھی خاص کیا جا سکتا ہے اور نبی و غیر نبی کا یہ فرق کہ نبی کے اظہار خلاف حق میں ایسی تلبیس ہے جسکا
تدارک ممکن نہیں۔ بخلاف غیر نبی کے کہ اسکے اظہار خلاف حق کا تدارک نبی کے قول سے ہو سکتا ہے ابھی تک
سمجھ میں نہیں آیا کیونکہ نبی کا حکم ظاہر کرنیوالے علماء ہیں اگر وہی خلاف حق ظاہر کریں گے تو نبی کا قول کس ذریعہ
سے معلوم ہوگا جس سے حق معلوم کر کے عالم کے قول کو خلاف واقع سمجھیں لہذا غیر نبی کے اخفاء حق میں بھی
وہی تلبیس لازم آتی ہے جسکا تدارک ممکن نہیں یہ گفتگو تو اسوقت ہے جبکہ مجموعہ علماء اور نبی کا مقابلہ کیا
جاوے اور اگر بعض علماء اور نبی کا مقابلہ کیا جاوے تو بھی کوئی فرق معتد بہ ظاہر نہیں ہوتا اسلئے کہ گو اسوقت
دیگر اہل علم اسکی غلطی ظاہر کر سکتے ہیں اور صحیح حکم شرعی بتلا سکتے ہیں لیکن عوام کو اسقدر تو سلیقہ ہوتا نہیں
کہ وہ یہ پہچانیں کہ کون صحیح کہتا ہے اور کون غلط اسلئے بعض ایک عالم کے متبع ہوتے ہیں جس سے انکو اعتقاد
ہے اور بعض دوسرے کے لہذا جو اسکے متبع ہیں ان کے حق میں تو غیر ممکن التدارک تلبیس لازم آہی گئی
عدم تلبیس کو مطلقاً تسلیم کرنیکے باوجود بھی بعض ذمہ دار اشخاص کے اظہار خلاف حق سے اس صورت میں
اسلام کو ایک سخت صدمہ پہنچتا ہے جبکہ کوئی نہ کوئی غیر مسلم حکومت ان کے اقوال کو آڑ بنا کر مذہب اسلام
میں دیدہ و دانستہ مداخلت کرنا چاہتی ہے زیادہ حد ادب۔

الجواب علی خصوص سبب تو واقعی معتبر نہیں اعتبار عموم الفاظ ہی کا ہے مگر اس عموم میں یہ شرط ہے کہ
قرائن و دلائل سے معلوم ہو جاوے کہ متکلم کی مراد بھی عموم ہی ہے ورنہ اگر کسی طور پر یہ معلوم ہو جاوے کہ خود
متکلم ہی کی مراد اتنا عموم نہیں جتنا الفاظ سے معلوم ہوتا ہے تو پھر وہ عموم نہ لیا جاویگا۔ مثال دونوں کی
حق سبحانہ تعالیٰ کا ارشاد والذین یرمون ازواجهم الآیۃ کا گو شان نزول خاص ہے لیکن سیاق میں
غور کرنے سے معلوم ہوتا ہے کہ حق تعالیٰ کا مقصود ہر رامی زوجہ کا حکم بیان کرنا ہے۔ یہاں عموم تام ہوگا
بخلاف حدیث لیس من البر الصیام فی السفر لفظاً عام ہے مگر دلائل سے یہ امر ثابت ہے کہ ہر صائم کو
حکم عام نہیں بلکہ صرف ان ہی صائمین کو جنکی حالت پریشان ہو جاوے اور یہ فرق ذوقاً اہل لسان و اہل
اجتہاد مدرک کرتے ہیں اسی واسطے ہم جیسوں کو اہل اجتہاد کا اتباع و تقلید ضروری ہے پس آیات کتمان گو
لفظاً عام ہیں مگر سیاق و سباق دال ہے کہ اس کا عموم اہل غرض کیلئے ہے نہ کہ مکرہ کیلئے اگر کسی کو ذوقاً سیاق
و سباق سے مدرک نہ ہو وہ اہل ادراک کی تقلید کرے۔

ع۲ قال اللہ تعالیٰ الذین یبلغون رسالات اللہ ویخشونہ ولا یخشون احدا الا اللہ گو یہ خبر ہے

مگر بدلالت مقام یقینی بات ہو کہ مخلوق سے خشیت کو انبیاء کیلئے منع فرما رہے ہیں اور اقتران اسکا یبلغون کیساتھ بتلا رہا ہے کہ یہ مبلغ خاص احکام شرعیہ میں ہے پس یہ نص مخصص نبی کی ہو سکتی ہے۔ دوسرے نبی خود نص کی مراد زیادہ جانتے ہیں جب نبی نے کبھی اس رخصت پر عمل نہیں کیا معلوم ہوا کہ اُن کیلئے یہ رخصت نہیں ہے اور نیز نبی نے کسی حدیث میں الا من اکرہ میں سے کسی کو مستثنیٰ نہیں کیا یہ سب دلائل ہیں غیر نبی کو عام ہونے کے۔

۱۳ ظنیت اس وقت ہے جب نبی کو شامل ہو کر تخصیص کیجاتی یہ نبی کو شامل ہی نہیں بلکہ خاص ہے امتیوں کیساتھ دلیل اسکی اجماع کافی ہے کیونکہ اہل حق میں سے کوئی شخص اسکے عموم مبنی کا قائل نہیں ہوا۔ نیز جب علت معلوم ہو تو باقی میں حکم ظنی نہ ہوگا یہاں ثبوت علت ہے للاجماع۔ نیز قیاس ہمارا معتبر نہیں اور کسی مجتہد نے اسمیں قیاس کیا نہیں۔

۱۴ نبی کے احکام مشہور و مدون ہیں سب کے اخفا رسے بھی تلبیس لازم نہیں آتی۔ دوسرے کفار سے اخفا کرینگے مگر متبعین سے اسکا بھی اظہار کر دیں گے کہ ہمنے خوف سے ایسا کہدیا تھا پھر تلبیس کہاں اور جب خدانخواستہ ایسی نوبت پہونچے کہ کوئی بھی قادر نہ رہے پھر تو مجمعہ سے کام لینا واجب ہو جاویگا کتمان جائز نہ ہوگا لانہ مخصوص بعدم وجوب المقاتلۃ وقد وجبت اذ ذاک۔ ۱۳ ذیقعدہ ۱۳۳۳ھ

تینتالیسویں ۴۳ حکمت طلاق مدہوش

سوال - کیا فرماتے ہیں علماء دین و مفتیان شرع متین رحمکم اللہ تعالیٰ اس مسئلہ میں کہ مسمی امام الدین بخار میں مبتلا تھا حالت بخار میں اس کے باپ واعظ الدین نے اُس سے کہا کہ میرے دو تین بچے ابھی اور جیتے ہیں معلوم ہوتا ہے کہ اس نامبارک بیوی کے سبب سے تو بھی ضرور زیر زمین ہو جائیگا۔ تو اپنی بیوی کو چھوڑ دے یہ کلام سنتے ہی امام الدین نے کہا کہ میں نے بیوی کو چھوڑا۔ میں نے بیوی کو چھوڑا۔ میں نے بیوی کو چھوڑا بعد بخوف طلاق واقع ہونیکے و نیز بغرض دیگر مصلحت دنیاوی کے اُس کا باپ بیان کرتا ہے کہ امام الدین ایک روز پہلے سے بیہوش تھا عین بیہوشی کی حالت میں یہ کلمات اُس سے سرزد ہوئی بنا بریں بیان کے بعض مفتی صاحبان نے فتویٰ دیا ہے کہ طلاق مدہوش کی واقع نہیں ہوتی ہے اسلئے طلاق امام الدین کی بھی واقع نہیں ہوئی اب جبکہ امام الدین لڑکپن سے مجنون و مدہوش نہیں ہے صرف دو ایک روز کے واسطے خود غرضی سے اسکو بیہوش

قرار دیا اور اُس فرضی اور مصنوعی بیہوشی کی حالت میں اپنے باپ کے کلام کو کما حقہٗ سمجھ کر نہیں بکا بلکہ مناسب جواب دیا اور تعداد طلاق میں بھی تین سے آگے متجاوز نہیں ہوا۔ اس صورت میں عقلاً و شرعاً امام الدین کے متذکرہ الفاظ سے اسکی منکوحہ مطلقہ ہوئی ہے یا نہیں اور جبکہ اُس کے باپ کے کلام میں اضافت موجود ہے اسکے جواب میں اضافت نہ ہونے سے وقوع طلاق میں خلل ہوگا یا نہیں۔ بینوا توجروا۔

الجواب سوال ہذا میں اس مدہوشیت کے متعلق خود زوج کا کوئی دعویٰ مذکور نہیں سو اگر وہ اس کا مدعی نہیں بلکہ مقر ہوش کا ہو تب تو بدون زوج کا دعویٰ کوئی چیز نہیں اور حکم مدہوشیت کا احتمال ہی نہیں اور اگر وہ بھی اس کا دعویٰ کرتا ہے تو چونکہ یہ امر خلاف ظاہر ہے اسلئے اس کا دعویٰ مسموع نہیں ہو سکتا ہو ورنہ ہر مطلق ایسا ہی دعویٰ کر سکتا ہے بلکہ اس کے اعتبار کیلئے یہ شرط ہو کہ اس کی یہ حالت دوسرے عام دیکھنے والوں کو بھی ظاہر اور محسوس ہوتی ہو خواہ عین وقت پر یہ حالت طاری ہوئی ہو خواہ اسوقت مشتبہ ہو مگر پہلے سے طاری ہونا معروف و معلوم عند عامۃ الناس ہو اور زوال اسکا متیقن نہ ہوا ہو اور اس اخیر صورت میں حلف بھی زوج سے لیا جاتا ہے دلیل ذلک کلہا ما فی رد المحتار فی البحر عن الخانیۃ عرف انہ کان مجنونا فقالت امرأتہ طلقنی البارحۃ فقال اصابنی الجنون ولا یعرف ذلک الا بقولہ کان القول قولہ اھ ج ۲ ص ۶۹۹ اور یہاں یہ شرط مفقود ہے بلکہ اس کے خلاف کی دلیل موجود ہے یعنی ذی ہوش ہونیکے قرائن جو کہ سوال میں مذکور ہیں اسلئے یہ دعویٰ غیر مقبول ہے اب دو امر اور رہ گئے ایک یہ کہ بوجہ عرف اور محاورہ کے یہ لفظ موجب طلاق ہے اور دوسرا یہ کہ لفظ میں اضافت نہ ہونا بوجہ قرینہ مقام وقوع فی الجواب کے مانع طلاق نہیں ہے سو امر اول کی دلیل یہ ہے فی رد المحتار بخلاف فارسیۃ قولہ سرحتک وہو رہا کردم لانہ صار صریحا فی العرف علی ما صرح بہ نجم الزاہد الخوارزمی فی شرح القدوری اھ ج ۲ صفحہ ۶۶۲ قلت کذا قولہم فی الہند یہ چھوڑا۔ اور امر ثانی کی دلیل یہ ہے فی رد المحتار بعید قریبًا ان من الالفاظ المستعملۃ الطلاق یلزمنی والحرام یلزمنی وعلی الطلاق وعلی الحرام فیقع بلا نیۃ للعرف الخ فاوقعوا بہ الطلاق مع انہ لیس فیہ اضافۃ الطلاق الیہا صریحا فہذا مؤید لما فی القنیۃ وظاہرہ انہ لا یصدق فی انہ لم یرد امرأتہ للعرف ج ۲ ص ۶۶۴ خلاصہ یہ کہ اس صورت میں طلاق مغلظہ واقع ہوگئی ۱۸ ذیقعدہ

۱۳۳۱ھ

چوالیسویں حکمت طریقہ تفریق عنین[۴۴]

سوال - ایک سُنی حنفی المذہب نے اُسنے ایک قادیانی لڑکی سے لاعلمی میں نکاح کیا - لڑکی اس بنیاد پر کہ
لڑکا عنین ہے فسخ نکاح چاہتی ہے اور طالب مہر ہے شریعت میں ایسا نکاح نکاح شرعی ہوا اور قابلیت انفساخ
رکھتا ہے یا ایک معاملہ باطل بنفسہ ہوا جو قابلیت انفساخ نہیں رکھتا اور اسپر کوئی ترتب احکام شرعیہ
ہوسکتا ہے یا نہیں - اور وہ مہر پاسکتی ہے یا نہیں -

الجواب - صحت نکاح کیلئے مردی یعنی مذکر بودن تو شرط ہے لیکن یعنی قدرت علی الجماع شرط نہیں پس
عنین سے نکاح تو صحیح ہوجاویگا زوج کے عنین ہونے کی صورت میں اگر عورت تفریق چاہے تو اُس کا طریقہ شرعًا
یہ کہ عورت قاضی کے اجلاس میں درخواست دے کہ اُسکے عنین ہونے کے سبب میں اُس سے علیحدگی چاہتی
ہوں (قاضی سے مراد حاکم مسلم ہے گو من جانب سلطنت غیر مسلم کے مقرر ہو کذا فی الدر المختار ورد المحتار)
قاضی مرد سے دریافت کرے کہ اسکا دعویٰ عنین ہونیکا صحیح ہے یا نہیں اگر وہ صحیح بتلادے تو قاضی اُسکو
علاج کیلئے ایک سال کی مہلت دے اور اگر وہ تغلیط کرے اور کہے کہ میں اس سے ہم بستر ہوا ہوں تو اگر وہ نکاح
کے وقت باکرہ تھی یعنی باکرہ ہونیکی حالت میں اس کا نکاح ہوا تھا تو ایک یا دو معتبر ماہر عورتوں کو دکھلایا
جاویگا کہ وہ اب باکرہ ہے یا ثیبہ اگر وہ باکرہ بتلادیں تو عورت کو راست گو سمجھکر مرد کو علاج کیلئے اس صورت
میں بھی مہلت دی جاویگی اور اگر وہ ثیبہ بتلادیں یا کہ نکاح ہی ثیبہ سے ہوا تھا تو اس صورت میں مرد سے حلف
لیا جاویگا کہ میں اس سے ہم بستر ہوا ہوں اگر وہ اسپر حلف کرے تو عورت کا دعویٰ خارج ہوجاویگا اور اگر اس
حلف سے انکار کرے تو پھر عورت کا دعویٰ صحیح قرار دیکر مرد کو علاج کیلئے ایک سال کی مہلت دیجاویگی اور
جن صورتوں میں ایک سال کی مہلت ملی ہو اس ایک سال گذرنیکے بعد اگر عورت سکوت کرے تو حاکم بلا شکایت انداز ی
نہ کریگا اور اگر عورت پھر درخواست دے کہ یہ اب تک بھی ہم بستر نہیں ہوا تو قاضی پھر مرد سے دریافت کریگا اگر
وہ اس دعوے کو صحیح مانے تو عورت کو کہا جاویگا کہ اب تمکو اختیار دیدیا جاتا ہے خواہ اسکے ساتھ اس ہی
حالت میں رہو یا تفریق کو اسی مجلس میں یعنی اجلاس برخاست ہونے سے پہلے اختیار کرو اگر وہ تفریق کو
اختیار کرے تو اُسوقت قاضی مرد سے کہے کہ اسکو طلاق دیدو اگر وہ طلاق نہ دے تو قاضی زبان سے کہدے
کہ میں نے دونوں میں تفریق کردی بس اس سے بھی طلاق بائن واقع ہوگی اور اسمیں پورا مہر اور عدت سب لازم ہے

---

۴۴ کتاب حیلہ ناجزہ میں یہ مضمون مفصل دیکھا جاوے ۱۲

لصحة الخلوة مع العنة اور اگر مجلس میں اس نے تفریق کو اختیار نہ کیا تو پھر اختیار عورت کا باطل ہو جاویگا اور اگر اس دریافت کرنے پر وہ مرد اس عورت کی تکذیب کرے یعنی دعویٰ ہمبستری کا کرے تو پھر اس میں ہی تفصیل مذکور ہے کہ اگر وہ نکاح کیوقت باکرہ تھی تو اب ایک یا دو معتبر عورتوں کو دکھلایا جاویگا اگر وہ اب بھی باکرہ بتلادیں تو اُس عورت کا قول صحیح قرار دیکر مثل بالا اُس کو اختیار تفریق کا دیا جاویگا اور مہر و عدت لازم ہوگی اور بصورت اسکے تفریق کو اختیار کرنیکے قاضی تفریق کردیگا اور اگر وہ ثیبہ بتلادیں یا کہ وہ نکاح کے وقت ہی ثیبہ تھی تو مرد اگر اپنے قول حلف پر کرلے تو عورت کا دعویٰ خارج ہو جاویگا اور اگر حلف سے انکار کرے تو پھر دعوےٰ عورت کا صحیح قرار دیکر اسکو تفریق کا اختیار دیا جاویگا مع لزوم مہر و عدت اور یہ تمام تفصیل درمختار و ردالمحتار میں ہے مگر یہ سب اُسوقت ہے جبکہ نکاح کو صحیح قرار دیا جاوے اور بنا سوال صرف مرد کا عنین ہونا ہو اور اگر کوئی اور وجہ مقتضی عدم صحت نکاح کی پائی جاوے مثلاً وہ لڑکی مرزا کو نبی مانتی ہو یا اور کسی عقیدہ غیر اسلامیہ کی معتقد ہو تو بوجہ اسکے کہ ارتداد مانع نکاح ہے یہ نکاح ہی صحیح نہ ہوگا اور بدون طلاق ہی عنین میں سے ہر شخص کو علیحدہ ہو جانیکا اختیار حاصل ہوگا اور اسمیں اگر وطی پائی جاوے تو مہر و عدت دونوں لازم ہیں لیکن مہر اگر مہر مثل سے زیادہ مقرر ہوا ہو تو صرف مہر مثل لازم ہے اور بدون وطی کچھ بھی لازم نہیں۔ کذا فی الدر المختار باب المہر۔ ۱۱ رمضان ۱۳۳۲ھ۔

پینتالیسویں حکمت عدم لزوم تعیین در نماز قضا

سوال بہشتی زیور حصہ دوم میں مرقوم ہے کہ اگر کسی مہینے یا کئی سال کی نمازیں قضا ہوں تو مہینہ و سال کا بھی نام لیوے اور کہے کہ فلانے سال کی فلانے مہینہ کی فلاں تاریخ کی فجر کی نماز پڑھتی ہوں سو اس طرح نیت کیے قضا صحیح نہیں ہوئی کسی کو اس طرح نیت کرنیکا علم نہ تھا اور اُس نے دو سال کی قضا نمازیں (صرف اتنا کہہ کر کہ نیت کرتا ہوں میں نماز قضائے عمری کی) پڑھیں تو اسکی نماز درست ہوئی یا نہیں اور اس پر صحیح نیت سے جو (بہشتی زیور حصہ دوم میں تحریر ہے) پھر از سر نو کل نمازیں پڑھنی واجب ہیں یا نہیں۔

الجواب ۔ فی رد المحتار قیل لا یلزمہ التعیین الیٰ آخر ما قال و اطال ج ۱ ص ۸۷ اس روایت سے معلوم ہوا کہ اس میں اختلاف ہے لہذا قضا پڑھی ہوئی نمازوں میں چونکہ وہ کثیر ہیں دفع حرج کیلئے اس قول پر عمل کرنیکی گنجائش ہے۔ ۱۲ رمضان المبارک ۱۳۳۲ھ

چھیالیسویں حکمت رسالہ تعدیل حقوق الوالدین

یہ رسالہ اس کتاب کے صفحہ ۴۸۳ سے شروع ہو کر صفحہ ۴۸۷ پر ختم ہو گیا ہے

سینتالیسویں حکمت رسالہ التحقیق الفرید فی حکم آلۃ تقریب الصوت البعید

یہ رسالہ اس کتاب کے صفحہ ۴۸۸ سے شروع ہو کر صفحہ ۵۰۰ پر ختم ہو گیا ہے

اڑتالیسویں حکمت حکم صوم و صلوٰۃ در بعض مقامات طویلۃ النہار

سوال۔ ایک کالج کے طالب علم نے ایک بد دین کا اعتراض مجھ سے نقل کیا کہ مسلمان کہتے ہیں کہ ہماری شریعت بمقتضائے وما ارسلنٰک الا کافۃ للناس تمام انسانوں کیلئے ہے اور اگر ایسا ہوتا تو چاہئے تھا کہ جملہ مقامات کے انسانوں کے لئے اُس میں احکام ہوتے حالانکہ ہم دیکھتے ہیں کہ قطبین کے رہنے والوں کیلئے جہاں چھ چھ ماہ کا رات و دن ہوتا ہے اُس میں احکام نہیں۔ مثلاً روزہ ایسے مقام کے لوگ کیونکر رکھیں اگر چھ ماہ کا حکم دیا جائے تو ناممکن العمل اور اگر اس سے کم تو قرآن و حدیث میں صاحب مذہب سے کہیں منقول ہونا چاہئے تھا۔

میں نے اسکا جواب یہ دیا کہ قانون اکثری حالت کے تابع ہوتے ہیں اور چونکہ قطبین پر اول تو آبادی کا ہونا ثابت نہیں اور اگر ہو بھی تو چونکہ اکثر حصص زمین کی یہ حالت نہیں اسلئے اکثری حالت کے موافق احکام مقرر ہوئے رہا نادر اور مستثنٰی صورتیں اُن کے لئے قیاس کے ذریعہ سے خاص احکام مستنبط کر کے حکم دیا جا سکتا ہے ہر ہر جزئی کا حکم صراحۃً قرآن و حدیث میں ہونا ضروری نہیں بلکہ کثیر الوقوع امور کا حکم صاحب شریعت سے منقول ہے جو بمنزلہ اصول کے ہو سکتا ہے جیسا کہ ان مقامات کیلئے جہاں کہ شفق تمام رات غائب نہیں ہوتی (کتاب ہیئت دیکھنے سے معلوم ہوا کہ ۲۲ مئی سے لیکر ۲۱ جولائی تک لندن کے افق سے ۱۸ درجے نیچے آفتاب نہیں جاتا لہٰذا اتنے عرصہ تک تمام رات شفق باقی رہتی ہے۔ لندن کا عرض البلد ۱۵ درجہ ہے) بعض فقہاء نے لکھا ہے کہ وہاں عشاء کا وقت نہیں آتا اور اُن سے عشاء کی نماز ساقط ہے بعض فقہاء نے اختلاف بھی کیا ہے اور عرض بلغار کے متعلق شامی نے بھی اس کا حکم لکھا ہے میں نے یہ جواب تو دیدیا لیکن روزہ کے متعلق عالمگیری میں تلاش کرنے سے بھی کوئی جزئی نہیں ملی یعنی مثلاً لندن کے لوگ کس وقت تک سحور کھا سکتے ہیں اور

تراویح جو تابع عشاء کے معلوم ہوتی ہے ادا کریں یا نہ ادا کریں۔ کیا جناب والا کی نظر سے کوئی جزئی ایسے مقامات پر روزہ اور تراویح کے متعلق گذری ہے یا قیاس کے موافق کیا حکم ہو سکتا ہے۔ نیز میرا جواب غلط یا نا مکمل تو نہیں ہے اگر ہو تو تصحیح و تکمیل فرما دیں۔ اگر کوئی دوسرا جواب ہو سکتا ہو تو وہ بھی تحریر فرما دیں۔ کتاب ہیئت سے یہ بھی معلوم ہوا کہ لندن میں سب سے بڑا دن ۱۶ ½ گھنٹہ کا اور سب سے چھوٹی رات ۴ ½ گھنٹہ کی ہوتی ہے۔

سینٹ پیٹرسبرگ دار السلطنت روس ۶۰ درجہ شمال عرض البلد پر ہے وہاں تقریباً ۱۹ گھنٹہ کا سب سے بڑا دن ہوتا ہے اتنا طویل روزہ ذرا دشوار معلوم ہوتا ہے علاوہ بریں بعض ایسے مقامات آباد بھی ہیں جہاں سب سے بڑا دن ۲۴ گھنٹہ یا اس سے زائد ہوتا ہو یعنی آفتاب بغیر غروب کے حرکت رحوی کرتا ہے چنانچہ ۶۵ درجہ ۴ ۵ دقیقہ عرض البلد شمالی پر سب سے بڑا دن ۲۴ گھنٹہ کا اور ۶۹ درجہ ۵۳ دقیقہ پر گرمیوں میں ۳۱ دن تک آفتاب غروب نہیں ہوتا یعنی ایک دن ۳۱ دن کے برابر ہوتا ہے وہاں روزہ کا کیا حکم ہوگا۔

الجواب۔ آپ نے جو جواب دیا بالکل کافی و مکمل ہے۔ تمام سلطنتوں کے قوانین کلیہ پر مقامی احکام کو احکام جزئیہ کی تفریع کرنا پڑتی ہے جنہیں سے بعض میں استنباط کی بھی حاجت ہوتی ہے اور وہ سب اُن ہی کلیات کے تحت میں داخل اور اُن قوانین کو اُنکے لئے شامل سمجھا جاتا ہے اُن جزئیات متقابہ کے مصرحا مذکور فی کتب القانون نہ ہونے سے اُن مقامات کے خارج عن اثر السلطنت ہونے پر کوئی بھی استدلال نہیں کرتا جبکہ اس سلطنت کا احاطہ دلیل صحیح سے ثابت ہو اور اگر کوئی استدلال کرنے لگے تو محقق اُس استدلال کو دلیل صحیح کے تابع بنا دیگا اسی طرح جب دلائل قطعیہ سے عموم بعثت معلوم ہے تو معارض کو دفع کرینگے چنانچہ جیسا اشتمال مثال مذکور میں ہوا ایسا ہی اشتمال کلیات شرعیہ میں متحقق ہے جسکی بنا پر فقہاء اسلام نے اُن مقامات کے احکام سے تعرض بھی کیا ہو گو اس وجہ سے کہ کسی نے کسی کلی میں داخل سمجھا اور کسی نے کسی میں باہم اختلاف بھی ہو گیا لیکن یہ اختلاف ہمارے لئے اصل مقصود میں قادح نہیں کیونکہ اُن کلیات کی بنا پر حکم کرنے سے یہ تو ثابت ہو گیا کہ شریعت محمدیہ نے ایسے کلیات مقرر کئے ہیں جو اُن مقامات کی ضرورتوں کو حاوی ہیں گو وجہ تطبیق میں آرا مختلف ہو جاویں جیسا ایک عدالت سے ایک حکم ایک قانون کی بنا پر ہوتا ہے اور عدالت اپیل سے دوسرے قانون کی بنا پر اُسکے خلاف حکم ہو جاتا ہے چنانچہ نماز سے فقہاء کا تعرض تو خود سوال ہی میں منقول ہے رہا روزہ اگر بالخصوص اُس سے تعرض بھی نہ ہوتب بھی وہی دلائل نماز کے یہاں بھی باشتراک اصول روزہ کیلئے بھی کافی ہوتے لیکن فقہاء نے اسپر کفایت نہیں کی بلکہ اسکے علاوہ روزہ سے بلکہ اور اعمال و معاملات سے بھی تعرض

تصریحاً فرمایا ہے فی رد المحتار عن الرملی فی شرح المنهاج ویجری ذلك فیما لو مکثت الشمس عند قوم مدة اھ ج وفیه عن امداد الفتاح قلت وکذلك یقدر لجمیع الاجال کالصوم والزکوٰة والحج والعدة واٰجال البیع والسلم والاجارة وینظر ابتداء الیوم فیقدر کل فصل من الفصول الاربعة بحسب ما یکون کل یوم من الزیادة والنقص کذا فی کتب الائمة الشافعیة ونحن نقول بمثله اذ اصل التقدیر مقول به اجماعا فی الصلوات اھ ج ا ص ۳۲۵ وفیه بعد نصف صفحة لم ار من تعرض عندنا لحکم صومهم فیما اذا کان یطلع الفجر عندهم کما تغیب الشمس او بعده بزمان لا یقدر فیه الصائم علی اکل ما یقیم بنیته ولا یمکن ان یقال بوجوب موالاة الصوم علیهم لانه یؤدی الی الهلاك فان قلنا بوجوب الصوم یلزم القول بالتقدیر وهل یقدر لیلهم باقرب البلاد الیهم کما قال الشافعیة هنا ایضا ام یقدر لهم بما یسع الاکل والشرب ام یجب علیهم القضاء فقط دون الاداء کل محتمل فلیتأمل ولا یمکن القول هنا بعدم الوجوب اصلا کالعشاء عند القائل به فیها لان علة عدم الوجوب فیها عند القائل به عدم السبب وفی الصوم قد وجد السبب وهو شهود جزء من الشهر وطلوع فجر کل یوم هذا ما ظهر لی واللہ اعلم اھ ج ۲ ص ۱۰۹

اس تقریر سے اس اعتراض کا جواب تو ہو گیا اب یہ بات کہ ہمارے فقہاء کے .... اقوال میں کس کو کس پر ترجیح ہے اس تحقیق پر اصل جواب موقوف نہیں ہاں خود ایک مستقل تحقیق ہے جس کی ضرورت مسلم کیلئے ہوگی سو احقر کی نماز میں تو یہ معلوم ہوتا ہے کہ انداز کر کے سب نمازیں پڑھا کریں اور روزہ میں جو مقامات ایسے ہیں جہاں بعض ازمنہ میں لیل شرعی نہیں ہوتی رمضان میں روزہ رکھیں کہ شہود شہر پایا گیا اور چونکہ افطار وسحر نہار شرعی میں واقع ہوا ہے اسلئے شبہ کی وجہ سے دوسرے زمانہ میں قضا بھی کر لیں اور جہاں لیل شرعی ہوتی ہے وہاں جس جگہ نہار کا طول بقدر تحمل صوم ہو اور فطرة ان کا تحمل بھی زائد ہوگا لانهم معتادون بطول النهار وطول اکثر الاعمال فیه وہاں روزہ رکھیں اور ادا بھی ہو جاویگا اور جہاں بقدر تحمل نہ ہو وہاں انداز کر کے عدد پورا کریں اور بعد از اں اگر ایسے ایام ملجاویں جس کا تحمل ہو سکے تو احتیاطاً قضا بھی کر لیں اور اگر ایسے ایام نہ ملیں تو وہی انداز کے روزے کافی ہو جاوینگے وفی رد المحتار فی جواز فطر من لا یقدر ثم قضاء ما نصه وقال الرملی وفی جامع الفتاوی ولو ضعف عن الصوم لاشتغاله بالمعیشة فله ان یفطر ویطعم لکل یوم نصف صاع اھ اذا لم یدرك عدة من ایام اخر یمکنه الصوم فیها او

الا وجب علیہ القضاء و علی ہذا الحصاد اذا لم یقدر علیہ مع الصوم و یہلک الزرع بالتاخیر لا شک فی جواز الفطر و القضاء الی اخر ما قیدہ بما اذا لم یکن عندہ ما یکفیہ و عیالہ و اذا خاف ہلاک زرعہ او سرقتہ و لم یجد من یعمل لہ باجرۃ المثل و ھو یقدر علیہ اھ ج ۲ صہ ۱۲۲

۲۰ جمادی الاولی ۱۳۳۴؁ھ

انچاسویں۴۹ حکمۃ حل بعضے اشعار مثنوی متعلق آئینہ بعون شیخ شرح حبیبی

او چو مے خواند مرا من بنگرم | لایق جذبم و یا بد پیکرم

گر لطیفے زشت را در پے رسد | تسخرے باشد کہ او بادے کند

کہ بہ بینم نقش خود را اے عجب | تا چہ رنگم ہمچو روزم یا چو شب

نقش جان خویش مے جستم بسے | ہیچ مے ننمود نقشم از کسے

گفتم آخر آئینہ از بہر چیست | تا بہ بیند ہر کسے کو چیست کیست

آئینہ آہن برائے لونہاست | آئینہ سیمائی جان سنگیں بہاست

آئینہ جان نیست الا روئے یار | روی آں یاری کہ باشد زاں دیار

گفتم اے دل آئینہ کل را بجو | رو بہ دریا کار بر ناید ز جو

زیں طلب بندہ بکوی تو رسید | درد مریم را بخرما بن کشید

دیدۂ تو چوں دلم را دیدہ شد | صد دل نادیدہ غرق دیدہ شد

آئینہ کلی ترا دیدم ابد | دیدم اندر چشم تو من نقش خود

گفتم آخر خویش را من یافتم — در دو چشمش راہ روشن یافتم
گفت وہم کان خیالِ تست ہاں — ذات خود را از خیالِ خود بداں
نقش من از چشم تو آواز داد — کہ منم تو تو منی در اتحاد
اندریں چشمِ منیرِ بے زوال — از حقائق راہ کے یابد خیال،
در دو چشمِ غیرِ من تو نقش خود — گر بہ بینی آں خیالے داں ورد
آنکہ سرمہ در نیستی در مے کشد — بادہ از تصویرِ شیطاں می چشد
چشم او خانہ خیال ست و عدم — نیستہا را ہست بیند لاجرم
چشم من چوں سرمہ دید از ذوالجلال — خانہ ہستی ست نے خانہ خیال،

یعنی جب مطلوب مجھے اپنی طرف بلاتا ہے تو میں سوچتا ہوں کہ معلوم نہیں کہ میں اس قابل بھی ہوں کہ محبوب مجھے اپنی طرف کھینچے یا نہیں پھر خیال کرتا ہوں کہ مجھ میں صلاحیت نہوتی تو آخر وہ بلاتا کیوں اسمیں یہ شبہ ہوتا ہے کہ بلانا میری قابلیت کی دلیل نہیں ہو سکتا کیونکہ اگر کوئی پاکیزہ صورت کسی بد صورت کے پیچھے پھرتا ہے تو اس سے اسکو بنانا اور اسکے ساتھ مسخرہ پن مقصود ہوتا ہے (ممکن ہے کہ یہ بلانا بھی اسی قبیل سے ہو پھر تحیر ہو کر تعجب سے فرماتے ہیں کہ عجب کی بات ہے کہ میں خود اپنی صورت کو دیکھتا ہوں کہ میں گورا ہوں یا کالا (یعنی مجھ میں نور استعداد فطری ہے یا نہیں) اور پتہ نہیں چلتا آگے فرماتے ہیں کہ میں نے اپنی روح کی صورت اصلی اور یہ کہ آیا وہ فطرۃً صالح للجذب ہے یا نہیں معلوم کرنے میں بہت کچھ سعی کی مگر کسی سے اسکا کچھ بھی پتہ نہ چلا بالآخر میں نے سوچا کہ آخر آئینہ کس لئے ہے وہ تو محض اس لئے ہے کہ ہر شخص اسمیں اپنی صورت دیکھ لے اور جان لے کہ وہ کیا ہے اور کون ہے تم آئینہ سے یہ لوہے کا آئینہ نہ سمجھ جانا کیونکہ اس سے تو صرف رنگ معلوم ہو سکتے ہیں اجسام بھی نہیں معلوم ہو سکتے چہ جائیکہ روح کی صورت اور صلاحیت فطری بلکہ روح کا آئینہ تو ایک بہت بڑی بیش قیمت چیز ہے تو حیران ہوگے کہ آخر وہ کیا ہے تو ہم تمہیں بتائے دیتے ہیں سنو آئینہ جان صرف روے یار ہے مگر یہ متعارف یار نہیں بلکہ وہ یار جسکا تعلق عالم ملکوت سے ہے اور علائق عالم

ناسوت کو یک لخت قطع کرچکا ہے (یعنی مرشد ۔ مرشد کو آئینہ اسلئے کہا کہ جسطرح آئینہ سے ظاہری حالت
معلوم ہوجاتی ہے یوں ہی مرشد کی صحبت سے معرفت ذات وحالت روح حاصل ہوجاتی ہے ۔
اس کی وجہ اوپر بھی مذکور ہوچکی ہے اور ایک ، وجہ یہ بھی ہے کہ جب آدمی مرشد کے پاس ہوتا ہے
تو اسکے دل میں سکون وطمانینت پیدا ہوتی ہے اور وہ دنیا سے اپنی توجہ ہٹاتا ہے اور خدا
کی طرف متوجہ ہوتا ہے ۔ یہ علامت ہے اُسکی حالت کے محمود ہونیکی ۔ اور اگر یہ کیفیات پیدا نہ ہوں
بلکہ ان کی متضاد کیفیتیں پیدا ہوں تو اس کی دو صورتیں ہیں یا تو وہ مرشد خود ہی ناقص ہے سو وہ تو
محل کلام ہی نہیں یا کامل ہے پس اسکی دو صورتیں ہیں یا تو یہ کہ خاص اسی کی صحبت میں یہ کیفیت پیدا ہوتی
اور کاملین کی صحبت میں یہ بات نہیں ہوتی اس صورت میں سمجھنا چاہئیے کہ اس کی حالت فی نفسہ محمود ہے
مگر اس شیخ سے اسے نفع نہ ہوگا ۔ دوسرا شیخ تلاش کرنا چاہئے ۔ اور اگر ہر شیخ کی صحبت میں یہی
کیفیت ہوتی ہو تو سمجھا جائیگا کہ حالت اچھی نہیں ہے ۔ مگر قابلیت واستعداد بالکل فنا نہیں ہوئی ۔
ورنہ صد کلفت سے نکلجاتا بلکہ بہت مضمحل اور کمزور ہوگئی ہے کسی طبیب دل حاذق کی طرف رجوع
کرنی چاہئیے کہ وہ اپنی حذاقت ومہارت سے کسی مناسب تدبیر سے اسکو تقویت پہونچاوے)
جب میں نے یہ دیکھا کہ یہ کام آئینہ سے نکلسکتا ہے تب میں نے اپنے دل سے کہا کہ آئینہ کامل ومرشد
کامل وحاذق تلاش کرنا چاہئیے اور دریا پر جانا چاہئیے کہ ندی نالوں اور ناقصین سے کام نہ چلیگا ۔
قصہ مختصر یہ کہ مجھے اپنی حالت معلوم کرنیکی ضرورت تھی اور مجھے کوئی رستہ نہیں ملتا تھا ۔ بالآخر مجھے
پتہ چلا اور آپ یہ غلام اس غرض سے حضور کی خدمت میں حاضر ہوا ہے کہ مجھے میری روح کی کیفیت
معلوم ہوجائے اور اصلی بات یہ ہے کہ بیماری ہی طبیب کی طرف رجوع کردینے پر آمادہ کرتی ہے اور
بے چینی ہی کسی راحت وہ کی طرف متوجہ ہونے پر مجبور کرتی ہے ۔ چنانچہ وہ درد ہی تھا جو مریم کو نخل
خرما کی طرف لے گیا ۔ آپ کا نور معرفت میرے لئے جو اپنی معرفت کا آلہ بنا ہے تو کیوں ۔ اسلئے کہ سیکڑوں
اندھے دل اس نور معرفت میں غرق ہوچکے ہیں اور اس سے منور ہوکر بینا بنگئے ہیں ۔ اور اس بنا پر بیماری دل
کے معالجہ میں آپ کو مہارت تامہ حاصل ہوچکی ہے آئندہ اشعار کے حل سے پہلے یہی مناسب معلوم
ہوتا ہے کہ انکی عبارت کو حل کیا جاوے لہذا اولاً بقدر ضرورت حل عبارت کرتے ہیں ۔ پھر مطالب
لکھیں گے حل عبارت ۔ جاننا چاہئیے کہ چشم ظاہر میں محسوسات کی صورتیں منطبع ہوتی ہیں اور

بعض صورتیں محسوس بھی ہوتی ہیں چنانچہ ذوق کہتا ہے ؎

دیکھ چھوٹوں کو ہے اللہ بڑائی دیتا آسمان آنکھ کے ہے تل میں دکھائی دیتا

اور وہ تصویریں فوٹو کے ذریعہ سے حاصل بھی ہو سکتی ہیں اور انکو بڑھا کر دیکھ بھی سکتے ہیں۔ جبکہ یہ امر ممہد ہو چکا تو سمجھو کہ مولانا نے شیخ کے قلب روشن کو آنکھ سے تشبیہ دی اور اسمیں اپنی حالت کو منطبع مانا۔ اور اپنی نسبت اسکے دیکھنے کا ادعا کیا۔ اور اس صورت کو بزبان حال متکلم بھی مانا۔ علی ہذا القیاس قلب ناقص کو بھی آنکھ مانا اسمیں بھی انطباع صورت حالت اور اسکی رویت کا ادعا کیا وغیرہ وغیرہ۔ یہ تو محض عنوان تعبیری تھا اور اصل مقصود ہی شیخ کی معرفت کا سبب اور اک بنا وغیرہ وغیرہ ہے اسکو مد نظر رکھکر دیدم اندر چشم تو من نقش خود سے آخر تک پڑھنا چاہئے تاکہ الجھن نہ ہو۔ مگر در دو چشمش ہیں در کو سببیہ کہنا بہ نسبت ظرفیہ کہنے کے زیادہ اقرب اور بے تکلف ہو۔ از حقائق راہ کے پا بد خیال ہیں از سببیہ ہے غیاث اللغات میں از کو بمعنی مع بھی لکھا ہے اور اس مقام پر بے تکلف بھی ہے مگر اسمیں شبہ ہے کہ از بمعنی مع ہوتا بھی ہے یا نہیں کیونکہ انھوں نے جو مثال دی ہے وہ بیتکلف ہے۔ اور اس سے بمعنی مع ہونا ثابت نہیں ہوتا۔ وہ مصرع یہ ہے۔ دل بستگی از سنبل گل پوش تو دارد۔ کیونکہ یہاں از ملابست کیلئے ہے ملابست اور چیز ہے اور معیت اور شئے۔

تیسری توجیہ یہ ہے کہ از بمعنی در ہو جیسا کہ اس مصرع میں ہے۔ ادیم از جبل روز گرد تمام۔ کمافی غیاث اللغات۔ چوتھی توجیہ یہ ہے کہ از بمعنی عن ہو۔ اور اصطلاح عن بدل کیلئے آتا ہے یوں ہی یہ بھی ہو سکے مگر اسکی کوئی سند ہاتھ نہیں لگی۔ پانچویں توجیہ یہ کہ از بمعنی مجاوزہ ہو یعنی حقائق کو چھوڑ کر خیال اس آنکھ میں کیسے آسکتا ہے چھٹی توجیہ یہ کہ از حقائق راہ کے پا بد خیال کے معنی یہ ہوں۔ خیال حقائق کے راہ پا بد یعنی اس چشم منزہ بے زوال میں اشیا متحققہ فی نفس الامر و لو فی غیر ہذا المحل کی صورت اختراعیہ کیونکر آسکتی ہے (اور وہ آنکھ ان اشیا کو (کسراب بقیعۃ یحسبہ الظمان ماءً) ایسے محل میں کیونکر دیکھ سکتی ہے۔ جہاں وہ نہیں ہیں۔ یہ توجیہ بالکل بے تکلف اور صافی عن الغبار معلوم ہوتی ہے جب یہ مضمون ذہن نشین ہو چکا تو اب اصل مطلب سنو۔ مولانا فرماتے ہیں کہ۔

جناب شیخ میں تو آپ ہی کا معتقد ہوں۔ اور آپ ہی کو کامل سمجھتا ہوں کیونکہ میں سب جگہ ٹھوکر کھا چکا لیکن کسی جگہ مجھے اپنی روح کی کیفیت اور حالت نہ معلوم ہوئی اور میں نہ جان سکا کہ میں کیسا ہوں۔

جب ہوئی تو یہاں آکر ہوئی اور آپ ہی کے چشم دل مجھے اپنی حالت کی صورت نظر آئی۔ اور آپ ہی کے
نور معرفت کے سبب میں اپنی حالت پر مطلع ہوا۔ مولانا پر پھر وہم کا غلبہ ہوتا ہے اور ہونا بھی چاہیے
کیونکہ مقصود جس قدر اعز ہوتا ہے اور طلب جسقدر شدید ہوتی ہے اسیقدر زیادہ توہمات اور احتمالات
مانعہ عن الوصول مہیب بنکر پریشان کرتے ہیں مطلوب مولانا کا اعز ہونا تو ظاہر ہے یہ شدت طلب
ان کے کلام سے ظاہر ہے پس ایسی صورت میں وساوس کا ہجوم کچھ مستبعد نہیں۔ لیکن ایسے وقت
مرشد حاذق کی نہایت شدید ضرورت ہوتی ہے کہ حتی الامکان طالب کو وساوس سے نجات دلاکر
یاس سے بچاوے۔ چنانچہ ایک صاحب پر اسی قسم کے وساوس کا ہجوم ہوا۔ حضرت مجدد الملۃ و
الدین طال بقاءہ وعم فیضہ سے رجوع کیا۔ حضرت اقدس نے تشفی فرمائی جسکا اثر اتنا ہوا کہ انھوں
نے تسلیم کیا آپنے جو کچھ فرمایا ہے اسمیں عقلاً تو شبہ کی گنجائش نہیں لیکن یہ کہا کہ دل کو اطمینان
اور سکون نہیں ہوتا حضرت نے فرمایا کہ تمکو اطمینان نہیں ہوتا۔ نہ ہو۔ بلا سے ہمیں اطمینان ہے کہ تمہاری
حالت اچھی ہے طبیب کو اپنے اطمینان کی ضرورت ہے اگر مریض کا اطمینان نہ کر سکے کچھ پروا نہیں
کیونکہ کبھی ایسا ہوتا ہے کہ فرق نہایت لطیف ہوتا ہے جسکو طبیب اپنی حذاقت سے محسوس کرتا ہے
مگر مریض کو نہیں سمجھا سکتا کیونکہ نہ تو اسمیں حذاقت ہے اور نہ اعتدال مزاج۔ پس تمکو اتنا ہی سمجھ لینا
کافی ہے کہ ہمیں اطمینان ہے۔ الحمد للہ کہ اس سے تسکین ہو گئی (للہ درہ ما ادق نظرہ والطف تدبیرہ)
آگے مولانا فرماتے ہیں کہ جب مجھے معلوم ہو گیا کہ میری حالت اچھی ہے اور میں لائق جذب محبوب ہوں
تو میرے وہم نے کہا کہ۔ تو دیکھ کہ جو کچھ تجھے معلوم ہوا اور جو صورت تو نے چشم یار میں منطبع دیکھی وہ
تیری اختراعی اور کسراب بقیعۃ یحسبہ الظمان ماء ہے یا تیری حالت کا اصلی نقشا اور سچی تصویر
تھی تو چاہیے کہ حقیقت واقعیہ میں [illegible] صورت میں امتیاز کر لے جب یہ وہم ہوا تو میری حالت
کی وہ تصویر جو چشم شیخ میں منطبع تھی اور جسکو میں [illegible] چشم یار سے پکار اٹھی کہ [illegible]
نہ کھانا اور مجھے اختراع متخیلہ نہ سمجھنا میں تیری حالت کا اصلی نقشا اور سچی تصویر ہوں اور تو مجھ سے متحد ہے
میں تجھ سے۔ کیونکہ میں اور حالت دونوں ایک ہیں اور تو اور حالت دونوں ایک۔ تجھے تو میرے اختراعی
ہونے کا احتمال اور توہم بھی نہ ہونا چاہیے کیونکہ اس پاکیزہ اور روشن چشم میں اشیا متحققہ فی نفس الامر
ولو فی غیر ہذا المحل المخصوص المتعین کی صورت اختراعیہ کیونکر آ سکتی ہے۔ خود اس چشم کا اختراع سے [illegible]

تو درکنار رہاں تو اسکی بھی گنجائش نہیں کہ کوئی اپنی ہی اختراعی صورت آمیں مشاہدہ کرے یعنی فی الحقیقۃ تو اس آنکھ میں کوئی صورت نہ ہو اور کوئی شخص اپنی متخیلہ کے اختراع سے سمجھے کہ آمیں فلاں صورت منطبع ہے۔ یہ بھی ناممکن ہے بلکہ اگر کسی ناقص کی آنکھ میں تجھے اپنی حالت کی اور صورت نظر دے تو اسکو اختراعی اور مردود سمجھ کیونکہ جو شخص عالم فانی کے نظارہ میں منہمک ہے وہ تخیلات اور تسویلات شیطانیہ سے بہرہ انداز ہوتا ہے اسی کی آنکھ میں اختراعی صورتیں آتی ہیں خواہ خود اسی آنکھ کی اختراعی ہوں یا دوسرے کی۔ اور وہی غیر واقعات کو واقعیات دیکھتا ہے۔ رہی وہ آنکھ جیسی میں ہوں اس کا محل الجواہر نور ذوالجلال ہے جو غیر واقعیت کے وہم و خیال سے بھی مبرا اور متعالی ہے پھر اس آنکھ میں غیر واقعیہ اور اختراعیات کو کیا دخل وہ تو سراسر واقعیات ہی کا محل ہے خلاصہ یہ کہ مولانا فرماتے ہیں کہ جب تجھے اپنی حالت معلوم ہوئی تو تجھے اس کی غیر واقعیت کا شبہ ہوا۔ مگر شیخ کے نور معرفت نے دستگیری کی اور تجھے ایسی بصیرت پیدا ہوئی کہ خود وہ حالت ہی اسکے لئے اپنی واقعیت کی دلیل ہوگئی۔ اور شیخ کے کمال کا اعتقاد اس کا معاون بن گیا۔ چونکہ اوپر غیر واقعیات کو واقعی سمجھنے کا ناقص کی حالت کے بیان میں تذکرہ آچکا ہے اسی کو مولانا آگے بیان فرماتے ہیں یاد رکھتے ہیں تا یکے مو باشد از تو پیش چشم الخ۔

تا یکے مو باشد از تو پیش چشم یشم را انگشناسی از گہر	در خیالت گوہرے باشد چو یشم کز خیال خود کنی کلی عبر

یعنی اوپر معلوم ہو چکا ہے کہ ناقص غیر واقعی چیزوں کو واقعی سمجھتا ہے اب ہم تجھے بتلاتے ہیں کہ جب تک تیری آنکھ کے سامنے ایک بال بھی رہیگا سا در عالم ناسوت سے تجھے ذرا سا بھی تعلق رہیگا اسوقت تک ادراک و احساس کی غلطی قائم رہے گی۔ اور تو موتی کو یشب سمجھے گا یشب اور موتی (کھوٹی اور کھری چیزوں) میں تجھے اس وقت امتیاز ہو سکتا ہے جبکہ تو خیال (اور دیگر قوی مادیہ) سے بالکل گذر جائے اور انکو بالکل بیکار و معطل کر دے۔

شرح شبیری

اد چو مے خواند مرا من بنگرم	لائق جذبم و یا بد پیکرم

یعنی جب وہ مجھے بلاتا ہے تو اب میں دیکھتا ہوں کہ آیا میں اسکے لائق ہوں یا بدشکل و نالائق ہوں۔ مطلب یہ کہ جب ادہر سے کشش ہے تو مجھے اپنے اندر یہ دیکھنا ہے کہ یہ استعداد اصلی ہے یا یوں ہی کسی عارض کی وجہ سے یہ کشش ہے اور اس دیکھنے کی اسلئے ضرورت ہے۔

گر لطیفے زشت را در پے رسد　　تسخرے باشد کہ او با وے کند

یعنی اگر کوئی خوبصورت آدمی کسی بدصورت کے پیچھے پھرنے لگے تو یہ ایک مسخرہ پن ہوگا جو کہ وہ حسین اس زشت رو سے کرتا ہے۔ مطلب یہ کہ اگر مجھ میں استعداد اصلی نہ ہوگی تو مرشد کا جذب ایسا ہی ہوگا جیسا کہ اس حسین کا اس زشت رو پر عاشق ہونا پہلے چونکہ اوپر کہا ہے کہ چارہ آں باشد کہ خود را بنگرم الخ یعنی اب علاج کہ ہم اپنے کو دیکھیں آگے اسی سلسلہ کی طرف عود ہے فرماتے ہیں۔

کہ بہ بینم نقش خود را ای عجب　　تا چہ رنگم ہمچو روزم یا چو شب

یعنی کہ علاج یہی ہے کہ اب میں اپنی حالت اور اپنے نقش کو دیکھوں کہ میری حالت دن کی طرح ہے یا رات کی طرح۔ مطلب یہ کہ جب علاج یہی ٹھہرا کہ میں اپنی حالت کو دیکھوں تو اب میں نے دیکھنا چاہا کہ آیا میری استعداد صالح ہے یا فاسد **ف**۔ یہاں یہ بھی معلوم کرلو انسان خواہ کسی قدر معاصی کرے اور خواہ کتنا ہی حق سے دور ہو مگر اسکی استعداد بالکلیہ زائل نہیں ہوتی حتی کہ حالت کفر میں بھی استعداد زائل نہیں ہوتی۔ ہاں اسقدر محجوب ہوجاتی ہے کہ کالعدم ہوجاتی ہے اور اس کا کوئی اثر ظاہر میں نہیں رہتا۔ اور دیکھو تو اگر بالکل معدوم ہوجایا کرتی تو پھر انسان قبول حق کا مکلف ہی کیوں رہتا اور یہ عذاب و ثواب ہی کیوں ہوتا یہ سب اسی لئے ہے کہ باوجود استعداد ہونیکے اسکو اپنے معاصی اور نافرمانیوں سے اس درجہ کو پہونچا دیا ہے کہ کالعدم ہوگئی خوب سمجھ لو آگے فرماتے ہیں۔

نقش جاں خویش می جستم بسے　　ہیچ می ننمود نقشم از کسے

یعنی اپنی حالت کو میں نے بہت تلاش کیا مگر کسی شخص کے ذریعہ سے اپنی حالت مجھکو نظر نہ آئی۔ مطلب یہ کہ میں نے اپنی حالت کو معلوم کرنا چاہا مگر کسی کے ذریعہ سے میں معلوم نہ کرسکا یہ اوپر معلوم ہوچکا ہے کہ حالت معلوم ہونے میں شیخ کو کیا دخل ہے پس یہ معلوم نہ ہونا دو سبب سے ہوتا ہے کبھی شیخ کے ناقص ہونے سے کبھی کسی خاص شیخ کیساتھ مناسبت نہ ہونے سے لیکن مقصود حاصل نہ ہونا دونوں میں مشترک ہے مقصود صرف اسقدر ہے کہ مجھے کہیں اپنی معرفت کیفیت استعداد کی حاصل نہ ہوئی جو کہ شرط نفع سلوک تھی یعنی مجھے یہ نہ معلوم ہوسکا

وجہ میں صلاحیت حاصل ہے یا نہیں۔ لہٰذا میں نے یہ سوچا کہ۔

گفتم آخر آئینہ از بہر چیست ۔۔۔ تا بہ بیند ہر کسے کہ چیست کیست

یعنی پھر میں نے خود کہا کہ آخر آئینہ کس لئے ہے۔ آئینہ تو اسی لئے ہوا کرتا ہے کہ ہر شخص اس میں یہ دیکھ سکے کہ کون ہے اور کیا ہے۔ مطلب یہ کہ اس مرشد کامل سے فیض قرب حق حاصل کرنے کیلئے جو اس امتحان کی ضرورت ہے کہ میری استعداد صحیح ہے یا فاسد۔ اس امتحان کیلئے کسی ذریعہ خارجیہ کو کیوں تلاش کیا جاوے کہ اس سے تحقیق کرکے پھر مرشد کی طرف متوجہ ہوں خود اسی مرشد کو کیوں نہ آئینہ بنایا جاوے جیسا اسکے شعر آئینہ جان نیست میں معلوم ہوگا اور آئینہ مرشد کو اسلئے کہا ہے کہ جس طرح آئینہ کی محاذاۃ سے بعض حالت جسمانیہ معلوم ہو جاتی ہے اسی طرح مرشد کے پاس بیٹھنے سے بھی اپنی حالت روحانیہ معلوم ہو جاتی ہے کہ آیا استعداد قبول حق قوی و اصلی ہے یا ضعیف و عارضی اسلئے کہ اگر بزرگوں کے پاس بیٹھنے سے خدا یاد آوے اور محبت حق زیادہ ہو۔ اور عالم ناسوت سے بعد ہو اور قطع تعلق کو دل چاہے تو معلوم ہوتا ہے کہ استعداد باقی ہے ورنہ سمجھے کہ ضعیف ہو گئی اب اسکا علاج ضروری ہے یہاں یہ بھی یاد رکھنا چاہئے کہ اگر اس شخص کو سب شیوخ اور مقبولین حق کے پاس جانے سے یہ بات پیش آتی ہے تب تو سمجھے کہ بیشک استعداد ہی کمزور ہو گئی مگر وہ بھی لاعلاج نہیں مایوسی جائز نہیں اور اگر ایسا ہے کہ کسی خاص شیخ کے پاس رہتے ہوئے تو اسکی حالت درست رہتی اور توجہ الی اللہ اور محبت حق رہتی ہے لیکن اسکے علاوہ دوسروں سے گو وحشت تو نہیں ہوتی لیکن وہ حالت بھی قائم نہیں رہتی بلکہ توجہ ناسوت کی طرف رہتی ہے یا یہ کہ کسی ایک شیخ کے پاس وحشت ہوتی ہے اور باقیوں سے انس اور محبت اور توجہ ناسوت کی طرف رہتی ہے یا یہ کہ کسی ایک شیخ کے پاس وحشت ہوتی ہے اور باقیوں سے انس اور محبت اور توجہ بھی ہوتی ہے ان دونوں صورتوں میں استعداد اور قابلیت موجود ہے مگر یہ سمجھا جاویگا کہ اسکو اول صورت میں تو سوائے ایک کے اور سب سے اور دوسری صورت میں خاص اس شخص سے مناسبت نہیں ہے اسلئے اس سے اسکو فیض نہیں پہنچا لہٰذا اخیر کی دونوں صورتوں میں پریشان نہ ہو کیونکہ مذموم حالت نہیں ہے۔ ہاں اول کی صورت میں علاج کی فکر بہت جلد چاہئے ورنہ اگر خدانخواستہ معاصی کے اور حجابات حائل ہو گئے تو پھر علاج زیادہ مشکل ہوگا گو ممکن ہوگا۔ **ف** یہ بات پہلے بیان کردی گئی ہے کہ اولیاء اللہ کی صحبت سے خدا یاد آتا ہے بلکہ انکے خیال اور ذکر سے بھی خدا یاد آتا ہے اور اسکے نظائر بہت موجود ہیں چنانچہ ایک صاحب حالت نزع میں تھے اور ہمارے حضرت حاجی صاحب

قدس سرہ کے خادموں میں سے تھے اور انکو گائے بھینس وغیرہ سے بہت ہی محبت تھی اسلئے اس بیہوشی کے عالم میں وہ اُن ہی گائے بھینسوں کی باتیں کیا کرتے تھے کہ اسکو کھولو اور اسکو باندھو وغیرہ وغیرہ چنانچہ اسوقت بھی ایسا ہی ہوا ایسے وقت میں انکی یہ حالت دیکھکر لوگ بہت گھبرائے اور لوگوں کو بہت ہی دہشت ہوئی حالانکہ کوئی دہشت کی بات نہ تھی اور اُن کی حالت خدانخواستہ خراب تھی اسلئے کہ یہ تو ایک ہذیان تھا جو اُن کی زبان سے نکل رہا تھا مگر خیر چونکہ لوگوں کو دہشت تھی اسلئے خیر خواہوں کو یہ فکر ہوئی کہ ان کا خیال اس طرف سے ہٹانا چاہئے اور کسی طرح انکو متوجہ الی الحق کریں۔ اب یہاں بہت بڑے عاقل کی ضرورت تھی کہ وہ یہ سمجھے کہ اس وقت کونسی بات مفید ہوگی اور کس طرح ان کی توجہ اس طرف سے ہٹائی جاوے۔ خیر وہاں بھی ایک صاحب موجود تھے جو کہ عاقل تھے انھوں نے انکے کان میں کہدیا کہ حضرت حاجی صاحب (قدس سرہٗ) تشریف لائے ہیں فوراً وہ کہنے لگے کہ حضرت کے لئے فرش بچھاؤ حضرت کو اچھی طرح بٹھاؤ وغیرہ وغیرہ بعد میں اُن کا ذہن حضرت حاجی صاحب کے تلقین کئے ہوئے ذکر کی طرف منتقل ہوگیا اور اُن کی زبان پر ذکر جاری ہوگیا اور اسی میں انتقال ہوگیا اے اللہ ہر مسلمان کا خاتمہ بالخیر فرمایئے (یہاں ناظرین کاتب کیلئے دعا مغفرت اور اصلاح فرماویں اور یہ کہ حق تعالیٰ اپنی محبت دے آمین ثم آمین) اور اسی قسم کی بہت سی نظیریں موجود ہیں جس سے معلوم ہوتا ہے کہ ان حضرات کے خیال سے اور ذکر سے انکو دیکھنے سے ہر طرح خدا یاد آتا ہے لہٰذا ان کی صحبت آئینہ ہوگئی اپنی استعداد کے دیکھنے کی کہ اگر ان کے پاس جانے سے اُنس ہوتا ہے اور تعلق بیچ ہوتا ہے معلوم ہوا کہ خیر ابھی کچھ باقی ہے ورنہ علاج کرو کہ یہ دق کی طرح تمکو کھا جائیگا اور تمکو خبر بھی نہ ہوگی اے اللہ سب کو ہدایت فرما۔ اب آگے اس آئینہ کی تعیین اول اجمالاً پھر تفصیلاً کرتے ہیں کہ وہ آئینہ کیا ہے فرماتے ہیں کہ۔

آئینہ آہن برائے لونہاست　　　آئینہ سیمائے جان سنگین بہاست

یعنی یہ لوہے کا آئینہ تو رنگ کے دیکھنے کے واسطے ہے اور چہرۂ جان کے دیکھنے کے واسطے جو آئینہ ہے وہ تو بڑا بیش قیمت ہے۔ آئینہ اصل لفظ آہینہ ہے یعنی لوہے کا اسلئے کہ اول سکندر نے لوہے کو صیقل کرکے اس قدر صاف کردیا تھا کہ اسمیں منہ دکھلائی دینے لگتا تھا ورنہ اس سے پہلے کسی کو یہ خبر نہ تھی کہ اپنا چہرہ دیکھنے کی بھی کوئی صورت ہے لہٰذا اسکو آہینہ کہنے لگے پھر بعد میں کثرت استعمال کی وجہ سے آئینہ ہوگیا۔ مطلب یہ کہ ہم نے جو کہا ہے کہ آخر آئینہ تو اسی لئے ہے کہ اسمیں اپنی حالت کو دیکھیں تو یہاں

کسی کو یہ شبہ نہ ہو جاوے کہ اس سے مراد آئینہ متعارف ہے لہذا فرماتے ہیں کہ یہ لوہے کا آئینہ مجھکو مقصود
نہیں ہے اسلئے کہ یہ تو صرف الوان کو دکھلاتا ہے ذی لون کو بھی جیسی دکھلا سکتا اسلئے کہ جس قدر صورتیں
انسان دیکھتا ہے کسی نہ کسی لون میں مستور ہیں مثلاً یہ کہ کوئی کہے کہ میں نے زید کو دیکھا اس سے مقصود یہ
نہیں ہے کہ اُسکی ذات کو دیکھا بلکہ اُسکے رنگ کو جو اس کے ساتھ درجہ اطلاق میں لازم غیر منفک ہے اُسکو
دیکھا اور یہ بات ظاہر ہے پس یہ غیر الوان کیلئے کافی نہیں اور مجھکو جسکا دیکھنا ہے وہ لون نہیں دوسرے
مصرعہ میں فرماتے ہیں کہ جو آئینہ جان کی حالت دیکھنے کیلئے ہے وہ بہت ہی بیش قیمت ہے اُسکو اور
اسکو کیا مناسبت۔ اب اُس بیش قیمت آئینہ کو تعیین تفصیلی بتلاتے ہیں کہ۔

آئینہ جان نیست الا روئے یار روی آں یاری کہ باشد زاں دیار

یعنی آئینہ جان کا سوائے روئے یار کے اور کوئی نہیں ہے اور یار بھی وہ جو کہ اُس دیار کا ہو یعنی ابتک
تو اسی خیال میں رہا کہ کسی اور ذریعہ سے میں اپنی حالت معلوم کر لوں جب میری استعداد اور قابلیت
معلوم ہو جاوے تب مرشد سے رجوع کروں اور اُسوقت مرشد کے پاس جاؤں لہذا اسکے واسطے بہت
مارا پھرا اور بہت سے طرق اسکے لئے نکالے مگر سارے ناکافی ثابت ہوئے اور کہیں دوسری جگہ اپنی حالت
معلوم نہ ہو سکی لہذا میں نے یہ سوچا کہ بس اگر آئینہ بھی ہے تو وہی ہے اور مرشد ہی کی خدمت سے استعداد وغیرہ
کا سب پتہ چل جاویگا اور در بدر ناصیہ سائی سے کوئی حاصل نہیں ہے اور اُسی کی صحبت سے کیلئے آئینہ
ہو جاویگی۔ دوسرے مصرعہ میں فرماتے ہیں کہ وہ یار بھی وہ ہو جسکو اُس دیار یعنی عالم غیب سے تعلق ہو اور حق
کی طرف اُسکی توجہ ہو اسلئے کہ اگر ایسا نہیں ہے تو پھر اُسکی صحبت سے بھی کوئی نفع نہیں ہو سکتا آگے بھی اسکو فرماتے ہیں

گفتم اے دل آئینہ کل را بجو رو بہ دریا کار بر ناید ز جو

یعنی میں نے یہ کہا کہ اے دل آئینہ کامل کو ڈھونڈھ اور دریا کے پاس جا اسلئے کہ ندی نالوں سے کام
نہیں چلتا۔ مطلب یہ کہ یہ تو متعین ہو گیا کہ اپنی حالت کو آئینہ میں دیکھنا چاہئے اور یہ بھی معلوم ہو گیا
کہ وہ آئینہ بھی مرشد ہے لہذا فرماتے ہیں کہ اب مرشد بھی کامل تلاش کرنا چاہئے اور ناقصین سے حذر چاہئے
اسلئے کہ ان ناقصوں سے کام نہیں چلتا جب تک کہ وہ خود بھی کامل نہ ہو اسلئے کہ جو راستہ دیکھے ہوئے
ہے وہی دوسروں کو راستہ اچھی طرح دکھلا بھی سکتا ہے اور جس نے خود ہی پوری طرح راستہ نہیں دیکھا
وہ دوسرے کو کیا دکھلا دیگا اور ان صوفیہ کے کلام میں لفظ کل اور کلی دونوں بمعنی کامل آتے ہیں اگر اتفاق

اس غیبت سے خطاب کی طرف ابتک تو مرشد کو غائب کے صیغہ سے تعبیر کرتے رہے اب اسکو خطاب کر کے فرماتے ہیں زین طلب الخ اور یہ نہ سمجھا جاوے کہ یہ خود مولانا کی حالت ہے اور مولانا ہی اس مثنوی لکھنے کی حالت میں تلاش شیخ میں ہیں نہیں۔ کیونکہ مولانا تو اسکے لکھنے کے وقت کامل و مکمل تھے بلکہ ضمنی طور پر اپنی طرف منسوب کر کے دوسروں کی حالت بتلانا مقصود ہے پس فرماتے ہیں۔

زین طلب بندہ بکوئے تو رسید　　درد مریم را بخرما بن کشید

یعنی میں اس طلب میں تیرے کوچہ میں آیا ہوں اور دیکھو مریم علیہا السلام کو درد ہی نے کھجور کی جڑ میں پہونچا دیا تھا مطلب یہ کہ چونکہ مجھے طلب حق ہی اسلئے اسی طلب میں بندہ آپکے دروازہ پر حاضر ہوا ہے کہ آپ توجہ فرما دیں اور مجھے کامیاب کر دیں اسلئے کہ ؎

آنانکہ خاک را بنظر کیمیا کنند　　آیا بود کہ گوشہ چشمے بما کنند

اور ؎ خسرو غریب است وگدا افتادہ در کوی شما　　باشد کہ از بہر خدا سوئے غریباں بنگری

اسی طلب اور اسی امید میں در دولت پر آپڑا ہوں۔ اسلئے کہ دیکھو مریم علیہا السلام کو بھی درد ہی نخلہ کیطرف کھینچ کر لے گیا تھا تو جب مجھے بھی درد طلب ہوا میں بھی خدمت میں حاضر ہوا ہوں ؎

بہ ملازمان سلطان کہ رساند این دعا را　　کہ بشکر بادشاہی ز نظر مران گدا را

خدا کیلئے اس در سے مجھے محروم نہ فرمانا اور اپنا تو یہ تمنا ہے کہ ؎

عمر بھر تک نہ نکلنا ہو تیرے کوچہ سے　　دم اسی در پہ نکلجائے تمنا ہے یہی،

مقصود سے بہت دور چلا گیا مقصود مولانا کا یہ ہے کہ آپکے دروازہ پر حاضر ہو گیا اور یہ طلب ہی مجھے لائی ہے۔ اب آگے بتلاتے ہیں کہ میں نے اپنی حالت کسطرح معلوم کی پس فرماتے ہیں کہ۔

دیدۂ تو چوں دلم را دیدہ شد　　صد دل نا دیدہ غرق دیدہ شد

آئینہ کلی ترا دیدم　ابد　　دیدم اندر چشم تو من نقش خود

یعنی جب آپ کی آنکھ میرے دل کیلئے آنکھ ہو گئی اور وہ چشم حق بین ہے جسمیں سیکڑوں دل نادیدہ غرق ہو چکے ہیں یعنی مستفیض ہو چکے ہیں تو میں نے تمکو آئینہ کلی ہمیشہ کیلئے سمجھ لیا۔ اور میں نے اپنا نقش تمھاری آنکھ میں [illegible] مطلب یہ کہ جب آپ کا نور اور آپ کی صحبت کا فیض میری لئے اور اک کا آلہ بنگیا اور میں نے اسی نور [illegible] اپنی حالت دیکھ لی تو میں نے تمکو ہمیشہ کیلئے اپنا رہنما اور اپنے عیوب پر مطلع کر دینے والا سمجھ لیا اور اپنی [illegible]

کو آپ کی نور چشم میں دیکھ لیا یعنی جب مجھکو آئینہ کی تلاش تھی اور ثابت ہوا کہ آئینہ بھی مرشد ہی ہوتا ہے
اور سوائے یار کے سوا اور کوئی اپنی حالت کو معلوم کرنے کیلئے کافی نہیں ہوتا پس چونکہ آپ ان صفات سے
موصوف تھے لہذا میں آپکو مرشد سمجھکر آپکے در دولت پر حاضر ہوا ہوں اور اس طلب میں حیران و سرگرداں ہوکر آ
پہونچا ہوں اور اس مدت میں بہت سے ناقصین کے پاس جا چکا ہوں مگر ؎

آفاقہا گردیدہ ام مہر بتاں ورزیدہ ام
بسیار خوباں دیدہ ام لیکن تو چیزے دیگری

آگے فرماتے ہیں۔

گفتم آخر خویش را من یافتم
در دو چشمش راہ روشن یافتم

یعنی میں نے کہا کہ آخر میں نے اپنے کو پا لیا اور اسکی دونوں آنکھوں میں راہ روشن اور صاف مجھکو ملی یعنی طالب
جب آپکا نور باطن میرے لئے آئینہ ہوگیا اور میں نے اپنی حالت کو آپکے نور کے ذریعہ سے دیکھ لیا تو اب میں نے اپنے
سے کہا کہ اب تو میں نے اپنی حالت دیکھ لی اور میں نے آپکے نور چشم میں راہ ہدایت پائی جس سے کہ ثابت ہوگیا کہ میری استعداد طلب ہے
اور یہ قول کہ در دو چشمش یہ ایسا ہے جیسے کہا جائے در نور چراغ اور مراد اس سے شیخ کی نور بصیرت ہے یعنی آپکے فیضان
بصیرت سے کہ وہی سبب ہے ظہور استعداد طالب کا۔ اسکے بعد انکو توہمات وارد ہوئے اور یوں خیال ہوا کہ یہ جو میں نے
سمجھا ہے یہ بھی تو میرا ہی خیال ہے اور ممکن ہے کہ غلط ہو اور گو اس حالت کے بعد کوئی وجہ شبہ کی نہیں مگر قاعدہ ہے
کہ جب کسی بڑی چیز کی طلب ہوتی ہے تو طبعاً اس سے مانع ہونیکا احتمال ہوتا ہے اور یہ ہوتا ہے کہ شاید یہ بھی مانع
ہو۔ پس اسی طرح انکو بھی شبہات اور توہمات ہوئے آگے فرماتے ہیں کہ

گفت وہمم کان خیال است ہاں
ذات خود را از خیال خود بداں

یعنی میرے وہم نے کہا کہ یہ ساری تیرے تخیلات ہیں اور تو نے جو اس نور میں اپنی حالت دیکھی ہے وہ تیری حقیقی حالت
نہیں ہے بلکہ ایک خیال ہے کہ مجھ میں استعداد ہے ورنہ حقیقۃً استعداد وغیرہ شاید کچھ نہ ہو اسلئے اپنی ذات کو یعنی استعداد
اصلی کو کہ شانہ الٰہی کے ہے جسکو ذات سے تعبیر کر دیا اپنے خیال ہی سے ممتاز کرلے سمجھ جب یہ شبہ ہوا تو اسکو اس طرح دفع کیا گیا کہ

نقش من از چشم تو آواز داد
کہ منم تو تو منی در اتحاد

یعنی میرے نقش نے تیری آنکھ سے آواز دی کہ میں تو ہوں اور تو میں ہے اتحاد کی وجہ سے مطلب یہ کہ جب یہ توہمات میرے
اوپر وارد ہوئے تو اس وقت میری حالت نے بزبان حال تیری نور بصیرت کی مدد سے یہ کہا کہ مجھکو خیال و باطل مت سمجھنا اسلئے
کہ جو تو ہے وہی میں ہوں اور جو میں ہوں وہی تو ہے اور میں اور تو متحد ہیں یعنی میں تیری ذاتی و اصلی حالت ہوں پس

ذاتی قرار دیا اصفاتی کو ذات قرار دیکے اس طرح تعبیر کردیا کیونکہ تو ستی ومنم تو کے معنی ہیں تو ذات سے منی و صفات تواہ مراد یہ ہے کہ من ذاتے تو ہستم یعنی حالت اصلی تو غرض جب دونوں متحد ہیں تو پھر خیال کس طرح ہو سکتا بلکہ وہ تو بالکل وقتی ہوگا اور اس خیال ہی سے پڑجاتا اور مجھ میں اپنی استعداد اصلی کے وجود میں شک ہونے لگتا

ف سالک کو اسکے بہت احوال ہیں ایسے بڑے بڑے توہمات سامنے ہوتے ہیں اس وقت اگر کوئی شیخ کامل مل گیا تب تو سنبھل جاتا ہے ورنہ بس خدا افسوقت ایمان کو بھی سلامت رکھے تو نہایت غنیمت ہے ایک صاحب نے جو کسی ایک دوسرے بزرگ سے بیعت تھے حضرت حکیم الامت دام ظلہم کی خدمت میں اپنی بدحالی کے گمان پر کچھ پریشانیاں لکھیں حضرت نے اُن کا جواب عطا فرماکر تسلی دی انھوں نے بار بار پوچھا اُس کا جواب ہمیشہ دیا گیا۔ آخر ایکمرتبہ انھوں نے لکھا کہ مجھے اب بولنے کی تو مجال نہ رہی اور عقلاً تو کوئی شبہ نہیں ہے مگر اطمینان اور تسلی نہیں ہوتی کہ یہ بدحالی نہیں ہے ۔ حضرت نے تحریر فرمایا کہ ہمکو تمھاری تسلی کی ضرورت نہیں اسلئے کہ طبیب کو یہ ضرورت نہیں کہ وہ مریض کو بھی یقین دلادے کہ تو اچھا ہوگیا بلکہ اگر طبیب کو خود معلوم ہوجاوے کہ اسکو افاقہ شروع ہوگیا ہے اور عنقریب صحت پاویگا تو یہ کافی ہے اور بعض مرتبہ اس قدر لطیف نفع ہوتا ہے کہ جسکو خود مریض محسوس نہیں کرتا اور وہ سمجھتا ہے کہ میرا مرض اب تک باقی ہے اور مجھے مطلق بھی افاقہ نہیں مگر طبیب خوش ہوتا ہے کہ اب یہ اچھا ہوجاویگا بلکہ بعض اوقات صحت کے بعد بھی مریض کی سمجھ میں نہیں آتا اسی طرح چونکہ ہمکو تسلی ہے کہ تمھاری حالت مذموم نہیں ہے بس اس قدر کافی ہے تمکو تسلی دلانیکی ضرورت نہیں بس اس سے ان کی تسلی ہوگئی (وللہ درہٗ) بس اسی طرح بزبان حال وہ پکار رہی ہے کہ میں اور تو الگ الگ نہیں ہیں بلکہ بس میں تو تیری حقیقی حالت ہوں آگے اس کی وجہ بتاتے ہیں کہ اسکو خیال کیوں نہ سمجھنا چاہئے فرماتے ہیں کہ ۔

اندریں چشم منیر بے زوال　　　　ازحقائق راہ کے یابد خیال

یعنی اس چشم روشن اور بے زوال میں حقائق کی وجہ سے خیال کہاں راہ پاسکتا ہے مطلب یہ کہ چونکہ یہ چشم حقیقت بیں ہے اس میں تو حقائق آتے ہیں اور وہ حقائق خیال غلط کو نہیں آنے دیتے اس لئے یہاں خیال کا کیا کام اور اس میں غلط کس طرح آسکتا ہے آگے فرماتے ہیں کہ ۔

دردو چشم غیر من تو نقش خود   گر بہ بینی آں خیالے دان و ردّ

یعنی اگر کسی اور کی آنکھ میں تم اپنے نقش کو دیکھو تو اُسکو خیال جانو اور مردود سمجھو مطلب یہ کہ اگر کسی غیر کی نور چشم میں تم اپنی حالت اسکے خلاف دیکھو کہ جو یہاں دیکھی ہے تو اُسکو خیال اور رد سمجھنا کہ وہ باطل ہے یا یہ مطلب ہے کہ اگر اور کہیں اپنی حالت کا امتحان کرتے تو اُسکو غلط سمجھنا مضائقہ نہ تھا آگے اُس غیر کو بتلاتے ہیں کہ۔

آنکہ سرمہ نیستی در مے کشند   بادہ از تصویر شیطان می چشند

چشم او خانہ خیال ست و عدم   نیستہا را ہست بیند لاجرم

یعنی جو شخص نیستی کا سرمہ لگاتا ہے اور شیطان کے تخیل سے بادہ پی رہا ہے اُس کی آنکھ ایک خیال اور عدم یعنی امر غیر واقعی کا گھر ہے کہ وہ بہت سی معدوم اشیاء کو موجود سمجھ لیتا ہے مطلب یہ کہ جو شخص ناسوت میں لگا ہے اور اُس کا تعلق ناسوت سے ہے اور شیطان کی تخیلات میں مبتلا ہے اُس کا ادراک خیالی اور معدوم اشیا کی طرف رہتا ہے اور وہ بہت سے معدوم کو موجود سمجھ لیتا ہے اور علی العکس اسی طرح جس نظر کا اُس سے اتصال ہوگا وہ بھی غلط ہو سکتی پس جو تیری حالت وہاں دکھلائی دیتی ہے یا دکھلائی دیتی وہ بالکل باطل اور خلاف واقعہ ہے یا ہوگی۔ آگے اسکے مقابلہ میں مرشد کی راست نمائی کا بیان فرماتے ہیں کہ۔

چشم من چوں سرمہ دید از ذوالجلال   خانہ ہستی ست نے خانہ خیال

یعنی چونکہ میری آنکھ نے حق تعالیٰ کی طرف سے ایک سُرمہ دیکھا ہے اس لئے یہ تو حقیقتاً ہستی کا گھر ہے اور خیال باطل کا گھر نہیں ہے مطلب یہ کہ چونکہ یہ نور جو میرے چشم میں موجود ہے حق تعالیٰ کی طرف سے ہے اس لئے یہ چشم باطل اور خیال کا محل نہیں ہو سکتی پس جو تو نے اپنی حالت یہاں دیکھی ہے وہ بالکل صحیح اور مطابق واقع کے ہے۔

ف اس مقام کا نما اس سے قبل ایک مختصر عنوان سے خود حضرت مولانا دام ظلہم نے کلید مثنوی دفتر اول ابتداء قصہ طوطی و بازرگان میں ایک مناسبت سے اس مقام کے مہتم بالشان ہونے کے سبب لکھا تھا اس مقام پر اُس کا بعینہ نقل کر دینا نافع معلوم ہوا وھو ھذا العبارۃ تماماً حاصل اس مقام کا یہ ہے کہ مجھکو مرشد کی طرف کشش ہوئی کہ اُن سے فیوض حاصل کروں مگر چونکہ

افادہ و استفادہ کے لئے مناسبت شرط ہے اس لئے یہ تحقیق کرنا ضروری ہوا کہ میں اُن سے فیض
لینے کے لائق ہوں یا نہیں اس تحقیق کے لئے معیار کی تلاش ہوئی آخر سوچتے سوچتے یوں سمجھ میں آیا
کہ معیار بھی خود مرشد کی ذات ہی ہے یعنی اُن کی صحبت میں رہکر اپنی حالت کے تفاوت اور ظہور
استعداد کو دیکھنا چاہئے پس میں نے ناقصین سے اعراض کرکے مرشد کامل کی صحبت اختیار
کی اور اپنی حالت کی کمی بیشی کو اور استعداد کی قوت و ظہور کو دیکھنا شروع کیا جب اُن کے
کمالات کا انعکاس میرے قلب پر ہوا جسکو اس طرح تعبیر کیا ہے ؎ دیدۂ تو چوں دلم را
دیدہ شد الیٰ آخر الابیات العشرۃ یعنی تمھاری آنکھ میرے قلب کی آنکھ بن گئی یعنی تمھاری
صفت معرفت و بصیرت میرے قلب پر متجلی ہوئی جسکے فیض و قوت سے سیکڑوں قلوب ناقص
محو معرفت ہو گئے اُسوقت میں نے اُس آئینہ کا مل یعنی عکوس فیوض مرشد و ادراک استعداد کو
غبار خطرات و وساوس سے صاف کیا یعنی اُن فیوض و ادراک حالت استعداد کو دل میں جگہ دی
اور خطرات و وساوس کی نفی کی تو اُس آئینہ میں اپنی حالت منکشف ہوئی وجہ انکشاف کی ظاہر ہے
کہ جب اپنے قلب پر فیوض مرشد کے تجلی اور منعکس ہوئے اور استعداد کمالات کی مشاہدہ ہوئی
تو معلوم ہوا کہ مجھ میں قابلیت اکی ہے اور مرشد سے مناسبت ہے غرض کمالات مرشد کو
اس طریق سے آئینہ قرار دیا تو چشم مرشد میں اپنا نقش دیکھنا یعنی مرشد کی صفت معرفت
و بصیرت کے انعکاس اور ظہور استعداد مکنون سے اپنی حالت مناسبت کا پتہ چلا اُس وقت
میں سمجھا کہ میں نے اپنی حالت مناسبت کی تحقیق کر لی۔ اور مرشد کی صحبت و حضوری میں طریق
واضح سلوک کا ملگیا کہ انہیں کی تعلیم و تربیت سے مقصود حاصل ہوگا لیکن ساتھ ہی وسوسہ گذرا
کہ جن کو تو نے فیوض کا عکس سمجھ رکھا ہے اور جسکو تو نے استعداد سمجھا ہے شاید یہ تیرے محض
خیالات اور اوہام ہوں تو معیار تحقیق مناسبت مشتبہ ہو گیا اپنی ذات یعنی ذاتی استعداد کی قابلیت
کمالات و فیوض اور اوہام و خیالات میں غور کرکے فرق کرنا ضرور ہے اس وسوسے کے ساتھ ہی میرے
نقش نے مرشد کی آنکھ میں سے آواز دی یعنی میری حالت و استعداد نے جو کہ حاصل ہوئی تھی
عکس کمالات بصیرت و معرفت مرشد سے مجھکو تنبیہ کیا کہ میں اور تو متحد ہیں یعنی میں تیری
ذاتی اور واقعی حالت ہوں خیال اور وہم کا احتمال نہیں کیونکہ اس چشم منیر میں جو نکہ

حقائق جان گزیں ہو رہے ہیں۔ خیال و وہم کی گنجائش نہیں ہے یعنی چونکہ مرشد کامل ہیں اور اُن کے فیوض و کمالات بھی قوی ہیں اسلئے اُن کی قوت فیض سے طالب و ملازم صحبت کی اصلی حالت ظاہر ہو جاتی ہے احتمال غلطی کا نہیں ہے آگے بزبان مرشد کہا جاتا ہے کہ اگر تو اپنا نقش کسی اور کی آنکھ میں دیکھتا تو اسکو خیال سمجھنا چاہئے تھا یعنی غیر کامل کی صحبت اس کا معیار نہیں ہو سکتی کیونکہ اُس میں نسبتی یعنی نقصان کی صفت ہے اسلئے تصرف شیطانی کا دخل ہو سکتا ہے چونکہ وہ خود خیالات میں مبتلا ہے اُسکے ہم صحبت کے قلب پر بھی اُن خیالات کے انعکاس کا احتمال ہے اور چونکہ میں خود صاحب حقیقت ہوں اس لئے میری صحبت میں بھی حقائق کا ہی انعکاس ہوگا تو اس طریق مذکور سے اپنی حالت و مناسبت و قابلیت فیوض کی معلوم ہوگی اور اسی اعتبار سے مرشد کو اپنا آئینہ فرمادیا یہ خلاصہ ہے اس مقام کا واللہ اعلم بالصواب والیہ المرجع والمآب در شرح جیسی میں بھی اس کی ایک توجیہ سہل اور لطیف عنوان سے کی گئی ہے وہ بھی طرب انگیز ہے [illegible] قابل ملاحظہ ہے لیکن مضمون اسکا اُسکا متحد ہے۔ آگے بتائید شعر بالا آنکہ شرمہ نیستی الخ و شعر اوخانہ خیالست الخ مولانا فرماتے ہیں کہ اگر کوئی ذراسی شے بھی چشم کے آگے ہوگی تو وہ [illegible] ہوتی ہے نظر کو اسی طرح جب نورچشم کے آگے کدورتیں ناسوت کی آجاوینگی تو وہ بھی مانع ہونگی اُس نور کے لئے فرماتے ہیں کہ۔

تا یکے مو باشد از تو پیش چشم　　　در خیالت گوہرے باشد چو یشم

یعنی جب تک ایک بال بھی تیری نگاہ کے سامنے رہے گا اُس وقت تک وہ تجھے دیکھنے نہ دیگا اور گوہر تجھے یشب معلوم ہوگا یشم مبدل از یشب۔ ایک پتھر جو فی نفسہ تو قیمتی ہے مگر گوہر سے بہت کم قیمت ہوتا ہے مطلب یہ کہ جسوقت تک ناسوت کی طرف تمھارے اندر کچھ بھی تعلق باقی رہے گا اور تم ایک بال کے برابر بھی اُس طرف توجہ رکھوگے تو تمھارے خیال میں گوہر یشب معلوم ہوگا یعنی حقیقت تمھارے خیال میں باطل اور بے اصل معلوم ہوگی اور تم اُس حجاب کی وجہ سے حقیقت شے کو معلوم نہ کرسکوگے اسکی تدبیر بتاتے ہیں کہ اس باطل سے کس طرح نجات ہو سکتی ہے فرماتے ہیں کہ

یشم را آنگہ شناسی از گہر　　　کز خیال خود کنی کلی عبر

یعنی ریشم کو گوہر سے جب پہچان سکو گے جبکہ اپنے اس باطل خیال سے پوری اور کلی طور پر علیحدگی کرد گے مطلب یہ کہ حقیقت کو اس وقت دیکھ سکو گے جب اس عالم ناسوت کے تعلق سے کہ خیال نرملے کلیۃً پرہیز کرو گے اور علیحدہ ہو جاؤ گے اسوقت تم حقیقت شناس ہو سکتے ہو ورنہ اگر ایک بال تمھاری چشم حقیقت بیں کے سامنے ہے تو وہ تمکو مانع عن النظر ہوگا۔

پچاسویں حکمۃ تحقیق بعض اجزار دوازدہ تسبیح

القول الصحیح فی تحقیق بعض اجزاء دوازدہ تسبیح اور قول محقق بعیلا تکلف[عہ] باب میں یہ ہے کہ جس طرح قرآن پڑھنے میں کبھی تو تلاوت مقصود ہوتی ہے اور اسوقت اس کے طریق کا منقول ہونا شرط اور غیر منقول کا اختیار کرنا بدعت اور کبھی محض ذہن و حافظہ میں اس کا استحضار اور راسخ کرنا مقصود ہوتا ہے اس میں اتباع منقول کا کرنا لازم نہیں مثلاً ایک شخص ایک ایک مفرد کا تکرار کرکے یاد کرتا ہے ایک شخص ایک ایک جملہ کا ایک شخص ایک ایک آیت کا یہ سب جائز ہے۔ اس کاوش کی ضرورت نہیں کہ اس [illegible] سلف کا کیا طریق تھا۔ اسی طرح عبارت ذکر سے کبھی تو خود ذکر مقصود بالذات ہوتا ہے اس ہیئت کا منقول ہونا شرط ہے اور کبھی ذہن میں کسی خاص مطلوب کا استحضار اور رسوخ مقصود ہوتا ہے جس سے اس عبادت کا تعلق ہو اس میں اس ہیئت کا منقول ہونا شرط نہیں پس الا اللہ اور اسم جلالہ کے تکرار معتاد سے مقصود بالذات ذکر نہیں بلکہ ایک خاص مطلوب کا استحضار مقصود ہے اور وہ خاص مطلوب فنائے علمی غیر اللہ اور توجہ الی اللہ میں تدریجاً ترقی کرنا ہے چنانچہ ابتدا میں کثرت شہود ہوتی ہے اسلئے لا الہ الا اللہ سے اس شہود کی نفی کرکے اسکو راسخ کیا پھر جب اس نفی پر ایک درجہ میں گویا کامیابی ہوگئی تو محض ثبوت ذات کو ذہن میں راسخ کرنے کیلئے الا اللہ کا تکرار کیا پھر ثبوت بھی ایک نسبت حکمیہ تھی اس سے بھی [illegible] راسخ کرنے کیلئے اسم جلالہ کا تکرار کیا۔ اس کی مزاولت سے قلب میں غیر مطلوب سے سلب النفسانی

عہ اشارۃ الی کون ما فی التکشف من توجیہ تکلفاً لان حذف حرف الندا من اللہ غیر جائز کما فی حاشیۃ ضمیمۃ الفائدۃ العاشرۃ الآتیۃ متصلا [illegible]۔

اور حضرت مطلوب کی طرف خالص التفات میں ملکہ راسخ ہو کر پھر ذکر کامل کا حق ادا کر کے قرب مقصود حاصل کرتا رہے گا۔ بفضلہ تعالیٰ اس تقریر سے سب اشکالات رفع ہو گئے اور اس کے بدعت ہونیکے حکم کا قلت تدبر سے ناشی ہونا ثابت ہو گیا والحمد للہ علیٰ ما الغی وافہم ولقن والہم۔ اب صرف یہ سوال باقی رہگیا کہ تو کیا اس صورت میں اس طریق سے ذکر کرنے سے ثواب نہ ملیگا اس کے جواب میں ہم پوچھیں گے کہ کیا جو شخص قرآن یاد کرنے کے لئے ایک ایک لفظ کا تکرار کر رہا ہے اسکو اس یاد کرنے سے ثواب نہ ملیگا جو اس کا جواب ہے وہی اُسکا جواب ہے اور قواعد پر نظر کرنے سے دونوں کا مشترک جواب یہ ہے کہ گو تلاوت و ذکر کا ثواب نہ ملے لیکن تلاوت کاملہ کے لئے سعی و تیاری کرنے کا اور ذکر کامل کے لئے سعی و تیاری کرنے کا ثواب ملیگا فقط۔ ۲۷ ذیقعدہ ۱۳۴۳ھ

اکیاونویں حکمۃ تحقیق حکم حذف ہائے جلالہ بلا قصد ملقب

بتحبیر الدلالۃ علیٰ حکم ہاء الجلالۃ

بعد الحمد والصلوٰۃ۔ اکثر ذاکرین کی زبان سے تکرار اسم ذات کے وقت حرف ہا ادا نہیں ہوتا چنانچہ **خانقاہ ہذا** میں بھی بعض ذاکرین کو اس طرح ذکر کرتا ہوا دیکھکر بعض احباب اہل علم کو شبہ ہوا جسکو انھوں نے بذریعہ تحریر ظاہر کیا انکو اُس کا جواب بذریعہ تحریر ہی دیا گیا۔ انھوں نے پھر اس پر سوال کیا پھر اُس کا جواب دیا گیا جس پر انھوں نے پھر سوال نہیں کیا مگر میں نے محض اپنی رائے کو کافی نہ سمجھکر دوسرے چند احباب اہل علم سے اس تحقیق کی درخواست کی اُس سے بھی میری رائے کی تائید ہوئی چونکہ مسئلہ کثیر الوقوع تھا اسلئے اس تمام تر مکاتبت کو جمع کر دینا نافع معلوم ہوا جسکا ایک نام بھی رکھدیا گیا۔

اصل سوال بعض لوگ ذکر اللہ میں لفظ اللہ کو اللّا پڑھتے ہیں بغیر ہا کے اس میں کیا حکم ہے

اصل جواب۔ ایک قلمی مضمون ملاحظہ کیلئے بھیجتا ہوں (یہ مضمون پہلے سے مستقلاً لکھا ہوا تھا) وھو ھذا۔

الجواب عما یسئل کثیرا ان فی ذکر اسم الذات بعد ادکثر لا یظھر الھاء ویدغم

تبقی الکلمة غیر موضوعة فلم یتحقق الذکر واذا لم یتحقق کیف یترتب علیه الاثار
والانوار والجواب انه لما قصد اداء الهاء ولکن بسبب عدم الالتفات لم یظهر
والاعمال بالنیات فکان کان بعض الکلمات ادیت باللسان وبعضها بالجنان
ولو ادی کلها بالجنان کان کافیا فی الاثار والانوار ففی هذا الصورة بالاولٰی
نعم الاحکام المتعلقة باللسان کصحة الصلوٰة بالقراءة لا یکفی فیها هذه النیة
۱۰ رمضان ۱۳۴۲ھ

سوال ۔ التماس ہے کہ ہونے لفظ اللہ محذوف المنوی کے ذکر اس میں شبہ نہیں اور ترتب آثار و انوار و برکات کا اس ذکر پر اس میں بھی شبہ نہیں شبہ اس میں ہے کہ حذف منوی کے بعد جو لفظ باقی ہے لفظ اَللّٰ کو اطلاق کرنا اوپر ذات منزہ عن العیوب کے قطع نظر ترتب برکات و احکام سے کیا یہ نفس اطلاق و تلفظ لفظ مذکور کا شرعاً جائز ہے وہ جواز کہ خالی ہو بدعت و الحاد سے یا ناجائز ہے بدعت و الحاد ہے کسی جگہ وجود اس لفظ مذکور کا حدیث یا قول صحابہ یا قول تابعین یا تبع تابعین میں پایا گیا ہے یا نہیں ۔ قرآن شریف میں تو نہیں حقیر کا تو یہ ہی اعتقاد کہ یہ عوام کی غلطی ہے سستی کرتے ہیں انکو ایسی سستی نہ کرنی چاہئے کیونکہ اس سستی میں بے ادبی و بے تعظیمی ہے اسم اللہ تعالیٰ کی جیسے ذات حق کی تعظیم و ادب فرض ہے ویسے ہی اسکے اسماء و صفات کی بھی تعظیم و ادب فرض ہے اسماء و صفات کی یہ بھی تعظیم ہے کہ انکے الفاظ میں تغیر تبدل کمی زیادتی نہ ہو الفاظ اسماء و صفات کے جو کہ قرآن و حدیث میں موجود ہیں تغیر تبدل کمی زیادتی اس میں کرنی بے ادبی و بے تعظیمی معلوم ہوتی ہے گرچہ دل کے اندر کمی زیادتی کا لحاظ نہ ہو تو پورے لفظ کا لحاظ ہوا اور نیز یہ اعتقاد ہے کہ اسماء اللہ تعالیٰ کے اندر تغیر کرنا الحاد ہے اگرچہ دل میں عدم تغیر کا لحاظ ہو کیونکہ جل و علی شانہ کا ارشاد ہے وَلِلّٰهِ الْاَسْمَآءُ الْحُسْنٰى فَادْعُوْهُ بِهَا وَذَرُوا الَّذِيْنَ يُلْحِدُوْنَ فِيْٓ اَسْمَآئِهٖ ؕ اسماء حسنٰی جو دلالت کرتے ہیں اوپر ذات حق کے بغیر نقص و عیب کے بنفسہا قطع نظر ارادہ متکلم سے وہ ننانوے اسم ہیں جو مذکور ہیں ۔ حدیث میں ان میں معنی لغوی بھی ملحوظ ہے جو زیادتی حسن ہے معطوف و معطوف علیہ کو بنا بر فاء فصیحہ کے مرتب فرمایا اوپر ثبوت الْاَسْمَآءُ الْحُسْنٰى کے جو واسطے اللہ تعالیٰ کے ہے ۔ اس کلام سے تعیّن

اُمور کا اثبات ہوا انحصار اسماء حسنیٰ کا اللہ تعالیٰ میں وجوب پکارنا اللہ تعالیٰ کو ساتھ اسماء حسنیٰ کے وجوب قطع ان لوگوں سے جو اللہ تعالیٰ کے اسماء میں الحاد کرتے ہیں۔
الحاد کے لغوی معنیٰ میل کرنا حق سے طرف باطل کے یہ معنیٰ کلی ہے جنس اسکے کئی انواع ہیں ایک وہ ہے جو اہل معانی نے بیان کیا الحاد فی اسماء اللہ تسمیتہ بما لم یتسمیٰ بہ ولم ینطق بہ کتاب اللہ ولا سنت رسول اللہ اب یہ معنیٰ صادق آتا ہے لفظ مذکور پر اسواسطے کہ نام لیا گیا ہے اللہ تعالیٰ کا ساتھ اُس لفظ کے کہ نہیں نطق کیا اُس لفظ کو کتاب اللہ اور نہ سنت رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم نے اللہ تعالیٰ پر اور نیز یہ بھی لکھتے ہیں علماء کرام کہ اسماء اللہ تعالیٰ کے توقیفی ہیں۔ اگرچہ کوئی اور لفظ ہم معنی ہے اُس اسم کا جو اسماء حسنیٰ سے ہے تو اس لفظ کو اللہ پر نہیں اطلاق کیا جائیگا۔ مثلاً سخی ہم معنی ہے جواد کا تو سخی کا اطلاق اللہ پر نہیں کیا جائیگا ویسا ہی رحیم کا اطلاق اور عالم کا کیا جائے گا نہ رفیق و عاقل کا۔ خلاصہ یہ ہے کہ اسماء اللہ میں قیاس کو دخل نہیں معلوم ہوتا نص ہی کو دخل ہے۔ نیز اسماء اللہ کے بنفسہا دلالت اوپر ذات حقہ کے کرنے میں محتاج طرف ارادہ متکلم کے نہیں دلالت میں تو حذف کے بعد ارادہ متکلم کو دخل ہوا ذات لفظ باقی کو دخل نہیں اب جس وقت اخیر کا حرف لفظ اللہ کا حذف کیا گیا اگرچہ حذف منوی ہے نزدیک متلفظ کے مگر صورت اس لفظ کی جو بعد الحذف ہے بعینہٖ صورت اَن مع لا نافیہ کی ہے اگر لفظ مذکور کو مشدّد پڑھا جائے اگر مخفف پڑھا جائے تو اَلا حرف تنبیہ کی ہے صورت حذف کے بعد دو نقص معلوم ہوتا ہے ایک تحریف اسم پاک کی لفظاً دوسرے مشابہت اسم پاک کی ساتھ لفظ عیب دار کے۔ ایک طائفہ مفسرین نے سبح اسم ربک میں جو اسم ہے اُسکو زائد نہیں کہا۔ کہا انھوں نے جیسا کہ اللہ تعالیٰ کو پاک جاننا فرض ہے ویسا ہی اُسکے بزرگ ناموں کی بھی تعظیم و احترام واجب ہے۔ تفسیر عزیزی میں ہے پس مراد دریں آیت چرا پاک داشتن نام او تعالیٰ مراد نباشد و پاک داشتن نام او را از انچہ دلالت بر نقص و عیب کند نگیرند و ذکر نام او تعالیٰ بوجہ تعظیم بجا آرند۔ اور بھی وجوہ تعظیم اسماء تعالیٰ کے ہیں خلاصہ اس مذکورہ کے ذکر کرنے سے یہ ہے کہ خاکسار کا اعتقاد ہے کہ عبد مکلف ہے ساتھ تعظیم اسماء اللہ تعالیٰ کے اور تحریف اور تغییر لفظی سے تعظیم اسماء کی نہیں رہتی لوگ

کاہلی اور کسل سے جو پڑھتے ہیں انکو اگر کوئی طاقت رکھتا ہو تو سمجھا دیوے شاید ایسے پڑھنے پر پڑھنے والا ماخوذ ہوگا۔ عند اللہ اس اعتقاد میں اگر غلطی ہے تو ارشاد فرمایا جاوے اس مذکور کے بیان کرنے سے غرض اعتراض کی نہیں۔ نہ طاقت ہے اعتراض کی اپنے دل میں جو شبہ تھا اسکو ظاہر کر دیا گیا ہے۔

جواب۔ جتنے دلائل تقریر شبہ میں لکھے ہیں ان کی حاجت نہیں سب کی صحت و دلالت مسلم مجیب سب کا التزام کرکے یہ تاویل کرتا ہے کہ ذاکر کا قصد یہی ہے کہ پورا لفظ ادا کرے مگر کثرت تکرار و عدم التفات الی اللفظ صونا عن التشویش الباطنی سبب ہو گیا اس تخفیف کا اور اگرچہ ایسی تخفیف کی وسعت نظر سے نہیں گذری مگر دوسری تخفیف کہ دلیل سے وہ بھی اسی کی نظیر ہے ضرورت شعر میں وارد ہے اور کسی نے نکیر نہیں کیا۔ کما فی البیضاوی وقد حذف (ای حذف الف) لضرورۃ الشعر ؎ الا لا بارک اللہ فی سہیل الخ اور ضرورت تکرار و عدم التفات الی اللفظ کو ضرورت شعریہ اور حذف ہا کو حذف الف پر مقایسہ کی گنجائش ہے ولیس ضرورۃ الشعر اھم من ضرورۃ جمع الخواطر ولیس الحذف من الاوسط باخف من حذف الاخیر لوجوده فی الترخیم وان لم یسع الترخیم فی المقام خاصۃ۔

عـــہ۔ ذکر اسم ذات میں ترخیم جائز نہیں کیونکہ ترخیم غیر منادی میں بلا ضرورت شعریہ جائز نہیں جیسا کہ شرح جامی صفحہ میں ہے وھو فی غیرہ ای غیر المنادی واقع ضرورۃ ای لضرورۃ شعریۃ داعیۃ الیہ لا فی سعۃ الکلام اھ وقال صاحب الالفیۃ ؎ ولاضطرار رخموا دون ندا ما للندا یصلح نحو احمد (صفحہ ۹۶) اور ذکر میں لفظ اللہ کو منادی نہیں کہہ سکتے کیونکہ بدون حرف ندا لفظ اللہ کو منادی نہیں کہا جا سکتا۔ لفظ اللہ سے حرف ندا کا حذف جائز نہیں جیسا کہ شرح جامی صفحہ میں ہے دیکھو ۔ خلاف حرف النداء الا مع اسم الجنس والاشارۃ والمستغاث والمندوب والمندوب سواء کان مع بدل عن حرف النداء کلفظ اللہ فانہ لا یحذف منہ الا مع ابدال المیم المشددۃ منہ نحو اللھم وفی حاشیۃ عبد الغفور تحت قولہ سواء کان مع بدل یعنی ان جواز الحذف اعم من ان یکون مع بدل او لا مع بدل ویرد ما قالہ الشیخ الرضی من ان المصنف لم یذکر لفظ اللہ فیما لا یحذف من الحرف وھو مما لا یحذف منہ الا مع ابدال المیمین منہ فی آخرہ (صفحہ ۳۲۳)

نیز بعض احکام کا نیت سے ثابت ہونا بھی علماء کے کلام سے ثابت ہوتا ہے کما فی البیضاوی
وحذف الالف لحن تفسد بہ الصلوٰۃ ولا ینعقد بہ صریح الیمین فی الحاشیۃ الخفاجی الحکیم
ای الیمین بلانیۃ لان بلہ اسم للرطوبۃ ایضا والمحتمل یحتاج الی النیۃ اھ بحذف
الف کے اسکو محتمل کہنا دلیل ہے کہ اب بھی قصد متکلم کی حالت میں اسکو اسم الٰہی سمجھا جاویگا باقی لحن
ہونا ضرورت مذکورہ سے مرفوع ہو جاویگا یہ جو میں لکھ رہا ہوں اجتہاد و تاویل ہے حمل الفعل العاقل
البالغ الطالب المحب علی اقصی ما یمکن حملہ علیہ باقی مجھکو اس پر اصرار نہیں ممکن ہے کہ یہ تاویل و
اجتہاد غلط ہو اگر ایسا ہو میں اسکو چھوڑ دونگا اسکی صورت یہ ہے کہ اگر اب بھی شبہ رہے
مجھکو اطلاع کیجاوے میرا ایسے موقع پر معمول ہے کہ حاضرین اہل علم کو جمع کر کے پیش کر دونگا اور
ان کے فیصلہ کو قبول کر کے ذاکرین کو مطلع کر دونگا اب بھی اور آئندہ بھی۔ اور اعتراض کا تو
مجھکو وسوسہ بھی نہیں۔

سوال۔ التماس ہے کہ حضور کی خدمت میں شبہ مذکور پرچہ اول عرض کیا گیا تھا اس خیال
سے کہ مرتب آثار کے اعتبار سے لفظ اللہ بغیر الف کے جائز ہے حضور کے نزدیک فقط
شبہ اس میں تھا کہ شرعاً بھی جائز ہے یا ناجائز جب شرعاً بھی معلوم ہو گیا کہ جائز ہے تو اب
شبہ نہیں محض احقاق حق کے واسطے شبہ ظاہر کیا تھا اس میں کوئی نفسانیت نہ تھی۔ ایمان
فرماکر شبہ ظاہر کرنے میں خاکسار سے بے ادبی و قصور ہوا ہے تو معافی چاہتا ہوں معاف فرماویں
معمولی آدمی کی ناراضی خاکسار برداشت نہیں کر سکتا۔ آپ تو الحمد للہ اس زمانہ میں خاکسار کے
نزدیک مقتدا ہیں ہرگز آپکی ناراضی برداشت نہیں کر سکتا۔ آپ سے نفع حاصل کرنیکے واسطے آیا
ہوں نہ نقصان جسوقت سے آپ کا جواب دیکھا ہے بہت بے چینی ہو رہی ہے نہ ذکر ہوتا ہے نہ
دل لگتا ہے ذکر پر بہت پریشان ہوں اسوجہ سے کہ شاید آپ ناراض نہوں آپ کی ناراضی سبب
محرومی میری کا ہے۔

جواب۔ یہ آپکی محبت ہے میں آپکو یقین دلاتا ہوں کہ تحقیق کا میں عاشق ہوں۔ اور نیز یہ بھی
یقین دلاتا ہوں کہ طرز کلام سے پہچان لیتا ہوں کہ تحقیق مقصود ہے یا لجاج بس ان دونوں مقدموں
کے بعد آپ مطمئن رہیئے۔ واللہ میرا دل خوش ہوا کہ آپ میں دین کی طلب ہے بارک اللہ تعالیٰ لکم

اب اسکے متعلق سب پرچہ مجھکو بعد نظر دید تیجئے۔ میں سبکو مرتب کرلونگا اور جی چاہتا ہے کہ مزید اطمینان کے لئے دوسروں سے بھی مشورہ کروں پھر پرچے واپس کردونگا۔ میں تسہیلاً اپنی تاویل کا حاصل پھر اعادہ کئے دیتا ہوں کہ مقصود تو پورے کلمہ کا ادا کرنا ہے مگر ذاکر کو دوسری طرف جو نکہ زائد اہتمام ہے اسلئے ادا کا اہتمام فوت ہوگیا تو قابل عفو و تسامح ہے جیسے قرآن مجید جلدی پڑھنے میں بعض حروف کی صفات و مخارج میں کچھ تقصیر ہوجاتی ہے فقط۔

تحقیق علماء خانقاہ

اگر ذکر میں لفظ اللہ کی ہا بالکل حذف ہوگئی تب بھی وہ ذکر اسم ذات شمار ہوگا خصوصاً جبکہ تکلّف سے حضور قلب میں فرق آتا ہو البتہ قصداً حذف بھی نہ کیا جاوے حذف اسکا خطاء ہے فی الدر (والقسم باللہ تعالیٰ) ولو برفع الہاء او نصبها او حذفها کما یستعمله الاتراک وقال الشامی تحت (قوله او حذفها) قال فی المجتبی ولو قال واللہ بغیر ہاء کعادة الشطار فیمین۔ قلت فعلی هذا ما یستعمله الاتراک باللہ بغیر ہاء یمین ایضا اھ وهکذا نقله عنه فی البحر ولعل احد الموضعین بغیر ہاء وبالواو ولا بالهمزة ای بغیر الالف التی هی الحرف الهاوی تامل ثم رأیته کذلک فی الوهبانیة وقال ابن الشحنة فی شرحها المراد بالهاوی الالف بین الهاء واللام فاذا حذفها الحالف او الذابح او الداخل فی الصلوٰۃ قیل لا یضر لانه سمع حذفها فی لغة العرب وقیل یضر ص۶۳ ج۳) وفی الطحطاوی علی مراقی الفلاح ص۳۰ (قوله الثالث عشر ان لا یحذف الهاء من الجلالة) قال فی الشرح المذکور وعن ترک هاوٍ والمراد بالهاوی الالف الناشی بالمد الذی فی اللام الثانیة من الجلالة فاذا حذفه الحالف او الذابح او المکبر للصلوٰۃ او حذف الهاء من الجلالة اختلف فی انعقاد یمینه و حل ذبیحته وصحة تحریمه فلا یترک ذلک احتیاطاً وفیه ایضاً ص۱۶۲ وان کان فی وسط حوصار اکبار فقیل تفسد صلاته لانه جمع کبر وهو طبل ذو وجه واحد او اسم او اسما للشیطان وفی الغنیة لا تفسد لانه اشباع وهو لغة قوم واستبعده الزیلعی بانه لا یجوز الا فی شعر ولو فعله المؤذن لا تجب الاعادة لان امر الاذان اوسع کذا فی السراج

وان تعدد کا یکفرای مع قصد المعنی والا فلیستغفر و یتوب مضمرات اھ قلت وظاہر ان امرالذکر اوسع من امر الاذان واللہ اعلم کتبہ الاحقر عبدالکریم عفی عنہ ۸ محرم ۱۳۴۴ھ

الجواب صحیح۔ میری رائے اس تحریر کے موافق ہے لطف رسول عفی عنہ۔ وصی اللہ عفی عنہ۔

صحیح۔ ظفر احمد عفا عنہ ۹ محرم ۱۳۴۴ھ

وقد تم ما اردنا ایرادہ ھھنا۔ خلاصہ اس مجموعہ کا یہ ہے کہ صواب بار جلالہ کا ادا ہی کرنا ہے۔ لیکن کثرت تکرار و مصلحت اجتماع افکار کے سبب اگر اخلال فی الاداء کی خطا ہو جاوے تو عفو ہے یعنی گناہ نہ ہوگا اور چونکہ مقصود اس کا ادا ہی کرنا ہے اسلئے حکماً اسکو پورا ہی کلمہ قرار دیا جاویگا جیسے ہر وقت بولنے چالنے میں بھی کسی سے بھی یہ ہا مادا نہیں ہوتی اور نہ کوئی ان مواقع میں اظہار ہاء کے وجوب کا قائل ہے۔ کتبہ اشرف علی۔ عاشورار ۱۳۴۴ھ

باونویں حکمت حکم اختلافی غیر واصل بحق بعد بذل اجتہاد

سرح المعانی وقیاس غیر مترددید

سورہ اعراف رکوع سوم کی آیت ہے فریقا ھدی وفریقا حق علیھم الضلالۃ انھم اتخذوا الشیطین اولیاء من دون اللہ ویحسبون انھم مھتدون ۰ بعض لوگوں کو تو اللہ تعالیٰ نے (دنیا میں) ہدایت کی ہے (انکو اسوقت جزا ملیگی) اور بعض پر گمراہی کا ثبوت ہو چکا ہے (ان کو اسوقت سزا ملیگی اور وجہ ان لوگوں کے گمراہ ہونیکی یہ ہوئی کہ) ان لوگوں نے شیطان کو اپنا رفیق بنالیا اللہ تعالیٰ کو چھوڑکر (یعنی باللہ تعالیٰ کی اطاعت نہ کی اور شیاطین کی اطاعت کی) اور (باوجود اسکے پھر اپنی نسبت) خیال رکھتے ہیں کہ وہ راہ (راست) پر ہیں (یہ خیال ان کا خواہ بزعم با عتبار دین حق ہونیکے ہو خواہ باعتبار قرین مصلحت ہونیکے ہو)

اس آیت میں جو تعمیم کی گئی ہے کہ خواہ باعتبار دین حق ہونیکے ہو الخ اسکی توضیح یہ ہے کہ بعض کفار تو اپنے مذہب کو واقع میں حق سمجھتے ہیں ان پر تو یحسبون الخ کا صادق آنا ظاہر ہے اور بعض باوجود باطل سمجھنے کے اسپر جمے رہتے ہیں ان پر اس کا صدق اس اعتبار سے ہے کہ اس صورت میں لا بد یہ اصرار کسی مصلحت مزعومہ موہومہ کی وجہ سے ہوگا اور اس مصلحت کی تحصیل و رعایت کو درکسی وجہ سے

ضروری و مناسب سمجھتے ہیں اور ضروری کی رعایت کرنا عقلی استبعاد ہے اور اگر کسی کو صورت اول میں شبہ ہو کہ جب ایک شخص واقع میں اپنے کو حق پر سمجھتا ہے گو غلطی پر ہو پھر اُس پر کیا الزام وہ معذور ہونا چاہیئے کیونکہ اُسکو اپنی غلطی کی اطلاع ہی نہیں جواب یہ ہے کہ معذور اسلئے نہیں کہ اس نے باوجود دلائل قویہ و صحیحہ کے قایم ہونیکے جن سے بالاضطرار و بالطبع تردد و احتمال جانب مخالف کا قلب میں پیدا ہو جاتا ہے تامل کیوں نہیں کیا اور آیت میں جن کی مذمت ہے وہ ایسے ہی تھے بلکہ اکثر تو اپنے طریق کے باطل سمجھنے والے تھے البتہ جو شخص طلب حق میں اپنی کوشش خرچ کر چکے اور پھر بھی اُس کی نظر طلق صحیح تک نہ پہنچے اُس کی نسبت روح المعانی میں ہے ومذہب البعض انہ معذور ولم یفرقوا بین من لا عقل لہ اصلا ومن لہ عقل لم یدرک بہ الحق بعد ان لم یدع فی القوس منزعا فی طلبہ الخ قلت وکذا من لم یخطر فی بالہ تردد واحتمال النقیض وقلت وبسط القول فی المسئلۃ الغزالی فی التفرقۃ بین الاسلام والزندقۃ وقلت و السلامۃ فی امثال ذلک التفویض الی اللہ تعالیٰ وھو اعلم العلمین واحکم الحاکمین اور اگر کسی کو صورت ثانی میں شبہ ہو کہ جب یہ شخص حق کو اور باطل کو باطل سمجھتا ہے تو مومن ہونا چاہیئے پھر اسکو کفار میں کیوں شمار کیا گیا جواب اس کا یہ ہے کہ جیسے قلب سے تکذیب کرنا کفر ہے اسی طرح زبان سے تکذیب کرنا اور برتاؤ میں مخالفت و عداوت انبیاء سے کرنا بھی کفر ہے خوب سمجھ لو۔

ترپنویں حکمۃ معانی اصطلاحیہ مختلفہ عینیت و غیریت ۵۳

جاننا چاہیئے کہ عینیت و غیریت دو لفظ متقابل ہیں اور مختلف اوضاع سے تین معنی پر ان کا اطلاق آتا ہے **معنی اول** عینیت کے یہ کہ دو مفہوموں کا مصداق من کل الوجوہ ایک ہونا یعنی دو چیزوں کا ہر طرح سے ایک ہونا کہ ان میں کسی قسم کا فرق نہ ہو جیسے انسان اور حیوان ناطق یا زید اور ذات زید کہ ان میں اصلا تغایر نہیں اور غیریت یہ کہ اُن دونوں میں کسی قسم کا تغایر اور امتیاز ہو یعنی فرق ہو اس تفسیر پر عینیت و غیریت میں باہم تناقض ہے جس سے ان دونوں کا ایک محل میں جمع ہونا بھی محال ہے اور دونوں کا کسی محل سے مرتفع ہونا بھی محال ہے اور متبادر معنی عینیت و غیریت کے یہی ہیں اور یہی معنی لغوی ہیں اور اسی میں اکثر عرفاً استعمال ہوتا ہے اور اکثر اہل معقول بھی یہی معنی

لیتے ہیں۔ اس تفسیر کے اعتبار سے کوئی شے [illegible] رت و مخلوق ہو جیسے تمام زمین و آسمان کی چیزیں یا قدیم و غیر مخلوق ہو جیسے صفات باری تعالیٰ کی عین ذات باری تعالیٰ کی نہیں مخلوقات کا عین نہ ہونا تو باتفاق اہل نقل و عقل ہے اور صفات کا عین نہ ہونا صرف جمہور اہل سنت کے نزدیک ہے بخلاف حکماء و اہل اعتزال کے کہ صفات کو عین ذات کہتے ہیں اور ظاہر قرآن اہل سنت کی تائید کرتا ہے کیونکہ جا بجا اللہ تعالیٰ نے اپنے کو علیم اور حکیم و سمیع و بصیر فرمایا ہے جسکے معنی ذی علم و ذی حکمت و ذی سمع و ذی بصر ہیں اگر علم و حکمت و سمع و بصر عین ذات ہوتیں تو ذی علم و ذی حکمت وغیرہ کے معنی ذو نفسہ ہوتے اور یہ محض بے معنی ہے پس ظاہر قرآن و حدیث سے یہی مفہوم ہوتا ہے کہ صفات زائد علی الذات ہیں جب اس تفسیر کے اعتبار سے کوئی شے عین ذات حق نہیں تو سب ممکنات و صفات غیر ذات ہونگی۔

معنی ثانی۔ عینیت کی تو وہی تفسیر لیجاوے اور غیریت کے یہ معنی ہوں کہ دو چیزوں میں سے کسی ایک کا بدون دوسرے کے موجود ہو سکنا (جواز الانفکاک بین الشیئین ولو من جانب واحد بعبارۃ اُخریٰ عدم التلازم بین الشیئین) اس تفسیر پر عینیت و غیریت میں باہم تناقض تو نہیں مگر تضاد ہے یعنی دونوں ایک محل پر صادق نہیں آسکتے مگر دونوں مرتفع ہو سکتے ہیں جیسی شان متضادین کی ہوتی ہے اور یہ اصطلاح متکلمین کی ہے اس تفسیر کے اعتبار سے بھی ذات باری تعالیٰ اور مخلوقات میں عینیت نہیں ہے جیسا اوپر گذرا بلکہ غیریت ہے کیونکہ غیریت کے معنی تھے کسی ایک کا بدون دوسرے کے موجود ہو سکنا گو دوسرا بدون اس ایک کے موجود نہ ہو سکے تو گو مخلوقات بدون باری تعالیٰ کے موجود نہیں ہو سکتی لیکن باری تعالیٰ تو بدون مخلوق کے موجود ہو سکتے ہیں اور واقع میں قبل ایجاد خلق کے موجود تھے اور مخلوق کو فنا کر کے بھی موجود رہیں گے پس غیریت کے معنی متحقق ہو گئے سو حضرت حق و خلق میں عینیت کی نفی اور غیریت کا ثبوت ہو گیا لیکن ذات حق اور صفات میں اس تفسیر پر نہ عینیت ہوئی نہ غیریت۔ عینیت تو اسلئے نہ ہوئی کہ اسکے معنی تھے دو چیزوں کا بالکل ایک ہونا اور جب صفات زائد علی الذات ہیں جیسا اوپر بیان ہوا تو عینیت کہاں ہوئی اور غیریت اسلئے نہ ہوئی کہ یہاں ذات اور صفات دونوں میں سے ایک بھی ایسی چیز نہیں کہ بدون دوسرے کے اسکا پایا جانا ممکن ہو صفات تو بدون ذات کے اسلئے موجود نہیں ہو سکتیں کہ یہ صفات تحقیق

میں تابع ہیں اور ذات متبوع اور تابع کا وجود بدون متبوع کے محال ہے اور ذات بدون صفات کے اسلئے نہیں پائی جاسکتی کہ ذات واجب کا خالی ہونا صفاتِ کمال سے لازم آتا ہے اور وہ محال ہے پس ہر ایک دوسرے کیلئے مستلزم ہوا اسلئے غیریت بھی نہ ہوئی پس عینیت وغیریت دونوں مرتفع ہوگئیں یہی معنی ہیں متکلمین کے اس قول کے (ھی لا عینہ ولا غیرہ)
معنی ثالث: عینیت کے معنی ہیں ایک شے کا دوسری شے کی طرف محتاج فی الوجود ہونا گو وہ دوسری شے اس پہلے کی محتاج ہو اور غیریت کے وہ معنی ہیں جو معنی اوّل میں مذکور ہوئے ہیں یعنی اُن دونوں شئے میں کسی قسم کا تغایر وامتیاز وفرق ہونا اور اس تفسیر پر عینیت وغیریت میں نہ باہم تناقص ہے اور نہ تضاد بلکہ دونوں کا جمع ہونا ایک محل میں ممکن ہے مثلاً زید اور اس کے صفات کہ صفت بدون زید کے نہیں پائی جاتی اسلئے عینیت صادق آئی اور دونوں باہم ممتاز بھی ہیں اس لئے غیریت صادق آئی اور یہ اصطلاح حضرات صوفیہ کرام کی ہے اس تفسیر کے اعتبار سے ذات باری تعالیٰ اور مخلوقات میں عینیت بھی ہے کیونکہ مخلوقات ذات باری تعالیٰ کی محتاج ہے گو ذات باری تعالیٰ احتیاج سے مُبرّا ہے اور غیریت بھی ہے کیونکہ ذات باری تعالیٰ اور مخلوقات میں لاکھوں طرح کے فرق ہیں۔ ہر چند کہ اس معنی ثالث کے اعتبار سے صوفیہ تمام مخلوقات کو عین باری تعالیٰ کہتے ہیں اس میں کسی سالک عارف کی تخصیص نہیں مگر بعض اوقات اس تفسیر میں ایک قید اور بھی بڑھاتے ہیں یعنی اس احتیاج الخلق الی الحق کا علم ومعرفت بھی حاصل اس معنی مقید کے اعتبار سے تمام مخلوقات میں سے صرف عارف کے لئے عینیت کا اثبات کرتے ہیں کہ اسکو معرفت ہے دوسری مخلوقات اس عرفان سے خالی ہے پھر بعض اوقات اس قید پر ایک قید اور بڑھاتے ہیں یعنی اس معرفت میں اسقدر استغراق ہو کہ خود مخلوق حتی کہ اپنی ذات اور ہستی کی طرف بھی التفات نہ رہے اس قید کے اعتبار سے تمام عارفین پر بھی عینیت صادق نہ آویگی بلکہ اُن میں سے جو استغراق تام رکھتے ہیں وہی اسکے مصداق ہوں گے اس تقریر پر عینیت وغیریت کی کُل پانچ تفسیریں ہوئیں اور مولانانے روی او خود

روئے دوست ہیں سب سے

اخیر کے معنے مراد لئے ہیں۔

چونتیسویں حکمت اقسام واحکام توکل

توکل کی دو قسمیں ہیں۔ **علماً و عملاً**۔ علماً تو یہ کہ ہر امر میں متصرف حقیقی و مدبر تحقیقی حق جل وعلا شانہ کو سمجھے۔ اور اپنے کو ہر امر میں اُن کا محتاج اعتقاد کرے۔ یہ توکل تو ہر امر میں عموماً فرض اور جزو عقائد اسلامیہ ہے۔

قسم دوم توکل عملاً اسکی حقیقت ترک اسباب ہے۔ پھر **اسباب** کی دو قسمیں ہیں۔ **اسباب دینیہ** اور **اسباب دنیویہ**۔ اسباب دینیہ جن کے اختیار کرنے سے کوئی دینی نفع حاصل ہو ان کا ترک کرنا محمود نہیں بلکہ کہیں گناہ اور کہیں خسران وحرمان ہے اور شرعاً یہ توکل نہیں اگر لغۃً توکل کہا جاوے تو یہ توکل مذموم ہے۔

اور اسباب دنیویہ جنسے دنیا کا نفع حاصل ہو اُس نفع کی دو قسمیں ہیں حلال یا حرام اگر حرام ہو تو اُسکے اسباب کا ترک کرنا ضروری ہے اور یہ توکل فرض ہے۔ اور اگر حلال ہو اسکی **تین قسمیں** ہیں۔ **یقینی** اور **ظنی** اور **وہمی**۔ اسباب وہمیہ جنکو اہل حرص وطمع اختیار کرتے ہیں جسکو طول امل کہتے ہیں اُن کا ترک کرنا ضروری ہے اور یہ توکل فرض وواجب ہے۔

اور اسباب یقینیہ جن پر وہ نفع عادۃً ضرور مرتب ہو جاوے جیسا کھانے کے بعد آسودگی ہو جانا یا پانی کے بعد پیاس کم ہو جانا اس کا ترک کرنا جائز نہیں اور نہ شرعاً یہ توکل ہے اور لغۃً توکل کہا جاوے تو یہ توکل ناجائز ہے۔

اور اسباب ظنیہ جن پر غالباً نفع مرتب ہو جاوے مگر بارہا تخلف بھی ہو جاتا ہو جیسے علاج کے بعد صحت ہو جانا یا نوکری و مزدوری کے بعد رزق ملنا۔ ان اسباب کا ترک کرنا وہ ہے جسکو عرف اہل طریقت میں اکثر توکل کہتے ہیں اسکے حکم میں تفصیل یہ ہے کہ ضعیف النفس کے لئے تو جائز نہیں اور قوی النفس کیلئے جائز ہے۔ بالخصوص جو شخص قوی النفس بھی ہو اور خدمت دین میں مشغول ہو اُسکے لئے مستحب بلکہ کسیقدر اس سے بھی مؤکد ہے پس خلاصہ تقریر کا یہ ہوا کہ توکل علمی تو مطلقاً اور عملی میں بمعنی ترک اسباب حرام و ترک اسباب نفع دنیوی موہوم فرض اور بمعنی ترک اسباب دینیہ و بمعنی ترک اسباب دنیویہ مباحہ یقینیہ حرام و مذموم و بمعنی

اسباب مباحہ دنیویہ ظنیہ ضعیف النفس کو حرام اور قوی النفس کو مستحب۔ پس
تین قسمیں فرض اور دو قسمیں حرام اور ایک بعض اوقات میں حرام اور بعض اوقات میں مستحب
اس تقریر سے معلوم ہو گیا جو توکل شرعاً ناپسند ہے اس میں اور طاعت میں تنافی ہے
ورنہ کوئی منافات نہیں واللہ اعلم۔

فائدہ۔ اس مضمون کی تکمیل کے لئے ایک دوسرا مضمون شرح مثنوی سے نقل کیا جاتا ہے
وہ یہ ہے کہ تدبیر میں دو مرتبے ہیں ایک اس کا نافع ہونا دوسرا اس کا جائز ہونا سو نافعیت
میں تو یہ تفصیل ہے کہ اگر وہ تقدیر کے موافق ہوگی تو نافع ہوگی ورنہ نہیں اور اس کے جواز میں
یہ تفصیل ہے کہ اس میں دو مرتبے ہیں ایک مرتبہ اعتقاد کا یعنی اسباب کو مثل حکما طبعیین و
منکرین قدر کے مستقل بالتاثیر سمجھا جاوے سو یہ اعتقاد شرعاً حرام و باطل ہے البتہ تاثیر غیر مستقل
کا اعتقاد رکھنا یہ مسلک اہل حق کا ہے جس کا انکار اور نفی کرنا جبر مذموم ہے۔ دوسرا مرتبہ عمل کا یعنی مقاصد
کے لئے اسباب اختیار کئے جاویں سو اس کا حکم یہ ہے کہ اس مقصد کو دیکھنا چاہئے کیسا ہے
سو اس میں تین احتمال ہیں یا وہ مقصد دینی ہے یا دنیاوی مباح ہے یا معصیت ہے اگر معصیت
ہے تو اس کے لئے اسباب کا اختیار کرنا مطلقاً ناجائز ہے اور اگر وہ دین ہے تو دیکھنا چاہئے
کہ وہ امر دین واجب ہے یا مستحب اگر واجب ہے تو اسکے اسباب کا اختیار کرنا واجب ہے
اور اگر مستحب ہے تو اسکے اسباب کا اختیار کرنا مستحب ہے اور اگر وہ دنیا کی مباح ہے تو دیکھنا
چاہئے کہ وہ دنیاوی مباح ضروری ہے یا غیر ضروری اگر ضروری ہے تو اسکے اسباب کو دیکھنا
چاہئے کہ ان پر اس مقصد کا ترتب یقینی ہے یا غیر یقینی اگر یقینی ہے تو اس کے اسباب کا اختیار
کرنا بھی واجب ہے اور اگر غیر یقینی ہے تو ضعفاء کے لئے اختیار اسباب واجب اور اقویا کیلئے
گو جائز ہے مگر ترک افضل ہے اور اگر وہ دنیا کی مباح غیر ضروری ہے تو اگر اسکے اسباب کا اختیار
کرنا مضر دین ہو تو ناجائز ہے ورنہ جائز مگر ترک افضل ہے۔ یہ کل دس صورتیں ہیں اور ہر ایک کا خاص
حکم ہے اس تقریر سے معلوم ہو جاویگا کہ کس مرتبہ میں توکل جائز یا ناجائز ہے اور کس مرتبہ
میں تدبیر جائز یا ناجائز ہے۔

ان دونوں تقریروں کے جمع کرنے سے اس مسئلہ میں پوری شفا رہ سکتی ہے۔

پچپنویں حکمۃ مظہریت عالم مرذات وصفات را

ذیل کے اشعار مثنوی شریف آغاز دفتر اول تحت سرخی "در بیان آنکہ اختلاف درصورت روش است نہ درحقیقت راہ" میں چھٹے شعر بعد ہیں۔

چند باران عطا باران شده
تا بداں آں بحر دُر افشاں شده

چند خورشید کرم افروختہ
تا کہ ابر و بحر جود آموختہ

چند خورشید کرم تاباں شده
تا بدان آں ذره سرگرداں شده

پرتوِ دانش زده بر آب و طیں
تا شده دانہ پذیرنده زمیں

خاک امیں و ہر چہ در وے کاشتی
بے خیانت جنس آں برداشتی

ایں امانت زاں امانت یافت ست
کافتاب عدل بر وے تافت ست

تا نشاں حق نیارد نوبہار
خاک سرہا را نہ کرده آشکار

آں جوادے کہ جمادے را بداد
ایں خبرہا وایں امانت وایں سداد

آں جماد از لطف چوں جاں میشود
زمہریر از قہر پنہاں می شود

آں جمادے گشت از فضلش لطیف
کل شیٔ من ظریف ہو ظریف

مر جمادے را کند فضلش خبیر
عاقلاں را کرده قہر او ضریر

آں ذره مراد آفتاب کہ بپیش عظمت حق کم از ذره است۔ نشان فرمان سرہا امور مخفیہ مراد سبزه وگل آں جوادی الخ آں مبتدا اشاره بحق جوادے خبر بحذف رابط یعنی آں ذات حق چناں جواد یست الخ زمہریر خزاں دزمستاں۔ ضریر کور۔ اوپر کے اشعار میں حق جل وعلیٰ شانہ کی عظمت اور تمام مخلوقات کا اُن کی طرف محتاج ہونا مذکور تھا ان اشعار میں ...... اسی مضمون کی تقویت کے لئے تائید کر فرماتے ہیں کہ بحر میں جو صفت دُر افشانی آگئی ہے اُسکی وجہ یہی ہے کہ اُس پر عطائے الٰہی کی بارشیں ہوئی ہیں (پس بحر کی صفتِ عطا، حق تعالیٰ کی صفت عطا رکا فیض ہے) اور ابر و بحر میں جو صفت جود آگئی ہے

کہ اس قدر پانی اُس سے ملتا ہے اُس کی وجہ یہی ہے کہ اُسپر کرم الٰہی کی تابشیں ہوئی ہیں (پس ابرو بحر کی صفت بود حق تعالیٰ کی صفت جود و کرم کا فیض ہے) اور آفتاب فلک میں جو صفت سرگردانی یعنی تحریک کی (جس سے عالم کو نور بخشی ہوتی ہے) آگئی ہے اُس کی وجہ یہی ہے کہ اُسپر کرم الٰہی کی تابشیں ہوئی ہیں (پس آفتاب کی صفت نور بخشی حق تعالیٰ کی صفتِ کرم بخشی کا فیض ہے) اور زمین جو دانہ کو قبول کر لیتی ہے اُسکی وجہ یہی ہے کہ آب و گل پر علم الٰہی کا پرتو پڑ گیا ہے (پس زمین کا دانہ کو لے لینا جس کیلئے صفت علم کی عادۃً ضرورت ہے حق تعالیٰ کی صفت علم کا فیض ہے) اور خاک میں جو صفت امانت کی آگئی ہے جس سے وہ ایسی امین ہو گئی ہے کہ جو چیز اُس میں کاشت کر دو وہی اُس سے اُٹھالو یہ نہیں کہ وہ خیانت کر کے اُسکو بدل ڈالے اور گندم کا جو دیدے اُس کی وجہ یہی ہے کہ اس زمین نے یہ صفت امانت حق تعالیٰ کی صفت امانت سے پائی ہے کیونکہ (اللہ تعالیٰ عادل ہیں اور عدل کیلئے امانت لازم ہے اس معنی کے اعتبار سے اللہ تعالیٰ کیلئے صفت امانت ثابت کیگئی ورنہ اللہ تعالیٰ کے مشہور اسماء میں اسم امین نہیں ہے تو اسی صفت عدل کا آفتاب اس زمین پر روشنی ڈال گیا ہے (پس زمین کی صفتِ امانت و عدل حق تعالیٰ کی صفت امانت و عدل کا فیض ہے) اور نیز زمین کے باعلم و خبر ہونیکا یہ اثر ہے کہ جب تک فصل بہار حق تعالیٰ کا فرمان نہیں لاتی اُسوقت تک زمین سبزہ و گل کو باہر نہیں نکالتی (جسطرح اہل عقل و شعور کہ حکم حاکم کا انتظار کیا کرتے ہیں) وہ ذات پاک ایسے جواد ہیں کہ ایک جماد محض کو (یعنی زمین کو کہ نباتات و حیوانات سے خارج ہے ایسے علوم دئے (جمع اس لئے لائے کہ یہاں دو علم کا ذکر ہے ایک اس شعر میں پرتو دانش الخ اور دوسرا اس شعر میں تا نشان حق الخ جیسا دونوں کی شرح سے منکشف ہو چکا ہے) اور ایسی امانت دی (جسکا ذکر اس شعر میں ہے خاک امیں الخ) اور ایسی درستی دی (علمی درستی تو علوم ہیں اور عملی درستی امانت ہے پس درستی میں سب صفات مذکورہ داخل ہو گئیں) یہ حق تعالیٰ کا فیض لطف ہے جس سے وہ جماد (زمین) مثل ذی روح کے ہو جاتی ہے (کہ اس میں صفات ذی روح کے سے پیدا ہو جاتی ہیں اور لطف علمی و عملی سے موصوف ہو جاتی ہے) اور اس صفت لطف کے ظہور سے خزاں قہر (یعنی صفت قہر جس سے خزاں ہو گئی تھی) پوشیدہ ہو جاتی ہے (کیونکہ جب اسمائے جمالیہ لطف و رحمت و احیاء و نحوہا کے آثار ظاہر ہوتے ہیں تو اسمائے جلالیہ قہر و غضب و اماتت کے آثار

باقی نہیں رہتے اسی طرح بالعکس۔ اسکو اصطلاح میں توارد و تعاقب تجلیات و ظہور اسمائے متقابلہ و متضادہ کہتے ہیں اور مسئلہ تجدد امثال اسی کی فرع ہے) غرض وہ جماد فضل خداوندی سے (یعنی فیض صفت لطف الٰہی سے) لطیف ہو جاتا ہے (جیسا اس سے قبل شعر میں کہا ہے ؎ آن جماد از لطف الخ حقیقت میں جو چیز کسی خوب کی طرف سے ہوتی ہے وہ خوب ہی ہوتی ہے پس حق تعالیٰ اپنے تمامی اسماء و صفات کیساتھ جمیل ہیں جہاں اُن کا فیض ہوگا وہاں بھی جمال و کمال پیدا ہو جاویگا خوب کہا ہے ؎ ہرچہ آں خسرو کند شیریں بود) اور ان کی ایسی قدرت ہے کہ (جب اُن کی صفات جمالیہ کا ظہور ہوتا ہے تو) اُن کا فضل جماد کو باخبر کر دیتا ہے جیسا اوپر بیان ہوا اور (جب صفات جلالیہ کا ظہور ہوتا ہے اُسوقت) بڑے بڑے عقلاء و اہل علم کو اُن کا قہر اندھا کر دیتا ہے (کہ امر حق اُنکو نظر نہیں آتا جیسا بلعم و ابلیس وغیرہما)

ف۔ ان اشعار میں اشارہ بلکہ تصریح ہے کہ عالم مظہر ذات و صفات الٰہی ہے جس کا حاصل یہ ہے کہ ذات مخلوقات جو کسی صفت خواہ وجود یا علم و قدرت یا غیرہ الک کے ساتھ موصوف ہوتی ہے اس اتصاف میں ذات و صفات الٰہی واسطہ ہے پس اتصاف حق بصفات قدیمہ واسطہ ہوا اور اتصاف خلق بصفات حادثہ ذی واسطہ ہوا اب سمجھو کہ ایک شئی کا دوسری شئے کیلئے کسی صفت میں واسطہ ہونا اسکی تین صورتیں ہوتی ہیں ایک تو یہ کہ اُس صفت کیساتھ حقیقۃً و بالذات واسطہ ہی موصوف ہو اور ذی واسطہ میں وہ صفت اصلاً نہ ہو مگر چونکہ اُس واسطہ کیساتھ اس ذی واسطہ کو ایک قسم کا تعلق اور تلبس ہے اسلئے مجازاً اُس کی طرف بھی اُس صفت کو منسوب کر دیتے ہیں پس حقیقۃً اتصاف صرف واسطہ کو ہوتا ہے اور مجازاً ذی واسطہ کو جس طرح کشتی واسطہ ہے کشتی نشین کے لئے صفت حرکت میں کہ یہاں حرکت کیساتھ صرف واسطہ یعنی کشتی موصوف ہے اور ذی واسطہ یعنی کشتی نشین مجازاً جس کا حاصل یہ ہے کہ کشتی نشین کو مطلق حرکت نہیں ہوتی مگر تلبس اور تعلق کی وجہ سے اسکو بھی متحرک کہنے لگے اس کا نام واسطہ فی العروض ہے۔ دوسری صورت اسکا عکس یعنی وہ صفت ذی واسطہ میں پائی جاوے اور واسطہ میں اصلاً نہ ہو بلکہ وہ ذی واسطہ کو موصوف کر دینے میں سفیر محض ہو جیسے کپڑے کے رنگین ہونے میں صباغ واسطہ ہے کہ یہ صفت رنگین ہونیکی صرف ذی واسطہ یعنی کپڑے میں پائی جاتی ہے چنانچہ اُسی کو رنگین کہتے ہیں اور واسطہ یعنی صباغ میں

یہ صفت مطلقاً نہیں پائی جاتی چنانچہ اُسکو نہیں کہا جاتا کہ وہ رنگین ہوگیا بلکہ محض کپڑے کے رنگین ہونے میں سفیر محض ہے اس کا یہ مطلب نہیں کہ اُس میں رنگینی کی صفت اصلاً نہیں ممکن ہے کہ وہ خود بھی کلیاً بعضاً اپنے کو اُس رنگ سے رنگین کرلے مطلب یہ ہے کہ جو صفت کپڑے میں ہے بعینہ اسکے ساتھ صباغ موصوف نہیں گو مستقل طور سے ایسی ہی صفت اُس میں بھی پائی جاوے اسکا ثبوت مستقل دلیل سے ہوگا اور یہ رنگینی کپڑے کی اُس رنگینی رنگریز کیلئے مستلزم و دلیل نہ ہوگی اسکو واسطہ فی الاثبات کہتے ہیں تیسری صورت یہ کہ وہ صفت واسطہ اور ذی واسطہ دونوں میں حقیقۃً پائی جاوے لیکن واسطہ میں پایا جانا علت ہو اور ذی واسطہ میں پایا جانا معلول ہو پس اتصاف واسطہ کا اوّلاً ہوگا اور اتصاف ذی واسطہ کا ثانیاً ہوگا جیسے قفل کھولتے وقت کنجی کو گھماتے ہیں تو ہاتھ واسطہ ہے حرکت میں اور کنجی ذی واسطہ، حرکت دونوں کے ساتھ حقیقۃً قائم ہے مگر جنبش ہاتھ کی علت ہے اور جنبش کلید کی معلول اسکو واسطہ فی الثبوت کہتے ہیں پس واسطہ فی العروض و فی الاثبات میں صفت ایک ہی ہے دوسری صفت موجود ہی نہیں اور واسطہ فی الثبوت میں خود صفتیں دو ہیں جب یہ تمہید سمجھ میں آگئی تو جاننا چاہئے کہ حق تعالیٰ کا واسطہ ہونا مخلوقات کیلئے اُن کے صفات میں یعنی فی العروض و فی الثبوت تو ہو نہیں سکتا فی العروض تو اسلئے کہ اُس میں لازم آتا ہے کہ مخلوقات میں جتنی صفتیں ہیں وہ سب حقیقت میں حق تعالیٰ ہی کی صفتیں ہیں اور مخلوق کی طرف محض مجازاً اُن کی نسبت ہے اس لازم میں دو خرابیاں ہیں۔ اوّل یہ کہ بعض صفات مخلوق میں ذمیم اور موجب منقصت ہیں جن سے تنزیہ حق تعالیٰ کی واجب اور منصوص ہے اور دوسرے یہ کہ نصوص میں جابجا صفات حمیدہ و ذمیمہ ہر دو کو مخلوقات کی طرف مسند و منسوب کیا ہے اور اسناد میں اصل حقیقت ہے جب اس لازم میں دو خرابیاں ہوئیں تو یہ باطل ٹھہرا جب لازم باطل ہوا تو ملزوم یعنی واسطہ فی العروض ہونا بھی باطل ٹھہرا البتہ اگر ان خرابیوں کے جواب میں یہ کہا جاوے کہ جو صفات مخلوق میں ذمیم ہیں وہ ان مخلوقات کے فساد استعداد کی وجہ سے ہیں ورنہ اصل اور واسطہ ان کا بھی صفات جمیلہ الٰہیہ ہیں مثلاً حق تعالیٰ کی صفت قابض نے بشر کے ساتھ تعلق فرمایا جنکی استعداد صالح تھی وہ قابض بالحق ہوئے کہ اپنے حقوق پر اکتفا کرتے ہیں اور جنکی استعداد فاسد تھی وہ قابض بالباطل ہوئے کہ غصب و سرقہ کرنے لگے جس طرح آفتاب کا نور کہ امر وحدانی بسیط ہے مختلف آئینوں کے ساتھ یکساں

متعلق ہوا کہ سرخ آئینہ میں وہ نور سرخ ہوگیا۔ زرد میں زرد۔ وعلی ہذا القیاس اور اس میں
کوئی خرابی یقینی نہیں یہ تو خرابی اول کا جواب دیا جاوے اور خرابی دوم کی نسبت یہ کہا جاوے کہ
یہ مسئلہ کشفی ہے جب اسناد کے غیر حقیقی ہونے پر دلیل قائم ہے تو اس اسناد کو مجازی کہا جاویگا
اس تاویل پر البتہ واسطہ فی العروض کی گنجائش نکل آویگی اور مدار اسکے ثبوت کا کشف ہوگا چنانچہ
بہت حضرات کی تقریر سے یہ مضمون مستفاد ہوتا ہے اور مولانا کے ان اشعار سے بھی ظاہراً یہی
معلوم ہوتا ہے مگر اس میں تین احتیاطیں ضروری ہیں اول یہ کہ اسکو مثل عقائد منصوصہ کے داخل عقائد
نہ کیا جاوے احتمال اسکے غیر صحیح ہونیکا بھی رکھا جاوے۔ دوسرے یہ نہ سمجھے کہ مخلوقات میں
جسقدر اور جس حالت سے صفات وکمالات مشاہد ہوتے ہیں بس اللہ تعالیٰ میں کماً وکیفاً اسیقدر
ہیں اس سے زائد نہیں نعوذ باللہ منہ بلکہ دونوں میں تناہی ولاتناہی وکمال ونقصان کا بعید
تفاوت ہے۔ تیسرے تاویل مذکور چونکہ دقیق ہے اسلئے عوام کے روبرو اس کی تقریر نہ کرے اور جو خود
بھی تاویل سمجھ میں نہ آوے تو واسطہ فی العروض کو بالکل غلط سمجھے کہ کیونکہ بالمعنی المتبادر واقع میں وہ
غلط ہے اور واسطہ فی الثبوت ہونا اسلئے صحیح نہیں کہ اول تو اس میں وہی خرابی لازم آتی ہے کہ جتنی
صفات اچھی یا بری مخلوقات میں حقیقۃً موجود ہیں وہ سب حقیقۃً نعوذ باللہ باری تعالیٰ میں
بھی پائی جاویں جسکا بطلان ابھی بیان ہوچکا اور اگر تاویل مذکور سے اسکی اصلاح بھی کرلیجاوے
تو دوسری خرابی یہ لازم آتی ہے کہ علت سے تخلف معلول کا محال ہے اور صفات باری تعالیٰ کی قدیم
ہیں پس اگر وہ علت صفات خلق کی ہونگی تو صفات خلق کا قدیم ہونا لازم آویگا اور یہ عقلاً ونقلاً محال
ہے جیسا کتب کلامیہ میں مذکور ہے جب دونوں صورتیں واسطہ کی باطل ہوئیں اور واسطہ ہونا یقینی
ورنہ استغنار ممکن کا واجب سے لازم آویگا پس واسطہ فی الاثبات کا حق ہونا متعین ہوگیا یعنی
باری تعالیٰ اپنی قدرت وارادے سے مخلوق کو جو صفت چاہیں عطا فرماویں اور اللہ تعالیٰ بعینہ
ان صفات سے منزہ ہیں ان کی صفات مستقل دلائل عقلی ونقلی سے ثابت ہیں اور ان صفات حادثہ
کو ان صفات قدیمہ سے بجز مشارکت لفظی کے (وہ بھی بعض میں) کوئی مناسبت ومشارکت و
مشابہت نہیں ؎ چہ نسبت خاک را با عالم پاک۔ اس صورت میں مظہریت عالم کا یہ
معنی ہے کہ جس طرح مصنوع دلالت کرتا ہے وجود صانع پر اور مکتوب دلالت کرتا ہے وجود کاتب

اور ظاہر ہے کہ دلیل سے مدلول کا علم و ظہور ہوتا ہی ہے اور یہ مظہریت تمام اجزاء عالم کیلئے عام ہے مگر بعض مخلوقات جن کی بعض صفات اسماء و رسماً مناسب صفات حق تعالیٰ کے ہیں اُن میں ایک ایسی مظہریت اور زائد ہے جیسی مثال مظہر و موجب وضوح ہوتی ہے ذی مثال کیلئے ان میں سے چونکہ انسان کو سب سے زیادہ مناسبت ہے اسلئے عارفین اُسکو مظہر جامع و اتم کہتے ہیں یعنی باضافہ دوسری مخلوقات نہ بذاتہ باعتبار کمال فی نفسہ اس بناء پر ان اشعار میں بھی بعض اشیاء میں مظہریت زائدہ متحقق ہے اور واسطہ فی العروض و واسطہ فی الثبوت میں ذی واسطہ کا مظہر صفت واسطہ ہونا اظہر ہے۔ اور مولانا کا یہ شعر ؎ آن جواد ے کو جماد ے را بداد الخ فی الاثبات میں صریح ہے اور اُسکے اوپر کے اشعار جو ظاہراً (بشرط تاویل مذکور) مشعر واسطہ فی العروض کے ہیں واسطہ فی الاثبات کی طرف اس طرح راجع ہو سکتے ہیں کہ ابر و بحر و ارض میں ان صفات کے ثابت ہونیکے لئے قدرت و ارادہ تو واسطہ ضرور ہے اور صفات باری تعالیٰ متلازم ہیں اس معنی کر آن کا جود و کرم و عدل وغیرہ سب واسطہ ہوگیا یہ ضرور نہیں کہ ان مخلوقات کا جود و کرم و عدل ہی بعینہ وہاں موجود ہے گو واسطہ فی العروض ماننے پر جماد ے را بداد میں تاویل متعلق افاضہ کی گو بضمن فی العروض سہی ہو سکتی ہے۔ یہ تحقیق ہے مسئلہ مظہریت کی جو کہ ایک عنوان ہے تقریر مسئلہ توحید کا اور علاوہ اسکے چند عنوان اس مسئلہ توحید کے اور ہیں۔ عینیت۔ غیریت۔ وحدۃ الوجود۔ اتحاد وجود۔ توحید ذاتی۔ صفاتی و افعالی چنانچہ بفضلہ تعالیٰ ان پانچوں عنوانوں کی اپنے اپنے مواقع پر تحقیق گذر چکی۔ والحمد للہ علی ذٰلک حمداً کثیرا۔ اور باقی تقریرات یا اُسی طرف راجع ہیں اُن میں سے تنزلات ستہ کی تقریر بھی ہے جس کا حاصل مظہریت ہے اور یا محض امثلہ و تشبیہات ہیں۔

ضمیمہ۔ اس مضمون پر ایک سوال و جواب ترجیح الراجح سے نقل کیا جاتا ہے وہ یہ ہے۔

سوال۔ میں نے آپکی مصنفہ کتاب کلید مثنوی جلد اول صفحہ ۱ سے ایک رسالہ کی تدریس میں امداد لی تھی۔ کتاب مذکور کے صفحہ ۱۰ پر آپ نے (واسطہ) کے اقسام معہ تعریفات اور امثلہ ذکر فرمائے ہیں۔ میں نے اُس عبارت کو بعینہا نقل کیا ایک صاحب فرماتے ہیں کہ تعریف واسطہ فی الاثبات کی اصطلاحاً غلط ہے بلکہ جسکو کلید میں واسطہ فی الاثبات کہا گیا ہے وہ دراصل

واسطہ فی الثبوت کا قسم اول ہے حسب اصطلاح مناطقہ اور جسے کلید میں واسطہ فی الثبوت مقابل کیا گیا ہے وہ حقیقت میں واسطہ فی الثبوت کا ایک دوسرا قسم ہے۔ رہا واسطہ فی الاثبات وہ نام ہے حد اوسط کا دوسرے الفاظ میں بیان انی کا) عبد العلی حاشیہ میرزاہد ملا جلال بحث عرض ذاتی وغیرہ میں اسی قائل کے خیالات کی تصریح بھی ملتی ہے آپ جواسپی مطلع فرمائیں کہ یہ کیا راز ہے آیا یہ کاتب کی غلطی ہے یا آپ نے کوئی نئی اصطلاح ٹھیرائی ہے۔ قائل مذکور کے جواب کیلئے میں آپ کے جواب کا انتظار کروں گا۔

جواب۔ یہ کاتب کی تو غلطی نہیں ہے عبارت میری ہی ہے اور اس وقت میرے ذہن میں دو لفظ اصطلاحیں تھیں واسطہ فی الثبوت قسم اول اور واسطہ فی الاثبات۔ اول اصطلاح کو بوجہ تطویل عبارت کے قصداً ترک کردیا تھا مگر یہ اسوقت یاد نہیں آیا کہ یہ اصطلاح ذہن میں کہاں سے حاضر ہوگئی تھی یا کہ ذہن کا خلط تھا اگر کسی ماہر فن معقول سے تحقیق ہوجاوے کہ یہ بھی ایک اصطلاح ہے تو جواب ظاہر ہے ورنہ میں رجوع کرتا ہوں اور مشورہ دیتا ہوں کہ اسپر ایک حاشیہ لکھدیا جائے کہ مراد اس سے واسطہ فی الثبوت قسم اول ہے۔ یہ تعبیر باقرار مؤلف اس کے ذہن کا خلط ہے ۲۷ جمادی الاولیٰ ۱۳۳۹ھ۔

چھپنویں حکمت معنی قرب فرائض و قرب نوافل

جاننا چاہیئے کہ جب بندہ ریاضت و مجاہدہ کرتا ہے تو اُسکے صفات رذیلہ دواعی شہوت و غضب زائل ہوجاتے ہیں اور اُسکے نفس میں ایک ملکہ راسخہ حب مرضیات حق و بغض نامرضیات حق کا پیدا ہوجاتا ہے جس سے بلا تکلف اعمال حسنہ و افعال محمودہ صادر ہوتے ہیں اور اعمال قبیحہ و افعال ذمیمہ قریب قریب معدوم ہوجاتے ہیں ایسے شخص کی نسبت حدیث میں آیا ہے فاذا احببتہ کنت سمعہ الذی یسمع بہ و بصرہ الذی یبصر بہ و یدہ التی یبطش بھا و رجلہ التی یمشی بھا۔ رواہ البخاری عن ابی ھریرۃ رضؓ یعنی اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ میں اُسکے کان اور آنکھ اور ہاتھ پاؤں بنجاتا ہوں اسکے ظاہری معنی مراد نہیں ہیں کہ عقلاً و شرعاً محال ہے بلکہ یہ ہے کہ چونکہ اُسکے اعضاء و جوارح سے سب افعال میری مرضی کے موافق سرزد ہوتے ہیں۔

پس گویا میں ہی اسکے اعضا بنجاتا ہوں۔ پس کلام تشبیہ وتمثیل پر محمول ہے چونکہ مجازاً اس حدیث میں حق تعالیٰ کو آلہ اور عبد کو فاعل کہا گیا ہے کہ سمع وبصر وغیرہ کی اسناد عبد کی طرف ہے صوفیہ کرام نے اسی اطلاق کا اتباع کرکے یہ عنوان مقرر کیا ہے کہ بندہ فاعل اور حق تعالیٰ آلہ ہوجاوے اور چونکہ حدیث میں اس مرتبہ کا حصول تکثیر نوافل پر دارد ہے چنانچہ حدیث مذکور میں عبارت مذکورہ سے پہلے یہ جملہ ہے وما یزال عبدی یتقرب الیّ بالنوافل حتی احببتہ فاذا احببتہ الخ اور مجاہدہ وریاضت میں تکثیر نوافل لازم ہے خواہ نماز ہو یا روزہ یا کثرت مراقبات یا تقلیل شہوات اسلئے صوفیہ اتباعاً للحدیث اس مرتبہ کو قرب نوافل کہتے ہیں اور چونکہ اسمیں صفات وافعال رذیلہ کا ازالہ ہوا ہی اسلئے فنا رصفات سے بھی تعبیر کرتے ہیں۔ دوسرا قرب اعلیٰ درجہ کا ہے یعنی عبد کی ہستی ایسی مضمحل ہوجاوے کہ اپنی کو قدرت و ارادہ حق کے روبرو ذوقی طور پر کالفانی وکالعدم جاننے لگے اور افعال و اعمال میں بمنزلہ آلہ محضہ کے ہوجاوے اور حق تعالیٰ کی مؤثریت مستقلہ پیش نظر ہوجاوے اس مرتبہ کو اس عنوان سے تعبیر کرتے ہیں کہ حق فاعل ہوجاوے اور عبد آلہ بنجاوے اور چونکہ یہ اوّل سے اعلیٰ ہے کیونکہ اوّل میں صرف فنائے رذائل تھا فنائے اختیار نہ تھا اور اس میں فنائے اختیار ہے اسلئے اس سے اعلیٰ ہوا اور حدیث میں تقرّب بالفرائض کو مقرب بالنوافل سے اعلیٰ وافضل کہا گیا ہے چنانچہ اسی حدیث کا سب سے اوّل جزو یہ ہے وما تقرب الی عبدی بشیٔ احب الی مما افترضت علیہ اسلئے موافقۃ للحدیث صوفیہ اسکو قرب فرائض کہتے ہیں اور چونکہ اس میں سالک کو اپنی صفات ذاتیہ قدرت واختیار پر بھی نظر نہیں رہتی اسلئے اسکو فنائے ذات سے بھی تعبیر کرتے ہیں۔

ستاونویں حکمۃ حل بعضے اشعار آں دم کہ گفتم با خلیل الخ

یہ اشعار مثنوی شریف دفتر اوّل کے نصف کے قریب سرخی شنیدن آں طوطی حرکت آں طوطی ومردن وا نوحہ خواجہ بروی" کے نیچے ۳۷ شعر کے بعد ہیں

قافیہ اندیشم و دلدار من	گویدم مندیش جز دیدار من
خوش نشیں ای قافیہ اندیش من	قافیہ دولت توئی در پیش من

حرف چہ بود تا تو اندیشی ازاں — صوت چہ بود خار دیوار رزاں

حرف و صوت و گفت را برہم زنم — تا کہ بے ایں ہر سہ با تو دم زنم

آں دمے کز آدمش کردم نہاں — با تو گویم اے تو اسرار جہاں

آں دمے را کہ نہ گفتم با خلیل — واں دمے را کہ نداند جبرئیل

آں دمے کز دمے مسیحا دم نزد — حق ز غیرت نیز بے ما ہم نزد

ما چہ باشد در لغت اثبات و نفی — من نہ اثباتم منم بے ذات و نفی

من کسے در ناکسے دریافتم — پس کسے در ناکسے در تافتم

رزاں جمع رز انگور۔ دیوار رزاں کہ بہندی آنرا ٹٹی گویند۔ ما در بے ما ہم نزد کلمہ عربیہ یعنی نفی مراد فنا۔ نفی در بے ذات عطف تفسیری و نفی معطوف بر بے ذات۔ ان اشعار میں بھی غلبہ حالت عشق کی وجہ سے اپنی خاموشی و بستہ ذہنی کو دوسرے عنوان سے بیان فرماتے ہیں کہ) میں قافیہ سوچتا ہوں (تاکہ تکلم کروں) اور میرا دلدار مجھکو کہتا ہے کہ تجھکو بجز میرے دیدار (یعنی توحید صفاتی و ذاتی) کے کچھ سوچنا نہ چاہئے (یعنی مجھکو غلبہ حال عشق میں الہام ہوا کہ اسی حال میں مشغول رہ اور قال کو اسوقت ترک کر) تو آرام سے بیٹھ اے قافیہ سوچنے والے میرے نزدیک تو ہی قافیۂ دولت ہے (پس بجائے قافیہ کے اپنے حال میں کہ توحید مذکور ہے مشغول رہنا زیادہ بہتر ہے۔ یہ سب مقولہ محبوب کا ہے) حرف کیا چیز ہے کہ تو اسکو سوچتا ہے اور صوت (یعنی لفظ) کیا چیز ہے محض دیوار انگور کا خار ہے (یعنی انگور کی ٹٹیوں کے چہار طرف جو حفاظت کیلئے کانٹے لگا دیتے ہیں وہ جس طرح انگور تک رسائی ہونیکے حجاب ہیں اسی طرح غلبہ حال کے وقت الفاظ و عبارات کی طرف التفات کرنا حجاب مقصود خاص کا ہے اور اسمیں اشارہ ہے کہ جسوقت کوئی حالت محمودہ غالب ہو اسوقت دوسری طرف ملتفت ہونا نہ چاہئے) میں حرف و صوت و قال کو درہم برہم کئے دیتا ہوں تاکہ بلا واسطہ انکے تجھ سے باتیں کروں (یعنی افاضۂ اسرار و علوم بلا واسطۂ الفاظ ہوگا) جس بات کو میں نے حضرت آدم علیہ السلام سے مخفی رکھا تھا

وہ بات تجھے کہے دیتا ہوں اور جو بات میں نے حضرت خلیل اللہ علیہ السلام سے نہیں کہی اور جس بات کو حضرت جبرئیل علیہ السلام بھی نہیں جانتے اور جس بات کو حضرت مسیح علیہ السلام نے بھی کبھی نہیں فرمایا اور غیرت (اخفاء اسرار) کی وجہ سے اسکو حق تعالیٰ نے (ہم سے بھی) بدون نفی و فنا کے نہیں ظاہر فرمایا (اور لفظ ما جو بیچ میں آیا ہے اس سے مراد نفی ہے نہ اثبات کیونکہ ما۔ لغت (عربیہ) میں اثبات و نفی دونوں کیلئے ہے (چنانچہ موصولہ اثبات کیلئے ہے اور نافیہ نفی کے لئے) اگر میں صاحب اثبات نہیں جس بلکہ معدوم الذات اور منفی محض ہوں (یعنی مقام فنا میں ہوں کہ تشبیہاً اسکو عدم ذات اور نفی کہدیا اب مقام فنا کی شرح فرماتے ہیں کہ) میں نے کس ہو (یعنی ہستی و بقا) ناکس ہونے میں (یعنی نیستی و فنا میں) پایا اسلئے ہستی کو نیستی میں کھپا دیا **ف** جاننا چاہئے کہ حضرات انبیاء علیہم السلام کو اوّلاً اور اولیائے کرام کو تبعًا دو قسم کے علوم عطا ہوئے ہیں۔ علوم نبوت یعنی شرائع و احکام ظاہرہ و باطنہ اور علوم ولایت یعنی مواجید و اذواق اور جسطرح علوم نبوت سب انبیاء کے جُداجُدا ہیں اسی طرح علوم ولایت بھی الگ الگ ہیں پس ہر امت بھی ان علوم ولایت میں دوسری امتوں سے ممتاز ہوگی۔ اب سمجھنا چاہئے کہ جسکی نسبت ان اشعار میں کہا گیا ہے کہ وہ علوم نہ آدم کو معلوم نہ خلیل کو نہ جبرئیل کو علیہم الصلوٰۃ والسلام مراد اس سے علوم نبوت نہیں ہیں دو وجہ سے اول ان علوم میں حضرت جبرئیل علیہ السلام واسطہ ہیں انکو نہ معلوم ہونیکی کوئی وجہ نہیں۔ دوسرے انکے حصول کیلئے مقام فنا رشرط نہیں کہ وہ جمیع عوام و خواص کو عام ہیں پس یہ کہنا بے معنی ہوگا ؎ حق زغیرت نیز بے ماہم نزد + اور وہ علوم محل غیرت بھی نہیں بلکہ ان کا اظہار و اشاعت مقصود ہے بلکہ مراد اس سے علوم ولایت ہیں اور چونکہ اوپر معلوم ہو چکا ہے کہ ہر نبی کے علوم ولایت جدا ہیں اسلئے یہ کہنا مستبعد نہیں کہ جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو بعض ایسے مواجید و اذواق عطا ہوئے ہوں کہ انبیائے سابقین کو نہ عطا ہوئے ہوں اسی واسطے چونکہ ان علوم کے افاضہ میں ملائکہ کا توسط ضروری نہیں اسلئے ممکن ہے کہ حضرت جبرئیل علیہ السلام کو بھی اُن کی اطلاع نہ ہوئی ہو تو اصل میں یہ مواجید خاصہ حضور صلے اللہ علیہ وسلم پر فائض ہوئے پھر تبعًا و تطفلاً آپکے اولیائے امت کو عطا ہو جاویں پس اس سے یہ لازم نہیں آتا کہ اولیائے اُمت محمدیہ علوم میں انبیاء و ملائکہ سے بڑھ جاویں کیونکہ یہ بڑھنا حضور صلے اللہ علیہ وسلم کے لئے ہوا ہے اور امت خود تابع ہے تو کمالات امت گو ظاہراً منسوب الی الامۃ ہیں مگر وہ واقع میں کمالات نبی ہیں پس امت کی فضیلت کسیطرح لازم نہیں آتی اگر آئینہ میں

آفتاب کا انعکاس ہو جاوے تو آئینہ قدر و منزلت میں ماہتاب پر فضیلت نہیں حاصل کر سکتا اور چونکہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام بوجہ آپکی امت میں داخل ہونے کے ان مواجید سے مشرف ہوگئے عجب نہیں کہ اسی لئے آپ کی نسبت نگفتم یا بذاندنہ کہا ہو بلکہ دم نزد کہا گیا یعنی ابھی انھوں نے اسکو ظاہر نہیں فرمایا گو انکو عطا ہوا ہو یا عطا ہو جاوے اور چونکہ یہ مواجید ثمرہ فنا و اضمحلال وجود کا ہے اسلئے لب ما ہم نزد فرمایا اور ہرچند کہ اس مصرعہ میں یہ نہیں ظاہر کیا کہ بدون نفی کے کسی نے نہیں کہا مگر شعر آئندہ میں منم بے ذات و نفی قرینہ ہے کہ مراد یہ ہے کہ بدون نفی کے ہمسے نہیں کہا۔

اٹھاونویں حکمۃ حل بعضے اشکال متعلق فوت صلوٰۃ لیلۃ التعریس

سوال مولانا رومی رح پیر چنگی کے قصّے کے درمیان فرماتے ہیں ؎

مصطفٰے بیخویش شد زاں خوب صوت | شد نمازش در شب تعریس فوت
در شب تعریس پیش آں عروس | یافت جان پاک ایشاں دستبوس

اسکی شرح بعض شراح نے اس طرح کی ہے کہ رسول اکرم صلے اللہ علیہ وسلم حضرت بلال رض کی ندمی آواز اذان سے (کیونکہ بظاہر اُسوقت اذان تھی نہیں) بیہوش اور مستغرق مشاہدۂ تجلیات الٰہی میں ہوگئے کیونکہ انکی آواز آواز ذات حق نفخہ الٰہی تھی جیسا کہ گذشتہ اشعار سے مفہوم و متصور ہوتا ہے اور بظاہر شعر کے معنی یہی ہیں اور جہانتک حدیث سے معلوم ہوتا ہے وہ یہی ہے کہ یہ وجہ آپ کی غفلت کی نہ تھی بلکہ فی الواقع نوم تھی کیونکہ سرور کائنات صلے اللہ علیہ وسلم کا قبل از خواب شریف بلال رض کو واسطے بیدار کرنیکے تنبیہ کرنا اور بعد نماز فوت ہونیکے فرمانا کہ بلال کو شیطان نے خواب میں ڈالا اور یہ وادی وادی شیطان ہے جلدی بڑھو۔ آگے چلکر نماز قضا پڑھیں گے اس گذشتہ وجہ اور ظاہر مطلب شعر کے بالکل منافی ہے کیونکہ آپ کی واقعی حالت استغراقی تھی تو پھر آپکے اس ارشاد عالی کی (کہ ہمکو بیدار کرنا جو خاص نوم پر دال ہے) کیا معنی اور بلال رض کا اُس جواب کا (کہ یا حضرت مجھپر بھی وہی خواب غالب آگئی تھی جو آپ پر تھی) کیا مطلب غرض جملہ الفاظ حدیث کے انضباط و تعلق سے یہی معلوم ہوا کہ واقعی آپ پر نوم غالب تھی۔ نیز آپ پر تو اکثر تجلیات الٰہی کا نزول و مشاہدات حق کا ہجوم رہتا تھا کبھی ایسا نہ ہوا کہ آپ کی نماز قضا ہوگئی ہو اسوقت کی کیا خصوصیت تھی علاوہ ازیں حالت نماز سے زیادہ کونسا وقت

قرب کا نہیں کہ جسکے بارے میں الصلوٰۃ معراج المؤمنین ارشاد ہے چاہیئے کہ اس میں زیادہ حالت استغراق ہو۔ یہاں تک کہ محو ذات حق ہو کر رکوع و سجود کی بھی اصلا خبر نہ ہے یعنی اگر قیام کی حالت میں استغراق حالت کو عروج ہوا تو قیام ہی میں رہے رکوع کی نوبت ہی نہ آوے اگر حالت رکوع میں یہ حالت طاری ہوئی تو قعود تک نہ پہونچ سکے علیٰ ہذا اگر کبھی حضرت سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم پر یہ مرتفع نہیں گنا قطع نظر ان سب کے جو کچھ بھی معنی لئے جاویں خواہ حالت استغراق مراد لیں یا کیفیت نزمی تو پھر آپکے اس ارشاد تنام عینای ولا ینام قلبی کے کیا معنی اگرچہ بعض شروح میں بعض اعتراضات کے جواب مرقوم ہیں مگر لائق تشفی نہیں بلکہ مزید برآں انواع انواع کے شبہات جاگزیں ہوتے ہیں حضور پر نور خوب حدیث شریف کے ظاہری و باطنی مطلب اور مولانا کے اشعار کے مدعا سے مطلع فرمائیں۔

جواب۔ اوّل چند امور بطور مقدمات عرض کرتا ہوں کہ فہم مطلب میں سہولت ہو۔

امر اوّل۔ جو امر کہ نص میں مسکوت عنہ ہو اس کا دعویٰ کرنا کسی قرینہ سے نص کی مخالفت نہیں البتہ امر مثبت فی النص کی نفی یا منفی فی النص کا اثبات یہ مخالفت نص کی ہے۔

امر دوم۔ جو واقعہ وجوہ مختلفہ کو محتمل ہو اور اسکی وجہ منقول نہ کسی دلیل ظنی سے اسکی تعیین کرنا کچھ مضائقہ نہیں جیسا فلاسفہ مورخین نے ظن سے ہر واقعہ کے اسباب اور علل نکالے ہیں۔

امر سوم۔ اتحاد اثر سے اتحاد سبب ضروری نہیں اسی طرح اتحاد سبب سے اتحاد سبب السبب ضروری نہیں۔

امر چہارم۔ کاملین کو استغراق دائمی نہیں ہوتا۔

امر پنجم۔ کسی شے کا محمود ہونا اسکے مقصود ہونے کو مقتضی نہیں۔

امر ششم۔ اشعار میں بہت سی لفظی شاعری رعایتیں بھی ہوتی ہیں۔

امر ہفتم۔ کسی حاسہ کے تعطل سے اسکے مدرکات کا ادراک نہیں ہوتا۔

بعد تمہید ان مقدمات کے سننا چاہیئے کہ مولانا نے اوّل اذان بلال رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا ندائے حق سے ناشی ہونا بیان کیا ہے اس شعر میں ؎ زاں دمے الخ اسکے بعد دو شعروں میں اُس ندائے حق کا اثر بیان فرماتے ہیں کہ آپ اُس کے اثر سے بیخود و مستغرق ہو گئے اور استغراق میں نماز قضا ہو گئی تو شب التعریس میں اُس محبوب مطلق یعنی ذات حق کے روبرو آپکی روح بحیثیت استغراق حاضر تھی الخ یہاں مولانا نے استغراق کو سبب فوت صلوٰۃ کا ٹھہرایا اور حدیث میں اس کی وجہ نوم آئی ہے مگر نوم کہ

ممکن ہے کہ نوم کے بعد یہ استغراق ہوگیا ہو لہذا کچھ تعارض نہیں رہا اب یہ کہ طول نوم کی کیا وجہ تھی سو نوم بلال رضہ وغیرہ کا سبب مجیئ شیطان ہونے سے یہ لازم نہیں کہ آپکے نوم کی وجہ بھی یہی ہو بلکہ ممکن ہے کہ وہ استغراق ہو کیونکہ اتحادِ اثر سے اتحاد سبب ضروری نہیں (بحکم مقدمۂ سوم) اور ہر چند کہ حدیث میں استغراق کا سبب ہونا مذکور نہیں مگر اُس کی نفی بھی نہیں تو اگر اُسکے سببیت کا دعوی کیا جاوے تو حدیث کی مخالفت نہیں (بحکم مقدمۂ اوّل) اور چونکہ آپ کی شان پاک کے مناسب یہی وجہ ہے اسلئے دوسری وجوہ محتملہ میں سے اسکو ترجیح دینا مناسب ہے (بحکم مقدمۂ دوم) اور مولانا نے صرف استغراق کا اثر مذا ہونا بیان کیا ہے جو کسی درجہ میں محمود ہے اُس کا افضل بیان کرنا مقصود نہیں تاکہ یہ شبہ ہو کہ اگر استغراق میں یہ فضیلت ہے تو نماز کیوں فوت ہوئی کیونکہ محمودیت مستلزم مقصودیت نہیں (بحکم مقدمۂ پنجم) اور چونکہ استغراق دائمی نہیں ہوتا اسلئے دوسرے حالات کے اعتبار سے شبہ نہیں ہو سکتا (بحکم مقدمۂ چہارم) اور لفظ عرس صرف رعایتِ لفظی ہے نہ بیان۔ اشتقاق تاکہ مخالفت لغت کا شبہ ہو (بحکم مقدمۂ ششم) اور وقت مبصرات سے ہے اور نوم عین سے کہ مثل کعاس کے ہے حاسہ بصر معطل اور قوتِ التفات مختل ہو جاتی ہے لہذا اُس کا ادراک نہ ہوا (بحکم مقدمۂ ہفتم) انتہی۔

انسٹھویں [59] حکمۃ تحقیق الفاظ و معنی لوزاد یقینہ لمشی علی الھواء (ای عیسٰی علیہ السلام)

اشعار ذیل مثنوی شریف دفتر ششم کے ثلث کے قریب ہیں۔

در بیان آنکہ مصطفٰی صلی اللہ علیہ وعلی آلہ وسلم چون شنید کہ عیسٰی علیہ السلام بر روئے آب رفت فرمود لوزاد یقینہ لمشی علی الھواء

ہمچو عیسٰی بر سرش گیرد فرات	کا یمنی از غرقہ در آبِ حیات
گوید احمد گر یقینش افزون بُدے	خود ہوایش مرکب و ماموں شدے
ہمچو من کہ بر ہوا راکب شدم	در شبِ معراج مستصحب شدم

عیسیٰ علیہ السلام کی طرح (کہ وہ پانی پر چلتے تھے) اُس شخص (مذکور فی الشعر السابق) کو فُرات (مراد مطلق دریا) اپنے سر پر لے لیتا ہے (اور بزبان حال اس سے کہتا ہے) کہ تو محفوظ ہے غرق سے (اور) آب حیات میں (ہے تشبیہ عیسیٰ علیہ السلام کے ساتھ اشارہ ہے ایک قصّہ کی طرف کہ **ف** میں آتا ہے۔ آگے رفع استبعاد کرتے ہیں کہ پانی پر چلنا تو کیا بعید ہوتا) احمد (صلے اللہ علیہ وسلم تو یہ) فرماتے ہیں کہ اگر انکو یقین اور زیادہ حاصل ہو جاتا تو خود ہوا اُن کا مرکب اور صحرا (کہ محل قطع مسافت ہے) ہو جاتا۔ جیسا کہ میں ہوں کہ ہوا پر راکب ہوا (اور) شب معراج میں (ملائکہ سمٰوات کیساتھ) صحبت رکھنے والا ہوا (جو کہ سفر علی الھوار کے بعد واقع ہوا اور گو یہ سفر علی الھوار براق پر ہوا مگر یہ مشی علی الھوار بواسطہ بُراق بھی تو ایک خارق عادت اور دلیل کرامت عنداللہ ہے جو برکات یقین سے ہے اور گو عیسیٰ علیہ السلام کو بھی ایسا ہی سفر علی الھوار گو بواسطہ ملائکہ سہی اخیر عمر دنیا میں ہوا لیکن اس حکم میں کوئی اشکال نہیں معنی یہ ہیں کہ جس زمانہ میں پانی پر چلتے تھے اُسی وقت میں ہوا پر چلتے چنانچہ جب وہ مرتبہ یقین کا حاصل ہو گیا تو آسمانوں کی طرف مرفوع کر لئے گئے) **ف** اب بعد شرح اشعار کے اس قصّہ کی تحقیق اور اسکے متعلق بعض سوالات وجوابات ضروری ہیں تحقیق روایت فی الاحیاء کتاب الصبر والشکر والضاً کتاب التوکل قیل للنبی صلے اللہ علیہ وسلم ان عیسٰی علیہ السلام یقال انہ مشی علی الماء فقال لو ازداد یقینا لمشی علی الھواء اھ فی شرح الاحیاء للزبیدی۔ قال العراقی ھذا حدیث منکر لا یعرف ھکذا والمعروف ما رواہ ابن ابی الدنیا فی کتاب الیقین من قول بکر بن عبد اللہ المزنی قال فقد الحواریون نبیہم فقیل لہم توجہ نحو البحر فانطلقوا یطلبونہ فلما انتھوا الی البحر اذا ھو قد اقبل یمشی علی الماء فذکر حدیثا فیہ ان عیسٰی قال لو ان لابن ادم من الیقین قدر شعیرۃ مشی علی الماء قلت روی ابن ابی الدنیا ایضا وابن عساکر عن فضیل بن عیاض قال قیل لعیسی بن مریم بای شیء تمشی علی الماء قال بالایمان والیقین قالوا فانا امنا کما امنت وایقنا کما ایقنت قال فامشوا اذًا فمشوا معہ فجاء الموج فغرقوا فقال لہم عیسٰی مالکم فقالوا اخفنا الموج قال الا اخفتم رب الموج فاخرجہم اھ۔

حاصل عبارت مذکورہ کا یہ ہے کہ صاحب احیاء نے نقل کیا کہ نبی صلے اللہ علیہ وسلم سے ذکر کیا گیا

کہ عیسیٰ علیہ السلام پانی پر چلتے تھے آپ نے فرمایا کہ اگر ان کے یقین میں اور زیادہ ترقی ہوتی تو ہوا پر چلتے
شارح نے عراقی سے نقل کیا کہ یہ حدیث منکر ہے یعنی اسکے راوی غیر ثقہ نے ثقات کے خلاف
روایت کی ہے۔ معروف وہ روایت ہے جسکو ابن ابی الدنیا نے کتاب الیقین میں بکر بن عبداللہ مزنی کا
قول کرکے نقل کیا ہے کہ ایک بار حواریین نے اپنے پیغمبر کو نہ پایا کسی نے کہا کہ وہ دریا کی طرف گئے ہیں
یہ لوگ ان کو تلاش کرنے دریا کی طرف چلے جب دریا پر پہونچے تو دیکھتے کیا ہیں کہ وہ پانی پر چلے
ہوئے آرہے ہیں پھر ایک مضمون بیان کیا جسمیں یہ بھی ہے کہ عیسیٰ علیہ السلام نے فرمایا کہ اگر آدمی
کے پاس یقین میں سے ایک جَو کے برابر بھی ہو تو پانی پر چلنے لگے۔ شارح کہتے ہیں کہ نیز ابن ابی الدنیا
اور ابن عساکر نے فضیل بن عیاض سے نقل کیا کہ عیسیٰ علیہ السلام سے پوچھا گیا کہ آپ پانی پر
کس چیز کے ذریعے سے چلتے ہیں آپ نے فرمایا کہ ایمان اور یقین کے ذریعہ سے لوگوں نے کہا کہ ہیں
ہم بھی ایمان لائے ہیں جیسا آپ ایمان لائے ہیں اور ہم بھی یقین رکھتے ہیں جیسا آپ یقین رکھتے ہیں انھوں
نے فرمایا کہ بس چلو وہ انکے ساتھ چلے ایک موج آئی اور وہ سب غرق ہونے لگے عیسیٰ علیہ السلام نے
فرمایا کہ تمھاری کیا حالت ہے انھوں نے کہا کہ ہم موج سے ڈر گئے آپ نے فرمایا کہ تم رب موج سے
کیوں نہ ڈرے پھر آپ نے انکو نکالا۔ فقط۔ اس عبارت سے چند امور مستفاد ہوئے۔
(۱) یہ روایت اجیاری کہ حضور صلے اللہ علیہ وسلم نے عیسیٰ علیہ السلام کی نسبت یہ فرمایا کہ اگر انکو
زیادہ یقین ہوتا تو ہوا پر چلتے ثابت نہیں۔
(۲) خود عیسیٰ علیہ السلام نے اپنے ارشاد میں یقین کی تاثیر بیان فرمائی ہے کہ اس سے پانی پر
چل سکتے ہیں ایک روایت میں مطلق یقین کی اور ایک روایت میں اسکی قلت کی تصریح کے ساتھ بھی۔
(۳) ہوا پر چلنے کا مضمون کسی طرح سے بھی کسی روایت میں مذکور نہیں۔
(۴) رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم سے ان میں سے کوئی مضمون منقول نہیں بلکہ یہ حکایت بکر بن
عبداللہ و فضیل بن عیاض سے منقول ہے یہ تو مدلولات ہیں اس عبارت کے۔ آگے بعض سوال
و جواب اس مقام کے متعلق ہیں۔

سوال اوّل۔ کیا مولانا رح اور امام غزالی رح نے یہ روایت بے اصل لکھدی ہے۔

جواب۔ قصداً لکھنا محل اشکال ہوتا باقی بنا بر حسن ظن بالراوی کے ایسی لغزش بعید نہیں

اور یہ بھی ممکن ہے کہ ان حضرات کے پاس کوئی سند ہو جو اوروں کو نہ ملی ہو۔

سوال ۲ دوم - کیا یقین کیلئے لازم ہے کہ پانی پر بنا بر روایت ثابتہ کے یا ہوا پر بنا بر روایت متکلم فیہا کے چلنے پر قادر ہو اگر ایسا ہے تو جن حضرات کی عدم قدرت کی ہمارے پاس کوئی دلیل نہیں وہاں تو ہم انتفاء لازم سے انتفاء ملزوم کا اشکال نہیں کر سکتے گو اسکا وقوع نہ ہو کیونکہ نفی وقوع نفی قدرت کو مستلزم نہیں لیکن جنکی عدم قدرت ثابت ہے جیسے ہر مومن اپنی حالت سے اس کا علم رکھتا ہے یا جیسے امام اور مولانا کی روایت سے عدم قدرت عیسیٰ علیہ السلام کی مشی علی الهوا پر معلوم ہوتی ہے تو کیا ان مقامات پر بالخصوص عیسیٰ علیہ السلام کیلئے نعوذ باللہ یہ حکم کر دینگے کہ انکو یقین کے بعض مراتب حاصل نہ تھے۔

سوال ۳ سوم - یقین میں اور خوارق عادات میں کوئی وجہ علاقہ کی نہیں۔ یقین فی نفسہ ایک کمال مطلوب ہے خواہ خوارق کے ساتھ ہو یا بلا خوارق گو حضرات انبیاء علیہم السلام میں ان کا اقتران اسلئے ہو گیا کہ خوارق علامات ہیں نبوت کی لیکن تب بھی وہ خوارق ثمرہ ایمان و یقین کا نہیں اور غیر انبیاء میں تو خواہ ایمان کیسا ہی کامل ہو خود خوارق کا ہونا ہی ضرور نہیں۔ اکابر فن نے تصریح کی ہے کہ خارق کا مرتبہ ذکر لسانی سے بھی کم ہے غرض وہ اتنی بڑی چیز نہیں جیسا اس روایت سے معلوم ہوتا ہے کہ علامت ہو کمال ایقان کی۔ جواب ان دونوں سوالوں کا یہ ہے کہ یہاں یقین سے مراد ایمان و تصدیق شرعی نہیں جنکا متعلق ذات و صفات اور بعض افعال حق ہیں جنکے اعتقاد رکھنے کا شرع میں امر وارد ہے اور جو کہ کمال مطلوب ہے اور جسکے لئے خوارق ہونا ضروری نہیں اور جس سے خوارق کا کوئی تعلق نہیں بلکہ مراد یہاں یقین سے جزم کرنا ہے ان میں بعض خاص افعال حق کا جنکا تعلق حوادث یومیہ کے ساتھ ہے اور یہ ایک قسم ہے توکل کی مثلاً یہ کہ ہم زید پر غالب آوینگے اور مثلاً فلاں شخص اس بیماری میں نہ مریگا۔ اور مثلاً اگر ہم دریا میں گھس جاویں ہرگز نہ ڈوبیں گے اور مثلاً ہم ہوا میں معلق ہو کر فلاں مسافت قطع کر سکیں گے۔ پس اس یقین کے بعض احکام کا بیان کرنا مقصود ہے اور وہ حکم اثبات فضیلت نہیں بلکہ اس کی ایک خاصیت بیان کرنا ہے اور اسکی وہ خاصیت تجربہ اکثریہ سے ثابت اور منقول ہے کہ اگر کسی فعل ممکن کے وقوع کا خواہ وہ فعل عادۃً قریب ہو یا مستبعد ہو ایسا جزم ہو جاوے کہ اسکے خلاف جانب کا احتمال ہی ذہن میں نہ ہو تو عادۃ اللہ جاری ہے

کہ اسکو واقع کر دیتے ہیں گو کسی جگہ کسی خاص مانع کے سبب تخلف بھی ہو جاتا ہے۔ اور اس کے
لئے مقبولیت بھی شرط نہیں گو ایمان اور مقبولیت سے اس میں برکت بڑھ جاتی ہے وھو معنی
قول عیسیٰ علیہ السلام بالایمان والیقین اور نہ مقبولیت کیلئے ایسا جزم لازم ہے کیونکہ
اس جزم کا جو متعلق ہے یعنی حادث یومی وہ خود مطلوب شرعی نہیں اس تقریر سے ان دونوں سوالوں
کا جواب ہو گیا اور جس طرح اس میں مقبولیت شرط نہیں اسی طرح کمال مقبولیت کے منافی
بھی نہیں بظاہر شبہ ہوتا ہے کہ یہ جزم ایک قسم کی مغلوبیت ہے جو کمال نبوت سے بعید ہے
جواب یہ ہے کہ یہ ایسی مغلوبیت نہیں ہے جس میں قوی علمیہ و عملیہ میں ضعف و فتور واقع ہو
سے تجاوز ہو جاوے جیسے متوسطین سلوک کو ہو جاتا ہے۔

سوال چہارم۔ حضرت علی رضہ کا قول مشہور ہے لو کشف الغطاء ما ازددت یقینا
اس سے بظاہر معلوم ہوتا ہے کہ انکو یقین کے تمام مراتب حاصل تھے اور اوپر جیسے علیہ السلام
کیلئے بعض مراتب الیقین کا حاصل نہ ہونا سولانا اور امام کی روایت پر معلوم ہوتا ہے تو تفضیل علی کی
نبی پر لازم آئی اور یہ باطل ہے اور یہی لازم کافی دلیل تھی اس حدیث کے بطلان کی تو ان دونوں
بزرگوں کو اس پر تنبہ کیوں نہیں ہوا۔ جواب یہ ہے کہ اگر حضرت علی رضہ سے یہ قول ثابت ہو تو اس
میں یقین سے مراد ایمان ہے نہ کہ معنی مذکور بالا اور اسکا منتہی کمال کا یہ ہے کہ علم الیقین بمنزلہ عین
الیقین ہو جاوے سو اس میں مفضول ہونا عیسیٰ علیہ السلام کا لازم نہیں آتا بلکہ تمام انبیاء تمام اولیاء
سے اس میں افضل ہیں اور نفی زیادت سے یہ نہ سمجھنا چاہئے کہ اس میں مافوق مرتبہ ہی نہیں کیونکہ
منتہی سے آگے کوئی مرتبہ نہیں ہو سکتا پھر انبیاء کس میں افضل ہونگے جواب یہ ہے کہ مافوق کا وجود
تو یقینی ہے جو انبیاء کو حاصل ہے اور نفی زیادت کا مطلب یہ ہے کہ غیر نبی کی استعداد کے اعتبار
سے جو اخیر منتہی ہے وہ مجھکو اس وقت بھی حاصل ہے جیسے کسی خاص درجہ کی ڈگری حاصل کرنیوالے
کو ڈپٹی کلکٹری کا عہدہ ملتا ہو اور اسکے بھی درجات مختلف ہوں اور کسیکو اسکا منتہی حاصل ہو جاوے
تو اس سے یہ لازم نہیں آتا کہ ڈپٹی کلکٹری سے بڑا کوئی عہدہ نہیں ہے غرض اس قول میں ایمان غیر نبی
کے مراتب کے منتہی کا حاصل ہونا اپنے لئے فرماتے ہیں اور انبیاء کیلئے ان کی شان کے مناسب
جدا منتہی ہوتا ہے اور ہر شخص کو انکی استعداد کے مناسب اس مرتبہ انتہائی کے بعد اگر

معائنہ ہو جاتا ہے تو اس سے یقین میں زیادت نہیں ہوئی البتہ اطمینان زائد ہو جاتا ہے جسکی حقیقت ہے
سکون نفس جسمیں پہلے سے جو اس کی کیفیت وقوع میں نہ کہ نفس وقوع میں تردد تھا وہ زائل ہو گیا
کما قال تعالیٰ لابراہیم علیہ السلام اولم تؤمن قال بلیٰ ولکن لیطمئن قلبی اور دو اشکال ان
اشعار میں اور تھے ایک حضور صلے اللہ علیہ وسلم کیلئے مشی علی الھواء کہاں واقع ہوا کیونکہ معراج
تو بواسطہ براق کے ہوئی ہے دوسرے عیسےٰ علیہ السلام کیلئے تو رفع الی السماء کیوقت ایسا مشی علی الھوا واقع ہوا
حل ان دونوں کا ان اشعار کی شرح کے ضمن میں ہو چکا ہے اور اگر حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے معراج
کے مرتب علی الیقین ہونے پر یہ شبہ ہو کہ یقین کے جو معنی ذکر کئے گئے ہیں وہ اسکو مقتضی ہیں کہ اسکے
قبل آپکو اس مشی علی الھوا کا جزم ہو حالانکہ کسی دلیل سے یہ بھی ثابت نہیں کہ آپکو اس کا پہلے سے خیال
بھی تھا۔ جواب یہ ہو سکتا ہے کہ آیات ولقد اٰتینا موسی الکتاب فلا تکن فی مریۃ من لقائہ
وقولہ واسئل من ارسلنا من قبلک من رسلنا بعض مفسرین کے قول پر اور آیت لترکبن طبقا
عن طبق۔ ابن عباس رضہ کے قول پر معراج پر محمول ہیں اور صیغہ امر و مضارع مؤکدہ بلام ونون مفید ہے
معنی استقبال کو پس گنجائش اس کہنے کی ہے کہ ان آیات کے اطلاق سے آپکو جزم کے ساتھ
یہ خیال ہو کہ یہ لقاء موسیٰ واجتماع مع الانبیاء وعروج طبقات سموات ضرور ہو گا اگرچہ بواسطہ اسباب
خارقہ للعادۃ کے ہو جیسا خود عروج سبب مثلاً ہر حال میں خارق ہے گو بواسطہ اسباب عادیہ کے ہوتا
مثل طیارہ وغیرہا کے پس مذکورہ چار مدلول روایات کے اور چار سوال وجواب اور دو یہ اشکال مع انکے
حل کے یہ سب ملا کر عشرہ کاملہ کے لقب سے ملقب کئے جا سکتے ہیں۔

ساٹھویں حکمت تحقیق و توجیہ قصہ غرانیق

اشعار ذیل مثنوی شریف میں دفتر ششم نصف سے پہلے تحت سرخی "رفتن صوفی سوئے آں سیلی زن
و بردن او را بقاضی" بیس شعر بعد ہیں

ہر دکانے راست سودائے دگر	مثنوی دکان فقرست اے پسر
در دکان کفش گر چرمست خوب	قالب کفش ست اگر بینی تو چوب

پیشِ قزّازاں خز ادکن بود | بہر گز باشد اگر آہن بود
مثنویِّ ما دکان وحدت ست | غیرِ واحد ہرچہ بینی آں بت ست
بُت ستودن بہرِ دامِ عامہ را | ہمچناں داں کالغرانیق العلیٰ
خواندش اندر سورۂ والنجم زود | لیک آں فتنہ بُد از سورہ نبود
جملہ کفاراں زمان ساجد شدند | ہم سرے بود آنکہ سر بر زدند
بعد ازیں حرفے ست پیچاپیچ و دور | با سلیماں باش و دیوان را مشور
ہیں حدیثِ صوفی و قاضی بیار | واں ستمگارِ ضعیفِ زار زار

(اوپر قاضی اور معلم پر ضمان نہ ہونے کو کہ مسائل فقہیہ میں ہے **۵** وانکہ بہر حق زند او آمن ست اور **۵** کان معلم نائب افتاد و امین ہے کے ساتھ معلل فرماکر بطور تفریع کے ایک مضمون توحیدی کی طرف انتقال فرمایا تھا **۵** پس خودی را الخ اور **۵** چوں شدی بیخود الخ اور **۵** آں ضماں بر حق الخ اور اُن مسائل کو مذاق توحید پر منطبق فرمایا تھا آگے یہ بتلاتے ہیں کہ ان ہی مسائل کی تخصیص نہیں اس کتاب میں کوئی مضمون بھی ہو سب کو مسئلہ توحید ہی پر منطبق سمجھو کیونکہ مقصود بالذات اس کتاب میں یہی مسئلہ ہے اور دوسرے مضامین مذکور بالتبع ۔پس فرماتے ہیں کہ قاعدہ ہے کہ) ہر دکان کا الگ سودا ہوا کرتا ہے (جسمیں اصل وہی سودا ہوتا ہے اور دوسری اشیا اُس کے تابع تو یہ) مثنوی فقر کی دکان ہے اے پسر (جسمیں اہم المسائل توحید ہے آگے تفصیل ہے **۵** ہر دکانے راست الخ کی دیکھو) کفش گر کی دکان میں چمڑا خوب ہے (اور اصل مقصود ہے اور اس کا غیر اُسکے تابع چنانچہ) اگر (اُس میں) تو لکڑی دیکھے تو وہ کفش کا قالب ہوگی (تو کفش ہی کی تابع ہوئی اور خود مقصود نہ ہوگی اسی طرح) ابریشم فروشوں کے پاس جامۂ ابریشم سیاہ ہوگا (مثلاً اور اگر (اُس میں) لوہا ہوگا تو وہ گز کیلئے ہوگا (جس سے جامۂ ابریشم کی پیمائش کی جاتی ہے تو ابریشم ہی کا تابع ہوا اسی طرح) ہماری مثنوی دکان توحید کی ہے (کما قال رہ فی الدفتر الاوّل ایضاً)

۵ وحدت اندر وحدت ست این مثنوی ✤ از سمک رو تا سماک اے معنوی ✤ پس مقصود بالذات
اس میں مضمون توحید ہے اور دوسرے مضامین مقصود بالتبع آگے دوسرے مصرعہ میں ترقی کرکے کہتے ہیں
کہ بلکہ مثنوی میں ذکر) واحد (حقیقی) کے سوا اور جو کچھ (مضمون ہے) وہ (مثل) بُت ہے (کہ مقصود تابع
بھی نہیں ہوتا بلکہ متروک و مذموم ہوتا ہے اور اسی اعتبار سے اس تشبیہ میں تشبیہات سابقہ سے
ترقی ہوئی۔ اب یہاں ایک شبہ ہوا کہ مثنوی میں تو دوسرے مضامین متروک نہیں ہیں بلکہ مذکور ہیں گو
بالتبع سہی تو اس وصف میں بُت کے ساتھ تشبیہ کہاں صحیح ہوئی آگے اس کا جواب دیتے ہیں جس کی تقریر
یہ ہے کہ مذکوریت منافی متروکیت کے نہیں۔ منافی وہ ہے جو مقصود ذاتی ہو گو تبعاً سہی اور یہاں بالکل ہی
مقصود نہیں محض ذکر لفظی ہے جس کے ساتھ ہی قرائن اس کی متروکیت کے بھی ہیں سو یہ مذکوریت منافی
متروکیت نہیں چنانچہ افراد مذکوریت میں سے سب سے بڑی فرد ممدوحیت ہے اور متروکیت کے افراد میں
سب سے بڑھکر مذمومیت ہے اور یہ دونوں یعنی ممدوحیت و مذمومیت دونوں مختلف اعتبار سے جمع ہو سکتے
ہیں اس طرح سے کہ مذمومیت تو ہو واقعی باعتبار قصد متکلم کے اور ممدوحیت ہو لفظی باعتبار فہم سامع عامی
جاہل کے اور صورت اس کی یہ ہو کہ وہ عنوان ذو وجہین ہو اور گو متکلم نے ذو وجہین ہونے کی حیثیت سے
اس کو اختیار نہ کیا ہو اس کے ذہن میں ایک ہی وجہ مذمومیت کی ہو اور کلام میں قرائن اس کے دوسری وجہ
محتمل کی قطع کیلئے کافی قائم ہوں مگر سامع نے اپنے جہل سے اس کو دوسری وجہ پر محمول کرکے مدح سمجھا ہو
تو اس طرح دونوں جمع ہو سکتے ہیں خصوص جبکہ اس جمع میں کوئی حکمت بھی ہو خواہ وہ حکمت متکلم کے
علم و قصد میں بھی نہ ہو بلکہ اس جمع کے علم کے بعد خواہ وہ متکلم پر گراں ہی ہوا ہو مگر اس حکمت کی تحصیل
کیلئے یہ صورت جمع کی تکوینا واقع ہو گئی ہو۔ مثلاً یہ حکمت ہو کہ سامعین جہلاء کو اس کلام سے اس
ایہام کی بنا پر کچھ دلچسپی ہو جاوے خواہ تو اس مصلحت سے کہ وہ آیندہ کسی وقت مانع یعنی توحش
کے ارتفاع سے اس میں تدبر کرکے ہدایت پاویں یا اس مصلحت سے کہ حجت الٰہیہ ان پر زیادہ تام
ہو جاوے کہ تم کو دلچسپی کے بعد زیادہ موقع ملا تھا تدبر کا پھر کیوں نہ تدبر کیا یہ تقریر ہے جواب کی۔
آگے اسی کو فرماتے ہیں کہ) بُت کی مدح کرنا تسخیر عامہ (جہلاء سامعین) کی غرض سے ایسا ہے جیسا
الغرانیق العلیٰ (کا قصہ کہ) اس (عبارت مشتملہ بر غرانیق علیٰ) کو سورۂ النجم میں جلدی سے (القصہ
پڑھ دیا) جس طرح آیات وعدہ و وعید پر سوال و تعوذ کے کلمات پڑھ دیئے جاتے ہیں اور جس طرح

بعض سورتوں کے آخر میں بعض جملے حدیث میں وارد ہیں) لیکن وہ ایک امتحان (کیلئے تکوینا واقع ہوا) تھا سورۃ کا جزو نہ تھا (پس اسکے پڑھنے کے بعد ختم سورۃ پر جب حضور نے سجدہ کیا) اسوقت سب کفار ساجد ہوئے (جیسا صحیح بخاری میں ابن عباس رضؓ سے مروی ہے کذا فی المشکوٰۃ اور) یہ (سجود کرنا) بھی ایک عجیب تھا کہ انھوں نے (حق تعالیٰ کے) در پر سر مارا (یعنی سجدہ کیا اور) اس کے بعد ایک کلام ہے پیچ و پیچ (یعنی پر اشکالات) اور (از زبان ضعیف سے) دور (اسلئے اسکو حذف کرکے) سلیمان علیہ السلام کے ساتھ (جو دافع شر شیاطین تھے) رہ اور شیاطین کو شورش میں مت ڈال (کہ وہ اس کلام کے ذریعہ سے یہ شورش برپا کریں کہ عقول ضعیفہ کو شبہات میں ڈالیں)

ف۔ یہ تو ان چار اشعار کا حل لفظی تھا اب ان کی شرح سننا چاہیئے شعر اول و ثانی میں اشارہ کیا ہے ایک قصہ کی طرف جسکو بعض محدثین نے نقل کیا ہے۔ حاصل اس قصہ کا یہ ہے کہ ایک بار رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم نے سورۂ والنجم کی تلاوت فرمائی جب اس آیت پر پہونچے افرأیتم اللات والعزی ومناۃ الثالثۃ الاخری الخ تو آپ کی زبان مبارک پر بلا قصد یہ الفاظ جاری ہوگئے۔ تلک الغرانیق العلیٰ + وان شفاعتھا لترتجی جو بظاہر دال ہیں مدح اصنام پر۔ والغرانیق جمع غرنوق طائر مائی والشاب الابیض الجمیل۔ مشرکین نے جو کہ اس مجلس میں تھے سنکر کہا ماذکر آلھتنا بخیر قبل الیوم پھر جب آپنے آیت سجدہ پر سجدہ کیا تو ان مشرکین نے بھی سجدہ کیا۔ اور اس قصہ کو قاضی عیاض اور اکثر محققین نے نقلاً و عقلاً رد کیا ہے۔ نقلاً تو اس طرح کہ قاضی عیاض نے کہا ہے ھذا الحدیث لم یخرجہ احد من اھل الصحۃ ولا رواہ ثقۃ بسند سالم متصل مع ضعف نقلتہ واضطراب روایاتہ وانقطاع اسنادہ وقال ایضا ومن حملت عنہ ھذہ القصۃ من التابعین والمفسرین لم یسندھا احد منھم ولا رفعھا الی صحابی واکثر الطرق فی ذلک عنھم ضعیفۃ قال وقد بین البزار انہ لا یعرف من طریق یجوز رفعہ الا طریق ابی بشر عن سعید بن جبیر مع الشک فی اصلہ واما الکلبی فلا یجوز الروایۃ عنہ لقوۃ ضعفہ اور عقلاً اس طرح کہ لو وقع شیء من ذلک للنبی صلی اللہ علیہ وسلم لارتفعت الثقۃ بالشریعۃ وبطل حکم العصمۃ اگرچہ بعض نے رد عقلی کا اس آیت سے جواب دیا ہے فینسخ اللہ ما یلقی الشیطان ثم یحکم اللہ آیاتہ۔ مگر تاہم طریق اسلم وارجح محققین ہی کا ہے کہ اس قصہ کو

غلط سمجھا جاوے اور مولانا کا مقصود اسکی طرف اشارہ کرنے سے خود قصہ کا اثبات نہیں ہے بلکہ مقصود محض تمثیل ہے جسکے لئے محض مثال کی من وجہٍ شہرت کافی ہے خواہ ثابت ہو یا نہ ہو البتہ یہ ضرور ہے کہ اُس مثال کے فرض سے کوئی قبح شرعی لازم نہ آوے سو یہاں اسکے ظاہر پر قبح لازم آتا تھا مولانا نے اُسکے جواب اور توجیہ قصہ کی طرف بھی ساتھ ساتھ اشارہ کردیا ہے جسکی تفصیل کیلئے احقر کی تقریر جو ان اشعار کی تمہید میں گذری ہے اور بعض قیود و عبارات جو حل اشعار میں ظاہر کی گئی ہیں کافی ہیں مگر سہولت کیلئے مختصراً پھر اعادہ کرتا ہوں۔ حاصل توجیہ مولانا کا یہ ہے کہ اگر بالفرض یہ قصہ واقع ہوا ہو تو آپ نے ان اصنام کے ذکر کے بعد یہ عبارت اُن کی مذمت کیلئے فرمائی تھی اور گو ظاہر عبارت موضوع مدح کیلئے ہے مگر قرینۂ مقام و قرینۂ حال متکلم دونوں دال ہیں کہ مقصود تہکم ہے یا باعتبار زعم مخاطب کے رد کرنے کیلئے فرض کرلیا جاتا ہے یا حرف استفہام مقدر ہے یعنی سبحان اللہ یہ تو بڑے عالی قدر ہیں ضرور ان کی شفاعت کی بڑی امید ہے یعنی ہرگز ایسا نہیں ہے جیسا تم سمجھتے ہو چنانچہ اُن کا یہ اعتقاد تو معلوم ہے اور ممکن ہے کہ کبھی انھوں نے اپنی زبان بھی ایسے الفاظ مدحیہ کہے ہوں جیسے کسی شریر شخص کے زمانہ کا جسکو ایک جاہل بزرگ سمجھتا ہو ذکر کرکے اہل مجلس سے کہا جاوے کہ دیکھئے صاحب یہ بزرگ ہیں خود قرآن مجید میں بھی اس طرح کے جملے ہیں قال تعالیٰ حاکیا عن موسیٰ علیہ السلام خاطباً فرعون وتلک نعمۃ تمنها علی ان عبدت بنی اسرائیل وقال تعالیٰ ذق انک انت العزیز الکریم ہو وقال تعالیٰ حاکیا عن ابراہیم علیہ السلام للکواکب ھذا ربی۔ سو قرینۂ حال متکلم تو ظاہر ہے اور قرینۂ مقام سیاق و سباق کی آیتیں ہیں چنانچہ سباق میں ہے افتمارونہ علی ما یریٰ جسمیں رد ہے مشرکین پر تو ان ہی کے آلہہ کی مدح کا کیا احتمال ہو سکتا ہے اور سیاق میں ہے ان ھی الا اسماء سمیتموھا انتم الآیۃ جب وہ مشرکین سورۃ کے ختم تک حاضر تھے چنانچہ حدیث میں صحیح ہے کہ آپ کے ساتھ انھوں نے بھی سجدہ کیا تو یہ سیاق کی آیتیں بھی سُنیں پھر مدح کا کیا احتمال رہا خصوص جبکہ آپ نے اسکا لہجہ بھی بدل دیا ہو جیسا کہ تجربہ بھی ہے کہ اگر درمیان قرآن کے کوئی جملہ نعوذ یا دعا وغیرہ کا پڑھا جاوے تو قرآن کے لہجہ میں نہ پڑھے چنانچہ لفظ زد و شعر ثانی میں اس طرف اشارہ بھی ہو سکتا ہے کیونکہ قرآن میں آپ کا لہجہ جلدی کا نہ تھا۔ قال تعالیٰ ورتل القرآن ترتیلا وقال تعالیٰ لتقرأہ علی الناس علی مکث گو جہل یا تجاہل سے اسکو مدح سمجھا اور کہا ما ذکر آلھتنا بخیر قبل الیوم اور جب آپکو یہ معلوم ہوا اس پر آپ کو طبعاً رنج بھی ہوا جسپر بقول بعض مفسرین وہ آیت فینسخ اللہ الخ

نازل ہوئی جس طرح آیۃ انکم وما تعبدون من دون اللہ حصب جہنم کے نزول پر ابوجہل کے خوش ہوگئے
تھے اور سمجھے تھے عیسےٰ علیہ السلام بھی ہمارے اصنام کے ساتھ رہیں گے نعوذ باللہ منہا اور اس پر یہ آیات
نازل ہوئی تھیں ولما ضرب ابن مریم مثلا اذا قومک منہ یصدون وقالوا ء الٰہتنا خیر ام
ھو الیٰ آیات - یہ ہے توجیہ قصہ کی جسکے بعد نہ یہ اشکال رہا کہ آپ کی زبان سے اصنام کی مدح کیسے
ہوئی کیونکہ معلوم ہوگیا کہ آپ نے مذمت فرمائی تھی نہ یہ اشکال رہا کہ اسکے وقوع سے وثوق شریعت
سے اٹھ جاویگا کیونکہ جب قرائن تو یہ ذم کے موجود ہیں اور خود قرآن میں اسکے نظائر مذکور ہیں پھر رفع
وثوق اور التباس کی کیا گنجائش رہی - اور اس تقریر کے بعد اگر شعر ثانی میں خواند کا فاعل حضور صلی اللہ
علیہ وسلم کو کہا جاوے اور اس خواندن کو قصداً بھی کہا جاوے جیسا ظاہر سوق کلام سے یہی ہے تب
بھی کچھ حرج نہیں اور شعر اول میں جو بت ستودن واقع ہوا ہے مراد اس سے لفظی ستودگی ہے جو واقعی
نکوہش ہے جیسا تمہید میں اور تقریر توجیہ میں بھی گذرا ہے اور آگیں جو بہر دام عامہ را واقع ہوا ہے یہ لفظ
بہر یہاں غایت کیلئے نہیں ہے جسکے ساتھ قصد متعلق ہو کیونکہ مدح اختیاری بت کی اس مصلحت سے بھی
جائز نہیں - دوسرے اس مقام پر یہ مدح اختیاری واقع بھی نہیں ہوئی بلکہ یہ مرادف ہے لام عاقبت کا کما
فی قولہ تعالیٰ فالتقطہ آل فرعون لیکون لھم عدوا وحزنا یعنی گو متکلم کا قصد تسخیر عامہ کا نہ تھا مگر
تکلم بالذم کا اثر بعد توہم مدح کے سامع کو یہ ہوا کہ وہ مسخر ہوگیا اور تقریر تمثیل کی جس کیلئے یہ شعر لایا گیا ہے توجیہ
مذکور کے بعد یہ ہوگی کہ مثنوی میں سارا غیر توحید کو جو کہ مثل بت کے مقصود بالترک والذم ہے ذکر کرنا جو کہ مقصود
ذم وحمل المخاطبین علی الترک کے ہے چنانچہ جابجا ان مضامین غیر مقصودہ سے مقصود کی طرف انتقال
فرماتے جاتے ہیں اور کہیں توحید کے مضمون کے چھوڑنے کا جو ذکر ہے تو ایک عارض کی وجہ سے کہ کلام دقیق
ہوجاتا ہے جسکا تحمل سامعین کو نہیں ہوتا بہر حال غیر توحید کا ذکر بغرض اس مذکور کے ترک کے ہے اور سامعین
غیر بصیر اسکو ذکر مقصود سمجھتے ہیں کہ یہی سمجھنا منشا شبہ کا ہوا تھا کہ مثنوی میں یہ کیسے مذکور ہوا ہے
ذکر کرنا بیش بریں نیست کہ مدح قرار دی جاوے مگر ایسی لفظ مدح پر جب کوئی مصلحت مترتب ہوگئی تو کیا حرج ہے
جیسا غرانیق کے قصہ میں بتقدیر اسکے فرض کے ایسا ہی واقع ہوا اور چونکہ مثال محض توضیح کیلئے ہوتی ہے
ممثل اُسپر موقوف نہیں ہوتا اسلئے اگر قصہ غرانیق کا غیر واقعی ہو تب بھی اصل مضمون کہ جواب ہے شبہ ذکر غیر
توحید کا مثنوی میں وہ باقی ہے جسکا حاصل صرف یہ ہے کہ یہ قصداً ذکر نہیں بلکہ محض لفظاً ہے ایسی ہی حکمت

کیلئے عجیبی کہ قصۂ غرانیق میں واقع ہوئی جسکی تقریر عنقریب آتی ہے فانتظرہ اور یہ شبہ نہ ہو کہ یہاں تو مسائل
فقہیہ کا ذکر تھا کیا وہ بھی قابل ترک ہے بات یہ ہے کہ وہ خود استطراداً آگیا ہے اصل میں قصۂ رنجور کا مذکور ہے
تو اسکو واجب الترک کہنے میں کیا حرج ہے اور شعر ثانی میں جو اس خواندن کو فتنہ کہا ہے اس سے اسکے شر
ہونیکا وہم نہ کیا جاوے قرآن مجید میں بعض امور خیر کی نسبت یہ لفظ آیا ہے قال تعالیٰ وما جعلنا الرؤیا
التی اریناک الا فتنۃ للناس اور احقر نے جو اس شعر کے حل میں اس لفظ کے ترجمہ کے ساتھ لفظ ابتلا کو
بڑھایا ہے اس سے خواندگی کی عدم اختیاریت پر دلالت نہ سمجھی جاوے کیونکہ خواندن بقصد ذم کو تو اوہم
اختیاری مان لیا گیا ہے بلکہ اس کا ذریعۂ امتحان ہو جانا غیر اختیاری تھا ....

.... کیونکہ یہ ذریعۂ امتحان ہونا موقوف ہے توہم غلط سامعین پر جو خواندہ کا اختیاری نہیں اور غیر
اختیاری پر جو موقوف ہو وہ غیر اختیاری ہے پس امتحان ہونا غیر اختیاری ہے جسکو حق تعالیٰ نے بلا قصد متکلم
واقع کر دیا اور جس حکمت کا شعر اول میں ذکر ہے بہر دام عامہ جسکی تقریر ان اشعار کی تمہید میں ہوا اس
میں مثلاً یہ حکمت ہو کہ سامعین مبتلا کو الخ وہ حکمت یہی امتحان ہے جیسا کہ اسی عبارت تمہیدیہ میں ہے
خواہ تو اس مصلحت سے الی قولہ تدبر نکیا یعنی اس شکی مدح میں حکمت ہو اور وہ تسخیر عامہ لا امتحان ہے کہ
سے کہ دیکھا جاوے کہ اس مدح عجیبی کے بعد کون ایمان لاتا ہے اور کون کفر پر مصر رہتا ہے پس تسخیر عامہ تو مدح
کی غایت بلا واسطہ ہے اور امتحان اس غایت کی غایت ہونے سے بالواسطہ مدح کی بھی غایت ہوئی اسلئے
احقر نے دونوں کو متحد قرار دیا ہے اس قول میں وہ حکمت یہی امتحان ہے چنانچہ اس حکمت کا ظہور اسطرح
ہوا کہ ختم سورۃ کے بعد جب حضورؐ نے سجدہ کیا تو اکثر مشرکین نے سجدہ کیا کما مر فی اثناء حل الاشعار
عن البخاری یعنی خدا کے لئے سجدہ کیا نہ کہ اصنام کیلئے ورنہ ایسی تحیر سے کیا فائدہ جس سے شرک کی اور تجدید
ہو نیز لمعات میں ہے لما ظہر من سطوۃ سلطان العز والجبروت وسطوع الانوار العظیمۃ الکبری
من توحید اللہ عز وجل وصدق رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم الخ اور یہ سجدہ علامت تعلق کی
تاثر من الحق کی اور امیہ ابن خلف نے اسوقت بھی نہیں کیا کما فی البخاری عن مسعودؓ غیر ان
شیخا من قریش وھو امیۃ بن خلف اخذ کفا من حصی او تراب فرفعہ الی جبہتہ وقال
یکفینی ھذا فلقد رأیتہ بعد قتل کافراً فی المشکوٰۃ اور امتحان کی یہی شان ہوتی ہے کہ اس سے
ہر ایک کی حالت قوت سے فعل میں آ جاتی ہے چنانچہ اس غیر ساجد کے سجدہ نہ کرنیکو ذکر کر کے یہ فرما

قتل کا فرما مشعر اسکا ہے کہ ساجدین کو ایمان نصیب ہوا تو کسی کا ایمان ظاہر ہوگیا کسی کا کفر اور سجدہ نکرنے پر قتل
کا فرمانا یہ بھی قرینہ ہے کہ وہ سجدہ مشرکین کا اللہ تعالیٰ تھا کہ اس سے استکبار کا یہ وبال ہوا اور اگر سجدہ
للاصنام ہوتا تو اسکے نکرنے کا کیا وبال ہوتا۔ اور مثنوی میں اس حکمت کی نظیر اس طرح سے جاری
ہوگی کہ چونکہ عامہ کو غیر توحید کے ساتھ دلچسپی زیادہ ہے اسکے ذکر سے انکو مثنوی سے موانست ہوجاتی ہے
پھر بعد موانست انکو مقصود مثنوی یعنی توحید میں مشغول کردینا آسان ہے اور امتحان کی تقریر اس طرح ہوسکتی
ہے کہ بعضے اب بھی نہ مانیں گے تو انپر الزام اہل بصیرت کا رہیگا کہ باوجود اسباب موانست کے بھی انکو
مناسبت نہ ہوئی اور اگر کہا جاوے کہ مثال میں تو تسخیر عامہ یا امتحان متکلم کے قصد و اختیار میں نہ تھا
مثل میں اسکے ماننے کی کیا صورت ہوگی۔ جواب یہ ہے کہ تالیف مثنوی کی کیفیت میں لکھا ہے ؎

روز و شب دشت معارف را نوشت — او ہمیگفت و حسام الدین نوشت

جس سے ظاہراً معلوم ہوتا ہے اور مشہور بھی ہے کہ مولانا پر واردات کا غلبہ ہوتا تھا اور اس میں بلا اختیار
زبان پر اشعار آتے تھے اور مولانا حسام الدین رح لکھتے جاتے تھے اور بعض دفاتر کے ابتدائی اور بعض
بعض جگہ درمیانی اشعار سے بھی یہی مترشح ہوتا ہے۔ جب تالیف مثنوی بلا اختیار ہوئی تو اسمیں بعض
ذکر بھی غیر توحید کا غیر اختیاری ہوگا تو اسکی غایت یعنی تسخیر عامہ و امتحان بھی غیر اختیاری ہوگا۔ پس مثال
اور مثل دونوں میں غایت غیر اختیاری ہوئی اور شعر ثالث جو اس سجدۂ مشرکین میں ایک راز بتلایا ہے
بقولہم سری بود ذوق اخترمیں یہ سر قدر ہے یعنی ایسے سخت منکروں کا دفعۃً بلا اسباب قویہ مع
بقاء الموانع علی حالہا قرآن سے متاثر ہوجانا دلیل واضح ہے اسپر کہ لو شاء ربک لآمن من فی الارض
کلہم جمیعا اور یضل من یشاء و یھدی من یشاء اور اوپر سجدہ کا اثر تسخیر و امتحان ہونا اور اسکے
واسطہ سے اثر خوا ندن ہونا بتلایا ہے اور یہاں اثر مشیت الٰہیہ بتلاتے ہیں تو اسمیں کوئی تعارض نہیں کیونکہ
مشیت موثر و موقوف علیہ حقیقی ہے اور دوسرے اسباب موثر ظاہری حتی کہ اگر قصۂ مذکورہ صحیح نہ مانا جاوے
تب بھی مشیت پر سجدہ مرتب ہوگا پھر خواہ تو اور کوئی واسطہ ہو یا کوئی بھی نہ ہو اور چونکہ بعد تعلق مشیت کے
وقوع فعل کا ضروری اور ممتنع التخلف ہے اسلئے اس سجدہ کو بہ عنوان سر بزد تعبیر جس سے اختیار ساجد کا
کالمعدوم ہونا مترشح ہوتا ہے کما یشیر الیہ قولہ تعالیٰ والقی السحرۃ سجدا الآیۃ کو معدوم نہیں ورنہ
جبر لازم آویگا جو کہ باطل ہے اور شعر چہارم میں ذوق کا اسی راز قدر کے متعلق مضمون ہے یعنی بعد معلوم ہونے

اس امر کیلئے تعلق مشیت الٰہیہ علت تامہ ہے حوادث کی اس مسئلہ کے متعلق سخت سخت مباحث ہیں جیسا
کہ عقل پرستوں کے مختلف شبہات پیش کرنے سے مثل السؤال عن العقاب علی من کان مجبورًا و مثل السؤال
عن حکمۃ اللہ تعالیٰ فی عدم ایمان کل الناس وفی خلق الکفر والکافر ونحوہما من الشبہات اور
اہل معرفت و بصیرت کے جواب دینے سے مثل اثبات الاختیار بالدلائل والمنع عن السؤال عن الحکمۃ
فی افعال اللہ تعالیٰ او بیان بعض الحکم معلوم ہے اسکی نسبت حدیث کے موافق کہ قدر میں کلام کرنے
کی ممانعت آئی ہے۔ فرماتے ہیں کہ محققین کا طرز اختیار کرو کہ اجمالی بیان پر کفایت کر کے تفصیل و کاوش کو ترک
کردو اور روکا بھی دو کہ اسمیں شر بند ہوتا ہے اسلئے محققین کو سلیمان علیہ السلام سے تشبیہ دی اور ان مباحث
کو ظاہر کرنیسے مضلین انس و شیاطین کو تشکیک ضعفاء کا موقع ملیگا انکو اس شر کے پھیلانیکا موقع مت دو۔
الحمد للہ چاروں شعروں کی شرح مکمل ہو گئی وللہ الحمد۔

ف۔ اور اگر اس قصۂ غرانیق کو صحیح مانا جاوے تو اسکی ایک اور سہل توجیہ ہو سکتی ہے کہ جب آپ
اس مقام پر پہونچے تو کسی شریر کافر نے شرارت سے یہ جملہ پکار کر کہہ دیا ہو اور جو مشرک دور تھے انھوں نے
بوجہ عدم امتیاز صوت کے یہ اثر دیا ہو کہ آپنے ہمارے آلہہ کی تعریف کی اسپر ایک ورنج ہوا ہو اسپر حق تعالیٰ
نے یہ آیت نازل فرمادی ہو وما ارسلنا من قبلک من رسول ولا نبی الا اذا تمنی القی الشیطان الآیہ پس یہ القاء
ایسا ہو جیسا دوسری آیت میں کفار کا قول منقول ہے وقال الذین کفروا لا تسمعوا لھذا القراٰن والغوا فیہ
لعلکم تغلبون۔ اور شیطان سے مراد وہ کافر ہو کہ شیطان الانس ہے جیسا کعب بن اشرف کو ایک آیت میں
طاغوت یعنی شیطان فرمایا ہے الم تر الی الذین یزعمون انھم اٰمنوا بما انزل الیک وما انزل من قبلک
یریدون ان یتحاکموا الی الطاغوت الآیۃ اور جیسے نعیم بن مسعود اعرابی کو اس آیت میں خود لقب شیطان
سے ذکر فرمایا انما ذٰلکم الشیطٰن یخوف اولیاءہ اس توجیہ پر سرے سے کوئی اشکال ہی متوجہ نہیں ہوگا جو
دفع کی ضرورت ہو اور یہ بر تقدیر ثبوت ہے ورنہ اسلم یہی ہے کہ اس قصہ کی نفی کیجاوے اور آیت وما ارسلنا الخ
کی تفسیر اس قصہ پر موقوف نہیں۔ احقر کی تفسیر ملاحظہ فرمائی جاوے۔

اٹھترویں حکمۃ توجیہ احادیث متعلقہ اتمام یا افساد صلوٰۃ فجر بطلوع شمس

اس مسئلہ میں کہ طلوع کہ شمس اثنائے نماز فجر میں عند الحنفیہ مفسد صلوٰۃ فجر ہے تقریر ذیل تحریر فرما کر احقر کو نقل کیلئے

حکایت فرمائی تھی جو مندرجہ ذیل ہے -

اعلم ان العلماء اختلفوا فی ما اذا طلعت
الشمس فی صلوٰۃ الفجر او غربت فی صلوٰۃ
العصر ھل تصح الصلوٰۃ او تفسد فقال
الشافعی ومن وافقہ تصح فیھما وقال
الطحاوی تفسد فیھما وقال امامنا ابوحنیفہ رح
تفسد فی الفجر وتصح فی العصر ومبنی ھذا
الاختلاف اختلافھم فی توجیہ
الروایات التی وردت فی ھذا الباب
ولنسرحا اولا تلک الروایات ثم نذکر
التوجیھات فروی الشیخان من حدیث
ابی ھریرۃ رض قال قال رسول اللہ صلی اللہ
علیہ وسلم من ادرک من الصبح رکعۃ قبل ان تطلع
الشمس فقد ادرک الصبح ومن ادرک
رکعۃ من العصر قبل ان تغرب الشمس
فقد ادرک العصر وفی لفظ للبخاری اذا
ادرک احدکم سجدۃ من صلوٰۃ العصر
قبل ان تغرب الشمس فلیتم صلاتہ
واذا ادرک سجدۃ من صلوٰۃ الصبح قبل
ان تطلع الشمس فلیتم صلاتہ زیلعی ج۱ ص۱۱۹
وروی نحو ذلک فی فتح الباری ج ۲ و فی
کنز العمال ج۴ فعمل الشافعی ومن معہ
ظاھر احادیث الاتمام وحمل احادیث

ترجمہ - جاننا چاہیئے کہ علماء کا اس مسئلہ میں اختلاف ہے
کہ جب صبح کی نماز میں آفتاب طلوع ہو جاوے یا عصر کی
نماز میں غروب ہو جاوے تو نماز صحیح ہوگی یا فاسد ہوگی
سو امام شافعی اور اُن کے موافقین نے کہا ہے کہ دونوں حالتوں
میں صحیح ہو جاوے گی - اور طحاوی نے کہا ہے کہ دونوں حالتوں میں فاسد
ہو جاوے گی - اور ہمارے امام ابو حنیفہ رح نے فرمایا ہے کہ صبح کی نماز
تو فاسد ہوگی اور عصر کی صحیح ہو جاوے گی - اور اس اختلاف کا مبنی
اُن روایات کی توجیہ میں اختلاف ہے جو اس باب میں وارد ہوئی
ہیں اسلئے ہم اول اُن روایات کو بیان کرتے ہیں - پھر توجیہات
کو ذکر کرینگے شیخین نے حضرت ابو ہریرہ رض سے روایت کیا ہے
کہ فرمایا رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم نے جس شخص کو صبح کی
ایک رکعت مل گئی طلوع آفتاب سے پہلے تو اس کو صبح کی نماز
مل گئی اور جس شخص کو ایک رکعت عصر کی مل گئی غروب
آفتاب سے پہلے تو اس کو عصر کی نماز مل گئی اور بخاری
کی ایک روایت میں یہ لفظ ہیں کہ جب تم میں سے کسی کو ایک
سجدہ (یعنی رکعت) نماز عصر کا ملجاوے غروب آفتاب
سے پہلے تو اسکو چاہیئے کہ اپنی نماز پوری کرلے - اور جب
ایک سجدہ (یعنی رکعت) نماز صبح میں سے ملجاوے
تو اس کو بھی چاہیئے کہ اپنی نماز پوری کرلے زیلعی ج۱ ص۱۱۹
اور اسی کے ہم معنی روایت فتح الباری ج ۲ اور کنز العمال ج۴
میں منقول ہے پس امام شافعی اور انکے موافقین نے ان تمام
کی احادیث ظاہر پر عمل کیا ہے اور احادیث نہی کو

النهي على تاثيم متحري هذه الاوقات
مع القول بصحة الصلوة والطحاوي قال
بالفساد فيهما حملا لظاهر احاديث النهي
على الابطال واول حديث الادراك بايجاب
الصلوة على من اسلم في اخر الوقت او بلغ
الحلم فيه او امرأة طهرت من الحيض
فيه واقول باقي احاديث الاتمام بكونها
منسوخة باحاديث النهي واما نحن
معاشر الحنفية فتوجيهنا الذي ادى
اليه نظري وان كان ماخوذا من كلام
من تقدمنا ان يقال ان روايات الاتمام
والادراك تقتضي صحة الصلوة
فيهما واحاديث النهي يحتمل امرين اما
تاثيم المصلي فيهما مع صحة الصلوة
واما بطلان الصلوة فيهما كما قال
به الطحاوي فان النهي الشرعي يستعمل
في كلا المعنيين مثال الاول النهي
عن الصلوة معقيا او متخصرا ومثال
الثاني النهي عن الصلوة بغير طهور
وان خالجك قول الاصوليين ان
النهي عن الافعال الشرعية يقتضي مشروعية
الاصل مع فساد الوصف فاكثري
لا كلي والا لانتقض بكثير من المسائل

تاویل کی ہے کہ یہ محمول ہیں اس حالت پر جبکہ قصداً ان
اوقات میں نماز ادا کیجائے تو اس صورت میں انکے نزدیک
نمازی کو ان اوقات میں نماز پڑھنے کا گناہ ہوگا لیکن
نماز صحیح ہوجاویگی۔ اور طحاوی اُن دونوں صورتوں میں فساد
صلوۃ کے قائل ہوسکتے ہیں۔ کیونکہ انھوں نے احادیث نہی
کو انکے ظاہر پر باقی رکھا اور مبطل صلوۃ قرار دیا۔ اور
حدیث ادراک کی یہ تاویل کی ہے کہ یہ محمول ہے ایجاب
صلوۃ علی من اسلم فی الآخر الوقت پر یا اُس شخص پر جو
آخر وقت میں بالغ ہوا، یا اُس عورت پر جو حیض سے
آخر وقت میں پاک ہوئی ہو اور دیگر احادیث اتمام کو
احادیث نہی سے منسوخ قرار دیا ہے اور ہم جماعت
حنفیہ کے نزدیک یہ توجیہ ہے جسکی طرف میری نظر گئی
ہے اگرچہ وہ توجیہ متقدمین ہی کے کلام سے ماخوذ ہے
اور تقریر اُسکی یہ ہے کہ روایات اتمام اور ادراک کی
دونوں حالتوں میں صحۃ صلوۃ کو مقتضی ہیں۔ اور
احادیث نہی میں دو احتمال ہیں یا نمازی کا دونوں حالتوں
میں باوجود صحت صلوۃ کے گناہ گار ہونا یا نماز کا دونوں
صورتوں میں باطل ہونا جیسا کہ اس کو طحاوی نے اختیار
کیا ہے اور یہ دونوں احتمال اسلئے ہیں کہ نہی شرعی
دونوں معنوں میں استعمال ہوتی ہے۔ اول کی مثال نہی
عن الصلوۃ معقیا یا متخصرا ہے۔ اور ثانی کی مثال نہی عن الصلوۃ
بغیر طہور ہے۔ اور اگر یہ خدشہ پیدا ہو کہ اصولیین نے فرمایا ہے کہ
کہ نہی افعال شرعیہ سے ذات فعل کی شرعیۃ کو مقتضی ہے

وان رأيت ان النهي في الصلوٰة
بغير طهور قد وقع بصيغة النفي
فاقتضى البطلان بخلاف النهي عن
الصلوٰة في الاوقات المكروهة
فلم يوجد ما يقتضي البطلان فان ..
يورد هذا النهي ايضا بصيغة
النفي في بعض الروايات كما
روى الشيخان عن ابي سعيد الخدري رض
قال قال رسول الله صلى الله عليه
وسلم لا صلوٰة بعد الصبح
حتى ترتفع الشمس ولا صلوٰة
بعد العصر حتى تغيب الشمس۔
(مشكوٰة انصاري ص۹۶ ج ۱)
وروى مسلم عن عبد الله الصنابحي
في صلوٰة العصر قال قال رسول الله
صلى الله عليه وسلم لا صلوٰة بعدها
حتى تطلع الشاهد (مشكوٰة ج۱ ص۹۵)
وروى رزين عن ابي ذر قال سمعت
رسول الله صلى الله عليه وسلم لا صلوٰة
بعد الصبح حتى تطلع الشمس ولا بعد
العصر حتى تغرب الشمس (مشكوٰة ج۱ ص۹۵)
فلما احتمل النهي الامرين ينظر ان الاحتياط
في اي الامرين والصلوٰة محل احتياط

مع فساد وصف کے تو یہ قاعدہ اکثری ہے کلی نہیں ورنہ
یہ قاعدہ بہت سے مسائل سے منقوض ہوگا۔ اور اگر یہ شبہ ہو
کہ نہی عن الصلوٰۃ بغیر طہور میں نفی کے صیغہ سے وارد ہوئی
ہے اس وجہ سے وہ مقتضی بطلان صلوٰۃ کو ہے بخلاف
نہی عن الصلوٰۃ کے اوقات مکروہہ میں کہ اسمیں کوئی
امر مقتضی بطلان صلوٰۃ موجود نہیں۔ تو اسکو اسطرح زائل
کرو کہ نہی عن الصلوٰۃ فی الاوقات المکروہہ بھی صیغہ
نفی کے ساتھ بعض روایات میں وارد ہے جیسا کہ شیخین
نے حضرت ابو سعید خدری رض سے روایت کیا ہے کہ فرمایا
رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کہ نہیں صحیح ہے نماز بعد
صبح کے یہاں تک کہ آفتاب بلند ہو جاوے اور نہیں صحیح ہے
نماز بعد عصر کے یہاں تک کہ آفتاب غروب ہو جاوے۔
مشکوٰۃ انصاری ج۱ ص۹۶
اور مسلم نے عبد اللہ الصنابحی سے روایت کیا ہے نماز عصر
کے بارہ میں فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کہ نہیں
صحیح ہے نماز بعد عصر کے یہاں تک کہ طلوع ہو جاوے شاہد
(یعنی ستارہ) مشکوٰۃ ج۱ ص۹۵ اور رزین نے حضرت ابوذر
سے روایت کیا ہے کہ وہ فرماتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ
صلی اللہ علیہ وسلم سے سنا ہے کہ نہیں صحیح ہے نماز بعد صبح کے
یہاں تک کہ آفتاب طلوع ہو جاوے۔ اور نہ بعد عصر کے یہاں تک
کہ آفتاب غروب ہو جاوے۔ مشکوٰۃ ج۱ ص۹۵ سو جب کہ نہی میں دونوں
احتمال ہیں تو دیکھنا چاہئے کہ احتیاط دونوں میں سے کونسی صورت کے
اختیار کرنے میں ہے اور ظاہر ہے کہ نماز بہت بڑی احتیاط کی

بلیغ فظاهر ان الاحتیاط فی الحمل
علی البطلان لان القضاء اذن
یکون فرضا بخلاف احتمال الکراهة
فحملنا علی البطلان ای بطلان الفریضة
لا بطلان نفس الصلوة لان المقتضی
للبطلان کان الاحتیاط والاحتیاط
محفوظ مع القول بصحة النفل فهذا
الوجه قد جاء التعارض بین احادیث
النهی وینبغی ان یکون هذا هو التفسیر
لقول علمائنا بوقوع التعارض بین
قسمی الروایات فلما وقع التعارض
رجعنا الی القیاس کما هو حکم التعارض
ولیس معنی هذا الرجوع ترك الاحادیث
والعمل بالقیاس بل معناه ترجیح
بعض محتملات الاحادیث بالقیاس
ثم العمل به من حیث انه حکم الحدیث
لا من حیث انه حکم القیاس فافهم
فلما رجعنا الی القیاس حکم القیاس
بترجیح توجیه یقتضی البطلان
فی احادیث الفجر وبترجیح توجیه
یقتضی الصحة فی احادیث العصر
فعملنا فی الفجر باحادیث البطلان
واولنا احادیث الاتمام وعملنا

پس ظاہر ہے کہ احتیاط عمل علی البطلان میں ہے۔ اسلئے
کہ قضا اس صورت میں فرض ہوگی بخلاف احتمال
کراہتہ کے۔ سو اسی لئے ہمنے ان احادیث کو بطلان
پر محمول کیا ہے یعنی بطلان فرض پر بطلان نفس
صلوۃ پر کیونکہ مقتضی بطلان کا احتیاط ہے اور
احتیاط محفوظ ہے باوجود قائل ہونے صحت
نفل کے اب عمل مذکور سے احادیث نہی اور احادیث
اتمام میں تعارض واقع ہوا۔
اور مناسب ہے کہ ہمارے علماء کے اس قول کی یہی تفسیر ہو
کہ جب روایات کی دونوں قسموں میں تعارض ہوا تو
ہمنے رجوع کیا قیاس کی طرف جیسا کہ تعارض کا حکم ہے
اور اس رجوع کے معنی احادیث کو ترک کردینا اور قیاس
پر عمل کرنا نہیں ہیں۔
بلکہ اسکے معنی بعض محتملات احادیث کو قیاس
سے ترجیح دینے اور پھر اُسی پر عمل کرنے کے ہیں
اس طور پر کہ وہ حدیث کا حکم ہے نہ اس طور پر
کہ وہ قیاس کا حکم ہے فافہم۔ اب اس صورت
میں کہ جب ہمنے رجوع قیاس کی جانب کیا
کیا تو قیاس مقتضی ہوا اُس توجیہ
کی ترجیح کو جو مقتضی ہے بطلان صلوۃ کو
احادیث فجر میں اور صحت صلوۃ کو احادیث
عصر میں۔ اس لئے ہمنے فجر میں احادیث بطلان
پر عمل کیا اور احادیث اتمام کی تاویل کی۔

فی العصر بالعکس فحکمنا ببطلان
الصلوٰۃ فی الفجر وبصحتھا فی العصر
فلم یفت منا عمل لشیء من الاحادیث
بالظاھر فی بعضھا وبالماول فی
بعضھا والاٰن بقی امران - الاول
ما وجہ القیاس فی الصلاتین
والثانی ما التاویل فی الاحادیث
بیان الاول ان الفجر وقت الشروع
قبل طلوع الشمس وجب کاملا لکمال
السبب وھو الوقت وبالطلوع صار
الوقت ناقصا وصارت الصلوٰۃ ناقصۃ
فلا یتادی الکامل بالناقص فتفسد
والعصر وقت الشروع قبل الغروب
وجب ناقصا لنقصان الوقت
فاداہ کما وجب فلم تفسد ھذا
وبیان الثانی ان معنی قولہ علیہ السلام
فقد ادرک ما قالہ الطحاوی ومعنی
فلیتم انہ لا یبطل التحریمۃ بل
یمضی فی الصلوٰۃ لانہ ان لم
یتاد فرضا تنعقد صحت نفلا کما فی الدر المختار
کما ھو الحکم فی الحج الفاسد ومعنی فلم
یفت صلوٰتہ لم یفت وقت صلوٰتہ
بل کان مدرکا للوقت فیکون حاصل

اور عصر میں اسکے عکس پر عمل کیا - لہٰذا اس صورت
میں ہمنے کسی حدیث کو نہیں چھوڑا بلکہ بعض
احادیث کے ظاہر اور بعض کو ماول کرکے
عملدرآمد کیا - اب دو امر باقی رہ گئے - اول
یہ کہ دونوں نمازوں میں وجہ قیاس کیا ہے
اور دوسری احادیث کی تاویل کیا ہے
تو وجہ قیاس کا بیان تو یہ ہے کہ نماز
فجر شروع کرنے کے وقت قبل طلوع آفتاب
کامل واجب ہوئی تھی - کیونکہ سبب یعنی وقت
کامل تھا اور طلوع آفتاب سے وقت ناقص
ہوگیا اور اس وجہ سے نماز بھی ناقص ہوگئی
پس کامل نماز ناقص ادا کرنے سے ادا نہوگی لہٰذا فاسد
ہوگئی اور نماز عصر شروع کرنیکے وقت قبل غروب
ناقص ہی واجب ہوئی ہے بوجہ وقت کے ناقص ہونیکے
اور اسکو ویسا ہی ادا کیا گیا جیسا کہ واجب ہوئی تھی
لہٰذا یہ فاسد نہیں ہوئی اور تاویل احادیث کا بیان یہ ہے کہ
حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے اس قول یعنی فقد ادرک کے معنی
وہ ہیں جو کہ طحاوی سے مذکور ہوچکے اور معنی فلیتم کے یہ
ہیں کہ مصلی نماز باطل نہ کرے بلکہ نماز پڑہتا رہے اسلئے
کہ نماز گو فرض ادا نہوگی لیکن نفل تو صحیح ہوجاوےگی
جیسا کہ درمختار میں ہے کما ھو الحکم فی الحج الفاسد
اور معنی فلم یفت صلوٰتہ کے یہ ہیں کہ نماز کا وقت
فوت نہیں ہوا بلکہ اسے نماز کا وقت مل گیا اور حاصل

معناہ ھو معنی فقد ادرک ۔ معنی وہی ہیں جو معنی فقد ادرک کے ہیں ۱۲ منہ

تفصیل المقام ان تاخیرہ صلی اللہ علیہ وسلم قضاء الصلوٰۃ الی ارتفاع الشمس مع قولہ علیہ السلام من نسی صلوٰۃ او نام عنہا فکفارتہا ان یصلیہا اذا ذکرہا رواہ مسلم وفی روایۃ لا کفارۃ لہا الا ذلک (ص ج ۱) الدال علی وجوب التعجیل فی القضاء اذا لم یکن عذر قوی وھو المذہب ایضا کما فی باب الدر المختار مع رد المحتار (ص ج ۱)

ونصہ التاخیر بلا عذر کبیرۃ لا تزول بالقضاء بل بالتوبۃ اذا قضاہا واثم التاخیر باق بحالہ ۔

وفی الدر ایضا ویجوز تاخیر الفوائت وان وجبت علی الفور لعذر السعی علی العیال وفی الحوائج علی الاصح اھ

قال الشامی تحت قولہ ویجوز تاخیر الفوائت ای الکثیرۃ[۱] المسقطۃ للترتیب اھ (ص ج ۱) فیہ دلیل علی ان ما بین طلوع الشمس وارتفاعہا وقت ناقص لا یصلح للفرائض ولو فائتۃ والا لما اخرہا فلما ثبت کونہ غیر صالح للفرض واذا اطلعت الشمس فی اثنائہ یقع بعض الفرض فی ہذا الوقت فیحکم بفسادہ ۔ لا یقال کان ہہنا امران احدہما التحرز عن الکراہۃ الزمانیۃ المفہومۃ من قولہ صلی اللہ علیہ وسلم فی حدیث عمرو بن عبسۃ واذا طلعت فلا تصل حتی ترتفع فانہا تطلع بین قرنی شیطان وثانیہما التحرز عن الکراہۃ المکانیۃ کما یشعر بہ قولہ صلی اللہ علیہ وسلم فی حدیث ابی ہریرۃ فان ہذا منزل حضرنا فیہ الشیطان فاین فیہ الدلالۃ علی کون التاخیر للکراہۃ الزمانیۃ فقط وانہا مفسدۃ للفرض لانا نقول حضور الشیطان لا یصلح مانعا اذ قد عرض للنبی صلی اللہ علیہ وسلم فی صلوٰۃ فلم یخرج منہا حتی اتمہا وقال لولا دعوۃ اخینا سلیمان لاصبح موثقا یلعب بہ ولدان المدینۃ والحدیث مشہور فی الصحاح فاستحال ان یکون التاخیر لذلک سیما وفی حدیث ابی قتادۃ انہ اخر الصلوٰۃ الی ان ارتفعت الشمس ثم صلاہا (وفی حدیث عمران بن حصین بروایۃ الحسن ثم انتظر حتی استعلت الشمس وفی حدیث نافع ابن جبیر عن ابیہ ثم قعد وا ھنیہۃ کما مر فی المتن) ففیہ ان تاخیرہ انما کان لیحل وقت الصلوٰۃ لا لما سواہ کذا فی المعتصر من المختصر (ص ج ۱) وقد صرح بذلک ابن عباس کما سیاتی وقال فلم یصل حتی ارتفعت فکان سبب التاخیر عندہ التحرز عن کراہۃ الوقت فقط والصحابی اعرف بعلۃ فعل الرسول صلی اللہ علیہ وسلم من غیرہ وبالجملۃ فان الکراہۃ المکانیۃ لا تصلح سببا للتاخیر وانما یستوجب التحول لاجلہا الی مکان آخر اذا وجد مسوغ للتاخیر مستقل ولیس ہو ہہنا الا الکراہۃ الزمانیۃ فحسب فتم ما قلنا ان تاخیرہ صلی اللہ علیہ وسلم قضاء الصلوٰۃ الی ارتفاع الشمس مع وجوہ

---

[۱] قلت وہذا التقیید باعتبار مفہوم المخالفۃ وھو معتبر فی کتب القوم وان لم یکن معتبرا عندنا فی الکتاب والسنۃ علی ان الفوائت لو کانت اقل من ہذا الحد لا یجوز تاخیرہا کما قال الشیخ ۱۲ منہ

على الفور دليل على كون الوقت غير صالح للفرض فان قيل سلمنا ان سبب التاخير هو الكراهة الزمانية ولكن فيها قسمان الاول ما قلتم اى الكراهة الشديدة التى لا تجتمع مع الصحة والثانى الكراهة الخفيفة ليست كذلك كما لا يخفى ومن ابتلى ببليتين يختار اهونهما وقد اختار النبى صلى الله عليه وسلم تاخير الصلوة الى ارتفاع الشمس فثبت ان الكراهة فى قضاء ما عند طلوع الشمس اشد وايضا فالصلوة محل الاحتياط مهما امكن قلنا فانا اذا حكمنا بالفساد ويكون قضاء تلك الصلوة فرضا واذا حكمنا بالكراهة الخفيفة لا يكون القضاء فرضا فقلنا بالكراهة الشديدة التى لا تجتمع مع الصحة ويؤيدنا ما سنح لبعض الصحابة عن قضاء الفجر فى هذا الوقت قبل الارتفاع كما سيأتى فان قيل ورد النهى بعد صلوة الصبح الى ان تطلع الشمس وبعد صلوة العصر حتى تغرب وخص بالتطوع اتفاقا وصح قضاء الفائتات فيها فليكن النهى فى هذه الاوقات كذلك قلنا النهى فيها لمعنى فى الصلوة بدليل ان من صلى الصبح او العصر ليس له ان يصلى فيهما التطوع ومن لم يكن صلاهما له ان يصلى فيهما اى ركعتين تطوعا قبل صلوة وما شاء من النوافل قبل العصر (٢) والوقت بالنسبة اليهما واحد وفى الاوقات الثلثة النهى لمعنى فى الوقت لقوله تطلع بين قرنى شيطان ونحوه فافترقا فلا يجوز قياس احدهما على الآخر واذا كان النهى لمعنى فى الوقت لا يجوز فيه صلوة اصلا سواء كانت فرضا او نفلا او فائتة لانها تستدعى وقتا صالحا لها وهذه الاوقات لا تصلح لها للعلة التى ذكرها النبى صلى الله عليه وسلم وهى عامة لا تختص بصلوة دون صلوة الا ان النفل يصح فيها مع الكراهة لما ثبت فى الاصول ان النهى عن الافعال الشرعية تستدعى مشروعيتها فى الجملة والا لم يكن للنهى معنى واما الفرض فلا يصح فيها بصفة الفرضية بل ينقلب نفلا لان النهى عن الصلوة فى هذه الاوقات انما تستدعى المشروعية فى الجملة لا على صفة الكمال ويكفى لها الصحة نفلا كما لا يخفى لانه من ادنى مراتب الصحة والضرورى انما يتقدر بقدر الضرورة وقد صرح فقهاؤنا بانقلاب فرض الفجر نفلا بطلوع الشمس من غير فساده كما فى الدر المختار آخر باب الاستخلاف (ص ٤٣٧ ج ١) واورد الحافظ فى الفتح علينا فقال وفيه اى فى قوله فان هذا منزل حضرنا فيه الشيطان رد على من زعم ان العلة فيه كون ذلك كان وقت الكراهة بل فى حديث الباب انهم لم يستيقظوا حتى وجدوا حر الشمس (اى عند البخارى ١٢ منه) ولمسلم من حديث ابى هريرة حتى ضربتهم الشمس وذلك لا يكون الا بعد ان يذهب وقت الكراهة. اهـ (ص ٣٨٧ ج ١) قلنا لا دليل فيه على الارتفاع قبل الاستيقاظ اذ يحتمل ان يكون طلعت بحرارتها كما هو موجود بالحجاز فى حرها الى الآن كذا فى المعتصر من المختصر (ص ٢٥ ج ١) ولا بد من هذا التاويل فقد روى عن ابن عباس ما يدل على استيقاظه قبل الارتفاع اخرج النسائى بسند حسن سكت عنه قال ادلج رسول الله صلى الله عليه وسلم ثم عرس فلم يستيقظ حتى طلعت الشمس او بعضها فلم يصل حتى ارتفعت الشمس فصلى الحديث (ص ١٠١ ج ١)

باسٹھویں حکمت بیع ازہار وثمار

قاعدہ عامہ وفائدہ تامہ فی بیع الازہار والثمار

فی الدر المختار (ومن باع ثمرة بارزة) اما قبل الظهور فلا یصح اتفاقا (ظهر صلاحها اولا) صح
فی الاصح (ولو برز بعضها دون بعض لا) یصح (فی ظاهر المذهب) وصححه السرخسی وافتی
الحلوانی بالجواز لو الخارج اکثر زیلعی (ویقطعها المشتری فی الحال) جبرا علیه (وان شرط
ترکها علی الاشجار فسد) البیع کشرط القطع علی البائع حاوی (وقیل) قائله محمد (لا)
یفسد (اذا تناهت) الثمرة للتعارف فکان شرطا یقتضیه العقد (وبه یفتی) بحر عن الاسرار
لکن فی القهستانی عن المضمرات انه علی قولهما الفتوی فتنبه وقید باشتراط الترک لانه لو
شراها مطلقا وترکها باذن البائع طاب له الزیادة وان بغیر اذنه تصدق بما زاد فی ذاتها
وان بعد ما تناهت لم یتصدق بشئ وان استاجر الشجر الی وقت الادراک بطلت الاجارة
وطابت الزیادة لبقاء الاذن ولو استاجر الارض لترک الزرع فسدت لجهالة المدة ولم
تطب الزیادة ملتقی الابحر لفساد الاذن بفساد الاجارة بخلاف الباطل کما حررناه فی
شرحه والحیلة ان یاخذ الشجرة معاملة علی ان له جزءا من الف جزء وان یشتری اصول
الرطبة کالباذنجان واشجار البطیخ والخیار لکون الحادث للمشتری وفی الزرع والحشیش
یشتری الموجود ببعض الثمن ویستاجر الارض مدة معلومة یعلم فیها الادراک بباقی الثمن
وفی الاشجار الموجود ویحل له البائع ما یوجد فان خاف ان یرجع یقول علی انی متی رجعت
فی الاذن تکون ماذونا فی الترک .... شمنی ملخصًا وفی رد المحتار تحت
قوله ظهر صلاحها اولا فانه عندنا ان کان بحال لا ینتفع به فی الاکل ولا فی علف
الدواب فیه خلاف بین المشائخ قیل لا یجوز ونسبه قاضیخان لعامة مشائخنا والصحیح
انه یجوز لانه مال منتفع به فی ثانی الحال ان لم یکن منتفعا به فی الحال والحیلة فی جوازها
باتفاق المشائخ ان یبیع الکمثری اول ما تخرج مع اوراق الشجر فیجوز فیها تبعا للاوراق کانه
ورق کله وان کان بحیث ینتفع به ولو علفا للدواب فالبیع جائز باتفاق اهل المذهب

اذا باع بشرط القطع او مطلقا اھ وفیہ بحث قولہ وافتی الحلوانی بالجواز وزعم انہ مروی عن اصحابنا وکذا حکی عن الامام الفضلی وقال استحسن فیہ لتعامل الناس وفی نزع الناس عن عادتھم حرج قال فی الفتح وقد رأیت روایۃ فی نحو ھذا عن محمد فی بیع الورد علی الاشجار فان الورد متلاحق وجوز البیع فی الکل وھو قول مالک اھ وفیہ بعد حکی لکن لایخفی تحقق الضرورۃ فی زماننا ولاسیما فی مثل دمشق الشام کثیرۃ الاشجار والثمار فانہ لغلبۃ الجھل علی الناس لایمکن الزامھم بالتخلص باحد الطرق المذکورۃ وان امکن ذالک بالنسبۃ الی بعض افراد الناس لایمکن بالنسبۃ الی عامتھم وفی نزعھم عن عادتھم حرج کما علمت ویلزم تحریم اکل الثمار فی ھذہ البلدان اذ لاتباع الا کذلک والنبی صلی اللہ علیہ وسلم انما رخص فی السلم للضرورۃ مع انہ بیع المعدوم فحیث تحققت الضرورۃ ھنا ایضا امکن الحاقہ بالسلم بطریق الدلالۃ فلم یکن مصادما للنص فلذا جعلوہ من الاستحسان لان القیاس عدم الجواز وظاھر کلام الفتح المیل الی الجواز ولذا اورد لہ الروایۃ عن محمد بل تقدم ان الحلوانی رواہ عن اصحابنا وما ضاق الامر الا اتسع ولایخفی ان ھذا مسوغ للعدول عن ظاھر الروایۃ کما یعلم من رسالتنا المسماۃ نشر العرف فی بناء بعض الاحکام علی العرف فراجعھا۔ قولہ ولو الخارج اکثر ذکر فی البحر ان الفتح انما نقلہ شمس الائمۃ عن الامام الفضلی لم یقیدہ عنہ بکون الموجود وقت العقد اکثر بل قال عنہ اجعل الموجود اصلا وما یحدث بعد ذلک تبعا۔ قولہ جبرا علیہ مفادہ انہ لاخیار للمشتری فی ابطال البیع اذا امتنع البائع عن ابقاء الثمار علی الاشجار وفیہ بحث لصاحب البحر والنھر سیذکرہ الشارح اٰخر الباب ونصہ فی اٰخر الباب ھکذا قال فی النھر ولا فرق نظھر بین المشتری والبائع فی رد المحتار اصلہ لصاحب البحر وحاصل البحث انہ ینبغی علی قیاس ھذا انہ لو باع ثمرۃ بدون الشجر ولم یرض البائع باعارۃ الشجر ان یتخیر المشتری ایضا ان شاء ابطل البیع او قطعھا لان فی القطع اتلافا للمال وقد نص علیہ الخ قولہ فتنبہ اشار بہ الی اختلاف التصحیح وتخییر المفتی فی الافتاء بایھما شاء لکن حیث کان قول محمد ھو الاستحسان یترجح علی قولھما تامل۔ وفیہ بحث قولہ کما حررناہ فی

شرح ما نصہ وحاصل الفرق کما فی الفتح وغیرہ ان الفاسد لہ وجود لانہ فائت الوصف دون الاصل فکان الاذن ثابتا فی ضمنہ فیفسد بخلاف الباطل فانہ لا وجود لہ اصلا فلم یوجد الا الاذن۔ قولہ وان یشتری الخ۔ ھذہ حیلۃ ثانیۃ وبیانھا ان المشتری اما ان یکون ما یوجد شیئا فشیئا وقد وجد بعضہ اولم یوجد منہ شیئ کالباذنجان والبطیخ والخیار او یوجد کلہ لکنہ لم یدرک کالزرع والحشیش او یکون وجد بعضہ دون بعض کثمر الاشجار المختلفۃ الانواع ففی الاول یشتری الاصول ببعض الثمن ویستاجر الارض مدۃ معلومۃ بباقی الثمن لئلا یامرہ البائع بالقلع قبل خروج الباقی او قبل الادراک وفی الثانی یشتری الموجود من الحشیش والزرع ویستاجر الارض کما قلنا وفی الثالث یشتری الموجود من الثمر بکل الثمن ویحل لہ البائع ما سیوجد لان استیجار الارض لا یتانی ھنا لان الاشجار باقیۃ علی ملک البائع وقیامھا علی الارض مانع من صحۃ استیجار الارض ج۴ ص۳۸ تا ص۴۱ ـ

روایات بالا سے امور ذیل مستفاد ہوئے

(۱) پھل جب تک نکل نہ آوے اسکی بیع مطلقاً ناجائز ہے اور حیلہ سلم کا اسلئے نہیں ہو سکتا کہ اسمیں مسلم فیہ کا وقت عقد کے اس جگہ پایا جانا شرط ہے۔

(۲) پھل نکل آنیکے بعد بیع جائز ہے اگر قابل انتفاع ہو تو اتفاقاً ورنہ اختلافاً۔

(۳) اگر کچھ ظاہر ہوا اور کچھ ظاہر نہیں ہوا اس کو امام فضلی نے جائز کہا ہے۔

(۴) بعد صحت بیع کے بائع نے مشتری کو پھل کے درخت پر رہنے دینے کی اجازت دیدی صراحۃً یا دلالۃً تو پھل حلال رہے گا۔

(۵) اگر بائع اس اذن پر راضی نہ ہو تو بعض کے نزدیک مشتری بیع کو فسخ کر سکتا ہے۔

(۶) جو پھل تھوڑا تھوڑا آتا ہو جیسے امرود تو بعض کے ظاہر ہونیکے بعد بیع درست ہے۔

(۷) اسی طرح گلاب وغیرہ کے پھولوں کا یہی حکم ہے کہ بعض کا ظاہر ہو جانا کافی ہے اور اگرچہ احکام مذکورہ میں سے بعض میں اختلاف بھی ہے۔ مگر ابتلاء عام میں گنجایش ہے۔

ضمیمہ مضمون بالا

اِن ثمار کے متعلق ہمارے اضلاع میں ایک رسم ہے کہ بائع ثمار مشتری سے ثمن کے علاوہ ایک مقدار خاص سے کچھ ثمر لینا بھی ٹھہرا لیتا ہے۔ مثلاً تخمینگی بہم اتنے وزن سے ثمر کنار یا اتنی تعداد سے ثمر ابتہ بھی تم سے لینگے اور وہ اسکو منظور کر لیتا ہے اور وقت پر دیدیتا ہے کبھی یکبارگی اور کبھی متفرق کر کے اور اسمیں نزاع و اختلاف بھی اکثر نہیں ہوتا اور کبھی پھل کی پیداوار میں کمی ہوتی ہے تو بعض بائعین اُس مقدار میں بھی کمی کر دیتے ہیں اور اسکو اصطلاح میں جنس کہتے ہیں پس یہ مسئلہ بھی قابل بحث ہے سو ایک توجیہ تو اسکے جواز کی اسکو استثنار میں داخل کرنے سے محتمل ہے مگر یہ اسلئے صحیح نہیں کہ اس تقدیر پر مشتری فی الفور بائع سے مطالبہ کر سکتا ہے کہ اپنا پھل غیر مبیع میرے مبیع پھل سے تقسیم کر کے متمیز کر دو اور وہ انکار نہیں کر سکتا اور بائع اسکو ایک وقت خاص تک اسکی حفاظت کرنے پر مجبور نہیں کر سکتا ....

حالانکہ یہ عرف و شرط او مقصود کے خلاف ہے ....

اور ایک توجیہ یہ محتمل ہے کہ ثمن دو چیزوں کو کہا جاوے ایک تو روپیہ کی رقم دوسرا اتنا پھل لیکن یہ اسلئے صحیح نہیں کہ ایک تو خود مبیع کے ایک جزو کو ثمن ٹھہرانا جائز نہیں۔ دوسرے اس صورت میں شرع وقت بیع کے مقدور التسلیم نہیں پس یہ دونوں توجیہیں قواعد پر منطبق نہیں ہوتیں مگر اسمیں ابتلاء عام ہے اسلئے ضرورت معلوم ہوتی ہے اسکو کسی کلیہ پر منطبق کرنیکی سو احقر کے خیال میں یہ توجیہ آتی ہے کہ فقہا نے تصریح کی ہے کہ بعد تکمیل بیع کے بھی تراضی متعاقدین سے ثمن میں بھی اور مبیع میں بھی زیادت بھی جائز ہے اور حط یعنی کمی بھی جائز ہے جیسا زیادہ کے خریدار کو کمیشن واپس کرنا جسکی حقیقت حط ثمن ہے عام طور سے رائج ہے اسی طرح اسکو حط مبیع میں داخل کیا جاوے یعنی بیع تو ہو گئی کل کی مگر بیع میں یہ شرط ٹھہر گئی کہ مشتری اسقدر مبیع بائع کو فلاں وقت واپس کر دیگا اور ہر چند کہ وقت کی شرط قواعد سے اسپر لازم نہیں مگر فقہ میں اسکی بھی تصریح ہے کہ جو وعدہ ضمن عقد میں ہو وہ لازم ہو جاتا ہے اسلئے اسکو لازم بھی کہا جاویگا۔ اب صرف اسمیں دو شبہے رہ گئے ایک یہ کہ شاید اتنا پیدا نہ ہو دوسرے اگر پیدا بھی ہو تو اسکے احاد متفاوت ہوتے ہیں تعیین کیسے ہو گی جواب اسکا یہ ہے کہ ہم التزام کرلیں گے کہ یہ مقدار جنس کی اتنی ہونا چاہیئے کہ اسمیں یہ شبہ نہ رہے اور تفاوت کا تدارک یہ ہے کہ موری کا وصف بیان کر دیا جاوے کہ بڑا ہوگا یا چھوٹا یا مخلوط جسمیں نزاع نہ ہو اور جہالت

یسیرہ کا بہت جگہ تحمل کر لیا گیا ہے۔ فقط اشرف علی۔ یکم صفر ۱۳۳۴ھ۔

تریسٹھویں حکمت کتابت قرآن و ترجمہ در دو کالم متقابل

سوال ۔ قرآن شریف جسکے ایک ہی صفحہ میں کلام پاک عربی تحریر میں ہو اور اس کے ترجمہ انگریزی اردو یا صرف انگریزی ترجمہ اور انگریزی میں تفسیر ہو رکھنا اور پڑھنا اور چھاپنا درست ہے یا نہیں۔

یہاں سے یہ جواب گیا

عبارت سوال سے صورت اسکی ذہن میں نہیں آئی اس کا ایک صفحہ نقل کرا کر بھیجئے۔ پھر سائل نے نمونہ بھیجا جس کا نقشہ یہ ہے۔

ترجمہ انگریزی	قرآن شریف

تفسیر انگریزی۔

یہاں سے یہ جواب لکھا گیا

الجواب اس طرز میں تشبہ ہے غیر اہل اسلام کے ساتھ کیونکہ یہ ان ہی کا ایجاد اور انہی میں شائع ہے۔ اور اہل اسلام میں اسکا ایسا شیوع نہیں ہوا کہ غیر اہل سلام کے ساتھ۔ اس میں مختص کے نزدیک ہوں اس لئے منع کیا جاویگا۔ دوسرا اس ہیئت میں صورت معارضہ و تقابل و موازنہ کی سی ہے چنانچہ جن مضامین میں تقابل و توازن دکھلایا جاتا ہے وہ اسی ہیئت میں لکھے جاتے ہیں اور یہ امر مشاہد ہے اور معارضہ قرآن کا جیسا مذموم ہے اسکی صورت مشابہ بھی مذموم ہے۔ باقی ان اجزا کا جمع کرنا اس ہیئت سے بھی ہو سکتا ہے۔

قرآن شریف
ترجمہ
تفسیر

واللہ اعلم۔ ۱۰ رجب ۱۳۳۵ھ

چونسٹھویں حکمت تحقیق اجرۃ الانکاح

الصراح فی اُجرۃ الانکاح

بعد الحمد والصلوٰۃ والسلام للہ تعالیٰ وعلیٰ رسولہ وآلہ واصحابہ الکرام بہت روز سے میرے دل میں خیال تھا کہ اس نکاح خوانی کی اجرت متعارفہ کے متعلق کچھ تحقیق کیا جاوے لیکن اتفاق سے آجکل خاص طور پر اس کا ایک استفتاء آگیا چونکہ اس کا جواب قدرے مفصل لکھا گیا جس سے وہ ایک چھوٹے رسالہ کی برابر ہو گیا اسلئے بمناسبت ان الحق الصراح فی اجرۃ الانکاح اس کا نام رکھدینا مناسب معلوم ہوا وجہ استفتاء کی یہ ہوئی تھی کہ احقر نے ایک جگہ ایک حافظ صاحب کو نیابت سے منع کر دیا تھا اسلئے منیب کے صاحبزادے نے بغرض اپنے والد ماجد کو کہ ان کا قیام دوسری جگہ ہے حکم شرعی سے اطلاع دینے کے اسکی تحقیق کی۔ فبارک اللہ تعالیٰ فیہم۔ العبد محمد اشرف علی عفی عنہ۔

سوال حضرت اقدس جناب مولوی صاحب مدظلہ العالی السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہٗ حافظ صاحب نے رجسٹر نکاح یہ فرما کر واپس کر دیا ہے کہ مولوی صاحب فرماتے ہیں کہ اول تو یہ آمدنی ناجائز ہے اور اگر طوعاً وکرہاً جائز ہوتی بھی ہے تو اس طرح ناجائز ہو جاتی ہے کہ تم انہیں سے کچھ جزو قاضی صاحب کو دیتے ہو جو مقدمہ رشوت ہے رشوت جبریہ تو جائز ہے بھی مگر یہ رشوت طبعی ہے بلا کسی دباؤ کے محض بغرض انتفاع اسلئے ناجائز ہے۔ جناب والد صاحب یہاں تشریف نہیں رکھتے جو اس کام کو خود انجام فرما دیتے یا اور کوئی انتظام فرماتے لہٰذا میری عرض یہ ہے کہ آپکی خدمت میں بذریعہ عریضہ کل احکام متعلقہ جواز وعدم جواز عرض کر دوں تاکہ انتظام میں سہولت ہو ورنہ خدا جانے کیا انتظام ہو اور ناحق مبتلائے گناہ بھی ہونا پڑے۔ پس گذارش ہے کہ جناب ضروری احکام متعلقہ سے مطلع فرما کر سرفراز فرماویں گے اور نیز اس سے بھی مطلع فرما دینگے کہ آیا بطور تنخواہ دار کے کسی شخص سے یہ کام لیا جاوے تو جائز بھی ہے یا نہیں اطلاعاً یہ بھی گذارش ہے کہ لوگ نکاح خوان کا حق صرف چار ہی آنہ خیال کرتے ہیں باقی ایک روپیہ قاضی صاحب کے نام کا ہوتا ہے جسکو عطیہ یا نذرانہ جو کچھ بھی ہو کہنا چاہیے اور اکثر ایسا ہوا بھی ہے کہ قاضی صاحب کے نام کا روپیہ انھوں نے نکاح خوان کو نہیں دیا خود اپنے آپ آکر دیگئے ہیں مگر یہ ہے کہ اگر حافظ صاحب نے یہ کام نہ کیا اور لوگوں سے یہ امید نہیں کہ وہ مسائل کی تحقیق کرینگے پس بہت سے نکاح خلاف شرع ہو جاویں گے

جوابؔ - اس کا مجمل جواب تو یہ ہے کہ مولانا محمد اسحٰق دہلوی رحمۃ اللہ تعالیٰ نے مسائل اربعین میں ایک ایسے سوال کے جواب میں خزانۃ الروایات سے استدلال کرکے اس کے ناجائز ہونے کا فتویٰ دیا ہے چنانچہ وہ سوال و جواب مع روایات نقل ہوتا ہے۔

(**مسئلہ**) بعد نکاح قاضی و وکیل و شاہدان کہ از طرف عروس می آیند بخوشی خود بدون مطالبہ ایشان چیزے دادن جائز باشد

جواب - دادن ایں مردمان بدون مطالبہ جبر از طرف ایشان مباح است و اگر جبر کنند و خواہ مخواہ بکد و اصرار طلب نمایند و بگیرند پس مباح نیست چنانچہ در کتاب خزانۃ الروایات مرقوم است۔

وما سنہ القضاۃ فی دار الاسلام ظلم صریح ہو ان یاخذوا من الانکحۃ شیئا ثم یجبرون اولیاء الزوج والزوجۃ بالمناکحۃ فانہم مالم یعطوا الشیء من اولیاءہم لم یجیزوا بذلک فانہ حرام للقاضی والمناکح انتہی الجواب المذکور قلت فکما ان الاجازۃ غیر متقومۃ لا یحل العوض عنہا کذلک الجاہ والعقود الفاسدۃ التی ہی المنشأ فی الاکثر لہذا الاخذ کما سیاتی غیر متقومۃ لا یحل العوض عنہا اور مفصل جواب یہ ہے کہ جو چیز کسی کو دیجاتی ہے اسکی دو حالتیں ہیں یا تو بعوض دیا جاتا ہے یا بلا عوض اور جو بعوض دیا جاتا ہے وہ دو حال سے خالی نہیں یا تو ایسی شے کا عوض ہے جو شرعاً متقوم و قابل ہے اور یا ایسی شے کا عوض ہے جو شرعاً متقوم و قابل عوض نہیں خواہ حقیقۃً جیسا عقود باطلہ میں ہوتا ہے یا حکماً جیسا عقود فاسدہ میں ہوتا ہے اور جو بلا عوض دیا جاتا ہے وہ بھی دو حال سے خالی نہیں یا تو محض طیب خاطر اور آزادی سے دیا جاتا ہے یا تنگی خاطر و کراہت قلب سے دیا جاتا ہے خواہ وہ تنگی اور کراہت زیادہ ہو یا کم ہو یہ کل چار قسمیں ہوئیں قسم اول جو متقوم شے کے عوض میں حاصل ہو قسم دوم جو غیر متقوم شے کے عوض میں حاصل ہو قسم سوم جو بلا عوض بطیب خاطر حاصل ہو قسم چہارم جو بلا عوض بکراہت حاصل ہو قسم اول بوجہ اجرت یا ثمن ہونیکے اور قسم سوم بوجہ ہبہ و عطیہ ہونیکے حلال ہے اور قسم دوم بوجہ رشوت یا ربوا حقیقی یا حکمی ہونیکے اور قسم چہارم بوجہ ظلم یا جبر فی التبرع ہونیکے حرام ہے۔ اب دیکھنا چاہیے کہ نکاح خوانی کی آمدنی کون قسم میں داخل ہوتا کہ اسکا ویسا ہی حکم ہو اگر قسم اول میں داخل کیا جاوے جیسا خود نکاح پڑھنے والے کی نسبت اسکا ظاہرا احتمال ہو سکتا ہے کیونکہ جو خود نکاح پڑھنے نہ جاوے وہاں تو اسکا احتمال ہی نہیں البتہ نکاح خوان کے اعتبار سے فی نفسہ اس کا شبہ ہو سکتا ہے کہ یہ نکاح خوان کے اس عمل کی اجرت ہے مگر غور کرنے کے بعد یہ احتمال صحیح نہیں رہتا ہے کیونکہ صحت اجارہ کے لیے شرعاً چند امور لازم ہیں وہ یہ کہ کام لینے والے کو پورا اختیار ہو

ع۵ اس جواب پر ... ہے اصل جواب ترجیح الراجح حصہ ۱۱ تا ص ۱۹ میں ہے ۱۲

جس سے چاہے کام لے اور کام کرنے والیکو پورا اختیار ہو کہ کام کرے یا نہ کرے اور اسی طرح مقدار اُجرت ٹھہرانے
میں کام لینے والیکو پورا اختیار ہو کہ جسقدر چاہے کم کہہ سکے اور زیادہ پر راضی نہو اور کام کرنے والیکو بھی پورا
اختیار ہو کہ جتنا چاہے زیادہ مانگے ان اُمور میں اپنی آزادی و اختیار سے منتفع ہونے میں ایک دوسرے کی
طرف سے کوئی طعن یا ملامت مانع نہو اور یہ سب امور مسئلہ مبحوث عنہا میں مفقود ہیں کیونکہ گو کام لینے والیکو
اسمیں تو آزادی حاصل ہے کہ کسی سے مفت نکاح پڑھوا لے لیکن اگر وہ اُجرت پر کسی نے شخص سے نکاح
پڑھوا لے مثلاً مجمع حاضرین میں سے کیما اتفق کسی کو کہدے کہ تم پڑھ دو اور وہ اُجرت تمکو دینگے یا اسی
مقرر نکاح خوان سے کہے کہ تم دوسری جگہ اتنا لیتے ہو ہم تو اس سے نصف دینگے اگر ہمیں پڑھتے تو ہم کسی
دوسرے کو بلا لیں گے یا اسی طرح اگر کام دینے والا نہ تو خود جاوے اور نہ اپنی طرف سے کسی کے بھیجنے کا اہتمام
کرے بلکہ صاف جواب دیدے کہ کچھ ہمارے ذمہ نہیں یا یوں کہے کہ گو اور جگہ سو ایک روپیہ لیتا ہوں مگر تم سے
دس لونگا چاہے لے چلو چاہے نہ لے چلو تو ضرور ان چاروں صورتوں میں ایک دوسرے کی طرف سے بھی
اور عام سننے دیکھنے والوں کی طرف سے سخت ملامت ہوگی کہ لو صاحب ہمیشہ سے تو اس طرح چلا آرہا ہے
انھوں نے یہ نئی بات نکالی اور سب قائل معقول کر کے اسی رسم قدیم پر اسکو مجبور کرینگے پس جب صحت
اجارہ کے شرائط مفقود ہیں تو اجارہ مشروعہ نہ رہا پھر اُجرت کہنے کی گنجایش کہاں رہی پھر غور کرنے سے
یہ بھی معلوم ہوتا کہ نکاح خوان بلانے والے کا اجیر نہیں سمجھا جاتا بلکہ خود اصل قاضی کے خیال میں بھی اور
دوسرے عوام کے خیال میں بھی اصل قاضی کا نوکر سمجھا جاتا ہے چنانچہ وہ قاضی اسکو جب چاہے معزول
کر دیتا ہے اور اس صورت میں اسکا غیر مشروع ہونا اور زیادہ ظاہر ہے کیونکہ نوکر کسی کا اور اُجرت کسی کے ذمہ
یہ خود باطل ہے اور شرع میں اسکی کوئی نظیر نہیں اور اگر قسم سوم میں داخل کیا جاوے جیسا خود نکاح پڑھنے
والے کی نسبت اسکا ظاہرا احتمال ہو سکتا ہے کیونکہ جو شخص نکاح پڑھانے گیا ہے وہاں تو مفت ملنے کا
احتمال ہی نہیں البتہ غیر نکاح خوان کے اعتبار سے ظاہراً علی عکس القسم الاول اسکا شبہ ہو سکتا ہے کہ
یہ اسکو عطیہ و ہدیہ کے طور پر دیا گیا ہے جیسا سوال میں اس سے تعرض بھی ہے مگر غور کرنیکے بعد یہ احتمال
بھی صحیح نہیں رہتا کیونکہ مشروعیت ہدیہ کیلئے بھی چند امور لازم ہیں وہ یہ کہ نہ تو دینے والا اسکو لینے والے
کا اور نہ خود لینے والا اسکو اپنا حق سمجھے اور دینا بھی ضروری نہ سمجھا وی اور اسی طرح مقدار ہدیہ میں دینے والیکو
اختیار ہو کہ خواہ کم دے یا زیادہ دے غرضکہ نہ دینے میں بھی ملامت نہو اور کم دینے پر بھی ملامت نہ ہو اور مسئلہ مبحوث

عنہا میں یہ امور بھی مفقود ہیں کیونکہ گو بعضے لوگوں کو امید آزادی حاصل ہو کہ بالکل نہ دیں چنانچہ جو لوگ اس سے
پورے واقف ہیں کہ ان کا کوئی حق نہیں وہ بالکل نہیں دیتے اور ان پر ملامت بھی نہیں کیجاتی لیکن عوام میں سے
جو لوگ دیتے ہیں وہ بیشک یہی سمجھ کر دیتے ہیں کہ ان کا حق ہے خواہ بوجہ قدامت کے کہ ان کے بڑوں سے
یہ بات چلی آرہی ہے خواہ اس خیال سے کہ انکو اس کام پر سرکار نے مقرر کر دیا ہے خواہ بوجہ زمینداری کے کہ
ہم انکی رعایا ہیں جیسا مختلف مقامات پر مختلف عادات وخیالات ہیں غرض دینے والے بھی حق سمجھتے
ہیں اور لینے والے بھی بعضے تو ویسے بھی حق سمجھتے ہیں چنانچہ بعض ان میں تنخواہ ہونکی طرح مانگ مانگ لیتے
ہیں اور بعضے تدبیرات وتقریرات سے اسکی کوشش کرتے ہیں کہ عوام میں یہ خیالات جاگزیں رہیں کہ یہ ان کا
حق ہے حتی کہ اگر دوسرا ان ہی کی طرح اس کام کو کرنا شروع کرے تو اس سے آزردہ اور اسکے درپے ہوتے ہیں کہ یہ ہمارے
حق میں خلل ڈالتا ہے اسی طرح اگر کوئی بجائے روپیہ کے آنہ دو آنہ دینا چاہے تو خود لینے والا بھی اور دوسرے لوگ
بھی اسکو طریقہ مقررہ کے خلاف سمجھکر موجب ملامت قرار دیں گے جب شروعیت ہدیہ کے شرائط مفقود ہوئے
پھر ہدیہ کہنے کی گنجائش کہاں رہی جب اس آمدنی کا قسم اول وسوم میں داخل ہونا ثابت ہو گیا پس لامحالہ قسم
دوم یا چہارم میں داخل ہوگی جسکی وجہ قسمین منفیین کی تقریر ہی سے خود ظاہر ہو چکی ہے اور تنبیہ مکرر کیلئے اسکا خلاصہ
پھر عرض کئے دیتا ہوں کہ بدون نکاح پڑھے دینا جیسا اکثر منیب کو ملتا ہو یا تو ان کے جاہ وقدامت وزمینداری
کے عوض میں ہے اور یہ سب امور غیر متقوم ہیں تب تو یہ دینا رشوت ہوگا اور یا پابندی رسم کے سبب یا حق سمجھنے
کی وجہ سے ہے تو یہ جبر فی التبرع ہوگا اور نکاح پڑھوا کر دینا جیسا اکثر نائب کو اور کہیں منیب کو ملتا ہو یہ اجارہ
فاسدہ پر مبنی ہے اور خصوصا جبکہ نائب نوکر قاضی کا سمجھا جاوے تو یہ آمدنی اجارہ غیر مشروع کی کمائی
ہوگی جب اسکا قسم دوم یا چہارم میں داخل ہونا ثابت ہوگیا تو ان دونوں قسموں کا جو حکم تھا یعنی عدم جواز وہ
بھی ثابت ہو گیا اور یہ تقریر تو اس عمل کی نفس حقیقت کے اعتبار سے تھی اور اگر اسکے ساتھ ایک امر خارجی کو
بھی ملاحظہ فرمایا جاوے جو کہ وقوع میں اسکا مقترن ہے وہ یہ کہ اکثر جگہ عادت ہے کہ نکاح خوانی کیلئے بلایا ہوا
تو دولہن والا ہوتا ہے اور نکاح خوانی دلواتے ہیں دولہا والے سے اور وہ بوجہ پابندی رسم کے خواہ مخواہ دیتا ہے
جو کہ شرعا محض ناجائز ہے کہ بلا وجہ شرعی کسی سے کوئی رقم اسکو ضروری ولازم قرار دیکر وصول کیجاوے تو اس
عارض کی وجہ سے اسکا عدم جواز اور زیادہ مؤکد ہو جاویگا غرض باعتبار نفس عمل کے بھی اور باعتبار اس
عارض کے بھی یہ رقم ناجائز ٹھہری اور یہ تمام کلام خود لینے والے کے اعتبار سے ہے اور دوسرے کو دیا

کے ذمہ سمجھا جاتا ہے کہ وہ ایک بڑا حصہ اس رقم کا اپنے غیب کو دے سو یہ دینا محض اس عادیہ
ہوتا ہے کہ اُس نے مجھکو اس کام کیلئے اجازت دی ہے اور ظاہر ہے کہ یہ اجازت دینا شریعت میں ....
.... ہے اور غیر متقوم کے عوض میں دینا رشوت ہے اور رشوت بلا ضرورت دفع ظلم دینا حرام ہے پس
اس دینے والیکو ایک گناہ رشوت دینے کا اور زائد ہوا غرض جو صورتیں اسکی متعارف ہیں اُنمیں کسی کو نہ
لینا جائز ہے اور نہ دینا جائز ہے اور اسمیں نائب و غیب اور شادی والے سب آ گئے جیسا بوجہ انکا سوال
اسکی تفصیل گذر چکی اب ان متعارف صورتوں کے علاوہ ۲ دو صورتیں اور رہ گئیں جنمیں ظاہراً جواز کا احتمال
معلوم ہوتا ہے ایک یہ کہ بطور اجارہ کے قاضی کسی کو نوکر رکھکر اسکی تنخواہ مقرر کر دیں اور اُس سے کام
لیں جس سے سوال میں بھی تعرض ہے دوسرے یہ کہ بطور شرکت تقبل کے قاضی میں اور دوسرے کسی شخص
میں باہم قرارداد ہو جاوے کہ دونوں نکاح پڑھا کریں اور جو کچھ دونوں کو آمدنی ہو وہ خلاں نسبت سے باہم تقسیم
کر لیا کریں سو تامل کرنیکے بعد ان میں بھی جواز نہیں معلوم ہوتا مثلاً اول صورت میں اگر اسکو اجیر خاص کہا جاوے
تو اُسمیں دوسری نوکری نہیں کر سکتا حالانکہ اسمیں نائب کو اسکی ممانعت نہیں ہوتی اور اگر اجیر مشترک کہا جاوے
تو اجیر مشترک ہر شخص کا جو کام چاہے کر سکتا ہے حالانکہ یقینی بات ہے اگر قاضی کو معلوم ہو جاوے کہ یہ نائب
کچھ نکاح میری طرف سے پڑھتا ہے اور کچھ دوسرے شخص کی طرف سے جو اتفاقاً مثل قاضی کے وہ بھی
یہی کام کرتا ہو تو یقیناً اُس نائب کو معزول کر دیگا پھر دونوں شقوں میں محذور مشترک یہ ہے کہ خود قاضی
میں اور اہل تقریب میں باہم کوئی عقد اجارہ نہیں ٹھہرتا پھر اُس قاضی کو اُجرت لینا کس طرح جائز ہوگا
اور اگر کہا جاوے یہی نائب وکالۃً اہل تقریب سے عقد اجارہ ٹھہرا لے جو مثل قبول قاضی کے ہوگا اسکا جواب
ایک تو اُنہیں دونوں شقوں کے جدا جدا محذور سے معلوم ہو گیا کیونکہ جواز کے مقتضیات جمع ہونے سے عدم جواز کا
مقتضی مؤثر ہوگا۔ دوسرا جواب آگے شرکت تقبل کے محذور سوم میں آتا ہے۔ یہ تحقیق تو اول صورت کی ہوئی اور
دوسری صورت یعنی شرکت تقبل والا تو ایسا واقع نہیں کیونکہ قاضی کو جو ملتا ہے اُسمیں سے نائب کو کچھ نہیں
دیا جاتا دوسرے ہدایہ کتاب القسمۃ میں مصرح ہے کہ جو لوگ تقسیم کا کام اُجرت پر کرتے ہوں حاکم اسلام کو چاہیئے
کہ انکو باہم شریک نہونے دے کہ عمل تقسیم کی اُجرت گراں نہو جاوے یہی حال ہے نکاح خوانی کا کہ ضرورت
اسکی دنیا اور دین دونوں اعتبار سے ہر شخص کو پڑتی ہے اور اکثر نکاح خواں لوگ باوجود بہت ہوتے ہیں
اگر سب جدا جدا رہیں گے ہر شخص ارزاں ملیگا اور اگر سب شریک ہو گئے تو گراں ہو جاوینگے تیسری خرابی یہ ہے

جو قسم سوم کی نفی میں مذکور ہوئی ہے کہ عرفاً یہ قاضی کا حق مختص سمجھا جاتا ہے ظاہر ہے کہ اختصاص کا کوئی استحقاق نہیں اور جو شخص قاضی یا نائب قاضی کو بلاتا ہے اسی استحقاق و اختصاص کی بنا پر بلاتا ہے پس قاضی کا اجیر بنانا جب اس بنا فاسد پر مبنی ہے تو خواہ وہ بلا انفراد اجیر ہو جیسا ابھی صورت اولی میں مذکور ہوا جس میں حوالہ اسی محذور سوم کا دیا گیا ہے اور خواہ بالاشتراک اجیر ہو جیسا اس صورت میں دوم میں فرض کیا گیا ہے ہر حالت میں بناء الفاسد علی الفاسد کے سبب ناجائز ہوگا۔ پس سابقہ متعارف صورتیں اور اجیر کی غیر متعارف صورتیں سب ناجائز قرار پائیں البتہ اگر مثل دیگر معمولی اجارات تعلیم اطفال و فرائض نویسی اور دوسری صنعتوں اور حرفتوں کے اسکی بھی حالت کی جاوے کہ جس کا دل چاہے جسکو چاہے بلاوے اور کسی کی خصوصیت نہ سمجھی جاوے اور جس اجرت پر چاہیں نہیں ٹھہرا ہو جاویں نہ کوئی اپنے کو اصل مستحق قرار دے نہ دوسروں کے ذہن میں اسکو پیدا کیا جاوے اور اگر اتفاق سے کوئی دوسرا یہ کام کرنے لگے نہ اس سے رنج و آزردگی ہو اگر نائب نیابت سے دست بردار ہو کر خود مستقل طور پر یہ کام شروع کر دے نہ اسکی شکایت ہو اور شہر میں جتنے چاہیں اس کام کو کریں ان سب کو آزاد سمجھا جاوے ہاں جو اسکا اہل نہ ہو اسکو خود ہی جائز نہ ہوگا وہ ایک عارض کی وجہ سے روکا جاویگا جیسا کوئی امام اگر قرآن صحیح نہ پڑھتا ہو امامت سے روکا جاوے لیکن جو بہت سے آدمی اسکے اہل ہوں تو ان میں مختلف و متعدد آدمی اس کام کو کرسکے مختار سمجھے جاتے ہیں اسی طرح اس نکاح کے ساتھ معاملہ کیا جاوے اور نیز بلا نیوالا اپنے پاس سے اجرت دے دولہا والوں کی تخصیص نہ ہو اس طرح البتہ جائز اور درست ہے غرض دوسرے اجرت کے کاموں میں اور اس میں کوئی فرق نہ کیا جاوے یہ تحقیق ہوا اس اجرت نکاح خوانی کے متعلق اور جو مضمون آخر میں بکر کے عنوان سے لکھا ہے اس کا جواب بہت واضح ہے کہ دوسرے شخص کے دین خوانے کیلئے اپنا دین بگاڑنا کسی طرح درست نہیں ہو سکتا خصوصاً جبکہ اسکا دوسرا طریقہ بھی ممکن ہو جیسا کہ احقر نے ابھی عرض کیا تھا کہ اس پیشہ کو عام رکھا جاوے مگر نا اہل کو نہ بلایا جاوے اس کا تو کام لینے والے خود یا کسی ذی علم سے دریافت کرکے انتظام کر سکتے ہیں۔ دوسرے یہ کہ اس انتظام متعارف میں بھی مشاہدہ کیا جاتا ہے کہ بہت جگہ نا اہل اس کام کو کر رہے ہیں پھر اس انتظام کی پابندی سے شرعاً کون نفع خاص ہوا اور پابندی نہ کرنے سے کون ضرر خاص ہوا پھر یہ کہ قاعدہ شرعی ہے کہ جب کسی امر میں مفسدہ و مصلحت جمع ہو جاویں مفسدہ موثر ہوتا ہے مصلحت موثر نہیں ہوتی پس اگر اس مصلحت کو تسلیم بھی کیا جاوے تو اس قاعدہ کی

بنا بر اس عمل کی اجازت نہ دی جاویگی۔ واللہ تعالیٰ اعلم وعلمہ اتم واحکم۔ ۲۱ محرم ۱۳۳۵ھ

پینسٹھویں حکمت ترجمۂ قرآن در نظم

بعد الحمد والصلوٰۃ احقر کو آخری ذی الحجہ ۱۳۳۵ھ میں اتفاق مظفر نگر جانیکا ہوا تو وہاں ایک صاحب نے جو ایک معزز عہدے پر ہیں مجھکو اول کے چار سیپارے قرآن مجید کے جنمیں تحت اللفظ اردو ترجمہ منظوم لاہور کا چھپا ہوا ہے دکھلا کر اسکے متعلق میری رائے دریافت فرمائی۔ سفر میں دیکھنے کا وقت نہ ملا وطن واپس آکر کہیں سے دیکھا اب اپنی رائے عرض کرتا ہوں یہاں دو مقام پر کلام ہے ایک یہ کہ خود وہ ترجمہ کیسا ہے۔ دوسرے نظم میں ترجمہ قرآن کا کرنا کیسا ہے سو امر اول کی کیفیت اجمالاً تو اس سے ظاہر ہے کہ مترجم نے خطبہ میں یہ شعر لکھا ہے

اور وہ ڈپٹی نذیر احمد کا بھی ترجمہ پیش نظر تھا خوب ہی

نیز آل عمران کے آخر میں رابطوا کے ترجمہ میں جہاں کئی قول نقل کئے ہیں وہاں یہ شعر بھی ہے

اور ہیں یوں لکھتے نذیر احمد اسے کہ رہو تیار دشمن کے لئے

اس سے صاف واضح ہے کہ مترجم صاحب ڈپٹی صاحب کے معتقد ہیں اور ڈپٹی صاحب کے ترجمہ وعقیدہ وتحقیق کی کیفیت بندہ کے رسالہ اصلاح ترجمہ دہلویہ سے ظاہر ہے پس جس طرح وہ معتبر نہیں اسی طرح انکے معتقد کے ترجمہ کا بھی اعتبار نہیں رہا کہ غیر معتبر کو سمجھنا خود دلیل ہے غیر معتبر ہونے کی اور تفصیلاً مقامات متفرقہ کے دیکھنے سے ظاہر ہے چنانچہ اس وقت ایک مقام پر جو نمونہ کیلئے کافی ہے میری نظر میں یعقول کے تین یا دو پر دلو آیتیں ہیں قول واذا طلقتم النساء فبلغن اجلهن فامسكوهن الآیہ دوسری اسی کے قریب واذا طلقتم النساء فبلغن اجلهن فلا تعضلوهن الآیہ اول آیت کا ترجمہ یہ کیا گیا ہے

اور جب تم دوسری دیدو طلاق عورتوں کو اپنے بہر افراق

اور دوسری آیت کا ترجمہ یہ کیا گیا ہے

اور جب تم تیسری دیدو طلاق عورتوں کو بہر کامل افتراق

اہل علم اس بات کو جانتے ہیں کہ آیت اولی میں دوسری کی قید اور آیت ثانیہ میں تیسری کی قید زیادت علی القرآن ہے جسکی کوئی دلیل نہ قرآن ہو سیاقاً اور سباقاً نہ قواعد شرعیہ میں ہو آیت اولی کے قبل یہ ہو فان

طلقها فلا تحل لہ الخ یہاں تیسری طلاق مراد ہے اور اسکے بعد کوئی ذکر پہلی طلاق کا نہیں جیسکے قرینہ سے
آیت اولیٰ میں دوسری طلاق مراد لیجائے اور پھر اسکے قرینہ سے آیۃ ثانیہ میں طلاق مراد لی جاوے پھر جو حکم
ان دونوں آیتوں میں مذکور ہیں یعنی فامسکوھن آیت اولیٰ میں اور لا تعضلوھن آیت ثانیہ میں وہ مخصوص
نہیں۔ دوسری اور تیسری کیساتھ یعنی لف ونشر مرتب کے طور پر بلکہ حکم اول مثل دوسری طلاق کے پہلی طلاق
میں بھی ہو اسی طرح حکم دوم مثل تیسری طلاق کے پہلی اور دوسری میں بھی ہو جبکہ ازواج سے مراد نئے ازواج
لئے جاویں اور اگر ازواج سابقین مراد ہوں جیساکہ بہت مفسرین اسی طرف گئے اور اسباب نزول بھی اسکے
موافق ہیں تو پھر تو تیسری طلاق سے اسکی تفسیر کرنا محض باطل ہو کیونکہ تیسری میں یہ حکم ہے ہی نہیں اسی وقت
اتفاق سے ایک اور مقام نظر پڑ گیا اس رکوع سابق کے بعد متصل رکوع میں یہ ارشاد ہو مالم تمسوھن او
تفرضوا لھن فریضۃ اسمیں تفرضوا کا عطف تمسوھن پر ہونے سے تقدیر عبارت کی یہ ہو اولم
تفرضوا لھن اور بالاجماع نفی دونوں کی مراد ہے اور یہی ایک صورت ہو جسمیں بجائے مہر کے یہ حکم ہے۔
متعوھن اس کا ترجمہ یوں کیا ہے ؎

کہ نہ مس تم نے کیا ہو کچھ جنھیں — یا ہو ٹھہرایا جنھیں کچھ مہر میں

تو اس ترجمہ میں کتنی بڑی غلطی ہو کہ مراد تو یہ ہے کہ نہ ٹھہرایا ہو اور ترجمہ یہ کیا ہو کہ ٹھہرایا ہو بالکل ہی تحریف ہے
اور علاوہ قواعد عربیہ و اجماع کے بعد والی آیت خود اس ترجمہ کی تغلیط کر رہی ہو وہ یہ ہو وقد فرضتم لھن فریضۃ
چنانچہ اس کا ترجمہ خود بھی یہ کیا ہے ؎
اور حقیقت میں ہو تم ٹھہرا چکے الخ اور ظاہر ہے کہ یہ صورت مقابل ہو پہلی صورت کے اور ترجمہ مذکور سابق پر دونوں
صورتیں ایک ہو جاوینگی تو حکم بھی ایک ہونا چاہئے حالانکہ نصاً مختلف ہو اور بھی کئی مقام اس وقت نظر میں ہیں
مگر تطویل ہوتی ہے۔ جب ایک رکوع میں یہ حالت ہو تو قرآن بھر میں کیا ہوگا اور غلط ترجمہ رکھنے اور پڑھنے کے
جو مفاسد ہیں کہ احکام کو غلط سمجھے گا ظاہر ہے اور یہی ایک امر کافی ہے ایسے ترجمہ کی خریداری اور تجارت کے
ناجائز ہونے کیلئے۔ پھر علاوہ غلطی ترجمے کے زبان بھی بہت جگہ غلط ہے جس کا اثر پھر ترجمہ اور مضمون پر پڑتا ہے
چنانچہ تفرضوا کا ترجمہ اوپر نقل کیا ہو اس میں ہے ؎ یا ہو ٹھہرایا جنھیں کچھ مہر میں صاف معلوم ہوتا ہے
کہ مہر میں ان عورتوں کو ٹھہرایا ہے جیسے کوئی غلام لونڈی جو کہ مال ہو مہر میں ٹھہرالیں حالانکہ مطلب یہ ہو کہ ان
کیلئے مہر ٹھہرایا ہو اور فصاحت اور شعریت کا تو تمام ترجمہ میں نام و نشان نہیں۔ یہ تو مختصر کلام تھا مقام اول کے

متعلق یعنی یہ امر کہ خود یہ ترجمہ کیسا ہے۔ اب دوسرا مقام رہا یعنی یہ کہ نظم میں ترجمہ قرآن کا کرنا کیسا ہے سو اس میں ایک بڑا
مفسدہ تو یہ ہے کہ ترجمہ بعینہٖ محفوظ نہیں رہ سکتا ضرورت شعر و وزن سے ضرور اس میں کمی بیشی اور اگر کمی نہ ہو تو بیشی
تو ضرور ہوگی۔ پھر جب وہ تحت اللفظ لکھا ہوا ہے تو دیکھنے والے یہی سمجھیں گے کہ یہ سب ترجمہ ہے حالانکہ اس میں
ترجمہ پر زائد الفاظ بھی بہت سے ہیں چنانچہ ترجمہ متکلم فیہا میں اس سے کوئی شعر بھی خالی نہیں الّا نادرًا والنادر
کالمعدوم اور اسکے متعلق پارہ آلم کے آخر میں ضروری التماس کے عنوان میں مترجم نے جو عذر لیا ہے کہ بظاہر جو کچھ
الفاظ کسی جگہ کسی ضرورت سے لئے گئے ہیں وہ خاص اسی مطلب کو ادا کرنے کیلئے ہیں ورنہ بھی خاص الفاظ
قرآنی کے الف لام اور تنوینات وغیرہ ہی کے معنی یا مقدرات محذوفہ کا اظہار ہے نہ کوئی زائد عبارات وغیرہ یہ کہیں
کہیں تو واقع ہے لیکن بکثرت اسکے خلاف واقع ہے مثلاً یہ آیت ہے۔ وإذ قال موسى لقومه يا قوم إنكم ظلمتم
أنفسكم باتخاذكم العجل فتوبوا إلى بارئكم فاقتلوا أنفسكم ذلكم خير لكم عند بارئكم فتاب عليكم إنه
هو التواب الرحيم۔ اس کا جو ترجمہ کیا ہے جسکو میں نے طول کے سبب نقل نہیں کیا اس میں الفاظ ذیل کسی
تنوین یا الف لام وغیرہ کلمات قرآنیہ کا ترجمہ ہے یا کسی مقدر کا اظہار ہے ۱؎ خود ۲؎ برملا ۳؎ اپنے شرک سے
۴؎ باتخاذکم العجل کے اس ترجمہ کے اکثر الفاظ ۵؎

چونکہ لے بیٹھے پرستش تم بھی وہ جو اک بچھڑے کے بت کی آپ ہی

۶؎ جو لازم ہے تمہیں ۷؎ جناب پاک ۸؎ بحکم ایزدی ۹؎ جو ۱۰؎ ارشاد سے ۱۱؎ اکرم۔

اور اگر کوئی یہ عذر کرے کہ ایسے زیادات کو خطوط وحدانیہ میں لکھ دیا گیا ہے پھر وہ ایہام غیر ترجمہ کے ترجمہ سمجھنے کا
نہیں ہوتا سو یہ بھی غلط ہے چنانچہ ان دس نمبروں میں سے صرف ۱۰؎ تو خطوط وحدانیہ میں ہے باقی ایک بھی نہیں اور
اگر کوئی شبہ کرے کہ اسکا انتظام تو ہو سکتا ہے کہ تمام زیادات کو ان خطوط میں محاط کر دیا جاوے تو اسکا جواب
یہ ہے کہ یہ وہاں ہو سکتا ہے جہاں اصل ترجمہ میں کوئی تغیر نہ ہو صرف زیادات درمیان میں آجاویں اس طرح سے
کہ اگر زیادات نکال دی جاویں تو ترجمہ سالم رہ جاوے اس ترجمہ کے زیادات میں ہر جگہ یہ بھی ممکن نہیں چنانچہ ۵؎
میں جسکا جی چاہے کرکے دیکھ لے کہ ترجمہ محفوظ نہیں رہا اور ایہام کی قید سے اس صورت سے احتراز ہو گیا جہاں ایہام
نہ ہو جیسے بعض جگہ حاصل مضمون کو نظم کر دیا جاتا ہے مگر وہ بشکل ترجمہ نہیں ہوتا اور وہ بھی اتفاق سے کسی موقع کا نہ کہ
قصدًا و استقلالاً تمام قرآن کا۔ نیز ایک خرابی اسمیں یہ ہے کہ اگر کلمات قرآنیہ کو مقابل الفاظ ترجمہ کے لکھا جاوے
جیسا اس ترجمہ منظومہ میں کیا گیا ہے تب تو فصل بین المصرعین کے سبب کلمات قرآنیہ میں بھی فصل کیا جاویگا

چنانچہ اسمیں ایسا ہی ہے اور اسمیں قرآن مجید کو ترجمہ کے تابع بنانیکے علاوہ جو کہ قلب موضوع ہے تقطیع میں کلمات القرآن فی الکتابۃ لازم آتی ہے اور ظاہر ہے کہ عادۃً تلاوت تابع کتابت ہوتی ہے تو اُن کلمات کے درمیان تلاوت میں بھی اسیقدر فصل ملحوظ ہوگا اور فصل بے موقع اکثر جگہ مفسد معنی ہوتا ہے جیسا کہ اہل علم پر مخفی نہیں۔ اور اگر فصل نہ کیا جاوے تو باوجود امکان مقابلہ کے عدم مقابلہ الفاظ و ترجمہ سے ایک لفظ کی بسبب دوسرے لفظ کے ترجمہ ہونیکا شبہ ہوگا اور دونوں محذور واجب التحرز ہیں اور یہ وہ مفاسد ہیں کہ اگر نظم میں کوئی مصلحت بھی ہوتی تب بھی ان مفاسد کے ہوتے ہوئے اُس مصلحت کا اعتبار نہ کیا جاتا جیسا قاعدہ شرعیہ ہے کہ جس عمل غیر ضروری میں گو وہ درجہ استحباب تک بھی کیوں نہ ہو مفاسد ہوتے ہیں اسکو وجوباً ترک کرایا جاتا ہے اور اسکے محاسن کا لحاظ نہیں کیا جاتا بہت سے فروع فقہیہ اسی اصل پر متفرع ہیں کما لا یخفی اور اب تو اس میں کوئی مصلحت بھی نہیں اور بعض مصالح جو دیباچہ التماس میں لکھتے ہیں "مثلاً یہ کہ مسلمان لوگ اسکو بوجہ موزوں منظوم ہونیکے نہایت ذوق و شوق سے مطالعہ کریں گے اور خاص کر اپنے بچوں اور بچیوں کو آئندہ بجائے مختلف غزلیات و اشعار پریشان کے یاد کرایا کرینگے" تو خود اس مصلحت میں مفاسد کا اقرار ہے کہ انجام اسکا یہ ہوگا کہ غزلوں کی جگہ اسکو گایا کرینگے کیونکہ بدون تغنی و الحان کے ذوق و شوق نہ ہوگا جو بنا ہے مطالعہ کی خصوص جیسے واعظین جنکو ہمیشہ مجالس گرم کرنیکی فکر رہتی ہے اور بوجہ تعدیہ اثر ان واعظین کے عوام الناس میں یہ طرز تغنی کا باعتقاد استحسان شائع ہو جاویگا اور گانیکا حکم ظاہر ہے خصوص ترجمہ کو اسکا آلہ بنانیکا نیز نظم میں ہیبت اور عظمت نہیں ہوتی و ہو السر فی قولہ تعالیٰ وما علمناہ الشعر وما ینبغی لہ۔ و فی ترک السلف الخطبۃ بالنظم لکونہما ذکرا۔ اما القرآن فقال اللہ تعالیٰ ان ہو الا ذکر و قرآن۔ واما الخطبۃ فقال اللہ تعالیٰ فاسعوا الی ذکر اللہ۔ ہذا ما القی اللہ تعالیٰ فی روعی فی ہذا الوقت وللہ الحمد۔ باقی یاد کی مصلحت سو اگر قواعد عربیہ کا علم ہو تب تو اس یاد کی ضرورت نہیں اور اگر علم نہ ہو تو یاد سے کچھ فائدہ نہیں اوّل تو مطلب ہی نہ سمجھیں گے پھر یہ کیسے یاد رہیگا کہ یہ شعر فلاں جملہ کا ترجمہ ہے پھر یاد اور عدم یاد یہ دونوں برابر ہیں پھر اگر ایسی مصلحتیں معتبر ہوں تو کل کو یہ دیکھکر کہ قرآن کی طرف لوگوں کو رغبت نہیں رہی کوئی شخص قرآن مجید کو نظم کر دیگا اور زیادت شعریہ کو خطوط وحدانیہ میں محاط کر دیگا کیا یہ جائز ہوگا۔ یہی وجہ ہے کہ آجتک باوجود ایسے دواعی کے اُمت میں سے کسی نے باوجود علم و قدرت سخن کے ایسا نہیں کیا اور یہ اجماع ہے ترک پر جس کی مخالفت ناجائز ہے۔ قریب سنہ ۱۳۳۶ھ۔

چھیاسٹھویں حکمۃ عدم جواز کتابت ترجمہ قرآن مجرد از قرآن

سوال۔ ایک مولوی صاحب نے ایک کتاب دکھلائی جسمیں محض ترجمہ تھا کلام مجید یعنی عربی عبارت کہیں بھی نہ تھی بلکہ انجیل کے ترجمہ وغیرہ کے مانند ایک گورکھپور کے وکیل نے مختلف تراجم قرآن سے اخذ کرکے لکھا ہوا اسپر مولوی صاحب نے مجھسے فرمایا کہ میں جناب والا کو لکھوں کہ اس مترجم پر جناب والا تکفیر کا فتویٰ لگا دیں۔ میں نے عرض کیا کہ تکفیر کا فتویٰ لگانا تو کسی مسلمان پر تاوقتیکہ کوئی امر صریح مکفرہ پایا جاوے مناسب نہیں ہاں اس امر مذموم سے روکنا ضرور ہے سو جناب والا سے گذارش ہے کہ اس امر کے متعلق کچھ ارشاد اور تحریر فرمادیں۔

الجواب۔ نصوص صحیحہ صریحہ سے تشبہ باہل الباطل خصوص غیر مسلم خصوص اہل کتاب کی مذہب اور اس کا محل وعید ہونا ثابت ہے من تشبہ بقوم فھو منھم میں وعید کا شدید ہونا ظاہر ہے کہ کفار کے ساتھ تشبہ کرنے کو کفار میں سے شمار ہونیکا موجب فرمایا گیا دوسری حدیث لترکبن سنن من کان قبلکم الحدیث میں اس مماثلت کو موقع تشنیع میں ارشاد فرمایا گیا اور یہ بالکل یقینی ہے کہ اسوقت کتاب الٰہی کا ترجمہ غیر حامل المتن جدا گانہ شائع کرنا اہل کتاب کے ساتھ تشبہ ہے ایسے امر میں جو عرفاً وعادۃً انکے خصائص میں سے ہے سو اول تو انکے ساتھ تشبہ ہی مذموم ہے پھر خصوص جب وہ تشبہ امر متعلق بالدین میں ہو کہ تشبہ فی الامور الدنیویہ سے تشبہ فی الامور الدینیہ اشد ہے حضرت عبداللہ بن سلامؓ کے گوشت شتر چھوڑنے پر آیت یا ایھا الذین آمنوا ادخلوا فی السلم کافۃ ولا تتبعوا خطوات الشیطٰن نازل ہونا اور رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کا عمل تورات پر بھی انکار فرمانا اسکی کافی دلیل ہے مشکوٰۃ کتاب النکاح وکتاب الاعتصام لا تشددوا علی انفسکم الحدیث اور اس میں بھی خاصکر جبکہ ان کو دیکھکر ان کی تقلید کیجاوے کہ اتفاقی تشبہ سے یہ اور بھی زیادہ مذموم ہے اور اسوقت اکثر لوگ ایسے کام انہی لوگوں سے اخذ کرتے ہیں۔ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم نے ابن ام مکتوم کی درخواست پر کیسا زجر فرمایا تھا یہ تشبہ مذکور خصوص قیدین مذکورین کے ساتھ تو اسمیں مفسدہ حالیہ ہے اور یہی اسکے منع کیلئے کافی ہے چہ جائیکہ اسمیں مفاسد مالیہ شدیدہ بھی متحقق ہیں مثلاً خدانخواستہ اگر یہ طریق مروج ہو گیا تو مثل توراۃ وانجیل احتمال قوی اصل قرآن مجید کے ضائع ہو جانیکا ہے اور حفاظت اصل قرآن مجید کی فرض اور اسکا اضلال حرام ہے اور ترجمہ وتفسیر کا اصل سے مجرد ہونا مقدمہ اور سبب ہے حفاظت

اور اصل سے مجرد ہونا مقدمہ اور سبب ہے اخلال کا اور فرض کا مقدمہ فرض و حرام کا مقدمہ حرام ہے اور یہ شبہ نہ کیا جائے کہ یہ احتمال بعید ہے محققان دین مبصران اسلام ہو ایسے احتمالات کا اعتبار ثابت ہے گو وہ بعید ہو یا قریب پھر بھی واجب ہے کہ اسکا لحاظ کریں حضرات شیخین رضی اللہ تعالیٰ عنہما نے بعض قراء کی شہادت کے وقت بعد سرسری مناظرہ کے محض ضیاع قرآن کے اعتبار کا اعتبار کرکے قرآن مجید کے جمع کا اہتمام ضروری قرار دیا تھا حالانکہ قرآن مجید اُسوقت بھی متواتر تھا اور اسکے ناقل اس کثرت سے موجود تھے کہ اسکے تواتر کا انقطاع احتمال بعید تھا لیکن پھر بھی اُس کا لحاظ کیا گیا پس جیسا اُسوقت عدم کتابت میں احتمال ضیاع کا تھا اسی طرح صرف ترجمہ کی کتابت میں اسکا احتمال ہے اور اس احتمال کے وقوع کا وہی نتیجہ ہوگا جیسا حدیث میں اَمُتَھوکون انتم کما تھوکت الیہود والنصاری (مشکوٰۃ صـ۲۲) اور مثلاً یہ مفسدہ ہوگا کہ حسب تصریح فقہاء اس ترجمہ کو بلا وضو مس کرنا جائز نہ ہوگا کما فی العالمگیریۃ ولو کان القرآن مکتوبا بالفارسیۃ یکرہ لھم مسہ عند ابی حنیفۃ وکذا عندھما علی الصحیح ھکذا فی الخلاصۃ (صـ۱۲) وفیہا ایضا اذا قرأ آیۃ السجدۃ بالفارسیۃ فعلیہ وعلی من سمعہا السجدۃ فھم السامع ام لا اذا اخبر السامع انہ قرأ آیۃ السجدۃ (صـ۱۷) وھذہ الروایۃ الثانیۃ تؤید الاولیٰ حیث جعلہ للتلاوۃ قراءۃ القرآن بالفارسیۃ فعلم منہ ان الترجمۃ بالفارسیۃ لا تخرج القرآن عن کونہ قرآنا حکما فلا یجوز مسہ للمحدث۔ اور یقینی بات ہے کہ عامہ ناس اس ترجمہ کو ایک کتاب خالی از قرآن سمجھکر ہرگز اسکے مس کیلئے وضو کا انتظام نہ کریں گے تو ایسا ترجمہ شائع کرنا سبب ہوگا ایک امر غیر مشروع کا اور سبب غیر مشروع کا غیر مشروع ہے اور مثلاً اُس کا احترام بھی زیادہ نہ کریں گے اور غیر قابل انتفاع ہو جانیکے وقت مثل دیگر معمولی کتب کے اوراق کے اُسکے اوراق کا استعمال بھی کرینگے تو اس سے یہ بھی ایک محذور لازم آویگا اور محذور کا سبب لامحالہ محذور و محذور ہے اور مثلاً آجتک اُمت میں کسی نے ایسا نہیں کیا اور جو کسی نے ایسا کیا تو اس پر انکار کیا گیا چنانچہ میں نے محمد عبدالرحمن صاحب مرحوم مالک مطبع نظامی سے سنا ہو کہ کسی نے لکھنؤ میں ایسا ہی ایک پارہ چھاپا تھا مگر علماء نے اُسکی اشاعت کی اجازت نہیں دی تو اُس شخص نے اُسکے اوراق کو قرآن مجید کی دفتیوں میں چسپاں کرا کر فروخت کر دیا اور چنانچہ اسوقت بھی ایسے ترجمہ غیر حامل متن پر علماء کو انکار ہے چنانچہ اس جواب لکھنے کے قبل ایک مجمع علماء میں میں نے ذکر کیا تو ایک نے بھی اسمیں نرمی نہیں فرمائی بلکہ سب نے شدید انکار کیا

۱ے وہذہ قضیۃ شرطیۃ فلا تستلزم وقوع المقدم والا ولا جوازہ شرعاً ۱۲ منہ

باوجودیکہ دوسری زبان والے مسلمانوں کو اس قسم کی حاجت بھی واقع ہوئی جس حالت کی بنا پر اب اپنا کیا گیا ہے تو باوجود داعی کے تمام علماء امت کا انکار کرنا دلیل ہے اجماع کی اس امر کے مذموم و منکر ہونے پر جس میں یہ احادیث وارد ہیں ان اللہ لا یجمع امتی علی الضلالۃ وید اللہ علی الجماعۃ ومن شذ شذ فی النار واتبعوا السواد الاعظم (مشکوٰۃ) اور مثلاً اب تو قرآن مجید سے کچھ علاقہ بھی ہے اگر ترجمے بھی دیکھ لیتے ہیں تو اصل بھی ان کے ہاتھ میں ہوتا ہے اس بہانہ سے کچھ پڑھ بھی لیتے ہیں اور پھر تو قرآن سے بالکل ہی بے تعلق اور اجنبی ہو جاوینگے اور بے ساختہ یہ آیت ان پر صادق آنے لگے گی۔ نبذ فریق من الذین اوتوا الکتاب کتاب اللہ وراء ظھورھم کانھم لا یعلمون۔ اور مثلاً اب اگر ترجموں میں کچھ اختلاف ہے تو اصل بھی سامنے ہے اسکو سب نسخوں میں متحد پاتے ہیں تو اختلاف کا خیال اصل تک نہیں پہونچتا اور جب تنہا ترجمے ہی ترجمے رہ جاوینگے اور اصل نظروں سے غائب ہوگی تو اسوقت یہ اختلاف کلام اللہ کی طرف منسوب ہوگا بعد چندے یہ گمان ہونے لگے گا کہ اصل حکم ہی مختلف ہے یہ تو اعتقاد پر اسکا اثر ہوگا اور عمل پر یہ اثر ہوگا کہ ترجموں کو لیکر آپس میں لڑیں گے اور مراجعت الی الاصل کی توفیق ہوگی نہیں جو مدار ہوسکتا ہے فیصلہ کا پس اس آیت کا مضمون ظاہر ہو جاویگا وما اختلف فیہ الا الذین اوتوہ من بعد ما جاءتھم البینات بغیا بینھم اور مثلاً اب تو ترجمہ کو مستقل کتاب نہیں سمجھتے قرآن کا تابع سمجھتے ہیں اگر کہیں مطلب نہیں سمجھتے ہیں یا غلط سمجھ لیا یا فصاحت بلاغت سے گرا ہوا پاتے ہیں تو فہم کا یا مترجم کا قصور سمجھتے ہیں اور مترجم کو مالک دین کا نہیں جانتے نیز کسی مترجم کو ہمت تحریف معنوی کی بھی نہیں ہوسکتی کہ اصل کے سامنے ہونے سے ہر طالب علم اسپر گرفت کرسکے گا اور ترجمہ اگر ہوا تو اسکو مستقل کتاب سمجھیں گے کسی کا تابع نہ سمجھیں گے اور تمام آثار مذکورہ کی اضداد واقع ہونگی خصوص مترجمین ہی کا متبوع مستقل ہو جانا یہ سب سے بڑھکر آفت ہوگی اور اہل زیغ کو بہت آسانی سے موقع غلط ترجمہ و تفسیر کا ملیگا کیونکہ ہر دیکھنے والا حافظ نہیں اور مراجعت اصل کی طرف ہر وقت آسان نہیں ہوگی کما قال اتخذوا احبارھم ورھبانھم اربابا من دون اللہ اور پھر اسی طرح کے اور بھی بہت مفاسد ہیں جنکو انشاء اللہ تعالیٰ علماء ظاہر کرینگے اسلئے جا بجا لفظ مثلاً لایا گیا ہے اسوقت دس ہی وجوہ پر جسکو عشرہ کاملہ کہا سکتا ہے اکتفا کیا جاتا ہے مگر کاملہ کا خاتمہ ہونا لازم نہیں اور یہ بھی یاد رکھنا چاہئے کہ حق تعالیٰ کا ارشاد ہے ولا تعاونوا علی الاثم والعدوان اور فقہاء نے اسی قاعدہ پر یہاں تک تفریع فرمائی ہے کہ جس شخص کو بھیک مانگنا حرام ہے اسکو بھیک دینا بھی حرام ہے کیونکہ اگر دینے والے دینا نہیں تو مانگنے والا مانگنا چھوڑ دے اسی طرح اس ترجمہ کے متعلق یہ بھی سمجھنا

چاہئے کہ ایسے ترجمہ کو اگر کوئی شخص نہ بقیمت لے اور نہ بلاقیمت تو پھر ایسے تراجم کا سلسلہ بند ہوجاوے اور بیچنے کی صورت میں سلسلہ جاری رہیگا پس ایسے ترجمہ کا خریدنا یا ہدیہ میں قبول کرنا اعانت ہوگی ایک امر ناجائز کی اسلئے یہ بھی ناجائز ہے۔ ۲۷ ذیقعدہ ۱۳۲۲ھ ثم بعد منتصف ربیع الاول کتب الی المحبی المولوی ظفر احمد روایۃ فقہیۃ جزئیۃ فی تائید الجواب منہا ھکذا ولو قرأ بقراءۃ شاذۃ لا تفسد صلاتہ ذکرہ فی الکافی وفیہا ان اعتاد القراءۃ بالفارسیۃ او اراد ان یکتب مصحفا بہا یمنع وان فعل فی آیۃ او آیتین لا فان کتب القرآن وتفسیر کل حرف وترجمتہ جاز ۱۲ فتح القدیر ص ۲۰۱ جلد اول مصریہ باب کیفیۃ الصلوۃ فقط

ستّرھویں حکمت حکم بٹن سیمین و زریں

امور مذکورہ ذیل دریافت طلب ہیں مع نقل مدلل جواب سے مشرف فرماویں۔ صفائی معاملات کی عبارت سے معلوم ہوتا ہے کہ سونا چاندی کے بوتام یعنی بٹن مطلقاً جائز ہیں خواہ کتنے ہی وزن میں ہوں اور اُن کے ساتھ زنجیر خواہ ایک ہو یا زیادہ اور زنجیر کیساتھ گھونگھریاں بھی ہوں یا نہوں بلا کراہت جائز ہیں بندہ نے اس کے جزئیہ کو بعض کتب فقہ میں تلاش کیا تو میرے خیال اسکے متعلق درمختار کی یہ عبارت آئی فی التتارخانیۃ عن السیر الکبیر لا باس بازرار الدیباج والذھب اور عالمگیری کی یہ عبارت فی السیر الکبیر لا باس بلبس الثوب فی غیر الحرب اذا کان ازرارہ دیباجاً او ذھبا کذا فی الذخیرۃ بندہ اس عبارت کا مطلب جو سمجھا ہے وہ عرض کرتا ہے۔ مراد ازرار ذہب سے کلابتون کی گھنڈی ہے جو کپڑے کیساتھ سلی ہوئی ہوتی ہے نہ خالص سونے بٹن جو علیحدہ ہوتا ہے بقرینہ ازرار الدیباج کے اور بقرینہ اسکے کہ جہاں ملبوسات میں فضہ و ذہب کا حکم ہے بامنع قول درالمختار کے ولا یکرہ علم الثوب من الفضۃ ویکرہ من الذھب اس سے مراد کلابتون ہے نہ خالص قطعہ ذہب و فضہ چونکہ یہ تو زیور میں داخل ہوگا اور زیور سونے چاندی کا مطلقاً مردوں کو اسلئے منع ہے سوائے چند اشیاء کے جو خاص آثار کے ساتھ اُنکی رخصت ثابت ہوا اور بوتام ان مستثنیات سے نہیں ہے جیسا کہ درالمختار اور شامی سے واضح ہے فی الدر المختار ولا یتحلی الرجل بذھب وفضۃ مطلقاً الا بخاتم ومنطقۃ وحلیۃ سیف منہا ای الفضۃ اذا لم یرد بہ التزین وفی الشامی قولہ منہا ای الفضۃ لا من الذھب درر قال فی غرر الافکار رجحان کون کل من الخاتم والمنطقۃ والحلیۃ منہا ای الفضۃ لورود الآثار فی الرخصۃ منہا فی ہذہ الثلثۃ خاصۃ۔ ازرار الذہب سے کلابتون کی گھنڈی مراد

بیچا وے تو یہ البتہ تابع کپڑے کے ہیں بخلاف بوتام کے کہ اس زمانہ میں مستقل زیور ہو گیا ہے چونکہ اسکی آرائش
کے واسطے بعض لوگ دو دو تین تین چار چار زنجیریں لگاتے ہیں اور بعض زنجیروں میں ذی روح کی تصویر بناتے ہیں اور بعض گھنگھرو
لگاتے ہیں جو وقت تیز چلنے کے بجتی ہیں اور بعض جواہر کا جڑاؤ ان میں کرتے ہیں اور پہننے کا اطلاق انپر کیا جاتا ہے
کہتے ہیں سونیکے بٹن پہنے یا چاندی کے بٹن اور بوتام علیحدہ بھی کپڑے سے ہو سکتے ہیں مانند خالص ریشمی ازار بند
کے جو باوجود تابع ہونے سروال کے ناجائز ہے یہ سب علامات بوتام کے مستقل زیور ہونیکے ہیں اور اگر ازرار الذہب
میں کلابتون کی گھنڈی اور خالص سونیکا بٹن دونوں کا احتمال ہے تو قاضی خان کے اس قول سے لا رخصۃ
للرجل فیما یتخذ من الذهب والفضة مفضضا او مذهبا ما خلا الخاتم من الفضة وحلیة السیف
والسلاح لرخصة جاءت فيه اھ بٹن کا احتمال مرتفع ہو گیا۔ پس گھنڈی باقی رہی اور اگر امور مذکورہ سے قطع
نظر کر کے ازرار الذہب سے خالص سونیکے بٹن مراد لیا جاوے جب بھی ان کا ترک استعمال اولیٰ معلوم ہوتا ہے جیسا کہ
کلمہ لا باس سے مستفاد ہے جو شامی کے باب مکروہات الصلوٰۃ میں مذکور ہے۔ قال فی النهاية لان لفظة لا باس
دليل على ان المستحب غيره لان لا باس للشدة علاوہ اسکے اس زمانہ میں اکثر لوگ واسطے فخر اور زینت
اور بڑائی کے پہنتے ہیں جو سبب ممانعت کا ہے نہ واسطے اظہار نعمت کے اسی واسطے اسکو اکثر علما و صلحا نہیں
پہنتے بلکہ اکثر جہال و فساق پہنتے ہیں اب عرض یہ ہے کہ سونے چاندی کے بوتام کا جواز عبارت مذکورہ سے
ہی ہے تو اس کی تشریح اور شبہات کا رفع مفصل فرمائیں یا اور نصوص و تصریحات فقہیہ سے اسکے جواز کی
تفصیل تحریر فرما دیں تاکہ تحیر دور ہو اور اطمینان حاصل ہو۔

(الجواب) مدت ہوئی حضرت مولانا قاری عبدالرحمٰن پانی پتی رحمۃ اللہ علیہ کا (قول کہ ازرار سے مراد کلابتون کی گھنڈی ہے بٹن اسمیں داخل نہیں) ان کے صاحبزادے قاری عبدالسلام مرحوم سے سنکر صفائی معاملات کے اس مسئلہ میں مجھکو تردد ہو گیا ہے اور اسوقت احتیاط کے درجہ میں اس سے رجوع کرتا ہوں۔ ۱۳۔ ربیع الثانی ۱۳۳۰ھ

۱۸ اٹھارھویں حکمت تحقیق ضرب دف در شادی

سوال۔ کیا فرماتے ہیں علماء دین و مفتیان شرع متین اس صورت میں کہ شادی کی تقریب پر تاشوں کا بجانا
کیسا ہے تحفۃ المشتاق میں جواز لکھا ہے اور تحفۃ الزوجین میں عدم جواز کے متعلق صریح ہے۔ ایک مرتبہ یہاں پر حضرت مولانا
مولوی شیخ حسین صاحب انصاری بھوپال سے تشریف فرما ہوئے تھے اس وقت یہ تاشے پیش کر کے دریافت کیا گیا تھا

تو جواز ہی کا حکم فرمایا تھا۔ آپ سکے متعلق کیا فتوی دیتے ہیں چونکہ میری خصوصاً اور یہاں کے لوگوں کے نزدیک عموماً آپکا فتوی معتبر ہے لہذا اس کے متعلق جواب شافی تحریر فرماویں۔

الجواب - چونکہ مجھ کو کبھی اہتمام کے ساتھ اس مسئلہ کی تحقیق کا اتفاق نہ ہوا تھا اسلئے بنا بر قول مشہور مذکور علی لسان الجمہور یہ سمجھتا تھا کہ شادی میں دف بجانا جائز ہے دیگر باجے ناجائز مگر تھوڑا زمانہ ہوا کہ ایک مضمون جو ضمیمہ اخبار الفقیہ امرتسر ۷ نومبر ۱۹۱۹ء میں بعنوان "باجوں پر تحقیق کی ایک زبردست چوٹ" شائع ہوا ہے نظر سے گذرا تب سے متعارف طریق کے جواز میں بھی شبہ ہو گیا اور احتیاطاً ترک و منع کا عزم کر لیا افادہ عامہ کیلئے اسکی نقل کیجاتی ہے وھو ھذا۔

باجوں پر تحقیق کی ایک زبردست چوٹ

کس قدر افسوس اور حسرت کا مقام ہو کہ حضور شارع علیہ الصلوٰۃ والسلام تو فرمائیں کہ خدا نے مجھے ہدایت کیواسطے رسول بنایا اور حکم دیا کہ تمام جہاں سے راگ باجہ مٹادوں (رواہ ابو داؤد والطیالسی واللفظ لہ واحمد بن منیع واحمد بن حنبل والحارث) اور یہ بھی فرمایا کہ میری امت سے ایک قوم آخر زمانہ میں مسخ ہو کر سور بندر ہو جائیں گے صحابہ نے پوچھا کہ یہ لوگ مسلمان ہونگے یا کون حضور نے فرمایا ہاں یہ سب مسلمان ہونگے خدا کی وحدانیت اور میری رسالت کی شہادت دیتے ہونگے اور روزہ بھی رکھتے ہونگے مگر آلات لہو یعنی باجا اور دف بجاوینگے اور گانا سنیں گے اور شراب پئیں گے تو مسخ کر دئے جاوینگے (رواہ منذر وابن حبان عن ابی ہریرۃ)

ان احادیث کی رو سے تو یہ ہونا چاہئے تھا کہ حضرات علماء جو شریعت کے حامل و نائب رسول تھے۔ یہ لوگ پوری کوشش کر کے کل راگ و باجہ اٹھا دیتے مگر بجائے اسکے اکثر کوشش کی کسی نے ڈھولک سارنگی کو قوالی کے ساتھ جائز کیا اور کسی نے دف کو مطلقاً جائز سمجھا اور تحریراً و تقریراً اس کا جواز شائع کیا اور مولوی وحید الزماں سرگروہ غیر مقلدین نے تو اور غضب ڈھایا اپنی کتاب نزل الابرار جو باہتمام مولوی ابو القاسم بنارس میں چھپی ہو اسکے صفحہ میں صاف لکھدیا ہو کہ شادی میں ہر طرح کا باجہ و گانا بہتر ہی نہیں بلکہ واجب و ضروری ہے اور جو حرام کہتا ہے وہ گمراہ ہے۔ انتہی انا للہ وانا الیہ راجعون۔ اہل حدیث کا دعویٰ اور حدیث کی یہ قدر کی اور کھلم کھلا مخالفت رسول پر کمر باندھی ہو چونکہ ہمارے علماء احناف کل باجے و گانے کو حرام کہتے ہیں اور اسمیں کسی کا خلاف نہیں ہے البتہ سماع کے ساتھ ڈھولک اور شادیوں میں دف بجانے میں اختلاف ہے لہذا ضرورت معلوم ہوئی کہ اس مسئلہ پر تحقیق کی پوری روشنی ڈالی جائے تاکہ حق اور باطل میں فیصلہ ہو جائے اور برادران سنی حنفی کو اپنا مذہب معلوم ہو جائے۔

پہلی روشنی۔ مذہب حنفی میں کل باجے حرام ہیں۔ ہدایہ شریف میں ہے ان الملاھی کلھا حرام حتی التغنی بضرب القصب ونیز بزازیہ و درمختار میں ہے استماع صوت الملاھی کضرب قصب ونحوہا حرام۔ بخلاف مذہب شافعی کے کہ ان کے یہاں مباح اور ترک اولیٰ ہے چنانچہ آگے معلوم ہوتا ہے۔

دوسری روشنی۔ دف بھی چونکہ باجہ ہے لہذا حنفیہ نے تصریح و تشریح کردی کہ دف بھی حرام ہے شامی میں ہے استماع ضرب الدف والمزمار و غیر ذلک حرام شرح نقایہ میں ہے اما الاستماع کاستماع ضرب الدف المزمار والغناء و غیر ذلک حرام۔ ابوالمکارم میں ہے کرہ (تحریما) لھو کضرب الدف والمزمار۔ (مجموعہ فتاوی عزیزی رسالہ غنا میں کئی عبارتیں منقول ہیں۔ غنا و ضرب بربط و دف و اوتار و طنبور است و آں ہم باین نص حرام انہ من استحلہ فقد کفر و فی فتاوی البیھقی التغنی واستماعہا وضرب الدف وجمیع انواع الملاھی حرام ومستحلہا کافر و فی النھایۃ التغنی والطنبور والبربط والدف ومایشبہ ذلک حرام۔ البدعۃ میں ہے ملاہی و مزامیر و طنبور و مزامیر و نقارہ و دف وغیرہ باتفاق حرام ہے

تیسری روشنی۔ مذہب شافعی بموقعہ شادی و ختنہ دف بجانا مباح ہے اور سوائے شادی و ختنہ میں حرام کہا۔ چنانچہ علامہ ابن حجر مکی اپنی کتاب کف الرعاع عن محرمات اللھو والسماع مطبوعہ مصر صفحہ ۳ علی ہامش الزواجر میں لکھتے ہیں القسم الرابع فی الدف المعتمد من مذھبنا انہ حلال بلاکراھۃ فی عرس وختان وترکہ افضل وھذا حکمہ فی غیرھا فیکون مباحا ایضا علی الاصح وفی المنہاج وغیرہ وقال جمع من اصحابنا انہ فی غیرھا حرام۔ اور پیشوائے طریقہ سہروردیہ حضرت عارف باللہ شیخ الشیوخ شہاب الدین سہروردی شافعی علیہ الرحمۃ عوارف المعارف میں فرماتے ہیں فاما الدف والشبابۃ وان کان فیھما فی مذھب الشافعی فسحۃ الاولی ترکھا والاخذ بالاحوط والخروج من الخلاف یعنی باوجودیکہ ہمارے مذہب شافعی میں دف کو حانجہ کیساتھ بھی بجانا مباح ہے اور ہمارے مذہب میں اسمیں بڑی وسعت ہے مگر اس کا ترک کردینا بہتر ہے اور بہتری و احتیاط اسی میں ہے کہ دف بالکل ترک کردیا جائے۔ دیکھو شیخ سہروردی کا یہ کتنا نفیس خیال ہے کہ جب ہمارے مذہب میں مباح ہے نہ مستحب کہ بجانے سے ثواب ملے اور نہ واجب کہ ترک کردینے سے گناہ ہو لیکن خیریت اسکے ترک کردینے میں ہے کیونکہ اور مذاہب جیسے حنفیہ وغیرہ میں حرام ہے اور حرام سے گناہ ہوتا ہے تو خطرہ اور شبہ سے خالی نہیں اور شبہ کی چیزوں کا ترک کردینا تاکیدی حکم ہے۔ قال علیہ الصلوٰۃ والسلام فمن اتقی الشبھات فقد استبرا لدینہ وعرضہ وقال دع مایریبک الی مالایریبک پھر شیخ سہروردی نے فرمایا کہ حضرت

امام حسن رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا کہ دف بجانا مسلمانوں کا طریقہ نہیں عن الحسن انہ قال لیس الدف من سنۃ المسلمین۔

چوتھی روشنی۔ مذہب شافعی میں جو بتقریب نکاح وختنہ دف کا مباح ہونا لکھا ہے وہ مطلقاً مباح نہیں ہے بلکہ چند قیود وشرائط کے ساتھ مقید ومشروط ہے ان شرائط کا لحاظ ضروری ہے ورنہ اباحت نہ رہیگی اور صاف حرمت آجائیگی۔ علامہ ابن حجر مکی شافعی نے ان شرائط کو اپنے رسالہ کف الرعاع عن محرمات اللھو والسماع میں مفصلاً تحریر فرمایا ہے اسکا ضروری خلاصہ درج کیا جاتا ہے اور آگے چلکر معلوم ہوگا کہ احناف کیلئے بھی یہ شرائط قابل لحاظ ہیں۔

اول شرط یہ ہے کہ خاص عورتیں اور لڑکیاں دف کے بجانے والی ہوں اور حکم اباحت خاص انہیں کیلئے ہے نہ مردوں کے۔ پس اگر تقریب نکاح یا ختنہ میں مرد بجائیگا تو جائز نہوگا اور وہ مرد بوجہ تشبہ بالنساء کے ملعون ہوگا کیونکہ سلف میں کسی مرد کا بجانا ثابت نہیں ہوا۔ دف کے بجانے میں جسقدر احادیث وآثار ثابت ہیں سب میں صرف عورتوں یا لڑکیوں کا ذکر ہے چنانچہ عبارت یہ ہے انا اذا ابحنا الدف فانما نبیحہ للنساء خاصۃ ہو عبارت منہاجہ وضرب الدف لا یحل الا للنساء لانہ فی الاصل من اعمالھن وقد لعن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم المتشبھین بالنساء (الی قولہ) لم یحفظ عن احد من رجال السلف انہ ضرب بدف الخ ویات الاحادیث والآثار انما وردت فی ضرب النساء والجواری بہا نفی الخصا۔ دوسری شرط یہ ہے کہ جانچے ہنود اور بجانے میں کوئی تکلف اور تصنع نہ کیا جاوے کہ طرب یعنی خوش آوازی نہ معلوم ہو بلکہ بالکل سادگی کے ساتھ ہاتھوں سے پیٹا جاوے چنانچہ فرماتے ہیں وخلا عن الصبح ونحوہ وعن التانق والتصنع فی الضرب بان یکون الضرب بالکف پھر لکھتے ہیں کہ دف اسی طریقہ سے مباح ہے جیسا عرب لوگ بجاتے ہیں کہ اسمیں رقص وسرود نہ پایا جاوے کہ اسمیں بھی ایک طرح کی صنعت طرب ہے عبارت یہ ہے وانما یباح الدف الذی تضرب بہ العرب من غیر زفن ای رقص فاما الدف الذی یزفن بہ وینقر ای یرؤس الانامل ونحوھا علی نوع من الانغام فلا یحل الضرب بہ تیسری شرط یہ ہے کہ وقت نکاح یا وقت زفاف یا اسکے بعد تھوڑی دیر تک عورتیں دف بشرائط مذکورہ بجاویں چنانچہ لکھتے ہیں والمعہود عرفاً انہ یضرب بہ وقت العقد ووقت الزفاف او بعدہ بقلیل۔

پانچویں روشنی۔ علامہ ابن حجر نے ماوردی کا قول لکھا ہے کہ اب ہمارے زمانہ میں استعمال دف مکروہ ہے

کیونکہ بیوقوفی اور سفاہت پائی جاتی ہے عبارت یہ ہو واما فی زماننا فقال فیکرہ فیہا لا تمادی الی السخف والسفاھۃ۔ اسپر علامہ نے لکھا ہو کہ ہمارے اور ماوردی کے زمانہ میں پانچسو برس کا فاصلہ ہوا تھا اس سے زیادہ خرابی آگئی ہو میں کہتا ہوں کہ علامہ ابن حجر کو بھی گذرے ہوئے قریب چار سو برس ہوئے سوائے شر و فساد خیر و صلاح کا نام نہیں ہوا تھا وجود یکہ شافعیہ کو بھی ترک کر دینا چاہیے۔

چھٹی روشنی۔ اصل مذہب حنفیوں کا تو پہلی اور دوسری روشنی کے ذیل میں جو عبارات لکھی گئی ہیں ان سے معلوم ہو گیا ہوگا کہ عموماً باجا اور خصوصاً دف بھی حرام ہے اب بعض علماء حنفیہ جو اپنی کتابوں میں اعلان نکاح کیواسطے دف بجانا لکھتے ہیں تو اصل میں یہ قول ظاہر روایت کے خلاف ہوا دیکھو تعجب نہیں کہ علماء حنفیہ کو روایات شافعیہ سے دھوکا ہو گیا ہو اور اسکے نظائر و امثال کتب حنفیہ میں کثرت سے ملتے ہیں کہ کسی ایک کتاب میں کوئی قول دوسرے مذہب کا کسی مصنف نے لکھا اور دوسرے نے اسکی دیکھا دیکھی اعتماد کر کے اپنی تصنیف میں درج کر دیا اور وہ یوں ہی نقل ہوتا چلا آیا حتی کہ دس بیس کتب میں منقول ہوا اب کسی عالم کو شبہ ہو سکتا ہو کہ مذہب حنفی کا یہ مسئلہ نہیں ہے مگر بوقت تحقیق معلوم ہو جاتا ہو کہ یہ قول خلاف مذہب نقل در نقل ہوتا آیا ہو دیکھو علامہ ابن ہمام فتح القدیر باب نکاح الرقیق میں فرماتے ہیں۔ فھذا ھو الوجہ وکثیرا ما یقلد الساھون الساھین یعنی ایسا بہت ہوتا ہو کہ بھولنے والے بھولنے والوں کی پیروی کرتے ہیں۔ بحر الرائق کتاب البیوع باب المتفرقات میں لکھتے ہیں۔ وقد یقع کثیرا ان مؤلفا یذکر شیئا خطأ فی کتابہ فیأتی من بعدہ من المشائخ فینقلون تلک العبارۃ من غیر تغییر ولا تنبیہ فیکثر الناقلون لھا واصلھا الواحد مخطی یعنی ایسا بہت ہوتا ہے کہ ایک مؤلف کسی مسئلہ کے لکھنے میں خطا کر جاتا ہے اسکے بعد علما و مشائخ اسکی دیکھا دیکھی لکھتے چلے جاتے ہیں حالانکہ خطا کرنے والا ایک ہی تھا دیکھو صاحب درمختار نے بہ تبعیت صاحب نہر الفائق و بحر الرائق لکھ دیا اقیموا الصلوٰۃ واتوا الزکوٰۃ قرآن میں ۸۲ جگہ ہے حالانکہ یہ شمار غلط ہو صرف اعتماداً یہ غلط شمار منقول ہو گیا۔ قرآن عظیم موجود ہو دیکھ لیجئے صرف ۳۲ جگہ یہ جملہ ملیگا پس ہماری کتب فقہیہ حنفیہ میں جو دف کا جواز اعلان نکاح کیواسطے لکھا ہوا ہو وہ اصل مذہب اور ظاہر الروایت کی خلاف ہے پس منشا تقلید ہرگز یہ نہیں ہو کہ دف کو جائز سمجھا جاوے پس کسی عالم حنفی کی تصنیف یا فتاوی میں جواز لکھنے سے حقیقت میں جائز نہ ہوگا بلکہ ان حضرات علماء احناف محققین کا اپنی تصانیف و فتاوی میں لکھنا اسی پر محمول ہوگا یا ایک غلطی ہو جو نقل در نقل ہوتی گئی جبکا اصل مذہب میں پتہ نہیں اسی وجہ سے علامہ

توربشتی نے فرمایا کہ دف اکثر مشائخ کے نزدیک حرام ہے اور اس حدیث کا جسمیں اعلان نکاح کیواسطے دف
بجانیکا ذکر آیا ہے ہمارے مشائخ حنفیہ جواب دیتے ہیں کہ دف بجانے سے مراد اعلان ہے نہ حقیقت میں باجہ
دف بجانا۔ چنانچہ شرح نقایہ اور نصاب الاحتساب و بستان العارفین میں یہ جواب مذکور ہے۔ عبارت
شرح نقایہ یہ ہے قال التوربشتی انہ حرام علی قول اکثر المشائخ وما ورد من ضرب الدف فی
العرس کنایۃ عن الاعلان۔ جب حدیث شریف میں ضرب دف سے مراد اعلان یا تشہیر ہے تو بعض
متاخرین علماء حنفیہ کا جائز کہنا اور اس حدیث کو استدلال میں پیش کرنا صحیح نہیں بلکہ بے محل ہے اور ضرب دف سے
اعلان و تشہیر کے مراد ہونے پر ایک زبردست قرینہ یہ ہے کہ ابتک کسی ضعیف روایت سے بھی ثابت نہ ہوا کہ زمانہ
رسالت میں کسی صحابی نے اعلان نکاح کیلئے دف بجاکر اس حدیث کی تعمیل کی ہو۔ حالانکہ صحابہ کرام کو اتباع
سنت میں جو شغف تھا وہ علماء پر مخفی نہیں اس سے زیادہ عجیب یہ ہے کہ خود حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے متعدد نکاح اپنا
اور اپنی صاحبزادیوں کا فرمایا کبھی کسی نکاح میں آپ نے دف بجانیکا حکم نہیں دیا من ادعی فعلیہ البیان زیادہ کیا جاوے
بخاری شریف کی حدیث ربیع بنت معوذ سے یہ ثابت ہوتا ہے کہ چند نابالغ لڑکیوں نے بعد زفاف کے دف بجایا تھا اس
حدیث سے بالغ کے دف بجانیکا جواز سمجھنا کیونکر صحیح ہو سکتا ہے کیونکہ لڑکیاں غیر مکلف تھیں اگر کسی روایت سے
بالغ عورتوں کا بجانا ثابت بھی ہو جائے تو اسکے جواب میں حضرت علی کرم اللہ وجہہ کی حدیث کافی ہے ان رسول اللہ
صلی اللہ علیہ وسلم نھی عن ضرب الدف ولعب الصنج وضرب الزمارۃ یعنی اس حدیث کی رو سے یہ کہا
جائیگا کہ اگر آپ نے اجازت دی ہوگی تو پھر منع فرمادیا جسکو حضرت علی رضی اللہ عنہ نے ظاہر فرمایا۔ علاوہ اسکے جناب
رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے دف کو مزمور الشیطان کہا اور حضور
نے سکوت فرمایا خیال فرمایئے کہ اگر حضرت صدیق اکبر کا دف کو مزمور الشیطان فرمانا بجا اور صحیح نہ ہوتا تو شارع علیہ
الصلوٰۃ والسلام ضرور منع فرماتے پس ہو جب اس روایت کے جب مزمور الشیطان ٹھیرا تو پھر یہ کیونکر ممکن ہے کہ صحابہ
کرام اس سے اعلان نکاح کرتے پس اکثر مشائخ حنفیہ کا حدیث ضرب دف سے اعلان اور تشہیر مراد لینا بہت
بجا ہے کیونکہ زبان عربی اور فارسی کے محاورہ میں ضرب دف بول کر اعلان اور تشہیر مراد ہوا کرتی ہے زبان عربی کا
حال تو ابھی علامہ توربشتی اور علامہ فقیہ امام الہدیٰ ابواللیث سمرقندی اور علامہ عمر بن محمد بن عوض سنامی
رحمۃ اللہ علیہم کے اقوال سے معلوم ہو چکا۔ فارسی میں بھی دف زدن کے معنی اعلان کردن و شہرت دادن کے
ہیں۔ نظیر کے طور پر حضرت شیخ سعدی علیہ الرحمۃ کا شعر جو بوستاں میں ہے ملاحظہ فرمایئے ؎

یکے راجو من دل بدست کسے | گرو بود و سے برد خواری بسے
پس از ہوشمندی و فرزانگی | بدف بر زدندش بدیوانگی

مصرع اخیر کا ترجمہ یہ ہے کہ اُسکی دیوانگی کا دف بجایا یعنی اُسکو دیوانہ مشہور کیا پس جس طرح یہاں دف بجانے سے مشہور کرنا مراد ہے اسی طرح حدیث کا مطلب ہے کہ نکاح کو علانیہ کرو اور خوب مشہور کرو۔

ساتویں روشنی ۔ تنزل کے درجہ پر اگر بعض علماء احناف متاخرین کا استدلال صحیح مان لیا جائے کہ اعلان نکاح کیواسطے دف بجانا کچھ مضائقہ نہیں بلکہ مباح ہے تو اُن شرائط و قیود کا لحاظ ضروری ہے جنکو صلح سمجھنے والوں نے بیان کیا ہے (شرط اول) بجا نجھ نہ ہو (شرط دوسری) تطریب نہو چنانچہ شامی و فتاوی سراجیہ اور شرح ابو المکارم اور شرح نقایہ چلپی میں ہے هذا اذا لم يكن له جلاجل ولم يضرب على هيئة التطريب ۔ (تیسری شرط) یہ ہے کہ بہت تھوڑی دیر تک بجایا جائے لمعات میں ہے دل الحديث على اباحته مقدار اليسير مجمع البحار میں ہے اقتصر على القدر اليسير في نحو العرس والعيد الخ پس آجکل جو جائز سمجھا جاتا ہے کہ متعدد دف برات کیساتھ لیکر چلتے ہیں اور بجانے والے بھی کاریگر ہوتے ہیں جو کہ دنوں تک بجانا سیکھتے ہیں جسمیں صاف تطریب ہوتی ہے یہ کیونکر جائز ہوگا جائز ہونیکی صورت حسب تصریحات ان علماء کے صرف یہ ہو سکتی ہے کہ بعد نکاح ہو گیا۔ پس قبل نکاح کے برات کیساتھ دف لیجانا اور اسکو شرعی برات قرار دینا نہایت قبیح اور مذموم ہے اور اسمیں شرعاً چند قباحتیں ہیں اول یہ کیونکہ نکاح ابھی ہوا نہیں یہ اعلان کیسا دوسرے نمایش کیونکہ برات کیساتھ دف لیجانے میں سوائے نمایش کے دوسری غرض شرعی نہیں ہو سکتی اور نمایش خود حرام ہے تیسرے اسراف کیونکہ بے محل بجایا۔ محل اس کا بعد نکاح ہے فقدانا جائز پس جس صورت کیساتھ علمائے متاخرین نے خلاف مذہب دف کے جواز کی صورت لکھی ہے وہ طریقہ مروج نہیں اور جو مروج ہے وہ خود اُن کے نزدیک جائز نہیں علاوہ اسکے سب سے زیادہ تعجب خیز یہ امر ہے کہ اعلان نکاح کیواسطے صرف دف کو لوگ جائز سمجھتے ہیں اور دوسرے باجوں کو ناجائز جانتے ہیں یہ ایک نہایت نامعقول بات ہے جن علماء متاخرین نے اعلان نکاح کے واسطے اپنے مذہب کے خلاف دف کی اجازت دی ہے وہی علماء لکھتے ہیں کہ اعلان نکاح کیواسطے دف کی تخصیص نہیں جس باجہ سے ممکن ہو اعلان کر سکتے ہیں مگر ہر باجہ ہو تینوں شرائط مذکورہ جو ابھی لکھی گئی ہیں اُن کا لحاظ بہر حال لازم ہے دیکھئے اُن عبارتوں کو ملاحظہ فرمائیے جن سے دف کی خصوصیت نہیں ثابت ہوتی قاضی ثناء اللہ صاحب پانی پتی رسالہ سماع میں فرماتے ہیں چوں ضرب دف براے اعلان نکاح حلال یا مستحب باشد بلکہ طبول

ودنقارہ را از دف چہ تفاوت است برائے لہو ہمہ حرام است وبرائے غرض صحیح ہمہ حلال باشد اعلان از ہر یک می شود فرق کردن در دف وغیر آں درسیت غیر معقول۔ اور اسی عدم خصوصیت کی وجہ سے علامہ طحطاوی نے طبلہ کو اعلان نکاح کیواسطے جائز لکھا ہے۔ عبارت یہ ہے وطبل اللھو دمس فیجوز حضرت شاہ احمد سعید صاحب نقشبندی مجددی تحقیق الحق المبین میں فرماتے ہیں "پس بر قول مجیب حکم دہل وتماشہ وغیرہ نیز موافق طبل قیاس کن" علامہ شامی نے ردالمحتار میں ایک قاعدہ کلیہ تحریر فرمایا ہے جس سے کل باجوں کا اعلان نکاح کے واسطے بجانا ثابت ہے عبارت یہ ہے ان آلۃ اللھو لیست محرمۃ بعینھا بل لقصد اللھو دیکھو آلہ لہو کو عموماً لکھا ہے کہ بقصد لہو حرام اور بغرض صحیح جائز کیونکہ دف اور غیر دف باجہ ہونے میں برابر ہیں۔

پس خلاصہ تحریر یہ ہے کہ اصل مذہب حنفی یہ ہے کہ دف وغیرہ کل باجے حرام ہیں شادی اور غیر شادی میں کسی وقت جائز نہیں۔ ہاں مذہب شافعی میں صرف ختنہ ونکاح وغیرہا بعض مواقع سرور میں بپابندی شرائط مذکورۂ ذیل جو تقی روشنی مباح اور ترک اولیٰ اور جو علما احناف متاخرین خلاف مذہب جائز لکھتے ہیں وہ دف کی خصوصیت نہیں کرتے بلکہ کل باجوں کو بقصد لہو حرام اور بقصد صحیح مباح کہتے ہیں اور جن صورتوں سے مباح ہے وہ مروج نہیں اور جو طریقہ دف بجانے کا جائز سمجھکر مروج ہے وہ ہرگز جائز نہیں پس مقلدین امام ابو حنیفہ علیہ الرحمۃ کیلئے خیریت اسی میں ہے کہ ہرگز اسکو اختیار نہ کریں ورنہ سخت خطرہ میں مبتلا ہونگے (احقر ابو الاسحاق انصاری محمد آبادی)

انھترویں حکمۃ تحقیق قصۂ ابو شحمہ

سوال۔ ایک قصہ درمیان واعظین کے مشہور ومعروف ہے جسکی صحت کی ضرورت ہے اسواسطے حضور کو تکلیف دیتا ہوں مع حوالہ کتاب کے جواب باصواب سے مشرف فرمایا جاؤں حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے کوئی بیٹے شحمہ نامی تھے حافظ قرآن تھے کسی عورت نے دعویٰ زنا کا کیا تھا اور اُس سے بچہ پیدا ہوا جسکو بر سر اجلاس حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے روبرو رکھدیا۔ اسپر حضرت عمرؓ نے ثبوت زنا ہونے پر اُسامہ کے دُرّے لگائے پوری درّے نہونے پائے تھے کہ انکا انتقال ہو گیا تو بقیہ دُرّے اُسکی قبر پر یا لاش پر مارے رات کو خواب میں دیکھا کہ حضرت اسامہ جنت الماویٰ میں کلام اللہ قرآن شریف پڑھتے ہیں حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے کہا کہ اے باپ اگر آپ بقیہ دُرّے نہ مارتے تو مجھکو ہرگز یہ مقام نصیب نہ ہوتا اور زیادہ لمبا چوڑا قصہ ہے یہ مختصر عرض کیا گیا لہٰذا یہ قصہ کہاں تک صحیح ہے۔

جواب اس قسم کا قصہ جن کا مشہور ہے انکا نام ابو شحمہ ہے اور وہ قصہ اس طرح منقول نہیں جیسا سوال میں

لکھا ہے اور طرح منقول ہے مگر محدثین نے اسکو موضوع و باطل کہا ہے چنانچہ اللآلی المصنوعۃ جلد ثانی کتاب الاحکام والحدود میں یہ روایت شیرویہ بن شہریار کی سند سے نقل کرکے کہا ہے موضوع فیہ مجاہیل قال الدار قطنی حدیث مجاہد عن ابن عباس فی حدیث ابی شحمة لیس بصحیح وقد روی من طریق عبد القدوس بن الحجاج عن صفوان عن عمر وعبد القدوس کذاب یضع وصفوان بینه وبین عمر رجال۔ اور اس کے بعد اس روایت کی جسقدر اصل ہے اسکو اس طرح نقل کیا ہے والذی ورد فہذا اما ذکرہ الزبیر بن بکار وابن سعد فی الطبقات وغیرہما ان عبد الرحمن الاوسط من اولاد عمر ویکنی ابا شحمة کان بمصر غازیا فشرب لیلة نبیذاً فخرج الی السکر فجاء الی عمرو بن العاص فقال اقم علی الحد فامتنع فقال له انی اخبر ابی اذا قدمت علیه فضربه الحد فی دارہ ولم یخرجه فکتب الیه عمر یلومه ویقول الا فعلت به ما تفعل بجمیع المسلمین فلما قدم علی عمر ضربه واتفق انه مرض فمات ۱۰ محرم سنہ ۳۲۹

ستروین حکمۃ شرائط تعلیم ترجمہ قرآن بعوام

سوال کیا فرماتے ہیں علمائے دین و مفتیان شرع متین اس مسئلہ میں کہ زید کہتا ہے کہ عوام مسلمان لڑکوں اور لڑکیوں کو خاص کر ان بچوں کو جو تجارت پیشہ اولوکر پیشہ ہیں تفہیم تعلیم کے زمانہ میں فن معاش کی طرف رجوع لاکر قرآن مجید کی نعمتوں سے ہمیشہ کیلئے محروم ہو جاتے ہیں ایسے تمام بچوں کو مدرسوں میں زیر اہتمام علمائے اہل سنت استاد کے ذریعہ ترجمہ علمائے اہل سنت مولانا مولوی رفیع الدین صاحب دہلوی یا مولانا مولوی شاہ عبد القادر صاحب محدث دہلوی یا مولانا مولوی شاہ اشرف علی صاحب سلمہ ان تینوں تراجم میں سے کسی ایک ترجمہ کو یا اسکے سوا جسکو کہ ہمارے علمائے اہل سنت پسند کریں بغیر تعلیم صرف ونحو کے مدرسوں میں استاد کے ذریعے الفاظ الفاظ قرآن مجید او مختصر اردو کے رسالہ پڑھنے کے بعد یا اردو زبان بے تکلف جاننے کے بعد ضرور بضرور پڑھانا اور سکھانا چاہیے اور اسکے لیے ذیل کے دلائل پیش کرتا ہے

قرآن مجید کی آیات۔ اِنَّ الَّذِیْ فَرَضَ عَلَیْكَ الْقُرْاٰنَ لَرَآدُّكَ اِلٰى مَعَادٍ ؕ پ ۲۰ ع ۱۲۔ اس آیت سے تعمیل احکام قرآن مجید فرض ہوا تو قرآن مجید کا سیکھنا ضروری کیونکر نہ ہو۔ اِنَّاۤ اَنْزَلْنٰهُ قُرْءٰنًا عَرَبِیًّا لَّعَلَّكُمْ تَعْقِلُوْنَ ۝ پ ۱۲ ع ۱۱۔ جب قرآن مجید کے نزول سے سمجھنے کا حکم ہوا تو سیکھنا کیونکر ضروری نہ ہوا۔ اَفَلَا یَتَدَبَّرُوْنَ الْقُرْاٰنَ اَمْ عَلٰى قُلُوْبٍ اَقْفَالُهَا ۝ پ ۲۶ ع ۷۔ قرآن مجید غور کے ساتھ سمجھنا ہوا تو بغیر سیکھے کے یہ کیونکر ممکن ہو سکتا ہے۔ كِتٰبٌ اَنْزَلْنٰهُ اِلَیْكَ مُبٰرَكٌ لِّیَدَّبَّرُوْۤا اٰیٰتِهٖ وَ لِیَتَذَكَّرَ اُولُوا الْاَلْبَابِ ۝ پ ۲۳ ع ۱۲

کے ذیل میں تفسیر فتح البیان میں ہے۔ یہ آیت کریمہ اس پر دلیل ہے کہ اللہ پاک نے قرآن شریف کو اسی واسطے نازل کیا ہے کہ اسکے معنی میں تفکر و تدبر کریں اسلئے کہ بدون تدبر کے فقط اسکی تلاوت کریں وَاِنَّهٗ لَذِكْرٌ لَّكَ وَلِقَوْمِكَ وَسَوْفَ تُسْئَلُوْنَ ۰ پ ۲۵ ع ۹ کے ذیل میں تفسیر ابن کثیر میں ہے تم سے اس قرآن کی پوچھ ہوگی اور تم اسپر عمل کرنے میں کیسے تھے اور اسکے ماننے میں کیونکر تھے۔ وَلَقَدْ ذَرَاْنَا لِجَهَنَّمَ كَثِيْرًا مِّنَ الْجِنِّ وَالْاِنْسِ لَهُمْ قُلُوْبٌ لَّا يَفْقَهُوْنَ بِهَا وَلَهُمْ اَعْيُنٌ لَّا يُبْصِرُوْنَ بِهَا وَلَهُمْ اٰذَانٌ لَّا يَسْمَعُوْنَ بِهَا اُولٰٓئِكَ كَالْاَنْعَامِ بَلْ هُمْ اَضَلُّ اُولٰٓئِكَ هُمُ الْغٰفِلُوْنَ ۰ پ ۹ ع ۱۲ کے ذیل میں تفسیر موضح القرآن میں ہے خدا اور رسول کو پہچاننا اور انکے علم سیکھنے ہر کسی پر فرض ہیں جو نہ کرے تو دوزخ میں جاوے۔ وَقَالَ الرَّسُوْلُ يٰرَبِّ اِنَّ قَوْمِي اتَّخَذُوْا هٰذَا الْقُرْاٰنَ مَهْجُوْرًا ۰ پ ۱۹ ع ۱ کے ذیل تفسیر ابن کثیر میں ہے اللہ تعالیٰ اپنے رسول کریم صلے اللہ علیہ وسلم کی طرف سے خبر دیتا ہے کہ انھوں نے عرض کیا اے میرے رب میری قوم نے قرآن مجید کو پس پشت ڈالدیا ہے اور یہ اسلئے کہ مشرک قران مجید کیطرف کان نہیں رکھتے اور اسکو نہ سنتے اور یہ ہجران میں سے ہے اور اسکے ساتھ ایمان نہ لانا اسکو سچا نہ جاننا اور اس میں تدبیر نہ کرنا اور اسکو نہ سمجھنا اور اسپر عمل نہ کرنا اور اسکے امر ونہی کو نہ ماننا اور اسکے زواجر سے پرہیز نہ کرنا اور اس سے پھر کر شعروں اور قصوں اور کہانیوں سرود وغیرہ کی طرف جانا بھی اسکے ہجران میں سے ہے اور ایسے طریق کی طرف جانا جو رسول سے ماخوذ نہیں ہے یہ بھی قرآن کے ہجران میں سے ہے۔

احادیث شریف عن عثمان رضی اللہ عنہ قال قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم خیرکم من تعلم القرآن وعلمہ رواہ البخاری۔ اس حدیث میں رسالت مآب صلی اللہ علیہ وسلم نے بہترین شخص قرآن مجید سیکھنے اور سکھانیوالوں کو ارشاد فرمایا ہے عن عبیدۃ الملیکی وکانت لہ صحبۃ قال قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم یا اھل القرآن لا تتوسدوا القرآن واتلوہ حق تلاوتہ من اناء اللیل والنھار وافشوہ وتغنوہ وتدبروا ما فیہ لعلکم تفلحون ولا تعجلوا ثوابہ فان لہ ثوابا رواہ البیھقی اس حدیث میں جناب رسالتمآب رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم نے قرآن کو غور سے سمجھنے کا ارشاد فرمایا ہے بغیر سیکھنے کے غور ممکن نہیں ہے عن حارث الاعور قال مررت فی المسجد فاذا الناس یخوضون فی الاحادیث فدخلت علی علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ فاخبرتہ فقال وقد فعلوھا قلت نعم قال اما انی سمعت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم یقول الا انھا ستکون فتنۃ قلت

ما المخرج منها یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم) قال کتاب اللہ فیہ نبأ ما قبلکم وخبر ما بعدکم وحکم ما بینکم ھو الفصل لیس بالھزل من ترکہ من جبار قصمہ اللہ ومن ابتغی الھدی فی غیرہ اضلہ اللہ وھو حبل اللہ المتین وھو الذکر الحکیم والصراط المستقیم ھو الذی لا تزیغ بہ الاھواء ولا تلبس بہ الالسنۃ ولا یشبع منہ العلماء ولا یخلق من کثرۃ الرد ولا تنقضی عجائبہ وھو الذی لم تنتہ الجن اذ سمعتہ حتی قالوا انا سمعنا قرآنا عجبا یھدی الی الرشد فامنا بہ من قال بہ صدق ومن عمل بہ اجر ومن حکم بہ عدل ومن دعا الیہ ھدی الی صراط مستقیم رواہ الترمذی والدارمی - اس حدیث میں قابل غور ہے کہ فتنوں کے زمانہ میں جناب رسالتمآب رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم نے اپنی امت کو قرآن مجید مضبوط پکڑنے کا حکم تاکید شدید سے ارشاد فرمایا ہے تو ظاہر ہے کہ ہمارے زمانہ میں خود اسلام میں نئے نئے گمراہ فرقے پیدا ہو کر فتنہ و فساد مچاتے پھرتے ہیں پھر اہل سنت کو لڑکے و لڑکیوں کو ترجمہ تعلیم قرآن مجید کی کیونکر ضروری نہ ہو طلب العلم فریضۃ علی کل مسلم ومسلمۃ اس حدیث سے علم دین کا جاننا ہر ایک پر فرض ہوا تو علم دین میں تعلیم ترجمہ قرآن مجید سب سے مقدم پھر احادیث و تفاسیر و فقہ و عقائد سکھلانا بھی لازمات سے ہے -

ہندوستان کے مشہور و مستند علمائے کرام کے اقوال

شیخ الاسلام مولانا مولوی شاہ ولی اللہ صاحب محدث دہلوی اپنی کتاب فتح الرحمن کے دیباچہ میں فرماتے ہیں " در ترتیب این کتاب بعد خواندن متن قرآن و رسائل مختصر فارسی است یا فہم لسان فارسی بے تکلف دست دہد و تخصیص صبیان اہل حرفہ (جمع حرفہ) و سپاہیان کہ توقع استیفاء علوم عربیہ ندارند - در اول سن تمیز این کتاب را بایشان تعلیم باید کرد تا اول چیزیکہ در جوف عالیشان افتد معنی کتاب اللہ باشد و سلامت فطرت از دست نرود و سخن ملاحدہ کہ بمرقع صوفیہ صافیہ متستر شدہ عالم را گمراہی سازند فریفتہ نکنند و اراجیف (چیزہائے دروغ) جہلا و خام و سخن ہندوان بے اعتقاد بہ سبب سینہ را ملوث نسازد و نیز آنانکہ بعد انقضاء شطر عمر (نیمہ چیزے) توفیق توبہ یابند تحصیل علوم آلیہ (مثل نحو و صرف) نتوانند اول کتاب اللہ را باید آموخت تا در تلاوت حلاوت یابند و منفعت آن در حق جمہور مسلمانان متوقع است انشاء اللہ العظیم - اما در حق صبیان مبتدیان خود ظاہر است چنانکہ گفتہ آمد اس مضمون میں شاہ صاحب نے خصوصیت کے ساتھ پیشہ ور تمام مسلمانوں کے لڑکے اور لڑکیوں کو بغیر تعلیم صرف و نحو

کے ترجمۂ قرآن مجید سکھلانے کی نسبت صاف لفظوں میں ہدایت کی ہے چنانچہ جناب شیخ الاسلام مولانا مولوی شاہ
عبدالقادر صاحب رحمۃ اللہ علیہ دہلوی اپنی کتاب موضح القرآن کے دیباچہ میں فرماتے ہیں سننا چاہئے کہ مسلمان
کو لازم ہے کہ اپنے رب کو پہچانیں اور اس کی صفات جانیں اور اسکے حکم معلوم کریں اور رضا کی خوشی و ناخوشی تحقیق
کرے کہ بغیر اسکے بندگی نہیں اور جو بندگی نہ بجا لاوے وہ بندہ نہیں۔ اللہ سبحان و تعالیٰ کی پہچان آوے بتانے سے
آدمی محض نادان پیدا ہوتا ہے سب چیز سیکھتا ہے سکھانے سے۔ اور بتانے سکھانے والے ہرچند تقریریں کریں
پر اس برابر نہیں جو اللہ تعالیٰ نے آپکو بتایا۔ اللہ کے کلام میں جو ہدایت ہے وہ دوسرے میں نہیں یہ کلام پاک
اسکا عربی ہے اور ہندوستانی کو ادراک اسکا محال سو اسواسطے اس بندۂ عاجز عبدالقادر کو خیال آیا کہ اب ہندی
زبان میں قرآن شریف کو ترجمہ کرے اب کئی باتیں معلوم رکھئے۔ اول یہ کہ اس جگہ ترجمہ لفظ بلفظ ضرور نہیں کیونکہ ترکیب
ہندی عربی سے بہت بعید ہے اگر بعینہ وہ ترکیب رہے تو معنی مفہوم نہوں دوسرے یہ کہ اسمیں زبان ریختہ نہیں بولی
بلکہ ہندی متعارف تا عوام کو بے تکلف دریافت ہو تیسرے یہ کہ ہرچند معنی قرآن اس سے آسان ہوئے لیکن
ابھی استاد سے سند کرنا لازم ہے اول معنی قرآن بغیر سند معتبر نہیں دوسرے ربط کلام ماقبل و مابعد سے پہچاننا
قطع کلام سے بچنا بغیر استاد نہیں آتا چنانچہ قرآن زبان عربی ہے پھر عرب بھی محتاج استاد تھے مولانا مولوی نواب
سید صدیق حسن خاں صاحب اپنی کتاب ترجمۃ القرآن کے دیباچہ میں فرماتے ہیں سب امت پر یہ بات
لازم ہے کہ جس طرح سے اول اپنے بچوں کو الفاظ قرآن پڑھاتے ہیں اسی طرح اس بات کا بھی اہتمام رکھیں کہ جو بچہ
حرف شناس ہو کر اردو زبان پڑھنے سمجھنے لگے اسکو اول موضح القرآن کا سبق دیں تاکہ وہ قرآن شریف کے لفظی
معنی سمجھ لے پھر صفحہ چودہ میں فرماتے ہیں معلوم ہوا کہ قرآن کا اتارنا رب سے پڑھنے ہی کیلئے نہیں ہے بلکہ اسلئے
کہ اسکو پڑھکر اسکا مطلب سمجھیں۔ یہ بات ہر ایک پر ہے اور ان پڑھے پر واجب ہے پھر صفحہ ۱۹ میں فرماتے ہیں بڑے شرم
کی بات ہے کہ سارا قرآن تو حفظ ہو تو کہ زبان پر ہو طوطے کی طرح رات دن اسکو پڑھے مگر معنی اسکے معلوم نہوں انتہی
ان تمام علماء کے اقوال سے بغیر صرف و نحو کے عوام مسلمان لڑکوں کو ترجمۂ قرآن مجید سکھلانا صاف لفظوں میں
واضح ہے بڑے تعجب کی بات ہے کہ ترجمۂ قرآن و احادیث و تفاسیر کے ترجمے جو علماء نے تالیف کئے ہیں انکو
بطور خود بغیر استاد کے پڑھنے میں کسی کو ضرر کا احتمال نہیں ہوتا مگر وہی چیز استاد کے ذریعے پڑھنے میں ضرر کا
اندیشہ کرنا نہایت تعجب انگیز ہے۔ برخلاف اسکے عمر کا یہ قول ہے کہ ترجمۂ قرآن شریف بغیر صرف و نحو کے مدرس
میں استاد کے ذریعہ سیکھنے والے دین اسلام سے گمراہ ہو جائیں گے گو وہ علماء اہل سنت کے اہتمام ہی سے کیوں نہ

سکھلائی جائیں۔ اسلئے اب ہم باادبانہ علمائے کرام سے گذارش کرتے ہیں کہ ان ہر دو کے اقوال پر نظر غائر ڈال کر مدلل
طور سے بیان فرمائیں۔ بینوا توجروا۔

الملتمس (۱) ملا شمس الدین (صاحب رئیس انباڑی) (۲) پی امین الدین (صاحب سیٹھ و رئیس
وانباڑی) (۳) ملا حاجی ابراہیم (صاحب رئیس وانباڑی) (۴) فخر الدین جعل شاہ (صاحب رئیس وانباڑی)

الجواب ومنہ الصدق والصواب۔ تعلیم قرآن مجید کا سب کیلئے صغار ہوں یا کبار عوام ہوں یا خواص
مطلوب و مامور بہ ہونا ظاہر ہے اور اس میں تعلیم ترجمہ بھی داخل ہے اسلئے کہ عجم کا ترجمہ سے وہی تعلق ہے جو عرب کا
اصل سے اور عوام عرب کو کہیں اسکی تعلیم سے مستثنیٰ نہیں کیا گیا اسلئے عوام عجم کو بھی تعلیم ترجمہ سے مستثنیٰ نہ
کیا جاویگا اور روایت لا تعلموھن سورۃ یوسف کی صحت ثابت نہیں ہوئی البتہ اگر کہیں تعلیم کی کج فہمی سے
اسمیں مفاسد پیدا ہونے لگیں تو خود ان مفاسد کا انسداد کیا جاویگا اور اس انسداد کی تدابیر امور اجتہادیہ ہیں جو مبنی
ہیں تجارب پر کہ ان میں مصلحین کی آراء مختلف بھی ہو سکتی ہیں سو اسکے اصول یہ احقر اپنے تجربہ کے موافق لکھتا ہے
۱ تعلیم کنندہ عالم کامل حکیم عاقل ہو کہ ترجمہ کی تقریر اور مضامین تفسیر کے انتخاب میں مخاطب کے فہم کی رعایت کرے
۲ متعلم خوش فہم و منقاد ہو معجب بالرای و خود پسند نہ ہو کہ تفسیر سمجھنے میں غلطی نہ کرے اور تفسیر بالرای کی جرأت نہ کرے
۳ اگر کوئی مضمون متعلم کے تحمل فہم سے بالاتر ہو اسمیں معلم اسکو وصیت کرے کہ اس مقام کا ترجمہ محض تبرکاً پڑھ لو یا
اجمالاً اس قدر سمجھ لو اور زیادہ تفصیل میں فکر مت کرو اور وہ متعلم بھی اسکو قبول کرلے اسی طرح اگر معلم اوصاف مذکورہ
کا جامع میسر نہ ہو تو وہ بھی ایسے مقامات کی بالکل تقریر نہ کرے صرف ترجمہ کی عبارت پڑھا دے چنانچہ ہمارے قصبات
میں اکثر لڑکیاں قرآن مجید کا ترجمہ پڑھتی ہیں مگر اس طرح کہ صرف عبارت پڑھ لی نہ معلمہ تفسیر کی تقریر کرتی ہے نہ متعلمہ
اسکی تحقیق محض برکت حاصل کرنا اور بے تکلف جتنا اجمالاً سمجھ میں آجاوے اس کا سمجھ لینا مقصود ہوتا ہے۔ اسکے بعد
بتدریج جب قابل تفسیر سمجھنے کے ہو جاویں خواہ کچھ کتابیں پڑھنے سے خواہ معلومات کی وسعت سے خواہ علماء کی صحبت سے
اسوقت مگر کسی عالم محقق سے ترجمہ مع حل کے پڑھ لیں ابتدائی پڑھنے پر کفایت نہ کریں اور سوال میں جتنے دلائل جو تعلیم
کی مطلوبیت کے لکھے ہیں قواعد شرعیہ سے مقید ہیں ان ہی شرائط کے ساتھ چنانچہ حضرت شاہ عبد القادر
صاحبؒ کے کلام میں بعض شرائط کی باختلاف عنوان تصریح بھی ہے اسی طرح بے استاد جو تراجم و تفاسیر
کا مطالعہ کرتے ہیں ان کیلئے بھی بعض محققین ان ہی شرائط کو ضروری کہتے ہیں اور جہاں ایسا استاد نہ ملے وہاں
یہ رائے دیتے ہیں کہ اول معلومات دینیہ ضروریہ کو حاصل کرو تاکہ علوم قرآن سے مناسبت ہو جاوے پھر مطالعہ کے

وقت جہاں ذرا بھی شبہ رہے وہاں ذکر سے کام نہ لیں بلکہ نشان بنا کر جب کوئی محقق عالم ملاکرے اُس سے حل کرلیا کریں اور جو حضرات مانعین ہیں اُن کا منع فرمانا بنا براُن مفاسد کے ہے جو اکثر مشاہد ہیں جس کا سبب اُن شرائط کی رعایت نہ کیا جانا ہے۔ بس ان سے بھی حسن ظن رکھنا واجب ہے اور ان کا اختلاف محض صوری اختلاف ہے اور اس اختلاف موضوع کے سبب فی الواقع دونوں قولوں میں تناقض نہیں البتہ قاعدہ شرعیہ یہ ہے کہ جس عمل میں مفاسد غالب ہوں اگر وہ غیر مطلوب ہو تو نفس عمل سے منع کردیا جاتا ہے اور اگر مطلوب ہو تو عمل سے منع نہیں کیا جاتا ہے بلکہ ان مفاسد کا انسداد کردیا جاتا ہے اسلئے مانعین کی خدمت میں یہ قاعدہ پیش کرکے مشورۃً یہ عرض ہے کہ تعلیم کی تو اجازت دیجائے اور مفاسد کا انسداد کردیا جاوے اور اگر طریق مذکور انسداد کا کافی نہ ہو تو دوسرا طریق مناسب تجویز فرمایا جاوے واللہ اعلم۔ ۲۵ صفر ۱۳۳۹ھ۔

اٹھترویں حکمۃ رسالہ ضیاء الشمس

یہ رسالہ اس کتاب کے صفحہ ۵۰۰ سے شروع ہوکر صفحہ ۵۰۵ پر ختم ہوگیا ہے۔

ضمیمہ رسالہ ضیاء الشمس فی دار الہمس مندرجہ رسالہ الامداد نمبر ۲ جلد ۵ بابت ماہ جمادی الاولیٰ ۱۳۳۸ھ صفحہ ۲۷

یہ ضمیمہ ایک تحریر ہے مولانا علی حسین صاحب لاہوری شاگرد رشید مولانا عبدالرحمٰن صاحب انصاری پانی پتی کی جو احقر اشرف علی کو جناب مولوی عبدالسلام صاحب عباسی پانی پتی سے وصول ہوئی اور انکے پاس بذریعہ حافظ عبدالرحمٰن صاحب ولد مولانا علی حسین صاحب موصوف کے پہونچی،

وھی ھذہ

سوال ۔ بعضے لوگ کاف اور تے کو وقف میں ہندی کی کھ اور تھ پڑھتے ہیں جیسے من قبلک اور کوتھ اور کہتے ہیں سطور پر جو ادا کرے تو سانس جاری نہیں رہتی ہے اور ہمس ادا نہیں ہوتا اور یہ بھی کہتے ہیں کہ کاف اور تے وصل کی حالت میں مہموسہ نہیں ہیں اگر ہوتے تو ہر جگہ کھ اور تھ پڑھے جاتے فقط وقف میں مہموسہ ہونیکی وجہ سے مہموسہ میں شمار ہوئے اس کا رد کتب قرارت کے حوالہ سے تحریر فرماکر سرفراز فرمادیں۔

الجواب واللہ الموفق للصواب ۔ پہلے چند مقدمات ذہن نشین کرنا چاہئے۔ پہلا مقدمہ معروف

کی صفتیں دو قسم میں لازمہ کہ کسی وقت ذات حروف سے منفک نہیں ہوتیں اور غیر لازمہ کہ کسی وقت ذات حروف میں پائی جاتی ہیں اور کسی وقت نہیں۔ غیر لازمہ کی مثال جیسے را کی ترقیق کہ کسی وقت راء میں پائی جاتی ہے کسی وقت نہیں اور یہ سب قراء کے نزدیک بدیہی ہے اور لازمہ کی مثال جیسے ہمس و جہر اور شدت اور رخاوت کہ کسی وقت اور کسی آن اپنے موصوف سے جدا نہیں ہوتی قال العلامۃ العلی القاری فی المنح الفکریۃ صفحہ ۱۹ فی بیان الفرق بین حق الحروف ومستحقہا۔ والفرق بین حق الحروف ومستحقہا ان حق الحرف صفتہ اللازمۃ لہ من همس وجهر وشدۃ ورخاوۃ وغیر ذلک من الصفات الماضیۃ ومستحقہا ماینشأ عن هذہ الصفات کترقیق المستفل لی احرها وقال شیخ الاسلام الشیخ زکریا الانصاری فی شرح الجزریۃ صفحہ ۱۲ وهو ای التجوید اعطاء الحروف حقہا من صفۃ اللازمۃ لہ من همس وجهر وشدۃ ورخاوۃ وغیر ذلک من الصفات الماضیۃ ومستحقہا ماینشأ عن هذہ الصفات کترقیق المستفل الی احرها وقال شیخ الاسلام زکریا الانصاری شرح الجزریۃ مثلا وهو ای التجوید اعطاء الحروف حقہا من صفۃ اللازمۃ لہا من همس وجهر وشدۃ ورخاوۃ ونحوها الخ وقال الشیخ خالد الازهری فی شرح الجزریۃ صفحہ ان التجوید اعطاء الحروف حقہا من صفاتہا اللازمۃ لہا کالهمس والشدۃ ونحوهما وقال ابن المصنف ای ابن الشیخ محمد بن الجزری فی شرح الجزریۃ صفحہ ۱۸ والفرق بین حق الحروف ومستحقہا ان حق الحروف صفتہ اللازمۃ لہ من همس وجهر وشدۃ ورخاوۃ وغیر ذلک من الصفات الماضیۃ الخ بان سب ائمہ کے کلام سے صراحۃً ثابت ہو گیا کہ ہمس حرف مہموس کی صفت لازمہ ہے اور شدۃ حرف شدید کی صفت لازمہ وعلیٰ ہذا القیاس جہر و رخاوت وغیرہ میں اسکو خوب یاد رکھنا چاہئے۔

دوسرا مقدمہ۔ حروف دو قسم کے ہیں اصلیہ اور فرعیہ۔ فرعی وہ حرف ہے کہ دو حرفوں کے خلط کرنے سے پیدا ہوا ہو جیسے صاد مشمہ بالزا کہ صاد اور زی کے خلط کرنے سے پیدا ہوا ہے۔ اور اسی طرح وہ حرف بھی فرعی کہلاتا جو دو مخرجوں میں آمد رفت رکھتا ہو یعنی مخرج اصلی سے غیر اصلی میں اور اصلی سے مخرج اصلی میں آ جاتا ہو جیسے نون مخفاۃ کہ حرف اخفار دور کرنے سے مخرج اصلی میں آ جاتا ہے اسکے بعد حرف اخفا لگا لینے سے خیشوم میں چلا جاتا ہے حرف اصلی حرف فرعی کے مقابل ہے کہ اسمیں نہ دو حرف کا خلط ہوتا ہے نہ مخرج اصلی اور غیر اصلی اور غیر اصلی میں مثل نون مخفاۃ کے منتقل ہوتا رہتا ہے پھر حروف فرعیہ دو قسم ہیں فصیحہ اور غیر فصیحہ فصیحہ میں سے پانچ حروف قرآن مجید میں وارد ہوتے ہیں۔ دقائق المحکمہ فی شرح المقدمہ جو شیخ زکریا انصاری نے مقدمہ جزریہ کی شرح کی ہے اور منح الفکریہ

کے حاشیہ پر چھپی ہوئی ہے اُسکے صفحہ ۸ میں ہے وقد یتفرع علی ماذکر فروع بان یتولد الحرف من حرفین ویتردد بین مخرجین بعضہا فصیح وبعضہا غیر فصیح والوارد الاول فی القرآن خمسۃ الالف الممالۃ والھمزۃ المسھلۃ واللام المفخمۃ والصّاد کالزاء والنون المخفاۃ۔ قال فی المنح الفکریۃ ثم اعلم ان الحروف المذکورۃ ھی الحروف الاصلیۃ وثم حروف فرعیۃ تکون ممزجۃ بالاصلیۃ للعلل المقتضیۃ لہا لیس ھذا محلہا وھی الھمزۃ المسھلۃ بینہا وبین الالف والواو والیاء کذا الالف الممالۃ واللام المفخمۃ والصاد المشمۃ والنون المخفاۃ وھذہ الحروف الخمسۃ کلہا فصیحۃ جاء بہا القراءۃ الصحیحۃ والروایات الصریحۃ اسکو بھی خوب ذہن نشین کرلینا چاہیے۔

مقدمہ ثالثہ ہمس میں لغت اور اصطلاح دونوں کی رُو سے آواز کی خفا اور آہستگی کا اعتبار ہے اسمیں آواز کے جاری ہونیکی شرط نہیں ہے یعنی جو آواز خفی اور آہستہ ہو اونچی اور بلند نہو اسکو ہمس کہتے ہیں قال فی القاموس الھمس الصوت الخفی وکل خفی۔ الخ اگر ہمس میں آواز کا جاری ہونا بھی شرط ہوتا تو الھمس الصوت الخفی الجاری کہتا پس ہمس آہستہ اور پست آواز کو کہتے ہیں خواہ جاری ہو جیسے سین اور شین کی خواہ بند ہو جیسے کاف اور تے کی خواہ منہ کی ہو یا اُسکے قدم کے رفتار کی یہ سب ہمس کہلاتے ہیں البتہ حروف مہموسہ میں تلفظ کیوقت سانس کو جاری ہونے سے نہیں روکتے لیکن سانس اور چیز ہے اور آواز اور چیز ہے کما قال فی المنح الفکریۃ۔ والتحقیق ان الھواء الخارج من داخل الانسان ان خرج ذلک بدفع الطبع یسمی نفسا بفتح الفاء وان خرج بالارادۃ وعرض لہ قرع بتصادم الجسمین یسمی صوتا۔ پس سانس کے جاری ہونے میں آواز کا جاری ہونا اور آواز کے جاری ہونے میں سانس کا جاری ہونا ضرور نہیں کبھی آواز بند ہوتی ہے اور سانس جاری رہتی ہے کبھی سانس بند ہوتی ہے آواز جاری رہتی ہے قال العلامۃ العلی القاری ناقلا عن الشارح الشاطبی صفحہ ۱۵ الجھر انحصار النفس مع تحرکہ فقد یجری النفس ولا یجری الصوت کالکاف والتاء وقد یجری الصوت ولا یجری النفس کالضاد والغین المعجمتین فظہر الفرق بینہما واللہ اعلم الخ اب آپ سانس کے جاری ہونے اور آواز بند ہونیکا امتحان کرکے دیکھ لیں جیسے حقہ کش دم کشی کرکے دم کو چھوڑتا ہے اسی طرح تم سانس کو اندر کھینچ کر باہر نکالو اور سانس لیتے میں اک اک یا آواز آہستہ اور یا آواز پست کہو ہیں باوجود پستہ ہونے آواز کے تمہاری سانس جاری رہے گی اور آواز آہستہ اور نرم نکلیگی یہی صفت ہمس کی ہے اور اسی طرح اض اض ضاد ساکنہ کیساتھ سانس لینے میں پڑھکر دیکھو کبھی ضاد صحیح جب تک سانس نہ بند کروگے اور نہ روکوگے ہرگز ادا نہوگا پس ضاد صحیح ساکنہ کی آواز بوجہ رخوہ ہونیکے گرچہ جاری ہے

لیکن اسکے پڑھنے کیوقت سانس بند ہو جاتی ہے اور یہی معنی جہر کے ہیں پس دونوں میں تلازم نہیں اسکو بھی خوب یاد رکھنا چاہیے
ان مقدمات کے ذہن نشین کرنیکے بعد اُنکے کلام کی تردید اور غلطی دلائل قطعیہ سے بموجب ہر ہر مقدمہ کے طرح طرح سے
بخوبی ظاہر اور روشن ہو جاویگی مثلاً ہم کہیں گے قبلکہ اور کورتہ غلط ہے کہ اس طرح پڑھنے سے کاف عربیہ اور تاء عربیہ
معدوم ہو جاتے ہیں بوجہ اسکے کہ شدت کاف اور تے کو بموجب مقدمہ اولی کے لازم ہے اور کاف اور تے اسکے ملزوم
ہیں اور یہاں شدت بسبب جاری ہونے آواز کے معدوم ہو گی پس کاف اور تے جو شدت کے ملزوم ہیں وہ بھی
معدوم ہو گئے کہ لازم کے عدم سے ملزوم کا بھی عدم ہو جاتا ہے دیکھو طلوع شمس ملزوم ہے اور وجود نہار اسکو
لازم ہے پس جب وجود نہار نہ ہوگا تو طلوع شمس بھی معدوم ہوگا فثبت المدعی اور اسی طرح اُن کا یہ قول کہ کاف
اور تے وصل کی حالت میں مہموسہ نہیں غلط ہے اسلئے کہ اس تقدیر پر ہمس کاف اور تے کی صفت غیر لازمہ ٹھہری ہے اور
مقدمہ اولی میں ثابت ہو چکا کہ ہمس صفات لازمہ سے ہے پس کاف اور تے سے ہمس کی صفت کسی حالت میں منفک
نہیں ہو سکتی وصل کی حالت ہو یا وقف کی اور مقدمہ ثانیہ سے تردید اس طرح ہوگی کہ قبلکہ اور کورتہ پڑھنے سے کھے اور
تھے ہو جاتی ہے اور کھے کی آواز کاف اور ہے کے خلط سے پیدا ہوتی ہے اور تھے کی آواز تا اور ہے کے خلط سے پیدا ہوتی ہے
پس یہ دونوں حروف فرعیہ ہوئے اور حروف فرعیہ کل پانچ حروف قرآن مجید میں آتے ہیں یہ چھٹا اور ساتواں ہندی کے
کھے اور تھے کہاں سے گھس آئے پس یہ دونوں غلط ہیں اور مقدمہ ثالثہ سے تردید اس طرح ہوگی کہ اُن کا یہ قول قبلکہ اور
کی تھے نہ ادا کریں تو ہمس ادا نہ ہوگا غلط ہے اسلئے کہ قبلک اور کورت با آواز بستہ ادا کرنیکی صورت میں بھی با آواز
خفی و آہستہ نکلتا ہے اور اسی کو ہمس کہتے ہیں پس اُن کا یہ قول کہ قبلک اور کورت بستہ آواز کے ساتھ پڑھنے میں
ہمس ادا نہیں ہوتا غلط ہے اور اسی طرح ان کا یہ قول کہ اس طور پر ادا کریں تو سانس جاری نہیں رہتی ہے یعنی بند ہو جاتی ہے
غلط ہے اسلئے کہ سانس اور آواز دونوں کے جاری ہونے اور بند ہونے میں تلازم نہیں جیسے کہ مقدمہ ثالثہ میں گذر چکا کہ
سانس لیتے میں کاف کو با آواز بستہ ادا کر سکتا ہے اگر کاف کا تلفظ سانس کو جاری ہونے سے روکتا تو کاف کا تلفظ با آواز
بستہ سانس لیتے میں نہ ہو سکتا جیسا کہ ہمزہ اور ضاد اور باقی حروف مجہورہ کا تلفظ سانس لینے کی حالت میں نہیں ہو سکتا ہے

ف۔ کاف تین قسم کے ہیں دو عجمی ایک عربی عجمی دو ہیں ایک صحیح دوسرا غلطی صحیح وہ ہے جیسا [illegible]
کے اکثر حفاظ کی زبانی سنا ہوگا کہ کاف کے ادا کرنے میں جہر پیدا کرتے ہیں اور کاف کی صفت ہمس کو معدوم کرتے ہیں
اور غلطی وہ یہی کاف ہے جسمیں ہم لوگ سقلہ ادا کرتے ہیں کہ کاف کی کھے ہو جاتی ہے اور صفت شدت کی کہ بستگی آواز کی ہے
بالکل معدوم ہو جاتی ہے اور عربی وہ کاف ہے جسکی آواز خفی اور بستہ نکلتی ہے اور اسمیں ہمس اور شدت دونوں صفتیں پائی جاتی ہیں

جیسا یہ عربی صحیح اور اول کی دونوں قسمیں ناجائز ہیں۔ قال فی نہایۃ القول المفید فی التجوید ناقلا عن رسالۃ المرعشی والتمہید فاذا نطقت بہا ای بالکاف فوفہا حقہا واعط بما فیہا من الشدۃ والہمس ولا تذہب بہا الی الکاف الصماء الثابتۃ فی بعض لغات العجم وہی غیر جائز فی لغۃ العرب ویحذر من اجراء الصوت معہا ای مع الکاف کما یفعلہ۔۔ بعض النبط والاعاجم ہذا اٰخر ما ظہر لی فی ہذا المقام والحمد للہ الملک العلام والصلوٰۃ والسلام علی رسولہ خیر الانام وعلی اٰلہ الکرام وصحبہ العظام۔ فقط۔

بہترویں حکمت تحقیق سجدہ بر تکیہ

سوال مسئلہ ذیل اور روایت ذیل میں تعارض معلوم ہوتا ہے اسکی تحقیق مطلوب ہے۔

مسئلہ سجدہ کرنیکے لئے تکیہ وغیرہ کوئی اونچی چیز رکھ لینا اور اسپر سجدہ کرنا نہ چاہئے جب سجدہ کی قدرت نہیں تو بس اشارہ کرلیا کرے تکیہ کے اوپر سجدہ کرنیکی ضرورت نہیں بہشتی زیور مطبوعہ امداد یہ پریس باب صلوٰۃ المریض حصہ دوم۔

روایت۔ ولا یرفع الی وجہہ شیئًا یسجد علیہ فانہ یکرہ تحریمًا۔ درمختار

قولہ۔ فانہ یکرہ تحریمًا۔ قال فی البحر واستدل للکراہۃ فی المحیط بنہیہ علیہ الصلوٰۃ والسلام عنہ وہو یدل علی کراہۃ التحریم اہ وتبعہ فی النہر اقول ہذا محمول علی ما اذا کان یحمل الی وجہہ شیئًا یسجد علیہ بخلاف ما اذا کان موضوعا علی الارض یدل علیہ ما فی الذخیرۃ حیث نقل عن الاصل الکراہۃ فی الاول ثم قال فان کانت الوسادۃ موضوعۃ علی الارض وکان یسجد علیہا جازت صلوتہ فقد صح ان ام سلمۃؓ کانت تسجد علی مرفقۃ موضوعۃ بین یدیہا لعلۃ کانت بہا ولم یمنعہا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم من ذلک اہ فان مفاد ہذہ المقابلۃ والاستدلال عدم الکراہۃ فی الموضوع علی الارض المرتفع ثم رأیت القہستانی صرح بذلک رد المحتار جلد اول ص۵۰۹ باب صلوٰۃ المریض۔

الجواب۔ فی مراقی الفلاح وجعل ایماءہ برأسہ للسجود اخفض من ایماءہ برأسہ للرکوع وکذا العجز عن السجود وقدر علی الرکوع یومی بہما لان النبی صلی اللہ علیہ وسلم عاد مریضا فرآہ یصلی علی وسادۃ فاخذہا ورمی بہا فاخذ عودا لیصلی علیہ فرمی بہ وقال صل علی الارض ان

استطعت والا فاومِ ایماء واجعل سجودك اخفض من ركوعك رواه البزار والبیهقی عن جابر كذا فی نصب الرایة ص۱۷۳ ج ۱ قال المجیب) الی قوله فان فعل ای وضع شیئا فسجد علیه یخفض راسه للسجود عن ایماء للركوع صح ای صحت صلوته لوجود الایماء لكن مع الاساءة لما رویناه ص۱۲۵ وفی حاشیة الطحطاوی علیه قوله وجعل ایماءه للسجود اخفض تمییزا بینهما ولا یلزمه ان یبالغ فی الانحناء اقصی ما یمكنه بل یكفیه ادنی الانحناء فیهما نهر عن المجتبی صفحہ مذکور بہشتی زیور کی اسمیں صریح تائید ہے۔ پس تطبیق اس طرح ہوسکتی ہے کہ کراہت عدم عذر کی حالت میں ہو اور عدم کراہت عذر کی حالت میں ہو۔ عذر یہ کہ بدون تکیہ کے جھکانے میں تکلیف ہو۔ وفی عبارة الحاشیة نفی لما كتب فی المكتوب السابق من لزوم اقصی ما یمكن من الانحناء فالنص یقضی علی الرای۔

تہترویں ۷۳ حکمة اصلاح معاملہ بامتثال نعل شریف

سوال۔ نقشہ نعل مبارک جو کہ خدمت والا میں مرسل ہے ایک رنگونی متمول سیٹھ صاحب نے مستقل طور پر کثیر تعداد میں چھپوا کر یہاں رنگون میں مسلمانوں کو تقسیم کیا اس غرض سے کہ اسکا ادب و تعظیم بجا لا کر فوائد دارین حاصل کریں۔ غیر مقلدین اور بعض مقلدین نے یہ چرچا دیکھ کر بہت کچھ شور و شغب اور چھیڑ چھاڑ شروع کر دی اور بعض نے غلو کرکے یہاں تک کہہ دیا کہ ایک تو یونہی لوگوں کے ایمان میں کمزوری تھی صرف رائی کے دانہ کی برابر ایمان باقی رہ گیا تھا اب اس نقشہ مزینہ و مشکوکہ بالوان مختلفہ کی بدولت رہا سہا رائی برابر ایمان بھی جاتا رہا۔ اسمیں روایات مطبوعہ کے مطابق سروں پر رکھ کر بوسہ وغیرہ دیکر اس سے زیادہ معظم و مکرم چیزیں نیچے پڑ گئیں حتی کہ قرآن پاک و کتب حدیث رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کیساتھ جیسا برتاؤ کیا جاتا ہے اس سے کہیں بڑھکر آثار و علامات قوت مع عظمت آنکے عملدرآمد سے نظر آنے لگے جو مسلمان انکی جیسی تعظیم و تکریم بجا نہ لائے انکو بنظر حقارت دیکھیں اس سے چھیڑ چھاڑ شروع کر دیا انکو بے ادب و گستاخ بتائیں التزام مالا یلزم اور حدود شرعیہ سے تجاوز کا پورا منظر پیش نظر ہو جاوے پھر تعجب ہے تعجب کہ یہ لوگ اپنے آپکو متبع سنت اور اہل حق کہکر بہت سے امور کو جسکو اہل بدعات بدعات حسنہ یا شعائر اظہار محبت رسول وغیرہ قرار دیتے ہیں بنا بر مفاسد عینیہ ناجائز، حرام، شرکت، بدعت قبیحہ کہتے ہیں اور نقشہ نعل مبارک بایں آب و تاب چھپوا کر زیب بیجات بناتے ہیں باوجودیکہ عوام کالانعام کی حالت اور اس کے صدہا امثال و نظائر میں انکی افراط و تفریط و بھی مشاہدہ کر چکے اور کر رہے ہیں نقشہ مذکورہ کے نیچے گرداگرد اشعار و عبارات فضائل وغیرہ چھپے ہیں

کرنا کہ جسنے نقشہ مذکور کو نیچے یہ بھی چھاپ دیا ہے مگر خلاف شرع غلو نہ کریں الخ بالکل لچر ہے خواہشات نفسانیہ کا غلبہ ہونے اور رفع حاجات دنیاوی کا سہل نسخہ ہاتھ آتے ہوئے عوام کا حدود شرعیہ پر قایم رہنا قطعاً خلاف بداہت ومشاہدہ ہے اتنی عبارت کا لکھدینا ہرگز کافی نہیں ورنہ اسکا شائع کنندہ مسلمانوں کو ایک نئے فتنے میں پھسانیکی وجہ سے مواخذہ آخروی سے بری الذمہ ہو سکتاہے اس نقشہ نعلین مبارک کو زاد السعید حضرت مولانا مولوی محمد اشرف علی صاحب تھانوی کے ساتھ ملانے سے یہ بات ظاہر ہوتی ہے کہ اسکا ماخذ یہی کتاب ہے اسمیں کوئی شرعی دلیل قائم نہیں کیگئی ہے کتاب فتح المتعال فی مدح النعال کا حوالہ اسمیں بھی دیاگیا ہے یہ کتاب بھی اثبات مطلوب کے لئے کافی نہیں ہے انتھی بتغیر المعانی وفی ما صدر منھم بلسان القال واقلہ بلسان الحال پس جناب والا کی خدمت میں امور ذیل معروض ہیں (۱) مخالفین کی تقریر کہاں تک صحیح ہے اور کہاں تک غلط (۲) نقشہ مرسلہ کی وجہ سے عوام کا مفاسد میں مبتلا ہوجانا محتمل قوی ہے یا نہیں (۳) نقشہ مرسلہ کا بوسہ دینا سر پر رکھنا وغیرہ کے مشروع ہونے پر دلیل شرعی کیا ہے اگر بطور عمل اور حصول خیر وبرکت کیلئے جائز کہا جائے تو کیا وجہ ہے کہ قیام مولود فاتحہ وتعزیہ ونقشہائے مبارک وجبہ وعمامہ مبارک وغیرہ بیشمار اعمال کے بارہ میں اسی وجہ کو کیوں کافی سمجھا جائے بلکہ ان میں سے بعض اعمال کو بدرجہ اولی کیوں نہ جائز قرار دیا جائے اور اگر نہیں تو مابہ الفرق کیا ہے (۴) قرون ثلثہ مشہود لہا بالخیر وزمانہ مجتہدین عظام میں اس طرح بوسہ دینے سر پر رکھنے وغیرہ کا دستور تھا یا نہیں اگر تھا تو اسکی تصریح نقل فرمادیں۔ خالص مجھے مبارک ملبوسات شریفہ نبویہ علی صاحبہا الصلوٰۃ والسلام کیساتھ فیوض وبرکات حاصل کرنا امر آخر ہے اور تشبیہ دوسری چیز ہے اسلئے یہ امر قابل خیال ہے کہ اصل کے ساتھ کسی برتاؤ کا دکھلانا وہی برتاؤ نقل کیلئے ثابت کرنا قیاس مع الفارق ہوگا (۵) جبکہ نقشہ نعل شریف اس درجہ واجب التعظیم قرار پائے کہ سر پر رکھکر اسکے وسیلہ سے دعا مانگنا باعث حصول خیر وبرکت ہو تو دوسری صورت میں اگر کوئی مثل نقشہ نعل چرمی یا چوبی بنواکر اسکا پہننا چاہے جسکا پاک وناپاک جگہ آمد ورفت میں ملوث ہونا ظاہر ہے کیا حکم رکھتا ہے (۶) اصل نعلین کے ساتھ کسی صحابی رضی اللہ عنہ کا یہ معاملہ کرنا ثابت ہے جو کہ اسکی نقل کیساتھ تجویز کیا گیا ہے بوقت جواب عریضہ ہذا کتاب امداد الفتاوی جلد سوم صفحہ ایک سو چالیس مسائل شتی مطبع مجتبائی دہلی اور مضمون کتاب زاد السعید متعلق نعل شریف کے تعارض کو ملاحظہ فرمالیا جاوے۔ فقط۔

الجواب۔ اس مسئلہ میں دو مقام پر کلام ہے ایک یہ کہ فی نفسہ قطع نظر عوارض سے اس تمثال کیساتھ ایسا معاملہ کرنے کا

حاشیہ اس مسئلہ پر رسالہ اتمام النقال من بعض احکام التمثال دیکھنا چاہئے جسمیں حضرت حکیم الامۃ مدظلہم اور مولانا کفایت اللہ دہلوی کی مکاتبت ہے۔ یہ رسالہ دہلی کے کتب خانہ رحیمیہ سنہری مسجد نے شائع کیا ہے ۱۲۔

کیا حکم ہے۔ دوسرے یہ کہ عوام کے مفاسد حالیہ یا مآلیہ محتملہ یا احتمال غالب کے اعتبار سے کیا حکم ہے سو امر اول کی تفصیل یہ ہے
کہ اگر دین اور عبادت سمجھ کر ایسا کیا جائے تب تو بدعت ہے کیونکہ اس کی کوئی دلیل وارد نہیں اور اگر ادب و
شوق طبعی سے کیا جائے تو کوئی حرج نہیں کیونکہ امور طبعیہ کے جواز کیلئے دلیل کی ضرورت نہیں خلاف دلیل نہ ہونا
کافی ہے اور جو سلف سے اسکی نظیر منقول ہے اسکا محمل یہی ادب و حب طبعی ہے جیسے حضرت عثمانؓ کا قول ہے
ولا مسست ذکری بیمینی منذ بایعت بھا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم رواہ ابن ماجہ فی
باب کراھۃ مس الذکر بالیمین ظاہر ہے کہ یہ رعایت بنا بر حکم شرعی نہیں ورنہ تو تخصیص کا دلک یا عمر بھی
یمین سے جائز نہ ہوتا اور جیسے قاضی عیاض نے عبدالرحمن سلمی سے احمد بن فضلویہ زاہد غازی کا قول نقل کیا
ما مسست القوس بیدی الا علی طہارۃ منذ بلغنی ان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اخذ القوس
بیدہ من فتاوی العلامۃ عبدالحی ص۲۲۲ ف ہے کہ مبنی اسکا بجز دونوں قوس میں تشابہ ہونیکے اور کیا تھا
اور اس تقریر سے امداد الفتاوی و زاد السعید کا تعارض بھی مرتفع ہو گیا جو سوال سادس میں سائل نے لکھا ہے
کہ اول میں حکم شرعی کا بیان ہے اور ثانی میں شوق کا چنانچہ خود امداد الفتاوی کی اس عبارت میں شوق کی بنا
پر ایسے فعل ہو جانے پر ملامت کی نفی صریح ہے یہ تو تفصیل ہے حکم فی نفسہ کی اور امر دوم کی تحقیق یہ ہے کہ جہاں
احتمال مفاسد کا غالب ہو وہاں روکا جاویگا اور واقعی اس وقت عوام کی حالت پر نظر کرکے احتیاط ہی مناسب ہے
چنانچہ اسی بنا پر ہمیشہ خیال ہوتا تھا کہ زاد السعید کے مضمون کے متعلق ایسی تنبیہ کر دوں الحمد للہ اس وقت اسکی توفیق
ہوئی لیکن اسکے ساتھ ہی دوسری جانب میں بھی اصلاح ضروری ہے مثلاً اس تمثال کے ساتھ قصداً اہانت کا
معاملہ کرنا کہ کھلی علامت ہے قساوت کی کیونکہ گو وہ اصل نہیں ہے مگر تماثل و تشابہ کے سبب جو اصل سے ملابست و
مناسبت ہے اسکی مانعیت کیلئے کافی ہے چنانچہ اس کا انکار تو مانعین بھی نہیں کر سکتے کہ جس طرح اصل نعل شریف
پر باوجود اسکے ظاہر ہونیکے بھی کلمات طیبہ اسم مبارک لکھنا سوء ادب ہے اسی طرح تمثال پر ان کا لکھنا سوء
ادب ہے جیسا اس تمثال میں اسکا ارتکاب کیا گیا جو قلب پر بہت ثقیل معلوم ہوتا ہے جس سے یہ نقشہ میری رائے
میں قابل دفن ہو گیا کیونکہ اسکے ابقاء میں جائز رکھنا ہے اہانت اسم مبارک کا نعوذ باللہ منہ یا جس طرح اصل
نعل شریف کو قرآن شریف کیساتھ ایک غلاف میں رکھنا درست نہیں اسی طرح تمثال نعل کو بھی۔ نزاع کا
کا مبنی اگر تشابہ نہیں تو کیا ہے پس صاف معلوم ہوا کہ مع وجہ اصل و نقل کو بعض آثار میں تشارک ہے۔ پس تمثال کی قصداً
اہانت کرنا بھی گوارا نہ ہوگا اور جس طرح ان کلمات کی کتابت کا وجوب اجتناب جیسا ہے مانعین پر اور شبہ ہے

من وجہ تشارک اصل و نقل فی بعض الآثار کا اسی طرح اس کتابت و جود آثار کتاب جہت سے مجوزین ہیں اور ثانی ہے من کل الوجوہ تشارک اصل و نقل فی کل الآثار کا ورنہ اگر یہ تشارک منفی نہیں تو کیا وجہ کہ اصل پر یہ کتابت ناجائز ہوا اور نقل پر جائز اس تحقیق سے ضروری احکام کا انضباط اور اقوال مختلفہ جانبین کی اصلاح دونوں امر حاصل ہوگئے اور ان سب سوالوں کا جواب بھی نکل آیا واللہ اعلم ۸ رمضان ۱۳۴۱ھ

چوہترویں حکمت تفصیل حکم رطوبت فرج

فصل دہم در تحقیق انتقاض وضو برطوبت فرج بر تقدیر طہارت او

ایک لفافہ آیا جس میں سے ایک جواب کی نقل اور دوسرا جواب اس کے خلاف مرقوم تھا وہ ذیل میں ہے۔

سوال بعض عورتوں کو جو سفیدی اکثر وقت آتی رہتی ہے یہ پاک ہے یا ناپاک ہے اور اس سے وضو ٹوٹتا ہے یا نہیں

الجواب - فی الدر المختار رطوبة الفرج طاهرة خلافا لهما وفی رد المحتار تحت قوله رطوبة الفرج طاهرة ما نصه ولذا نقل فی التاتارخانية ان رطوبة الولد عند الولادة طاهرة وكذا السخلة اذا خرجت من امها وكذا البيضة فلا يتنجس بها الثوب ولا الماء اذا وقعت فيه لكن يكره التوضی به للاختلاف وكذا الانفحة هو المختار الخ ص ۲۶۱ ج ۱ اس سے معلوم ہوا کہ اس مسئلہ میں اختلاف ہے لیکن امام صاحب کا مذہب ہونے کے سبب بھی اور اس زمانہ میں ضرورت ہونے کے سبب بھی ترجیح اسی کو ہے کہ وہ پاک ہے اور اس سے وضو بھی نہیں ٹوٹتا۔

سوال - ما قولكم دام فضلكم فی رطوبة الفرج الداخل هل طاهرة ام لا وعلى الاول فلو خرجت من الداخل هل ينتقض بها الوضوء ام لا۔

الجواب - رطوبة الفرج الداخل طاهرة عند الامام لكن ينتقض بها الوضوء لو خرجت منه فی الرواية وفی اقتضاء الوضوء ما خرج من السبيلين او من غيره ان كان نجسا فی شرح الوقاية قوله ان كان نجسا متعلق بقوله او من غيره فی عمدة الرعاية لا بقوله ما خرج من السبيلين فان الخارج من السبيلين ناقض من غير تقييد وفی البحر الرائق شرح كنز الدقائق تحت قوله لا خروج دودة من جرح بعد كلام ان الدودة حيوان وهو طاهر فی الاصل والشیء الطاهر اذا خرج من

عہ۔ یہ مضمون چھپا ہے مشہور بہ ترجیح اور چھبیسویں حکمت میں بھی دیکھ لیا جاوے ۱۲

السبیلین لنقض الوضوء کالریح بخلاف غیر السبیلین کالدمع والعرق وفی منیۃ المصلی وشرحہ الکبیری ان کانت ای المرأۃ احتشت ای الکرسف فی الفرج الخارج فابتل داخل الحشو انتقض وضوءھا سواء نفذ البلل الی خارج الحشو او لم ینفذ للتیقن بالخروج من الفرج الخارج الذی ھو المعتبر فی الانتقاض لان الفرج الخارج بمنزلۃ القلفۃ فکما ینتقض بما یخرج من قصبۃ الذکر الی القلفۃ کذلک بما یخرج من الفرج الداخل الی الفرج الخارج وان لم یخرج من الخارج واما اذا احتشت فی الفرج الداخل فہو ان نفذ البلل الی خارجہ ای الحشو انتقض الوضوء و الا ای وان لم ینفذ الی الخارج فلا ینتقض کما فی حشو الاحلیل الخ ومن ھھنا وضح الجواب واللہ تعالیٰ اعلم بالصواب

یہاں مولوی حبیب احمد صاحب نے میرے استفسار پر اسکا یہ جواب لکھا

جناب والا کا فتویٰ عدم انتقاض رطوبۃ الفرج بر تقدیر طہارت رطوبۃ مذکورہ بالکل صحیح ہے اور مولوی محمد امین صاحب کا جواب صحیح نہیں ہے۔

تفصیل اسکی یہ ہے کہ جس طرح خروج من غیر السبیلین کی صورت میں انتقاض طہارت کیلئے نجاست خارج ضروری ہے یوں ہی خروج من غیر السبیلین کی صورت میں بھی ضروری ہے اور دلیل اسکی یہ ہے کہ ریح قبل غیر مفضاۃ کے غیر ناقض ہونیکے متعلق شرح منیہ میں الظاہر الذی عول علیہ قاضی خان وغیرہ ان الخلاف انما ھو فی الخارجۃ من قبل المفضاۃ ولا خلاف فی عدم النقض فی غیرھا لانہا غیر منبعثۃ عن محل النجاسۃ کذا فی الھدایۃ وھو یشیر الی ان الریح نفسہا لیست بنجسۃ لمرورھا علی محل النجاسۃ

اس سے معلوم ہوا کہ خارج من السبیلین کیلئے بھی نجس ہونا ضروری ہے خواہ بنفسہ ہو کالبول والغائط یا لغیرہ ھو کالریح المستتبع للنجاسۃ وعلل صاحب مراقی الفلاح عدم الانتقاض بریح القبل بقولہ لانہ اختلاج لا ریح وان کان ریحا فلا نجاسۃ فیہ وریح الدبر ناقضۃ لمرورھا بالنجاسۃ کذا فی السعایۃ اور سعایہ میں ہے وعلل فی البدائع کون الدودۃ ناقضۃ بالنجاسۃ لتولدھا من النجاسۃ وذکر الاسبیجابی ان فیہ طریقتین - احدھما ما ذکرنا وثانیہما ان الناقض ما علیہا واختار الزیلعی کذا فی السعایۃ یہ روایات نص ہیں اشتراط نجاست پر نیز سعایہ میں ہے ان کانت خارجۃ ای الدودۃ) من قبل المرأۃ ففیہ اختلاف المشائخ فالذین قالوا بنقض الریح الخارجۃ من

القبل قالوا بنقضها ومن لم يقل به لم يقل به والخارجة من الذكر ناقضة كذا في الذخيرة و
الخلاصة وفي التاتارخانية الدودة اذا خرجت من قبل المرأة فعلى الاقاويل التي ذكرناها
اس سے بھی ضرورت اشتراط ثابت ہوا اور شرح منیہ میں ہے وكذا الدودة والحصاة اذا خرج من احد هذين
الموضعين اى الدبر والقبل فعليه الوضوء لاستتباع الرطوبة وهي حدث في السبيلين و[۱] قلت
بخلاف الريح اس سے بھی اشتراط ثابت ہوا لانہ قال لاستتباع الرطوبة اذ لو كان الخروج مطلقا ناقضا
لم يحتج الى التعليل المذكور عنایہ میں ہے ان قلت الكلية اى ما خرج من السبيلين ناقض منتقض
بالريح الخارجة من الذكر والقبل فان الوضوء لا ينتقض به في اصح الروايتين اجيب بانه مخصوص
من العموم لان الريح لا تنبعث من الذكر وانما هو اختلاج والقبل محل الوطی وليس فيه نجاسة
يتنجس الريح بالمرور عليها وهو في نفسه طاهر عند المصنف انتهى۔ ان تمام تنصیصات سے ثابت
کہ سبیلین میں بھی غیر سبیلین کی طرح خروج نجس شرط ہے جب یہ معلوم ہو گیا تو بر تقدیر طہارت فرج کے ظاہر
ہے کہ اسکا انتقاض وضو کوئی معنی نہیں رکھتا۔ رہی وہ روایت جو مولوی صاحب نے غنیہ سے پیش کی ہے سو اس کی
نسبت کہا جاتا ہے کہ وہ مبنی ہے قول نجاست رطوبت پر كما يدل عليه دليله المذكور بقوله لاستتباع
رطوبة پس اس سے استدلال نہیں ہو سکتا اور بحر الرائق کی جو عبارت ہے الشئ الطاهر اذا خرج من السبيلين
نقض الوضوء كالريح اس عبارت میں طاہر سے مراد طاہر لذاتہ نجس لغیرہ ہے نہ کہ طاہر مطلقاً۔ چنانچہ عبارات
مذکورہ سے ظاہر ہے نیز در مختار میں ہے وخروج غیر نجس مثل ریح اور شامی نے اسکے تحت میں لکھا ہے فانها
تنقض لانها منبعثة عن محل النجاسة لا لان عينها نجسة لان الصحيح ان عينها طاهرة
یہ عبارات ہمارے بیان پر دلالت واضحہ رکھتی ہیں۔

رہی شرح وقایہ کی عبارت سو اس کا جواب یہ ہے کہ وہاں نجس سے نجس لذاتہ کالبول والغائط مراد ہے اور چونکہ
اس صورت میں ریح خارج ہوتی تھی اسواسطے شارح نے کہا کہ ان کان نجسا او من غیرہ سے متعلق ہے تاکہ
ریح داخل ہو جاوے جو کہ طاہر لذاتہ اور نجس لغیرہ ہوتی ہے دلیل اسکی یہ ہے کہ شارح نے کہا ہے والريح طاهرة النص بنفخ الحكم
وهو عين النجاسة۔ نیز شارح نے لا دودة خرجت من جرح کی شرح میں لکھا ہے لانها طاهرة وما عليها
من النجاسة قليلة[۲] واما الخارجة من الدبر فتنقض لان خروج القليل معها ناقض اس سے معلوم

---

[۱] فلا تنقض بنفسها ۱۲ منہ [۲] فلا تنقض بغيرها فثبت عدم النقض مطلقاً ۱۲ منہ۔

ہوتا ہے کہ خروج طاہر من السبیلین ناقض نہیں ہے ورنہ انکو چاہئے تھا کہ وہ لان خروج القلیل منہ ناقض کے بجائے لان خروجہا ناقض مطلقا لکھتے کما لا یخفی علی من لہ ذوق سلیم و معرفۃ باسالیب الکلام پس اس سے یہ ثابت نہیں ہوتا کہ خروج طاہر بھی ناقض ہے بلکہ اسکے خلاف ہے وفی عمدۃ الرعایۃ صحح صاحب الہدایۃ والمنیۃ والمحیط وغیرہم عدم نقضہا (ای الریح الخارجۃ من القبل) قائلین انما الاختلاج لاریح وان کانت ریحا فلا نجاسۃ، اس عبارت سے بھی اشتراط نجاست ظاہر ہے اور مولوی عبدالحی صاحب نے جو عمدۃ الرعایہ میں فرمایا ہے قولہ ان کان ای الخارج من غیر السبیلین فان الخارج من السبیلین ناقض من غیر تقیید اس کا مطلب یہ ہے کہ من غیر تقیید بھذا القید ای کونہ عین النجاسۃ اور مطلق تقیید کی نفی مقصود نہیں ہے دلیل اسکی یہ ہے کہ انہوں نے شارح کے قول متعلق بقولہ ما من غیرہ کے تحت میں لکھا ہے لا بقولہ ما خرج من السبیلین والا یلزم ان لا یکون ریح الدبر ناقضۃ لانہا لیست بنجسۃ بنفسہا اور وجہ دلالت یہ ہے کہ اگر ان کے نزدیک مصنف کا قول ان کان نجسا نجس بعینہ وغیرہ دونوں کو شامل ہوتا باوجودیکہ وہ تصریح شارح کے خلاف ہے کیونکہ اس نے اسکو بفتح جیم ضبط کیا ہے اور اسکے معنی عین نجاست بتلائے ہیں تو امر ہے بر تقدیر اسکے ما خرج من السبیلین کے متعلق ہونیکے ریح دبر کا غیر ناقض ہونا لازم نہیں آتا کیونکہ گو وہ بنفسہ نجس نہیں ہے مگر لغیرہ نجس ہے وحینئذ لبطل قولہ والا یلزم ان لا یکون ریح الدبر ناقضۃ وایضا لبطل تعلیلہ بقولہ لانہا لیست بنجسۃ بنفسہا لان عدم کونہا نجسۃ بنفسہا لا یستلزم عدم نقضہا لجواز نقضہا بالنجاسۃ المکتسبۃ العرضیۃ اور اگر بالفرض شارح وقایہ یا صاحب بحر الرائق کا یہی مسلک ہو کہ خروج ما من السبیلین مطلقا ناقض ہے تو یہ دیگر فقہا پر حجت نہیں ہے جو کہ نجاست کی شرط لگاتے ہیں فلا اعتراض بعلما فثبت المدعی باحسن وجہ وللہ الحمد تم الجواب الثالث اب ناظرین علماء اسکی تنقید کرلیں۔

پچھترویں حکمۃ مزید تحقیق متعلقہ ابراہیم ونسب فاروقیان

حضرت سلامت بسلام مسنون، ایک روز زبدۃ المقامات مطالعہ کرتا تھا اسکے صفحہ ۸ پر حضرت مجدد الف ثانی رضی اللہ عنہ کا نسب نامہ دیکھا وھو ھذا۔

حضرت مجدد ابن شیخ عبد الاحد ابن شیخ زین العابدین ابن شیخ عبد الحی۔ ابن شیخ محمد ابن شیخ حبیب اللہ

ابن شیخ امام رفیع الدین، ابن شیخ نصیر الدین ابن سلیمان، ابن یوسف ابن اسحاق بن عبداللہ ابن شعیب ابن احمد ابن یوسف ابن فرخ شاہ کابلی، ابن نصیر الدین بن محمود بن سلیمان بن مسعود ابن عبداللہ الواعظ الاصغر ابن عبداللہ الواعظ الاکبر ابن ابوالفتح بن اسحاق بن ابراہیم ابن ناصر بن عبداللہ بن عمر بن الخطاب رضی اللہ تعالیٰ عنہم۔ اسکو پڑھتے ہی خیال ہوا کہ حضور کے نسب نامہ میں بھی یہی فرخ شاہ کابلی ہیں چنانچہ دونوں کے آخر کو دیکھا اور ملایا تو ٹھیک پایا۔ البتہ بعض ناموں میں قدرے اختلاف ہے، وھو ھذا فرخ شاہ کابلی ابن محمد شاہ، ابن نصیر الدین شاہ بن محمود شاہ بن سلیمان شاہ ابن مسعود شاہ بن شاہ عبداللہ بن شاہ واعظ الاصغر، ابن شاہ واعظ اکبر ابن شاہ ابوالفتح ابن شاہ محمد اسحٰق (ابن سلطان محمود) ......

...... ابن السلطان ابراہیم بن ادہم۔ ان دونوں نسب ناموں کو بغور دیکھنے سے پتہ چلتا ہے کہ فرخ شاہ آپکے اور حضرت مجدد صاحب کے جد اعلیٰ ہیں۔ حضرت مجدد صاحب کے نسب نامہ میں جو آگے چلکر ابراہیم ہیں وہ ابراہیم ادہم نہیں ہیں کوئی اور ابراہیم ہیں اسلئے مجدد صاحب کے فاروقی ہونے میں کوئی کلام نہیں تمام ارباب سیر و تذکرہ مجدد صاحب کو فاروقی ہی لکھتے ہیں۔

پھر زبدۃ المقامات ہی میں لکھا ہے کہ شیخ فرید الدین گنج شکر کا نسب بھی فرخ شاہ سے متصل ہوتا ہے اور بابا فرید کو بھی سب فاروقی لکھتے چلے آتے ہیں۔ غرض ان دو صاحبوں کی فاروقیت مسلم ہے تو پھر آپ کی فاروقیت میں کیونکر کلام ہو سکتا ہے۔ ہاں اس ابراہیم کو ابراہیم ادہم مانا جائے تو البتہ کلام و اختلاف کی گنجائش ہے، مگر اکثروں نے انکو غیر ابراہیم ادہم مانا ہے اسلئے انکو ابراہیم ادہم کہنا ہی غلط ہے اگر یہ شبہ ہو کہ تاریخ فرشتہ میں جو فاروقیوں کا نسب نامہ مذکور ہے اسمیں ابراہیم ادہم مذکور ہیں تو صحیح ہے مگر تاریخ فرشتہ والے نسب نامہ میں فرخ شاہ نہیں ہیں اور درحقیقت ان دونوں نسب ناموں میں سے اوراس سے کوئی تعلق ہی نہیں، اب ضرورت اس بات کی ہے کہ حضور ان ہر سہ نسب ناموں پر غور فرماکر یہ شائع کر دیں کہ یہ ابراہیم ادہم نہیں ہیں، جیسا میں اب تک سمجھتا ہوں اگرچہ میرا لکھنا گستاخی سے خالی نہیں مگر تاریخی حیثیت کی بنا پر لکھنے کیلئے مجبور ہوں۔ امید ہے کہ جواب سے محروم نہ رکھیں گے جناب کی تحریرات سے اور نیز بعض دیگر اکابر کی تحریرات سے صریحاً معلوم ہوتا ہے کہ تحفظ نسب بھی ضروریات شرع سے ہے اسلئے اسکا تحفظ کرنا بہتر ہے جو خدا کی ایک خاص نعمت ہے۔ ٨ رمضان ٥٢ھ

جواب مکرمی السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ آپکے خط سے بڑی الجھن رفع ہوئی۔ جزاکم اللہ تعالیٰ علی ھذہ الافادۃ۔ اب آپ کی تائید دوسرے بعض نسب ناموں کے دیکھنے سے سمجھ میں آئی ہے جنکو میں نے ایک زمانہ میں

جمع کیا تھا، مگر اُس وقت اس طرف ذہن نہیں گیا اب جو مکرر دیکھا تو اس طرح تائید ہوئی کہ جنہیں فرخ شاہ مذکور نہیں ملا اُن میں تو ابراہیم کو ابن ادہم نہیں لکھا اور جنہیں ابراہیم کو ابن ادہم لکھا ہی انکیں فرخ شاہ کا ذکر نہیں چنانچہ شفقتی شاہ محمد حلیم علی پوری کے نسب نامہ میں اس طرح ہے -

فرخ شاہ ابن مسعود ابن عبداللہ ابن واعظ اصغر ابن واعظ اکبر ابن ابو فتح ابن اسحٰق ابن ابراہیم ابن سالم ابن عبداللہ بن عمر

اور مولوی ابوبکر صاحب جونپوری کے نسب نامہ میں اس طرح ہی، شہاب الدین علی الملقب بہ فرخ شاہ کابلی بن نصیر الدین بن محمود بن سلیمان بن مسعود بن عبداللہ واعظ اصغر بن عبداللہ واعظ اکبر بن ابوالفتح بن اسحٰق بن ابراہیم بن ناصر بن عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ -

اور قاضی محمد مصطفٰے صاحب نے مجھلی شہر اور بعد وُں کے فاروقیوں کے مورث اعلیٰ شاہ ابوالحسن ملقب بہ شاہ عبدالملک، بہرام کا نسب نامہ اس طرح لکھا ہے -

شاہ ابوالحسن بن زین العابدین بلخی بن شمس الدین بلخی بن عبداللہ بلخی بن حمید الدین بلخی بن تاج الدین بلخی بن ابراہیم بن ادہم بن سلیمان بن منصور بن عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ -

اس اخیر کے نسب نامہ میں فرخ شاہ نہیں ہیں - اس سے فرخ شاہ کا فاروقی دغیاری ہونا متفق علیہ معلوم ہوتا ہے اور اپنے مدعا کے اثبات کیلئے یہ کافی ہی، اور تھانہ بھون کے نسب نامہ میں جو فرخ شاہ سے ابراہیم تک کا سلسلہ اس طرح لکھا ہی -

فرخ شاہ بن محمد شاہ بن نصیر الدین بن محمود بن مسعود بن عبداللہ بن واعظ اصغر بن واعظ اکبر بن ابوالفتح بن اسحاق بن ابراہیم - یہ تو مجدد صاحب و شاہ محمد حلیم و مولوی ابوبکر صاحب کے نسب ناموں سے قریب قریب موافق ہی اور ایسے تھوڑا تھوڑا تفاوت اسماء کی کمی بیشی یا تقدیم و تاخیر کا سبب ہی جو کہ اصل مقصود میں مضر نہیں، باقی آگے جو ابراہیم کا سلسلہ بیان کیا ہو ابن ادہم بن سلیمان بن ناصر الدین حضرت عبداللہ بن عمرؓ

سو اسمیں ناصر نام تو مجدد صاحب و مولوی ابوبکر صاحب کے نسب نامہ میں مشترک ہی اور اسی طرح سلیمان بھی گو ابراہیم سے پہلے ہی مگر کاتب کے ذہول سے ایسی تقدیم و تاخیر مستبعد نہیں صرف ادہم کا نام زاید ہی سو اکثر اسماء کا اشتراک قرینہ اسکا کہ ابراہیم تو وہی ہیں جو اور نسب ناموں میں ہیں ادہم میں کچھ غلط ہوا ہی سو تعجب نہیں کہ یہ نام سالم ہو جیسے شاہ محمد حلیم کے نسب نامہ میں ابراہیم کے بعد سالم ہی - کتابت غیر مستبینہ میں کسی غیر محقق نے ادہم پڑھ لیا ہو -

رہا مچھلی شہر کے نسب نامہ میں ابراہیم سے اوپر منصور نام ہونا اور ابراہیم سے نیچے ناموں کے ساتھ بلخی ہونا اور ان میں سے بعض کا بلخ سے ہند کو منتقل ہونیکا منقول ہونا یہ بظاہر مرجح ہی انکے ابن ادہم ہونیکا چنانچہ تہذیب میں ابن ادہم کو ابن منصور لکھا ہی -

باقی اسکی نسبت حضرت عمرؓ کی طرف ممکن ہے کہ ان کی اجہات میں کوئی فاروقی ہوں جیسا بعض نے کہا بھی ہے۔ واللہ اعلم۔

اعلان - اسکے قبل جو کچھ اس تحقیق کے خلاف میری تحریر ہو اس سے رجوع کرتا ہوں جیسا کہ ایک بار مختصر اس کے قبل بھی ضمیمہ سادسہ بابت نصف آخر ۱۳۳۲ھ میں ایک دوسری دلیل کی بنا پر اسی طرح رجوع کر چکا ہوں اب مکرر اس رجوع کو مؤکد کرتا ہوں، نصف رمضان ۱۳۴۲ھ۔

چھیترویں حکمۃ تحقیق سماع از حضرت حاجی صاحب رحمۃ اللہ علیہ بروایت مولانا محمد یعقوب صاحب رحمۃ اللہ علیہ

مضمون خط سید جعفر علی صاحب سہارنپوری مشتمل بر تحقیق سماع

از حضرت مرشدی رحمۃ اللہ علیہ بروایت حضرت مولانا محمد یعقوب صاحب رحمۃ اللہ علیہ

حضرتا - موسم گرما میں ایک روز بندہ کے دل میں یہ خیال آیا کہ سماع میں ایک قسم کا سرور ہوتا ہے اور یکسوئی قلب کی بھی ہوتی ہے پھر حرام کیوں ہے۔ بندہ دوپہر کو دیوبند میں حاجی عابد حسین صاحب کی خدمت فیضدرجت میں حاضر ہوا۔ جب ان کی مسجد چھتے والی میں پہونچا تو حاجی صاحب مکان پر تشریف لیگئے تھے اور حدود حجرہ میں حضرت مولانا محمد یعقوب صاحب رحمۃ اللہ علیہ اپنے چھوٹے لڑکے کو حدیث پڑھا رہے تھے انھوں نے مجھکو دیکھتے ہی اپنے لڑکے کو باہر روانہ کر دیا۔ اور مجھسے فرمایا کیا سوال ہے۔ میں نے سماع کے حرام ہونے کی وجہ دریافت کی انھوں نے فرمایا یہ سوال میں نے اپنے حاجی صاحب رحمۃ اللہ سے کیا تھا اور یہی وقت تھا انھوں نے مجھکو ایک فقرہ فرمایا میری تسلی ہو گئی تھی وہی فقرہ میں تمکو سناتا ہوں۔ میں نے عرض کیا بہت خوب۔ فرمایا کہ حاجی صاحب نے فرمایا کہ **مبتدی را نقصان است و منتہی را حاجت نیست** بس میری تسلی ہو گئی تھی میں اسی وقت ان سے رخصت ہو کر واپس سہارنپور آیا اور جب سے میری تسلی ہو گئی۔ والسلام جعفر علی عفی عنہ سہارنپور (ماہ رجب ۱۳۴۳ھ)

نوٹ - مفید سمجھکر نقل کیا گیا۔

ستترویں حکمۃ طلب دلیل بر سنت مؤکدہ بودن ختم قرآن در تراویح

سوال - کل ایک صاحب نے مرادآباد میں یہ روایت بیان کی کہ حضور والا نے ایک مجلس میں جسمیں مولانا ..... صاحب اور مولوی ..... صاحب بھی تھے یہ فرمایا کہ مجھے آثار صحابہ و تابعین و تبع تابعین رضی اللہ تعالیٰ عنہم اجمعین سے تراویح میں ختم قرآن کی

شریف کا سنت ہونا ثابت نہیں ہوا اور اس رمضان میں میں نے تراویح میں قرآن شریف تمام نہیں پڑھوایا اسکے بعد انہی راوی صاحب کا بیان ہو کہ ۔ ۔ ۔ صاحب کی خدمت میں یہ روایت بیان کی گئی اسپر ان صاحب نے فرمایا کہ اس صورت میں فتنہ عظیم کا اندیشہ ہو۔ لوگ کہیں گے کہ ان لوگوں کو ابھی مسائل کی بھی تحقیق نہیں ہوئی کیا معلوم ہے کہ کس نماز کے متعلق جدید تحقیق نہ ہونے لگے وغیرہ وغیرہ۔

غرض یہ ہو کہ مراد آباد سے یہ روایت سیوہارہ پہونچی اور مخالفین نے اعتراضات شروع کئے چونکہ صحیح واقعہ کا علم نہیں اسوجہ سوا اپنے علم کے موافق معترضین کو "خدا معلوم" جواب دیا۔ میں اس وقت اسی مسئلہ کی تحقیق میں کتابیں دیکھ رہا تھا حسن قسمتی سے یہی مضمون حجت الاسلام سند المحدثین مولانا شاہ محمد عبد العزیز صاحب قدس سرہ کے فتاویٰ میں نظر سے گذرا۔ فالحمد للہ تعالیٰ علیٰ ذلک۔ اللہ تعالیٰ کا ہزار ہزار شکر ہو کہ حضور والا کے ہم خیال سلف صالحین میں موجود ہیں اب اگر حضور کی جانب فتنہ کی نسبت کیجائیگی تو پہلے حضرت شاہ صاحب قدس سرہ کی طرف نسبت ہوگی نعوذ باللہ تعالیٰ من ذلک حضرت شاہ عبد العزیز صاحب قدس سرہ ارقام فرماتے ہیں۔ "ونیز ختم قرآن را دریں نماز سنت میگویند ایں از کجا نعم در حدیث آمدہ کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم در ہر رمضان با جبرئیل علیہ السلام مدارست قرآن می کردند و در رمضان اخیر دو بار مکرر از سنت ختم در رمضان ثابت میشود لیکن در نماز آں خارج الصلوٰۃ الخ صفحہ ۱ مجموعہ فتاویٰ عزیزی مطبوعہ مطبع مجتبائی دہلی" اُمید کہ حضور والا صحیح واقعہ سے مطلع فرمائیں گے۔

الجواب مجھکو اس مسئلہ میں دو تردد تھے ایک یہ کہ آیا ختم کا سنت مؤکدہ ہونا اصل مذہب کا ہے یا صرف مشائخ کا قول ہو۔ مراجعت کتب فقہیہ سے یہ ثابت ہوا کہ یہ علماء احناف میں مختلف فیہ ہے اکثر کا قول تو تاکد ہی ہو بعض کا قول عدم تاکد بھی ہے اور منشا اختلاف کا یہ سمجھ میں آیا کہ حسن نے امام صاحب سے اسکی سنیت نقل کی ہو من غیر تصریح بتاکدہ او عدمہ اکثر مشائخ نے اسکو سنت مؤکدہ ہی مفسر کیا ہے اور بعض نے تاکد کی دلیل نہ ملنے سے مطلق سنت پر محمول کیا دال علی مستحبا۔ اسی واسطے بعض متون میں اسکی سنت کو لیا ہو اور بعض میں مثل قدوری کے نہیں لیا ہے قائلین بالتاکد میں بھی متاخرین نے عذر کی حالت میں تاکد کو ساقط کردیا ومنہ کسل القوم او عجزہا۔ فافقا میں گاہ گاہ ختم نہ ہونا اسی قول عدم تاکد پر مبنی ہو خواہ یہ عدم تاکد اصل سے ہی ہو خواہ کسی عذر سے ہو۔ اور عذر ہر ایک کا جدا ہے دوسرا تردد یہ تھا اور ہے کہ قائلین بالتاکد کی دلیل کیا ہے سو اسی کو میں متعدد علماء سے استفسار کیا کرتا ہوں جس سے مقصود تاکد کی نفی نہیں بلکہ اسپر طلب دلیل ہے اگر اسپر بھی اعتراض ہے تو اس اعتراض کا حاصل تو یہ ہوا کہ جو امر معلوم نہ ہو اسکی طلب نہ کرنا چاہئے تو اہل انصاف خود ہی غور کرلیں کہ آیا دین میں طلب علم مقصود ہے یا بقاء علی الجہل مع تشبع بما لم یعط

اٹھترویں حکمۃ تحقیق متعلق قبہ روضۂ نبویہ مع دفع شبہ قبور شیخین

سوال آج اخبار الجمعیۃ میں ایک مضمون سلیمان صاحب ندوی کا میری نظر سے گذرا جس میں سید صاحب موصوف نے تحریر فرمایا ہے کہ نجدیوں کے دست تصرف سے بعض مزارات و موالد کی تخریب جو بعض اخباروں میں شائع کیگئی ہے اول تو وہ پایۂ ثبوت کو نہیں پہنچی دوسرے مزارات و موالد مذکور اصلی نہیں بلکہ خلفائے بنی امیہ و عباسیہ کے تعمیر کردہ ہیں اور ان کو منہدم کر دینے میں کوئی مضائقہ نہیں تیسرے ان مقامات پر بدعاتی رسوم جاری ہیں جنکا انسداد ضروری ہے چوتھے ان قبول میں مساجد کے ساتھ مماثلت پائی جاتی ہے اگر یہ توضیح درست ہے تو کیا سرور کائنات صلی اللہ علیہ وسلم کا قبہ شریف اس عدد میں نہیں آتا اور اگر آتا ہے تو کیا اسکے ساتھ بھی ایسا سلوک جائز ہے جواب باصواب سے مطلع فرمایا جاوے۔

الجواب سید القبور یعنی قبر سید القبور صلی اللہ علیہ وسلم ما اختلف القبول والدبور کا قیاس دوسری قبور پر قیاس مع الفارق ہے۔ حدیثوں میں منصوص ہے کہ آپ کا دفن کرنا موضع وفات ہی میں ہوا ہے اور موضع وفات ایک بیت تھا جو جدران و سقف پر مشتمل تھا اس سے معلوم ہوا کہ آپ کی قبر شریف پر جدران و سقف بنانے کی اجازت ہے اور بناء علی القبر سے جو نہی آئی ہے وہ وہ ہے جہاں بناء للقبر ہو یہاں بناء نہیں ہے اب رہا اسکا بقاء یا ابقاء سو چونکہ بعد دفن کے خلفاء راشدین میں سے کسی نے اس بناء کے بقاء پر نکیر نہیں فرمایا بلکہ ایک موقع پر استسقاء کی ضرورت شدیدہ سے صرف سقف میں ایک روشندان کھولا گیا تھا جس سے اس بناء کے بقاء کا مشروع ہونا بھی معلوم ہوگیا اور ظاہر ہے کہ بقاء ایسی اشیاء کا بدون اہتمام ابقاء کو عادۃً ممکن نہیں اسلئے اہتمام ابقاء کی مطلوبیت بھی ثابت ہوگئی اور چونکہ عمارت کا استحکام ادخل فی الابقاء ہے اسلئے اسکی مقصودیت بھی ثابت ہوگئی خصوص جب اس میں اور مصالح شرعیہ بھی ہوں مثلاً حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کے جسد مطہر کو اعداء دین سے محفوظ رکھنا کہ ان کا تسلط (نعوذ باللہ منہ) یقیناً منافی احترام ہے اور جسد مبارک کے احترام کا مقصود ہونا اجلی بدیہیات سے ہے اور اسی حکمت پر علماء راسخین نے آپکی سہادت علیہ کے اخفا کو بھی فرمایا ہے اور مثلاً آپ کی قبر مطہر کو عشاق کی نظر سے مستور رکھنا کہ اس کا نظر آنا غلبہ عشق میں محتمل تھا افضاء الی التجاوز عن الحدود الشرعیہ کو جیسا مرض وفات میں کسی وقت کے بعد حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا چہرہ انور دیکھکر قریب تھا کہ نماز کا انتظام ہی درہم برہم ہو جاوے جسکا فوٹو حضرت شیخ دہلوی رح نے اس شعر میں کھینچا ہے ؎

درنمازم خم ابروئے تو چوں یاد آمد حالتے رفت کہ محراب بہ فریاد آمد

اور یہ دونوں امر (جو کہ حافظ للمصالح الشرعیہ ہونیکے سبب مقصود ہیں) بدون بقار بنا کے خاص اہتمام واستحکام کے محفوظ رہ نہیں سکتے اسلئے مقدمہ مقصود ہونیکے سبب یہ اہتمام بھی مقصود ہو گیا۔ نیز قبر منور ایسے موقع پر ہے کہ اسکے پیچھے مسجد کا حصہ ہے بدون حائل کے قبر کی طرف سجدہ واقع ہوتا تو اس بنا میں حیلولۃ کی بھی مصلحت ہے، پس ثابت ہو گیا کہ ایک مثلی کی طرح قبر ایک مثل قبر ہی کا حکم بھی کیا جاویگا۔ واللہ اعلم

لطیفہ۔ اس تحریر کے بعد مثنوی معنوی لیکر دعا کی کہ الٰہی اگر یہ حق لکھا گیا ہو تو مثنوی میں اسکے حق ہونیکی تائید میں کوئی مضمون نکل آوے اور بسم اللہ کرکے کھولا یہ اشعار شروع صفحہ ہی میں نکلے جن کا مؤید ہونا بالکل ظاہر ہے ؎

این نکردی تو کہ من کردم یقیں اے صفاتت در صفات ما دفیں

تو درین مستعملی[ف] نے عاملی زانکہ محمول منی نے حاملی

ما رمیت اذ رمیت گشتۂ خویشتن در موج چوں کف ہشتۂ

لاشدی پہلوئے الاخانہ گیر اے عجب کہ ہم اسیری ہم امیر

(دفتر چہارم سرخی خشم کردن بادشاہ الخ)

تنبیہ میں اس جواب کو علم[ف] پر مبنی سمجھتا ہوں ممکن ہے کہ کوئی صرف محبت پر مبنی سمجھے۔ ۲۰ صفر ۱۳۵۱ھ

اس جواب پر ایک دوسرے مقام سے اور سوال آیا جو مع جواب ذیل میں نقل کو ہے

سوال۔ اب رہ گیا یہ شبہ کہ اس میں حضرات شیخین کی قبریں کیوں ہیں اس کا جواب کوئی سمجھ میں نہیں آتا ہے سوائے اسکے کہ حضرت عائشہ صدیقہ نے خواب دیکھا تھا کہ میرے حجرہ میں تین سورج یا تین چاند نکلے ہیں (اس وقت صحیح یاد نہیں کہ سورج ہے یا چاند) اور بوقت وفات کے حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا تھا کہ ایک چاند آنحضرت سرور کائنات ہیں اور اسکے علاوہ بھی بشارات (اور نہ مبشرہ بالفضل نہ کرنا آیا) شاید ہونگی جسکی وجہ سے حضرات شیخین یہاں دفن فرمائے گئے۔ خلاصہ یہ کہ حضرات شیخین تبعاً وہاں دفن ہوئے ہیں اور حضرت عمر بن عبدالعزیز رحمہ نے جو تعمیر جدید فرمائی وہ اصل میں آنحضرت سرور کائنات کیلئے تھی نہ بالقصد حضرات شیخین کیلئے اسکے علاوہ کوئی جواب سمجھ میں نہیں آتا ہے۔

ف بصیغہ اسم المفعول ۱۲ منہ

ف ویکرہ الدفن فی البیوت لاختصاص ذلک بالانبیاء علیہم الصلوٰۃ والسلام قال الکمال لایدفن صغیر ولا کبیر فی البیت الذی مات فیہ فان ذلک خاص بالانبیاء علیہم السلام بل ینقل فی مقابر المسلمین (مراقی الفلاح)

جواب سب جواب ٹھیک ہیں اور قواعد کے موافق اسی کی تائید دوسری روایت سے ہوتی ہے وہی ھذا عن ابن عمر ان النبی صلی اللہ علیہ وسلم خرج ذات یوم ودخل المسجد وابوبکر وعمر احدھما عن یمینہ والاٰخر عن شمالہ وھو اٰخذ بایدیھما فقال ھکذا نبعث یوم القیامۃ رواہ الترمذی وقال ھذا حدیث غریب۔ وعن ابن عباس قال انی لواقف فی قوم فدعوا اللہ لعمر وقد وضع علی سریرہ اذا رجل من خلفی قد وضع مرفقہ علی منکبی یقول یرحمک اللہ انی لارجو ان یجعلک اللہ مع صاحبیک لانی کثیرا ما کنت اسمع رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم یقول کنت وابوبکر وعمر وفعلت وابوبکر وعمر ودخلت وابوبکر وعمر وخرجت وابوبکر وعمر فالتفت فاذا علی بن ابی طالب متفق علیہ۔ باب مناقب ابی بکر وعمر وفی المشکوٰۃ باب نزول عیسی بن مریم عن عبد اللہ بن عمر قال قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ینزل عیسی بن مریم الی الارض فیتزوج ویولد لہ ویمکث خمسا واربعین سنۃ ثم یموت فیدفن معی فی قبری فاقوم انا وعیسی بن مریم فی قبر واحد بین ابی بکر وعمر رواہ ابن الجوزی فی کتاب الوفاء وروی الترمذی فی اٰخر باب من ابواب المناقب عن ابی مودود المدنی نا عثمان بن الضحاک عن محمد بن یوسف بن عبد اللہ بن عبد اللہ بن سلام عن ابیہ عن جدہ قال مکتوب فی التوراۃ صفۃ محمد وعیسی بن مریم یدفن معہ قال فقال ابو مودود قد بقی فی البیت موضع قبر ھذا حدیث حسن غریب وفی خلاصۃ الوفاء للسمہودی اٰخر الفصل العاشر فی الحدیث المذکور بلفظ الطبرانی فی روایۃ یدفن عیسی بن مریم علیہ السلام مع رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم وابی بکر وعمر رض فیکون قبرہ رابعا فیہ عثمان بن الضحاک وثقہ ابن حبان وضعفہ ابو داؤد۔ روایت اولیٰ مثل صریح کے ہے کہ تینوں حضرات ایک جگہ مدفون ہونگے اور شایع کی خبر بلا نکیر دلیل اذن ہے اور یہ احتمال کہ بعد بعث کے یہ مجتمع ہو جاویں لفظ ھکذا نبعث سے بعید ہے یہ تو عین بعث کی کیفیت پر دال ہے۔ دوسری روایت میں اس معنی کا لطیف استنباط کیا گیا ہے وہ مؤید بالنص ہونیکے سبب حجت ہے تیسری روایت بھی مثل روایت اولیٰ کے صریح ہے بلکہ اس سے بھی اصرح ہے لفظ اقوم میں اس مجاز کا احتمال اور زیادہ بعید ہے اور بلا ضرورت غیر مسموع۔ چوتھی پانچویں روایت کا مجموعہ مجتبر ہے کہ حضرات شیخین کا بیت میں دفن ہونا تو راۃ میں بھی مذکور ہے تو شرائع من قبلنا سے بھی ثابت ہوا اور سب سے بڑی بات یہ ہے کہ صحابہ کے وقت میں ایسا ہوا کسی نے نکیر نہیں فرمایا تو اسکے اذن پر اجماع ہو گیا اب اس اجماع کی سند خواہ کچھ ہی ہو ہمارے لئے اجماع استنباط کیلئے حجت کافی ہے۔ ۱۲ ربیع الاول ۱۳۳۵ھ

تتمہ

اُناسیؔ ویں حکمۃ عطار ثواب بوصل ثواب نیز

سوال - ایصال ثواب کی نسبت بعض وقت خدشہ گذرتا ہے کہ اگر عمل نیک کا ثواب دوسروں کی طرح سمجھا جائے تو بخشنے والے کیلئے کیا نفع ہوا البتہ مردوں کو اس سے نفع پہنچتا ہے حضور اس خدشہ کو رفع فرمادیں تو فدوی کو اطمینان ہوجاویگا -

الجواب - فی شرح الصدور بتخریج الطبرانی عن ابی عمرو قال قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اذا تصدق احدکم صدقۃ تطوعاً فلیجعلها عن ابویہ فیکون لهما اجرها ولا ینقص من اجرہ شیئاً یہ حدیث نص ہے اس میں کہ ثواب بخشدینے سے بھی عامل کے پاس پورا ثواب رہتا ہے اور صحیح مسلم کی حدیث سے بھی اسکی تائید ہوتی ہے من سن سنۃ حسنۃ فلہ اجرها واجر من عمل بها من غیر ان ینقص من اجرہ شیئاً اوکما قال وجہ تائید ظاہر ہے کہ دوسرے شخص کی طرف تعدیہ ثواب سے بھی عامل کا ثواب کم نہیں ہوتا اتنا فرق ہے کہ حدیث طبرانی میں تعدیہ بالقصد ہے اور حدیث مسلم میں بلا قصد سو یہ فرق حکم مقصود میں کچھ موثر نہیں اور فقہاء نے بھی ان روایات کے مدلول کو بلا تاویل متلقی بالقبول کیا ہے کما فی رد المختار عن زکاۃ التاتارخانیۃ عن المحیط الافضل لمن یتصدق نفلاً ان ینوی لجمیع المؤمنین والمؤمنات لانها تصل الیهم ولا ینقص من اجرہ شیئ اھ اور راز اسمیں احقر کے ذوق میں یہ ہے کہ معانی میں توسع اس قدر ہے کہ تعدیہ الی المحل الآخر سے بھی محل اول سے زوال نہیں ہوتا چنانچہ تعدیہ علوم و فیوض میں مشاہد ہے بخلاف اعیان کے کہ وہاں ایسا نہیں بلکہ ہبہ کرنیکے بعد شیٔ موہوب واہب کے پاس نہیں رہتی وذکر العارف الرومی فی المثنوی بعض آثار التوسع المعنوی - فقال ؎

درمعانی قسمت و اعداد نیست … درمعانی تجزیہ و افراد نیست

فقط ۲۹ صفر ۱۳۳۲ھ

اَسّیؔ ویں حکمۃ تجزیہ یا توفیہ اجر بایصال الی المتعدد

اس جواب پر ایک دوسرے مقام سے اور سوال آیا مع جواب ذیل میں مذکور ہے

سوال - مسئلہ مذکورہ عریضہ سابق میں ایک امر قابل تحقیق اور بھی معلوم ہوا جسکے متعلق کوئی نص ...... معلوم ہونے سے اکثر متردد رہا - امید کہ اسکے متعلق بھی اگر کوئی نص حضور والا کو معلوم ہو تو شرف آگاہی بخشیں - اللہ تعالیٰ اجر جزیل فی الدارین عطا فرماویں - وہ جزئیہ یہ ہے کہ وہ اجر متجزی ہو کر مساوی درجے میں جن جنکو ایصال ثواب کیا گیا ہے

انہیں پہنچیگا جیسا کہ عدل کا مقتضا ہے یا ہر ایک کو بلا تجزی پورا پورا اجر اس عمل کا ملیگا جیسا کہ اسکے فضل کا مقتضا ہے

الجواب - اسمیں پہلے بھی کلام ہوا ہے کما فی رد المحتار حیث وضعہ انہ لو اھدی الی اربعۃ یحصل لکل منہم ربعہ فکذا لو اھدی الربع لواحد ما بقی الباقی لنفسہ اھ ملخصا قلت لکن سئل ابن حجر المکی عما لو قرأ لاھل المقبرۃ الفاتحۃ ھل یقسم الثواب بینہم او یصل لکل منہم مثل ثواب ذلک کاملا فاجاب بانہ افتی جمع بالثانی وھو اللائق بسعۃ الفضل ج ۱ ص ۹۴۳ مگر کسی نے دلیل میں کوئی نص ذکر نہیں کی اور ظاہر ہے کہ مسئلہ قیاسی ہے نہیں - اسلئے بدون نص اسمیں کوئی حکم نہیں کیا جاسکتا البتہ سوال بالا کے جواب میں جو حدیث طبرانی کی مذکور ہے اسکو ظاہر الفاظ سے عدم تجزی پر دال کہا جاسکتا ہے کیونکہ اجرھا کا مرجع صدقہ ہے جسکا حقیقی مفہوم کل الصدقۃ ہے نہ کہ جزو الصدقہ فقط اور ظاہر اسے متبادر اور شائع اطلاق کیوقت کل واحد ہوتا ہے اور مجموعہ مراد ہونا محتاج قرینہ ہوتا ہے اور قرینہ کا فقدان ظاہر ہے پس معنی یہ ہوئے کہ دونوں میں سے ہر ہر واحد کو پوری صدقہ کا اجر ملیگا - اور دوسرے احتمالات مخالفہ غیر ناشی عن دلیل ہیں اسلئے معتبر نہیں اور مسئلہ قطعیات میں سے نہیں اسلئے بھی ایسے احتمالات مضر نہیں -

نیز سوال سابق کے جواب میں جیسے معلوم ہوا کہ تعدیہ ثواب من محل الی محل موجب لنقص فی احد المحلین نہیں اسی طرح اس سے یہ بھی لازم آیا کہ تجزیہ جیسا کہ مقتضائے ظاہری تشریک المحل مع محل کا ہے - نیز موجب نقص فی احد المحلین نہیں کیونکہ تعدیہ و تجزیہ آثار میں متماثل ہی ہوتے ہیں واللہ اعلم ۱۹ ربیع الاول ۱۳۳۲ھ

اکیاسی ویں نادرہ توجیہ قول حنفیہ بجواز قرأت در فارسیہ

فائدہ - نے بعض الدلائل علی قول ابی حنیفۃ اولاً بجواز القراءۃ بالفارسیۃ فی التلویح احتمالاً ادخل قولہ تعالیٰ فاقرؤا ما تیسر من القرآن دعلی وجوب رعایۃ المعنی دون النظم لدلیل لاح لہ فی الحاشیۃ کان ذلک الدلیل ما نقل عن بعض الافاضل من ان من فی الآیۃ للتبعیض وبعض ما یقرأ من القرآن لو عار بعض ترکیبی کالآیۃ مما ھو بعض ۔ التام وبعض بسیطی کالمعنی بدون النظم العربی فیکون کل منہما جائز القراءۃ من غیر تعیین لعموم البعض لہ! ھذا انما یظہر اذا جعل القرآن عبارۃ عن مجموع اللفظ والمعنی اھ قلت کما فی التوضیح ومشایخنا قالوا ان القرآن ھو النظم والمعنی والظاہر ان مرادہم النظم الدال علی المعنی اھ قلت ویمکن ان یکون ذلک الدلیل قولہ تعالیٰ

ولو جعلناه قرآنا اعجمیا لقالوا لولا فصلت آیاته تقریره ان الله تعالیٰ جعل الوحی العجمی قرآنا
باعتبار المعنی ومن لوازم القرآن صحة الصلوٰة بقراءته لقوله تعالیٰ فاقرءوا ما تیسر من القرآن
ولما احتمل ان یکون من شرائط هذا اللزوم کونه حینا مخصوصا بالانزال فلا یستلزم الصحة فی
الانزال لقصدیة والمعنی منزل لا قصدا بل تبعا للنظم لا یثبت المدعی جزما ولعل رجحان هذا
الاحتمال حمل الامام علی الرجوع عن هذا القول۔

بیاسیویں حکمت رسالہ احسن التفہیم بمقولہ سیدنا ابراہیم در تحقیق توجیہ مولانا رومی رحمۃ اللہ علیہ

یہ رسالہ اس کتاب کے صفحہ ۵۰۰ سے شروع ہو کر صفحہ ۵۰۹ پر ختم ہو گیا ہے۔

تراسیویں حکمت رسالہ درجۃ الحسام عن اشاعۃ الاسلام

یہ رسالہ اس کتاب کے ۵۹۸ سے شروع ہو کر صفحہ ۶۱۱ پر ختم ہوا ہے۔

چوراسیویں حکمت رفع شبہ بر سبب بودن صیف و شتا از نفس دوزخ

سوال۔ صیف و شتا کو جو احادیث میں جہنم کے دو سانس کا سبب فرمایا گیا ہے اس کی کیا توجیہ ہے جواب فرمائیے۔

الجواب۔ اس باب میں جو روایات وارد ہیں ان میں سب سے صریح الفاظ اس روایت کے ہیں۔ عن محمد
بن ابراهیم عن ابی سلمة عن ابی هریرة عن رسول الله صلی الله علیه وسلم قال قالت النار رب
اکل بعضی بعضا فاذن لی اتنفس فاذن لها بنفسین نفس فی الشتاء ونفس فی الصیف فما وجدتم
من برد او زمهریر فمن نفس جهنم وما وجدتم من حر او حرور فمن نفس جهنم رواه مسلم فی باب الابراد
بالظهر فی شدة الحر لمن یمضی الی جماعة ویناله الحر فی طریقه وفی شرحه للنووی قال القاضی اختلف
العلماء فی معناه فقال بعضهم هو علی ظاهره وقیل بل هو علی وجه التشبیه والاستعارة والتقریب
وتقریره ان شدة الحر تشبه نار جهنم فاحذروه واجتنبوا حروره قال والاول اظهر قلت والصواب
الاول لانه ظاهر الحدیث ولا مانع من حمله علی حقیقته اھ ملخصا۔ الفاظ میں غور کرنے سے ظاہر اول
حدیث کا یہ معلوم ہوتا ہے کہ نار سے مراد علی سبیل التغلیب عام ہو اس کے دونوں طبقہ حرارت و برودت اور اکل سے
مراد ہر دو طبقہ کے اجزاء کا تصادم و تزاحم اور نفس سے مراد ان دونوں اجزاء کی حرارت یا برودت کی شدت
باہر دفع ہو جانے سے اس تزاحم میں قدرے سکون ہو جانا۔ وجہ ظہور یہ ہے کہ اگر خاص طبقہ حرارت کے دو سانس لئے
و برودتی مراد لئے جاویں اور شتاء کو اول کا اور صیف کو ثانی کا سبب مانا جاوے تو خود آپس میں تو چنداں استبعاد نہ ہوگا

لیکن اندرونی سانس کو رفع شکایت میں دخل نہ ہوگا کیونکہ اس سے تو اجزاء کا تصادم بڑھ جاویگا حالانکہ حدیث سے ہر دو سانس کا رفع شکایت میں دخل مفہوم ہوتا ہے تو اب سہل توجیہ حدیث کی جسمیں حرارت و برودت کے اسباب طبعیہ سے تعارض نہ ہو یہ معلوم ہوتی ہے کہ ان اسباب طبعیہ میں جو خاصیت حر و برد کی ہے یہ مستفاد ہو جہنم کے ان دونوں طبقوں سے جس طرح نور قمر مستفاد ہوتا ہے نور شمس سے۔ پس حرارت موسمی طبقہ حرارت جہنم کا اثر ہو تو بواسطہ اسباب طبعیہ حرارت کے اور برودت موسمی طبقہ زمہریر جہنم کا اثر ہو بواسطہ اسباب طبعیہ برودت کے۔ پھر حرارت و برودت کا اختلاف شدت و خفت میں یہ دوسرے اسباب معارضہ کی قوت و ضعف سے ہے کیونکہ مفرد کا اثر اور ہوتا ہے اور مجموعہ کا اور ہو جاتا ہے اور امکنہ کے اختلاف سے آثار موسمیہ کی تقدم و تاخر کا اختلاف یہ اس اثر لطیف کے جلدی یا بدیر پہنچنے سے ہے جیسے نور اور صوت باوجودیکہ ایک وقت میں پیدا ہوتے ہیں لیکن اسباب خارجہ سے کہیں فوراً پہنچتے ہیں کہیں بدیر۔ اب بفضلہ تعالیٰ اس پر کوئی اشکال باقی نہیں رہا اور اگر ایسے بھی کسی مغلوب المادہ کو جی کو نہ لگے تو اسکے لئے بجائے تکذیب حدیث کے حمل علی المجاز ہی غنیمت ہے اور چونکہ عشاء میں عادت بھی ہے تعجیل ظہر کی اور مستحب بھی ہے اسلئے برد جہنم سے حفاظت خود حاصل ہو جاتی ہے تو صریحاً اس پر تنبیہ کی حاجت نہیں ہوئی پھر یہ کہ اس وقت برد شدید بھی نہیں ہوتا اور جا بجا اوقات شدت برد کے ہیں جیسے عشاء میں تاخیر ان میں چونکہ عام عادت ہے اسکے تدارک کے اہتمام کی البتہ اسکے غیر ہاتے اسلئے اس کا خاص اہتمام بھی تعجیل سے نہیں فرمایا گیا۔ واللہ اعلم ۱۱ ذی الحجہ ۱۳۴۵ھ۔

پچاسی وین حکمت ثبوت لحم بقر خوردن آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم

سوال۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کبھی گائے کا گوشت کھائے یا نہیں اگر کھائے تو کون کتاب میں ہے اُس کا ذکر فرما دیں۔

الجواب۔ عن ابی الزبیر عن جابر قال ذبح رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم عن عائشۃ رض بقرۃ یوم النحر (صحیح مسلم کتاب الحج ص۴۲۴ ج ۱)

وعن الاسود عن عائشۃ رض واتی النبی صلی اللہ علیہ وسلم بلحم بقر فقیل ھذا ما تصدق بہ علی بریرۃ فقال ھو لھا صدقۃ ولنا ھدیۃ (صحیح مسلم کتاب الزکوٰۃ ص۳۴۵ ج ۱)

حدیث اول سے ذبح بقرہ اور حدیث ثانی سے دسترخوان پر لحم بقرہ کا حاضر ہونا اور نہی عن الاکل کا جواب بنا جس کا لازم عادی ہے نوش فرمانا یہ سب تصریحاً حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم سے ثابت ہے۔ ۱۷ ذی الحجہ ۱۳۴۵ھ

چھیاسیویں حکمت شنیدن گراموفون

سوال۔ کیا فرماتے ہیں علمائے دین مسئلہ ذیل میں۔ گراموفون (یا فونوگراف) جو ایک عام آلہ جاذب الصوت ہے جسکے اندر مختلف آوازیں (مثلاً راگ سادہ۔ اور مع المزامیر غزلیں جائز اور ناجائز حتی کہ فحش اور گندی نظمیں مذاق لیکچر۔ کلام مجید نعتیں۔ مؤذنین کی اذانیں وغیرہ) بھری ہوئیں سنائی جاتی ہیں۔ یہ راگ وغیرہ مرد و عورت سب کے ہی ہوتے ہیں اس آلہ کا رواج عام شہروں سے متجاوز ہو کر قصبات اور دیہات میں بھی پہنچ گیا ہے۔ دریافت طلب یہ امر ہے کہ اسکا سننا کیسا ہے عورت یا امرد کی صورت تو سامنے ہوتی نہیں مگر آواز کا عکس و نقل مثل اصل کے ہوتی ہے۔ ان جملہ اقسام میں کون صورت جائز ہے اور کون صورت ناجائز ہے۔ بعض کہتے ہیں چونکہ صوت محضہ ہے لہذا جائز ہے جو اصل حکم ہو تحریر فرمایا جاوے۔

جواب۔ یہ صوت جس صوت کی حکایت ہے حکم میں اسی کے تابع ہے پس اصل اگر مذموم ہے جیسے معازف و مزامیر و صوت نساء و امارد یا فحش و معصیت اسکی حکایت بھی ایسی ہی مذموم ہے اور اگر اصل مباح ہے حکایت بھی مباح ہے۔ اور اگر اصل محمود ہے تو فی نفسہ تو اسکی حکایت بھی ایسی ہی ہے مگر عارض کے سبب اسمیں تفصیل ہو گئی ہے وہ یہ کہ اگر اس سے تلہی مقصود ہے تو طاعت کو آلہ تلہی بنانا حرام ہے پس قرآن وغیرہ سننا اسمیں اسلئے حرام ہے اور اگر تلہی مقصود نہ ہو جیسے کوئی مضمون نافع دوسری جگہ پہنچانا ہو اور اس میں بند کر دی جاوے وہ جائز ہے اور قرآن میں یہ نیت اوّل تو فرضی ہے اور اگر واقعی ہے تب بھی تشبہ ضرور ہے اہل تلہی کیساتھ لہذا اجازت نہ ہوگی جیسے مائدہ پر ظروف شربت کو ہیئت ظروف خمر رکھنے کو فقہاء نے حرام فرمایا ہے۔ ۷ جمادی الاخریٰ ۱۳۳۱ھ

سوال۔ یہ عریضہ اس وقت اسلئے لکھ رہا ہوں کہ گنگوہ سے جناب حافظ محمد یعقوب صاحب کا ایک خط اس مضمون کا آیا تھا کہ گراموفون اور فونوگراف کا رواج آجکل گھر گھر ہو رہا ہے۔ اسکے متعلق مفصل فتوی کی ضرورت ہے انکا خیال ہے کہ اسکو طبع کرا کر تقسیم کریں۔ اس ضرورت کیلئے احقر نے جناب کا فتوی امداد یہ دیکھا تو حوادث الفتاویٰ حصہ ۔ میں اسکے متعلق حضرت نے کافی بحث فرمائی ہے جسکو دیکھکر اطمینان ہوا لیکن ایک خلجان باقی رہ گیا کہ حضرت نے گراموفون کو محض ایک آلہ حاکیہ صوت مثل دیگر آلات حاکیہ ٹیلیگراف و ٹیلیفون وغیرہ قرار دیکر اسکے سننے سنانے کو اصل محکی عنہ کے تابع فرمایا ہے۔ اسمیں یہ خلجان ہے کہ عام عرف و عادت اور اسکی وضع و مقصد کے لحاظ سے یہ محض آلہ حاکیہ نہیں معلوم ہوتا بلکہ منجملہ آلات تلہی و تلعب اور معازف و مزامیر کے معلوم ہوتا ہے عام طور پر

زبانوں پر اسکا نام بھی باجہ پکارا جاتا ہے۔ یہ دوسری بات ہے کہ اس سے حکایت صوت کا کام لیا جاسکے سو یہ تو کچھ نہ کچھ دوتارا ستار وغیرہ میں بھی ہوتا ہے گو اتنا صاف نہ ہو اور اسی وجہ سے ہندی مثل مشہور ہے "تانت باجی راگ پایا" بالخصوص ہارمونیم باجہ میں تو تقریباً صاف آواز پیدا ہوجاتی ہے۔ یہ صحیح ہے کہ یہاں احداث صوت جدید ہے اور وہاں بعینہ ہوائے متکیف کا سماع لیکن بہرحال ریکارڈ لگانا اور اسپر اسکی سوئی رکھکر کسی خاص ہوائی متکیف کا حاصل کرنا یہ بھی ایک درجہ میں احداث صوت کہلا سکتا ہے۔ الغرض عرف وعادت اور عام طور پر اسکی وضع و استعمال سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ بھی منجملہ آلات تغنی کے ہے ٹیلیفون کی طرح آلہ حکایہ نہیں اسلئے اصوات مباحہ بھی اسکے ذریعہ سے نہ سننا چاہیے اور یہ خیال ہوتا ہے (واللہ اعلم بالصواب) کہ عام آلات تغنی اور گراموفون میں وہی فرق ہے جو عام آلات تصویر کشی اور فوٹوگراف میں کیونکہ عام طور پر مصور ایک حسب دلخواہ صورت کا احداث اپنی طرف سے کرتا ہے اور فوٹوگراف ایک محکی عنہ کے تابع ہوتا ہے اور اسکے عکس کو جو غیر قائم تھا مصالحہ کے ذریعہ پائیدار بنا دیتا ہے لیکن عکس کو پائیدار بنانے ہی کا نام تصویر کشی رکھا جاتا ہے اور فوٹوگراف اور قدیم طرز کی مصوری کو برابر ناجائز قرار دیا جاتا ہے اور کہا جاتا ہے کہ عکس جسوقت تک عکس تھا جائز تھا اور جب بذریعہ فوٹو اسکو قائم کیا گیا تو اب یہی عکس تصویر کہلائیگا اسی طرح ایک جائز کلام جب تک اپنی اصلی صورت میں تھا وہ ایک کلام تھا کہ حسنہ حسن وقبیحہ قبیح لیکن جب اس آلہ کے ذریعہ اسکو قائم کرکے اعادہ کیا گیا تو یہی ایک تغنی و تلہیہ امید کہ جواب باصواب سے مطمئن فرمایا جاوے۔

الجواب: عنایت نامہ سے نشاء قابل توجہ ہونے سے دل خوش ہوا اسلئے توجہ کرکے مقام کی توضیح کرتا ہوں میں نے اپنی تقریر میں باحسب حکایت پر صرف باحسب محکی عنہ سے استدلال نہیں کیا بلکہ اسمیں ایک قید بھی ہے جو غایت شہرت کے سبب محتاج تصریح نہیں وہ قید یہ ہے کہ اس حکایت سے نہی وارد نہ کی گئی ہو اس سے شبہ کا جواب حاصل ہوگیا کیونکہ حکایت صورت حیوانیہ (یعنی تصویر) سے نہی وارد ہے۔ اسی طرح حکایت صوت بواسطہ آلات معازف وغیرہ آلات منہی عنہ ہے وافترق المقیس علیہ ورنہ مطلق حکایت صورت تو آئینہ اور پانی میں بھی ہے۔ اور حکایت صوت گنبد کی صدا میں بھی ہے اور اس میں حرمت نہیں۔ اگر شبہ کیا جاوے کہ فونوگراف میں بھی حکایت صوت بذریعہ آلات لہو محرم ہے تو وہ بھی منہی عنہ ہوئی اس شبہ کا جواب یہ ہے کہ یہ غیر مسلم ہے اسلئے کہ ملاہی محرمہ وہ ہیں جہاں خود ان ملاہی کی صوت بخصوصہ مقصود ہو۔ گو اسمیں کوئی خاص لہجہ بھی منضم کرلیا جاوے جیسا ہارمونیم میں ایسا انضمام ہوجاتا ہے اور گراموفون میں خود اس آلہ کی صوت بخصوصہ مقصود نہیں بلکہ مقصود اصل صوت محکی عنہ ہے جسکا

اس آلہ کے ذریعہ سے محفوظ کر کے اعادہ کیا جاتا ہے اور دلیل اسکی یہ ہے کہ گراموفون میں جو صوت بند کر کے پیدا کیجاتی
ہے۔ اگر اصلی محکی عنہ پر قدرت ہو جاوے تو پھر اس آلہ کی طرف اسوقت التفات بھی نہ کیا جاوے بخلاف ہارمونیم
وغیرہ کے کہ ایسے وقت بھی اس سے قطع نظر نہیں کیجاتی اور راز اسکا یہ ہے کہ گراموفون کی خصوصیت نے اس صورت میں
حظ نہیں بڑھایا لہذا اصل کے ہوتے ہوئے اسکا قصد نہیں کیا جاتا اور ہارمونیم کی خصوصیت کو حظ خاص میں دخل ہے
جو سادہ استماع میں مفقود ہے اسلئے اصل کے ہوتے ہوئے بھی اسکا قصد کیا جاتا ہے اس سے صاف ثابت ہو گیا کہ یہ آلہ
ملاہی میں سے نہیں جنکی صوت بخصوصہا مقصود ہوتی ہے اور حرمت ایسے ہی ملاہی کے ساتھ مخصوص ہے کما لا یخفی
رہا یہ شبہ کہ اسکو عرف میں باجا کہتے ہیں اول تو اطلاقات عرفیہ سے حقائق و احکام شرعیہ پر استدلال نہیں ہو سکتا
پھر ممکن ہے کہ باعتبار اکثریت استعمال فی اللہو کے اسکو حرمت مطلقا میں کوئی دخل نہیں۔ اگر یہ کہا جاوے کہ علاوہ
اطلاق عرفی کے خود واضع کا قصد بھی اس سے تلہی ہے جواب یہ ہے کہ اسمیں واضع کا قصد مؤثر نہیں بلکہ مستعمل کے
قصد کا اعتبار ہے غور فرمایا جاوے کہ اگر طبل سحر یا طبل غزاہ کا جسکو فقہا نے جائز کہا ہے واضع نے بقصد تلہی
بنایا ہو مگر استعمال کرنیوالا بقصد صحیح اس سے کام لے تو کیا اسکو محض بنا بر نیت واضع ناجائز کہا جا سکتا ہے
اگر کہا جاوے کہ اگر استعمال کرنیوالیکا قصد بھی تلہی کا ہو مگر خاص انہی ریکارڈوں کا استعمال کرے جنمیں اصوات مباح
محفوظ ہیں تو کیا اب بھی حرمت کا حکم نہ ہوگا۔ حالانکہ قصد تلہی کا ہے جواب یہ ہے کہ ہر تلہی حرام نہیں ہوتی حدیث میں
لہو میں سے تین چیزوں کا جواز کیلئے استثنا فرمایا گیا ہے اور اصل استثنا میں اتصال ہے الا بدلیل ولا دلیل اس سے
معلوم ہوا کہ جس تلہی میں کوئی مفسدہ ہو وہ حرام ہے اور جس میں کوئی غرض صحیح ہو کما فی الثلثۃ المذکورۃ وہ محمود و
مطلوب ہے اور جسمیں نہ کوئی مفسدہ ہو نہ غرض صحیح وہ عبث اور خلاف اولی ہے۔ پس حکایت صوت مباح میں کوئی
مفسدہ تو ہے نہیں ورنہ وہ صوت مباح ہی نہ ہوتی۔ اب دو احتمال رہ گئے اگر غرض صحیح ہے جیسے کہ محقق عالم بعید المکان
کا وعظ بند ہو۔ اسکی حکایت محمود ہوگی اور اگر غرض صحیح نہیں تو عبث اور خلاف اولی ہے اخیر میں ایک ضروری
تنبیہ کا بھی معروض ہے وہ یہ کہ یہ تفصیل مذکور خلو عن العوارض کی حالت میں ہے ورنہ اگر کوئی عارض موجب
منع پایا جاوے جیسا مباح کی اجازت مفضی ہو جاوے ابتلاء فی المحرم کی طرف تو اس صورت میں قبیح لغیرہ میں داخل ہو کر
واجب المنع ہو جاویگا۔ ایک دوسری تنبیہ بھی واجب الذکر ہے جسکو احقر نے جمادی الاخری ۱۳۴۶ھ کے فتوے میں ذکر کیا ہے وہ یہ کہ
قرآن (بقصد تلہی) سننا اسلئے حرام ہے کہ طاعت کو آلہ تلہی بنانا حرام ہے اور اگر تلہی مقصود نہ ہو تب بھی تشبہ ہے اہل
تلہی کیساتھ لہذا اجازت نہ ہوگی جیسے مائدہ بظروف شربت کو بہیئت ظروف خمر رکھنے کو فقہا نے حرام فرمایا ہے۔ ۸ شعبان

تتمہ بالا سوال - گراموفون کے متعلق حضرت والا کی مفصل تحریر دیکھکر اصل مسئلہ میں تقریباً شفا ہوگئی اور یہ سمجھ میں آگیا کہ حرمت کی کوئی وجہ نہیں لیکن تھوڑا خلجان اس فرق میں باقی رہگیا ہے جو حضرت نے جملہ معازف و مزامیر اور گراموفون کے درمیان فرمایا ہے وہ یہ کہ گراموفون کی صوت بھی بخصوصہ مقصود معلوم ہوتی ہے کما فی سائر المعازف اسکی صوت میں ایک قسم کی گونج پیدا ہوکر بنسبت سادہ استماع ایک حظ کا اضافہ ہوجاتا ہے چنانچہ بہت سے وہ آدمی کہ جنکے سامنے اگر اصل صوت اپنی اصلیت پر پیش کیجاتی تو وہ اسپر کان نہ لگاتے اور اس آلہ میں بند ہونیکے بعد نہایت ذوق و شوق سے سنتے ہیں البتہ ناچ رنگ وغیرہ میں اصل محکی عنہ پر قدرت ہونیکی صورت میں اس آلہ کی طرف توجہ نہیں رہتی جسکی وجہ یہ معلوم ہوتی ہے کہ وہاں حظ صوت کیساتھ دوسرے حظوظ النفس بھی جمع ہوجاتے ہیں ناچ رنگ اور گانے بجانیکے سوا اور چیزوں کے متعلق عام حالات پر نظر ڈالتے ہوئے یہی خیال ہوتا ہے (واللہ ورسولہ اعلم) کہ اگر ایک طرف اصل وعظ ہوتا ہو اور دوسری طرف گراموفون میں اسی وعظ کی حکایت ہو تو بہت سے آدمی اسی کی طرف جھک پڑیں گے جس سے معلوم ہوتا ہے کہ خود اسکی صوت بخصوصہ مقصود ہے مثل سائر الملاہی والمعازف -

(۲) آخر میں تنبیہ جزئی کے تحت میں جو حضرت نے ارقام فرمایا ہے کہ (اگر تلہی مقصود نہو تب بھی تشبہ ہے اہل تلہی کیساتھ لہذا اجازت نہوگی) اسکا مقتضی بھی عموم منع معلوم ہوتا ہے کیونکہ مواعظ اور ان کے امثال جو مطلوب فی الدین ہیں ان کیساتھ بھی تلہی یا در تشبہ باہل التلہی منع کرنیکے قابل ہیں اگرچہ تلہی بالقرآن کی حد تک نہ پہنچیں اسلئے اگر کوئی شخص غرض صحیح کے ساتھ بھی سنتا ہو تب یہ تشبہ مانع جواز نہیں -

(۳) تنبیہ کلی کے تحت میں جو ارشاد فرمایا گیا ہے اسکا مقتضی بھی حالات و واقعات کو دیکھنے سے یہی معلوم ہوتا ہے کہ اسکے استعمال سے مطلقاً منع کیا جاوے کیونکہ اسکی کسی خاص صورت کی اجازت سے ابتلاء فی المحرم کا عام طور پر قوی اندیشہ ہے جیسا کہ تجربہ سے معلوم ہوتا ہے کہ عوام میں تفصیلات و تدقیقات محفوظ نہیں رہتیں - الحاصل اول تو خود اس آلہ کو نفس معازف و مزامیر کیساتھ ایک گونہ مشارکت ہے جو اصل عدم جواز کا سبب بن سکتا ہے - دوسرے اگر اس سے بھی قطع نظر کیجاوے اور فی نفسہٖ اسمیں حکایت صوت کو مباح قرار دیا جاوے تب بھی خارجی عوارض مثل اندیشہ ابتلاء فی المحرم اسکی ممانعت کے مقتضی ہیں۔ تیسرے اگر بلا غرض صحیح سنتا ہے تو اسکا عبث و خلاف اولیٰ ہونا مسلم ہی ہے اور اگر غرض صحیح سے سنتا ہے یعنی ایسی چیز سنتا ہے جو مطلوب فی الدین ہے تو اس صورت میں قصد تلہی یا تشبہ باہل التلہی اسکے لئے مانع ہوگا - واللہ اعلم وعلمہ اتم واحکم - یہ چند معروضات اعتماداً علی العنایات السنیہ کئے ہیں ورنہ جرأت نہ ہوتی -

؎ کرم ہائے تو ما را کرد گستاخ - والسلام -

الجواب بعض طبائع کے اعتبار سے قصد صوت مخصوصہ کا انکار نہیں ہو سکتا مگر اسکے عموم کا دعویٰ بھی مشکل ہے
بعض طبائع یقیناً ایسے ہونگے کہ اگر اصل میں کوئی حظ بھی ہو تب بھی محض گونج کے سبب تیح کی طرف التفات نہ کریں
اور اگر طبل سحور میں بعض کے قصد تلہی سے حکم کی تعمیم مشکل ہو اور اس قصد کی اکثریت و اقلیت کا مدار اجتہاد پر ہے
لہذا اطلاق منع و تفصیل فی المنع مفتی کی رائے پر ہے اسکے علاوہ ایک امارت قریب سے بھی اعتبار عدم عموم
پر کہ اس آلہ کے مختلف پلیٹوں میں مختلف صوات پیدا ہوتی ہیں اور ان میں سے کسی کو کوئی مطلوب ہوتی ہے کسی کو کوئی اور
یہ تفاوت اصل ہی کے تابع ہے ورنہ ملاہی کے نغمات والحان سب متقارب ہوتے ہیں اور یہ سب حکم فی نفسہ میں کلام ہے
باقی اذا ضم الی المحرم یا تشبہ باہل التلہی کے موثر فی المنع ہونے میں کلام نہیں لیکن ایسے مفاسد عارضہ اور ضرورت
میں اگر تعارض ہو مفاسد کے انسداد کیساتھ تحصیل ضرورت کا انتظام کر لینے کی صورت میں کیا حکم ہوگا اسکو بھی آگے
دیکھ لیا جاوے مثلاً اگر کسی آلہ میں حضرت مولانا محمد قاسم صاحب رحمۃ اللہ علیہ کا وعظ کسی نے بلا اطلاع حضرت کے
بند کر لیا ہوتا اور کوئی شخص اسکی تبلیغ عام کیلئے خلوت میں اسکی نقل حاصل کر کے پھر کتابت میں ضبط کر کے اسکو
تقریراً یا طباعۃً شائع کر دیتا تو اس خاص مستمع فی الخلوۃ کیلئے کیا حکم ہوگا۔ یہ قابل تحقیق ہے بخلاف القرائن
الصريحة فيه ثم لنا ان نتسع في الكلام ونقول ان قبح الملاهي لو كان لعينها لما ارتفع عن طبل السحور
والغزو وجرس الساعة لا سيما في المساجد فاذن هو لغيرها فلينظر ان هذا الغير ما هو وهل هو متحقق
في هذه الآلة اذا لم تكن حاكية عن الصوت الغير المشروع وهذا المراد ذكره فيما كتبت من قبل حذراً عن
غلط بعض العامة فالآن ذكرته بلسان الخاصة لينظروا فيه ويتأيد كون هذا القبح لغيره بما
في الدر المختار قبيل فصل اللبس من كتاب الحظر والاباحة ونصه ومن ذلك (اي من الملاهي) ضرب
النوبة للتفاخر فلو للتنبيه فلا بأس به كما اذا ضرب في ثلاث اوقات لتذكير ثلاث نفخات
الصور لمناسبة بينهما فبعد العصر للاشارة الى نفخة الفزع وبعد العشاء الى نفخة الموت وبعد
نصف الليل الى نفخة البعث وتمامه فيما علقته على الملتقى وفي رد المحتار تحت قوله بعد العصر الخ
ما نصه اقول وهذا يفيد ان آلة اللهو ليست محرمة لعينها بل لقصد اللهو منها اما من سامعها
او من المشتغل بها وبه تشعر الاضافة الا ترى ان ضرب تلك الآلة بعينها حل تارة وحرم اخرى
باختلاف النية والامور بمقاصدها وفيه دليل لساداتنا الصوفية الذين يقصدون بسماعها
امورا هم اعلم بها فلا يبادر المعترض بالانكار كيلا يحرم بركتهم فانهم السادة الاخيار الخ وفيه على

قوله وتمامه الخ حیث بعد غرد به ما هر الی الملاعب للامام البزدوی وینبغی ان یکون بوط الحمام یجر کضرب النوبة وعن الحسن لا باس بالدف فی العرس لیشتھر وفی السراجیة ھذا اذا لم یکن له جلاجل ولم یضرب علی ھیئة التطرب اھ اقول وینبغی ان یکون طبل السحر فی رمضان لایقاظ النائمین للسحور کبوق الحمام تامل اھ نعم لو منع منه سد اللذرائع کان احوط واصون لدین العامة لکن مع ھذا لاسبیل لاحد علی احد الی المواخذة علی ترک الاحوط والی اساءة الظن به واللہ اعلم۔ ۶ رمضان المبارک ۱۳۳۶ھ۔

شناسی وین حکم عمل مسمریزم

السوال۔ کیا فرماتے ہیں علمائے دین وشرع متین درباب اس مسئلہ میں کہ مسمریزم کا سیکھنا اور اسپر عمل کرنا اور یقین کرنا مسلمانوں کو واسطے کیسا ہے بموجب شرع شریف جائز ہے یا ناجائز ہے۔ اور ایک میز تین پاؤں کی بچھا کر مردہ روح کو بلا کر سوال وجواب کرتے ہیں اور روحوں سے دریافت کرکے بتلاتے ہیں کہ تمہارا کام ہوگا یا نہیں ہوگا اسپر یقین کرنا مسلمانوں کو کیسا ہے۔

الجواب۔ اوّل مسمریزم کی حقیقت سمجھنا چاہیے پھر حکم سمجھنے میں آسانی ہو جاوے گی حقیقت اس عمل کی یہ ہے کہ قوت نفسانیہ کے ذریعہ سے بعض افعال کا صادر کرنا جیسے اکثر افعال قوی بدنیہ کے ذریعہ سے صادر کیے جاتے ہیں پس قوۃ نفسانیہ بھی مثل قوی بدنیہ کے ایک آلہ ہے صدور افعال کا اور حکم اس کا یہ ہے کہ جو افعال فی نفسہا مباح ہیں ان کا صادر کرنا بھی اس قوت سے جائز ہے اور جو افعال غیر مباح ہیں انکا صادر کرنا بھی ناجائز۔ مثلاً جس شخص پر اپنا قرض واجب ہو اور وہ وسعت بھی رکھتا ہو اس قوت سے اسکو مجبور کرکے اپنا حق وصول کر لینا جائز ہے اور جس شخص پر کوئی حق واجب نہ ہو جیسے چندہ دینا یا کسی عورت کا کسی شخص سے نکاح کر لینا اسکو مغلوب کرکے اپنا مقصود حاصل کر لینا حرام ہے وعلی ہذا القیاس سائر الافعال یہ تو اسکا حکم تھا فی نفسہ اور ایک حکم ہے باعتبار عوارض کے کہ اگر اسمیں کوئی مفسدہ خارج سے منضم ہو جاوے تو اس مفسدہ کی وجہ سے بھی اسمیں ممانعت عارض ہو جاوے گی مثلاً اسکو ذریعہ کشف واقعات کا خواہ ماضیہ ہوں یا حال یا مستقبلہ بنانا جسپر کوئی دلیل شرعی نہیں مثلاً چور کا دریافت کرنا یا کہ مردہ کا حال پوچھنا یا کسی کام کا انجام پوچھنا یا اعتقاد حضور ارواح کا کرنا جیسا سوال میں ہے

لمعہ اسکی بحث شیوں غریبہ میں بھی دیکھ لی جاوے ۱۲ منہ۔

مذکور رہے کہ یہ سب محض کذب و زور و تلبیس و غرور ہے جنمیں خود ڈاکٹر عمل کرنیوالے مبتلائے جہل ہیں اور اسی جہل پر انکی تصنیف
اس فن میں مبنی ہے اور بعضے دوسروں کو دھوکہ دیتے ہیں مسمریزم کو ان چیزوں کا کوئی تعلق نہیں اور اگر بالفرض ہوتا بھی
تب بھی مثل کہانت و عرافت و نجوم کے اس سے کام لینا اور اس پر اعتقاد کرنا حرام ہوتا چونکہ احقر کو اس عمل کا خود
تجربہ ہے اسلئے تحقیق مذکور میں کچھ تردد نہیں - ۲۵ رجب ۱۳۳۱ھ

۸۸ اٹھاسی ویں حکمت جواب اشکالات بر مسئلہ تقدیر

سوال - براہِ عنایت مسئلہ ذیل پر اپنی قیمتی رائے کا اظہار فرما کر مشکور فرماویں کیونکہ یہ مسئلہ عرصہ سے مجھے
اور میرے احباب کو پریشان کئے ہوئے ہے میرا خیال ہے کہ آپ کا اس مسئلہ پر روشنی ڈالنا صرف میرے لئے ہی
نہیں بلکہ ہندوستان میں متعدد متفکر دماغوں کیلئے باعث تسکین ہوگا ہمارا ایمان ہے کہ خدا تعالیٰ علیم کل اور عالم الغیب ہے
اسکا عالم الغیب ہونا اس بات پر بھی دلالت کرتا ہے کہ اُسے مستقبل کے ہر چھوٹے سے چھوٹے واقعہ کا علم حاصل لہذا ہر کام کیلئے
ایک طریق کار قبل از وقت مقرر ہو گیا پھر اگر زید نے بکر کے قتل کا ارادہ کیا تو اللہ تعالیٰ کو اسکی بھی خبر تھی اور اُس نے
بکر کو قتل کیا وہ بھی خداوند کریم کے علم میں تھا یعنی اسے معلوم تھا کہ زید کو بکر قتل کریگا - اسی طرح اس کام کو ہونا چاہئے
تھا ورنہ علم الٰہی باطل ٹھہرتا جب ہم خدا تعالیٰ کے اس علم غیب کو ہر انسان کے مستقبل پر منضبط کرتے ہیں تو ہمیں انسان
کو مجبور محض ماننا پڑتا ہے اور خدا تعالیٰ کے عالم الغیب ہونے کی صفت پر ایمان رکھنا فیٹلزم کو ماننے کا مترادف ہو جاتا
ہے اب اس مذموم فیٹلزم کا نام سنتے ہی ہم اپنے عقیدہ کو اس سے بری الذمہ ٹھہراتے ہیں اور کہتے ہیں کہ نہیں تمام
افعال کے ہم خود مختار اور ذمہ دار ہیں جیسا چاہیں کر گذریں اس حالت میں خدا کو ہماری افعال کے علم سے
نعوذ باللہ عاری ماننا پڑتا ہے علاوہ ازیں خدا کو عالم الغیب مانکر ہم دعا مانگنے کو بھی بیکار کہنے پر مجبور ہوتے ہیں
کیونکہ ہر کام کو اسی طرح ہونا چاہئے جیسا کہ اسکے متعلق خدا تعالیٰ کو علم ہو چکا ہے معاذ اللہ وہ خود بھی اپنے علم
کے خلاف جو کہ ابھی سے مکمل ہے آئندہ کچھ نہیں کر سکتا کیونکہ علم غلط ٹھہرتا ہے بینوا - توجروا -

الجواب - یقینی ہے کہ وجود اختیار کا بدیہی بلکہ حسی و مشاہد ہے اور یقینی بدیہی و حسی کی مصادمت اگر دلیل
غیر یقینی کیساتھ ہو تو بداہت و حس کی نفی نہ کرینگے بلکہ دلیل کو مخدوش کہیں گے گو تعیین اس خدشہ کی نہ کر سکیں
مثلاً اگر دلیل ریاضی سے معلوم ہو کہ فلاں تاریخ فلاں وقت فلاں مقام میں پورے آفتاب کو کسوف ہوگا
لیکن مشاہدہ سے کسوف کا عدم وقوع ثابت ہوا تو مشاہدہ کو غلط نہ کہا جاویگا بلکہ حساب میں غلطی ہو جانیکا حکم

کریں گے گو یہ تعیین نہ ہو سکے کہ کہاں غلطی ہوئی ہے اور کیا غلطی ہوئی ہے۔ اسی طرح یہاں جب دلیل نافی ہے اختیار کی تو دلیل ہی کو ہم غلط سمجھیں گے خواہ وہ غلطی کچھ ہی ہو مثلاً یہاں اس دلیل میں یہ غلطی ہے کہ علم باری جو واقعہ فعل کیساتھ متعلق ہوا ہے تو اس قید کیساتھ متعلق ہوا ہے کہ یہ فعل باختیار فاعل ہوگا تو اس سے تو وجود اختیار کا اور موکد ہو گیا نہ کہ معدوم ورنہ خلاف علم الٰہی لازم آویگا۔ اور اگر اس اختیار کی کنہ اور اسکی وجہ ارتباط بالقدیم کی تفتیش کرکے اسی اشکال نفی اختیار کا اعادہ کیا جاوے تو ایسا اشکال جبر کی کنہ اور اسکے وجہ ارتباط کی تفتیش کرنے سے بھی ہوتا ہے جس سے جبر کی بھی نفی ہوتی ہے۔ تقریر اسکی یہ ہے کہ اگر تعلق علم و امتناع خلاف علم سے جبر لازم آتا ہے تو ظاہر ہے کہ علم کا تعلق معدوم محض سے تو ہو نہیں سکتا بلکہ وہ عقلاً موقوف ہے وجود معلوم پر اور اسکا وجود اگر بلا ارادہ ہے تو اس معلوم کا قدم لازم آتا ہے اور وہ بالمشاہدہ باطل ہے اور اگر ارادہ سے ہے تو ارادہ میں علم شرط ہے تو علم موقوف ہوا علم پر اور یہ دور ہے اور نیز علم مستلزم جبر ہے جیسا کہ سوال میں کہا گیا اور ارادہ مستلزم اختیار ہے جیسا ارادہ کی حقیقت سے ظاہر ہے یعنی تخصیص ما شاء لما شاء متی شاء اور یہ اجتماع متنافیین ہے اور یہ دور اور جمع لازم آیا ہے علم اور ارادہ سے تو علم و ارادہ منتفی ہونگے اور علم ہی مقتضی تھا جبر کو جب مقتضی منتفی ہوا تو مقتضی یعنی جبر بھی منتفی ہوگا تو اس انتفاء میں اختیار کی کیا تخصیص ہے جبر بھی منتفی ہو گیا اسلئے ان سب اشکالات سے نجات یہی ہے کہ جبر و اختیار کی کنہ اور وجہ ارتباط کی تفتیش نہ کیجاوے اور عجب نہیں کہ شارع علیہ السلام نے اسی لئے اس مسئلہ میں خوض کرنے سے منع فرمایا ہو۔ واللہ اعلم۔ ٣ رمضان سنہ ١٣٤٤ھ۔

نواسی ویں حکمت رسالہ القاء السکینہ فی تحقیق ابداء الزینہ

اس رسالہ میں شرعی پردہ کی تحقیق ہے۔ یہ رسالہ کتاب ہذا کے صفحہ ٥١١ سے شروع ہوا ہے اور صفحہ ٥٢٢ پر ختم ہو گیا ہے۔

نوے ویں حکمت حکم خطبہ در غیر عربی

تمہید سوال و جواب آئندہ۔ زمانہ سفر لعیت ایک عالم کا رسالہ ہے جسمیں خطبہ کے عربی زبان میں ہونے کی ضرورت اور غیر عربی میں ہونے کی کراہت روایات فقہیہ سے ثابت کی گئی ہے اس پر احقر کی بھی تقریظ تھی ایک مقام سے احقر کے پاس ایک خط آیا جسمیں دو سوال تھے ایک میں حوالہ روایات کے متعلق غلط کا اثبات اور دوسری میں غیر عربی سے کراہت کی نفی کی گئی ہے۔ احقر نے اس خط کا جواب لکھا یہ سب ذیل میں منقول ہے۔

سوال اوّل۔ اسکا خلاصہ تمہید اول میں لکھا جا چکا اور چونکہ جواب میں بھی اس سے محض اجمالی تعرض ہوا ہے اسلئے اس سوال کو بعینہٖ نقل نہیں کیا گیا

سوال ثانی۔ صاحبین نے عاجز عن العربیہ کو معذور اور عاجز قرار دیا ہے اور اسلئے غیر عربی دانوں کو غیر عربی میں خطبہ پڑھنا جائز ہوگا یا نہیں کیونکہ تکبیر تحریمہ کے متعلق قاضیخان نے لکھا ہے کہ اگر عربی نہیں جانتا ہے تو فارسی میں نماز کو شروع کریگا ورنہ غیر عربی میں نہیں شروع کر سکتا بالکل یہی اختلاف القول در مختار خطبہ میں بھی ہے اسلئے عربی نہ جاننے والے کیا صاحبین کے نزدیک غیر عربی میں خطبہ نہیں پڑھ سکتے اور اگر بکراہت جائز ہے تو مکروہ تنزیہی مراد ہے یا مکروہ تحریمی۔ کیا وہ مکروہ تنزیہی کہ حالت موجودہ نہ سمجھنے میں آنکے عذر سے معاف نہیں ہو سکتا اور زمانہ کی ضرورت ہم کو شرعی خصوصیات کیلئے اُردو میں خطبہ کو جائز قرار نہیں دیتی حضرت امام غزالی رحمۃ اللہ علیہ نے احیاء العلوم میں آداب القرآن میں حضرت علی رضی اللہ عنہ کا مقولہ پیش فرمایا ہے کہ جو عبادت بے سمجھے ہو اس میں برکت نہیں ہوتی اور جو تلاوت بلا تامل ہو وہ تلاوت نہیں کیا اگر کوئی شخص خطبہ شرعیہ کے حدود میں رہکر اُردو میں خطبہ پڑھتا ہے تو وہ ثواب ہوگا یا نہیں نیت اسکی یہ ہے کہ عبادت بے سمجھے نہ ہونا چاہئے خصوصاً خطبہ جو تذکیر کے لئے بھی ہو جس میں سامعین کو سُنانا مقصود ہو۔

الجواب۔ تنبیہات سے ممنون ہوا جزاکم اللہ تعالی سنا بالکثرۃ اہل علم کا تصدیق رسائل کے باب میں یہی معمول ہے کہ نفس مسئلہ کا توافق پیش نظر رہتا ہے اور روایات کو بنا بر اعتماد صاحب رسالہ ماخذ سے تطبیق نہیں کیا جاتا چنانچہ اس وقت آپکی تحریر کی روایات میں بھی اسی اعتماد کی بنا پر تطبیق کا اہتمام نہیں کیا۔ اگر یہ کوتاہی ہے تو میں اپنی کوتاہی کا معترف ہوں بلکہ اسکی اشاعت کی اجازت دیتا ہوں۔ البتہ نفس مسئلہ میں اب بھی میرا یہی خیال ہے مگر اس میں مجھکو اپنی غلطی معلوم ہو جاویگی حسب معمول رجوع کر لونگا۔ یہ تو سوال اول کا جواب ہے۔ باقی سوال ثانی کے متعلق یہ عرض ہے کہ کلام غیر عاجز میں ہے اس کے لئے جواز بمعنی صحت بلا کراہت نہیں اور عاجز کے معنی ہیں پڑھنے سے عاجز نہ کہ سمجھنے سے کما سیاتی۔ رہا یہ امر کہ کونسی کراہت ہے سو تنزیہی بھی عوارض سے تحریمی ہو سکتی ہے مسئلہ تکلم فیہا ہے بڑا عارض اس وقت میں یہ ہے کہ سنت پر اس مکروہ کو ترجیح دی جانے لگی اس لئے تغییر مشروع کے سبب کراہت تحریمہ کا حکم بعید نہیں اور یہ عجز اور عدم عجز عن القراءۃ ہے نہ کہ عن الفہم۔ چنانچہ کسی سے بھی یہ احتمال اخیر منقول نہیں اور قیاس ایک کا دوسری پر ہمارا منصب نہیں اور امام غزالیؒ سے جو قول نقل کیا گیا یہاں سمجھنے سے مراد توجہ ہے چنانچہ اس قول کی عبارت اُس عبادت کو بھی شامل ہے جس میں کوئی قرأۃ نہیں ورنہ اگر ترجمہ مراد ہو تو کیا تلاوت میں بھی ترجمہ پڑھنا اصل قرآن کے پڑھنے سے افضل ہوگا۔ رہا حکمت تذکیر سے استدلال یہ تو قرآن میں بھی جاری ہے بلکہ قرآن مجید میں خطبہ کا لقب تو ذکر آیا ہے اور قرآن کا ذکری تو کیا یہ حکم اس حکم میں بھی جاری ہوگا۔ ۱۳ ربیع الاول ۱۳۴۳ھ

اس کے بعد سائل بالا سے حسب ذیل مکاتبت ہوئی

سوال۔ حضور والا نے تحریر فرمایا ہے کہ عجز و عدم عجز عن القراءۃ مراد ہے نہ کہ عن الفہم۔ صرف اتنی بات میں مجھے شبہ باقی رہ گیا ہے اس لئے مؤدبانہ طور پر چند جملے عرض کرنے کی جرأت کرتا ہوں۔ تحقیق الخطبہ میں امام رافعی رحمۃ اللہ علیہ دشافعی المذہب ان کی حسب

ذیل عبارت نقل فرمائی گئی ہے وھل یشترط کون الخطبۃ کلہا بالعربیۃ وجہان الصحیح اشتراط فان لم یکن فیہم من یحسن العربیۃ خطب بغیرھا و یجب علیہم التعلم والاعصوا ولا جمعۃ لھم (منقول من شرح الاحیاء للسید المرتضی الزبیدی ج ۳)

الجواب۔ اس عبارت کے معنی اول عرض کرتا ہوں اس سے آپکو اپنے استدلال کا حال معلوم ہو جائیگا کہ صحیح یہی ہے کہ عربیۃ شرط ہے لیکن اگر ان حاضرین جمعہ میں کوئی ایسا شخص نہ ہو جو عربی میں پڑھ سکے تو فی الحال غیر عربیۃ میں پڑھ لے لیکن آئندہ کیلئے ان لوگوں پر واجب (علی الکفایہ) ہوگا کہ عربی سیکھیں تاکہ عربی میں خطبہ ہو سکے ورنہ سب عاصی ہونگے اور اُن کا جمعہ بھی صحیح نہ ہوگا جیسا بعض فقہاء حنفیہ نے بعینہ اسی طرح تجوید کے متعلق فتویٰ دیا ہے کہ جب سیکھنا چھوڑ دیگا نماز صحیح نہ ہوگی اور اگر عربی و سمجھنا مراد ہو تو کیا اس فتوے کو بھی مانا جاویگا کہ عربی نہ سمجھنے والوں پر عربی کا سیکھنا واجب ہے ورنہ اُن کا جمعہ نہ ہوگا۔ اگر یہ فتویٰ مانا جاتا ہے تو اس سے آپ کے خلاف مدعا ثابت ہے۔ ۲ ربیع الثانی ۱۳۴۳ھ۔

سوال تتمہ بالا۔ رہا کلام مجید کے متعلق کہ اُسکو ذکر کہا گیا ہے اور خطبہ کو ذکر۔ اس کے متعلق یہ عرض ہے کہ قرآن مجید کو بھی ذکر کہا گیا ہے جیساکہ وانزلنا الیک الذکر لتبین للناس۔ معلوم ہوا کہ ذکر کیلئے تبیین کی ضرورت ہے اسی طرح اگر خطبہ کو ذکر کہا گیا ہے تو اس کیلئے بھی تبیین کی ضرورت ہے، بہرصورت ذکر اور ذکر میں افتراق نہیں ہے بلکہ اجتماع ہے ورثۃ الانبیاء پر جسطرح قرآن کی تبیین عاید ہے اسی طرح خطبہ کی بھی اور تبیین بمفہوم لغت ہی میں ممکن ہے، ولا تطع من اغفلنا قلبہ عن ذکرنا فرمایا گیا ہے ذکر سے مراد انزلنا الیک الذکر کے مطابق کلام مجید ہی ہے اسلیئے فاسئلوا اھل الذکر ای عالم القرآن فرمایا ہے۔ پس جب خطبہ بھی ملقب بہ ذکر اللہ ہے تو اسکو بھی تبیین للناس ہونا ضروری ہے۔ اس سے یہ بھی واضح ہوا کہ خطیب ذکر (قرآن) ہی کی نصائح کرے ورنہ خطبہ ذکر نہ ہوگا

جواب۔ میرا یہ مطلب نہ تھا کہ قرآن کو ذکر نہیں کہا گیا بلکہ یہ مطلب تھا کہ ذکر بھی کہا گیا ہے اور خطبہ کو کہیں ذکر نہیں کہا گیا پس قرآن میں جب دونوں صفتیں ہیں تو اُن دونوں کا حق ادا کرنا ضروری ہے تو پھر ترجمہ کیوں نہیں پڑھا جاتا۔

تتمہ سوال بالا جناب والا نے مکتوب گرامی میں ارشاد فرمایا ہے کہ اس مکروہ کو سنت پر ترجیح دیجاتی ہے اسلئے اس عارض سے مکروہ تحریمہ بعید نہیں مگر حضور والا جب اس نیت سے اسکی مادری زبان میں پڑھا جاوے کہ اس طرح بہت سی مردہ سنتوں کا احیا کیا جاوے تو پھر مکروہ کیوں ہوگا۔ بہت سے جہلا ایسے ہیں جو نماز روزہ کی ضرورت سے بے خبر ہیں وہ صرف جمعہ میں آتے ہیں اگر خطبہ ہی ان کی زبان میں سمجھا دیا جائے تو کیا اثر کی اُمید نہیں ہے ممکن ہے کہ خود کچھ لوگوں کو اس طریقہ سے ہدایت نصیب کرے

الجواب۔ اُمور تعبدیہ میں مصالح سے تغیر نہیں ہوتا۔ تاریخ بالا۔

سوال تتمہ بالا۔ اور پھر کیا خطبہ میں یہی ایک سنت ہے یہ بھی تو سنت ہی ہے کہ بلا کتاب خطبہ دیا جائے۔ حضور نے کبھی کتابی خطبہ نہیں دیا نہ صحابہ کرام نے ایسا کیا اس سنت کا ترک دھڑلے ہو رہا ہے اور کچھ خیال بھی نہیں ہوتا حالانکہ خطبہ میں

مخاطبین کی طرف رُخ اسی لئے ضروری ہے کہ مخاطبین کو باحسن پیرایہ نصیحت کی جاوے مگر جب کتاب پر آنکھ لگی ہوگی تو ہرگز وہ توجہ الی المخاطبین نصیب نہ ہوگی
جو مقصود ہے اور جو کیفیت آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم کی ہوتی تھی وہ یہ ہے کہ مسلم شریف کے الفاظ یہ ہیں اذا خطب احمرت عیناہ و علا صوتہ واشتد
غضبہ حتی کانہ منذر جیش یقول صبحکم ومساکم الخ بھلا اس طریقہ سے کون خطبہ دیتا ہے سب اسکو ترک کرتے ہیں مگر کوئی اسکو مکروہ تحریمی نہیں کہتا

الجواب ۔ یہ سنن مستحبہ ہیں اور عربیت مؤکدہ فلا یقاس احدھما علی الآخر۔ تاریخ بالا۔

اکیانوے ویں حکمت تنقید بر رسالہ مقام محمود کہ دراں در مسئلہ شفاعت بر عبارت تقویت اعتراض کردہ شد

تمہید ۔ ایک خط مع ایک رسالہ کے جسکا نام مقام محمود ہے ذیل کے پتہ سے آیا جسمیں تقویۃ الایمان کی ایک عبارت متعلق شفاعت پر اعتراض
ہے وہ اعتراض مع احقر کے جواب کے ذیل میں دونوں منقول ہیں۔ **سوال** ۔ ایک نسخہ مقام محمود بذریعہ بکیٹ ہذا ارسال خدمت ہے بعد مطالعہ
جواب باصواب سے مشکور و ممنون فرماویں اگر جملہ کتاب کا جواب تحریر کرنے میں عدیم الفرصتی مانع ہو تو براہ نوازش شفاعت بالاذن کے متعلق صفحہ پر جو
عبارت مشرک اکبر کے تحت میں تحریر کیگئی ہے اسکا جواب قابل مفصل تحریر فرماویں سائل خاکسار ملک محمد امین چوب فروش چوک حضرت امام ناصر الدین صاحب جالندھر
عبارت تقویۃ الایمان (بعد بیان شفاعت بالوجاہت و شفاعت بالمحبۃ) تیسری صورت یہ ہے کہ چور پر چوری ثابت ہو گئی
مگر وہ ہمیشہ کا چور نہیں اور چوری کو اس نے کچھ پیشہ نہیں ٹھیرایا مگر نفس کی شامت سے قصور ہو گیا اس پر شرمندہ ہے اور رات دن ڈرتا ہے
اور بادشاہ کے آئین کو سر آنکھوں پر رکھکر اپنے تئیں تقصیروار سمجھتا ہے اور لائق سزا کے جانتا ہے اور بادشاہ سے بھاگ کر کسی امیر وزیر کی
پناہ نہیں ڈھونڈتا اور اسکے متعلق کسی کی حمایت نہیں چاہتا اور رات دن اُس کا منہ دیکھ رہا ہے کہ دیکھئے میرے حق میں کیا حکم فرماوے
سو اسکا یہ حال دیکھکر دل میں ترس آتا ہے مگر آئین بادشاہت کا خیال کر کے بے سبب گزر نہیں کرتا کہ کہیں لوگوں کے دلوں میں اسکے آئین کی قدر
نہ گھٹ جاوے سو کوئی امیر وزیر اسکی مرضی پاکر اس تقصیروار کی شفاعت کرتا ہے اور بادشاہ اس امیر کی عزت بڑھانے کو ظاہر میں
اس کی سفارش کا نام کر کے اس چور کی تقصیر معاف کر دیتا ہے سو اس امیر نے چور کی سفارش اسلئے نہیں کی کہ اس کا قرابتی ہے یا آشنا یا
اسکی حمایت اُس نے اُٹھائی بلکہ محض بادشاہ کی مرضی سمجھ کر کیونکہ وہ تو بادشاہ کا امیر ہے نہ کہ چوروں کا تھانگی جو چوروں کا حمایتی بنکر اسکی
سفارش کرتا اور آپ بھی چور ہو جاتا۔ اور اسکو شفاعت بالاذن کہتے ہیں یعنی سفارش خود اس مالک کی پروانگی سے ہوتی ہے سو اللہ کی
جناب میں اس قسم کی شفاعت ہو سکتی ہے اور جس نبی و ولی کی شفاعت کا قرآن و حدیث میں مذکور ہے اسکے معنی یہی ہیں سو ہر بندے کو چاہئے
کہ وہ ہر دم اللہ ہی کو پکارے اور اسی سے ڈرتا رہے اور اسی سے التجا کرتا رہے اور اسکے روبرو اپنے گناہوں کا قائل رہا کرے اور اسکو اپنا مالک بھی
سمجھے اور حمایتی بھی اور جہانتک خیال دوڑائے اللہ کے سوا کہیں اپنا بچاؤ نہ جانے اور کسی کی حمایت پر بھروسہ نہ کرے کیونکہ وہ بڑا
غفور رحیم ہے سب مشکلیں اپنے ہی فضل سے کھول دیگا اور سب گناہ اپنی ہی رحمت سے بخش دیگا اور جسکو چاہے اپنے حکم سے آپکا شفیع بنا دیگا غرضیکہ جیسی اور
حاجت ہو اُسی کو سونپنا چاہئے اسی طرح شفاعت بھی اُسی کے اختیار پر چھوڑ دے جسکو وہ چاہے ہمارا شفیع کر دے نہ یہ کہ کسی کی حمایت

پر بھروسہ رکھے اور اُسکو اپنی کیواسطے پکارے اور حمایتی سمجھکر اصل مالک کو بھولجاے۔ **اعتراض۔** اس مضمون پر نگاہ دوڑانیسی مندرجہ ذیل نتائج بڑی آسانی سے مرتب کئے جاسکتے ہیں (۱) شفاعت وجاہت پر عقیدہ رکھنا اصل شرک ہے (۲) شفاعت محبت پر ایمان لانا شرک اکبر ہے۔ (۳) ہمیں کسی ایک کی شفاعت پر بھی بھروسہ رکھنا چاہئے (۴) کوئی نبی یا ولی کسی گنہگار کی شفاعت اسلئے نہیں کریگا کہ اسے بوجہ نبی رحمت ہونیکے اس پر ترس آتا ہے یا بسبب ہمدردی بنی نوع انسان رحم کیونکہ ایسا کرنے پر وہ مجرم کا حامی مددگار ہوکر خود مجرم قرار دیا جائیگا (۵) خدا کسی گنہگار کو بھی بدون شفاعت نہیں بخشیگا کیونکہ ایسا کرنے سے اسے اس بات کا خطرہ ہوگا کہ کہیں لوگوں کے دلوں سے اسکے آئین قوانین کی قدر نہ گھٹ جاے۔ (۶) مرتبہ شفاعت میں کوئی حقیقی فضیلت وبزرگی نہیں کیونکہ شفاعت تو قوانین الٰہیہ کی عظمتِ شان برقرار رکھنے کیلئے ایک ذریعہ ہے نہ کہ حقیقی عزت افزائی کا نشان۔

الجواب۔ میری رائے میں اس مسئلہ کو کسی محقق سے زبانی سمجھ لینے کی ضرورت ہے بخصوص حصہ میں ۵ اور ۶ اسب سے زیادہ قابل تحقیق ہے کہ اس جزو کو بعینہ وجہ تشبیہ میں دخل نہیں ہے صرف مشبہ بہ کی جانب میں اس شفاعت کے تحقیق کی ایک صورت ہے جس کا تحقق بعینہ جانب مشبہ میں ضروری نہیں صرف قید بالاذن میں تشبیہ ہے گو بنا اذن کی مختلف ہے ایک جگہ بنا غرض ہے ایک جگہ حکمت اگر اس جزو کو سمجھ لیا جاوے تو اُمید ہے کہ سب اشکالات ختم ہوجاویں۔ واللہ الہادی الی سواء السبیل۔ تاریخ ۲۸ ربیع الثانی ۱۳۵۳ھ

بانوے ویں حکمۃ خلاصۃ الکلام فی اذان الجمعۃ بین یدی الامام یہ رسالہ کتاب ہذا کے صفحہ ۵۲۲ سے شروع اور صفحہ ۵۲۴ پر ختم ہوا ہے

ترانوے ویں حکمۃ رسالہ اقامۃ الطامۃ علی زاعم بقاء النبوۃ العامۃ اس رسالہ میں شیخ اکبر کے کلام سے جو بقاء نبوت معلوم ہوتا تھا اس کی تحقیق ہے۔ یہ رسالہ کتاب ہذا کے صفحہ ۵۲۵ سے شروع اور صفحہ ۵۲۹ پر ختم ہوا ہے

چورانوے ویں حکمۃ فصل یازدہم در تحقیق صلوٰۃ بر ہوائی جہاز میرا ایک فتویٰ اسکے متعلق رسالہ الامداد محرم ۱۳۴۵ھ میں صفحہ ۳۳ پر چھپا تھا اس کے متعلق ایک تحریر بشکل سوال وجواب آئی جو ذیل میں منقول ہے اور اُسکے ایک حاشیہ میں جو عنقریب ظاہر ہوگا شروع ہوا ہے میری ایک عبارت مضمون پر دفع اشتباہ پر اعتراض بھی تھا اُسکا جواب مولوی حبیب احمد صاحب نے لکھکر مجھکو دکھلایا جو اُس تحریر کے بعد منقول ہے۔

سوال۔ بر ہوائی جہاز بحالت طیران او یا وقوف او در ہوا سجدہ کردن یا نماز فرضی خواندن جائز است یا نہ۔ بینوا توجروا۔

جواب۔ واللہ تعالیٰ اعلم بالصواب۔ قال العلامۃ القہستانی فی شرح مختصر الوقایۃ السجود لغۃ ہو الخضوع وشرعاً وضع الجبھۃ علی الارض ونحوہا انتہی۔ وفی البحر شرح الکنز تحت قولہ وکرہ بأحدہما او بکور عمامۃ من فصل اذا اراد الدخول فی الصلوۃ فی اثناء ما بسط والاصل انہ کما یجوز السجدۃ علی الارض یجوز علی ما ہو بمعنی الارض مما یجد جبہتہ حجمہ وتستقر علیہ وتفسیر وجدان الحجم ان الساجد لو بالغ لا یتسفل راسہ ابلغ من ذلک انتہی وفی الوقایۃ فی اخر باب صفۃ الصلوۃ فان سجد علی کور عمامۃ او فاضل ثوبہ او شئ یجد حجمہ تستقر علیہ الجبہۃ جاز وان لم تستقر لا یجوز انتہی فالمرکوب الہوائی ان کان مرکبا من

عــہ حصہ ۵۔۶ عبارت مذکورہ سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ ... الی قولہ اللہ کی جناب میں اس قسم کی شفاعت ہوسکتی ہے اور وہ سوال ذیل میں مذکور ہے

چھیانوے ویں حکمت در کشف شبہ مرجیہ بودن حنفیہ از عبارت غنیہ (ایک صاحب علم کا خط رسالہ الاقتصاد

کے جواب شبہ بستم کے متعلق میں نے اس شبہ کے جواب میں یہ لکھا تھا غنیہ مجھکو نہیں ملی ان صاحب نے غنیہ بھیجکر جواب کیلئے ذیل کی تقریر لکھی کہ

جواب شبہ بستم۔ فرقہ ضالہ مرجیہ حنفیہ سے مراد یہاں فرقہ مرجیہ میں سے ایسا گروہ ہے جو اپنے آپکو بطریق افترا جناب امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ سے منسوب کرتا تھا جیسا کہ شرح مواقف کی عبارت سے بھی ظاہر ہے ورنہ جناب امام ابوحنیفہؒ صاحب کو تو جناب پیر صاحبؒ اپنی اسی کتاب شریف غنیۃ الطالبین میں امام تسلیم فرماتے ہیں اور اُن کا اجتہاد عوام کی نفع رسانی کیلئے بیان فرماتے ہیں جیسا کہ ص۱۰ پر غنیۃ الطالبین مطبع اسلامیہ لاہور فی باب الصلوۃ خطر با عظیم وامر اجسیم میں فرماتے ہیں۔

وقال الامام ابوحنیفۃ لا یقتل الخ سے ظاہر ہے۔ ترجمہ۔ اور فرمایا امام ابوحنیفہؒ نے کہ وہ (یعنی تارک صلوۃ) نہ قتل کیا جاوے کیونکہ اور نیز امام ابوحنیفہؒ کے مقلدین فقہا پر زور اُنکے مختلف فیہ اجتہاد پر اپنے یعنی امام احمد حنبلؒ کے مذہب والوں اور امام شافعیؒ کے مذہب والوں کو انکار کرنے سے منع فرماتے ہیں کہ انکار نہ کیا جاوے اور اپنے مذہب کو ان پر ترجیح نہیں دیتے گویا باہم ایک سمجھتے ہیں (کما ہو فی الحقیقت) جیسا کہ ص۱۰۹ و ص۱۱۲ پر فی باب امر بالمعروف فصل والذی یؤمر بہ سے ظاہر ہے عبارت اس طرح شروع ہوتی ہے واما اذا کان الشیٔ مما اختلف الفقہاء فیہ الخ ترجمہ۔ لیکن جب ہو وہ چیز (بیان امر وغیرہ) اُن چیزوں میں سے جن میں خلاف کیا ہے فقہا نے اور گنجائش ہے اُس میں اجتہاد کو جیسے پینا عامی کا نبیذ کو تقلید کرکے امام ابوحنیفہ کی او نکاح کرنا عورت کا بغیر اذن ولی کے جیسا کہ مشہور ہے اُنکے مذہب میں تو نہیں ہے کسی کو ان میں سے جو امام احمدؒ اور امام شافعیؒ کے مذہب پر ہے اسکا یعنی مذکورہ اجتہاد امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کا یا ایسا ہی اور مختلف فیہ مسائل کا) انکار کرنا کیونکہ امام احمدؒ نے فرمایا ہے مروزی کی روایت میں نہیں ہے جائز فقیہ کو کہ اُٹھاوے لوگوں کو اپنے مذہب پر اور نہ سختی کرے اُن پر الخ ۱۲ نیز اگلے بیان سے اسکی اور زیادہ تصدیق ہوتی ہے کہ مرجیہ حنفیہ کیساتھ ہی آگے آپ تحریر فرماتے ہیں والمعاذیہ جس سے فرقہ مرجیہ میں سے ایسا گروہ مراد ہے جو اپنے آپکو بطریق افترا حضرت معاذؓ سے منسوب کرتا ہو اور ایک وجہ تسمیہ مرجیہ کی جو جناب پیر صاحب تحریر فرماتے ہیں کہ لانہا زعمت یعنی انھوں نے زعم کر لیا کہ تحقیق ایک تکلیف دیتے گئیں ہو جب کہو لا الہ الا اللہ محمد رسول اللہ اور کرے بعد اس کے سب گناہ تو نہیں داخل ہو گا دوزخ میں ہرگز اور یہ حضرت معاذ کی روایت کی ہوئی اسی حدیث سے استدلال بطریقہ غلط مرجیہ نے کیا ہے جو آپنے اپنے انتقال کے وقت اقرار شہادتین کی بابت بیان فرمائی تھی جس سے وجہ نسبت کرنے کی آپکی طرف (یعنی حضرت معاذ کی طرف) ظاہر ہے ورنہ حضرت معاذؓ اصحاب آنسرور صلی اللہ علیہ وسلم میں سے ہیں اور آپ کی اقتدا راست ہے بموجب حدیث شریف بایہم اقتدیتم اہتدیتم جس نے ہدایت پائی اور آپ کے مقتدی درست اہل سنت والجماعت۔ تو یہ واضح ہوگیا کہ جناب پیر صاحب ان سرور اصحاب کی اقتدا کرنیوالوں کو (نعوذ باللہ) مرجیہ نہیں شمار فرماتے بلکہ مرجیہ کے ایسے گروہ کو بیان فرماتے ہیں جو بطریق افترا اپنے آپکو ان حضرات کی طرف منسوب کرتے ہیں اور اپنا نام مرجیہ حنفیہ مرجیہ

ستانوے ۹۷ ویں حکمۃ در تحقیق جزئیت تسمیہ عند العاصم

سوال: خاکسار نے تائید امداد میں ایک عبارت بعنوان للجواب بسم اللہ کے بارہ میں دیکھی تھی جسکے جواب کا خلاصہ یہ ہے کہ بسم اللہ بسملین کے یہاں جزو ہر سورت نہیں اور شاطبی کا جو شعر ہے وبسمل بین السورتین بسنۃ + رجال نموھا دریۃ وتحملا۔ اس سے یہ ثابت نہیں ہوتا کہ بسم اللہ مبسملین کے یہاں جزو ہر سورت ہے بلکہ یہ ثابت ہوتا ہے کہ انھوں نے ہر سورۃ کے پہلے بسم اللہ پڑھی ہے بیشک یہ توجیہ صحیح ہے لیکن شاطبی پشاوری جسکو حاشیہ پر درس میں پڑھی ہیں منجملہ انکے شرح کنز المعانی بھی ہے۔ کنز المعانی کے صفحہ ۴۰ پر اسی شعر کی شرح میں ہے۔ ثم المبسملون بعضہم عدھا اٰیۃ من کل سورۃ سوی براءۃ وھو غیر قالون وعدھا حمزۃ من التارکین اٰیۃ من الفاتحۃ فقط۔ اس عبارت سے صاف معلوم ہوتا ہے کہ امام ابن کثیر اور امام عاصم اور امام کسائی کے یہاں بسم اللہ ہر سورۃ کا جزو ہے۔ جناب اسکا جواب تحریر فرماویں الجواب۔ مجھ کو بھی اس عبارت سے اپنے جواب میں تردد واقع ہو گیا اور جس سوال کا میں نے جواب دیا تھا وہ پھر محتاج جواب ہو گیا۔ میرے پاس نہ کتب ہیں نہ وقت دوسرے علماء و قراء سے رجوع کیا جاوے اور کوئی شافی جواب ملے بشرط مہلت مجھ کو بھی اطلاع دیجئے۔ میں اسکو کسی رسالہ میں نقل کر دونگا۔ ایک توجیہ سمجھ میں آتی ہے وہ یہ کہ ہر سورۃ کیساتھ بسم اللہ پڑھنا نہ پڑھنا تو روایت کے متعلق ہے اور جزو ہونا نہ ہونا اجتہاد کے متعلق ہے روایت میں عاصم کا قول حجت ہوگا اور اجتہاد میں امام صاحب کا بس میرا اصلی جواب سالم رہا۔ ارشاد مخدوم و مکرم دامت فیوضہم بعد سلام مسنون تعظیم کے عرض یہ ہے کہ والا نامہ صادر ہوا۔ جناب قاری عبد الرحمن صاحب محدث انصاری پانی پتی تسمیہ کے بارہ میں ائمہ فقہ کے اقوال نقل کر کے یوں لکھتے ہیں و ہمہ اقوال حق اند و از قبیل اختلاف قرأت ہستند۔ اور اسی عبارت پر خود ہی منبیہ لکھتے ہیں وہ یہ ہے ہمدانکہ چوں در جزو بودن و نبودن بسملہ از ہر سورت اختلاف قرأت است پس بر قاری قرأۃ مبسملین در تلاوت قرأۃ بسملہ بر سر ہر سورۃ جہراً واجب شد والا ترک یک صد و چہار دہ آیت در ختم لازم آید و آں جائز نیست و معمول دیار حنفی المذہب برخلاف آں است لیکن سبب اہل ترک غفلت معلوم نیست۔ اور دوسرے رسالہ میں جو خاص اس مسئلہ میں ہے یوں لکھتے ہیں تسمیہ کا مسئلہ اجتہادی بھی نہیں چونکہ منصوصات میں اجتہاد جائز نہیں لہٰذا ہم چونکہ حضرت امام ابو حنیفہ کے مقلد مسائل اجتہادیہ میں ہیں نہ مسائل منصوصہ میں تو ہم کو اس بات کا قائل ہونا پڑا کہ ہم مسائل فقہیہ میں تو امام ابو حنیفہ کے مقلد ہیں کیونکہ وہ امام اور مجتہد مطلق تھے اور قراءۃ میں مقلد ائمہ قرآن اور راویان قراءۃ کے ہیں کیونکہ وہ ہر ہر حرف اور ہر ہر نقطہ کی سند متصل و متواتر آنحضرت تک رکھتے ہیں اور قراءۃ میں ابو حنیفہ علیہ الرحمۃ بھی مقلد راویان قرآن کے تھے اور احتمال اجتہاد اس مسئلہ میں قابل پذیرائی نہیں ہو سکتا۔ اور آگے جا کے لکھتے ہیں۔ دلائل مبسملین اور تارکین دونوں کے احادیث صحیحہ ہیں۔ یہاں اجتہاد کا کیا دخل ہے دونوں قرآن میں اجتہاد کو دخل نہیں دیتے اگر دخل دیتے ہیں تو بتلاؤ نشان اجتہاد عاصم اور ابو حنیفہ کا اگر اجتہاد سے مراد فرض و تحسین ہے تو مقبول نہیں ہوگا اور اگر مراد قیاس فقہی ہے تو یہاں مقیس اور مقیس علیہ اور وصف

مشترک اور نص او پر علیہ وصف اشتراک کے کیا ہے۔ انتہی۔

الجواب۔ فی غیث النفع بعد نقل بعض الاختلاف فی البسملۃ تحت عنوان البسملۃ وسورۃ الفاتحۃ مانصہ وایضا فان المحققین من الشافعیۃ وعزاہ الماوردی للجمہور علی انہا اٰیۃ حکما لا قطعا۔ قال النووی والصحیح انہا قراٰن علی سبیل الحکم ولو کانت قراٰنا علی سبیل القطع لکفر نافیہا وھو خلاف الاجماع وقال المحلی عند قول المنہاج فتہدیھم والبسملۃ منہا ای من الفاتحۃ عملا لانہ صلی اللہ علیہ وسلم عدھا اٰیۃ منہا صححہ ابن خزیمۃ والحاکم ویکفی فی ثبوتہا من حیث العمل الظن انتہی۔ ومعنی الحکم والعمل انہ لا تصح صلوٰۃ من لم یات بہا فی اول الفاتحۃ وھو نظیر کون الحجر من البیت ای فی الحکم باعتبار الطواف والصلوٰۃ فیہ لا باعتبار انہ من البیت اذ لم یثبت ذالک بقاطع ولو نقلنا انہا اٰیۃ قطعا لاحکی کما ھو ظاھر عبارۃ کثیر فیکون من باب اختلاف القراء فی اسقاط بعض الکلمات واثباتہا وکل قراء بما تواتر عنہ والفقہاء لم تتبع القراء فی ھذا وکل علم یسال عنہ اھلہ وللمسئلۃ طویلۃ الذیل وما ذکرناہ لب کلامہم وتحقیق صـ۱۹۔ اس عبارت سے صاف معلوم ہوا کہ میرا قول بھی گنجائش رکھتا ہے اور قاری صاحب کا بھی دوسرا امر قابل غور یہ ہے کہ اگر قاری صاحب کو سب مقدمات تسلیم کرنے جاویں تو تراویح کی کیا تخصیص ہے یہ مقدمات تو قراءۃ فی الفرض میں بھی جاری ہیں تو کیا احناف وجوب جہر بالبسملۃ فی الفرض کا التزام کرینگے

۱۶ شعبان ۱۳۴۵ھ

حکم رقص نساء شعر راس را

سوال۔ اخبار زمیندار مورخہ ۲۳ فروری ۱۹۲۷ء میں ایک فتویٰ علماء دہلی وغیرہ کا چھپا ہے جسمیں علاوہ اور خرافات ودھکوسلوں کے عورتوں کے سر کے بال کٹوانا جواز صحیح مسلم (باب القدر المستحب من الماء فی غسل الجنابۃ حدیث ۶۷۴) سے نقل کیا ہے کہ بعض ازواج مطہرات بال کتر کر شل وفرہ کے کر دیتی تھیں (ولفظہ یاخذن من رؤسھن حتی تکون کالوفرۃ) اب سوال یہ ہے کہ کیا عورتوں کیلئے بال کٹانے اور وفرہ کے مثل بنانے جائز ہیں یا نہیں اور کسی صحیح حدیث کے اندر بال کٹانے سے صاف ممانعت ہے یا نہیں اور صحیح مسلم کی حدیث کا محمل کیا ہے۔

الجواب۔ اس وضع مسئول عنہ کی حرمت پر دلائل صحیحہ قائم ہیں اور جواز کی دلیل میں چند احتمالات ہیں۔ اسلئے حرمت ثابت اور جواز پر استدلال فاسد۔ امر اول کا بیان یہ ہے کہ یہ ہیئت اس وضع کا یقیناً تشبہ بنساء الکفار ہے جو اس وضع کو مقصود بھی ہے اور اس میں تشبہ بالرجال بھی ہے گو انکو مقصود نہ ہو اور اطلاق دلائل سے تشبہ ہر حال میں حرام ہے خواہ اسکا قصد ہو یا نہ ہو اور علاوہ تشبہ کے منع پر اور دلائل بھی قائم ہیں (کما سیاتی فی الجواب الآتی) اور امر ثانی کا بیان یہ ہے کہ اولاً راوی نے اپنا مشاہدہ بیان نہیں کیا اور گو راوی حضرت عائشہؓ کے محرم ہیں مگر دال الفاظ صریح شمول لعائشۃ میں نص نہیں۔ نہ راوی دوسری ازواج کے محرم ہیں کہ شوہر کا مشاہدہ کیا ہو نہ کسی صاحب مشاہدہ کا نام لیتے ہیں۔ بعضا مشاہدہ کا ثقہ غیر ثقہ ہونا معلوم نہ یہ معلوم کہ اس نے تحقیق سے کہا ہے یا تخمین سے۔ بعض اوقات عورتیں بالوں کو ایسا متداخل کر لیتی ہیں کہ دیکھنے والے کو شبہ تخفیف شعور کا ہوتا ہے۔ ثانیاً وفرہ بقول اصمعی بلد سے اشبع ہے

اور لمہ وہ ہے جو منکبین سے لگتا ہو فقلہ النووی پس وفرہ منکبین سے بھی نیچے ہوا پھر ان شعور کو وفرہ نہیں کہا گیا کالوفرہ یعنی مشابہ وفرہ کے کہا گیا تو اس میں یہ بھی احتمال ہو گیا کہ وفرہ سے بھی نیچے ہوں بلکہ غور کرنے سے یہی احتمال راجح بلکہ مثل متعین کے ہے کیونکہ اگر وفرہ سے کم ہوتے تو اس کیلئے لغت موضوع ہے مثلاً لمہ تو لمہ سے تعبیر کیا جاتا کالوفرہ کہنے کی کیا ضرورت تھی اور وفرہ سے زائد کیلئے کوئی لغت نہیں اسلئے اسکو کالوفرہ سے تعبیر کیا گیا اور اس حالت میں اس میں یقیناً ذوائب قرون بن سکتے ہیں غایت مافی الباب اور عورتوں کے قرون وذوائب سے اس میں قلت کی اور تخفیف ہو گی تو حدیث کا مدلول نفی قرون نہیں ہوا بلکہ تخفیف شعور ہوا چنانچہ نووی نے کہا ہے فیہ دلیل علی جواز تخفیف الشعور للنساء اور غرض اس تخفیف سے ترک شعور زینت تھی کما قال النووی عن عیاض لعل ازواج النبی صلی اللہ علیہ وسلم فعلن ھذا بعد وفاتہ صلی اللہ علیہ وسلم لترکھن التزین الخ اور اس تخفیف کو اقتداء کہنا صحیح اور شعور کو من رؤسھن کہنا صحیح ہے ثالثاً اس سے قطع نظر علی سبیل التنزل ممکن ہے کہ اس زمانہ میں یہ وضع رجال و نساء کے درمیان مشترک ہو پس کجا یہ وضع تشبہ اور کجا یہ صنیع ازواج مطہرات ؎

کار پاکاں را قیاس از خود مگیر گرچہ ماند در نوشتن شیر و شیر

معجزہ را ساحر کردہ قیاس ہر دو را بر مکر بنہادہ اساس

اطلاع کان ھذا فی ۲۳ اللیلۃ کذ کتبہ اعلاف ثانی رمضان ۱۳۴۱ ہجری تنویر تحریر ثانی فی عاشوراء شوال بحکم اللہ اکتفاء بتصحیح و تکمیلا

اسکے بعد ایک صاحب کا خط اسی کے متعلق آیا جو مع جواب ذیل میں منقول ہے

سوال مجھے ذاتی طور پر حالات حاضرہ کے مسائل کے متعلق جناب کی کتب اور خیالات سے کامل طور پر واقفیت حاصل ہے اور پوری موافقت ہے صرف ایک مسئلہ یعنی عورتوں کے بال کٹوانے کے متعلق مزید تحقیق مطلوب ہے گو جناب کی تصانیف بہشتی زیور کے آخر حصہ اور صفائی معاملات میں بعض کے احکام کے ضمن میں آپ کا فتویٰ موجود ہے کہ کترانا حرام ہے اور مجمل طور پر حدیث میں آپ نے اسکا ذکر کیا ہے لیکن تسکین قلب کیلئے اگر اس حدیث کا حوالہ معلوم ہو جائے تو جناب کا نہایت ہی شکر گذار ہونگا نیز ضروری ہے کہ کتب فقہ حنفیہ میں بھی کہیں نہ کہیں اس کا ذکر ہو گا اس کیلئے بھی توجہ فرما کر اس کتاب کا حوالہ عطا فرما دیں۔ اور اگر مزید طور پر اس مسئلہ پر اپنے معتقدات خیالات کا اظہار فرما سکیں تو باعث عنایت ہوگا۔

الجواب فی الدر المختار عن المجتبیٰ قطعت شعر رأسھا أثمت ولعنت زاد فی البزازیۃ وان باذن الزوج لانہ لا طاعۃ لمخلوق فی معصیۃ الخالق ولذا یحرم علی الرجل قطع لحیتہ والمعنی المؤثر التشبہ بالرجال اھ وفی الاشباہ حکم الانثیٰ قولہ وقطع من حلق رأسھا ای حلق شعر رأسھا الی قولہ والظاہر ان المراد بحلق رأسھا ازالۃ شعرھا سواء کان بحلق او قص او نتف او نورۃ فلیحرر والمراد بعدم الجواز کراہۃ التحریم لما فی مجتبی الفتاویٰ ولو حلقت فان فعلت ذلک تشبہا

بالرجال فهو مكروه لانها ملعونة اه وعن علي قال نهى رسول الله صلى الله عليه وسلم ان تحلق المرأة رأسها رواه النسائي (مشكوة باب الترجل) قلت الحلق عام للقصر ايضا كما ذكر في شرح الحديث والله اعلم۔ اور اگر حلق عام بھی نہ ہوتا تب بھی چونکہ اس جدید فیشن میں اہل مشاہدہ سے معلوم ہوا کہ سر کا پیچھے کا حصہ مونڈا بھی جاتا ہے تو حلق بالمعنی الخاص بھی اس کو شامل ہوتا اور تشبہ کا لازم اس کے علاوہ ہے جس میں نہایت شدید وعیدیں وارد ہیں اور جو فعل نصاً منہی عنہ ہے اس کو معلل بعلت تشبہ کہنا بلا دلیل ہوگا اس لئے وہ علی الاطلاق منہی عنہ ہوگی خواہ اس میں تشبہ ہو یا نہ ہو کالحلق بالمعنی الاعم او بالمعنی الخاص اور جو نصاً منہی عنہ نہ ہوگی اس کا حکم تشبہ پر دائر ہوگا۔ ۲۷ر رمضان ۱۳۴۲ھ

ننانوےویں حکمت رسالہ جزل الکلام فی عزل الامام

اس رسالہ میں امام یعنی بادشاہ اسلام کی معزولی کے اسباب کی تحقیق اور متعارض روایات کی تطبیق ہے۔ یہ رسالہ کتاب ہذا کے صفحہ سطر سے شروع اور صفحہ سطر پر ختم ہوگیا ہے۔

سوویں حکمت رسالہ ضم شارد الابل فی ذم شارد ابل

یہ رسالہ کتاب ہذا کے صفحہ سطر سے شروع ہوا اور صفحہ سطر پر ختم ہوگیا ہے۔ وقد تم هذا الفهرس الثاني المسمى بالكلم الدال على الحكم الضالة ولله الحمد۔

(نوٹ) اصل مسودہ میں اس فہرست دوم میں بعض مضامین فہرست اول کے مکرر لکھے گئے تھے گرچہ فہرست دوم کی تمہید کے حاشیہ میں اس تکرار کی ایک توجیہ بھی کی گئی تھی لقولہ اور بعض مضامین الی قولہ تمایز ہے لیکن نظر ثانی میں مکررات کو حذف کردیا جس کے بعد اس توجیہ کی بھی حاجت نہیں رہی اسی طرح بعض ایسے مضامین کو بھی حذف کردیا گیا جو محض وقتی ضرورت کیلئے تھے پس مطبوع سابق سے جو النور میں شائع ہوا ہے اختلاف دیکھکر شبہ نہ کیا جائے۔

۳۷۳

۶۸۷

الحمدللہ والمنہ کہ

بوادر النوادر

جلد دوم

از افاضات

حضرت قطب العالم مجدد الملۃ حکیم الامۃ حضرت مولانا اشرف علی صاحب

تھانوی قدس اللہ سرہٗ

درماہ رمضان المبارک سنہ ۱۳۶۵ھ

بانتظام احقر العباد محمد زکی دیوبندی عفا اللہ عنہ

از مکتبہ اشرف العلوم دیوبند ضلع سہارنپور

شائع گردید

کمال پرنٹنگ پریس دھلی

عرض ناشر

بعد الحمد والصلوٰۃ ناکارۂ خلائق احقر محمد شفیع عرض کرتا ہے کہ بوادر النوادر در اصل چار اجزاء سے مرکب ہے اوّل مسائل فہرست اول غرائب الرغائب دوسرے مسائل فہرست دوم الکلم الدالہ علی الحکم الضالہ تیسرے مسائل فہرست سوم مسمّیٰ نوادر چوتھے وہ رسائل مستقلہ جن کا حوالہ کتاب کے تینوں اجزاء میں دیا گیا ہے۔ طبع اوّل میں یہ چاروں اجزاء ایک ہی مجموعہ میں طبع ہوئے تھے جس کی وجہ سے ضخامت کتاب موزونیت کے خلاف زیادہ ہوگئی اس لئے احقر نے طبع ثانی میں اس کو دو جلدوں میں تقسیم کر دیا پہلے دو جزو کو جلد اول اور آخری دو جزو کو جلد ثانی قرار دیا اور یہ تصرف چونکہ اصل تصنیف میں کوئی تغیر پیدا نہیں کرتا اس لئے اس پر اقدام کی جرأت کی گئی واللہ الموفق۔

بندہ محمد شفیع عفا اللہ عنہ۔

مسائل فہرست سوم

نوادر

یعنی مضامین جدیدۃ التدوین

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

پہلا نادرہ در رد تاویل لفظ دجال و یاجوج ماجوج خلاف جمہور

متعلق مضمون "یورپ اور اسلام" مندرجہ پرچہ ہائے اخبار سچ من ابتدائے ۱۰ر اگست ۲۹ء لغایۃ ۲ر دسمبر ۱۹۲۹ء جس میں لفظ دجال و لفظ یاجوج ماجوج کو غیر معنی معروف پر محمول کیا گیا ہے۔

(۱) نصوص کا اپنے ظواہر پر محمول کیا جانا اجماعی منقول مسئلہ ہے اور معقول بھی ورنہ تمام نصوص اور تمام الفاظ سے امن مرتفع ہو جاتا ہے البتہ اگر کوئی عقلی یا نقلی صارف ہو تو بضرورت غیر ظاہر پر محمول کیا جاوے گا مگر صارف

شخص خیالی یا ذوقی ہونا کافی نہیں ورنہ ہر فرقہ قرآن و حدیث کا تحریف کرنے والا ایسے خیال یا ذوق کا مدعی ہو سکتا ہے اور صوفیہ کی تاویل اس سے مستثنیٰ ہے کیونکہ وہ ان معانی کے مدلول نص ہونے کے مدعی نہیں بلکہ اصل مدلولات کو قبول کر کے ان مدلولات کے مشابہ کو بطور اعتبار کے ذکر کرتے ہیں۔

(ملا) احادیث متضمنہ خروج دجال و یاجوج و ماجوج کو جو صحیحین میں مذکور ہیں، جو شخص خلو ذہن کے ساتھ پڑھے گا اُس کے ذہن میں بے تکلف جو معانی آویں گے وہی اُن احادیث کے مشہور اور صحیح محمل ہیں۔

(ملا) ان معانی کا امتناع نہ کسی دلیل عقلی سے ثابت اور نہ کسی دلیل نقلی سے۔ مثلاً کسی دوسری ویسی ہی صحیح حدیث میں اس کے خلاف آیا ہو یا حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کے خروج کا کوئی زمانہ معین فرمایا ہو اور وہ زمانہ گذر گیا ہو۔ مگر ایسا بھی نہیں ہوا بلکہ صحیح حدیث میں تصریح ہے کہ آپ کو دجال کے متعلق یہ بھی احتمال تھا کہ شاید میرے ہی زمانہ میں ظاہر ہو جائے تو ایسی حالت میں حقیقت کو چھوڑ کر مجاز مراد لینا کیسے صحیح ہوگا۔

(ملا) پھر وہ مجاز بھی بعض قلیل عبارات میں جاری کیا گیا ہے اور جو عبارات اس مجاز سے بھی خالی چھوڑ دی گئیں وہ بہت زیادہ ہیں چنانچہ مضمون مذکور کی تاویلات کو احادیث پر منطبق کرنے سے واضح ہو سکتا ہے چنانچہ نمونہ کے طور پر ایک عبارت بالمعنی پیش کرتا ہوں کہ ان دونوں واقعات کے وقت حضرت عیسیٰ علیہ السلام تشریف رکھتے ہوں گے جس میں ایک واقعہ ختم ہو گا اور دوسرا شروع بھی اور ختم بھی ہو گا اور حدیثوں میں آپ کے نام مبارک کے ساتھ لفظ نبی اللہ بھی آیا ہے اس لئے اس میں کوئی صحیح تاویل بھی نہیں ہو سکتی اگر کسی کا دل چاہے مشکوٰۃ کے یہ ابواب ان مدعی صاحب کے سامنے لیکر بیٹھ جاوے معلوم ہو جاوے گا کہ کتنی جگہ گاڑی اٹکے گی۔

(ملا) اسی لئے علمائے امت نے بالخصوص سلف خیر القرون نے کسی کو ایسے معانی کا احتمال بھی نہیں ہوا اگر یہ کہا جاوے کہ وقوع سے پہلے حقیقت سمجھ میں نہیں آتی اول تو یہ بات غلط ہے جب حقیقت واضح ہو سمجھ میں نہ آنے کی کوئی وجہ نہیں پھر اس میں کلام ہے کہ جس کو وقوع کہا گیا ہے یہ وقوع ہے یا نہیں ممکن ہے کہ وقوع اسی طور پر ہو جیسا مدلول متبادر ہے۔

(ملا) پھر اگر صحابہ یا علماء نہ سمجھے ہوں تو خود حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم میں تو یہ احتمال نہیں پھر جب بعض صحابہ کا متبادر معنی پر محمول کرنا آپ کو معلوم ہوا تھا آپ نے اس کی نفی کیوں نہ فرما دی اُس معنی کی تقریر کیوں فرمائی چنانچہ حدیث صحیح میں ہے کہ جب حضرت عمر رضی اللہ عنہ کو ابن صیاد پر دجال ہونے کا شبہ ہوا آنحضور سے اس کے قتل کی اجازت چاہی آپ نے فرمایا اگر یہ وہی ہے تو تم اس پر مسلط نہیں ہو سکتے اور اگر وہ نہیں ہے تو اس کا قتل کرنا اچھی بات نہیں اور آپ نے یوں کیوں نہیں فرمایا کہ یہ دجال نہیں ہو سکتا کیونکہ دجال شخص واحد کا نام بھی خاص قوم کا نام ہے

ہے اس لئے یہ دجال نہیں ہو سکتا خصوص جبکہ وہ اُس قوم میں سے بھی نہ تھا۔

(ملک) پھر اگر ایسی تاویلات کا باب مفتوح ہو تو اس کی کیا دلیل ہے کہ جو اس وقت سمجھا گیا وہی مراد ہے ممکن ہے دوسری قوم اور دوسرے واقعات مراد ہوں جو واقع ہو چکے ہوں یا آئندہ واقع ہوں اور اس حالت میں مرزا کی تاویل پر بھی حتی کہ دعویٰ نبوت میں بھی کوئی اعتراض نہیں ہو سکتا حالانکہ اسی تحریر میں اس پر اعتراض کیا گیا ہے۔ اس نے بھی ایسی ہی تطبیق کی کوشش کی ہے یہ دوسری بات ہے کہ دونوں تطبیقوں میں تعداد احادیث کی شئ کا تفاوت ہو

(ملک) کسی دعا کے اثبات میں زیادہ کوشش کرنا کوئی حقانیت کی دلیل نہیں ہے اہلِ باطل نے اپنی آرزو اجوار کے اثبات میں اس سے زیادہ کوشش کی ہے مگر ان کے باب میں یہ ارشاد ہوا ہے الذین ضل سعیھم فی الحیوۃ الدنیا وھم یحسبون انھم یحسنون صنعا۔ اور ارشاد ہوا ہے یالونکم خبالا۔

(ملف) اسی طرح دعا کے بعد رائے نہ بدلنا کوئی شرعی دلیل نہیں مرزا نے بھی ایسے دعوے کئے ہیں شرعی ادلۂ معتبرہ میں یہ اُن میں سے نہیں اور رد اس کا یہ ہے کہ بعض دعا شرائط سے خالی ہوتی ہے اس لئے قبول نہیں ہوتی۔

(ملك) پھر غضب بر غضب یہ ہے کہ بلا دلیل اپنے دعوے پر اتنا جمود ہے کہ مخالف پر جس کے پاس شرعی دلیل بھی ہے طعن و تشنیع و استہزاء و استخفاف بلکہ یہ سب ختم بھی کیا گیا ہے کہ یہ مجاز ایسا قوی رسخ ہو گیا کہ حقیقت کا قائل تمسخر و ابطال کے قابل ہو گیا۔

(ملك) مدیر صاحب کی یہ شکایت ہے کہ قبل تحقیق اس کو شائع کر دیا خدا جانے کتنی امتِ محمدیہ غلطی میں مبتلا ہو گئی ہو گی سو جو عذر اشاعت کا لکھا گیا ہے محققین علماء سے استفسار کر لیا جاوے کہ وہ عند اللہ عذر ہو سکتا ہے یا نہیں تاوقتیکہ اس مضمون کے بطلان کی اور اشاعت کے خطا ہونے کی تصریح شائع نہ کی جاوے۔ ۱۳ رجب ۱۳۵۲ھ۔

دوسرا نادرہ در رد ادخال ربوٰ دار الحرب درفیٔ

سوال کا واقعہ ایک صاحبِ علم کاٹھیاواڑ سے میرے ایک مہمان کے پاس خط آیا جس میں مجھ سے دریافت کرنے کو لکھا تھا کہ حربی کا مال تو یا فیٔ ہے یا غنیمت۔ کیا کسی حالت میں کسی نص سے حربی کے مال کا معصوم ہونا بھی ثابت ہوتا ہے۔

جواب کا واقعہ اُن کے جواب میں رافع الضنک کی عبارت ذیل مع اضافہ لکھی گئی۔

عبارت۔ آیاتِ تحریمِ ربا میں ارشاد ہے۔ یاایھا الذین اٰمنوا اتقوا اللہ وذروا ما بقی من الربوٰا ان کنتم مؤمنین اور ظاہر ہے کہ اس بقیہ ربا کا معاملہ جس وقت ہوا ہے لینے دینے والے سب حربی تھے تو تحریم کے بعد اگر حربی سے ایسا معاملہ

جائز ہوتا تو تحریم کے قبل تو بدرجۂ اولیٰ جائز ہوتا اور وہ رقم حلال ہوتی تو اس کا ترک کرنا کیوں فرض ہوتا۔

اضافہ۔ اور سبب اس کا حربی کے مال کا محترم یعنی فی نفسہ معصوم ہونا نہیں بلکہ اس کا لعارض معصوم ہونا ہے وہ عارض معاہدہ ہے جس کے سبب ہر ایک دوسرے سے مامون ہے اور معاہدہ عام ہے قالی ہو یا حالی ہو یعنی باہمی ایسی معاشرت کہ کسی کو کسی سے خطرہ نہ ہو اور ابوداؤد نے باب صلح العدو میں اور بخاری نے باب الشروط فی الجہاد میں مغیرہ کا قصہ اور اس پر حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ذکر کیا ہے وکان المغیرۃ صحب قوما فی الجاھلیۃ فقتلھم واخذ اموالھم ثم جاء واسلم فقال النبی صلی اللہ علیہ وسلم اما الاسلام فاقبل واما المال فلست منہ فی شیء الحدیث اور اس پر قسطلانی نے لکھا ہے لان اموال المشرکین وان کانت مغنومۃ عند القھر فلا یحل اخذھا عند الامن فاذا کان الانسان مصاحبا لھم فقد امن کل واحد منھما صاحبہ فسفک الدماء واخذ الاموال عند ذلک غدر والغدر بالکفار محظور انما تحل اموالھم بالمحاربۃ والمغالبۃ وذکر نحوہ الکرمانی وصاحب الخیر الجاری۔ پس مال حربی کا فیٔ یا غنیمت ہونا مخصوص ہے حالت غالبیت کے ساتھ کما فی رد المحتار باب المغنم وقسمتہ عن شرح السیر الکبیر لان الغنیمۃ اسم لمال مصاب باعجاف الخیل والرکاب والفیٔ اسم لما یرجع من اموالھم الی ایدینا بطریق القھر الخ فقط ۱۲ ر ج ۲ سنہ ۳۲ھ۔

ضمیمہ۔ قلتُ اما حکم اخذ المغیرۃ علی قواعد الحنفیۃ فما فی الدر المختار دخل مسلم دار الحرب بامان حرم تعرضہ لشیء من دم ومال وفرج منھم فلو اخرج الینا شیئا ملکہ ملکا حراما للغدر فلیتصدق بہ وجوبا الخ فقط ۲۳ ر ج سنہ ۳۲ھ

واقعہ۔ ایک دوست نے اخبار "سچ" میں ایک مناظرہ عالم کا مضمون مسئلہ اخذ ربوٰ من الحربی کا دکھلایا۔ جس میں اس ربوٰ کو فیٔ میں داخل کر کے اباحت کا حکم کیا ہے اس کا جواب حسب ذیل دیا گیا۔

وھو ھذا۔ یہ سب تقریر امام ابوحنیفہؒ کے قول کی توجیہ اور تائید ہے جو شخص، امام صاحبؒ کا قول مانتا ہے اسکو اس توجیہ و تائید کی چنداں حاجت نہیں وہ بدون اس کے بھی مانتا ہے لیکن باوجود اس تسبیب کے صحیح ماننے کے اگر وہ اس قول کو نہ لیا بلکہ ابویوسفؒ کے قول کو لیتا ہے اس پر یہ تقریر حجت نہیں اور ابویوسفؒ کی طرف سے وہ اسکا جواب دے سکتا ہے چنانچہ ایک سہل جواب تو یہی ہے کہ اگر یہ فیٔ ہے تو فیٔ عامہ مسلمین کا حق ہے نہ کسی خاص شخص کا بلکہ بعض جزئیات میں تو غیر غنیمت وغیر فیٔ کا حکم بھی یہی مذکور ہے کما فی رد المحتار باب المغنم وقسمتہ بعد نقل عبارۃ الشرح السیر الکبیر التی مرت قبیل بفصل مسئلۃ واحدۃ) مقتضاہ ان ما اخذ بالقتال الحرب غنیمۃ وما اخذ بعدہ مما وضع علیھم فھو کالجزیۃ والخراج فیٔ وما اخذ منھم بلا حرب لا قھر کالھدیۃ والصلح فھو لا غنیمۃ ولا فیٔ وحکمہ حکم الفیٔ الا انہ لا یخمس یوضع فی بیت المال فتامل اھ قلت ویمکن ان یکون قولہ فتامل اشارۃ الی ما قال لعلہ من الاختلاف فی ھذا الاخیر ما ذکر قبیل ھذہ

المبارکۃ بما نصہ الغنیمۃ اسم لما یؤخذ من اموال الکفرۃ بقوۃ الغزاۃ وقہر الکفرۃ والفیٔ ما اخذ منہم من غیر قتال کالخراج والجزیۃ وفی الغنیمۃ الخمس دون الفیٔ وما یؤخذ منہم ہدیۃ او سرقۃ او خلسۃ او ہبۃ فلیس بغنیمۃ وہو للاخذ خاصۃ اھ قلت عہ لکونہ غیر فیٔ لم یدخلہ احد من الفقہاء فی الفیٔ فی ذکر ھذا الجزئی وفی کتاب السیر ایضاً کما فی رد المحتار باب المستامن عند قول الدر المختار دخل مسلم دار الحرب بامان حرم تعرضہ لشئ منہم۔

تنبیہ۔ فی کافی الحاکم وان بایعہم الدرہم بدرہمین نقداً او نسیئۃ او بایعہم بالخمر والخنزیر والمیتۃ فلا باس بذلک لان لہ ان یاخذ اموالہم برضاہم فی قولہما ولا یجوز شئ فی قول ابی یوسف اھ فانظر انہ ذکر ھذا الجزئی ولم یحکم علیہ بکونہ فیئاً فعلم ان مما ۔۔۔ خذ الربو من الحربی مسئلۃ مستقلۃ ولو کانت من فروع الفیٔ لم یختلف فیہا ابو یوسف ولما اختلف لم یکن مانع من ذکرہا بعنوان الفیٔ فتدبر نیز امام صاحب کے قول کے لئے یہ بھی یہ امر قابل غور ہے کہ مال کی اباحت عقد کی اباحت کو مستلزم نہیں تو معصیت سے برأت حاصل نہیں ہوئی جیسے امام صاحب کے نزدیک قضاء قاضی ظاہراً و باطناً نافذ ہو جانے سے غیر کی منکوحہ سے بعد دعوی طلاق کاذب کے نکاح کیا عورت حلال ہو گئی مگر ذریعہ حرام۔ ویؤیدہ قولہ تعالی لولا کتاب من اللّٰہ سبق لمسکم فیما اخذتم عذاب عظیم فکلوا مما غنمتم حلالاً طیباً الآیۃ حیث

[۳۸ سنہ]

قبح الطریق او اخذ الفداء وحسن المقصود او الاکل فدل علی ان حسن المقصود لا یستلزم حسن الطریق فقط ۲ ربیع ۲۵

تیسرا نادرہ تطبیق عجیب در مقدار یوم بعث الف و خمسین الف

سوال۔ سورۂ حج میں روز حشر کی درازی اس طرح بیان فرمائی گئی ہے ان یوماً عند ربک کالف سنۃ مما تعدون۔ اور سورۂ معارج میں فی یوم کان مقدارہ خمسین الف سنۃ ان دونوں کی تطبیق بیان القرآن میں اس طرح ہے کہ کچھ امتداد کچھ اشتداد سے کفار اس قدر طول محسوس ہوگا اور چونکہ حسب تفاوت مراتب کفر اشتداد میں تفاوت ہوگا اس لئے ایک آیت میں کالف سنۃ آیا ہے الخ صفحہ ۳۰ جلد ۱۲ صفحہ ۷ جلد ۷ آیت اولی کیلئے پہلی آیت میں عند ربک یہ بتا رہا ہے کہ اس دن کا طول واقعی اتنا ہے یا کم از کم اللہ کے نزدیک اتنا ہے جتنا تم لوگوں کی شمار میں ایک ہزار برس کا۔ اس سے صاف معلوم ہوا کہ اس دن کی مقدار ہی اتنی ہے اور ایسا نہیں ہے کہ واقعی مقدار اس کی کچھ اور ہے امتداد و اشتداد حسب تفاوت مراتب کفر کی وجہ سے وہ ہزار برس معلوم ہونگے کیونکہ عند ربک اسکا قرینہ ہے ورنہ عند الکفار یا مثل ذلک کوئی اور لفظ ہوتا اور اس کی تائید حضرت شاہ ولی اللہ صاحب محدث کے کلام سے بھی ہوتی ہے وہ ازالۃ الخفا

عہ قلت یمکن ان یجمع بینہما ان الہدیۃ والہبۃ الحاصلتین للامام فی حکم الفیٔ والحاصلتین لغیر الامام للاخذ خاصۃ ویؤیدہ قرنہ بالخلسۃ والسرقۃ فی الروایۃ الثانیۃ وقرنہ مع الصلح فی الروایۃ الاولی والصلح خاص بالامام ۱۲ منہ ۔

میں اس حدیث کی شرح میں کہ میری امت کو نصف یوم کی مہلت دی گئی (اوکما قال) تحریر فرماتے ہیں کہ اس سے مراد عباسیوں کی خلافت ہے جو پورے پانچسو سال ہی کیونکہ اللہ تعالیٰ کے نزدیک ایک دن ایک ہزار برس کا ہے اور پانچسو سال اس کے نصف جب یہ واضح ہوگیا کہ الف سنۃ سے واقعی الف سنۃ مراد ہیں نہ کہ اعتباری الف سنۃ۔ اب میں کہتا ہوں اسی طرح کان مقدارہٗ خمسین الف سنۃ میں فعل ناقص ماضی لایا گیا ہے جو باعتبار زمانہ کے نہیں بلکہ باعتبار تحقق وقوع فی المستقبل کے ہے اور یہاں نفس وقوع کا تعین نہیں دلایا گیا ہے اس لئے یہاں بھی واقعی خمسین مراد ہیں نہ کہ اعتباری خمسین پھر اگر اعتباری ہوتا اس کیلئے عدد کا ذکر کیوں ہوتا کوئی اور لفظ ہوتا جو اس کے امتداد وطول پر دلالت کرتا مثلاً کان مقدارہٗ طویلا او ممتدا او مثل ذالک اور اگر یہ کہا جاوے کہ الف سنۃ کے ساتھ مما تعدون کی قید ہے اور یہاں قید نہیں ہے اس لئے تعارض نہیں ہے یعنی وہاں کے ایک ہزار برس سے مراد تمہارے ایک ہزار سال ہیں اور یہاں پچاس ہزار سے کوئی اور حساب مراد ہے جو اسی ایک ہزار کے مساوی ہے مگر جب ایک ہی دن کی مقدار بیان کی جارہی ہے اور ایک جگہ اس میں مما تعدون کی قید ہے اور دوسری جگہ نہیں کیوں نہ سمجھا جاوے کہ وہی قید یہاں بھی ہے خاص کر اس حالت میں کہ مخاطب بھی ایک ہی ہے پھر کوئی وجہ نہیں کہ ایک جگہ تو مخاطب کے اعداد کا شمار رہے اور ایک جگہ کسی اور عالم کے عدد کو اگر خمسین اعتباری مانا جاوے جیسا کہ حضور والا اشارہ ہے تو شاید اس کی تائید اس سے ہو کہ سورۂ معارج مکیہ ہے اور وہاں کے لوگوں کا عناد و سرکشی زائد تھی اس لئے انہیں خمسین معلوم ہوا اور سورۂ حج مدنی ہے وہاں اس چیز میں کمی تھی اس لئے انھیں الف سنۃ معلوم ہوا واللہ اعلم مگر سب نکات ہیں ان سے نہ تسکین ہوتی ہے اور نہ سکوت۔ دل کسی قوی بات کا جویاں ہے کیونکہ یوں تو تمام عذاب میں یہ شبہ ہوگا کہ واقعی کچھ اور ہے اور استعداد و اشتداد کے تفاوت سے فرق اعتباری پیدا ہوگیا۔

الجواب۔ عند ربک قید نسبت بین الموضوع والمحمول کی نہیں ہے تاکہ اس کا یہ مدلول ہو کہ وہ اللہ تعالیٰ کے نزدیک یعنی واقع میں ہزار برس کا ہوگا بلکہ یہ قید یوماً کی ہے یعنی وہ دن جو تمہارے رب کے پاس کا ہے یعنی آخرت کا دن محاورہ قرآنیہ میں آخرت کی چیزوں کو عند الرب کہا گیا ہے جیسے لھم اجرھم عند ربھم رہا یہ کہ وہ واقع میں کتنا بڑا ہوگا قرآن اس سے ساکت ہے باقی تشبیہ اس کی الف سنۃ کے ساتھ اس میں خود دو احتمال ہیں کہ وجہ تشبیہ امتداد ہے یا اشتداد کما اشرت الیہ فی بیان القرآن البتہ حدیث ظاہراً اس پر دال ہے کہ اس کی مقدار واقع میں ہزار برس ہوگی مگر بیان القرآن سے اس کو تعارض نہیں کیونکہ اس کے معنی یہ ہوں گے کہ بعض کو مقدار واقعی کی برابر معلوم ہوگا بعض کو زیادہ رہا یہ کہ جب واقعی مقدار کی برابر معلوم ہوا تو اس میں کفر کا کیا دخل اس کا جواب یہ ہے کہ اگر کفر نہ ہوتا تو حسب حدیث مذکور فی بیان القرآن ایسا خفیف معلوم ہوتا جیسا فرض نماز کا وقت۔ اب رہی دوسری آیت کان مقدارہٗ خمسین

الف سنۃ۔ سو اس میں بھی نصاً کوئی دلالت وقوعِ مقدار پر نہیں اور جو وجہ دلالت کی سوال میں مذکور ہے وہ مسلّم نہیں کیونکہ
اگر قرآن کی عبارت یوں ہوتی کان مقدارہ فی اعینہم خمسین الف سنۃ تو کیا اس وقت یہ کلام صحیح نہ ہوتا اور
کیا آیت کے اجزا میں تعارض ہوتا کہ کان مقدارہ خمسین الف سنۃ میں فعل ناقص ماضی لایا گیا ہے اسی قولہٖ اس کی
مقدار کا تحقق دلایا گیا ہے اور جس کا مقتضی یہ ہے کہ یہ مقدار واقعی ہے اور فی اعینہم کا مقتضی اس کے خلاف ہے اسی طرح کہ
آیت کے اجزا میں تعارض ہے اس سے صاف معلوم ہوا کہ کان کا یہ مقتضا نہیں ہے اور کلام بھی صحیح ہے جیسے آیت فئۃ تقاتل
فی سبیل اللہ واخری کافرۃ یرونہم مثلیہم رأی العین علی التفسیر المشہور اور آیت واذ یریکموہم اذ التقیتم فی اعینکم
قلیلاً ویقللکم فی اعینہم الآیۃ۔ البتہ اگر کوئی دلیل معارض نہ ہوتی تو یہ آیت ظاہراً مقدار واقعی پر دال ہوتی مگر جب
دوسری آیت معارض ہے تو ظاہر کو ترک کرکے خلاف ظاہر محمول کرنا واجب ہوگا جبکہ اس حمل سے کوئی امر مانع بھی نہیں
رہا یہ کہ سب نصوص میں ایسا ہی شبہ خیالی ہونیکا ہوجاویگا سو ظاہر کو بدون دلیل چھوڑنا جائز نہیں یہاں دلیل ہے
اور نصوص میں دلیل نہیں فشتان ما بینہما ایسے ہی ظاہر کو دلیل سے چھوڑینگے اور بھی نظائر ہیں کقولہ تعالیٰ فی قصۃ
ذی القرنین وجدہا تغرب فی عین حمئۃ ووجد عندہا قوما۔ وجدان کا مادہ دو جگہ آیا ہے مگر اول وجدان کو
خیال پر محمول کیا جاتا ہے دوسرے کو واقعہ پر اول سے دوسرے میں شبہ واقع نہیں ہوتا اور یہاں سے ضابطہ کا جواب ہو گیا اب
تبرعاً ایک دوسرا جواب دیتا ہوں جس میں دونوں آیتوں میں واقعیت محفوظ ہے وہ یہ کہ دنیا میں جس طرح معدل النہار کی حرکت
یومیہ کسی مقام پر دولابی ہے کہیں حمائلی کہیں رحوی اور اس اختلاف سے کہیں دن رات کا مجموعہ چوبیس گھنٹہ کا ہوتا ہے کہیں
برس روز کا جیسے عرض تسعین میں یا کہیں ان کے درمیان مختلف مقادیر پر اور سب واقعی ہیں اور یوم نام ہے ما بین الطلوع
والغروب کا پس جو شخص استوا پر ہے اس کے افق پر جتنے زمانہ میں تین سو بار سے زیادہ طلوع وغروب ہوچکتا ہے اس زمانہ
میں عرض تسعین والے افق پر ایک بار طلوع وغروب ہوتا ہے پس یہ دوسرا شخص برس روز کے زمانہ کو ایک لیل و نہار کہتا ہے
اور پہلا شخص چوبیس گھنٹہ کو ایک لیل و نہار کہتا ہے اور دونوں صحیح ہیں مگر یہاں دونوں شخصوں کا دو افق پر ہونا شرط ہے
اگر آخرت میں بھی ایسا ہی ہو کہ اس کے طلوع وغروب میں ایک افق پر بوجہ بطوء حرکت ایک ہزار برس کا فاصلہ ہو اور
اس کے واقعات اسی میں طے ہوجاویں اور ایک افق پر اسی طلوع وغروب میں پچاس ہزار برس کا فاصل ہو اور اس کے
معاملات اس میں طے ہوں اور کچھ آفاق پر ان دونوں مدتوں کے درمیان میں وہ طلوع وغروب ہو مگر وہاں ان لوگوں کا
جداجدا افق پر ہونا شرط نہ ہو اس میں کوئی استحالہ نہیں اور اس کا حاصل یہ ہوگا کہ واقع میں وہ طلوع وغروب مختلف آفاق
پر ہوگا جیسے دنیا میں اگر بطور خرق عادت کے خط استوا پر دو شخصوں میں سے ایک کو اپنا افق منکشف ہوجاوے دوسرے

جا پہنچا افق مستور ہو جاوے اور عرض تسعین منکشف ہو جاوے تو ایک کا یوم چوبیس گھنٹہ کا ہو جاوے گا دوسرے کا برس بھر
کا اور دونوں واقعی ہیں مگر یہاں جیسے خارق کا وقوع کم ہوتا ہے وہاں ہر چیز خارق ہی ہوگی اس لئے یہاں کسی امر
کا مستبعد ہونا وہاں بھی اس کے مستبعد ہونے کو مستلزم نہیں خوب سمجھ لو اور یہ بھی ممکن ہے کہ ایک ایک قسم
کے لوگوں کے آفاق مختلف ہوں یعنی ایک جماعت کا افق وہ ہو جہاں ایک ہزار برس کا دن ہو اور دوسری
جماعت کا وہ افق ہو جہاں پچاس ہزار برس کا دن ہو اور کچھ جماعتیں ان کے درمیان ہوں تو اس میں خرق
عادت کی بھی ضرورت نہیں صرف بطور حرکت شمس میں مثلاً خرق عادت ہوگا اور یہ سب اس اشکال کا جواب ہے
جو کسی خاص تفسیر پر واقع ہوتا ہے اگر دوسری تفسیر اختیار کر لی جاوے تو اصل سے یہ اشکال ہی واقع نہیں ہوتا چنانچہ
درمنثور میں دوسری تفاسیر بھی منقول ہیں پس محض قرآن پر اشکال کے وقوع کا شبہ نہ کیا جاوے۔ واللہ اعلم ۱۲ شعبان

چوتھا نادرہ در تنقید بر حصہ معینہ جلد سوم سیرۃ النبی ﷺ

اظہار رائے درباب حصہ معینہ سیرۃ النبی جلد سوم حسب استدعا مؤلف حصہ مذکورہ

از اشرف علی عفی عنہ۔ بخدمت مکرمی جناب مولانا عبدالباری صاحب دام لطفکم السلام علیکم سیرۃ النبی جلد سوم
پہنچی حسب الارشاد معجزات اور فلسفہ جدیدہ کا باب دیکھا گو نظر غائر سے دیکھنے کا وقت نہیں ملا تاہم سرسری نظر بھی میرے
خیال میں ضرورت کے لئے انشاء اللہ کافی سے کم نہیں ہے۔ حسب الارشاد اپنی رائے عرض کرتا ہوں اگر توافق نہ ہو تو قبول نہ فرمایئے مگر
مکدر نہ ہوجئے کیونکہ مامور معذور ہے۔ وھو ھذا۔ اس میں شک نہیں کہ اس باب میں ایک کام تو اتنا بڑا اور کافی سے بھی
زیادہ ہوگیا کہ غالباً اس میں اضافہ کی حاجت بلکہ گنجائش بھی نہیں ہے اور وہ کام رفع استبعاد ہے فلسفہ قدیمہ کے
اصول علمیہ میں اس کی بنا پر جو استبعاد ہوتا ہے وہ علوم ہی سے رفع ہوجاتا ہے مگر اس سے صرف عقل کو قناعت ہوجاتی ہے
جو کہ واقع میں کافی ہے لیکن فلسفہ جدیدہ زیادہ تر بلکہ تمامتر بزعم خود مشاہدات پر مبنی ہے اور بزعم خود اس نے عقل کو معزول کیا
واقع میں وہ اس کا بھی پابند نہیں چنانچہ مادہ کے متعلق اس کے اکثر احکام محض قیاسی و خیالی ہی ہیں تاہم اس کی بنا ہے
کہ بے دیکھے نہیں مانتا اس لئے ایک شخص جس نے اول ہی سے عقل کو چھوڑ کر حواس ہی کی خدمت کی ہو وہ باب معجزات
میں بھی ان کے نظائر کے مشاہدات کا جویاں رہتا ہے اور بدون اس کے اس کی قوت وہمیہ کو قناعت نہیں ہوتی
اور استبعاد رفع نہیں ہوتا اور اس زمانہ میں تجدد علم و تجربہ کی کثرت ایسی مذاق کی ہوگئی ہے اس لئے اس اصول پر بھی رفع
استبعاد کی ضرورت یا مصلحت تھی سو اس تحریر میں استبعاد کا تو نام و نشان نہیں رہا لیکن اس کے ساتھ ہی یہ باب

ایسی بھی پائی گئیں جو میرے خیال میں محتاج نظر ثانی ہیں۔ ایک یہ کہ بعض اقوال پر معجزات کو انبیاء کی قوت کا سبب بتایا گیا۔ دوسرے یہ کہ صدور معجزات کے چند طرق محتملہ تجویز کیے گئے لیکن معجزات میں جو طریق واقعی ہے اس کی تعیین نہیں کی گئی اور وہ صرف یہ ہے کہ ان کے صدور میں اسباب طبعیہ کو اصلاً دخل نہیں ہوتا نہ جلیہ کو نہ خفیہ کو نہ صاحب معجزہ کو کسی قوت کو نہ خارجی قوت کو وہ براہ راست حق تعالیٰ کی مشیت سے بلا توسط اسباب عادیہ کے واقع ہوتا ہے جیسا صادر اول بلا کسی واسطہ کے صادر ہوا ہے پھر قیامت تک بھی کوئی شخص اس میں سبب طبعی نہیں بتلا سکتا کیونکہ معدوم کو موجود کون ثابت کر سکتا ہے ورنہ اگر معجزہ سے کسی زمانہ خاص میں صاحب معجزہ کی تائید ہو جاتی دوسرے زمانہ میں سبب خفی بتلانے سے اسکی تکذیب ہو جاتی تو کسی نبی کی نبوت پر یقین مؤید نہیں ہو سکتا۔ وھذا کما تری۔ یہی سبب ہے کہ کسی معجزہ پر اس کی جنس کے ماہرین نے کوئی سبب خفی بتلا کر باقاعدہ شبہ نہیں کیا۔ نہ اس کی مثل کو ظاہر کر کے مقاومت کر سکے بالخصوص اگر نبی کی قوت اسکا سبب ہوتی تو موسیٰ علیہ السّلام اپنے معجزہ سے خود نہ ڈر جاتے اور حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کو بعض فرمائشی معجزات کے تمنی پر یہ نہ فرمایا جاتا فان استطعت ان تبتغی نفقاً فی الارض او سلماً فی السماء فتاتیھم بایۃ الخ۔ اور استناد الی الاسباب الخفیہ کے احتمال پر معجزہ و دیگر عجائب طبعیہ میں کوئی فرق واقعی نہیں رہتا اور جو فرق اس تحریر میں نکالا گیا ہے اس پر معجزہ خود مستقل دلیل نہیں ٹھہرتا حالانکہ وہ خود بھی مستقل دلیل ہے خواہ کسی خاص ہی طبقہ کے لئے ہو تیسرے انضمام اخلاق و کمالات کے ساتھ (جس میں قوت بھی داخل ہے) جو اس کو دلیل کہا گیا ہے تو ان اخلاق کی مخصوص نوعیت کو پہچاننے میں جتنی غلطی ہو سکتی ہے وہ معجزات کے متعلق غلطی ہونے سے کہیں زیادہ ہے حتیٰ کہ اسی تحریر میں ایک مشہور ہندو کا بھی ذکر اس طور سے کیا گیا ہے کہ کتاب کا پڑھنے والا یہ ضرور سمجھے گا کہ مؤلف کے اعتقاد میں بھی کمالات روحانیہ رکھتا ہے قطع نظر اس سے کہ سیرۃ نبویہ میں ایک ایسے شخص کا ذکر جو صاحب سیرۃ صلی اللہ علیہ وسلم کی اجمال السیر یعنی نبوت ہی کی تصدیق اسلامی نہیں کرتا کس قدر امر لغو و خطب جلیل ہے جس کا اثر حدیث میں وارد ہے اذا مدح الفاسق اھتز العرش جس کا ترجمہ مولانا نے مثنوی میں اس طرح کیا ہے ؎

می بلرزد عرش از مدح شقی   بدگماں گردد ز مدحش متقی

اس سے قطع نظر ایک بڑی غلطی میں ڈالنے والا ہے وہ یہ کہ دیکھنے والا اس سے یہ سمجھے گا کہ جو اخلاق و کمالات علامات نبوت ہیں اس ہندو کے اخلاق و کمالات بھی انہی کے مشابہ ہیں پھر اس پر دو غلطیوں کا وقوع نہایت قریب ہے اس طرح سے کہ جب یہ ہندو نبی نہیں ہے اور اخلاق میں مشابہ نبی کے ہے تو کسی نبی پر غیر نبی ہونے کا یا غیر نبی پر نبی ہونے کا شبہ ہو سکتا ہے اور یہ کتنا بڑا مفسدہ ہے۔ یہ معروضات تھے جو سرسری نظر سے پیش کرنے کے قابل سمجھے گئے اگر یہ کچھ وقعت رکھتے ہوں ان کا تدارک فرما دیا جائے ورنہ میری جسارت معاف کی جائے۔ ۱۵ شعبان ۱۳۳۱ھ

پانچواں نادرہ در تحقیق بعض عبارات متعلقہ استواء علی العرش بجواب بعض اسئلہ

سُوال ۔ گذارش ہے کہ رسالہ تائید الحقیقہ بالآیات العتیقہ کے صفحہ ۹ پر جناب نے تحریر فرمایا ہے صوفیوں کا قول بہ نسبت محدثین کے صحیح ہے کہ وہ اللہ تعالیٰ کے لئے جہت علو ثابت نہیں کرتے کما صرحوا بان ھذا دلیل علی انہ ملخصص مکان اللہ بالعرش ولا بجہۃ دون جہۃ فافھم۔ حالانکہ ائمہ اربعہ مذاہب اربعہ اور جملہ محدثین جن کو جناب نے اہل ظاہر سے تعبیر فرمایا ہے سب اللہ تعالیٰ کے لئے جہت علو ثابت کرتے ہیں وجاء فی حدیث صحیح فاشارت الی السماء والجواب عن سوال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم این اللہ لم فثبت ان اللہ تعالیٰ علی العرش کما ھو مذھب امام المدینۃ مالک وا کابر المحدثین امام الائمۃ وسراج الامۃ ابی حنیفۃ وفخر المحدثین الامام البخاری وقدوۃ السالکین الشیخ عبد القادر الجیلانی والامام احمد بن حنبل والشافعی والشیخ الامام ابن تیمیۃ الحرانی وتلمیذہ الامام الحافظ ابن قیم وغیرھم من علماء اھل السنۃ والجماعۃ واھل الحدیث۔ اور یہی مسلک ہے حجۃ الہند حضرت مولانا وشیخ شیوخنا شاہ ولی اللہ مرحوم دہلوی وغیرہ کا ملاحظہ فرمائیں فقہ اکبر وشرح فقہ اکبر مصنفہ ملا علی قاری وشرح حدیث نزول مصنفہ امام ابن تیمیہ وصحیح بخاری مع فتح الباری وقسطلانی وصحیح مسلم وصحیح ترمذی وتفسیر مدارک وجامع البیان وفتح البیان وحجۃ اللہ البالغہ وکتاب الصفات امام ذہبی وتفسیر معالم وتفسیر جلالین وقصیدہ نونیہ مصنفہ حافظ ابن قیم حنبلی وغنیۃ الطالبین۔ ومشکوٰۃ شریف وابوداؤد وتفسیر ابن کثیر ودر منثور وتفسیر ابن جریر وغیرہا۔ الغرض سلف صالحین صحابہ وتابعین وائمہ مجتہدین اور جملہ محدثین کا مذہب ہے کہ اللہ تعالیٰ عرش پر ہے اور اس کے لئے جہت علو ثابت ہے اور معیت اور احاطہ اس کا علمی ہے معلوم ہوتا ہے کہ جناب والا نے اس مسئلہ پر اور اعتقادی مسئلہ کے متعلق زیادہ تحقیق نہیں فرمائی۔ اور معتزلہ اور اہل سنت کے مسئلہ کو خلط ملط کر دیا اسی واسطے شاید جناب نے تفسیر بیان القرآن میں بھی ایسے معنی لکھدیئے جس سے معتزلہ کے مذہب کی تقویت ہو اور جہمیہ کے مذہب کی تائید اور مولوی ثناء اللہ صاحب امرتسری کا توافق ہو اور اہل سنت کا خلاف ہو حالانکہ محققین صوفیاء کرام کا بھی یہی مسلک ہے جو اہل سنت والجماعت اہل حدیث کا ہے۔ سید الطائفہ حضرت جنید بغدادی کا یہ مذہب ہرگز نہیں ہے جس سے نصوص قرآنیہ واحادیث نبویہ کا خلاف لازم آئے باطنی فرقوں والوں نے اپنے باطل مذہب کی تائید میں جنید کی طرف غلط روایات منسوب کر دیں اور ان کو اپنے ساتھ شامل کرنے میں جرأت کی اور اپنا نام صوفی رکھا اور لوگوں کو اپنی طرف راغب کرنے کا طریقہ نکالا اور متکلمین جو فلسفہ میں پھنس گئے اور پھر نکل نہیں سکے جیسے امام رازی وامام غزالی رحمہما اللہ ان کی تحقیق شرعاً حجت نہیں حالانکہ بعض سے منقول ہے کہ غزالی نے اس مسئلہ میں رجوع کیا ہے

اور معتزلہ کے مسلک اور متکلمین کی روش سے توبہ کی ہے جیسا کہ کیمیائے سعادت سے مفہوم ہوتا ہے؟

الجواب: میں اس عقیدہ میں حضرات سلف کے مسلک پر ہوں کہ نصوص اپنی حقیقت پر ہیں مگر کنہ اس کی معلوم نہیں اور صوفیہ کے مذہب کو سلف کے خلاف نہیں سمجھتا وہ حقیقت کے منکر نہیں بلکہ جہت کے منکر ہیں اور جہت کی نفی نقل و عقل دونوں سے ثابت ہے۔ اما النقل فقولہ تعالیٰ لیس کمثلہ شیء واما العقل فلان الجہۃ مخلوقۃ حادثۃ واللہ تعالیٰ منزہ عن الاتصاف بالحوادث لان محل الحوادث حادث۔ اور استواء یا علو کا حکم مستلزم جہت کو نہیں گو جہت کا حکم کیا جاویگا تو استواء و علو کے کنہ کی تعیین ہو جاویگی جو کہ خود حضرات سلف کے خلاف ہے کہ وہ کنہ کے نامعلوم ہونے کی تصریح فرماتے ہیں پس حاصل یہ ہوا کہ استواء و علو میں دو حیثیت ہیں ایک مع الحکم بالجہت ایک مع عدم الحکم بالجہۃ بل مع الحکم بعدم الجہۃ اول مذہب ہے مجسمہ کا دوسرا مذہب ہے اہل سنت کا جن میں محدثین و صوفیہ سب داخل ہیں اگر کسی عبارت سے اس کے خلاف کا ایہام ہوتا ہو وہ تسامح فی التعبیر ہے جیسا تائید الحقیقۃ کی عبارت سے وہم ہو گیا ورنہ اس میں یہ نہیں لکھا گیا کہ صوفیہ کا قول بہ نسبت الحضرت لزوم کا شبہ ہو گیا جیسا کہ صد حصہ میں اس کا اقرار ہے جو کہ مسلم نہیں اور بر تقدیر تسلیم لزوم اس کو اس پر محمول کیا جائیگا کہ بعض لوگ جو نصوص سے اثبات جہت سمجھتے ہیں ان کے مقابلہ میں نفی جہت صحیح ہے ورنہ حقیقت میں مذہب محدثین کا وہ خود مذہب صوفیہ سے معارض نہیں کما علم سابقاً اگر کسی غیر محقق سے اس کے خلاف منقول ہو وہ غیر مقبول ہے۔ سورۂ اعراف کے متعلق میں اس کے قبل عرض کر چکا ہوں جو مجھ کو اس وقت ملا نہیں اگر محفوظ ہو تو اس کو بھی دیکھ لیجئے وہ بھی ان شاء اللہ تعالیٰ اس کے خلاف نہ ہوگا اگر وہ محفوظ نہ ہو بیان القرآن میں اس مقام کو ملاحظہ کر لیجئے کہ سلف کے مذہب کو اس میں ترجیح دی ہے۔ ۲۱ ربیع الاول ۱۳۳۹ھ

چھٹا نادرہ در تحقیق نسیان ذنوب علامت قبول توبہ بودن و تحقیق قول شیخ اکبر کہ علامت قبول توبہ محو ذنب ست از ذہن

حدیث: اذا تاب العبد انسی اللہ الحفظۃ ذنوبہ وانسی ذلک جوارحہ ومعالمہ من الارض حتی یلقی اللہ ولیس علیہ شاہد من اللہ بذنب۔ ابن عساکر عن انس رض

ف: مدلول الحدیث ظاہر ویمکن ان یوخذ منہ

حدیث: جب بندہ توبہ (خالص) کرتا ہے (جو مقبول ہو جاتی ہے) اللہ تعالیٰ اس کے گناہ (دونوں) محافظین اعمال کو بھی بھلا دیتا ہے اور اس کے جوارح کو بھی بھلا دیتا ہے اور زمین کے نشانات کو بھی بھلا دیتا ہے (یعنی جس جگہ وہ معصیت کی ہو تو اس مقام کو بھی بھلا دیتی) یہاں تک کہ وہ شخص اللہ تعالیٰ سے ایسی حالت میں ملتا ہے کہ اس پر گناہ کا کوئی گواہی دینے والا نہیں ہوتا

ف: مدلول حدیث کا ظاہر ہے اور اس حدیث کو اس مضمون کا

بالقیاس ما نقل عن بعض العارفین ان من علامۃ قبول التوبۃ نسیان العبد الذنب فان القلب الذی بہ یتذکر الذنب کالجوارح کما فسر ولیہ قولہ تعالیٰ ان السمع والبصر والفؤاد کل اولٰئک کان عنہ مسئولا ای کل واحد من ہذہ الاعضاء کان ہو عنہ ای عما نسب الیہ مسئولا لیشہد علی صاحبہ (تیسیر الرحمٰن) ہذا ہو السر فی الآخرۃ واما السر فی الدنیا فہو ان تذکر الذنب قد یکون حجابا طبعیا عن التوجہ الی اللہ تعالیٰ بالانشراح فینسیہ اللہ تعالیٰ ایاہ وعندی ان ہذا لیس بلازم ولا دائم فان بعضہم یغلب عقلہ علی الطبع فلا یمنعہ التذکر عن التوجہ فہذہ العلامۃ لبعض افراد القبول لا لجمیعہا

بطور قیاس کے جو بعض عارفین سے منقول ہے کہ منجملہ علامات قبول توبہ کے یہ بھی ہے کہ بندہ گناہ کو بھول جاتا ہے کیونکہ قلب جس سے گناہ یاد رہتا ہے وہ بھی مثل جوارح کے ہے جیسا مفسرین نے اس آیت کی تفسیر میں کہا ہے ان السمع والبصر الخ کہ ان سے سوال ہوگا تاکہ یہ صاحب اعضاء پر شہادت دیں تو شاہدوں میں قلب بھی داخل ہو گیا تو قلب سے بھی گناہ کو بھلا دیا جاتا ہے، اور یہ راز تو آخرت کی ہے اور دنیا میں اس کا یعنی بالخصوص قلب سے بھلا دینے کا یہ راز ہے کہ گناہ کا یاد رہنا بعض اوقات بعض سالکین کیلئے انشراح کیساتھ اللہ تعالیٰ کی طرف توجہ ہونے سے طبعی حجاب ہو جاتا ہے لہٰذا حکمت الٰہیہ کبھی بعض کی مصلحت سے طبعی حجاب کی بھی نفی فرما دیتی ہے اور احقر کے نزدیک یہ (گناہ کا بھول جانا) نہ لازم ہے نہ دائم ہے کیونکہ بعض سالکین کی عقل طبیعت پر غالب ہوتی ہے تو ایسے شخص کو یاد ہونا توجہ سے مانع نہیں ہوتا لہٰذا یہ علامت بعض افراد قبول کی ہے نہ کہ سب کی اور تو یہ ممکن ہے کہ نسیان ہو جاوے اور توبہ قبول نہ ہو بلکہ نسیان بوجہ غفلت کے ہو اور یہ بھی ممکن ہے کہ توبہ قبول ہو جاوے اور نسیان نہ ہو بلکہ اس مصلحت سے یاد رہے کہ ہمیشہ استغفار کرے مدارج قبول میں ترقی کرتا رہے۔

سوال (۱) فتوحات میں حضرت شیخ اکبر فرماتے ہیں قبول توبہ کی علامت یہ ہے کہ اس کا گناہ نقش بالکلیہ ذہن سے محو ہو جاوے کہ کبھی عمر بھر وہ یاد نہ آوے اس مسئلہ کا نام قاصمۃ الظہر رکھا ہے اور شعرانیؒ نے اپنی کتابوں میں اس طرح نقل کیا ہے گویا ان کو بھی یہ مسلم ہے۔ اور عام کتب طریقت میں جمہور لکھتے ہیں کہ سالک کو لازم ہے کہ ہمیشہ ہر وقت اپنے گناہوں کو پیش نظر رکھے کبھی نہ بھولے امام شعرانیؒ علی الخصوص اس مسئلہ پر بہت زور دیا کرتے ہیں بظاہر دونوں میں تعارض معلوم ہوتا ہے حقیقت کیا ہے اور تطبیق کیا ہے

الجواب۔ محو ہو جانے سے یہ مراد نہیں کہ یاد نہ رہے بلکہ مراد یہ ہے کہ اس کا اثر خاص یعنی قلق طبعی نہ رہے گو یاد بھی رہے اور قلق اعتقادی بھی رہے تو یہ گناہ کو یاد رکھنے کی تعلیم سے معارض نہیں ہوا اور یہ بھی کلیہ نہیں بعض طبائع کے اعتبار سے ہے جن کے لئے قلق طبعی حاجب ہو جاتا ہے۔ انشراح فی الطاعۃ سے اور اس وقت اصل عبارتیں میری نظر میں نہیں عبارت منقولہ سوال کی بناء پر لکھ دیا ورنہ ممکن ہے کہ اس سے بھی اچھی وجہ جمع کی ہو۔

۵ ربیع الاول [illegible]۔

ساتواں نادرہ رسالہ القطائف من اللطائف

اس رسالہ میں لطائف ستہ کے متعلق نہایت مفصّل نہایت لطیف اور عجیب بحثیں ہیں۔
یہ رسالہ کتاب ہذا کے صفحہ ۵۶۰ سے شروع اور صفحہ ۶۳۳ پر ختم ہوا ہے۔

آٹھواں نادرہ در معنی حدیث الرؤیا علی رجل طائر

السوال تعبیر کے باب میں ایک حدیث میں ہے الرؤیا علی رجل طائر مالم تعبر فاذا عبرت وقعت رواہ ابو داؤد ای وقعت کما عبرت کما ھو الظاہر اور دوسری حدیث میں حضرت ابوبکرؓ کی تعبیر کے متعلق آپ کا ارشاد ہے اصبت بعضا واخطأت بعضا رواہ الشیخان والترمذی ابو داؤد ای عبرت البعض کما یقع ولم تعبر البعض کما یقع کما ھو المتبادر پس دونوں متعارض ہیں وجہ تطبیق کیا ہے۔؟

الجواب اصابۃ وخطاء کی جو تفسیر کی گئی ہے اس پر کوئی دلیل نہیں یہ بھی احتمال ہے کہ اصابۃ کی تفسیر موافقت للاصول التعبیر سے اور خطاء کی تفسیر عدم موافقت للاصول التعبیر کی جائے اور اس احتمال کی نفی کی کوئی دلیل نہیں اور وقوع حال خطاء میں بھی حسب تعبیر ہی ہو جیسے رمی بالسہم میں اگر خطا بھی ہو جاوے تب بھی کما خرج من القوس ہی ہوگا جیسے مشہور ہے کہ کسی نے اپنی ایک ٹانگ مشرق میں ایک ٹانگ مغرب میں دیکھی تھی اور کسی معبر سے پوچھا تھا اور ایک غیر ماہر کی تعبیر بتا گئیں جنہوں نے یہ بھی نقل کر دی تھی اس نے کہا تھا کہ اجزاؤں ہی ہوگا ورنہ تیرا مشرق و مغرب میں تسلط ہوتا اور اگر تعبیر لیقی میں خطا کا محل اجزاء غیر مستقلہ ہوں مثلاً اسلام یا قرون کی تشبیہ۔ تو پھر اصل سے سوال ہی متوجہ نہیں ہوتا واللہ اعلم ۱۲ رجب

(نوٹ) اس جواب پر مستفتی صاحب نے حسب ذیل مدح اظاہر فرمائی صحیفہ گرامی باعث عزت ہوا اور نہایت توجہ سے اس کو حل فرمایا گیا اور حل بھی ایسا کہ خاطر نشین ہو جائے اور بیساختہ کہنا پڑے کہ ھذا ھو الحل فجزا کم اللہ تعالیٰ وعلم وابقا۔

نواں نادرہ تحقیق فاتحہ خواندن بر طعام و تبرک بودن طعام از فاتحہ

السوال حضور اقدس ملاحظہ ہو از شاہ ولی اللہ صاحب عبارت یکم۔ از کتاب انتباہ فی سلاسل اولیاء اللہ۔

پس دہ مرتبہ درود بخوانند ختم تمام کنند و بر قدرے شیرینی فاتحہ بنام خواجگان چشت عموماً بخوانند و حاجت از خدا تعالیٰ

عبارت دوم۔ ایک سوال کے جواب میں جیسا کہ مجوزین فاتحہ پیش کرتے ہیں اگر ملیدہ و شیر برنج بنا بر فاتحہ

بزرگے بقصد ایصالِ ثواب بروح ایشاں پختہ بخورانند مضائقہ نیست لیکن طعام نذر اللہ اغنیا را خوردن حلال نیست و اگر فاتحہ بنام بزرگے دادہ شد پس اغنیا ہم خوردن جائز است انتہیٰ از شاہ عبدالعزیز صاحبؒ

عبارت سوم جواب سوال نہم سوالات عشرہ محرم طعامیکہ ثوابِ آں نیاز حضرات امامین نمایند و برآں فاتحہ و قل و درود خوانند تبرک میشود خوردن آں بسیار خوب است لیکن بسبب بردن طعام پیش تعزیہ و نہادن آں طعام پیش تعزیہ باہتمام شبہ بکفار بت پرستاں می شود پس ازیں سبب کراہت پیدا می کند واللہ اعلم انتہیٰ از کتاب جامع الاوراد عبارت چہارم اگر بر طعام فاتحہ کردہ بفقرا دہند البتہ ثواب می رسد انتہیٰ جناب حضور والا سے بصد ادب یہ گذارش ہے کہ آیا ہر چہار عبارت اصلی اور انہی حضرات کی ہیں یا نہیں اگر ہو تو مندرجہ ذیل سوالوں کا جواب مع توضیح عبارت زیب قلم فرما کر عند اللہ ماجور عند الناس مشکور ہوجئے۔

(۱) عبارت اول میں الفاظ بر قدرے شیرینی فاتحہ سے اور عبارت دوم میں اگر فاتحہ بنام بزرگے دادہ شد اور عبارت سوم میں براں فاتحہ و قل و درود خوانند سے اور عبارت چہارم کل عبارت سے جواز فاتحہ بر طعام وغیرہ قبل خوردن نکلتا ہے یا نہیں لہٰذا فاتحہ مروجہ بر طعام جائز ہے یا نہیں؟

(۲) عبارت سوم میں الفاظ تبرک می شود و خوردن آں بسیار خوب است سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ کچھ طعام پر چند آیات اللہ پڑھنے سے وہ طعام تبرک بنجاتا ہے بنا بریں جو طعام بغرض ایصال ثواب پکا دیں اس پر فاتحہ و قل و درود شریف پڑھنے سے طعام میں کوئی قباحت پیدا نہیں ہوتی ہے بلکہ بقول شاہ عبدالعزیز صاحب تبرک ہوجاتا ہے پس ہر انسان اپنے طعام ایصال ثواب کو تبرک بنا کر کھانا چاہتا ہے جو شاہ صاحب کے فرمان کے مطابق بسیار خوب ہے تو فاتحہ مروجہ بقول شاہ صاحب جائز اور فعل مستحسن ہے یا نہیں؟

مذکورہ بالا اقوال سے مجوزین فاتحہ کو بڑی تقویت پہنچگئی ہے اس لئے حضور والا سے امید قوی ہے کہ نہایت توضیح ارشاد فرماویں تاکہ ہر دو گروہ کو یعنی مجوزین کو کافی تردید اور مانعین کو شافی تسکین ہاتھ آئے۔ والسلام۔ ۱۱ رجون ۱۹۳۶ء

الجواب جب دلائل صحیحہ سے ان رسوم کا خلاف سنت ہونا ثابت ہے، پھر اگر کسی ثقہ سے اس کے خلاف منقول ہوگا اس کی تاویل واجب ہے اور تاویلیں مختلف ہوسکتی ہیں ایک یہ کہ ثبوت میں کلام کیا جاوے جیسے اس کے قبل بھی بزرگوں کے کلام میں الحاق کے احتمال سے جواب دیا گیا ہے۔ دوسرے یہ کہ دلالت میں کلام کیا جاوے جیسا بعض عبارات میں اس کی گنجائش ہے۔ تیسرے بعد تسلیم ثبوت و دلالت یہ کہ یہ مقید ہے عدم مفاسد کے ساتھ اور منع مقید ہے مفاسد کیساتھ اور اب چونکہ مفاسد غالب ہیں اس لئے بلا قید منع کیا جاوے گا۔ ۱۲ر محرم ۱۳۵۵ھ۔

مسئلہ ۸۱ دربارۂ تحقیق قیام امام و ماموین حی علی الصلوٰۃ و تکبیر امام بر قد قامت الصلوٰۃ

فائدہ فقہیہ فی وقت قیام الامام والجماعۃ وحکمہ ووقت التکبیر

فی العالمگیریۃ ان کان المؤذن غیر الامام وکان القوم مع الامام فی المسجد فانہ یقوم الامام والقوم اذا قال المؤذن حی علی الفلاح عند علمائنا الثلاثۃ وھو الصحیح فاما اذا کان الامام خارج المسجد فان دخل المسجد من قبل الصفوف فکلما جاوز صفا قام ذلک الصف والیہ مال شمس الائمۃ الحلوانی والسرخسی وشیخ الاسلام خواھر زادہ وان کان الامام دخل المسجد من قدامھم یقومون کما رأوا الامام وان کان المؤذن والامام واحدا فان اقام فی المسجد فالقوم لا یقومون مالم یفرغ من الاقامۃ الخ (ج ۱ ص ۳۵) ومثلہ فی نور الایضاح من الآداب قال صاحب مراقی الفلاح الادب لفعل الرسول صلی اللہ علیہ وسلم مرۃ او مرتین ولم یواظب علیہ وقد شرع فی بیان الادب ولکمالہ تستدعی وقوفا علی مراتب الادب وفی المبسوط لانھم لو لم یقوموا بقولہ حی علی الفلاح لکانوا قد تکاسلوا عن الاجابۃ وان کبر قبل الفراغ من الاقامۃ جاز وان کبر بعدہ فھو افضل فی قول محمد وقال ابو حنیفۃ ومحمد رحمہما اللہ تعالیٰ اذا قال المؤذن حی علی الفلاح فینبغی للقوم ان یقوموا الی الصلوٰۃ فاذا قال قد قامت الصلوٰۃ کبر الامام والجماعۃ معہ (جامع المسانید للامام ج ۲ ص ۲۲۷) قال محمد وان کبر الامام حتی فرغ المؤذن ثم کبر فلا باس ایضا کذا فی الحسن وقال صاحب المضمرات بالکراہۃ یحمل علی خلاف الاولی والافضل ثبت عن الصحابۃ انھم کانوا یقومون اذا شرع المؤذن فی الاقامۃ فقد اخرج عبد الرزاق عن ابن جریج عن ابن شہاب ان الناس کانوا ساعۃ یقول المؤذن اللہ اکبر یقومون الی الصلوٰۃ فلا یأتی النبی صلی اللہ علیہ وسلم مقامہ حتی تعتدل الصفوف ذکرہ الحافظ فی الفتح (ج ۲ ص ۱۰۰) وھذا کان علی اھرفۃ القیام واما التکبیر للامام فوقتہ عند المتقدمین اذا قال المؤذن قد قامت الصلوٰۃ ولکن نقل فی الدر المختار رجحان التاخیر ونصہ وشروع الامام فی الصلوٰۃ مذ قیل قد قامت الصلوٰۃ ولو اخر حتی اتمہا لا باس بہ اجماعا وھو قول الثانی والثلاثۃ وھو اعدل المذاھب کما فی شرح المجمع لمصنفہ وفی القہستانی معزیا للخلاصۃ انہ الاصح وفی رد المحتار قولہ انہ الاصح لان فیہ محافظۃ علی فضیلۃ متابعۃ المؤذن واعانۃ لہ علی الشروع مع الامام (ج ۱ ص ۳۵۲) وعلیہ الامام فی مجمع الزوائد عن عبد اللہ بن ابی اوفی قال کان بلال اذا قال قد قامت الصلوٰۃ نہض رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم بالتکبیر رواہ البزار وفی لسانہ فکبر بدل قولہ بالتکبیر وحمل القول نہض علی معنی تہیأ للصلوٰۃ متلبسا بالتکبیر او القول فکبر علی العطف التفسیری وحملہ غیرہ علی معنی قام بعد ان کان قاعدا ولکل وجہۃ والمسئلۃ ظنیۃ۔ فقط

السؤال۔ کانپور کی بعض مساجد میں کچھ عرصے سے تکبیر کے وقت مؤذن کے علاوہ سب آدمی بیٹھے رہتے ہیں اور جس وقت مؤذن حی علی الصلوٰۃ کہتا ہے اس وقت سب لوگ کھڑے ہوتے ہیں اور شرح وقایہ کی اس عبارت کا حوالہ دیتے ہیں

(ویقوم الامام والقوم عند حی علی الصلوٰۃ ویشرع عند قد قامت الصلوٰۃ) صفحہ ۵۵ سطر ۱۲۔) اور جو شخص پہلے سے ہی کھڑا ہو جاوے اُس کو بُری نگاہ سے دیکھتے ہیں اس مسئلہ میں جناب کی کیا رائے ہے اور اس مسئلہ پر عمل کرنے والے کو بدعتی کے نام سے یاد کیا جاتا ہے اور عمل نہ کرنے والے کو وہابی کہتے ہیں۔ فقط۔

الجواب شرح وقایہ کی عبارت مبہم ہے کیونکہ اُس میں اس عمل کا درجہ بیان نہیں کیا گیا اور دوسری بعض کتابوں میں مفسّر ہے اس لئے مبہم کو مفسّر کی طرف راجع کریں گے چنانچہ درمختار میں قبیل فصل صفۃ صلوٰۃ یہ عبارت ہے ولہا آداب ترکہا لا یوجب اساءۃ ولا عتابا کترک سنۃ الزوائد لکن فعلہ افضل الی قولہ القیام لامام ومؤتم حین قیل حی علی الفلاح الی قولہ وشروع الامام فی الصلوٰۃ مذ قیل قد قامت الصلوٰۃ ولو اخر حتی اتمہا لا باس بہ اجماعا وہو قول الثانی والثلاثۃ وہو اعدل المذاہب کما فی شرح المجمع لمصنفہ وفی القہستانی معزیا للخلاصۃ انہ الاصح اھ وفی رد المحتار قولہ انہ الاصح لان فیہ محافظۃ علی فضیلۃ متابعۃ المؤذن واعانۃ لہ علی الشروع مع الامام۔

ان عبارات سے امور ذیل مستفاد ہوئے ۔ عا یہ عمل آداب میں سے ہے جس کا ترک موجب اساءت یا عتاب نہیں تو اُس کے تارک پر نکیر کرنا تجاوز عن الحدود ہے جو کہ بدعت کی فرد ہے پس اس کا عامل اگر تارک پر نکیر نہ کرے عامل بالادب ہے اور اگر نکیر کرے مبتدع ہے۔ عا منجملہ آداب کے قد قامت الصلوٰۃ کے کہنے کے وقت امام کا نماز شروع کر دینا ہے مگر باوجود اس کے ایک عارض سے تاخیر کو اعدل و اصح کہا ہے جو مستلزم ہے افضل ہونے کو اور وہ عارض شروع مع الامام پر مؤذن کی اعانت ہے ایسے ہی اس میں بھی ایک عارض ہے کہ وہ عامہ ناس کے اعتبار کی وجہ سے مثل لازم کے ہو گیا ہے گنجائش ہے کہ قبل اقامت کے قیام کو افضل کہا جاوے اور وہ عارض تسویہ ہے صفوف کا جو کہ نہایت مؤکد ہے اس لئے کہ عامہ ناس کی عدم اہتمام و قلت مبالات کی وجہ سے مشاہد ہے کہ حی علی الصلوٰۃ پر کھڑے ہونے سے امام کی تحریمہ کے وقت تک صفوف کا تسویہ نہیں ہو سکتا بلکہ اکثر دیکھا جاتا ہے کہ پہلے سے کھڑے ہو جانے پر بھی اگر تسویہ صفوف کا انتظار کیا جاوے تو اقامت اور تحریمہ امام میں فصل کی ضرورت ہوتی ہے۔ ۲۰ صفر ۱۳۳۵ھ

گیارھواں نادرہ عدم افطار صوم بہ عمل انجکشن

الاستفتاء کیا فرماتے ہیں علماء دین اس مسئلہ میں کہ آجکل جو انجکشن کے ذریعہ دوا بدن میں پہنچائی جاتی ہے یہ مفسد صوم ہے یا نہیں ادلۂ شرعیہ سے جواب عنایت فرمایا جاوے؟

عہ یہ فتویٰ صاحب فتویٰ کا نہیں مگر چونکہ صاحب فتویٰ کا مصدقہ ہے اس لئے ان کی اجازت سے امداد الفتاویٰ کا جزو بنایا گیا ہے۔

الجواب۔ ڈاکٹروں سے تحقیق کرنے سے نیز تجربہ سے یہ بات ثابت ہوئی کہ انجکشن کے ذریعہ دوا جوف عروق میں پہنچائی جاتی ہے اور خون کیساتھ شرائین یا اوردہ میں اُس کا سریان ہوتا ہے۔ جوف دماغ یا جوف بطن میں دوا نہیں پہنچتی اور فساد صوم کے لئے مفطر کا جوف دماغ یا جوف بطن میں پہنچنا ضروری ہے مطلقاً کسی عضو کے جوف میں یا عروق (شرائین و اوردہ) کے جوف میں پہنچنا مفسد صوم نہیں لہذا انجکشن کے ذریعہ سے جو دوا بدن میں پہنچائی جاتی ہے مفسد صوم نہیں۔ فقہاء کی عبارتیں دو طرح پر تقریباً بلکہ حقیقۃً اس دعوے کی تصریح کرتی ہیں۔ اوّل تو یہ کہ فقہاء نے زخم پر دوا ڈالنے کو مطلقاً مفسد نہیں فرمایا بلکہ جائفہ یا آمہ کی قید لگائی ہے کیونکہ انھیں دو قسم کے زخموں سے دوا جوف دماغ یا جوف بطن کے اندر پہنچتی ہے ورنہ جوف عروق کے اندر تو دوسری قسم کے زخموں سے بھی دوا پہنچ جاتی ہے۔ دوسرے بہت سی جزئیات فقہیہ مسلمات فقہاء سے ایسی ہیں جن میں دوا وغیرہ مطلقاً جوف بدن میں تو پہنچ گئی لیکن چونکہ جوف دماغ یا جوف بطن میں نہیں پہنچی اس لئے اسکو مفطر و مفسد صوم نہیں قرار دیا جیسے مرد کی پیشاب گاہ کے اندر دوا یا تیل وغیرہ چڑھانے سے باتفاق ائمہ ثلاثہ روزہ فاسد نہیں کما صرح بہ الشامی حیث قال وافاد انہ لو بقی فی قصبۃ الذکر لا یفسد اتفاقاً ولا شک فی ذلک شامی ص ج۲ ومثلہ فی الخلاصۃ ص ج۱ نقلا عن ابی بکر البلخیؒ اگر دوا مثانہ تک پہنچ جائے تب بھی امام اعظمؒ اور امام محمدؒ کے نزدیک مفسد صوم نہیں، امام ابو یوسفؒ جو مثانہ میں پہنچ جانے کو مفسد قرار دیتے ہیں وہ بھی اس بنا پر کہ ان کو یہ معلوم ہوا کہ مثانہ اور معدہ کے درمیان منفذ ہے جس سے دوا معدہ میں پہنچ جاتی ہے ورنہ نفس مثانہ میں پہنچنے کو وہ بھی مفسد نہیں فرماتے اسی لئے صاحب ہدایہ نے اس اختلاف کے متعلق فرمایا ہے فکانہ وقع عند ابی یوسفؒ ان بینہ وبین الجوف منفذا ولہذا یخرج منہ البول ووقع عند ابی حنیفۃؒ ان المثانۃ بینہما حائل والبول یترشح منہ وہذا لیس من باب الفقہ۔ محقق ابن ہمام اس کی شرح میں فرماتے ہیں یفید ان لا خلاف لو اتفقوا علی تشریح ہذا العضو فان قول ابی یوسفؒ بالافساد انما ہو علی بناء قیام المنفذ بین المثانۃ والجوف (الی قولہ) قال فی شرح الکنز وبعضہم جعل المثانۃ نفسہا جوفاً عند ابی یوسفؒ وحکی بعضہم الخلاف ما دام فی قصبۃ الذکر ولیس بشیء انتہی۔ الغرض اسی طرح اگر کان میں پانی ڈالے تو روزہ فاسد نہیں ہوتا کما صرح بہ فی الہدایۃ والخلاصۃ۔ حالانکہ کان بھی ایک جوف ہے، اسی طرح اگر کوئی انگور وغیرہ کو ایک تاگے میں باندھ کر نگلوائے اور پھر معدہ میں پہنچنے سے پہلے کھینچ لے روزہ فاسد نہیں ہوتا کما قال فی الخلاصۃ وعلی ہذا لو ابتلع عنباً مربوطاً بخیط ثم اخرج لا تفسد صومہ۔ خلاصہ ص ج۱ ومثلہ فی العالمگیریۃ مطبوعۃ الہند ص ولفظہ ومن ابتلع لحماً مربوطاً علی خیط ثم انتزعہ من ساعتہ لا یفسد وان ترک فسد کذا فی البدائع۔ اگر مطلق جوف بدن میں کسی شئ کا پہنچنا مفسد ہوتا تو خود پیشاب گاہ بھی ایک جوف ہے، اور مثانہ تو بدرجہ اولی جوف ہے،

کان اور حلق بھی جوف ہیں ان میں پہنچنا بالاتفاق مفسد صوم ہوتا اس سے معلوم ہوا کہ مطلقاً جوف بدن میں مفطر چیز کی کا پہنچنا مفطر صوم نہیں بلکہ خاص جوف دماغ اور جوف بطن مراد ہیں بلکہ جوف دماغ بھی اس میں اصل نہیں وہ بھی اس وجہ سے لیا گیا ہے کہ جوف دماغ میں پہنچنے کے بعد بذریعہ منفذ جوف معدہ میں پہنچ جانا عادۃ اکثریہ ہے جیسا کہ صاحب بحر کی تصریح سے معلوم ہوتا ہے۔ قال فی البحر التحقیق ان بین جوف الرأس وجوف المعدۃ منفذا اصلیا فما وصل الی جوف الرأس وصل الی جوف البطن من الشامی ص ۱۰۳ ج ۲۔ اس عبارت میں اس مقصد کی بالکل تصریح ہوگئی کہ جوف سے مراد صرف جوف بطن ہے اور جوف دماغ سے چونکہ جوف بطن میں پہنچنا لازمی ہے اس لئے اس میں پہنچنے کو بھی تبعاً لجوف المعدہ مفسد قرار دیا ہے۔ اسی طرح حقنہ وغیرہ کو تبعاً لجوف المعدہ مفسد کہا گیا ہے۔ فتاویٰ قاضیخان میں ہے، اما الحقنۃ والوجور فلانہ وصل الی الجوف ما فیہ صلاح البدن وفی القطور والسعوط لانہ وصل الی الرأس ما فیہ صلاح البدن۔ اس عبارت سے بھی یہی معلوم ہوا کہ جس جوف میں پہنچنا مفسد صوم ہے وہ جوف معدہ اور جوف دماغ ہے مطلقاً جوف مراد نہیں۔ اور خلاصۃ الفتاویٰ کی عبارت اس مضمون کیلئے بالکل نص صریح ہے وھی ھذا ما وصل الی جوف الرأس والبطن من الاذن والانف والدبر فھو مفطر بالاجماع وفیہ القضاء وھی مسائل الافطار فی الاذن والسعوط والوجور والحقنۃ وکذا من الجائفۃ والآمۃ عند ابی حنیفۃ۔ اسی طرح عالمگیری کے الفاظ بھی اس کے قریب ہیں۔ وفی دواء الجائفۃ والآمۃ اکثر المشائخ علی ان العبرۃ للوصول الی الجوف والدماغ عالمگیریہ مطبوعہ الہندیہ ص ۔ اور بدائع کی عبارت ان سب سے زیادہ اس مضمون کیلئے اصرح واوضح ہے وھو وما وصل الی الجوف او الی الدماغ من المخارق الاصلیۃ کالانف والاذن والدبر بان استعط او احتقن او اقطر فی اذنہ فوصل الی الجوف او الی الدماغ فسد صومہ اما اذا وصل الی الدماغ لانہ له منفذ الی الجوف فکان بمنزلۃ زاویۃ من زوایا الجوف الی قولہ اما اذا وصل الی الجوف او الی الدماغ من غیر المخارق الاصلیۃ بان داوی الجائفۃ والآمۃ فان داواھا بدواء یابس لا یفسد لانہ لم یصل الی الجوف ولا الی الدماغ ولو علم انہ وصل یفسد فی قول ابی حنیفۃ بدائع صنائع ھذا واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم بالصواب والیہ المتاب فی کل باب۔ کتبہ الاحقر محمد شفیع غفرلہ۔ خادم دار الافتاء دار العلوم دیوبند۔ ۷ ربیع الاول سنہ ۱۳۵۰ھ

الجواب صحیح وھو رأیی منذ برھۃ من الزمان۔ اشرف علی۔ ۱۵ ربیع الاول سنہ ۱۳۵۰ھ

بارھواں نادرہ طہارت بول وبراز حضرات انبیاء علیہم السلام

السوال۔ ایک واعظ صاحب یہاں تشریف لائے تھے انہوں نے حسب ذیل روایات بیان کیں جن کے

یہاں کثر اصحاب تعاون کرتے ہیں حضور براہ کرم برائے اطمینان اہلِ اسلام ان روایات کے متعلق تحریر فرمادیں کہ وہ صحیح ہیں یا غلط اور اگر تکلیف نہ ہو تو کسی کتاب کا حوالہ بھی تحریر فرمادیں۔

روایات ۱؎ انبیاء علیہم السلام کا بول براز پاک ہوتا ہے اور خصوصاً ہمارے رسول کریم کے فضلات بالکل پاک تھے کیونکہ آپ سراپا نور تھے۔ ۲؎ انبیاء علیہم السلام کے بول و براز کو زمین فوراً ہضم کر جاتی ہے؟

الجواب۔ خواہ مخواہ اُنھوں نے ایسی باتیں بیان کرکے مسلمانوں کو پریشان کیا جو عقائد ضروریہ میں سے ہیں نہ احکام میں سے بیان کرنے کی چیز عقائد و احکام ہیں نہ کہ ایسی روایات جن پر دوسری اقوام بھی ہنسیں۔ ایسی روایات بعض معتبر کتابوں میں آئی ہیں جن کی نہ تصدیق واجب ہے کیونکہ سند صحیح نہیں اور نہ تکذیب واجب ہے اس لئے کہ نفی ممکن ہیں اس لئے ایسے امور میں مشغول ہی نہ ہونا اچھا ہے نہ تصدیقاً نہ تکذیباً اور ایسے واعظوں کا وعظ ہی کیوں سنا جاتا ہے اور ان سے مطالبہ سند کا کیوں نہ کیا گیا اسی جلسہ میں حقیقت کھل جاتی۔ ۸ ربیع الثانی ۱۳۵۰ھ

اس کے بعد اس کے متعلق دوسرا خط آیا جو ذیل میں منقول ہے

السّوال۔ جناب ماسٹر محمد شریف خاں صاحب نے حال میں ایک استفتا خدمت عالی میں پیش کیا تھا جو ہمرشتہ عریضہ ہذا ہے جواب سے یہ ظاہر ہوتا ہے کہ روایاتِ مذکورہ ضعیف ہیں اور ان کی کوئی سند نہیں حسب اتفاق ایک صاحب کو نشر الطیب میں انھیں روایات کو دیکھنے کا اتفاق پیش آگیا اُنھوں نے نشر الطیب کے صفحات ۱۲۵ و ۱۳۰ مجھ کو دکھلائے اب وہ فتویٰ اور یہ تحریر معلوم ہوتی ہیں۔ نشر الطیب میں روایت بقول حضرت عائشہ صدیقہ بیان کی گئی ہے۔ جواب جلد عطا فرمایئے تاکہ تسکین ہو۔ ۲۲ر اگست ۱۹۳۱ء۔

الجواب۔ ضعیف بلا سند نہیں ہوتی بلکہ سند ضعیف ہوتی ہے جو عقائد میں حجت نہیں فضائل میں لکھی جاتی ہے میں نے تحریر سابق میں یہی لکھا ہے کہ سند صحیح نہیں تو دونوں تحریروں میں تضاد نہیں کیونکہ ضعیف کی نفی نہیں کی البتہ اس ضعفِ سندی سے ایسی کتابوں کو غیر معتبر بتلایا تھا کیونکہ معتبر صحیح کو کہتے ہیں ضعیف کو نہیں کہتے باقی یہ کہ پھر کتاب میں کیوں لکھا سو کتاب تو فضائل میں ہے عقائد و احکام میں نہیں اگر شاذ و نادر ایسی بھی کوئی روایت لکھی جائے کھپ جاتی ہے بخلاف وعظ کے کہ وہ عقائد و احکام کی تعلیم کے لئے ہوتا ہے اس میں ایسے مضامین نہیں کھپتے۔ دوسرے وعظ سننے والے اکثر کم فہم ہوتے ہیں اور کتاب پڑھنے والے اکثر فہیم۔ ۸ ربیع ۱ سنہ ۵۰ھ۔

اضافہ۔ بعد تحریر جواب ہذا شرح الشفا ملا علی القاری میں یہ بحث نظر سے گذری اُنھوں نے فضل نظافت جسم نبوی میں اس پر بہت مبسوط لکھا ہے خلاصہ اس کا یہ ہے کہ بعض روایات کا تو ثبوت متقدح ہے اور بعض کی دلالت

اور بعض روایت میں شاد بن کا یہ قول مذکور ہے شربتہ ولنا لا اعلم لا اشعر اور ایک روایت میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا اس کے متعلق نہی فرمانا مذکور ہے اور وہ یہ ہے۔ روی ابن عبد البر ان سالم بن ابی الحجاج حجمہ صلی اللہ علیہ وسلم ثم ازدرد ای بتلع فقال اما علمت ان الدم کلہ حرام وفی روایۃ لاتعد فان الدم کلہ حرام۔ پس مسئلہ بالکل منقح ہو گیا کہ طہارت کا دعویٰ بلا دلیل ہے۔ ۸ ربیع ۲ ۱۳۳۵ھ

تیرھواں نادرہ رسالہ البصائر فی الدوائر

اس رسالہ میں حضرات نقشبندیہ کے دوائر یعنی مراقبات خاصہ کی تفسیر و تشریح و تحقیق ہے۔

یہ رسالہ کتاب ہذا کے صفحہ ۵۹۳ سے شروع اور صفحہ ۵۹۷ پر ختم ہوا ہے۔

چودھواں نادرہ تصحیح العلم فی تقبیح الغلم

یہ رسالہ کتاب ہذا کے صفحہ ۵۹۸ سے شروع اور صفحہ ۶۰۱ پر ختم ہو گیا ہے۔

پندرھواں نادرہ رسالہ تمہید الفرش فی تحدید العرش

اس رسالہ میں مسئلہ استواء علی العرش کی بحث اور بعض اہل علم کے سوالات کے جوابات ہیں۔ یہ رسالہ کتاب ہذا کے صفحہ ۶۰۲ سے شروع اور صفحہ ۶۰۴ پر ختم ہوا ہے۔

سولھواں نادرہ شجرۃ المراد

ملفوظ منضبط کردہ مولوی اسحٰق صاحب کانپوری در ۱۳۱۳ھ تقریباً نافع اور جامع سمجھ کر نقل کیا گیا۔ روزے حضرت اقدس مولانا ی مولوی اشرف علی صاحب بعض احباب خاص را بر دو لنگر مخصوص کرده خلاصہ راہ سلوک مع تعریفات بیان فرمودند خاکسار حاضر بود در اثنائے بیان تقریر جناب ممدوح را برائے اختصار بصورت ذیل نگاشت۔ آخر بعض عزیزوں نے حسب منشاء ملفوظ اور تھوڑی سی زیادہ تسہیل کر دی۔

امور مبحوث عنہا فی التصوف

مقصود
- عمل بوجہ الطریقہ
  - جلب اخلاق حمیدہ و سلب اخلاق رذیلہ
    - مثل شکر و صبر و اخلاص و دوام ذکر و اتباع شریعت
    - مثل کبر و حسد و حب دنیا و غیرہ
- ثمرہ و المعینہ
  - من الخلق
    - حضور و مجبوبیت
  - من الحق
    - رضا و قرب اخلاص
- ذرائع
  - مقدرہ
    - مجاہدہ
      - قلت طعام، قلت کلام، قلت منام، قلت اختلاط مع الانام
  - فاتلہ

غیر مقصود
- توابع
  - مفیدہ بلا خطر
    - ذکر، شغل، مراقبہ
  - مفیدہ مع الخطر
    - تصور شیخ، عشق مجازی، سماع
- موانع
  - کثیر محل الضرر
    - دعوۃ الوجود مع الصحو، فنا، بقا، اجابت دعا، فراست صادقہ، رویا صالحہ، وجد
    - تصرف، کشف کونی، کشف الٰہی، دعوۃ الوجود مع السکر
  - قلیل الضرر
    - حسن پرستی، تخیل، قبض، مخالفت سنت

انتہت شجرۃ المواد

سترھواں نادرہ رسالہ عبور البراری فی سرور الذاری

اس رسالہ میں اولادِ مشرکین کے دخولِ جنت و نار کی تحقیق ہے۔ یہ رسالہ کتاب ہذا کے صفحہ ۶۲۳ سے شروع اور صفحہ ۶۴۰ پر ختم ہوا ہے

اٹھارہواں نادرہ در رسالہ ظہور العدم بنور القدم

اس رسالہ میں مسئلہ وحدۃ الوجود اور وحدۃ الشہود کی نہایت عجیب اور مفصل تحقیق ہے۔ یہ رسالہ کتاب ہذا کے صفحہ ۶۴۱ سے شروع اور صفحہ ۶۵۵ پر ختم ہوا ہے۔

انیسواں نادرہ در رسالہ احکام الایتلاف فی احکام الاختلاف

اس رسالہ میں اتفاق و اختلاف کی حقیقت اور اقسام اور ان کی تحقیقات ہیں یہ رسالہ کتاب ہذا کے صفحہ ۶۵۶ سے شروع اور صفحہ ۶۸۷ پر ختم ہوا ہے

بیسواں نادرہ رد التوحد فی الطلاق ذات التعدد

اس رسالہ میں اس کی تحقیق ہے کہ تین طلاق تین ہی واقع ہوتی ہیں غیر مقلدوں کا قول صحیح نہیں۔ یہ رسالہ کتاب ہذا کے صفحہ ۶۸۸ سے شروع اور صفحہ ۶۹۲ پر ختم ہوا ہے۔

اکیسواں نادرہ افکار دینی ضمیمہ اخبار بینی

اس رسالہ میں اخبار جاری کرنے کے شرعی اصول ہیں یہ رسالہ کتاب ہذا کے صفحہ ۶۹۳ سے شروع اور صفحہ ۶۹۷ پر ختم ہوا ہے

بائیسواں نادرہ در بیان فرق قیاس فقہی و اعتبار صوفیہ و فال مشروع و فال غیر مشروع

حاصل مقام و خلاصہ مرام یہ ہے کہ اس تفسیر مبحوث عنہ کے تین درجے ہیں ایک یہ کہ حدود شرعیہ کے اندر نہ ہو یعنی اس سے قرآن کی تغییر لازم آجاوے جیسا بعض اقوال منقولہ فصل سوم کی حالت ہے، جو تنبیہات کے ملاحظہ سے واضح ہو سکتی ہے یہ تو غلو کے درجہ میں ہے ایک یہ کہ حدود کے اندر ہو یعنی اس سے تغییر قرآن کی لازم نہ آئے صرف غیر مدلول قرآنی کو مدلول قرآنی پر کسی مناسبت و مشابہت سے قیاس کر لیا جاوے اور اس کی دو قسمیں ہیں ایک یہ کہ وہ غیر مدلول قرآنی حکم دینی ہو جیسا بعض اقوال میں ہے۔ دوسری یہ کہ وہ غیر مدلول قرآنی حکم دنیوی ہو جیسا اکثر اقوال میں ہے اور ان دونوں قسموں میں یہ امر تو مشترک ہے کہ یہ قیاس حجت شرعیہ نہیں اسی لئے اس قیاس سے اس حکم کو اس نص کی طرف منسوب کرنا جائز نہیں حجت شرعیہ صرف قیاس فقہی ہے جس کا حاصل بضرورت عمل اشتراک علت سے تعدیہ حکم کا ہے مقیس علیہ سے مقیس کی طرف اور چونکہ اصل حکم منصوص میں بھی مؤثر وہی علت ہے اور وہ مقیس میں بھی پائی جاتی ہے اس لئے اس حکم کو بھی نص کی طرف مستند کیا جاتا ہے بخلاف اس قیاس کے کہ یہاں مقیس میں حکم دوسری مستقل دلیل سے ثابت ہے یہاں قیاس سے محض توضیح و تائید مقصود ہوتی ہے پس یہ حقیقی قیاس نہیں محض صورت قیاس کی ہے اسی کو اصطلاح

قیاس کے احکام ثابت نہیں پس یہ امر تو دونوں قسموں میں مشترک ہے پھر آگے ان میں ایک تفصیل ہے جس سے دونوں کا درجہ جدا جدا ہو جاتا ہے وہ یہ کہ اگر وہ غیر مدلول قرآنی مقصود دینی ہے تو اس قیاس کا درجہ علم اعتبار ہے اور وہ معمول اُمت کا رہا ہے بشرطیکہ اسکی درجہ تفسیر تک نہ پہنچایا جاوے اور اگر وہ غیر مدلول قرآنی مقصود دنیوی ہے تو اس قیاس کا درجہ فال متعارف یا شاعری سے زیادہ نہیں گو مضمون فی نفسہ صحیح ہی ہو یا اتفاق سے صحیح ہو جاوے چنانچہ شعراء بھی اپنے خیالی دعاوی میں ایسے ہی قیاسات سے استدلال کیا کرتے ہیں اور کبھی وہ دعاوی فی نفسہ صحیح بھی ہوتے ہیں ایک ہندی کا شاعر کہتا ہے

سُرخ رو ہو گیا پیش حکما بطلیموس جب وہ خورشید ہوا گرد بنارس دوار

اس شاعر کا ممدوح ایک ہندو ہے جو بنارس گیا تھا شاعر نے ممدوح کو آفتاب سے تشبیہ دی ہے اور بتخانہ بنارس کو زمین ٹھہرا کر اُس کے گرد طواف کرنے سے بطلیموس کے مذہب کی صحت پر استدلال کیا کہ آفتاب زمین کے گرد گھومتا ہے ایک فارسی شاعر کہتا ہے ؎ فدا گنگ و جمن بر ہر دو چشم اشکبار من + نمی آئی چرا از بہر اشنان در کنار من

اس میں اپنی دونوں آنکھوں کو گنگ و جمن سے تشبیہ دی اور اس سے محبوب کیلئے غسل کیواسطے اپنے پاس آنے کی ضرورت پر استدلال کیا ایک عربی کا شاعر کہتا ہے ؎ ازالک خلنت السالف جسمی فعفتہ + علیک بدی من لعلہ الترائب

اس میں اپنے جسم کو بوجہ محبوب نخیہ الصعد کے مشابہ قرار دیکر سینہ سے جدا رکھنے کی تجویز پر استدلال کرتا ہے تو کیا ان استدلالات کو علوم کمالیہ میں بلکہ علوم آلیہ میں بھی کوئی شمار کرتا ہے یا ان کو قابل تسلیم سمجھتا ہے اسی طرح اہل فال کبھی قرآن سے اپنے خاص احکام خبریہ یا انشائیہ پر استدلال کیا کرتے ہیں تو کیا وہ علوم قرآنیہ میں داخل ہو جاتے ہیں مثلاً اگر کسی شخص مسمی زید کا اپنی بی بی سے کچھ جھگڑا ہو اور اسکو یا تو یہ تردد ہو کہ اس معاملہ کا انجام کیا ہو گا یا یہ تردد ہو کہ مجھ کو اس میں کیا کرنا چاہیے اور وہ قرآن سے تفاؤل کرے اور اتفاق سے اس میں سورۂ احزاب کی آیات جو زید بن حارثہ کے باب میں نازل ہوئی ہیں نکل آویں اور اس سے اپنے انجام پر استدلال کرے کہ مفارقت ہو گی یا اس مشورہ پر استدلال کرے کہ اس سے مفارقت کر لینا مناسب ہے اور واقع میں بھی ایسا ہی ہو تو کیا یہ استدلال صحیح ہے اور کیا قرآن سے اس خبر یا انشاء کی صحت کا اعتقاد جائز ہو گا اسی واسطے محققین علماء نے ایسے تفاؤل کو حرام کہا ہے (کما فی الفتاوی الحدیثیہ لابن حجر المکی)[۱۴۳]

اور جس تفاؤل کی اجازت ہے اس کی حقیقت صرف تقویت رجا کی ہے جا ضعیف پر جو کہ بدون ایسی بنا کے بھی مامور بہ ہے نہ کہ استدلال اور اس وجہ میں تفاؤل من المصحف بھی جائز ہو گا اگر کوئی شبہ کرے کہ شاید یہی فتوی حرمت کا یہ ہو کہ اس میں علم غیب کا دعوی ہے نہ یہ کہ ایسا استنباط ناجائز ہے جواب یہ ہے کہ علم غیب کا دعوی بھی تو جب ہی ہے جب یہ استنباط ناجائز ہے کیونکہ اگر یہ استنباط جائز ہو تو پھر یہ علم بواسطۂ دلیل ہوتا علم غیب نہ ہوتا کیونکہ اُس کی حقیقت علم بلا واسطہ

تو اس استنباط کا ناجائز ہونا ہر حال میں لازم ہے اور ظاہر ہے کہ اہل تفاول صریحاً ایسے احکام کو مدلول قرآنی نہیں کہتے مگر پھر بھی ایہام لزوم سے حرمت کا حکم کیا جاتا ہے اور ان تفاسیر مخترعہ میں تو ان کے مدلول قرآنی ہونے کا صریح التزام کیا جاتا ہے چنانچہ تنبیہ بست و یکم میں یہ تصریح منقول ہے تا ایں مقام ملک داری ختم شد۔ پس جو وجہ اس شاعری یا اس تفاول کا ہے یہی وجہ اس قیاس متکلم فیہ کا ہے بلکہ ایک علم جو بوجہ انتساب الی الصلحاء اس سے بھی اشرف ہے یعنی تعبیر رؤیا اس کا مدار بھی ایسی ہی مناسبات پر ہے اسکو بھی نہ کوئی قابل تحصیل سمجھتا ہے اور نہ کسی درجہ میں اس کو حجت سمجھتا ہے بلکہ جو علم اس علم تعبیر سے بھی اشرف ہے یعنی علم اعتبار اور اشرف ہونے کی وجہ یہ ہے کہ تعبیر سے تو فقط احکام تکوینیہ پر استدلال کیا جاتا ہے اور علم اعتبار سے خالص احکام شرعیہ پر استدلال کیا جاتا ہے سو اس حساب علم اعتبار ان قیاسات مجوزہ عنہا سے دو درجے اشرف ہوا تو وہ علم اعتبار بھی قابل تحصیل نہیں بلکہ بلا تحصیل ہی جس کے ذہن کو ان مناسبات سے مناسبت ہوگی وہ ایسے استدلالات پر قادر ہوگا گو علم و فضل میں کوئی معتد بہ درجہ نہ رکھتا ہو۔

چنانچہ یہ احقر جس کو علم و فضل کی ہوا بھی نہیں لگی بعض امور میں ایسی مناسبات تک پہنچ گیا جو علماء سے بھی منقول نہیں۔ چنانچہ میرا رسالہ مسائل السلوک اس کا شاہد ہے بطور نمونہ کے ایک ایسا ہی مقام نقل کرتا ہوں قصۂ ذبح بقرہ بنی اسرائیل سے نفس کشی کے مسئلہ پر تو بکثرت استدلال منقول ہے اور بقرہ و نفس میں وجوہ مناسبت بھی سب نے نقل کی ہیں لیکن صفت صفراء میں بقرہ و نفس کا اشتراک کسی کے کلام میں میری نظر سے نہیں گذرا اگرچہ اس سے بعنوان فی التعرض کیا۔ قوله تعالى انها بقرة صفراء۔ قال العبد الضعيف مثل لصوفية النفس بذبح البقرة ويزيد في التناسب بينهما كون البقرة صفراء وكذلك يكون نور النفس فيما يكشف به سو ایسے کم درجہ کے مقصود کیلئے جو نہ کمالات میں سے ہے نہ آلات میں سے اہتمام و افتخار کرنا یا اس کو علم سمجھنا بجز اختلال عقل بلکہ اختلال حواس کے کیا سمجھا جائے۔

تیئیسواں نادرہ رسالہ الیم فی الستم (بالفتح)

رسالہ الیم فی الستم در طریق سلوک۔ یہ ایک خط کا جواب ہے جس میں ایسا وظیفہ پوچھا گیا تھا جس سے طاعات میں ترقی اور معاصی سے اجتناب میسر ہو اسکا جواب حسب ذیل دیا گیا طاعت اور معصیت دونوں امر اختیاری ہیں جن میں وظیفہ کو کچھ دخل نہیں۔ رہا طریقہ سو طریقہ امور اختیاریہ کا بجز استعمال اختیار کے اور کچھ بھی نہیں۔ ہاں سہولت اختیار کیلئے ضرورت ہے مجاہدہ کی جس کی حقیقت ہے مخالفت یعنی مقاومت نفس اسکو ہمیشہ عمل میں لانے سے بتدریج سہولت حاصل ہو جاتی ہے میں نے تمام فن لکھدیا۔ (نوٹ) اگر شیخ کے دو کام رہجاتے ہیں ایک بعض امراض نفسانیہ کی تشخیص دوسرے بعض طرق مجاہدہ کی تجویز جو کہ ان امراض کا علاج ہے

چوبیسواں نادرہ الطمع فی السم (بالکسر)

رسالہ الطمع فی السم در ماہیت سماع (جو ایک صاحب کو بطور خط لکھا گیا تھا) غیر اختیاری کے درپے نہ ہونا اختیاری میں ہمت کرنا اس میں جو کوتاہی ہو جاوے اُس پر استغفار اور اُس کا تدارک اور توفیق کی دعا کرنا یہی اصلاح ہے۔ فقط

پچیسواں نادرہ توجیہ قول منصور و توجیہ فتوی بقتل منصور

از انفاس العارفین تذکرہ شیخ عبدالقدوس گنگوہی رحمۃ اللہ علیہ۔ (واقعہ ١٥) حضرت ایشاں قدس اللہ سرہٗ از والد ماجد خود روایت کردند فرمودند کہ چوں شیخ ما عبدالقدوس قدس سرہٗ از وطن خود بدہلی آمدے و خبر باکابر آنجا رسیدے بدیدن او مشرف شدندے کہ از آنک قوالان و مطربان نیز او را استقبال نمودندے و شیخ کثیر السماع بود و سماعش در غایت شورش وسکر بود و ضمن سماع سخنان مستانہ از وے سر میزد وقتے در دہلی در محفل عظیم کہ علماء نیز حاضر بودند، تواجد بخاست و میگفت گفت منصور را نادان کشتند چوں ایں کلمہ بکرات در رقص بر زبان راند یکے از فحول علماء حاضر بے آرام شدہ نام یکے از اعاظم علمائے آں وقت را بردہ گفت چوں آں جماعت را نادان تواں گفت کہ چنیں او ستد میان ایشاں بود شیخ ہمچناں بشورش گفت من ہماں را میگویم من ہمانرا گویم باز آں عالم گفت شیخا چوں شما ایشانرا نادان تواں گفت کہ چوں بآں عالم خبر رسید کہ از قطرات خون منصور نقش انا الحق ظاہر شد آں بزرگ دوات خود را بر زمین زد و گفت اگر حق است ایں چہ نیست سیاہی کہ از دوات او ریخت نقش اللہ ظاہر گشت شیخ باز گرم تر از پیشتر بجوشیدہ گفت کہ زہے نادان کہ سریان حق در جمادی ظاہر شد و در آں نہ اشکال۔ کیا منصور کا یہ دعویٰ شریعت کے خلاف تھا جو اُن کے قاتلوں کو نادان بتلایا۔ حل۔ اگر منصور یہ قول اختیار سے کہتا اور معنی متبادر ہی مراد لیتے تو بیشک شریعت کے خلاف تھا جب تو یہی دونوں مقدمات یقینی نہیں اور اگر اضطراراً اس کا صدور ہوا جیسے نائم سے کوئی کلام صادر ہو تو اس حالت

لہ حضرت قدس سرہ نے اپنے والد ماجد سے روایت کی ہے کہ انہوں نے فرمایا کہ ہمارے شیخ عبدالقدوس قدس اللہ سرہ اپنے وطن سے دہلی تشریف لاتے ہوتے وہاں کے اکابر کو خبر پہنچتی تو ان کی فرودگاہ پر حاضر ہوتے تھے قوال اور میراثی بھی اُن کا استقبال کرتے تھے شیخ کثیر السماع تھے ان کا سماع انتہائی شورش اور سکر میں تھا اور سارے سماع میں پُرجوش کلمات اُن کی زبان سے صادر ہوتے تھے ایک دفعہ دہلی کے اندر ایک بڑی محفل میں کہ علماء بھی اس میں موجود تھے وجد میں کھڑے ہو گئے درمیان میں فرمایا کہ منصور کو نادانوں نے قتل کیا جب یہ کلمہ کئی بار رقص کی حالت میں زبان سے نکالا تو اکابر علماء سے جو حاضر تھے ایک عالم نے بے چین ہو کر اس زمانہ کے بڑے علماء میں سے ایک عالم کا نام لیکر کہا کہ اس جماعت کو (جس نے منصور کو قتل کیا تھا) نادان کیسے کہا جا سکتا ہے جبکہ ان میں یہ بزرگ تھے شیخ نے اسی طرح شورش اور جوش کے ساتھ کہا کہ ہاں میں انہیں کو کہتا ہوں انہیں کو کہتا ہوں۔ پس عالم نے پھر کہا کہ اے شیخ آپ ایسے عالم کو کس طرح نادان کہہ سکتے ہیں کہ جب ان کے پاس یہ خبر پہنچی کہ منصور کے قطرات خون سے انا الحق کا نقش پیدا ہوا تو انہوں نے اپنی دوات زمین پر پٹکدی اور کہا اگر حق ہے تو کیا ہے سیاہی جو ان کی دوات سے گری اس سے اللہ کا نقش پیدا ہوا شیخ نے پہلے سے زیادہ جوش میں آکر فرمایا کہ عجب نادان ہیں جب حق تعالیٰ کا اثر ایک غیر جاندار میں تو ظاہر ہو اور اُس میں (یعنی منصور میں) نہ ہو ١٢ مترجم۔

میں متکلم مرفوع القلم ہے اب یہ بات رہی کہ اُن کی حالت اضطرار کی تھی یا نہیں یہ امر اجتہادی ہے جس کا اصل معیار تو یہ تھا کہ جو حضرات ایسے احوال کے بصیر اور عارف ہیں اُن سے رائے لی جاتی جیسے کوئی ایسا شخص جس کا جنون عام طور پر مشتبہ ہو مگر اطباء حاذق علامات سے جنون تشخیص کریں اگر اپنی بی بی کو طلاق دے تو اہلِ فتویٰ کے ذمہ واجب ہے کہ اطباء کے قول کو حجت سمجھ کر طلاق کا فتویٰ نہ دیا جاوے یہ وجوب اُسی وقت ہے جب قرینہ سے اس جنون کا احتمال بھی ہو اور اگر احتمال بھی نہ ہو تو وہ طلاق کے فتوے میں معذور ہوں گے۔ پھر اگر اطباء یہ فتویٰ سنکر مفتی کو نادان یعنی فن تشخیص سے ناواقف کہیں مگر عاصی نہ کہیں تو اُن پر بھی کوئی ملامت نہیں پس شیخ نے اپنی بصیرت سے منصور کے اس عذر کو سمجھا اور اہلِ فتویٰ کو اس عذر کا احتمال بھی نہ ہوا ورنہ اہلِ فتویٰ عاصی ہیں نہ شیخ پر اُن کو نادان یعنی حقیقت سے ناواقف کہنے میں کوئی اعتراض ہو سکتا ہے کیونکہ وہاں کو عاصی نہیں کہتے۔ رہا یہ کہ شیخ کو غصہ کیوں آیا جواب یہ ہے کہ صورۃً غصہ ہے اور حقیقت میں رنج ہے جیسے مثال بالا میں طبیب اس پر رنج کرے کہ افسوس غریب کا گھر ویران ہو گیا اور بعید بھی ہو سکتا ہے کہ ابتداء تو رنج سے ہوئی ہو مگر معترض نے جب اصول گفتگو شروع کی اُس وقت شیخ کو غصہ آ گیا ہو مگر وہ غصہ معترض پر ہے اہلِ فتویٰ پر نہیں۔ اب شبہات رہ گئی کہ وہ عذر کیا تھا سو شیخ نے اُس عذر کی طرف اپنے اس قول میں خود اشارہ فرما دیا ہے۔ نہ بہ نادان کہ سریان حق در جانے (یعنی سیماہی) اظاہر شود و در آں (یعنی منصور) نہ (ظاہر شود) اہ سریان سے مراد تصرف کا سریان ہے جیسے شجرِ طور بلا اختیار کلمہ انی انا اللہ کا مظہر تصرفِ حق سے ہو گیا اسی طرح منصور بھی بلا اختیار کلمہ انا الحق کا مظہر تصرفِ حق سے ہو گیا اور اگر یہ جواب سمجھ میں نہ آوے تو دوسرا احتمال یہ جواب ہو سکتا ہے کہ حق سے معنی متبادر مراد نہ تھے بلکہ وہی معنی تھے جو اس آیت میں ہیں والوزن یومئذ الحق[1] یعنی الواقع الثابت اور اس میں اُن سوفسطائیہ کا رد ہو گا جو حقائق اشیاء کو غیر ثابت کہتے ہیں چونکہ وحدۃ الوجود کے پردہ میں بعض صوفیہ بھی حقائق کو غیر واقعی کہتے ہیں۔ پس منصور نے وحدۃ الوجود کی نفی کر دی اور جوشِ حق میں اُس کی تغییر کی جس طرح حضرت احمد بن حنبل نے جان دیدی اور غیرتِ حق کے سبب اپنے قول کی تاویل نہیں فرمائی کہ میری مرادِ کلام سے درجۂ قدیمہ ہے جو اس کا قائل ہو گا وہ اس کو مخلوق نہیں کہہ سکتا درجۂ حادثہ مراد نہیں جیسے معتزلہ اس طرح سے قائل ہیں کہ درجۂ قدیمہ کی نفی کرتے ہیں پس منصور پر خودکشی کا الزام بھی نہ ہو گا۔

چھتیسواں[2] نادرہ در تحقیق مشرب قلندران در ترک فرائض از لطائف قدوسی

مؤلفہ مولانا رکن الدین ولد حضرت شیخ عبد القدوس۔ لطیفہ ۲۹ واقعہ (۵۷) ایں فقیر حضرت قطب عالم سید شیخ ...

[1] اور وزن (اعمال) کا اُس روز حق ہے یعنی واقعی وجود ہے ۱۲ [2] اس فقیر نے حضرت قطب عالم سے دریافت کیا کہ شیخ الشیوخ نعوذ باللہ ... (بقیہ بر صفحہ آئندہ)

دعوارف المعارف ذکر طائفہ ملامتیہ و قلندریہ کردہ است ما در حق ایشان چہ اعتقاد کنیم فرمودند چنانچہ حضرت شیخ الشیوخ فرمودہ اند
اعتقاد حقیقت ایشان باید کرد بعد از آن حضرت قطبی فرمودند کہ حضرت شیخ رعایت شرع کردہ اند کہ حفظ فرائض قلندریہ
فرمودہ اند و مغز سخن پنہان داشتہ اند و ما قلندریہ دیدہ ایم و شنیدہ ایم کہ در ترک فرائض باک نداشتند چنانچہ
حضرت شیخ شرف الدین بو علی قلندر پانی پتی و خواجہ کرک کریئی قلندر و امثال ایشان ما خود دیدہ ایم کہ شیخ حسین سہرپوری
ثم جونپوری قلندر مطلقاً ترک فرائض داشتند با وجود آنکہ از علماء فحول بودند و حضرت قطبی فرمودند کہ شیخ
محمد فخر الدین جونپوری را گفتیم کہ شیخ حسین نماز نمی گزارد شیخ محمد فخر الدین فرمودند کہ ما گوییم کہ حسین نماز نمی گزارد
شیخ حسین یک ترکستانی در راہ خدا تعالیٰ است لیکن ایشان را قلندریہ دارند ما را راہ تصوف۔ اشکال بظاہر
ہے حل اسی عبارت مذکورہ کے بعد میں ہے ہر چہ از من ترک فرائض از قلندریہ من حیث الظاہر باشد از آن ہست کہ حق
سبحانہ و تعالیٰ ایشان را مرتبہ روحی عطا فرمودہ است و قدرت دادہ است بتجسد ارواح در یک حال و در یک وقت
خود را چند جائے بنمایند پس اگر چہ در وقتے در مقامے ترک فرائض از ایشان دیدہ می شود تواند بود کہ ہم در آن وقت در مقام

(دیکھو حاشیہ صفحہ گذشتہ) میں ملامتیہ و قلندریہ کا ذکر کیا ہے ہم لوگ ان کے متعلق کیا اعتقاد رکھیں فرمایا جیسا کہ
شیخ الشیوخ نے فرمایا ہے ان لوگوں کو حقانی ہونے کا اعتقاد رکھنا چاہئے اس کے بعد حضرت قطب العالم نے فرمایا کہ حضرت شیخ نے شرع کی رعایت فرمائی ہے
کہ قلندریہ کی بابت فرائض کی پابندی کو ذکر فرمایا ہے اور حقیقت امر کو مخفی رکھا اور ہم نے قلندریہ کو دیکھا ہے اور سنا ہے کہ وہ ترک فرائض میں ذرا
باک نہیں رکھتے جیسے کہ حضرت شیخ شرف الدین بو علی قلندر پانی پتی و خواجہ کرک کری قلندر وغیرہ اور خود ہم نے دیکھا ہے کہ شیخ حسین سہرپوری ثم
جونپوری قلندر بالکل فرائض کے تارک تھے باوجودیکہ بڑے زبردست عالم تھے اور حضرت قطب العالم نے فرمایا کہ شیخ محمد فخر الدین جونپوری سے ہم نے کہا کہ
شیخ حسین نماز نہیں پڑھتے شیخ مذکور نے فرمایا کہ ہم نہیں کہہ سکتے کہ حسین نماز نہیں پڑھتے ہیں شیخ حسین تو خدا تعالیٰ کے ایک ترکستانی ہیں لیکن ان کا
طریق قلندریہ ہے اور ہمارا طریق تصوف (یعنی ظاہر بھی آداب شریعت سے آراستہ کرنا) ۱۲ مترجم (حاشیہ صفحہ ہذا) لہ جز من
قلندریہ کا بظاہر فرض ترک کرنا پایا تو اس وجہ سے ہے کہ حق سبحانہ و تعالیٰ نے ان کو مرتبہ روحی عطا فرمایا ہے اور قدرت دی ہے کہ بسبب تجسد ارواح کے ایک حالت میں اور
ایک وقت میں چند جگہ ظاہر ہوں پس اگر کبھی کسی مقام میں ترک فرض ان سے معلوم ہو تو ممکن ہے کہ اسی وقت میں دوسرے مقام میں (دوسرے جسد سے)
فرض ادا کر لیتے ہوں اور یا اس وجہ سے ہے کہ ان کی عقل میں جو کہ مدار ہے مکلف ہونے کا کچھ خلل پیدا ہو جاتا ہو اور معتوہ ہو جاتے ہوں اور معتوہ
شرعاً مکلف ہوتا نہیں جیسے مجنون مکلف نہیں ہوتا پس ان کو بھی شرعی رخصت غیر مکلف ہونے کی مل جاتی ہو گو بظاہر بعض امور ہوشیاری اور عقل کے
ان سے ظاہر ہوتے ہوں (مگر چونکہ عقل ان کے اندر اس قدر نہیں کہ جس کی وجہ سے مکلف ہوں اس وجہ سے غیر مکلف ہوتے ہیں) پس جب
قلندریہ کی ترک فرائض کی وجہ یہ ہے تو اس مسئلہ اعتقادی پر کچھ اشکال نہیں کہ بندہ کو محبت اور قرب الٰہی کا ایسا درجہ حاصل نہیں ہو سکتا جس سے
احکام شریعہ اس کو معاف ہو جائیں خواہ فرائض ہوں خواہ واجبات و سنن ہوں اور جو ایسا دعویٰ کرے وہ آدمی کا دعویٰ زندقہ و الحاد ہو کیونکہ
مخلوق میں سب سے افضل انبیاء و رسل علیہم السلام ہیں لیکن کسی قسم کا دعویٰ ان سے منقول نہیں اللہ تعالیٰ نے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا مقولہ نقل فرمایا ہے اور آیت معقد
کی جس کا مطلب نماز اور زکوٰۃ کی جب تک زندہ رہوں یہی جبکہ ان حضرات علیہم السلام کو معاف نہیں ہوئے تو کسی غیر نبی کو بطریق اولیٰ معاف نہ ہوں گے اور
جو بعض نے کہا ہے کہ بعض اولیاء سے تکلیف رفع ہو جاتی ہے تو مراد اس کو تکلیف بمعنی کلفت و مشقت کا رفع ہو جانا ہے نہ کہ تکلیفات شرعیہ یعنی احکام شریعہ کا معاف
ہو جانا یعنی عبادت الٰہی میں کلفت و مشقت ان کو نہیں ہوتی اور بسبب کمال محبت الٰہی ذوق و شوق کے ساتھ عبادت کرتے ہیں واللہ اعلم بالصواب ۱۲ مترجم

دیگر بجا آوردہ باشد و یا از آن است کہ در عقل شان کہ مناط تکلیف است خللے پدید آمدہ است معتوہ شدہ اند و بر معتوہ تکلیفات شرعیہ نیست چنانچہ بر مجنون پس ایشاں ہم بر رخصت شرع غیر مکلف شدہ اند اگرچہ من حیث الظاہر در بعضے امور ہشیاری در ایشاں دیدہ می شود چوں عقل مناط تکلیف ندارند غیر مکلّف اند فلا یشکل ما قیل فی مسئلۃ الاعتقادیۃ من قولہ لا یبلغ العبد فی المحبۃ والقربۃ من اللہ تعالیٰ درجۃ تسقط عنہ ہذہ الوظائف ای وظائف الشریعۃ من الفرائض والواجبات والسنن ما دام حیا فی الدنیا ومن یدعی ذلک فہو زندیق والحاد ذاز افضل خلیفۃ اللہ تعالیٰ فی الدنیا الانبیاء والرسل لم ینقل عنہم مثل ہذا۔ قال اللہ تعالیٰ عن عیسیٰ علیہ السلام واوصانی بالصلوٰۃ والزکوٰۃ ما دمت حیا فاذا لم تسقط عنہم فمن دونہم اولیٰ کذا فی عقیدۃ الجناح۔ وآنکہ بعضے گفتہ اند کہ رفع تکلیف بعضے اولیاء امی شود مراد از رفع تکالیف در حق اولیاء اللہ رفع کلفت است نہ رفع اصل تکلیفات شرعیہ یعنی در عبادات حق کلفت و رنج ندارند بہ راحت قلبی و قالبی و بشوق ذوق در عبادات باشند واللہ اعلم بالصواب

ف۔ پہلی توجیہ میں جو فرمایا ہے ہمدراں وقت در مقام دیگر بجا آوردہ باشد۔ اس میں ایک شرط ہے وہ یہ ہے کہ جس جسد نے فرائض ادا کئے ہیں وہ اگر عنصری ہے تو فرائض ادا ہوں گے اور اگر وہ مثالی ہے تو فرائض ادا نہ ہوں گے۔ پس اگر وہ قلندر عالم ہے تو اس کی رعایت کریگا لیکن ناظرین کو دفع اعتراض کے لئے اس کا احتمال بھی کافی ہے البتہ مبصر کو جو ان دونوں جسدوں کی معرفت رکھتا ہو اس کے خلاف ہونے پر اعتراض کا حق ہے۔

ستائیسواں نادرہ در تحقیق اعراس زیارت روضہ مقدسہ نبویہ

واقعہ ۲۷۔ از انوار العارفین تذکرہ خواجہ علو ممشاد دینوری منشائے چشتیاں

از شیخ عماد الدین[۱] سہروردی نقل است کہ اہل سماع بود و سماع اکثر شنیدے و اعراس پیران خود می کرد و در روز عرس سماع می شنید بخدمت وے پرسیدند سماع شنیدن و باز مخصوص در روز عرس از کجا آمدہ است گفت پیغمبر ما مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم و علی مرتضیٰ و جمیع پیران ما سماع شنیدہ اند و تخصیص روز اعراس اینکہ ایشاں را در آں روز وصال حق تعالیٰ میسر شدہ است۔ پس من شادی روز وصال پیران خود سماع می شنوم تا از توجہ ایشاں ما نیز بمقام وصال برسیم انتہیٰ۔

---

[۱] شیخ عماد الدین سہروردی کی حکایت ہے کہ وہ اہل سماع تھے وہ سماع اکثر سُنتے تھے اور اپنے پیروں کے عرس کیا کرتے تھے اور عرس کے روز سماع سُنتے تھے۔ اُن کی خدمت میں احباب نے عرض کیا کہ (اول تو) سماع سُننا اور پھر خاصکر عرس کے دن سُننا کہاں سے معلوم ہوا ہے فرمایا ہمارے پیغمبر مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم و حضرت علی مرتضیٰ اور ہمارے سارے پیروں نے سماع سُنا ہے اور اعراس کے دن کی تخصیص کا سبب یہ ہے کہ ان حضرات کو اُس دن میں وصال دوست میسر ہوا ہے پس میں اپنے پیروں کے وصال کی خوشی کے دن سماع سُنتا ہوں تاکہ اُن کی توجہ سے مقام وصال تک پہنچ جاؤں ۱۲ مترجم +

اشکال۔ کیا اعراس خلاف شرع نہیں ہیں۔ حل۔ تحقیق مقام یہ ہے کہ حدیث میں ہے عن ابن عمر کان النبی صلی اللہ علیہ وسلم یزور قباء او یاتی قباء وفی روایۃ کل سبت راکبا وماشیا فیصلی فیہ رکعتین للستۃ الا الترمذی (جمع الفوائد) وعن ابی ہریرۃ مرفوعا لا تختصوا لیلۃ الجمعۃ بقیام من بین اللیالی ولا تختصوا یوم الجمعۃ بصیام من بین الایام الا ان یکون فی صوم یصومہ احدکم للشیخین وابی داؤد والترمذی (جمع الفوائد) ہر دو حدیث سے ثابت ہوا کہ کسی مقصود مباح یا کسی طاعت کے لئے تعیین یوم اگر باعتقاد قربت نہ ہو بلکہ کسی مباح مصلحت کیلئے ہو جائز ہے جیسے مدارس دینیہ میں اسباق کیلئے گھنٹے متعین ہوتے ہیں اور اگر باعتقاد قربت ہو منہی عنہ ہے پس عرس میں جو تاریخ معین ہوتی ہے اگر اس تعیین کو قربت نہ سمجھیں بلکہ اور کسی مصلحت سے یہ تعیین ہو مثلاً سہولت اجتماع تاکہ تداعی کی صعوبت یا بعض اوقات اس کی کراہت کے شبہ سے مامون ہیں اور خود اجتماع اس مصلحت سے ہو کہ ایک سلسلہ کے احباب باہم ملاقات کر کے حب فی اللہ کو ترقی دیں اور اپنے بزرگوں کو آسانی سے اور کثیر مقدار میں جو کہ اجتماع میں حاصل ہے ثواب پہنچانا بے تکلف میسر ہو جاوے نیز اس اجتماع میں طالبوں کو اپنے لئے شیخ کا انتخاب بھی سہل ہوتا ہے یہ تو ظاہری مصالح ہیں جو مشاہد ہیں یا کوئی باطنی مصلحت بھی ہو جیسا میں نے بعض اہل ذوق سے سنا ہے کہ میت کو اپنے یوم وفات کے عود سے وصول ثواب کے انتظار کی تجدید ہوتی ہے اور یہ مصلحت محض کشفی ہے جس کا کوئی مکذب عقلی یا نقلی موجود نہیں اس لئے صاحب کشف کو یا اس صاحب کشف کے معتقد کو بدرجہ ظن اس کی رعایت کرنا جائز ہے البتہ جزم جائز نہیں۔ بہرحال اگر ایسے مصالح سے یہ تعیین ہو تو فی نفسہ جائز ہے لیکن اگر اور کوئی عارض موجب منع اس میں منضم ہو جاوے مثلاً سماع خلاف شرائط یا اختلاط امردو نساء یا مجمع کے جمع کرنے کا اہتمام خصوص فساق وفجار کے شریک کرنیکا اہتمام یا شرکت کے بعد بلا ضرورت ان کا احترام یا احتمال فساد عقیدہ عوام تو ان عوارض سے یہ صورہ مباح بھی ممنوع ہو جاوے گا اور قطعاً وہ عرس واجب الترک ہو جاویگا جیسا اس زمانہ میں اکثر اعراس کی حالت ہو گئی پس قدماء مشائخ سے جو اعراس منقول ہیں اگر سنداً نقل صحیح ہو اُن میں کوئی امر منکر ثابت نہیں پس ان کے فعل میں کوئی اشکال نہیں البتہ اس وقت کے اعراس کو اُن پر قیاس کرنے کی اصلا گنجائش نہیں کہ اس میں علاوہ فساد اعتقادی کے التزام واہتمام ایسا ہوتا ہے کہ وہ وعید منہی عنہ ہو جاتی ہے جس کی نسبت نسائی کی حدیث میں ہے۔ قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم لا تجعلوا قبری عیدا وصلوا علی فان صلوتکم تبلغنی حیث کنتم یہ تقریر تھی تحقیق حکم عرس میں اب واقعہ مذکورہ مقام کے متعلق عرض کرتا ہوں کہ حضرت شیخ کے عرس میں گو کوئی ایسا امر تو منقول ہی نہیں جو فی نفسہ منکر ہو اور غور کرنے سے معلوم ہوتا ہے کہ اس وقت کے عوام بھی احتمال مفسدہ سے مبرا تھے کیونکہ جو سوال واقعہ میں مذکور ہے اس سے معلوم ہوتا ہے کہ وہ ہر فعل کا ماخذ ومنشا

ط ۱ فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے میری قبر کو عید نہ بنانا اور مجھ پر درود بھیجنا اس لئے کہ تمہارا درود میرے پاس پہنچتا ہے جہاں کہیں تم ہو۔ مترجم

شرعی ڈھونڈتے تھے تو اس سے انکی خوش اعتقادی معلوم ہوتی ہے اور یہاں سے معلوم ہو گیا کہ حضرت شیخ کے اعراس کی تعیین اگر دلیل شرعی سے منکر ہوتی تو اُس سے بھی سوال کیا جاتا اس لئے حضرت شیخ نے بھی تعیین کی حکمت بیان نہیں فرمائی۔ سائلین نے ایک تو سماع پر انکار کیا دوسرے یوم عرس کیساتھ سماع کی تخصیص پر انکار کیا انھوں نے اسی کا جواب دیدیا اول سوال کا جواب تو نقل سے یعنی حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کے اور ائمہ کے فعل سے دیا جس میں سے حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کی دو حدیثیں عنقریب نقل کرونگا جن سے اُس سماع منقول کی شان معلوم ہوتی ہے جس کے بعد اس زمانہ کے سماع کا اُس سے کوئی تعلق ہی معلوم نہیں ہوتا اور دوسرے سوال کا جواب ذوق اور کشف سے دیا جس میں دو امر کی طرف اور بھی اشارہ کیا بجزائہ علی السوال ایک یہ کہ عرس کی وجہ تسمیہ کی طرف اس قول میں شادی روز وصال الخ دوسرے اُن حضرات کی نیابت توجہ الی اہل الافاضۃ لہم الی اہل الاستفادۃ منہم کی طرف اس قول میں من بعد وصال الی قولہ تا لاتوجہ شان الرجوع بعض اکابر اہل فن کے قول مذکور بالا کی تائید بھی ہوتی ہے اور جس وجہ تسمیہ کی طرف حضرت شیخ نے اشارہ کیا وہ اس حدیث سے ماخوذ ہے۔ نم کنومۃ العروس۔ اب وہ دو حدیثیں جو اوائل اس باب میں فرض کی ہے نقل کرکے اس مضمون کو ختم کرتا ہوں وہ دو حدیثیں یہ ہیں عن عائشۃؓ قالت دخل ابو بکر وعندی جاریتان من جواری الانصار تغنیان بما تقاولت الانصار یوم بعاث قالت ولیستا بمغنیتین فقال ابو بکر امزامیر الشیطان فی بیت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم وذلک فی یوم عید۔ فقال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم یا ابا بکر ان لکل قوم عیدا وھذا عیدنا (بخاری ابواب العیدین) وقالت الربیع بنت معوذ بن عفراء جاء النبی صلی اللہ علیہ وسلم فدخل حین بنی علی فجلس علی فراشی کمجلسک منی فجعلت جویریات لنا یضربن بالدف ویندبن من قتل من آبائی یوم بدر اذ قالت احداھن وفینا نبی یعلم ما فی غد۔ فقال دعی ھذہ وقولی بالذی کنت تقولین (بخاری ابواب النکاح)۔

ان حدیثوں سے امور ذیل مستفاد ہوئے۔ ۱ اول گانیوالیاں نابالغ بچیاں تھیں کما فی الصراح جاریۃ بنیۃ (یعنی تصغیر بنت) فی حاشیۃ المشکوۃ الجاریۃ من النساء من لم تبلغ الحلم گو کبھی مجازاً جوان پر بھی اطلاق آتا ہے

ف زیادہ واضح ہونا یہی کو فائدہ بطریقہ ایصال ثواب پہنچانا ہوں اور ان سے فائدہ حاصل کرنیوالوں کی طرف ۱۲ سو جیسے دلہن سوتے ہیں دلہن کے ۱۲ حضرت عائشہؓ فرماتی ہیں کہ ابو بکر میرے گھر داخل ہوئے اور میرے پاس دو بچیاں قبیلہ انصار کی بچیوں میں سے اس مضمون کو گا رہی تھیں جو کہ انصار نے جنگ بعاث کے دن کہا تھا حضرت عائشہؓ نے فرمایا اور وہ دونوں گانیوالیاں نہ تھیں پس فرمایا ابو بکر نے کہ شیطانی گانے کے باجے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے مکان میں کیوں بجا رکھا ہے اور یہ واقعہ عید کے دن کا ہے پس فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اے ابو بکر ہر قوم کیلئے ایک عید ہے اور یہ دن ہمارے لئے عید ہے (بخاری ابواب العیدین) اور کہا ربیع بنت معوذ بن عفراء نے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم تشریف لائے میرے اندر داخل ہونے جس وقت کہ میرا زفاف ہوا پس بیٹھ گئے میرے بستر پر جیسے تم میرے پاس بیٹھے ہو سو ہماری چھوٹی بچیاں دف بجانے لگیں اور جنگ بدر میں جو میرے بڑے مقتول ہوئے تھے ان کا مرثیہ گانے لگیں یہاں تک کہ ان میں سے ایک نے کہا اور ہم میں ایک نبی ہیں جو جانتے ہیں کل کی بات (ترجمہ)

مگر بلا دلیل عدول محال سے جائز نہیں ہے ٢؎ ۔ سو وہ اس فن کی جاننے والیاں نہ تھیں ان کی حالت بالکل ایسی تھی جیسی اکثر گھروں میں چھوٹی بچیاں جھولے میں بیٹھکر دل بہلانے کو ہندی وغیرہ کے گیت گالیتی ہیں ٣؎ مضمون گیت کا شہوانی نہ تھا بلکہ شجاعت انگیز تھا اور ایک نے جو بےموقع مضمون شروع کیا تو حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے اسکو روکدیا اب بےموقع ہونیکی خواہ کوئی وجہ ہو ٤؎ ۔ چونکہ اس فن کو نجانتی تھیں ظاہر ہے کہ دف بھی باقاعدہ نہ بجاتی تھیں فقہاء نے بھی جو شادی کے اعلان کیلئے دف کی اجازت دی ہے اس میں عدم تطریب کی شرط ٹھہرائی ہے ٥؎ ۔ بدون داعی کے اس شغل کو اس قدر ناپسندیدہ قرار دیا گیا کہ حضرت ابوبکرؓ نے اسکو مزامیر شیطان فرمایا اور حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے اس قول کو رد نہیں فرمایا بلکہ ایک داعی کو ذکر فرمادیا تو حضور نے حضرت ابوبکرؓ کے قول میں یہ ترمیم فرمائی کہ وہ ایام عید کو داعی نہ سمجھے تھے آپ نے اسکا داعی ہونا بتلادیا باقی بلا داعی اس اشتغال کے مذموم ہونیکی حضور نے نفی نہیں فرمائی پس حدیث تقریری سے بلا داعی ایسے اشتغال کا مذموم ہونا ثابت ہوگیا۔ اب دوسرا کلام ہے کہ دوسرے کسی داعی کو اس پر قیاس کیا جاسکتا ہے سو یہ کلام منصب مجتہدین کا ہے جن میں مشائخ محققین بھی داخل ہیں غیر مجتہدین کا اس میں کچھ دخل نہیں باقی مباحث متعلقہ اس باب کے اوپر میں گذرچکے ہیں۔ فقط

فائدہ۔ اور اسی منہی عنہا بزیارت قبر نبوی علیہ الصلوٰۃ والسلام کو قیاس نہ کیا جاوے جیسا بعض اہل ظاہر نے اس میں تشدد کیا ہے۔ کسی نے نفس سفر میں کلام کیا ہے اور اس حدیث میں تمسک کیا ہے۔ لا تشد الرحال الا الی ١؎ ثلثة مساجد الحدیث حالانکہ اس حدیث کی تفسیر خود دوسری حدیث میں آگئی ہے۔ فی مسند احمد ٢؎ عن ابی سعید الخدریؓ قال قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم لا ینبغی للمطی ان یشد رحالہ الی مسجد یبتغی فیہ الصلوٰۃ غیر المسجد الحرام والاقصیٰ ومسجدی ھذا (من منتھی المقال للمفتی صدر الدینؒ) اور کسی نے اجتماع سے منع کیا ہے اور اس حدیث سے تمسک کیا ہے لا تجعلوا قبری عیدا حالانکہ وہاں کوئی تاریخ معین ہے نہ اجتماع میں تداعی یا اہتمام ہے اور عید کے یہی دو لوازم ہیں اور بعض نے خیر القرون میں یہ سفر منقول نہ ہونے سے استدلال کیا ہے حالانکہ حضرت عمر بن عبد العزیز سے جو کہ جلیل القدر تابعی ہیں ثابت ہے کہ وہ روضہ اقدس پر صرف سلام پہنچانے کیلئے قصداً قاصد کو بھیجتے تھے اور کسی سے نکیر منقول نہیں تو یہ ایک قسم کا اجماع ہوگیا اور جب دوسرے کا سلام پہنچانے کیلئے سفر جائز ہے لانہ اقرب الی الضرورۃ لکونہ عملاً للنفس اور وہ روایت یہ ہے فی خلاصۃ الوفاء ٣؎ للسمہودیؒ المتوفی سنہ ۹۱۱ و قد

١؎ سواریاں صرف تین مسجدوں کیلئے تیار کی جاویں۔ مسجد اقصیٰ۔ مسجد الحرام۔ مسجد نبوی۔ ١٢ ٢؎ مسند احمد میں ابو سعید خدریؓ سے روایت ہے کہ فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے نہیں جائز ہے مسافر کیلئے یہ بات کہ کسی مسجد میں نماز پڑھنے کیلئے سواری تیار کرے سوائے مسجد حرام و مسجد اقصیٰ اور میری مسجد کے ١٢ ٣؎ سمہودی کی کتاب خلاصۃ الوفاء میں ذکر ہے کہ عمر بن عبد العزیز کے متعلق یہ بات مشہور ہے (بقیہ حاشیہ آئندہ)

استفاض عن عمر بن عبد العزیز انه کان یبرد البرید من الشام یقول سلم لی علی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم وقال الامام ابوبکر بن عمرو بن ابی عاصم النبیل من المتقدمین فی مناسکہ له الذی فیها الثبوت لعل المراد انه لایروی فیها الا الروایات الثابتة المقبولة عند اهل النقد ۔ وکان عمر بن عبد العزیز یبعث بالرسول قاصدا من الشام الی المدینة لیقرئ النبی صلی اللہ علیہ وسلم السلام ثم یرجع (کذا انبانی المولوی محمد شفیع من اهل دیوبند) قلت ان رحیل البرید هذا لم یکن للصلوٰۃ فی المسجد هذا ظاهر لاشبهة فیه اور نسائی باب ساعة الاجابة یوم الجمعة میں جو بصرہ بن ابی بصرہ کا قول ہے لو لقیتک ریا ابا هریرة من قبل ان تاتیه (ای الطور) لم تاته اور اس پر حدیث لا تعمل المطی الا الی ثلثة مساجد سے استدلال فرمایا تو اس سے مطلق سفر زیارۃ الطور کی ممانعت لازم نہیں آتی بلکہ سفر باعتقاد قربت سے ممانعت ہے چونکہ اس کا قربت ہونا کسی دلیل سے ثابت نہیں اور اگر کسی سفر کا موجب قربت ہونا ثابت ہو یا سفر باعتقاد قربت نہ ہو تو وہ اس میں داخل نہیں۔

اٹھائیسواں نادرہ در تحقیق سماع با مزامیر

از انیس الارواح یعنی ملفوظات حضرت خواجہ عثمان ہارونی رحمۃ اللہ علیہ مرتبہ حضرت خواجہ معین الدین رحمۃ اللہ علیہ

تیسری مجلس (قول ۲) خواجہ عثمان ہارونی نے ایک ملفوظ حضرت خواجہ مودود چشتی کا نقل کیا ہے کہ خوارزم اور چند شہر گرد اس کے ہیں۔ راگ اور باجوں کی شامت سے اور بعض گناہوں کی وجہ سے خراب اور ویران ہونگے اور سب آپس میں لڑ مریں گے اور ہلاک ہو جاویں گے۔ **ف** ۔ دیکھو انہیں گانے بجانے کی کسقدر مذمت کی گئی ہے اسکے عموم میں سماع متعارف بھی داخل ہے باقی خود ان حضرات سے جو سماع منقول ہے اسکی تحقیق السنة الجلیة باب سوم اشغال کے ذیل میں ہے۔

از اسرار الاولیاء یعنی ملفوظات حضرت شیخ فرید الدین جمع کردہ بدر اسحٰق

چوتھی فصل (قول ۲) پھر آپ نے فرمایا کہ اے درویش اسے جو شنوائی دی ہے تو اسی لئے دی ہے کہ خدا کا ذکر سنے جہاں کلام اللہ پڑھا جاتا ہو وہاں کان لگائے کیونکہ فرمان الٰہی ہے نہ اس لئے کہ ہر ایک کی برائی اور تمسخر اور راگ باجہ اور نوحہ کی آواز سنے کیونکہ حدیث شریف میں آیا ہے کہ جو اس قسم کی آوازوں پر کان لگائیگا قیامت کو سیسہ پگھلا کر اسکے کانوں میں بھر ا جائیگا۔ **ف** ۔ دیکھئے راگ باجہ سننے کو کس سختی سے منع فرماتے ہیں اور کسی فرد کا استثناء نہیں فرماتے۔

(بقیہ حاشیہ صفحہ گذشتہ) ہے کہ وہ ملک شام سے قاصد کو اس لئے بھیجا کرتے تھے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں میرا سلام عرض کرنا اور کہا امام ابوبکر بن عمرو بن ابی عاصم نے اپنی کتاب مناسک میں جس میں التزام ہے کہ بے اصل روایت نہ لائیں بیان کیا ہے کہ عمر بن عبد العزیز ملک شام سے ایک قاصد کو مدینہ میں بھیجا کرتے تھے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت مبارک میں سلام عرض کرکے واپس آوے ۱۲ مترجم

(حاشیہ صفحہ هذا) لـه اگر میں آپ سے اے ابوہریرہ ملتا (کوہ طور کو جانے سے پہلے) تو آپ نہ جاتے ۱۲ ۔ سه نہ سفر کیا جاوے مگر تین مسجدوں کی طرف ۱۲ مترجم

از فوائد الفواد یعنی ملفوظات حضرت سلطان نظام الدین اولیاؒ

جمع کردہ حضرت علاء سنجریؒ

مجلس ۲۴ صفر سنہ ۷۱۷ھ (قول ۳۲) اتنے میں ایک شخص آیا اور جماعت کی کیفیت بیان کی کہ اب فلاں موضع میں آپ کے یاروں میں سے مزامیر کی جماعت مرتب کر رکھی ہے حضرت خواجہ نے یہ پسند نہ فرمائی اور کہا کہ میں نے تو بالکل منع کر دیا ہے کہ مجلس میں مزامیر اور محرمات ہوں انہوں نے جو کچھ کیا اچھا نہیں کیا۔ اس بارہ میں بہت غلو فرمایا اور سخت تاکید کی اور فرمایا کہ اگر امام نماز میں ہو اور مقتدی اس کے پیچھے ہوں اور اس جماعت میں عورتیں بھی ہوں اور امام کو سہو ہو تو مرد سبحان اللہ کہیں اور اگر کوئی عورت اس غلطی پر واقف ہو تو ہاتھ پر ہاتھ ملے مگر ہتھیلی پر ہتھیلی نہ مارے کہ وہ لہو ہے چاہئے کہ پشت ہتھیلی پر مارے۔ غرضکہ لہو و لعب اس طرح کی اور سب چیزوں سے احتراز کرنے کا حکم ہے پس سماع میں بطریق اولیٰ یعنی جبکہ دستک میں اتنی احتیاط ہے تو مزامیر کی ممانعت بدرجۂ اولیٰ ہے پھر آپ نے فرمایا کہ اگر کوئی کسی مقام سے گریگا تو شرع میں رہیگا اور جو وہاں سے بھی گر گیا تو پھر وہ کہاں کا رہا پھر آپ نے فرمایا کہ مشائخ کے بارے سماع سُنا ہے اور اُن لوگوں نے جو اس کام کے اہل اور صاحبِ ذوق ہیں جسے کچھ درد ہے وہ تو کہنے والے کے ایک ہی بیت سننے میں رقت آ جاتا ہے خواہ مزامیر ہوں یا نہ ہوں۔ ہاں جو شخص عالم ذوق سے بالکل خبر ہی نہ رکھے اگر اس کے آگے کتنے ہی قوال اور کتنے ہی قسم کے مزامیر ہوں جب بھی کچھ فائدہ نہیں کیونکہ وہ اہل درد ہی نہیں ہے تو معلوم ہوا کہ یہ کام درد سے تعلق رکھتا ہے نہ مزامیر وغیرہ سے۔

ف۔ دیکھئے اس میں مزامیر و محرمات پر کس درجہ ناراضی ظاہر فرمائی۔ اور احکام شرعیہ کو کتنا مہتم بالشان فرمایا۔

ف۔ جس طرح اس ملفوظ میں حضرت سلطان جیؒ سے مزامیر پر نکیر منقول ہے اسی طرح اقتباس الانوار میں بذیل تذکرہ حضرت شیخ داؤد گنگوہیؒ بسلسلہ مناظرہ ملا عبد القوی حضرت شیخ موصوف کا قول نقل کیا ہے جس میں اباحت مزامیر کا مرجوح ہونا اور ہمارے تمام مشائخ سے مزامیر سننے کی نفی بمورد دلالۃ النص سے اس کا عدم جواز مصرح ہے اس کی یہ عبارت ہے ہر اباحت مزامیر صاحب امتاع بعضے روایات مرجوحہ نقل کرد است برائے استماع آنہا نیز وجہے پیدا شود اگرچہ پیران ما مزامیر نشنیدہ اند بلکہ تصفیق ہم روا نداشتہ اھ اور اس کی کافی تحقیق باب ۲ تکملۃ الح کے ذیل میں اور کچھ اسی باب کے ۳۴ ویں میں آئی ہے

انتیسواں[۲۹] نادرہ رسالہ تمییز العشق من الفسق

اس رسالہ میں عشق مجازی سے حقیقی تک وصول کی تحقیق و تدابیر ہیں۔ یہ رسالہ کتاب ہذا کے صفحہ ۱۹۸ سطر ے شروع اور صفحہ ۲۰۸ پہ ختم ہوا ہے۔

؎ مزامیر کی اباحت پر صاحب امتاع نے بعض مرجوحہ روایتیں نقل کی ہیں۔ مزامیر سننے کی وجہ بھی ان سے ظاہر ہوتی ہے اگرچہ ہمارے پیروں نے مزامیر نہیں سنے بلکہ تالی بجانے کو بھی جائز نہ کہے تھے ۱۲ مترجم ؎ پچیسویں نادرہ بھی دیکھا جاوے ۱۲

تینتیسواں نادرہ رسالہ الادراک والتوصل الی حقیقۃ الاشراک والتوسل

اس میں مسئلہ توسل اور شرک اصغر و اکبر کا فرق ہے یہ رسالہ کتاب ہذا کے صفحہ ۴۰۶ سے شروع اور صفحہ ۴۱۱ پر ختم ہوا ہے۔

اکتیسواں نادرہ در اصل رقص وجد و تواجد

کتاب السماع۔ الحدیث اختصم علی وجعفر وزید بن حارثۃ فی ابنۃ حمزۃ فقال لعلی انت منی وانا منک فحجل وقال لجعفر اشبہت خلقی وخلقی فحجل وقال لزید انت اخونا ومولانا فحجل ابو داؤد من حدیث علی باسناد حسن وھو عند البخاری دون حجل والحجل ھو الرقص وذلک یکون للفرح او شوق قلت لم اجد بھذا اللفظ فی سنن ابی داؤد ولا مراسیلہ نعم اوردہ الحافظ فی الفتح باب عمرۃ القضاء ما نصہ وفی حدیث علی عند احمد کذا مرسل الباقر فقام جعفر فحجل حول النبی صلی اللہ علیہ وسلم دار علیہ فقال النبی صلی اللہ علیہ وسلم ما ھذا قال شیء رأیت الحبشۃ یصنعونہ بملوکھم وفی حدیث ابن عباس ان النجاشی کان اذا رضی احدا من اصحابہ قام فحجل حولہ وحجل بفتح المھملۃ وکسر الجیم وقف علی رجل واحدۃ وھو الرقص بھیئۃ مخصوصۃ وفی حدیث علی المذکور انھم الثلاثۃ فعلوا ذلک اھ وفی القاموس حجل رفع رجلا وتریث فی مشیہ وفیہ تراقف فیہ اصل رقص اھل الوجد لفرح او شوق ولو من غیر اضطرار

کتاب السماع۔ حدیث۔ حضرت علی اور حضرت جعفر اور حضرت زید بن حارثہ نے حضرت حمزہ کی لڑکی میں کہ کون پرورش کرے باہم اختلاف کیا حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے (سب کی اس طرح تسلی فرمائی کہ حضرت علی سے (تو یہ) فرمایا کہ تم میرے اور میں تمہارا وہ (ایک خاص ہیئت پر) رقص کرنے لگے اور حضرت جعفر سے فرمایا تم میری صورت اور سیرت میں مشابہ ہو وہ بھی رقص کرنے لگے اور حضرت زید سے فرمایا تم ہمارے بھائی اور دوست ہو وہ بھی رقص کرنے لگے روایت کیا اس کو ابوداؤد نے حضرت علی کی حدیث سے اسناد حسن کے ساتھ اور یہ حدیث بخاری کے پاس بھی ہے اس میں حجل نہیں ہے اور حجل رقص کو کہتے ہیں اور یہ فرح یا شوق سے ہوتا ہے۔ میں کہتا ہوں مجھ کو یہ حدیث اس لفظ سے (سنن ابوداؤد میں ملی اور نہ ان کی مراسیل میں البتہ حافظ ابن حجر نے فتح الباری کے باب عمرۃ القضا میں اس طرح ذکر کیا ہے کہ حضرت علی کی حدیث میں امام احمد کے نزدیک اسی طرح مرسل امام باقر میں ہے کہ حضرت جعفر کھڑے ہوئے اور حضرت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے گرد رقص کیا اور چکر لگایا (جیسے کوئی قربان ہوتا ہو) نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا یہ کیا ہے انہوں نے عرض کیا کہ یہ ایک شے ہے جو میں نے حبشیوں کو اپنے بادشاہوں کے ساتھ کرتے دیکھا ہے اور ابن عباس کی حدیث میں ہے کہ نجاشی (بادشاہ حبشہ) جب اپنے مصاحبین میں کسی سے خوش ہوتا تو وہ شخص اٹھ کر نجاشی کے گرد گھومتا ہوا رقص کرتا اور حجل بفتح حا وکسر جیم کے معنی ہیں ایک پاؤں پر کھڑا ہونا اور وہ ایک خاص ہیئت پر رقص ہے اور حضرت علی کی حدیث مذکور میں یہ بھی ہے کہ تینوں نے ایسا ہی کیا اھ اور قاموس میں حجل کے معنے ہیں ایک پاؤں اٹھا لیا اور رفتار میں آہستگی کی اور اس میں یہ بھی ہے کہ اچھلا (تو حاصل اس کا رقص کی ہیئت ہے یہ ہے کہ ایک پاؤں اٹھائے اور ایک پاؤں سے آہستہ آہستہ قدم بڑھاتے ہوئے اچھلتے ہوئے چکر کاٹتے ہوئے چلے) ف۔ اس حدیث میں اصل ہے اہل وجد کے رقص کی جو کہ فرح یا شوق کے غلبہ سے ہوتا ہے اگرچہ وہ غلبہ بے اختیاری سے نہ ہو مگر ہو

اذا لم یکن من غرض فاسد من الریاء ونحوہ۔ کہتے ہیں کیونکہ بہت سنی کہ حدیث انقیادی کی پیشتر ہیں کسی غرض فاسد ریا وغیرہ سے نہ ہو۔

بتیسواں نادرہ درمعنی ابغض الحلال الی اللہ الطلاق

حدیث۔ ابغض الحلال الی اللہ الطلاق
ابوداؤد فی سننہ عن احمد بن یونس عن معرف
بن واصل عن محارب بن دثار مرسلا بلفظ ما احل
اللہ شیئا ابغض الیہ من الطلاق۔ وھذا مرسل
ف۔ الوجہ ان بعض الاشیاء غیر معصیۃ
لکن مشابہ للمعصیۃ فبالنظر الی کونہ غیر معصیۃ
یکون مباحا وبالنظر الی کونہ مشابھا بالمعصیۃ
یکون مبغوضا لان المشابھۃ یقتضی ھذا البغض
والطلاق کذلک فکونہ غیر معصیۃ ظاہر
واما کونہ مشابھا بالمعصیۃ فلان صورتہ صورۃ
الظلم من الایذاء والاضرار والایحاش لکن لیس
بظلم لان قصدہ امتناع نفسہ عن الضرر الحاصل
عن کون المعاشرۃ ومن ثم تری المشایخ یمنعون اتباعھم
عن کثیر من المباحات التی شانھا ھذا کشغل الرابطۃ
الذی صورتہ صورۃ مقصودیۃ المخلوق عند
الشاغل التی یوشک ان یوقع فی الشرک

ترجمہ حدیث۔ حلال چیزوں میں سے سب سے زیادہ ناپسند اللہ تعالیٰ کے نزدیک
طلاق ہے، روایت کیا اس کو ابوداؤد نے اپنی سنن میں احمد بن یونس سے انہوں نے
معرف بن واصل سے انہوں نے محارب ابن دثار سے انہوں نے اسکو ان الفاظ
سے مرفوعاً کیا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے کسی ایسی چیز کو حلال نہیں کیا جو اس کے نزدیک
طلاق سے زیادہ ناپسند ہو اور یہ مرسل ہے۔ ف۔ راز اس میں یہ ہے کہ بعض
اشیاء معصیت تو نہیں ہوتیں لیکن مشابہ معصیت کے ہوتی ہیں سو معصیت نہ
ہونے کی بنا پر تو وہ مباح ہوتی ہیں اور مشابہ معصیت ہونے کے سبب سے وہ
مبغوض ہوتی ہیں کیونکہ یہ مشابہت مبغوضیت کو مقتضی ہے اور طلاق ایسی
ہی چیز ہے چنانچہ اس کا معصیت نہ ہونا تو ظاہر ہے باقی مشابہ معصیت
ہونا وہ اس لئے ہے کہ اس کی صورت ظلم کی صورت ہے یعنی ایذاء و اضرار
و ایحاش لیکن ظلم نہیں ہے کیونکہ اس کا مقصود اپنے کو ظلم سے بچانا ہے جو کہ معاشرت
کو ضرر میں واقع کرنا اور اسی مقام سے تم مشائخ کو دیکھتے ہو کہ اپنے تابعین
کو بہت سے ایسے مباحات سے روک دیتے ہیں جن کی ایسی ہی شان ہو
جیسے شغل رابطہ ہے جس کی صورت شاغل کے نزدیک مخلوق کے
مقصود (بالذات) ہونے کی سی صورت ہے جو بعید نہیں کہ کسی
شاغل کو شرک میں واقع کر دے۔

تینتیسواں نادرہ درمعنی اکثر اہل الجنۃ البلہ

الحدیث۔ اکثر اھل الجنۃ البلہ۔ رواہ البیہقی
فی الشعب والبزار والدیلمی فی مسندیھما
والخلعی فی فوائدہ کلھم من حدیث سلامۃ
بن روح ابن خالد قال قال عقیل حدثنی

حدیث۔ اکثر جنتی لوگ ابلہ یعنی بھولے ہوتے ہیں اس کو بیہقی نے شعب میں
اور بزار اور دیلمی نے اپنے مسندوں میں اور خلعی نے اپنے فوائد میں روایت کیا
ہے اور ان سب نے سلامہ بن روح ابن خالد کی حدیث سے روایت کیا ہے
سلامہ کہتے ہیں کہ عقیل نے (جو کہ ان کے باپ کے دادا ہیں) کہا کہ مجھ سے

ابن شہاب عن انس ان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم قال فی
ذکرہ وسلامۃ فیہ لین لم یسمع من جدہ عقیل
انما اخذ من کتبہ لکن ھو عند القضاعی من حدیث یحیی
بن ایوب ثنا عقیل وجاء عن سہل بن عبد اللہ التستری
فی تفسیرہ ھو الذی یتولہ قلبہ مشغول باللہ عزو
جل وعن ابی عثمان قال ھو الابلہ فی دنیاہ الفقیہ فی
دینہ وعن الاوزاعی قال ھو الاعمی عن الشر البصیر
بالخیر اخرجہا البیہقی فی الشعب۔ ف۔ وتری اکثر
اھل اللہ بھذا الشان واما الانبیاء علیہم السلام ومن سار سیرہم من
عباد اللہ کالانبیاء فلھم شان اخر من الکیاسۃ فی الفراسۃ
والتیقظ وکمال الحکمۃ السیاسۃ التی وکل اللہ تعالی الیھم

ابن شہاب نے حدیث بیان کی حضرت انس سے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا
اور اس حدیث کو ذکر کیا اور سلامہ میں تھوڑا ضعف ہے اور انہوں نے اپنے
دادا عقیل سے سنا بھی نہیں صرف ان کی کتابوں سے لیا ہے لیکن یہ حدیث قضاعی کے
یہاں یحیی بن ایوب کی روایت سے اس طرح ہے کہ ہم سے عقیل نے یہ حدیث بیان
کیا ہے (تو انقطاع بھی جاتا رہا) (آگے ابلہ کی تفسیر ہے) اور سہل بن عبد اللہ
تستری سے اس کی تفسیر میں منقول ہے وہ وہ لوگ ہیں جن کے قلب شیدا اور
حق تعالی کے ساتھ مشغول ہو گئے ہیں۔ اور ابو عثمان سے روایت ہے انہوں نے فرمایا
وہ وہ ہے جو اپنی دنیا میں تو بھولا ہو اور دین میں سمجھدار ہو اور اوزاعی سے منقول
ہے انہوں نے کہا وہ شخص ہے جو شر سے نابینا (یعنی بے خبر) ہو اور خیر کا بینا (یعنی
باخبر) ہو۔ ان سب اقوال کو بیہقی نے شعب میں نقل کیا ہے (مجموعہ اقوال کا حاصل یہ ہے
کہ چونکہ وہ حق تعالی اور دین کے ساتھ زیادہ مشغول ہے اس لئے دنیا کی طرف
اس کی توجہ اور اس کی باتوں کی خبر نہیں رکھتا) ف۔ تم اکثر اہل اللہ کو اسی شان کا دیکھو گے لیکن حضرات انبیاء علیہم السلام اور جو شخص انبیاء کی طرح بندگان
خدا کی سیاست و اصلاح کرتا ہے ان کی دوسری شان ہے یعنی زیرکی اور فراست اور ہر امر میں بیداری تاکہ حکمت سیاست مرتب ہو جو ان کے سپرد کی گئی

چونتیسواں نادرہ در مسح عینین بالانامل عند قول المؤذن اشہد ان محمدا رسول اللہ

الحدیث مسح العینین بباطن انملتی السبابتین
بعد تقبیلہما عند سماع قول المؤذن اشہد ان محمدا
رسول اللہ مع قولہ اشہد ان محمدا عبدہ ورسولہ رضیت
باللہ ربا وبالاسلام دینا وبمحمد صلی اللہ علیہ وسلم نبیا
قلت اورد صاحب المقاصد فی الباب عدۃ اقسام
من الروایات المرفوع من حدیث ابی بکر الصدیق عند الدیلمی
ثم قال لا یصح وقال لا یصح فی المرفوع من کل
ھذا شیء والمنقول عن الخضر علیہ السلام عن کتاب
موجبات الرحمۃ وعزائم المغفرۃ لابی العباس احمد بن

حدیث۔ جب مؤذن اذان میں اشہد ان محمدا رسول اللہ کہے اس کو سنکر
یہ کہے اشہد ان محمدا عبدہ ورسولہ رضیت باللہ ربا وبالاسلام
دینا وبمحمد صلی اللہ علیہ وسلم نبیا۔ اور شہادت کی دو انگلیوں کے پوروں
کے اندرونی حصہ کو چوم کر دونوں آنکھوں پر پھیرے میں (اس کے متعلق)
کہتا ہوں کہ صاحب مقاصد اس باب میں کئی قسم کی روایات لائے ہیں ایک
مرفوع دیلمی سے وہ ابو بکر صدیق کی حدیث ہے اس کو ذکر کرکے کہا ہے کہ صحیح
نہیں اور (علی الاطلاق) یہ بھی کہا ہے کہ مرفوع کے باب میں ان روایات کے
متعلق کوئی روایت بھی صحیح نہیں دوسری قسم جو خضر علیہ السلام سے
منقول ہے ابو العباس احمد بن ابی بکر رداد یمانی صوفی کی کتاب موجبات کی

ابی بکر الرداد الیمانی المتصوف بسند فیہ مجاہیل مع
انقطاع (فلم یصح) والموقوف علی الحسن عن الفقیہ
محمد بن سعید الخولانی بسندہ والمنقول عن المشائخ
محمد بن البابا وابی المجد احمد نقل منہ من المصریین وبعض
شیوخ العراق والعجم وابن صالح ومحمد بن ابی نصر البخاری
اقوالھم وردت فی فضلہ فالاول فقد حلت علیہ شفاعتی
وفی سائرھا حفظ العین عن الرمد والعمی ودفع الالم عنہا
ھذا ملخص ما فی المقاصد واما حکم ھذا العمل فظاھر
وھو ان من فعل باعتقاد الثواب الذی لم یثبت
دلیلہ کان بدعۃ وزیادۃ فی الدین واکثر من یعمل فی
زماننا اعتقادھم کذلک فلا شک فی کونہ بدعۃ وان
فعل بنیۃ الصحۃ البدنیۃ فھو نوع من الطب فیجوز
فی نفسہ لکن لو افضی الی ایہام القربۃ کما ھو المظنون
من العوام فی ھذا الزمان یمنع منہ مطلقاً

دوم اس المتصوف سے ایسی سند سے جس میں بہت سے مجہول راوی ہیں اور اسی
کیساتھ انقطاع بھی ہے (پس یہ بھی صحیح نہ ہوئی) تیسری قسم جو حضرت حسن
پر موقوف ہے فقیہ محمد بن سعید خولانی سے ان کی سند کیساتھ چوتھی قسم جو
مشائخ سے خود انکے اقوال منقول ہیں جیسے محمد بن بابا اور ابو المجد جو ایک قدیم
مصری ہیں اور بعض شیوخ عراق یا عجم کے اور ابن صالح اور محمد بن ابی نصر بخاری
(یہ چار قسمیں ہوئیں ان میں سے) قسم اول (یعنی مرفوع میں) تو اس عمل کی فضیلت
میں یہ وارد ہوا ہے کہ میری شفاعت اس کیلئے ثابت ہوگی۔ اور باقی روایات
میں صرف یہ ہے کہ اس کی آنکھیں بفضل اللہ کوری سے محفوظ رہیں گی اور اگر درد
ہو تو جاتا رہیگا یہ خلاصہ ہے مقاصد کے مضمون کا باقی رہا اسکا حکم سو وہ قواعد
شرعیہ سے ظاہر ہے وہ یہ کہ اگر یہ عمل باعتقاد ثواب دین کا کام سمجھکر
کیا جائے جس کی کوئی دلیل ثابت نہیں ہوئی تو بدعت اور زیادت فی الدین
ہے (کیونکہ غیر دین کو دین سمجھنے کا یہی حکم ہے) اور اس زمانہ میں جو لوگ
یہ عمل کرتے ہیں ان میں اکثر کا اعتقاد اسی طور کا ہے یہی اعتقاد ہے سو اسکے بدعت
ہونے میں کوئی شک نہیں اور اگر صحت بدنیہ (یعنی حفاظت چشم) کی نیت سے
کیا جائے وہ ایک قسم کی طبی تدبیر ہے سو وہ فی نفسہ جائز ہے (کیونکہ یہ اعتقاد فاسد نہیں) لیکن اگر یہ سبب ہو جاوے ایہام قربت کا جیسا عوام زمانہ میں یہی گمان ہے

پینتیسواں نادرہ در معنی حدیث من عشق فعف

الحدیث۔ من عشق فعف وکتم فمات مات
شہیداً اوردہ فی المقاصد باسانید متعددۃ تکلم
فی بعضہا وقوی بعضہا فقال اخرجہ الخرائطی والدیلمی
وغیرھما ولفظ عند بعضھم من عشق فعف فکتم
فصبر فمات فھو شہید ولہ طرق عند البیہقی
ف۔ فیہ مسئلتان الاولی ان العشق من غیر اختیار
لا یذم مطلقاً کیف وھو یفضی الی الشہادۃ من غیر صنع

حدیث۔ جو شخص (کسی پر بلا اختیار) عاشق ہو جاوے پھر عفیف رہے
اور پوشیدہ رکھے پھر مر جائے وہ شہید مریگا اس حدیث کو مقاصد میں متعدد
سندوں کیساتھ ذکر کیا ہے جن میں سے بعض میں کلام کیا ہے اور بعض کو برقرار رکھا ہے چنانچہ
جنکو برقرار رکھا ہے انکے متعلق کہا ہے کہ اسکو خرائطی اور دیلمی اور انکے علاوہ
اوروں نے بھی روایت کیا ہے اور حدیث کے الفاظ ان مذکورین میں سے بعض کے نزدیک
یہ ہیں کہ جو شخص عاشق ہو جاوے پھر عفیف رہے اور پوشیدہ رکھے اور صبر کرے
پھر مر جاوے تو وہ شہید ہوتا ہے اور بیہقی کے نزدیک اسکی چند طرق ہیں ف۔ اس

الحد ومنشأ الابذام ومن ثم ترى بعض اهل الطريق يمدحونه ويجعلونه مما يوصل الى المقصود كما قال العارف الجامی ؎

متاب از عشق رو گرچہ مجازی ست
کہ آں بہر حقیقت کارسازی ست

وكما قال الرومی ؎ عاشقی گر زیں سر و گر زاں سر ست
عاقبت ما را بداں شہ رہبر ست

وفی الحدیث مسئلتان الاولی ان الشہادة اعظم الوصول الى الله تعالى والثانية ان شرط كونه محمود او موصلا هو العفاف والكتمان والصبر وحاصل الجميع ترك الهوى وصرح المحققون بان شرط ايصال العشق المجازي الى العشق الحقيقي ان لا يتصل بالمعشوق المجازي لا بالنظر اليه ولا باستماع الكلام منه حتى ولا بتعلقه اليه بقلبه هو المراد بما قال الجامی بعد قوله متصلا ؎

و لے باید کہ بر صورت نہ مانی
وزیں پل زود خود را بگذرانی

وبما قال الرومی بعد قوله المار بشيء من الفصل ؎

عشقہائے کز پئے رنگے بود
عشق نبود عاقبت ننگے بود

والسر فيه ان اقوى اسباب الوصول الى المقصود الحقيقي هو قطع التعلقات والعشوق قطع التعلقات الا المحبوب كما قال الرومی ؎

حدیث میں دو مسئلے ہیں پہلا یہ کہ عشق غیر اختیاری مطلقاً مذموم نہیں (جیسا بعض خشک مزاج اس کو عیوب میں سے اور عاشق کو حقیر و ذلیل سمجھتے ہیں) اور مذموم کیسے ہو سکتا ہے جبکہ یہ شہادت تک پہنچاتا ہے اس طرح سے کہ کسی فعل کو اس میں دخل نہیں اور ایسی چیز جو بدون کسی کے فعل کے خود کے شہادت تک پہنچا دے مذموم نہیں ہو سکتی (یہ قید اس لئے لگائی کہ مطلقاً سبب شہادت کو غیر مذموم نہیں کہہ سکتے چنانچہ کافر کا کسی مسلمان کو قتل کر دینا اسباب شہادت سے ہے اور پھر مذموم ہے) اور اسی وجہ سے بعض اہل طریقت کو دیکھتے ہو وہ اس عشق کی مدح کرتے ہیں اور اس کو اسباب وصول الی المقصود میں کہتے ہیں جیسا کہ عارف جامی فرماتے ہیں ؎ متاب از عشق رو گرچہ مجازی ست ✽ کہ آں بہر حقیقت کارسازی ست اور جیسا کہ رومی فرماتے ہیں ؎ عاشقی گر زیں سر و گر زاں سر ست ✽ عاقبت ما را بداں شہ رہبر ست اور اس حدیث کا مضمون اس کے مناسب بھی ہے اس لئے کہ شہادت وصول الی اللہ کی فرد اعظم ہے (پس شہادت کا سبب بنانا وصول الی اللہ کا سبب بنانا ہے) دوسرا مسئلہ یہ ہے کہ اس عشق کے محمود و موصل الی المقصود ہونے کی شرط عاشق کا عفیف رہنا اور اس کا اخفا رکھنا اور صبر کرنا ہے اور ان سب کا حاصل یہ ہے کہ ہوائے نفسانی کا تارک رہے اور اسی کی تفصیل میں محققین نے تصریح کی ہے کہ عشق مجازی کا عشق حقیقی کی طرف موصل ہونا اس شرط سے مشروط ہے کہ معشوق مجازی کی طرف التفات نہ کرے نہ اس کی طرف نظر کرے نہ اس کا کلام سنے حتی کہ اس کی طرف قلب سے بھی توجہ نہ کرے (اور اس کا تصور دل میں نہ لاوے) اور یہی مراد ہے جامی کے قول سے جو شعر بالا کے متصل ہی فرمایا ہے ؎

و لے باید کہ بر صورت نہ مانی ✽ وزیں پل زود خود را بگذرانی

اور عارف رومی کے قول سے جو شعر بالا کے تھوڑی دور بعد فرمایا ہے ؎

عشقہائے کز پئے رنگے بود ✽ عشق نبود عاقبت ننگے بود

اور راز اس (ایصال اور شرط افتراق) میں یہ ہے کہ وصول الی المقصود الحقیقی کی شرط اعظم ماسوا سے قطع تعلقات کرنا ہے اور عشق بجز محبوب کے سب تعلقات کو قوت کے ساتھ قطع کر دیتا ہے جیسے عارف رومی فرماتے ہیں ؎

عشق آن شعلہ است کہ چوں برفروخت
ہر چہ جز معشوق باقی جملہ سوخت
فاذا ابعد نفسہ عن کل البعد قربہا بالاذکار والمراقبات الی المحبوب الحقیقی بالتوجہ الیہ بشرہ اشرہ انقطع عن ہذا المحبوب ایضا فذہب التعلقات کلہا وبقی الواحد المحبوب فقط کما قال الرومی بعد القول المذکور ؎

تیغ لا در قتل غیر حق براند ۔ درنگر آخر کہ بعد لا چہ ماند
ماند الا اللہ باقی جملہ رفت ۔ مرحبا اے عشق شرکت سوز رفت

وحاصل ہذا الشرط ہو العفاف واما الکتمان والصبر فہو تخصیص بعد تعمیم لان من جملۃ العفاف ان لا یفضح المحبوب. ہو الکتمان وان لا یشکو ولا یجزع وہو الصبر وما فی القاموس عف کف عما لا یحل ولا یجمل صریح فی عموم معنی العفاف۔

عشق آن شعلہ است کہ چوں برفروخت + ہر چہ جز معشوق باقی جملہ سوخت

(تو محبوب کا ماسوا تو اس عشق سے فنا ہو گیا) پھر جب اپنے نفس کو اس سے بھی بالکل بعید کر دیا اور مراقبات (و اذکار) سے محبوب حقیقی کی طرف توجہ کر کے اس کو قریب کر دیا تو اس محبوب سے بھی انقطاع تعلق ہو گیا پس سب تعلقات رخصت ہو گئے اور صرف وہ محبوب حقیقی باقی رہ گیا جیسا شعر بالا کے بعد مولانا رومی فرماتے ہیں ؎

تیغ لا در قتل غیر حق براند + درنگر آخر کہ بعد لا چہ ماند
ماند الا اللہ باقی جملہ رفت + مرحبا اے عشق شرکت سوز رفت

اور حاصل اس شرط کا عفاف ہے باقی کتمان و صبر یہ تخصیص بعد تعمیم ہے کیونکہ منجملہ عفاف یہ بھی ہے کہ محبوب کو رسوا نہ کرے (جیسا حدیث میں منجملہ حقوق عباد کے اعراض یعنی دوسروں کی آبرو کی حفاظت کو بھی فرمایا ہے) اور کتمان یہی ہے اور (نیز منجملہ عفاف) یہ بھی ہے کہ شکایت (تکلیف کی) نہ کرے جزع نہ کرے اور صبر یہی ہے (اور یہ بے صبری بھی ناجائز اور عفاف کے خلاف ہے اور (عفت کے معنی میں) قاموس کا قول کہ عف کے معنی ہیں ہر ایسی بات سے رکا جو حلال نہیں اور زیبا نہیں صریح ہے عفاف کے معنی کے عام ہونے میں (جس کا اوپر تقریر میں دعوی کیا گیا)۔

چھتیسواں نادرہ در تحقیق مسئلہ رویت قیامت

الحدیث۔ حدیث صہیب فی قولہ تعالی للذین احسنوا الحسنی وزیادۃ رواہ مسلم کما ذکرہ المصنف قلت ہو قال (صہیب) قرأ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم قولہ تعالی للذین احسنوا الحسنی وزیادۃ قال اذا دخل اہل الجنۃ الجنۃ واہل النار النار نادی مناد یا اہل الجنۃ ان لکم عند اللہ موعدا یرید ان ینجزکموہ فقالوا ما ہذا الموعد الم

حدیث: صہیب کی حدیث اس آیت کے متعلق کہ جن لوگوں نے نیک کام کئے ان کے لئے اجر نیک ہے اور ایک زائد انعام ہے روایت کیا اس کو مسلم نے جیسا کہ مصنف نے ذکر کیا میں (یعنی عراقی) کہتا ہوں کہ وہ حدیث یہ ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ آیت پڑھی للذین احسنوا الحسنی وزیادۃ جس کا ترجمہ اوپر گذر چکا اور فرمایا جب اہل جنت جنت میں اور اہل نار نار میں داخل ہو چکیں گے ایک پکارنے والا پکارے گا اے اہل جنت تمہارے لئے اللہ تعالی کے نزدیک ایک وعدہ ہے وہ تم سے اس کو پورا کرنا چاہتا ہے (اہل جنت تعجب سے) کہیں گے وہ وعدہ کیا ہے کیا اللہ تعالی نے ہماری ترازو

ثقل موازيننا ويبيض وجوهنا ويدخلنا الجنة ويجرنا
من النار قال فيرفع الحجاب فينظرون الى وجه الله عز وجل
فما اعطوا شيئا احب اليهم من النظر اليه. ف دل على رؤيته
تعالى وهو بظاهره يدل على رؤية الذات وهو مذهب الجمهور
وذهب البعض الى كونها تجليا مثاليا كما في حديث مسلم ايضا
عن ابي هريرة لما سالوه صلى الله عليه وسلم هل نرى ربنا يوم القيمة
الى ان قال صلى الله عليه وسلم فياتيهم الله في صورته التي
يعرفون فيقول انا ربكم فيقولون انت ربنا الحديث والله تعالى
منزه عن الصورة فاقرب تاويلها هو التجلي المثالي والمبهم
يحمل على المفسر هذا ما قالوه لكن الظاهر ان هذه الرؤية في
الموقف يوم القيمة غير الرؤية التي في الجنة لكرامة اولياء الله
تعالى واما هذه فللامتحان صرح به الخطابي كما نقل عنه النووي
في شرح مسلم ولا نسلم الابهام فان قوله عليه السلام
ينظرون الى وجه الله تعالى صريح في رؤية العين فلا نفسر
بالتجلي المثالي ولنتمم الفائدة بنقل بعض الفاظ الحديث مع توجيه
بعض اجزائه على اصول القوم واللفظ لابي سعيد الخدري
حين يقال لاهل الموقف ليتبع كل امة ما كانت تعبد
في آخره حتى اذا لم يبق الا من كان يعبد الله تعالى من بر و
فاجر اتاهم رب العالمين في ادنى صورة من التي راوه فيها
اي عرفوه بها كما في لفظ ابي هريرة وتبقى هذه الامة فيها
منافقوها فياتيهم الله في صورة غير صورته التي يعرفون الحديث
اي قبل ذلك في الدنيا ويكون هذا تجليا مثاليا كما هو ظاهر
مدلول لفظ الصورة قال فماذا تنتظرون تتبع كل امة

کو (نیکیوں سے) وزنی نہیں فرما دیا اور کیا ہمارے چہروں کو سفید نہیں کر دیا اور کیا
ہم کو جنت میں داخل نہیں کر دیا اور کیا ہم کو دوزخ سے نہیں بچا لیا (اب کیا چیز بڑھ کر
ہوگی جو بھی باقی ہو) رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا پس حجاب اٹھا دیا جاویگا
اور حق تعالیٰ کے روئے مبارک کی طرف نظر کرینگے سو انکو کوئی چیز ایسی عطا نہیں
ہوئی جو انکے نزدیک حق تعالیٰ کی طرف نظر کرنے سے زیادہ محبوب ہو۔ ف یہ حدیث
رویت باریتعالیٰ پر صریح دال ہے اور یہ حدیث اپنے ظاہر الفاظ سے رویت ذات
پر دلالت کرتی ہے اور یہی مذہب ہے جمہور کا اور بعضے اس رویت کو تجلی مثالی کی
طرف گئے ہیں جیسا کہ مسلم ہی کی دوسری حدیث میں حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے ہے کہ جب
بعض صحابہ نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے سوال کیا کیا ہم قیامت کے دن اپنے
رب کو دیکھیں گے آپ نے اس ارشاد تک کہ پھر اللہ تعالیٰ انکے پاس تشریف لاوینگے ایسی
صورت میں جسکو یہ پہچانتے ہونگے اور فرماوینگے کہ میں تمہارا رب ہوں وہ لوگ
عرض کرینگے آپ ہمارے رب ہیں الخ تو اس حدیث میں اللہ تعالیٰ کیلئے لفظ صورت
وارد ہوا اور اللہ تعالیٰ صورت سے منزہ ہیں (پس یہ متشابہ) ہو گیا اور سب
سے قریب تر تاویل تجلی مثالی ہے اور مبہم کو مفسر پر محمول کیا جاتا ہے (پس رویت کا
بطریق تجلی مثالی ہونا ثابت ہو گیا) یہ وہ قول ہے جو (اپنے مطلوب پر استدلال میں)
انہوں نے کہا ہے لیکن (یہ استدلال کافی نہیں کیونکہ) ظاہر یہ ہے کہ یہ رویت جو قیامت
کے دن موقف میں ہوگی اس رویت سے مغایر ہوگی جو جنت میں اولیاء کے اکرام کیلئے
ہوگی اور یہ موقف کی رویت تو محض امتحان کیلئے ہوگی (جیسا عنقریب آتا ہے)
خطابی نے اس مغایرت کی تصریح کی ہے جیسا کہ نووی نے شرح مسلم میں ان سے نقل کیا ہے
اور ہم ابہام کو تسلیم نہیں کرتے کیونکہ یہ قول ینظرون الی وجہ اللہ تعالیٰ
رویت عینی میں صریح ہے پس تجلی مثالی کیساتھ مفسر نہ کرینگے اور تتمیم فائدہ کیلئے
میں اس حدیث کو مع اسکے بعض اجزاء کی توجیہ بنا بر اصول قوم کے ابوسعید خدری
کے الفاظ سے نقل کرتا ہوں جبکہ اہل موقف سے کہا جاویگا ہر جماعت کو چاہئے

ما كانت تعبد قالوا يا ربنا فارقنا الناس افقر ما كنا
اليهم ولم نصاحبهم فيقول انا ربكم فيقولون نعوذ
بالله منك لا نشرك بالله شيئا مرتين او ثلثا
حتى ان بعضهم ليكاد ان ينقلب (عن السوال)
ويرجع عن الامتحان الشديد الذي جرى
قال النووي لعل وجه انكارهم ان الحال انهم
يعرفون الحق في الدنيا بتجل مثالي ايضا على
اوضاع مختلفة في ازمان مختلفة ويكون في
التجلي المثالي المحشري غير منطبق عليه كما دل عليه
قوله عليه السلام في ادنى صورة من التي راوه فيها
الحديث ولعل حكمة الامتحان كما سبق عن
الخطابي والنووي يعني امتحان ايمانهم ودعواهم
التوحيد قولهم فارقنا الناس فيتجلى لهم في
غير صورهم الذهنية ولم يتجلى فيهم عليها
ضرورة بكونه تجليا ربانيا فلما انكروها
ظهر صدق دعواهم التوحيد حيث نفوا
ربوبية ما زعموه غير الرب لعل الانقلاب عن
الصواب هو لغلبة الاحوال على عقولهم حيث
لا يعلمون ينكرون التجلي المثالي الاخر الاتي
فيما بعد قياسا لاحدهما على الاخر فيقول
هل بينكم وبينه اية فتعرفونه بها فيقولون
نعم فيكشف عن ساق فلا يبقى من كان يسجد
لله من تلقاء نفسه الا اذن له بالسجود

کہ اپنے معبود کیساتھ جاوے اور اس حدیث آخر میں ہے کہ یہاں تک کہ جب کوئی باقی نہ رہیگا
بجز ان لوگوں کے جو اللہ تعالیٰ کی عبادت کرتے تھے خواہ نیک ہوں یا بد اس وقت رب العالمین
ان کے پاس ایسی صورت میں تشریف لاویں گے جو اس صورت سے ادنیٰ ہوگی
جس میں پہلے دیکھا تھا (یعنی جس صورت سے پہلے معرفت حاصل تھی جیسے ابوہریرہ کے
الفاظ میں اس طرح ہے کہ امت باقی رہ جاویگی جس میں منافقین بھی ہوں گے پس
اللہ تعالیٰ ان کے پاس ایک ایسی صورت میں آویگے جو اس کی اس صورت کے علاوہ ہوگی
ان لوگوں کو معرفت حاصل تھی یعنی اس سے قبل دنیا میں پس جن جوجہ کہ کی تفسیر معرفت
کی ہے وہ اس دلیل سے ثابت ہوگئی اور یہ رویت تجلی مثالی ہوگی جیسا اس صورت کا
ظاہر ہوا ہے) پھر ارشاد ہوگا تم کس چیز کے منتظر ہو ہر جماعت اپنے معبود کیساتھ جاوے
وہ لوگ عرض کرینگے اے ہمارے رب ہم (صرف آپ کیلئے) دوسرے لوگوں سے ایسی حالت میں
جدا ہوئے کہ ہم کو ان کی طرف سخت احتیاج تھی اور ان کا ساتھ نہیں دیا (پس اب ہم
آپکو چھوڑ کر کہاں جائیں) حق تعالیٰ ارشاد فرماوینگے میں تمہارا رب ہوں چونکہ
اس تجلی میں حق تعالیٰ کو پہچانیں گے نہیں اسلئے) وہ لوگ کہیں گے کہ ہم اللہ تعالیٰ
کی پناہ مانگتے ہیں تجھ سے ہم اللہ تعالیٰ کے ساتھ کسی کو شریک نہیں کرتے۔ دوبار
یا تین بار ایسا کہیں گے یہاں تک کہ بعضے تو بالکل اس کے قریب ہو جائیں گے کہ
(امر صواب سے) منقلب ہوجائیں (اور اس سے ہٹ جائیں بسبب امتحان شدید کے
جو کہ جاری ہوگا۔ نووی نے کہا ہے اور ان لوگوں کے اس انکار کی کہ تو ہمارا رب نہیں
شاید یہ وجہ ہو کہ جس وقت سے حق تعالیٰ کی ان کو دنیا میں معرفت حاصل ہے وہ بھی تجلی
مثالی ہے جو ازمان مختلفہ میں اوضاع مختلفہ پر ہے اور یہ تجلی مثالی ذہنی اس وقت کی
تجلی مثالی محشری پر منطبق ہوگی نہیں جیسا کہ اس پر رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کا یہ
ارشاد دال ہے فی ادنی صورۃ من التی راوہ فیہا اور شاید حکمت اس تغایر تجلی کی امتحان ہو
جیسا خطابی و نووی سے اوپر مذکور ہوا ہے یعنی امتحان ان کے ایمان کا اور ان کے
دعوی توحید کا اور ان کے اس قول کا کہ ہم لوگوں سے جدا ہوگئے تھے۔ پس اس تجلی

ولا یبقی من کان یسجد اتقاء ورياءً الا جعل
الله ظهره طبقة واحدة كلما اراد ان یسجد
خر على قفاه (قال القاضي عياض كما نقله
عنه النووي قيل المراد بالساق هنا نور عظيم
وورد ذلك في حديث عن النبي صلى الله عليه وسلم
اه قلت ويخلق الله حينئذ فيهم علما ضروريا
بكونه تجليا ربانيا وان لم يعرفوه به قبل ذلك
والله اعلم) ثم يرفعون رؤسهم وقد
تحول في صورته التي راوه فيها اول مرة فقال
انا ربكم فيقولون انت ربنا الحديث (باب اثبات
رؤية المؤمنين ج١) والذي ارى ان هذا التحول
هو ظهوره في الصورة الذهنية المثالية التي
كانوا يعرفونه بها قبل ذلك وهذا هو الذي
وعدنا باتيان ذكره بقولنا لسياتي في الحديث
ويجوز هذا التحول في التجليات المثالية
من بعضها الى بعض وهذه الصورة وان كانت
واحدة بالتشخص لكنها يمكن ان ترى مختلفة
في ابصار مختلفة فلا يشكل انطباق التصورات
المختلفة على الصورة المتعينة هذا وانما لم
يتجل بصورة اعلم عرفوه مغايرة لها لعدم
حصول حكمة الامتحان به لان كل مؤمن
يعتقد انه تعالى ليس دون ما اعتقد بانه
ولا يعتقد انه ليس فوق ما اعتقده فلو تجلى

کیلئے اُن کیلئے اُنکی صورت ذہنیہ سے مغائر صورت میں تجلی فرمائی اور اس کی ساتھ
اُن میں اس کا علم ضروری پیدا نہیں فرمایا کہ یہ بھی تجلی ربانی ہے پس جب انھوں نے اس
صورت کا انکار کیا تو اُن کے دعویٰ توحید کا صدق ظاہر ہو گیا کہ انھوں نے جسکو غیر رب
سمجھا اُس کی ربوبیت کا انکار کر دیا اور شاید انقلاب عن الصواب کا سبب اُن کے تقوائے
احوال کا غلبہ ہو اس طرح کہ مستبعد نہ تھا کہ اس پر قیاس کر کے اُس تجلی مثالی کا بھی
انکار کر بیٹھیں جس کا ذکر عنقریب اسی حدیث میں آتا ہے) پھر ارشاد فرمادینگے کیا تمہارے
اور رب تعالیٰ کے درمیان کوئی علامت ہے جس سے تم اُسکو پہچان لو وہ کہینگے ہاں پس
ساق کو کھول دیا جاویگا پس کوئی ایسا شخص باقی نہ رہیگا جو اللہ کو سجدہ کرتا ہو دل سے
مگر اُسکو سجدہ کی توفیق ہو جاویگی اور کوئی ایسا شخص باقی نہ رہیگا جو تقیہ اور ریا سے
سجدہ کرتا ہو مگر اللہ تعالیٰ اُس کی کمر کو ایک تختہ کر دیں گے وہ جب بھی سجدہ کرنا چاہیگا
فوراً ہی قفا کے بل گر پڑیگا (قاضی عیاض نے کہا ہے جیسا کہ نووی نے اُن سے نقل
کیا ہے کہ بعض نے کہا ہے کہ مراد ساق سے اس جگہ ایک نور عظیم ہے اور یہ ایک حدیث میں
نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے وارد ہوا ہے اھ میں (اشرف علی) کہتا ہوں کہ اُن لوگوں میں اس
وقت اللہ تعالیٰ اُس کے تجلی ربانی ہونے کا علم ضروری پیدا کر دینگے اگرچہ اس کے قبل
اس تجلی سے اُنکو اُس کی معرفت نہ تھی واللہ اعلم) پھر یہ لوگ سجدہ سے اپنا سر اُٹھاوینگے
اور اللہ تعالیٰ اپنی ایسی صورت پر منتقل ہو چکے ہوں گے جس میں اُن لوگوں نے اُنکو اول بار
(یعنی دنیا میں) دیکھا تھا (یعنی پہچانا تھا) پھر فرماوینگے میں تمہارا رب ہوں۔ وہ
لوگ کہینگے آپ ہمارے رب ہیں الحدیث (مسلم ج۱ باب اثبات رؤیۃ المؤمنین ربہم)
اسمیں میں جو سمجھا ہوں یہ ہے کہ اس انتقال کی حقیقت اُس صورت مثالیہ ذہنیہ میں ظہور ہے جسکے ذریعہ
سے وہ لوگ حق تعالیٰ کو اس کے قبل دنیا میں پہچانتے تھے اور یہی تجلی ہے جسکے ذکر رہنے کا ہم نے
اپنے اس قول میں وعدہ کیا تھا وہ قول یہ ہے "جس کا ذکر عنقریب حدیث میں آتا ہے" اور تجلیات مثالیہ
میں ایسا انتقال ایک سے دوسرے کی طرف جائز ہے اور یہ صورت مثالیہ اگرچہ واحد بالشخص ہوگی
لیکن ممکن ہے کہ ابصار مختلفہ میں حسب تصورات مختلفہ مختلف اطوار میں نظر آتے ہیں پس یہ اشکال نہیں

بصورة اعلى لساغ احتمال كونه تجليا ربانيا و ما نفاه فلم يحصل الامتحان فلما تجلى بصورة ادنى وكان يعتقدانه ليس ادنى حكم بالنفي فافهم واعلم ان كل ما ذكرته هنا فى شرح الحديث على اصول القوم ليس شئ منها قطعيا نعم هو اقرب من كل ما ذكره اخرون من العلماء كقول بعضهم فى التجلى الادنى انه بعض الملائكة ظهر لهم ولا يخفى عليك بعده وإباء قوله عليه السلام انا ربكم رب العالمين عن هذا الحمل كما نه عثرت بهذا التقرير على ما ادعيناه من ان التجلى فى الجنة يكون برؤية الذات ان لم يدركنها وفى الموقف بالمثال كما كان لموسى عليه السلام بالطور بصورة النار ولا يمتنع عليه المثال بمعنى المشارك له فى الوصف لقوله تعالى وله المثل الاعلى ويمتنع عليه المثل بمعنى المشارك فى الماهية لقوله تعالى ليس كمثله شئ وهذا المثال وان لم يكن قديما لكن للتشارك البالغ الى حد الكمال يكون مرأة للقديم والالتفات لذهن الى وجوه التغائر والتمائز بينهما اقتصر وتفكر لئلا تضل ولا تزل فالمقام ادق من الشعر واحد من السيف ومما يتعلق بالحديث ما قال النووي انه ليس فى الحديث تصريح برؤية المنافقين لله تعالى وانما فيه ان الجمع الذين

نہیں ہوتا کہ تصورات مختلفہ صورت متعینہ پر کیسے منطبق ہوں گے۔ خوب سمجھ لو اور دیکھئے ادنیٰ صورت میں تجلی فرمائیے (ایسی صورت میں تجلی نہ فرمانا جو اُن کی پہچانی ہوئی صورت سے اعلیٰ ہو اس وجہ سے ہے کہ اس سے امتحان کی حکمت حاصل نہ ہوتی اس لئے کہ ہر مومن کا یہ اعتقاد ہے کہ اللہ تعالیٰ میرے اعتقاد سے کم نہیں ہے اور یہ کسی کا بھی اعتقاد نہیں کہ میرے اعتقاد سے فوق بھی نہیں ہے پس اگر صورت اعلیٰ میں تجلی فرماتے تو اس کو یہ احتمال ہوتا کہ شاید تجلی ربانی ہو اور اس کی نفی نہ کرتا پس امتحان حاصل نہ ہوتا اور جب صورت ادنیٰ میں تجلی فرمائی اور اس کا اعتقاد یہ تھا کہ وہ ادنیٰ نہیں ہے اس لئے نفی کا حکم کر دیا خوب سمجھ لو اور جاننا چاہئے کہ میں نے اس جگہ حدیث کی شرح میں اصول قوم پر جو کچھ ذکر کیا ہے ان میں کی کوئی جزو قطعی نہیں ہے البتہ دوسرے علماء نے جو کچھ ذکر کیا ہے ان سب سے اقرب ضرور ہے مثلاً بعض نے کہا ہے کہ ادنیٰ صورت میں تجلی کسی فرشتہ کا ظہور ہوگا اور اس کا بعید ہونا اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے ارشاد انا ربکم رب العالمین کا اس سے آبی ہونا ظاہر ہے اور غالباً تم اس تقریر سے ہمارے اس دعوے پر آگاہ ہو گئے ہوگے کہ جنت میں تجلی رویت ذات سے ہوگی اگرچہ اس کی کنہ کا ادراک نہ ہوگا اور موقف میں مثال سے ہوگی جیسا موسیٰ علیہ السلام کو کوہ طور پر بصورت نار ہوئی تھی اور حق تعالیٰ پر مثال بمعنی مشارک فی الوصف ممتنع نہیں چنانچہ ارشاد ہے وله المثل الاعلى اور مثل بمعنی مشارک فی الماہیہ ممتنع ہے جیسا ارشاد ہے لیس کمثلہ شئ اور گو یہ مثال قدیم نہیں لیکن تشارک کامل کے سبب قدیم کا مرآۃ ہو جاتی ہے اور اس قت ذہن کو وجوہ تغائر و تمائز کی طرف التفات نہیں ہوتا خوب بصیرت اور فکر کام لو تاکہ غلطی اور لغزش میں نہ پڑ جاؤ کیونکہ یہ مقام بال سے بار یک اور تلوار سے تیز ہے۔ اور اس حدیث کے متعلق وہ بات بھی ہے جو نووی نے ذکر کی ہے کہ اس حدیث میں اس کی تصریح نہیں ہے کہ منافقین کو بھی اللہ تعالیٰ کی رویت ہوگی صرف حدیث میں یہ ہے کہ ایسی جماعت کو جس میں مومنین و منافقین دونوں ہوں گے رویت ہوگی اور اس سے یہ لازم نہیں آتا کہ سب ہی کو رویت ہو اور کتاب و سنت کے دلائل اس پر قائم ہیں کہ منافق کو حق سبحانہ و تعالیٰ کی رویت نہ ہوگی (جیسے ارشاد ہے کلا انهم عن ربهم یومئذ لمحجوبون) اور جاننا چاہئے کہ حدیث سے ایک مسئلہ مہمہ مستنبط ہوتا ہے وہ یہ کہ جیسے اللہ تعالیٰ نے

فيهم المؤمنون والمنافقون بروز وهذا لان النقص
ازيل له جميعهم وقد قامت الادلة من الكتاب
والسنة على ان المنافق لايراه سبحانه وتعالى اه
وكقوله تعالى في الكفار كلا انهم عن ربهم يومئذ
لمحجوبون واعلم ان الحديث تستنبط منه مسئلة
وهو انه كما ان الله تعالى قد عذر من نفى ما لا
يعرفه من الحق مع كونه مثبتا في الواقع كذلك
يعذر من اثبت ما عرفه منه مع كونه منفيا
في الواقع لاشتراك العلة وهو التكليف بحسب
العلم كما وقع لبعض المكاشفين من توهمهم
التجلي الروحي تجليا ربانيا والظن انه يعذر
ان شاء الله تعالى وحمل بعضهم قول ابراهيم
عليه السلام هذا ربي على مثل هذا العذر
منهم العارف الرومي في الدفتر الخامس من
المثنوي بعد اربعة اخماس منه قبيل قصة الشيخ
محمد بقوله ؎ گفت هذا ربی ابراہیم راد +
چونکہ اندر عالم وہم اوفتاد واختاره الشيخ عبد القادر
الدهلوي من ساداتنا في تفسيره لهذه القصة
واني وان لم ارض به للانبياء لكن ذهاب بعض
اهل الحق اليه كاف في جواز احتمال كونه عذرا

ایسے شخص کو معذور رکھا جس نے حق کے ایسے وصف کی نفی کی جس
کی اس کو معرفت نہ تھی باوجودیکہ واقع میں وہ وصف مثبت
تھا اسی طرح وہ شخص بھی معذور کہا جاوے گا جو ایسے وصف کو
ثابت کرے جس کی اس کو معرفت ہے گو وہ واقع میں منفی ہو
کیونکہ دونوں جگہ علت معذوریت کی مشترک ہے اور وہ
علت تکلیف ہے۔ حسب العلم جیسا بعض مکاشفین نے تجلی
روح کو تجلی حق سمجھ لیا امید ہے کہ معذور ہوں گے۔ اور
بعض نے حضرت ابراہیم علیہ السلام کے قول ھٰذا ربی کو
اسی قسم کے عذر پر محمول کیا ہے ان میں سے عارف رومی رح بھی
ہیں۔ دفتر خامس کے چار خمس کے بعد شیخ محمد کے قصہ سے
ذرا قبل اس قول میں ؎

گفت ہذا ربی ابراہیم راد
چونکہ اندر عالم وہم اوفتاد

اور ہمارے مشائخ میں سے حضرت شاہ عبد القادر دہلویؒ
نے اپنی تفسیر میں اسی کو اختیار کیا ہے اور اگرچہ مجھکو انبیاء
علیہم السلام کے شان میں یہ پسند نہیں لیکن بعض
اہل حق کا اس طرف جانا اس کے عذر محتمل ہونے
کے لئے تو کافی ہے

واللہ اعلم۔

ستیسواں نادرہ در تحقیق اکل مرتین فی یوم واحد

الحديث ما اكثر من اكلة كل يوم سرف (هب عن عائشة) ولوروده في كنز العمال بيض

حدیث: ایک دن میں ایک بار سے زیادہ کھانا اسراف ہے اور ایک روایت میں اتنا اور زیادہ ہے کہ اللہ تعالیٰ اسراف کرنے والوں کو پسند نہیں فرماتے اور کنز العمال

برمز هب عن عائشة وضعف وزاد فيها وادنة لا يحب المسرف فيز ورده في الجامع الصغير في حرف الكاف من فعله صلى الله عليه وسلم بلفظ كان اذا تغدى لم يتعش واذا تعشى لم يتغد برمز ر حل عن ابي سعيد كتب المحشي علامة صح لكن الغالب تصحيفه لانه صرح العزيزي في العبارة بان اسناده ضعيف فيقدم الصريح على الرمز وكان هذا تحقيقا لثبوت الحديث واما تحقيق مدلوله فهو ان بعض اهل الزهد تعلق بظاهر لفظه وادعى كراهة الاكل كل يوم مرتين ولا يصح التعلق لا ثبوتا ولا دلالة اما الاول فلضعفه والكراهة من الاحكام فلا تثبت بالضعيف وان لم يثبت ما يعارضه فلا تثبت فيما اذا وقد ثبت قولا وفعلا اما الاول فيكفيه الحض على السحور والافطار ويكونان في يوم واحد واما الثاني ففي جمع الفوائد في كتاب الزهد برواية الترمذي ما اكل ال محمد اكلتين في يوم واحد الا احداهما تمر ففيه تصريح بان الاكل مرتين في يوم واحد لا يعاب في بيته صلى الله عليه وسلم فكيف يحكم عليه بالكراهة اما الثاني وهو دلالة الحديث على الكراهة فيظهر حاله بالتامل في الفاظ الحديث فان عللها بكونه اسرافا والاسراف

میں اس حدیث کو ضعیف کہا ہے اور ایک روایت میں (فعلی حدیث) ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جب صبح کو کھانا نوش فرماتے تو شام کو نوش نہ فرماتے اور جب شام کو نوش فرماتے تو صبح کو نوش نہ فرماتے اور عزیزی نے اس حدیث کو ضعیف کہا ہے اور یہ تو حدیث کے ثبوت کی تحقیق ہے (کہ ضعیف ہے) باقی اس کے مدلول کی تحقیق وہ یہ ہے کہ بعض اہل زہد نے اس کے ظاہر الفاظ سے تمسک کر کے دعویٰ کیا ہے کہ ایک دن میں دو بار کھانا مکروہ ہے اور اس حدیث سے یہ تمسک صحیح نہیں نہ ثبوتاً نہ دلالۃً ثبوتاً تو اس لئے کہ حدیث ضعیف ہے (جیسا ابھی گذرا) اور کراہت منجملہ احکام کے ہے پس حدیث ضعیف سے وہ ثابت نہ ہوگی اگرچہ کوئی اس کا معارض بھی ثابت نہ ہو اور اگر معارض بھی ثابت ہو جاوے تو بدرجۂ اولیٰ کراہت ثابت نہ ہوگی اور (یہاں) معارض ثابت ہو چکا ہے قولاً بھی فعلاً بھی قولی ثبوت میں تو یہ بات کافی ہے کہ سحر و افطار کی ترغیب دی گئی ہے اور (ظاہر ہے کہ) دونوں ایک ہی دن میں ہوتے ہیں اور فعلی ثبوت یہ ہے کہ حدیث میں ہے کہ جب کبھی حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کے گھر والوں نے ایک دن میں دو بار کھانا کھایا ہے تو ان میں ایک بار کا کھانا خرما ضرور رہا ہے اس میں تصریح ہے کہ ایک دن میں دو بار کھانا آپ کے دولت خانہ میں معیوب نہیں تھا تو اس پر کراہت کا حکم کیسے لگایا جا سکتا ہے۔ رہا امر ثانی یعنی حدیث کی دلالت کراہت پر سو اس کا حال خود حدیث کے الفاظ میں غور کرنے سے ظاہر ہو جاتا ہے کیونکہ اس کی علت اسراف فرمائی گئی ہے اور اسراف حاجت اور اباحت کیساتھ جمع نہیں ہوتا پس حدیث اس صورت میں محمول ہوگی جبکہ دوسری بار بدون بھوک کے کھائے جیسا اہل تنعم خادماں حشم کی عادت ہے کہ محض اپنے حق وقت کیلئے کھاتے ہیں گویا وقت سبب ہے وجوب اکل کا جیسا وقت سبب ہے وجوب صلوٰۃ کا باقی جو شخص حاجت کے سبب کھائے اس میں کچھ بھی شناعت نہیں حتیٰ کہ اگر کسی شخص کو دو بار سے زائد کھانے کی حاجت ہو کسی مرض یا نقاہت کے سبب سے کے لئے دو بار سے زائد کھانے میں بھی حرج نہیں یا اس حدیث کو کہ صبح کو کھا کر شام کو نوش نہ فرماتے اور بالعکس اس پر محمول کیا جاوے کہ اکثر احوال میں کھانا موجود نہ ہوتا تھا۔ پس اس حدیث میں اس تنگی کا بیان ہوگا جو حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کی اکثری حالت تھی

لا یجتمع مع الحاجة والاباحة فیحمل الحدیث علی ما اذا اکل مرة ثانیة من غیر جوع کما هو عادة المترفین الخادمین للبطن یا کون اداء لحق الوقت کان الوقت سبباً لوجوب الاکل کما هو سبب لوجوب الصلوٰة واما من اکل للحاجة فلا شناعة فیہ اصلاً حتی ان من احتاج الی اکثر من مرتین لعارض المرض والنقاهة لاحرج فی اکله من مرتین ایضاً او یحمل الحدیث اذا تغدی ولم یتعش لو علی عدم وجدان الغداء او العشاء فی اکثر الاحوال فکان بیاناً لما کان علیه رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم من ضیق المعیشة کما

جیسا بخاری و مسلم کی حدیث میں حضرت عائشہ رضی سے روایت ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات ہو گئی اور ایک دن میں دو بار روٹی اور روغن زیتون سے آپ شکم سیر نہیں ہوئے اور حدیث اس پر محمول نہیں کہ آپ قصداً صبح و شام کا

روی الشیخان عن عائشة رضی اللہ عنہا قالت لقد مات النبی صلی اللہ علیہ وسلم وما شبع من خبز کھانا ترک فرماتے تو بھی اس طرح ہم کو اور لوازم تفریط وزیت فی یوم واحد مرتین لا علی ترک الغداء والعشاء عمداً فتنبه لحسن ان تقع فی الافراط والتفریط میں واقع ہونے سے احتیاط کرو۔ واللہ اعلم۔

ارتیسواں نادرہ رسالہ الارشاد فی مسئلة الاستعداد

اس رسالہ میں استعداد اور ہدایت کو فطری ہونے کی تحقیق ہے۔ یہ رسالہ کتاب ہذا کے صفحہ ۷۱۳ سے شروع اور صفحہ ۷۱۵ پر ختم ہوا ہے۔

انتالیسواں نادرہ رسالہ التحریض علی صالح التعریض

اس رسالہ میں اس کا اثبات ہے کہ تربیت کی مصلحت سے غیر مطلوب کی تعریض کرنا جائز بلکہ انفع ہے۔

یہ رسالہ کتاب ہذا کے صفحہ ۷۱۵ سے شروع اور صفحہ ۷۲۱ پر ختم ہوا ہے۔

چالیسواں نادرہ رسالہ الخصوصہ فی حکم الوسوسہ

یہ رسالہ کتاب ہذا کے صفحہ ۷۲۱ سے شروع اور صفحہ ۷۲۳ پر ختم ہوا ہے۔

اکتالیسواں نادرہ جبر محمود و جبر مذموم

اشعار ذیل مثنوی شریف دفتر اول ربع کے قریب سرخی "باز ترجیح نہادن شیر جہد را بر توکل کردن" کے نیچے نو شعر جدید ہیں

سعی شکر نعمت قدرت بود	جبر تو انکار آں نعمت بود
شکر نعمت نعمتت افزوں کند	کفر نعمت از کفت بیروں کند
جبر تو خفتن بود در رہ مخسپ	تا نہ بینی آں در و درگہ مخسپ
ہاں مخسپ اے کاہل بے اعتبار	جز بزیر آں درخت میوہ دار
تا کہ شاخ افشاں کند ہر لحظہ باد	بر سرت دائم بریزد نقل و زاد
جبر خفتن درمیان رہزناں	مرغ بے ہنگام کے یابد اماں

یعنی سعی وعمل کرنا نعمت قدرت کا شکر ادا کرنا ہے (یعنی اللہ تعالیٰ نے جو صفت قدرت بندہ کو عنایت کی ہے وہ ایک
نعمت ہے اسکا شکر یہی ہے کہ اپنی قدرت کو اعمال نیک میں صرف کرے) اور اعتقاد جبر (نفی اختیار وقدرت) کرلینا اُس
نعمت کا انکار و کفران ہے اور نعمت کا شکر کرنا نعمت کو بڑھاتا ہے اور کفران کرنا نعمت کو تمہارے ہاتھ سے سلب کردیتا ہے
دلیل عمل کہ نعمت ہے، موجب مزید نعمت ہوگا کہ قدرت و توفیق اعمال حسنہ کی زیادہ ہوگی اور جبر و تعطل کہ کفران ہے، موجب سلب نعمت
ہوگا کہ روز بروز توفیق میں کمی ہوتی جاویگی جس کا انجام حرمان ہوگا۔ اب جاننا چاہیے کہ جبر بالمعنی الاعم یعنی مطلق نفی اختیار
دو قسم ہے ایک وہ جس کا منشا فساد اعتقاد ہے یعنی یہ اعتقاد کرنا کہ واقع میں بندہ کو کوئی اختیار قوی یا ضعیف دیا ہی نہیں گیا۔ یہ
جبر مذموم کہلاتا ہے اور فرقہ جبریہ اسکے معتقد ہیں اور اہل حق نے کتاب وسنت سے اسی کو باطل ورد کیا ہے اور اسکے قائل ہونیکا
اثر اعمال خیر کا ناقص یا متروک ہوجانا اور شہوات میں بیباک دلیر اور اپنی بیگناہی کا معتقد ہوجاتا ہے دوسرا وہ جس کا
منشا غلبہ مشاہدہ اختیار خداوندی ہے یعنی چونکہ حق جل علاشانہ کے تصرفات و اختیارات عالم میں جاری ساری دیکھ رہا ہے
اس لئے باوجود اس اعتقاد کے کہ ہم کو بھی واقع میں کچھ اختیار دیا گیا ہے۔ اُس اختیار خداوندی کے روبرو اپنے اس اختیار ضعیف کو
محض معدوم تو نہیں مگر کالعدم سمجھتا ہے جیسا وحدۃ الوجود کے مسئلہ میں وجود ضعیف کا مضمحل ہونا وجود قوی کے سامنے بیان کیا گیا
ہے۔ یہ جبر محمود کہلاتا ہے اور یہ عارفین کا مذاق ہے اور کتاب وسنت اسکو رد نہیں کرتے بلکہ مؤید ہیں اور اس کے حاصل ہونیکا اثر
طاعات کا زائد و کامل ہوجانا اور خلاف مرضی الٰہی ارادوں کا فنا ہوجاتا ہے۔ جب یہ قسمیں معلوم ہوگئیں تو سمجھنا چاہیے کہ ان
اشعار میں جو جبر کی مذمت کی گئی۔ شاید کوئی تارک اعمال وعبادات یہ کہتا کہ میرا جبر محمود ہے مذموم نہیں اس لئے مولانا اگلے
شعر سے اسکا جواب دیتے ہیں جس کا خلاصہ یہ ہے کہ تو غیر واصل ہے تیرا جبر ہوگا مذموم ہوگا البتہ واصل ہونیکے بعد جبر محمود نصیب
ہوسکتا ہے۔ اسی کو ایک مثال کے ضمن میں بیان کیا ہے جس سے دونوں جبر کے نتائج و آثار میں فرق بھی معلوم ہوجاویگا۔
چنانچہ ارشاد فرماتے ہیں (مطلق جبر کی مثال ایسی ہے جیسا سونا کہ اُس میں مسلوب الاختیار ہوجاتا ہے، تو تم لب راہ میں مت سوؤ۔
(یعنی جبتک طریق وصول الی اللہ کو قطع نہیں کیا اس وقت تک جبر کو اختیار مت کرو کیونکہ ایسے وقت میں چونکہ غلبہ مشاہدہ
یقیناً حاصل نہیں تو وہ جبر جبر مذموم ہوگا صرف نفس نے اپنے آرام کیلئے اسکو ایک بہانہ تجویز کیا ہے) جبتک اُس (محبوب کے) در و درگاہ
کو دیکھ لو (یعنی مقام مشاہدہ تک وصول ہوجاوے) اُس وقت تک مت سوؤ (یعنی جبر اختیار مت کرو) دیکھو خبردار تم کاہل و
بے اعتبار ہو (کیونکہ مبتدی کا قائل جبر ہونا نفس کی کاہلی سے ہوتا ہے اس لئے اُس کا اعتبار نہیں) جبتک درخت میوہ دار کے نیچے
نہ پہنچ جاؤ (کہ وہ مقام وصول و مشاہدہ ہے جس کا ثمرہ قرب و فیوض الٰہیہ ہیں) اُس وقت تک مت سونا (یعنی جبر کو اختیار مت کرنا
البتہ درخت مشاہدہ تک پہنچکر اگر سو رہو یعنی جبر اختیار کرلو تو مضائقہ نہیں کیونکہ وہ جبر دوسری قسم کا ہوگا کہ محمود ہے مذموم نہیں

بلکہ موجب ترقی مراتب قرب ہے جیسا فرماتے ہیں) تاکہ (اُس درخت کے نیچے سونے سے) ہر لحظہ ہوائے فیض آں شاخ کو بالا کرم پر میوہ افشانی کرے اور تمہارے سر پر نقل و زاد (مراتب قرب علوم و اسرار) کو ریختہ کرے اور جہر مذموم ایسا ہے جیسا کوئی (منزل پر پہنچنے کے قبل) رہزنوں کے درمیان سو رہے (تو وہ بوجہ اس کے کہ بیوقوف اُس نے ایک کام کیا مثل مرغ بے ہنگام کے ہوگا اور) مرغ بے ہنگام امن نہیں پاتا (جیسا ولایت میں دستور ہے کہ بے وقوف اذان کہنے سے اُس مرغ کو ذبح کر ڈالتے ہیں اسی طرح یہ شخص ہلاک ہوگا۔

بیالیسواں[۴۲] نادرہ در معنی اصطلاحات جمع و فرق و جمع الجمع

آں یکے ماہے ہمی بیند عیاں | واں یکے تاریک می بیند جہاں
واں یکے سہ ماہ می بیند بہم | ایں سہ کس بنشستہ یک موضع نعم
چشم ہر سہ باز و گوش ہر سہ تیز | در تو آویزاں و از من در گریز
سحر عین ست ایں عجب لطف خفی ست | بر تو نقش گرگ و بر من یوسفی ست
عالم از ہیجدہ ہزار ست و فزوں | ہر نظر را نیست ایں ہیجدہ زبوں

(یہ مقولہ ہے مولانا کا واسطے تقریر مضمون بالا تفاوت اہل ادراک یعنی) ایک شخص ہے جو چاند کو صاف دیکھ رہا ہے (مراد ماہ سے تشبیہاً حق تعالیٰ ہیں اور دیدن سے مراد مشاہدہ ہے جس کی تفسیر کئی بار گذر چکی ہے اور اُس کو عیاں کہنا مجاز ہے باعتبار اطمینان تام کے یعنی مشاہدہ و غلبہ بحق سے مشرف ہے اور خلق کی طرف اصلاً ملتفت نہیں) اور ایک دوسرا شخص وہ ہے جو عالم کو تاریک دیکھ رہا ہے (یعنی صرف مخلوق پر اُس کی نظر التفات ہے اُس کو مرآۃ مشاہدہ انوار حق نہیں بنایا اور مصنوع سے صانع کی طرف توجہ منصرف نہیں کی گویا عالم اُس کی نظر میں تاریک ہے) اور ایک تیسرا شخص وہ ہے جو تین چاند دفعۃً دیکھ رہا ہے (مراد اس سے وہ شخص ہے جو ایک حالت میں حق کو خلق پر نظر رکھتا ہے پس ایک ماہ تو حق تعالیٰ ایک ماہ خلق باعتبار مرآۃ حق کے ورنہ بدون مرآتیت کے ابھی تاریک کہہ چکے ہیں تیسرا ماہ یہ مجموعہ دو ماہ کا اور ہر چند کہ اس مجموعہ کا کہ موجود اعتباری ہے شمار کرنا ضرور نہ تھا لیکن چونکہ نظر بحق و نظر بخلق کا جمع علی سبیل التعاقب اس مرتبہ میں مقصود بالحکم نہیں بلکہ علی سبیل الاجتماع ملحوظ ہے اس مجموعہ کے اعتبار کر لینے سے اس اجتماع کی طرف اشارہ ہوگیا کیونکہ مجموعہ میں ہیئت وحدانیہ کا اعتبار ضروری ہے اور وحدۃ و اجتماع دونوں لفظ مترادف ہیں پس بہم تاکید کیلئے ہے اور ان مراتب ثلاثہ سے اول کو اصطلاح [illegible] کہتے ہیں ثانی کو فرق ثالث کو جمع الجمع غرض یہ تین قسم کے اشخاص ہیں) اور تینوں (ظاہر میں) ایک جگہ گویا اپنے اپنے خیال میں مست بیٹھے ہیں (نعم بمعنے مطلق خیال مجازاً) اور تینوں کی آنکھیں کھلی ہوئی اور تینوں کے کان تیز (یعنی ظاہری حسی حالت یکساں) مگر پھر اس قدر تفاوت کہ ایک حالت ایک شخص سے قریب اور متعلق اور دوسرے سے بعید و نفور

(مثلاً مشاہدۂ حق کہ صاحب جمع سے قریب اور صاحب فرق سے بعید اور یہاں من و تو سے مراد صرف یکے و دیگرے ہے بلا لحاظ معنی تکلم و خطاب) یہ تفاوت عظیم (باوجود تقارب امکنہ و احوال کے) ایک غیبی سحر (یعنی تصرف عجیب) اور عجب خفی اور لطیف (یعنی متعسر الادراک) امر ہے کہ ایک حالت ایک شخص کیلئے نقش زرگرہے اور دوسری کیلئے نقش یوسفی ہے (مثلاً مشاہدۂ خلق کہ صاحب فرق کیلئے مضر اور مہلک اور صاحب جمع الجمع کیلئے عین ایمان و عرفان) اور گو عالم اٹھارہ ہزار بلکہ اس سے بھی زیادہ ہیں (جیسے عالم انسان عالم اسد عالم فرس پس عالم سے مراد انواع ہیں اور مراد محض کثرت ہے) مگر اس تفاوت نظر کی وجہ سے یہ عالم ہر نظر کے تابع نہیں ہیں (یعنی سب کے ادراک نہیں ہوتا باعتبار آلۂ معرفت ہونے کے)۔

تینتالیسواں ماخذ در مضرت انکار شیخ و صعوبت سلب احوال باطنی و تحقیق حکم ابلاک بہمت یا بدعا یا تخشم

دربیان استغنا و عجب شاہزادہ و زخم خوردن از باطن شاہ

(حاصل مضمون اس سرخی کا یہ حکایت ہے کہ اس شاہزادہ کو شاہ چین سے فیض و برکات حاصل ہوئے مگر اسکو گمان ہوگیا کہ میں جب کامل ہوگیا مجھ کو شیخ کی اور اسکی خدمت کی کیا ضرورت ہے بس اسکا یہ وبال ہوا کہ وہ برکات سب مسلوب ہوگئے اور متنبہ ہوکر استغفار کیا اور اس کے بعد ایک سرخی اس قصہ کی اور آویگی اس میں اسکا تتمہ ہے کہ استغفار میں باطنی مضرت سے تو محفوظ ہوگیا یعنی وہ کمال سابق عائد ہوا ہو یا نہ ہوا ہو لیکن چونکہ شیخ کے قلب کو اس سے صدمہ پہنچا تھا اور اس کے قلب میں تصرف کی قوت بھی تھی اس کے اثر سے شاہزادہ مرگیا کہ صاحب تصرف اگر اسکا قصد بھی نہ کرے مگر اسکو صدمہ ہونا اس دنیوی ضرر کا سبب ہوجاتا ہے کیونکہ ناگواری میں ایک گونہ توجہ اس شخص کے اضرار کی طرف طبعاً ہوجاتی ہے اور اس سے یہ اثر ہوسکتا ہے اور اس تقریر سے کئی مسئلے بھی معلوم ہوگئے جو ظاہر ہیں اب صرف حل عبارت شرح اشعار میں کافی ہے)۔ (یہ اشعار مثنوی شریف دفتر ششم کے خیر میں ہیں)

من چوں مسلم گشت بے بیع و شری ۔۔۔ الی ۔۔۔ آدمی خود مبتلا ہست بود

جب مسلم ہوگیا بدون بیع و شراء کے باطن شاہ سے اس کے باطن میں (روحانی) روزینہ (جری بکسر اول و فتح ثانی بمعنی تصور وظیفہ یعنی فیوض و برکات باطنی شاہزادہ پر فائض ہونے لگے اور ظاہر ہے کہ یہ محل بیع و شری نہیں) وہ نور جان شاہ سے غذا کھاتا تھا اور اسکا ماہ جان ایسا ہوگیا تھا جیسا خورشید کا اور روزینہ روحی شاہ بے نظیر سے دمبدم اسکی جان مست میں پہنچتا تھا مست کہنا بوجہ بیخود و سکر کے) وہ (غذا) نہیں جسکو نصرانی اور مشرک کھاتے ہیں اور کہ وہ غذائے جسمانی ہے بلکہ اس غذا سے کہ اس کو ملائکہ کھاتے ہیں (یعنی غذائے روحانی بس) اس (شہزادہ نے اپنے اندر (بوجہ حصول کمالات کے ایک استغنا دیکھا اور اس استغنار سے ایک طغیان ظاہر ہوا کہ کیا میں شاہ بھی اور شاہزادہ بھی

نہیں ہوں (پھر) کیوں اپنی عنان اس بادشاہ کو میں نے دے رکھی ہے (اور) جب میرا ایک چاند با نور طلوع ہو چکا ہے پھر میں
ایک غبار کا تابع کیوں ہوں (یعنی دوسرے کے قلب سے جو شعاع پہنچی کہ وہ میرے چاند کے سامنے بمنزلۂ غبار ہے میں اس کا
کیوں اتباع کروں) پانی میری نہر میں (موجود) ہے اور (اب) وقت ناز (اور استغنا) کا ہے (پھر) میں کہ بے نیاز ہوں غیر کا
ناز کیوں اٹھاؤں میں کیوں باندھوں جب درد سر نہ رہا (یعنی امراض باطنی زائل ہوگئے پھر استفادہ عن الشیخ جو کہ اس کا
علاج تھا کیوں کروں اور) روئے زرد اور چشم تر کا وقت نہیں رہا یہ بھی لوازم مرض سے ہے اور میں جب شکر لب اور ماہ
رخسار ہو گیا ہوں تو (اپنی) دوسری دکان (الگ) کھولنا چاہئے (یعنی اب میں خود شیخ ہو کر رہ سکتا ہوں سب کا حاصل
اب استفادہ میں شیخ کا محتاج نہ رہنا ہے غرض) اس نافیت سے جب نفس بڑھنا شروع ہوا تو لاکھوں کو اس (دل میں)
بکنا شروع کیا (مولانا فرماتے ہیں کہ حرص و حسد سے اس طرف (یعنی آگے نکل کر) صدہا بیابان (بھی) ہوں دیگر وہاں تک
بھی نظر بد پہنچ جاتی ہے (یعنی بعد تہذیب اخلاق بھی اندیشہ ہے فساد حال کا اور یہ نظر بد عجب و خود بینی ہے جو اپنی ہی نظر ہے پس اس کو
بے فکر نہ رہنا چاہئے اور ہر وقت پیش نظر رکھے۔ ۵ بے عنایات حق و خاصان حق + گر ملک باشد سیہ ہستش ورق
پھر قصہ ہے کہ بادشاہ کو کشف سے اس کی خبر ہو گئی کیونکہ بادشاہ کا دریا (یعنی قلب) کہ ہر پانی (یعنی خواطر متعلقین
متعلقین) کا مرجع وہ ہے کیونکہ نہ جائیگا جو کہ سیل اور نہر میں ہے (یعنی صاحب بصیرت کے بوجہ اسکے کہ اپنے متعلقین کی طرف
توجہ ہوتی ہے جو سبب ہے کشف کا انکے ایسے حالات عیاناً یا وجداناً مکشوف ہو جاتے ہیں) بادشاہ کے قلب کو اسکی (اس)
خیال سے تکلیف ہوئی (یعنی) اسکی عطائے جدید کی ناسپاسی سے تکلیف ہوئی اور اپنے دل میں) کہا کہ آخر اے خسیس بے مت اور
یہی میرے عطا کی سزا تھی عجیب بات ہے کہ میں تو تیرے ساتھ کیا کیا اس گنج نفیس سے (اور) تو نے میرے ساتھ کیا کیا تو نے
خسیس سے میں نے تیری آغوش میں ایسا چاند رکھ دیا کہ قیامت تک (بھی) اسکو غروب ہو گا (مراد قلب منور اور) تو نے اس نور پاک
کی عطا کے عوض میں میری آنکھ میں خار اور خاک جھونک دیا (یعنی ناسپاسی سے صدمہ پہنچایا) میں تو تیرے لئے چرخ (یعنی عالم
علوی) پر نردبان ہو گیا (اور) تو میرے حرب میں تیر و کمان (ہو گیا غرض) شاہ میں درد و غیرت پیدا ہوا (غیرت اس پر کہ
باوجود مجھ سے فیض لینے کے اپنے کو بے نیاز سمجھتا ہے اور ایسی بڑی نعمت کی ناسپاسی کرتا ہے اور اس) درد شاہ کا عکس
(اور اثر) اس میں پہنچا (یعنی اسکے اندر اسکا ضرر ہوا اور وہ یہ کہ) مرغ دولت (باطنی) اس (بادشاہ) کے عتاب کے سبب آشیانۂ
قلب شاہزادہ سے) متحرک ہوا (اور) اس گوشہ نشینی (یعنی منفرد عن الشیخ) کے پردہ (قلب) کو اس (مرغ) نے پھاڑا اور اڑ گیا
جب اپنا باطن اس اچھے لڑکے نے اپنی سیہ کاری سے اثر کیا ہوا دیکھا کہ وہ روزینہ لطف و نعمت کا گم ہو گیا (اور) اسکی
خوشی کا گھر پر غم ہو گیا (تب) وہ ہوش میں آیا مستی شراب (عجب) سے (اور) اس گناہ سے اسکا سر پر خمار ہو رہا تھا

(مولانا فرماتے ہیں) جو شخص طریق محبوب میں خود بینی کرے اُس نے مغز کو چھوڑ دیا اور بالکلیہ پوست دیکھا (یعنی حقیقت کہ اسکی نظر سے محجوب ہو گئی) میرا دشمن بھی جہاں میں خود بین ہو (مطلب یہ کہ دشمن جس کیلئے انسان طبعاً بُرائی چاہتا ہے مگر خود بینی ایسی بُرائی ہے کہ میں اپنے دشمن کیلئے اسکو گوارا نہیں کرتا) کیونکہ خود بین (آدمی) سے بجز فساد کے کچھ نہیں ظہور میں آتا شراب اسی لئے جہاں میں حرام ہوئی ہے کہ اُسکو پیکر فوراً تو خود بین ہو جاتا ہے (یعنی اُس کے پینے کے بعد) اپنے سے بہتر تیرے خیال میں کوئی نہیں آتا اور یہ سب نفس خود بین سے تیرے اندر پیدا ہوتا ہے (یہ حکمت حرمت خمر کی قرآن مجید سے مستنبط ہو سکتی ہے۔ قال تعالیٰ انما یرید الشیطان ان یوقع بینکم العداوۃ والبغضاء فی الخمر والمیسر۔ الآیہ۔ اور عداوت اور بغضاء کا منشاء اکثر خود بینی ہے کہ اپنے کو اوروں سے زیادہ مال کا مستحق سمجھے یا جاہ کا و مثل ذالک۔ آگے ایک شبہ کا جواب ہے وہ یہ کہ بعض اوقات اہل اللہ سے بھی کلمات موہمہ عُجب و دعویٰ خواہ از قبیل شطحیات یا کسی خاص کے خطاب میں صادر ہوتے ہیں اسکی کیا وجہ۔ جواب دیتے ہیں کہ منشا دعوے کا ہمیشہ مستی ہوتی ہے لیکن تم اپنی مستی عُجب و کبر پر اُن کی مستی حالی یا مستی غیرت دین کو قیاس مت کرو۔ دونوں میں فرق ہے چنانچہ اسی کو فرماتے ہیں کہ) جو شخص اپنی خودی کے (ساتھ شراب (انانیۃ کی) پیتا ہے وہ ماخوذ ہے (اور) ایسا شراب خوار ذلیل و مرتد (طریقت) ہے (جیسا شہزادہ شیخ سے پھر گیا اور) جو شخص اُسکے ساتھ (یعنی مع الحق ہو کر) شراب (انانیۃ) پیتا ہے اُسکو حلال ہے اور جو شخص بدون اُس (کی معیت) کے دعویٰ (انانیۃ کا) کرے اُس کیلئے وبال ہے (عبر عن الاخبار بالانشاء۔ مطلب یہ کہ اہل اللہ کا دعویٰ نفس سے نہیں ہوتا بلکہ وہ ناطق بالحق ہوتے ہیں بمنزلہ حاکی عن الحق کے کما ورد کنت سمعہ و بصرہ الخ) جب وہ اُس (کی معیت) کیساتھ شراب انانیت کی پیتا ہے جام حق سے (وہ بزبان حال یوں کہہ رہا ہے کہ) میں آنکھ کھولتا ہوں (اور) اُس (محبوب) کا جمال دیکھتا ہوں (یعنی مورد تجلیات حق ہو جاتا ہوں) اس کے بعد اپنے سے بالکلیہ منقطع ہو جاتا ہوں (یعنی فانی فی الحق ہو جاتا ہوں اور شراب پینے سے (یعنی دعویٰ انانیت سے) میرا حاصل (مقام) ہے (مطلب وہی جو ابھی لکھا گیا کہ میرے دعویٰ انانیت کا حاصل اور منشاء یہ ہے کہ میں مورد تجلیات و فانی ہوں آگے اس مرتبہ کی ترغیب ہے کہ) اے شخص کہ اپنے سے منقطع ہونا چاہتا ہے تو کب تک اس جان و دل کی قید میں ہے جان محبوب کے سپرد کر دے۔ اے میری جان تاکہ تو میرے یار دل رنجان کا جمال دیکھے (دل رنجان سے مراد ہے رنج عشق دہندہ دل العبد) دل دلدار کو دیدے اور آزاد ہو جا اور اُسکا غم کھایا کر اور اُس سے خوش رہ (حاصل یہ کہ تعلق بدرجۂ فنا رہ۔ آگے فرماتے ہیں کہ) منقاد للنفس مت ہو (یعنی) اپنے نفس کو اپنے اوپر غالب مت کر (اور) جلد اُسکو دودھ (دنیویہ) سے علیحدہ کر (مثل فطام طفل کے آگے یہ بتلاتے ہیں کہ دودھ سے مراد وہ ہے جس سے خود بینی کی مستی پیدا ہو خواہ مباح ہو مثل شیر و شہد کے یا غیر مباح مثل خمر کے۔ سب کو چھوڑ قول کو انہماک شئی کو مطلقاً یعنی ہر چیز مرغوبات نفس سے ہے وہ یقیناً

کچھ ہستی رکھتی ہے خواہ وہ شیر ہو خواہ نمر ہو خواہ نگین ہو (چنانچہ) گندم کی ہستی کو جان لے اے آدمی کہ اس نے آدم علیہ السلام کو نا واقف
بنا دیا (مصرع) در آدمے واقعہ مصرعہ ثانیہ مجہول شد) انھوں نے گندم کھالیا حلہ بہشتی ان سے علیحدہ ہو گیا (اور خلد ان پر دشت
اور صحرا ہو گیا (آگے پھر قصہ ہے کہ) اس (شہزادہ) نے دیکھا کہ اس شربت (خود بینی لذیذ) نے اس کو بیمار کر دیا (اور اس مادٔ
مسکا زہر کام کر گیا (اور) اس کی ہمت جو مثل طاؤس کے تھی گلزار نازمیں مثل جغد کے ہو گئی ویرانۂ مجاز (یعنی دنیا) یا حالت تنزل میں
مثل آدم علیہ السلام کے وہ بہشت سے دور رہ گیا جو کہ زمین میں کھیتی کے بیل کو چلاتے تھے (کما رواہ اہل السیر مطلب یہ کہ عنایات
روحانی سے علائق جسمانی میں آگرا بس) وہ آنسو چلانے لگا اور اپنے نفس سے کہا کہ اے چور (جو میرے اندر چھپا ہوا تھا) اور اے
معمار (جس نے خیالات فاسدہ کی تعمیر بنا کر کھڑی کر دی کذا فی الغیاث فی معنی ہندو و گمنی زاد) تو نے شیر کو (یعنی مجھ کو) دمڑی
(یعنی علائق جسمانیہ) کا اسیر کر دیا اے نفس خبیث سرد سخن (کہ تیرے اس کلام نفسانی میں کوئی گرمی اور رونق نہ تھی) تو نے (اس)
شاہ فریاد رس (و دستگیر) کیساتھ حق نہ کیا تو نے جال (بلائے زوال جاہ) کو اختیار کیا حرص گندم سے (یعنی لذت عجب سے) تجھ
پر گندم ایک گندم ہو گیا تیرے دماغ میں مادٔ من کی ہوا بھر گئی اپنے پاؤں پر بیچارگی کی قید دیکھ لے (جس سے رفتار ترقی باطنی
کی رک گئی غرض اس طرح سے اپنی جان پر نوحہ کرتا تھا کہ میں اپنے سلطان کا مخالف کیوں ہو گیا (اور اب) وہ ہوش میں آیا اور استغفار
کیا اور توبہ کیساتھ دوسری چیز کو بھی منضم کیا ظاہر یہ معلوم ہوتا ہے کہ مراد اس سے خود بادشاہ سے معاف کرانا ہے چونکہ معاف
کرانے میں فکر بھی کرنا ضروری ہے اور وہ ایسی حالت میں کہ باطن ہی میں خطا ہوئی ہے سخت دشوار ہے۔ شاید مولانا نے عدم
ذکر سے اس کی تعذر ذکر کی طرف اشارہ کیا ہو کہ تعذر سبب ہو جاتا ہے عدم ذکر کا واللہ اعلم آگے مولانا فرماتے ہیں کہ جو درد
وحشت ایمان سے ہو (اے مخاطب کبھی) رحم کر (یعنی وہ واجب الرحم ہے) کیونکہ وہ درد لاعلاج (یعنی متعسر العلاج و بطئی البرء) ہوتا
ہے (وھذا مثلہ ایمان سے مراد ایمان کامل یعنی عرفان و فیضان اور وحشت سے مراد وحشے کہ در مقدمۂ ایں ایمان بود یعنی از
سلب ایں عرفان و فیضان باشد اور یہ وحشت اسقدر شدید ہوتی ہے کہ اگر کوئی شیخ کامل فوراً دستگیری نہ کرے تو اختلاف طبائع
سے تو غم خفیف ہو کر حجاب شدید ہوتا چلا جاتا ہے حتیٰ کہ بعضوں نے ایمان ہی کو جواب دیدیا نعوذ باللہ من الحور بعد الکور
تفصیل اقسام حجاب کی حضرت نے فوائد الفوائد سے تعلیم الدین میں لکھی ہے جس کا اول مرتبہ لو اور آخری مرتبہ عداوت ہے اور
کبھی اگر غم خفیف نہ ہو تو خود کشی وغیرہ کی نوبت آجاتی ہے اور علاج اس کا صرف شیخ کامل کی تدبیر مناسب ہے آگے بعد ذم عجب
بالکمال کے مذمت عجب بالمال وغیرہ اور فقدان اسباب عجب کے قابل قدر ہونے کا مضمون ہے پس فرماتے ہیں کہ) بستر کا جامہ (یعنی
سامان دنیا) درست ہی نہ ہو (کم سامانی میں رہنا اچھا ہے کیونکہ وہ جہاں صبر کی حالت) ہے (یعنی کم سامانی سے کہ محل
صبر ہے) چھوٹا ہو تو اصدر مقام (یعنی علو) ڈھونڈنے لگتا ہے (اور مراد اکثر بستر ہیں اول بستر کے پاس بچھونا اور ناخن ہی نہ ہو

دیا) ایسا مضمون ہے جیسے ہمارے محاورات میں بولتے ہیں خدا گنجے کو ناخن نہ دے کیونکہ وہ دِ پھر دین کا خیال کرتا ہو نہ رعایا کا آدمی بلا میں رہا ہوا اچھا ہے (کیونکہ نفس ناسپاس نعمت ہے اور گمراہ ہے نفس کافر (من الکفران) خود (یعنی بےسامان ہی (صاحب نفس کو) امان نہیں دیتا (اور وہ بیسو) اجب رنج سے بھی بےفکر ہو جائے تب پھر اسرکش ہو جاتا ہے (پس آدمی رنج فقر وغیرہ میں) مبتلا اچھا رہتا ہے کیونکہ وہ (اس حالت میں) زار اور عاجز اور مضطر رہتا ہے (اور عجز وزاری کے ہوتے ہوئے مفاسد لازمہ ومتعدیہ سب کم ہوتے ہیں بخلاف اجتماع اسباب طغیان کے کہ اس سے طغیان اکثر مسبب ہو جاتا ہے۔

من قصہ کوتہ کن کرے لے نفس کور الی وانگہے از ذلت وعجز ونیاز

قصہ کوتاہ کر کہ نفس کور کی رائے اس (شہزادہ) کو گور کی طرف لے گئی (یعنی مر گیا) شاہ صاحب محو (ومسکر ہی سی) (اور صحو) کی طرف آیا تو (دیکھا کہ) اس کے خشم مریخی نے اس کا وہ خون کیا تھا (معلوم ہوتا ہے کہ بادشاہ کو غصہ آنے کے بعد کوئی حالت غالب ہو گئی جس میں غصہ کے آثار کی طرف التفات نہیں ہوا پھر افاقہ کے بعد معلوم ہوا کہ میرے غصہ کے اثر سے مر گیا آگے یہی مضمون بلفظ دیگر ہے کہ) جب ترکش کو اس بے نظیر نے دیکھا تو اپنے ترکش سے ایک چوب تیر کم دیکھا (دل میں) کہنے لگا کہ وہ تیر کہاں ہے اور حق تعالیٰ سے جستجو کی ارشاد ہوا کہ اس (شہزادہ) کے حلق میں وہ تیر ایک تیر ہے (میرے ذوق میں اس کی تقریر یہ ہے کہ ہر کیفیت باطنی قبل ظہور کے شدید ہوتی ہے اور بعد ظہور کے ضعیف اور ظہور کبھی تو اظہار سے ہوتا ہے کبھی بلا اظہار اس کے اثر کے نافذ ہو جانے سے پس یہاں جو شاہ کو غصہ پیدا ہوا تھا اس کے بعد غلبہ حال ہو گیا تو اس کے بقا وزوال کی طرف التفات نہیں ہوا جب شہزادہ کے مرنے کے قریب اس حالت سے افاقہ ہوا تو نفس کی طرف التفات کر کے غصہ نہ پایا تعجب ہوا کہ میں نے گو دل میں شہزادہ کی شکایت کی مگر زبان سے ظاہر نہیں کیا پس اظہار تو ہوا نہیں پھر کیا صورت اس غصہ کے نہ رہنے کی ہوئی پھر الہام سے معلوم ہوا کہ اس کا ظہور دوسری طرح ہو گیا کہ اس کا اثر نافذ ہو گیا جس سے شہزادہ مرنے کو ہے اور چونکہ یہاں شاہ نے غصہ میں یہ قصد نہیں کیا کہ یہ مر جاوے ایسی صورت میں معصیت نہیں ہوتی اسی طرح اگر غیر صاحب تصرف دعا کرے کسی کی موت کی اس مرنے سے بھی قتل کا گناہ نہیں ہوتا کیونکہ دونوں صورتوں میں قتل کی مباشرت نہیں ہوتی بخلاف اس کے کہ صاحب تصرف ہمت بقصد قتل کے کرے اس صورت میں قتل کا گناہ ہوگا کہ مباشرت جس طرح دوسرے آلات سے مثل شمشیر وبندوق کے ہوتی ہے اسی طرح یہ ہمت بھی ایک آلہ ہے قتل کا اس سے بھی اس کو قاتل کہیں گے۔ احقر نے یہی مضمون لکھا تھا ایک درویش صاحب ریاضت وصاحب ریاست کے جواب میں انہوں نے یہ سوال کیا تھا کہ میں نے ایک شخص کو بددعا دی تھی اور وہ مر گیا تو مجھ پر قتل کا گناہ ہے یا نہیں اھ اور میں اس سوال سے بہت اس لئے خوش ہوا کہ یہ سائل کے فہم کی دلیل ہے کہ جس کو عام درویش اپنی کرامت سمجھتے ہیں ان کو اس کی معصیت ہونے کا شبہ ہوا۔ اور میں نے جو شاہ کے افاقہ کو قبیل موت شہزادہ قرار دیا بعد موت نہیں سمجھا اس کا قرینہ

یہ شعر ہے یعنی) اُس شاہ دریادل نے معاف کر دیا لیکن اُس کا تیر مقتل پر آچکا تھا (اس سے صاف معلوم ہو کہ شاہ کی یہ
تحقیق کہ تیر کہاں گیا جو بعد افاقت ہوئی تھی شہزادہ کی موت کے قبل تھی، غرض تیر مقتل پر پہنچنے سے) وہ کشتہ ہو گیا
(شاہ اُسکے غم میں روتا تھا) اور رونیکی وجہ یہ ہے کہ وہ جامع ہے (یعنی اگرچہ کشندہ بھی ہے (لیکن) ولی بھی ہے (جس کیلئے
رحیم ہونا لازم ہے اور رحمت مقتضی ہے بکا کو) اور نرا کشندہ وہ (صاحب تصرف نہیں ہے کہ ایسا ہونا کچھ بھی کمال نہیں کہ کفار
بھی ایسے تصرفات مکتسب کر سکتے ہیں) اور اگر وہ دونوں طرح کا نہ ہو (بلکہ صرف صاحب تصرف ہی ہو اور ولی و رحیم نہ ہو)
پس وہ جامع نہیں (بلکہ ناقص ہے) اور چونکہ یہ شاہ جامع ہے اسلئے وہ کشندہ خلق بھی ہے اور ماتم کرنیوالا بھی ہے (اسکا یہ مطلب
نہیں کہ جامعیت یعنی کاملیت میں ولایت کافی نہیں صاحب تصرف ہونا ضروری ہے بلکہ مطلب یہ ہے کہ جامعیت یعنی کاملیت میں صاحب
تصرف ہونا کافی نہیں ولی ہونا بھی ضرور ہے چنانچہ میں نے اپنی تقریر ترجمہ میں اسکو واضح کر دیا ہے اور یہ شبہ کہ جب ولایت کیساتھ تصرف
نہ ہو تو جامعیت کہاں ہوئی جواب اسکا یہ ہے جامعیت باعتبار اوصاف ولایت کے ہے نہ کہ غیر اوصاف ولایت کے مثلاً جامعیت
کیلئے یہ ضرور نہیں کہ وہ پہلوان بھی ہو۔ تصرف اسی مرتبہ میں ہے اسی لئے احقر نے اسکی تفسیر کاملیت کیساتھ کر دی۔ اس عنوان ورنہ
باشد ہر دو اد پس جامعیت کی مثال ایسی ہے جیسے کوئی شخص نہایت خوشخط ہو اور لوگ اُسکو جامع العلوم بھی کہتے ہوں
مگر وہ عالم نہ نکلے تو یوں کہنا صحیح ہوگا کہ یہ شخص صرف خوشخطی سے جامع العلوم نہیں ہو سکتا البتہ اگر اسمیں خوشخطی کیساتھ علوم
بھی ہوتے تب البتہ جامع العلوم ہوتا ہے تو اس سے ہرگز یہ لازم نہیں آتا کہ اگر کسی عالم میں خوشخطی نہ ہو تو اس کو عالم نہ کہیں
فافہم فانہ من مزلۃ الاقدام۔

چالیسواں نادرہ خطبہ اصدق الرؤیا

خطبہ اصدق الرؤیا ـ اما بعد الحمد للہ والصلوٰۃ فقد قال اللہ تعالیٰ۔ لہم البشریٰ فی الحیٰوۃ الدنیا وفی الاخرۃ
الآیۃ روی الترمذی عن ابی الدرداء عن النبی صلی اللہ علیہ وسلم فی تفسیرہ ہی الرؤیا الصالحۃ یراہا المسلم او تریٰ لہ وفی بیان
القرآن تحت ہذہ الآیۃ مانصہ۔ یہ بشارت عام ہے۔ بشر المؤمنین الخ بشر الصابرین الخ یبشرہم ربہم برحمۃ الخ
تتنزل علیہم الملائکۃ ان لا تخافوا ولا تحزنوا وابشروا الخ اور رویا صالحہ سب اس میں داخل ہے۔ اھ۔
اشارۃ الی ان التفسیر لیس للتخصیص بل للتمثیل و فی الحدیث للبخاری قالوا وما المبشرات قال صلی اللہ علیہ وسلم
ہی الرؤیا الصالحۃ وزاد مالک یراہا الرجل المسلم او تریٰ لہ وفی الحدیث المتفق علیہ عن ابی ہریرۃ ؓ ان رسول اللہ صلی اللہ
علیہ وسلم قال من رانی فی المنام فقد رانی فان الشیطان لا یتمثل فی صورتی الحدیث نقل معناہ من رانی علی صورتی التی
انا علیہا وقیل معناہ من رانی بای صورۃ کانت لان تلک الصورۃ مثال الروح المقدس فان الشیطان لا یتمثل بمثال علی انہ

مثالی لصلی اللہ علیہ وسلم (سید علی المشکوٰۃ) یہاں چند امور ہیں۔

اوّل۔ آیت اپنے عموم سے اور حدیث اپنے خصوص سے غیر نبی کے رویا صالحہ کو مطلقاً مبشر ہونے کی حیثیت سے معتبر بتلاتی ہے اور غیر نبی کی قید اس لئے ہے کہ نبی کا رویا ثبوتاً وحی قطعی ہے اور دلالۃً بھی تعبیر جازم کے بعد اور تعبیر غیر جازم کے ساتھ ظنی و ملحق برویا او رویا غیرہ اذا قررہ النبی۔ اور صالحہ کی قید اس لئے ہے کہ تحزین من الشیطان سے احتراز ہو جائے جس کا علاج وقت انتباہ تین بار تعوذ اور تفل کر دینا اور کروٹ بدل کر سو رہنا وارد ہے اور اس پر عدم ضرر کا وعدہ ہے اور خود رویا کی قید اس لئے ہے کہ حدیث النفس سے احتراز ہو جائے۔ ثانی۔ اور اس رویا کی بالخصوص حدیث زیادہ معتبر بتلاتی ہے جس میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی رویت مبارکہ سے کسی کو شرف حاصل ہو۔ ثالث۔ پھر حدیث ہی رویا صالحہ کے درجہ کا بھی جو شریعت میں ہے تعیین کرتی ہے یعنی نہ وہ محض از قبیل اوہام و اضغاث احلام ہے جیسا کہ بعض غلاۃ اہل تفریط کا خیال ہے ورنہ لسان شارع میں اسکا لقب مبشرہ نہ ہوتا اور نہ وہ حجت فی الاحکام اور مثبت حلال و حرام ہے جیسا کہ اکثر عوام و بعض خواص کالعوام اہل افراط کا مقال ہے ورنہ لسان شارع میں اسکی مبشریت پر اقتصار نہ ہوتا اور اسی افراط شائع کی اصلاح کی غرض سے یہاں خواب کے جواب میں اکثر اس شعر کے لکھنے کا معمول ہے ؎

نہ شبم نہ شب پرستم کہ حدیث خواب گویم | چو غلام آفتابم ہمہ ز آفتاب گویم

تو حاصل اس درجہ کا رحمت سے تقویت رجا ہے یعنی امر مبشر بہ کے حصول حالاً یا مآلاً کی کہ وہی اسکی تعبیر ہوتی ہو امید ہو کر مسرت پیدا ہو اسی لئے ہر خواب ذکر کرنے سے نہی آئی ہے کہ شاید کوئی اسکی تعبیر دیدے جو سبب ہو جاوے قنوط کا رحمت حق سے جو کہ ممنوع ہے جیسا اسی بنا پر فال صالح کی محبوبیت اور طیرہ کی تاثیر کی نفی لا طیرۃ میں وارد ہے۔

رابع۔ نیز حدیث ہی اسکی تبشیر کو عام بتلا رہی ہے خواہ خود صاحب معاملہ دیکھے یا صاحب معاملہ کے حق میں کوئی دوسرا مومن دیکھے

خامس۔ پھر رویت نبویہ میں جو صورت مرئیہ کی تعیین میں اختلاف ہے۔ یہ رویا کے اثر میں ایسی مضر نہیں کہ اس سے احتجاج نہیں کیا جاتا صرف تقویت رجا کی حد تک تو یہ جار قطع نظر رویا سے مستقلاً بھی ملحوظ ہے رہا یہ کہ صرف اسکا معتبر ہونا سو اگر ضعف ہو تب بھی ذات نفع ہی

بیتالیسواں نادرہ اطلاع رجوع از بعض تحریرات

مضمون ہم یوں تو اپنے جمیع مؤلفات کے متعلق احتیاطاً مشورہ دیتا ہوں کہ دوسرے محققین علماء سے تحقیق کرا کر عمل کریں مگر بعض مؤلفات کی نسبت خصوصیت سے کچھ تنبیہات کرتا ہوں۔

نمبر ۱۔ انوار الوجود کو عام لوگ نہ دیکھیں اور خواص بھی انکو صرف ذوقیات لطائف کے درجہ سے آگے نہ بڑھاویں۔ نمبر ۲۔ نیل الشفا کے متعلق النور نمبر ۹ جلد ۳ میں ایک تنبیہ شائع ہوئی ہے اسکے خلاف نہ کریں۔ نمبر ۳۔ فیصلہ ہفت مسئلہ کے متعلق تنبیہات

تنبیہات متعلقہ اوقات نماز و روزہ (۱) جس نماز کا وقت جس تاریخ سے بدلا جاوے اس سے ایک یوم قبل اسی وقت کی نماز کے بعد اعلان کر دیا جاوے (۲) عصر کی اذان وقت مندرج نقشہ سے ۱۵ منٹ قبل اور علاوہ مغرب کے دیگر اوقات کی اذان ۳۰ منٹ قبل ہونا چاہیے البتہ رمضان میں عشا کی نماز ۱۵ منٹ قبل ہو گی اور اذان اپنے وقت پر رہیگی۔ (۳) جس موسم میں نماز فجر اور طلوع شمس میں فصل کم ہو طوال میں سے جو سورتیں زیادہ طویل نہیں ان کا پڑھنا مناسب ہے۔ (۴) اگر نماز فجر میں اعادہ کی ضرورت پڑے چھوٹی سورتوں سے اعادہ کرنا احتیاط کی بات ہے۔ (۵) من اشرف جنتری لمظہر التھانوی بعد ترمیم المصنف الا الحاشیۃ العربیۃ أن صبح صادق اور طلوع شمس میں فرق کم سے کم بماہ فروری و مارچ و ستمبر و اکتوبر ایک گھنٹہ ۲۰ منٹ اور زیادہ سے زیادہ بماہ جون تا جولائی ایک گھنٹہ ۴۳ منٹ ہوتا ہے۔

(۶) اور یہی فرق غروب شمس سے غروب شفق ابیض تک بہت قلیل تفاوت سے جو دو تین منٹ سے نہیں بڑھتا ہوتا ہے (قلت اما التفاوت بین الطلوعین کذا بین الشفقین انما ہو بثلاث درج کما نقل الشامی عن اہل الفن فی وقت الفجر ۱۲)۔

(۷) مثلین سے مغرب تک کم از کم بماہ دسمبر و جنوری ایک گھنٹہ ۴۳ منٹ اور زیادہ سے زیادہ بماہ جون و جولائی دو گھنٹہ ۵ منٹ فصل ہوتا ہے (۸) نہار عرفی طلوع شمس سے غروب تک ہے اور نہار شرعی صبح صادق سے غروب تک ہے روزہ کی نیت نہار شرعی کے نصف سے پہلے شرط ہے اور نماز کے جائز ہونے میں بھی ایک قول یہی ہے اور دوسرا قول نہار عرفی کے نصف سے قبل اجازت کا ہے اور ان دونوں نصف النہاروں میں فصل کی مقدار اتنی ہے جتنا طلوع فجر و طلوع شمس کے فرق کا نصف ہوتا ہے مثلاً کسی تاریخ میں طلوع فجر ۵ بجے ہوا اور طلوع شمس ۶ بجکر ۲۰ منٹ پر ہو تو نصف نہار شرعی ۱۲ بجے سے چالیس منٹ پہلے ہوگا یعنی ۱۱ بجکر بیس منٹ پر ہو تو نصف نہار شرعی ۱۲ بجے سے چالیس منٹ پہلے ہوگا یعنی ۱۱ بجکر بیس منٹ پر (۹) اوپر کے بعض نمبر تب پر عمل کر سکتے ہیں صبح صادق و طلوع شمس و غروب شمس و مثلین کے اوقات کی معرفت پر موقوف ہے سو طلوع و غروب مذکورین تو مشاہدہ سے معلوم ہو سکتے ہیں بلکہ اگر ان میں سے ایک کا بھی مشاہدہ ہو جاوے تو دوسرے کا علم بدون مشاہدہ بھی ایک قاعدہ سے ہو سکتا ہے جس کو ایک ماہر مہندس سے اسی کی عبارت میں مع توضیح نقل کرتا ہوں۔ و ہو ہذا۔

کل مقدار شب دو چند وقت طلوع آفتاب ست (و بقیہ از ۲۴ گھنٹہ نہار ست و منتہی نہار غروب ست) و کل مقدار روز دو چند غروب آفتاب ست (و بقیہ از ۲۴ گھنٹہ لیل ست و منتہی لیل طلوع آفتاب ست) البتہ صبح صادق کی معرفت بدون تجربہ کے اور مثلین کی معرفت بدون حساب کے نہیں ہوتی اس لئے بعض تاریخوں کی صبح صادق و مثلین کا وقت مقصوداً اور طلوع و غروب کا تتمیماً للفائدہ ذیل کے نقشہ میں لکھا جاتا ہے بقیہ تواریخ کا وقت بھی منضبط کہیں گھٹانے سے کہیں بڑھانے سے اندازے سے معلوم ہو سکتا ہے اس اندازہ کیلئے خود نقشہ کے خانوں کی نسبت کا تفاوت کافی ہے اور خاص طلوع و غروب میں

کی یا بیشی کرنے کیلئے ایک قاعدہ معین بھی ہو سکتا ہے وہ یہ ہے کہ سب سے بڑا دن ۲۲ر جون کو ہوتا ہے پھر چھ مہینہ تک گھٹتا رہتا ہے حتیٰ کہ ۲۲ر دسمبر کو سب سے چھوٹا دن ہوتا ہے پھر چھ مہینے تک یعنی ۲۲ر جون تک بڑھتا رہتا ہے اور ان دونوں ششماہی کے وسط پر یعنی ۲۲ر ستمبر کو اور ۲۲ر مارچ کو دن رات برابر ہو جاتا ہے۔ اور یہ نقشہ چونکہ تقریبی ہے اس میں جن تاریخوں کا اوقات اربعہ مذکورہ میں توافق لکھا ہے وہ تقارب ہے جس کو بوجہ تفاوت معتد بہ نہ ہونے کے کہ غالباً دو تین منٹ سے زائد نہیں ہے بحکم تماثل قرار دیا گیا ہے اگر سب میں مناسب احتیاط کر لی جاوے تو عملی غلطی سے حفاظت رہیگی مثلاً صبح صادق کا جو وقت نقشہ میں ہے اس سے دس یا پندرہ منٹ پہلے سحری چھوڑ دیں اور طلوع شمس کا جو وقت لکھا ہے اس سے ۵ منٹ پہلے نماز فجر ختم کر دیں لیکن اگر کوئی ختم نہ کر سکا تو مستحبہ وقت میں پڑھ لینا واجب ہے قضا کر دینا جائز نہیں اور غروب کا جو وقت لکھا ہے اس سے ۵ منٹ بعد روزہ افطار کریں اور جو وقت مثلین کا لکھا ہے اس سے پانچ منٹ پیچھے عصر کی اذان و نماز پڑھیں اور جو وقت یہ شفق ابیض کے غروب کا ہے جو غروب شمس سے اسی قدر مؤخر ہے جس قدر طلوع شمس سے طلوع فجر مقدم ہے کما ذکر فی (ع ۲) اس وقت سے ۵ منٹ پیچھے عشا کی اذان و نماز پڑھیں۔ (ف ۱) اگر کسی کو طلوع صبح صادق و غروب شفق ابیض نقشہ سے یاد نہ رہے وہ ہر موسم میں طلوع شمس سے پونے دو گھنٹہ قبل سحری چھوڑ دے اور غروب شمس سے پونے دو گھنٹہ بعد عشا کی اذان و نماز پڑھے کبھی غلطی نہ ہوگی نقشہ یہ ہے:

نقشہ مظہر اوقات صبح صادق و طلوع و غروب شمس و مثلین بتواریخ مختلفہ

صبح صادق		طلوع شمس		غروب شمس		مثلین		تاریخ
گھنٹہ	منٹ	گھنٹہ	منٹ	گھنٹہ	منٹ	گھنٹہ	منٹ	
۵	۲۵	۶	۵۰	۵	۱۰	۳	۴۳	یکم جنوری و ۱۰ر دسمبر
۵	۲۳	۶	۴۷	۵	۱۳	۳	۴۳	۱۵ر ″ و ۲۶ر نومبر
۵	۱۴	۶	۳۶	۵	۲۴	۳	۵۳	یکم فروری و ۹ر نومبر
۵	۸	۶	۲۶	۵	۳۳	۴	۰	۱۵ر ″ و ۲۷ر اکتوبر
۴	۵۳	۶	۱۳	۵	۴۷	۴	۱۱	یکم مارچ و ۱۱ر ″
۴	۴۹	۶	۱	۵	۵۹	۴	۲۱	۱۵ر ″ و ۲۹ر ستمبر
۴	۲۵	۵	۴۵	۶	۱۵	۴	۳۲	یکم اپریل و ۹ر ″
۴	۱۱	۵	۳۳	۶	۲۷	۴	۳۹	۱۵ر اپریل و ۲۷ر اگست
۳	۵۴	۵	۲۱	۶	۳۹	۴	۴۴	یکم مئی و ۱۳ر اگست
۳	۳۹	۵	۸	۶	۵۰	۴	۵۰	۱۵ر مئی و ۲۸ر جولائی
۳	۲۸	۵	۲	۶	۵۸	۴	۵۵	یکم جون و ۱۳ر جولائی
۳	۲۳	۴	۵۹	۷	۱	۴	۵۶	۱۰ر جون و ۲ر جولائی

نوٹ - اوپر میں مذکور ہوا ہے کہ جتنا تفاوت صبح صادق اور طلوع شمس میں ہوتا ہے اتنا ہی غروب شمس و غروب شفق ابیض میں ہوتا ہے پس اس نقشہ سے عشاء کا وقت بھی جو کہ شفق ابیض کے غروب پر ہوتا ہے معلوم ہو سکتا ہے

نوٹ متعلق ہر دو نقشہ۔ یہ دونوں نقشے مقامات ذیل میں بھی کام آسکتے ہیں ان میں سے بعض میں بوجہ قدرے تفاوت کے دو تین منٹ کی احتیاط کی بھی ضرورت ہے اور کل میں احتیاط کر لینا اسلم ہے اور یہ احتیاط اُس عام احتیاط کے علاوہ ہے جو تنبیہ نہم میں مذکور ہوئی (از رسالہ صبح صادق للحافظ محمد اعلیٰ میرٹھی) ۱ مظفر نگر اور اُس کے ضلع میں ۲ چرتھاول۔ ۳ جھنجانہ ۴ کیرانہ ۵ کاندھلہ ۶ کھاتولی ۷ سہارنپور اور اسکے ضلع میں ۸ منگلور ۹ میاں پور ۱۰ میرٹھ اور اُس کے ضلع میں ۱۱ بہادر گڑھ ۱۲ بڑوت ۱۳ برنالوہ ۱۴ ہاپوڑ ۱۵ کھٹور ۱۶ موانہ ۱۷ شاہدرہ ۱۸ شاہجہانپور ضلع میرٹھ ۱۹ ٹانڈہ ضلع میرٹھ ۲۰ ریاست رامپور اور اس میں ۲۱ ملک ۲۲ شاہ آباد ریاست رامپور ۲۳ لوہیہ ۲۴ بھاٹہ ۲۵ کھجوریا ۲۶ مرادآباد اور اس کے ضلع میں ۲۷ بچھراوں ۲۸ بلاری ۲۹ حسن پور ۳۰ بجنور اور اسکے ضلع میں ۳۱ افضل گڑھ ۳۲ ہلدور ۳۳ جھالو ۳۴ منڈاور ۳۵ شیر کوٹ ۳۶ بلند شہر اور اسکے ضلع میں ۳۷ دادری ۳۸ گلاوٹھی ۳۹ سیانہ ۴۰ ریاست دوجانہ ۴۱ رہتک اور اسکے ضلع میں ۴۲ ہسم (از اسلامی جنتری مرزا عزیز بیگ سہارنپوری) ۴۳ حصار ۴۴ ہانسی ۴۵ سردھنہ ۴۶ کرنال (اضافہ از مظہر احمد تھانوی مقیم بھوپال محلہ فتح گڈھ)۔ ۴۷ نگینہ ۴۸ المورٹہ اور سہارنپور کے وہ متعلقات جو اس سے شمال کی طرف نہیں (اس میں ۴۹ رامپور منہیاران ۵۰ نانوتہ داخل ہیں) اور ان کے علاوہ جس مقام کے متعلق تحقیق کی ضرورت ہو دوسرے نقشہ کی تاریخوں کی فہرست کسی ماہر ہیئت کے پاس بھیجکر (چنانچہ ایک ماہر کا پتہ بھوپال کا اوپر میں نے بھی لکھدیا ہے) دو امر دریافت کرلیں۔ ایک طلوع فجر اور طلوع شمس کے درمیان کا فصل دوسرے مثلین و غروب شمس کے درمیان کا فرق باقی تیسرا فرق یعنی غروب شمس و غروب شفق ابیض کے درمیان کا۔ یہ اول فرق سے معلوم ہو جاوے گا کیونکہ دونوں برابر ہوتے ہیں پھر ان فرقوں کے بعد تنبیہات بالا کی رعایت سے سب امور حل ہو جاویں گے۔ کتبہ اشرف علی آخر ربیع الاول سنہ ۱۳۵۱ھ

(اضافہ و ترمیم متعلق رسالہ الساعات للطاعات مندرجہ آخر خامستہ التابعہ

مقام اول اضافہ۔ در بارۂ متعلق مثلین بعد قوت فصل ہوتا ہے اور اس فصل کا ایک قاعدہ کلیہ بھی ہے، وہ یہ کہ طلوع شمس سے غروب تک جو مدت ہو اُس کا ساتواں حصہ جب باقی رہیگا مثل دوم ہو جاویگا اور اگر اس میں پانچ منٹ تاخیر کرلی جاوے تو کسی موسم میں غلطی نہ رہیگی اور مثل اول میں تفصیل ہے کہ جنوری فروری مارچ یعنی تین مہینہ میں تو مثلین سے پچاس منٹ پہلے مثل اول ہو جاتا ہے اور اپریل سے اگست تک یعنی پانچ مہینہ میں مثلین سے ایک گھنٹہ دس منٹ پہلے مثل اول ہو جاتا ہے اور ستمبر سے دسمبر تک یعنی چار مہینہ میں مثلین سے بائیس منٹ پہلے مثل اول ہو جاتا ہے اور یہ سب تفاوت تدریجاً ہوتا ہے عمل کرنے میں اسکا لحاظ رکھا جاوے نیز اس تفصیل میں داخل کا جو وقت ہے اُس سے دس منٹ پہلے ظہر سے فارغ ہونا احتیاط کی بات ہے (از مظہر احمد مذکور نمبر ۵ رسالہ الساعات

مقام ثانی ترمیم۔ رسالہ مذکورہ کے بالکل اخیر میں عبارت موجودہ سابقہ بعنوان نوٹ کے اکثر حصہ کو مع اس کے حاشیہ کے بالکل حذف کیا جاتا ہے اور عبارت ذیل کو مع حاشیہ مرقومہ حال اس کے قائم مقام کیا جاتا ہے وھی ھذہ نقشہ بالا ان مقامات میں تو بلا کسی قید کے کام دیسکتا ہے جہاں کا طلوع وغروب یہاں کے طلوع وغروب کے موافق ہو اور جن مقامات کا طلوع وغروب یہاں سے مقدم یا مؤخر ہو وہاں بھی ایک قید سے کام دیسکتا ہے وہ قید یہ ہے کہ وہاں کے دن کی مقدار یہاں کے دن کی مقدار کی برابر ہو اور وہاں کی رات کی مقدار یہاں کی مقدار کی برابر ہو اگرچہ طلوع وغروب یہاں کی موافق نہ ہو تو اگر کسی ایسے مقام میں اس نقشہ سے کام لینا چاہیں تو یہاں کے اور وہاں کے نصف النہار میں تقدیم وتاخیر کا فرق دیکھکر اس فرق کے حساب سے کام میں[1] ویں اور ان کے علاوہ جس مقام کی تحقیق کی ضرورت ہو آگے وہ سب عبارت ملا ہے جو مقام مذکور پر موجود ہے ما۲ ھقت سادستہ التابعتہ بقلم اشرف علی عفی عنہ۔

اڑتالیسواں نادرہ مضمون متعلق معاملات بجواب بعض سوالات

مضمون متعلق بعض معاملات بجواب بعض سوالات الملقب بالامتناع عن السلع

[۵] خوشتر آں باشد کہ سر دلبراں
گفتہ آید در حدیث دیگراں

تین رفیق سفر کر رہے ہیں کسی مقام پر پہنچکر دیکھا کہ عین راستہ پر ایک شیر کو تین چار بھیڑیئے لپٹ رہے ہیں اور راستہ بند ہے انکے پاس کوئی ہتیار وغیرہ نہیں البتہ ان کے سامنے اینٹیں پتھر پڑے ہیں۔ ان تینوں میں اختلاف رائے ہوا اور رائے کی اختلاف سے عمل میں اختلاف ہوا ایک کی رائے ہوئی کہ شیر کی امداد کرنا مناسب ہے اگر یہ غالب آگیا تو طبعاً اس احسان سے متاثر ہو کر مجھ سے مزاحمت نہ کریگا اور میں اطمینان سے اپنے رستہ چلا جاؤنگا۔ یہ خیال کر کے اینٹوں سے بھیڑیوں کو مارنا شروع کیا دوسرے کی یہ رائے ہوئی کہ شیر اکیلا بھیڑیئے متعدد ہیں غالباً غلبہ ان ہی کو ہوگا اگر ان کی نصرت کی تو طبعاً یہ اس احسان سے متاثر ہو کر مجھ سے مزاحمت نہ کرینگے اور میں امن وامان کیساتھ اپنے راستہ چلا جاؤنگا۔ یہ خیال کر کے اینٹوں سے شیر کو مارنا شروع کیا تیسرے کی یہ رائے ہوئی کہ اینٹیں نہ شیر کی مدافعت کیلئے کافی ہیں نہ بھیڑیوں کیلئے کافی ہیں اور ایسی حالت میں اگر منصور غالب ہوگیا تو غیر منصور کو خواہ مخواہ چھیڑ کر اپنا دشمن بنایا اور اگر غالب بھی ہوگیا تب بھی جانور ہے جسکی طبیعت عقل پر غالب ہے کیا توقع ہے کہ احسان سے متاثر ہو کر رعایت کریگا موقع پا کر وہ بھی طبعاً مزاحمت کریگا اس لئے بہتر یہ ہے کہ جب تک قابل اطمینان اپنے پاس مدافعت کا سامان نہ ہو کسی کی نصرت نہ کی جائے بلکہ جس طرح ممکن ہو اپنی حفاظت کی کوشش کی جاوے پھر خواہ غلبہ کسی کو ہو ممکن ہے کہ ہمارے عدم تعرض کے سبب بھی تعرض نہ کرے اور اگر تعرض ہی کیا تو اس کا تو افسوس نہ ہوگا کہ

---

[1] اور اس کے قبل جو دو تحویل میں صرف طلوع وغروب نصف النہار کے تقدم وتاخر کو علی الاطلاق دار تفاوت لکھدیا تھا وہ صحیح نہ تھا چنانچہ رسالہ الساعات للطاعات کے بالکل اخیر کے ایک حاشیہ میں اس پر تنبیہ کردیا گیا تھا مگر وہاں اس قید کا بیان رہ گیا تھا اب مضمون صحیح اور مکمل ہو گیا وللہ الحمد ۱۲ منہ

ہم نے خواہ مخواہ خود چھیڑ کر اپنا دشمن بنایا اسلئے یہ دونوں سے علیحدہ ہو کر اپنی حفاظت میں مصروف ہو گیا اور جس طرح بن پڑا
اُنکی زد سے سکوت و سکون کی ساتھ نکل گیا اور دوسرے چکر کاٹ کر اُسی راستہ پر جا پڑا اب آگے اُنکی قسمت کہ وہ شیر یا بھیڑیے
وہاں بھی جا پہنچے گئے۔ یہ تین جدا جدا طریقے ہیں جنکو ان تین شخصوں نے اپنے لئے اختیار کیا اگر ان ہر گونے قوانین عقلیہ کی مخالفت
نہ کی اور نیت بھی کسی کی فاسد نہ ہو تو کسی شخص پر کوئی عقلی ملامت نہیں ہو سکتی اور اگر کسی شخص کو اُس کے مجوزہ طریق کا مضر
ہونا صحیح دلیل سے بتلا دیا جاوے۔ اور اُس کے پاس کوئی معقول جواب بھی نہ ہو اور وہ پھر بھی اُسی پر مصر ہے تو پھر وہ ضرور
مستحق ملامت ہوگا یہ مثال ہے بعض خاص معاملات اور آرا کی۔ واللہ اعلم۔

میزان کل مضمون۔ بروایت بعض شعرا مجنون ؎

جبکہ دو موذیوں میں ہو کھٹ پٹ + اپنے بچنے کی فکر کر جھٹ پٹ + ۱۷ شعبان ۱۳۵۱ھ یوم دوشنبہ

انچاسواں نادرہ رسالہ قائد قادیان

یہ رسالہ کتاب ہذا کے صفحہ ۲۱۲ سے شروع ہو کر صفحہ ۲۳۰ پر ختم ہوا ہے، تا جمادی الاولیٰ ۱۳۵۱ھ جلد ششم شعبان و رمضان ۱۳۵۱ھ میں دیکھیں

پچاسواں نادرہ در معاملہ با کلام اہل طریق

نوٹ: رسالہ التنبیہ الطربی فی تنزیہ ابن العربی میں اول محققین اہل ظاہر و اہل باطن کی متعدد عبارتیں اس مبحث کے
متعلق نقل کی گئی ہیں اسکے بعد بطور خلاصہ کے عبارت ذیل لکھی ہے جس کو شوق ہو اصل عبارتوں کو اصل رسالہ کے صفحہ ۲۵ فصل سوم میں
دیکھ لے۔ ف: ان عبارات مذکورہ فصل ہذا سے کتب تصوف و علماء تصوف کیساتھ معاملہ رکھنے کا یہ خلاصہ ہوا کہ جن حضرات
میں قبول کے علامات ظاہر ہیں اور منجملہ ان علامات کے علماء محققین کا حسن ظن بھی ہے اُن کیساتھ حسن اعتقاد رکھے اور ان کے
کلام میں اگر کوئی امر ظاہر خلاف سواد اعظم دیکھے تو اپنا اعتقاد اُسکی موافق نہ رکھے نہ اُس کو کسی کے سامنے نقل کرے نہ ایسی کتابوں کا
مطالعہ خود کرے بجز کسی شیخ سے نہ پڑھے کیونکہ اُن حضرات کا مقصود عوام کیلئے تدوین نہیں ہے بلکہ عوام سے وہ خود اخفا فرماتے
تھے بلکہ اعتقاد تو سواد اعظم کے موافق رکھے اور اُس کلام میں اگر تاویل ممکن ہو تاویل کرے ورنہ یا غلبۂ حال پر محمول کرلے یا اعلاء کے
ملحق کر دینے کا احتمال کرے یا مثل متشابہات کے اُسکی مفوض بحق کرے اور بے سمجھے اعتراض اور گستاخی نہ کرے کیونکہ وہ معصوم نہ تھے
لیکن شریعت کے بید متبع تھے چنانچہ خود معذور ہیں اُن سے خود نکیر منقول ہے اور اسی لئے احکام میں اُن سے کوئی ایسا امر منقول نہیں
صرف بعض اسرار منقول ہیں جنکا مبنی ذوق و کشف ہے اور تعبیر خاص اصطلاحات میں کی گئی ہے اور ان دونوں سے عوام اہل
ظاہر بے بہرہ ہیں اس لئے اس علم کے معارض شریعت ہونیکا یہ لوگ فیصلہ نہیں کر سکتے گو رتبہ میں ان سے بھی بڑھے ہوئے
ہوں پاس سے شق کو اجمالاً تسلیم کرلینا چاہیے ورنہ گستاخی ہے۔ سوء خاتمہ کا خوف ہے البتہ جو شخص ایسا ہی محقق ہو

اُس کو حق ہے کہ اُس پر مفصلاً رد کرے خواہ درجہ اجتہادی تک خواہ ابطال تک۔

اکیاونواں نادرہ درجواب از نسبت انقطاع عذاب بسوئے شیخ اکبر

الاعتراب (۲۴)

قال الشیخ فی فص یونسی واما اهل النار فمآلهم الی النعیم ولکن فی النار اذ لابد لصورة النار بعد انتهاء مدة العقاب ان تکون برداً وسلاماً علی من فیها وهذا نعیمهم الخ

شیخ نے فص یونسی میں کہا ہے کہ اہل نار کا مآل (اخیر میں) نعیم کی طرف ہوگا لیکن نار ہی میں (رہکر) اس لئے کہ مدت عذاب کے ختم ہونے پر صورۃ نار کے لئے ضروری ہے کہ وہ خنک اور سلامتی ہو جاوے اپنے رہنے والوں پر اور یہی ان کی نعیم ہے **ف** وجہ اعتراض اس میں ظاہر ہے کہ نصوص قطعیہ سے تابید عذاب کفار کے لئے ثابت ہے اور یہ اُس کے معارض ہے۔

الاقتراب (۲۴)

فی العقیدة الصغری للشیخ والتابید للمؤمنین فی النعیم المقیم والتابید للکافرین والمنافقین فی العذاب الالیم حق (خطبه جا ص۵) وقال فی الباب العشرین حظ اهل النار من النعیم عدم توقع العذاب حظهم من العذاب فی حال عدم توقعه فلا امان لهم بطریق الاخبار عن الله تعالی بقوله لا یفتر عنهم الخ فی ذلک (کبریت علی الهامش جا ص۱۱) قال فی باب الجنائز من الفتوحات اعلم ان الاخبار الصحیحة والاصول الصریحة تقتضی بخروج قاتل نفسه من النار وان النص الوارد بتابید الخلود خرج مخرج الزجر او یحمل علی قاتل نفسه من الکفار الی اخر ما قال اطال قال الشعرانی بعد نقله قلت فی هذا الکلام

(ترجمہ) شیخ کے عقیدہ صغری میں ہے کہ مؤمنین کیلئے نعیم مقیم میں تابید اور کافرین و منافقین کیلئے عذاب الیم میں تابید حق ہے اور حق عشرین میں فرمایا کہ اہل نار کا حصہ نعیم سے یہ ہو سکتا تھا کہ اُن کو عذاب (دائم) کی توقع نہ ہوتی (تو اس کی سوجہ کچھ تسلی ہو سکتی تھی) اور اُن کا حصہ عذاب سے حالت عدم عذاب میں بھی (اگر فرضاً ایسی حالت کا وقوع بھی ہوتا) یہ تھا کہ عذاب کا اندیشہ ہوتا تو اُس کی حکم بھی کلفت ہوتی اور اتبے عدم عذاب کی بھی کوئی حالت نہیں بلکہ وقوع ہی کی ہے جو اندیشہ سے بھی بڑھکر ہے تو اور بھی سخت عذاب ہوگا۔ اسی طرح اُن کیلئے عدم توقع عذاب دائم کی بھی کوئی صورت نہیں جس سے گو نہ تسلی ہوتی تو (اس صورت میں ان کے لئے کوئی امان ہی نہیں (اور یہ عدم امان اس طریق سے ہے کہ اللہ تعالی نے اپنے اس قول میں (اسکی خبر دی ہے کہ یہ عذاب اُن سے سست (بھی) نہ کیا جاویگا اور اس میں کلام طویل فرمایا اور فتوحات کے باب الجنائز میں لکھا ہے کہ جاننا چاہئے کہ اخبار صحیحہ اور اصول صریحہ اسکو مقتضی ہیں کہ خودکشی کرنیوالا دوزخ سے نکلے گا اور یہ کہ نص جو (اس باب میں) تابید خلود کی وارد ہوئی ہے وہ زجر کے موقع میں واقع ہوئی ہے یا اُس خودکشی کرنیوالے پر محمول ہے جو کافر ہو اُن کے قول کے آخر تک جس میں اُنھوں نے کلام طویل کیا ہے امام شعرانی نے اسکو نقل کرکے کہا ہے کہ اس کلام میں اور جو اس کے بعد ہے کہ وہ بھی اسی قسم کا ہے شیخ کی طرف سے جواب ہے اور اُس شخص کی تکذیب ہے جس نے اُن پر افترا کیا ہے کہ وہ اس کے قایل ہیں کہ کفار دوزخ سے خارج ہوں گے واللہ اعلم۔ اور شعرانی نے کہا ہے کہ

وما بعدہٗ (وھو نحو ما سبق) ردعن الشیخ وتکذیب لمن افتری علیہ انہ یقول بخروج اھل النار من الکفار وانہ اعلم (مبحث خامس وخمسون ج ۲ صفحہ ۱۱) وقال الشعرانی فان قلت فھل لاھل النار حظ من النعیم فی وقت من الاوقات فالجواب کما قال الشیخ فی الباب العشرین من الفتوحات نعم لاھل النار حظ من النعیم ولکن صورۃ نعیمھم عدم توھمھم وقوع العذاب بھم کما ان حظھم من شدۃ العذاب توقعہ لانہ لا امان لھم بطریق الاخبار عن اللہ تعالیٰ فلا یفتر عنھم العذاب فلم یزالوا فی غشیۃ من العذاب بعد غشیۃ لافاقۃ ففی حال الغشیۃ یعذبون بالعذاب المتخیل وفی حال الافاقۃ یعذبون بالعذاب المحسوس وھکذا ابد الابد یزودھر الداھرین فعلم ان اشد العذاب علی اھل النار ما یقع فی نفوسھم من التوھمات فانھم لا یتوھمون قط عذابا اشد مما ھم فیہ الا تکون فی نفوسھم لوقتہ (مبحث الحادی والسبعون ج ۲ صفحہ ۱۱) وقال الشیخ ولیس عند اھل النار الذین ھم اھلھا نوم وانما یکون النوم فیھا لعصاۃ الموحدین

اگر تم کہو کہ کیا اہل نار کو بھی کسی وقت نعیم سے کچھ حصہ ملیگا اس کا جواب جیسا کہ شیخ نے فتوحات کے باب عشرین میں کہا ہے یہ ہے کہ ہاں اہل نار کے لئے نعیم سے حظ ہوگی ایک صورت ہے لیکن وہ صورت نعیم کی (واقع نہیں ہوگی کیونکہ وہ صورت) یہ ہے کہ اُن کو وقوع عذاب کا خیال نہ ہو جیسا کہ اُنکا حصہ شدت عذاب سے یہ ہے کہ عذاب کا احتمال ہو (اور احتمال بلکہ تیقن عذاب کا متحقق اور عذاب کا خیال نہ ہونا غیر متحقق پس کوئی صورت نعیم کی واقع نہ ہوئی) اس لئے کہ اُن کو کسی حال میں بھی امان نہیں ہے اور یہ امر بطریق اخبار عن اللہ معلوم ہوا تو عذاب اُن سے کبھی سست نہ کیا جاویگا پس وہ ہمیشہ اس حال میں رہیں گے کہ عذاب سے اُن پر غشی پر غشی ہوگی بعد افاقہ کے بعد افاقہ ہوگا سو حالت غشی میں تو عذاب متخیل سے معذب ہوں گے اور حالت افاقہ میں عذاب محسوس سے معذب ہوں گے اور اسی طرح ابدالآباد تک اور دھر متناہی تک ہوتا رہیگا اس سے معلوم ہوا کہ سخت ترین عذاب اہل نار پر وہ ہوگا جو اُن کے دلوں میں خیالات پیدا ہوں گے پس وہ جب بھی ایسے عذاب کا خیال کریں گے کہ اُن کے موجودہ عذاب سے اشد ہوگا وہ فوراً اُن کے ذات ذات میں متحقق ہو جاویگا اور شیخ نے فرمایا ہے کہ اہل دوزخ کو جو حقیقۃً اہل نار ہیں (یعنی کفار) نیند نہ آویگی۔ دوزخ میں نیند صرف عصاۃ موحدین کو آویگی اور اس مقدار کے موافق وہ دوزخ میں نعیم اور راحت پالیں گے اور یہ حق تعالیٰ کی رحمت ہوگی عصاۃ موحدین کیساتھ پس معلوم ہوا کہ حقیقی اہل نار (یعنی کفار) کو نیند نہ آویگی بدلیل قول حق تعالیٰ کے کہ وہ عذاب اُن سے سست نہ کیا جاویگا اور وہ اُس میں ناامید پڑے رہیں گے (کذا فی فتوحات کے باب میں میں ذکر فرمایا ہے شیخ نے کہا ہے کہ جب عصاۃ موحدین کو نیند آجاویگی تو اُن کی نعیم نیند کی حالت میں اچھے خواب کا نظر آنا ہوگا تو اپنے کو مثلاً اس طرح دیکھے گا کہ وہ دوزخ سے نکل گیا ہے اور فرح وسرور اور خورد ونوش اور وقاع میں مشغول ہے پھر جب جاگ اُٹھے گا تو اُن چیزوں میں سے کچھ بھی نہ دیکھے گا جیسا اہل دنیا ان باتوں کو خواب میں دیکھتے ہیں برابر یہی حالت اُن کی ہوگی اور بعض اُن میں اللہ پناہ میں رکھے اپنے کو خواب میں تنگی اور مضرت اور تکالیف اور پُرخار بستر اور اسی قسم کی چیزوں میں دیکھیں گے میں (یعنی شعرانی) کہتا ہوں پس واللہ وہ شخص کاذب اور مفتری ہے جس نے شیخ سے یہ نقل کیا ہے کہ وہ اس کے قائل ہیں کہ اہل نار دوزخ والے لذت حاصل کریں گے اور یہ کہ اگر وہ اُس سے

نقط هذا القدر الذي يتنعمون به في
النار ويستريحون قال ثم ذلك من رحمة
الله بعض الموحدين قال فعلم ان اهل
النار الذين هم اهلها لا ينامون لقوله تعالى
لا يفتر عنهم يعني العذاب وهم فيه مبلسون
ذكره في باب العشرين من الفتوحات قال
واما نام بعض الموحدين بكون نعيمهم في منامهم
بالرؤية الحسنة في نفسه مثلا انه
خرج من النار وصار في فرح وسرور
اكل وشرب وجماع ثم اذا استيقظ لا يرى
شيئا كما يرى اهل الدنيا فانهم في منامهم
سواء قال ومنهم والعياذ بالله من يرى
نفسه في منامه ذلك في بؤس وضر
وعقوبات واشد من شواء نحو ذلك
نسأل الله العافية قلت فقد كذب
والله وافترى من نقل عن الشيخ محي الدين
انه كان يقول ان اهل النار يتلذذون
بدخولهم النار انهم لو اخرجوا منها
تعذبوا بالخروج وان وجد نحو
ذلك في شيء من كتبه فهو مدسوس عليه
فاني مررت على كتاب الفتوحات المكية فرأيته
مشحونا بالكلام على عذاب اهل النار
وهذا الكتاب من اعظم كتبه واخرها

نکال لئے جاویں تو اس نکلنے سے وہ تکلیف پاویں گے اور اگر اس قسم کی کوئی بات اُن کی کسی
کتاب میں پائی جائے تو وہ اُن پر تھوپی گئی ہے کیونکہ میں نے اُن کی پوری کتاب فتوحات مکیہ پر
نظر ڈالی ہے میں نے اُس کو عذاب اہل نار کے مضمون سے بھرا ہوا دیکھا اور یہ کتاب ان کی سب کتابوں
میں عظیم بھی ہے اور تالیف میں آخری بھی ہے امام شعرانی نے ایک مقام پر کیفیت عذاب
اہل نار کے متعلق کچھ کلام نقل کرکے یہ فرمایا ہے کہ میں کہتا ہوں کہ واللہ وہ شخص کاذب اور
مفتری ہے جس نے شیخ سے یہ نقل کیا ہے کہ وہ اس کے قائل ہیں کہ اہل نار جو واقعی اہل نار ہیں
بعد مدت تعذیب کے اُس سے خارج ہوجاویں گے اور اسی طرح وہ بھی کاذب ہے جس نے فصوص
اور فتوحات میں یہ مضمون ٹھونس دیا ہے کہ شیخ اس کے قائل ہیں کہ اہل نار نار سے لذت
لیں گے اور یہ کہ وہ اگر اُس سے خارج کر دیئے جاویں تو فریاد کرنے لگیں اور اسی کی طرف واپس
آنے کی درخواست کریں جیسا میں نے یہ مضمون ان دونوں کتابوں میں دیکھا اور میں نے اس کو
فتوحات میں سے اس کو مختصر کرنے کے وقت حذف کر دیا یہاں تک کہ میرے پاس شیخ شمس الدین
شریف مدنی آئے اور مجھ کو خبر دی کہ لوگوں نے شیخ پر اُن کی کتابوں میں بہت سے ایسے عقائد
فاسدہ داخل کر دیئے ہیں جو خود شیخ سے منقول نہیں تھے جیسا کہ اس کی طرف خطبہ میں بھی اشارہ
گزر چکا ہے اس لئے کہ شیخ باجماع اہل طریق عارفین کاملین میں ہیں اور وہ علی الدوام رسول اللہ
صلی اللہ علیہ وسلم کے جلیس بنتے تھے سو وہ ایسا کلام کیسے فرما سکتے ہیں جو رسول اللہ صلی اللہ
علیہ وسلم کی شریعت کے کسی رکن کا ہادم ہو اور جس سے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے دین میں اور
جمیع ادیان باطلہ میں تساوی ہوجائے اور جو اہل جنت و اہل نار کو مساوی درجہ میں کردے
(جو مخالف ہے نص لا یستوی اصحاب النار و اصحاب الجنۃ کے) شیخ کے متعلق ایسا اعتقاد
وہی شخص کر سکتا ہے جس نے اپنی عقل کو معزول کر دیا ہو سو اے میرے بھائی اپنے کو اس سے بچاؤ
کہ ایسے شخص کی تصدیق کرنے لگو جو شیخ کی طرف کسی عقیدہ فاسدہ کو منسوب کرتا ہو اور اپنی
چشم و گوش و قلب کو اس سے محفوظ رکھو اور میں تم کو نصیحت کر چکا۔ والسلام اور میں نے شیخ کے
عقائد وسطیٰ میں یہ دیکھا ہے کہ ہم اس کا اعتقاد رکھتے ہیں کہ اہل جنت و اہل نار اپنے اپنے مقام میں
مخلد ہوں گے کوئی اپنے مقام سے ابد الآباد اور دہر غیر متناہی تک نہ نکلے گا اور شیخ نے یہ بھی کہا ہے

تأليفًا كبريت على الهامش ص ۔ قال الشعراني بعد ما نقل بعض كلام الشيخ
على صفة عذاب أهل النار ما نصه۔ قلت فكذب والله وافترى من أشاع عن الشيخ
محي الدين ابن العربي رحمه الله أنه كان يقول إن أهل النار الذين هم أهلها يخرجون منها
بعد مدة تعذيبهم وكذلك كذب من دس في كتاب الفصوص والفتوحات المكية أن الشيخ
قائل بأن أهل النار يتلذذون بالنار وأنهم لو أخرجوا منها لاستغاثوا وطلبوا الرجوع
إليها كما رأيت ذلك في هذين الكتابين ثم قد حذفت ذلك من الفتوحات حال اختصاري
لها حتى ورد على الشيخ شمس الدين الشريف المدني بما هو مسطور على الشيخ فكتب
كثيرا من العقائد الزائغة التي نقلت عن غير الشيخ كما مرت الإشارة إليه في الخطبة فإن
الشيخ من كمل العارفين بإجماع أهل الطريق وكان جليس رسول الله صلى الله
عليه وسلم على الدوام فكيف يتكلم بما يهدم شيئا من أركان شريعته ويساوي بين دينه
وبين جميع الأديان الباطلة لأهل الدارين سواء هذا لا يعتقده في الشيخ إلا من عدم
عقله فإياك يا أخي أن تصدق من يضيف شيئا من العقائد الزائغة إلى الشيخ
واحم سمعك وبصرك وقلبك وقد نصحتك والسلام وقد رأيت في عقائد الشيخ
الوسطى ما نصه نعتقد أن أهل الجنة وأهل النار مخلدون في دارهم لا يخرج أحد
منهم من داره أبد الآبدين ودهر الداهرين قال ومرادنا بأهل النار الذين هم أهلها
من الكفار والمشركين والمنافقين والمعطلين لا عصاة الموحدين فإنهم يخرجون من
النار بالنصوص قال لأن النار مثلا لا تقبل بطبعها خروج أهلها منها أبدا لأنها خلقت
من الغضب السرمدي قال وهذا اعتقاد الجماعة إلى قيام الساعة انتهى وفي لواقح
الأنوار التي جمعها محمد بن سويدكين من مجالس الشيخ وتقريراته اعلم يا أخي أن جميع
ما وجدته من قولنا بخروج أهل النار منها في سائر كتبنا وتقريراتنا فمرادنا بهم عصاة
الموحدين انتهى وقد نبه على ذلك أيضا الشيخ الكامل عبد الكريم الجيلي في شرح باب
الأسرار من الفتوحات فقال إياك والغلط فتفهم من كلام الشيخ أنه يريد بخروج أهل
النار غير الموحدين من الكفار فإن ذلك خطأ انتهى وقد رجع بحمد الله تعالى

کہ مراد ہماری اہل نار سے وہ ہیں جو حقیقی
اہل نار ہیں یعنی کفار و منافقین و معطلین نہ کہ
عصاۃ موحدین کیونکہ وہ بحکم نصوص نار
سے خارج ہونگے شیخ نے اسکی حکمت عقلیہ
میں کہا ہے کہ یہ اسلئے ہے کہ نار بالطبع
کسی معذب مخلد کو قبول نہیں کرتی اوسکی
طرح بالطبع اہل نار کے خروج کو کبھی بھی قبول
نہیں کرتی کیونکہ وہ نار غضب سرمدی سے
پیدا کی گئی ہے شیخ نے کہا ہے کہ یہی اعتقاد ہے
جماعت کا اور لواقح الانوار میں جسکو محمد
بن سویدکین نے شیخ کے جلسوں اور تقریرات
سے جمع کیا ہے کہ اے بھائی اسکو جانو کہ
ہماری کتابوں میں اور تقریروں میں ہمارے
جتنے اقوال اہل نار کے خروج من النار کے
متعلق تم کو ملیں ان سے مراد ہماری عصاۃ
موحدین ہیں اور اس پر شیخ کامل عبد الکریم
جیلی نے بھی فتوحات کے باب الاسرار کی
شرح میں متنبہ کیا ہے اور کہا ہے کہ شیخ
کو غلطی سے بچانا کبھی شیخ کے کلام سے
سمجھ جاؤ کہ انکی مراد اہل نار غیر موحدین
یعنی کفار کا خروج ہے کیونکہ یہ سمجھنا
خطا ہے۔ ختم ہوا ان کا قول اور
(شعرانی کہتے ہیں کہ) بحمد اللہ

علی یدی جماعات کثیرۃ من صوفیۃ الزمان الذین لا تخصص لهم فی الشریعۃ فی اعتقاد خروج اهل النار الذین هم اهلها تقلیدا لما اشیع عن الشیخ محی الدین وتابوا الی اللہ تعالی بعد ان کانوا یتسارّون بذلک فیما بینهم والحمد للہ رب العلمین (مبحث الحادی والسبعون ج ۲ ص ۱۸۲ و ص ۱۸۳ ۔

میرے ہاتھ پر صوفیہ زمانہ میں سے جماعت کثیرہ نے جن کو شریعت میں مہارت نہ تھی اس بارہ میں رجوع الی الحق کیا کہ ان کا اعتقاد اہل نار بالمعنی الحقیقی (یعنی کفار) کے خروج کا محض اُس قول کی تقلید کی بناء پر ہو گیا تھا جو اس باب میں شیخ کی کی طرف مشہور ہو گیا ہے اور انھوں نے اللہ تعالیٰ سے توبہ کی بعد اس کے کہ باہم اس کی سرگوشیاں کیا کرتے تھے (غالباً علانیہ خوف حکومت اسلامیہ سے اس کی جرأت نہ کرتے ہوں گے) والحمد للہ رب العلمین۔

ف (۱) شیخ کا قول مختلف عنوانات سے شائع کیا گیا ہے ایک یہ کہ وہ نار سے خارج ہو جاویں گے ایک یہ کہ ناری میں رہیں گے مگر عذاب کا انقطاع ہو جاویگا مجموعہ عبارات مذکورہ دونوں کیلئے نافی ہے اور نصوص قاطعہ سے یہی حق ہے کہ کفار کو کبھی عذاب سے نجات نہ ہوگی باقی اُن اقوال کا جواب جو کہ منشا اعتراض ہیں سو بعض نے کچھ تاویلیں کی ہیں جن کو الحق الاوفق میں بسط کی ساتھ مع عبارات قرائن تاویل لکھا گیا ہے مگر سب مخدوش ہیں جیسا کہ وہ خدشات بھی اُن ہی کی ساتھ مذکور ہوئے ہیں اور واللہ اعلم مجھے جو توجیہ بھی مذکور ہوئی ہے وہ سب عبارتوں میں نہیں چل سکتی اسلئے سب اسلم امام شعرانی کی رائے ہے کہ یہ قول مدسوس ہے یہ تو شیخ کے قول کے متعلق تحقیق تھی بعض نے اس دعوے پر بزعم خود نصوص سے استدلال کیا ہے میں نے رسالہ مسائل السلوک من کلام ملک الملوک میں اسکو مع الجواب لکھا ہے یہاں بھی نقل کرنا مناسب معلوم ہوتا ہے اور وہ یہ ہے

فی الروح ومن الناس من تمسک بصدر الاٰیۃ (لابثین فیہا احقابا) علی ان لا یبقی فی النار احد ولم یدخل بذلک فی الجنۃ ویتقوی مطلبہ ذالک بما اخرجہ ابن المنذر عن الحسن قال قال عمر لو لبث اهل النار فی النار کقدر رمل عالج لکان لهم یوم یخرجون فیہ وبما اخرجہ اسحق بن راهویہ عن ابی هریرۃ قال سیأتی علی جهنم یوم لا یبقی فیہا احد وقرأ واما الذین شقوا الاٰیۃ واخرج ابن المنذر وابو الشیخ عن ابراهیم قال ما فی القراٰن ایۃ ارجی لاهل النار من هذہ الاٰیۃ خالدین فیها ما دامت السموات والارض الا ما شاء ربک قال وقال ابن مسعود لیأتین علیها زمان تصفق فیہ ابوابها واخرج ابن جریر عن الشعبی قال جهنم اسرع الدارین عمرانا واسرعها خرابا الی الروایات کلها فی الدر المنثور ایضا لکن فیہ لفظ ابن مسعود محقق ۱۲ الی غیر ذلک من الاٰثار وقد نقل ابن الجوزی علی وضع بعضها کخبر عن عبد اللہ بن عمرو بن العاص یاتی علی جهنم یوم ما فیها من ابن اٰدم احد تصفق ابوابها کانها ابواب الموحدین واول البعض بعضها ومن شئ من الکلام فی ذلک فانت تعلم ان خلود الکفار مما اجمع علیہ المسلمون ولا عبرۃ بالمخالف والقواطع اکثر من ان تحصی ولا تقاوم

واحد منہم کثیر من هذه الاخبار ولا دلیل فی الآیۃ علی ما یقولہ المخالف لما علمت من الوجوہ فیہا اہ قلت فسرت
فی بیان القرآن قولہ تعالی الا ما شاء ربک بقولی - ہاں اگر خدا ہی کو نکالنا منظور ہو تو دوسری بات ہے وعلقت علیہ بقولی
هذا عندی ارجح الوجوہ وابعدها من التکلف ویتاید بالخبر المرفوع فی الدر المنثور اہ وذلک الخبر المرفوع نصہ اخرج ابن
مردویہ عن جابر قال قرأ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فاما الذین شقوا الی قولہ الا ما شاء ربک قال رسول اللہ صلی اللہ
علیہ وسلم فاما الذین شقوا الی قولہ الا ما شاء ربک قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ان شاء اللہ ان یخرج اناسا من الذین
شقوا من النار فیدخلہم الجنۃ فعل اہ قلت یوضح کون الاستثناء للتعلیق لا للتحقیق ما فی الدر المنثور اخرج البیہقی
فی البعث والنشور عن ابن عباس فی قولہ الا ما شاء ربک قال فقد شاء ربک ان یخلد هؤلاء فی النار وان یخلد هؤلاء فی الجنۃ

باد نواں نادرہ در معاملہ با بہالیل ومجاذیب وبلہ

الحدیث۔ ذروا العارفین المحدثین من امتی لا تنزلوهم الجنۃ ولا النار حتی یکون اللہ هو الذی
یقضی فیہم یوم القیمۃ (خط) عن علی (رض) **ترجمہ**۔ ایسے عارفین کو جو کہ میری امت میں ہونگے (انکے حال پر) چھوڑ دو
جنکے ساتھ عالم غیب کی باتیں کیجاتی ہیں۔ (مطلب یہ کہ انکو اسرار غامضہ مکشوف ہوتے ہیں) نہ انکو (اپنے فتوے سے) جنت
میں نازل کرو اور نہ دوزخ میں (یعنی نہ ان پر جنتی ہونیکا حکم کرو نہ ناری ہونیکا مراد یہ کہ اگر وہ ان اسرار کے ساتھ تکلم کریں
اور غموض کے سبب سمجھ میں نہ آویں اور ظاہراً خلاف شرع معلوم ہوں تو نہ سمجھے نہ انکے معتقد ہو اور نہ ظاہراً خلاف شرع
دیکھنے کے سبب انکی تضلیل کرو۔ بلکہ انکا معاملہ خدائے تعالی کے سپرد کرو) حتی کہ اللہ تعالی ہی قیامت کے روز انکا فیصلہ فرماویگا
ف۔ اور بعض اوقات انکے بعض افعال بھی جو ان ہی اسرار مکشوفہ غامضہ پر مبنی ہوتے ہیں اہل ظاہر کی سمجھ میں
نہیں آتے جیسے حضرت خضر علیہ السلام کے واقعات قرآن مجید میں مذکور ہیں گو شرائع میں ایسے مبانی کے اعتبار و عدم اعتبار
میں اختلاف ہوسکتا ہے اور اس غموض کے سبب بعض اوقات وہ اقوال و افعال خلاف شرع معلوم ہوتے ہیں تو اس حدیث
میں ان کیساتھ معاملہ کرنیکا طریق بتلایا گیا ہے نہ انکو ولی اور نہ جنتی سمجھو اور نہ انکو گمراہ اور دوزخی سمجھو بلکہ انکو اللہ تعالی
کے حوالہ کرو اور اس معاملہ میں چند قیدیں ہیں ایک یہ کہ دلیل اجمالی سے انکا عارف ہونا معلوم ہوجاوے جیسا لفظ عارفین
میں اس طرف اشارہ ہے اور وہ اجمالی دلیل اہل قلوب سلیمہ کا انکے اندر ذوقاً نور قبول کا ادراک کرنا اور اس ادراک کے
سبب انکے ساتھ بے ادبی نہ کرنا اور انکے اقوال و افعال پر سختی سے نکیر نہ کرنا ہے ورنہ اگر اس اجمالی دلیل سے بھی انکا
عارف ہونا معلوم نہ ہو تو ان کیلئے یہ حکم نہیں ہے بلکہ ایسے اقوال و افعال پر سختی سے انکار کیا جاویگا اور اس قائل و فاعل پر
گمراہی و استحقاق نار کا فتوی دیا جاویگا اور ان اقوال و افعال پر تاویل کی جاویگی۔ دوسری قید یہ ہے کہ دلیل تفصیلی سے

اُنکا عارف ہونا معلوم نہ ہو اور دلیل تفصیلی یہ ہے کہ جو علماء و مشائخ علوم ظاہر و باطن کے جامع ہیں وہ اُنکو ظناً مقبول سمجھتے ہوں ورنہ اگر اس تفصیلی دلیل سے اُنکا عارف ہونا معلوم ہو تو اُن کیلئے بھی یہ حکم نہیں ہے بلکہ اس صورت میں اُن پر مقبولیت و استحقاق جنت کا فتویٰ دیا جاویگا اور اُن اقوال افعال میں تاویل کیجاویگی جیسے اس شان کے بہت اولیاء اُمت میں گذرے ہیں حدیث انتم شهداء الله فى الارض و نیز قصہ خضر علیہ السلام جو قرآن مجید میں مذکور ہے اسکی کافی دلیل ہے اور ایک قید یہ ہے کہ اُنکا کوئی عذر شرعی بیّن نہ ہو جیسے اختلال عقل ورنہ اُن کیلئے مرفوع القلم ہونیکا اور اس عذر کے طاری ہونیسے قبل کی حالت کا اعتبار کر کے عدالت یا فسق کا فتویٰ دیا جائیگا پس کسی قسم کا فتویٰ دینے کی ممانعت ایسے شخص کے حق میں ہے جس میں دونوں احتمال ہیں اسلئے احتمال صلاح پر مردودیت کا فتویٰ نہ دینگے اور احتمال فساد پر مقبولیت کا فتویٰ نہ دینگے بلکہ سکوت کرینگے اور بعض اوقات اس عذر شرعی کے بیّن یا غیر بیّن ہونے میں ایک غلطی ہو جاتی ہے اور وہ غلطی یہ ہے کہ بعض اوقات عقل میں اختلال ہوتا ہے حواس سالم ہوتے ہیں جیسے بہائم کہ سلیم الحواس ہوتے ہیں مگر عاقل نہیں ہوتے بعض اہلِ ظاہر سلامتی حواس کو سلامتی عقل سمجھکر دھوکہ کھاتے ہیں اور انکو غیر معذور سمجھکر اُنکو گمراہ سمجھتے ہیں اسلئے اس میں سخت احتیاط کی ضرورت ہے اور بعض لوگ اسکے مقابل دوسری غلطی کرتے ہیں کہ باوجود کسی قسم کے احتمال صلاح و عذر نہ ہونیکے خلافِ شرع لوگونکے معتقد ہو کر ایسے اقوال افعال میں اُنکا اتباع کر کے اپنا ایمان خراب کرتے ہیں پس حدیث میں دونوں جماعتوں کی اصلاح ہے اور سہل معیار اس حدیث پر عمل کرنیکا یہ ہے کہ اپنے زمانہ کے اہل فہم و اہلِ تقویٰ و اہلِ تحقیق و اہلِ احتیاط کا معاملہ ایسے لوگوں کیساتھ دیکھلے اور ویسا ہی خود بھی کرے اور حدیث گو سنداً ضعیف ہے مگر اُسکا مضمون آیات قرآنیہ سے مؤید ہے۔ قال الله تعالى ولا تقف ما ليس لك به علم وقال تعالى ان يتبعون الا الظن وان الظن لا يغني من الحق شيئا وقال تعالى بل كذبوا بما لم يحيطوا بعلمه۔ اب مناسب معلوم ہوتا ہے کہ اس حدیث کی شرح میں علامہ عزیزی و علامہ حفنی کی کچھ عبارتیں بھی بقدر ضرورت نقل کردوں تاکہ تفصیل مذکور میں مجھکو مخترع نہ سمجھا جاوے۔ قال العزيزى عن المناوى ويظهر ان المراد بهم المجاذيب ونحوهم الذين يبدو منهم ما ظاهره يخالف الشرع فلا تعترض لهم بشيء ونسلم امرهم الى الله تعالى وقال الحفنى اى ترکوا مخالطة المجاذيب والتكلم فيهم اى لا تحكموا بانهم من اهل الجنة لاعتقادكم فيهم الولاية ولا تحكموا بانهم من اهل النار نظرا لتلبسهم بالمعاصى ظاهرا بل فوضوا امرهم لمولاهم ۵

مجانین الا ان سر جنونہم عزیز علی ابوابہم یسجد العقل اھ

اور علامہ حفنی نے اپنی عبارت میں ایک فائدہ زائد بھی بیان کیا ہے وہ یہ کہ ذرو اکے معنی میں تعمیم کی ہے کہ انکو چھوڑ دینگے معنے یہ ہیں کہ اُن سے طلب بھی مت اور انکے باب میں کلام بھی نہ کرو۔ اھ اگر محاورہ کے اعتبار سے اس تعمیم کا مدلول حدیث ہونا کسی کے نزدیک محل کلام ہو تب بھی مدعا دوسرے طور پر حدیث ثابت ہوتا ہے وہ یہ کہ معاملہ قولی مستقل طلب سے اس معاملہ فعلی کو مستلزم ہے کیونکہ جب اُس میں احتمال فساد کا ہے جو مبنی ہے معاملہ قولی کا اور اہل فساد کی مخالطت سے اجتناب کا وجوب ثابت ہے پس ایسے شخص کی مخالطت سے بچنا بھی واجب ہے، تو یہ دوسرا جزو اگر حدیث کا بلا واسطہ بھی مدلول نہ ہو مگر جزو اول کے واسطے سے مدلول ہے واللہ اعلم۔ **الحدیث** سألت ربي ان لا يعذب اللاهين من ذرية البشر فاعطانيهم (ش قط في الافراد والضياء عن انس رضي) قال العزيزي قال العلقمي قال في النهاية قيل هم البله الغافلون وقيل الذين لم يتعمدوا الذنوب انما اتوه غفلة وقيل هم الاطفال وقال الحفني اي البله الذين اخذت عقولهم فلم يشعروا بانفسهم حتى بالموت في ساحة الرضا وان لم تقع منهم عبادة لكونهم اشتغلوا بالله تعالى حتى عن انفسهم وقيل المراد بالحفني عين الاطفال الذين لم يكلفوا اھ قلت لعل الاقرب ما قاله الحفني وان امكن ارجاع ما نقل العزيزي اليه۔ ترجمہ۔ (حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں کہ) میں نے اپنے رب سے درخواست کی کہ بنی آدم میں سے جو لوگ مغفل ہیں انکو عذاب نہ دیں اللہ تعالیٰ نے وہ لوگ مجھکو عطا کر دیئے (یعنی میری درخواست پر انکو معاف فرما دیا)۔ ف۔ بعضے لوگ فطرۃً یا کسی حالت کے غلبہ سے ایسے ہوتے ہیں کہ وہ قانون شرعی سے غیر مکلف تو نہیں ہوتے مگر پورے باہوش و باخبر بھی نہیں ہوتے اسلئے اُن سے بعض احکام میں غفلت ہو جاتی ہے وھو معنی ما قال الحفني وان لم تقع منهم عبادة اور باوجود مکلف ہونیکے احکام میں کوتاہی کرنا ظاہر ہے کہ گناہ ہے تو یہ کہنا بھی صحیح ہے کہ اُن سے گناہ کا کام بھی ہوتا ہے پس ایسے گناہ اُن سے ہو سکتے ہیں نہ وہ گناہ جو بلا واسطہ گناہ ہیں جیسے زنا و سرقہ و شرب خمر وغیرہا وھو معنی ما قال العزيزي لم يتعمدوا الذنوب وھو حاصل الارجاع الذي قلت ظاہر ہے کہ حدیث میں ایسے ہی لوگ مراد ہیں اور اطفال غیر مکلفین کا مراد ہونا بعید ہے کیونکہ قانون شرعی سے اُن میں تو مواخذہ کا احتمال ہی نہیں اسلئے وہ محل سوال ہی نہیں بخلاف ان مذکورین کے کہ بوجہ مکلف ہونیکے مواخذہ کے مستحق ہیں اسلئے آپنے انکے متعلق درخواست عدم مواخذہ کی فرمائی کیونکہ ایسے لوگوں کو پابندی احکام میں سخت اہتمام کی حاجت ہے اور ایسے شدید اہتمام پر دوام عادۃً متعسر ہے اگرچہ متعذر نہیں آپنے انکے تعسر پر نظر فرما کر شفاعت عدم مواخذہ کی فرمائی جو قبول ہو گئی اسی سنت نبویہ کے موافق شیوخ مربین بھی ایسے لوگوں کیساتھ معاملہ عفو و صفح کا کرتے ہیں جنکی نسبت معلوم ہو جاتا ہے کہ انکی قوت فکریہ ضعیف ہے اگر اسکا استعمال کرنا چاہیں تب بھی غفلت ہو جاتی ہے تو گو معذور نہیں

مگر کا لمعذور ہیں پس یہ لوگ علامہ العقل تو نہیں مگر سلیم العقل بھی نہیں بلکہ سقیم العقل یا عقیم العقل ہیں جنکی تعبیر کیلئے عرف و محاورہ میں بلہ کا لقب مناسب ہے۔ ف ۲۔ اگر اس حدیث کو حدیث ذرو العارفین کیساتھ ملا لیا جاوے جو کہ حرف ذال کی اول حدیث ہے تو ان لوگوں کی حالت خلاف ظاہر ہے اُنکی سب اقسام اور ان اقسام کے احکام کی کافی تحقیق معلوم ہوگئی پس اللہ اعلم

تہترواں نادرہ در طریق جواب الزامی

سوال۔ اور ایک امر یہ ہے کہ مرزا نے حضرت مسیحؑ اور حضرت حسینؓ و حضرت علیؓ کے اوپر طعن و تشنیع بہت کیا ہے اور آخر میں یہ فقرہ لکھدیا ہے کہ میں تو اپنے علیٰ کو جو نبی سمجھے یا حضرت حسینؓ و علیؓ کو جو مانتے ہیں نہیں کہا ہے بلکہ عیسائیوں کے مسیح کو جس نے خدائی کا دعوی کیا ہے اور جسکا قرآن میں ذکر نہیں ہے کہا ہے اور شیعوں کے حسن اور علی کو کہا ہے چونکہ عیسائیوں نے ہمارے حضرت کو اور شیعوں نے ہمارے خلفاء ثلثہ کو بہت بُرا کہا ہے اس وجہ سے ہم نے بھی اُنکے مسلمہ موصوفہ بصفات موصوفہ بخیال اُنکے کو کہا ہے۔ آیا ایسا پیرایہ اور حیلہ کرکے حضرت حسین و مسیح و علی علیہم السلام پر کسی قدر حملہ جائز ہے۔ یا قطعی ناجائز ہے اگر کوئی الزام اُن پر دیا جاوے تو اسکی کیا صورت ہے بعض لوگ کہتے ہیں کہ عیسائیوں کے مقابلہ میں حق مسیحؑ علماء سلف و خلف نے ایسا حملہ کیا ہے۔ اور علماء اہل سنت نے بمقابلہ شیعان کے برتاؤ کیا ہے یہ کہاں تک صحیح ہے۔؟

جواب۔ گو مناظرین کی ایسی عادت ہے مگر قرآن مجید کی ایک آیت کے دیکھنے سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ امر قبیح ہے وہ آیت یہ ہے لقد سمع اللہ قول الذین قالوا ان اللہ فقیر و نحن اغنیاء اس کا شانِ نزول مفسرین میں مشہور ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے صدقات کی ترغیب فرمائی تھی پس یہود نے یہ بات کہی یقینی ہے کہ اُنکا یہ عقیدہ نہ تھا بلکہ محض الزام کے طور پر کہا تھا کہ حضور کی ترغیب سے (نعوذ باللہ) اللہ تعالیٰ کا حاجتمند ہونا لازم آتا ہے مگر اُنھوں نے اس قضیہ شرطیہ کو صورۃ حملیہ میں کہا ہے اللہ تعالیٰ نے اسکی تقبیح فرمائی۔ گو اُنکا بطور قضیہ شرطیہ کہنا بھی بوجہ لزوم تکذیب حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے قابل تقبیح ہے۔ مگر اس مقام پر اس کا ذکر نہیں فرمایا صرف امر اول کی تقبیح پر اکتفاء فرمایا۔ اس سے معلوم ہوا کہ اس طرح کا پیرایہ قبیح ہے۔ اگر کسی نے ایسا کیا اُس کی تاویل کرینگے کہ مقصود الزام ہے اور کہیں گے کہ اُنھوں نے آیت میں غور نہیں کیا ہوگا اور خاصکر جب یہ کہنا مخالفین کی زبان سے اپنے بزرگوں کو بُرا بھلا کہلانے کا سبب بنجاوے اُس صورت میں تو دوسری وجہ بھی ممنوع ہونے کی پائی جاویگی۔ قال تعالیٰ ولا تسبوا الذین یدعون من دون اللہ فیسبوا اللہ عدوا بغیر علم۔ اور سلف کے کلام میں ایسے عنوانات نظر سے نہیں گزرے۔

چوہترواں نادرہ در تحقیق خضاب اسود

فائدۃ فقہیۃ فی تحقیق حکم الخضاب الاسود۔ استدل المجوزون بفعل الحسین بن علی رضی اللہ عنہ

الذی رواہ البخاری فی باب مناقب الحسن والحسین عن انس بن مالک قال اتی عبید اللہ بن زیاد برأس الحسین فجعل فی طست فجعل ینکت وقال فی حسنہ شیئا فقال انس کان اشبہہم برسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم وکان (الحسین رض) مخضوبا بالوسمۃ اھ۔

والجواب عند المانعین بما فی الحاشیۃ وھذہ عبارتہا ظاھرہ وان کان معارضا لقولہ علیہ السلام جنبوہ السواد لکن المجیز کان مخضوبا بالوسمۃ الخالصۃ والخضب بہا وحدہا لا یسود الشعر فاندفع التعارض بینہما لان المنہی عنہ ھو السواد البحت او کون السواد غالبا علی الحناء لا العکس منشا التشریع بھیبۃ ان لا یلتبس الشیب بالشباب والشیخ بالشاب علا ان الحسین کان غازیا شہیدا فالخضاب بالسواد جائز فی الحرب ۳۹ ج ۱۷ والمحشی وان کان غیر معلوم لکنہ لا یضر لان حقیقۃ الجواب المنع وھو مطالبۃ الدلیل لکل واحد حق المطالبۃ (۹ رجب ۱۳۳۵ھ ثم ارانی المجیز المولوی محمد اسحق الحدیث فی البخاری ھکذا حدثنی انس بن مالک قال قدم النبی صلی اللہ علیہ وسلم المدینۃ فکان اسن اصحابہ ابو بکر فغلفہا بالحناء والکتم حتی قنا لونہا ۵۵۵ ج ۱۷ باب ہجرۃ النبی صلی اللہ علیہ وسلم واصحابہ الی المدینۃ۔

پچپنواں نادرہ در اجماع بر حرمت اخذ لحیہ دون القبضۃ

قال الطحاوی فی کتاب الصوم قبیل فصل العوارض وان الاخذ من اللحیۃ دون القبضۃ کما یفعلہ بعض المغاربۃ ومخنثۃ الرجال لم یبحہ احد واخذ کلہا فعل یہود الہند ومجوس الاعاجم اھ فحیث ادمن علی فعل ھذا المحرم یفسق وان لم یکن ممن یستحیونہ ولا یعدونہ قادحا للعدالۃ والمروۃ اھ تنقیح فتاوی حامدیہ ۳۵۱ ج ۱۷ قلت دل الاحصر قولہ لم یبحہ احد نص فی الاجماع ۱۲ ط۔ ازا قاسم ربیع الثانی ۱۳۳۶ھ۔

چھپنواں نادرہ در حساب صاع و درہم

فی الدر المختار (وھو) ای الصاع المعتبر (ما یسع الفا واربعین درہما من ماش او عدس) ۱۲۳ ج ۲ وفی شرح الوقایۃ وعند ابی حنیفۃ صاع من العراق وھو ثمنوان والمن مائۃ وثمانون مثقالا ومنہ ایضا کل عشرۃ منہ بسبعۃ مثاقیل وقال صاحب الغیاث مثقال بقول اقوی ۴ ماشہ است پس بحساب در مختار صاع دو سو تہتر تولہ کا ہوتا ہے کیونکہ سات مثقال کے ساڑھے اکتیس ماشہ ہوتے ہیں اس کو سواں حصہ یعنی ۳ ماشہ ۱ رتی درہم وزن ہوا اور ایک ہزار چالیس درہم کے ماشے تین ہزار دو سو چہتر ہوئے اور بحساب شرح وقایہ دو سو ستر تولہ کا صاع ہوتا ہے فقط تین تولہ کا فرق ہے اب اس کے سیر ہر ایک مروج تولہ کے حساب سے ہر شخص بنا لے چونکہ انگریزی

لتول سے عام طور پر سب جگہ واقفیت ہے اس واسطے اُسکا حساب درج ذیل ہے۔

چونکہ حساب مذکورہ بالا میں تولہ بارہ ماشہ کا رکھا گیا ہے اور انگریزی تولہ یعنی روپیہ ۱۱ ماشہ کا ہوتا ہے اور سیر اسّی روپیہ بھر ہوتا ہے اس واسطے (سیر انگریزی تو ۸۰ تولہ ۸ ماشہ کا ہوا اور) صاع انگریزی تولہ کی رو سے ۲۸۴ تولہ ۴ ماشہ ۴ رتی کا ہوا جس کے تین سیر آٹھ چھٹانک چار تولہ آٹھ ماشہ ہوتے ہیں (اور بلحاظ کسر خفیف ۳ سیر ۹ چھٹانک ہوا) اور صدقہ فطر ایک سیر ۱۲½ چھٹانک دینا چاہئے۔ اور ۸۸ روپیہ بھر کے سیر سے بھی اس علاقہ (یعنی ضلع مظفر نگر وغیرہ) کیواسطے حساب لکھا جاتا ہے۔ اس سیر میں بھی تولہ ۱۱ ماشہ کا ہوتا ہے اس واسطے ایک صاع اس سیر سے تین سیر اور ساڑھے تین چھٹانک ہوتا ہے۔ پس صدقہ فطر ایک سیر پونے نو ۸¾ چھٹانک دینا چاہیئے۔

نوٹ ۱۔ یہ وزن حساب کی رو سے لکھا گیا ہے احتیاطاً دیسی سیر سے پونے دو سیر اور انگریزی سیر سے پورے دو سیر صدقہ فطر ادا کرنا بہتر ہے۔ **مسئلہ**۔ ایک مُد حضرت مولانا محمد یعقوب صاحب رحمۃ اللہ علیہ کے پاس تھا جسکی مسلسل سند حضرت زید بن ثابت کے مُد تک (جو کہ انھوں نے حضرت رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کے مُد سے ناپ کر بنایا تھا) پہنچتی ہے اُسکو حضرت مولانا تھانوی مدظلہم العالی نے دو مرتبہ بھر کر وزن کیا تھا کیونکہ نصف صاع دو مُد کا ہوتا ہے تو ۸۸ کے سیر سے ڈیڑھ سیر ڈیڑھ چھٹانک ہوا تھا جو حساب مذکورہ بالا کے تقریباً مطابق ہے صرف پون چھٹانک کا فرق ہے جو بہت زیادہ نہیں ہے۔ تحریر مذکور بالا میں درہم کا وزن ۳ ماشہ ۱⅕ رتی اور مثقال کا بحوالہ غیاث ساڑھے چار ماشہ لکھا گیا ہے یہی اوزان مظاہر حق میں نواب قطب الدین صاحب نے بھی لکھے ہیں نیز حضرت مولانا محمد یعقوب صاحب کی بیاض میں بھی دو سو تہتر تولہ صاع کا وزن مع حوالہ مظاہر حق و در مختار درج ہے اور سند مُد کے موافق بھی یہی وزن ہے اور یہ ایسی صورت میں ہو سکتا ہے جبکہ درہم ۳ ماشہ ۱⅕ رتی اور مثقال ساڑھے چار ماشہ کا قرار دیا جاوے لیکن مولانا عبدالحی لکھنوی نے حاشیہ شرح وقایہ میں جو حساب درج فرمایا ہے اُس میں درہم دو ماشہ ڈیڑھ رتی کا اور مثقال ۳ ماشہ ایک رتی کا قرار دیا ہے جسکی وجہ سے سونے چاندی کے نصاب زکوٰۃ میں بھی بہت فرق پڑ گیا کہ سونے کا نصاب پانچ تولہ دو ماشہ چار رتی اور چاندی کا چھتیس تولہ پانچ ماشہ چار رتی ہوا اور صاع کے وزن میں بھی بہت فرق آگیا تحقیق کرنے سے معلوم ہوا کہ بنا اس تفاوت کی یہ ہے کہ مولانا موصوف نے چار جَو کی ایک رتی قرار دی ہے اور غیاث و مظاہر حق کے قول پر تقریباً تین جَو کی ایک رتی ہوتی ہے اس بنا تفاوت کے معلوم ہونے پر ہم نے خود جَو اور رتی کا وزن احتیاط کیساتھ کیا تو ثابت ہوا کہ ایک رتی کے وزن میں چار جَو نہیں چڑھتے پھر مجموعہ ستر جَو کو جو حسب تصریح شامی وغیرہ درہم کا وزن ہے یکجا کر کے تولا گیا تو تقریباً پچیس رتی وزن ہوا جس سے معلوم ہوا کہ حساب صحیح وہی ہے جو بحوالہ مظاہر حق وغیرہ ذکر کیا گیا ہے کہ

درہم کا وزن ۳ ماشہ ۱⅕ رتی ہے۔ اور مولانا لکھنوی کے حساب کے متعلق یہ ممکن ہے کہ اتفاقاً چھوٹے جو ہاتھ آئے ہوں جن سے وزن کیا گیا یا وزن کرینگے۔ وقت اتفاقاً چھوٹے جو سے دیکھا گیا ہو نیز رتی یعنی گونگچی بھی چھوٹی بڑی ہوتی ہیں ممکن ہے کہ کبھی بڑی گونگچی سے تولا گیا ہو ہم نے اسی احتیاط کے مدنظر بہت سے جوؤں میں سے متوسط جو اور بہت سی گونگچیوں میں سے متوسط گونگچی تلاش کرکے وزن کیا ہے اور اسکے علاوہ فقہاء نے درہم ۷۰ جو کا اور مثقال ۱۰۰ جو کا لکھا ہے اور چاندی کا نصاب دو سو درہم اور سونے کا نصاب ۲۰ مثقال اور صاع ایک ہزار چالیس ۱۰۴۰ درہم اور نصف صاع پانچسو بیس ۵۲۰ درہم کا لکھا ہے اگر ہمارے تولنے کا اعتبار نہ ہو تو جس کا جی چاہے ۷۰ جو کو تول کر درہم کا وزن معلوم کرے اور اسکو دو سو ۲۰۰ سے ضرب دیکر چاندی کا نصاب اور پانچسو بیس سے ضرب دیکر نصف صاع نکال لے اور ۱۰۰ جو کو تول کر مثقال کا وزن معلوم کرے اور اسکو بیس ۲۰ سے ضرب دیکر سونے کا نصاب نکال لے۔ واللہ تعالیٰ اعلم۔ ملحق: زکوٰۃ میں بھی ہمارے حضرات اکابر نے اسی وزن کو معتبر رکھا ہے کہ ساڑھے باون تولہ چاندی جو روپیہ کے حساب سے للعہ بھر ہوتی ہے اس پر زکوٰۃ واجب ہونیکا فتویٰ دیا ہے (ساڑھے باون تولہ کے ۳ ماشہ ۱⅕ رتی کا درہم مان کر پورے دو سو درہم ہوتے ہیں) اسی طرح بیس ۲۰ مثقال (جو سونے کا نصاب زکوٰۃ ہے اس) کے بحساب ۴ ماشہ فی مثقال ساڑھے سات تولہ قرار دیتے ہیں۔ فقط وللہ الحمد۔ کتبہ الاحقر عبد الکریم گمتھلوی عفی عنہ خانقاہ امدادیہ تھانہ بھون۔ ۲۷ جمادی الاولیٰ ۱۳۵۳ھ

نوٹ متعلق عبارت بالا۔ مولانا عبد الکریم صاحب کی تحریر میں جس جگہ کی عبارت تھی اس میں کچھ خدشہ ظاہر ہوا اس لئے حسب ایماء سیدی حضرت حکیم الامۃ قدس سرہم نے اس کو اپنی عبارت میں بدلیا ہے۔ محمد شفیع دیوبندی جمیل احمد تھانوی

ششتادونواں نادرہ در تحقیق مسئلۃ التصرف

صح عنہ صلی اللہ علیہ وسلم فی بعض الحوادث ضربہ صلی اللہ علیہ وسلم فی صدر بعض اصحابہ ومسحہ صلی اللہ علیہ وسلم بیدہ الشریفۃ علی بدن بعض لزوال الوسوسۃ فی الاول ولذھاب المرض فی الثانی فلو ھذا ظاہر ھذہ الاحادیث استعمال التصرف ولا یبعد الاستدلال بامثالہا علی کون مثل ھذا التصرف سنۃ لکن اذا دقق النظر لایتم ھذا الاستدلال لان کونہ تصرفا یتوقف علی ان جمع ہمتہ وخاطرہ لحدوث الآثار ولم یثبت بل یحتمل انہ فعل ہذا الفعل بعد ما انکشف علیہ بالوحی نفع نفس ہذہ الافعال من دون ان یجمع ہمتہ وخاطرہ ولیس ہذا من التصرف المتعارف فی شیء ومن ثم لم یذکر العلماء ہذہ الواقعات فی باب المعجزات التی تغایر التصرفات۔ ف۔ وما سبق فی الغریبۃ ۹۶ من اثبات تصرفہ صلی اللہ علیہ وسلم فی بعض الواقعات فلا یشکل لان النادر قلیل والغالب علی عادتہ صلی اللہ علیہ وسلم عدم التصرف۔

اٹھاونواں نادرہ در تحقیق جہر و ضرب و مد و تکرار بعض کلمات ذکر و اقتصار بر معمول بدون عامل

فائدہ رابعہ وخمسین۔ (تتمہ النکت الدقیقۃ ضمیمہ حقیقۃ الطریقۃ من اجزاء التکشف۔ (اس کا موقع مضمون دوم کے ختم کے بعد ہے جو اس عبارت پر ختم ہوتا ہے یا دوسرے کے قریب ہے یعنی اس عبارت کے بعد ذیل کی عبارت بڑھادی جاوے) **دلیل دیگر** باشتراک علت۔ **حدیث**۔ عن البراء قال کان النبی صلی اللہ علیہ وسلم ینقل التراب یوم الخندق حتی اغمر او اغبر بطنہ یقول واللہ لولا اللہ ما اھتدینا ولا تصدقنا ولا صلینا + فانزلن سکینۃ علینا وثبت الاقدام ان لاقینا + ان الاولی قد بغوا علینا + اذا ارادوا فتنۃ ابینا + ورفع بھا صوتہ ابینا ابینا۔ وللطریق الاخر قال ثم یمد صوتہ باخرھا (ای ابینا) رواہما البخاری فی باب غزوۃ الخندق۔ ترجمہ کا حاصل یہ ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم غزوۂ خندق میں یہ رجز پڑھ رہے تھے واللہ لولا اللہ ما اھتدینا الخ اور اسکے ختم پر جو کلمہ ہے ابینا اسکو مکرر اور آواز کو دراز اور بلند کرکے فرماتے تھے۔ اس حدیث کی دلالت ضرب کی مشروعیت پر اس طرح ہے کہ بعض کلمات میں ضرب سے مقصود اثر خاص کا اہتمام ہے اور یہی اہتمام اثر خاص مقصود تھا حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا کلمہ ابینا کے تکرار اور جہر و مد صوت سے پس علت کے اشتراک سے حکم بھی متعدی ہوجاویگا اور یہ حدیث جس طرح مشروعیۃ ضرب پر معنًی دال ہے اسی طرح جہر بالذکر و مد صوت بعض کلمات و تکرار بعض اجزاء کلام جیسے الا اللہ بدون تکمیل جملہ پر بھی نصًّا دال ہے۔ اولین پر دلالت ظاہر ہے ثالث پر دلالت کی تقریر یہ ہے کہ پورا کلام مقصود مجموعہ ہے عامل و معمول یعنی شرط و جزاء کا یعنی اذا ارادوا فتنۃ ابینا مگر آپ نے صرف ایک جزو یعنی جزاء کا جو کہ معمول ہے تکرار فرمایا بدون شرط کے جو کہ عامل ہے اسی کے مشابہ ہے تکرار الا اللہ معمول کا بدون لا الہ عامل کے تو اس سے مضمون آئندہ یعنی سوم کی بھی ایک زائد دلیل حاصل ہوگئی۔

تقریر مطلوب بعنوان دیگر۔ حاصل اس ضرب کا کلام کے ایک جزو کے طرز ادا کا دوسرے اجزاء کے طرز ادا سے مختلف کردینا اور بدل دینا ہے یعنی خفت و سہولت و سلاست سے قوت شدت و جزالت کی طرف اور یہی تبدیل کلمۂ ابینا میں متحقق ہے گو یہ وقت مقیس علیہ میں بہیئت رفع صوت ہے اور مقیس میں بہیئت ضرب اور ظاہر ہے کہ خصوصیت رفع صوت کا جواز کیلئے شرط ہونا یا خصوصیت ضرب کا جواز کیلئے نافع ہونا کسی دلیل سے ثابت نہیں اور اشتراک علت کے بعد ایسی خصوصیات کا تفاوت مقیس مقیس علیہ میں شائع ہے اب یہ بات رہ گئی کہ مقیس میں اس تبدیل طرز ادا کی ضرورت ہی کیا ہے اسکا جواب یہ ہے کہ وہی ضرورت ہے جو مقیس علیہ میں ہے یعنی اہتمام اثر خاص جیسا

تقریر بعلا میں مذکور ہوا ہے تو اسوقت ہے جب داعی مقتضی میں مصلحت اور حکمت کو کہا جاوے اور اگر مقتضی میں داعی جوش طبعی کو
کہا جاوے تو سنت میں اسکی بھی نظیر ہے۔ وھو ما فی زاد المعاد عن مسلم کان صلی اللہ علیہ وسلم اذا خطب احمرت عیناہ
وعلا صوتہ واشتد غضبہ حتی کانہ منذر جیش الحدیث۔ اور ان دونوں یعنی مذکورہ روایت بخاری و مسلم کے
علاوہ ایک اصل سنت میں اور ہے جو دونوں وجہ کو محتمل ہے یعنی تغیر اضطراری کو بھی جو بوجہ تشابہ مقتضی میں تغیر طبعی کا ماخذ
ہو سکتا ہے اور تغیر اختیاری کو بھی جو بوجہ تشابہ مقتضی میں تغیر بمصلحت ماخذ ہو سکتا ہے اور وہ اصل واقعہ ہے قراءۃ
نبویہ بالترجیع کا جسکو بعض علماء نے اختیار سے کہا ہے اور بعض نے اضطرار سے وھو فی زاد المعاد انہ صلی اللہ علیہ وسلم
رجع یوم الفتح فی قراءتہ انا فتحنا لک فتحا مبینا وحکی عبد اللہ بن مغفل ترجیعہ آآآ ثلث مرات ذکرہ
البخاری ثم قال صاحب الزاد ان ھذا الترجیع منہ صلی اللہ علیہ وسلم کان اختیارا لا اضطرارا لھز
الناقۃ لہ کما ذھب الیہ البعض وھما القولان فی الواقعۃ واللہ اعلم ۲۲ رجب ۱۳۲۹ھ۔

انسٹھواں نادرہ در تحقیق علمی و عملی مسئلہ مولد شریف مع ما لہا و علیہا

رسالہ تنبیہ الصدور میں یہ مضامین نہایت تفصیل و توضیح سے بیان کئے گئے ہیں طویل ہونیکی وجہ سے نقل نہیں کیا گیا جسکو اشتیاق ہو رسالہ ہذا کو مطالعہ فرمالیں

ساٹھواں نادرہ در توجیہ سرعت سیر معراج شریف بطی زمان و مکان

ووجہ ھذہ السرعۃ بعضھم بسرعۃ السیر مع کون المکان والزمان باقیین علی حالھما کما فی الروح والظاہر
ان المسافۃ التی قطعھا علیہ الصلوۃ والسلام فی مسیرہ کانت باقیۃ علی حالہا اذ لو کانت المسافۃ فی غایۃ الطول
فوق حقائق الحقائق کانت المسافۃ من مکۃ الی المقام الذی دنی اللہ تعالی فیہ الی نبیہ صلی اللہ علیہ وسلم ما ادری
قدر ثلث مائۃ الف سنۃ وقیل خمسین الفا وقیل غیر ذلک واللہ اعلم وبعضھم بطی المسافۃ مع کون الزمان علی حالہ و
وینبغی کما فی الروح الصوفیۃ وبعض الفقہاء والاولیاء کرامۃ والکتب ملای من حکایات النقلات ھذہ الکرامۃ
الکثیر من الصالحین ثم قال بعد سطر وجعل بعض الحنفیۃ مبتنیۃ لھا وکفرھم آخرون ولیس لہ وجہ ظاہر لمن
قلت جوازہ قال بعض الحکماء وسماہ طفرۃ وھو الوصول من مکان الی مکان آخر بحیث لا یمر المسافۃ التی
بینھما ولا یحاذیھا وبعضھم بنشر الزمان مع بقاء المکان علی حالہ کما فی الروح وقد اثبت الصوفیۃ الاولیاء نشر
الزمان لھم فی ذلک حکایات عجیبۃ واللہ تعالی اعلم بصحتھا والمراد من تعرض لذلک من المتشرعین وھو
امر وراء عقولنا المشوبۃ بالاوہام ومثلہ فی ذلک من قال الازل والابد نقطۃ واحدۃ والفرق بینھما بالاعتبار
ولیس فی ذلک عند ھذا المعنی دون من جلابیب ابداعھم وقیل لعلھم انھم فی موضع آخر علی ان الکرامات

كالمعجزات مجهولة الكيفية فنؤمن بما صح منهما ونفوض كيفيته الى من لا يعجزه شئ سبحانه وتعالى ومثل طى المسافة يحكم من نشر الزمان فانا نؤمن به ونكله تعالى الى ما صح نقله من الامرين المكور جهول فى المجهول ليس برسول والله تعالى للوفق للصواب اھ قلت فى الملت فيما نقلت تنبيها على مسئلة طى المكان ونشر الزمان مثلهما نشر المكان وطى الزمان بجميعها قالت الصوفية ولما كان مقام خبر المعراج مناسبا لهذا التحقيق لاحتمال تنزيلها على المسئلتين معا كما مر اوردته فى هذا المقام والله العلام بحقيقة كل مرام۔

اکسٹھواں نادرہ درحل شبہ متعلق تفضیل عرب بر عجم در نسب

سوال۔ کیا فرماتے ہیں علمائے دین مسائل ذیل میں (۱) قرآن شریف میں کہیں ایسا بھی حکم ہے کہ عجم کے نومسلموں سے آبائی مسلمان زیادہ شریف ہیں اور اگر ہے تو کونسے پارہ میں اور کونسے رکوع میں ہے یا صحاح ستہ کی کتابوں میں اس مضمون کی حدیث بھی ہے کہ عجم کے نومسلم سے آبائی مسلمان زیادہ شریف ہیں اور اگر ہے تو کونسی کتاب اور کونسے صفحہ میں یہ حکم ہے (۲) آبائی مسلمان شریف ہیں اُن نومسلموں سے جو خود مسلمان ہوا ہو یا اُسکا باپ مسلمان ہوا ہو یہ قول معصوم کا ہے یا علمار کا ہے کیونکہ یہ قول کافر مشرکوں کو ایمان لانے سے روک رہا ہے یہ قول قابل عمل کرنیکے ہے یا نہیں۔؟

(۳) عجم کے آبائی مسلمانوں کے مقابلہ میں عرب شریف کے نومسلم زیادہ شریف ہیں۔

الجواب۔ ان سوالات کے ضمن میں سائل نے چند دعوے بھی کئے ہیں ان میں سے بعض بطور نمونہ کے مع مناقشہ کے ذکر کئے جاتے ہیں قولہ قرآن شریف میں کہیں ایسا بھی حکم ہے الخ وقولہ صحاح ستہ میں اس مضمون کی حدیث بھی ہے الخ اس میں دعویٰ ہے کہ صرف قرآن وحدیث خصوص صحاح ستہ کی حدیث حجت ہے۔ کتب ستہ کے علاوہ دوسری احادیث اور اجماع وقیاس حجت نہیں۔ قولہ یہ قول معصوم کا ہے یا علمار کا ہے الخ ظاہراً معصوم سے مراد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہیں تب تو اس میں بھی وہی دعویٰ ہے جو اوپر گذرا لیکن اگر معصوم میں اہل اجماع کو بھی داخل کیا ہے اس بنا پر کہ اُن میں گو ہر ہر واحد معصوم نہیں لیکن مجموعہ معصوم ہے لحدیث ان اللہ لایجمع امتی علی الضلالۃ تو قیاس کی حجیت کی نفی کا دعویٰ اب بھی باقی ہے۔ قولہ کیونکہ یہ قول کافر مشرکوں کو ایمان لانے سے روک رہا ہے الخ اگر یہ محذور دونوں تقدیروں پر لازم کیا ہے خواہ وہ معصوم کا قول ہو یا علمار کا تب تو بڑا شنیع دعویٰ ہے کہ معصوم کے قول کا محض ایک رائے سے رد ہے اگر خصوص معصوم سے مراد پیغمبر ہوں تو اس کی شناعت کی کوئی حد نہیں کہ نص کا انکار ہے اور اگر صرف علمار ہی کے قول پر یہ محذور لازم کیا ہے تو اول تو نفس مسئلہ تفاضل بالاسلام وبالعربیۃ میں کسی متبوع کا خلاف منقول نہیں گو بعض جزئیات میں اختلاف ہو تو مسئلہ اجماعی ہوا تو اجماع کا رد ہے اور اگر اجماعی بھی نہ ہوتا تب بھی ہمیں علمار کے عدد کثیر کی تحقیق کو کیا

کہ اُنھوں نے اتنی بڑی مضرت کا احساس نہیں کیا اور یہ سب لوازم دعاوی ہیں۔ علاوہ اسکے اس میں جو مانعیت کا دعویٰ کیا گیا ہے کہ یہ قول کافر مشرکوں کو ایمان لانے سے روک رہا ہے الخ سو یہ مانعیت کل کفار کے اعتبار سے ہے یا بعض کے اعتبار سے شق اول تو مشاہدۃً باطل ہے کیونکہ باوجود اس مسئلہ کے مشہور ہونے کے ہر زمانہ میں ہزاروں کفار برابر اسلام قبول کرتے رہے ہیں اور جن کو بعد میں معلوم ہوتا ہے وہ بھی سب مرتد نہیں ہوتے اور شق ثانی پر اس مسئلہ کی کیا تخصیص ہے بعض کفار کیلئے تو دوسرے ایسے مسائل بھی مانع عن الاسلام ہو رہے ہیں جو قطعی الثبوت قطعی الدلالۃ نصوص سے ثابت ہیں مثلاً جہاد و استرقاق و تعدد نکاح و مشروعیۃ طلاق و ذبح حیوانات وغیرہا من الاحکام التی لا تتناہی تو کیا سائل صاحب ان سب مسائل کے ابطال کا التزام کرسکتے ہیں بلکہ خود اس مسئلہ کا مقابل مساواۃ مطلقہ بعض کفار کے لئے مانع عن الاسلام ہو سکتا ہے مثلاً اگر کسی ہندو رئیس معزز راجپوت کو یہ معلوم ہو جاوے کہ میں مسلمان ہو کر شرافت میں ایک نومسلم بھنگی یا چمار کی برابر سمجھا جاؤنگا اور اگر وہ میری لڑکی کیلئے پیام دے تو خاندانی تفاضل یعنی عدم کفارت کا عذر کرنا میرے لئے موجب معصیت و موجب عقوبت آخرت ہوگا تو کیا ممکن نہیں ہے کہ یہ معلوم کر کے وہ اسلام سے رُک جاوے تو یہ محذور دونوں جانب برابر رہا پھر اس مانعیت کے کیا معنی۔ بہرحال یہ سوالات اس عنوان کے ان دعووں کو مستلزم ہیں اگر اب بھی اس عنوان کو باقی رکھا جاتا ہے تو ان دعووں کو ثابت کیا جاوے ورنہ عنوان بدلا جاوے جس میں کسی غیر مسلم مقدمہ کا دعویٰ نہ ہو۔ فقط ۷ ارجمادی الاخری ۱۳۵۲ھ

باسٹھواں نادرہ در تحقیق حفاظت جسم اطہر نبوی

سوال (۱) اجساد انبیاءؑ کے تغیر سے محفوظ رہنے کے بارہ میں صرف ایک روایت نظر سے گذری کہ ان اللہ حرم علی الارض ان تاکل اجساد الانبیاء او کما قال۔ لیکن آپ کے وفات کے بعد جو حالات نظر سے گزرے اُس میں ایک روایت یہ ہے کہ آپ کا خنصر مبارک کچھ جھک گئی تھی اور ایک یہ کہ استاذ حضرت آپ کی وفات معلوم ہوئی ایک روایت یہ ہے کہ آپ اس وقت تک دفن نہ ہوئے جب تک کہ تعفن پیدا نہ ہوا اور اسی تغیر سے حضرت صدیق رضی اللہ عنہ نے مانعین دفن پر حجت قائم کی کہ دیکھو تمہارے نبی کی وفات ہوگئی پھر حضرت عباس رض نے بھی فرمایا کہ ان رسول اللہ یاسن کما یاسن البشر۔ میں نے اس تغیر جسد سے یہ نتیجہ نکالا کہ مانعین دفن کیلئے ایسا خفیف تغیر ظاہر کیا گیا تاکہ وہ دفن ہو جانے دیں اور معراج روحی کے خیال سے باز آجائیں۔ واللہ اعلم۔ ورنہ بالیقین آپ جسد مبارک قبر شریف میں اپنی اصلی حالت میں محفوظ و مصون ہے زیادہ تعجب یہ ہے کہ حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کے زمانہ میں احد میں ایک نہر جاری کی گئی نہر میں قبور شہداء مانع تھیں تو ماہرین نے حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کو لکھا کہ سوائے قبور پرسے نکالنے کے ہمیں اور کوئی راستہ نہیں ہے تو اُنھوں نے اجازت دیدی جب نہر کیلئے قبور کھودی گئیں تو بروایت جابر بن عبد اللہ رضی اللہ عنہ شہداء کی لاشیں اس طرح برآمد ہوئیں کہ معلوم ہوتا تھا سو رہے ہیں پھر اُنھیں کسی مصون

لادو ا کر وہاں سے علیحدہ کیا گیا اور اسی سلسلہ میں حضرت حمزہ رضی اللہ عنہ کے پاؤں میں پھاوڑہ لگ گیا تو خون نکل آیا حالانکہ
یہ واقعہ کم از کم شہادت کے چالیس سال بعد کا ہے مجھے جہاں تک معلوم ہے ایسی کوئی روایت نہیں ہے کہ جس میں اجساد شہداء کو محفوظ
رہنے کا وعدہ ہو جب شہداء کے اجساد محفوظ رہے تو انبیاء علیہم السلام کے اجساد بدرجہ اعلیٰ محفوظ ہو گئے کیونکہ انکے لئے تو وعدہ بھی ہے۔

الجواب: فی التفسیر المظہری۔ اخرج الحاکم و ابو داؤد عن اوس بن اوس قال قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم
ان اللہ حرم علی الارض ان تاکل اجساد الانبیاء۔ واخرج ابن ماجہ عن ابی الدرداء نحوہ۔ اس باب میں اور بھی
احادیث ہیں اور جو تغیرات سوال میں نقل کئے ہیں وہ تاثیرات ارض کی نہیں اسلئے تعارض نہیں بلکہ تغیرات خواص
موت سے بھی نہیں ایسے تغیرات احیاء میں بھی مرض کے سبب ہو جاتے ہیں اور حضرت عباس رضی اللہ عنہ کا قول انہیں
ہی تغیرات پر محمول ہوگا اور استدلال تقریب فہم کیلئے ہوگا اور یہ سب جب ہے کہ ان روایات کے رجال ثقات ہوں ورنہ
روایات ہی حجت نہیں پس تعارض ہی نہیں باقی شہداء کیلئے بھی بلکہ بعض دوسرے صلحاء کیلئے بھی وعدہ کی احادیث وارد ہیں
فی التفسیر المظہری بروایۃ الطبرانی قال قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم المؤذن المحتسب کالشہید المتشحط فی دمہ
اذا مات لم یدود فی قبرہ واخرج ابن مندہ عن جابر بن عبد اللہ قال قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اذا مات
حامل القرآن اوحی اللہ تعالیٰ الی الارض ان لا تاکل لحمہ فتقول الارض یا رب کیف اکل لحمہ وکلامک فی جوفہ
قال ابن مندہ وفی الباب عن ابی ہریرۃ رض وابن مسعود۔ واخرج المروزی عن قتادہ رح قال بلغنی ان الارض لا تسلط علی
جسد الذی لم یعمل خطیئۃ۔ اور مجھکو ان روایات کی صحت یا حسن کی تحقیق نہیں لیکن تعدد طرق و اسباب تقویت کے ہے
اور کوئی دلیل معارض نہیں اسلئے قبول کرنا ضروری ہے۔ اور صاحب روح المعانی کا یہ قول وما یحکی من مشاہدۃ بعض
الشہداء الذین قتلوا منذ مأت سنین وانہم الی الیوم تشخب جروحہم دما اذا رفعت العصابۃ فمن ذلک ما رواہ
حیان بن بیان وما ہو الا حدیث خرافۃ۔ وکلام یشہد علی مصدقیہ بتقیید السخافۃ اھ۔ واجب الرد ہے
لکونہ مخالفا للمشاہدۃ المتواترۃ منہا ما فی المظہری اخرج مالک عن عبد الرحمن بن صعصعۃ انہ بلغہ ان عمرو
بن الجموح وعبد اللہ بن جبیر الانصاری کان قد حفر السیل قبرہما الی قولہ فوجدا لم یتغیرا کانہما ماتا
بالامس وکان بین احد وبین حفر عنہما ستۃ واربعین سنۃ واخرج البیہقی ان معاویۃ رض لما اراد ان یجری
کظامۃ نادی من کان لہ قتیل باحد فلیشہد فخرج الناس الی قتلاہم فوجدوہم رطابا یتثنون فاصابت
المسحاۃ رجل رجل منہم فانبعث دما واخرج ابن ابی شیبۃ نحوہ واخرج البیہقی عن جابر وفیہ فاصابت
المسحاۃ قدم حمزۃ رض فانبعث دما اھ اور اگر کوئی واقعہ اسکے خلاف پایا جاوے تو اسکا جواب بیان القرآن کے متن و

حاشیہ فوائد الفوائد میں مذکور ہے۔ الحاشیہ علی قولہ۔ اور یہ سب جب ہے کہ روایات کے رجال ثقات ہوں ورنہ روایات ہی حجت نہیں اھ۔ اور اس احتمال میں مضمون ذیل سے اور قوت ہوگئی۔ سئل احقر السید المولانا عبد الرؤف القادری طبقات ابن سعد عرصہ سے مفقود تھی مسلمانوں کے پاس اسکا مکمل نسخہ کہیں بھی موجود نہ تھا۔ اب یورپ کے عیسائیوں نے اسکو چھپوایا ہے اور وہی میرے پیش نظر ہے مگر اسکی کوئی سند نہیں ہے کہ یہ نسخہ اصل تصنیف کے موافق ہے وفات رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے متعلق اور امہات المومنین کے متعلق بعض ایسی روایتیں اس میں موجود ہیں جنکا اسلامی تصنیفات میں باوجود تلاش کے مجھکو پتہ نہ ملا ابن سعد کی اکثر روایتوں کو متاخرین نے نقل کیا ہے مگر ان جملات کو کسی نے نہیں لکھا میں یقین کیساتھ تو نہیں کہہ سکتا کہ یورپ کا الحاق ہے اسلئے کہ طبقات ابن سعد خود کوئی ایسی کتاب نہیں جسکی ساری روایتیں قابل قبول ہوں تاہم چونکہ یہ پوری کتاب ہمیں یورپ کے واسطہ سے ملی ہے اسکے بھروسہ پر ابن سعد کا حوالہ بھی جائز نہیں جبتک اسکی سند متداول کتابوں سے نہ ملجائے۔ حدیث، سیرت اور تفسیر کی اور کتابیں بھی عیسائیوں نے چھاپی ہیں ان کتابوں کی بھی کوئی سند نہیں ہے اور نہ اُن پر اعتماد ہے اُن میں سے صرف وہی باتیں قابل قبول ہونگی جسکی سند متداول کتابوں میں ملجائے۔ ملا علی قاری موضوعات کبیر میں لکھتے ہیں۔ قلت ومن القواعد الکلیۃ ان نقل الاحادیث النبویۃ والمسائل الفقہیۃ والتفاسیر القرآنیۃ لایجوز الا من الکتب المتداولۃ لعدم الاعتماد علی غیرہا من وضع الزنادقۃ والحاد الملاحدۃ بخلاف الکتب المحفوظۃ فان نسخہا یکون صحیحۃ متعددۃ۔ یہ قاعدہ اُنکا اُس کیلئے بھی ہے جسکا اتفاقیہ کوئی نسخہ کسی مسلمان کے پاس پایا جاوے مگر وہ کتاب متداول ہو تو جو کتاب مسلمانوں کے پاس بالکل ہی نہ ہو محض عیسائیوں کے ذریعہ سے آئی ہو اُس کا کیا اعتبار ہے۔

ضمیمہ از مولانا محمد اسحٰق صاحب بردوانی۔ تغیر کے متعلق سوال ہے جسکا حضور نے جواب مرحمت فرمایا ہے۔ تغیر کے متعلق وکیع بن الجراح نے اسمٰعیل بن ابی خالد سے روایت کی ہے اور اسمٰعیل اور وکیع گو بڑے پایہ کے ہیں اور اسمٰعیل تابعی ہیں مگر جو اُن کے کون ہے اسکا پتہ نہیں اور کتنے راوی محذوف ہیں اسکا ٹھکانا نہیں اور اس روایت پر اُس قرن میں جو قرن تابعین کا ہے سخت انکار ہوا اور صدر ثانی میں جب از حد انکار ہوا تو معلوم ہوتا ہے کہ یہ روایت محض بے اصل و غلط ہے۔ فی نسیم الریاض صہ ۳۹۰ ج۱ شرح شفاء القاضی عیاض للشہاب الخفاجی۔ وقد حرم اللہ جسدہ علی الارض واحیاہ فی قبرہ کسائر الانبیاء علیہم الصلوٰۃ والسلام وقد رأیت فی بعض الکتب ان السلف اختلفوا فی کفر من قال ان النبی صلی اللہ علیہ وسلم لما انتقلت روحہ الی الرفیق الاعلی تغیر بدنہ۔ ورووا ان وکیع بن الجراح حدث عن اسمٰعیل بن ابی خالد ان رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم لما توفی لم یدفن حتی ربا

بطنہ وانثنی خنصرہ وانفضرت اظفارہ لانہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم توفی یوم الاثنین وترک لیلۃ الاربعاء
لاشتغالهم بامر الخلافۃ واصلاح امر الامۃ وحکیت ان جماعۃ من الصحابۃ رضی اللہ تعالیٰ عنہم قالوا لم یمت
فاراد اللہ ان یریهم آیۃ الموت فیہ۔ ولما حکٰی وکیع ہذا بمکۃ رفع الی الحاکم العثمانی فاراد صلبہ علی خشبۃ نصبها
لہ خارج الحرم فشفع فیہ سفیان بن عیینۃ واطلق ثم ندم علی ذلک ثم ذهب وکیع الی المدینۃ فکتب الحاکم
لاہلها اذا قدم الیکم فارجموہ حتی یقتل فابرد لہ بعض الناس بریدا اخبرہ بذلک فوجہ الی الکوفۃ خیفۃ من القتل
وکان المفتی بقتلہ عبد المجید بن ابی رواد وقال سفیان لا یجب علیہ القتل۔ وانکر ہذا الناس وقالوا رأینا
بعض الشہداء نقل من قبرہ بعد اربعین سنۃ فوجد رطبا لم یتغیر فیہ شیء فکیف بسید الشہداء والانبیاء
علیہ وعلیہم الصلوٰۃ والسلام۔ وہذہ زلۃ قبیحۃ لا ینبغی التحدث بہا اھ۔ ونیز چہارشنبہ کی شب تک لاش مبارک
کو بے دفن چھوڑنا غلط ہے۔ فی الطبقات لابن سعد ص ۳ ج ۲ وتوفی صلوات اللہ علیہ یوم الاثنین (حین زاغت الشمس
صحیح) ودفن یوم الثلاثاء حین زاغت الشمس اھ۔ چوبیس گھنٹے میں معمولی لاشوں میں تغیر نہیں ہوتا ہے۔ فکیف بسید
المرسلین۔ اس عرض سے مقصود یہ ہے کہ اگر حضور والا پسند فرمادیں تو ضمیمہ جواب فرماکر شائع کرنیکا حکم فرمادیں۔ الجواب
اس مضمون کو دیکھکر سخت پیچ وتاب میں تھا اور اس مضمون کو عرصہ ہوا میں نے دیکھا تھا مگر بعد تفحص ملتا نہ تھا کل
بنام خدا دیکھا تو فورا نکل آیا۔ الحمد للہ علی ہدایتہ۔ زیادہ حد ادب۔ ۲۷ ر جمادی الاولی ۱۳۵۲ھ

ضمیمہ ثانیہ از مولوی عبد الماجد دریابادی۔ اس سلسلہ میں عبارۃ ذیل سیرۃ ابن ہشام میں مل گئی غسل کے موقع
پر ولم یر من رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم شیء مما یری من المیت۔ اب اس سے بڑھکر صراحت اور کیا ہوگی
پھر بلحاظ استناد بھی سیرۃ ابن ہشام کا پایہ طبقات ابن سعد سے کہیں بڑھا ہوا ہے۔ یہ کتاب خاص سیرۃ نبویہ ہی پر
تحقیق کرکے لکھی گئی ہے۔ طبقات تو دراصل صحابہ وتابعین کی تاریخ ہے سوانح نبویہ محض ضمنا آگئے ہیں پھر اسی سیرۃ ابن
ہشام میں یہ بھی مذکور ہے کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ غسل دیتے جاتے تھے اور یہ الفاظ کہے جاتے تھے وعلی یقول بابی
انت وامی ما اطیبک حیا ومیتا اس سے بھی بڑھکر ایک اور روایت خود صحاح میں مل گئی ابن ماجہ کتاب الجنائز باب
ما جاء فی غسل النبی صلی اللہ علیہ وسلم میں ہے عن علی بن ابی طالب قال لما غسل النبی صلی اللہ علیہ وسلم ذهب
یلتمس منہ ما یلتمس من المیت فلم یجدہ فقال بابی الطیب طبت حیا وطبت میتا۔ اب تو طبقات کی اس
لغو روایت کی تردید میرے خیال میں بالکل واضح ہوجاتی ہے مناسب ہو تو اسے بھی بطور ضمیمہ النور میں درج فرمادیا جائے۔ والسلام

ترسیٹھواں نادرہ رسالہ **الحکم الحقانی فی حزب الآغاخانی** اس رسالہ میں آغاخان کے متبعین کے

عقائد اور ان کا شرعی حکم ہے یہ رسالہ کتاب ہذا کے صفحہ ۵۰۷ سے شروع اور صفحہ ۵۱۵ سطر ۱۰ پر ختم ہوا ہے۔

چونسٹھواں نادرہ رسالہ شق الجیب عن حق الغیب

اس رسالہ میں مسئلہ علم غیب پر دلائل عجیب ہوا ہے، یہ رسالہ کتاب ہذا کے صفحہ ۵۱۷ سے شروع اور صفحہ ۵۲ پر ختم ہوا ہے۔

پینسٹھواں نادرہ رسالہ التواجہ بما یتعلق بالتشابہ

اس رسالہ میں متشابہات کے اقسام واحکام ہیں یہ رسالہ کتاب ہذا کے صفحہ ۵۲۳ سے شروع اور صفحہ ۵۴۷ پر ختم ہوا ہے

چھیاسٹھواں نادرہ در حکم بہروپیہ و خفیہ پولیس کہ بعض اوقات وضع کفار اختیار می کنند

السوال کیا فرماتے ہیں علمائے دین و مفتیان شرع متین اس مسئلہ میں کہ ۱۔ زید بوجہ پیشۂ خورد و نوش بہروپیہ ایسے روپ بدلتا ہے جس سے اُسکے ہندو ہونیکا یقین ہوتا ہو مثلاً کبھی ہندو کہار کبھی ہندو فقیر کبھی ہندو سیٹھ مہاجن جناب ماتھے پر قشقہ لگاتا ہے گلے میں مالا ڈالتا ہے یہ تو محض اسکے افعال ہوتے ہیں جس سے عوام اسکو ہندو جانتے ہیں مگر بعض اوقات خود کو وہ ہندو ہونا بیان کرتا ہے مثلاً ہندو کا بھیس بدلکر آتا ہے اور خواہش کرتا ہے کہ میں مسلمان ہونا چاہتا ہوں گویا خود کو ہندو بیان کر کے دھوکہ دیتا ہے اور انعام حاصل کرتا ہے ایسی حالت میں اسکے مسلمان رہنے اور نکاح قائم رہنے کے متعلق کیا حکم ہے اگر نکاح ساقط ہوتا ہے تو بغیر حلالہ نکاح ثانی ہو سکتا ہے یا نہیں؟ (۲) بکر بوجہ ملازمت سرکاری سی آئی ڈی (خفیہ پولیس) کسی مفرور ملزم کی تلاش یا کسی معلومات واقعہ کیلئے اپنا فرض منصبی ادا کرنیکی غرض سے ایسا روپ بدلتا ہے کہ کوئی انجان آدمی اس کو دیکھکر شبہ کیساتھ بھی یہ نہیں کہہ سکتا کہ یہ مسلمان ہے بلکہ ہندو ہونیکا یقین ہوتا ہے اگرچہ وہ اپنی زبان سے ہندو ہونیکا اقرار نہ کرتا ہو تو ایسی حالت میں اسکے اسلام اور نکاح کا کیا حکم ہے؟ (۳) بعض قصائی وغیرہ بھی ہندو کا بھیس بدلکر ہندو سے جانور خریدتے ہیں اور پھر بلا توبہ نکاح کر کے بیچتے ہیں اور تجدید نکاح بھی نہیں کرتے انکے اسلام اور ذبیحہ اور نکاح کا کیا حکم ہے؟ بینوا توجروا

الجواب في البحر باحكام المرتدين يكفر بوضع قلنسوة المجوسي على راسه على الصحيح الا لضرورة دفع الحر والبرد۔ وبشد الزنار في وسطه الا اذا فعل ذلك خديعة في حرب وطليعة للمسلمين۔ وفيه يكفر بقوله المعتذر لغيره كنت كافرا فاسلمت عند بعضهم وقيل لا وفي غرر المسامرة ولاعتبار التعظيم المنافي للاستخفاف كفر الحنفية بالفاظ كثيرة وافعال تصدر من المتهتكين لدلالتها على الاستخفاف بالدين كالصلوة بلا وضوء عمدا الخ وفيه عن الفتاوى الصغرى الكفر شيء عظيم فلا اجعل المؤمن كافرا متى وجدت رواية انه لا يكفر وقال قبله وفي الجامع الاصغر اذا اطلق الرجل كلمة الكفر لكنه لم يعتقد الكفر قال بعض اصحابنا لا يكفر لان الكفر يتعلق بالضمير ولم يعتقد الضمير على الكفر۔ وقال بعضهم يكفر وهو الصحيح عندي لانه استخفاف بدينه۔ اه الى ومن تكلم بها

احتیاطاً تجدید الایمان والنکاح فیما یکفر فیہ باختلاف والذی تحرر انہ لا یفتی بتکفیر مسلم امکن حمل کلامہ علی محمل حسن او کان فی کفرہ اختلاف ولو روایۃ ضعیفۃ الخ وفی العالمگیریۃ الباب التاسع من کتاب السیر من المجلد الثالث ص ۱۴۶ ما کان فی کونہ کفراً اختلاف فان قائلہ یؤمر بتجدید النکاح وبالتوبۃ والرجوع عن ذلک بطریق الاحتیاط الخ۔

ان روایات سے امور ذیل مستفاد ہوئے اول۔ کفار کی وضع بلا ضرورت تو جیسے کہ فی قطع الحر والبرد یا شرعیہ کتحیل اھل الحرب والتجسس للمسلمین افعال کفریہ ہے۔ ثانی۔ ایسے افعال بالذات کفر نہیں بلکہ انکے کفر ہونیکی علت استخفاف بالدین ہے اور جہاں استخفاف بالدین یقیناً منتفی ہو مثلاً فاعل کے علم وقصد میں اسکا مبنی ضرورت یا مصلحت ہو اور واقع میں ضرورت نہ ہو اور اسکے کفر ہونیکا علم بھی نہ ہو وہاں انتفاء علت سے حکم بالکفر بھی منتفی ہوگا مگر مستقل دلائل سے معصیت کا حکم کیا جاویگا علی اختلاف درجۃ الافعال مثلاً شد زنار وغیرہ میں اشدیت کا حکم ہوگا۔ اور دوسرے اوضاع غیر قومی میں جیسا عام طور پر عوام جہلا خصوص دیہاتی لوگ اسمیں مبتلا ہیں ایسی اشدیت نہ ہوگی اور ہر حال میں توبہ واجب ہوگی۔ ثالث وضع مذکور کے کفر ہونے میں اختلاف بھی ہے۔ کما یدل علیہ قولہ علی الصحیح گو معصیت شدیدہ ہے۔ رابع زبان سے کفر کا اقرار جبکہ ساتھ ہی اسلام کا بھی اقرار ہو کفر اختلافی ہے۔ خامس۔ کفر اختلافی میں کفر کا یا بینونۃ زوجہ کا فتویٰ نہ دیا جاویگا البتہ احتیاطاً تجدید اسلام و تجدید نکاح کا حکم کیا جاویگا اور اس تجدید کیلئے حلالہ کی ضرورت نہیں۔ فی الدر المختار وارتداد احدھما ای الزوجین فسخ فلا ینقص عدداً عاجل بلا قضاء (مع الشامی ص ۱۷ ج ۲) وفی الشامی تحت قولہ فلا ینقص عدداً فلو ارتد مراراً وجدد الاسلام فی کل مرۃ وجدد النکاح علی قول ابی حنیفۃ کل امرأتہ من غیر اصابۃ زوج ثان۔ بحر عن الخانیۃ۔ نیز چونکہ تجدید نکاح کا حکم احتیاط کے سبب ہے اگر وہ اس پر راضی نہ ہو تب بھی اُس کی زوجہ کو دوسرے سے نکاح جائز نہ ہوگا البتہ معصیت ہونیکی صورت میں توبہ واجب ہوگی کما سبق۔

اب سمجھنا چاہئے کہ ان تینوں سوالوں میں نہ کفر اتفاقی کا کوئی فعل پایا گیا نہ کفر اتفاقی کا کوئی قول پایا گیا جو فعل محتمل کفر کا تھا اُسمیں استخفاف یقیناً منتفی ہے اگر بعض میں تلعب ہے تو تلعب بالدین نہیں تلعب بالکافرین ہے ایسی حالت میں یہ افعال اتفاقاً کفر نہیں اسی طرح قول کفر کیساتھ قول اسلام بھی مقترن ہے پس وہ کفر بھی اختلافی ہے اسلئے کسی صورت میں نہ کفر کا فتویٰ دیا جائیگا نہ بینونت زوجہ کا نہ حرمت ذبیحہ کا البتہ معصیت کا صدور ہوا لہذا توبہ کا حکم جزم کیا جائیگا اور کفر اختلافی ہونیکے سبب تجدید اسلام و تجدید نکاح کا حکم احتیاط کیلئے دیا جائیگا اس سے زائد فتویٰ دینا حدود احتیاط سے تجاوز ہے۔ ۲۳ جمادی الثانی ۱۳۵۲ھ

تصدیق جواب بالا از مدرسہ دیوبند۔ جواب حضرت محی السنۃ حکیم الامۃ رحمۃ اللہ علیہ کا بالکل حق وصواب

اور حقیقت اور احتیاط کا جامع ہے اس سے تجاوز کرنا بلاشبہ حدود احتیاط سے تجاوز ہے۔ اصل مسئلہ در بارۂ تکفیر مسلم بھی اسی کے مقتضی ہیں اور جزئیات مندرجہ جواب بھی اس پر ناطق ہیں کیونکہ بلاشبہ مسئلہ زیر بحث میں در بارۂ تکفیر علماء کا اختلاف ہے اور کفر اختلافی کا وہی حکم ہے جو جواب میں مذکور ہے اور اختلاف فقہاء کی تفصیل شرح فقہ اکبر ص ۲۲۸ میں موجود ہے کہ وضع قلنسوۃ المجوس کے متعلق بحوالہ خلاصہ نقل کیا ہے۔ قال فی الخلاصۃ من وضع قلنسوۃ المجوس علیٰ راسہ قال بعضہم یکفر وقال بعض المتاخرین ان کان لضرورۃ البرد او لان البقرۃ لا تعطیہ اللبن حتی یلبس لا یکفر والا یکفر ثم قال وفی الخلاصۃ لو شد الزنار قال ابو جعفر الاستروشنی ان فعل لتخلیص الاساری لا یکفر والا یکفر

(شرح فقہ اکبر ص ۲۲۸)۔ ۱۰ رجب ۱۳۵۲ھ

سترھواں نادرہ رسالہ تحقیق التشبیہ باہل السفاح لمن لا یرید اداء المہر فی النکاح در حکم کسے کہ نیت ادائے مہر ندارد

یہ رسالہ کتاب ہٰذا کے صفحہ ۴۶۱ سے شروع اور صفحہ ۴۶۷ پر ختم ہوا ہے۔

اٹھارھواں نادرہ رسالہ تعدیل اہل الدہر فی وجہ تقلیل المہر در احکام تقلیل مہر

یہ رسالہ کتاب ہٰذا کے صفحہ ۴۶۷ سے شروع اور صفحہ ۴۶۸ پر ختم ہوا ہے۔

انیسواں نادرہ رسالہ کلمۃ القوم فی حکمۃ الصوم در تحقیق حکمتِ صوم

یہ رسالہ کتاب ہٰذا کے صفحہ ۴۶۹ سے شروع اور صفحہ ۴۷۵ پر ختم ہوا ہے۔

بیسواں نادرہ رسالہ اعداد الجنۃ للتوقی عن الشبہۃ فی اعداد البدعۃ والسنۃ در تحقیق بعض بدعات وحل بعض عبارات ایضاح الحق الصریح۔

یہ رسالہ کتاب ہٰذا کے صفحہ ۴۷۶ سے شروع اور صفحہ ۴۸۴ پر ختم ہوا ہے۔

اکیسواں نادرہ تحقیق السعد والنحس

تحقیق السعد والنحس۔ اعلم انہ ان کان المراد بالسعادۃ والنحوسۃ ما یزعم الجہلاء من خاصیۃ طبعیۃ فی شیء باسباب غیر مشاہدۃ فہی شعبۃ من النجوم التی نفاہا الشرع فقد روی احمد وابوداؤد وابن ماجہ عن ابن عباس قال قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم من اقتبس علما من النجوم اقتبس شعبۃ من السحر زاد ما زاد وروی رزین عن ابن عباس قال قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم من اقتبس بابا من علم النجوم لغیر ما ذکر اللہ فقد اقتبس شعبۃ من السحر المنجم کاہن والکاہن ساحر والساحر کافر وعن قتادۃ قال خلق اللہ تعالیٰ ہذہ النجوم لثلث جعلہا زینۃ السماء ورجوما للشیاطین وعلامات یہتدی بہا فمن تاول فیہا بغیر ذلک اخطأ واضاع نصیبہ وتکلف ما لا یعلم رواہ البخاری تعلیقا وفی روایۃ رزین وتکلف ما لا یعنیہ وما لا علم

لہ بیوما غیر عن علم الانبیاء والملائکۃ وعن الربیع منذ ولاد ما حمل ذکر فی نجم حیوۃ احد ولا رزقہ ولا موتہ وانما یفترون علی اللہ الکذب ویتعللون بالنجوم (مشکوٰۃ باب الکہانۃ) وان کان المراد بالسعادۃ برکۃ و فضیلۃ ثبت بالنقل الصحیح وبالنحوسۃ مضرۃ ومعرۃ ثبتت کذالک فالسعادۃ واقعۃ بما ورد من النصوص فی ایام مبارکۃ کالجمعۃ ورمضان وغیرھا والنحوسۃ منفیۃ بالنصوص کما یاتی کقولہ علیہ السلام لا عدوی ولا طیرۃ الحدیث رواہ البخاری وکقولہ علیہ السلام لا عدوی ولا ھامۃ ولا نوء ولا صفر رواہ مسلم وکقولہ صلی اللہ علیہ وسلم الطیرۃ شرک وکقولہ علیہ السلام الطیرۃ من الجبت رواہ ابو داؤد (مشکوٰۃ باب الفال والطیرۃ) وما ورد من قولہ علیہ السلام الشوم فی المرأۃ والدار والفرس متفق علیہ (مشکوٰۃ کتاب النکاح) یفسرہ الحدیث الاخر الذی رواہ ابو داؤد من قولہ علیہ السلام ان تکن الطیرۃ فی شیء ففی الدار والفرس والمرأۃ (مشکوٰۃ باب الفال) وفی المرقاۃ المعنی ان فرض وجودھا یکون فی ھذہ الثلثۃ والمقصود منہ نفی صحۃ الطیرۃ علی وجہ المبالغۃ اھ قلت فکلمۃ ان ھذہ کھی فی قولہ تعالیٰ قل ان کان للرحمٰن ولد فانا اول العابدین یعنی انہا یمکن ان تکون للنفی کما قال النبی صلی اللہ علیہ وسلم العین حق ولو کان شیء سابق بالقدر سبقتہ العین رواہ مسلم (مشکوٰۃ کتاب الطب) ولما قال اللہ تعالیٰ فارسلنا علیھم ریحا صرصرا فی ایام نحسات الاٰیۃ فلیس المراد بہ النحوسۃ المتعارفۃ بل لیل تفسیر ھذہ الایام بایام الاسبوع فی قولہ تعالیٰ واما عاد فاھلکوا بریح صرصر عاتیۃ سخرھا علیھم سبع لیال وثمانیۃ ایام حسوما الاٰیۃ فلو کان المراد النحوسۃ المتعارفۃ لکانت الایام کلھا نحسۃ وھو خلاف ما ادعوہ فعلم ان المراد بالنحسات نحسات علیھم لنزول العذاب علی معاصیھم فاتضح سبیل الرشاد والحق قول اھل الفساد۔ کتب اشرف علی ۹ رمضان

بہتر واں نادرہ تحقیق معنی حدیث مبشرات

تحقیق معنی حدیث مبشرات۔ حدیث لم یبق من النبوۃ الا المبشرات وھی الرؤیا الصالحۃ الحدیث او کما قال کے متعلق وارد ہوتا ہے کہ خصال نبوت تو اور بھی باقی ہیں پھر اس حصر سے اوروں کی نفی کیسے صحیح ہوئی۔ جواب یہ ہے کہ یہ حصر حقیقی نہیں جس سے دوسرے خصال کے بقا کی نفی لازم آئے بلکہ حصر اضافی باعتبار وحی کے ہے مقصود بقاء وحی کی نفی کرنا ہے یعنی اب وحی نبوت کا سلسلہ باقی نہیں منقطع ہو چکا۔ باقی یہ کہ یہ دلالت تو دوسرے خصال پر حصر کرنے سے بھی مستفاد ہو سکتی تھی مثلاً یوں فرمایا جاتا کہ لم یبق من النبوۃ الا الاخلاق اور مقصود اس سے بھی نفی وحی کی ہوتی پس اس دلالت کیلئے مبشرات کو کیوں خاص کیا گیا اگرچہ ذکر انہی بھی جواب یہ ہے کہ ان خصال میں مبشرات شبیہ بالوحی ہیں یعنی اس حیثیت سے فی انکشاف الغیب کے دوسرے خصال اس قدر مشابہ نہیں پس اس وقت مشابہت کے سبب مبشرات کے بقا سے وہم ہو سکتا تھا

بقاء وحی کا اسلئے اس عنوان سے وحی کی نفی کرنا ابلغ تھا کہ جو چیز سب سے زیادہ مشابہ وحی کے ہے اُسکا بقاء بھی مستلزم نہیں بقاء نبوت کو چہ جائیکہ دوسرے خصال باقی ہیں کہ ایسا اشتراک فی انکشاف الغیب کشف والہام میں بھی ہے اُنکو مبشرات کیساتھ کیوں نہیں ذکر فرمایا جواب یہ ہے وہ بھی حکماً ملحق بالمبشرات ہیں کیونکہ اُن میں بھی مثل رؤیا کے اس علم سے ایک گونہ غیبت ہوتی ہے پس وہ بھی بحکم رؤیا ہیں۔ رؤیا کے مفہوم میں حکماً وہ بھی داخل ہیں پس گویا معنی کلام کے یہ ہیں۔ لم یبق الا الرؤیا والکشف والالہام۔ یا اگر وہ رؤیا میں داخل نہیں مگر وصف جامع مذکور کے سبب وہ رؤیا پر مقیس ہیں۔ بہرحال سب کا اتحاد حکم میں ثابت ہوگیا پس سب اشکال دفع ہوگئے لو حدیث کا مضمون منقح ہوگیا ۲۸ رمضان ۱۳۵۲ھ۔

تہتروآں نادرہ نصب اشجار در عرفات

استفتاء۔ بعض ہمدرد مسلمانوں کا خیال ہے کہ چونکہ میدان عرفات میں بموسم گرما دھوپ اور لُو کی شدت سے ہزارہا غیر مستطیع حجاج جو خیمہ وغیرہ کا انتظام نہیں کرسکتے ہلاک ہوتے یا سخت تکلیف اُٹھاتے ہیں۔ اگر وہاں سایہ دار درخت کافی تعداد میں مثل برگد (بڑھ) یا پلکھن (پاکھر) وغیرہ نصب کردیئے جائیں تو اُنکے سایہ میں گرمی اور لُو سے امن متوقع ہے۔ یہ لوگ نصب درختاں کیلئے ساعی ہیں اور اُنکا یہ خیال ہے کہ سلف سے آجتک اس پر عملدرآمد نہ ہونیکی وجہ یہی ہے کہ زمانہ قدیم میں برگد اور پلکھن کے وجود اور سرزمین حجاز میں اُنکے سرسبز ہونیکا علم نہ تھا اور نہ اس زمانہ کے سے ذرائع حمل ونقل موجود تھے۔ لوگ جفاکشی کے عادی بھی تھے لیکن کچھ مسلمان اس امر میں متامل ہیں۔ آخر الذکر طبقہ کا خیال یہ ہے کہ وادی عرفات کے اس قدرتی منظر کو خیر القرون سے بھی ہزارہا سال پہلے انسانی تصرفات سے پاک اور ہیئت اصلی پر ہی برقرار رکھا جاتا رہا ہے اور باوصف اسکے کہ ضرورت بایں شدت وحدت قدیم ہے اور اُسکے اسباب (نصب درختاں سایہ دار) بھی قدیم اور سہل ومعروف تاہم سلف سے آجتک یہ صورت جو کسی وقت بھی دشوار نہ تھی اختیار نہیں کی گئی جیسی کہ آب رسانی کی قدیم ضرورت کو نہر زبیدہ کی تعمیر سے باوجود عسیر الحصول ہونیکے زمانہ سلف ہی میں جبکہ کم از کم تبع تابعین بھی موجود تھے پورا کردیا تو رفع شدت حر کی قدیم ضرورت کو سہل الحصول ذریعہ (نصب درختاں) سے پورا کرنیکی سعی جدید بدعت کی تعریف میں آجاتی ہے اور اسکا قیاس قطع مسافت کی قدیم ضرورت کے جدید سامان یعنی تیز رفتار مثلاً سیارات دخانی وریل طیارات (ہوائی جہاز) دخانی جہازات وخلقنا لہم من مثلہ ما یرکبون پر قیاس مع الفارق ہے۔ نیز اگر نصب درختاں کا سلسلہ قائم ہا تو وادی عرفات بجائے میدان کے باغ یا بن کی صورت میں تبدیل ہوجائیگی۔ لہٰذا استفسار ہے کہ (۱) میدان عرفات میں حجاج کو بموسم گرما دھوپ اور لُو سے بچنے کے خیال سے سایہ دار درختوں کا نصب اور اس میں سعی شرعاً جائز ہے یا ناجائز (۲) اگر نصب یا سعی جائز ہے تو مباح ہے یا مستحب یا سنت یا واجب یا فرض (۳) اگر ناجائز

ہے تو مکروہ تنزیہی ہے یا تحریمی یا حرام۔ (۴م) بصورت عدم جواز ناصبین یا ساعین کو منع کرنا مسلمانوں پر حسب حیثیت لازم ہے یا نہیں۔ (۵) حدود عرفات کے خط کے باہر مسجد نمرہ کی پشت پر نصب درختاں کا حکم بھی مثل وادی عرفات ہے یا اسکے غیر۔ (۶) شہر مکہ اور حدود حرم کے اندر نصب درختاں کے جواز کو میدان عرفات پر قیاس کیا جاسکتا ہے یا نہیں۔ بینوا توجروا

الجواب۔ عرفات اور حدود حرم کے اندر سایہ کیلئے درختوں کا لگانا بلاشبہ فی نفسہٖ جائز ہے اور لغیرہ استحباب کا حکم بھی کیا جاسکتا ہے اگرچہ فضل اسکا ترک ہے۔ جواز کی دلیل یہی کافی ہے کہ عدم جواز کی کوئی دلیل نہیں بلکہ کلیات ظاہرہ جواز ہی پر دال ہیں۔ فقہاء نے باب جنایات الحج میں قطع حشیش حرم و اشجار حرم نابتہ و منبتہ مثمرہ وغیرہ کے احکام کی اباحۃً و نہیاً و ضماناً تفصیل فرمائی ہے اگر غرس اشجار میں کسی درجہ کی بھی کراہت ہوتی اس موقع پر سکوت کے موہم ہونے کے سبب اسکا ضرور ذکر فرماتے مگر اس سے اصلاً تعرض نہیں کیا یہ واضح دلیل ہے جواز بلا کراہت کی۔ ...... نیز فقہاء نے منٰی میں جو کہ داخل حرم ہے ابنیہ کے وجود پر صحت جمعہ کو متفرع فرمایا ہے اور انکی کراہت سے تعرض نہیں کیا بطریق مذکور یہی دلیل ہے ابنیہ کی جواز بلا کراہت کی اور ابنیہ اور اشجار کا اشتراک غرض ارتفاق میں ظاہر ہے پس قیاس سے بھی جواز کو قوت ہوگئی اور جب حدود حرم کے اندر ایسے تصرفات کی اجازت ہے تو حدود حرم کے باہر مثلاً عرفات میں بدرجہ اولیٰ اجازت ہوگی یہ دلائل ہیں جواز فی نفسہٖ کے۔ باقی استحباب لغیرہ کی یہ توجیہ ہوسکتی ہے کہ یہ حجاج کو راحت پہنچانا ہے اور حجاج کو راحت پہنچانا اقل درجہ مستحب ضرور ہے اور یہ شبہ کہ خیر القرون میں نہ تھا اسلئے مرتفع ہے کہ خیر القرون میں پایا جانا عام ہے وجود عین اور وجود دلیل کو اور دلیل مع نظیر اوپر مذکور ہو چکی ہے وہ نظیر ابنیہ ہے اُن میں اور اشجار میں کوئی معتدبہ تفاوت نہیں اور اگر جواز میں ارتفاق موثر نہ ہوتا تو خود ابنیہ منٰی کا عہد نبوی میں نہ ہونا خیر القرون میں جواز سے مانع سمجھا جاتا اور بلا نکیر اسکو جائز نہ سمجھا جاتا۔ باقی ترک کا افضل ہونا وہ اسلئے ہے کہ اس میں سنت کی صورت و معنی کو جمع کرنا ہے اور اس مجموعہ کا قصر رعایت معنی بلا صورت سے افضل ہونا ظاہر ہے۔ اور حجاج کے بلا کے غالب کے خوف کو اس افضلیت ترک میں قادح نہ سمجھا جاوے کیونکہ اسکا انتظام اہل استطاعت ضعفاء غیر اہل استطاعت کو اپنے خیمہ وغیرہ میں شریک کر لینے سے کرسکتے ہیں البتہ اس غرض اظلال کیلئے کسی مسجد میں درخت لگانا بقول ارجح مکروہ ہے جسکی علت مشابہت بیعہ اور موضع موضوع للصلوٰۃ کو مشغول کرنا ہے البتہ خود عمارت مسجد کی مصلحت کیلئے درخت لگانا جیسے نمی کا جذب کرنا ایسی کراہت سے مستثنیٰ ہے۔ ذکر ھذا کلہ فی الدر المختار ورد المحتار احکام المسجد قبیل باب الوتر۔ واللہ اعلم۔ بعشرین من شعبان ۱۳۵۳ھ۔

چوہترواں نادرہ بیع آراضی فلسطین بدست یہود

السوال۔ بسم اللہ الرحمٰن الرحیم۔ ما حکم الشریعۃ الاسلامیۃ المطھرۃ فی بعض المسلمین الذین یبیعون الاراضی بلاد فلسطین المقدسۃ او یتوسطون ببیعہا للیہود الطامعین الذین یقصدون من

شراء هذه الاراضی والعقارات جلاء المسلمین عن هذه البلاد المقدسة والاستیلاء علی المسجد الاقصی لا قدر
الله حوله انشاء کنیسهم الهیکل وکانت تشکیل دولة یهودیة فی فلسطین بمساعدة بعض الدول المعادیة للاسلام
والتی تبذل کل جهد فی محاربتنا فما هو الرادع لهم عن هذا العمل المنکر وهل ذا افتی بعض علماء بکفر من باع ارضه
للیهود او توسط ببیع ارض غیره لهم لمساعدة اهل الکفر علی المسلمین وموالاة للیهود الذین یعملون لیلا ونهارا لطرد
المسلمین وابعادهم عن بلاد فلسطین والمسجد الاقصی الذی اسری الله برسوله محمد صلی الله علیه وسلم۔ وحرمانهم من الصلوة
علیهم ومن الدفن فی مقابر المسلمین لخروجهم عن الاسلام وفی حجرة لغیرهم ممن تسول له نفسه اقتراف مثل خطیئتهم
فما قولکم فی فتواهم واذا کان هناک زاجر خلاف ما ذکر افیدونا ولکم من الله الاجر والثواب۔

الجواب۔ وهو الموفق للصدق والصواب۔ اما عن الجزء الاول فلنمهد دلائل ثم نشید
بها السائل، ففی الدر المختار فصل الجزیة احکام اهل الذمة: مانصه لا یعمل بسلاح فی رد المحتار ای لیس یتمولوا لا
لانه عز وکل ما کان کذلک یمنعون عنه قلت ومن هذا الاصل تعرف احکام کثیرة در منتقی اھ وهذا اصل کلی
وههنا جزئیات نشرها ففی الدر المختار (الذمی اذا اشتری دارا) ای اراد شراء دار (فی المصر لا ینبغی ان تباع منه
فلو اشتری یجبر علی بیعها من المسلم) وقیل لا یجبر (الا اذا کثر) در۔ وفی رد المحتار قوله الذمی اذا اشتری دارا الخ
قال السرخسی فی شرح السیر فان مصر الامام فی اراضیهم للمسلمین کما مصر عمر رضی الله عنه البصرة والکوفة
فاشتری بها اهل الذمة دورا وسکنوا مع المسلمین لم یمنعوا من ذلک فانا قبلنا منهم عقد الذمة لیقفوا علی محاسن
الدین فعسی ان یؤمنوا واختلاطهم بالمسلمین والسکنی معهم یحقق هذا المعنی وکان شیخنا الامام شمس الائمة الحلوانی
یقول هذا اذا قلوا وکان بحیث لا تتعطل جماعات المسلمین ولا تتقلل الجماعة بسکناهم بهذه الصفة فاما اذا کثروا
علی وجه یؤدی الی تعطیل بعض الجماعات او تقلیلها منعوا من ذلک وامروا ان یسکنوا ناحیة لیس فیها للمسلمین
جماعة وهذا محفوظ عن ابی یوسف فی الامالی اه ثم فی الدر المختار بعد سطر (واذا تکاری اهل الذمة دورا فیما بین
المسلمین لیسکنوا فیها) فی المصر (جاز) لعود نفعه الینا ولیروا تعاملنا فیسلموا (بشرط عدم تقلیل الجماعات
بسکناهم) بشرط الامام الحلوانی (فان لزم ذلک من سکناهم امروا بالاعتزال عنهم والسکنی بناحیة لیس فیها
مسلمون) وهو محفوظ عن ابی یوسف بحر عن الذخیرة۔ وفی رد المحتار تحت القول الآتی من الدر المختار لکن رده
الزمانه۔ فتحصل من مجموع کلام الحلوانی والسرخسی انه اذا لزم من سکناهم فی المصر تقلیل الجماعة امروا
بالسکنی فی ناحیة خارج المصر لیس فیها جماعة المسلمین وان لم یلزم ذلک یسکنون فی المصر بین المسلمین

مقهورین لا فی محلة خاصة لانہ یلزم منہ ان یکون لهم فی مصر المسلمین منعة کمنعة المسلمین بسبب اجتماعهم فی محلتهم فانهم شر فی رد المحتار بعد اسطر بعنوان التنبیہ ما نصہ قال فی الدر المنتقی ولکن یمنعون عن التطاول فی بناءهم علی المسلمین من المساواة عند بعض العلماء نعم یبقی القدیم ثم قال بعد بحث طویل والحق الشریف لا یفید ان لهم ما للناس من العز والشرف بل فی المعاملات من العقود ونحوها الادلة الدالة علی الزامهم الصغار وعدم ایذاء المسلمین وصرح الشافعیة بان منعهم عن التعلی واجب ان ذلک لحق اللہ تعالیٰ وتعظیم دینہ فلا یباح برضا الجار المسلم انہ وقواعد لا تاباہ ولقد صار حرم تعلیہ لا یخفی ان الرضا باستعلائہ تعظیم لہ هذا ما ظهر لی فی هذا المحل واللہ تعالیٰ اعلم اھ قلت فی لباب روایات لا تحتمل لا تعدل فیما ذکرنا کفایة ان شاء اللہ تعالیٰ واذا کان هذا حکم الکراء والشراء للدار والتعلی فی البناء والجدار فکیف حکم بیع المسلمین اراضیهم من الکفار وهو اقوی اسباب العزة والشوکة والقوة والصولة واذا کان هذا حکم الذمیین هم مقهورون تحت حکم الاسلام فکیف حکم غیر الذمیین الذین لیسوا فی شیء من الاستسلام وهو کما قال اللہ تعالیٰ لا یألونکم خبالا وکما قال تعالیٰ لا یرقبون فی مؤمن الا ولا ذمة وکما قال اللہ ان یثقفوکم یکونوا لکم اعداء ویبسطوا الیکم ایدیهم والسنتهم وودوا لو تکفرون ولله در القائل ؎ احبابنا نوب الزمان کثیرة وامر منها رفعة السفهاء

فمتی یفیق الدهر من سکراتہ واری الیهود بذلة الفقهاء

واما عن الجزء الثانی فان کان اهل هذه الفتاویٰ من اهل البصیرة والکیاسة فاقرب ما لهم الی السیاسة والعلماء لهم فی امثالها حق الریاسة وهذا آخر الجواب فی هذا الباب واللہ اعلم بالصواب۔

کتبہ اشرف علی التهانوی من العهد الحنفی الفاروقی عفی عنہ الثلث الاول فی رمضان المبارک ۱۳۵۰ھ

بچھتروآں نادرہ بطلان بعض احلام وکشوف

حال۔ میرے والد ماجد سلسلہ عالیہ قادریہ میں ایک جگہ بیعت ہیں اُنکے پیشوا علیہ الرحمۃ وصال پا چکے ہیں۔ میرے والد جہانتک میرا علم ہے صوم وصلوٰۃ اور تہجد کے پابند ہیں خصوصاً تہجد کے۔ مگر باوجود ان باتوں کے قبر پرست بھی ہیں اپنے پیشوائے روحانی کے مزار کی تعظیم بھی کرتے ہیں سماع بھی سُنتے ہیں۔ اکثر مجھے نماز خصوصاً تہجد کی تاکید فرماتے رہتے ہیں مجھے اکثر تحریر کرتے رہتے ہیں اور جانیوالے کے ہاتھ پیغام بھیجتے رہتے ہیں کہ تمہاری دربار میں غیر حاضری ہے ہمیں ہمارا مالک یہی بتاتا ہے کہ تو اپنے مرشد کے ارشاد پر عمل نہیں کرتا۔ مالک سے اُنکی مراد اپنے پیشوا علیہ الرحمۃ ہیں چونکہ میں اُنکا اکلوتا بیٹا ہوں اسلئے وہ میرے لئے اکثر دعا کرتے ہیں۔ ایک دفعہ فرماتے تھے کہ سرور کائنات فخر موجودات حضرت محمد رسول اللہ صلی اللہ

علیہ وسلم کے دربار میں میری بابت عرض کیا تو جواب ملا کیا کریں وہ غیر حاضر رہتا ہے۔ حقیقت حال جو ہمیں بتائی جاتی ہے یہ ہے کہ تمہارے دل میں یہ وسوسہ ہے کہ خدا علیحدہ چیز ہے اور پیر علیحدہ ہے جبتک تم اس وسوسہ کو نہ نکالو گے اور پیر کو عین ذات تصور نہ کرو گے کچھ نہ بنے گا۔ اب بحث کا موضوع نکل آیا مجھے انکار اور اُنکو اصرار کہ نہیں ہم جو کہہ رہے ہیں طریقت کا مسئلہ یہی ہے۔ ہم غیروں کو نہیں سمجھاتے ہیں بیٹا یہ تو کھلا ہوا شرک اور کیا ہے۔ فرمایا شریعت کے مطابق تو تم شرک سمجھتے ہو مگر حقیقت یہ ہے کہ ظاہر میں تو انسان کو شریعت کا ہی پابند ہونا چاہیے شریعت میں پیر کو پیر اور خدا کو خدا ہی کہنا چاہیے۔ مگر طریقت میں دونوں ایک ہیں۔ بیٹا ہماری بات کو مان لو۔ ہم کامل بزرگوں کی مجلس میں بیٹھے ہوئے ہیں۔ غرض ہر روز جب تنہائی ہوتی یا کوئی رازداں بیٹھا ہوتا تو یہی تذکرہ ہوتا اور فرماتے تم مقصد نہیں پا سکو گے جبتک ہماری بات کو سچ نہ سمجھو گے مگر مجھ پر صورت انکار ہی رہا میرے انکار پر آنکھ سے آنسو نکل جاتے اسقدر سرد آہیں بھرتے یوں سانس کھنچکر آتی کہ گویا پسلیاں ٹوٹ رہی ہیں مگر مجھے یہ صریح شرک نظر آرہا تھا میں کیسے مانتا۔ آخر میں نے دل میں ٹھان لی کہ آپ سے استفسار کروں چنانچہ حسب بالا سطور من وعن تحریر کر دی ہیں تاکہ آپ مجھے اس تذبذب کی زندگی سے نکالنے میں کامیاب ہو جائیں۔ مہربانی فرما کر خط کے مطالعہ کے بعد میرے اور والد بزرگوار کے تنازع کو نپٹائیں۔ خط ختم کرنے سے پہلے ایک نور چیز عرض کر دوں۔ والد صاحب نے فرمایا تھا کہ آٹھ دن ہمارا کہا سچ مان کر کے دیکھو اگر ہمارا کہا جھوٹ ہو تو۔ شب وروز تذبذب میں گذرنے لگے۔ ایک روز سونے سے قبل خدائے عز وجل سے دعا مانگی کہ اے اللہ مجھے اس مصیبت سے رہائی دے مجھے صحیح رستہ کی طرف رہنمائی کر۔ دعا مانگ کر سو رہا۔ کیا دیکھتا ہوں ایک کچی سا مکان ہے حضور سرور کائنات فخر موجودات ختم الانبیاء جناب محمد رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم ایک سادہ معمولی سے چھپر کھٹ پر بیٹھے ہیں اور ایک سفید چادر اوپر اوڑھ رکھی ہے (مجھے خبر نہ تھی مگر دریافت پر معلوم ہوا کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم ہیں) کچھ علیل ہیں یکایک حدیث قرطاس کا مسئلہ پیش ہو گیا حضور صلی اللہ علیہ وسلم میری طرف مخاطب ہو کر فرمانے لگے کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ کو بلالاؤ تاکہ میں کچھ لکھدوں کہ بعد میں جھگڑا نہ ہو (الفاظ یہ تھے جھگڑا نہ ڈالے) میں جا کر حضرت علی رضی اللہ عنہ کو بلا لایا اور کہا کہ حضور علیہ السلام تحریر کرنا چاہتے ہیں تاکہ آپ بعد میں تقاضا نہ کریں لیکن وہ خاموش ہو گئے اور کہنے لگے رہنے دو حق تو میرا ہی ہے یہی لکھیں گے۔ اتنے میں ہم ایک دوسرے کمرے میں پہنچ گئے وہاں حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ ایک بالکل سادی چارپائی کی پائنتی بیٹھے ہوئے دبلے پتلے اور لوگوں سے سفید تھے وہاں بھی یہی گفتگو ہوئی حضرت علی رضی اللہ عنہ رونے لگے مگر ہم انھیں خاموش کر کے حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کے سامنے لے گئے جب ہم وہاں پہنچے تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم وصال پا چکے تھے باوجود جنازہ ہونے کے وصال پا چکے ہیں میں نے انھیں بیدار کیا چادر اسی طرح اوپر پڑی تھی آنحضور اُٹھ بیٹھے اور معاملہ پیش ہوا اور حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے حضرت ابو بکر کے حق میں تحریر کر دی اسکے بعد تمام حاضرین رخصت ہو گئے اور صرف میں

اکیلا رہ گیا۔ آنحضور علیہ الصلوٰۃ والسلام چہل قدمی کیلئے اٹھ کھڑے ہوئے میں بھی ساتھ ہو لیا۔ میں نے عرض کی یا رسول اللہ میرے اور والد بزرگوار کے سلسلہ کے درمیان ایک مسئلہ کے متعلق تنازعہ ہے اسکا حل کیا ہے۔ فرمایا کیا؟ میں نے عرض کیا کہ وہ فرماتے ہیں کہ پیر اور خدا ایک چیز ہے۔ فرمایا درست کہتے ہیں۔ میں نے عرض کی کس طرح؟ آپ تشریح کرنے لگے اور میں سُن رہا تھا ابھی ایک دو ہی فقرے کہے تھے کہ مجھے یوں معلوم ہوا جیسے میں آہستہ آہستہ کسی دوسری دنیا کو کھینچا جا رہا ہوں۔ افسوس میں کی تشریح کو نہ سُن سکا۔ میرے کانوں میں وہ آواز دھیمی دھیمی ہوتی چلی گئی۔ یہاں تک جب بالکل چُپ ہو گئے تو میں بیدار تھا اور خواب کا نظارہ میری آنکھوں میں تھا۔ مولانا صاحب سچ عرض کرتا ہوں اُس دن سے اور تذبذب میں پڑ گیا مجھ سا گنہگار فاسق بدکار (درحقیقت ہے) اور حضور علیہ الصلوات والسلام کا دیدار۔ میں کہتا ہوں کوئی مجھ سے فریب نہ ہو مگر جب بزرگوں سے یہ سنتا ہوں کہ بزرگوں خصوصاً انبیاء کی شکل میں کوئی بد روح خواب میں متشکل ہو کر نہیں آ ہی نہ آ سکتی ہے تو پھر ان کے اس ارشاد پر کہ تمہارے والد صاحب سچ کہتے ہیں بہت حیران ہوتا ہوں۔ مہربانی فرما کر جواب سے سرفراز فرمائیں۔

الجواب۔ دعوے مسئولہ میں کئی شک ہیں۔ اول یہ شک کہ مرئی حضور ہی تھے صلی اللہ علیہ وسلم کیونکہ ایک قول یہ بھی ہے کہ واقعیت کی یہ بھی شرط ہے کہ حلیہ کے موافق زیارت ہو اور یہاں آپ کی شان مبارک کے مناسب ہیئت میں بھی نہیں ہوئی چنانچہ خط میں چھیڑ کرنے کی بھی حصولی اور کچھ علالت بھی لکھی ہے۔ دوسرا یہ شک کہ وہ حضور ہی کی آواز مبارک تھی جیسا تلک الغرانیق العلیٰ کے قصہ میں بعض علماء سامعین کے اشتباہ کے قائل ہوئے ہیں۔ تیسرا یہ شک کہ سننے والے نے صحیح بھی سنا کیونکہ جب بیداری میں سماع میں غلطی ہو جاتی ہے تو خواب تو بیہوشی کی حالت ہے۔ چوتھا یہ شک کہ صحیح بھی سمجھا جیسا مصر میں اشرب الخمر میں تمام علماء نے رائی کی غلطی قرار دی تھی۔ پانچواں یہ شک کہ صحیح یاد بھی رہا اور جب دیکھنے والے ہم جیسے ظلمانی قلوب والے ہوں جیسے راوی نے اس جملہ میں کہ (درحقیقت ہے) اسکو تسلیم کر لیا ہے تو یہ شکوک اور زیادہ قوی ہو جاتے ہیں بلکہ شک کے درجہ سے گذر کر غلطی کی جانب راجح بلکہ متیقن ہو جاتی ہے۔ چنانچہ خود اس خواب کے بعض اجزاء یقیناً اضغاث احلام ہیں جیسا حضرت علیؓ کا خلافت بلا فصل کو اپنا حق بتلانا جو کبھی زمانہ تحقیق احکام میں بھی نہیں فرمایا جو یقیناً دلیل ہے راوی کے غلط خیالات دماغی کی جس سے بقیہ اجزاء خواب بھی اس میں مرتفع ہو جاتا ہے۔ پیچھے ان سب سے قطع نظر کر کے جب یہ معارض ہے نصوص قطعیہ کے تو مثل حدیث معارض قطعی کے یا متروک ہوگا یا مأول۔ اور تاویل یہ ہے کہ معنی مجازی کے اعتبار سے درست ہے وہ معنی مجازی یہ ہیں کہ پیر کامل کا حکم بوجہ موافقت حکم شرع کے گویا خدا ہی کا حکم ہے ایسے موقع پر محاورات میں یہ کہہ دیا جاتا ہے کہ دونوں ایک ہی چیز ہیں جیسے سورہ قیامہ میں قرأت جبرائیلیہ کو اپنی طرف منسوب کر کے قرأناہ فرما دیا لیکن اس وقت جو لوگ ایسی شطحیات میں مبتلا ہیں وہ تاویل اُنکے خواب میں بھی نہیں آتی اسلئے وہ یقیناً زندقہ ہے۔ سو اسکو بھی کبھی یہ محاورہ ایک کی نفی دوسرے کے

اثبات کیلئے مستعمل ہوتا ہے یعنی بجز اسکے کوئی چیز نہیں حاکم خدا ہی ہے جیسا حدیث میں ان اللہ ھو الدھر کے معنی یہ ہیں کہ دہر کوئی چیز نہیں متصرف خدا ہی ہے اور حکمت اس ماؤل کی تصویب میں معذورین سے کف لسان کی تعلیم ہوگی اور قرینہ اس مضمون ماؤل کے مقصود فی الدین نہ ہونے اور قابل التفات نہ ہونیکا اسکی شرح کے وقت آواز کا وصیمی ہوتی ہوئی چلا جانا ہے جسکی خطا میں تصریح ہے ورنہ حق ماموربہ کی شان کا مقتضا تو وہ ہے جو اس آیت میں مذکور ہے فاصدع بما تؤمر تو اتنے احتمالات کے ہوتے ہوئے اسکی ظاہری مراد کیسے صحیح ہوسکتی ہے یقیناً وقطعاً باطل ہے جسکا اعتقاد کفر ہے پھر اگر دوسرا اسکے خلاف خواب دیکھ لے تو کیا دونوں خوابوں کو صحیح کہا جاویگا بلکہ قانون نقلی وعقلی کی بنا پر اذا تعارضا تساقطا کا حکم کرکے دوسری دلیل غیر متعارض کی طرف رجوع کیا جائیگا اور وہ نصوص قطعیہ محکمہ ہیں معتبر کتابوں میں ہزاروں واقعات ایسے بلکہ اس سے بھی زیادہ شبہ میں ڈالنے والے منقول ہیں آجتک کسی عالم نے کسی عارف نے خوابونکو نصوص پر ترجیح نہیں دی بلکہ خوابونکو غلط سمجھکر نصوص پر عمل کیا اور اس اعتقاد کا تو احتمال بھی کفر ہے کہ کوئی چیز شریعت میں منفی ہو اور طریقت میں مثبت ہو خود ائمہ طریقت نے بلا اختلاف اس اعتقاد کا ابطال کیا ہے نیز خواب پر عمل کرنیوالے سے اگر بازپرس ہوئی کہ تو نے خواب کے سبب نصوص کو کیسے ترک کیا تو اُسکے پاس کوئی عذر معقول مقبول عقلی یا نقلی نہیں اور اگر نصوص پر عمل کرنیوالے سے بازپرس ہوئی (اور یہ محض فرض محال ہے) تو اُسکے پاس نہایت صحیح وقوی عذر ہیں جو اوپر مذکور ہوئے غرض ہر حال میں ظاہری مدلول خواب کا واجب الرد ہے۔ واللہ یقول الحق وھو یھدی السبیل۔

چھتروائی نادرہ تحقیق ثمرۂ استخارہ

فصل نوزدہم در تحقیق ثمرۂ استخارہ۔ میرا ایک رسالہ ہے نافع الاشارہ جسمیں بعض احکام استخارہ کے متعلق کچھ سوال جواب ہیں (جو ربیع الاول ۱۳۵۲ھ میں لکھا گیا ہے اور النور شعبان و رمضان و شوال ۱۳۵۲ھ میں چھپا ہے) اس میں میری ایک عبارت ہے کہ اے اللہ اگر یہ معاملہ میرے لئے خیر ہو تو میرے قلب کو متوجہ کر دے ورنہ میرے دل کو ہٹا دے اسکے بعد اگر اس طرف قلب متوجہ ہو تو اُسکے اختیار کرنیکو ظناً خیر سمجھے اھ ملخصاً۔ سو دعا کا یہ حاصل یعنی قلب کا متوجہ ہوجانا اور یہ ثمرہ کہ جس طرف قلب متوجہ ہو اسکو اختیار کرے یہ مشہور قول ہے اور نووی وغیرہ اسی طرف گئے ہیں۔ کما نقلہ الحافظ فی فتح الباری کتاب الدعوات باب الدعاء عند الاستخارۃ تحت قولہ ثم رضنی بہ عن اصح یفعل بعد الاستخارۃ ما ینشرح بہ صدرہ مگر دلائل سے راجح یہ ثابت ہوا کہ اس انشراح کے انتظار کی ضرورت نہیں بلکہ جو مناسب سمجھے کرلے یہ قول عزالدین عبدالسلام کا ہے اور دلائل اسکی ترجیح کے میرے ایک ملفوظ میں ہیں جو القول الجلیل حصہ دوم میں ضبط کیا گیا ہے اس دعاء کی برکت یہ ہوگی کہ باوجود اسکے ارادہ کے خیر ہی کا صدور ہوگا غیر خیر کا صدور ہی نہ ہوگا البتہ خیر عام ہے خواہ

دنیوی ہو یا دینی جیسا رسالہ مذکورہ میں خطانالست کے جواب میں یہی مرقوم ہے بقول خواہ کامیابی کی صورت میں یا قبولی صبر کا اجر ملے اھ ۲۲ رشعبان ۱۳۵۰ھ
یادداشت۔ میرا یہ ملفوظ رسالہ میں شائع ہونے والا تھا مگر ناظرین کو انتظار اور تلاش کے تعب سے بچانے کیلئے
مناسب معلوم ہوا کہ اس کو بھی اسی مقام پر نقل کر دیا جاوے۔ وھو ھذا۔

ملفوظ۔ ۲۴ رشعبان ۱۳۵۰ھ ایک اہل علم وفضل نے عرض کیا کہ طبقات شافعیہ میں استخارہ کے متعلق ایک بہت بڑے عالم کی (جنکا نام جامع کو یاد نہیں رہا) عجیب تحقیق نظر سے گذری وہ کہتے ہیں کہ یہ جو عام طور پر مشہور ہے کہ استخارہ سے مقصود استخبار ہے یہ صحیح نہیں یعنی استخارہ کا مقصد یہ نہیں کہ ہم کو جو کسی کام میں تردد ہو رہا ہے یہ کام ہمارے لئے خیر ہے یا نہیں استخارہ کرنیسے یہ تردد رفع ہو جائیگا اور ہم کو معلوم ہو جائیگا کہ یہ کام ہمارے لئے خیر ہے یا شر پھر جو خیر ہوگا اُسکو اختیار کرینگے چنانچہ ہم مشاہدہ کرتے ہیں کہ بعض اوقات استخارہ کے بعد بھی وہ تردد رفع نہیں ہوتا اور یہ نہیں معلوم ہوتا کہ ان دونوں باتوں میں سے کونسی بات مفید ہے تو اس صورت میں لازم آتا ہے کہ استخارہ موضوع ہوا تھا واسطے رفع تردد کے اور تردد رفع ہوا نہیں تو نعوذ باللہ شارع کا یہ حکم گویا عبث ہی ہوا اور شارع کی طرف سے کبھی ایسی بات کا حکم نہیں ہو سکتا جو عبث ہو تو معلوم ہوا کہ استخارہ کا یہ مقصود نہیں کہ کوئی بات اسکے ذریعہ سے معلوم کر لی جائے جس سے تردد رفع ہو اور اس کام کی دونوں شقوں میں سے ایک شق کی ترجیح ضرور قلب میں آجائے پھر راجح جانب پر عمل کیا جائے بلکہ استخارہ کی حقیقت یہ ہے کہ استخارہ ایک دعاء ہے جس سے مقصود صرف طلب اعانت علی الخیر ہے یعنی استخارہ کے ذریعہ سے بندہ حق تعالیٰ سے دعاء کرتا ہے کہ میں جو کچھ کروں اُسی کے اندر خیر ہو اور جو کام میرے لئے خیر نہ ہو وہ کرنے ہی نہ دیجئے پس جب وہ استخارہ کر چکے تو اسکی ضرورت نہیں کہ سوچے کہ میرے قلب کا زیادہ رجحان کس بات کی طرف ہے پھر جس بات کی طرف رجحان ہو اُس پر عمل کرے اور اسی کے اندر اپنے لئے خیر کو مقدر سمجھے بلکہ اسکو اختیار ہے کہ دوسرے مصالح کی بنا پر جس بات میں ترجیح دیکھے اسی پر عمل کرے اور اُسی کے اندر خیر سمجھے اھ (اسکے بعد ۱۹ ر ذیقعدہ ۱۳۵۰ھ کو مولوی محمد شفیع صاحب مدرس دارالعلوم دیوبند کے واسطہ سے مولانا شبیر احمد صاحب دیوبندی کی نقل کی ہوئی عبارت ذیل موصول ہوئی۔ فی طبقات الشافعیہ صفحہ ۲۵۸ ج ۵ فی ترجمۃ الشیخ کمال الدین ابن الزملکانی وھو شیخ الذھبی قال الذھبی فی حقہ شیخنا لوکان من بقایا المجتھدین ومن اذکیاء اھل زمانہ عن الشیخ کمال الدین انہ کان یقول اذا صلی الانسان رکعتی الاستخارۃ لامر فلیفعل بعدھا مابدا لہ سواء انشرحت نفسہ لہ ام لا فان فیہ الخیر وان لم ینشرح لہ نفسہ۔ قال ولیس فی الحدیث اشتراط انشراح النفس اھ)

اس پر حضرت حکیم الامۃ دام ظلہم العالی نے ارشاد فرمایا کہ اسوقت میرے نزدیک بھی ذوقاً یہی اقرب معلوم ہوتا ہے جو طبقات شافعیہ سے نقل کیا گیا ہے۔ نیز اصول شرعیہ میں سے ایک اصل سے اسکی تائید بھی ہوتی ہے وہ یہ کہ

قاعدہ کلیہ ہے کہ الہام حجت شرعیہ نہیں تو اگر استخارہ کا حاصل یہ سمجھا جاویگا جو مشہور ہے کہ اسکے ذریعہ سے قلب میں ایسی بات کا منجانب اللہ القاء ہوتا ہے کہ جسکے اندر خیر ہوتی ہے۔ لہٰذا اُس القاء پر ہی عمل کرنا چاہئے تو چونکہ وہ القاء الہام ہے اور اسی پر عمل کرنیکا حکم دیا گیا تو گویا الہام پر عمل کرنیکا حکم دیا گیا لہٰذا اگر استخارہ کے اس حاصل کو صحیح مانا جاوے تو الہام کا حجت شرعیہ ہونا لازم آتا ہے اور لازم صحیح نہیں لہٰذا ملزوم بھی صحیح نہیں۔ نیز استخارہ کا حاصل اگر طلب خیر کے موافق مانا جاوے تو اس سے ایک شبہ کا جواب بھی بخوبی ہو جاتا ہے اور اس شبہ کی اور اُسکے رفع کی تقریر یہ ہے کہ حدیث میں آتا ہے اذا دعا احدکم فلا یقل اللھم اغفرلی ان شئت ارحمنی ان شئت ارزقنی ان شئت لیعزم المسئلۃ انہ یفعل ما یشاء ولا مکرہ لہ رواہ البخاری اور دوسری حدیث میں ہے اذا دعا احدکم فلا یقل اللھم اغفرلی ان شئت ولکن لیعزم المسئلۃ ولیعظم الرغبۃ فان اللہ تعالیٰ لا یتعاظم شئ اعطاہ رواہ مسلم یعنی اس طرح دعا نہ مانگے کہ اے اللہ اگر آپ چاہیں تو میری مغفرت فرما دیجئے مجھ پر رحمت فرما دیجئے مجھ کو رزق دیدیجئے۔ اس سے معلوم ہوا کہ تشقیق کیساتھ دعا نہ مانگنا چاہئے اس پر یہ شبہ ہوتا تھا کہ استخارہ کے اندر جو دعا تعلیم فرمائی گئی ہے اسکے اندر تو تشقیق موجود ہے اور اس شبہ کے جوابات بھی ذہن میں تھے مگر انصاف یہ ہے کہ وہ جوابات گو صحیح اور معقول تھے مگر شافی نہ تھے اور اب جبکہ استخارہ کا حاصل صرف طلب خیر مانا جائے تو پھر پوری تشفی ہو جاتی ہے کیونکہ اب استخارہ کی دعا کے اندر جو تشقیق ہوگی وہ محض لفظی ہوگی واقع میں تشقیق نہ ہوگی بلکہ واقع میں صرف ایک ہی چیز مطلوب ہوگی اور وہ خیر ہے کہ وہی خیر ہر حال میں مطلوب ہے کہ اگر ایک شق میں خیر ہو تب تو اسکی دعا ہے کہ اسی کی توفیق ہو جائے اور اگر دوسری شق میں خیر ہو تو پھر اسکی دعا ہے۔ لہٰذا استخارہ کی دعا پر دوسری دعاؤں میں تشقیق کی نہی سے شبہ نہیں ہو سکتا۔ پھر یہی صحیح ہے کہ استخارہ کا حاصل محض طلب خیر ہے نہ کہ استخبار۔ پھر حضرت نے عبارت ذیل لکھکر عنایت فرمائی۔ فی فتح الباری کتاب الدعوات باب الدعاء عند الاستخارۃ تحت قولہ علیہ السلام ثم رضنی بہ ما نصہ واختلف فیماذا یفعل المستخیر بعد الاستخارۃ فقال (عز الدین) ابن عبد السلام یفعل ما اتفق ویستدل لہ بقولہ فی بعض طرق حدیث ابن مسعودؓ فی آخرہ ثم یعزم واول الحدیث اذا اراد احدکم فلیقل اھ قلت دل ھذا اللفظ علی ان الاستخارۃ لا تختص بما فیہ تردد بل ھو اعم لما ارادہ بلا تردد وایضاً فی حدیث جابرؓ قال کان النبی صلی اللہ علیہ وسلم یعلمنا الاستخارۃ فی الامور کلہا ما فیہ تردد وما لیس فیہ تردد ولا یشکل قولہ اذا ھم فان الھم اعم لا انہ مواقبلہا ولا یختص بالتردد کما فی قولہ تعالیٰ وھمت کل امۃ برسولہم لیاخذوہ وغیرہ من النصوص القرآنیۃ والحدیثیۃ۔ **تحمیۃ الملفوظ بالاصل المتعلق لتشقیق فی الدعاء** (یہ صاحب ملفوظ دام ظلہم العالی نے بعد میں لکھکر الحاق کیلئے دیا)

غور کرنے سے ذہن میں آیا کہ اگر دعاء استخارہ میں تشقیق بھی مان لیجاوے تب بھی نہی عن التشقیق سے شبہ نہیں ہو سکتا کیونکہ نہی تشقیق خاص سے ہے تو اس سے مطلق تشقیق کی نہی لازم نہیں آتی وہ تشقیق خاص یہ ہے کہ یا تو وہ مسئول خیر محض ہے وہاں دوسری شق کے خیر ہونیکا احتمال ہی نہیں تو تشقیق لغو ہوئی اسلئے اس سے نہی کی گئی جیسے مغفرت ورحمت رزق ضروری کا سوال اور یا وہ مسئول گو محتمل نفع وضرر دونوں کو ہے جیسے رزق مبسوط مگر منشا تشقیق کا مسئول کا تعاظم ہے جو موہم ہے نقص قدرت یا ضیق علی القادر کو جیسا کہ اس نہی کی اس تعلیل سے واضح ہے انہ یفعل مایشاء ولا مکرہ لہ۔ فان اللہ تعالیٰ لایتعاظمہ شئی اعطاہ۔ ورنہ مطلق تشقیق دوسری احادیث میں صراحۃً وارد ہے چنانچہ ایک دعاء میں ہے احینی ما علمت الحیاۃ خیرا لی وتوفنی اذا علمت الوفاۃ خیرا لی رواہ النسائی۔ اور دوسری دعاء میں ہے واذا اردت بقوم فتنۃ فتوفنی غیر مفتون رواہ الترمذی۔ ظاہر ہے یہ تقییدات تشقیق کو مستلزم ہیں پس دعاء استخارہ میں تشقیق کا شبہ بے اصل ہو گیا کیونکہ یہاں منشا تشقیق کا وہ نہیں جو علت ہے نہی کی تو اب تائید ثانی قول منقول عن الطبقات کی حاجت نہیں رہی دوسرے مؤیدات کافی ہیں۔ اس تحقیق مذکور کے ایک مدت بعد ایک فاضل دوست نے جامع صغیر سیوطی کی ایک حدیث دکھلائی جسکے ظاہر الفاظ سے متبادر ہوتا ہے کہ استخارہ کے بعد میلان قلب کا انتظار کیا جاوے وہ حدیث یہ ہے فی شرح الجامع الصغیر تحت کلمۃ اذا مانصہ۔ اذا هممت بامر فاستخر ربك فيه سبع مرات ثم انظر الى الذى يسبق الى قلبك فان الخيرة فيه۔ ابن السنى فى عمل يوم وليلة (فر) عن انس (ضعيف) چنانچہ علامہ حفنی نے بھی یہی جگہ حاشیہ میں لکھا ہے واقل الاستخارة ان تكون بالدعاء واكملها بالصلوة والدعاء المعروف فاذا انشرح صدره للفعل اى انشراحا غير نفسانى بان لم يكن موجودا قبل الاستخارة اھ۔ اور یہ تحقیق سابق سے معارض ہے جواب یہ ہے کہ واقعی ظاہراً باہم تعارض ہے آگے دو ہی صورتیں ہیں یا اس حدیث کے ضعف کی بناء پر تحقیق سابق کو ترجیح دی جاوے یا اس حدیث کے الفاظ کی تاویل کی جاوے۔ اولاً احقر کے ذہن میں یہی دو جواب آئے اور ان دونوں جوابوں کو ضبط بھی کر لیا مگر بعد ضبط کے شرح صدر نہیں ہوا اور جتنی دلیلیں ذہن میں آتی تھیں سب مجروح ومخدوش معلوم ہوئیں پھر حق تعالیٰ سے دعاء کی دعاء کے بعد جو قلب پر وارد ہوا اس کو لکھتا ہوں وہ یہ کہ ظاہر الفاظ سے عدول کرنا خلاف اصول ہے لہذا اس ظاہر کا قائل ہونا ہی متعین ہے باقی تحقیق سابق کی ترجیح کی بناء تین امر تھے ایک یہ کہ کسی حدیث میں اس انتظار کا ذکر نہیں دوسرے یہ کہ بعض اوقات کسی شق کی ترجیح خیال میں نہیں آتی تو اس صورت میں استخارہ عبث ہو گا تیسرے یہ کہ اگر کسی شق کی ترجیح خیال میں آ گئی تو اس پر عمل کرنا الہام پر عمل ہوا جو شریعت میں حجت نہیں مگر بعد تامل ان سب امور کا جواب سہل ہے۔ اول کا یہ کہ اسکا حاصل روایات کا اس سے ساکت ہونا ہے اور ناطق مقدم ہے ساکت پر اور یہ حدیث

ناطق ہے۔ دوسری کا یہ کہ یہ باعتبار اکثر کے ہے اور اسکے خلاف نادر ہے اور للاکثر حکم الکل اور النادر کالمعدوم کا اعتبار احکام کثیرہ میں کیا گیا ہے تو اس سے عبث ہونا لازم نہیں آتا تیسری کا یہ کہ الہام کا حجت نہ ہونا باین معنے ہے کہ اُس پر عمل واجب نہیں یہ نہیں کہ جائز بھی نہیں خود بعض احکام میں ارشاد ہے استفت قلبك۔ اس سے صاف معلوم ہوتا ہے کہ وارد علے القلب پر عمل جائز ہے اور یہ وارد احد الشقین کا مرجح ہو سکتا ہے البتہ یہ شرط ہے کہ دونوں شقیں شرعاً جائز ہوں۔ باقی حدیث کا ضعف سو اگر تعارض ہوتا تو قوت ایک کو ترجیح دی جاتی جب تعارض نہیں جیسا اوپر ذکر کیا گیا ہے کہ ناطق اور ساکت میں تعارض نہیں ہوتا اور روایات قویہ ساکت ہیں تو حدیث ضعیف کو احد الشقین کیلئے مرجح اور مؤید کہہ سکتے ہیں۔ اسکی نظائر احکام میں بکثرت ہیں اس لئے اب اس باب میں قول مشہور ہی کو ترجیح معلوم ہوتی ہے۔ واللہ اعلم۔ پس اقرب الی الادب واجمع للدلائل یہ ہے کہ استخارہ کے بعد اگر کسی شق کا رجحان قلب میں آجاوے تو اس پر عمل کرے اور اگر کسی کا رجحان نہ ہو تو جس شق پر چاہے عمل کرے۔ اس تفصیل سے دونوں قولوں پر اور بواسطہ دونوں قولوں کے سب دلائل پر بھی عمل ہو جاوے گا۔ واللہ اعلم۔

(نوٹ) مناسب ہے کہ دونوں فصلیں دکھلا کر دوسرے علماء سے بھی مشورہ کر لیا جاوے۔ فقط۔ ۲ محرم سنہ ۴۳ھ

سترواں نادرہ رسالہ التعرف فی تحقیق التصرف

یہ رسالہ کتاب ہذا کے صفحہ ۷۸۰ سے شروع اور صفحہ ۷۸۶ پر ختم ہوا ہے۔

اٹھترواں نادرہ رسالہ تعدیل القرآن المنیر عن تدنیس التصاویر

یہ رسالہ کتاب ہذا کے صفحہ ۷۸۷ سے شروع اور صفحہ ۷۹۱ پر ختم ہوا ہے۔

اناسیواں نادرہ رسالہ سد الغلط والمفاسد فی حکم اللغط عند المساجد

یہ رسالہ کتاب ہذا کے صفحہ ۷۹۱ سے شروع اور صفحہ ۷۹۳ پر ختم ہوا ہے۔

اسیواں نادرہ رسالہ تسویۃ السطح فی تصفیۃ بعض الشطح

یہ رسالہ کتاب ہذا کے صفحہ ۷۹۳ سے شروع اور صفحہ ۷۹۷ پر ختم ہوا ہے۔

اکیاسیواں نادرہ رسالہ صائب الکلام فی حکم مناصب الحرام در ملازمتہائے غیر مشروع

یہ رسالہ کتاب ہذا کے صفحہ ۷۹۷ سے شروع اور صفحہ ۷۹۸ پر ختم ہوا ہے۔

بیاسیواں نادرہ رسالہ المقالۃ المتمالکۃ فی تصور الحیلۃ الہالکۃ

یہ رسالہ کتاب ہذا کے صفحہ ۷۹۸ سے شروع اور صفحہ ۸۰۱ پر ختم ہوا ہے۔

تراسیؔ واں نادرہ المنافرہ عن متعارف المناظرہ یعنی اقسام مناظرہ باعتبار غرض

فائدۃ فیما یتعلق بالمناظرۃ المناظرۃ باعتبار غرضہا اقسام لان الغرض اما ان یکون اظہار الصواب ؕ ان لم یسکت الخصم فلا یتصدی لاسکاتہ بل اذا رای العناد فیہ یقول لنا اعمالنا ولکم اعمالکم لا حجۃ بیننا وبینکم اللّٰہ یجمع بیننا والقران مشحون من مثل ہذہ المناظرۃ وھادالیہا کما قال اللّٰہ تعالٰی وان جادلوک فقل اللّٰہ اعلم بما تعملون الاٰیۃ وسمیت ہذہ الفائدۃ بالمنافرۃ عن متعارف المناظرۃ وہذا القسم محمود مطلقا لکنہ مفقود فی ہذا الزمان الا نادرا بمنزلۃ المعدوم واما ان یکون اسکات الخصم وھو محمود ایضا بحسن النیۃ لکنہ موقوف علی سکوت الخصم وھو ان کان معاندا او متعاندا و لا یکون معہ حیاء لا یسکت فکان قصد ہذا الغرض قصدا لما لا یتعین علیہ بنفسہ القادر بقدرۃ الغیر لا یکون قادرا فکان غیر اختیاری وقصد الامر الغیر الاختیاری یکون عبثا وتعبا فلا یصلح ان یکون غرضا واما ان یکون اسکاتا ویقع السکوت ایضا لکن لما لم یکن السکوت دلیلا علی بطلان الساکت المنقطع کان ہذا عبثا ایضا بل ھو مضر لانہ یکون موہما لبطلان الساکت فی نظر العامۃ فلو وقع مثل ہذا السکوت احیانا من اہل الحق لکون الخصم الحق بحجتہ استدل العامۃ علی بطلانہ وھو مضر ای مضر واما ان یکون لاطلاع الناس علی ما بین الخصمین لیحقق الحق ویبطل الباطل فھذا نوع من التحکیم الجاہل کیف یصلح ان یکون حکما فھذا عبث ایضا بل مضر لانہ یکون اقرارا بلسان الحال ان الجہلاء یصلحون للتحکیم وضررہ ظاہر وان ابتغوا عالما حکما فالعادۃ الغالبۃ بل الکلیۃ ان یکون ھو معتقدا لاحد شقی المسئلۃ فکیف یوثق بان یترجح انصافہ علی اعتقادہ فھو عبث ایضا فتنقح ان المناظرۃ المتعارفۃ فی زماننا خال عن الفائدۃ مطلقا وان لم یوافقنا فی ہذا الرای والزقال قائل فبای طریق یہتدی الطالب الحق لا سیما المذبذب فیہ قلنا طریقہ ما شاع فی القران وھو ان یبین الحق مرۃ بعد اخری بعنوانات مختلفۃ کما قال نوح علیہ السلام رب انی دعوت قومی لیلا ونہارا الی قولہ ثم انی دعوتہم جہارا ثم انی اعلنت لہم واسررت لہم اسرارا والی ہذا اشار سبحانہ وتعالی ولقد صرفنا فی ہذا القران لیذکروا الاٰیۃ فاتقوا وانتہوا

چوراسیؔ واں نادرہ رسالہ نعم المنادی فی تصحیح المبادی

یہ رسالہ کتاب ہذا کے صفحہ ۔۔۔ سے شروع اور صفحہ ۸۰۵ پر ختم ہوا ہے۔

پچاسیؔ واں نادرہ التحریر النادر لتقریر الشاہ عبد القادر

خانصاحب نے فرمایا کہ مولوی عبد القیوم صاحب فرماتے تھے کہ شاہ اسحٰق صاحب بیان فرماتے تھے کہ جب مولوی اسمٰعیل صاحب نے رفع یدین شروع کیا تو مولوی محمد علی صاحب مولوی احمد علی صاحب نے جو شاہ عبد العزیز صاحب کے شاگرد اور مکمل کے

کا نتیجے شاہ صاحب سے عرض کیا کہ حضرت مولوی اسمٰعیل صاحب نے رفع یدین شروع کیا ہے اور اس سے مفسدہ پیدا ہوگا آپ انکو روک دیجئے شاہ صاحب نے فرمایا کہ میں تو ضعیف ہوگیا ہوں مجھ سے تو مناظرہ نہیں ہو سکتا میں اسمٰعیل کو بلائے لیتا ہوں تم میرے سامنے اُس سے مناظرہ کرلو۔ اگر تم غالب آگئے تمہارے ساتھ ہو جاؤنگا اور وہ غالب آگیا تو اُسکے ساتھ ہو جاؤنگا۔ مگر وہ مناظرہ پر آمادہ نہ ہوئے کہ حضرت ہم تو مناظرہ نہ کرینگے۔ اس پر شاہ صاحب نے فرمایا کہ جب تم مناظرہ نہیں کر سکتے تو جانے دو شاہ صاحب نے یہ جواب دیا تو میں سمجھا کہ شاہ صاحب نے اس وقت دفع الوقتی فرمادی ہے مگر یہ مولوی اسمٰعیل سے کہیں گے ضرور چنانچہ ایسا ہی ہوا۔ اور جب شاہ عبدالقادر صاحب کی خدمت میں حاضر ہوئے تو آپ نے فرمایا میاں عبدالقادر تم اسمٰعیل کو سمجھا دینا کہ وہ رفع یدین نہ کیا کریں۔ کیا فائدہ ہے خواہ مخواہ عوام میں شورش ہوگی۔ شاہ عبدالقادر صاحب نے فرمایا کہ میں تو کہدوں مگر وہ مانیگا نہیں اور حدیثیں پیش کریگا۔ اُسوقت بھی میرے دل میں یہی خیال آیا کہ گو انھوں نے اسوقت یہ جواب دیدیا ہے مگر یہ بھی کہیں گے ضرور۔ چنانچہ یہاں بھی میرا خیال صحیح ہوا اور شاہ عبدالقادر صاحب نے مولوی محمد یعقوب صاحب کی معرفت مولوی اسمٰعیل صاحب سے کہلایا کہ تم رفع یدین چھوڑدو۔ اس سے خواہ مخواہ فتنہ ہوگا جب مولوی محمد یعقوب صاحب نے مولوی اسمٰعیل صاحب سے کہا تو انھوں نے جواب دیا کہ اگر عوام کے فتنہ کا خیال کیا جاوے تو پھر اس حدیث کے کیا معنی ہونگے من تمسک بسنتی عند فساد امتی فلہ اجر مائۃ شہید۔ کیونکہ جو کوئی سنت متروکہ کو اختیار کریگا عوام میں ضرور شورش ہوگی مولوی محمد یعقوب صاحب نے شاہ عبدالقادر صاحب سے انکا جواب بیان کیا اُسکو سنکر شاہ عبدالقادر صاحب نے فرمایا بابا ہم تو سمجھے تھے کہ اسمٰعیل عالم ہوگیا مگر وہ تو ایک حدیث کے معنی بھی نہیں سمجھا۔ یہ حکم تو اُسوقت ہے جبکہ سنت کے مقابل خلاف سنت ہو اور ما نحن فیہ میں سنت کا مقابل خلاف سنت نہیں بلکہ دوسری سنت ہے کیونکہ جس طرح رفع یدین سنت ہے یونہی ارسال بھی سنت ہے جب مولوی محمد یعقوب صاحب نے یہ جواب بھی مولوی اسمٰعیل صاحب سے بیان کیا تو وہ خاموش ہو گئے اور کوئی جواب نہ دیا

حاشیہ۔ قولہ۔ یہ حکم اسوقت ہے الخ اقول۔ اسوقت بیساختہ زبان پر آتا ہے وفوق کل ذی علم علیم

ضمیمہ حاشیہ۔ اس حکایت کے متعلق ایک سوال وجواب بھی بہ مناسبت مقام وتتمیم فائدہ کیلئے نقل کیا جاتا ہے۔

سوال۔ از مولوی محمد شفیع پوسٹ پیا بورے ضلع بیسیدی ابر برہا۔ امیر الروایات میں مولانا اسمٰعیل شہید کا رفع یدین کا قصہ پھر شاہ عبدالقادرؒ رہ کا ہو کر شاہ صاحب کا فرمانا کہ جب رفع وعدم رفع دونوں درست ہیں تو پھر جھگڑنے کی ضرورت نہیں ہے اسمٰعیل سمجھا نہیں پھر اس پر آنجناب کا تائیدی حاشیہ بر قول شاہ صاحب اور تلاوت آیۃ وفوق کل ذی علم علیم میری نظر سے گذری۔ عرض ہے۔ اگر ذرا بھی غور کریں تو مولانا شہید کا قول حق اور سراسر صدق سے ممکن ہے کیونکہ رفع وعدم دونوں کے مسنون ہونیکی خود آنجناب کی تصریح ہے۔ اب [illegible] یہ ہے کہ دونوں کے مسنون ہونیکا اعتقاد اسی وقت حقیقۃً اتفاق

سمجھا نیکے قابل ہے کہ ہر دو امر کو ایک نظر سے دیکھیں۔ اور جب شقین میں سے کسی ایک شق کے بھی عامل پر بس طعن و تشنیع کا باب مفتوح کر دیا گیا
تو فقط زبانی دعوی رہ جاتا ہے اسلئے حقیقت میں مولانا اسمٰعیل شہیدؒ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی حدیث من احیی سنتی الخ کے صحیح مصداق تھے

الجواب۔ حسب مشورہ سنقی صاحب مقام میں غور کرنے سے یہ سمجھ میں آیا کہ مولانا شہیدؒ نے جو حدیث کا محمل تجویز فرمایا
اُس میں حضرت شاہ عبد القادر صاحبؒ نے اختلاف فرمایا سو وہ محمل مختلف فیہ ہو گیا اور حضرت شاہ صاحب نے جو محمل تجویز
فرمایا اُس میں حضرت مولاناؒ نے اتفاق فرمایا چنانچہ امیر الروایات میں بسند ثقات اسکی بھی تصریح ہے کہ جب مولوی
محمد یعقوب صاحب نے یہ جواب مولوی اسمٰعیل صاحب سے بیان کیا تو وہ خاموش ہو گئے اور کوئی جواب نہ دیا اور مولانا
شہید ایسے نہ تھے کہ غیر حق پر خاموش ہو جاتے خود انکے واقعات حق گوئی کے اپنے اکابر کیساتھ مشہور اور متواتر ہیں اور حق گوئی
ادب کے لہجے سے بھی ہو سکتی ہے لہذا اس میں خلاف ادب ہونیکا بھی احتمال نہیں ایسی حالت میں جواب نہ دینا صاف دلیل ہے تسلیم اور
اتفاق کی پس یہ محمل متفق علیہ ہو گیا اور متفق علیہ راجح اور مقدم ہوتا ہے مختلف فیہ پر پس حضرت شاہ صاحب کے
جواب میں خدشہ کرنا خود مولانا پر خدشہ کرنا ہے کہ انھوں نے غیر واقعی محمل کو کیوں قبول کیا۔ رہا یہ کہ پہلے سے دوسرے
غیر واقعی محمل کے کیوں قائل تھے سو امور اجتہادیہ میں ایسا سوال نہیں ہو سکتا مگر وضوح حق کے بعد اسکے قائل نہ رہے
اور یہ بہت بڑا کمال ہے کہ اس سے رجوع فرما لیا۔ پہلی رائے میں ایک اجر کے مستحق تھے۔ دوسری رائے میں دو اجر کے
مستحق ہو گئے۔ پس سوال کا جواب ضروری ہو گیا۔ باقی تبرعاً کچھ مزید بھی عرض کرتا ہوں وہ یہ کہ یہ معلوم نہیں کہ اسکے بعد رفع یدین
کو ترک فرمایا نہیں لیکن اگر نہ بھی ترک فرمایا ہو تو وہ عدم ترک پھر بھی اس حدیث کا محمل بہت تھوڑی نیت سے ہو سکتا ہے
اس طرح سے کہ پہلے تو نفس رفع یدین کو احیاء سنت کی نیت سے کرتے تھے اور پھر اس قصد سے کرتے ہوں کہ امور دواسع میں طعن و
تشنیع نہ کرنا سنت سلوک مقصودہ فی الدین ہے اور یہ سنت مردہ ہو چکی ہے اور اسکے مقابل میں تضییق ہے جو کہ خلاف سنت اور بدعت
ہے پس رفع یدین اس طعن و تشنیع کی مخالفت اور ازالہ کیلئے کرتے ہوں جو کہ سنت مردہ کا احیاء ہے۔ اور یہ محمل متفق علیہ کی فرع ہے
رہا یہ کہ خود حضرت شاہ صاحبؒ نے اس سنت مردہ کا احیاء اس طرح کیوں نہ فرمایا اسکا جواب یہ ہے کہ یہاں ایک دوسری
سنت بھی ہے وہ یہ کہ جس امر مستحب میں عوام اور ضعفاء کی تشویش اور شورش کا اور اس سے اُنکے دین کے ضرر کا احتمال قوی
ہو وہاں اسکو ترک کر دینا بھی سنت ہے جسکی دلیل حطیم کا واقعہ ہے پس ممکن ہے کہ حضرت شاہ صاحب نے اس سنت کو اُس سنت سے
اہم سمجھا ہو اس لئے اُس سنت کو اختیار نہ کیا ہو اور عوام کے اعتقاد کی اصلاح زبانی تبلیغ سے فرما دینے کو کافی سمجھا ہو۔ اور
مولانا شہیدؒ نے اسکا عکس سمجھا ہو۔ پس اس تقریر پر دونوں حضرات کی تحقیق اور عمل ہر طرح کے شبہ اور اعتراض سے سالم الکل
بے غبار رہتا ہے اور اسکے خلاف میں دونوں حضرات پر جرح لازم آتا ہے۔ واللہ اعلم۔ ولنسم ہذا الجواب بالتحریر

النادر لتعریر الشاہ عبد القادر من قدر علی احسن من ہذا فہنیئاً لہ ۱۳ رجادی الاخری ۱۳۵۵ھ

چھیاسی واں نادرہ رسالہ حل الاشکال علی ضرورۃ الشیخ مع وجود الاختیار فی الاعمال

یہ رسالہ کتاب ہذا کے صفحہ ۸۰۵ سے شروع اور صفحہ ۸۰۸ پر ختم ہوا ہے۔

ستاسی واں نادرہ رسالہ التخفیف فی الاختیار الضعیف یعنی تحقیق لطیف بجواب اشکال متعلق خشوع

یہ رسالہ کتاب ہذا کے صفحہ ۸۰۹ سے شروع اور صفحہ ۸۱۱ پر ختم ہوا ہے۔

اٹھاسی واں نادرہ بیعت غائبانہ و بیعت صغیر

السوال۔ بیعت کیلئے طالب کی موجودگی و حضوری شیخ کی خدمت میں لازمی ہے یا بیعت بذریعہ خط کے بھی ہو سکتی ہے؟ ۱ زید کو اسکی والدہ نے اپنے پیر و مرشد سے بذریعہ خط کے سن بلوغ کے پہنچنے سے قبل بیعت کرا دیا ایسی حالت میں زید کو سلسلہ بیعت مذکورہ میں داخل سمجھا جائیگا یا نہیں؟ ۲ سن بلوغ شریعت نے کیا مقرر کیا ہے؟ ۱۱ رمارچ ۱۹۳۷ء۔

الجواب۔ عن الاول عن ابن عمر ان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم یعنی قام یوم بدر فقال ان عثمان انطلق فی حاجۃ اللہ وحاجۃ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم وانی ابایع لہ اخرجہ ابو داؤد (حدیث شصت و ہشتم) عن ابن عمر فی حدیث طویل فبعث صلی اللہ علیہ وسلم عثمان الی مکۃ وکانت بیعۃ الرضوان بعد ما ذہب عثمان فقال صلی اللہ علیہ وسلم بیدہ الیمنیٰ علی الیسریٰ وقال ہذہ لعثمان اخرجہ البخاری والترمذی (صد و ہشتاد و ششم) ان دونوں واقعوں میں تصریح ہے کہ حضرت عثمان کو آپ نے بیعت فرمایا۔ اور وہ بیعت کے وقت حاضر نہ تھے۔ اسی بنا پر بعض مشائخ کے کلام میں ایسی بیعت غائبانہ کا لقب بیعت عثمانی مذکور ہے۔ اور یہ تائید روایات سے محض تبرع ہے۔ ورنہ قواعد سے اس بیعت کی صحت بلا تردد ظاہر ہے کیونکہ بیعت کی حقیقت التزام ہے طالب کی طرف سے اتباع کا اور شیخ کی طرف سے تعلیم و مشورہ کا۔ اور ظاہر ہے کہ اس التزام کا معاہدہ جیسے مشافہۃً ہو سکتا ہے اسی طرح غیبت میں بھی بواسطہ خط یا سفیر کے۔ پس اس کی صحت میں دلیل کلی و جزئی سے کوئی شبہ نہیں۔

الجواب ۲۔ عن الثانی عن انس بن مالک قال قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم المرء مع من احب ولہ ما اکتسب رواہ الترمذی (حدیث سہ صد و پنجم) اس کیساتھ اگر مقدمہ حسیہ یہ منضم کیا جاوے کہ بیعت میں خاصیت ہے کہ اپنے مشائخ سے محبت کا سبب ہو جاتی ہے پس برکات محبت جو حدیث میں مذکور ہیں انکے حصول کی توقع ہو جاتی ہے تو اس تعلیل میں صغیر کی بیعت بھی داخل ہے عن ابی ہریرۃ فی حدیث فضیلۃ الذکر فیقول اللہ تعالیٰ ولہ قد غفرت ہم القوم لا یشقی جلیسہم اخرجہ الشیخان والترمذی (حدیث نود و نہم) اگر اسکے ساتھ بھی یہ مقدمہ حسیہ منضم کیا جاوے

ے فی قاموس تحریر الکتاب تحویہ ۱۲

کہ جو شخص کسی بزرگ کے سلسلہ میں داخل ہوتا ہے غالباً اس سے مجالست و مخالطت و موانست کا تعلق ضرور پیدا ہو جاتا ہے
اگر کسی عارض سے اسکی نوبت نہ آئے تو قصد و نیت تو ضرور ہی رہتی ہے۔ تو اس تعلیل میں صغیر کی بیعت بھی داخل ہے
باقی بعض روایات میں جو بیعت صغیر سے عذر وارد ہے (حدیث سہ صد و ششم) بوہ اسکے معارض نہیں کیونکہ وہ عذر
لزوم بیعت کا ہے کیونکہ بیعت التزام ہے احکام لازمہ کا اور صغیر بر التزام سے بھی احکام لازم نہیں ہوتے پس لزوم وہاں
متحقق نہیں ہوتا۔ قال القسطلانی فی شرح قولہ علیہ السلام ھو صغیر ای لا یلزمہ البیعۃ اور ان روایات کے عموم میں
صحت بیعت داخل ہوگی جو برکت کیلئے ہے۔ پس دونوں میں کچھ تعارض نہیں۔ اور مثل جواب اول کے قواعد کی کفایت
کیساتھ تبرعاً ایک دلیل جزئی بھی ذکر کی جاتی ہے فی جمع الفوائد فضائل عبد اللہ ابن الزبیرؓ معزیاً الی الشیخین
عن عائشہؓ فجاء (عبد اللہ) وھو ابن سبع سنین او ثمان لیبایع النبی صلی اللہ علیہ وسلم وامرہ بذلک الزبیرؓ
فتبسم صلی اللہ علیہ وسلم حین رآہ مقبلا الیہ ثم بایعہ۔

الجواب عن الثالث۔ بارہ برس کے بعد جب علامات بلوغ کی ظاہر ہو جائیں بلوغ کا حکم کر دیا جائیگا اگر کوئی علامت
ظاہر نہ ہو تو بقول مفتی بہ پندرہ سال کی عمر میں بلوغ کا حکم کر دیا جائیگا۔ والمسئلۃ مشہورۃ و فی کتب الفقہ
مذکورۃ واللہ اعلم اشرف علی ۱۲ ذیحجہ ۱۳۳۵ھ (نوٹ) حدیثوں کے نمبر حقیقۃ الطریقۃ کے ہیں۔

نوا سی ۸۹ واں نادرہ ابطال حکم بقدم عرش

السوال کشف الظنون میں دیکھا کہ شیخ صدر الدین قونوی نے لکھا ہے الفلک الاطلس المسمی بلسان الشرع
العرش وفلک الثوابت المسمی عند اھل الشرع الکرسی قدیمان وحال ذلک الی الکشف الصحیح والعیان
الصریح وادعی ان ھذا غیر مخالف للشرع لان الوارد فیہ حدوث السموات والارض۔ لیکن بخاری باب بدء الخلق
میں ہے فاخذ النبی صلی اللہ علیہ وسلم یحدث بدء الخلق والعرش الخ وایضاً فیہ وکان اللہ ولم یکن شیء غیرہ
وقال اللہ تعالیٰ رب العرش العظیم وقال النبی صلی اللہ علیہ وسلم لا الہ الا ھو العظیم الحلیم لا الہ الا اللہ رب
العرش العظیم ان آیات واحادیث سے عرش کا مربوب اور مخلوق ہونا ظاہر ہے نیز عرش غیر اللہ ہے۔ لہذا
یہ کشف مخالف شرع معلوم ہوتا ہے۔

الجواب۔ السلام علیکم۔ مخلوق و مربوب ہونا قدم بالذات کے تو منافی ہے لیکن قدم بالزمان کیساتھ فی نفسہ
جمع ہو سکتا ہے گو قدم بالزمان بھی کسی حادث کا مستقل دلیل سے عقلاً و نقلاً باطل ہے چنانچہ دلیل نقلی ارشاد نبوی لم یکن شیء غیرہ
کا مذکور ہے اور دلیل عقلی کتب کلامیہ میں مذکور ہے اور جو کشف حدیث صحیح صریح کے خلاف ہو یقیناً باطل ہے لیکن اس سے صاحب کشف

پر کفر کا حکم بے جا ہے گو دلیل قطعی بھی ہوتی کیونکہ حکم مذکور کیلئے اسکا ضروریات دینیہ میں سے ہونا بھی شرط ہے اسمیں تاویل بھی نافع نہیں جیسے نماز روزہ کی فرضیت کا یا قیامت کا اعتقاد فافترقا۔ اور اس کشف والے کو حدیث حدوث بالزمان کو پہنچی نہیں اسلئے جہل عذر ہے جیسا کہ اس قول سے معلوم ہوتا ہے لان الوارد فیہ حدوث السموات والارض فما قرر من اکفار القائلین بقدم العالم یمکن ان یخص من ہذا القائل لان ہذا القول نشأ عن شبہۃ ولا شبہۃ عندنا ثم بقدم العالم فتامل ولا تعجل۔ اور حضرت نے بھی اپنے رسالہ تشرف کی جلد رابع میں بذیل حرف الکاف بخاری کی اسی حدیث لم یکن شیء غیرہ سے عرش کے حدوث بالزمان پر استدلال کیا ہے مع دوسرے فوائد کے من شاء فلیرجع الیہا واللہ اعلم۔

(النور جمادی الاولی ۱۳۵۱ھ)

نوےؔ وان نادرہ تحقیق ارسال یا وضع یدین در قنوت نازلہ

خلاصہ سوال۔ یہاں سے کا نپور ایک سوال کے جواب میں قنوت نازلہ میں ارسال یدین پر عمل کرنیکو لکھا گیا تھا وہاں سے ایک عالم کا ایک طویل خط وضع یدین کی ترجیح کے اثبات میں آیا جسکا خلاصہ خود جواب سے معلوم ہو سکتا ہے جو یہاں سے لکھا گیا اور جو درج ذیل ہے۔

الجواب۔ مولانا السلام علیکم مسئلہ مجتہد فیہ ہے دلائل سے دونوں طرف گنجائش ہے اور ممکن ہے کہ ترجیح قواعد سے وضع کو ہو کما ھو مقتضی مذہب الشیخین رحمہما اللہ لیکن عارض التباس و تشویش عوام کی وجہ سے ارسال کو ترجیح دی جا سکتی ہے کما ھو مقتضی مذہب محمد رحمہ اللہ اور ثنا و صلوۃ جنازہ و قنوت وتر میں یہ عارض نہیں ہے اسلئے وہاں راجح پر عمل کیا گیا اور اس عارض کی قوت کا اس سے اندازہ ہو سکتا ہے کہ مجمع عظیم میں سجود سہو کو باوجود اسکے وجوب کے ترک کر دیا جاتا ہے اور وضع تو درجہ میں سجود سہو سے بہت ادنی ہے فہو احق بالترک۔ اور التباس کا ارتفاع اخفاء قنوت سے اسلئے نہیں ہو سکتا کہ سہو پر محمول کیا جا سکتا ہے کہ جہر قرأت میں امام کو سہو ہو گیا اور اسی طرح اسکے بعد سجدہ میں چلے جانے سے بھی اسکا ارتفاع نہیں ہو سکتا مگر اس سے پہلے التباس ہو چکے گا پھر سجدہ میں جانے سے تشویش بڑھیگی کہ رکوع کیوں نہیں کیا ورنہ ایسا ارتفاع تو سجدہ سہو کے بعد تشہد میں بیٹھنے سے پھر بعد میں کہ رسلام پھیرنے سے بھی مرتفع ہو سکتا تھا مگر فقہاء نے اسکا اعتبار نہیں کیا اسلئے کہ عوام غلبہ جہل سے ان قرائن سے کیا استدلال کر سکتے ہیں وہ اپنی نماز کو باطل کرتے ہیں واللہ اعلم باقی دوسری جانب بھی گنجائش ہے مگر گنجائش نہیں ہے اسمیں رہتا۔

(النور ۱۲ ج)

اکیانوےؔ وان نادرہ الوقف لا یملک باستیلاء الکفار

فائدۃ فی الروایۃ الدالۃ علی ان الوقف لا یملک باستیلاء الکفار وقع البحث عنہ فی دھلی وسئلت عنہ فاخرج الروایۃ المولوی ظفر احمد قلت فی احکام الاوقاف للخصاف فی باب الارض اطلار توقف فتغصب۔ قلت ارأیت الغاصب اذا ضمن قیمۃ الارض الوقف (ای ضمن القیم الغاصب کذا بہامش الاصل) ہل یملک الارض الوقف ان رجعت الیہ (قال) لا (قلت) ولم (قال) من قبل ان الوقف لا یملک والوقف بمنزلۃ المدبر لو غصب غاصب

من مولاه فابق من الغاصب او اخرجه الغاصب من يده ضمن قيمة لا يملك منی ظهر ای المولاه ورد مولاه القیمة التی اخذ منها اھ (ص ۲۳۴) قلت محل الاستشہاد منہ قولہ الوقف بمنزلۃ المدبر وقد صرح فقہاؤنا فی باب استیلاء الکفار انہم لا یملکون المدبر بالغلبۃ صرح بہ فی البحر (ص ۹۷ ج ۵) وکذا صرح فی عامۃ الکتب فالکفار لا یملکون اوقافنا بالاستیلاء

بانوے واں نادرہ تحقیق مقالات طلب ضرہ در نوبتش درخانہ ضرہ اخری

سوال۔ ایک مرد مشائخ کے پاس تین یا چار عورتیں ہیں وہ فقط اپنی ایک عورت کے گھر میں سکونت پذیر ہے اور وہیں کھاتا پیتا سوتا ہے پھر وہ اسی گھر میں ہر نوبت والی عورت کو بلا رضامندی اسکے منگوا کر شب گذاری کرتا ہے۔ عورتیں اپنی سوکن کے گھر میں جانا پسند نہیں کرتیں بلکہ موت کو اس پر ترجیح دیتی ہیں اور وہ مرد کہتا ہے کہ میرے اوپر صرف یہ لازم ہے کہ شب گذاری میں مساوات کروں باقی ہر نوبت والی کے گھر اسکے دن (یعنی باری) میں جانا اور اسکے گھر میں شب گذار ہونا واجب نہیں اور وہ یہ بھی کہتا ہے کہ گو حضور صلی اللہ علیہ وسلم برابر ہر نوبت والی کے گھر میں جایا کرتے تھے تو کسی بیوی کو آپ کسی سوکن کے گھر میں نہیں بلاتے تھے لیکن انکا یہ عمل اختیاری تھا آپ کے فعل سے امت مرحومہ پر ایسا کرنا واجب نہیں اور یبیت عندھا اور اقام عندھا کے معنی اس طرح کرتا ہے کہ اس سے فقط شب گذار ہونا مقصود ہے نہ کہ اسکے گھر میں بیتوتت اور اقامت کرنا مطلوب وثابت ہے کیا اس مرد کیلئے ایسا کرنا جائز ہے اور ایسے معنی کرنا اس کا صحیح ہے۔ بینوا توجروا۔؟

الجواب۔ فی الدر المختار ولو مرض هو فی بیت له دعا کلا فی نوبتها الخ وفی رد المحتار هذا اذا کان له بیت لیس فیه واحدة منهن فی الافاق لعل یقدر علی التحول الی بیت الاخری یقیم بعد الصحة عند الاخری بعدد ما اقام عند الاخری ثم یقسم بینهما (قبیل الرضاع) فی العالمگیریة لا یجوز ان یجمع بین المرتین او الضرائر فی مسکن احد الا برضاهن للزوم الوحشة ولو اجتمعت الضرائر فی مسکن واحد بالرضاء یکره ان یطأ احداهما بحضرة الاخری حتی لو طلب وطئها لم یلزمها الاجابة لاتصیر فی الامتناع ناشزة ولا خلاف فی هذه المسائل (قبیل الرضاع فیما یتصل بذلک من المسائل) یہ روایات اس مرد کی تولکے ہر جزو کے بطلان میں صریح ہیں اور اس مرد کا فعل بالکل ناجائز ہے واللہ اعلم کتبہ اشرف علی عفی عنہ

ترانوے واں نادرہ تحقیق معصیت بودن استلذاذ بتصور اجنبیہ بالاختیار

السوال تعلیق صبیح شرح مشکوۃ ص ۵۹ ج ۱ کے باب الوسوسہ میں لکھا ہے اعلموا ان الوسوسة ضروریة واختیاریة فالضروریة ما یجری فی الصدر من الخواطر ابتداء ولا یقدر الانسان علی دفعه فهو معفو عنه عن جمیع الامم قال تعالی لا یکلف الله نفسا الا وسعها۔ والاختیاریة هی التی تجری فی القلب وتستمر ویقصد الانسان ویتلذذ منه کما یجری فی القلب حب امرأة ویدوم علیه ویقصد الوصول الیه وما اشبه ذلک من المعاصی فهذا النوع عفا الله تعالی عن هذه الامة

خاصۃ شتر یفا و تکریما للنبیا صلی اللہ علیہ وسلم و امتہ الیہ ینظر قولہ تعالیٰ ربنا ولا تحمل علینا اصرا الخ اس میں وساوس اختیاریہ کے عفو کو امت مرحومہ کا خاصہ لکھا ہے میری سمجھ میں نہیں آیا اگر یہ صحیح ہے تو ایسے لفظیات کی تشریح فرمادی جاوے تاکہ محمودہ اور مذمومہ میں امتیاز ہو جاوے۔ فقط۔

الجواب۔ اگر یہ تحقیق صحیح مان لی جاوے تو ان تبدوا مافی انفسکم او تخفوہ یحاسبکم بہ اللہ کے کیا معنی۔ اور اگر اس پر شبہ ہو کہ یہ لا یکلف اللہ نفسا الا وسعہا سے منسوخ ہے تو علاوہ محذور نسخ فی الاخبار کے یہ لازم آویگا کہ اسمیں تکلیف مالا یطاق دی گئی تھی جو قبیح عقلی ہے اسلئے نسخ کے معنی اصطلاحی نہیں ہیں یعنی بیان تبدیل بلکہ اس سے عام ہے جو بیان تفسیر کو بھی شامل ہے یعنی لا یکلف اللہ نفسا سے آیت ان تبدوا الخ کی تفسیر کردی گئی ہے کہ مافی انفسکم سے مراد امور باطنہ اختیاریہ ہیں نیز اس تحقیق مذکور فی السوال کے صحیح ہونے پر اس حدیث کے کیا معنی ہونگے القلب یزنی جسکی تفسیر آئی ہے یتمنی و یشتھی اور بہت نصوص بے معنی ہو جائینگے لہذا یہ دعویٰ بالکل غلط ہے غالباً وجہ اس التزام کی صاحب تعلیق کی یہ ہوئی کہ اگر غیر اختیاری مراد ہو تو اس امت کی کیا تخصیص ہوئی جبکہ تخصیص ہے تو لامحالہ اختیاری پر محمول ہوگا حالانکہ یہ غلط ہے بات یہ ہے درجہ ایسا ہے کہ شروع ہوتا ہے غیر اختیاری سے اور منجر ہو جاتا ہے اختیاری کی طرف اس طرح سے کہ اگر اسکو اسکے حدوث پر تنبہ اور اسکے اختیاری ہونیکا احساس ہو تو اسکو روک سکتا تھا مگر ذہول کے سبب اسکے حدوث پر تنبہ اور اسکے اختیاری ہونیکی طرف التفات نہیں ہوا پس یہ درجہ فی نفسہ اختیاری تھا اور امم سابقہ اسکی مکلف تھیں کہ دوران وسوسہ میں اسکا استحضار رکھیں کہ یہ درجہ تو پیدا نہیں ہو گیا اور بعد پیدا ہونیکے اسکو دفع کردیں مگر یہ امت اسکی اسلئے مکلف نہیں ہوئی کہ اسمیں دشواری تھی پس جس طرح دوسرے اصرار و اغلال کا انکو مکلف نہیں کیا گیا اسی طرح اس درجہ کا بھی انکو مکلف نہیں کیا گیا لیکن اگر تنبہ ہو گیا تو اسکا بھی مکلف ہو جائیگا باقی جس وسوسہ کو ابتداء ہی سے عمداً قلب میں لاوے اور قصداً ہی اسکو باقی رکھے اس پر مواخذہ ہونا صحیح و صریح نصوص میں وارد ہے البتہ اگر یہ صاحب تعلیق کوئی حجت میں تو تاویل کیجاویگی۔ واللہ اعلم دیدیں تعلیق لکھی معلوم کا حجت نہیں

نوے وان نادرہ جواب اشکال بر واقعہ بعض بزرگان تہجد بلا وضو

(مضمون) کتاب نزہۃ البساتین کی حکایت نمبر ۔۔۔ میں یہ لکھا ہے کہ ایک بزرگ بلا وضو نماز تہجد ادا فرماتے تھے۔ کیا یہ جائز اور درست ہے اگر ایسا ہو تو بیماروں کو بڑی آسانی ہو جائے۔ اسکا مطلب سمجھ میں نہیں آیا وضاحت چاہتا ہوں۔

(جواب) یہ تو نہیں لکھا کہ بلا وضو نماز تہجد ادا فرماتے تھے بلکہ یہ لکھا ہے کہ بلا وضو کئے دو رکعت نماز پڑھی الخ تو نقل کرنے میں دو غلطیاں ہوئیں۔ ایک غلطی یہ کہ بلا وضو کئے کی جگہ بلا وضو لکھدیا حالانکہ دونوں کے مفہوم میں زمین و آسمان کا فرق ہے کیونکہ خاص وقت میں وضو نہ کرنے سے یہ کیسے لازم آگیا کہ انکو پہلے سے بھی وضو نہ تھا۔ اگر یہ شبہ ہو کہ اسکے قبل لکھا ہے کہ وہ

سوئے اسکا جواب یہ ہے کہ یہ راوی کا گمان ہے۔ یہ سمجھے ہونگے کہ سوگئے اور وہ سوئے نہ ہونگے اسکا بڑا اچھا قرینہ چند سطر بعد ہے کہ بلا تجدید وضو کے صبح کی سنتیں پڑھی۔ یہ لفظ بتلا رہا ہے کہ تازہ وضو نہیں کیا سابق وضو سے نماز پڑھی۔ دوسری غلطی نقل میں یہ کی گئی کہ واقعہ جزئیہ کو عادت دائمہ کے صیغہ سے نقل کیا اور کسی کا بھی یہ مذہب نہیں کہ بلا وضو یا بطل وضو نماز جائز ہے بلکہ ایسا کرنیکو کفر لکھا ہے۔ اور ظن راوی سے جواب دینے کی ضرورت اسوقت ہے کہ اصل کتاب میں کوئی لفظ ہو جسکا ترجمہ صرف سونا ہو مثلاً رقاد اور اگر لفظ نوم ہو مثلاً تو وہ عام ہے نعاس کو کما فی القاموس تو پھر جواب بے تکلف ہے کیونکہ نعاس ناقض وضو نہیں فقط

پچانوےواں نادرہ رسالہ المقالات المفیدہ فی حکم اصوات الآلات الجدیدہ

یہ رسالہ کتاب ہذا کے صفحہ ۸۱۱ سے شروع اور صفحہ ۸۱۳ پر ختم ہوا ہے۔

چھیانوےواں نادرہ تدبیر سہل رفع تشویشات صعبہ

حال قبلہ مولانا صاحب دامت برکاتہم آمین۔ السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ۔ کئی دن سے دل چاہتا تھا کہ اپنی حالت لکھوں مگر چونکہ حضرت والا کو اپنی تکلیفات سنانے سے تکلیف ہوتی ہے اس خیال سے رکتا رہا۔ اب مجبوراً عرض کرتا ہوں اور اسکے کوئی دوسری حالت ہی نہیں جسکو عرض کر سکوں آجکل گذشتہ مصائب کے اثر ظاہر ہو رہے ہیں۔ کاروبار بوجہ مدید غیر حاضری کے خراب ہوگیا بچوں کو کبھی سسرال لاتا ہوں کبھی گھر چھوڑے جاتا ہوں خیر خواہ احباب نے اس پریشانی کو دیکھکر نکاح کا مشورہ دیا۔ اس سوال کو جب سے زیر بحث لایا گیا ہے پریشانی اور بڑھ گئی ہے بیہودہ باتیں اعتراضات سننے میں آتے ہیں۔ دماغ ہر وقت اسی ادھیڑ بن میں مصروف رہتا ہے کہ کن کن اعتراضات کا کیا کیا جواب دیا جاوے اور کہاں کہاں پیغام نکاح دیا جاوے اور اس پریشانی کا علاج جو نکاح تجویز ہوا ہے اسکے شافی ہونے میں بھی شبہ رہتا ہے اس سے طبیعت اور گھبراتی ہے کہ نہ معلوم کیسی صورت بنے صالح یا غیر صالح۔ معمولات بالکل ہی خراب حالت سے اور بیوقت ادا ہوتے ہیں۔ ذکر شغل میں طبیعت لگتی ہی نہیں اختیاری غیر اختیاری حالات کو تمیز کرنا مشکل ہو رہا ہے۔ میری مصیبت کا خاتمہ ہونا مشکل ہے اللہ تعالیٰ کے دربار میں درخواستیں بہت ہیں مگر میں خالی ہی ہوں حضرت والا سے درخواست ہے کہ آیا میری جیسی حالت کا علاج ہو سکتا ہے اور اطمینان قلب مجھکو کبھی حاصل ہوگا یا نہیں اگر یہ حالت کسی تدبیر سے درست ہو سکے تو للہ میری درخواست کو منظور فرما کر مجھے اس سے مشرف فرمایا جاوے تنگی اور مصائب کے دور ہونیکی دعا کیلئے درخواست کرتا ہوں۔

تحقیق۔ اسکا ارادہ ہی چھوڑ دیا جاوے اور موجودہ پریشانی ہی کیلئے اپنے کو آمادہ کر لیا جاوے بس دو چیزوں کا التزام کر لیا جاوے۔ دعا زوال مصیبت کی اور استغفار اور ثمرات کو آخرت میں سمجھا جاوے بس یہ علاج ام العلاج ہے جسمیں علاج ہی مقصود ہے۔ صحت مقصود نہیں۔

دوسرا خط جو خط بالا کے بعد آیا (حال) آج اسی بے چینی کی حالت میں ڈاک کا منتظر تھا۔ ڈاک آئی خط ملا پڑھا بے اختیار آنسو جاری ہوگئے۔ بار بار خط کو پڑھتا تھا اور ایسا معلوم ہوا جیسا کسی جلتے ہوئے دل پر کافور رکھ دیا گیا اور دل سے بار بار دعا نکلنے لگی۔ اے اللہ جس طرح میرے رہبر نے میری دستگیری فرمائی ہے اے اللہ آپ بھی اُن پر رحمت فرمائیے۔ اب نہ وہ کسل ہے نہ وہ خدا تعالیٰ کی بے تعلقی کے وساوس ہیں بالکل سکون ہوا یا یوں کہوں کہ میں بھی زندوں میں چلنے پھرنے لگا۔ اب حسب معمول وساوس آتے ہیں مگر وہ نسخہ میرے پاس چھو منتر کا کام دیتا ہے فوراً ختم ہو جاتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ کا لاکھ لاکھ شکر ہے فوری نفع ہوا میری جان کو گھن لگا ہوا تھا شیطان میرا قرین بن گیا تھا ہر وقت کہتا تھا دیکھو دنیا میں لوگ آرام سے ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے تم کو کیسا پھنسایا ہے۔ بہرحال میں حضرت والا کا دل سے اس قدر شکریہ کر رہا ہوں کہ قلم و زبان اسکے ادا کرنے سے قاصر ہے۔

(تحقیق) آپ کے سکون سے مسرت ہوئی اور مکرر دعا کی کہ اللہ تعالیٰ آپ کو اپنی مرضی کے موافق بنائے۔

ستانوے[۹۷] واں نادرہ رسالہ شق الغین عن حق علی و حسین

یہ رسالہ صفحہ ۱۱۸ سے شروع ہے صفحہ سطر ۱۲ پر ختم ہوا ہے۔

اٹھانوے[۹۸] واں نادرہ حل اشکال بر بعض مراقبات در نماز

حال۔ حضرت نے گذشتہ والا نامہ میں جو ہدایت فرمائی تھی کہ تمام افعال کے متعلق یہ تصور رکھے کہ سب عنقریب حق تعالیٰ کے اجلاس میں پیش ہوں گے اس میں شبہ نہیں کہ نماز کے علاوہ دیگر افعال میں یہ بہت نافع معلوم ہوتا ہے لیکن حضرت نماز میں اس مراقبہ سے جو کچھ خود نماز میں پڑھتا ہوں اسکے معانی سے بے التفاتی ہو جاتی ہے جو طبیعت پر شاق ہوتا ہے۔ پھر جیسی افعال کا معاملہ ایسا معلوم ہوتا ہے کہ ابھی دور ہے البتہ اس سے کہ حق تعالیٰ دیکھ رہے ہیں ایک فوری ہیبت معلوم ہوتی ہے مگر حال میں جو چیز فہم معانی میں مخل ہوتی ہے وہ باعث گرانی ہو جاتی ہے بلکہ خیال ہوتا ہے کہ مقصد نماز ہی کی بُعد ہو رہا ہے۔ بہرکیف جیسا ارشاد ہو

تحقیق۔ قرآن مجید میں غور کرنے سے معلوم ہوتا ہے کہ نماز کا اصل مقصود خود ذکر ہے قال تعالیٰ اقم الصلوٰة لذکری۔ و قال تعالیٰ ان الصلوٰة تنهی عن الفحشاء والمنکر ثم علله بقوله ولذکر اللہ اکبر۔ سو حضوری بسیط جس ذریعہ سے بھی حاصل ہو جاوے وہ ذکر کی فرد ہونے کے سبب استحضار مرکب سے مقصودیت میں اقویٰ ہے۔ البتہ نماز سے باہر خود اس مرکب استحضار میں مقصودیت زیادہ ہے جس کا راز یہ ہے کہ قرأت نماز میں تابع نماز ہے سو نماز کی روح زیادہ قابل اعتبار ہے وھو الذکر اور خارج صلوٰة میں وہ قرأت خود مقصود ہے لہذا اس کا زیادہ اعتبار کیا جائیگا وهو بالاستحضار المرکب۔ پس اگر مراقبہ روئیت حق للعبد سے حضوری زیادہ میسر ہو تو وہ استحضار معانی سے مقدم ہے۔ هذا ادق۔

ننانوے[۹۹] واں نادرہ رسالہ الاعتکاف للاعتراف در تقبیح افراط و تفریط در انساب

یہ رسالہ کتاب ہٰذا کے صفحہ سے شروع اور صفحہ پر ختم ہوا ہے

سوال نادرہ در تحقیق عجیب بلکہ اعجب متعلق سمیت کعبہ فوق و تحت ارض

(واقعہ) مسئلہ قضا کے متعلق یہاں ایک سوال وجواب کا اتفاق ہوا جو تتمیم فائدہ کیلئے ذکر کیا جاتا ہے۔ سوال یہ ہے کہ زمین کا جس حصہ
پر ہم آباد ہیں اسکے مقابل جو حصہ تحتانی ہے اسکی سمت قبلہ کیا ہے چونکہ فقہاء کے کلام میں کعبہ کا منتہا عنان سماء مذکور ہے اور عنان سماء
حصہ تحتانی کی طرف بھی ہے اسلئے بعض کو یہ شبہ ہو گیا کہ کعبہ معہودہ کے دونوں جانب یعنی فوق بھی تحت بھی عنان سماء تک کعبہ ہے جسکا
حاصل یہ ہوا کہ اس کعبہ کی جانب تحتانی میں جو بقعہ اس کعبہ کے مقابل ہے وہ حصہ تحتانی والوں کا کعبہ ہے یعنی ان کیلئے اس بقعہ کی طرف
استقبال واجب ہوگا مگر چونکہ اس شبہ کا منشاء غلط ہے اسلئے کہ فقہاء نے جیسے عنان سماء کو منتہا کہا ہے ایسا ہی عبارات مختلفہ میں
تحت الثریٰ کو بھی منتہا کہا ہے۔ پس ایک منتہا ہے اس کعبہ کی جہت فوق کی طرف اور ایک منتہا ہے اسکی جہت تحت کی طرف
اسلئے اس مقام میں اس پر تنبیہ ضروری تھی احقر نے اسکے متعلق ایک تقریر بعنوان فائدہ کے لکھی ہے اسکو نقل کر دینا کافی ہے وھو ھذا

فائدہ در تحقیق احکام متعلقہ فوق و تحت ارض فوق سماء تو خواہ کسی جانب لیا جاوے کوئی منتہا نہیں مثلاً کعبہ کے
مقابل فضا کی سمت کی طرف کتنے ہی بلند مقام پر نماز پڑھیں نماز ہو جاوے گی۔ اسی طرح مسجد کی فضا کتنی ہی بلندی پر لیجاوے
وہ محترم ہے اس فضا میں جنبی وغیرہ کو گذرنا جائز نہ ہوگا۔ اپنی مملوک زمین پر کتنی ہی بلند فضا تک تعمیر وغیرہ کرے اسکو حق تعلّی
ہوگا صرف قابل تحقیق جہت تحت ہے کہ ان احکام میں اسکا کچھ منتہا ہوگا یا نہیں ہو اگر منتہا نہ مانا جاوے تو بہت سے محذورات لازم
آتے ہیں مثلاً کعبہ سے جو خط مرکز ارض پر گذرتا ہوا دوسری جانب کی سطح پر واقع ہو اسکے چاروں سمت کے بقعہ کو جو پیمائش
میں کعبہ کے برابر ہو کعبہ کہنا پڑا تو اسکا طواف مثل طواف کعبہ کے کہا جاوے گا اور اس میں القاء قاذورات یا دخول جنب حرام ہوگا اور
اسکا استقبال مثل اس کعبہ مشہورہ کے استقبال کے مامور بہ ہوگا اسی طرح عرفات کے مقابل کا بقعہ عرفات ہوگا تو وہاں حج بھی
جائز ہوگا اور وہاں کے باشندوں کو حج کیلئے اس کعبہ مشہورہ وعرفات مشہور کے قصد سے سفر کرنا واجب نہ ہوگا اور ظاہر ہے
کہ اسکا التزام ادنی علم وعقل رکھنے والا بھی نہیں کر سکتا۔ اسی طرح اس جانب کی مساجد کے مقابل بقاع مساجد ہونگی جن کیلئے
تمام احکام مسجد ثابت ہونگے اسی طرح اس جانب کی اراضی مملوک کے مقابل کی اراضی اسی مالک کی مملوک ہونگی۔ اور اسی طرح
پر دوسری جانب کی مساجد کے مقابل جو بقاع اس جانب ہیں وہ بھی مساجد ہونگے۔ اور اس جانب کی اراضی کے مالک اس جانب
کی اراضی کے بھی مالک ہونگے یا دونوں جانب کی اراضی کو دونوں طرف کے مالکوں میں مشترک مانا جائیگا اور ظاہر ہے کہ اسکی
التزام میں تمام احکام کا ہدم یا خلط لازم آتا ہے جسکا کوئی قائل نہیں ہو سکتا۔ اور یہ عذر کافی نہیں کہ مدار تکلیف کا علم ہے
اور ان بقاع کا چونکہ علم نہیں اسلئے ان احکام کی تکلیف بھی نہ ہوگی۔ وجہ عدم کفایت یہ ہے کہ اگر آلات حساب سے علم ہو جاوے
تو اسوقت کیا جواب ہوگا اسلئے لامحالہ جہت تحت کو متناہی ماننا لازم ہے اور قواعد سے وہ منتہی ارض کا مرکز ہے اس

جانب کے احکام اس جانب کے سکان کیلئے مرکز تک ثابت ہونگے اور اُس جانب کے احکام اُس جانب کے سکان کیلئے مرکز تک ثابت ہونگے اور مرکز کیلئے کسی حساب کی ضرورت نہیں جس مقام پر طبعًا جسکا بعد ختم ہوجاوے اور اُس سے متجاوز ہوکر صعود کی ضرورت ہو وہ مرکز ہے۔ اب کوئی اشکال محذور نہ رہا اور اس بناء پر سکان جانب تحتانی کیلئے بھی قبلہ یہی کعبہ ہوگا اور اُسکی معرفت کیلئے وہی قواعد ہونگے جو اہل ہیئت نے منضبط کئے ہیں۔ واللہ اعلم۔ وقد تم ههنا الفهرس الثالث الملقب بالنوادر والحمد لله وحده اشرف علی عفی عنہ

نوٹ۔ رسالہ ہذا یعنی بوادر النوادر میں جس شان کی یہ تین فہرستیں ہیں جو آپ کے سامنے ہیں اُنکے بعد بھی بعضے مضامین اسی شان کے لکھے گئے ہیں اور اُنکی تدوین کا انتظام بھی شروع ہوگیا ہے چونکہ ایسے مضامین کچھ جمع ہوگئے ہیں ہر مضمون کی سرخی بدیعہ ہے۔ اور مجموعہ کا لقب بدائع تجویز کیا گیا۔ اگر سو عدد کی تکمیل کے بعد اسی طرح پانچویں فہرست کی تیاری کا اتفاق ہوا تو اُسکی سرخی لطیفہ لکھی جاوے اور مجموعہ کا لقب لطائف ہو۔ اس کے بعد کیلئے ابن نظر جو سرخی مناسب سمجھیں مثل حقائق و معارف و نکات و دقائق و بصائر وغیرہ۔ ان مضامین کی معتدبہ مقدار جمع ہونے پر اگر انکو شائع کیا جاوے وہ بوادر کا دوسرا تیسرا حصہ ہوگا۔ انشاء اللہ تعالیٰ۔

اشرف علی ۷ رمضان المبارک ۱۳۵۵ھ

نوٹ۔ اس کتاب میں جابجا بعض مستقل رسالوں کا حوالہ دیا گیا تھا اسلئے کہ پہلے عدم گنجائش کی وجہ سے اُنکو اس کتاب کی ساتھ شائع کرنیکا قصد نہ تھا مگر پھر جب گنجائش دیکھی تو اُن رسالوں کو بھی اسی وقت کتاب کی ساتھ شائع کیا جارہا ہے جو بعد سے شروع ہوتے ہیں۔ وباللہ التوفیق

مجموعۃ الرسائل الاشرفیہ

جو حضرت مصنف قدس اللہ سرہ کے چالیس مستقل رسائل کا مجموعہ ہے جنکا حوالہ بوادر النوادر کے تینوں اجزاء سابق میں دیا گیا ہے

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

رسالہ شرح مکالمہ بینی و بین بعض المعقولین در قدرت حق تعالیٰ بر اخبار عن غیر الواقع

اما بعد بندہ اسعد اللہ مدرس مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور معا نگار ہے کہ میں ۱۱ ذی الحجہ ۱۳۴۱ھ کو حکیم الامت مجدد الملۃ حضرت مولانا اشرف علی صاحب دامت برکاتہم سلمہ و برکاتہ کی خدمت میں زیارت کیلئے حاضر ہوا تھا مجلس مبارک میں مسئلہ "توسیع قدرت" کا ذکر آگیا میں نے استفادۃً کچھ دریافت کیا جناب موصوف نے جواب عطا فرمایا میں نے جواب کو ضبط کرنیکا ارادہ کیا مگر حسن اتفاق سے ماہ ذی القعدہ ۱۳۴۱ھ کے رسالہ النور میں اس مسئلہ پر چند سطور جناب موصوف سپرد قلم فرما چکے تھے۔ اس لئے میں نے ان سطور کی شرح جناب ممدوح کی اجازت سے کر دی اور سوال و جواب کو اسی میں منضم کر دیا شرح کہیں عربی ہے کہیں اردو میں عربی میں یا تو متن کے عربی ہونیکی وجہ سے یا دقت مضمون کی وجہ سے۔ المکالمۃ بینی و بین بعض المعقولین لم یذکر اسمہ کراہۃ و صوناً لہ عن الافتضاح فی قدرۃ الحق تعالیٰ علی الاخبار عن غیر الواقع بالکلام اللفظی الحادث المرکب من الاصوات الحروف قید بہ احترازاً عن الکلام النفسی القدیم الذی لیس من جنس الاصوات والحروف لان القدرۃ علی الاخبار عن غیر الواقع بالکلام النفسی مسلوبۃ اتفاقاً اما لانہ صفۃ واحدۃ لیس بخبر ولا انشاء فی حد ذاتہ فی الازل وانما یتکثر بالنسبۃ الی الخبر والانشاء باختلاف التعلقات والاضافات وذلک فیما لا یزال کما ہو مذہب بعض الاشاعرۃ وہو عبد اللہ بن سعید القطان و جماعۃ من المتقدمین واما لانہ صفۃ قدیمۃ قائمۃ بذاتہ ثابتۃ لہ تعالیٰ بالضرورۃ المطلقۃ الذاتیۃ فکنت اثبتہا ای القدرۃ مع نفی الوقوع ای نفی وقوع الاخبار عن غیر الواقع بالکلام اللفظی وکان بعض المعقولین ینفیہا ای القدرۃ ایضاً قال النافی ای بعض المعقولین محتجاً۔ اللہ تعالیٰ کے قول ما یبدل القول لدی سے اسکی نفی ہوتی ہے قال المجیب مجیباً اس سے صرف وقوع کی نفی ہوتی ہے کیونکہ ما یبدل القول فرمایا گیا ہے اور تبدیل القول وقوع الاخبار عن غیر الواقع ہے اور اس سے قدرت کی نفی نہیں ہوتی کیونکہ لا یمکن ان یبدل القول اور ما ینبغی بہذا المعنی نہیں فرمایا گیا اور اصل کلام نہیں کیونکہ فریقین قدرت وقوع الاخبار عن غیر الواقع کو ممتنع بالغیر کہتے ہیں وقوع کی نفی فریقین کے نزدیک متفق علیہ ہے لہذا محل نزاع نہیں بن سکتی

لہ خلاف الحنابلۃ فانہم یقولون بقدمہ جہلاً او عناداً کما ہو المشہور فلا تشبہ بجہل او قل عن بعضہم ان جلد المصحف و الغلاف ایضاً قدیمان و تشبہ و عنادہم بدا حیث تالو الاصوات والحروف مع توالیہا و ترتب بعضہا مع بعض موجودۃ ابداً اعراض حادثۃ مشروطۃ حدوث بعضہا بانقضاء البعض لامتناع التکلم بالحرف الثانی بدون انقضاء الحرف الاول بدیہی والاتصاف بما ہو من ملاما مالکلام من التکلیف لا من الاول فی التنزیل و کونہ عربیاً و کونہ

معجزۃ اوتحدیا فی زمانہ خلیقاً لمحل مانقل الا علم بالصواب فالاسلم ان لا نشتغل علیہم بکذا مستقیہ عما لا فائدۃ و الکرامیۃ قائلون (بقیہ برصفحہ آئندہ)

وحاصلہ ان التقریب لیس بتمام لان الدعوی نفی القدرۃ والدلیل ینفی الوقوع واین ہذا من ذاک۔ اگرچہ اس کلام سے منطقی صاحب کے
استدلال کا جواب ہوگیا تھا لیکن تتمیمًا للفائدہ وسدًا لباب القال ارشاد فرمایا اور نفی وقوع مستلزم نفی امکان سلب قدرت کو نہیں کیونکہ
ان میں علاقہ لزوم کا نہ ہونا اجلی بدیہیات سے ہے البتہ واقعات اور مقدورات میں عموم وخصوص مطلق ہے جیسا کہ مقدورات و معلومات
میں عموم وخصوص مطلق ہے لیکن نفی خاص مستلزم نفی عام نہیں۔ فان نفی الانسان مثلًا لا یستلزم نفی الحیوان فانقطع التقریب الثانی عن ہذا
الدلیل السمعی وترک التعرض لکانہ سلم واعترف ان نفی دلیل النقلی لا ینتہض حجۃ علی القائلین بالقدرۃ ولذا بات بدلیل عقلی ولو کان
ضعیفًا مثل استدلالہ بالدلیل النقلی وکان من شانہ ان یاتی بہ بعد العجز عن اثبات مدعاہ بالدلیل النقلی لانہ کان مدعا طالبا لمثبت باتیانہ
بہ۔ فترک منصب الادعاء وغصب منصب الانکار۔ والسوال فقال المثبت اجابۃ للمسئول تحریًا علی کونہ علی الحق۔ پہلے یہ مقدمہ سمجھ لیا جاوے کہ یہ
گفتگو کلام لفظی میں ہے کیونکہ کلام نفسی میں اخبار عن غیر الواقع کا عند الفریقین ممتنع بالذات ہونا تقریر بالا سے معلوم ہوچکا ہے جسکو جمہور مخلوق
مانتے ہیں۔ اور حادث ۔ وہ دال علی الصفۃ الازلیۃ کہتے ہیں تو اس قدرۃ علی الاخبار عن غیر الواقع بالکلام اللفظی کی (جسکا مشہور عنوان طلبہ
میں اسوقت امکان کذب ہوگیا ہے جو لوجہ موحش وموہم للعوام ہونیکے قابل ترک ہے۔ کیونکہ عوام الناس امکان کذب کو بمعنی احتمال کذب سمجھتے
ہیں اور احتمال کو مطلق امتناع کے مقابل مانتے ہیں یعنی یہ سمجھتے ہیں کہ کذب (نعوذ باللہ منہ) باری تعالیٰ کے کلام میں محتمل ہے۔ ممتنع
بالذات ہے اور ممتنع بالغیر۔ تو اس عنوان میں افساد عقائد عوام ہے نیز اسی عنوان سے مبتدعین اپنے جاہل اتباع کو بہکاتے ہیں اور کہتے ہیں کہ
قائلین توسیع قدرت (معاذ اللہ) خدا تعالیٰ کو کاذب کہتے ہیں اور فعلیت و وقوع کذب کے قائل ہیں۔ فنشکو بثنا وحزننا الی اللہ
وہو المستعان علی ما یصفون لعنۃ اللہ علی الکاذبین لاریب ان فی ہذا العنوان بالنسبۃ الی العوام شائبۃ من سوء الادب عاذنا
اللہ منہ وان کان خالیًا عنہا بالنظر الی الخواص والعلماء الطلبۃ فانہم یفہمون حقیقتہ وقد نہی المتکلمون عن اطلاق خالق القردۃ والخنازیر
علیہ تعالیٰ مع انہ خالقہا وخالق کل شیء۔ لہٰذا اس عنوان کو ترک کردینا چاہیے اور اس مسئلہ کا عنوان مسئلۃ القدرۃ علی الاخبار عن
غیر الواقع بالکلام اللفظی یا مسئلہ توسیع القدرۃ ہونا چاہیے۔ حقیقت یہ ہوئی کہ ایک ایسا قضیہ پیدا کردینا مقدور ہے
جس کا محکی عنہ بوقت تحکی یت واقع نہ ہو۔ حضرت حکیم الامۃ مجدد الملۃ مدظلہ کو اس تقریر کو سپرد قلم فرماتے وقت ایک شبہ پیش آیا جسکا
جواب جملہ معترضہ کے طریقہ پر بین القوسین تحریر فرمایا شبہ کی تقریر یہ ہے کہ کلام لفظی حادث کا محل خدا تعالیٰ کی ذات تو ہو نہیں
سکتی فانہ یمتنع قیام الکلام اللفظی الحادث بذاتہ اذ ہو لیس محلا للحوادث واللازم صدوثہ وہو محال کما تقرر۔ تو لامحالہ اُس کا
محل کوئی مخلوق ہوگا خواہ لوح محفوظ ہو یا لسان نبی ہو یا لسان جبرئیل ہو تو اس صورت میں اُس کلام میں جس کے ساتھ زید یا عمرو
متکلم ہوں اور کلام لفظی مصطلح میں کوئی فرق نہ رہیگا کیونکہ ان میں سے ہر ایک مخلوق من اللہ ہے حادث ہے اور ذات خداوندی

(بقیہ حاشیہ صفحہ گذشتہ) بقدمہ ثم یقولون لقیامہ بذاتہ تعالیٰ مع حدوثہ ہو باطل کما تری۔ بتنبیہ۔ یمتنع الکذب بالذات فی
الکلام اللفظی ہہنا علی قول الحنابلۃ فانہ عندہم کالکلام النفسی فی القدم عن الہادہ واللہ اعلم بوادر منہ +

ع صمیم بالذکر ان ہذہ المسئلۃ متعالیۃ عن افہام العامۃ ہو منہ [illegible] فی التعبیر مسامحۃ فانہ لایلزم فی الصدق ان یکون المحکی عنہ موجودا

کیساتھ قائم نہیں حالانکہ کلام زید وعمرو میں وقوع کذب بھی ہوتا ہے۔ لہذا نعوذ باللہ کلام لفظی میں بھی وقوع کذب کا قائل ہونا چاہئے ورنہ کلام زید وعمرو وکلام لفظی میں فرق بیان کرنا چاہئے جواب (البتہ یہ پیدا کرنا ایسی شان سے ہوگا جس سے کوئی مخلوق اس قضیہ کا متکلم نہ کہا جائے گو محل اسکا کوئی مخلوق ہی ہوگا اور یہ شان مجہول الکنہ ہے اور یہی فرق ہے اس کلام لفظی اور کلام زید وعمرو میں فافہم[1] یعنی کلام لفظی وکلام زید وعمرو میں فرق یہ ہے کہ اول کا پیدا کرنا اس شان سے ہے کہ اسکا متکلم کسی مخلوق کو نہیں کہا جاتا چنانچہ قرآن شریف کو کسی مخلوق کا کلام نہیں کہا جاتا۔ دیکھو شجرۂ طور سے انی انا اللہ کی جو آواز مسموع ہوئی تھی اس کا متکلم شجرہ کو نہیں کہا جاتا اور کلام زید وعمرو کا پیدا کرنا اس شان سے ہے کہ اسکا متکلم مخلوق کو کہا جاتا ہے۔ چنانچہ کلام زید کو کہا جاتا ہے اور کلام عمرو کا عمرو کو۔ البتہ اس شان پیدائش کی حقیقت و ماہیت سے ہم ناواقف ہیں وہذا القدر کاف فی الجواب لایجب علینا ان نحقق کنہ ہذا الشان۔ کاتب الحروف نے اس مضمون کو دوبارہ حضرت ماتن مدظلہ کی خدمت سامی میں پیش کیا تو اس وقت فرمایا کہ فرق کی کنہ تو معلوم نہیں لیکن آثار سے فرق کے دو وجہیں ہو سکتی ہیں۔ اما الاول فالکلام اللفظی ما خلقہ اللہ تعالیٰ لقصد ان یدل علی الکلام النفسی الازلی القائم بذاتہ وکلام زید وعمرو مخلوق منہ لا لہذا القصد واما الثانی فان محل الکلام اللفظی لا اختیار لہ فی التکلم بہ کما قالت الشجرۃ الطوریۃ انی انا اللہ بخلاف کلام زید وعمرو فانہما مختاران فی التکلم۔ اس شبہ کے جواب کے بعد پھر اصل مضمون شروع ہوتا ہے چنانچہ ارشاد ہے۔ "اس مقدمۂ ممہدہ کے بعد میں پوچھتا ہوں کہ مثلاً جس وقت زید قائم نہ ہو اس وقت آیا قضیہ زید قائم کا پیدا کرنا ممکن ہے یا ممتنع اگر ممکن ہے تو مدعا ثابت اور اگر ممتنع ہے تو آیا ممتنع بالذات ہے" جسکی نقیض ممکن بالذات اور امتناع ذاتی کی وجہ سے کسی طریق من الطرق واقع ہو تو کیا ہوگا محتمل الوقوع وممکن الوقوع بھی نہیں ہو سکتا یا ممتنع بالغیر جسکی نقیض وقوع بالفعل اور امکان ذاتی کیساتھ مجتمع ہو سکتا ہے اور برتقدیر ارتفاع غیر اسکا امتناع بھی مرتفع ہو جاتا ہے اگر ممتنع بالغیر ہے بوجہ لزوم محذور وقوع کذب کے تو بھی مدعا ثابت ہے ہم کو اس سے انکار نہیں کیونکہ امتناع بالغیر کے تو ہم قائل ہیں۔ لیکن اس سے امکان بالذات کی نفی نہیں ہوتی لان الامتناع بالغیر یجتمع مع الامکان بالذات کما ہو غیر من ان یخفی فان عدم العقل الاول ممکن بالذات وممتنع بالغیر علی رای الفلاسفہ اور اگر ممتنع بالذات ہے تو اگر اسی حالت میں زید کھڑا ہو جاوے ولا ضیر فیہ فان البداہۃ تشہد لکونہ ممکنا بل واقعا بالاتفاق تو آیا اب بھی قضیہ زید قائم کا پیدا کرنا ممکن ہے یا نہیں اگر ممکن نہیں تو لازم آتا ہے کہ جیسے کذب پر قدرت نہیں ہو با طل قائم پر بھی قدرت نہ ہو والعجز ینافی القدرۃ ونقص ینافی الکمال اور اگر ممکن ہے تو ممتنع بالذات ممکن کیسے ہو گیا کیونکہ انقلاب حقیقت محال ہے اور مستلزم محال محال ہوتا ہے لہذا معلوم ہو گیا کہ وقت عدم قیام زید قضیہ زید قائم کا پیدا کرنا ممتنع بالذات نہیں بلکہ ممکن بالذات ممتنع بالغیر وذلک ہو المدعا

---

[1] اشارۃ الی دقۃ ہذا الشق من الفائدۃ لہم فیہ ۱۲ منہ [2] وربما حصل التخفیف فی مجہولیۃ کنہ ہذا الشان ۱۲ منہ [3] لما اوردت علی الوجہ الثانی انہ لو فرض ان محل اللفظی ہو جبرئیل ؑ وہی لم یتحقق ہذا الفرق اجاب عنہ الماتن مدظلہ بانہ لنا ان لا نقول بعموم المحل ونخصہ بما لیس فیہ صفۃ الاختیار اصلاً کاللوح المحفوظ والشجرۃ الطوریۃ او نقول بعمومہ کما ہو الاوجہ لشرطین قصد اللہ تعالیٰ الدلالۃ علی الکلام النفسی وعدم

...من شطحیات الاولیاء المغلوبین لیس بدین صادرۃ لا عن الاختیار کقول الشیخ البسطامی قدس اللہ سرہ سبحانی ما اعظم شانی وقول حسین

فانتصر المثبت وبهت النافي واسکت فالحمد لله حمدا کثیرا طیبا مبارکا فیه علی اعلائه الحق وازهاقه الباطل جاء الحق وزهق الباطل ان الباطل کان زهوقا ونعم ما قیل ان الحق یعلو ولا یعلی ۔ کاتب عرض نے اس مسئلہ توسیع القدرۃ پر حضرت حکیم الامۃ مدظلہ کی خدمت میں یہ شبہ پیش کیا ان الکلام اللفظی حاک عن الکلام النفسی ومرآۃ له ویدل علیه لانه الموضوع علی الموضوع له فتجب المطابقة بین الموضوع والموضوع له فکما لا یمکن الکذب فی الکلام النفسی هکذا لا یمکن فی الکلام اللفظی والا فات المطابقة او لزم امکان الکذب فی الکلام النفسی وکلاهما ممتنع ۔ اجاب عنها بان المطابقة تجب بین الکلام اللفظی الموجود فان الکلام فی الفرضیات العقلیة المحضة لا یحکی شیئا والکلام النفسی الموجود من الکلام اللفظی هو الصادق لا غیر فان الکاذب منه ممتنع بالغیر کما مر ولا وجود للممتنع ۔ فلا ریب فی المطابقة بین الصادق منه والکلام النفسی وان قیل ان الصادق ایضا ممکن بالذات ان یکون غیر مطابق للواقع وان وجبت مطابقته للواقع بالغیر فیلزم ان یکون الکلام النفسی ایضا کذلک لاجل المطابقة واللازم باطل فالملزوم مثله اجیب عنه بانه لا تجب المطابقة بین الکلام اللفظی الموجود والکلام النفسی من جمیع الوجوه الا تری ان للاول حادث غیر قائم بذاته والثانی قدیم قائم بذاته تعالی فیمتنع الکذب فی الاول امتناعا بالغیر لان ذاته لا تابی عن امکان الکذب بالذات ویمتنع الکذب فی الثانی امتناعا بالذات لانه صفة الله تعالی الحقیقیة الازلیة الثابتة له الدائمة بالضرورة المطلقة لذاته والله اعلم ولیحفظ ان البحث عن امثال هذه المسئلة لیس من داب اکابرنا لانه یمکن ان یجر الی القول بما لا ینبغی فی الذات والصفات لکنهم کتبوا علی سبیل المنع ودفع الاعتراضات الواردة من جهة المخالفین فالاحسن ان لا یبحث عنها الا لیعلم ولیعلم ان الماتن عم فیضه سمی هذا الشرح بالمسائلة فی شرح المکالمة وآخر دعوانا ان الحمد لله رب العلمین ۔

رسالہ تعدیل حقوق الوالدین

بسم اللہ الرحمن الرحیم   نحمدہ ونصلی علی رسولہ الکریم

قال اللہ تعالی ان اللہ یامرکم ان تؤدوا الامانات الی اہلہا واذا حکمتم بین الناس ان تحکموا بالعدل الآیۃ

اس آیت کے عموم سے دو حکم مفہوم ہوئے ایک یہ کہ اہل حق کو انکے حقوق واجبہ ادا کرنا واجب ہے دوسرے یہ کہ ایک حق کیلئے دوسرے شخص کا حق ضائع کرنا ناجائز ہے ان دونوں حکم کلی کے متعلقات میں سے دو خاص دو جزئی مواقع بھی ہیں جنکے متعلق اس وقت

علہ لیکن دیکا جاب عنہا بجواب آخر وہو ان الکلام اللفظی لا یدل دلالۃ وضعیۃ بل یدل دلالۃ عقلیۃ کدلالۃ الاثر علی المؤثر ولا یلزم من امکان الکذب فی الاثر امکانہ فی المؤثر فان من قال زید لیس بقائم وہو قائم وراء الجدار یدل علی وجود اللافظ العاقل دلالۃ عقلیۃ ولا یتعدی فی الدلالۃ الی النفسیۃ کاذبۃ وہو مستنبط من حاشیۃ العلامۃ عبد الحکیم السیالکوٹی علی الخیالی ۱۲ منہ ومن عقد عند غیر کثیر فانہ یدل علی وجوب الکلام لا علی وجوب صدق الکلام وہو المدعی ہذا ولو ماخطر فی البال ان یقال ان الکلام النفسی ان کان فی الازل خبرا کما ہو حال الکلام اللفظی وان لم یکن خبرا فی الازل بل کان واحدا بسیطا غیر متکثر ومتعدد وانما التکثر والتعدد عند التعلقات والاضافات لم یمکن فیہ الکذب لو بالذات لان امکان الکذب فرع کون الکلام خبرا واللہ اعلم بالصواب والیہ المرجع والمآب ۱۲

تحقیق کرنیکا قصد ہے، ایک اُن میں سے والدین کے حقوق واجبہ وغیر واجبہ کی تعیین ہے، دوسرے والدین کے حقوق اور زوجہ یا اولاد کے حقوق میں تعارض و تزاحم کے وقت ان حقوق کی تعدیل ہے اور ضرورت اس تحقیق کی یہ ہوئی کہ واقعات غیر محصورہ سے معلوم ہوا کہ جس طرح بعض لوگ بے قید والدین کے حق میں تفریط کرتے ہیں اور انکی وجوب اطاعت کی نصوص کو نظر انداز کرتے ہیں اور انکے عقوق کا وبال اپنے سر لیتے ہیں اسی طرح بعضے دیندار والدین کے حق میں افراط کرتے ہیں جس سے دوسرے صاحب حق کے حقوق مثلاً زوجہ کے یا اولاد کے تلف ہوتے ہیں اور انکے وجوب رعایت کی نصوص کو نظر انداز کرتے ہیں اور انکے اتلاف حقوق کا وبال اپنے سر لیتے ہیں اور بعضے کسی صاحب حق کا حق تو ضائع نہیں کرتے لیکن حقوق غیر واجبہ کو واجب سمجھکر انکے ادا کا قصد کرتے ہیں اور چونکہ بعض اوقات انکا تحمل نہیں ہوتا اسلئے تنگ ہوتے ہیں اور اسکے وسوسہ ہونے لگتا ہے کہ بعض احکام شرعیہ میں ناقابل برداشت سختی و تنگی ہے اس طرح سے ان بیچاروں کے دین کو ضرر پہنچتا ہے اور اس حیثیت سے اسکو بھی صاحب حق کے حقوق واجبہ ضائع کرنے میں داخل کر سکتے ہیں اور وہ صاحب حق اس شخص کا نفس ہے کہ اسکے بھی بعض حقوق واجب ہیں۔ کما قال صلی اللہ علیہ وسلم ان لنفسك علیك حقا اور ان حقوق واجبہ میں سب سے بڑھکر حفاظت اپنے دین کی ہے پس جب والدین کے حق غیر واجب کو واجب سمجھنا مفضی ہوا اس معصیت مذکورہ کی طرف اسلئے حقوق واجبہ و غیر واجبہ کا امتیاز واجب ہوا اس امتیاز کے بعد پھر اگر عملاً اُن حقوق کا التزام کریگا مگر اعتقاداً واجب نہ سمجھیگا تو وہ محذور تو لازم نہ آویگا اُس تنگی کو اپنے ہاتھوں کی خریدی ہوئی سمجھیگا اور جب تک برداشت کریگا اسکی عالی ہمتی ہے اور اس تصور میں بھی ایک گونہ حظ ہوگا کہ میں باوجود میرے ذمہ نہ ہونیکے اس کا تحمل کرتا ہوں اور جب چاہونگا سبکدوش ہو سکونگا غرض علم احکام میں ہر طرح کی مصلحت ہی مصلحت اور جہل میں ہر طرح کی مضرت ہی مضرت ہے پس اسی تمیز کی غرض سے یہ چند سطور لکھتا ہوں اب اسی تمہید کے بعد اول اسکے متعلق ضروری روایات حدیثیہ و فقہیہ جمع کر کے پھر اُن سے جو احکام ماخوذ ہوتے ہیں انکی تقریر کر دونگا اور اگر اسکو تعدیل حقوق الوالدین کے لقب سے نامزد کیا جاوے تو نازیبا نہیں۔

واللہ المستعان وعلیہ التکلان۔

فی المشکوۃ عن ابن عمر قال کانت تحتی امرأۃ احبہا وکان عمر یکرہہا فقال لی طلقہا فابیت فاتی عمر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فذکر ذلک له فقال لی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم طلقہا رواہ الترمذی فی المرقاۃ طلقہا امر ندب او وجوب ان کان هناك باعث آخر وقال الامام الغزالی فی هذا الحدیث فهذا یدل علی ان حق الوالد مقدم ولکن والد یکرہها لا لغرض فاسد مثل عمرؓ (احیاء العلوم ج۲ ص۲۱ کشوری)۔

فی المشکوۃ عن معاذ قال اوصانی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم وساق الحدیث وفیہ ولا تعقن والدیك و

وان امراك ان تخرج من اهلك ومالك الحديث فى المرقاة شرط للمبالغة باعتبار الاكمل ايضا اما باعتبار اصل الجواز
فلا يلزم طلاق زوجة امرأة وان تأذيا ببقائها ايذاء شديدا لانه قد يحصل الضرر بها فلا يكلف لاجلهما اذ من شأن
شفقتهما انهما لو تحققا ذلك لم يأمراه به فالزامهما له مع ذلك حمق منهما ولا يلتفت اليه وكذلك اخراج ماله انتهى
مختصرا قلت والقرينة على كونه للمبالغة اقترانه بقوله عليه السلام فى ذلك الحديث لا تشرك بالله وان قتلت او حرقت
فهذا للمبالغة قطعا والا فنفس الجواز بتلفظ كلمة الكفر وان يفعل ما يقتضى الكفر ثابت بقوله تعالى من كفر بالله من بعد
ايمانه الا من اكره ـ الآية فافهم ـ فى المشكوة عن ابن عباس قال قال رسول الله صلى الله عليه وسلم من اصبح مطيعا
لله فى والديه الحديث وفيه قال رجل وان ظلماه قال وان ظلماه وان ظلماه ـ رواه البيهقى فى شعب الايمان فى المرقاة
فى والديه اى فى حقهما وفيه ان طاعة الوالدين لم تكن طاعة مستقلة بل هى طاعة الله التى بلغت توصيتها من الله
تعالى بحسب طاعتهما الطاعة على ان قال ويؤيده انه لا طاعة لمخلوق فى معصية الخالق وفى وان ظلماه قال الطيبى
يراد بالظلم ما يتعلق بالامور الدنيوية لا الاخروية قلت قوله صلى الله عليه وسلم هذا وان ظلماه كقوله عليه السلام فى
ارضاء المصدق ارضوا مصدقيكم وان ظلمتم ـ رواه ابوداؤد وكقوله عليه السلام فيهم وان ظلموا فعليهم الحديث
رواه ابوداؤد ومعناه على ما فى اللمعات وان ظلموا اى بحسب زعمكم او على الفرض والتقدير مبالغة ولو كانوا
ظالمين حقيقة كيف يأمرهم بارضائهم ـ فى المشكوة عن ابن عمر عن النبى صلى الله عليه وسلم فى قصة
ثلثة رجل يتماشون واخذهم المطر فمالوا الى غار فى الجبل فانحطت على فم غارهم صخرة طبقت عليهم فذكر
احدهم من امره فقمت عند رؤسهما (اى الوالدين اللذين كانا شيخين كبيرين كما فى هذا الحديث)
اكره ان اوقظهما واكره ان ابدأ بالصبية قبلهما والصبية يتضاغون عند قدمى الحديث متفق عليه فى المرقاة
تقديم الاحسان الى الوالدين على المولودين لتعارض صغرهم بكبرهما فان الرجل الكبير يبقى كالطفل الصغير
قلت وهذا التضاغى كما فى قصة اضياف ابى طلحة قال فعلليهم بشئ ونوميهم فى جواب قول امرأته لما سأل
هل عندك شئ قالت لا الا قوت صبيانى ومعناه كما فى اللمعات قالوا وهذا محمول على ان الصبيان لم يكونوا
محتاجين الى الطعام وانما كان ضجيجهم على عادة الصبيان من غير جوع والا وجب تقديمهم وكيف يتركان واجبا
وقد اثنى الله عليهما اهـ قلت ايضا ومما يؤيد وجوب الاضطرار الى هذا التاويل تقدم حق الولد الصغير على
حق الوالد فى نفقته كما فى الدر المختار باب النفقة ولو له اب وطفل فالطفل احق به وقيل (بصيغة التمريض)
يقسم بينهما فى كتاب الآثار للامام محمد عن عائشة قالت افضل ما اكلتم كسبكم وان اولادكم من كسبكم قال

محمد لا باس به اذا کان محتاجا ان یاکل من مال ابنه بالمعروف فان کان غنیا فاخذ منه شیئا فهو دین علیه
وهو قول ابی حنیفة و محمد قال اخبرنا ابو حنیفة عن حماد عن ابراهیم قال لیس للاب من مال ابنه الا ان یحتاج الیه
من طعام او شراب او کسوة قال محمد وبه ناخذ وهو قول ابی حنیفة فی کنز العمال عن الحاکم وغیره ان اولادکم هبة الله لکم
یهب لمن یشاء اناثا و یهب لمن یشاء الذکور فهم و اموالهم لکم اذا احتجتم الیها اھ قلت حمل قوله علیه السلام و الحدیث
اذا احتجتم علی تقییده لامام محمد قول عائشة رض ان اولادکم من کسبکم بما اذا کان محتاجا و یلزم التقیید کونه دینا علیه
اذا اخذ من غیر حاجة کما هو ظاهر قلت وایضا فسر ابو بکر الصدیق بهذا قوله علیه السلام انت ومالك لابیك قال
ابو بکر انما یعنی بذلك النفقة رواه البیهقی کذا فی تاریخ الخلفاء ص ۶۵ و فی الدر المختار لا یفرض القتال علی صبی و
بالغ له ابوان او احدهما لان طاعتهما فرض عین الی ان قال لا یحل سفر فیه خطر الا باذنهما و ما لا خطر فیه یحل بلا
اذن ومنه السفر فی طلب العلم فی رد المحتار ای فی سعة من منعه اذا کان یدخلهما من ذلك مشقة شدیدة و
شمل الکافر ایضا او احدهما اذا کره خروجه مخافة و مشقة و الا بل لکراهة قتال اهل دینه فلا یطیعه ما لم یخف
علیه الضیعة اذ لو کان معسرا محتاجا الی خدمته فرضت علیه و لو کافرا و لیس من الصواب ترك فرض عین لیتوصل
الی فرض کفایة قوله فیه خطر کالجهاد و سفر البحر قوله و ما لا خطر کالسفر للتجارة و الحج و العمرة یحل بلا اذن الا ان
خیف علیهما الضیعة سرخسی قوله ومنه السفر فی طلب العلم لانه اولی من التجارة اذا کان الطریق امنا و لم یخف
علیهما الضیعة سرخسی اھ قلت و مثله فی البحر الرائق و الفتاوی الهندیة وفیها فی مسئلة فلا بد من الاستیذان
فیه اذا کان له منه بد ص ۲۸۲ ج ۲ و فی الدر المختار باب النفقة وکذا تجب لها السکنی فی بیت خال عن اهله و اهلها الا و
فی رد المحتار بعد نقل الاقوال المختلفة ما نصه ففی الشریفة ذات الیسار لا بد من افرادها فی دار و متوسطة الحال یکفیها
بیت واحد من دار الی ان قال و اهل بلادنا الشامیة لا یسکنون فی بیت من دار مشتملة علی اجانب وهذا فی
اوساطهم فضلا عن اشرافهم الا ان یکون دار موروثة بین اخوة مثلا فیسکن کل منهم فی جهة منها مع الاشتراك فی
مرافقها ثم قال لا شك ان المعروف یختلف باختلاف الزمان و المکان فعلی المفتی ان ینظر الی حال اهل زمانه
و بلده اذ بدون ذلك لا تحصل المعاشرة بالمعروف اھ ۔ ان روایات سے چند مسائل ثابت ہوئے۔

اول جو امر شرعاً واجب ہو اور ماں باپ اس سے منع کریں اس میں ان کی اطاعت جائز بھی نہیں واجب ہونیکا
تو کیا احتمال ہے اس قاعدہ میں یہ فروع بھی آ گئے مثلاً اس شخص کے پاس مالی وسعت اس قدر کم ہے کہ اگر ماں باپ
کی خدمت کرے تو بیوی بچوں کو تکلیف ہونے لگے تو اس شخص کو جائز نہیں کہ بیوی بچوں کو تکلیف دے اور ماں باپ

پر خرچ کرے اور مثلاً بیوی کا حق ہے کہ وہ شوہر کے ماں باپ سے جدا رہنے کا مطالبہ کرے پس اگر وہ اسکی خواہش کرے اور ماں باپ اسکو شامل رکھنا چاہیں تو شوہر کو جائز نہیں کہ اس حالت میں بیوی کو ان کے شامل رکھے بلکہ واجب ہوگا کہ اسکو جدا رکھے یا مثلاً حج وعمرہ کو یا طالب علم بقدر الفریضہ کو نہ جانے دیں تو اس میں بھی اُن کی اطاعت جائز نہ ہوگی۔ دوم جو امر شرعاً ناجائز ہو اور ماں باپ اُس کا حکم کریں اُس میں بھی اُن کی اطاعت جائز نہیں مثلاً وہ کسی ناجائز نوکری کا حکم کریں یا رسوم جہالت اختیار کرادیں وعلی ہذا۔ سوم جو امر شرعاً نہ واجب ہو اور نہ ممنوع ہو بلکہ مباح ہو بلکہ خواہ مستحب ہی ہو اور ماں باپ اُس کے کرنے یا نہ کرنے کو کہیں تو اس میں تفصیل ہے دیکھنا چاہئے کہ اس امر کی اس شخص کو ایسی ضرورت ہے کہ بدون اس کے تکلیف ہوگی مثلاً غریب آدمی ہے پاس پیسہ نہیں بستی میں کوئی صورت کمائی کی نہیں مگر ماں باپ نہیں جانے دیتے یا یہ کہ اس شخص کو ایسی ضرورت نہیں اگر اس درجہ کی ضرورت ہے تب تو اس میں ماں باپ کی اطاعت ضروری نہیں۔ اور اگر اس درجہ کی ضرورت نہیں تو پھر دیکھنا چاہئے کہ اس کام کرنے میں کوئی خطرہ واندیشہ ہلاک یا مرض کا ہے یا نہیں اور یہ بھی دیکھنا چاہئے کہ اس شخص کے اس کام میں مشغول ہو جانے سے بوجہ کوئی خادم وسامان نہ ہونے کے خود ان کے تکلیف اٹھانے کا احتمال قوی ہے یا نہیں پس اگر اس کام میں خطرہ ہے یا اس کے غائب ہو جانے سے اُن کو بوجہ بے سروسامانی تکلیف ہوگی تب اُن کی مخالفت جائز نہیں مثلاً غیر واجب لڑائی میں جاتا ہے یا سمندر کا سفر کرتا ہے یا پھر کوئی اُن کا خبر گیراں نہ رہیگا اور اس کے پاس اتنا مال نہیں جس سے انتظام خادم ونفقہ کافیہ کا کر جاوے اور وہ کام یا سفر بھی ضروری نہیں تو اس حالت میں اُن کی اطاعت واجب ہوگی۔ اور اگر ان دونوں باتوں میں سے کوئی بات نہیں یعنی نہ اس کام یا سفر میں اس کو کوئی خطرہ ہے اور نہ اُن کی مشقت وتکلیف ظاہری کا کوئی احتمال ہے تو بلا ضرورت بھی وہ کام یا سفر باوجود ان کی ممانعت کے جائز ہے گو مستحب یہی ہے کہ اس وقت بھی اطاعت کرے اور اسی کلیہ سے ان فروع کا حکم بھی معلوم ہو گیا مثلاً وہ کہیں کہ اپنی بیوی کو بلاوجہ معتدبہ طلاق دیدے تو اطاعت واجب نہیں وحدیث ابن عمر محمول علی الاستحباب او علی ان امر عمرؓ کان عن سبب صحیح اور مثلاً وہ کہیں کہ تمام کمائی اپنی ہم کو دیا کر تو اس میں بھی اطاعت واجب نہیں اور اگر وہ اس پر جبر کرینگے تو گنہگار ہوں گے وحدیث و مالک لابیک محمول علی الاحتیاج کیف وقد قال النبی صلی اللہ علیہ وسلم لایحل مال امرئ الا بطیب نفس منہ اور اگر وہ حاجت ضروریہ سے بلا اذن زائد لیں گے وہ انکے ذمہ دین ہوگا جس کا مطالبہ دنیا میں بھی ہو سکتا ہے اگر یہاں نہ دیں گے قیامت میں دینا پڑے گا۔ فقہاء کی تصریح اس کے لئے کافی ہے وہ احادیث کے معانی کو خوب سمجھتے ہیں خصوص جبکہ حدیث حاکم میں بھی اذا احتجتم کی قید مصرح ہے۔ واللہ اعلم۔

۲۷ر جمادی الاخری ۱۳۳۴ھ

التحقیق الفرید فی حکم آلہ تقریب الصوت البعید

بسم اللہ الرحمن الرحیم - حامداً ومصلیاً - استفتاء - عالم وشیار عالم اور ان کے خالق عزاسمہ کے علم ومعرفت کا آخری اور کامل ذریعہ خاتم الانبیاء حضرت رسول اکرم روحی فداہ صلی اللہ علیہ وسلم نے جن نفوس عالیہ کو انبیاء بنی اسرائیل کا ہمسنگ رتبہ عطا فرمایا ہے اور حضرت شیخ شہاب الدین سہروردی رحمۃ اللہ علیہ نے ان کے ایک خلیفہ عبادت میں فیلسوف ارسطو کی نسبت جن نفوس قدسیہ کو اولئک ھم الفلاسفۃ حقا کہا ہے انکی خدمات عالیہ میں بلحاظ تحقیق حق واطمینان اہل دین دیانت عرض ہے۔ اول - یہ کہ آپ اور کسی شخص سے یہ امر پوشیدہ نہیں ہے کہ نماز عیدین میں عموماً ہر جگہ اور خصوصاً بڑے بڑے شہروں میں مصلیوں کی تعداد اور ان کی جماعت کا سلسلہ اس قدر طول طویل ہوتا ہے کہ امام کی آواز تو کل مصلیوں تک پہنچتی ہی نہیں لیکن بسا اوقات مکبرین کے متعین ومقرر کرنیکے بعد انکی آواز سے بھی تمام مصلیوں کو صحیح طور پر اسکا علم نہیں ہوتا کہ امام نے نیت کب باندھی؟ رکوع وسجدہ کب کیا؟ اور امام کس وقت کیا پڑھ رہا اور کیا کر رہا ہے؟ اور وہ محض اپنے آگے کے مصلیوں کی حرکات کو دیکھکر یا اپنے خیال سے ایک اندازہ لگا کر ارکان نماز ادا کرتے ہیں۔ تاہم اسمیں بھی غلطی ہوتی ہے اور اکثر وبیشتر ایسا ہوتا ہے کہ امام ابھی قراءۃ کر رہا ہے اور پچھلے مصلی رکوع میں چلے گئے یا امام رکوع میں گیا ہے اور آخری مصلی سجدہ میں چلے گئے اور اسی طرح کی اور غلطیاں بھی ہوتی ہیں بالخصوص تکبیرات واجبہ عیدین میں تو تقریباً ہمیشہ اور ہر جگہ دھوکہ ہوا ہی کرتا ہے۔ اور یہ حال بھی وہاں کا ہے جہاں امام اور منتظمین مصلے (عیدگاہ) کو مسلمانوں کے اجتماع اور جماعت کی بڑائی کا پہلے سے اندازہ ہوتا ہے اور وہ اسکے لحاظ سے مکبرین کے تعین وتقرر کا پیشتر سے انتظام کر سکتے ہیں۔ اور جہاں آخر نماز تک مصلیوں کے آنیکا سلسلہ جاری رہتا ہے اور نیت باندھنے کے بعد سے آخر نماز تک بمقابلہ ابتداء کے ہزاروں مصلیوں کی تعداد بڑھ جاتی ہے اور امام اور منتظمین مصلے ان کے خیال سے مکبرونکے مزید تعین وتقرر کا انتظام پہلے سے کر نہیں سکتے۔ وہاں کا حال تو قابل ذکر ہی نہیں۔ وہاں کوئی نظام اور باقاعدگی ممکن ہی نہیں۔ اسی طرح ایسے مواقع مجامع میں اور بالخصوص عیدین کے موقع پر خطیب کا خطبہ بھی بجز تھوڑے سے لوگوں کے کسی کو سنائی نہیں دیتا اور وہاں اس وقت لوگ اپنا بیٹھنا بیکار سمجھکر وہاں سے اٹھ جاتے ہیں۔ اور خطبہ سننے کے فوائد اور خطبہ ہونے تک بیٹھے رہنے کے ثواب سے محروم رہتے ہیں بلکہ اس سے زیادہ یہ کہ ایک امر شرعی موکد اور ضروری کے ترک کرنیکے مرتکب ہوتے ہیں۔

دوم - یہ کہ علامہ شیخ محمد نجیب المطیعی رئیس مجلس علمی محکمہ شرعیہ اور مفتی دیار مصریہ کے قول کے مطابق۔ افلاطون کے مخترعات قدیم میں سے اور مشاہدہ و رواج عام کے مطابق مخترعات جدیدہ میں سے ایک شئی ایسی بھی موجود ہے جسکو آلہ مکبر الصوت کہتے ہیں اور جسکا نام انگریزی نام لاوڈ اسپیکر ہے۔ اور علم البرق اور علم الصوت کے اختلاط وترکیب سے صوت وبرق کے

فلسفہ کو پیش نظر رکھ کر اس لئے اختراع کیا گیا ہے کہ اسکے ذریعہ لاسلکی سے یا برقی تاروں سے وصول شدہ آواز کو دور نزدیک دونوں جگہ نہایت صاف اور واضح طریق سے بلا کسی تغیر و تبدل کے اصلی حالت میں سُنا جا سکے۔ اُسکی ظاہری صورت و شکل متوسط درجہ کے اُس ٹائم پیس (گھڑی) سے بہت کچھ ملتی جلتی ہے جس کے ڈائل پر سوئیں اور ہندسے نہ ہوں۔ اسکی نصب و استعمال کا طریقہ یہ ہے کہ اُسکو بولنے والے سے دو چار گز کے فاصلے پر بلا رعایت تقابل و تواجہ کے کسی ایسی جگہ رکھ دیا جاتا ہے کہ بولنے والے کے مُنہ سے الفاظ نکلتے وقت ہوا میں جو لہریں پیدا ہوں وہ اُس آلہ کی بیرونی سطح تک (جس کو ڈائل کہتے ہیں) پہنچکر اُس سے ٹکرا سکیں۔ پھر دور و نزدیک جہاں تک آواز کا پہنچانا مقصود ہوتا ہے اُسکے وسط یا آخر میں یا کسی دوسرے مناسب مقام پر قد آدم سے تقریباً سہ چند بلند چند بلیاں حسب ضرورت نصب کی جاتی ہیں پھر اُس آلہ کے پشت سے بجلی کے چند ایسے تار لگا دیئے جاتے ہیں جو مذکورہ بلیوں کے بالائی حصے سے بھی بندھے ہوئے ہوں پھر اُن تاروں کے اُس آخری حصہ میں جو بلیوں کے سرے سے بندھے ہوئے ہیں۔ گاؤ دم یا سینگ کے ساخت کے کہئے یا مخروطی شکل کے کہئے ہر جہار جانب آواز پہنچانا مقصود ہو تو نہایت چوڑے مُنہ سے ایسے چونگے لگا دیئے جاتے ہیں جنکو عربی میں انبوبہ اور انگریزی میں ہارن کہتے ہیں جس کے لفظی معنی بھی سینگ ہیں۔ اس کے بعد اگر اُس مقام پر بجلی کا کوئی ایسا کارخانہ ہوتا ہے جس سے بجلی کے پنکھے چلتے اور روشنی وغیرہ ہوتی ہے تو اُس آلہ کو وہاں کے کارخانہ کے بجلی کے رَو یعنی کرنٹ سے ورنہ بجلی کی ایسی مشین سے جو اپنے اندر اُسی وقت بجلی پیدا کرنیکی قوت رکھتی ہو۔ وابستہ کر کے بجلی کو جاری کر دیا جاتا ہے۔ اب یہ سب ہو چکنے کے بعد جب بولنے والا کچھ بولتا ہے اور اُسکی زبان کی حرکت سے ہوا میں تموج پیدا ہوتا ہے تو وہ اُس آلہ کے بیرونی حصے یعنی ڈائل سے ٹکراتا ہے۔ اور چونکہ وہ ڈائل نہایت درجہ سبک اور نازک ہوتا ہے اسلئے وہ اسے بہت زیادہ محسوس کرتا اور اُس سے بہت زیادہ متاثر ہوتا ہے۔ اور اسی تاثر کی زیادتی و کمی پر اُس میں قوت بلندی اور بڑائی پیدا ہوتی ہے مگر چونکہ واضع نے اُس کے زیادتی و کمی کو بھی قانون فلسفہ کے ماتحت اختیاری بنا کر اُس کے مدارج قائم کر دیئے ہیں۔ اس لئے اس وقت آواز کو جس قدر بلند و بڑا کرنا منظور ہوتا ہے اُسکے لحاظ سے اُسکا ایک درجہ قائم کر دیا جاتا ہے بالآخر یہ ٹکراہٹ مع فرط تاثر جس کا نام قرع قوی ہے جب برقی قوت کے ذریعہ اُس ہوا تک منتقل ہوتی ہے جو مذکورہ مخروطی شکل کے چونگوں سے خارج فضا میں پھیلی ہوئی ہے اور وہ انسانی قوت سماعت تک پہنچتی ہے تو وہ زیادہ بلند اور زیادہ بڑی ہو کر سُنی جاتی ہے۔ اور یہ تمام باتیں کتب فلسفہ میں اپنی اپنی جگہ قدیم سے ثابت ہیں اور تفسیر کبیر و شرح مواقف میں بھی صوت و سماعت کی بحث کے ماتحت ان میں سے حسب ذیل امور پر روشنی پڑ سکتی ہے۔ (۱) قارع و مقروع کے درمیان کی رکی ہوئی ہوا کی لہروں سے پیدا شدہ کیفیت کا نام آواز ہے

(۲) قارع کے قرع میں جس قدر زیادہ قوت ہوگی اُسی قدر زیادہ قوی اُس سے تموّج پیدا ہوگا اور اُس تموّج سے اُسی قدر زیادہ قوی وہ کیفیت بھی پیدا ہوگی جس کی حامل ہوا اور جس کا نام آواز ہے (۳) اس تموّج میں جس قدر زیادہ قوت ہوگی اُسی قدر اُس کی موجیں زیادہ ضخیم وعریض ہوں گی۔ (۴) ان موجوں میں جس قدر زیادہ ضخامت وعرض ہوگا اُسی قدر وہ زیادہ دُور تک پھیلیں گی۔ (۵) جہاں تک وہ پھیلیں گی چونکہ اُن کے ساتھ وہ کیفیت جسکا نام آواز ہے وہ بھی ہوگی اسلئے وہاں تک وہ بھی جائیگی۔ اور کتب فلسفہ کی اس تصریح سے یہ عیاں ہے کہ آلۂ زیر بحث یعنی مکبر الصوت کے ذریعہ بولنے والے کی آواز کا بلند ہونا اور دُور تک سُنا جانا ایک فلسفی وقدرتی امر ہے جس میں بولنے والے کو کوئی تکلف وتسولیت نہیں ہوتی اور اس کی طرف کسی قسم کی توجہ وتقابل کی بھی ضرورت نہیں پڑتی۔ اور آلۂ زیر بحث نہ آلۂ سرود وغنا ہے اور نہ آلۂ لہو ولعب الّا یہ کہ کوئی شخص اس کو اس کام میں استعمال کرے۔ مگر اس سے اس کا آلۂ غنا وسرود اور آلۂ لہو ولعب ہونا لازم نہیں آتا۔ **سوم** یہ کہ اس موقع ومحل پر حسب ذیل چھ شرعی اصلیں بھی جاذب توجہ ہیں۔ **اصل اوّل**۔ آیہ کریمہ ھو الذی خلق لکم ما فی الارض جمیعا جس سے فقہاء اسلام نے اصل اشیاء کی اباحت پر استدلال کیا ہے۔ **اصل دوم** ما اصل کل شئی اباحۃ الا ان یرد علیہ المنع جو اصول فقہ کا ایک مشہور کلیہ ہے ان دونوں اصلوں سے یہ مفہوم ہو سکتا ہے کہ آلۂ مکبر الصوت اصلاً مباح ہے کیونکہ اُس کے حق میں نہ ایسا کوئی منع وارد ہے اور نہ ضمناً وہ کسی امر ممنوع کے تحت میں شمار کیا جاسکتا ہے۔ **اصل سوم** اذان دینا پھر اذان کا مینارہ پر چڑھ کر دینا امام کے پیچھے مکبرین کا باواز بلند تکبیرات کہنا پھر مکبرین کا بعض مواقع میں مکبرہ پر چڑھ کر تکبیرات کہنا۔ میدان عرفات میں یوم النحر کو امیر الحج کو منٰی پر چڑھ کر خطبہ دینا جمعہ وعیدین کے خطبہ کے وقت خطیب کا منبر پر چڑھ کر خطبہ دینا پھر قبلہ کی طرف سے رُخ پھیر کر قوم کی طرف منہ کر کے خطبہ وغیرہ دینا جیسے احکام شریعت میں موجود ہیں اور ان سب کا مقصد سوائے اسکے کچھ نہیں ہے کہ اس وقت مصلیوں کو جو کچھ سُنانا مطلوب ہے اُس کو وہ سُن سکیں اور آواز میں اتنی رفعت پیدا ہو جائے کہ بلا تکلف وہ اُن تک پہنچے۔ اس سے یہ مستفاد ہو سکتا ہے کہ جہاں اللہ کے ذکر کی طرف دوسروں کو متوجہ کرنا مقصود ہو وہاں اللہ کے ذکر کو بلند آواز سے کرنا چاہئے۔ اور اس بلندی آواز میں سوائے اُن صورتوں کے جن کی ممانعت کی شریعت میں تصریح موجود ہے ہر وہ صورت اختیار کی جا سکتی ہے جس کی اصل کسی طرح بھی شریعت میں پائی جاتی ہو یا اس کی طرف سے سکوت کلی ہو۔ **اصل چہارم** تفسیر کبیر جلد چہارم صفحہ ۲۷۲ میں واذا قری القران فاستمعوا لہ وانصتوا کے تحت عبارت ذیل مرقوم ہے۔ اعلم ان قاریا یقرأ القران بصوت عال حتی یمکنھم استماع القران ومعلوم ان ذلک القاری لیس الا الرسول علیہ الصلوٰۃ والسلام وکانت ہذہ الایۃ جاریۃ مجری امرہ لمحمد صلی اللہ علیہ وسلم بان یقرأ القران علی القوم بصوت عال رفیع وانما امرہ بذلک لیحصل المقصود من تبلیغ

الوحی والرسالۃ ۔اھ مخرج یہ ہوسکتا ہے کہ قرأۃ قرآن کی ایک غرض یہ بھی ہے کہ دوسرے اسے سنیں اور جہاں یہ غرض ہو وہاں اُس کو بلند آواز سے ہی پڑھنا چاہیے تاکہ سامعین اُس کو تمام کریں اور اُس کے سنانے کی اصل غرض حاصل ہو۔ **اصل پنجم** ۔فتاوی عالمگیری جلد اول صفحہ مطبوعہ مصر میں عبارت ذیل مسطور ہے لان الامام انما یجہر اسماعا للقوم لیدبروا فی قراءتہ لیحصل احضار القلب ۔اس سے یہ سمجھا جاسکتا ہے کہ امام کو مقتدیوں کی ضرورت کے مطابق اپنے قرارت میں جہر کرنا چاہیے تاکہ قوم اُس کے قرأۃ پر تدبر و تفکر کرسکے اور قوم کو حضور قلب حاصل ہو۔ **اصل ششم** آیہ کریمہ ولا تجہر بصلوتک ولا تخافت بہا وابتغ بین ذالک سبیلا ۔سے قرأۃ میں حسن اعتدال و توسط کا حکم دیا گیا ہے اور مفسرین نے اُس کی جو علت بتائی ہے یعنی نماز میں خشیت و تذلل ہونا چاہیے اور اس کا اقتضا یہ ہے کہ قرارت میں کوئی تصنع و تکلف نہ پیدا ہو۔ جو جرأت و عدم خشیت کی جانب منجر ہے آپ کے امتثال کے باوجود اس سے یہ خیال کیا جاسکتا ہے کہ اگر اصل نمبر ۵ اصل نمبر ۶ اور اصل نمبر ۵ کے ماتحت مصلیوں تک قرأت کی آواز پہنچانا اس طرح سے ممکن ہو کہ امام کو اپنے قرأت میں کوئی تکلف و تصنع نہ کرنا پڑے اور اُس کو کسی جانب مشغولیت بھی نہ ہو تو وہ جائز ہوگا جیسا کہ نماز میں پنکھا جھلوانا ناجائز و مکروہ ہے مگر برقی پنکھوں کا چلانا جائز سمجھا گیا ہے کیونکہ اُس میں مصلیوں کو کوئی تکلف و مشغولیت نہیں ہوتی۔ بناءً علیہ اگر نماز عیدین میں مذکورہ غلطیوں سے بچنے اور امام کی قرأۃ پورے طور پر سُننے اور اُس کے اعمال کی پوری پوری پیروی و اقتدا ہونے کے خیال سے موسوف العصر آلہ مکبر الصوت کو جو کسی نہج آلہ غنا و سرود اور آلہ لہو و لعب نہیں ہے نصب کیا جائے اور اُس سے اُس وقت فلسفی و قدرتی یہ فائدہ اُٹھایا جائے کہ امام کی آواز بلند ہو جائے اور اُس کو ہر مصلی چاہے وہ کتنے ہی دور کیوں نہ ہو اپنی جگہ پر بلا ادنی تغیر کے سن سکے۔ تو تحقیق طلب امر یہ ہے کہ شریعت غرّاء مصطفوی کا اُس کے متعلق کیا حکم ہے۔ بینوا۔ توجروا۔ ۱۵؍ ذیقعدہ ۱۳۵۷ھ مطابق ۶؍ مئی ۱۹۳۸ء

مکرمی محترمی زاد مجدکم بعد سلام مسنون۔ یہ استفتا ارسال خدمت شریف ہے جہاں تک ممکن ہو اسکے جواب سے جلد از جلد مشرف فرمائیے عید الاضحی سے دو تین روز پہلے یہاں اسکی سخت ضرورت محسوس کی جارہی ہے جواب کے لئے ٹکٹ بھی مرسل ہے۔

الجواب ۔من اشرف علی السلام علیکم ۔رمضان گذشتہ میں ایک ایسا ہی سوال آیا تھا گو مجمل تھا اُس کا جو جواب لکھا گیا اُس کا نقل کر دینا کافی سمجھتا ہوں جو درج ذیل ہے۔

نقل الجواب ۔ یہاں وہ جواب منقول ہے جو ۱۶؍ رمضان ۱۳۵۶ھ کو لکھا گیا تھا جو امداد الفتاوی میں تاریخ مذکور میں تلاش کرنے سے مل جاویگا پھر عبارت ذیل بطور تتمہ کے لکھی گئی۔

الزیادۃ علی الجواب المذکور حسب اقتضاء خصوصیۃ السوال الحاضرۃ (وھی ھذہ)

باقی سوال میں جن احکام کی مطلوبیت سے اس کی تقویت و تائید کی گئی ہے وہ مفید مدعا نہیں کیونکہ یہ احکام گو مطلوب ہیں مگر شریعت نے ان کی مطلوبیت کے درجات اور حدود مقرر کئے ہیں جو کتب مذہب میں مضبوط و مبسوط ہیں ان سے تجاوز کرنا تعمق و غلو فی الدین ہے جو شارع کی نظر میں غیر مرضی ہے چنانچہ حدیث میں اس کی ایک نظیر وارد ہے۔ فی جمع الفوائد قضاء الحاجۃ ابو وائل کان ابوموسی یشدد فی البول و یبول فی قارورۃ و یقول ان بنی اسرائیل اذا اصاب جلد احدھم بول قرضہ بالمقاریض فقال حذیفۃ لوددت ان صاحبکم لا یشدد ھذا التشدید فلقد رأیتنی انا و رسول اللّٰہ صلی اللّٰہ علیہ وسلم نتماشی فاتی سباطۃ قوم خلف حائط الی قولہ فبال الحدیث۔ دیکھئے تنزہ عن البول شریعت میں اس درجہ مطلوب ہے کہ اس میں کوتاہی کرنے پر وعید شدید بھی وارد ہے اور ایسا مبالغہ فی التنزہ آسانی سے ممکن بھی ہے کیونکہ شیشی قارورہ کی ہر شخص کو میسر ہو سکتی ہے مگر پھر بھی نہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کا اہتمام فرمایا نہ حضرات صحابہ نے اور اگر حضرت ابوموسیٰؓ نے غلبۂ حال سے اس کا اہتمام کیا بھی تو حضرت حذیفہ نے ان پر نکیر فرمایا اور حضرت ابوموسیٰؓ نے نہ اس نکیر پر کچھ کلام فرمایا نہ دوسروں کو ایسا کرنے کی رائے دی اور فرع مذکورہ فی السوال کی تکمیل انتظام میں تساہل پر یا خفض صوت فی التکبیر یا فی القرأۃ پر نہ وعید ہے اور نہ اس تکمیل مخترع کا انتظام سہل ہے تو اس میں ایسا مبالغہ کرنا اور اس کی اشاعت کا اہتمام کرنا یسر فی الدین کے سراسر خلاف ہے۔ و فی ھذا کفایۃ لمن طلب الحق۔ ۲۰ ذیقعدہ ۱۳۵۶ھ۔

جواب بالا پر ذیل کا خط آیا۔ جو مع جواب منقول ہے

سوال۔ بسم اللّٰہ الرحمٰن الرحیم حامداً و مصلیاً۔ مکرمی و محترمی دام فضلکم۔ وعلیکم السلام ورحمۃ اللّٰہ وبرکاتہ۔ بجواب استفتاء مرسلہ ۱۸ ذوالقعدۃ الحرام ۱۳۵۶ھ جناب کا گرامی قدر فتویٰ مورخہ ۲ ذوالقعدہ سنہ مذکور ۲۳ ذوالقعدہ کو موصول ہوا۔ جناب عالی نے اپنے زریں فتوے میں جو کچھ تحریر فرمایا ہے وہ سر آنکھوں پر لیکن جناب والا کے تبحر علمی و وسعت نظری کو اس تحریر کے ماتحت گیارہ امور کے متعلق جو پانچ دفعات کے ماتحت ضبط تحریر میں لائے گئے ہیں عرض کرنا مطلوب ہے لہٰذا معروض ہیں۔ **دفعہ اول** جناب اقدس نے اپنے فتوے میں یہ عبارت جو تحریر فرمائی ہے تبلیغ صوت سامعین بعید تک شرعاً غیر ضروری ہے کیونکہ بعیدین کو دوسرے غیر مخدوش ذریعہ سے تبلیغ ممکن ہے اور اس میں یہ مفسدہ محتمل کہ لوگ اس سے گنجائش سمجھ جاویں اس آلہ کو لہو میں استعمال کرنے کی یا دوسرے آلات لہو کے استعمال کرنے کی الخ۔ اس کے ماتحت یہ امور سمجھ میں نہیں آئے ضرورت ہے کہ ان کی بھی تشریح فرمادی جائے۔ **(امر اول)** دوسرے غیر مخدوش ذرائع تبلیغ کونسے ہیں۔ **(امر دوم)** جس عبارت پر خط کھینچا ہوا ہے اس کا مطلب کیا ہے (یعنی اس آلہ کو لہو میں استعمال کرنے کی یا دوسرے آلات لہو کے استعمال کرنے کی الخ)۔

(امر سوم) خط کشیدہ عبارت میں اگر لفظ "آلہ" اور لہو کے درمیان لفظ "کو" غلط ہے اور لفظ "لہو" کے بعد لفظ "کو" ہونا چاہئے تھا اور اصل عبارت یوں ہے "اس آلہ لہو کو استعمال کرنیکی الخ" تو اس آلہ کے آلات ملاہی میں سے ہونے کی دلیل کیا ہے؟۔
دفعہ دوم۔ جناب امجد نے اپنے فتوے میں یہ عبارت جو قلمبند فرمائی ہے "اگر اس سے مراد خطیب جمعہ و عیدین کا ہے تو اُس وقت تبلیغ صوت کا غیر ضروری ہونا اظہر ہے اس لئے کہ خطبہ میں حضور مقصود ہے نہ کہ سماع صوت اور مفسدہ اقوی ہے کیونکہ اس آلہ کو مسجد میں داخل کرنا ہوگا جو کہ اُس کے احترام کے خلاف ہے نیز تشبہ ہے مجالس غیر مشروعہ کیساتھ الخ" اسکے ماتحت یہ خدشات پیدا ہیں ضرورت ہے کہ جناب اعظم اُن کو رفع فرمادیں (امر چہارم) اگر درحقیقت شریعت کا مقصود خطبہ میں حضور محض ہے تو جمعہ وعیدین کے خطبوں میں خطیب کے صعود علی المنبر و ادبار عن القبلہ و اقبال الی القوم اور میدان عرفات میں یوم النحر کے خطبہ کے وقت خطیب کے رکوب علی الناقہ و تطلیعہا علی جبل الرحمۃ کا حکم کیوں ہے؟ کیونکہ ان تینوں امروں کے نہ ہونے کی حالت میں بھی خطیب کا خطبہ اور قوم کا حضور ممکن تھا اور کیا اس سے یہ ظاہر ہونے میں کچھ شبہ ہے؟ کہ اُس وقت کے موجودہ اسباب کے ماتحت شریعت نے اپنی رخصت میں خطیب کی آواز کو قوم تک پہنچانیکی ہر ممکن طریق سے تعلیم دی ہے اور حضور محض کو مقصد بنالینا اسلئے ہوا کہ اُسوقت اِسوقت کی طرح کوئی ذریعہ سماعت کل قوم کیلئے پیش نظر نہ تھا۔
(امر پنجم) جبتک آلہ زیر بحث کا آلات ملاہی میں سے ہونا ثابت نہ ہو جائے۔ مسجد میں اُسکے داخل کرنے سے کیا نقصان ہوگا؟ اور اُس میں مفسدہ کیا ہے۔ (امر ششم) مجالس غیر مشروعہ سے وہ کونسی مجالس مراد ہیں؟ جن میں وہ آلہ نصب کیا جایا کرتا ہے اور اُن سے تشبہ نہ ہونا ضروری ہے۔ دفعہ سوم۔ جناب محترم نے اپنے فتوے میں یہ عبارت جو زیب قلم فرمائی ہے "کیونکہ یہ احکام گو مطلوب ہیں مگر شریعت نے اُنکے مطلوبیت کے درجات اور حدود مقرر کئے ہیں جو کتب مذہب میں مضبوط و مبسوط ہیں اُن سے تجاوز کرنا تعمق و غلو فی الدین ہے جو شارع کی نظر میں غیر مرضی ہے" اسکے ماتحت بمعرضہ ذیل وجوہ سے خلجان لاحق ہے ضرورت ہے کہ جناب مکرم اُسکو رفع فرمادیں (امر ہفتم) اس مقصد خاص کیلئے شریعت کے متعینہ و مقررہ درجات و حدود میں سے کیا کوئی درجہ و حد آیہ کریمہ ولا تجہر بصلاتک ولا تخافت بہا وابتغ بین ذلک سے زیادہ صریح بھی موجود ہے؟ اور اگر نہیں! اور یقیناً نہیں!! تو یہ امر بہت زیادہ قابل لحاظ ہے کہ مفسرین نے اُس کی علت کے بیان میں جو یہ تصریح فرمادی ہے کہ عدم اعتدال جہر و اخفا کی صورت میں خشیت و تذلل کے رفع کا احتمال ہے جو روح صلوۃ ہے کیا یہ تصریح اس امر صریح کا اظہار نہیں ہے؟ کہ جس جہر فی الصلوۃ میں یہ علت نہ پائی جاتی ہو وہ حدود معینہ شریعت سے باہر نہ ہوگا۔ اور وہ جائز ہوگا۔ اور یہ امر واقع ہے کہ اس آلہ کے ذریعہ جو جہر ہوتا ہے اُس میں علت ممنوعہ نہیں پائی جاتی۔ کیونکہ امام کا جہر بحالہ معتدل ہے اور اُس کا وصول ماموین تک امام سے بالکل بہم مستقل

ب اور امام کے عمل کو اُس میں کوئی دخل نہیں۔ (امر ہشتم) شریعت نے جو حدود و درجات مقرر کئے ہیں کیا وہ توقیفی و مبنی بر حصر عقلی ہیں؟ اگر نہیں، اور یقیناً نہیں، تو جس طرح جمعہ کی اذان ثانیہ اور مکبرین کا مکبرہ پر سے تکبیرات کہنا نظم و ترتیب جماعت کے بقاء و تحفظ کی نیت سے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد جاری ہوا اور جائز سمجھا گیا اسی طرح اس آلہ کا استعمال صیانت عن خطاء المصلین فی اقتداء للامام او حصول المقصود من خطبۃ الخطیب کی نیت و غرض سے کیوں جاری ہو سکے؟ اور کیوں نہ جائز سمجھا جائے؟ **دفعہ چہارم** حضرت ابو موسیٰ اشعری اور حضرت حذیفہ رضی اللہ عنہما کے واقعہ کی جو نظیر جناب معظم نے اپنے فتوے میں پیش فرمائی ہے اس پر یہ اعتراضات دماغ میں پیدا ہوتے ہیں ضرورت ہے کہ جناب معظم ان کا سد باب فرماویں۔ (امر نہم) حضرت ابو موسیٰ اشعریؓ کا فعل ایک جلیل المرتبہ صحابی کا فعل تھا جس سے یہ ہو سکتا تھا کہ آئندہ کیلئے وہ ایک اساس بنجائے اور مسلمان اُسکو ضروری قرار دے لیں اور دین میں بجائے یسر کے عسر پیدا ہو جائے۔ اور اسی خیال سے حضرت حذیفہؓ نے اُس پر بقول آپکے نکیر فرمائی مگر یہاں وہ صورت نہیں ہے یہاں اگر کوئی شخص جہر صوت کیلئے آلہ مکبر الصوت کا استعمال کریگا۔ اور وہ شخص بھی کیسا ہوگا؟ عامی ہوگا؛ تو اس کا یہ فعل نہ تو کسی وقت اساس قرار پا سکتا ہے اور نہ اُسکو مسلمان کبھی ضروری قرار دے سکتے ہیں۔ اور اس وجہ سے اُس سے دین میں یُسر و عسر کا کوئی سوال ہی نہیں پیدا ہوتا۔ اور اس موقع پر جو قیاس کیا گیا ہے وہ قیاس مع الفارق ہے۔

(امر دہم) حضرت ابو موسیٰ اشعریؓ کے فعل پر حضرت حذیفہؓ نے لوددت ان صاحبکم لا یشد ھذا التشدد سے محض اپنی ذاتی رائے بیان فرمائی ہے نہ یہ کہ ان کو اُن کا فعل ایک امر ممنوع قرار دیکر منع فرمایا ہو۔ مگر جناب معتدیں یہاں میرے سوال کو ایک امر ممنوع دینی قرار دیکر مجھے منع فرما رہے ہیں۔ (**دفعہ پنجم**) جناب معلی نے بجواب استفتاء اپنے فتوے میں مجموعی حیثیت سے جو کچھ بھی تحریر فرمایا ہے اُس کے متعلق یہ خیال پریشان کئے ہوئے ہے۔ ضرورت ہے کہ جناب عالی اپنے ارشادات کے ذریعہ اُس سے بھی مطمئن فرمائیں۔ (امر یازدہم) جناب گرامی کا تمام فتوی محض قیاس و اجتہاد پر مبنی ہے اور اُس میں کوئی بات بھی اوامر و نواہی صریحیہ و مستقیمہ میں سے نہیں ہے۔ اور جب سامی خود اُسکو جائز رکھتے ہیں تو کیا یہی قیاس و اجتہاد کسی دوسرے کیلئے بھی اس کی عقل و فہم بر عایت دین و دیانت کے مطابق جائز ہے یا نہیں؟ اور اگر اس کا جواب اثبات میں ہے تو اس موقع پر استفتاء میں جن امور و قیاسات سے بقول آپکے تقویت دی گئی اور تائید کی گئی ہے وہ مفید مدعا کیوں نہیں ہیں؟ اور ان میں کونسی قباحت ہے؟ اُمید کہ جناب مستغنی عن الالقاب بغیر کسی گرانی و انقباض طبع کے اپنے اخلاق عالیہ سے میرے ان معروضات و خدشات کا جواب باصواب مگر مبرہن اور جدا جدا ضرور اور جلد مرحمت فرمائیں گے تاکہ طبیعت مطمئن ہو اور مسئلہ زیر بحث کے متعلق مزید بصیرت و علم حاصل ہو۔

میرے دل میں آپکے اوصاف و علو مرتبت کا ایک عرصہ سے سکہ جما ہوا ہے اور مجھے اس کا یقین ہے کہ اگر میرے معروضات کا کوئی لفظ بھی صحیح محل آئیگا تو جناب فضیلت مآب نہایت فراخی قلب سے اسکا حق ہونا بھی تسلیم فرمالیں گے شریعت مصطفویہ نے ہر چیز کے متعلق صاف و کھلے ہوئے احکام بتائے ہیں حرام یا حلال جائز یا ناجائز اور میرے نزدیک کسی چیز کو بین بین حالت میں نہیں چھوڑا لہذا میں چاہتا ہوں کہ اس آلہ کے متعلق صاف صاف حکم معلوم ہو جائے۔ حرام ہو تو وہ ظاہر ہو جائے اور حلال ہو تو وہ معلوم ہو جائے اور یہی امر مقتضائے زمانہ ہے کیونکہ ایک دن ایسا آنیوالا ہے کہ یہ آلہ یا اسی قسم کے دوسرے آلات وغیرہ وہ عام طور پر استعمال کئے جائیں گے اور اگر علماء کے فتاوی اسی طرح مذبذب اور بین بین حالت میں رہے تو لوگ ان کی پرواکئے بغیر ان کو استعمال کرینگے اور یہی مواقع ہیں جن میں علماء کا احترام و وقار کم ہورہا ہے۔ ایسی صورت میں جو شرعی صورت ہو اس کو نہایت صاف صاف صورت میں مع دلائل والبراہین ظاہر کردینا ناگزیر ہے۔ وما علینا الا البلاغ وما ارید الا الاصلاح وما توفیقی الا باللہ فقط۔ ۲۷ ذو القعدہ ۱۳۴۳ھ ۱۸ مئی ۱۹۲۵ء

مزید آنکہ۔ مجھے اپنے مطبوعہ استفتاء کی ضرورت بالکل نہیں ہے اس کا خیال آپ نہ فرمائیے اور میرے پاس اس عریضہ کی نقل بھی موجود ہے اس لئے اس کو بھی رکھ لیجئے گا اور جواب میں میری عبارات کی نقل کی بھی ضرورت نہیں حوالہ کافی ہے۔ میں نقل سے اس کا پتہ چلالوں گا۔ فقط۔

جواب۔ مخدومی۔ السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ۔ گرامی نامہ نے مشرف فرمایا گو بوجہ اس کے کہ سب اجزاء کا جواب میرے عریضۂ سابقہ میں موجود ہے۔ احتیاج جواب نہیں سمجھتا مگر امتثالاً للامر توضیح کے طور پر کچھ مختصراً عرض کرتا ہوں۔

تمہید۔ میرے جواب سابق کے شروع میں تصریح ہے کہ یہ جواب مستقلاً ایک دوسرے سوال کا ہے تو ممکن ہے کہ اس جواب کے بعض اجزاء اس سوال کی خصوصیت کی بناء پر لکھے گئے ہوں مگر سوال جدید کے جواب میں اسکو نقل کرنا اس بناء پر تھا کہ جو اجزاء دونوں سوالوں میں مشترک ہیں ان کا جواب تو اس منقول سے ہو جاویگا اور جو اجزاء سوال جدید کیساتھ مختص ہیں ان کا جواب زیادۃ جدیدہ سے ہو جاویگا۔ اس تمہید کے بعد اجزاء مسئول عنہا کے متعلق عرض کرتا ہوں

امر اول۔ اس عبارت میں تبلیغ خطبہ و عیدین کی مراد نہیں بلکہ تبلیغ وعظ و لیکچر کی مراد ہے چنانچہ آئندہ کی قریب ہی عبارت میں اس کی تصریح ہے یعنی قولی یہ تو اس وقت ہے جب خطیب سے مراد مطلق واعظ و لیکچرار ہو تو اس صورت میں وہ ذرائع دوسرے واعظین ہیں کہ بعیدین کو وہ سنا سکتے ہیں **امر دوم**۔ مطلب یہ ہے کہ اسکے استعمال سے عوام یہ سمجھ سکتے ہیں کہ اس آلہ کا استعمال مطلقاً جائز ہے تو لہو ہی میں ہو یا یہ سمجھ سکتے ہیں کہ اس آلہ

میں اور دوسرے آلات لہو میں مثلاً گراموفون میں کیا فرق ہے جب اس کا استعمال جائز ہے بقیہ کا بھی جائز ہے۔
امر سوم۔ لفظ "کو" اپنے مقام میں ہے غلط نہیں لکھا گیا۔ امر چہارم۔ میری عبارت میں تبلیغ صوت سے مراد مطلق تبلیغ نہیں بلکہ تبلیغ الی الکل ہے یعنی اگر مجموعہ حاضرین نہ سُنیں تو بعض کا سماع اور بقیہ کا حضور کافی ہے اسی لئے میری عبارت میں لفظ حضور کیساتھ لفظ محض نہیں ہے اور مطلق سماع کی مقصودیت کی نفی مقصود نہیں پس سماع بھی ضرور مقصود ہوا اس لئے شریعت نے اس کا اہتمام بھی فرمایا مگر اسی حد تک جو تیسر کے ساتھ ہو۔ اس کی دلیل قواعد کلیہ شرعیہ اور ایسے واقعات کے متعلق احکام جزئیہ ہیں جو اس واقعہ کی نظیر ہیں جس کی طرف میں نے حضرت ابو موسیٰ کی حدیث میں اشارہ کیا ہے۔ امر پنجم۔ اس کا جواب جواب سابق کی اس عبارت میں مذکور ہے اس آلہ کو لہو میں استعمال کرنے کی الخ اور افضاء الی المفسدہ حسب تصریح فقہا مفسدہ میں داخل ہے۔ امر ششم مثلاً مجلس رقص و سرود کہ اس میں تبلیغ صوت الی البعید کے لئے اس کا استعمال کیا جاوے اگر اس کا وقوع بھی نہ ہوا ہو تب بھی قرب وقوع عادۃً یقینی ہے۔ امر ہفتم۔ ایک علت کے ارتفاع سے دوسرے علل موثرہ کا ارتفاع لازم نہیں اور وہ علل موثرہ احقر کے فتوے میں مذکور ہیں اور جو ان کے موثر ہونے میں خدشات ہیں ان کو اس وقت رفع کر رہا ہوں۔ امر ہشتم۔ وہ حدود و کماً تو توقیفی نہیں مثلاً سماع کی کوئی مقدار معین ہوتی ہے لیکن کیفاً توقیفی ہیں یعنی یہ کہ تعمق و تکلف کی حد تک نہ پہنچے اور اذان ثانی وغیرہ تعمق کی حد تک نہیں پہنچی اور یہ آلہ تعمق کی حد تک پہنچا ہے اور مدار اس انطباق کا سلف کے ذوق و اجتہاد پر ہے پس ان کا اذان ثانی کو تجویز کرنا اور اس آلہ کے نظائر کو باوجود میسر ان نظائر کے تجویز نہ کرنا اس فرق کی دلیل ہے ان ہی نظائر میں سے حضرت ابو موسیٰؓ کا ایک واقعہ ہے۔ امر نہم۔ اگر یہ بات ہوتی تو فقہاء یہ قاعدہ مطلقاً خواص کیلئے مقرر نہ فرماتے کہ خواص کا فعل اگر عوام کیلئے موہم ہو جاوے تو خواص کیلئے بھی اس کی اجازت نہیں۔ نیز عوام کی حالت کا اب بھی مشاہدہ ہو رہا ہے کہ وہ اہل علم کے فعل کو متمسک قرار دیکر حدود سے نکل جاتے ہیں۔ امر دہم۔ رائے محض نہیں بلکہ رائے ماخوذ عن فعل الشارع ہونیکے سبب حکم شرعی ہے اور صحابی کا ایسا قول حنفیہ کے نزدیک حجت اور مجتہد تک کیلئے واجب التقلید ہے جس کے ہوتے ہوئے اس کو اپنے اجتہاد کا عمل جائز نہیں۔ کما صرح بہ فی اصول الفقہ۔ باقی عنوان لوددت الخ کا اختیار کرنا یہ ادب فی التعبیر ہے منافی فتویٰ ہونیکا نہیں جیسے خود ہمارے مجتہدین مذہب مکروہ کو لا احب اور حرام کو اکرہ سے تعبیر فرماتے ہیں۔ غرض بقاعدہ القیاس مظہر لا مثبت یہ فتویٰ نبوی ہے مگر بواسطہ اجتہاد صحابی کے اب تبرعاً ایک فتویٰ نبوی بلا واسطہ بھی نقل کرتا ہوں (ابن عمر) قلت یا رسول اللہ الحرضا من جرجلین محمرا احب الیک ام

من المطاهر قال لا بل من المطاهر ان دین الله یسر الحنیفیة السمحاء وقال کان النبی صلی اللہ علیہ وسلم یبحث الی المطاهر فیوتی بالماء فیشربہ یرجو برکتاید کا المسلمین للاوسط کذا فی جمع الفوائد احکام المیاہ اور اسکے نظیر ہونیکی ویسی ہی تقریر ہے جیسی نظیر سابق میں لکھی گئی۔ امر یازدہم۔ مفید مدعا ہونیکی دلیل خود متن میں مذکور ہے باقی مقدمات دلیل میں کلام یہ آپکا اجتہاد ہے جس میں مجھکو توافق نہیں اور یہی فرمایا آپکو بھی حق ہے آگے اپنے اپنے عمل کے سب ذمہ دار ہیں جواب ختم ہوا۔ اسکے بعد آپنے جو کلمات محبت سے ارشاد فرمائے ہیں اُس کا صلہ بجز اس دعا کے کیا کرسکتا ہوں احبکم اللہ کما تحبونی اسکے بعد آپنے دینی خیرخواہی سے جو مشورہ دیا ہے گو مجھکو اُس کے اجزا میں کلام ہے مگر آپکی صدق نیت پر نظر کرکے اتنا ہی عرض کرنا کافی سمجھتا ہوں کہ آپ اپنا حق ادا فرما چکے جزاکم اللہ تعالیٰ آگے اپنے اور آپ کیلئے یہ دعا ہے اور اسی دعا کی آپ سے بھی استدعا ہے اللہم ارنا الحق حقا وارزقنا اتباعہ وارنا الباطل باطلا وارزقنا اجتنابہ۔ سب سے اخیر میں کاغذات رکھنے کی اجازت فرمانے پر خاص شکریہ عرض کرتا ہوں کہ مجھکو صعوبت نقل سے بچا لیا فاللہ تعالیٰ سہل صعبکم کما سہل صعبی والسلام خیر ختام

نیازمندانہ گذارش۔ چونکہ مسئلہ ہذا کے متعلق میرے معلومات ختم ہوچکے آئندہ کے لئے مزید کلام سے معافی کی اور معافی کے ساتھ دعا کی درخواست کرتا ہوں فقط یکم ذی الحجہ ۱۳۴۶ھ

اسکے بعد سوال بالا کا ایک جواب مدرسہ دارالعلوم دیوبند سے بغرض دریافت رائے آیا مع رائے ذیل میں منقول ہے۔ **الجواب**۔ حواشی درمختار للعلامہ ابن عابدین الدمشقی الشامی رحمہ اللہ تعالیٰ جلد اول مبحث سنن صلوٰۃ میں ہے، ثم اعلم ان الامام اذا کبر للافتتاح فلابد لصحۃ صلوتہ من قصدہ بالتکبیر الاحرام والا فلا صلوۃ لہ اذا قصد الاعلام فقط فان جمع بین الامرین بان قصد الاحرام والاعلام للاعلام فذلک هو المطلوب منہ شرعا وکذلک المبلغ اذا قصد التبلیغ فقط خالیا عن قصد الاحرام فلا صلوۃ لہ ولا لمن یصلی بتبلیغہ فی هذه الحالۃ لانہ اقتدی بمن لم یدخل فی الصلوۃ فان قصد بتکبیرہ الاحرام مع التبلیغ للمصلین فذلک هو المقصود منہ شرعا کذا فی فتاوی الشیخ محمد بن محمد الغزی الملقب بشیخ الشیوخ اھ اور درمختار باب مفسدات نماز میں ہے وفتحہ علی غیر امامہ الا اذا اراد التلاوۃ وکذا الاخذ اھ حواشی ابن عابدین میں ہے **قولہ** وکذا الاخذ ای اخذ المصلی غیر الامام بفتح من فتح علیہ مفسد ایضا کما فی البحر عن الخلاصۃ اخذ الامام بفتح من لیس فی صلوتہ فیہ عن القنیۃ اھ۔ اور درمختار باب سجود التلاوۃ میں لا یجب بسماعہ من الصدی والطیر حواشی میں ہے۔ **قولہ** من الصدی هو ما یجیبک مثل صوتک فی الجبال والصحاری ونحوها

کی فی الصحاح۔ مذکورہ بالا نصوص سے ظاہر ہو گیا کہ چونکہ آلہ مکبر الصوت لاؤڈ اسپیکر (ہارن) آواز میں جو کہ ڈائل وغیرہ سے آواز کے ٹکرانے سے مثل صدی (گنبد وغیرہ میں گونجنے اور ٹکر کھانے سے پیدا ہونے والی آواز) ایک یا چند واسطوں سے پیدا ہوتی ہیں اور چونکہ یہ آلات اور بلبوں کے پیکے انبوب (ہارن) نہ خود مکلف ہیں اور نہ داخل نماز و جماعت بلکہ خارجی ایسی چیزیں ہیں جن کے ذریعہ سے مقتدیوں کو تلقین اور تعلیم کی جاتی ہے اور چونکہ ان تکبیرات میں محض تبلیغ کا قصد ہوتا ہے یہ آلات نہ نمازی ہیں اور نہ ان سے نماز پڑھنے کا ارادہ رکھا جاسکتا ہے اس لئے جو لوگ فقط ان آلات کے ذریعہ سے نماز ادا کریں گے ان سبھوں کی نماز فاسد ہو جائیگی اور غیر مصلی سے تعلیم اور استفادہ کا زہریلا اثر ان کی تمام نمازوں کو معنوی موت کے گھاٹ اتار دیگا لہذا اس سے بچنا لازم ہے جو وجوہ سوال میں جواز یا استحباب کیلئے دکھلائے گئے ہیں فقہی نقطہ نظر سے ایک جو کے برابر بھی قدر و منزلت نہیں رکھتے ہیں۔

رائے الاحقر فی ہذا الجواب۔ اگر یہ ثابت ہو جاوے کہ اس آلہ سے عین صوت بلند نہیں ہو جاتی بلکہ گونجنے اور ٹکرانے سے اس کی حکایت پہنچ جاتی ہے تو صواب منحصر فی الجواب ہے اور مظنون یہی ہے اور کسی ماہر سائنس کی تحقیق سے یہ ظن درجہ تیقن تک پہنچ سکتا ہے اور اگر ثابت ہو جائے کہ عین صوت بلند ہو جاتی ہے تو

ف بعد اس تحریر کے اسکے متعلق سوال ذیل متعدد ماہرین کے پاس بھیجا گیا۔ دو مقام سے جو جواب آیا وہ اس پر متفق ہیں کہ یہی آواز دور پہنچتی ہے عین صوت ہے جو بلند ہو جاتی ہے صوت کی حکایت اور صدائے بازگشت نہیں ہے چنانچہ ذیل میں وہ سوال اور جوابات منقول ہیں۔

سوال۔ لاؤڈ اسپیکر کے ڈائل پر سے مقرر کی جو آواز بلند ہوتی ہے اور دور تک کام کرتی ہے وہ عین آواز ہے یا حکایت آواز یعنی صدائے بازگشت کی طرح ہے اگر آواز تو ڈائل پر آکر ختم ہو گئی اور صدائے بازگشت لوگوں تک پہنچی اسی طرح دوسرے ڈائل سے تیسرے پر صدائے بازگشت کی کاپی ہے اور تیسرے سے چوتھے پر صدائے بازگشت کی کاپی ہے۔ مطلب یہ ہے کہ ڈائل پر اصل آواز سنائی دیتی ہے یا نری کاپی ہے اس آواز کے مثل جو پہاڑوں جنگلوں میں گونجتی ہے کہ اس کو یہاں پر (اس آلہ میں) بے تی رو کے استعمالات سے باقاعدہ اور اس کے منشا پر کہا گیا اچھا ہو کہ مستند جواب بھی دیا جائے۔

جواب۔ از سید بشیر علی ایم اے پروفیسر طبیعیات سائنس علیگڑھ مشورہ دیگر اصحاب مجلہ مذکورہ معرفت شیخ الحق صاحب ماسٹر مسلم یونیورسٹی علیگڑھ

لاؤڈ اسپیکر کے ڈائل پر سے جو آواز بلند ہو کر دور جاتی ہے وہ بعینہ آواز متکلم یا خطیب ہوتی ہے جو لاؤڈ اسپیکر کے ذریعہ قوی ہو جاتی ہے آواز دراصل ہوا میں لہروں کے پیدا ہونے کا نام ہے جو زبان کی حرکت سے پیدا ہوتی ہے اور کان کے پردہ پر جا کر اس قسم کی کیفیت پیدا کرتی ہے کان کے پردہ تک پہنچنے سے پیشتر اگر وہ لہریں ضعیف ہو گئی ہیں (جس کے مختلف اسباب ہو سکتے ہیں مثلاً بادِ مخالف یا شور و غل وغیرہ) پھر ان کو لاؤڈ اسپیکر کے ذریعہ قوی کر دیا جاتا ہے تاکہ وہ زیادہ دور تک جا سکیں تو ایسی صورت میں لاؤڈ اسپیکر کے بعد جو آواز نکل رہی ہے وہ فی الحقیقت اصلی ہی آواز ہے۔ آواز ڈائل پر جا کر ختم نہیں ہو جاتی بلکہ ضعیف سے قوی ہو جاتی ہے۔ لاؤڈ اسپیکر ان ضعیف لہروں میں ایک قسم کی نئی جان ڈال دیتا ہے اور فعل ان لہروں کے معدوم ہونے سے پیشتر ہوتا ہے یعنی وہ لہریں (متکلم کے منہ سے نکلی ہوئی) بجنسہٖ اپنی اصلی حالت پر قائم ہوتی ہیں صدائے بازگشت میں آواز کی نوعیت یہ ہوتی ہے کہ مخرج یا منبع سے آواز نکل کر کسی چیز سے ٹکراتی ہے اور واپس ہوتی ہے چونکہ اس فاصلے کو طے کرنے کیلئے وقت درکار ہوتا ہے اور آواز کی رفتار زیادہ تیز نہیں ہے اس لئے دوسری آواز سنائی دیتی ہے صدائے بازگشت میں وہی آواز ٹکرا کر دوبارہ سنائی دیتی ہے اور لاؤڈ اسپیکر میں وہی آواز ضعیف سے قوی ہو جاتی ہے اس لئے اس میں دو آوازیں نہیں سنائی دیتیں اھ (بقیہ حاشیہ بر صفحہ آئندہ)

اس صورت میں حکم وہی ہے جو احقر نے اپنے جواب میں عرض کیا ہے اور اگر دونوں احتمال علی السواء ہوں تو پھر بھی جواب وہی ہے جو حضرت مجیب مصیب سلمہ اللہ الرقیب القریب نے تحریر فرمایا ہے مگر توجیہ مختلف ہے، اور وہ توجیہ یہ ہے کہ عین صوت کا عدم سماع

جواب دیگر۔ از برج نندن لال صاحب بی اے ایس سی ماسٹر سائنس الگزنڈریا ہائی سکول بھوپال بمعرفت منشی مظہر صاحب ماسٹر
جب کسی شئی میں حرکت ہوتی ہے تو اس عالم میں بیرونی ہوا پاس کے مصدر سے ایک صوت تموج پیدا ہوتی ہے جو اصل حرکت کے بجنسہ مطابق ہوتی ہے ان کو تموج اصوات کہتے ہیں۔ جب کوئی شئی ان کے سدراہ ہوتی ہے تو ان میں (بازگشت یا لہراؤ) ہوتی ہے اور چند اصول کے تحت ان لہروں کا اجتماع ایک مرکز پر ہوتا ہے اگر اس مرکز پر کان کو رکھ لیا جاوے تو وہ آواز اگرچہ ابتداءً نہایت آہستہ ہو بلند اور صاف سنائی دیتی ہے دیگر درمیانی مقام پر وہ ہرگز سنائی نہیں دیتی اگر جہاں سے آواز ہوتی ہے اور جہاں کو یہ لہر ہوتی ہے دونوں مقامات کے درمیان ایک خاص معین فاصلہ سے کم ہو تو اس میں گونج اور صدائے بازگشت پیدا ہوتی ہے جو اصل آواز سے بلند ہوتی ہے اور بعض اوقات میلوں تک سنائی دیتی ہے جب کبھی آواز کسی تنگ نلکی میں ہو کر گزرتی ہے تو مشاہدہ میں آیا ہے کہ وہ بہت بلند ہو جاتی ہے اور دور تک جاتی ہے وجوہات کی تفصیل طویل ہے ایک وجہ ماہرین نے بیان کی ہے کہ نلکی کے اندر کی ہوا میں بکثرت تموج ہوتا ہے جو اصل آواز کے مطابق اور بجنسہ ہوتا ہے اس سے اصل کو تقویت حاصل ہو جاتی ہے اور سامعین کو وہ آواز بلند ہو کر سنائی دیتی ہے۔ بجملہ لاؤڈ سپیکر کی ساخت میں میرا خیال یہ ہے کہ انہیں دونوں اصول کو مدنظر رکھا گیا ہے کسی کسی میں ٹیلیفون کے اصول کی مدد بھی لی جاتی ہے۔ افسوس ہے کہ میرے پاس یا میرے علم میں کوئی کتاب سردست موجود نہیں ہے کہ جس میں اس جدید ایجاد کا ذکر کیا ہو لیکن یقین ہے کہ اگر کوئی علم طبعیات جو حال ہی میں تیار ہوئی ہو اور جس میں جدید باتوں کا ذکر ہو تو اس میں اس کی تصدیق مل سکے گی البتہ راقم کے بیان کی صداقت تو کسی طبعیات کی کتاب میں علم صوت کا بیان پڑھنے پر معلوم ہو جاوے گی۔

جواب دیگر۔ پھر بھوپال سے ماسٹر محمد مظہر کی تحریر ذیل میں منقول ہے۔ آج مدرسہ میں سائنس ماسٹر (یہ وہی صاحب ہیں جن کا نام اوپر برج نندن لال آیا ہے) ملے تھے وہ کہتے تھے کہ آواز جو لاؤڈ سپیکر سے پیدا ہوتی ہے وہ ہے تو بولنے والے کی آواز کا اثر۔ مگر وہ اس کے بازگشت کے قائل ہیں کہتے ہیں کہ پہاڑ پر جو صدا سنائی دیتی ہے وہ غیر محسوس عرصہ کے بعد اس وجہ سے سنائی دیتی ہے کہ وہ آواز خود بخود لوٹتی ہے لیکن یہاں برقی مدد اسی میں دیر نہیں ہونے دیتی قائل کے زبان کی حرکت صرف ایک تموج پیدا کرتی ہے اور یہاں تو کئی ایک موجیں پیدا ہوتی ہیں اور ان میں قوت پیدا ہو جاتی ہے جس طرح ایک راگ گانے والے کی آواز ہو گی اگر اور رنگ تال ملا دیں تو ہم بتا سکیں گے کہ کونسی کس کی آواز برقی قوت بھی شکل پیدا کرتی ہے۔ غرض وہ یہ کہتے کہ برقی قوت کی وجہ سے ہیں تو کم از کم یہ ماننے میں تامل کرتا ہوں کہ یہ اصلی ولنہ ہے اور اس کا انکار بھی مجھ سے ممکن نہیں کہ ثبوت مشکل ہے اھ۔

نوٹ۔ اس جواب کا حاصل تردد ہے اور تردد کا حکم احقر نے مولانا حسین احمد صاحب کے جواب کے متعلق اپنی عبارت لکھی ہوئی کے اخیر میں لکھ دیا ہے۔ اشرف علی ۲۲ محرم ۱۳۵۸ھ

جواب دیگر۔ پھر حیدرآباد سے مولوی عبدالحی صاحب کی تحریر ذیل میں منقول ہے۔ **سوال۔** بخدمت علماء سائنس و حکمت معروض ہے کہ آجکل ایک آلہ (لاؤڈ سپیکر) جس کو مکبر الصوت بھی کہتے ہیں اس کی تحقیق کی ضرورت ہے کہ اس میں بولنے والے کی آواز بعینہ بلند ہو کر مسموع ہوتی ہے یا مثل صدائے گنبد آواز کی حکایت کرتی ہے اس کا جواب مستند حوالوں اور وجوہ سے عنایت فرمایا جائے کیونکہ اس کی تحقیق پر چند مسائل فقہیہ کی تفریع موقوف ہے۔ ۲۸ محرم ۱۳۵۸ھ **جواب۔** آواز کے متعلق علمائے سائنس کی رائے یہ ہے کہ جس جسم سے آواز نکلتی ہے وہ ایک قسم کی ارتعاشی حرکت کرتا ہے یہ ارتعاشی حرکت مادی واسطہ میں بجنسہ منتقل ہوتی ہے اور عام طور پر بالآخر ہوا میں منتقل ہو کر سننے والے کے کان تک پہنچتی ہے (مکبر الصوت) مختلف قسم کے ہیں۔ برق کی نوعیت کے (مکبر الصوت) میں بولنے والا بات کرتا ہے تو آواز کی موجیں بلاواسطہ منعکس ہو کر سننے والے تک منتقل ہوتی ہیں۔ بلندی آواز کی وجہ ہے اس خاص صورت میں یہ ہے کہ موجوں کی توانائی ہوا کے تمام رقبے میں پھیل کر منتشر نہیں ہونے پاتی بلکہ ایک خاص سمت میں ان موجوں کی ہدایت ہونے سے آواز تقریباً اپنی کامل ابتدائی توانائی کے ساتھ سامع تک پہنچ جاتی ہے اس آواز کو بلاشبہ بولنے والے ہی کی آواز سمجھ سکتے ہیں۔ اس مکبر الصوت سے آواز کا انتقال بہت دور تک نہیں ہو سکتا۔ (مکبر الصوت) برقی نوعیت کا ہے جیسا کہ معمولی لاسلکی ٹیلیفون کے ساتھ استعمال کرتا آدمی ہوتا ہے تو اس کی نوعیت بالکل جداگانہ ہے یہاں آواز پیدا کر لی جاتی ہے

الی البعید پہلے سے متیقن ہے اور اب اس میں شک واقع ہوگیا اور الیقین لا یزول بالشک اس لئے عدم بلوغ کا حکم کرکے اس صوت کو مثل صدی کے حکم دیا جائیگا۔ ۵ ذی الحجہ ۱۳۵۲ھ

رسالہ ضیاء الشمس فی اداء الہمس۔ از قاری محمد یامین صاحب مدرس تجوید مدرسہ امداد العلوم تھانہ بھون

السّؤال۔ کیا فرماتے ہیں علماء دین و قراء قرآن مبین اس مسئلہ میں کہ حرف کاف و تاء جو حروف مہموسہ میں انکی صفت ہمس کے کیا معنی اور کس طرح ادا کی جاتی ہے۔ ایک صاحب فرماتے ہیں کہ کاف و تاء کی صفت ہمس کسی کو ادا کرنا نہیں آتی اور وہ خود اس طرح ادا کرتے ہیں کہ کاف و تاء ساکن و متحرک ہیں ہائے ہوز کی آواز سنائی دیتی ہے آیا یہ ادا صحیح ہے یا نہیں۔ نیز وہ صاحب اپنی کیفیت ادا کی تائید میں کتاب جہد المقل کی عبارت ذیل پیش کرتے ہیں واما الشدید المہموس فہو حرفان الکاف والتاء المثناۃ الفوقیۃ فلیس تمامها یحتبس صوتهما بالکلیۃ بل نفسهما الیم حین احتباس صوتهما لان احتباس الصوت بالکلیۃ لا یکون الا باحتباس النفس بالکلیۃ لان حقیقۃ الصوت هی النفس ثم ینفتح المخرج جاهما ویجری فیهما نفس کثیر مع صوت ضعیف لیحصل الہمس اہ آیا اس عبارت سے ان صاحب کے ادا کی تائید ہوتی ہے یا نہیں اگر ہوتی ہے تو یہ قول قابل عمل ہے یا نہیں۔؟ بینوا وتوجروا۔

الجواب۔ ہمس مقابل ہے جہر کا۔ جہر لغت میں آواز قوی و بلند کو کہتے ہیں اور ہمس آواز ضعیف و خفی کو کہتے ہیں اور اصطلاح قراء میں یہ دس حروف جن کا مجموعہ فحثہ شخص سکت ہے حروف ہمس اور مہموسہ کہلاتے ہیں کیونکہ ان حروف کے ادا کرتے وقت آواز ان کے مخرج میں ایسے ضعف کے ساتھ ٹھیرتی ہے کہ سانس جاری رہتا ہے اور آواز ضعیف و خفی ہوتی ہے (اسی سے جہر کی تعریف اور حروف بھی مقابلۃً معلوم ہوگئے۔ کما قال العلامۃ علی القاری الہمس فی اللغۃ الخفاء وسمیت حروفہ مہموسۃ لجریان النفس معها لضعفها ولضعف الاعتماد علیها عند خروجها وضدها المجهورۃ اہ منح الفکریۃ علی متن الجزریۃ مطبوعہ مصر صفحہ ۱۔ اور حروف مہموسہ میں سے دو حرف کاف و تاء شدیدہ ہیں اور باقی رخوہ۔ شدۃ کے معنی لغۃً قوۃ و سختی کے ہیں اور اصطلاحاً یہ آٹھ حروف جن کا مجموعہ اجد قط بکت ہے حروف شدۃ اور شدیدۃ کہلاتے ہیں کیونکہ ان کی ادا کے وقت آواز ان کے مخرج پر ایسی قوت کیساتھ ٹھیرتی

(بقیہ حاشیہ صفحہ گذشتہ) جسم کی ارتعاشی حرکت اپنی نوعیت بدل کر ایک دوسری قسم کی ارتعاشی صورت اختیار کرلیتی ہے گویا کہ آواز کی نقل برقی موجوں یا برقی موجوں میں تیار کرلی جاتی ہے اور وہ سننے والے کے آلہ سماعت میں داخل ہوکر بالآخر آواز کے مادی ارتعاش کی شکل میں تبدیل ہوجاتی ہے جو کہ آواز کے پیدا کرنے کے لئے لازمی ہے اور اس طرح سننے والا نقل در نقل یا بالواسطہ طریقے سے آواز سن پاتا ہے لیسے لاؤڈ سپیکروں کی آواز ابتدائی آواز کی محض نقل یا حکایت ہی کہی جاسکتی ہے ۳ صفر ۱۳۵۵ھ (نوٹ) اس جواب کا حاصل اس کا حکم ہے کہ یہ آواز صدائے بازگشت ہے تو اس بناء پر مولانا حسین احمد صاحب کا جواب مذکورہ بالا متعین ہے۔ اشرف علی۔ ۱۰ صفر ۱۳۵۵ھ۔

ہے کہ بند ہو جاتی ہے اور آواز میں قوۃ و سختی پیدا ہوتی ہے اور چونکہ شدۃ مقابل ہے رخوۃ کے لہٰذا شدۃ کے معنی لغوی و عرفی سے مقابلۃً رخوہ کے معنی بھی معلوم ہو گئے اور علاوہ آٹھ حروف شدیدہ مذکورہ اور پانچ حروف متوسطہ لن عمر کے باقی سولہ حروف رخوہ کہلاتے ہیں۔ پس تمہید مذکور سے معلوم ہوا کہ کاف و تا مہموسہ بھی ہیں اور شدیدہ بھی ہیں لیکن بنا بر تعریف مذکور ہمس و شدۃ کے اجتماع میں بظاہر اشکال وارد ہوتا ہے وہ یہ کہ ہمس کی تعریف میں ضعف اعتماد و صوت اور جریان نفس مذکور ہے اور شدۃ کی تعریف میں قوۃ اعتماد و صوت اور احتباس صوت ماخوذ ہے حالانکہ یہ امور ایک دوسرے کے مخالف و ضد ہیں۔ لیکن درحقیقت کچھ اشکال نہیں اس لئے ہمس و جہر و شدۃ و رخوہ کی تعریف میں جو قوۃ و ضعف اعتماد و صوت اور جریان و احتباس نفس و صوت کہا جاتا ہے یہ امور اضافی و اعتباری ہیں یعنی ہر یک صفت میں اس کے مقابل صفت کی نسبت سے قوۃ و ضعف و جریان و احتباس پایا جاتا ہے پس کاف و تا میں من حیث الھمس جو ضعف اعتماد و صوت اور جریان نفس ہے وہ باعتبار حروف مجہورہ کے ہے اور من حیث الشدۃ جو قوۃ اعتماد و صوت اور احتباس صوت ہے وہ حروف رخوہ کی نسبت سے ہے فارتفع الاشکال۔ نیز ہر ایک صفت کے حروف میں باہم بھی قوۃ و ضعف و جریان و احتباس نفس و صوت کا تفاوت پایا جاتا ہے بوجہ دیگر صفات قویہ یا ضعیفہ کی آمیزش کے۔ پس کاف و تا بہ نسبت صاد ضعیف ہیں کیونکہ صاد میں تین صفت قوی اطباق و استعلا و صفیر موجود ہیں اور بہ نسبت ثا و حا و خا و سین و شین و فا و ہا قوی ہیں اور بہ نسبت دیگر حروف شدیدہ ضعیف و خفی الصوت ہیں مگر صفت شدۃ کی وجہ سے ان میں جریان نفس کمتر ہے بہ نسبت دیگر حروف مہموسہ کے (لانہ فی الشدۃ یوجد احتباس الصوت و احتباس الصوت یستلزم احتباس النفس کما فی جھد المقل) پس تقریر مذکور سے ثابت ہو گیا کہ کاف و تا میں ہمس حقیقی یعنی ضعف و خفا صوت تو بہر حیثیت پایا جاتا ہے مگر جریان نفس بخوبی نہیں ہوتا اور چونکہ بہ نسبت دیگر حروف مہموسہ ان میں جریان نفس بہت کم ہوتا ہے اسی وجہ سے بعض علماء نے ان کے مہموسہ ہونے میں خلاف کیا ہے اور ان کو مجہورہ کہا ہے کیونکہ ایسے جریان نفس قلیل سے تو حروف مجہورہ بھی خالی نہیں۔ چنانچہ ملا علی قاری ؒ نے اس خلاف کو منح الفکریہ شرح جزریہ میں شافیہ ابن حاجب سے نقل کیا ہے۔ نیز دیگر محققین فن تجوید و قراءۃ کے اقوال سے بھی یہ امر ظاہر ہوتا ہے کہ کاف و تا میں جریان نفس بخوبی نہیں ہوتا۔ یا کم ہوتا ہے دیگر حروف مہموسہ سے چنانچہ حضرت مولانا قاری عبد الرحمٰن صاحب پانی پتی تحریر فرماتے ہیں "لیکن جریان نفس در کاف و تا خوب معلوم نمی شود گو ضعف صوت ہست" لہٰذا بعض علماء در مہموسہ بودن اینہا خلاف کردہ اند تحفہ نذریہ مطبوعہ بلالی پریس ساڈھورہ صفحہ ۱۹ اور حضرت قاری محمد علی خانصاحب جلال آبادی تحریر فرماتے ہیں

"اما جریان نفس در کاف و تا کمتر ست" در بوانی اکمل او جہد القاری مطبوعہ محمود المطابع کانپور صفحہ نیز یہ بھی واضح ہو کہ قوۃ اعتماد یا ضعف اعتماد اور جہری الصوت یا خفی الصوت ہونا تو حروف میں ہر حال میں پایا جائیگا خواہ متحرک ہوں یا ساکن کیونکہ یہ امور صفات حروف کی تعریف میں منجملہ ذاتیات کے ہیں لیکن جریان یا احتباس نفس یا جریان یا احتباس صوت یہ امور منجملہ عرضیات کے ہیں کہ بحالات سکون میں ان کا ظہور ہوتا ہے اور جب حروف متحرک ہوں تو جریان و احتباس نفس و صوت غایت درجہ خفا میں ہوتا ہے کما قال صاحب الرعایۃ ان جری النفس فی الہمس وحبس النفس فی الجہر فی الساکن زائد من المتحرک و فی الوقف ابین من الساکن اھ و کذا قال الجاربردی و ذکر الجاربردی ان جریان الصوت و عدم جریہ عند اسکان الحرف ابین منہما عند تحریکہ الخ۔ پس کاف و تا اگر متحرک ہونگے تو چونکہ حرف متحرک کی ادائگی انفتاح مخرج کیساتھ ہوتی ہے لہذا انفتاح مخرج کی وجہ سے فی الجملہ صوت کا جریان ضرور ہوگا جب جریان صوت ہوگا تو اس کے ساتھ جریان نفس بھی ضرور ہوگا بموجب قاعدہ کلمہ جریان الصوت یستلزم جریان النفس کذا فی الجہد مگر یہ جریان نفس اول تو بوجہ تحریک حرف کے دوسرے بوجہ صفت شدت قوی کے غایت درجہ خفا میں ہوتا ہے کہ خود قاری کو بھی اس کا پتہ نہیں لگتا بلکہ معدوم کہنا چاہئے جیسا کہ بقول بعض حروف قلقلہ سے بحالت حرکت بھی صفت قلقلہ منفک نہیں ہوتی اور نون و میم متحرک بھی صفت غنہ سے خالی نہیں مگر بوجہ عدم ظہور و غیر محسوس ہونیکے قلقلہ و غنہ کالعدم ہوتے ہیں اسی طرح کاف و تا متحرک میں بھی گو جریان نفس ہوتا ہے مگر بوجہ عدم ظہور و غیر محسوس ہونیکے لا یعبأ بہ ہے یہ تفصیل تو کاف و تا متحرک کے متعلق تھی اور اگر کاف و تا ساکن ہوں تو چونکہ حرف ساکن کی ادائگی استقرار صوت و التصاق مخرج کیساتھ ہوتی ہے بالخصوص حروف شدیدہ میں کہ ان میں تصادم جسمین بالقوہ ہوتا ہے لہذا اشدۃ اتصال جسمین کی وجہ سے جب صوت محتبس ہوگی تو نفس بھی ضرور محتبس ہوگا۔ کما ذکرہ صاحب الجہد پس جب صوت و نفس دونوں بند ہوگئے تو جب تک مخرج کو جنبش نہ ہو تب تک کوئی حرف شنائی نہیں دیسکتا اسی لئے حروف شدیدہ میں سے حروف قطب جد میں بوجہ صفت جہر قوی کے بحالت سکون صفت قلقلہ یعنی مخرج میں جنبش قوۃ کیساتھ رکھی گئی تاکہ آواز میں قوۃ و جہر پیدا ہو اس قدر کہ سامع قریب بھی محسوس کر سکے لان ادنی الجہر اسماع الغیر دیگر ہمزہ کو اکثر نے قلقلہ سے خارج کیا ہے و توجیہہ من کور فی المطولات اور دو حرف کاف و تا ساکن میں بوجہ صفت ہمس کے جنبش نہایت ضعف و نرمی کیساتھ رکھی گئی تاکہ آواز میں ضعف و خفا قائم رہے اس قدر کہ خود قاری اس کو محسوس کر سکے لان ادنی المخافتہ اسماع نفسہ۔ مگر اس جنبش ضعیف سے کہ صفت ہمس کے ادا کی غرض سے کی جاتی ہے اجو نفس جاری ہوتا ہے اس کیساتھ کسی قسم کی صوت

جاری نہ ہونا چاہئے کیونکہ ہمس کی تعریف میں جریان النفس ماخوذ ہے نہ کہ جریان صوت اور نفس اور صوت میں یہی فرق ہے کہ ہوا خارج از داخل انسان اگر مسموع ہو تو صوت ہے اور اگر غیر مسموع ہو تو نفس ہے کما قال صاحب الجہد المقل اعلم ان النفس الذی ھو الھواء الخارج من داخل الانسان ان کان مسموعا فھو صوت والا فلا انتہی و قال مؤلف حقیقۃ التجوید فی رسالتہ المذکورۃ فالتنفس یوجد فی کل صوت لا یوجد صوت فی کل تنفس بل بعضہ مع الارادۃ واذا خرج الحرف من فم الانسان بغیر ارادۃ فلا یطلق علیہ الحرف ولا ایرادمنہ۔ المعنون الصوت علی قسمین جہری وخفی والجہری ما یسمع الغیر والخفی ما یسمع النفس کما قال الفقہاء واد فی الجہر ان یسمع الغیر وادنی المخافۃ ما یسمع النفس فی القراءۃ والطلاق والعتاق والبیع والاستثناء والتسمیۃ عند الذبح ووجوب السجدۃ بتلاوۃ آیۃ السجدۃ وغیرھا والمراد من الادنی حد الجہر والخفی اھ ملخصا پس خلاصہ تقریر مذکور کا یہ ہوا کہ اول تو کاف و تاء میں مطلقاً خواہ متحرک ہوں خواہ ساکن جریان نفس بخوبی نہیں ہوتا اور دیگر حروف مہموسہ سے بہت کم ہوتا ہے اور بالخصوص متحرک میں اور بھی کم ہوتا ہے جیسا کہ دلائل و شواہد اقوال محققین سے ثابت کیا گیا۔ دوسرے صفت ہمس کے ادا کی غرض سے کاف و تاء متحرک میں انفتاح مخرج کیساتھ اور ساکن میں جنبش ضعیف و خفی کیساتھ جو کچھ نفس کا جریان ہوتا بھی ہے اس کیساتھ صوت کا جاری ہونا ضروری بھی نہیں کیونکہ نفس عام ہے اور صوت خاص اور عام کے تحقق کیساتھ خاص کا تحقق لازم نہیں۔ نیز صوت کا جاری کرنا درست بھی نہیں نہ عقلاً نہ نقلاً۔ عقلاً اس وجہ سے کہ اگر صوت جاری کی جاویگی تو کاف و تاء شدیدہ نہ رہیں گے بلکہ رخوہ ہو جائینگے کیونکہ جریان صوت رخوہ میں ہوتا ہے نہ کہ شدیدہ میں اور یہ بات ادنی تامل سے ظاہر ہوتی ہے کہ جو شدت باری اور جلدی کے با اور جیم میں ہے وہ بھاری اور بجلاری کے با اور جیم میں نہیں ہو سکتی۔ اسی قیاس پر جو شدت کانا اور تانا کے کاف و تاء میں ہے وہ کھانا اور تھانا کے کاف و تاء میں نہیں پائی جاتی تو ایک صفت ہمس جو مختلف فیہ ہے اس کے ادا کی وجہ سے صفت شدت جو کہ متفق علیہ ہے مفقود ہو جاویگی اور یہ جائز نہیں۔ اور نقلاً اس وجہ سے کہ امام جزری ؒ کے کتاب النشر فی القراءت العشر میں اور ملا علی قاری کے منح الفکریہ علی متن الجزریہ میں اس کا عدم جواز و غلط ہونا ثابت ہوتا ہے چنانچہ کتاب النشر فی القراءت العشر میں ہے والتاء فیحفظ بما فیہا من الشدۃ والہمس لئلا تصیر رخوۃ کما ینطق بعض الناس بہا او کان فیہ من بما فیہا من الشدۃ والہمس لئلا یذھب الی الکاف الصماء الثابتۃ فی بعض لغات العجم فانہ لا یعتبر جائز فی لغات العرب ولیحذر من اجراء الصوت معہا کما یفعلہ بعض الاعاجم۔ اس سے صاف طور پر ثابت ہو گیا کہ اجراء صوت ادا اعاجم ہے جو کہ ممنوع و قابل احتراز ہے نیز ملا علی قاری منح الفکریہ علی متن الجزریہ میں فرماتے ہیں ثم ان النفس الخارج الذی ھو صفۃ حرف ان تکیف کلہ بکیفیۃ الصوت یحصل صوت قوی کان الحرف مجہورا

وان بقی بعضہ بلا صوت یجری مع الحرف کان الحرف مہموسا ایضا وان انحصر الصوت بخروجہ انحصارا تاما فلا یجری جریانا کاملا سمی شدیدا ولما اذ اجری جریانا تاما ولا ینحصر اصلا سمی رخوۃ۔ اس عبارت سے بھی ثابت ہو گیا کہ ہموس من حیث ہو ہموس میں نفس بلا صوت یعنی غیر مسموع کا جریان ہوتا ہے اور فلا یجری جریانا کاملا سے شدیدہ میں جریان صوت ضعیف کی بھی نفی ہو گئی پس چونکہ جہد المقل کی عبارت مذکورہ فی السوال کا مفہوم بظاہر معارض ہے کتاب نشر فی القراءات العشر اور منح الفکریہ کی عبارات مذکورہ کے لہذا امام جزری اور ملا علی قاریؒ کے مقابل صاحب جہد المقل کے قول کا اعتبار نہ کیا جاویگا۔ علاوہ ازیں جہد المقل کی عبارت میں کاف و تا متحرک مراد ہے یا ساکن یا مطلقا متحرک تو مراد ہو ہی نہیں سکتا کیونکہ اول تو خود جہد المقل کی عبارت مذکورہ میں حاصلہ انھا نقصان عن تحریک الحرف اس کے معارض ہے دوسرے یہ کہ حرکت خود انفتاح مخرج سے پیدا ہوتی ہے پھر نفس بنفتح کے کوئی معنی نہیں بنتے اور اسی سے مطلق کی بھی نفی ہو گئی کیونکہ وہ متحرک کو بھی شامل ہے پس لامحالہ مراد جہد المقل کی عبارت مذکورہ میں کاف و تا ساکن ہے پس اگر جہد المقل کی عبارت کے موافق تلفظ کیا جاوے تو کاف و تا ساکن کے بعد صوت جاری رکھنا چاہیے کیونکہ حرف ثم تعقیب تراخی کیلئے ہے اب اگر یہ صوت کسی حرف کی ہے تو زیادتی فی القرآن لازم آئیگی اور اگر صوت مسموع غیر حرفی ہے تو اسکا عدم جواز و اداراعاجم ہونا نشر و منح سے ثابت ہو گیا۔ پس حکم یہ ہے کہ اگر صوت حرفی پیدا ہو تو لحن جلی ہو گا۔ اور اگر غیر حرفی ہو تو لحن خفی ہو گا۔ اور اگر جری صوت کا وہم و شبہ ہو تو یہ ادا مطابق ادا محققین کے ہے اور یہی ہونا چاہیے اور غالبا مراد جہد المقل کی یہی ہے۔ لہذا اکثر جگہ اُن کے کلام کی تاویل کرنا پڑیگی اور یا یہ کہا جاوے کہ اُن پر عجمیت غالب تھی اور اس مقام پر اور نیز دیگر مقامات پر جہاں کہیں جریان نفس کثیر و صوت ضعیف کہا ہے یہ توجیہ ہو سکتی ہے کہ مراد جہد المقل کی جریان النفس کثیر سے کثیر بہ نسبت حروف مجہورہ کے ہے گو دیگر حروف مہموسہ کے اعتبار سے قلیل ہو اور مراد صوت ضعیف سے صوت خفی غیر مسموع ہے لان ادنی المخافتۃ ھو اسماع نفسہ۔ تو اس توجیہ پر جہد المقل کی عبارت سے یہ صوت مخصوص یعنی کاف و تا مخلوط بہا ہونا بھی ثابت ہوئی پس کاف و تا کے جریان نفس میں اس قدر مبالغہ کرنا جس سے ہا ہونے کی یا کسی اور حرف کی آواز پیدا ہو جیسا کہ بعض جہلا کی اور بعض تا مثلثہ کی آواز نکالتے ہیں) اور حروف عربی مخلوط التلفظ حروف عجمی ہو جاویں کا تا کو کھا نا اور اسکو اتقوا پڑھنا ثقلت کو ثقلتھ۔ اور ذیحرک کو ذکرکھ پڑھنا اس طرح کی صفت ہمس ادا کرنا بالکل غلط و بے اصل ہے نہ کسی ماہر و محقق قاری سے سُنا گیا نہ محققین کی کتب معتبرہ میں اس کا ذکر ہے البتہ بعض عاجم مثل خراسان و ترکستان و ایران یا بعض اعراب عرب مثل اہل نجد و یمن وغیرہ سے اس قسم کی ادا سُنی ہے اور کتب ائمہ فن مثل شیخ جزری و ملا علی قاریؒ سے اس قسم کی ادا کی تغلیط ثابت ہوتی ہے کما ذکر اس قسم کی ادا مخترع و بے اصل ہے تو اُن بعض علماء کے قول پر عمل کرنا بہتر ہے

جو کہ کاف و تا کو مہموسہ کہتے ہیں نیز دیگر محققین قراء کے اقوال سے بھی اس قسم کی ادا کا غلط ہونا ثابت ہوتا ہے چنانچہ حضرت مولانا قاری عبد الرحمٰن صاحب پانی پتی تحفہ نذریہ میں تحریر فرماتے ہیں وپیدا باد کہ در مقدمہ صفات حروف چناں فساد برپا کردہ کہ اگر بطور قواعد مخترعہ او کلام اللہ خواندہ شود ضرور است کہ کلام اللہ محرف گردد چہ می گوید کہ در وقف مہموسہ بعد سکون تا و کاف آواز دیگر پیدا شود چوں معنی ایں قول از تلامذۂ او پرسیدم گفتند کہ در لفظ خُلِقَتْ خُلِقَتْسْ باید گفت یعنی بعد سکون تا آواز سین ساکن باید بر آورد گو اجتماع ساکنین شود بدون آں صفت ہمس حاصل نمی شود ہمچنیں در کاف ساکن در وقف بعد سکون کاف یک سین ساکن آواز خفیف باید گفت و ہمچنیں در حروف قلقلہ و دیگر صفات فساد ہا اختراع کردہ تعلیم مردم ساختہ سبحان اللہ در عبارات کتب قراءت چہ غلط فہمی کردہ کہ علم شریف را جہل مرکب خود ساختہ۔ انتہی بقدر الحاجۃ ص۸ تحفہ نذریہ مطبوعہ بلالی پریس ساڈھورہ۔ نیز رسالہ مذکور میں دوسرے مقام پر ص۳۲ میں فرماتے ہیں۔ کاف را احتیاط کند تا کاف فارسی کہ آں را کاف عجمی گویند نگردد خصوصاً وقتیکہ مکرر باشد مانند بشرککم و ماقبل مہموسہ آید مانند تستکثر و بسیار احتیاط کند کہ صوت دراں جاری نہ شود چنانچہ لغت بعضے عجمیان است اھ۔ حضرت قاری محمد علی صاحب جلال آبادی حجۃ القاری مطبوعہ محمود المطابع کانپور ص۲۵ میں فرماتے ہیں کاف با کاف فارسی تمیز دو بار ہو زیر ہم در و پیدا نہ شود خاصۃً وقتیکہ پیش از حرف مہموسہ در آید نحو تستکثر و ہمچنیں اگر مکرر باشد نحو بشرککم اھ و قال العلامۃ الجزری فی مقدمتہ ؎ و راع شدۃ بکاف و بتا ۔ کشرککم و تتوفی فتنتا

فقط واللہ تعالیٰ اعلم و علمہ اتم و احکم۔ کتبہ العبد المسکین محمد یامین عفا عنہ رب العٰلمین معلم التجوید فی مدرسۃ امداد العلوم تھانہ بھون

جواب نہایت صحیح و مدلل اور متقدمین و متاخرین کی کتب واداء کے مطابق ہے۔ عبد الرحمٰن المکی ثم الالہ آبادی عفی عنہ۔

حضرت مولانا و مرشدنا تھانوی افاض اللہ تعالیٰ علی برکاتہم نے احقر کو یہ فتویٰ دکھلایا احقر حرف بحرف اس جواب سے متفق ہے۔ احقر سے اکثر لوگوں نے اس قسم کے سوالات کئے تھے جن کے مختلف طور سے جوابات دیئے گئے جو بفضلہ تعالیٰ اس جواب میں مع شیٔ زائد سب مضامین موجود ہیں۔ احقر بوجہ عدم فرصتی و بے سامانی اس حد تک نہیں کر سکا اس تکمیل سے نہایت مسرت ہے۔ کمترین خلائق عبد الوحید الہ آبادی عفا اللہ عنہ خادم درجہ قراءت مدرسہ عالیہ دیوبند ضلع سہارنپور

میں مدت سے ایسی تحقیق کا شائق تھا۔ اس رسالہ کو دیکھ کر جوش مسرت میں یہ شعر بے ساختہ قلب میں آیا ؎

للہ الحمد ہر آں چیز کہ خاطر می خواست
آمد آخر ز پس پردۂ تقدیر پدید

جزی اللہ تعالیٰ مؤلفہا خیر الجزاء۔

اشرف علی ۔ ز ربیع الاول ۱۳۳۶ھ۔

رسالہ احسن التفہیم لمقولۃ سیدنا ابراہیمؑ

در تحقیق توجیہ مولانا رومی رحمۃ اللہ علیہ مقولہ ابراہیم علیہ السلام ہٰذا ربی را

قالؒ فی الدفتر الخامس قبیل حکایت شیخ محمد سر رزی۔

عالم وہم و خیال و طمع و بیم ۔۔۔ ہست رہرو را یکے سد عظیم
نقشہائے ایں خیال نقشبند ۔۔۔ چوں خلیلے را کہ کہ بد شد گزند
گفت ہٰذا ربی ابراہیم راد ۔۔۔ چونکہ اندر عالم وہم اوفتاد
ذکر کوکب را چنیں تاویل گفت ۔۔۔ آں کسے کو گوہر تاویل سفت
عالم وہم و خیال چشم بند ۔۔۔ آنچناں کہ را زجائے خویش کند
تاکہ ہٰذا ربی آمد قال او ۔۔۔ غیر پیغمبر چہ باشد حال او

فی الشرح الجیبی عالم وہم و خیال اور عالم نفس و طمع اور عالم خوف و بیم سالک کیلئے ایک زبردست رکاوٹ ہے کیونکہ قوتِ خیالیہ مصورہ کی بنائی ہوئی تصویریں خلیل اللہ جیسے شخص کیلئے جو کہ پہاڑ کی طرح غیر متزلزل تھے مقرِ ثابت ہوئی ہیں چنانچہ جسوقت وہ عالم وہم میں پھنسے ہیں اور وہم کا اُن پر غلبہ ہوا ہے اور عقل عارضی طور پر مغلوب ہو گئی ہے تو اُنھوں نے حق سبحانہٗ کو طلب کرتے ہوئے شمس و قمر اور دیگر ستارہ کی نسبت ہٰذا ربی کہدیا جس کسی نے ھذا ربی کی توجیہ کی ہے اُس نے اسکی یہی وجہ بیان کی ہے واللہ اعلم بحقیقۃ الحال۔ پس تم غور کرو کہ اس نظر بندی کرنیوالے عالم وہم و خیال نے ایسے غیر متزلزل پہاڑ کو اپنے مقرِ اصلی سے تھوڑی دیر کیلئے ہٹا دیا حتیٰ کہ انھوں نے ایک ستارہ کی نسبت ہٰذا ربی کہدیا پھر اُس عالم میں غیر انبیاء کی کیا حالت ہوگی۔ اب احقر اشرف علی بعد نقل متن و شرح کے حاشیہ میں اس کی توضیح کرتا ہے یہ حاشیہ شرح کے اس قول پر ہے اس کی یہی وجہ بیان کی ہے۔ وھی ھذا۔

یعنی منجملہ ان توجیہات کے بعض نے یہ بھی ایک توجیہ بیان کی ہے چنانچہ ہمارے اکابر میں سے حضرت شاہ عبدالقادر صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے اسی توجیہ کو اختیار کیا ہے اور اس سے یہ مراد نہیں کہ نعوذ باللہ حضرت ابراہیم علیہ السلام کو اس کا جزم یا احتمال راجح یا مساوی بلکہ یا مرجوح بھی ہو گیا تھا جیسا لفظ وہم سے شبہ ہو سکتا ہے سو یہاں وہم سے اس کے معنی مصطلح مراد نہیں بلکہ مطلق خیال مراد ہے گو بدرجۂ وسوسہ ہی ہو کیونکہ حضرات انبیاء علیہم السلام کا علم بالصانع فطری و ضروری ہوتا ہے گو اوّل وہلہ میں اجمالی ہوتا ہے پھر بتدریج تفصیلی ہو جاتا ہے مگر استدلالی نہیں ہوتا اور علم ضروری میں ایسا احتمال ممکن نہیں لیکن وسوسہ ممکن ہے اور وجہ اس وسوسہ کی یہ ہے کہ علم اجمالی کے بعد جب تفصیل کی طلب ہوتی ہے گو بیجا

طلب یعنی ترتیب مقدمات نہ ہو بلکہ محض رغبت و تمنا ہو تو یہ طلب شدت محبت کے سبب بعض اوقات ہیمان کا رنگ پیدا کر لیتی ہے جس کی ساتھ بعض نے دو جل لہٗ حَتَّالاً کو مفسر کیا ہے اور اس ہیمان سے قوت عقلیہ مغلوب ہوجاتی ہے گو تھوڑی ہی دیر کیلئے سہی جس کی طرف شرح ہذا میں اس قول سے اشارہ کیا ہے کہ عقل عارضی طور پر مغلوب ہوگئی ہے اھ۔ اس مغلوبیت کے وقت بعض اوقات مطلوب کے بعض صفات سے ذہن کو ذہول ہوجاتا ہے اور بعض صفات مستحضر رہتی ہیں اور کبھی اس کے تحقق کی یہ صورت ہوتی ہے کہ جو صفات مطلوب و غیر مطلوب کے درمیان فارق ہیں اُن سے تو ذہول ہوگیا اور جو صفات مشترک ہیں وہ حاضر رہیں تو ایسے وقت میں اگر کسی ایسے غیر مطلوب کا مشاہدہ ہو جو اُن صفات مشترکہ سے متصف ہے یعنی گویا وہ مطلوب کی مثال ہے تو اُس مثال پر مطلوب کا وسوسہ ہوجاتا ہے پھر جب وہ غلبہ زائل ہوجاتا ہے تو صفات فارقہ کے فوراً حاضر ہوجانے سے وہ وسوسہ دفع ہوجاتا ہے اور پھر جب معرفت مفصلہ تام ہوجاتی ہے پھر ایسے وسوسہ کی بھی نوبت نہیں آتی پس غیر انبیاء کو جس درجہ میں احتمال ہوسکتا ہے انبیاء کو وسوسہ ہوسکتا ہے اور یہ منافی شان نبوت کے نہیں جیسے ایک شخص نے حکایت بیان کی کہ وہ جب گھر آتے تو دروازہ پر اپنی چھوٹی لڑکی کو آواز دیتے وہ مرگئی تو ایک بار دروازے پر پہنچکر اُسکا مرنا یاد نہ رہا اور اُسی کو پکارنے لگے پھر جب یاد آیا تو بہت روئے۔ اب دو سوال باقی ہیں ایک یہ کہ مولانا نے اُس کو مضر کیوں کہا۔ جواب یہ ہے حسنات الابرار سیئات المقربین۔ دوسرا سوال یہ ہے کہ کیا انبیاء علیہم السلام بھی کیفیات سے مغلوب ہوتے ہیں۔ جواب یہ ہے کہ ہوتے ہیں مگر کم خصوصاً ابتدائی حالت میں تو کچھ بھی بُعد نہیں اور ایسی مغلوبیت احیاناً بہت نصوص میں مذکور ہے۔

نوٹ۔ شاہ عبدالقادر صاحب رحمۃ اللہ علیہ کی اجمالی تفسیر کو بھی اسی تفصیلی تقریر پر محمول کرنا ضروری ہے۔

ضمیمہ۔ اس تقریر کی تحریر کے بعد اپنے رسالہ المفتاح المعنوی میں اس مقام کا ایک حل نظر پڑا تتمیم فائدہ کیلئے اُس کو بھی نقل کرتا ہوں۔ اور تقریر سابق و تقریر لاحق میں فرق یہ ہے کہ سابق میں تو ہذا ربی کا مشار الیہ کوکب وغیرہ ہے اور مصرعہ چونکہ اندر عالم وہم او فتاد اپنے ظاہر پر محمول ہے اور لاحق میں ہذا کا مشار الیہ حق جل شانہ ہے اور مصرعہ مذکورہ اپنے ظاہر سے منصرف ہے چنانچہ عنقریب معلوم ہوگا۔ وھو ھذا۔ قولہ گفت ہذا ربی الخ۔ یہ ایک تاویل کی طرف اشارہ ہے جس کو بعض صوفیہ نے تصریحاً فرمایا ہے کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام نے جو کوکب کو دیکھا تو اُس میں تجلی حق کا مشاہدہ کیا اور اُس مشاہدہ کو کہا ہذا ربی اور مظہر کو وہ پہلے سے بھی آفل سمجھتے تھے مگر دوسروں پر احتجاج کرنے کیلئے افول کے منتظر رہے افول کے وقت لا اُحب فرمایا چونکہ مظاہر عالم وہم سے ہیں اس لئے مولانا فرماتے ہیں ع چونکہ اندر عالم وہم او فتاد ورنہ انبیاء علیہم السلام کو مظاہر کے واسطہ کی ضرورت ہی نہیں۔ انکا علم ضروری ہوتا ہے اور ابراہیم علیہ السلام کا

ھ۱ یعنی مقاصد کو نہ [illegible] بعد کل [illegible]

بھی ضروری تھا مگر بمصلحت احتجاج ایسا کیا اور چونکہ بشکل احتجاج نہ تھا اس لئے نادان کو اس سے ایہام ہو سکتا تھا جسکی بنا پر یہ بھی نظیر اقوال ثلٰثہ کی ہو گیا۔ دوسرے شعر میں اسی تاویل کی نسبت فرمایا ہے۔ ذکر کوکب را الخ باقی اہل ظاہر کی تاویلات میں اقرب یہ ہے کہ بطور فرض کے فرمایا ہے اھ مافی المفتاح خلاصہ اس کا یہ ہے کہ جب ابراہیم علیہ السلام احتجاج کیلئے عالم وہم یعنی مظاہر میں (جو کہ واسطہ فی اثبات الصانع ہیں) واقع ہوئے نہ بایں معنی کہ گرفتار وہم ہوئے بلکہ بایں معنی کہ عالم وہم کی طرف متوجہ ہوئے جس کا سبب ضرورت احتجاج تھی گو اسی کے بعد لا احب الآفلین فرمادیا اور ھذا ربی اس کی نسبت نہیں فرمایا مگر اس سے نادان کو تو ایہام ہو گیا کہ دونوں قول ایک شئی کے متعلق ہیں جس سے یہ قول بھی نظیر فعلہ کبیرھم۔ وانی سقیم۔ وھذہ اختی کا ہو گیا اور جیسے وہ اقوال ثلٰثہ ایہام ہی کے سبب ظاہراً آپ کی شان رفیع سے قدرے بعید تھے۔ ایسا ہی ایہام کے سبب یہ بھی بعید ہو گیا اسی کو مولانا ضرر وازجان کند وغیرہ کہہ رہے ہیں تو اس ضرر کا سبب عالم وہم میں واقع ہونا بالمعنی المذکور ہوا تو عالم وہم ایسی چیز ہے کہ اتنے بڑے کو مضر ہوا۔ ۲۱ جمادی الاخری [illegible]

رسالہ درجۃ الحسام من اشاعۃ الاسلام

(یعنی تقریظ بر رسالہ اشاعت اسلام مؤلفہ مولانا حبیب الرحمٰن صاحب دیوبندی دام فیضہم)

الجواب۔ بعد الحمد والصلوٰۃ مخالفین اسلام کے اس شبہ کا کہ اسلام بزور شمشیر پھیلایا گیا ہے۔ اصولی جواب تو خود اسلام کے قانون سے ظاہر ہے جس کے بعض ضروری دفعات یہ ہیں (دفعہ ۱) قتال میں عورت اور اپاہج اور شیخ فانی اور اندھے کا قتل باوجود اُن کے بقاء علی الکفر کے جائز نہیں۔ اگر سیف اکراہ علی الاسلام کیلئے ہوتی تو انکو اس حالت پر کیسے چھوڑا جاتا ہے (دفعہ ۲) جزیہ مشروع کیا گیا اگر سیف جزاء کفر ہوتی تو باوجود بقاء علی الکفر کے جزیہ کیسے مشروع ہوتا (دفعہ ۳) پھر جزیہ بھی سب کفار پر نہیں چنانچہ عورت پر نہیں اپاہج اور نابینا پر نہیں۔ رہبان پر نہیں۔ اس سے معلوم ہوا کہ مثل سیف کے جزیہ بھی جزاء کفر نہیں ورنہ سب کفار کو عام ہوتا جب جزیہ کہ سیف سے اخف ہے جزائے کفر نہیں تو سیف جو کہ اشد ہے کیسے جزاء کفر ہوگی (دفعہ ۴) اگر کسی وقت مسلمانوں کی مصلحت ہو تو کفار سے صلح بلا شرط مال بھی جائز ہے (دفعہ ۵) اگر حالات وقتیہ مقتضی ہوں تو خود مال دیکر بھی صلح جائز ہے ان اخیر کی دونوں دفعات سے معلوم ہوا کہ جزیہ جس طرح جزائے کفر نہیں جیسا دفعہ ۳ سے معلوم ہوا اسی طرح وہ مقصود بالذات بھی نہیں ورنہ صلح بلا مال یا بہ بذل مال جائز نہ ہوتی پس جب سیف یا جزیہ نہ جزاء کفر ہیں نہ مقصود بالذات ورنہ دفعات مذکورہ مشروع نہ ہوتے تو ضرور اسکی کوئی ایسی علت ہے جو ان دفعات کی ساتھ جمع ہو سکتی ہے اور وہ حسب تصریح حکماء امت (کما فی الہدایہ وغیرہا) سیف کی غرض اعزاز دین و دفع فساد ہے اور جزیہ کی غرض یہ ہے کہ جب ہم ہر طرح اُن کی حفاظت کرتے ہیں اور اُن

حفاظت میں اپنی جان ومال صرف کرتے ہیں تو اس کا صلہ یہ تھا کہ وہ بھی حاجت کے وقت ہماری نصرت بالنفس بھی کرتے مگر ہم نے ان کو قانوناً اس سے بھی سبکدوش کر دیا اسلئے کم از کم اُن کو کچھ مختصر ٹیکس ہی ادا کرنا چاہئے تاکہ یہ نصرت بالمال اُس نصرت بالنفس کا کسی درجہ بدل ہو جاوے۔ یہ اغراض ہیں سیف اور جزیہ کے اور یہی وجہ ہے کہ جب اعداء دین کا احتمال فساد کا نہیں رہتا سیف مرتفع ہو جاتی ہے جس کے تحقق کی ایک صورت قبول جزیہ ہے ایک صورت صلح ہے اور یہی وجہ ہے کہ جو لوگ نصرت بالنفس پر جو کہ ان پر عقلاً واجب تھی قادر نہیں اُن سے نصرت بالمال بھی معاف کر دی گئی ہے البتہ چونکہ احتمال فساد کا موثوق بہ استقرار عادۃً موقوف ہے حکومت وسلطنت پر چنانچہ تمام شوکت سلاطین کا گو وہ اہل ملل بھی ہوں یہ اجماعی مسئلہ ہے اس لئے ایسی کسی صورت کو بحالت اختیار گوارا نہیں کیا گیا جس میں اسلام کی قوت وشوکت کو صدمہ پہنچے اس مختصر تقریر سے اصولی طور پر شبہ مذکورہ کا بالکلیہ قلع قمع ہو جاتا ہے اور اس کا وسوسہ بھی باقی نہیں رہتا کہ شمشیر اشاعت اسلام کیلئے وضع کی گئی ہے۔ الحمدللہ کہ اس اعتراض کا بالکلیہ استیصال ہو گیا۔ رہا مرتد کا قتل اسلام کی طرف عود نہ کرنے کی حالت میں سو اس کی حقیقت اکراہ علی قبول الاسلام نہیں ہے بلکہ اکراہ علی بقاء الاسلام بعد قبولہ ہے سو وہ ایک مستقل مسئلہ ہے جو مسئلہ مبحوث عنہا سے بالکل مغائر ہے اور اُس کی بنا بھی وہی دفع فساد ہے جو اصل مسئلہ سیف کی بنا ہے اتنا فرق ہے کہ کفر قبل الاسلام کا شر اور ضرر اخف ہے اس لئے اس کا تدارک جزیہ یا صلح سے جائز رکھا گیا اور کفر بعد الاسلام یعنی ارتداد کا شر اور ضرر اغلظ ہے کہ ایسا شخص طبعاً بھی زیادہ مخالف ومحارب ہوتا ہے اور دوسروں کو اس کی یہ حالت دیکھ کر حق میں تذبذب وتردد بھی ہو جاتا ہے نیز اس میں ملت کا ہتک حرمت بھی ہے اس لئے اس کا تدارک صرف سیف تجویز کیا گیا اور مرتدہ چونکہ عادۃً محارب نہیں ہوتی صرف تذبذب وہتک کا ضرر اس کے حبس دائم سے دفع کر دیا گیا کہ عقوبت بھی فطرۃ خاصہ زجر کا ہے بہرحال قانون اسلام کا مع رفع تمامی شبہات کے، اعتراض اشاعت اسلام بالسیف کیلئے دافع ہونا ظاہر ہو گیا جو کہ حقیقت شناسان اہل انصاف کی تشفی کیلئے کافی ہے مگر چونکہ اس وقت عام طور سے مادیت واخباریت کا اکثر طبائع پر رنگ غالب ہے اس لئے اس شبہ کے جواب میں سخت ضرورت اس کی بھی تھی کہ خود شارع علیہ الصلوٰۃ والسلام اور آپ کے نائبان ذوی الاحترام یعنی ذمہ داران اسلام کے واقعات جزئیہ بھی ان اصول مذکورہ کی تائید وموافقت میں دکھلائے جاویں چنانچہ اس ضرورت کو محسوس کر کے متعدد حضرات نے اس موضوع پر توجہ کی ہے لیکن علاوہ وغیرہ میں عبارت نہ ہونے کے سبب اکثر کے کلام میں خود وہ اصول صادقہ جن کی تائید مقصود تھی متروک وفائت ہو گئے ہیں جس سے وہ تائید بالکل اس مثل کے مصداق ہو گئی یکے بر شاخ بن می برید۔ تو اس طرح سے وہ ضرورت پھر باقی کی باقی رہی حق تعالیٰ جزائے خیر عطا فرماوے مکرمی معظمی نبراس العلماء راس الفضلاء تاج الادباء سراج البلغاء حضرت مولانا حبیب الرحمٰن صاحب

عہ من قولہ تعالیٰ: آمِنُوا بِالَّذِي أُنزِلَ عَلَى الَّذِينَ آمَنُوا وَجْهَ النَّهَارِ وَاكْفُرُوا آخِرَهُ لَعَلَّهُمْ يَرْجِعُونَ.

ناظم مدرسۂ دارالعلوم دیوبند دام ودامت بالفیوض والبرکات والمواہب کو جنھوں نے اپنے رسالہ اشاعت اسلام ملقب بہ "دنیا میں اسلام کیونکر پھیلا" میں جس کے چند اجزا اس وقت میرے سامنے ہیں اس ضرورت کا حق بوجہ اکمل ادا فرمایا جسمیں اوّلاً تمہید میں بقدر ضرورت اصول کی طرف بھی اشارہ فرمایا ہے اور ثانیاً واقعات صحیحہ کو ایسی خوبی کیساتھ ذکر فرمایا ہے کہ دلالت علی المقصود کیساتھ انطباق علی الاصول کا پورا لحاظ رکھا ہے جس سے شائقان فروع و عاشقان اصول دونوں کو مستفید کرتا ہوا اس شعر کا مصداق ہوگیا ہے ؎ بہار عالم حسنش دل و جان تازہ می دارد ٭ برنگ اصحاب صورت را ببوا رباب معنی را

یہ تو اس کے معنوں اور معانی کی کیفیت ہے پھر عنوان اور الفاظ میں سادگی اور حسن کو ایسے طور پر جمع کیا ہے کہ عبارت میں نہ فرسودہ قدامت ہے نہ متکلف، سودہ جدّت جس سے وہ اس شعر کا مصداق ہوگیا ہے ؎

دل فریبان نباتی ہمہ زیور بستند ٭ دلبر ماست کہ باحسن خداداد آمد

چونکہ میں ثناء سے زیادہ دعا کو اپنا وظیفہ سمجھتا ہوں اس لئے بجائے ثنا کے اس دعا پر ختم کرتا ہوں کہ اے اللہ اس رسالہ کو نافع فرما اور شبہات کیلئے دافع فرما اسی وقت ختم پر مجھکو یاد آیا کہ القاسم دور جدید کے کسی پرچہ میں مولانا اعزاز علی صاحب مدرس مدرسہ موصوف نے ایک مضمون شروع کیا تھا جس کا عنوان ہے "اسلام سے لوگوں کو کس کس طرح روکا گیا" مناسبت تقابل کے سبب (جسکی مسلمہ خاصیت ہے. وبضدها تتبین الاشیاء) اس مقام پر اس کا ذکر کرنے کو بھی دل چاہا اسکو تلاش کر رہا تھا کہ القاسم بابت ماہ رمضان ۱۳۳۵ھ میں وہ بھی مل گیا اور اسی دوران میں القاسم ماہ ذیقعدہ ۱۳۳۵ھ میں ایک اور مضمون مولانا ہی کا بعنوان "اشاعت اسلام کا تاریخی سلسلہ" ملا جس میں مضمون بالا یعنی مانعیت عن الاسلام کی تکمیل کا وعدہ اور ساتھ ہی دنیا میں اسلام کیونکر پھیلا کی تتمیم کا وعدہ ذکر فرمایا ہے اس کے دیکھنے سے میرے سامنے تین نور جمع ہوگئے۔ یعنی مولانا الممدوح سابقاً کا اصل مضمون۔ ۲ مولانا الممدوح لاحقاً کا مضمون اشاعت جس کو اصل مضمون کا تتمہ کہنا مناسب ہے۔ ۳ ان ہی مولانا کا مضمون مانعیت جس کو اصل مضمون کا ضمیمہ کہنا مناسب ہے اور ہر نور نے ایک سرور پیدا کرکے یہ شعر صادق کردیا ؎ سرورٌ فی سرورٍ ٭ ونورٌ فوق نورٍ۔

اور درحقیقت یہ مضمون مانعیت کا اصل مضمون کی شوکت وصولت کا جلی اور قوی کرنیوالا ہے جسکی تعبیر یہ ہے کہ اسلام میں وہ دلکشی ہے کہ باوجود مخالفین کے اتنے مکائد و شدائد کے اس کے اثر میں کمی نہیں ہوئی پس اصل مضمون سے اسلام کی شان حبیبی (یعنی محبوبیت) نمایاں ہیں اور عجیب اتفاق ہے کہ وہ اسی شان کے مظہر یعنی حبیب العلماء کے قلم سے شروع ہوا اور مضمون مانعیت سے اسلام کی شان اعزازی (یعنی عظمت) کہ اتنے مخالفین کو مغلوب کرتا رہا روشن ہے اور عجیب اتفاق ہے کہ وہ اسی شان کے مظہر یعنی اعزاز الفضلاء کے قلم سے شروع ہوا اگر یہ مضمون بھی مثل اصل مضمون کے

ایک معتد بہ مقدار میں مدون ہو جاوے تو انشاء اللہ تعالیٰ اس موضوع میں کوئی حالت منتظرہ باقی نہ رہیگی۔ اب مولانا المدرس دام فیضہم کی خدمت میں دونوں وعدوں کے ایفار کی سفارش اور اللہ تعالیٰ سے ان کی تکمیل میں اعانت کی دعا کر کے دوبارہ مضمون کو ختم کرتا ہوں۔ والسّلام۔ کتبہ اشرف علی التھانوی ۲۷ ذیقعدہ ۱۳۲۴ھ۔

رسالہ القاء السکینہ فی تحقیق ابداء الزینۃ

سوالؑ بعض لوگوں نے آیۂ نور لایبدین زینتھن الا ما ظھر منھا میں ما ظھر منھا کی تفسیر جو وجہ اور کفین کیساتھ منقول ہے اس سے عدم وجوب استتار وجہ و کفین پر استدلال کیا ہے آیا یہ استدلال صحیح ہے یا نہیں؟

الجواب۔ اوّل ما ظھر منہا کی یہ تفسیر متعین نہیں۔ یہ قول ابن عباسؓ سے منقول ہے اور حضرت ابن مسعودؓ سے اسکی تفسیر ثیاب و جلباب کیساتھ منقول ہے والقولان مع اقوال اخر منقولان فی الدر المنثور۔ جب یہ تفسیر محتمل ہوئی تو محتمل سے استدلال صحیح نہیں کیونکہ قول اخیر پر آیت میں وجہ و کفین کے استتار کی کوئی دلیل نہیں اور بعد تسلیم بھی یہ استدلال باطل ہے اور منشار اس کا جہل ہے پانچ امر سے ایک خود جملہ ظھر منہا کے معنی سے بھی عــــه اور لایبدین کے سباق (یا لمومنٰت) و سیاق (یا لتحتانیہ) سے بھی عــــه دوسرے اور اس آیت سے مقدم فی النزول بعض آیات سے بھی اور دوسری مؤخر فی التلاوۃ مقدم فی النزول آیت سے بھی چنانچہ سب کے متعلق عرض کرتا ہوں۔ امر اوّل ما ظھر فرمانا اور ما اظہرن نہ فرمانا۔ (باوجودیکہ اور سب صیغ مذکورہ فی الآیۃ میں فاعل نساء کو قرار دیا گیا ہے جیسے یغضضن۔ یحفظن۔ لا یبدین۔ یضربن۔ یخمرھن۔ لایضربن بارجلھن دال ہے اس پر کہ یہ ظہور عــــه من غیر اظہار ہے۔

امر ثانی۔ یغضضن من ابصارھن ویحفظن فروجھن۔ امر ثالث۔ لایضربن بارجلھن۔

امر رابع۔ سورۂ احزاب کی (جو کہ سورۂ نور سے نزول میں مقدم ہے کذا فی الاتقان) آیتیں قولہ تعالیٰ وقرن فی بیوتکن وقولہ تعالیٰ واذا سالتموھن متاعا وقولہ تعالیٰ یدنین علیھن من جلابیبھن امر خامس آیۂ والقواعد من النساء اللاتی لایرجون نکاحا اور چونکہ ان امور خمسہ میں کوئی تعارض نہیں کما سیتضح اور اسی لئے کسی نے ان میں مؤخر کو مقدم کا ناسخ نہیں کہا اس لئے یہ پانچوں واجب الاخذ ہونگے پس مجموعہ امور خمسہ پر نظر کر کے تقریر مقام کی یہ ہوگی کہ آیت وقرن فی بیوتکن اور آیت واذا سالتموھن سے عورتوں پر استتار اشخاص کا

عــــه اس سوال کے دو جواب آئے ہیں ایک بر تقدیر تسلیم تفسیر مشہور (از مولانا اشرف علی صاحب تھانوی) دوسرا بر تقدیر عدم تسلیم تفسیر مشہور (از مولوی حبیب احمد صاحب کیرانوی) ۱۲ عــــه توجیہ الدلالۃ ان الظہور دائر بین ان احدھما بدون الاظہار حقیقۃ کالاضطراری او حکما کالظہور الضروری المشابہ بالاضطراری کما سیاتی والاخری ما بالاظہار والمراد ھھنا الاولی لکونہا ادنی لا یحتاج الی الدلیل ولا دلیل علی الزائد ولکونہ مقتضی المقام من المنع عن الاظہار ۱۲ منہ

واجب کیا گیا اور اصل حکم اور عزیمت یہی ہے لیکن کبھی خروج عن البیت کی بھی حاجت واقع ہوتی ہے ایسی حالت میں یدنین علیھن من جلابیبھن سے اظہار اشخاص میں رخصت دی گئی اور استتار ابدان کو واجب فرمایا گیا پھر کبھی گھر سے باہر بعض کو جن کے پاس خادم نہ ہوں بعضے ایسے کاموں کی ضرورت واقع ہوجاتی ہے جو ہاتھ سے کئے جاتے ہیں اور اس لئے ہاتھ کا استتار موجب حرج ہوتا ہے اور کام کرنے کے وقت اس کام کے دیکھنے کی بھی حاجت ہوتی ہے اور گھونگھٹ سے منہ چھپانے میں وہ گھونگھٹ ابصار میں حائل ہوجاتا ہے اور اسلئے چہرہ کا استتار بھی موجب حرج ہوتا ہے ایسی حالت میں الا ما ظھر منھا سے بنا بر تفسیر مشہور صرف اظہار وجہ وکفین کی رخصت دی گئی ہے اور بقیہ بدن کے استتار کو واجب فرمایا گیا اور چونکہ یہ ضرورت بوجہ خدمت مولیٰ کے اماء میں زیادہ وسیع تھی۔ اسکی رخصت میں زائد توسیع کی گئی۔

کما ھو مبسوط فی کتب الفقہ۔ پس جواز اظہار وجہ وکفین صرف حالت حرج فی الاستتار کیساتھ مخصوص ہے اور بعض نے قدمین کو بھی کفین کیساتھ ملحق کیا ہے اور بعض نے لبس خفین کے مانع مشی نہ ہونے کو دونوں میں فارق بتلایا ہے اور اس تقیید بحالۃ الحرج پر دلائل مستقلہ کے علاوہ خود صیغہ ظہر میں بھی دلالت ہے جسکی توجیہ یہ ہے کہ عورت اپنے کسی عضو کو جوکہ تعبیر بزینت کی (خواہ بالمطابقہ گو مجازاً ہی ہو خواہ بالالتزام المعتبر عند اہل العربیۃ اس طرح کہ جب زینت جوکہ مباین ملابس ہے اظہار جائز نہیں تو مواضع زینت کا جوکہ جزو ہے اظہار تو کیسے جائز ہوگا) ہرگز ظاہر نہ کرے (وھذا مدلول قولہ تعالیٰ وَلَا یُبْدِیْنَ زِیْنَتَھُنَّ) لیکن اگر ایسی حالت ہو کہ اس میں وجہ وکفین کا استتار ایسا دشوار ہو کہ اگر یہ استتار کا قصد واہتمام بھی کرتی ہے تب بھی وہ اضطراراً بلا قصد اظہار خود بخود ظاہر ہوجاتے ہیں کیونکہ اس ضروری کام کیساتھ استتار جمع نہیں ہوتا ایسی حالت میں بمعیار الضروری یتقدر بقدر الضرورۃ اس عارض کے سبب ابھی قدر انکی کشف کی اجازت ہے پس یہ حکم عارض کے سبب ہے اور اصلی حکم وہی استتار ہے۔ پس استتار کے یہ معنی ہیں نہ یہ کہ اصلی حکم بالقصد وجہ وکفین کا کشف ہو اور استتار کسی عارض سے ہو۔ اور اس کا احتمال کیسے ہوسکتا ہے جبکہ مقام اپنے سیاق وسباق سے انسداد فتنہ کو مقصود بتلا رہا ہے چنانچہ یغضضن اور یحفظن اور لا یحفظن اور لا یضربن بارجلھن سب اس انسداد کی مقصودیت میں نص ہے۔ اور احادیث نے تو فتنہ کے اسباب بعیدہ تک کا انسداد کیا ہے تو ایسی حالت میں وجہ وکفین اور خصوص وجہ کا (جوکہ مبنیٰ ہے تمام فتن کا اور اسکا ڈھکنا نہ صرف بصیرت بلکہ ابصارت کے فقدان کا بھی اقرار ہے) قصداً انکشاف آیت کا مدلول کس طرح ہوسکتا ہے ورنہ اجزاء آیت میں تعارض ہوجاویگا جو کہ ادنیٰ عاقل کے کلام میں بھی ممتنع ہے تو حکیم علی الاطلاق کے کلام میں کیسے جائز ہوگا اور یہ مسئلہ خود مستقل ہے کہ وجوب استتار وجہ وکفین اور وجوب استتار بقیہ بدن یہ دونوں وجوب ایک نوع

ـــــ

له پس یہ بھی ہر گز زینتھن کو خواہ عام ہو بہر زینت کو مثل لباس حریر وغیرہ ... سب کا اظہار لا یبدین ... عام ہے تو حضرات کیسے ...

سے بھی یاد دلوتا ہے مثل فرض عملی وعلمی کے جس کا مشہور عنوان یہ ہے کہ ان میں کون عضو عورت فی نفسہ ہے کون نہیں سو یہاں اس سے بحث نہیں جو امر یہاں مقصود ہے یعنی مطلق وجوب استتار اس میں یہ سب برابر ہیں جیسے عورت غلیظہ وغیر عورت غلیظہ نفس وجوب ستر میں برابر ہیں مگر غلظاً وعدم غلظاً متفاوت ہیں اور چونکہ عادۃً ہاتھ سے کام کرنے میں اگر خاص طور پر خیال نہ رکھا جاوے سر اور گلا کھل جاتا ہے اسلئے ولیضربن بخمرھن سے اسکا انتظام فرما دیا۔ پھر یہ حکم اصلی وجوب استتار وجہ وکفین بنا بر اطلاق الفاظ آیت عام تھا شواب عجائز کیلئے۔ آیت والقواعد من النساء الخ نے اس وجہ سے عجائز کو مخصوص ومستثنیٰ کر دیا گو استحباب ان کیلئے بھی ثابت ہے۔ لقولہ تعالیٰ وان یستعففن خیر لھن۔ باقی وجہ وکفین کے علاوہ بقیہ بدن کا وجوب استتار اب بھی عام ہے چنانچہ سر وغیرہ کھولنا عجائز کیلئے بھی حرام اور آیت والقواعد الخ کو مخصص کہنے کا مبنیٰ وہ اصولی قاعدہ ہے کہ جب خصوص کی دلیل کلام مستقل موصول ہو تو وہ دلیل عام کیلئے مخصص ہو جاتی ہے اور غیر معلوم التراخی حکم موصول میں ہے۔ پس بعد تخصیص حاصل حکم کا یہ ہوا کہ شواب کیلئے تو استتار وجہ وکفین بجز موقع حرج کے بحالہ واجب رہا اور عجائز کیلئے صرف مستحب ورنہ اگر شواب کیلئے وجہ وکفین کا کشف جائز ہوتا تو پھر آیت میں والقواعد کی تخصیص بیکار تھی اس تقریر سے استدلال کا سقوط واضح ہو گیا اور یہ سب احکام اجانب کے اعتبار سے تھے اور محارم واشباہم کا حکم دوسرے جملہ لا یبدین زینتھن الا لبعولتھن الخ میں مذکور ہوا ہے جس کی تقریر بیان القرآن میں ہے اس تقریر کے بعد بفضلہ تعالیٰ نہ کسی محقق پر کوئی اشکال واعضال رہا نہ کسی مبطل کیلئے مجال مقال کا احتمال رہا فقط۔ (تنبیہ) اور یہ سب تفصیل جواز یا عدم جواز انکشاف للاجانب یا للاقارب عورت کے فعل میں ہے باقی مرد کا جو فعل ہے نظر کرنا اس کا جدا حکم ہے یعنی جواز انکشاف جواز نظر کو مستلزم نہیں یعنی جس صورت میں عورت کو کسی عضو کا کھولنا جائز ہے اس سے یہ لازم نہیں آتا کہ مرد کو اس کا دیکھنا بھی جائز ہو بلکہ وہ محل محرم میں یا احتمال شہوت میں بحالہ غض بصر کا مامور رہیگا چنانچہ خود آیت میں اس عدم استلزام کی دلیل موجود ہے یعنی مرد کا بدن بجز مابین السرۃ والرکبہ جائز الانکشاف ہے مگر عورت کو پھر بھی حکم ہے یغضضن من ابصارھن خوب سمجھ لو۔ فقط ثانی ربیع الاول ۱۳۳۴ھ

تقریر قولہ تعالیٰ لا یبدین زینتھن از مولوی حبیب احمد صاحب

قال اللہ تعالیٰ۔ قل للمومنات یغضضن من ابصارھن ویحفظن فروجھن ولا یبدین زینتھن الا ما ظھر منھا۔ ولیضربن بخمرھن علی جیوبھن ولا یبدین زینتھن الا لبعولتھن او اباءھن او اباء بعولتھن او ابناءھن او ابناء بعولتھن او اخوانھن او بنی اخوانھن او بنی اخواتھن او نساءھن او ما ملکت ایمانھن

ع ماخذ یہ حاشیہ صفحہ

او التابعین غیر اولی الاربة من الرجال او الطفل الذین لم یظهروا علی عورات النساء ولا یضربن
بارجلهن لیعلم ما یخفین من زینتهن وتوبوا الی اللہ جمیعا ایہ المؤمنون لعلکم تفلحون ۝ (یہ ایک آیت
ہے جس میں حق تعالیٰ عورتوں کو ارتکاب زنا سے روکتے اور ان کو ان باتوں کی تعلیم فرماتے ہیں جن سے وہ زنا سے
محفوظ رہ سکتی ہیں۔ لیکن اس کے ساتھ ہی حق تعالیٰ ان احکام میں اس کی بھی رعایت رکھتے ہیں کہ عورتوں
کو تنگی نہ لاحق ہو چنانچہ فرماتے ہیں کہ اے رسول آپ مسلمان عورتوں سے فرما دیجئے کہ وہ اپنی آنکھیں کسی قدر بند رکھیں
(اور اپنی نظروں کو آزاد نہ کریں کیونکہ نظر کی آزادی ابتدائی مرحلہ ہے زنا کا۔ کیونکہ اس سے ایک شخص کے محاسن کا
ادراک ہوتا ہے اور ادراک سے استحسان پیدا ہوتا ہے۔ اور استحسان سے رغبت اور رغبت سے کوشش اور کوشش سے
زنا) اور (اس طرح) اپنی شرمگاہوں کو (زنا سے) محفوظ رکھیں (اور اگر وہ ایسا نہ کریں گی تو زنا میں مبتلا ہو جانے کا بہت
قوی خطرہ ہے) اور (دوسری بات جس سے وہ زنا سے محفوظ رہ سکتی ہیں یہ ہے کہ) وہ اپنی آرائش (کپڑوں زیور وغیرہ)
کو نہ کھولیں (بلکہ اسے بطور خود چھپاتی رہیں۔ تاکہ وہ غیر مردوں کی اتفاقیہ نظر سے بھی محفوظ رہے اور کوئی اسے جھک کر
شرارت سے دیکھنا چاہے تو اسے بھی کامیابی نہ ہو۔ اور جبکہ نفس آرائش کے متعلق یہ حکم ہے تو اعضاء جسم بالاولیٰ قابل
اخفاء و ستر ہوں گے) بجز اس آرائش کے جو (عادۃً) ظاہر ہو اور اسکے چھپانے میں تنگی ہو کیونکہ گو اسکے کشف
فی نفسہ میں بھی خطرہ ہے مگر چونکہ خطرہ بعید اور ضرورت شدید ہے۔ لہذا وہ بضرورت مستثنیٰ ہے جیسے کپڑے یا وہ
جس کا تعلق وجہ و کفین سے ہے۔ جیسے انگوٹھی آرسی چھلے۔ مہندی مسی سرمہ۔ پان ٹیکہ۔ افشاں وغیرہ اور جبکہ یہ
مستثنیٰ ہیں تو تبعاً اللزاماً اس کے مواقع یعنی وجہ و کفین بھی مستثنیٰ ہوں گے۔ لیکن اس کے یہ معنی نہیں کہ وجہ و کفین اور
ان کے متعلق آرائش کو لوگوں کے سامنے کھولیں بلکہ مطلب صرف اس قدر ہے کہ فی نفسہ ان کو کپڑوں میں چھپانے کی
ضرورت نہیں۔ اسی طرح جس آرائش اور اس کے مواقع کو چھپانے کی ہدایت ہے اس کا بھی یہ مطلب نہیں کہ دوسرے لوگوں سے
چھپائیں یعنی اس جملہ میں اس سے بحث نہیں بلکہ مطلب یہ ہے کہ وہ فی نفسہ قابل ستر ہیں کیونکہ یہاں صرف فی نفسہ
قابل کشف اور مستحق ستر اشیاء کا بیان کرنا مقصود ہے اور اس سے کوئی بحث نہیں کہ کس سے چھپائیں اور کس کے سامنے
ظاہر کریں کیونکہ اس کی تفصیل آئندہ آتی ہے) اور اپنی اوڑھنیاں اپنے گریبانوں پر ڈالے رہیں (تاکہ گلا بھی محفوظ رہے
اور گریبان سے سینہ بھی نظر نہ آئے اور پستانوں کا ابھار بھی چھپ جائے یہ وہ تدابیر ہیں جن پر عورتوں کو ذاتی طور پر

عہ اس تفسیر پر تمام اقوال سلف جو ماظہر کی تفسیر میں واقع ہیں جمع ہو گئے۔ اور معلوم ہو گیا کہ ان کی تفاسیر بطور تمثیل کے ہیں نہ بطور
حصر کے ۱۲ عہ اس میں اشارہ ہے اس طرف کہ جن لوگوں نے ماظہر منہا کی تفسیر وجہ و کفین سے کی ہے انھوں نے وجہ و کفین کو اسکا
مدلول التزامی قرار دیا ہے نہ کہ مدلول مطابقی ۱۲ منہ

عمل پیرا ہونا چاہئے تاکہ وہ زنا کے خطرہ سے محفوظ رہیں، اور (تیسری بات جس کی زنا سے حفاظت کیلئے بہت سخت
ضرورت ہے، یہ ہے کہ) وہ اپنی آرائش کو (خواہ لباس ہو یا زیور یا مسی سرمہ وغیرہ) کسی کے سامنے ظاہر نہ کریں بجز اپنے
شوہروں کے یا اپنے باپ دادوں کے یا اپنے شوہروں کے باپ دادوں کے یا اپنے پسری اولاد (بیٹوں پوتوں نواسوں)
کے یا اپنے شوہروں کی پسری اولاد (بیٹوں پوتوں نواسوں) کے یا اپنے بھائیوں کے یا اپنے بھائیوں کے پسری اولاد
یا اپنے بہنوں کے پسری اولاد (بیٹوں پوتوں نواسوں) کے (یا اُن کے مثل دوسرے محارم کے) یا اپنی (ہم مذہب
مسلمان) عورتوں کے یا اپنے (مؤنث) مملوکوں کے یا اُن متعلقین (نوکروں چاکروں) کے جو کہ مردوں میں سے (بوجہ
کمال سادگی اور بھولے پن کے) عورتوں کی حاجت نہ رکھتے ہوں یا اُن (نامحرم) لڑکوں کے جو کہ (بوجہ نابالغ اور
غیر مراہق ہونیکے) عورتوں کے مخفیات پر مطلع نہ ہوتے ہوں (کیونکہ شوہروں سے اخفا کی تو کوئی وجہ نہیں۔ رہے
محارم سو ان سے فتنہ کا اندیشہ قریب قریب نہ ہونے کے ہے اور کثرت اختلاط اور ضرورت کی وجہ سے ان سے
احتیاط دشوار ہے۔ لیکن اگر کسی جگہ اس کا خطرہ قریب ہو تو اُس سے بھی پردہ کرایا جاویگا لعدم منشاء الاستثناء رہی
مسلمان عورتیں سو ان سے بھی خطرہ نہیں اور ضرورت ہے۔ اسی طرح کافر لونڈیوں میں ضرورت ہے اور خطرہ بعید ہے
رہی تابعین غیر اولی الاربہ اور نابالغ یا غیر مراہق لڑکے سو ان میں ضرورت ہے اور خطرہ نہیں۔ اس وجہ سے ان لوگوں کو
مستثنیٰ کیا گیا۔ یہ تو حکم تھا نفس زینت کا۔ اب رہے مواقع زینت یعنی اعضاء سو ان کی تفصیل یہ ہے کہ جو مواقع ایسے
ہیں جن کی زینت کا اظہار مستلزم ہے خود ان کے اظہار کو جیسے وجہ وکفین سو ان کا حکم تو التزاماً معلوم ہو گیا کہ جہاں
ابداء زینت جائز ہے وہاں کشف وجہ وکفین بھی جائز ہے اور جہاں نہیں وہاں یہ بھی نہیں۔ اب رہے وہ اعضاء جن کی
زینت کا اظہار مستلزم ان کے اظہار کو نہیں جیسے اعضاء مستورہ تحت الثیاب۔ سو ان میں یہ تفصیل ہے کہ اشخاص
مستثنیٰ (یعنی محارم) سے جن اعضاء کے ستر میں حرج ہے جیسے سر گردن سینہ بازو پنڈلیاں کلائیاں سو وہ
بوجہ علت مشترکہ ملحق بالزینۃ ہیں اور جو ایسے نہیں ہیں وہ اپنے حکم اصلی یعنی وجوب تستر پر باقی ہیں جیسے ران پیٹ
وغیرہ باستثناء شوہر کے کہ اس کے لئے کوئی چیز قابل تستر نہیں) اور (چوتھی بات جو زنا سے حفاظت میں معین

ف النہی عن ابداء الزینۃ مع کونہا غیر عورۃ فقہیۃ یدل علی ان یعنی ہذا النہی لیس کون الشئ عورۃ او غیر عورۃ بل بمعناہ ہو الفتنۃ وہو یدل علی ان الوجہ لیس بمستثنیٰ ۱۲ ف دل علی تعمیم اطلاق اللفظ ان لفظ الزینۃ یعم کل ما تتزین بہ واللباس ایضا منہ کما قال تعالیٰ خذوا زینتکم وغیر قطع بعضها من اللباس فلا یؤذن بالخروج فی البرقع بالضرورۃ ف ہذا بطریق عموم المجاز ۱۲ ف اعتبار الامرین فی الاستثناء اعنی التبعیۃ وکونہ من غیر اولی الاربۃ یدل علی ان معنی الاستثناء مجموع الامرین المذکورۃ التی تدل علیہ التبعیۃ وعدم الفتنۃ الذی یدل علیہ کونہ من غیر اولی الاربۃ بہما تحققان فی جمیع من استثناہم الشرع ۱۲ ف ورد فی تفسیرہ عن السلف انہ الابلہ الاحمق والمغفل والمجنون والحماس ۱۲

ہو گی یہ ہے کہ) وہ اپنے پاؤں کو زمین پر نہ ماریں تاکہ اُن کی وہ آرائش معلوم ہو سکے جس کو وہ چھپائے ہوئے ہیں (کیونکہ عورت کے زیور کی آواز سُنکر مردوں کو فطری طور پر اُن کی طرف میلان ہوتا ہے جس سے اول اُن کے خیال پر اثر پڑتا ہے اور خیال سے فعل پر۔ اور جبکہ ان کو اپنے زیوروں کی آواز چھپانے کی ضرورت ہے، تو ان کو اس کی اجازت بالاولیٰ نہ ہو گی کہ وہ خود بلاضرورت غیر مردوں سے بات کریں کیونکہ ان کی آواز زیور کی آواز سے زیادہ فتنہ ہے اور ضرورت کے موقع پر اس کی احتیاط کی جاویگی کہ فتنہ نہ ہو کما قال تعالیٰ فلا تخضعن بالقول) اور (اصل تدبیر جو مانع عن الزنا ہے وہ یہ ہے کہ) اے مومنو تم سب اللہ کی طرف رجوع ہو (کیونکہ ان تدابیر پر بھی اُسی وقت عمل ہو سکتا ہے جبکہ رجوع الی اللہ ہو ورنہ یہ سب باتیں ایک قصہ ہوں گی جو صرف سُننے کے درجہ میں رہیں گی اور ان پر عمل نہ ہو سکے گا اُمید ہے کہ ان تدابیر پر عمل کر کے) تم کامیاب ہو گے (اور ان کے ترک یا رد سے خائب و خاسر رہو گے)۔

فوائد متعلقہ آیت مطلوبہ

(۱) اس آیت میں جس قدر احکام مذکور ہیں وہ سب زنا کی انسدادی تدبیر ہیں ہونے کی حیثیت سے مذکور ہیں۔ (۲) چونکہ وہ تمام باتیں جن سے اس جگہ روکا گیا ہے سب ایک ہی مرتبہ میں مفضی الی الزنا نہیں ہیں بلکہ اس کا احتمال بعض میں قریب ہے اور بعض میں بعید اور بعض میں ابعد اس لئے نہی کے مراتب میں بھی تفاوت لازم ہے پس غیر محارم کی عدم موجودگی میں عورت کا ماسوائے زینت ظاہرہ کو کھولنا خلاف احتیاط ہونے کی وجہ سے خلاف اولیٰ ہو گا۔ اور غیر محارم کی موجودگی میں زینت کا کھولنا بوجہ احتمال فتنہ کے قریب ہونیکے حرام ہو گا۔ اس لئے لا یبدین زینتھن الا ما ظھر منھا میں نہی مطلق طلب کف کیلئے ہو گی۔ اور لا یبدین زینتھن الا لبعولتھن میں تحریم کیلئے۔ (۳) لا یبدین زینتھن الا ما ظھر منھا میں ابداء سے کشف و ستر فی نفسہ مراد ہے نہ کشف للغیر و ستر عن الغیر کیونکہ آیت میں غیر سے اصلاً تعارض نہیں اور نہ تقدیر محذوف کی ضرورت ہے اور نہ نفس حذف بالتعیین محذوف پر کوئی قرینہ ہے اس کے ساتھ ہی اس میں مفاسد عدیدہ ہیں اور غرض مسوق لہ الکلام بقدر امکان تدبیر حفاظت از زنا ہے لیکن تبعاً اس سے عورۃ و غیر عورۃ کی تفصیل بھی معلوم ہو جاتی ہے اور معلوم ہوتا ہے کہ عورتوں کا چہرہ اور پہنچوں تک ہاتھ ستر نہیں ہیں کیونکہ ان سے بوجہ تعذر کے ستر فی نفسہ ساقط ہے اور باقی جسم ستر ہے کیونکہ ان کا ستر فی نفسہ بحالہ باقی ہے پس فقہاء کا استدلال اس سے تفصیل عورۃ و غیر عورۃ پر باشارۃ النص ہے نہ بعبارۃ النص لیکن حد ستر دلائل سے لونڈیاں اس سے مستثنیٰ ہیں اور ان میں ستر و غیر ستر کی تفصیل دوسری ہے۔ (۴) الا ما ظھر منھا سے جو لوگ یہ ثابت کرنے کی کوشش

ف قد بینا بعضہا فیما سیاتی و ترکنا بعضہا خوفا من الاطناب ۱۲ ف مگر فقہاء نے انھیں مستثنیٰ نہیں کیا بلکہ ان کے ان اعضاء کو بھی جو علاوہ وجہ و کفین کے ستر نہیں ہیں ما ظھر عادۃً میں داخل کیا ہے ۱۲

کرتے ہیں کہ جوان عورتوں کیلئے عام طور پر چہرہ کھولے پھرنا جائز ہے یہ اُن کی غلطی ہے کیونکہ ہم بتلا چکے ہیں کہ الا ما ظہر منہا میں صرف عورتوں کو فی نفسہ چہرہ اور ہاتھ کھولے رہنے کی اجازت ہے، تاکہ دوسرے اعضاء کی طرح ان کے چھپانے کے اہتمام سے ان کو زحمت اور تکلیف نہ ہو اور اس میں دوسروں کے سامنے اُن کے کھولنے کے جواز و عدم جواز سے تعرض نہیں ہے۔ پھر نہی ابداء زینت و ضرب ارجل سے معلوم ہوتا ہے کہ عورت کے جملہ اعضاء و متعلقات فی نفسہ قابل ستر ہیں کیونکہ ان میں مردوں کی توجہ کو اپنی طرف پھیر لینے کا قدرتی اثر ہے اور وجہ و کفین سے اسقاط ستر فی نفسہ بوجہ ضرورت ہے اسی طرح بعض اعضاء مستورۃ فی نفسہا کالراس والعضد وغیرہا واعضاء غیر مستورۃ فی نفسہا کالوجہ والکفین کے محارم کے سامنے ابداء کی اجازت بھی مبنی بر ضرورت ہے لہذا وجہ و کفین وغیرہ میں ستر اصلی ہے اور کشف للعارض ہے اور چونکہ جوان عورتوں کے کشف وجہ للاجانب میں کوئی ایسی ضرورت نہیں ہے جس کو شریعت ضرورت تسلیم کرتی ہو کیونکہ آجکل کی تہذیب و ترقی و تمدن شرعی ضرورتیں نہیں اور احتمال فتنہ بہت قریب ہے اس لئے ان کو کشف وجہ للاجانب کی شرعاً اجازت نہیں ہوسکتی بالخصوص ایسی حالت میں جبکہ حق تعالیٰ فتنہ کی وجہ سے عورتوں کو اپنے زیوروں کی آواز سنانے کی بھی ممانعت کرتے اور باوجود مردوں کے چہرہ وغیرہ کے عورت نہ ہونے کے عورتوں کو غض بصر کا حکم دیتے ہوں پس جبکہ وہ عورتوں کو مردوں کے دیکھنے سے منع کرتے ہیں جن کا اکثر حصہ جسم عورت نہیں۔ اور جو عورت ہے وہ مستور رہے نیز وہ اُن کو اپنے زیور کی آواز مردوں کو سنانے سے بھی روکتے ہیں نیز وہ مردوں کو یغضوا من ابصارھم کا حکم دیتا ہے حالانکہ اُن کی نظر بس اپنے اعضاء وغیرہ پر پڑ سکتی ہے جن کے کشف کے جواز پر زور دیا جاتا ہے۔ تو کوئی عاقل اس کو تسلیم نہیں کرسکتا کہ وہ خاص اس اہتمام کی حالت میں عورتوں کو بذریعہ الا ما ظہر منہا اس کی اجازت دیں کہ وہ اپنے چہروں کو مردوں کے سامنے کھول کر زنا کا پھاٹک کھول دیں۔ پس اس سے بھی معلوم ہوا کہ الا ما ظہر سے یہ سمجھنا کہ اس جگہ حق تعالیٰ نے عورتوں کو مردوں کے سامنے چہرہ کھولنے کی اجازت دی ہے ہرگز قابل قبول نہیں نیز حق تعالیٰ نے لا یبدین زینتہن میں کشف زینت مستورہ کی ممانعت فرمائی ہے پس اگر اس سے کشف للغیر کی ممانعت مقصود نہ ہو تو پھر اس کی کوئی وجہ ہونی چاہئے۔ کہ حق تعالیٰ نے سر اور بازو وغیرہ کو اجانب کے سامنے کھولنے کی کیوں ممانعت کی ہے اسکا جواب اگر یہ دیا جاوے کہ وہ عورت ہیں تو اس پر سوال ہے کہ ان کو عورت قرار دینے کی کیا وجہ ہے۔ سو اس کا جواب ہر صاحب فہم یہی دیگا کہ اس کی وجہ وہی احتمال فتنہ ہے۔ پس اب قابل غور یہ بات ہے کہ کیا بازو وغیرہ کھولنے میں چہرہ کھولنے سے زیادہ فتنہ تھا سو اس کا جواب یہی ہے کہ نہیں۔ پس ایسی حالت میں کون عاقل تسلیم کریگا کہ جس میں احتمال فتنہ کا کم تھا حق تعالیٰ اُس کو تو چھپانے کا حکم دیں اور جس میں احتمال فتنہ زیادہ تھا اُس کو کھولنے کی

اجازت دیں جبکہ کوئی عاقل اس کو تسلیم نہیں کرسکتا تو ثابت ہوا کہ یہاں ابدار سے مراد کشف للغیر نہیں ہے بلکہ کشف فی نفسہ ہے۔ اور چہرہ کھولنے کی اجازت دوسروں کے سامنے نہیں بلکہ اس میں صرف کشف فی نفسہ کی اجازت ہے پھر اگر جواز کشف کا منشا صرف عورت نہ ہونا ہے تو خود اظہار زینت کی ممانعت کیوں ہے کیونکہ نفس زینت عورت اصطلاحیہ نہیں ہے حالانکہ اس کے کشف کی ممانعت منصوص ہے کیونکہ لفظ زینت اپنی حقیقی معنی میں استعمال کیا گیا ہے۔ اور مواضع زینت مراد لینا بلا ضرورت اور بلا قرینہ ہے۔ (۵) لا یبدین زینتھن الا ما ظھر منھا میں اصالۃً نہی عنہ ابدار زینت ہے اور زینت مستورہ کے مواضع کا حکم بطریق (التزام) اولویۃ ثابت ہے۔ اور زینت ظاہرہ میں یہ تفصیل ہے کہ اگر اس زینت کا کشف مستلزم کشف محل ہو۔ تو وہ محل لزوماً مستثنیٰ ہوگا جیسا کہ وجہ و کفین اور جس کا ابدار مستلزم ابدار محل نہیں وہاں محل مستثنیٰ نہ ہوگا جیسے ثیاب وغیرہ۔ (۶) لا یبدین زینتھن الا لبعولتھن میں بھی زینت سے مراد معنی حقیقی ہیں اس لئے اصالۃً بھی زینت سے متعلق ہوگی۔ اور زینت چونکہ مطلق ہے اس لئے غیر مستثنیٰ اشخاص کیلئے ہر زینت کا ابدار ناجائز نہ ہوگا۔ خواہ وہ چہرہ اور کفین سے متعلق ہو یا جسم کے کسی اور حصہ سے اور مستثنیٰ اشخاص کیلئے ہر زینت کا ابدار جائز ہوگا۔ اب رہا مواضع زینت سو اس میں یہ تفصیل ہے کہ چونکہ غیر مستثنیٰ اشخاص کیلئے ہر زینت کا کشف ناجائز ہے اس لئے ان کے مواضع کا کشف بالاولیٰ ناجائز ہوگا۔ اور چونکہ مستثنیٰ اشخاص کیلئے ہر زینت کا ابدار جائز ہے اس لئے اس کا جواز بدلالت مطابقی منطوق کلام سے ثابت ہوگا۔ اب رہے مواضع سو اس میں یہ تفصیل ہے کہ جو مواضع ابدار میں زینت سے منفک نہیں ہو سکتے ان کا ابدار تو نص سے بدلالت التزامی ثابت ہوگا اور جو مواضع ایسے نہیں ہیں ان سے نص ساکت ہوگی اور اس لئے ان کا حکم دوسرے دلائل سے معلوم کیا جاویگا سو چونکہ وہ دو قسم کے ہیں بعض تو ایسے ہیں جن کے اخفاء میں مستثنیٰ اشخاص سے تعذر ہے اور بعضے ایسے نہیں ہیں سو جن کے اخفاء میں تعذر ہے ان کو فقہاء نے بعلت مشترکہ ملحق بالزینۃ قرار دیا ہے۔ اور جو ایسے نہیں ہیں وہ اپنی حالت پر مستور ہیں باستثناء شوہر کے کہ اس سے کوئی چیز مستور نہیں ہے۔ پس اس سے ثابت ہوا کہ بحکم لا یبدین زینتھن غیر مستثنیٰ اشخاص سے چہرہ اور کفین کا چھپانا ضروری ہے اور اس سے یہ بھی ثابت ہوا کہ الا ما ظھر منھا میں عورتوں کو کشف وجہ للغیر کی اجازت نہیں ہے ورنہ دونوں حکموں میں تعارض ہو جاویگا اور اس تعارض دفع کیلئے الا ما ظھر کو حکم لا یبدین زینتھن الا لبعولتھن میں مقدر ماننا بلا ضرورت اور بلا قرینہ ہے۔

(۷) فقہاء تصریح کرتے ہیں کہ بہت بوڑھی عورتوں کیلئے نامحرموں کے سامنے چہرہ کھولنا جائز ہے۔ سو اس کی وجہ یا تو یہ ہے کہ انہوں نے ان کو لا یبدین زینتھن سے اس بناء پر خارج سمجھا ہے کہ یہاں مقصود بالخطاب جوان عورتیں

ہیں

ہیں جو اہل شہوت و محل فتنہ ہیں کما یدل علیہ قولہ تعالیٰ قل للمؤمنات یغضضن من ابصارھن الخ یا مخصوص
نے ان کو لونڈیوں کی طرح دوسرے دلائل سے خارج کر دیا ہے چنانچہ ایک دلیل یہ ہے کہ عورت کا تمام بدن فی نفسہ بوجہ
احتمال فتنہ کے ولو کان بعیداً قابل ستر فی نفسہ و عن الغیر تھا مگر شریعت نے بوجہ حرج کے چہرہ اور ہاتھوں سے ستر
فی نفسہ کو تمام عورتوں کے حق میں ساقط کر دیا لیکن عورتوں کے حق میں ستر عن الغیر بوجہ فتنہ کے بحالہ باقی رہا۔ اور
بوڑھیوں سے بوجہ احتمال فتنہ کے نہایت کمزور ہونے اور فی الجملہ ضرورت کے کشف عن الغیر بھی ساقط ہو گیا اور باقی جسم
بوجہ غیر ساقط الستر ہونے کے بحالہ واجب الستر رہا۔ اور دوسری دلیل والقواعد من النساء اللاتی لا یرجون نکاحا)
ہو سکتی ہے۔ اس تقریر سے یہ بات بھی معلوم ہو گئی کہ جواز کشف وجہ للعجائز میں چہرے کے عورت نہ ہونے کو دخل ضرور ہے
مگر وہ مستقل علت نہیں تاکہ اس سے یہ نتیجہ نکالنا صحیح ہو کہ جوان عورت کا چہرہ بھی ستر نہیں۔ لہٰذا اس کا کشف للغیر
فی نفسہ جائز ہے مگر بعارض فتنہ ممنوع ہے۔ کیونکہ ہم بتلا چکے ہیں کہ چہرہ اور کفین کا عورت نہ ہونا بایں معنی ہے کہ ان سے
بوجہ تعذر کے کشف فی نفسہ ساقط ہے نہ بایں معنی کہ ان کا غیر محرموں کے سامنے کھولنا جائز ہے کیونکہ ستر عن الغیر ان میں بحالہ
باقی ہے اور بوڑھیوں میں اس کا جواز کشف للعارض ہے لکون الستر اصلا فی النساء۔

(۸) فقہاء کہتے ہیں کہ مرد کو غیر محرم عورتوں کے چہرہ اور ہاتھوں کو دیکھنا جائز ہے بشرطیکہ فتنہ کا اندیشہ نہ ہو۔ اور
اس سے یہ نتیجہ نکالا جاتا ہے کہ عورتوں کو غیر مردوں کے سامنے چہرہ کھولنا جائز ہے۔ مگر یہ نہایت سخت غلطی ہے کیونکہ
اول تو اس زمانہ میں شرط جواز کا تحقق ہی نادر ہے پھر کشف وجہ للغیر اور رویت لوجہ المرأۃ یہ دو جدا گانہ فعل ہیں اول
فعل عورت کا ہے دوسرا مرد کا۔ اب اگر فرض کیا جاوے کہ مرد کو اپنے نفس پر اطمینان ہے اور اس وجہ سے اس کو جائز
ہے کہ وہ عورت کے چہرہ کو دیکھے تو عورت کو اس کے سامنے چہرہ کھولنے کی کیسے اجازت ہو سکتی ہے۔ کیونکہ اسے کیا علم ہے
کہ میرے چہرہ کھولنے پر مرد کے دل و دماغ پر کیا اثر ہوگا اور جبکہ اسے اجازت نہیں ہو سکتی تو اس سے نتیجہ نکالنا بھی غلط ہے

(۹) قال ابن جریر حدثنی علی قال ثنا عبد اللہ قال ثنی معاویۃ عن علی عن ابن عباس قولہ ولا یبدین
زینتھن الا ما ظہر منھا قال والزینۃ الظاہرۃ الوجہ وکحل العین وخضاب الکف والخاتم فھذہ تظہر فی
بیتھا لمن دخل من الناس علیھا۔ اس روایت سے دو باتیں معلوم ہوتی ہیں۔ ایک یہ کہ زینت سے مراد موضع زینت نہیں
بلکہ ما یتزین بہ النساء ہے اور دخول وجہ ما ظہر میں لزوماً ہے۔ دوسرے یہ کہ فی بیتھا کی قید سے معلوم
ہوتا ہے کہ ابداء سے مراد ابداء فی نفسہ ہے نہ کہ کشف للغیر اور مطلب یہ ہے کہ وہ گھروں میں لباس اس طرح پہنیں کہ منہ
و کف اور ان کے متعلق زینت کھلی رہے۔ اور جب یہ صورت ہے تو جن لوگوں کے لئے گھر میں آنے کی اجازت ہے

؎ انہ قد یتوہم من قولہ فھذہ تظہر فی بیتھا لمن دخل من الناس علیھا ان المراد من الابداء ھھنا الکشف للغیر ۱۲

اُن کیلئے اُن کے ظاہر ہونے میں کوئی مضائقہ نہیں۔ (۱۰) ابن جریر نے ماظہر منہا کی تفسیر میں اقوال مختلفہ بیان کرکے کہا ہے اولی الاقوال فی ذلک بالصواب قول من قال عنی بذلک الوجہ والکفین۔ یدخل فی ذلک الکحل والخاتم والسوار والخضاب وانما قلنا ان ذلک اولی الاقوال فی ذلک بالتاویل لاجماع الجمیع علی ان کل مصل ان یستر عورتہ فی صلوتہ وان للمرأۃ ان تکشف وجہہا وکفیہا فی صلوتہا وان علیہا ان تستر ما عدا ذلک من بدنہا الا ما روی عن النبی صلی اللہ علیہ وسلم انہ اباح لہا ان تبدیہ من ذراعہا الی قدر النصف فاذا کان ذلک من جمیعہم اجماعًا کان معلوما بذلک ان لہا ان تبدی من بدنہا ما لم یکن عورۃ کما ذلک للرجال لان ما لم یکن عورۃ فغیر حرام اظہارہ واذا کان لہا اظہار ذلک کان معلوما انہ مما استثناہ اللہ تعالی ذکرہ بقولہ الا ما ظہر منہا لان کل ذلک ظاہر منہا۔ لیکن اس میں یہ کلام ہے کہ یہ مسلم ہے کہ اس پر اجماع ہے کہ عورت اپنا چہرہ اور کف نماز میں کھول سکتی ہے مگر اس سے صرف اتنا ثابت ہوتا ہے کہ چہرہ اور کف کا فی نفسہٖ ستر ضروری نہیں ہے اور وہ بایں معنی غیر عورۃ ہیں۔ اور اس سے یہ ثابت نہیں ہوتا کہ ان کا اجانب کے سامنے اظہار بھی جائز ہے اور مَردوں پر ان کا قیاس قیاس مع الفارق ہے کیونکہ مَردوں کے جن اعضاء سے ستر فی نفسہٖ ساقط ہے اُن سے ستر عن الغیر بھی ساقط ہے بوجہ ضرورت کے کیونکہ اُن کیلئے اُن اعضاء کے ستر عن الغیر میں بڑی حرج اور تنگی ہے جو عورتوں کیلئے ستر وجہ وکفین فی نفسہٖ میں برخلاف عورتوں کے کہ وہ گھروں کی بیٹھنے والیاں اور پردہ نشین ہیں ان کیلئے ستر عن الغیر میں کوئی حرج نہیں ہے اس لئے اُن کے حق میں ستر عن الغیر بحالہٖ باقی ہوگا علاوہ ازیں عورتوں میں تستر اصل ہے اور تکشف للعارض اور مَردوں میں بالعکس قال النیساپوری فی اثناء کلام۔ بل وان المرأۃ فی نفسہ عورۃ بدلیل انہ لا یصح صلاتہا مکشوفۃ البدن وبدن الرجل بخلاف ذلک ۱۲ حاشیہ ابن جریر وفی الکشاف ایضا ما یدل علیہ حیث قال فان قلت لم سومح مطلقا فی الزینۃ الظاہرۃ قلت لان سترہا فیہ حرج الخ وہذا یرشد لی الی ان الستر فی المرأۃ ہو الاصل والکشف للعارض فقیاس احدہما علی الآخر قیاس مع الفارق۔ اور اس بنا پر ما لم یکن عورۃ فغیر حرام اظہارہ بایں معنی مسلم ہے کہ اس کا اظہار فی نفسہٖ حرام نہیں ہے اور بایں معنی مسلم نہیں کہ اس کا اظہار غیر محرم کیلئے جائز ہے۔ پس اس استدلال سے یہ تو ثابت ہو سکتا ہے کہ چہرہ اور کف عورت نہیں بایں معنی کہ وہ اعضاء مکشوفہ فی نفسہٖ اور ساقط الستر ہیں لیکن نہ اس سے یہ ثابت ہوتا ہے کہ وہ ماظہر منہا سے مراد ہیں اور نہ یہ کہ اُن کا کشف للغیر جائز ہے پھر ترجیح کی ضرورت اُس وقت ہوتی ہے جبکہ تعارض ہو اور ہم بتلا چکے ہیں کہ اقوال مختلفہ اس کی تفسیر میں بطور تمثیل کے واقع ہیں۔

اور دخول وجہ وکفین ماظہر میں بدلالت التزامی ہے نہ کہ بدلالۃ مطابقی پس شان میں تعارض ہے اور نہ ترجیح کی ضرورت۔ گو یہ بات بہت ظاہر ہے مگر ہم مزید قطع حجت کیلئے کہتے ہیں کہ عبداللہ بن مسعود کبھی زینت ظاہرہ کی تفسیر مطلق ثیاب سے کرتے ہیں۔ اور کبھی اس کی تفسیر میں صرف رداء بیان کرتے ہیں اور ثیاب کے زینت میں داخل ہونے پر خذوا زینتکم عند کل مسجد سے استدلال کرتے ہیں اور عبداللہ بن عباس کبھی اس کی تفسیر میں صرف الکحل والخاتم کہتے ہیں اور کبھی الکحل والخذان اور کبھی الخاتم والمسکۃ اور کبھی الوجہ وکحل العین وخضاب الکف والخاتم اس سے صاف معلوم ہوتا ہے کہ یہ تفاسیر بطور تمثیل کے ہیں نہ کہ بطور حصر کے۔ میں نے ابن جریر کے کلام کو نقل کر کے اس پر اس لئے کلام کیا ہے کہ اس سے معلوم ہو جائے کہ مشہور تفاسیر کا مبنی کیا ہے اور اس کی کیا حقیقت ہے۔ (۱۱) وقال ابن المنیر فی حاشیۃ الکشاف قولہ تعالیٰ ولا یضربن بارجلھن لیعلم ما یخفین من زینتھن فتحقق ان ابداء الزینۃ بعینہ مقصود بالنھی لانہ قد نھی عما ھو ذریعۃ الیہ خاصۃ اذا الضرب بالارجل لم یعلل النھی عنہ الا بطلب ان المرأۃ ذات زینۃ وان لم تظھر (ای الزینۃ) فضلا عن مواضعھا یہ صاف دلیل ہے اس بات کی کہ لایبدین زینتھن میں تفصیل عورۃ وغیر عورۃ مقصود نہیں ہے بلکہ اصل مقصود سد ذرائع زنا ہے اور زینت سے اس کے حقیقی معنی مراد ہیں نہ کہ اس کے مواضع۔ (۱۲) وقال فی الکشاف فان قلت لم لم یذکر اللہ تعالیٰ الاعمام والاخوال قلت سئل الشعبی عن ذلک فقال لئلا یصفھا العم عند ابنہ والخال کذالک ومعناہ ان سائر القرابات یشترک الاب والابن فی المحرمیۃ الا العم والخال وابناءھما فاذا راٰھا الاب فربما وصفھا لابنہ ولیس بمحرم فیدانی تصورہ لھا بالوصف نظرہ الیھا وھذا ایضا من الدلالات البلیغۃ علی وجوب الاحتیاط علیھن فی التستر۔ اب مقام غور ہے کہ جو خدا پردہ کے باب میں اس قدر دور کی احتیاطات کام لے وہ عین اس احتیاط کے موقع پر عورتوں کو کیسے اجازت دیگا کہ وہ عام طور پر نامحرموں کے سامنے چہرہ کھولیں یہ بھی دلیل ہے اس بات کی کہ لایبدین زینتھن الا ما ظھر منھا میں ابتداءً کشف للغیر مراد نہیں بلکہ کشف فی نفسہ مراد ہے اس تفصیل کے پڑھنے کے بعد ہر ذی فہم اور منصف مزاج شخص کو اچھی طرح معلوم ہو جاویگا کہ قرآن صرف اسی ایک آیۃ میں عورتوں کیلئے جس قدر شدید پردہ کا اہتمام کرتا ہے پردۂ مروجہ میں اس درجہ کا اہتمام نہیں ہے۔ کیونکہ اول وہ عورتوں اور مردوں کو غض بصر کا حکم دیتا ہے پھر عورتوں کو حکم دیتا ہے کہ وہ بطور خود بھی اخفاء زینت واعضاء کا اہتمام رکھیں اور کسی زینت اور عضو کو کھولے رہیں جس کی شدید ضرورت ہے۔ پھر لایبدین زینتھن الا لبعولتھن الخ میں حکم دیتا ہے کہ وہ نامحرموں کو اپنا چہرہ وغیرہ تو درکنار ابھی ٹخنے تک نہ دکھائیں۔ کیونکہ لباس بھی زینت میں داخل ہے

پھر اس پر بھی بس نہیں کرتا۔ اور لایضربن بارجلھن میں حکم دیتا ہے کہ پلّہ تو در کنار وہ اِن عورتوں کو اپنے زیور کی جھنکار بھی سنائیں پس اگر مسلمان اس قدر اہتمام پر بھی پردہ کی مخالفت پر اڑے رہیں۔ اور مسلمانوں کو اپنی غلط اجتہادوں سے گمراہ کرتے رہیں تو انھیں اختیار ہے وسیعلم الذین ظلموا ای منقلب ینقلبون۔ ؎

اندکے از غم دل گفتم و بس ترسیدم ۔۔۔ کہ تو آزردہ شوی ورنہ سخن بسیار است

والسلام

خلاصۃ الکلام فی اذان الجمعۃ بین یدی الامام

یہ امر تحقیق ہے کہ اذان ثانی یوم الجمعہ کی داخل مسجد جائز ہے بلکہ یہی متوارث ہے۔ واذا نودی للصلوٰۃ من یوم الجمعۃ الآیۃ۔ النداء الاذان۔ اھ تفسیر نسفی۔ ای اذا اذن لھا اھ بیضاوی اطلقہ ولہ اذانان اذان خارج المسجد واذان بحرج بین یدی المنبر اذا جلس الخطیب علی المنبر اھ تبصرۃ الرحمٰن وللمعتبر اول اذان بعد زوال الشمس سواء کان علی المنبر او علی الزوراء یجب السعی وترک البیع بالاذان الاول لقولہ تعالیٰ فاسعوا الی ذکر اللہ وذروا البیع۔ واختلف المراد بالاذان الاول قبل الاول باعتبار المشروعیۃ وھو الذی بین یدی المنبر لانہ کان اولا فی زمنہ علیہ السلام وزمن ابوبکر وعمر حتی احدث عثمان الاذان الثانی علی الزوراء حین کثر الناس والاصح ان الاول باعتبار الوقت وھو الذی یکون علی المنارۃ بعد الزوال انتھی مستملخًا لکن للعلماء فی الھدایۃ وحاشیۃ الکفایۃ والعنایۃ وغیرھا من المتون والشروح والحواشی والفتاوی وفی حاشیۃ الشیخ وجیہ الدین علی شرح الوقایۃ اذن ثانیا بین یدیہ جری التوارث من لدن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم الی ھذا الزمان الاذان امام المنبر اھ وفی العنایۃ شرح الھدایۃ وکان الحسن بن زیاد یقول المعتبر ھو الاذان علی المنارۃ لانہ لو انتظر الاذان عند المنبر تفوت اداء السنۃ وسماع الخطبۃ کذا فی تنشیط الاذان (ص) وفیہ ایضا عن مبسوط السرخسی والمعتبر اول بعد زوال الشمس سواء کان علی المنبر او علی الزوراء اھ۔ ان عبارات میں علی المنبر عند المنبر امام المنبر بین یدی المنبر یہ سب الفاظ اس کو ظاہر کرتے ہیں کہ اذان ثانی منبر کے سامنے اور اس کے نزدیک ہونا چاہیے۔ باقی اس قرب کو صف اوّل کیساتھ محدود کرنا صحیح نہیں۔ قال فی جامع الرموز واذا جلس الامام علی المنبر اذن اذانا ثانیا بین یدیہ ای بین الجھتین المسامتتین لیمین المنبر او الامام ویسارہ قریبا منہ ووسطھا بالسکون فیشمل ما لو اذن فی زاویۃ قائمۃ او حادۃ او منفرجۃ اھ من التنشیط (ص) اس میں قریبا منہ کی قید تو ہے لیکن صف اوّل کی قید نہیں اور جس عبارت خلاصہ سے بعض مفتیان رامپور نے صف اوّل کی قید کو ثابت کیا ہے اس سے استدلال نہیں ہو سکتا کیونکہ خلاصہ کی صحیح عبارت یہ ہے ویکرہ البیع والشراء یوم الجمعۃ اذا اذن المؤذن والبیع جائز

(ص ۱۶۰ ج ۱) والاذان المعتبر اذان الخطبة الصف الاول فی المقصورة ومنهم من قال الی المقصورة وبه اخذ الفقیه ابو
اور بعض نسخوں میں جو یہ عبارت بزیادت لفظ فی کے ساتھ اس طرح ہے والاذان المعتبر اذان الخطبة فی الصف الاول فی
المقصورة الخ۔ سو یہ زیادتی فی صحیح نہیں ہے کیونکہ اس صورت میں مطلب یہ ہوگا کہ اذان خطبہ صف اول میں ہو اور مقصورہ میں ہو
حالانکہ مقصورہ میں اذان ہونے سے امام اور منبر کی مسامتت بالکل فوت ہوجائیگی اور فقہاء کے الفاظ مذکورہ سے معلوم ہوتا
ہے کہ اذان امام اور منبر کے سامنے ہو۔ کما صرح به فی جامع الرموز وقد مر قال الشامی قوله فی الظاهر ان المقصورة فی
زمانهم اسم لبیت فی داخل الجدار القبلی من المسجد کان یصلی فیه الامراء الجمعة ویمنعون الناس من دخولها
خوفا من العدو فعلی هذا اختلف فی الصف الاول هل هو الی الامام من داخلها ام ما یلی المقصورة من خارجها
فاخذ الفقیه بالثانی توسعة علی العامة کیلا تفوتهم الفضیلة اھ (ص ۵۹۹ ج ۱) اور ظاہر ہے کہ منبر خارج مقصورہ
ہوتا ہے پس اذان اگر داخل مقصورہ ہوگی تو اس پر بین یدی الامام وبین یدی المنبر وعند المنبر وغیرہ کا اطلاق
صحیح نہ ہوگا۔ بلکہ عبارت صحیح وہی ہے جو بدون لفظ فی کے اول لکھی گئی ہے اور الصف الاول فی المقصورة یہ کلام مستقل
ہے جس میں صاحب خلاصہ نے صف اول جمعہ کی بحث کو بیان کرنا چاہا ہے کیونکہ یہ مسئلہ اس وقت مختلف فیہ تھا چنانچہ بحر
میں بھی اس بحث کو لکھا ہے۔ قال ثم تکلموا فی الصف الاول قیل هو خلف الامام فی المقصورة وقیل ما یلی المقصورة
وبه اخذ الفقیه ابو اللیث لانه یمنع العامة عن الدخول فی المقصورة فلا تتوصل العامة الی نیل فضیلة الصف
الاول اھ (ص ۱۵۲ ج ۲) اس بحث کو دیکھتے ہوئے کوئی عاقل ہرگز الصف الاول فی المقصورة کو اذان خطبہ سے متعلق
نہیں کہہ سکتا بلکہ یقیناً اس کو کلام مستقل مانا جائیگا۔ اب رہی یہ بات کہ خطبہ جمعہ کی اذان کے سوا دیگر اذانیں مسجد میں
بلاکراہت جائز ہیں یا اس میں کچھ کراہت ہے، اس کے متعلق روایات ذیل ہیں۔ قال فی رد المحتار انه صلی الله
علیه وسلم صلی اخر صلوته قاعدا وهم قیام وابوبکر یسمعهم تکبیره وبه علم جواز رفع المؤذنین اصواتهم فی جمعة
وغیرها ای فی تبلیغ تکبیر الامام) یعنی الاصل الرفع واما ما تعارفوه فی زماننا فلا یبعد انه مفسد اذ الصیاح
ملحق بالکلام اھ من التکشیط (ص [illegible]) وفیه ایضا عن السعایة شرح شرح الوقایة لغزای اذان لا یستحب رفع الصوت
فیه قیل هو الاذان الثانی یوم الجمعة الذی یکون بین یدی الخطیب لانه کالاقامة لاعلام الحاضرین اھ (ص [illegible])
وفیه ایضا عن فتح القدیر فالاولی ما عینه فی الکافی جامعا وهو ذکر الله فی المسجد ای فی حدوده لکراهة
الاذان فی داخله ویزاد ایضا فیقال ذکر فی المسجد یشترط لها الوقت فیستحب الطهارة فیه وتعاد مصحوبا
انه کان جنبا کالاذان انتهی (ص [illegible]) وفیه ایضا عن جامع الرموز وفیما یلیه نوجوب الجهر بالاذان لاعلام

الناس فلو اذن لتعذر خافت، لانہ الاصل فی الشرع کما فی کشف المنار وبانہ یؤذن فی موضع عال وھو سنۃ
کما فی القنیۃ وبانہ لا یؤذن فی المسجد فانہ مکروہ کما فی النظم وفی الجلالی انہ یؤذن فی المسجد او ما فی حکمہ لا فی
البعید عنہ اھ (ص۳۵) وفی العالمگیریۃ وینبغی ان یؤذن علی المئذنۃ او خارج المسجد ولا یؤذن فی المسجد کذا فی
فتاوی قاضیخان السنۃ ان یؤذن فی موضع عال یکون اسمع لجیرانہ ویرفع بہ صوتہ کذا فی البحر الرائق اھ

ان سب میں غور کرنے سے معلوم ہوتا ہے کہ بقیہ اذان مسجد میں کہنا کراہت تنزیہی یعنی خلاف اولیٰ ہونے سے خالی نہیں
اور علت غالباً یہ ہے کہ اذان میں رفع صوت زائد اور صیاح ہوتا ہے اور صیاح خود ملحق بالکلام ہے گو صیاح بالذکر ہی ہو نیز
صیاح ادب مسجد کے بھی خلاف ہے۔ قال اللہ تعالیٰ لَا تَرْفَعُوْٓا اَصْوَاتَكُمْ فَوْقَ صَوْتِ النَّبِيِّ وَلَا تَجْهَرُوْا لَهٗ
بِالْقَوْلِ كَجَهْرِ بَعْضِكُمْ لِبَعْضٍ اَنْ تَحْبَطَ اَعْمَالُكُمْ۔ والمسجد محل مناجات الحق ویکون الحق فیہ تجاہ العبد
فلا ینبغی الصیاح فیہ روی عن واثلۃ بن الاسقع مرفوعاً جنبوا مساجدکم صبیانکم ومجانینکم وقال ورفع
اصواتکم واقامۃ حدودکم الخ متن الترغیب (ص۴۳) رواہ البیہقی والطبرانی وغیرھما۔ اور اذان جمعہ وقت
خطبہ میں اس قدر جہر وصیاح نہیں ہوتا بلکہ وہ تو مثل اقامت کے ہوتی ہے اسلئے وہ مسجد میں جائز ہے علاوہ ازیں
وہ مسجد ہی میں متوارث ہے۔ رہا یہ کہ حدیث ام زید بن ثابت سے معلوم ہوتا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ
میں بلالؓ سقف مسجد پر اذان دیتے تھے تو اس کا جواب یہ ہے کہ اُن کے لئے سقف مسجد پر کچھ حصہ بلند بنا دیا گیا تھا جو
مئذنہ تھا اور مئذنہ پر اذان دینا داخل مسجد بھی بلا کراہت جائز ہے کما یشعر بہ ما مر فی عبارۃ العالمگیریۃ ینبغی
ان یؤذن علی المئذنۃ او خارج المسجد الخ من التقابل بین المئذنۃ وخارج المسجد واللہ اعلم ولعل السر فیہ
کون المئذنۃ خارجاً عن المسجد فی نیۃ البانی او الواقف فلا یکون لہا حکم المسجد نقل فی السعایۃ عن طبقات
ابن سعد حدثنی محمد بن عمر قال ثنی معاذ بن محمد عن یحیی بن عبد اللہ بن عبد الرحمن بن سعد بن
زرارۃ قال اخبرنی من سمع النوار ام زید بن ثابت تقول کان بیتی حول المسجد فکان بلال یؤذن فوقہ من
اول ما اذن الی ان بنی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم المسجد فکان یؤذن بعد علی سقف المسجد وقد رفع
لہ شیء فوق ظہرہ اھ من التنشیط (ص۹۱) وما فی حدیث عبد اللہ بن زید انہ صلی اللہ علیہ وسلم قال فاخرج
مع بلال الی المسجد فالقہا علیہ لینادی بلال فانہ اندی صوتاً منک قال فخرجت مع بلال الی المسجد فجعلت
القیہا علیہ وھو ینادی بہا الخ فیحمل علی ما فی حدود المسجد او یراد بہ سقف المسجد وما رفع لہ فوقہ واللہ
تعالیٰ اعلم۔ قلت قال فی رد المحتار فی تعریف المکروہ ھو ضد المحبوب قد یطلق علی الحرام وعلی المکروہ تحریماً

وعلى المكروه تنزيها وهو ما تركه اولى من فعله ويرادف خلاف الاولى اھ من التنشيط (صلا) اور عذر کی حالت میں یہ کراہت مرتفع ہو جائیگی مثلاً مسجد کے سوا اذان کیلئے قریب مسجد کے کوئی جگہ نہ ہو۔ قال فی الدر بعد بیان کراهة قيام الامام فى المحراب وانفراده على الدكان وعكسه ان هذا كله عند عدم العذر (واما عند العذر) كجمعة وعيد فلو قاموا على الرفوف والامام على الارض وفى المحراب لضيق المكان لم يكره اھ وقال الشامى حكى الحلوانى عن ابى الليث لا يكره قيام الامام فى الطاق عند الضرورة بان ضاق المسجد على القوم اھ (صلا۱۶ج۱) حرره الاحقر ظفر احمد عفا عنه ۲۷ رشعبان ۱۳۴۳ھ۔

اقامة الطامة على زاعم بقاء النبوة الحقيقية العامة

بسم الله الرحمن الرحيم۔ بعد حمد وصلوٰۃ عرض ہے کہ اس وقت بعض خوں ریزان دین و مروت کذابین مدعیانِ نبوت کے تمسکات میں سے حضرت شیخ اکبرؒ کے بعض اقوال موہم عدم انقطاع نبوت بھی ہیں جن کو ناتمام نقل کرکے ناواقفوں کو دھوکہ دیا جاتا ہے دوسرے تمسکات کا جواب تو مبسوط ومفصل ومضبوط ومکمل دوسرے علماء نے کافی سے بھی زیادہ استقلالاً دیکر حق ادا فرما دیا ہے مگر ان اقوال کا کوئی جواب اس شان کا مستقل نظر سے نہ گذرا تھا اتفاق سے رسالہ التنبیہ الطربی میں اس بحث کی تحقیق کی ضرورت ہوئی جو بفضلہ تعالیٰ ایک درجہ تک شافی بھی ضرورت وقتیہ سے مصلحت معلوم ہوا کہ اس کو ایک مستقل رسالہ کی شکل میں بھی کر دیا جاوے کہ اشاعت میں آسان ہو اور رسالہ الحل الاقوم میں بھی اس کی کچھ مختصر بحث ہے اس کو بھی اس کی ساتھ شامل کر دیا جاوے چنانچہ یہ مجموعہ ان ہی اجزاء کا ہے اور مجموعہ کا ایک نام بھی رکھ دیا ہے اقامة الطامة على زاعم بقاء النبوة الحقيقية العامة۔ اول الحل الاقوم کی عبارت نقل کی جاتی ہے پھر التنبیہ الطربی کی۔ اول کو بوجہ اختصار کے متن سمجھیے اور دوسری کو بوجہ بسط کے شرح وعلى الله اعتمادى وبه استنادى۔

المتن مقام حادی عشر ملقب بالكلمة التامة فى النبوة العامة

فص عزیری میں ہے۔ واعلم ان الولاية هى الفلك المحيط العام ولهذا لم تنقطع ولها الانباء العام واما نبوة التشريع والرسالة فمنقطعة وفى محمد صلى الله عليه وسلم فقد انقطعت فلا نبى بعده يعنى مشرعا او مشرعا له ولا رسول وهو المشرع. وهذا الحديث قصم ظهور اولياء الله لانه يتضمن انقطاع ذوق العبودية الكاملة التامة فلا ينطلق عليها اسمها الخاص بها فان العبد يريد ان لا يشارك سيده وهو الله فى اسم

ؔلہ الحل الاقوم متعدد مباحث پر مشتمل ہے ان میں کو یہ ایک بحث ہے ۱۲ منہ ۱ اس عبارت کے ضروری حصہ کا ترجمہ آ ئندہ کی سرخی کو متعلق تا کہ اس لئے یہاں نہیں لکھا گیا ۱۲ منہ

واللہ لم یسم بنبی ولا رسول ویسمی بالولی واتصف بھذا الاسم فقال اللہ ولی الذین اٰمنوا وقال و ھو الولی الحمید وھذا الاسم باق جار علی عباد اللہ دنیا و اٰخرۃ فلم یبق اسم یختص بہ العبد دون الحق بانقطاع النبوۃ والرسالۃ الا ان اللہ لطیف بعبادہ فابقی لھم النبوۃ العامۃ التی لا تشریع فیہا اھ

اس عبارت میں نبوت کے بقا کا حکم کر دیا۔ جواب یہ ہے کہ شیخ اپنی اصطلاح میں مطلق اخبار عن العلوم کو نبوت عامہ کہتے ہیں اور اس نبوت کے احکام مثل نبوت مشہورہ کے نہیں حتیٰ کہ اس کے علوم بھی قطعی نہیں ہوتے چنانچہ شیخ نے خود اسی بحث میں اس تفاوت کی تصریح کر دی بقولہ وھذا الحدیث (یعنی لا نبی بعدی) قصم ظھور اولیاء اللہ لانہ یتضمن انقطاع ذوق العبودیۃ الکاملۃ اھ۔ اس میں تصریح ہے کہ نبی ذوق عبودیت میں (کہ منتہی مقامات ولایت ہے) سب سے بڑھا ہوا ہے اور اس سے یہ بھی معلوم ہوا کہ یہ جو شیخ کا قول مشہور ہے کہ رسول من حیث ہو ولی افضل ہے رسول من حیث ہو رسول سے چنانچہ اسی فص میں اس کی بھی تصریح ہے یہ علی الاطلاق نہیں ہے بعض علوم کے اعتبار سے ہے ورنہ نبی کی عبدیت جو افضل مقامات ولایت ہے اولیاء کیلئے موجب حسرت کیوں ہے جیسا کہ قصم ظہور سے معلوم ہوتا ہے

الشرح۔ الاغتراب نمبرہ ۱

قال الشیخ فی الفص العزیری من الفصوص واعلم ان الولایۃ ھی الفلک المحیط العام ولھذا لم تنقطع ولھا الانباء العام واما نبوۃ التشریع والرسالۃ منقطعۃ وفی محمد صلی اللہ علیہ وسلم قد انقطعت فلا نبی بعدہ یعنی مشرعا او مشرعا لہ ولا رسول و ھو المشرع۔ وھذا الحدیث قصم ظھور الاولیاء لانہ یتضمن انقطاع العبودیۃ الکاملۃ التامۃ الی قولہ الا ان اللہ لطیف بعبادہ فابقی لھم النبوۃ العامۃ التی لا تشریع فیہا اھ (الحال لا قوم مقام حادی عشر)

شیخ نے فصوص کے فص عزیزی میں کہا ہے کہ جاننا چاہیے کہ ولایت ایک فلک محیط عام ہے اور اس واسطے وہ منقطع نہیں ہوتی باقی نبوت تشریع اور رسالت منقطع ہے۔ اور وہ (نبوت و رسالت) محمد صلی اللہ علیہ وسلم پر آکر منقطع ہو گئی پس آپ کے بعد کوئی نبی ہے خواہ وہ صاحب تشریع ہو یا مشرع لہ ہو (یعنی کسی صاحب تشریع کا نائب ہو کہ اس کی نیابت کیلئے اس کو صاحب تشریع کیا گیا ہو یعنی آپ کے بعد کسی قسم کا بھی نبی نہیں) اور نہ کوئی رسول ہے اور وہ صاحب تشریع ہے (مراد تشریع سے احکام کی وحی ہے خواہ شرع جدید ہو یا کسی شرع سابق مستقل کے موافق ہو جیسا کہ آئندہ اغتراب کی سرخی میں بحوالہ رسالہ شہاب کے فتوحات سے مع تصریح اس تعمیم کے آویگا اور اطلاق سے تعمیم پر دلالت کرنیوالی متعدد عبارات آوینگی اور اس حدیث نے اولیاء کی کمر یہ توڑ دی۔ کیونکہ یہ حدیث اس امر کو متضمن ہے کہ (انقطاع نبوت سے) عبدیت کاملہ

ملہ یہ رسالہ التنبیہ الطربی چند اعتراضات و جوابات پر مشتمل ہے جس میں اعتراض کو بعنوان اغتراب جواب کو بعنوان اقتراب تعبیر کیا گیا ہے ان میں سے ایک اعتراض و جواب یہ ہے اور ملہ یہ رسالہ اشرف المطابع تھانہ بھون سے ملتا ہے قیمت

تمام کا دروازہ منقطع ہو چکا ہے یہاں تک مضمون چلا گیا ہے مگر اللہ تعالیٰ اپنے بندوں پر لطف فرمانے والے ہیں۔ اس لئے اُن (بندوں) کیلئے (خواہ اولیاء بھی نہ ہوں) نبوت عامہ کو جس میں تشریع (بالتغییر المذکور آنفا) نہ ہو باقی رکھا ہے (جیسا کہ آئندہ کی اقتراب کی سرخی میں مطلق تشریع سے رسالت کا اطلاق باب ثامن و ثلاثین ہو اور مطلق اخبار من الغیب (بقید کونہ نافعاً) سے نبوت کا اطلاق باب خامس و خمسین مائۃ میں آتا ہے)

ف - اس عبارت سے شیخ پر اعتراض کیا گیا ہے کہ انہوں نے نبوت کے بقا کا حکم کر دیا جو معارض ہے نصوص ختم نبوت کے۔

الاقتراب (۱۸)

قال الشیخ فی الباب الثالث عشر وثلثمائۃ اعلم ان الوحی لا ینزل بہ الملک علی غیر قلب نبی اصلا ولا یامر غیر نبی بامر الٰھی الی قولہ فانقطع الامر الالٰھی بانقطاع النبوۃ والرسالۃ (ص ۲۳ خامس وثلثون) وقال الشیخ انما لم یعطف المصلی السلام الذی یسلم بہ علی نفسہ بالواو علی السلام الذی یسلم بہ علی نبیہ لانہ لو عطف علیہ لسلم علی نفسہ من جہۃ النبوۃ وھو باب قد سدہ اللہ تعالیٰ کما سد باب الرسالۃ عن کل مخلوق بعد محمد صلی اللہ علیہ وسلم الی یوم القیمۃ وتبین بھذا انہ لا مناسبۃ بیننا وبین رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فانہ فی المرتبۃ التی لا ینبغی لنا فلیتنا انا بالسلام علینا فی طورنا من غیر عطف انتھی وقلت فی ھذا القول من الشیخ رد علی من افتری علیہ انہ کان یقول لقد حجر ابن آمنۃ واسعا بقولہ لا نبی بعدی۔ (کبریت علی ھامش الیواقیت ج ۲ ص ۳۸) وقال فی شرح الترجمان الاشواق اعلم ان مقام النبی ممنوع علینا دخولہ وغایۃ معرفتنا بہ من طریق الارث النظر الیہ کما ینظر من ھو فی اسفل الجنۃ الی من ھو فی اعلی علیین کما ینظر اھل الارض الی کوکب السماء

(ترجمہ) شیخ نے باب تین سو تیرہ میں کہا ہے کہ جاننا چاہئے کہ فرشتہ وحی لیکر بجز قلب نبی کے کسی پر نازل نہیں ہوتا اور غیر نبی کو کسی امر الٰہی کا حکم دیتا ہے پس اوامر الٰہیہ انقطاع نبوت و رسالت سے منقطع ہو چکے ہیں۔ (اس میں تصریح ہے نبوت اور رسالت کے منقطع ہو جانے کی نیز اسکی بھی کہ نبی کے سوا کسی پر وحی احکام الٰہی نازل نہیں ہوتا جیسے فرشتہ نبی پر لیکر نازل ہوتا تھا) اور شیخ نے (باب تشہد میں) فرمایا ہے کہ مصلی نے جو السلام علینا کو السلام علیک ایہا النبی پر واو کی ساتھ عطف نہیں کیا اس کی وجہ یہ ہے کہ اگر عطف کرتا تو گویا اپنے نفس پر نبوت کی حیثیت سے سلام بھیجا حالانکہ باب نبوت کو اللہ تعالیٰ تمام مخلوق سے بواسطہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے قیامت تک کیلئے بند کر چکا ہے جیسا کہ رسالت کو بند کر چکا ہے اور اس سے یہ بات متعین ہو گئی کہ ہمارے اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے درمیان کوئی مناسبت نہیں ہے کیونکہ آپ ایسے مرتبہ میں ہیں جو ہمارے لئے کسی طرح زیبا نہیں اس لئے ہم نے السلام علینا کو اپنی طور پر بدون عطف کے ابتداً کہہ دیا۔ اس عبارت میں نبوت اور رسالت دونوں مسدود ہونے کی تصریح ہے اور اسی پر السلام علینا پر واو نہ لانے کے نکتہ کو متفرع کیا ہے نیز عدم مناسبت سے بھی یہ حکم ثابت ہے اس لئے کہ حضور کے بعد اگر کوئی نبوت کی ساتھ متصف ہوتا تو ضرور

وقد بلغنا عن الشيخ ابی یزید انه فتح له من مقام النبوة
قدر خرم ابرة تجلیا لا دخولا فکاد ان یحترق (وزاد
فی الهامش عن الکبریت فی ص۴۲ من ج۱) بعد نقل
هذا القول ما نصه فکذب والله من افترى على الشيخ
وخاب مسعاه) وقال فی الباب الثانی والستین و
اربعمائة من الفتوحات اعلم انه لا ذوق لنا فی مقام
النبوة لنتکلم علیه انما نتکلم علی ذلک بقدر ما اعطینا
من مقام الارث فقط لانه لا یصح لاحد منا دخول
مقام النبوة وانما نراه کالنجم علی السماء (مبحث ثانی
واربعین ص۲ ج۲) وقال فی الباب الثالث والخمسین
وثلثمائة اعلم انه لم یجیء لنا خبر الهی ان بعد رسول الله
صلی الله علیه وسلم وحی تشریع ابدا انما وحی الالهام
قال الله تعالی ولقد اوحی الیک والی الذین من قبلک
ولم یذکر ان بعده وحیا ابدا (مبحث ستة وثلثین و
اربعین ج۲ ص۳۵) وفی رسالة الشهاب بعض الاجاب
عن الفتوحات (ج۲ ص۳) فما بقی للاولیاء الیوم بعد
ارتفاع النبوة الا التعریفات وانسدت ابواب الاوامر
الالهیة والنواهی فمن ادعاها بعد محمد صلی الله علیه وسلم
فهو مدع شریعة اوحی بها الیه سواء وافق بها شرعنا
او خالف اه ص۹ وقال فنعلم انه ما بقی للاولیاء الا وحی
الالهام (کبریت علی الهامش ج۱ ص۲) وقال فی الباب
الرابع عشر من الفتوحات بعد کلام طویل اعلم ان المانع

میں اور اس میں بوجہ نبوت کے اشتراک ایسی بے مناسبتی نہ ہوتی
اسی پر امام شعرانی بطور تفریع کے فرماتے ہیں کہ) میں کہتا ہوں
کہ شیخ کے اس قول میں اس شخص پر رد ہے جس نے شیخ پر افترا کیا ہے
کہ وہ کہتے تھے کہ (نعوذ باللہ) ابن آمنہ نے لا نبی بعدی کہکر
ایک وسیع چیز کو (یعنی نبوت کو) تنگ کر دیا (یعنی اسکے ختم ہونے
کا حکم کر دیا حالانکہ وہ ختم نہیں ہوئی وجہ افترا ظاہر ہے کہ خود
شیخ اس کے خلاف کی کس قدر تصریح وتاکید کی ساتھ تائید کرتے
ہیں اور ترجمان اشواق کی شرح میں فرمایا ہے کہ نبی کے مقام میں
ہم لوگوں کا داخل ہونا ممتنع ہے اور ہماری انتہائی معرفت بطریق
وراثت اس مقام کے متعلق یہ ہے کہ اس کی طرف اس طرح سے نظر
کر سکیں جیسا جنت کے نیچے درجہ والا اس شخص کی طرف نظر
کریگا جو اعلی علیین میں ہے اور جیسے اہل زمین کوکب دراری کی طرف
نظر کرتے ہیں۔ اور ہم کو شیخ ابایزید کا یہ واقعہ پہنچا ہے کہ ان کیلئے
مقام نبوت میں سے ایک سوئی کے ناکہ کے برابر کھل گیا تھا اور وہ
بھی کشف کے طور پر نہ کہ اس مقام میں داخل ہونے کے طور پر سو
اس سے جل جانے کے قریب ہو گئے (اس میں تصریح ہے کہ اولیاء
مقام نبوت میں داخل نہیں ہو سکتے۔ سو اگر وہ نبوت کی ساتھ
متصف ہوتے تو داخل نہ ہونے کے کیا معنی اتصاف تو بدون
دخول کے ممکن نہیں) اور اسی لئے اس قول کو نقل کر کے امام
شعرانی کہتے ہیں کہ واللہ جس شخص نے شیخ پر افترا کیا وہ کاذب
ہے اور اس کی سعی ناکام ہے اور فتوحات کے باب میں چار سو باسٹھ
میں فرمایا کہ جاننا چاہئے کہ ہم کو مقام نبوت میں ذرا بھی ذوق نہیں

ف کتب الینا صاحب الرسالة ان هذه العبارة فی النسخة المصریة فی الباب العاشر وثلثمائة فی معرفة منزلة العلماء [illegible] من الحضرة المحمدیة
[illegible]

یاتی النبی بالوحی علی حالین تارۃ ینزل علی قلبہ تارۃ یاتیہ فی صورۃ جسدیۃ من خارج الی ان قال وھذا باب اغلق بعد موت محمد صلی اللہ علیہ وسلم فلا یفتح لاحد الی یوم القیمۃ ولکن بقی للاولیاء وحی الالہام الذی لا تشریع فیہ انما ھو بفساد حکم قال بعض الناس بصحتہ دلیلہ ونحو ذالک فیعمل بہ فی نفسہ فقط الخ (مبحث خامس ثلثون صـ۳۸ ج۲) وقال ایضا فی الباب الحادی والعشرین من الفتوحات من قال ان اللہ تعالی امرہ بشئ فلیس ذالک بصحیح وانما ذالک تلبیس لان الامر من قسم الکلام وصفتہ وذالک باب مسدود دون الناس (مبحث خامس وثلثون صـ۳۸ ج۲)۔

تاکہ ہم اُس پر کلام کرسکیں پاس یہ ہم صرف اُسی قدر کلام کرسکتے ہیں جس قدر ہم کو مقام ارث سے عطا ہوا ہے کیونکہ ہم میں سے کسی کو مقام نبوت میں داخل ہونا ممکن نہیں ہم اس کو اس طرح دیکھتے ہیں جیسے نجوم کو آسمان پر (اس میں اولیاء اللہ سے ذوق نبوت تک کی نفی کردی جو دخول اتصاف سے بہت ادون ہے تو اتصاف کی نفی تو اُس سے بدرجۂ ابلغ ہوگئی) اور باب تین سو تریپن میں فرمایا ہے کہ جاننا چاہئے کہ ہمارے پاس کوئی شرعی دلیل اس پر نہیں آئی کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد وحی احکام کا وجود ہو ہمارے لئے صرف وحی الہام ہے (جو وحی حقیقی مصطلح شرعی سے عام ہے جیسے آیت میں شہد کی مکھی کو وحی ثابت فرمائی گئی ہے آگے اس وحی حقیقی کی نفی پر دلیل فرماتے ہیں کہ) اللہ تعالی نے فرمایا ہے کہ تحقیق آپ کی طرف اور آپ سے پہلے لوگوں کی طرف وحی بھیجی گئی اور یہ نہیں ذکر فرمایا کہ آپ کے بعد کبھی بھی وحی ہے (اس میں وحی حقیقی کی نفی تصریحاً بھی فرمادی اور الہام کے وجود کو حصر کے ساتھ فرما کر بھی وحی حقیقی کی نفی کردی)

اور رسالہ شہاب میں فتوحات سے نقل کیا ہے کہ آج بعد انقطاع نبوت کے اولیاء کیلئے بجز خاص طرز کی تعلیمات کے (جن کی مثال عنقریب آتی ہے اور جو کہ احکام نہیں ہیں چنانچہ ان کی انتفاء کی دلیل اوپر گذری ہے اور اب بھی آتی ہے) اور کچھ باقی نہیں رہا اور اوامر ونواہی الٰہیہ کے ابواب بند ہوگئے ہیں پس جو شخص بعد محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے اس کا دعوی کرے وہ (وحی) شریعت کا دعوی کرتا ہے جس کی اُس طرف وحی کی گئی ہے خواہ اُن اوامر ونواہی ہیں وہ ہمارے شرع کے موافق ہو خواہ مخالف ہو دہر حال میں مدعی وحی شریعت کا ہے کیونکہ شریعت ان ہی اوامر ونواہی کا نام ہے) اور وحی شریعت منقطع ہوچکی ہے اور انبیاء کی ساتھ یہی وحی خاص تھی اور شیخ نے یہ بھی فرمایا کہ بس معلوم ہوا کہ اولیاء کیلئے صرف وہ وحی رہ گئی جو الہام کہلاتا ہے بکون الاضافۃ للبیان۔ اور فتوحات کے چودھویں باب میں ایک کلام طویل کے بعد فرمایا ہے کہ فرشتہ نبی پر دو حالت پر وحی لاتا ہے کبھی تو اُس کے قلب پر نازل ہوتا ہے اور کبھی اُس کے پاس خارج سے صورت جسدیہ میں آتا ہے۔ آگے کہا ہے کہ یہ ایک باب ہے جو وفات نبوی کے بعد بند کردیا گیا اور قیامت تک کسی کیلئے نہ کھلے گا۔ لیکن اولیاء کیلئے وہ وحی جس کی حقیقت الہام ہے باقی رہ گئی ہے جس میں تشریع یعنی احکام نہیں ہے

وہ صرف ایسی باتوں سے متعلق ہوتا ہے جیسے کسی مسئلہ کی عدم صحت جس کی دلیل کی صحت کے بعض لوگ قائل ہوگئے ہوں اور اسی کے مثل اور کوئی بات (وہ مثال موعود قریب کی عبارت بالا میں کہی ہے) پس وہ اس پر اپنی ذات خاص میں عمل کر لیتا ہے (وہ بھی ظنی طور پر کما تقرر فی محلہ اور دوسروں پر بھی حجت نہیں تو اس کا درجہ مجتہد کے اجتہاد سے بھی کم ہوا کیونکہ وہ مقلد کیلئے حجت ہے چنانچہ یہ مضمون ایک خاص عنوان سے شیخ کے کلام سے بھی عنقریب ف ۲ کے تحت میں نقل کروں گا اور ظاہر ہے کہ ایسے الہام سے کون شخص نبی ہو سکتا ہے کیا نبی کا درجہ مجتہد سے بھی کم ہوا کرتا ہے)۔

اور فتوحات کے اکیسویں باب میں فرمایا ہے کہ جو شخص یہ کہے اللہ تعالیٰ نے اس کو کسی امر کا حکم دیا ہے سو وہ صحیح نہیں یہ محض تلبیس ہے اس لئے حکم دینا کلام کی قسم اور صفت ہے اور اس کا (یعنی کلام کا) دروازہ تمام آدمیوں کے آگے بند کر دیا گیا ہے کہ وہاں تک کسی کی رسائی نہیں ہو سکتی خلاصہ یہ ہے کہ جس قسم کی وحی انبیاء پر ہوتی تھی وہ بالکل مسدود ہے

ف (۱) ان عبارات میں مقصود مقام یعنی نبوت و رسالت و وحی حقیقی کے انقطاع کی اس قدر تصریح ہے کہ اس سے فوق متصور نہیں چنانچہ ہر عبارت کے تحت میں ساتھ ساتھ بقدر ضرورت اس کی تقریر بھی کی گئی ہے۔ پس معلوم ہوا کہ جس وحی کو شیخ باقی اور عام کہتے ہیں وہ بمعنی الہام ہے جو اولیاء کو ہوتا ہے شیخ اپنی اصطلاح میں اس کو وحی کہتے ہیں اور یہ اصطلاح لغت کے موافق اور قرآن مجید میں بھی وارد ہے۔ کقولہ تعالیٰ واوحی ربک الی النحل وقولہ تعالیٰ اذ اوحینا الی امک ما یوحی۔ چنانچہ اگر مطلق ثبوت وحی نبوت کی دلیل ہوتی تو موسیٰ علیہ السلام کی والدہ ماجدہ بالاجماع نبی ہوتیں پس منکرین نبوت ام موسیٰ وحی کی تفسیر الہام ہی سے کرتے ہیں۔ اسی طرح جس نبوت یا رسالت کو عام کہتے ہیں وہ بھی بمعنی لغوی ہے یعنی اخبار و تبلیغ نہ بمعنی حقیقی جس کو شیخ نبوت تشریعی سے تعبیر کرتے ہیں چنانچہ ایک حدیث کی تفسیر میں حافظ قرآن کیلئے عطاء نبوت کو کسی معنی پر محمول کر کے اس میں اور نبی میں فرق بتلاتے ہیں جو مستلزم ہے نفی نبوت کو ورنہ عطاء نبوت کے بعد نبی نہ ہونے کے کیا معنی کہ کھلا اجتماع بین النقیضین ہے وہ قول تفسیری یہ ہے:۔

وقال فی حدیث من حفظ القرآن فقد ادرجت النبوة بین جنبیه۔ انما لم یقل فقد ادرجت النبوة فی صدره او بین عینیه او فی قلبه لان ذلک رتبة النبی لا رتبة الولی الی قوله فما اکتسب الولایة الا بالمشی فی نور النبوة (کبریت علی الهامش ص ۲۳)۔

(ترجمہ) شیخ نے اس حدیث کے متعلق کہ جو شخص قرآن مجید حفظ کر لیتا ہے اس کے دونوں پہلوؤں کے درمیان میں نبوت داخل کر دی جاتی ہے فرمایا کہ فی صدرہ یا بین عینیہ یا فی قلبہ کیوں نہیں فرمایا وجہ یہ کہ یہ رتبہ نبی کا ہے ولی کا نہیں یہاں تک کہ مضمون بیان کیا ہے کہ ولی نے ولایت کا اکتساب کیا ہے تصرف نور نبوت میں۔

اسی طرح مطلق تبلیغ سے رسالت کا اثبات کرتے ہیں چنانچہ باب ثامن وثلاثین میں فرماتے ہیں۔

لما اغلق الله تعالى باب الرسالة بعد رسول الله صلى الله عليه وسلم كان ذلك من اشد ما تجرعت الاولياء مرارته لانقطاع الوصلة بينهم وبين من يكون واسطة بينهم الى الله تعالى فرحمهم الحق تعالى بان ابقى عليهم اسم الولي الى ان قال ولما علم رسول الله صلى الله عليه وسلم ان فى امته من تجرع كاس انقطاع الوحى والرسالة فجعل لخواص امته نصيبا من الرسالة فقال ليبلغ الشاهد الغائب فامرهم بالتبليغ ليصدق عليهم اسم الرسل (مبحث سادس واربعين مبحث)

جب اللہ تعالیٰ نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد رسالت کا دروازہ بند فرمادیا تو یہ امر ان سب امور میں سخت تر ہوا جن کی تلخی کو اولیاء نے بتکلف گلے سے اتارا اس لئے کہ ان کے اور ایسے لوگوں کے درمیان جو ان کا واسطہ الی اللہ ہوتے اتصال قطع ہوگیا پس حق تعالیٰ نے ان پر رحم فرمایا اس طرح کہ ان پر اسم ولی کا باقی رکھا اور یہ مضمون یہاں تک چلا گیا کہ جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو معلوم ہوا کہ آپ کی امت میں ایسے لوگ بھی ہیں جو انقطاع وحی کے کاسہ کو ناگواری سے نوش کریں گے تو آپ نے اپنے خواص امت کیلئے رسالت کا ایک حصہ تجویز فرمایا اور ارشاد فرمایا کہ حاضر (یہ احکام) غیر حاضر کو پہنچا دیں۔ پس ان کو تبلیغ کا امر فرمایا تاکہ ان پر رسل کا اسم صادق آسکے۔

دیکھئے اس عبارت میں مطلق تبلیغ کو رسالت فرمادیا جیساکہ بنا بر لغت بعض تفاسیر پر ملائکہ کو جن فرمادیا گیا آیت میں (وَجَعَلُوْا بَيْنَهٗ وَبَيْنَ الْجِنَّةِ نَسَبًا) بمعنی الاستتار یا بعض اقوال پر بالعکس چنانچہ ف ۳ میں بعض اقوال اس باب میں آتے ہیں اور اس سب سے بڑھکر یہ کہ جامعیت انسانیہ کو اصطلاح میں الٰہیت کہا جاتا ہے چنانچہ ف ۴ میں یہ بھی مذکور ہوگا بلکہ معنی نبوت کو تو شیخ نے اتنا عام فرمایا کہ کسی موجود کو بھی اس سے خالی نہیں چھوڑا چنانچہ باب خامس وخمسین ومائۃ میں فرماتے ہیں:-

اعلم ان النبوة التي هي الاخبار عن شيء سارية في كل موجود عند اهل الكشف والوجود لكنه لا يطلق على احد منهم اسم نبي ولا رسول الا على الملائكة الذين هم رسل فقط (كبريت على الحاشية مبحث ١)

جاننا چاہئے کہ نبوۃ جس کے معنی ہیں کسی چیز کی خبر دینا اہل کشف و وجود کے نزدیک تمام موجودات میں سرایت کئے ہوئے ہے (کیونکہ وہ اپنے کشف سے ہر موجود کو بعض حقائق کی خبر دیتے ہوئے پاتے ہیں) لیکن ان میں سے کسی پر (جو بالمعنی الشرعی نبی و رسول نہیں) نبی یا رسول کا لفظ اطلاق نہیں کیا جاوے گا بجز ان ملائکہ کے جو رسل ہیں (ان پر لفظ رسل بولا جاوے گا لورودہ فی القرآن اَللّٰهُ يَصْطَفِيْ مِنَ الْمَلٰٓئِكَةِ رُسُلًا وَّمِنَ النَّاسِ ط ولم يطلق عليهم اسم الانبياء)۔ (ترجمہ ختم ہوا)

دیکھئے اس قول میں نبوت کو تمام مخلوقات کیلئے کیسے ثابت فرمادیا اور ساتھ ہی اس کی تفسیر بھی بتلادی کہ اخبار عن الشیء ہے یہی ہم نے عرض کیا تھا۔ اور یہ جو اس قول میں فرمایا کہ غیر انبیاء و رسل بالمعنی الشرعی پر باوجود ثبوت معنی

عام نبوت و رسالت مجاز ہے کہ نبی اور رسول کا اطلاق نہ کیا جاویگا۔ وجہ اس کی یہ ہے کہ اس سے ایہام معنی حقیقی اصطلاحی شرعی کا ہوتا ہے اور یہ سخت بے ادبی ہے حضرات انبیاء علیہم السلام کی شان میں جو کہ شرعاً بھی حرام ہے اور عرفاً بھی کسی فعل کے صدور سے صیغہ وصفیہ کا استعمال نہیں کیا جاتا مثلاً کسی نے کوئی کام ایسا کیا جو اکثر ڈپٹی کلکٹر کیا کرتا ہے مثلاً اردلی نے کسی سائل کی درخواست ڈپٹی کلکٹر کی اجازت سے اس کے خاص مجلس میں رکھدی تو اس فعل کی نسبت تو اس اردلی کی طرف جائز ہے کہ اس نے مجلس میں درخواست رکھدی ہے۔ مگر اس کو ڈپٹی کلکٹر کہنا صحیح نہ ہوگا۔ اسی طرح غیر نبی و غیر رسول کی نسبت بالمعنی اللغوی المجازی شرعاً یہ کہنا تو جائز ہوگا کہ ان میں نبوت اور رسالت کی شان بطور نیابت کے ہے مگر ان کو رسول و نبی کہنا جائز نہ ہوگا اور اس مضمون کو شیخ نے باب ثالث و سبعین کے جواب خامس و عشرین میں حضرت شیخ عبد القادر جیلانی ؒ سے قدرے مفصل نقل فرمایا ہے اور بموافقت فرمائی ہے عبارت اسکی یہ ہے

وقد کان الشیخ عبد القادر الجیلی یقول اوتی الانبیاء اسم النبوۃ و اوتینا اللقب ای حجر علینا اسم النبی مع ان الحق تعالیٰ یخبرنا فی سرائرنا بمعانی کلامہ و کلام رسولہ صلی اللہ علیہ وسلم الخ (مبحث خامس و ثلثون صفحہ ۳۹)۔

شیخ عبد القادر جیلی فرماتے تھے کہ انبیاء کو نبوت کا نام دیکر رعہدہ کے دیئے گئے اور ہم کو محض عنوان ملی دیئے گئے یعنی ہم پر نبی کا نام جائز نہیں رکھا گیا باوجودیکہ حق تعالیٰ ہم کو ہمارے باطن میں اپنے کلام اور اپنے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے کلام کے معانی کی خبر دیتا ہے وجہ کمالات نبوت میں سے ایک کمال ہے گو محض کوئی کمال بطور نیابت کے عطا ہوجانا اس میں شرکت کو مستلزم نہیں

اس کی شرعی مثال ایسی ہے کہ یہ تو کہنا جائز ہے کہ اللہ تعالیٰ نے انبیاء کو بعض غیوب کا علم عطا فرما دیا۔ مگر ان انبیاء کو عالم الغیب کہنا جائز نہیں کہ صفت کے درجہ میں یہ خاص ہے حق تعالیٰ کیساتھ۔ اسیطرح یہاں یہ کہنا تو جائز ہوگا کہ اولیاء کو بعض کمالات نبوت حق تعالیٰ نے عطا فرما دیئے۔ مگر ان اولیاء کو نبی کہنا جائز نہ ہوگا۔ الحمد للہ خود شیخ ہی کی تصریحات سے تمام شبہات شیخ کیمتعلق بھی اور مسئلہ کے متعلق بھی رفع ہوگئے بلکہ خود وہ عبارت بھی جو منشاء اعتراض کا ہے اور زیر عنوان اعتراض نقل کی گئی ہے جواب کیلئے کافی ہے اسی طرح اس مبحث سی سابق کی مبحث ہی نبوت و رسالت کے تفاضل کا وہ بھی مقصود مقام پر ایک دلیل ہے چنانچہ دونوں کی تقریر ف ۲ میں آتی ہے اور اس تحقیق سے ان اہل ضلال و اضلال کا بھی ابطال ہوگیا جو شیخ کے کلام سے کسی جاہ کے علیٰ ہذا اپنے دعوے کی تائید کرتے ہیں جس پر بیساختہ یہ شعر زبان پر آتا ہے ؎ بنمائے بصاحب نظرے گوہر خود را + عیسیٰ نتواں گشت بتصدیق خرے چند

تو اب اس دعوے کی یہ حالت رہ گئی ؎ وقوم یدعون وصال لیلیٰ + ولیلیٰ لا تقر لہم بذاک +

وان شئت تفصیل الکلام علی ابطال ہذا المدعی فعلیک بالرسائل الشائعۃ فی الباب من مدرسۃ دار العلوم فی دیوبند و من الخانقاہ الرحمانیۃ فی مونگیر۔ واللہ ولی الہدایۃ وہو یتولی الصالحین۔ ف ۲ فائدہ اولیٰ

[1] انتہی ملتقطاً ۱۲ منہ علیہ ؎ یہ مبحث مستقلاً رسالہ التنبیہ الطربی میں مذکور ہے جس کا خلاصہ ف ۴ میں بھی آتا ہے ۱۲ منہ +

کے ذیل میں جہاں اس عبارت کا ترجمہ ہے فیعلم بہ فی نفسہ فقط۔ وہاں میں نے اس عبارت سے ایک وعدہ کیا ہے کہ یہ مضمون ایک خاص عنوان سے شیخ کے کلام سے بھی عنقریب نقل کروں گا اس کو نقل کرتا ہوں۔

قال في الباب التاسع والستين وثلثمائة بعد كلام طويل في مدائح المجتهدين فعلمنا ان المجتهدين هم الذين ورثوا الانبياء حقيقة لانهم في منازل الانبياء والرسل من حيث الاجتهاد وذلك لانه صلى الله عليه وسلم اباح لهم الاجتهاد في الاحكام وذلك تشريع عن امر الشارع فكل مجتهد مصيب من حيث تقريره بالاجتهاد كما ان كل نبي معصوم قال انما تعبّد الله المجتهدين بذلك ليحصل لهم نصيب من التشريع ويثبت لهم فيه القدم الراسخة ولا يتقدم عليهم في الآخرة سوى نبيهم صلى الله عليه وسلم فتحشر علماء هذه الامة حفاظ الشريعة المحمدية في صفوف الانبياء والرسل لا في صفوف الامم (مبحث تاسع واربعون ص ۲۲)

شیخ نے باب تین سو انہتر میں مدح مجتہدین میں کلام طویل کے بعد فرمایا کہ اس سے معلوم ہوا کہ مجتہدین ہی حقیقت میں انبیاء کے وارث ہیں کیونکہ وہ اجتہاد کی حیثیت سے انبیاء و رسل کے منازل میں ہیں۔ اور یہ اس طرح ہے کہ ان کے لئے نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے احکام میں اجتہاد کو جائز فرمایا ہے۔ اور یہ امر شارع ایک تشریع ہے پس ہر مجتہد اپنے تشریع اجتہادی کی حیثیت سے مصیب ہے جیسا ہر نبی معصوم ہے اور یہ بھی فرمایا کہ اللہ تعالیٰ نے جو مجتہدین کے لئے اجتہاد کو عبادت بنا دیا وہ صرف اس لئے ہے کہ ان کو بھی تشریع کا ایک ایک حصہ نصیب ہو جائے اور اجتہاد میں ان کا قدم راسخ ہو جاوے اور آخرت میں کوئی شخص (دورہ محمدیہ میں) بجز انکے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے ان پر مقدم نہ ہو پس اس امت کے جو علماء شریعت محمدیہ کے محافظ ہیں انبیاء اور رسل کی صفوف میں محشور ہونگے نہ کہ صفوف امم میں۔

دیکھئے نبوت عامہ مجازیہ کیساتھ جن کو موصوف کیا گیا ہے ان کو جو وحی ہوتی ہے وہ تو صرف ان ہی کی ذات تک محدود ہے اور وہ بھی خاص معارف میں نہ کہ تشریع میں اور علمائے مجتہدین کا اجتہاد رنگ تشریع میں دوسروں پر بھی حجت ہوتا ہے تو ان انبیاء اولیاء کا درجہ مجتہدین سے بھی گھٹا ہوا ہے اس سے اس نبوت مجازیہ کا اندازہ کر لیا جائے اور یہ جو فرمایا ہے کہ مجتہدین کو ایک حصہ تشریع کا نصیب ہوتا ہے۔ اس کی تفسیر دوسرے قول میں خود فرماتے ہیں۔

قال في باب الجنائز من الفتوحات وجعل وحي المجتهدين في اجتهادهم اذ المجتهد لم يحكم الا بما اراه الله تعالى في اجتهاده ولذلك حرم الله تعالى على المجتهدين ان يخالف ما ادى اليه الاجتهاد

شیخ نے فتوحات کے باب جنائز میں فرمایا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے مجتہدین کی وحی ان کے اجتہاد میں رکھی کیونکہ مجتہد نے وہی حکم کیا ہے جو اللہ تعالیٰ نے اس کو اس کے اجتہاد میں بتلایا اور اسی واسطے اللہ نے مجتہد پر اسکو حرام فرمایا ہے کہ وہ اس

كما حرم على الرسل ان تخالف ما اوحى به اليهم فعلم ان الاجتهاد نفحة من نفحات التشريع ما هو عين التشريع الى ان قال فقد اشبه المجتهدون الانبياء من حيث تقرير الشارع لهم كل ما اجتهدوا فيه وجعله حكما شرعيا انتهى مبحث تاسع اربعون ج ۲ ص ۹۷

امر کی مخالفت کرے جس امر تک اس کا اجتہاد پہنچا ہے جیسا رسولوں پر حرام کیا ہے کہ وہ اس امر کی مخالفت کریں جو ان پر وحی کیا گیا ہے۔ پس معلوم ہوا کہ اجتہاد ایک شعبہ ہے تشریع کے شعبوں میں سے عین تشریع نہیں ہے۔ یہاں تک مضمون چلا گیا ہے کہ مجتہدین انبیاء کے مشابہ ہو گئے اس طرح سے کہ شارع نے اُن کے اجتہادی احکام کو ثابت رکھا ہے اور اس کو حکم شرعی قرار دیا ہے۔

اس عبارت میں بتلا دیا کہ اجتہاد عین تشریع نہیں ایک شعبہ ہے تشریع کا نیز اس عبارت میں اجتہاد کو وحی کہا ہے حالانکہ یقیناً وحی بالمعنی الشرعی نہیں سو اولیاء کا الہام تو اس سے بھی کم درجہ ہے جیسا کہ مذکور ہوا کہ وہ دوسرے کے لئے حجت بھی نہیں تو اس کو وحی کہنا بالمعنی الشرعی الحقیقی کیسے ہوگا اور بعض بزرگوں کے کلام میں جو خاص قیود کی ساتھ علوم کشفیہ کی صحت اور خاص شرائط کی ساتھ الہام کا مامون عن التلبیس ہونا مذکور ہے لاً تو وہ متفق علیہ نہیں ثانیاً پھر ان قیود و شرائط کا اجتماع نادر ہے والنادر کالمعدوم۔ دوسرے صحت و امن سے حجت شرعیہ لازم نہیں۔ دیکھئے ادراکات حواس اکثر حالات میں صحیح اور غیر ملتبس ہوتے ہیں مگر باستثناء مواقع اعتبار شرع کے فی نفسہ حجت نہیں مثلاً شمس کے قمر سے اعظم ہونیکا ادراک غلطی اور التباس سے محفوظ ہے مگر اس کا اعتقاد شرعاً واجب نہیں اگر کوئی کہے کہ قمر اعظم ہے شمس سے مگر زیادہ بعید ہونے سے چھوٹا نظر آتا ہے تو عاصی نہ ہوگا البتہ رویت ہلال میں جس ادراک کا شرع نے اعتبار کیا ہے وہاں حجت ہوگا اور کشف والہام کے اعتبار کی کوئی شرعی دلیل نہیں لہذا حجت نہ ہوگا اور قیاس کی حجیت کی دلیل ہے وہ حجت ہوگا۔ **ف ۳**۔ فائدہ اولیٰ میں جہاں شیخ کا یہ قول ہے کما اغلق اللہ باب الرسالة بعد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم الخ اسکے ترجمہ کے ذیل میں وعدہ کیا گیا ہے کہ جن پر ملائکہ کا اطلاق ہے انکے باب میں اور بعض مراتب انسانیہ پر لفظ آلہیت کا اطلاق کئے جانے کے باب میں کچھ اقوال نقل کئے جاوینگے سو اُن کو نقل کرتا ہوں

قال القاشاني فعلم بان لطائف الاعتراض والطعن في آدم لم يصدر من ملائكة الجبروت لخلو المنازع لا يكون الا ممن تركب من الطبائع الاربع لما فيها من التضاد اذ المتكون منها لا يكون الا على حكم الاصل انتهى قال بعضهم لعل مراده بهؤلاء الملائكة

قاشانی نے کہا ہے تو ظاہر ہو گیا کہ آدم علیہ السلام کے باب میں اعتراض اور طعن ملائکہ جبروت سے صادر نہیں ہوا کیونکہ تنازع ایسی سے صادر ہو سکتا ہے جو عناصر اربعہ سے مرکب ہو کیونکہ ان عناصر میں تضاد ہے کیونکہ جو چیز ان سے مکون ہوگی وہ اپنے اصل ہی کے مقتضا پر ہوگی۔ بعض نے کہا ہے کہ غالباً قاشانی کی مراد ان ملائکہ سے

المتقاطنین بین السماء والارض نوع من الجن سماهم ملائكة اصطلاحا اه (مبحث سادس وثلاثون ص ۲۰۹) وفي تفسير البيضاوي ولان ابن عباس روى ان من الملائكة ضربا يتوالدون يقال لهم الجن الخ

جو کہ سماء و ارض کے درمیان رہتے ہیں جن کی کوئی نوع ہوگی ان کو اپنی اصطلاح میں ملائکہ کہدیا اور تفسیر بیضاوی میں ہے کہ ابن عباس رض نے روایت کیا ہے کہ ملائکہ کی ایک قسم ہے جن میں توالد و تناسل بھی ہوتا ہے اور ان کو جن کہا جاتا ہے۔

تو جس طرح جن پر ملائکہ کا اطلاق اور ملائکہ پر جن کا اطلاق ہوتا ہے۔ اسی طرح شیخ اپنی اصطلاح میں جو لغت کے قریب ہے نبوت اور رسالت اور وحی کو معنی عام پر اطلاق کرتے ہیں اور فصوص کے فصل اول میں یہ عبارت ہے فص حکمۃ الہیۃ فی کلمۃ آدمیۃ یعنی خلاصہ ان علوم کا جو متعلق ہے مرتبہ الٰہیہ سے جو ظاہر ہوا ہے کلمہ یعنی ذات آدمیہ میں اھ اللعل الاقوم میں حضرت نے تحقیق کر دیا ہے کہ الٰہیہ ایک لفظ اصطلاحی ہے مراد اس سے مرتبہ جامعیت کے ہے الٰہی اور یہ اصطلاح موجب توحش نہ ہونا چاہیے کہ عبد کے لئے الٰہیت ثابت کر دی۔ یہ اصطلاح ہے ولا مشاحۃ فی الاصطلاح جیسے حکماء حکمت الٰہیہ ان علوم کو کہتے ہیں جو ان موجودات کے متعلق ہو جو مادہ سے مستغنی ہوں وجود خارجی میں بھی اور وجود ذہنی میں بھی اور ان موجودات میں بعضے ممکنات بھی ہیں۔ اور پھر بھی اس اصطلاح سے کسی کو توحش نہیں ہوتا اھ بس جیسے اس عبارت میں عبد کے لئے الٰہیت کا حکم کر دیا بناءً علی الاصطلاح الخاص اسی طرح غیر نبی کیلئے نبوت کا حکم کر دیا بناءً علی الاصطلاح الخاص ہے اور اسی اصطلاح کو عارف رومی رح نے اپنے ان اشعار میں استعمال فرمایا ہے۔ (رح دفتر چہارم سرخی گفتن ابوالحسن خرقانی رح بعد از وفات بایزید رح) لوح محفوظ است او را پیشوا + از چہ محفوظ است محفوظ از خطا + نے نجوم ست و نہ رمل ست و نہ خواب + وحی حق واللہ اعلم بالصواب + از پئے روپوش عامہ در بیان + وحی دل گویند او را صوفیاں + وحی دل گیرش کہ منظر گاہ اوست + چوں خطا باشد چو دل آگاہ اوست + (الابیات الاربعۃ) یہاں منتہی کامل یعنی بایزید رح کے کشف و الہام کو وحی کہا اور وحی دل گویند میں اس کا اصطلاح ہونا ظاہر فرمادیا اور روپوش عامہ عنسر باخفاء عن العوام میں دو مصلحتوں کی طرف اشارہ فرمایا۔ متکلم کا ابہام سے بچنا اور مخاطب کا ایہام سے بچنا اور محفوظیت عن الخطا کی تحقیق فائدہ (۲) کے اخیر میں گذر چکی (رح دفتر چہارم سرخی خطاب با منکران دنیا

نفس اگرچہ زیرک است و خورده داں — قبلہ اش دنیا ست او را مرده داں
آب وحی حق بدیں مرده رسید — شد ز خاک مرده زنده پدید
تا نیاید وحی زد غرہ مباش — تو بداں گلگونۂ طال بعاش

(الابیات الثلثۃ) یہاں متوسط بلکہ مبتدی سالک کے دل کو خروج عن الموسط النفسانی تو استعداد میں بھی حاصل ہو جاتا ہے

احوال وواردات کو وحی فرمایا ہے۔ ۳ دفتر اول مثنوی کشتن زرگر باشارہ الٰہی بود الخ ۵ او نکشتش از برائے طبع شاہ ہ تا نیامد امر و الہام اِلٰہ + آنکہ از حق یابد او وحی و خطاب + ہرچہ فرماید بود عین صواب (التبیین) یہاں الہام! تصریفات تکوینیہ کو وحی فرمایا ہو لوون ہے الہام تعریفات تشریعیہ ہے جن کا اوپر کے اشعار میں ذکر ہے اور اس مقام پر حضرت مرشدی کا ایک ملفوظ مروی بالمعنی میرے ہاتھ کا لکھا ہوا بین السطور ملا۔ وحی دو قسم باشد کا ہے بملک گاہے بقلب یہ اشارہ ہے تحقیق مذکور ابتدائے اقتراب ہذا کی طرف واللہ اعلم۔ ان الملک یاتی النبی بالوحی الخ یعنی الہام غیر نبی کا محض وارد ہوتا ہے تلقی عن الملک نہیں ہوتا اور قلب سے مراد یہاں بھی اور ابیات اولی کے لفظ وحی دل میں بھی مطلق باطن ہے لئلا یعارض ما مر فی ابتداء ف[1] من قولہ انا لم نقل الخ اور ابیات اخیرہ میں جو لفظ امر مذکور ہے یہ امر تکوینی ہے بس معارض نہیں عبارات نافیہ الہام امر و نہی مذکورہ فی ابتداء الاقتراب کی ساتھ اور قطع نظر اس سے واقعہ امم سابقہ کا ہے کما دل علی قول الرومی فی مبداء القصۃ بود شاہے در زمانے پیش ازیں فلا اشکال فی التعمیم فافہم حق الفہم ولا تقع فی الوہم۔

ف ۴۔ اس اقتراب میں جو عبارات شبہ کو منطوقاً دفع کرتی ہیں ان کے علاوہ اس سے قبل کے اقتراب[1] میں جس مسئلہ کی تحقیق ہے وہ بھی مفہوماً اس شبہ کو دفع کر رہا ہے کیونکہ اگر نبوۃ ہر ولی کے لئے ثابت ہوتی تو اس عبارت کے کوئی معنی نہ ہوتے۔ فالکلام فی رسالۃ النبی مع ولایتہ لا فی رسالتہ ونبوتہ مع ولایۃ غیرہ جو مع ترجمہ کے اس مقام میں گذر چکی ہے کیونکہ ایسے ولی کا تو تحقق ہی نہ ہوتا جو نبی ہو اس سے ترقی کر کے کہتا ہوں کہ جس عبارت سے یہ شبہ ناشی ہوا ہے اس میں اگر غور کیا جاوے وہ خود شبہ کو پیدا نہیں ہونے دیتی کیونکہ اس میں اول تصریح ہے کہ جو چیز منقطع نہیں وہ ولایت ہے جس کو انباء عام بمعنی للاخبار سے مفسر کیا ہے پھر اس کے مقابل نبوت و رسالت کو منقطع کہا ہے اور تشریع کی قید سے شبہ نہ کیا جاوے کیونکہ محقق ہو چکا ہے کہ ہر نبوت حقیقیہ تشریعی بمعنی متضمن للاحکام ہوتی ہے بس یہ قید واقعی ہے آگے بعد کہا گیا ہے وھذا الحدیث قصم ظہور الاولیاء لانہ یتضمن انقطاع العبودیۃ الکاملۃ التامۃ جو مع ترجمہ کے اسی اقتراب میں گذری ہے وجہ دلالت یہ کہ اگر نبوۃ حقیقیہ عام ہوتی تو عبدیت کاملہ تامہ جو لوازم نبوت سے ہے منقطع کیوں ہوتی پھر اولیاء کو حسرت انقطاع کیوں ہوتی۔ ف ۵۔ اس اقتراب کے شروع میں شیخ کا ایک قول مع ترجمہ نقل کیا گیا ہے لا ذوق لنا فی مقام النبوۃ لنتکلم علیہا انما نتکلم علی ذلک بقدر ما اعطینا من مقام الارث حفظا الخ

اس پر ایک دوست نے مجھ سے سوال کیا کہ فصوص میں تو کمالات انبیاء ہی کے متعلق علوم پر کلام کیا ہے یہاں کلام کی نفی کیسے کر رہے ہیں میں نے جو جواب دیا اس کا خلاصہ یہ ہے کہ نفی اس کلام کی ہے جو ذوق سے ناشی ہوا اور جو کلام واقع ہوا ہے یہ محض نقل ہے جس کا ماخذ کشف ہے جس کو فصوص کے خطبہ میں ذکر کیا ہے رأیت رسول اللہ

[1] اس اقتراب کے فائدہ اولی کے اخیر کا حاشیہ ملاحظہ ہو ۱۲ منہ۔

صلی اللہ علیہ وسلم وبیدہٖ کتاب فقال ارھذا کتاب فصیح من الحکم خذ کا واخوہم بہ الی الناس الخ پس کوئی تعارض نہ رہا

وھذا اٰخر ما اردت ایرادہ فی ھذا الباب ود فقد کما کان یشتھی قلبی والحمد للہ الھادی الی الصواب۔

رسالہ جزل الکلام فی عزل الامام

سوال بعض احادیث میں تعارض کا شبہ ہوتا ہے اس کو رفع فرمادیا جاوے۔ اول احادیث نقل کی جاتی ہیں پھر شبہ کی تقریر کی جاوے گی۔ **حدیث اوّل**۔ عن عبادۃ بن الصامت قال بایعنا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم علی السمع والطاعۃ فی العسر والیسر والمنشط والمکرہ وعلی اثرۃ علینا وعلی ان لا ننازع الامر اھلہ وعلی ان نقول بالحق اینما کنا لا نخاف فی اللہ لومۃ لائم وفی روایۃ وعلی ان لا ننازع الامر اھلہ الا ان تروا کفرا بواحا عندکم من اللہ فیہ برھان متفق علیہ۔ **حدیث ثانی** عن عوف بن مالک الاشجعی عن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم قال خیار ائمتکم الذین تحبونھم ویحبونکم وتصلون علیھم ویصلون علیکم وشرار ائمتکم الذین تبغضونھم ویبغضونکم وتلعنونھم ویلعنونکم قال قلنا یا رسول اللہ افلا ننابذھم عند ذلک قال لا ما اقاموا فیکم الصلاۃ لا ما اقاموا فیکم الصلوۃ الا من ولی علیہ وال فرآہ یاتی شیئا من معصیۃ اللہ فلیکرہ ما یاتی من معصیۃ اللہ ولا ینزعن یدا من طاعۃ رواہ مسلم۔

حدیث ثالث عن ابی ذر قال قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم من فارق الجماعۃ شبرا فقد خلع ربقۃ الاسلام من عنقہ رواہ احمد وابوداؤد۔ **حدیث رابع** عن عرفجۃ قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم یقول انہ سیکون ھنات وھنات فمن اراد ان یفرق امر ھذہ الامۃ وھی جمیع فاضربوہ بالسیف کائنا من کان رواہ مسلم۔ **حدیث خامس** عن ابی سعید الخدری عن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم قال من رای منکم منکرا فلیغیرہ بیدہ فان لم یستطع فبلسانہ فان لم یستطع فبقلبہ وذلک اضعف الایمان رواہ مسلم ذکرہا فی المشکوۃ الثالث فی باب الاعتصام بالکتاب والسنۃ والاخرھا فی باب الامر بالمعروف والباقی فی کتاب الامارۃ والقضاء۔ شبہ کی تقریر یہ ہے کہ حدیث اول میں مخالفت امام کی حد کفر صریح کو فرمایا گیا ہے اور حدیث ثانی میں ترک صلوۃ کو۔ اور حدیث ثالث میں مطلق مفارقت جماعت کو۔ (ولو فی بعض الاحکام کما یفہم من قولہ شبرا) بحکم ترک اسلام فرمایا ہے جس کا حکم اوپر معلوم ہو چکا ہے جس کے اطلاق میں امام بھی داخل ہے اور اسی طرح حدیث رابع میں مطلق تفریق جماعت کو مبیح ضرب بالسیف فرمایا ہے جس میں تفریق بھی عام ہے گو بعض ہی احکام میں ہو اور مفرق بھی عام ہے گو امام ہی ہو اور اسی طرح حدیث خامس میں مطلق منکر

پر تغییر بالید کا حکم فرمایا ہے جس میں منکر بھی عام ہے ہر منکر کو اور منکر علیہ بھی عام ہے امام وغیر امام کو اور تغییر بالید بھی عام ہے ہر مخالفت کو ولو بالسیف تو ان میں وجہ تطبیق کیا ہے کیونکہ حدیث ثالث رابع وخامس تحدید بالکفر وبترک الصلوٰۃ کی جو کہ حدیث اول وثانی میں وارد ہے نفی کر رہی ہے۔ افیدونا افادکم اللہ تعالیٰ۔

الجواب تطبیق کی باحتمال عقلی دو وجہ ہو سکتی ہیں ایک وجہ یہ کہ ان سب منکرات کو موثر فی جواز الخروج علی الامام کہا جاوے۔ دوسری وجہ یہ کہ ان میں سے بعض کو موثر کہا جاوے اور بعض باقی ہیں جن کی دلالت ثابت نہیں وہاں عدم دلالت سے اشکال رفع کیا جاوے اور جن کی دلالت ثابت ہے اس کو اس بعض موثر کی طرف راجع کیا جاوے مگر وجہ اول سے دو امر مانع ہیں ایک حدیث کے الفاظ کہ نفی واستثناء سے حصر پر دال ہیں جس سے دوسرے منکرات کے موثر ہونے کی صریح نفی ہو رہی ہے۔ دوسرا مانع اجماع دوسرے منکرات کے غیر موثر ہونے پر چنانچہ حصر کے الفاظ تو حدیث میں مشاہد ہیں اور اجماع کو نقل کرتا ہوں۔ فی فتح الباری فی الباب الاول من کتاب الفتن وقد اجمع الفقہاء علی وجوب طاعۃ السلطان المتغلب والجہاد معہ وان طاعتہ خیر من الخروج علیہ لما فی ذلک من حقن الدماء وتسکین الدہماء وحجتہم ہذا الخبر وغیرہ ولم یستثنوا من ذلک الا اذا وقع من السلطان الکفر الصریح فلا تجوز طاعتہ فی ذلک بل تجب مجاہدتہ لمن قدر علیہا اھ اور اجماع حجت قطعیہ ہے اس کے ترک کی کوئی گنجائش نہیں اس لئے دوسرے منکرات کو موثر فی الخروج کہنا جائز نہیں اگر مانع اول پر شبہ کیا جاوے کہ اس حدیث کے الفاظ مختلف وارد ہوئے ہیں چنانچہ فتح الباری میں عبارت بالا کے کچھ بعد ہے ووقع عند الطبرانی من روایۃ احمد بن صالح عن ابن وہب فی ہذا الحدیث کفرا صراحا بصاد مہملۃ مضمومۃ ثم راء ووقع فی روایۃ حبان ابی النضر المذکورۃ الا ان یکون معصیۃ للہ بواحا طریق آخر کے الفاظ سے مطلق معصیت کا موثر ہونا معلوم ہوتا ہے اور اس میں دو احتمال ہو سکتے ہیں ایک یہ کہ معصیت سے مراد کفر ہو دوسرے یہ کہ کفر سے مراد معصیت ہو زجراً اس کو کفر کہہ دیا ہو سو الفاظ کا مانع ہونا متیقن نہ رہا اس کا جواب یہ ہے کہ اگر اجماع نہ ہوتا تو یہ احتمال مضر ہو سکتا تھا لیکن اجماع کے بعد واجب ہے کہ دوسرے لفظ میں یا تو تاویل کی جاوے یا اس کا محمل بدلا جاوے چنانچہ فتح الباری میں بعد عبارت بالا کے یہ دونوں وجہیں بھی نقل کی ہیں اور خلاف اجماع کی تضعیف کی ہے۔ فی قولہ قال النووی المراد بالکفر ہنا المعصیۃ ومعنی الحدیث لا تنازعوا ولاۃ الامور فی ولایتہم ولا تعترضوا علیہم الا ان تروا منہم منکرا محققا تعلمونہ من قواعد الاسلام فاذا رأیتم ذلک فانکروا علیہم وقولوا بالحق حیثما کنتم انتہی وقال غیرہ المراد بالاثم

منا المعصية لكفر فلا يعترض على السلطان الا اذا وقع فی الكفر الظاهر والذی يظهر حمل رواية الكفر على ما اذا كانت المنازعة فی الولاية فلا ينازعه بالقدح فی الولاية الا اذا ارتكب الكفر وحمل رواية المعصية على ما اذا كانت المنازعة فيما عدا الولاية فاذا لم يقدح فی الولاية نازعه فی المعصية بان ينكر عليه برفق ويتوصل الى تثبيت الحق بغير عنف ومحل ذلك اذا كان قادرا ونقل ابن التين عن الداؤدی قال الذی عليه العلماء فی امراء الجور انه ان قدر على خلعه بغير فتنة ولا ظلم وجب والا فالواجب الصبر وعن بعضهم لا يجوز عقد الولاية لفاسق ابتداء فان احدث جورا بعد ان كان عدلا فاختلفوا فی جواز الخروج عليه والصحيح المنع الا ان يكفر فيجب الخروج عليه اور اگر مانع ثانی پر شبہ کیا جاوے کہ بعض علماء نے مطلق منکرات کو مؤثر فی جواز الخروج مانا ہے چنانچہ شوکانی نے باب الصبر علی جور الائمہ میں نقل کیا ہے وقد استدل القائلون بوجوب الخروج على الظلمة ومنابذتهم السيف ومكافحتهم بالقتال بعمومات من الكتاب والسنة فی وجوب الامر بالمعروف والنهی عن المنكر اھ اس کا جواب وہ ہے جو خود شوکانی نے اس قول کے نقل کے بعد دیا ہے بقوله ولا شك ولا ريب ان الاحاديث التی ذكرها المصنف فی هذا الباب وذكرناها اخص من تلك العمومات مطلقا وهی متواترة المعنى كما يعرف ذلك من له انسة بعلم السنة اھ اور اس جواب پر شبہ یہ ہو سکتا تھا کہ اگر یہ جواب صحیح ہے تو بعض حضرات سلفؒ نے ائمہ جور پر خروج کیوں کیا۔ اس کا جواب شوکانی نے متصلاً یوں دیا ہے ولكنه لا ينبغی لمسلم ان يحط على من خرج من السلف الصالح من العترة وغيرهم على ائمة الجور فانهم فعلوا ذلك باجتهاد منهم وهم اتقى لله واطوع لسنة رسول الله صلى الله عليه وسلم من جماعة ممن جاء بعدهم من اهل العلم اھ اور حضرت شاہ ولی اللہؒ نے ازالۃ الخفا کے مقصد اول کے فصل اول میں دوسرے واضح عنوان سے جواب ارشاد فرمایا ہے اور اوپر کے مجمل جواب کو بھی اس طرف راجع کر سکتے ہیں اس طرح سے کہ شوکانی کے کلام میں جو عذر مبہم ہے وہ شاہ صاحب کے کلام میں مفسر ہے وھو قوله واگر آں تاویل مجتہد فیہ است نہ قطعی البطلان آں قوم معذور باشند در زمان اول حکم ایں قوم حکم مجتہد مخطی بود ان خطأ فله اجر چوں احادیث منع بغی کہ در صحیح مسلم وغیرہ آں مستفیض ست ظاہر شد واجماع امت بر آں منعقد گشت امروز حکم بعصیان بائی کنیم اھ حاصل اس جواب کا یہ ہے کہ جن بزرگوں سے خلاف منقول ہے وہ قبل انعقاد اجماع ہے اس لئے ملامت نہیں لیکن بعد میں اس پر اجماع منعقد ہو گیا اب کسی کو اس کا خلاف جائز نہیں۔ اس تقریر سے دونوں مانع پر سے شبہ مرتفع ہو گیا اور ثابت ہو گیا کہ وجہ اول پر تطبیق نہیں ہو سکتی پس وجہ ثانی متعین ہو گئی یعنی یا دلالت میں کلام کیا جاوے یا بر تقدیر دلالت اس کو مؤثر کی طرف راجع کیا جاوے چنانچہ ایک ایک حدیث کے متعلق عرض کرتا ہوں۔ حدیث ثانی میں ترک صلوٰۃ

اس زمانہ میں کفر ہی کی علامت تھی پس اس کا حاصل کفر ہی ہوا جیسے شد زنار کو فقہاء نے شعارِ کفر فرمایا ہے اس سے تمام احکام کفر کے جاری کردیئے جاویں گے۔ اور اس زمانہ میں ترک صلوٰۃ کی علامت کفر ہونے کی تائید ان احادیث سے ہوتی ہے عن جابر قال قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم بین العبد وبین الکفر ترک الصلوٰۃ رواہ مسلم وعن بریدۃ قال قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم العھد الذی بیننا وبینھم الصلوٰۃ فمن ترکھا فقد کفر رواہ احمد والترمذی والنسائی وابن ماجہ وعن عبد اللہ بن شقیق قال کان اصحاب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم لایرون شیئا من الاعمال ترکہ کفر غیر الصلوٰۃ رواہ الترمذی (مشکوٰۃ کتاب الصلوٰۃ) اور حدیث ثالث میں مفارقت جماعت کے مفہوم کا تحقق اول تو خارج علی الامام ومنازعۃ میں زیادہ واضح ہے بہ نسبت ترک الامام لبعض الاحکام کے دوسرے وجہ احتمال تو ہی گیا اور اگر عموم سے حدیث کو امام کے لئے بھی شامل کہا جاوے تو اوپر شوکانی کے اس قول میں اس کا جواب ہوچکا ہے ولا ریب ان الاحادیث الخ اور حدیث رابع کی تفسیر خود ایک دوسری میں وارد ہے جو مشکوٰۃ میں اسی کے بعد متصل عرفجہ ہی سے بروایت مسلم مروی ہے ولفظہ وعنہ قال سمعت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم یقول من اتاکم وامرکم جمیع علی رجل واحد یرید ان یشق عصاکم او یفرق جماعتکم فاقتلوہ رواہ مسلم۔ اس حدیث سے معلوم ہوا کہ تفریق سے مراد تفریق الجماعۃ عن اطاعۃ امام واحد ہے جس کی زیادہ توضیح مسلم ہی کی ایک اور حدیث سے ہوتی ہے کہ وہ بھی مشکوٰۃ میں اسی کے قبل متصل مذکور ہے ولفظہ عن ابی سعید قال قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اذا بویع لخلیفتین فاقتلوا الآخر منھما رواہ مسلم اور حدیث خامس میں اول تو وہ جواب ہے جو اوپر شوکانی کے قول میں گذرا ثانیاً امر بالمعروف مستلزم خروج نہیں پس اس میں بھی دلالت نہیں اگر کہا جاوے کہ تغییر بالید کا مدلول بجز قتال کے کیا ہوسکتا ہے جواب یہ کہ اول تو وہ مشروط ہے قدرت کیساتھ اور قدرت سے مطلق قدرت مراد نہیں ورنہ عدم استطاعت تغییر بالید کا کبھی تحقق ہی نہ ہوگا کیونکہ مطلق قدرت تو ہر شخص کو حاصل ہے خواہ اس کا انجام کچھ ہی ہو بلکہ مراد وہ قدرت ہے جس کے استعمال پر کوئی فتنہ ناقابل برداشت مرتب نہ ہو اور ظاہر ہے کہ رعیت کو ایسی قدرت بادشاہ پر نہیں ہے تو اگر تغییر بالید مرادف قتال کا بھی ہو تو عدم استطاعت کے سبب وہ مامور بہ نہیں، اور دوسرے نصوص سے وہ ماذون فیہ بھی نہیں۔ ثانیاً مرادفت ہی مسلم نہیں تغییر بالید کا تحقق اس طرح بھی ہوسکتا ہے کہ بادشاہ کے سامنے مثلاً کوئی تصویر ذی روح کی رکھی ہے اس شخص نے اس کو توڑ پھوڑ دیا یا شراب کا شیشہ رکھا ہے اس نے اس کو گرادیا تو اگر کسی کو اس کی ہمت ہو اس کو اجازت ہے بہرحال اس سے خروج کا اذن لازم نہیں آیا اور

یہی تفسیر ہے اس حدیث کی جو مشکوٰۃ باب الامر بالمعروف میں بروایت بیہقی مروی ہے وعن عمر بن الخطاب قال قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم انہ تصیب امتی فی آخر الزمان من سلطانہم شدائد لا ینجو منہ الا رجل عرف دین اللہ فجاھد علیہ بلسانہ ویدہ وقلبہ فذلک الذی سبقت لہ السوابق ورجل عرف دین اللہ فصدق بہ ورجل عرف دین اللہ فسکت علیہ فان رای من یعمل الخیر احبہ علیہ وان رای من یعمل بباطل ابغضہ علیہ فذلک ینجو علی ابطانہ کلہ اور یہ بھی اس وقت جب اس کی سند صحیح ہو ورنہ اگر اس کی سند ضعیف ہو تو معارضہ ہی نہیں اور حاجت تاویل ہی نہیں۔ یہاں تک احادیث کی شافی تطبیق اور اس کے ضمن میں اصل مسئلہ کی کافی تحقیق ہو گئی اب مناسب معلوم ہوتا ہے کہ اس مسئلہ کے متعلق کچھ ضروری فروع ولواحق اقوال فقہاء سے نقل کر دیے جاویں تاکہ احادیث مذکورہ ودیگر احادیث باب کی مزید تطبیق اور ان کے مدلولات کی غالب تعیین ہو جاوے اور بعض میں جو ابہام تعارض ہو سکتا ہے وہ بھی مرتفع ہو جاوے کیونکہ ان اقوال میں بطور استدلال کے اس قسم کی بہت سی احادیث کی تعرض ہے جس سے پتہ چلتا ہے کہ فقہاء نے ان احادیث کے کیا معنی سمجھے ہیں اور معانی احادیث کے سمجھنے میں بروئے شہادت اکابر امت فقہاء کے برابر کوئی طبقہ اہل علم کا نہیں سمجھا گیا کما نقل الترمذی عن الشافعی فی قول مالک ... لیس لغسل المیت عندنا حد موقت ولیس لذلک صفۃ معلومۃ ولکن یطہر اھ ملخصا وکذلک قال الفقہاء وھم اعلم بمعانی الحدیث (باب ما جاء فی غسل المیت) وہ فروع ولواحق یہ ہیں اور تسہیلاً للضبط اس میں سب امور مخلہ امامت کے احکام اور اقسام کو لے لیا ہے اول وہ اقسام بشکل جدول بھی اور عبارت میں بھی لکھے جاتے ہیں اس کے بعد احکام ذکر کیے جاویں گے وہ اقسام یہ ہیں۔

امر مخل بالامامۃ

عذر			منکر			
اختیاری یعنی خلع بلا سبب	غیر اختیاری مثل مرض مانع عن العمل واسر مستمر وعجز عن العمل	کفر	فسق			
			غیر متعدی الی الغیر مثل شرب خمر وغیرہ	متعدی یعنی ظلم		
				باخذ الاموال		بالاکراہ علی المعصیۃ
				اجتہادی	غیر اجتہادی	
عدد ۱	عدد ۲	عدد ۳	عدد ۴	عدد ۵	عدد ۶	عدد ۷

یہ کل سات قسمیں ہیں امور مخلہ امامت کی۔ قسم اول۔ عذر اختیاری یعنی اپنے کو بلا سبب امامت سے

معزول کردے۔ **قسم ثانی**۔ عذر غیر اختیاری جیسے کسی ایسے مرض میں مبتلا ہو جاوے جو اعمال امامت سے مانع ہو جیسے
جنون یا اندھا بہرا گونگا ہو جانا یا کفار کے ساتھ میں اس طرح اسیر ہو جانا کہ زمانہ ضرورت تک اسکی خلاصی کی امید
نہ ہو یا اس میں کام کرنے کی صلاحیت نہ ہو یا نہ رہے یا رعایا کو دبا نہ سکے۔ **قسم ثالث**۔ نعوذ باللہ کافر ہو جاوے
خواہ بکفر تکذیب و جحود خواہ بکفر عناد و مخالفت خواہ بکفر استخفاف و استقباح امور دین[ف] کما بسطہ فی اول باب
المرتد من الدر المختار ورد المحتار ولنقتصر على نقل بعض العبارة منه قال في المسايرة وبالجملة فقد ضم الى
التصديق بالقلب او بالقلب واللسان في تحقيق الايمان امور الاخلال بها اخلال بالايمان اتفاقا كترك
السجود لصنم وقتل نبي والاستخفاف به وبالمصحف والكعبة وكذا المخالفة او انكار ما اجمع عليه بعد العلم
به لان ذلك دليل على ان التصديق مفقود الى قوله ثم قال ولاعتبار التعظيم المنافي للاستخفاف كفر الحنفية
بالفاظ كثيرة وافعال تصدر من المتهتكين لدلالتها على الاستخفاف بالدين كالصلاة بلا وضوء عمدا بل بالمواظبة
على ترك سنة استخفافا بها بسبب انه فعلها النبي صلى الله عليه وسلم زيادة او استقباحها كمن استقبح من آخر جعل
بعض العمامة تحت حلقه او احفاء شاربه اه قلت اى الشامي ويظهر من هذا ان ما كان دليل الاستخفاف يكفر به وان
ان لم يقصد الاستخفاف اه۔ البتہ اگر قبل عزل توبہ کرے تو عزل کا حکم مرتفع ہو جاویگا احکام آخرۃ میں تو فوراً۔ اور
احکام دنیویہ میں جبکہ قرائن و آثار سے اخلاص فی التوبہ پر قلب شہادت دے کما صرح بهذا الشرط في توبة قاطع
الطريق والمرتد بقولهم حتى يتوب لا بالقول بل بظهور سيماء الصلحاء وبقولهم حتى يظهر عليه التوبة وبقولهم
حتى يظهر عليه آثار التوبة ويرى انه مخلص وبقولهم حتى يرى عليه خشوع التوبة وحال المخلص كذا في الدر
المختار ورد المحتار قلت والعلة صون المسلمين عن ضرر القاطع والمرتد ان لم يخلصا وهذا الضرر من السلطان
اعظم ان لم يخلص فافهم اه۔ تبادلی **قسم رابع**۔ ایسا فسق اختیار کرے جو اس کی ذات تک محدود رہے جیسے
زنا و شرب خمر وغیرہ میں مبتلا ہو جاوے۔ **قسم خامس**۔ ایسا فسق اختیار کرے جس کا اثر دوسروں تک متعدی
ہو جس کو ظلم کہتے ہیں اور اس ظلم کا محل صرف مال ہو یعنی لوگوں کے مال ناحق لینے لگے مگر اس میں اشتباہ جواز کا بھی ہو سکتا ہے
جیسے مصالح سلطنت کے نام سے ٹیکس وغیرہ وصول کرنے لگے۔ **قسم سادس**۔ یہی مالی ظلم کرے مگر اس میں جواز کا
بھی اشتباہ نہ ہو بلکہ صریح ظلم ہو۔ **قسم سابع**۔ فسق متعدی یعنی ظلم اختیار کرے اور اس کا محل مظلومین کا دین ہو یعنی

[ف] یہ امور دین خواہ اصول ہوں یا فروع فرائض و واجبات ہوں یا سنن و مستحبات عبادات ہوں یا عادات حتی کہ عمامہ کی ہیئت مسنونہ
قصداً استخفاف ہو یا دلالۃً ملاحظہ ہو در مختار و رد المحتار کی عبارت منقولہ متن ولاعتبار التعظیم سے احفاء شاربہ تک ۱۲ اشرف علی +

ان کو معاصی پر مجبور کرے مگر یہ فسق اسی وقت تک ہے جبکہ اس کا منشا استخفاف یا استقباح دین اور استحسان کفر
یا معصیت نہ ہو بلکہ اغراض مکروہ ہو (جیسا اکثر کسی خاص وقتی اقتضا سے کسی خاص شخص پر اکراہ کرنے میں ایسا ہی ہوتا
ہے) ورنہ یہ بھی حقیقۃً کفر ہے اور قسم ثالث میں داخل ہے یا فی الحال تو منشا اکراہ کا استخفاف وغیرہ نہ ہو لیکن اگر وہ عام
بشکل قانون ایسے طور پر ہو کہ ایک مدت تک اس پر عام عمل ہو جیسے فی المآل ظن غالب ہو کہ طبائع میں استخفاف
وغیرہ پیدا ہو جاویگا تو ایسا اکراہ بھی بنا بر اصل مقدمۃ الشئ بحکم ذلک الشئ بحکم کفر ہوگا۔ یہ سب سات قسمیں ہوئیں اب
ان کے احکام لکھے جاتے ہیں۔ اولاً عبارات فقہاء کی نقل کرتا ہوں پھر احکام بیان کروں گا اور ساتھ ہی ساتھ مواقع
استدلال کی طرف اشارہ کر دوں گا۔ **العبارۃ الاولیٰ**۔ فی الدر المختار باب الامامۃ یکرہ تقلید الفاسق
ویعزل به الا لفتنة فی رد المحتار قوله ویعزل به ای بالفسق لو طرأ علیه والمراد انه یستحق العزل کما علمت انفا
ولذا لم یقل ینعزل اه۔ **العبارۃ الثانیۃ** فی الدر المختار باب البغاۃ فان بایع الناس الامام ولم ینفذ حکمه
فیهم لعجزه عن قهرهم لا یصیر اماما فاذا صار اماما فجار لا ینعزل ان کان له قهر وغلبة لعوده بالقهر فلا یفید
والا ینعزل به لانه مفید خانیة تمامه فی کتب الکلام فی رد المحتار **قوله** فلا یفید ای لا یفید عزله **قوله**
والا ینعزل به ای ان لم یکن له قهر ومنعة ینعزل به ای بالجور **العبارۃ الثالثۃ** قال فی شرح المقاصد
ینحل عقد الامامة بما یزول به مقصود الامامة کالردة والجنون المطبق وصیرورته اسیرا لا یرجی خلاصه
وکذا بالمرض الذی ینسیه العلوم وبالعمی والصمم والخرس وکذا بخلعه نفسه لعجزه عن القیام بمصالح المسلمین
وان لم یکن ظاهرا بل استشعره من نفسه وعلیه یحمل خلع الحسن نفسه واما خلعه نفسه بلا سبب ففیه خلاف
وکذا فی انعزاله بالفسق والاکثرون علی انه لا ینعزل وهو المختار من مذهب الشافعی وابی حنیفة وعن محمد روایتان
ویستحق العزل بالاتفاق اه **العبارۃ الرابعۃ** وقال فی المسایرة واذا قلد عدلا ثم جار وفسق لا ینعزل
ولکن یستحق العزل ان لم یستلزم فتنة اه **العبارۃ الخامسۃ** وفی المواقف وشرحه وللامة
خلع الامام وعزله بسبب یوجبه مثل ان یوجد منه ما یوجب اختلال احوال المسلمین وانتکاس امور الدین کما کان
لهم نصبه واقامته لانتظامها واعلائها وان ادی خلعه الی فتنة احتمل ادنی المضرتین اه

العبارۃ السادسۃ۔ فی الدر المختار فاذا خرج جماعة مسلمون عن طاعة الامام حل له قتالهم و
من دعاه الامام الی ذلک ای قتالهم افترض علیه اجابته لان طاعة الامام فیما لیس بمعصیة فرض فکیف
فیما هو طاعة بدائع لو خالفوا الا لزم بینه درر۔ **العبارۃ السابعۃ** وفی المجتبی لو بغوا لاجل

ظلم السلطان ولا یمتنع عنہ لا ینبغی للناس معاونۃ السلطان ولا معاونتہم۔

العبارۃ الثامنۃ - فی رد المحتار قولہ افترض علیہ اجابتہ ثم اذا امر العسکر بامر فھو علی اوجہ ان علموا انہ نفع بیقین اطاعوہ وان علموا خلافہ کان کان لھم قوۃ وللعدو دون لا یلحقھم ضیق وان شکوا لزمھم الطاعۃ وتمامہ فی الذخیرۃ قولہ فی المبتغی الخ موافق لما مر عن جامع الفصولین وشرح فی السراجیۃ لکن فی فتح یجب علی کل من اطاق الدفع ان یقاتل مع الامام الا ان ابدوا ما یجوز لھم القتال کان ظلمھم او ظلم غیرھم لا شبھۃ فیہ بل یجب ان یعینوھم حتی ینصفھم ویرجع عن جورہ۔

العبارۃ التاسعۃ بخلاف ما اذا کان الحال مشتبھا انہ ظلم مثل تحصیل بعض الجبایات التی للامام اخذھا والحاق الضرر بھا لدفع ضرر اعم منہ۔ **العبارۃ العاشرۃ**۔ قلت ویمکن التوفیق بان وجوب اعانتھم اذا امکن امتناعہ عن بغیہ والا فلا کما یفیدہ قول المبتغی ولا یمتنع منہ تامل اھ قلت وعبارۃ جامع الفصولین ما فی اول باب البغاۃ من رد المحتار تحت قول الدر المختار فی تعریف البغاۃ وشرعا ھم الخارجون علی الامام الحق بغیر حق فلو بحق فلیسوا ببغاۃ وتمامہ فی جامع الفصولین اھ ما نصہ قولہ وتمامہ فی جامع الفصولین حیث قال فی اول الفصل الاول بیانہ ان المسلمین اذا اجتمعوا علی امام وصاروا آمنین بہ فخرج علیہ طائفۃ من المؤمنین فان فعلوا ذلک لظلم ظلمھم بہ فھم لیسوا من اھل البغی وعلیہ ان یترک الظلم وینصفھم ولا ینبغی للناس ان یعینوا الامام علیھم لان فیہ اعانۃ علی الظلم ولا ان یعینوا تلک الطائفۃ علی الامام ایضا لان فیہ اعانۃ علی خروجھم علی الامام اھ

اب ہر قسم کا حکم بیان کرتا ہوں۔

قسم اول کا حکم۔ اس میں خلاف ہے لقولہ فی العبارۃ الثالثۃ اما خلعہ بنفسہ بلا سبب ففیہ خلاف

قسم ثانی کا حکم۔ معزول ہوجاویگا۔ لقولہ فی العبارۃ الثانیۃ لعجزہ عن قہرھم لا یصیر اماما وفی العبارۃ الثالثۃ والجنون المطبق الی قولہ بمصالح المسلمین۔

قسم ثالث کا حکم۔ معزول ہوجاویگا اور اگر جدا نہ ہو بشرط قدرت جدا کردینا علی الاطلاق واجب ہے لقولہ فی العبارۃ الثالثۃ کالردۃ۔ مگر اس میں شرط یہ ہے کہ وہ کفر متفق علیہ ہو لقولہ الحدیث الاول کفرا بواحا عندکم من اللہ فیہ برھان مع انضمام الاجماع المذکور سابقا اور جس طرح اس کا کرنا

قطعی ہو اسی طرح اس کا صدور بھی یقینی ہو مثل رویت عین کے نہ کہ محض روایات ظنیہ کے درجہ میں کما دل علیہ قولہ علیہ السلام الا ان تروا المراد بہ رویۃ العین بدلیل تعدیتہ الی مفعول واحد۔

تنبیہ۔ کسی امر موجب کفر کی دلالت علی الکفر یا اس امر موجب کفر کا ثبوت قرائن مقامیہ یا مقالیہ کے اختلاف سے مختلف فیہ ہو سکتا ہے اور خود قطعیت بھی کبھی مختلف فیہ ہو سکتی ہے کما مرت مقررا فی التتمۃ عاملا۔ اسی طرح کبھی اجماع بھی مختلف فیہ ہو سکتا ہے چنانچہ عدم انعزال بالفسق پر جو اجماع ہے خود یہ اجماع بھی مجمع علیہ نہیں ہے کما قال النووی فی باب وجوب طاعۃ الامراء من شرح مسلم قال القاضی وقد ادعی ابوبکر بن مجاہد فی ہذا الاجماع وقد ارد علیہ بعضہم ہذا الی قولہ وقیل ان ہذا الخلاف کان اولا ثم حصل الاجماع علی منع الخروج علیہم واللہ اعلم۔ اس صورت میں ہر عامل اپنے عمل میں معذور ہوگا اسی طرح ایک اور صورت میں بھی رائے کے اختلاف میں مساغ ہے وہ یہ کہ عبارت خامسہ میں تعارض مصالح کے وقت اخف المضرتین کے تحمل کا حکم کیا گیا ہے تو ممکن ہے کہ دو شخصوں کا اجتہاد مضرات مختلفہ کے اخف و اشد ہونے میں مختلف ہو کما سیاتی فی تقریر دفع الشبہۃ الاولی وبہ ینحل کثیر من الاشکالات عن اختلاف جماعات لفقات فی مثل ہذہ المعاملات قسم رابع کا حکم۔ اگر بدون کسی فتنہ کے آسانی سے جدا کر دینا ممکن ہو جدا کر دیا جاوے اور اگر فتنہ کا اندیشہ ہو صبر کیا جاوے۔ لقولہ فی العبارۃ الاولی وبعزلہ الا لفتنۃ الخ ولقولہ فی العبارۃ الرابعۃ ولکن یستحق العزل ان لم یستلزم فتنۃ اور اگر نہی عن العزل کی صورت میں اس پر کوئی خروج کرے تو عامہ مسلمین پر اس کی نصرت واجب ہے خاصکر جب امام حکم بھی کرے لقولہ فی العبارۃ السادسۃ فاذا خرج جماعۃ مسلمون الخ قسم خامس کا حکم۔ اطاعت کرے لقولہ فی العبارۃ التاسعۃ بخلاف ما اذا کان الحال مشتبہا الخ قسم سادس کا حکم۔ اپنے اوپر سے ظلم کا دفع کرنا جائز ہے اگرچہ قتال کی نوبت آجاوے۔ لقولہ فی العبارۃ الثامنۃ الا ان ابدوا ما یجوز لہم القتال الخ ولقولہ فی العبارۃ العاشرۃ فان فعلوا ذلک بظلم ظالم بہم الخ اور صبر بھی جائز ہے بلکہ غالباً اولیٰ ہے لظاہر ما روی مسلم عن حذیفہؓ فی حدیث طویل الخیر فیہ عن ائمۃ الجور قلت کیف اصنع یا رسول اللہ ان ادرکت ذلک قال تسمع وتطیع وان ضرب ظہرک واخذ مالک فاسمع واطع (باب وجوب ملازمۃ جماعۃ المسلمین الخ) وقال النووی فی حدیث حذیفۃ ہذا الزم جماعۃ المسلمین

للامام وجوب طاعته وان فسق وعمل المعاصی من احد الاموال وغیر ذالک فتجب طاعته فی غیر معصیة۔ اور اوپر کی ثامن و عاشر عبارتوں میں جو جواز قتال اور اُن مقاتلین کا باغی نہ ہونا مذکور ہے قتال للخروج نہیں ہے بلکہ للدفاع ہے اور حدیث میں جو ذائع واطیع کا امر ہے جو ظاہراً وجوب کیلئے ہے اس وجوب سمع و طاعت کی تفسیر عدم خروج ہے بس ان عبارات میں اور حدیث میں تعارض نہیں مگر چونکہ یہ دفاع بھی صورۃً خروج تھا لہٰذا صبر کی اولویت ظاہر ہے کہ اس میں اپنے دین کا شبہات سے استبراء ہے جس کی فضیلت احادیث میں آئی ہے اور یہ حکم تو خود مظلومین کے قتال کا تھا باقی دوسروں کے لئے امام کے مقابلہ میں ان مظلومین کی اعانت کرنا یا ان کے مقابلہ میں امام کی اعانت کرنا سو امام کی اعانت تو اس صورت میں بالاتفاق حرام ہے باقی مظلومین کی اعانت کرنا اس میں جامع الفصولین اور فتح کی عبارات سابعہ و ثامنہ میں اختلاف ہے اور شامی نے عبارۃ عاشرہ میں منتقی کی ایک قید سے تطبیق کی کوشش کی ہے جس کا حاصل یہ ہے کہ اگر اس اعانت کے مفید ہونیکی اُمید ہو تو اعانت کرے اور قواعد سے مفید ہونا وہ ہے کہ کوئی فتنہ مرتب نہ ہو ورنہ اعانت نہ کرے۔ واللہ اعلم۔

قسم سابع کا حکم یہ ہے کہ یہ از قبیل اکراہ علی المعاصی ہے اس کا مفصل حکم مستقلاً کتاب الاکراہ میں مذکور ہے وہاں سے معلوم کیا جاوے اور بعض صورتوں میں یہ اکراہ حقیقۃً یا حکماً داخل کفر ہوجاتا ہے جیسا قسم سابع میں بیان کیا گیا ہے کہ ایک صورت میں حقیقۃً کفر ہے اور ایک صورت میں حکماً کفر ہے۔ ان صورتوں میں اس کا حکم قسم ثالث کا سا ہوجاویگا۔

یہاں تک اقسام اور سب اقسام کے احکام بیان کردیئے گئے اب بعض سطحی شبہات کا دفع لکھکر جواب کو ختم کرتا ہوں

شبہ اولیٰ۔ عبارت خامسہ سے معلوم ہوتا ہے کہ اختلال مصالح المسلمین و انعکاس امور الدین جو کہ تمام مظالم و منکرات و بدعات کو شامل ہے نیز موجب خلع ہے پھر کفر کی کیا تخصیص رہی۔

دفع۔ یہ غایت مافی الباب فسق ہے اور اس کے موجب خلع ہونے میں عدم فتنہ کی قید ثابت ہے جو کہ اس عبارت میں بھی مصرح ہے فی قولہ وان ادی خلعہ الی فتنة احتمل ادنی المضرتین البتہ اگر انعکاس درجۂ تغیر کفر تک پہنچ جاوے تو اُس کا حکم کفر ہے کما سیاتی فی دفع الشبھة الثالثة قلت وارادة ادنی المضرتین واحتمال خروج السلطنة من ید اھل الاسلام اشد منہ واشد من ھذا الخروج بقاء سلطنة اسم الاسلام وفناءہ حقیقة من الاحکام اور یہ بھی فتنہ ہے کہ اُس کے خلع کے بعد اُس سے بدتر کا تسلط

کا ظن غالب ہو تو اس احتمال کا انتفاء بھی شرط ہے جواز خلع کی۔ **شبہ ثانیہ**۔ عبارت ثامنہ سے معلوم ہوتا ہے کہ امام کی اطاعت اس کے مخالف کے مقابلہ میں علی الاطلاق فرض نہیں جیسا عبارت سادسہ میں وجوب کا حکم کیا گیا ہے بلکہ اس میں مصلحت وعدم مصلحت سے فیصلہ کیا جاویگا اس سے مخالفت کی گنجائش معلوم ہوتی ہے
دفع۔ اس میں مطلقاً مصلحت وعدم مصلحت پر نظر کرنا مذکور نہیں بلکہ اس کا حاصل صرف معصیت وعدم معصیت پر نظر کرنا ہے اور اس میں نہ کسی کو کلام نہ ہمارے مقصود کے منافی ہے۔ **شبہ ثالثہ**۔ قال النووی فی حدیث مسلم افلا نقاتلہم قال لا ما صلوا ما نصہ ففیہ معنی ما سبق انہ لا یجوز الخروج علی الخلفاء بمجرد الظلم او الفسق ما لم یغیروا شیئا من قواعد الاسلام (باب وجوب الانکار علی الامراء) اس قول سے معلوم ہوتا ہے کہ مطلق تغیر احکام سے جس میں بدعات قدیمہ ایشیائیہ وجدیدہ اور بائیہ سب آگئیں خروج جائز ہے۔
دفع۔ یہ تغیر وہ ہے جو حد کفر تک پہنچ جاوے و قد سبق دلیلہ اور تغیر حد کفر تک پہنچنے والی وہ ہے جس میں استخفاف یا استقباح امور دین کا ہو جس کا بیان قسم ثالث کے ذیل میں گذر چکا ہے یہاں احکام کا بیان بھی ختم ہو گیا اس تفصیل سے احادیث مذکورہ مقام وغیر مذکورہ کی تطبیق میں اور زیادہ اعانت واباحت حاصل ہو گئی اور سب احادیث کے محامل کی غالب تعیین سے ان کے معانی ومدلولات کی مزید تعیین ہو گئی اور یہی غرض تھی اس تفصیل کے ایراد سے کما ذکرناہ فی تمہید التفصیل ولنختم ہذہ العجالۃ التی ہی فی التطبیق بین احادیث الباب احسن مقالۃ ولما کان لہا نوع استقلال فی الافادۃ رأینا ان نلقبہا بجزیل الکلام فی عزل الامام للنشاط فی الافادۃ والحمد للہ اولاً وآخراً وباطناً وظاہراً :

کتبہ اشرف علی لثلثۃ خمس مضت من رمضان ۱۳۲۷ھ

رسالہ ضم شارد الابل فی ذم شارد ابل

بسم اللہ الرحمن الرحیم۔ بعد حمد وصلوٰۃ یہ ایک مختصر تحریر ہے ملقب بہ ضم شارد الابل فی ذم شارد ابل جس کا مضمون عنوان ہذا کے دوسرے جزو سے ظاہر ہے اور جزو اول غایت ہے جزو ثانی کی یعنی جو لوگ جہل یا تجاہل کے سبب مستقر حقیقی سے متوحش ومنتشر ہیں ان کو اس مستقر پر جمع کرنا مقصود ہے اور ابتک اس موضوع پر خاص طور پر لکھنے کی احتیاج دو وجہ سے نہ سمجھی تھی ایک اس لئے کہ مسئلہ اس قدر بدیہی جلی ہے کہ اس کو امارت کی بھی حاجت نہیں جو اسکی تقویت کیلئے کچھ لکھنا موہم ہے اسکے خفی یا نظری ہونیکا جو خلاف واقع ہے دوسرے اس لئے کہ دوسرے مستند علماء اس پر ضرورت سے زیادہ لکھ بھی چکے ہیں جو ہر پہلو سے کافی ہے یعنی شرعی طور پر

بھی اور سیاسی طور پر بھی مگر پھر بھی بعض ذی علم مخلص احباب نے محض اس امید پر کہ شاید کوئی خاص عنوان مشککین کے سکون کیلئے زیادہ نافع ہوجاوے لکھنے پر اصرار کیا نیز اکثر مختلف اوقات میں اس کے متعلق استفتے بھی آتے رہتے ہیں جنکا جواب ابتک ضابطہ ہی کا جاتا رہا جس کو عجب نہیں سائلین نے دفع الوقتی سمجھا ہو اس تحریر سے ان کا حسب مرضی جواب بھی ہوجاویگا۔ اور یہ دونوں داعی گو ضعیف ہیں مگر محرکین کی دعا کی برکت سے امید منفعت کی قوت پر نظر ہو کر یہ چند سطریں لکھنے کی رائے ہو گئی بقول عارف رومی؎ کوئے نومیدی مرو کامید ہاست ٭ سوئے تاریکی مرو خورشید ہاست ٭ واللہ المستعان۔ وعلیہ التکلان۔

اطلاع۔ زیادہ تر مطمح نظر اس تحریر میں شرعی تحقیق ہے اور وہ بھی علمی اصطلاحات میں کیونکہ اس کے مخاطب اول وہی اہل علم ہیں جو اس تحریر کے محرک ہیں پھر وہ اپنی رائے سے غیر اہل علم کو مخاطب ثانی بنا سکتے ہیں اور سیاسی پہلو پر اس لئے کلام مقصود نہیں کہ میں نہ علماً اس پر قادر ہوں کہ اس قانون میں تمدنی و معاشرتی خرابیاں دکھلا سکوں اور نہ عملاً اس پر قادر ہوں کہ اس سے نجات حاصل کرنے کی تدبیریں بتلا سکوں باقی کسی موقع پر غیر سیاسی طرز پر اس کا تبعاً و استطراداً ذکر آجانا اور بات ہے اور نظر بعنوان بالا اس تحریر کے اجزاء کو عطف سے ملقب کرتا ہوں اور نظر بمقاصد اس کو چند عطف پر منقسم کرتا ہوں۔ فقط۔

عطف اول۔ اس کی تحقیق کہ علاوہ نکاح قطع نظر متناکحین کے بالغ و نابالغ ہونے سے آیا دنیا کا کام ہے یا دین کا سو اس سے یہ سمجھنا آسان ہو کہ اس میں تصرف کرنا یہ تصرف فی الدنیا ہے یا فی الدین۔ سو اس کا ایک معیار ہے وہ یہ کہ جس کام کا شریعت میں تاکیدی یعنی وجوبی یا ترغیبی یعنی استحبابی حکم کیا گیا ہو یا اس پر ثواب کا وعدہ کیا گیا ہو وہ دین کا کام ہے پھر اگر اس کے ترک پر کوئی وعید یا ناراضی بھی وارد ہو وہ فرض یا واجب ہے اور جس کے ترک پر وعید یا ناراضی وارد نہ ہو وہ مستحب ہے اور جس میں یہ بات نہ ہو وہ دنیا کا کام ہے گو اس کے متعلق جو احکام وارد ہوں وہ احکام ہر حال میں دین ہی ہیں اور جس اعتقاد یا عمل سے ان احکام میں تغیر ہوتا ہو وہ بھی تغیر فی الدین ہے اب نکاح کو اس معیار پر منطبق کر کے دیکھا جاوے تو صاف معلوم ہوگا کہ وہ دین کا کام ہے کیونکہ بعض حالات میں اس کا تاکیدی اور بعض میں ترغیبی حکم بھی ہے اور اس پر ثواب کا وعدہ بھی ہے اور اس کے ترک کی مذمت اور شناعت بھی فرمائی گئی ہے چنانچہ قرآن مجید میں ارشاد ہے۔

وانکحوا الایامی منکم (سورہ نور)	تم میں جو بے نکاحی ہوں تم ان کا نکاح کر دیا کرو

ف فی مقاصد ... الایم لیس من لا زوج لها بکرا او ثیبا ومن لا امرأة له واما اطلاق الاثم فی بعض الاحادیث علی غیر المکروہ تحریماً بقرینۃ المقابلۃ ویحتمل الروایۃ بالمعنی حیث ورد فی بعضها الثیب مکان الایم ۱۲ منہ

یہ امر کا صیغہ ہے جس کا اصل مدلول تو وجوب ہے اور اگر کسی وجہ سے وجوب مراد نہ لیا جاوے تو پھر اگر کسی قرینہ سے فعل کو ترک پر ترجیح ہو تو استحباب مراد ہوگا ورنہ اباحت اور یہاں قرینہ نکاح کی مطلوبیت کا موجود ہے کما سیذکر عنقریب اور یہی معیار تھا مامور بہ کے دین ہونیکا پس نکاح کا امر دینی ہونا ثابت ہوا اور وہ قرینہ اسی آیت میں یہ ارشاد ہے۔

ان یکونوا فقراء یغنہم اللہ من فضلہ	(یعنی ان بے نکاحوں کے نکاح میں اپنے عزیز ناکح کے فقر کو یا

اپنی عزیزہ منکوحہ کے شوہر کے فقر کو مانع مت سمجھا کرو جبکہ بالقوہ اس میں مادہ اکتساب خدمت عیال کا ہو کیونکہ اگر وہ مفلس ہو نگے تو خدا تعالیٰ اگر چاہیگا اون کو اپنے فضل سے غنی کر دیگا اھ۔ اور اس کا قرینہ ہونا اس طرح ہے کہ زکوٰۃ و حج تک میں جو کہ شعائر اسلام سے ہیں باختلاف عنوان وجوب یا استحباب کیلئے فقر مانع ہے گر نکاح میں یہ بھی مانع نہیں خود مستقل دلیل ہے اور کوئی مانع ہو اس سے صاف طور پر نکاح کی مطلوبیت کی ترجیح ثابت ہوگئی اور بس سے اس کا دین ہونا ثابت ہو گیا اور راز اس تفاوت کا یہ ہے کہ حالت فقر میں زکوٰۃ اور حج ادا نہ کرنے سے کسی گناہ میں ابتلا کا احتمال نہیں اور نکاح نہ کرنے سے زنا میں ابتلا کا اندیشہ ہے اگر اس پر سوال ہو کہ اس مقام پر اگلی آیت میں ارشاد ہے۔

ولیستعفف الذین لایجدون نکاحاً حتی یغنیہم اللہ من فضلہ	ایسے لوگوں کو جن کو نکاح کا مقدور نہیں ان کو چاہیے کہ ضبط کریں

یہاں تک کہ اللہ تعالیٰ اُن کو اپنے فضل سے غنی کرے اھ یہاں فقر کو مانع نکاح قرار دیا گیا۔ جواب یہ ہے کہ قرآن مجید کے مضامین خاصکر ایک ہی مقام میں تعارض کا تو احتمال بھی نہیں ہو سکتا جبتک کوئی دلیل نسخ کی نہ ہو پس حقیقت یہ ہے کہ اس آیت میں فقر کو مانع نہیں فرمایا گیا بلکہ بیوی کے نہ ملنے کو مانع فرمایا ہے چنانچہ عنوان لایجدون بھی بتلا رہا ہے یعنی کسی وجہ سے بیوی ہی نہیں اگر ملے تو کر لو نہ ملے تو صبر سے بیٹھے رہو۔ اور اس معنی کو دوسری آیت میں عدم استطاعت سے تعبیر فرمایا ہے۔

ومن لم یستطع منکم طولاً ان ینکح المحصنٰت المؤمنٰت فمما ملکت ایمانکم (منلو)	اور جو شخص تم میں پوری مقدرت نہ رکھتا ہو آزاد مسلمان عورتوں سے نکاح کرنے کی تو لونڈیوں سے نکاح کرے۔

یہاں بھی بالاجماع نہ ملنا مراد ہے باوجود ملنے کے فقر کے سبب نہ کرنا مراد نہیں باقی حنفی شافعی کا اختلاف کسی قید کے احترازی و غیر احترازی ہونے میں یہ دوسری بات ہے اور یہی مراد ہے عدم استطاعت سے حدیث آئندہ میں ومن لم یستطع فعلیہ بالصوم۔ یہ تو نکاح کے امر دینی ہونے کا قرآن سے اثبات اب حدیث لیجئے۔

عن عبد اللہ بن مسعودؓ قال قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم یا معشر الشباب من استطاع منکم الباءۃ فلیتزوج فانہ اغض للبصر واحصن للفرج ومن لم یستطع فعلیہ	عبداللہ بن مسعودؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا اے جماعت جوانوں کی جو شخص تم میں خانہ داری کے بار اٹھانے کی مقدور رکھے (بالقوہ یا بالفعل کما ذکر

بالصوم فانه له وجاء متفق علیه (مشکوٰة)

فی تفسیر الآیۃ) اُس کو نکاح کر لینا چاہیے کیونکہ نکاح کو نگاہ کے پست ہونے میں اور شرمگاہ کے محفوظ رہنے میں خاص دخل ہے اور جو شخص مقدور نہ رکھے (اور اس لئے نکاح نہ کر سکے) وہ روزے رکھنا اختیار کرے وہ روزہ اُس کے لئے (گویا) رگیں ملدینا ہے۔ اھ

وعن انس قال رسول الله صلی الله علیه وسلم اذا تزوج العبد فقد استکمل نصف الدین فلیتق الله فی النصف الباقی رواه البیهقی (ترغیب)

حضرت انس سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جب بندہ نکاح کر لیتا ہے وہ آدھا دین کامل کر لیتا ہے اب اُس کو چاہیے کہ بقیہ نصف دین میں اللہ تعالیٰ سے ڈرتا رہے

وعن ابی نجیح ان رسول الله صلی الله علیه وسلم قال من کان موسراً لان ینکح ثم لم ینکح فلیس منی رواه الطبرانی باسناد حسن (ترغیب)

ابو نجیح سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جو شخص تم میں نکاح کرنے کی وسعت رکھتا ہو پھر نکاح نہ کرے وہ مجھ سے بے تعلق ہے۔

وعن ابی ذر فی حدیث طویل قال رسول الله صلی الله علیه وسلم لعکاف یا عکاف هل لک من زوجة قال لا قال ولا جاریة قال ولا جاریة قال وانت موسر بخیر قال وانا موسر بخیر قال انت اذاً من اخوان الشیاطین لو کنت من النصاری کنت من رهبانهم ان سنتنا النکاح شرارکم عزابکم وارذل موتاکم عزابکم ابالشیطان تمرسون ما للشیطان سلاح ابلغ فی الصالحین من النساء الا المتزوجون اولئک المطهرون المبرؤن من الخنا الی قوله ویحک یا عکاف تزوج والا فانت من المذبذبین رواه احمد (جمع الفوائد)

ابو ذر سے ایک حدیث طویل میں روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے عکاف سے فرمایا اے عکاف کیا تیرے بیوی ہے انہوں نے عرض کیا نہیں آپ نے فرمایا اور نہ لونڈی عرض کیا اور نہ لونڈی آپ نے فرمایا اور تو خیر سے وسعت والا ہے عرض کیا اور میں خیر سے وسعت والا ہوں آپ نے فرمایا تو اس حالت میں تو شیطان کے بھائیوں میں سے ہے اگر تو نصاریٰ میں سے ہوتا تو اُنکا راہب ہوتا بلاشبہ ہمارا طریقہ نکاح ہے تم میں سب سے بدتر بے نکاحی ہیں اور مرنے والوں میں بھی سب سے بدتر بے نکاحے ہیں کیا تم شیطان سے لگاؤ رکھتے ہو شیطان کے پاس عورتوں سے زیادہ کوئی ہتیار نہیں جو صالحین میں کارگر ہو مگر جو نکاح کئے ہوئے ہیں یہ لوگ بالکل مطہر اور فحش سے مبرا ہیں اور یہ بھی فرمایا کہ کمبخت مارے عکاف نکاح کر لے ورنہ تو تو بار دالوں میں سے ہوگا۔

یہ چار حدیثیں ہیں جو نمونہ کے طور پر ذکر کی گئیں اور اس باب میں بکثرت احادیث وارد ہیں۔ ان میں سے پہلی حدیث میں امر کا صیغہ وارد ہے جس سے بانضمام قرائن مقامیہ یعنی سببیت نکاح لغض البصر واحصان الفرج چونکہ دونوں دین میں ہیں و نصب بدل یعنی صوم وقت العجز نکاح کی مطلوبیت صاف مفہوم ہے خواہ واجب ہو خواہ مستحب باختلاف احوال دوسری حدیث میں اُس کی فضیلت فرمائی ہے کہ مکمل ایمان ہے۔ تیسری حدیث میں وسعت

ہوتے ہوئے نکاح نہ کرنے پر ناراضی اور بے تعلقی کا اظہار فرمایا جو علامات وجوب سے ہے اور چوتھی حدیث میں تو کئی طرح سے نکاح نہ کرنے والوں کی مذمت وشناعت فرمائی کہ یہ بھی امارت وجوب سے ہے گو بعض ہی احوال کے اعتبار سے سہی اور یہ سب معیار ہیں نکاح کے امر دینی ہونے کے البتہ جہاں شرعی لونڈی میسر ہو وہاں لونڈی رکھنا بھی نکاح کا بدل قرار دیدیا گیا ہے گو اکثر احوال میں خلاف اولیٰ ہے لیکن جہاں لونڈی بھی نہیں وہاں تو نکاح ہی متعین ہے جیسے ہندوستان میں۔

فائدہ: جن حدیثوں میں استطاعت و وسعت کی قید ہے یہ قید اشتراط امر بالنکاح کے لئے نہیں کہ اُس کے فوت سے مشروط یعنی امر بالنکاح فوت ہوجاوے بلکہ اقتضا کیلئے ہے یعنی استطاعت مقتضی ہے امر بالنکاح کو اور مقتضی خاص کی نفی مقتضا کی نفی کو مقتضی نہیں جیسے آیت فمن کان یرجو لقاء ربہ فلیعمل عملا صالحا ولا یشرک بعبادۃ ربہ احدا میں رجاء لقاء مقتضی ہے عمل صالح و ترک شرک کو یہ نہیں کہ اگر یہ رجاء نہ ہو تو عمل صالح و ترک شرک مطلوب نہ رہے یہ دوسری بات ہے کہ مقبول نہ ہو اور راز اسکا یہ ہے کہ شرط لازم ہوتی ہے اور مقتضی ملزوم اور انتفاء لازم مستلزم ہے انتفاء ملزوم کو نہ بالعکس۔ پس یہ حدیثیں معارض نہ ہوئیں آیت ان یکونوا فقراء یغنہم اللہ من فضلہ کی پس ان حدیثوں سے فقر کے مانع نکاح ہونیکا وہم نہ کیا جاوے یہاں تک نکاح کے امر دینی ہونے کا اثبات قرآن وحدیث سے ہوچکا اب علماء اُمت وائمہ کے اقوال لیجئے۔ درمختار میں ہے۔

لیس لنا عبادۃ شرعت من عہد آدم الی الآن ثم تستمر فی الجنۃ الا النکاح والایمان۔

ہمارے لئے بجز نکاح اور ایمان کے اور کوئی ایسی عبادت نہیں جو حضرت آدم علیہ السلام کے وقت سے اب تک مشروع رہی ہو پھر جنت میں بھی ...

اس میں نکاح کے عبادت ہونیکی تصریح ہے اور عبادت بھی ایسی کہ تمام شرائع میں مشترک اور عبادت کے دینی کام ہونے میں کس کو کلام ہوسکتا ہے اور گو اس کے استمرار فی الجنۃ پر بعض نے کلام کیا ہے لیکن باقی دوسرے اجزاء سب کے نزدیک مسلم ہیں اور رد المحتار میں ہے

وقدمہ علی الجہاد لقول وکذا علی العتق والوقف والاضحیۃ وان کانت عبادات ایضا لانہ اقرب الی الارکان الاربع حتی قالوا ان الاشتغال بہ افضل من التخلی للنوافل العبادات ای الاشتغال بہ وما یشتمل علیہ من القیام بمصالحہ واعفاف النفس عن الحرام وتربیۃ الولد ونحو ذلک

اور نکاح (کے باب) کو (ترتیب ابواب میں باب) جہاد پر مقدم کیا پھر آگے چل کر کہا ہے کہ اسی طرح اعتاق اور وقف اور قربانی (کے ابواب) پر (مقدم کیا) اگرچہ وہ بھی عبادات ہیں (کچھ کا یہ مطلب بھی (نہیں کہ) نکاح عبادت ہے (ایسے ہی وہ بھی عبادت ہیں مگر پھر بھی نکاح کو ان پر مقدم کیا) اس لئے کہ نکاح (عبادت ہونیکے وصف میں) ارکان اربعہ (نماز و روزہ و زکوٰۃ و حج) کیساتھ بہ نسبت اعتاق اور وقف اور قربانی کے زیادہ قرب رکھتا ہے (اسلئے ان ارکان کے ابواب کے بعد ...

نکاح کا باب ترتیب میں مقدم کیا گیا یہاں تک کہ فقہاء نے فرمایا ہے کہ نکاح میں مشغول ہونا نفل عبادات کیلئے بالکل فارغ ہو جانے سے بھی افضل ہے یعنی خود نکاح کرنے میں مشغول ہونا اور نکاح جن چیزوں پر مشتمل ہے ان میں مشغول ہونا جیسے مصالح نکاح کا اہتمام کرنا اور نفس کو حرام سے بچانا اور اولاد کی تربیت کرنا اور اسی طرح کی چیزیں اب آپ دیکھئے اس عبارت میں کیسے شد و مد سے نکاح کی فضیلت وغیرہ کو بیان کیا ہے وطلاق و عتاق اور وقف و قسمیں جن کے ذوات نصوص بھری پڑی ہیں ذکر میں ان کا حق تقدم ہونا ملتا ہے ارکان اسلام جیسا بہ نسبت ان عبادات کے اسکو زیادہ مناسبت ہونا دخول اسو فیہ از ارکان الاسلام فیہا اکبار الاسلام باظہار الاحکام والنکاح فیہ اکبار الاسلام باکثار اہل الاسلام واشیر الیہ فی قولہ علیہ السلام فانی اباہی بکم الامم فی تعلیل التزویج وخاصۃ الارکان لاسیما الصلوۃ فان فی النکاح اعلانا لانہ نصاب الشہادۃ کما ان فی الصلوۃ اذانا وان فی اولہ ثناء وتوحیدا وقرآنا وفی آخرہ دعاء کما ان فی اولہا ثناء وتوحیدا وقرآنا وفی آخرہا دعاء بالسلام علی الملائکۃ والمصلین ویسن کونہ فی المسجد فہو بالصلوۃ اشبہ (ص۳) نکاح اور متعلقات نکاح کے اشتغال کا نفل عبادات کے اشتغال سے افضل ہونا۔ ان تصریحات کے بعد اسکے امر دینی ہونے میں کیا انکار ہو سکتا ہے۔ **عطن ثانی**۔ اوپر کے دلائل سے مطلق نکاح کا عبادت ہونا ثابت ہوتا ہے پس وہ اپنے اطلاق سے عام ہیں ہر نکاح خالی عن الموانع کو خواہ ناکحین بالغ ہوں خواہ نابالغ ہوں خواہ ایک بالغ ہو ایک نابالغ ہو اور عام کی دلالت اپنے افراد کیلئے حکم ثابت کرنے میں قطعی ہوتی ہے جب تک دلیل خصوص کی نہ ہو خواہ عام ثبوتاً ظنی ہی ہو مگر یہاں ثبوت بھی قطعی ہے کتاب اللہ کا قطعی ہونا ظاہر ہے احادیث بھی معنیً متواتر ہیں اور اگر آحاد بھی ہوں تو انضمام اجماع کے بعد قطعی ہو گئیں اس حالت میں خصوصیت کیساتھ نابالغوں کے نکاح کی مشروعیت کے ثابت کرنے کی حاجت نہیں لیکن تبرعاً اس خصوص کے ساتھ بھی ثابت کیا جاتا ہے حق تعالیٰ کا ارشاد ہے۔

ویستفتونک فی النساء قل اللہ یفتیکم فیہن وما یتلی علیکم فی الکتاب فی یتامی النساء اللاتی لاتؤتونہن ما کتب لہن وترغبون ان تنکحوھن الآیۃ	اور لوگ آپ سے عورتوں کے بارے میں حکم دریافت کرتے ہیں آپ فرما دیجئے کہ اللہ تعالیٰ ان کے بارہ میں تم کو حکم دیتے ہیں اور وہ آیات بھی حکم دیتی ہیں جو کہ اس کے قبل از قرآن کے اندر تم کو

پڑھ کر سنائی جایا کرتی ہیں جو کہ ان یتیم عورتوں کے باب میں ہیں جن کو تم جو ان کا حق مقرر ہے نہیں دیتے اور ان کے ساتھ نکاح کرنے سے نفرت کرتے ہو۔

ف: یہ مضمون مختصر ہے احادیث میں اسکی شرح آئی ہے کہ یتیم بچیاں جو اقارب کی پرورش میں تھیں ان کے ساتھ بعض لوگوں کا یہ برتاؤ تھا کہ اگر وہ صاحب جمال ہوئیں تو ان سے خود نکاح کر لیا مگر انکا پورا مہر نہیں دیا اور اگر صاحب جمال نہ ہوئیں تو بے رغبتی کے سبب نہ خود اپنے ساتھ نکاح کرتے تھے اور نہ مال قبضہ سے نکل جانے کے خوف سے دوسروں کیساتھ نکاح کرتے تھے اس پر یہ آیت نازل ہوئی اس آیت میں یتیمہ کے محل نکاح ہونے کی تصریح ہے۔

اور لفظ یتیم لغۃً و شرعاً مخصوص ہے نابالغ کے ساتھ چنانچہ قاموس میں ہے۔

وھو یتیم و یتیمان مالم یبلغ الحلم۔

(ترجمہ) یتیم اور یتیمان کا اطلاق اس وقت تک ہوتا ہے جب تک بلوغ کو نہ پہنچ جاوے اور حدیث میں ہے۔

لا یتم بعد احتلام رواہ ابوداؤد عن علی الی قولہ وحسنہ النووی متمسکا بسکوت ابوداؤد علیہ لاسیما وھو عند الطبرانی فی الصغیر من وجہ اخر عن علی بل لہ شواھد عن جابر وانس وغیرھما کذا فی المقاصد۔

(ترجمہ) بلوغ کے بعد یتیمی نہیں رہتی روایت کیا اسکو ابوداؤد نے حضرت علی رضی سے۔ آگے کہا ہے کہ نووی نے اس حدیث کو ابوداؤد کے سکوت سے تمسک کر کے حسن کہا ہے خصوص اس حالت میں کہ یہ حدیث طبرانی کی صغیر میں ایک دوسرے طریق سے بھی حضرت علی رض سے مروی ہے بلکہ اس کے دوسرے شواہد بھی ہیں حضرت جابر اور حضرت انس اور ان کے علاوہ اوروں سے بھی اسی طرح ہے مقاصد حسنہ میں

رہا احتمال مجاز کا بلا دلیل ہے اور اگر لفظ نسار کو اس کی دلیل کہا جاوے تو اس کا جواب یہ ہے کہ لفظ نسار کا احکام عامہ للبالغات وغیر البالغات کی نصوص میں بکثرت آنا جیسا عطن رابع میں بعض مواد و نمونہ کے طور پر مذکور بھی ہوں گے اور لفظ یتامٰی کا ایسے احکام میں شذوذ و قلت کیساتھ آنا اس کی دلیل ہے کہ آیت میں نسار میں تجوز کا قائل ہونا راجح ہے بہ نسبت یتیم میں تجوز کے قائل ہونیکے اور اگر اس پر بھی کسی کو شبہ ہے تو وہ شبہ اسلئے مضر نہیں کہ دوسری دلائل سے اصل مدعا ثابت ہے چنانچہ حدیث میں حضرت عائشہ رض کا نکاح نابالغی کی حالت میں ہونا متواتر ہے پھر شاید بلا اجماع ہے جس کے بعد شبہ کی گنجائش ہی نہیں اجماع تو ظاہر ہے اور حدیث یہ ہے۔

عن عائشۃ ان النبی صلی اللہ علیہ وسلم تزوجہا وھی بنت سبع سنین وزفت الیہ وھی بنت تسع سنین ولعبہا معہا ومات عنہا وھی بنت ثمان عشرۃ۔ رواہ مسلم (مشکوٰۃ)

(ترجمہ) حضرت عائشہ رض سے روایت ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے ان سے نکاح کیا اور وہ اس وقت سات برس کی تھیں اور وہ آپ کے پاس رخصت کی گئیں اور وہ اس وقت نو برس کی تھیں اور اُن کی گڑیاں (جو تصویر دار نہ تھیں) اُن کے ساتھ تھیں اور آپ اُن کے سر پر سے اُس وقت اُٹھ گئے جب وہ اٹھارہ برس کی تھیں۔ روایت کیا اس کو مسلم نے۔

ظاہر ہے کہ سات برس کی عمر یقیناً عدم بلوغ کی عمر ہوتی ہے اس سے مدعا صاف ثابت ہے اور اگر کسی کو خصوصیت کا شبہ ہو تو وہ غیر ناشی عن دلیل ہونے کے سبب محض لغو ہے۔

عطن ثالث۔ اور جب شرعی نابالغوں کے نکاح کی مشروعیت ثابت ہو چکی تو جو قانونی نابالغ ہوں ان کے

نکاح کی مشروعیۃ بدرجۂ اولی ثابت ہوگئی کیونکہ قانونی نابالغ شرعاً یا بالغ ہونگے یا نابالغ ہونگے اور دونوں کے نکاح کی مشروعیۃ ثابت ہوچکی کسی دلیلِ مستقل کے قائم کرنیکی حاجت نہیں جسمیں قانونی عمر سے کم عمر کی تصریح کیساتھ نکاح کا حکم ہو مگر ہم تبرعاً ایسی مستقل دلیل کا بھی ذکر کرتے ہیں اور وہ دلیل کی حدیثیں ہیں جن میں سے ایک میں بعنوان عدد عمر کی تصریح ہے جس میں بعض اوقات شرعی بلوغ بھی نہیں ہوتا اور ایک میں بعنوان بلوغ کے جس کا منتہی پندرہ سال ہے عمر کا ذکر ہے۔

عن ابی سعید و ابن عباس قالا قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم من ولد لہ ولد فلیحسن اسمہ وادبہ فاذا بلغ فلیزوجہ فان بلغ ولم یزوجہ فاصاب اثماً فانما اثمہ علی ابیہ وعن عمر بن الخطاب وانس بن مالک عن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم قال فی التوراۃ مکتوب من بلغت ابنتہ اثنتا عشرۃ سنۃ ولم یزوجہا فاصابت اثماً فاثم ذالک علیہ رواہما البیہقی فی شعب الایمان (مشکوۃ)

(ترجمہ) حضرت ابوسعید و حضرت ابن عباسؓ سے روایت ہے دونوں نے کہا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جس کے کوئی اولاد پیدا ہو اُس کو چاہیے کہ اُس کا اچھا نام رکھے اور اچھی تعلیم دے پھر جب وہ بالغ ہوجاوے (جس کا منتہی پندرہ سال ہے جو لڑکے کی قانونی عمر سے کم ہے) اُس کا نکاح کر دے اگر وہ بالغ ہوجاوے اور یہ اُس کا نکاح نہ کرے پھر وہ کسی گناہ میں مبتلا ہوجاوے تو اُس کا گناہ (تسبب کے وجہ میں) صرف باپ ہی پر ہوگا گو مباشرت کے وجہ میں خود اُس پر ہوگا) اور حضرت عمر اور حضرت انس ابن مالکؓ سے روایت ہے وہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت کرتے ہیں کہ توراۃ میں لکھا ہے جس کی لڑکی بارہ سال کو پہنچ جاوے (جو لڑکی کی قانونی عمر سے کم ہے اور قرائن سے نکاح کی حاجت معلوم ہو) اور یہ شخص اس کا نکاح نہ کرے پھر وہ کسی گناہ میں مبتلا ہوجاوے تو اُس کا گناہ اُس (باپ) پر ہوگا ان دونوں حدیثوں کو بیہقی نے شعب الایمان میں روایت کیا ہے (مشکوۃ) حدیثوں کی دلالت مدعا پر صاف ظاہر ہے۔

فصل رابع مسئلہ کے متعلق بعض شبہات کے جواب میں **شبہ اوّل**۔ قرآن مجید میں محل نکاح نساء کو فرمایا ہے مثلاً فانکحوا ما طاب لکم من النساء اور نساء مخصوص ہے بالغات کیساتھ **جواب**۔ اگر اس کا حقیقت لغویہ ہونا بھی ثابت ہوجاوے مگر حقیقت شرعیہ ہونے میں کلام ہے اور حقیقت و مجاز میں وہی اصطلاح معتبر ہے جس میں تخاطب ہو سو قرآن مجید میں جو احکام عام ہیں صغیرات و کبیرات کو اُن میں جابجا لفظ نساء ہی وارد ہے مثلاً ارشاد ہے

لا یسخر قوم من قوم عسی ان یکونوا خیراً منہم ولا نساء من نساء عسی ان یکن خیراً منہن (حجرات)

(ترجمہ) مردوں کو مردوں پر تمسخر کرنا نہ چاہیے شاید وہ اُن سے اچھے ہوں اور نہ عورتوں کو عورتوں پر تمسخر کرنا چاہیے شاید وہ اُن سے اچھی ہوں

اور مثلاً ارشاد ہے۔

فان کن نساء فوق اثنتین فلهن ثلثا ما ترک	(ترجمہ) پھر اگر (وارث اولاد میں) عورتیں ہوں (دو یا) دو سے زیادہ تو اُن کو میت کے ترکہ سے دو ثلث ملیگا

ظاہر ہے کہ ان دونوں حکموں میں بالغات وغیرہ بالغات میں کوئی فرق نہیں اور جہاں مستضعفین کی تفصیل میں استعمال لغوی کی بناء پر نساء کے بعد ولدان بھی بڑھایا گیا ہے وہاں عذر کے سبب ضعف یا عذر کی تقویت کا عارض اُس اصل سے عدول کا سبب ہوگیا۔ اور ما بقی اپنی اصل پر رہیگا اسی طرح اور آیات میں بھی نساء عام معنی میں آیا ہے اور اگر ان میں شرعی مجاز بھی تسلیم کرلیا جائے تب بھی دوسرے دلائل قطعیہ مذکورۂ بالا سے تعارض سے بچنے کے لئے نساء کو مجاز پر محمول کرنا واجب ہوگا۔

شبہ دوم وسوم۔ ازجناب بعض ایڈیٹران اخبارات میں ایک آیت کے متعلق ہے دوسرا حدیث کے متعلق چونکہ ان دونوں شبہوں کا جواب اس کے قبل[1] لکھا جاچکا ہے اس لئے اسوقت اُن کو مع اُس جواب کے بعینہ نقل کئے دیتا ہوں قولہ سے شبہ کی تقریر اور اقول سے جواب کی تقریر لکھی جاویگی قولہ اس میں شک نہیں کہ ایک مسلمان کیلئے کسی امر الٰہی کی نوعیت کا بدلنا حرام ہی نہیں بلکہ نافرمان اور مجرم بناتا ہے لیکن نابالغ لڑکیوں کے جواز نکاح کا کوئی حکم اسلام میں نہیں ملتا۔ اسلام میں اسکی کوئی پوزیشن نہیں پائی جاتی بخلاف اس کے قرآن مجید کے پارہ چہارم رکوع ۱۲ میں نکاح کی عمر بتائی گئی ہے۔ وابتلوا الیتمٰی حتی اذا بلغوا النکاح۔

اقول۔ آدمی جس فن کو نہ جانے اس میں کیوں دخل دے۔ آیت کا مفہوم تفاسیر میں تو دیکھ لیا ہوتا یہاں قابلیت نکاح سے مراد پوری قابلیت ہے، اور پوری قابلیت بلوغ سے ہوتی ہے کیونکہ اس سے قبل وہ توالد و تناسل کی صلاحیت نہیں رکھتا اور نکاح سے اصل مقصود یہی ہے پس پوری قابلیت دیکھنے یہ لازم نہیں آتا کہ اس کے قبل نکاح جائز نہ ہو ورنہ لازم آویگا کہ آج تک قرآن کو کسی عالم نے سمجھا نہ کسی مجتہد نے کیونکہ مجتہدین کا اجماعی فتوی کتب مذہب میں نابالغ کے نکاح کے جواز میں مدون ہیں۔

قولہ۔ نابالغہ کے نکاح کے جواز میں اکثر حضرت عائشہ صدیقہ رضی کا نکاح پیش کیا جاتا ہے لیکن یہ بالکل غلط ہے کہ صدیقہ رضی کا نکاح رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے ایسی حالت میں ہوا جب آپ نابالغہ تھیں ہم فروری ۲۶ء کے بلاغ میں اس غلطی کا ازالہ کرچکے ہیں کتاب اکمال فی اسماء الرجال کے ترجمے کے صفحہ ۱۳ پر حضرت اسماء کے حال میں لکھا ہے کہ حضرت اسماء رضی کا بیٹا حضرت عبداللہ بن زبیر ۷۳ ہجری میں سولی دیا گیا اور آپ اس واقعہ کے

[1] اس رسالہ کے لکھنے کے قبل ۱۲

دس یا بیس دن بعد فوت ہوئیں اس سے معلوم ہوا کہ آپ (یعنی حضرت اسماء) کی وفات بھی ۷۳ھ میں ہوئی۔ وفات کے وقت آپ کی عمر سو برس کی لکھی ہے۔ اس سے ثابت ہوتا ہے کہ آپ کی ولادت ہجرت کے ستائیس سال پہلے ہوئی ہے اور چونکہ حضرت عائشہ حضرت اسماء سے دس سال چھوٹی تھیں اسلئے حضرت عائشہ بالضرور ہجرت سے سترہ سال پہلے پیدا ہو چکی تھیں یا یوں کہو کہ ہجرت کے وقت آپ کی عمر سترہ سال تھی اور اس میں کسی کو اختلاف نہیں کہ آپکا زفاف ہجرت سے دو یا تین سال بعد ہوا۔ پس اظہر من الشمس ہے کہ جناب حضرت عائشہ صدیقہؓ زفاف کے وقت انیس یا بیس سال کی تھیں اس سے ثابت ہے کہ حضرت عائشہؓ کا نکاح ان کی بلوغت میں ہوا۔ اب تو اس کی سند صحیح موجود ہے۔

اقول۔ کیا ابھی سند موجود ہے جس اکمال میں یہ لکھا ہے اُسی اکمال میں حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے حالات میں یہ بھی تو دیکھا ہوتا کہ زفاف کے وقت حضرت عائشہؓ کی عمر نو برس کی تھی اور زفاف ہجرت کے اٹھارہ مہینہ یا سات مہینہ بعد ہوا اور نکاح ان سے تین برس قبل ہجرت ہوا تو نکاح کے وقت چھ یا سات برس کی ہوئیں اور حضور کی خدمت میں نو سال رہیں اور حضور کی وفات کے وقت اٹھارہ سال کی تھیں۔ عجیب کیا بات کہ اکمال کے ایک جزو کو مانتے ہو دوسرے کو نہیں مانتے ہو۔ اب اکمال کو چھوڑ کر کہیں اور جگہ سے ثابت کرو جیسا ہم اکمال سے زیادہ قوی دلیل سے ثابت کرتے ہیں سنو صحیح مسلم میں خود حضرت عائشہؓ اپنا قصہ بیان کرتی ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان سے نکاح کیا جب یہ سات برس کی تھیں اور زفاف ہوا جب نو برس کی تھیں اور آپ کی وفات ہوئی جب یہ اٹھارہ سال کی تھیں اور حدیث صحیح کے مقابل کوئی تاریخ نہیں ہو سکتی مورخین کے پاس محدثین کی سی سند نہیں ہوتی۔

شبہ چہارم متعلق حدیث عائشہؓ۔ یہ حدیث فعلی ہے ممکن ہے کہ اس میں حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کی خصوصیت ہو۔ **جواب۔** خصوصیت محض احتمال غیر ناشی عن دلیل سے ثابت نہیں ہوتی پھر دلائل عامہ و خاصہ مذکورہ بالا اس خصوصیت کی نفی کے لئے کافی ہیں۔

شبہ پنجم۔ حسب تصریح علماء نکاح عبادت محضہ نہیں ہے چنانچہ رد المحتار میں ہے۔

ذکرہ عقیب العبادات الاربع ارکان الدین لانہ بالنسبۃ الیہا کالبسیط الی المرکب لانہ عبادۃ من وجہ معاملۃ من وجہ۔

(ترجمہ) مصنف نے کتاب النکاح کو عبادات اربعہ (نماز روزہ حج زکوٰۃ) کے بعد ذکر کیا جو کہ ارکان دین ہیں اسلئے کہ نکاح بہ نسبت ان عبادات اربعہ کے ایسا ہے جیسے بسیط بہ نسبت مرکب کے کیونکہ یہ من وجہ عبادت ہے اور من وجہ معاملہ ہے (تو اس میں دو وصف ہوئے اور عبادات اربعہ میں صرف ایک ہی

وصف ہے عبادت کا اور ظاہر ہے کہ ایک اور دو میں بسیط اور مرکب کی سی نسبت ہے۔

جواب۔ عبادات محضہ تو بعض حالات میں وہ امور بھی نہیں رہتے جن کا جزو دین ہونا بلا اختلاف مسلم ہے جیسے روزہ کہ بعض حالات میں اس میں وصف عقوبت کا بھی آجاتا ہے جیسے اصولیین نے صوم کفارہ میں اس کی تصریح کی ہے مگر باوجود اسکے اس کو کوئی امر دنیوی نہیں کہتا اسی طرح اگر نکاح میں دوسرا وصف معاملہ ہونیکا بھی ہو تو اس سے اس کا امر دنیوی ہونا کیسے ثابت ہوگیا بلکہ غور کرنے سے معلوم ہوتا ہے کہ وصف عقوبت کو بہ نسبت وصف معاملہ کے عبادت سے زیادہ بُعد ہے کیونکہ عقوبت معصیت سے مسبب ہے جو کہ ضد ہے عبادات کی اور معاملہ معصیت سے مسبب نہیں بلکہ اکثر اوقات عبادت سے مسبب ہوتا ہے مثلاً ادائے حقوق واجبہ سے پس جب عبادت کیساتھ وصف عقوبت ملکر بھی اُس عبادت کو امر دنیوی نہ بنا سکا تو عبادت کیساتھ وصف معاملہ ملکر تو اس عبادت کو امر دنیوی کیسے بنا سکتا ہے دوسرے ایسے مرکبات میں اعتبار غالب کا ہوتا ہے اور نکاح میں اُن ہی علماء کے قول سے جنھوں نے اس میں وصف معاملہ مانا ہے غالب وصف عبادت ہی ہے چنانچہ عطن اول میں جو عبارت ردالمحتار کی نقل کی گئی ہے (اور سائل کی عبارت منقولہ اُسی عبارت کا جزو ہے) اُس میں تصریح ہے کہ نکاح کو زیادہ قرب ارکان اربعہ ہی سے ہے اور جہاد و اعتاق و وقف و تعلیم پر اس کی تقدیم کو اسی پر مبنی کیا ہے اور ظاہر ہے کہ جہاد اور اُس کے اخوات میں جہت عبادت کی غالب ہے تو جو چیز اُن سے بھی زیادہ ارکان اربعہ سے مناسبت رکھتی ہو اس میں وصف عبادت کے غالب ہونے میں کیا شبہ ہو سکتا ہے اور قطع نظر اقوال علماء سے اس مناسبت کی تائید حدیث مرفوع سے بھی ہوتی ہے عن علی ان النبی صلی اللہ علیہ وسلم قال یا علی ثلث لا تؤخرها الصلوٰۃ اذا اتت والجنازۃ اذا حضرت والایم اذا وجدت لها کفوا رواہ الترمذی (مشکوٰۃ) اس میں نکاح کو وجوب تعجیل میں نماز کا قرین قرار دیا جس سے اس مناسبت کی صریح تقویت ہوتی ہے وذکر سرہ فی العطن الاول وبیاین ایضا کون وصف العبادۃ فیہ غالبا علی وصف المعاملۃ بان المعاملات التی یتوقف انعقادها علی تراضی الجانبین یتوقف فسخها ایضا علی تراضیهما والعبادات المحضۃ یتفرد العامل بفسخها وکذالک النکاح یستقل الزوج بابطالہ فکان مشابهتہ بالعبادات اقوی وبالمعاملات اضعف۔

عطن خامس ملقب بحق وطن۔ اس میں اس قانون کے مطالبہ نسخ کے متعلق ایک استطرادی اور مختصر کلام ہے اور اسی لئے اس کا عنوان گو تغلیباً عطن رکھدیا گیا لیکن اصل لقب حق وطن ہے کیونکہ اس کا تعلق خاص اپنے ملک و وطن کے مصالح سے ہے خطبہ میں بزیر عنوان اطلاع اس مادہ میں سیاسی پہلو پر کلام کرنے

اپنا علمی و عملی عذر ظاہر کر چکا ہوں اور وہاں ہی یہ احتمال بھی ذکر کیا ہے کہ شاید غیر سیاسی طور پر کسی موقع پر اسکی ذکر اضطراراً آجائے سو وہ موقع یہی ہے جس میں بجائے سیاسی کلام کے اپنے بھائیوں کے لئے ایک مفید مشورہ معروض ہے اور وہ یہ ہے کہ حکومت سے اس قانون کے نسخ کی درخواست دو بناؤں پر ہو سکتی ہے ایک تو اس بنا پر کہ یہ قانون خلاف معاہدہ عدم مداخلت فی المذہب ہے سو اگر اس بناء کو اختیار کیا جائے تو اس کی بھی ضرورت ہے کہ اس معاہدہ میں جو لفظ مذہب کا آیا ہے اسکا مرادف آیا ہے اس کے مفہوم کی تحقیق کی جائے جس میں استقراء سے کئی احتمال ہیں ایک یہ کہ مراد اس سے وہ امور ہوں جن کو احقر نے عطن اول میں امر دینی کہا ہے جس میں نکاح بھی داخل ہے۔ دوسرا احتمال یہ ہے کہ اس سے بھی عام معنی مراد ہوں یعنی وہ مجموع امور جن کا شریعت نے قانون بتلا دیا ہے اس میں تمام دیانات و معاملات آگئے۔ تیسرا احتمال یہ ہے کہ مراد وہ امور ہوں جن کو عام خیالات سے دین کا کام سمجھا جاتا ہے خواہ دین میں اس کی کچھ اصل ہو یا نہ ہو اس میں جس طرح امور دین یعنی نماز و اذان و روزہ و حج و زکوٰۃ و نکاح وغیرہ داخل ہیں اسی طرح رسوم محرم و شب برات اور اعراس قبور بھی داخل ہیں۔

چوتھا احتمال یہ ہے کہ اس سے مراد مجموعہ معنی ثالث مع شفعہ و میراث و وقف و قربانی و امثالہا ہوں اور احتمالات عقلیہ گو اور بھی ہو سکتے ہیں مگر تتبع سے وہی احتمالات لکھے گئے جن کا تذکرہ زبانوں پر آتا ہے اور ممکن ہے کہ ان کے علاوہ کوئی پانچواں مفہوم ہو اور ہر حالت میں جب لفظ مذہب کا مفہوم متعین ہو جائیگا تو آسانی سے معاہدہ کے خلاف ہونے یا نہ ہونے کا فیصلہ بھی ہو جائیگا اور بہت سے اختلافات رفع ہو جاوینگے اور بہت سے سوالات حل ہو جاویں گے چنانچہ بعضے سوالات دائرہ علی الالسنہ مع جوابات نمونہ کے طور پر ذکر کئے جاتے ہیں۔

سوال اوّل۔ اگر نکاح کا یہ قانون داخلت فی الدین ہے تو بیع و شراء و حفظ صحت کے قوانین بھی مداخلت فی الدین ہیں حالانکہ ان کے متعلق کوئی مطالبہ نہیں کیا جاتا۔

جواب۔ مذہب کے معانی مذکورہ میں سے جس معنی کے اعتبار سے دونوں میں فرق نہ ہو اس پر تو یہ جواب ہے کہ عدم التفات کے وقت سکوت کر لینے سے التفات کے وقت بھی سکوت کر لینا لازم نہیں اور جس معنی کے اعتبار سے دونوں میں فرق ہو تو جواب ظاہر ہے اور اسی جواب مبنی علی الفرق کو میں نے اپنی ایک تقریر میں ذکر کیا ہے وھو ھذا۔

بڑا شبہ ان لوگوں کا یہ ہے کہ شرعی جائز کو قانوناً ممنوع کرنا مداخلت مذہبی نہیں ہے ورنہ ٹیکہ سے انکار جائز ہے اور قانوناً یہ انکار جرم ہے۔ پس یہ بھی مداخلت ہونا چاہئے حالانکہ اس کو کوئی مداخلت نہیں کہتا۔ اس کے دو جواب ہیں ایک الزامی ایک تحقیقی۔ الزامی تو یہ کہ گاؤ کشی بھی واجب نہیں جائز ہے تو کیا کوئی مسلمان گوارا کر سکتا ہے کہ یہ قانوناً جرم ہو جاوے۔ اور تحقیقی جواب یہ ہے کہ جائز کے دو درجے ہیں ایک محض مباح جس میں کوئی حیثیت دین اور

طاعت کی نہیں جیسے معالجہ امراض کا اور اس کا ترک اور دوسرا درجہ جس میں کوئی حیثیت دین اور طاعت کی بھی ہے اور معیار اس کا یہ ہے کہ اس کی فضیلت اور ترغیب شریعت میں آئی ہو جیسے نکاح کہ اس کی تاکید وارد ہے اور اس کے ترک بلا عذر پر وعید بھی۔ یہ صاف دلیل ہے اس کے دین ہونے کی اسی لئے فقہاء نے جو نکاح کے اقسام اور اُن کے احکام لکھے ہیں ان میں کوئی درجہ مباح کا نہیں ہاں عارض کے سبب مکروہ تو ہو جاتا ہے مگر فی نفسہ طاعت ہی ہے۔ اور فقہاء نے اُس کو اس درجہ کی طاعت فرمایا ہے کہ اس کو اشتغال بالتعلم والتعلیم والتخلی للنوافل سے افضل کہا ہے۔ کذا فی الشامی پس نکاح کا کوئی نیا قانون بنانا مداخلت فی الدین ہے اور معالجہ کا قانون بنانا مداخلت فی الدین نہیں ہے۔

سوال دوم۔ مطلق نکاح دین ہے بقید صغر سن تو دین نہیں۔ جواب۔ معانی مذکورہ میں سے جس معنی کر دین ہے اُس میں کوئی قید نہیں لہذا ہر عمر میں دین ہے۔ یہ تو اس جواب کی قانونی حقیقت ہے اور شرعی حقیقت اس جواب کی کسی قدر مہارت علم دین پر موقوف ہے وہ یہ کہ شرعی فقہی قاعدہ ہے کہ جو عمل اطلاق کے درجہ میں جس شان کیساتھ موصوف ہوتا ہے وہ جس قید جائز کیساتھ بھی صادر ہوگا اُسی شان کیساتھ موصوف رہیگا۔ مثلاً نماز ظہر کی فرض ہے اور خاص کسی یہ قید کہ دو ہی بجے کے وقت ہو فرض نہیں لیکن اگر دو ہی بجے پڑھی گئی تو اُس کو بھی فرض کہیں گے۔ اگر کوئی ایسا قانون بنایا جاوے کہ دو بجے پڑھنا جائز نہیں تو وہ مداخلت فی الدین یقیناً ہے۔ اسی طرح جب مطلق نکاح دین ہے تو اگر صغر سن کی حالت میں پایا جاوے اُس فرد کو بھی دین ہی کہیں گے تو اس کی ممانعت کا قانون بنانا مداخلت فی الدین ہوگی اور اسی طرح قربانی میں کہیں گے کہ قربانی عبادت ہے اگر بقید بقرہ ہو تب بھی عبادت ہے تو اس کی ممانعت مداخلت فی الدین ہوگی۔ خوب سمجھ لیا جاوے۔

سوال سوم۔ قبل قانونی بلوغ کے قبل کسی خاص عمر میں فرض و واجب نہیں۔ جواب۔ بعض حالات میں فرض و واجب بھی ہو جاتا ہے مثلاً صحت بدنیہ و قوت مزاجیہ کے سبب تقاضا شدید ہو اس حالت میں فرض و واجب ہو جاتا ہے۔ دوسرے جس معنی کر یہ دین ہے اُس میں فرض غیر فرض میں کوئی فرق نہیں جیسا فرض نماز اور نفل نماز سے روکنا بلا برابر ہے اور اس دوسرے جواب کا مرجع وہی ہے جو سوال دوم کے جواب میں مذکور ہوا۔

یہ سب کلام اُس وقت تھا جب بناء درخواست نسخ کی معاہدہ عدم مداخلت فی المذہب ہو اور ایک دوسری بناء درخواست نسخ کی اور ہے اور دوسری بناء اسلم ہے بالخصوص جو لوگ سیاسیات میں علماً و عملاً قاصر ہیں ان کے لئے تو بالتعیین اسی بناء کے اختیار کرنیکا مشورہ دیتا ہوں یعنی اگر کریں اور تحریک کے عام کرنے کیلئے کریں لینا اصلح ہے اور وہ یہ ہے کہ حکومت سے درخواست کی جاوے کہ اگر اس قانون کو خلاف معاہدہ

ہونے کی بنا پر آپ منسوخ نہیں کرتے تو ترحم و راحت رسانی ہی کی بنا پر منسوخ کر دیجئے کیا رعایا کے صرف وہی حقوق ہیں جن کی فہرست منضبط کر دی جائے کیا اُن کا یہ حق نہیں ہے کہ اُن کو تکلیف و پریشانی سے بچایا جائے۔ کیا وقتاً فوقتاً حکومت کی طرف سے مصالح کی رعایتیں ہوتی نہیں رہتیں۔ اور اس قانون سے جو کلفتیں اور زحمتیں ہوں گی کیا وہ متیقن و متبین نہیں پھر ان دونوں مقدموں کے بعد ترتب نتیجہ یعنی نسخ قانون ہی کا ہے کا انتظار ہے۔ یہ تو خطاب تھا حکام سے۔ مگر اسی پر اکتفا نہ کریں بلکہ حق تعالیٰ سے بھی التجا و دعا کرتے رہیں کہ ہمارے گناہوں کو معاف فرما کہ یہی گناہ اصل ہے نزول بلا کی اور حکام کے قلوب کو قلت رعایت کا۔ صاف فرما جو فرع ہے عفو ہی کی۔ واللہ الموفق

تمت الرسالۃ لنصف رجب سنہ ۱۳۴۸ھ

بسم اللہ الرحمن الرحیم

رسالۃ القطائف من اللطائف

(جزوے از ملفوظات)

الحمد للہ الذی کتب دلائل توحیدہ علی صفحات المخلوقات ورسم براھین تفریدہ علی اوراق الموجودات والصلوۃ والسلام الاتمان الاکملان علی سید الانس والجان ماصاح فی الغمام رعد ولاح فی الظلام سعد اما بعد ۱۱ رمضان ۱۳۴۹ھ کو شنبہ کے دن صبح کے وقت ایک حکیم صاحب کی جانب توجہ فرما کر ارشاد فرمایا کہ آپ نے لطائف ستہ کے متعلق خط میں دریافت فرمایا تھا میں نے جواب میں لکھا تھا کہ زبانی دریافت کر لیجئے گا اب آپ سوال کا اعادہ کر دیں تاکہ میں اپنے معلومات کے مطابق حسب مصلحت و ضرورت جواب عرض کروں۔ حکیم صاحب نے فرمایا کہ لطائف ستہ کو کیسے ذاکر بنایا جاتا ہے۔ حضرت اقدس نے جواباً ارشاد فرمایا کہ پہلے ایسی تمہید کی ضرورت ہے، جس سے حسب حاجت حقیقت لطائف پر بھی روشنی پڑ جائے لہذا التماس ہے کہ باتفاق عقلاء انسان بسیط نہیں بلکہ ذہناً و خارجاً مرکب ہے، ہم اس وقت ترکیب خارجی سے گفتگو کرنا چاہتے ہیں دنیا کے اہل آراء و اہل ملل انسان کو اجزاء متعددہ سے مرکب مانتے ہیں لیکن اطباء و متکلمین تو فرماتے ہیں کہ انسان کے جمیع اجزاء ترکیبیہ مادی ہیں۔ اطباء روح غیبی کے قائل نہیں یعنی اطباء فن طب میں روح غیبی سے بحث نہیں کرتے ہیں، یہ مطلب نہیں ہے کہ اطباء روح غیبی کے امتناع کے قائل ہیں کیونکہ نہ امتناع پر آج تک طبیب نے کوئی قوی یا ضعیف دلیل قائم کی اور نہ کسی طبیب نے اس کا انکار کیا اور بحث نہ کرنے کی وجہ بھی یہ ہے کہ روح غیبی کی بحث

عہ مرتبہ مولوی اسعد اللہ صاحب رامپوری مدرس مظاہر علوم سہارنپور سلمہ اللہ تعالیٰ ۱۲ +

فن طب سے خارج ہے فن طب کا کوئی مسئلہ روح غیبی کے عدم یا وجود پر موقوف نہیں اطباء کے روح غیبی کے قائل نہ ہونے کی بالکل ایسی مثال ہے جیسے کہا جاتا ہے کہ حکیم فیثاغورس وجودِ افلاک کا قائل نہیں حالانکہ فیثاغورس وجودِ افلاک کا منکر نہیں بلکہ اس کا مطلب یہ ہے کہ موجودہ نظام طلوع و غروب محفوظ رکھنے کیلئے حرکت ارض کافی ہے نظام شمسی سے یہ تمام حسابات وجود پذیر ہو سکتے ہیں ذاتیات نظام یا لوازم غیر منفکہ نظام میں وجود افلاک داخل نہیں ہے اگر افلاک کا عدم بھی فرض کرلیا جائے تب بھی نظام مذکور میں اختلال رونما نہ ہوگا جیسے وجود افلاک سے (ساکنہ تکانت او متحرکہ) نظام پر کوئی موافق یا مخالف اثر نہیں ہوتا ہے کیونکہ یہ نظام کواکب کی حرکت سے منتظم ہو سکتا ہے مگر ابناء زمانہ نے انکار افلاک کو اس کی جانب بلا دلیل منسوب کر دیا ہے حالانکہ اس انتساب کی کوئی دلیل نہیں رجماً بالغیب جو چاہتے ہیں کہتے ہیں۔ اسی طرح اطباء کے نزدیک فن طب میں روح غیبی کی حاجت نہیں پس وہ انسان کو جسد و بخارات سے کہ روح طبی ہے مرکب مانتے ہیں فرق صرف اتنا ہے کہ جسد مادہ کثیف ہے اور بخارات مادہ لطیف اور اطباء کی طرح متکلمین کا بھی یہی خیال ہے کہ انسان کے تمام اجزاء ترکیب مادی ہیں کوئی جزو مجرد نہیں کیونکہ ارواح متکلمین کے نزدیک بھی مادی ہیں صرف اتنا فرق ہے کہ ان کے نزدیک ان ارواح کا تکون وحدوث قبل حدوث الابدان ہو چکا تھا اور ان کا مستقر عالم ارواح ہے اور ارواح ابدان سے مفارق ہو کر بھی باقی رہتی ہیں اور اطباء قائل ہیں کہ ارواح کا تکون بھی بعد تکون ابدان کے ہوتا ہے اور فناء ابدان سے یہ بھی فنا ہو جاتی ہیں حضرات متکلمین روح کی ان الفاظ سے تعریف کرتے ہیں الروح جسم لطیف سار فی البدن اور فرماتے ہیں روح جسم میں اس طریقہ پر ساری ہے جیسے عرق گلاب پتیوں میں ساری رہتا ہے یہ سرایت حلول سریانی کے مشابہ ہے کیونکہ محل کے تجزیہ سے حال کا تجزیہ ہو جاتا ہے وھو شان الحلول السریانی چنانچہ وہ یہ بھی کہتے ہیں کہ صغر و عظم ارواح کا صغر و عظم ابدان کے تابع ہے تقریب الی الذہن کیلئے یوں سمجھئے کہ جیسی جسم تعلیمی کو جسم طبعی سے نسبت ہوتی ہے وہی نسبت روح کو بدن سے ہے جسم طبعی اگر چھوٹا ہے جسم تعلیمی چھوٹا ہوگا جسم طبعی اگر بڑا ہوگا جسم تعلیمی بڑا ہوگا۔ وعلیٰ ہٰذا القیاس۔ البتہ جسم تعلیمی عرض ہے اور روح جوہر اور حلول سریانی کے مشابہ کہنے کی اور عین حلول سریانی نہ کہنے کی وجہ یہ ہے کہ حلول میں وجود حال کا بدون محل کے متحقق نہیں ہوتا جیسا مصرح ہے اور یہاں وجود روح کا بدون بدن کے ثابت ہے، قبل تعلق و تکون بدن بھی اور بعد مفارقت بدن بھی۔ یہاں تو روح کے متعلق اجمالی طور پر بقدر ضرورت متکلمین و اطباء کے مذہب کا بیان تھا۔ اب حکماء و صوفیہ کی سنئے۔ وہ فرماتے ہیں کہ انسان مرکب تو ضرور ہے لیکن اس کے تمام اجزاء مادی نہیں بلکہ بعض اجزاء مادی ہیں بعض غیر مادی اس قدر پر تو دونوں کا اتفاق ہے آگے اختلاف ہے کہ حکماء صرف نفس ناطقہ کے غیر مادی ہونے کے قائل ہیں۔ ان کے نزدیک صرف یہی ایک جزو غیر مادی ہے

اور صوفیہ کے نزدیک اجزاء غیر مادی متعدد ہیں حکماء کے زعم میں نفس کے علاوہ کسی دوسرے جزو کے غیر مادی ہونے پر کوئی دلیل قائم نہیں لہذا علاوہ نفس کے اور کسی جزو کو غیر مادی نہیں کہتے (دفیہ وھن ظاھر لانھم یستدلون بعدم اطلاعھم علی دلیل یستدل بہ علی کون غیر النفس من الاجزاء الترکیبیۃ للانسان علی کون غیر النفس مادیا وھو کما تری فان عدم العلم لا یدل علی علم العدم) ممکن ہے کہ حکماء مشائین نے یہ قول اشراقیین سے لیا ہو۔ اور اشراقیین کو غیر مادی اجزاء میں سے صرف نفس ہی منکشف ہوا ہو یا ان میں سے بعض کو اور اجزاء کا غیر مادی ہونا بھی منکشف ہوا ہو لیکن حکماء مشائین کو بجز ایک قول کے دوسرا قول نہ پہنچا ہو بلکہ مجھے تو ہمیشہ یہ خیال ہوتا ہے کہ مشائین اشراقیین کے اقوال لیکر مسخ کر لیتے ہیں ان کی عبارت دیکھتے ہیں اصل مطالب حقائق تک پہنچتے نہیں کیونکہ اہل کشف کی تعبیرات فطرۃً و عادۃً علی الدوام قاصر ہوتی ہیں۔ مشائین اپنی جانب سے قطع و برید کر لیتے ہیں (نیز اشراقیین کے مکاشفات کے صحیح ہونے کا بھی یقین نہیں کیا جا سکتا) اور ان حکماء کے نزدیک یہ تو متفق علیہ ہے کہ نفس کے علاوہ اور کوئی جزو انسانی مادی نہیں۔

آگے ان میں خود ایک اختلاف ہے اشراقیین کے نزدیک حادث قبل حدوث البدن۔ البتہ اس کے یہ سب قائل ہیں کہ نفس ابدی ہے۔ وھو مذھب الاشراقیین والمتکلمین ایضاً۔ اور حضرات صوفیہ فرماتے ہیں کہ یہ خیال تو صحیح ہے کہ انسان کے تمام اجزاء ترکیبیہ مادی نہیں بلکہ بعض مادی ہیں بعض غیر مادی مگر ان غیر مادیات کو بھی حادث بالذات و بالزمان مانتے ہیں پس روح کے حدوث و تجرد میں تو مشائین کے ساتھ ہیں اور تکون قبل از بدن میں متکلمین کے ساتھ البتہ ان کے نزدیک یہ خیال غلط ہے کہ جزو غیر مادی صرف ایک ہے یعنی نفس ناطقہ بلکہ پانچ جزو غیر مادی ہیں تو ان کے نزدیک انسان دس اجزاء سے مرکب ہے۔ پانچ مادی ہیں پانچ غیر مادی۔ مادی اجزاء تو یہ ہیں۔ عناصر اربعہ و نفس۔ اور غیر مادی اجزاء یہ ہیں۔ قلب۔ روح۔ سر۔ خفی۔ اخفی۔ انہیں اجزاء خمسہ مجردہ یعنی غیر مادیہ کا نام لطائف خمسہ ہے بعض صوفیہ اپنی اصطلاح میں ان میں نفس کو بھی شامل کر لیتے ہیں اور مجموعہ کو لطائف ستہ کہتے ہیں۔ چنانچہ آجکل یہی نام مشہور بین الخواص والعوام ہے مگر نفس کو لطائف میں شامل کرنا بوجہ اس کے مادی ہونے کے تغلیباً ہے جیسے قمرین شمس و قمر کو عمرین ابوبکر و عمر کو تغلیباً کہا جاتا ہے یہاں مادی کے دو معنی ہیں ایک یہ کہ مادہ اسکا جزو ہو جیسے بدن انسانی دوسرے یہ کہ کسی مادی یا خود مادہ میں حلول کیے ہو یہاں پر نفس کو باعتبار المعنی الثانی مادی کہا جاتا ہے کیونکہ نفس جو قوۃ داعیہ الی الشر ہے منطبع فی جمیع البدن ہے لہذا مادی ہوگا مگر یہ بعض اس کو اس وجہ سے تغلیباً لطائف میں شمار کر لیتے ہیں کہ غرض تصوفی کے سبب لطائف کی ساتھ اس سے بھی بحث ہوتی ہے حضرت مجدد صاحب کے کلام میں اکثر لطائف خمسہ کا عنوان مذکور ہوتا ہے اور بعض اکابر صوفیہ کے کلام میں لطائف ستہ کا عنوان اور تحقیق بالا سے معلوم ہو گیا کہ ان میں کوئی تعارض نہیں کیونکہ موجد

لطائف تحقیقی قرار دیتے ہیں۔ متاخرین وغیرہ لطائف تعلیمی اول پانچ ہیں ثانی چھ۔ اور چونکہ لطائف خمسہ غیر مادی و مجردات ہیں تو بقاعدہ الشئ اذا ثبت ثبت بلوازمہ لطائف خمسہ کے لئے تجرد کے لوازم بھی مثل عدم تحیز وغیرہ ثابت ہوں گے مگر اس سے یہ اشتباہ نہ ہو کہ لطائف کیلئے قدم بھی ثابت ہوگا کیونکہ قدم عقلاً لوازم تجرد سے نہیں ہے فانہ یمکن ان یکون الحادث مجرداً لانہ لادلیل علی خلافہ۔ البتہ یہ ضرور ثابت ہوگا کہ لطائف متمکن و متحیز نہیں ہوں گے کیونکہ حیز و مکان خواص مادہ سے ہیں مجرد میں اور تحیز و تمکن میں تنافی ہے اس تحقیق کے بعد یہ شبہ ہوتا ہے کہ بعض صوفیہ کے کلام میں واقع ہے اللطائف فوق العرش جس سے تمکن و تحیز کا اثبات ہوتا ہے کیونکہ عرش تو مکان ہے حالانکہ ان کا تجرد اس کا منافی ہے سو سمجھ لینا چاہئے کہ یہ محض ایک اصطلاحی تعبیر ہے جس کی بنا یہ ہے کہ عرش منتہائے امکنہ ہے اہل اسلام کے نزدیک بھی کیونکہ باجماع امت ورار عرش کوئی مکان وغیرہ نہیں ہے اور حکماء کے نزدیک بھی کیونکہ وہ عرش کو فلک الافلاک محدد جہات وغیرہ کہتے ہیں اور اس کے بعد لاخلاء ولاملاء کے قائل ہیں البتہ اہل اسلام و حکماء میں فرق یہ ہے کہ اہل اسلام عرش اور جمیع افلاک کے حدوث کے قائل ہیں اور حکماء قدم کے پس اب فوق العرش کے معنی ہوں گے فوق الامکنۃ کلہا یعنی خارج عن الامکنۃ اور اس کے لئے لازم ہے غیر متحیز و غیر متمکن ہونا پس فوق کے معنی خارج کے ہیں نہ کہ معنی متعارف جس میں استقرار ہوتا ہے پس فوق العرش عدم تمکن کو تعبیر کرنا تعبیر اصطلاحی ہے (بطور جملہ معترضہ فرمایا کہ یہاں سے الرحمٰن علی العرش استوی کے متعلق ایک محتمل توجیہ سمجھ میں آگئی ہوگی کہ یہ کلام محمول علی ظاہرہ نہیں کیونکہ عرش عند اہل الشرع کما مر قریباً حادث ہے اور رحمٰن عزوجل قدیم ہے تو چونکہ عرش حادث ہے اس لئے استواء علیہ بالمعنی المتعارف بھی حادث ہوگا اور اس کے حدوث سے باری تعالیٰ کا محل حوادث ہونا لازم آئیگا جو مستلزم ہے تغیر ذات کو وھو مستحیل ومستلزم المستحیل مستحیل) اور اس پر ایک تفریع یہ بھی ہوگی کہ لطائف ستہ کے تصور میں تصور عرش کی حاجت نہیں ہوگی کیونکہ اللطائف فوق العرش سے یہ مراد نہیں کہ لطائف عرش پر برابر پتلوں کی طرح بیٹھے ہوئے ہیں بلکہ اس اعتقاد سے یہ مراقبہ جائز بھی نہیں تصور بلا حکم کا مضائقہ نہیں یہ ہے اہل کشف کا قول اور حضرات متکلمین ان لطائف کے منکر ہیں لیکن چونکہ یہ لطائف نہ ممتنع ہیں تاکہ ادلہ عقلیہ سے ان کا امتناع و بطلان ظاہر کیا جائے نہ واجب بالذات یا بالغیر ہیں کہ براہین سے ان کا اثبات کیا جائے بلکہ ایسے ممکن الوجود ہیں جو مکاشفہ سے ثابت کئے گئے ہیں اور متکلمین کو مکاشفہ ہوا نہیں اس لئے ان کا انکار بلا دلیل ہے باقی متکلمین نے ان کے عدم پر جو دلیل قائم کی ہے وہ اوھن من بیت العنکبوت ہے متکلمین یہ دلیل نفی لطائف پر بیان کرتے ہیں کہ وصف تجرد باری تعالیٰ کے اخص صفات سے ہے اب اگر غیر باری تعالیٰ کیلئے ثابت کیا جائے تو اشتراک لازم آجاویگا

اور اخصیت باقی نہ رہے گی کیونکہ اخصیت کے لوازم میں بالمعنی الاخص ست ہے یوجد فیہ تعالیٰ و لا یوجد فی غیرہ تعالیٰ وفیہ نظر ظاہر لان کون التجرد من اخص صفات الباری تعالیٰ موقوف علی نفی التجرد عن غیرہ ولم یثبت ففیہ مصادرۃ علی المطلوب ودوستخیل ہاں اخص صفات باری تعالیٰ میں وجوب بالذات ہے نہ کہ تجرد والبتہ قدم بالذات باتفاق حکماء واہل اسلام وقدم بالزمان عند اہل سلام وجوب بالذات کا مترادف ہے جو خص صفات ہے اس لئے اس قدم مترادف کی تجویز بھی غیر باری تعالیٰ کیلئے باطل ہے غرض صوفیہ تعدد اجزاء غیر مادیہ کے قائل ہیں۔ سو ان کے نزدیک لطائف متعددہ ہیں مجردہ ہیں غیر متمکنہ ہیں حادثہ ہیں بالذات بھی بالزمان بھی۔ یہ مضمون بطور تمہید ذکر کیا گیا ہے اور قوم کی غرض اصلی تحقیق ماہیت نہیں ہے کیونکہ ان کا مقصود اصلی افعال کی بحث ہے کہ کونسا فعل قرب الٰہی پیدا کرتا ہے اور کونسا فعل بُعد۔ پس صوفیہ لطائف سے بحث من حیث الافعال کرتے ہیں جیسے اطباء بدن انسانی سے بحث من حیث الصحۃ والمرض کرتے ہیں اس لئے میں ان کے افعال کا بیان شروع کرتا ہوں۔

نفس کا اصل فعل غفلت ہے باقی غفلت چونکہ کلی مشکک ہے اس لئے اس کے افراد شدت وضعف میں مختلف ہیں اور بعض حضرات نے اس کو اس طرح تعبیر کیا ہے کہ نفس کا فعل شہوت ہے اور وہ بھی کلی مشکک ہے اور دونوں تعبیروں کا ایک ہی حاصل ہے کیونکہ غفلت وشہوت میں تلازم ہے کیونکہ غفلت سے شہوت پیدا ہوتی ہے اور شہوت سے غفلت۔ تو حاصل یہ ہے کہ فعل نفس مجموعہ شہوت وغفلت ہے بعض نے اس مجموعہ کو جزو اول سے تعبیر کر دیا ہے بعض نے جزو ثانی سے اور نفس کے اس فعل کی اصلاح مجاہدات وطاعات سے ہوتی ہے یعنی ریاضت وتقویٰ سے شہوت وغفلت میں کمی ہو جاتی ہے اسی کمی کا نام سکون ہے اس سکون وعدم سکون کے صوفیہ نے تین درجے مقرر فرمائے ہیں (۱) سکون کامل وتام (۲) غیر کامل وغیر تام (۳) عدم السکون مطلقاً درجہ اولیٰ میں نفس کا نام مطمئنہ درجۂ ثانیہ میں لوامہ۔ درجۂ ثالثہ میں امارہ بالسوء ہے۔

تفصیل اس کی یہ ہے کہ نفس مجاہدہ وریاضت زہد وطاعت ورع وتقویٰ میں انسان کی مقاومت کرتا ہے پس اگر نفس میں بالکل شان اطاعت پیدا ہو جاتی ہے تو مطمئنہ کہلاتا ہے کیونکہ یہ حالت اطمینان کی ہے اور اگر کبھی نفس مطیع ہوتا ہے کبھی سطاع تو لوامہ کہلاتا ہے کیونکہ اس درجہ میں ارتکاب افعال شنیعہ سے نادم بھی ہوتا ہے اور اپنے آپ کو ملامت کرتا ہے اور اگر نفس ہمیشہ مقاومت میں غالب ومطاع ہی رہے تو امارہ بالسوء کہلاتا ہے کیونکہ ہمیشہ سوء وقباحت کی راہیں بتاتا ہے نفس مطمئنہ امور خیر میں مقاومت تو نہیں کرتا ہے

لیکن وساوس وخطرات پیش آجاتے ہیں مگر اس سے انسان کے اجر وکمال میں ازدیاد ہوتا ہے جیسے شائستہ گھوڑا کبھی کبھی کچھ شوخی کرتا ہے لیکن سوار کے اشارہ پر درست ہوجاتا ہے۔ اسی طرح نفس مطمئنہ بھی وساوس و خطرات کے درجہ میں مقاومت کرتا ہے لیکن سالک کے اشارہ پر درست ہوجاتا ہے اسی وجہ سے نفس کی مقاومت کو کالعدم قرار دیا گیا ہے اور اس حالت کو سکون تام سے تعبیر کیا گیا ہے یہ تو لطیفۂ نفس کا فعل تھا اور لطائف خمسہ باقیہ کا فعل مقصود کی طرف توجہ اور اس کا تصور ہے جو سب میں مشترک ہے اور اسی تصور کو ذکر یاد وغیرہ الفاظ سے تعبیر کیا جا سکتا ہے۔ میں آئندہ تفہیم کی سہولت کے لئے لفظ تصور ہی استعمال کروں گا تو ان لطائف خمسہ کے فعل تصور کی اصل حقیقت اس قدر ہے کہ نفس ذات باری تعالیٰ کا تصور ذہنی وذکر مفرد کیا جائے اور لفظ اللہ کیلئے کوئی محمول یا خبر ثابت ہونا تحقق اصل ذکر کیلئے لازم نہیں جیسے اللہ قادر۔ اللہ علیم۔ اللہ حکیم کیونکہ بالاتفاق ایسا ذکر ایسا تصور جائز ہے اس قسم کا مراقبہ اثبات بالدلیل کا محتاج نہیں (بطور جملۂ معترضہ فرمایا یہاں سے ایک دوسرا مسئلہ بھی ثابت ہوگیا کہ باتفاق علما جب ذکر قلبی بغیر اثبات محمول جائز ہے تو ذکر لسانی بھی جائز ہوگا اس میں کیا حرج ہے حقیقۃً ذکر لسانی تو ذکر قلبی ہی کی حکایت ہے۔ حکایت اگر محکی عنہ کے مطابق ہو اس میں کیا محذور ہے اسی سے امام ابن تیمیہؒ کا جواب بھی ہوگیا جو ایسے ذکر لسانی مفرد کو منع فرماتے ہیں وجہ جواب یہ ہے کہ یہ تصور بھی ذکر جائز کی ایک فرد ہے گو تصدیق بھی مثل اَللّٰہُ قَادِرٌ وغیرہ منجملہ افراد ہے) اور چونکہ تصور کے درجات مختلف ہیں اس لئے تقریب وتسہیل فی الجملہ وتعیین درجات کے واسطے میں ایک تمثیل میں پانچ درجے بیان کرتا ہوں (۱) شخص محبوب موجود وحاضر نہ ہو بلکہ غائب وغیر موجود ہو اس کو یاد کیا جائے۔

(۲) وہ شخص سامنے موجود ہو لیکن مسافۂ بعیدہ پر جس سے خط وخال اچھی طرح نظر نہ آسکیں اس کا تصور کیا جائے۔

(۳) وہ شخص سامنے مسافت قریبہ پر موجود ہو جس سے خط وخال اچھی طرح نظر آسکیں اس کا تصور کیا جائے۔

(۴) وہ شخص بالکل قریب موجود ہو کہ تصور ودیدار میں استغراق ومحویت ہو جائے کہ فرط عشق ومحبت کی وجہ سے اپنی بھی خبر نہ رہے

(۵) وہ محویت یہاں تک ترقی کرے کہ بےخبری کی بھی خبر نہ رہے۔

یہ پانچوں درجات ہیں تصور کے درجۂ رابعہ ودرجۂ خامسہ کو نعاس ونوم عرق کی مثال سے واضح کیا جا سکتا ہے درجۂ رابعہ بالکل نعاس کے مانند ہے کہ نعاس میں صاحب نعاس کو یہ علم ہوتا ہے کہ میں نعاس میں ہوں لیکن جسم ودماغ پر ایک نیم شعوری کی کیفیت چھائی ہوتی ہے گو اور اشیاء سے لاعلمی ہوتی ہے مگر اس لاعلمی کا علم ہوتا ہے درجۂ خامسہ بالکل نوم عرق کے مانند ہے کہ صاحب نوم عرق کو اس کا علم بھی نہیں ہوتا کہ میں نوم میں ہوں اور مجھ کو علم نہیں ہے (لا یدری)

انا لا ادری کا مصداق ہوتا ہے ورنہ وہ صاحب نوم غرق نہیں ہوگا کیونکہ نوم غرق کے خواص و لوازم میں سے ہے کہ لاعلمی و بےخبری سے بھی لاعلمی و بےخبری ہو۔ اب ہم ان درجات خمسہ کے اصطلاحی اور منقول نام بتلاتے ہیں۔ درجۂ اول کا نام ذکر ہے کیونکہ اس میں محض یاد ہے درجۂ ثانی کا نام حضور ہے کیونکہ اس میں تصور مربی سامنے حاضر ہوتا ہے درجۂ ثالث کا نام مکاشفہ ہے کیونکہ مربی کے غایت قرب کی وجہ سے حضور تام اور خال و خط کا کامل انکشاف ہوتا ہے درجۂ رابع کا نام شہود و مشاہدہ ہے کیونکہ اصطلاحاً شہود و مشاہدہ حضور اتم و اکمل کو کہتے ہیں اور اس درجہ میں حضور اتم و اکمل سے غایت شیفتگی و فریفتگی و وفور ولہ و ولع ہوتا ہے۔ نیز اس درجہ کا نام فنا بھی ہے کیونکہ محویت کی وجہ سے اپنی ہستی کا علم نہیں ہوتا درجۂ خامسہ کا نام معاینہ ہے کیونکہ معاینہ سے مراد اصطلاحاً وہ حضور و معاینہ ہے جو شہود اصطلاحی سے زائد ہو اور اس درجہ میں معاینہ شہود اصطلاحی سے زائد ہوتا ہے کیونکہ لاعلمی سے بھی لاعلمی ہوتی ہے اسی وجہ سے اسکا نام فناء الفناء بھی ہے کیونکہ غایت محویت کی وجہ سے اپنی لاعلمی کا بھی علم نہیں ہوتا ؎

ہو فنا ذات میں کہ تو نہ رہے ۔۔۔ تری ہستی کا رنگ و بو نہ رہے

تو درو گم شو وصال اینست و بس ۔۔۔ گم شدن گم کن کمال اینست و بس

جس طرح ہم نے تمثیل میں تصور و ذکر کے درجات خمسہ مقرر کئے ہیں اور اسماء اصطلاحی نقل کئے ہیں بعینہ یہی درجات خمسہ تصور مقصود حقیقی میں بھی ہیں اور ان درجات تصور کے اصطلاح صوفیہ میں بھی اسماء ہیں۔ (۱) ذکر (۲) حضور (۳) مکاشفہ (۴) شہود و مشاہدہ و فناء (۵) معاینہ و فناء الفناء۔ پس لطیفۂ قلب کا فعل ذکر ہے لطیفۂ روح کا فعل حضور۔ لطیفۂ سر کا فعل مکاشفہ۔ لطیفۂ خفی کا فعل شہود و مشاہدہ و فناء۔ لطیفۂ اخفی کا فعل معاینہ و فناء الفناء ہے بعض حضرات مشائخ کی رائے ہے کہ ذکر کی بطرز معہود و مخصوص اس قدر مشق کی جائے کہ یہ لطائف خمسہ علیحدہ ذاکر ہو جائیں یعنی یہ سب افعال صادر ہونے لگیں بعض حضرات کی یہ رائے ہے کہ صرف قلب سے ذکر کی مشق کی جائے جس سے ان سب افعال کا صدور ہونے لگے اور اس کی بالکل ضرورت نہیں کہ یہ بتایا جائے کہ یہ فعل کس لطیفہ کا ہے اور یہ فعل کس لطیفہ کا یہ حضرات لطائف کی طرف توجہ تفصیلی کو حجاب سمجھتے ہیں حدیث شریف میں بھی ایسے امور میں صرف قلب ہی کا ذکر وارد ہوا ہے اور چونکہ مشغولین باللطائف کے نزدیک بھی ان لطائف خمسہ میں باہم اتصال ہے اس لئے صرف ذکر قلب سے بھی بقیہ لطائف میں آثار و افعال مذکورہ سرایت کرتے جاتے ہیں کیونکہ یہ لطائف مرایا متعاکسہ کی طرح ہیں کہ ایک آئینہ پر آفتاب کا عکس ڈالا جائے اور اس آئینہ کے مقابلہ میں دوسرا آئینہ ایسی وضع کا رکھا جائے کہ آفتاب کا عکس اس میں بلاواسطہ نہ پڑے بلکہ اس آئینہ سے اس آئینہ میں بھی عکس آفتاب منعکس ہو۔ اسی

طرح ایک تیسرا آئینہ اس دوسرے آئینہ کے مقابلہ میں رکھا جائے وھلم جرا تو جیسے ایک آئینہ سے اور آئینوں میں متصل کیا نور آفتاب درخشاں ہوتا ہے ایسے ہی ذکر قلبی سے اور لطائف میں بھی آثار مطلوبہ نمایاں ہوتے ہیں (حتیٰ کہ شدت اتصال ہی کی وجہ سے لطائف کے متعلق صوفیہ میں یہ بھی اختلاف ہو گیا ہے کہ بعض حضرات ان میں اتحاد حقیقی و تغایر اعتباری کے قائل ہو گئے ہیں وہ فرماتے ہیں جیسے ایک شخص صفات متعددہ سے موصوف ہو مثلاً عالم، حافظ، قاری، شاعر، کاتب ہو مختلف اوقات میں مختلف القاب سے یاد کیا جاتا ہو تو اس کے اوصاف و عوارض میں تعدد ہو اور مصداق ایک ہے۔ ؎

عباراتنا شتی وحسنك واحد وكل الى ذلك الجمال يشير

اور بعض حضرات لطائف خمسہ میں تغایر حقیقی مانتے ہیں امام غزالیؒ نے احیاء العلوم کے ربع ثالث مہلکات عجائب القلب میں ان بعض لطائف سے تعرض کیا ہے اور ان کو متحد مانا ہے) اس سلسلہ میں یہ بات بھی یاد رکھنے کی ہے کہ حضرات صوفیہ کے نزدیک قلب صنوبری (مضغہ لحم) اور شے ہے اور وہ قلب جو لطیفہ ہے اور شئی ہے قلب صنوبری جزو جسد ظاہری ہے اور وہ قلب جو لطیفہ ہے اس کا تعلق قلب صنوبری سے افاضہ آثار و انوار کا ہے جیسے حکماء بیان کرتے ہیں کہ نفس ناطقہ مجرد ہے جزو بدن نہیں ہے مگر اس کا تعلق بدن سے تصرف و تدبیر کا ہے ایسے ہی بقیہ لطائف اربعہ کو بھی خاص خاص مقامات جسد سے ایسا ہی تعلق ہے اسی تعلق کی وجہ سے جب ذاکر لطائف سے ذکر کرنا چاہتا ہے تو ان لطائف کے خاص خاص مقامات کی جانب بھی جن کو ان لطائف سے تعلق ہے توجہ کرتا ہے (مقامات و محال لطائف کا ذکر انشاء اللہ تعالیٰ بھی آتا ہے) چنانچہ جب لطیفہ قلب کو ذاکر بنایا جاتا ہے تو قلب صنوبری کی جانب توجہ کی جاتی ہے۔ وعلیٰ ہذا القیاس ہاں توجہ کے طریقے مختلف ہیں اور ان کی تفصیل کی حاجت بھی نہیں کیونکہ وہ عمل کرانے والے کی رائے پر موقوف ہیں جو طریقہ مناسب سمجھتا ہے بتا دیتا ہے۔

بطور جملہ معترضہ ایک مولوی صاحب کے سوال کے جواب میں فرمایا کہ حدیث شریف ان فی الجسد مضغۃ اذا صلحت صلح الجسد کلہ واذا فسدت فسد الجسد کلہ الا وھی القلب۔ او کما قال صلی اللہ علیہ وسلم میں قلب سے مراد گو لطیفہ قلب نہیں مضغہ ہی مراد ہے مگر یہ حکم اصل میں اس لطیفہ کا ہے جس کو اس مضغہ کیلئے غایت اتصال و تعلق کی وجہ سے ثابت کر دیا گیا ہے (جیسے حالت ادراکیہ کو صورت علمیہ سے تعبیر کرتے ہیں) اب ان لطائف کے مقامات و محال کو سمجھئے نفس کا محل ماتحت السرہ ہے وجداناً اس محل کی تخصیص کی وجہ یہ سمجھ میں آتی ہے کہ یہ موقع بدن انسان میں سب سے زیادہ محل شہوت ہے کیونکہ یہاں معدہ و فرج کا اتصال ہے اور یہ دونوں اصل الشرور و ام القبائح والمفاسد ہیں تو گو نفس کا عموماً تمام بدن سے تعلق ہے لیکن ماتحت السرہ سے مخصوص تعلق ہے کیونکہ شہوات

دمفاسد کا تعلق زیادہ تر بطن و فرج سے ہوتا ہے کانہ مجمع البحرین الظلمانیین اور نفس کے علاوہ دوسرے لطائف کا تعلق بدن کے خاص مقامات و محال سے بوجہ ان کے تجرد کے بے کیف ہے سو لطیفۂ قلب کا محل قلب صنوبری ہے جو پستان چپ کے نیچے ہے لطیفۂ روح کا محل پستان راست کے دو انگل نیچے قلب صنوبری کے محاذی ہے اسی وجہ سے دونوں لطیفۂ قلب و لطیفۂ روح کو ذاکر بنانے کیلئے دو ضربی ذکر کیا جاتا ہے (اس کے بعد حضرت اقدس نے ایسے انداز میں جو منت کش بیان نہیں ہو سکتا صرف دیکھنے ہی سے تعلق رکھتا تھا دو چار مرتبہ دلکش لہجہ میں آہستہ آہستہ لفظ اللہ اللہ فرمایا اول مرتبہ ضرب میں سر مبارک سے داہنی جانب اشارہ فرمایا پھر بائیں جانب پھر دائیں جانب پھر بائیں جانب میں خیال کرتا ہوں کہ اس طرز سے تمام مجمع سے ایک خاص کیفیت کا اثر ہوگا کیونکہ میرا جیسا قلب بھی باوجود قساوت کے کسی درجہ میں متاثر تھا) لطیفۂ سر کا محل سینہ کا وسط۔ لطیفۂ خفی کا محل دونوں ابروؤں کے درمیان میں ہے تقریباً للفہم یوں سمجھئے کہ فلاسفہ جس جگہ کو مجمع النور کہتے ہیں۔ اسی کے قریب لطیفۂ خفی کا محل ہے۔ لطیفۂ اخفیٰ کا محل ام الدماغ ہے ام الدماغ دماغ میں ایک نقطہ ہے جس کو جوہر دماغ کا مرکز کہا جا سکتا ہے بعض حضرات صوفیہ نے ان لطائف ستہ کے الوان بھی بیان فرمائے ہیں جو ان کو لطائف کے ذاکر بنانے میں منکشف ہوئے ہیں مگر یہاں اشکال ہوتا ہے کہ لطائف مجردات ہیں اور مجردات تحیز و تمکن سے بالاتر ہیں اور امور غیر متمکنہ متلون نہیں ہوتے کیونکہ لوازم لون سے تجسم ہے۔ غیر اجسام میں کبھی الوان نہیں پائے جاتے تو لطائف کے الوان کیسے ہو سکتے ہیں۔ جواب یہ ہے کہ یہ الوان لطائف کے نہیں ہیں بلکہ یہ الوان لطائف کی تجلیات مثالیہ کے الوان ہیں جن کو محققین ناقابل التفات کہتے ہیں اور ان اشیاء کی طرف التفات کو حجاب بتلاتے ہیں مگر بعض حضرات اس التفات کو بھی دافع خطرات ہونیکے سبب معین فی المقصود تصور کرتے ہیں۔ اور تجلی مثالی ہر مجرد بے کیف شے کی ہو سکتی ہے حتی کہ واجب تعالیٰ شانہ کی بھی۔ چنانچہ ہزارہا واقعات ہیں کہ لوگوں نے باری تعالیٰ کو خواب میں دیکھا حالانکہ اس عالم میں مرئی کیلئے متجسم ہونا نہایت ضروری ہے تو یہ رویت فی الرویا تجلی مثالی پر محمول ہے۔ چنانچہ بعض لوگوں نے اللہ تعالیٰ کو خاص شکل میں دیکھا ہے واقعہ یہ ہے کہ واجب تعالیٰ کی مثل تو ممتنع ہے لیس کمثلہ شیٔ لیکن اثبات مثال ممتنع نہیں۔ قال اللہ تعالیٰ وَلَهُ الْمَثَلُ الْاَعْلٰی وقال فی مقام اٰخر مثل نورہ کمشکوٰۃ فیہا مصباح (المثل والمثال لفظان مترادفان مختلفان صیغۃً و متحدان معنًی) اور واجب کیلئے مثل نہ ہونے اور مثال نہ ہونے میں راز یہ ہے کہ مثل کا اطلاق مشارک فی النوع پر ہوتا ہے اور واجب تعالیٰ کیلئے کوئی نوع نہیں ہے جس میں کسی شے کی مشارکت ثابت ہو سکے لہٰذا واجب تعالیٰ کیلئے اثبات مثلیہ محال ہے اور مثال کا

اطلاق مشارک فی الوصف پر ہوتا ہے اور وصف کلی مشکک ہے واجب تعالیٰ میں اشدیۃ واکملیۃ سے پایا جاتا ہے
مخلوق میں اضعفیۃ وانقصیۃ سے مثلاً حق تعالیٰ کیلئے بھی سمع وبصر ثابت ہے مخلوق کیلئے بھی تو مخلوق وصف سمع و
بصر میں واجب تعالیٰ کی مثال ہوئی مگر واجب تعالیٰ کا وصف سمع وبصر اقویٰ و اعلیٰ ہے اور مخلوق کا اضعف
وادنیٰ باقی مطلق وصف میں مشارکت ہے اور اسی لئے اہل کلام نے جس جگہ لایشبہ شئی کہا ہے اُس کی تفسیر مماثلاً مشاً
بحیث یسد احدھما مقام الآخر سے کی ہے (بطور جملہ معترضہ فرمایا کہ حدیث خلق اللّٰہ آدم علی صورتہ میں
صورت کے معنی یہی مثال ہیں یعنی خلق اللّٰہ آدم علی مثالہ لان السمع والبصر وغیرھما مشترکۃ بین الممکن
والواجب فالممکن فی ھذہ الاوصاف مثال للواجب ولہذا نہی رسول اللّٰہ صلی اللّٰہ علیہ وسلم عن
ضرب الوجہ لان الضرب قد یفضی الی ابطال ھذہ الاوصاف لوجود الاوصاف المذکورۃ التی ھی کاملات
الاوصاف باسرھا فی الوجہ۔ اور اسی وجہ سے انسان کے جوارح میں چہرہ کا خاص احترام ہے اور خلق اللّٰہ آدم
علی صورتہ میں صورت سے مراد شکل نہیں جو احاطہ حد واحد یا حدین یا حدود سے پیدا ہوتی ہے تاکہ صورتہ پر اشکال
ہو بلکہ صورت کے معنی ظہور کے ہیں جیسے کہتے ہیں صورۃ المسئلۃ ھکذا یعنی یہ عنوان مظہر حقیقت مسئلہ ہے اور
اسی ظہور کی وجہ سے شکل کو بھی صورت کہتے ہیں کیونکہ شکل کو بھی ذی شکل کے ظہور میں دخل ہے اور اسی طرح
مثال کیلئے مظہر ہوتی ہے اس لئے خلق اللّٰہ آدم علی صورتہ فرمایا گیا ہے علماء نے اس کے اور بھی مختلف
جوابات دیئے ہیں۔ مثلاً الاضافۃ للتشریف کالاضافۃ بیت اللّٰہ فحاصل المعنی خلق اللّٰہ آدم علی صورۃ
کریمۃ اوجدھا لہ۔ وقال بعضھم المراد بالصورۃ الصفۃ کما یقال صورۃ المسئلۃ کذا ای خلق اللّٰہ آدم
علی صفتہ ولعلہ یرجع الی ما قلنا اولاً ویحمل علیہ ما قالت الصوفیۃ تخلقوا باخلاق اللّٰہ الی غیر ذٰلک
من الاقوال التی بسطھا المحدثون فی شروحھم لکتب الاحادیث۔ الحاصل تجلی مثال کی حقیقت یہ ہے کہ
ذی مثال کے مشابہ ایک ایسی شئے ظاہر ہو جس سے کسی قدر وضوح زائد کیساتھ ذی مثال کا تصور ہو جائے باقی مثال
وذی مثال میں تشابہ من جمیع الوجوہ ضروری نہیں جیسے زید کالاسد بطور تشبیہ کہا جاتا ہے تو مقصود صرف
یہ ہوتا ہے کہ فقط وصف شجاعت میں دونوں شریک ہیں لاغیر۔ گو وصف شجاعت بھی کلی مشکک ہے شیر
میں بہت زائد ہے زید میں بہت کم ہے اسی طرح جب باری تعالیٰ کو کسی شکل میں دیکھا جائے تو مثال تو حادث
ہوتی ہے لیکن ذی مثال قدیم ہے۔ پس یہ تجلی مثالی بعض خاص اوصاف کے اعتبار سے ہے نہ قدم وحدوث
کے اعتبار سے۔ رہا یہ کہ ایسی مناسبت تو حق تعالیٰ سے ہر مخلوق کو ہے تو کیا ہر مخلوق اس کی تجلی مثالی ہے؟

جواب یہ ہے کہ اس مناسبت میں بھی درجات ہیں مطلق مناسبت اس کا مدار نہیں بلکہ خاص مناسبت جسکی حد جامع مانع و کنہ منضبط نہیں ہو سکتی لیکن اُس تجلی کے وقت صاحب واقعہ کو علم ضروری کے طور پر اس مثال کا مِرآۃ ہونا معلوم ہوتا ہے او یہ امر سائر مخلوق میں مشترک نہیں بعض علماء نے اس تجلی مثالی کے کچھ احکام ذکر کئے ہیں۔ مثلاً میدانِ قیامت میں تجلی کیسے ہو گی۔ حدیث شریف میں آتا ہے کہ عرصۂ قیامت میں حق تعالیٰ متجلی ہونگے لیکن اہل محشر پہچانیں گے نہیں اور کہیں گے نعوذ باللہ منک کیونکہ حکمت ابتلاء سے اُن کو اس تجلی کا تجلی مثالی ہونا معلوم نہ ہوگا۔ پھر دوسری مرتبہ حق تعالیٰ متجلی ہوں گے اس مرتبہ پہچانیں گے اور پہچانتے ہی سجدہ میں گریں گے تو یہ دونوں تجلیاں قیامت میں باتفاق امت مثالی ہوں گی کیونکہ موطن قیامت تو عالم ناسوت ہی کے اجزاء سے ہے اور ناسوت میں ذات مرئی نہیں ہوتی یہ رویت مخصوص ہے جنت کیساتھ پس یہ تجلی مثالی ہوگی۔ یہ گفتگو تو قیامت کی تجلی کے متعلق تھی باقی جنت میں جو تجلی ہوگی وہ جماہیر فِرق اسلامیہ کے نزدیک ذاتی بے کیف ہوگی صرف معتزلہ اور انکے اتباع جنت میں بھی تجلی ذاتی کے منکر ہیں کیونکہ وہ ان شرائط کو جو عالم ناسوت میں رویت کیلئے لابدی ہیں عقلاً ماہیت رویت کیلئے خواہ وہ کسی عالم میں ہو ضروری سمجھتے ہیں اور اہلِ حق اُن شرائط کو عادی اور مخصوص اس عالم کے ساتھ مانتے ہیں اور تجلی مثالی کی تحقیق رسالہ التشرف میں کسی قدر زائد کی گئی ہے (وھی لصاحب الملفوظ فمن شاء الاطلاع علی دقائق التجلی فلیراجع الیہا) خلاصہ یہ ہے کہ یہ الوان مکشوفہ نفس لطائف کے نہیں بلکہ لطائف کی

---

[۱] ونحن ننقل عنہا ہہنا شیئا لابد منہ تکثیرا للنفع۔ قال فی التشرف بمعرفۃ احادیث التصوف انقل لک ذلک الحدیث مع توجیہ بعض اجزائہ علی اصول القوم واللفظ لابی سعید الخدری حین یقال لاہل الموقف لیتبع کل امۃ ما کانت تعبد وفی آخرہ حتی اذا لم یبق الا من کان یعبد اللہ تعالی من بر وفاجر اتاہم رب العالمین فی ادنی صورۃ من التی رأوہ فیہا ای عرفوہا کما فی لفظ ابوھریرۃ وتبقی ہذہ الامۃ فیہا منافقوہا فیاتیہم اللہ فی صورۃ غیر صورتہ التی یعرفون الحدیث ای قبل ذلک فی الدنیا ویکون ہذا تجلیا مثالیا کما ہو ظاہر مدلول لفظ الصورۃ، قال فماذا تنتظرون تتبع کل امۃ ما کانت تعبد قالوا یا ربنا فارقنا الناس فقوکنا الیہم ولم نصاحبہم فیقول انا ربکم فیقولون نعوذ باللہ منک لا نشرک باللہ شیئا مرتین او ثلثا حتی ان بعضہم لیکاد ان ینقلب دعن الصوب ویرجع عنہ لامتحان الشدید الذی جری قال النووی ولعل وجہ انکارہم ان الوجہ الذی یعرفون بہ الحق فی الدنیا تجلی مثالی ایضا علی اوضاع مختلفۃ فی اذہان مختلفۃ ویکون ہذا التجلی المثالی المحشری کما دل علیہ قولہ علیہ السلام فی ادنی صورۃ من التی رأوہ فیہا الحدیث ولعل حکمۃ الامتحان کما سبق عن الخطابی والنووی یعنی امتحان ایمانہم ودعواہم التوحید وقولہم فارقنا الناس فتجلی لہم فی غیر صورتہم الذہنیۃ ولم تخلق فیہم علما ضروریا بکونہ تجلیا ربانیا فلما انکروا اظہر صدق دعواہم التوحید حیث تفوا ربوبیۃ ما زعموہ غیر الرب ولعل الانقلاب عن الصواب ہو لغلبۃ الاہوال علی عقولہم بحیث لا یبعد ان ینکروا التجلی المثالی الآخر (بقیہ حاشیہ بر صفحہ آئندہ)

تجلیات مثالیہ کے الوان ہیں (لیکن مجازاً لطائف ہی کے الوان کہے جاتے ہیں) سو نفس کا لون زرد ہے قلب کا سُرخ ہے رُوح کا سفید ہے سِر کا سبز ہے خفی کا نیلگوں ہے اخفیٰ کا سیاہ ہے جیسے مردمکِ چشم۔ ایک صاحب نے لطائف میں تغائر اعتباری یا حقیقی ہونے کے متعلق سوال کیا اس پر فرمایا کہ بعضے تغائر حقیقی کے قائل ہیں بعضے تغائر اعتباری کے وقس سبق ھذا العدد اور اس اختلاف کی مثال بالکل ایسی ہے جیسے متکلمین وحکما حواس خمسہ کے اثبات وانکار میں اختلاف رکھتے ہیں متکلمین ان حواس کا انکار کرتے ہیں۔ اور ان حواس کے افعال کو قلب کے متعلق مانتے ہیں اور حواس کو آلات ادراک قلب بتلاتے ہیں اور حکما علیحدہ علیحدہ بالاستقلال ان حواس کو ثابت کرتے ہیں اس میں محققین یہ فرماتے ہیں کہ اصل مقصود ذکر ہے باقی محال ذکر یعنی لطائف کی طرف تفصیلی توجہ کرنے سے طبیعت میں تفرق تشتت انتشار وپراگندگی تحصیل ہوتی ہے کیونکہ ایک لطیفہ کے ذاکر بنانے کے بعد دوسرے لطیفہ کو ذاکر بنانے کی جب سعی کی جائیگی تو یا تو پہلے لطیفہ کو بالکل چھوڑ دیا جائے تب تو وہ رخصت ہوا اور محنت سابقہ اکارت گئی یا دوسرے لطیفہ کیساتھ

(بقیہ حاشیہ صفحہ گزشتہ) الاٰتی فیما بعد قیاسا لعدمہا علی الآخر فیقول ہل بینکم وبینہ آیۃ فتعرفونہ بہا فیقولون نعم فیکشف عن ساق فلا یبقی من کان یسجد للہ من تلقاء نفسہ الا اذن لہ بالسجود ولا یبقی من کان یسجد اتقاء وریاء الا جعل اللہ ظہرہ طبقۃ واحدۃ کلما اراد ان یسجد خر علی قفاہ وقال القاضی عیاض کما نقل عنہ النووی قیل المراد بالساق ہنا نور عظیم وورد ذلک فی حدیث عن النبی صلی اللہ علیہ وسلم اہ قلت وتجلی اللہ ربہ فیہم علی صورۃ یا بکونہ تجلیا ربانیا وان لم یعرفوہ بہ قبل ذلک واللہ اعلم ثم یرفعون رؤسہم وقد تحول فی صورۃ التی رأوہ فیہا اول مرۃ فقال انا ربکم فیقولون انت ربنا الحدیث (مسلم باب اثبات رؤیۃ المؤمنین ج ۱) والذی اری ان ہذا التحول ہو ظہورہ فی الصورۃ الذہبیۃ المثالیۃ التی کانوا یعرفونہ بہا قبل ذلک وہذا ہو الذی وعدنا ذی فی العبارۃ المتقدمۃ علی ہذہ العبارۃ فی اصل الرسالۃ ۲) باتیان ذکرہ بقولنا سیاتی فی الحدیث ویجوز ہذا التحول فی التجلیات المثالیۃ من بعضہا الی بعض وہذہ الصورۃ وان کانت واحدۃ بالشخص لکنہا یمکن ان تری مختلفۃ فی ابصار مختلفۃ فلا یشکل انطباق التصورات المختلفۃ علی الصورۃ المتعینۃ ہذا وانما لم یتجل بصورۃ اعلی مما عرفوہ مغایرۃ لہ لعدم حصول حکمۃ الامتحان ہ لان کل مومن یعتقد انہ تعالی لیس دون ما اعتقدناہ ولا یعتقد انہ لیس فوق ما اعتقدناہ فالتجلی بصورۃ اعلی السیوع احتمل کونہ تجلیا ربانیا وما نفاہ فلم یحصل الامتحان فالتجلی بصورۃ ادنی ویکون یعتقدانہ لیس ادنی یحکم بالنفی فاجتمع واعلم ان کل ما ذکرتہ ہنا فی شرح الحدیث علی الاصول العوم لیس شیئ منہا قطعیا انما ہو تقریب من کل ما ذکرہ المتاخرون من العلماء کقول بعضہم فی التجلی الادنی انہ بعض الملائکۃ تجلیہم ولکنی علیک بعد وابار قولہ علیہ السلام اتاہم رب العلمین من ہذا الحمل وکانک عثرت بہذا التقریر علی ما ادعینا من ان التجلی فی الجنۃ یکون برویۃ الذات ان لم یدرک کنہہا وفی الموقف بالمثال کما کان لموسیٰ علیہ السلام بالطور بصورۃ النار ولا یمتنع علیہ المثال بمعنی المشارک فی الوصف لقولہ تعالیٰ وللہ المثل الاعلیٰ ویمتنع علیہ المثل بمعنی المشارک فی الماہیۃ لقولہ تعالیٰ لیس کمثلہ شیئ وہذا وان لم یکن قدیما لکن بالاستمرار کان البالغ الی حد الکمال یکون مرآۃ للقدیم ولا یلتفت الذہن الی وجوہ التغائر والتمائز بینہما فتبصر وتفکر تنال الحق

پہلے لطیفہ کی طرف بھی توجہ کریگا تاکہ دونوں محفوظ رہیں تو توجہ میں انتشار لازمی ہے جو مخل مقصود ہے اور بعض حضرات نفع کی طرف زیادہ التفات فرماتے ہیں اور یہ سب اختلاف اجتہادی ہے فلا یعیب بعضہم علی بعض اور یہاں لطائف کا بقدر ضرورت بیان ختم ہوا۔ پھر فرمایا کہ میں نے لطائف کے جو اعمال بیان کئے ہیں وہ کسی مطبوع کتاب میں نہیں دیکھے بلکہ تصوف کی ایک قلمی کتاب قطرات الحیات میں دیکھے تھے اور یہ بھی فرمایا کہ اگر کوئی صاحب اس تقریر ملفوظ کو محفوظ کریں تو القطائف فی اللطائف یا من اللطائف جو مناسب سمجھیں نام رکھ لیں (مجھکو القطائف من اللطائف اچھا معلوم ہوتا ہے اس لئے میں اس تقریر کو القطائف من اللطائف سے موسوم کرتا ہوں) پھر فرمایا میں اس مضمون کے بعد بطور تتمہ کے بمناسبت المتفات الی اللطائف کے ایک ضروری مضمون تصور شیخ کا بھی کہ وہ التفات الی الصورۃ الشیخ ہے بطور اجمال بیان کئے دیتا ہوں بعض حضرات شغل تصور شیخ کو جزو طریق سمجھتے ہیں اور بعض حضرات عوام الناس کیلئے مانع طریق اور توجہ الی غیر الحق سمجھتے ہیں۔ وھم الجشتیۃ۔ جو لوگ چشتیہ کو مبتدع غیر متبع سنت کہتے ہیں۔ ان سے بطور الزام کہا جا سکتا ہے کہ اس مسئلہ سے تو یہ معلوم ہوتا ہے کہ چشتیہ بہ نسبت دوسرے حضرات کے زیادہ اتباع سنت کا خیال رکھتے ہیں باقی چونکہ ہم کو الزام مقصود نہیں اس لئے ہم کہتے ہیں کہ دوسرے حضرات پر بھی کوئی اعتراض نہیں کیونکہ دونوں سلسلوں کے حضرات ہمارے اکابر ہیں اور یہ مسئلہ مجتہد فیہا ہے ہر فریق اپنے اجتہاد سے جیسا نافع سمجھتا ہے ویسا عمل کرتا ہے دونوں مثاب ہیں۔ دونوں حق تعالیٰ کے نزدیک علی الطریق الصحیح ہیں چشتیہ تصور شیخ کا وجہ صرف یہ فرماتے ہیں کہ اصل مقصود توجہ الی الحق ہے مگر ابتدائے سلوک میں پراگندگی تخیل سے وساوس وخطرات قلب سالک کو مشوش کرتے ہیں اور یکسوئی سے مانع ہوتے ہیں کیونکہ حق تعالیٰ غیب وراء الوراء ہے (کما قیل ماخطر ببالک فہو ھالک واللہ اجل من ذلک) اس کا تصور جمتا نہیں پس وساوس ستاتے ہیں۔ ان وساوس سے بچنے کے لئے ضرورت ہے کہ تخیل کو کسی خاص شئی سے وابستہ کیا جائے تاکہ وساوس دفع ہو جاویں کیونکہ النفس لا تتوجہ الی شیئین فی ان واحد۔ اور گو یہ غرض ہر شے کے تصور سے حاصل ہو سکتی ہے مگر جو شئی احب ہوگی وہ الصق بالقلب ہوگی اور جو شئی الصق بالقلب ہوگی وہ تخیل میں زیادہ یکسوئی پیدا کریگی اور ظاہر ہے کہ ایک معتقد و مرید کے نزدیک اس کا شیخ سب سے احب ہوتا ہے لہذا تصور شیخ سے وہ وساوس و خطرات جو ابتدا میں رونما ہوتے ہیں دفع ہو جاتے ہیں چشتیہ نے اس سنکھیا کو مدبر کر کے استعمال کیا ہے پھر جب تصور شیخ بضرورت دفع وساوس وخطرات ہے تو بقاعدہ مسلمہ الضروری یتقدر بقدر الضرورۃ وساوس وخطرات کے مندفع ہو جانیکے بعد یہ تصور شیخ بھی ترک کر دینا چاہئے اور اس سے زیادہ

تصور اگرچہ نافع نہیں مگر خوش عقیدہ کیلئے مضر بھی نہیں ہے لیکن عوام الناس وضعیف العقائد کیلئے سخت مضر ہے۔ انھیں لوگوں کی وجہ سے حضرت مولانا محمد اسمٰعیل صاحب شہیدؒ نے تصور شیخ کو ماھذہ التماثیل التی انتم لہا عاکفون کے ماتحت بت پرستی میں داخل کیا ہے کیونکہ متعارف تصور شیخ میں شیخ کی جانب اس قدر توجہ تام ہوتی ہے کہ شاغل غیر کا تصور بھی نہیں آنے دیتا اور اس قدر انہماک واستغراق اور اتنی توجہ میرے نزدیک ذوق وجدان سے خاص حق تعالیٰ کا حق ہے۔ پس غیر حق کی طرف ایسی توجہ شرک عملی کے مشابہ ہے کہ حق تعالیٰ کی طرف تو جو کہ مقصود لذاتہ ہیں اتنی توجہ نہیں کی گئی اور غیر حق کی جانب اس قدر توجہ کی گئی بعض غلاۃ تو شغل رابطہ میں حق تعالیٰ کی طرف بھی قصداً توجہ نہیں کرتے مجھکو تو یہ لمرز وفا توحید کے خلاف معلوم ہوتا ہے۔ ایک حکایت یاد آئی حضرت سید صاحب رحمۃ اللہ علیہ کیلئے حضرت شاہ عبد العزیز صاحبؒ نے تصور شیخ تجویز کیا سید صاحب گو مرید و معتقد تھے لیکن انھوں نے ادب کے ساتھ نہایت صفائی سے تصور شیخ کرنے سے معذرت کی اور فرمایا یہ شرک ہے۔ شاہ صاحبؒ نے فرمایا ؎

بے سجادہ رنگیں کن گرت پیر مغاں گوید   کہ سالک بیخبر نبود زراہ و رسم منزلہا

سید صاحبؒ نے عرض کیا کہ جو ارشاد ہے وہ بجا و درست ہے۔ لیکن عارف شیرازی نے اس میں معصیت کا ذکر کیا ہے شرک کا نہیں کیونکہ معصیت محدود نافرمانی ہے کہ اگر توبہ کی بھی توفیق نہ ہو تب بھی شقاوت دائمی کا موجب نہیں (؎ صد جا ہے سزا میں عقوبت کیواسطے ✦ آخر گناہ گار ہوں کافر نہیں ہوں میں ✦ قالہ غالب الدھلوی ۱۲ جامع) اور وہ جبکہ مے کو حقیقی معنی میں لیا جائے بخلاف شرک کے کہ مشرک کے لئے ہمیشہ کیواسطے باب نجات مسدود ہے حضرت شاہ صاحبؒ ناخوش نہیں ہوئے اور فرمایا معلوم ہوا کہ آپکی طبیعت طریق ولایت کے مناسب نہیں اب ہم آپ کو راہ نبوت سے منازل سلوک طے کرائیں گے وقد فصل ملک دوھما ممن یقال فیہما ؎

وزیرے چنیں شہریارے چناں   جہاں چوں نگیرد قرارے چناں

ثم الاصل ھہنا وتلوہ فائدتان) الحقنا فیما بعد۔

فائدہ اولیٰ۔ ۱۹ رمضان ۱۳۴۹ھ بروز یکشنبہ وقت صبح ۷ بجے۔ ملفوظ بالا پر مولوی سعید احمد صاحب نے کچھ شبہات وسوالات لکھکر پیش کئے تھے۔ حضرت اقدس نے فرمایا کہ پہلے میری ایک تقریر سن لیجئے اسکے بعد ایک ایک شبہ پیش کرکے جواب سنتے جائیے گا پہلے لطائف ستہ کے ذکر ہونیکی اصل حقیقت جسکا اول اجمالاً ذکر

ہوا تھا قدرے تفصیل سے سمجھ لیجئے، اس سے افعال لطائف کی حقیقت کا کلی انکشاف و کامل ظہور ہو جائیگا
اور اس حقیقت سے مراد حقیقت معمول بہا ہے جسکی طریق تصوف میں مشق کرائی جاتی ہے۔ ذکر لطائف دو چیزوں
سے مرکب ہے ایک ذکر سے دوسرے شغل سے مجموعہ کو اہل فن اصطلاحاً ذکر کہتے ہیں (من قبیل تسمیۃ المجموع
باسم الجزو) ذکر سے مراد تو وہی ذکر ہے جو شریعت میں مذکور و ماثور و منقول و مامور بہ و مقصود ہے اور شغل سے
(جو کہ دوسرا جزو ہے) مراد ہیئت ذکر ہے (کانہ علۃ صوریۃ للذکر) یعنی یہ تصور کیا جائے کہ فلاں موقع جو فلاں
لطیفہ کا محل ہے مشغول ذکر ہے جیسے جارحۂ لسان ذاکر ہے اسی طرح یہ محل بھی ذاکر ہے مثلاً لطیفۂ قلب میں لسانی ذکر
کیساتھ یہ تصور کیا جائے کہ قلب صنوبری بھی ذکر کر رہا ہے حاصل یہ ہے کہ ذکر لطائف میں اصطلاحاً شغل بھی ہوتا ہے
یعنی محال لطائف کے متعلق یہ تصور کیا جاتا ہے کہ ذکر الٰہی میں یہ محال بھی ہمنوائے لسان ہیں۔ (اور تصوف میں
تمام اشغال کی حقیقت تخیلات مخصوصہ ہیں) ہاں شغل کی تائید و تقویت اور اُس کے کامیاب و مؤثر بنانے کیلئے
بعضے اور افعال بھی کئے جاتے ہیں مثلاً کلمات ذکر کو سانس سے اوپر کو اُٹھایا جاتا ہے۔ پھر تخیل سے دماغ میں پہنچایا
جاتا ہے اور وہاں پہنچا کر سانس روک لیجاتی ہے یعنی یہ تصور کیا جاتا ہے کہ ام الدماغ میں سانس بند ہے کیونکہ تجربے
سے یہ امر پایۂ ثبوت کو پہنچ گیا ہے کہ حبس دم کو دفع خطرات اور مطلوب کی جانب توجہ قوی میں زیادہ دخل ہے (چنانچہ
شکار میں ہدف کو سامنے رکھنے کیلئے حبس دم ضروری سمجھا جاتا ہے) اور اس حالت میں ذکر لسانی یا قلبی میں
مشغولی کی جاتی ہے اور ذکر جیسے لسانی ہوتا ہے اسی طرح قلبی بھی ہوتا ہے کہ الفاظ تخیلہ سے قلب کو ذکر سنایا جاتا ہے
اس ذکر قلبی کی اصل اس حدیث شریف سے احتمالاً مستنبط ہو سکتی ہے کان النبی صلی اللہ علیہ وسلم یذکر اللہ
علی کل احیانہ (رواہ مسلم کذا فی باب مخالطۃ الجنب من المشکوٰۃ) کیونکہ علی کل احیانہ کو اگر استغراق حقیقی
پر محمول کیا جائے کما ھو الظاھر المتبادر تو تخلی للبول والغائط والجماع کے اوقات کو بھی شامل ہوگا حالانکہ ایسے
اوقات میں ذکر لسانی سوء ادب ہے۔ نیز خود حضور اقدس کے معمول کے خلاف ہے، حتی کہ آپ بول سے فارغ ہوئے مگر سلام
کا جواب بدون تیمم کے نہیں دیا حالانکہ ذکر خالص بھی نہیں من وجہ کلام بھی ہے اسی لئے مفسد صلوٰۃ بھی ہے
پس لامحالہ کان یذکر سے مراد مطلق ذکر ہے خواہ لسانی ہو خواہ قلبی تاکہ علی الاطلاق منطوق حدیث کے موافق
تمام اوقات کا احاطہ ہو سکے البتہ اگر حدیث شریف میں علی کل احیانہ کو استغراق عرفی و اضافی پر محمول کیا جائے
اور فی اکثر احیانہ مراد لیا جائے تو اُس وقت صرف ذکر لسانی کا ارادہ بھی بے تکلف مستقیم ہو جائیگا اسی وجہ سے
اس حدیث سے ذکر قلبی پر استدلال قطعی نہیں کیا جا سکتا البتہ احتمال سے کوئی شئی مانع نہیں (لان الاحتمال ناش

عن دليل قوي وهو الظهور والتبادر لان من احاط بمشاغله الكثيرة صلى الله عليه وسلم علما يتيقن ان الذكر اللساني كان لا يتحقق على اكثر الاحيان البضلو من نحو او رد كالحبس شئون في ابواب لا يجتمع معها الذكر اللساني والله اعلم وعلمه اتم واحكم) بلکہ اگر ذرا غور کیا جائے تو صاف معلوم ہو جاوے گا کہ ذکر قلبی خود ذکر لسانی کی اصل ہے کیونکہ ذکر قلبی کلام نفسی ہے اور ذکر لسانی کلام لفظی اور مسلم ہے کہ سه

ان الکلام لفی الفؤاد وانما   جعل اللسان علی الفؤاد دلیلا

شریعت نے بہت سے مواقع پر ذکر قلبی کو معتبر مانا ہے چنانچہ بالاتفاق امت اخرس کے ایمان کیلئے اقرار باللسان ضروری نہیں صرف توحید و رسالت کا تخیل جازم و اعتقاد کامل و تصدیق تام کافی ہے اسی طرح جو شخص بالقصد والاختیار مضامین کفریہ کو الفاظ متخیلہ سے قلب میں جاگزین و مستقر کرے وہ شریعت میں کافر ہوگا۔ الحاصل ذکر لطائف اصطلاحاً دو چیزوں سے مرکب ہے (۱) ذکر (۲) فکر (الذی عبر عنہ بالشغل سابقا واتی بلفظ فکر ههنا مراعاة للقافیة) پس ان دونوں کے مجموعہ سے یعنی مزاولت ذکر و مواظبت فکر سے محال لطائف میں مختلف اور نئے آثار و کوائف محسوس ہوتے ہیں خواہ وہ آثار و کوائف ان محال میں پہلے سے موجود ہوں اور احساس ظہور اب ہوا ہو خواہ ان آثار و کوائف کا حدوث ہی اب بعد فکر ہوا ہو اور یہ آثار و کوائف کبھی حرکات کی شکل میں ظہور پذیر ہوتے ہیں جن کا عروق ضوارب میں تو احساس ہی ہوتا ہے کیونکہ حرکات عروق ضوارب میں پہلے سے موجود ہیں اب مزاولت فکر و شغل سے ظہور ہوا ہے نہ کہ تحقق و حدوث (والا یلزم تحصیل الحاصل) اور بعض کا تحقق و حدوث ہی اب ہوا ہے پہلے کچھ نہ تھا اور کبھی یہ آثار و کوائف اصوات کے رنگ میں رونما ہوتے ہیں اور یہ اصوات کبھی غیر الفاظ ہوتے ہیں اور کبھی خاص خاص الفاظ جو محال لطائف میں مسموع ہوتے ہیں اور یہ الفاظ بعض کے نزدیک صرف خیالی ہوتے ہیں محل لطائف میں تکلم شدہ کیونکہ آلات تکلم سب معدوم و مفقود ہوتے ہیں اور بعض فرماتے ہیں کہ یہ الفاظ خیالی نہیں ہیں بلکہ حقیقۃً محال لطائف میں پہلے سے موجود و محفوظ ہیں کیونکہ قرآن شریف میں ہے وان من شئ الا یسبح بحمدہ تو چونکہ محال لطائف بھی اشیاء ہیں اس لئے وہ بھی آیت شریفہ کے منطوق کے موافق تسبیح خوانی میں مشغول ہوں گے اور یہ تسبیحات ہی وہ الفاظ ہیں جو ذاکر کو اکثر محال لطائف میں محسوس و مسموع ہوتے ہیں۔ هکذا قالوا ولکنہ فی بادی الرأی تکلف بارد مستغنی عنہ والظاهر ان المراد بهذا التسبیح دلالة المصنوعات علی صانعها کما یشیر الیہ قولہ تعالی ولکن لا تفقهون تسبیحهم فانہ وکان المراد بهذا التسبیح الالفاظ اللتی تسمع فی محال اللطائف لکان الظاهر ان یقال ولکن لا تسمعون تسبیحهم واذ الیس فلیس نعم لا یلزم من تفسیر هذا التسبیح فی الآیة بالدلالة المذکورة نفی التسبیح القالی لثبوتہ بدلائل اخر والایلزم

عن نفی اللسان نفی للتکلم لان اللسان شرط عادی لہ فی ذوات اللسان لا شرط عقلی (کما سیاتی بعد
اسطر فی قولہ یہ امر بھی یاد رکھنے کی چیز ہے) (بطور جملہ معترضہ فرمایا کہ مجھ کو اس وقت ایک لطیفہ یاد آیا ایک مرتبہ ایک ہندو
نوجوان جو تھانہ کا رئیس تھا اپنے گرو کے ساتھ یہاں آیا۔ قرآن مجید کے متعلق سوال کیا کہ اہل اسلام قرآن شریف کو اللہ تعالیٰ
کا کلام کہتے ہیں حالانکہ کلام کیلئے زبان کی حاجت ہے اور اللہ تعالیٰ زبان وغیرہ جمیع اعضاء سے منزہ ہے۔ پس قرآن شریف
کلام اللہ کیسے ہوا۔ میں نے کہا یہ تو بناء الفاسد علی الفاسد کی قبیل سے ہے آپ کا یہ مقدمہ ممہدہ ہی کہ کلام کیلئے زبان کی
حاجت ہوا کرتی ہے غلط و ناقابل تسلیم ہے کیونکہ اگر مطلقاً متکلم کیلئے زبان ہونا ضروری ہو تو اصل متکلم تو زبان ہے پس چاہئے
کہ زبان کیلئے بھی ایک دوسری زبان ہو۔ اور دوسری زبان کیلئے تیسری زبان ہونا چاہئے وھلم جرا حالانکہ زبان متکلم
بالذات ہے اس کو واسطہ کی ضرورت نہیں ہاں انسان کو تکلم میں واسطہ زبان کی ضرورت ہے، تو جب ایک ضعیف مخلوق
(زبان) بالذات بلا واسطۂ زبان تکلم کر سکتی ہے تو حق تعالیٰ خالق کل شئی قادر علی الاطلاق کیونکر تکلم میں زبان کا
محتاج ہوگا۔ میں سمجھتا تھا کہ شاید یہ جواب نہیں سمجھے گا مگر چونکہ وہ اپنے طریقہ کے مطابق دھیان گیان کیا کرتا تھا اسلئے
سمجھ گیا (اشغال و اذکار سے عقل و فہم میں بھی ازدیاد ہو جاتا ہے کما ھو المجرب للشاھد و من ارتاب فلیجرب گو ایمان
سے جو عقل و فہم پیدا ہوتا ہے وہ اور نوع کا ہے) اور فوراً اپنے گرو سے بولا کہ دیکھا یہ ہے علم۔ سبحان اللہ کیسی معقول بات
فرمائی پھر اس نے مجھے اپنے باغ کے وہ ہدایا دیئے جو پہلے سے چھپائے ہوئے تھا۔ میں نے اس کے اخلاص کی وجہ سے
بخوشی قبول کر لیا۔ لیکن یہ امر بھی یاد رکھنے کے قابل ہے کہ جیسے جمیع اشیاء کی تسبیح اضطراری یعنی دلالت علی الصانع
ثابت ہے، اسی طرح ایک اختیاری بھی ہے۔ اہل کشف و کرامات نے تو اپنے مشاہدہ و کشف کی بناء پر اشیاء کی تسبیح
اختیاری کی حکایت کی ہے لیکن قرآن شریف سے بھی اسی مسئلہ ظنی کا اثبات کیا جا سکتا ہے حق تعالیٰ فرماتے ہیں
فقال لہا وللارض ائتیا طوعاً او کرھا قالتا اتینا طائعین۔ اس سے معلوم ہوا کہ ان میں طوع واختیار ہے البتہ یہ
ممکن ہے کہ اور اشیاء کی تسبیح اختیاری ہماری تسبیح اختیاری جیسی نہ ہو کیونکہ ان میں ہمارے جیسے آلات نہیں
ہیں بلکہ ان کی تسبیح اختیاری وہ ہے جو ان کے شایاں ہے بہر حال ان اصوات و الفاظ میں اہل فن کے دو قول
ہیں اول یہ کہ مزاولت فکر و شغل و یکسوئی سے قوت خیالیہ سے محال لطائف میں اصوات و الفاظ مسموع ہوتے ہیں
حقیقۃً نہ تکلم ہے نہ اصوات و الفاظ فقط خیال کی کرشمہ سازیاں ہیں۔ ثانی یہ کہ یہ اصوات و الفاظ محال لطائف
میں پہلے سے ثابت و موجود ہیں اور ان کا تکلم حقیقی ہے لیکن وہی تکلم جو محال لطائف کے مناسب ہو اور ان اصوات
و الفاظ اور اس تکلم کا احساس اب ہوا ہے اور مجھ کو اسلم و احوط یہ معلوم ہوتا ہے کہ یوں کہا جائے محال لطائف

جو اصوات والفاظ حقیقۃً مسموع ہوتے ہیں اُن کیلئے واقعی وجود یا تحقیق ہونا کسی دلیل سے ضروری نہیں ہے احتمال ہے
کہ صرف قوت متخیلہ کی ہنگامہ آرائی ہو کیونکہ اگر تسلیم کر لیا جائے کہ محال لطائف میں تسبیح اختیاری پہلے سے موجود ہے
اور اصوات والفاظ سے مرکب ہے تب بھی اس سے یہ لازم نہیں آتا کہ ذاکر کو مزاولت فکر سے یہی تسبیح مسموع ہو رہی ہے
اس لئے کہ احتمال اب بھی موجود ہے کہ ممکن ہے جو الفاظ مسموع ہو رہے ہیں وہ صرف خیالی ہوں اور جو الفاظ حقیقی ہیں
وہ مسموع نہ ہوں (فان التصدیق بوجود الفاظ فی محل لا یستلزم استماعہا فیہ) اور کبھی یہ آثار و کوائف الوان مختلفہ
رنگ میں نمایاں ہوتے ہیں جس کی تفصیل تقریر سابق میں بقدر ضرورت آپ حضرات کو معلوم ہو چکی ہے فلا حاجۃ
الی الاعادۃ۔ پس خلاصہ مقام یہ ہے کہ مزاولت ذکر و مواظبت فکر پر بطریق منع الخلو یہ آثار و کوائف ثلثہ مرتب ہیں
جو علامات ہیں سرایت ذکر کی (۱) حرکات محال لطائف (۲) استماع الفاظ فی محال اللطائف (۳) احساس الوان
محال لطائف۔ یہ تینوں آثار و کوائف ابتدائی مشق سے پیدا ہوتے ہیں اور سرایت ذکر کی علامات سمجھے جاتے ہیں
کبھی یہ تینوں آثار مجتمعۃً مزاولت ذکر و فکر پر مرتب ہوتے ہیں کبھی ایک یا دو پائے جاتے ہیں یہ بات بھی فروگذاشت
کرنیکے قابل نہیں کہ ان تینوں علائم کا تحقق دال علی الولایۃ نہیں ان آثار و کوائف کے وجود سے مقبولیت پر استدلال
نہیں کیا جا سکتا کیونکہ مزاولۃ فکر و شغل سے جو آثار متحقق ہوتے ہیں وہ محبوب کی صورت کے مانند ہیں جو عاشق کی
ذہن میں فرط عاشقی کی وجہ سے جم جاتی ہے جیسے صورت محبوب کے انتقاش فی الذہن سے ولایت و مقبولیت عند
ذلک المحبوب پر استدلال نہیں کیا جا سکتا اسی طرح ان علائم ثلثہ کے ظہور سے بھی ولایت و مقبولیت پر استدلال
نہیں کیا جا سکتا نیز یہ آثار سرایت ذکر کی محض علامات ہیں سرایت ذکر کی حقیقت میں داخل یا اُسکی خصائص
میں سے نہیں ہیں۔ مزاولت فکر و شغل سے اصل مقصود تو یہ ہے کہ ذہول و غفلت کم ہو اور اکثر اوقات تیقظ و
مشاہدہ جمال و کمال میں بسر ہوں ان آثار سے صرف تقویت و تائید کا فائدہ ہوتا ہے اور حکمت اس مشق کی
یہ ہے کہ بعض طبائع کو بعض اوقات میں وساوس و خطرات کا ہجوم ہوتا ہے اور وہ یکسوئی و دفع وساوس کے خواہاں ہوتے
ہیں اس لئے شیخ کامل اس ذکر لطائف کی مشق کراتا ہے تاکہ سکون و اطمینان حاصل ہو جائے اور طبیعت سے پراگندگی خیال
و انتشار وساوس دور ہو جائے جیسے مسمریزم میں مشق کرائی جاتی ہے کہ کسی کاغذ پر سیاہ نقطہ لگا کر ٹکٹکی باندھ کر
دیکھتے ہیں اہل طریق بھی کبھی کلمۃ اللہ کا کاغذ پر لکھ کر اس پر نظر جماتے ہیں کبھی عمل اسکتاب تجویز کرتے ہیں یعنی برابر
لفظ اللہ اللہ لکھتے رہتے ہیں تاکہ اسم اعظم قلب و ذہن میں کماحقہ مستقر و متمکن ہو جائے لیکن یہ دونوں باتیں مقصود بالذات
نہیں بلکہ صرف وسیلہ یکسوئی ہیں جو کہ ایک درجہ میں شرعاً بھی مطلوب ہے جبکہ بعض افراد کی شرعی مطلوبیت کا درجہ

اس سے واضح ہوتا ہے کہ تقاضائے طعام کے وقت قبل نماز طعام سے فراغت حاصل کرنیکا حکم ہے تاکہ یکسوئی ہوجائے اور نماز اعتدال و اطمینان سے ادا کی جائے۔ تو طعام سے فراغت مقصود بالذات نہیں بلکہ یکسوئی کا وسیلہ ہے تاکہ نماز طمانیۃ القلب سے ادا ہو سکے۔ ۔ ۔ ۔ اسی طرح نقطہ سیاہ کو ٹکٹکی باندھکر دیکھنا اور عمل اسکتات مقصود بالذات نہیں بلکہ وسیلہ یکسوئی ہیں مگر مقدمۃ العبادۃ ہونیکی وجہ سے ان کا شمار حسنات ہی میں ہے اور موجب اجر و ثواب ہیں جیسے فراغت از طعام بقصد اطمینان نماز باعث اجر و ثواب ہے اگر یہ کوائف مقدمۃ العبادۃ نہ بنائی جائیں تو پھر ان کا کچھ اجر نہیں نہ یہ مقاصد ہیں چنانچہ ان الوان وغیرہ کا انکشاف غیر مسلمین تک کو بھی یکسوئی سے حاصل ہوجاتا ہے حتیٰ کہ مجانین کو بھی۔ چنانچہ شرح اسباب میں بالتصریح مذکور ہے کہ جنون میں کشف ہوجاتا ہے کیونکہ بعض اوقات مجنون کے تخیلات بھی کسی ایک مرکز پر مجتمع ہوجاتے ہیں۔ نیز اگر کسی شخص کو کسی معصیت کے ارتکاب میں یکسوئی ہوجاوے تب بھی اس کو کشف حقائق کونیہ ہوسکتا ہے بلکہ بعض لوگوں کو فطرۃً کشف سے مناسبت ہوتی ہے ان کو اکتساب یکسوئی کی بھی ضرورت نہیں ہوتی چہ جائے اسلام کی۔ یہ بھی جاننا ضروری ہے کہ اوپر جو مشق لطائف کے متعلق مشائخ کا اختلاف نقل کیا ہے کہ بعضے اس کو معین فی التذکر قرار دیتے ہیں اور بعضے اس کو موجب تشتت حال قرار دیتے ہیں یہ اختلاف مشق و توجہ تفصیلی میں ہے باقی اجمالی مشق اور توجہ اس میں اختلاف نہیں ایسی تعلیم دوسرے سلسلہ کے لوگ بھی کراتے ہیں جو مشق لطائف کو موجب تشتت کہتے ہیں چنانچہ ایک شغل ایسا بھی ہے کہ ذاکر تمام اعضاء و جوارح کے متعلق مین ذکر کے وقت یہ تصور اجمالی کرتا ہے کہ یہ سب ذکر کر رہے ہیں ایسے ذکر و شغل کو اہل فن سلطان الاذکار کہتے ہیں۔ سلطان الاذکار سے بھی ایسی ہی حرکات پیدا ہوجاتی ہیں یعنی عروق ضوارب کے تحرکات کا احساس ہوتا ہے کبھی چڑیوں کی سی آوازیں سنائی دیتی ہیں وحمل علیہ البعض ما قال العارف الشیرازی ؎

کس ندانست کہ منزل گہ آن یار کجا است این قدر ہست کہ بانگ جرسے مے آید

لکن تکلف محض کبھی رعد و صاعقہ کی خطرناک گرجیں مسموع ہوتی ہیں کبھی یہ بھی ہوتا ہے کہ ذاکران آثار کے ہجوم خائف و پریشان ہوجاتا ہے۔ مکتوبات قدوسیہ میں اس کیفیت کا بہت ذکر ہے شیخ جلال الدین تھانیسری ؒ نے اپنے حالات میں ان کوائف کو بار بار لکھا ہے حضرت کی تسلیات و تشفیات موجود ہیں ایسے موقع پر شیخ کے کلمات تسلی و الفاظ تشفی سے ہی کشتی پار ہوجاتی ہے۔ بہت سے لوگوں کو سلطان الاذکار کے آثار و علائم سے ایک غلطی ہوگئی ہے وہ ان آثار کو کائنات ملکوتیہ کا انکشاف سمجھے حالانکہ بالیقین یہ دعویٰ کرنا صحیح نہیں کیونکہ یکسوئی سے اکثر کائنات ناسوتیہ ہی کا انکشاف ہوتا ہے گو بقلت و ندرت بعض اوقات کائنات ملکوتی بھی منکشف ہوجاتے

ہیں اور سلطان الاذکار میں اعضاء وجوارح کی جانب اجمالی توجہ ہوتی ہے تفصیلی نہیں۔ اس میں حبس دم سے بھی
کام لیا جاتا ہے کیونکہ حبس دم سے یکسوئی میں اعانت ہوتی ہے البتہ حبس دم باندازۂ ضبط وتحمل وبقدر طاقت ہونا چاہئے
اور اکثر نے اس وقت اس کو ترک کر دیا ہے حضرات صوفیہ نے اشغال کی اصل اس حدیث سے نکالی ہے۔
اجعل بصرك حيث تسجد (یعنی حالت قیام صلوۃ میں اپنی نظر کو جائے سجدہ پر مقصور رکھو) کہتے ہیں کہ حضور
صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ حکم جمعیت خاطر اطمینان قلب یکسوئی کی تحصیل کیلئے دیا ہے لیکن حق یہ ہے کہ اس
حدیث سے ثبوت شغل پر استدلال یقینی نہیں کیا جاسکتا کیونکہ یہ بھی احتمال ہے کہ یہ حکم مراعات ادب وتعظیم کیلئے
ہو ولذا جاء الاحتمال بطل الاستدلال البتہ احتمال ثبوت ضرور ہے اور ایسے امور ظنیہ میں احتمال بھی کافی ہے جو اجتہاد
کے انضمام سے راجح بھی ہو جاتا ہے کیونکہ اس احتمال سے اس امر کا تو یقین ہو جاتا ہے کہ صوفیہ کا تجویز فرمودہ شغل
شریعت مطہرہ میں بے اصل نہیں جیسے حضرات مجتہدین فقہاء بدون نصوص صریحہ کے بعض احتمالات پر
محض ذوق سے احکام ظنیہ ظاہرہ کا استنباط کرتے ہیں اسی طرح یہ حضرات بھی احکام ظنیہ باطنہ کا استخراج کرتے
ہیں کیونکہ یہ حضرات بھی فن طریقت کے احکام باطنہ میں مجتہد ہیں (فوائد) اور اس حدیث اجعل بصرك
حيث تسجد سے ایک اور مسئلہ یاد آگیا وہ بھی تکمیلاً للفائدہ بیان کئے دیتا ہوں۔ احناف میں اختلاف ہو رہا ہے
کہ آیا مصلی کیلئے صرف طولاً یا عرضاً بشکل محراب خط کھینچ دینا سترہ ہو سکتا ہے یا نہیں (امام محمد صاحب سے
احدی الروایتین یہ ہے کہ خط کھینچنا مسنون نہیں اور خط سترہ نہیں بن سکتا ہے اکثر مشائخ کا اسی روایت پر
عمل ہے واختارها صاحب الهداية لان الخط لا يفيد المقصود لانه لا يظهر للمار من بعيد امام محمد صاحب
کی دوسری روایت یہ ہے کہ سترہ کیلئے خط کھینچنا بھی کافی ہے کیونکہ ابوداؤد کی حدیث میں ہے فان لم يكن معه عصا
فليخط خطا گو یہ حدیث ضعیف ہے (وبضعفه تعلل الرواية الاولى عن الامام محمد) لیکن فضائل اعمال میں حدیث
ضعیف بھی معمول بہ ہو سکتی ہے کما ثبت فی اصول الحدیث والفقہ ونقل القدوری کفایۃ الخط عن ابی یوسف
ایضا وقال العلامة ابن الهمام صاحب فتح القدير السنة (ولو كانت ضعيفة) اولى بالاتباع (وان لم يحصل مقصود
ما) مع انه يظهر في الجملة اذ المقصود جمع الخاطر بربط الخيال به كيلا ينتشر كذا في البحر وشرح المنية قال في الحلية
وقد يعارض تضعيف بتصحيح احمد وابن حبان وغيرهما اس اختلاف کے متعلق میرے ذہن میں عرصہ سے ایک
تطبیق ہے میں اسے بیان کرنا چاہتا ہوں وہ یہ کہ سترہ میں دو حکمتیں ہیں ایک مار کے اعتبار سے دوسرے مصلی
(ممرور بہ) کے اعتبار سے، مار کے اعتبار سے تو یہ حکمت ہے کہ وہ مصلی کے سامنے سترہ کے اندر سے نہ جائیگا

دور ہی سے اسکو مخالفت مرور معلوم ہو جائیگی اور مصلی کے اعتبار سے یہ حکمت ہے کہ خیال اس خط سے مربوط رہے خیال میں انتشار و پراگندگی نہ ہو اور خیال کے ربط سے جمعیت خاطر حاصل ہو تا کہ صلوٰۃ کما حقہا ادا ہو سکے (کما اشار الیہ العلامۃ ابن الہمام) پس امام ابو حنیفہ نے جو خط کے سترہ ہونے سے انکار فرمایا ہے (کما ھو الروایۃ الاولی عن الامام محمدؒ) وہ غالباً نظراً الی حکمۃ المار ہے (لان المار لا یمکنہ النظر الی الخط لانہ لا یظہر لہ من بعید فلا یمتنع عن المرور بین یدی المصلی داخل لسترۃ وکان ھو المقصود واذا فات مقصود کون الخط سترۃ فات کون الخط سترۃ) اغلب یہ ہے کہ امام ابو حنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کا یہی مطلب ہوگا ورنہ حدیث ابو داؤد فان لم یکن معہ عصا فلیخط خطاً کے ترک کی کوئی وجہ موجہ موجود نہیں ہے داگر حدیث کو ضعیف بھی مان لیا جائے تب بھی جواز تو ثابت ہو ہی جائیگا کما ھو الروایۃ الثانیۃ عن الامام محمد حالانکہ امام احمد و امام ابن حبان وغیرہ محدثین نے حدیث کی تصحیح بھی کی ہے کما قال فی الحلیۃ چونکہ امام ابو حنیفہؒ کے الفاظ بعینہا تو ہم تک پہنچے نہیں ہیں اس لئے غالب گمان یہ ہے کہ امام صاحب نے اسی اعتبار سے انکار فرمایا ہوگا اس گمان کی تائید امام محمد صاحب کی دوسری روایت سے ہوتی ہے جس میں خط کا سترہ کیلئے کافی ہونا منقول ہے اس میں کفایت خط کا اقرار غالباً نظراً الی حکمۃ المصلی الممرور ہے وھو محمل حدیث ابی داؤد فانہ من الواجب علینا ان نسعی فی مطابقۃ اقوالنا بالاحادیث ونجعلہا تابعۃ لہا ولا نجتہد فی العکس لانہ عکس المقصود فلا تعارض بین الحدیث وبین مذہب الاحناف (کما لا تعارض بین الروایتین عن الامام) وحاصلہ ان الخط کاف فی حق المصلی ولیس بکاف فی حق المار واللہ اعلم بحقیقۃ الحال

اب میں پھر اصل مقصود کی جانب عود کرتا ہوں صوفیہ نے جو اس حدیث اجعل بصرک حیث تسجد سے اصل شغل کا اثبات کیا ہے گو احتمالاً ہی سہی تو غایت ما فی الباب یہ اثبات بطور نکتہ کے ہوگا اور اس قسم کے کل مضامین نکات ہی کی حیثیت رکھتے ہیں اس لئے کہ حضرات انبیاء علیہم الصلوٰۃ والسلام ایسی تدابیر جزئیہ بیان کرنے کیلئے مبعوث نہیں ہوتے بلکہ انکی بعثت کی حکمت اظہار طرق نجات و بیان تدابیر فوز آخرت ہے۔ ان کی تعلیم تو کلی طریقہ سے ہے۔ اذکروا اللہ حتی یقولوا انہ لمجنون۔ الغرض ذکر لطائف و سلطان الاذکار وغیرہ سے مقصود اصلی یہ ہے کہ ذاکر کے دل و دماغ میں ایک مستحکم و راسخ ملکہ یادداشت پیدا ہو جائے جس کے سبب اکثر اوقات مقصود سے ذہول و غفلت نہ ہو بلکہ ذکر میں مشغول رہے اسی کثرت کو صوفیہ کے کلام میں دوام ذکر سے تعبیر کیا جاتا ہے جس کو ہم نے اکثر اوقات میں ذہول نہ ہونے کے عنوان سے بیان کیا ہے کیونکہ ہر شئی کا دوام اس کے مناسب ہوا کرتا ہے مثلاً زید کہتا ہے کہ میں ہمیشہ پانچوں نمازیں ادا کیا کرتا ہوں یعنی روزانہ عمرو کہتا ہے کہ میں ہمیشہ صلوٰۃ عید الاضحیٰ پڑھا کرتا ہوں یعنی سالانہ پس اسی قاعدہ کی بنا پر ذکر کا دوام ذکر

کے مناسب ہوگا۔ اور وہ عدم ذہول فی اکثر الاوقات ہے، کیونکہ ذکر سے جمیع اوقات کا احاطہ عادۃً ناممکن و مستحیل ہے کیونکہ نوم وغیرہ امور حیات انسان کیلئے عادۃً لابدی ہیں اور ان میں ذہول لازمی ہے اسی واسطے بعض حضرات صوفیہ نے لفظ دوام کو بدل دیا ہے اور فرمایا ہے کہ طریق میں مقصود کثرت ذکر و دوام طاعت ہے وکان الیہ اشار العارف الشیرازی بقولہ ؎

در بزم عیش یک دو قدح نوش کن برو — یعنی طمع مدار وصال دوام را

(وترجمہ بقولی ؎)

دو ایک جام پی کے چلو بزم عیش سے — یعنی طمع نہ رکھو وصال دوام کی

مگر اس عبارت پر بھی یہ شبہ ہوتا ہے کہ جیسے ذکر سے جمیع اوقات کا احاطہ عادۃً ناممکن و مستحیل ہے اسی طرح طاعت سے بھی جمیع اوقات کا احاطہ عادۃً ناممکن و مستحیل ہے جواب یہ ہے کہ طاعت کو ذکر پر قیاس کرنا صحیح نہیں کیونکہ ذکر میں فعل و ایجاد کی ضرورت ہے، اور طاعت فعل و ایجاد سے بھی وجود پذیر ہو جاتی ہے اور ترک و کف النفس سے کیونکہ ترک معصیت بھی طاعت ہے ترک سے مراد وہی ترک ہے جس کی ابتداء بالقصد والنیۃ ہو۔ اسی ترک کو کف النفس کہا جاتا ہے بشرطیکہ اضداد کا قصد طاری نہ ہو جائے اس کف النفس کیلئے بقاء نیت و قصد کی ضرورت نہیں بلکہ ابتداء میں نیت استداد سے حکماً استداد نیت ثابت ہو جاتا ہے یعنی اگر ابتداء میں یہ نیت ہو کہ تمام معاصی کے ارتکاب سے عمر بھر اجتناب کروں گا تو گو بعد میں اس نیت و قصد سے ذہول ہو جاوے لیکن حکماً اس نیت و قصد کو موجود مانا جائیگا اور ترک معاصی کو کف النفس عنہا قرار دیکر امید اجر و ثواب قائم کی جائیگی۔ دیکھئے صلوٰۃ میں باتفاق امت نیت شرط ہے لیکن ذہول عن النیۃ بھی باتفاق امت ھی مانع عن صحۃ الصلوٰۃ و ثوابہا نہیں ہے حتی یتحقق ماینافی الصلوٰۃ ایک اور محسوس و بدیہی مثال ملاحظہ فرمائیے۔ ماشی کسی خاص منزل تک چلنا چاہتا ہے اور مشی فعل اختیاری ہے خلا یتحقق الا بعد تحقق الاختیار لیکن قصد و اختیار صرف ابتداء مشی میں ہوتا ہے عادۃً ہر ہر قدم پر نیت و قصد مشی مستحیل عادی ہے بلکہ ہر ہر قدم پر جو شخص قصد و اختیار کا استحضار کریگا۔ اس کا چلنا معلوم تو جیسے ماشی کے منزل مقصود تک پہنچنے کیلئے نیت استداد کافی ہے خود استداد نیت کی حاجت نہیں ایسے ہی دوام طاعت کیلئے نیت استداد کف النفس عن المعاصی کافی ہے استداد نیت کی ضرورت نہیں بلکہ ابتدائی نیت استداد ہی سے اجمالی دوام حاصل ہو جاتا ہے میں اس کو ایک مثال سے واضح کرتا ہوں۔ فرض کیجئے کہ کسی کا ایک عاشق ہے ہر وقت اس کی یاد میں بیتاب و مضطرب رہتا ہے لیکن بمقتضائے بشریت گاہے گاہے خفیف سے ذہول کے

واقعات بھی اس کے عاشقانہ زندگی میں رونما ہوتے ہیں مگر اظہر من الشمس ہے کہ اس عاشق کا معشوق سے ذہول ایسا نہ ہوگا جیسا اس کو اغیار واجانب سے ذہول ہے کیونکہ اغیار واجانب سے تو ذہول مطلق وذہول تام ہوتا ہے بخلاف معشوق کے کہ اس سے جو ذہول ہوتا ہے وہ مطلق وتام نہیں بلکہ ذہول قلیل وخفیف ہوتا ہے پس جیسے اس ذہول عاشق کو کالعدم قرار دیکر یہ قرار دیا جاتا ہے کہ وہ ہمیشہ یاد اجمالی میں مشغول رہتا ہے اور اس کو مداومت یاد سے تعبیر کیا جاتا ہے ایسے ہی نیت استداد ترک معاصی سے طاعت کی مداومت اجمالی حاصل ہوجاتی ہے۔ ایک دوسری مثال سنئے پیاسے کو پیاس کا احساس ہوتا ہے بھوکے کو بھوک کا احساس ہوتا ہے مگر اس بھوک پیاس کے زمانہ میں کبھی کبھی خفیف سا ذہول بھی ہوتا ہے یا یوں کہئے کہ ذہول نہیں ہوتا بلکہ توجہ کم ہوجاتی ہے جو منافی احساس ذہول مطلق وتام ہے ایسے ہی مسلم کے ترک معاصی میں کبھی کبھی ترک معاصی سے خفیف سا ذہول ہوجاتا ہے جو منافی طاعت نہیں ذہول مطلق کبھی نہیں ہوتا لہذا لفظ دوام طاعت پر کوئی شبہ نہ کرنا چاہئے گو اہل ظاہر نے امکان دوام طاعت کا انکار کر دیا ہے کیونکہ ان کو اس کا مشاہدہ نہیں ہوا لیکن انکا دھم بعد وضوح حقیقۃ دوام الطاعۃ مما لا یلتفت الیہ بل یقال لھم ع تو مشو منکر کہ حق بس قادر ست۔

بہر حال جب تصریح قوم سے یہ معلوم ہوچکا ہے کہ تمام اذکار واشغال سے مقصود اصلی یہ ہے کہ ذاکر کے دل ودماغ میں ایک مستحکم وراسخ ملکۂ یادداشت پیدا ہوجائے جس میں اکثر اوقات ذہول وغفلت نہ ہو تو اب جاننا چاہئے کہ اسی ذکر میں قوت وترقی ہوکر وہ درجات پیدا ہوجاتے ہیں جن کو تقریر سابق میں ذکر وحضور ومکاشفہ وشہود ومعاینہ سے تعبیر کیا گیا ان درجات میں تو کسی کا اختلاف نہیں صرف کلام اس میں ہے کہ یہ درجات کسی ایک لطیفہ کے افعال ہیں یا مختلف لطائف کے بعضے صرف لطیفۂ قلب کے افعال کہتے ہیں اور بعضے مختلف لطائف کے افعال بتلاتے ہیں اور میں تقریر سابق میں بیان کرچکا ہوں کہ ان دونوں جماعتوں کا یہ اختلاف بالکل اس اختلاف کے مانند ہے جو متکلمین وحکماء میں انکار حواس خمسۂ باطنہ واثبات حواس خمسۂ باطنہ میں ہے حس مشترک کے فعل کا کسی فریق کو انکار نہیں فرق یہ ہے کہ متکلمین کہتے ہیں قلب مدرک بالذات ہے حس مشترک کوئی شئی نہیں جس کی جانب یہ فعل منسوب کیا جائے حکماء کہتے ہیں کہ حس مشترک ایک مستقل حاسۂ باطنہ ہے اس کے فعل کو قلب کی جانب منسوب کرنا صحیح نہیں باقی اہل تصوف کی غرض پر نظر کرتے ہوئے اقرب الی التحقیق یہ ہے کہ یہ امور کما مر بالذات تو مقصود ومطلوب ہیں ہی نہیں یہ تو مقصود بالذات یعنی رضائے الٰہی کا وسیلہ ہیں تو پھر اس تفتیش کا کیا نتیجہ کہ یہ فعل کس لطیفہ کا ہے

اور یہ فعل کس لطیفہ کا۔ احتیاج تو ان افعال کے وجود کی ہے نہ کہ اس تفصیل کی کہ ان کے محال کیا کیا ہیں اور ان کو منسوب الیہا کون کون۔ غور کیجئے کہ اگر کسی کے پاس آم آئیں تو اس کو یہ دیکھنا چاہئے کہ یہ آم خام ہیں یا پختہ۔ ترش ہیں یا شیریں چھوٹے ہیں یا بڑے۔ اس سے کیا نتیجہ ہے کہ یہ آم کس درخت کا ہے اس آم کے درخت کا حجم کتنا ہے اس آم کا درخت باغ کی کس سمت میں ہے۔ لان ھذا التحقیق والتفتیش بمعزل عن اغراضہ ومحصولہ ان الشاغلین باللطائف یقولون ان اللطائف متغائرۃ بالذات وغیرھم یقولون ان اللطیفۃ ھو القلب وعلیہ یترتب ما یقولون بترتبہ علی سائر اللطائف فلا اختلاف فی المحمولات بل الاختلاف فی الموضوع فعند الاولین الموضوع متعدد وعند الآخرین واحد واللہ اعلم (پھر مولوی صاحب موصوف کے مکرر استفسارات کے جواب میں مضامین ذیل ارشاد فرمائے چونکہ یہ مضامین مختلف وغیر مربوط ہیں اسلئے میں علٰیحدہ علٰیحدہ نمبروں میں منضبط کرتا ہوں)۔ (۱) سلطان الاذکار میں جس کا اوپر ذکر آیا ہے جمیع اعضاء وجوارح کی جانب اجمالی توجہ ہوتی ہے اور ذکر لطائف میں جو اس کی مشق کراتے ہیں توجہ تفصیلی ہوتی ہے (۲) ذکر تین طریقوں پر متحقق ہوتا ہے (۱) ذکر لسانی (۲) ذکر قلبی یعنی بالفاظ خیالیہ (۳) ذکر بالتوجہ وحدہ بدون احضار الالفاظ فی القلب ولکن ھذا النوع الثالث من انواع الذکر عسیر الحصول فان القلب یتعسر علیہ عادۃ ادراک المعانی وحدھا بدون واسطۃ قوالب الالفاظ کما یشھد بہ الوجدان السلیم۔ یہ تینوں انواع ذکر کے طاعت وعبادت ہیں (۳) ان اذکار بہیئت خاصہ اور اشغال سے اصل مقصود یکسوئی ہے جس سے ملکہ یادداشت راسخ ہوجائے کیونکہ اور اشیاء کی جانب توجہ یاد الٰہی سے مانع ہوتی ہے وساوس وخطرات کا ہجوم ہوتا ہے ان وسائل سے توجہ کو اور اشیاء سے ہٹایا جاتا ہے وساوس وخطرات کو مندفع کیا جاتا ہے حتی کہ یاد الٰہی قلب ودماغ میں راسخ ومستحکم ہوجائے (۴) ان اذکار واشغال سے اولاً حق تعالیٰ کی جانب اجمالی توجہ ہوتی ہے جس میں عدم ذہول کا اہتمام کیا جاتا ہے پھر اس کیفیت کے رسوخ واستحکام کا نام ملکہ یادداشت ہے پھر ملکہ یادداشت کے ضعف وقوت کے لحاظ سے وہ افعال مرتب ہوتے ہیں جن کو تقریر سابق میں ایک محسوس مثال سے پانچ درجے مقرر کرکے واضح کرچکا ہوں (۵) صوفیہ جو کہ یکسوئی کو مقصود لغیرہ مانتے ہیں کیونکہ مقصود اصلی اعمال صالحہ اور مقصود المقصود رضاء الٰہی ہے اور اس یکسوئی حاصل کرنے کیلئے مراقبہ خلوت عزلت قلت اختلاط شغل وغیرہ امور سالک کیلئے تجویز کرتے ہیں متقشفین کا اس پر اعتراض ہے کہ یہ امور مقصود میں غیر محتاج الیہا ہیں والکبری مطویۃ وھی ما یشیر الیہ قولہ صلی اللہ علیہ وسلم من حسن اسلام المرء ترکہ مالا

(بقیہ) لیکن ان کو یہ خبر نہیں کہ امراض ظاہرہ کے معالجہ میں اطباء بھی مسہل میں ایسی تعلیم دیتے ہیں کہ ذہن کو مشوش نہ کرنا کسی توجہ ہٹانیوالے مشغلہ میں مشغول نہ ہونا۔ زیادہ بات نہ کرنا۔ اسہال کے تصور و تخیل میں رہنا وغیرہ وغیرہ۔ اس پر کوئی اعتراض نہیں کرتا بجز اس کے کیا فرق ہے اطباء کی تجویز کو ذریعہ صحت بدنیہ کا سمجھتے ہیں اور وہ مقصود ہوتا ہے اس لئے چون چرا کی مجال نہیں بخلاف تجویز صوفیہ صافیہ کے اُس کو صحت نفس کا ذریعہ اور مطلوب نہیں جانتے اس لئے لغویات و خرافات کا طومار بدتمیزی باندھتے ہیں (نعوذ باللہ من شرور انفسنا و سوء اعمالنا و فساد عقولنا)

(۶) حضرات صحابہ رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین کو ان اشغال و مراقبات وغیرہ و تدابیر دخیل کی ضرورت نہ تھی کیونکہ وہ سید الانبیاء و المرسلین باعث تکوین العالمین صلی اللہ تعالیٰ علیہ و اصحابہ وسلم کے انفاس طیبہ کی برکات اور مصاحبت مطہرہ کے فیوض سے اپنے قلوب و اذہان میں ایسی قوی و کامل استعداد رکھتے تھے کہ ان اشیاء کو واسطہ مقصود بنانے کی اُن کو ضرورت نہ تھی۔ یہی اعمال مامور بہا ان اشغال کے ثمرات کیلئے اُن کو کافی تھے اور یہی راز ہے کہ یہ علوم موجہ خیر القرون میں مدون نہیں ہوئے کیونکہ اُن کو ہر قسم کے ظاہری و باطنی واقعات کیلئے خاص ذوات بابرکات ہی کافی و وافی تھیں جس قدر خیر القرون سے بُعد ہوتا گیا حل مشکلات و فتح مغلقات کیلئے تدوین علوم کی ضرورت کا احساس ہوتا گیا جس کو علماء امت نے شکر اللہ مساعیہم الجمیلہ ازمنۂ متقاربہ میں باحسن وجوہ انجام کو پہنچایا اور چونکہ ضرورتیں مختلف تھیں اس لئے فطرۃً تقسیم عمل کی حاجت ہوئی۔ بعض حضرات نے علم ظاہر کی جانب توجہ مبذول کی اور اس کے مختلف شعبوں میں سے کسی خاص شعبہ کو مخصوص توجہات کا مرکز بنایا گو اور شعبوں کی جانب بھی بقدر ضرورت ملتفت رہے اور بعض حضرات نے امانت باطن کو سنبھالا دونوں جماعتوں نے امت مرحومہ کو رہین منت فرمایا۔ جزاهم اللہ عنا و عن سائر المسلمین احسن الجزاء۔ بہرحال چونکہ ہم ضعیف الاستعداد و ضعیف الاعتقاد ہیں ہمارے قلب و دماغ میں دنیا و ما فیہا کا حسن و جمال مرکوز ہے حقائق ہم سے مستور ہیں اس لئے ہم کو وصول الی اللہ کیلئے جو خلق الثقلین کی حکمت اصلیہ ہے (وما خلقت الجن والانس الا لیعبدون) ان ذرائع و وسائل خاصہ کی حاجت ہے اور شدید حاجت ہے، کما تشہد بہ التجربۃ (۷) چونکہ فطری قاعدہ ہے کہ النفس لا تتوجہ الی الشیئین فی ان واحد اس لئے ضروری ہے کہ ایک تصور کے رسوخ و استحکام سے دوسرے تخیلات و تصورات منتشر و مضمحل بلکہ معدوم و مفقود ہو جائیں گے کما ھو المحسوس المشاھد والا یرتاب فیہ احد۔ اور میں ایسے قاعدہ کے ماتحت یہ تجویز کیا کرتا ہوں کہ اگر کوئی شخص بسوء اتفاق سے کسی حسین و جمیل دل کے عشق میں مبتلا ہو جائے اس کے خط و خال و نقش و نگار کی یاد سے مضطر و مضطرب رہتا ہو تو ایک بہت موٹے کثیف المزاج عظیم البطن بدصورت کریہ المنظر شخص

کا تصور کیا کرے جس کی رال بہہ رہی ہو آب بینی لبوں پر ہو دھوتی میلی کچیل میں بھری ہو، اس شخص کا ہیئت کذائی سے تصور اس حسین وجمیل آدمی کے تخیل و نقش کو نکال دیگا، اسی طرح اذکار واشغال سے خالص توجہ الی الحق ہو جاتی ہے اور غیر اللہ کے وساوس وخطرات زائل ہو جاتے ہیں۔ (۸) مختلف اذکار واشغال میں سے شیخ کامل اپنی دقت وفراست اور اپنے تجارب کی بنا پر ہر سالک کے مزاج وخصوصیات کے موافق ذکر وشغل تجویز کرتا ہے جس سالک کو جس طریق سے مناسب سمجھتا ہے منزل مقصود کی جانب رہبری کرتا ہے۔ بالکل ایسی مثال ہے کہ طب ظاہری میں متعدد ادویہ ایک اثر ایک درجہ ایک کیفیت ایک مزاج کی ہوتی ہیں لیکن طبیب حاذق مختلف اصحاب کے لئے خفی مناسبات کی بنا پر علیحدہ علیحدہ دوا تجویز کرتا ہے اس پر اعتماد نہیں کرتا کہ یہ ادویہ چونکہ متحدۃ الخواص ہیں اس لئے سب مریضوں کے لئے جو ایک ہی مرض میں مبتلا ہیں ایک ہی دوا تجویز کردوں۔

(۹) کثرت ذکر وشغل سے یکسوئی حاصل ہوتی ہے یکسوئی سے ملکہ یادداشت حاصل ہوتا ہے ملکہ یادداشت کی مزاولت سے قوت بڑھتی ہے اور درجات خمسہ مفصلہ مذکورہ ماسبق حاصل ہوتے ہیں (۱۰) بعض سالکین کو یکسوئی بغیر شغل وغیرہ صرف ذکر سے بھی حاصل ہو جاتی ہے کیونکہ جو ذکر باللسان ہے وہ بالقلب بھی ہو سکتا ہے صرف توجہ کی ضرورت ہے یہ قضیہ کہ ھذا الذکر اما ذکر باللسان واما ذکر بالقلب مانعۃ الخلو ہے مانعۃ الجمع نہیں فلا مانع عن جمعہا (۱۱) میں مانتا ہوں کہ کتب تصوف موجود ہیں اور ان میں امراض باطنہ، اسباب امراض، طرق تشخیص۔ ادویہ۔ معالجات۔ تمامہا وکمالہا مضبوط ومبسوط ہیں لیکن پھر سالکین کو مراحل سلوک طے کرنے اور اصلاح نفس وتزکیۃ الاخلاق میں شیخ کامل کی سخت ضرورت ہے بغیر تعلیمات وتنبیہات شیخ کے وسوسہ رہزن سے محفوظ رہنا اور صحیح وسالم منزل مقصود پر پہنچنا کارے دارد۔ (واما المؤید بالقوۃ القدسیۃ من اللہ فھو بمعزل عن بحثنا) دیکھئے کتب طب ظاہری میں بھی مباحث نہایت شرح وبسط سے موجود ہیں لیکن مرضی کے لئے اپنے معالجات میں صرف ان کا مطالعہ کافی نہیں سمجھا جاتا بلکہ ضرور ماہر فن طبیب کی جستجو کی جاتی ہے خصوصاً پیچیدہ امراض میں حتیٰ کہ امراض شدیدہ میں تو خود اطبار بھی اپنے معالجات میں اکثر دوسرے اطبار سے مشورہ لیتے ہیں تا بغیر طبیباں چہ رسد۔ پس جو نسبت مرض وکتب طبیہ واطبار میں ہے وہی نسبت سالکین وکتب تصوف ومشائخ میں ہے البتہ یہ بات ضرور یاد رکھنے کی ہے کہ ضرورت تعلیم شیخ کی ہے نہ کہ بیعت کی۔ انقلاب زمانہ ہے کہ آجکل تمام مدار بیعت پر سمجھا جاتا ہے اور تعلیم کی جانب توجہ نہیں کی جاتی حالانکہ اصل شئی وہ ہے اگر ایک شخص کی بیعت نہیں ہے لیکن شیخ کامل تعلیم دیتا ہے اور وہ پورا پورا عمل

کرتا ہے اس کے کامل و مکمل ہونے میں ذرہ برابر شک و شبہ نہیں ہے اس کے خلاف ایک شخص ہے جو کسی قطب الارشاد سے بیعت ہے مگر نہ وہ تعلیم دیتا ہے اور نہ یہ عمل کرتا ہے تو بیعت ہیچ ہے جو شیخ تعلیم و اصلاح کیلئے بیعت کو شرط قرار دے وہ شیخ نہیں اس کو چھوڑ کر کسی دوسرے کامل کی جانب مراجعت کرنا چاہئے کیا کوئی طبیب ظاہر کبھی معالجۂ امراض میں مریضوں سے یہ شرط کرتا ہے کہ تم میرے شاگرد ہو جاؤ وان اشترط فھو لیس بطبیب بل یجب علی المرضیٰ ان یرجعوا عنہ الیٰ غیرہٖ حضرات صوفیہ کا مقصود بیعت سے صرف اتنا تھا کہ شیخ و مرید میں ایک طرح کی مناسبت پیدا ہو جائے جس سے فی الجملہ تعلیم شیخ و تعلم مرید میں سہولت ہو یعنی تعلیم کیلئے بیعت لولاہ لامتنع کا درجہ نہیں رکھتی بلکہ صرف مصحح لدخول الفاء کے درجہ میں ہے مگر جاہلوں نے عکس کر دیا ہے بلکہ عکس سے بھی زائد کہ بیعت ہی کو مقصود بالذات سمجھتے ہیں چاہئے تو یہ تھا کہ تعلیم شیخ پر پابندی سے عمل کیا جاتا اس کو اپنے احوال و کوائف سے مطلع کیا جاتا کیونکہ اطلاع احوال و کوائف کو فطری طور پر شیخ کو مرید کی جانب متوجہ کرنے میں کافی دخل ہے اس لئے کہ اس کو اس سے مسرت ہوتی ہے کہ یہ میری تعلیم پر عمل کرتا ہے اور میری تجاویز کو نگاہ قدرت سے دیکھتا ہے جیسے طبیب جب اپنے مریض کو متوجہ و قدر دان پاتا ہے تو زائد متوجہ ہوتا ہے مگر اب بیعت ہی مطمح نظر ہے ع ببیں تفاوت رہ از کجاست تا بکجا۔ دیکھئے استاد شاگرد کا تعلق دگو بعض حضرات کی رائے اس کے خلاف ہے شیخ و مرید کے تعلق سے بدرجہا قوی ہوتا ہے مگر محتاج بیعت نہیں دوکاندار پیروں نے عوام الناس کو ارادت کے دام میں پھنسانے کیلئے بیعت کی ضرورت کے گیت گائے ہیں۔ اصلحہم اللہ الصمد (۲) حقیقت میں نسبت مطلق تعلق مع اللہ کو کہتے ہیں اس اطلاق کی بناء پر ہر مومن ولو کان فاسقا فاجرا صاحب نسبۃ ہے کیونکہ نفس ایمان سے تعلق مع اللہ ثابت ہے وھو مناط صحۃ اطلاق النسبۃ وقد تحقق بالایمان اور اصطلاح صوفیہ میں نسبۃ اس تعلق مع اللہ کو کہتے ہیں جس کی لوازم میں سے دو چیزیں نہایت ضروری ہیں۔ اول کثرۃ الذکر ثانیاً فی دوام الطاعۃ۔ بغیر ان دو چیز نسبت مصطلحہ صورت نہ بند د اور یہ نسبۃ مصطلحہ بذاتہا اختیاری نہیں ہے لیکن موعودۃ الترتب علی الامور الاختیاریہ ہے۔ فکانت اختیاریۃ ولا یخفیٰ ان کثرۃ الذکر والمحافظۃ علی العبادۃ امران اختیاریان لان صدورھما عن الاختیار من البدیہیات الاولیۃ۔ اس نسبۃ مصطلحہ میں سالک کو حق تعالیٰ سے ایسا قوی و راسخ تعلق ہو جاتا ہے کہ ذہول کما و کیفاً نہایت ہی خفیف ہوتا ہے ویکون صاحب النسبۃ کالعاشق المولع فی عدم النسیان و عدم الذھول وفی الایتمار بالاوامر والانتہاء عن النواھی خلاصہ یہ کہ صاحب نسبت کو طبعاً

دین وحق کی مخالفت ایسی گراں و مکروہ معلوم ہوتی ہے جیسے عوام مومنین کو عقلاً بہرحال تمام اذکار اشغال کی غایت مقصودہ و غرض اصلی اکتساب نسبت مصطلحہ ہی ہے اور اس نسبت مصطلحہ کا اکتساب واجب ہے کیونکہ کثرۃ الذکر جو مضاد ہے اُس ذکر قلیل کی جس پر منافقین کی مذمت فرمائی ہے لا یذکرون اللہ الا قلیلا اور دوام الطاعۃ واجب ہیں اور عادۃً یہ دونوں بدون اس نسبت کے حاصل نہیں ہوتے اس لئے اس کی تحصیل بھی واجب ہے اور اس نسبت مصطلحہ میں عباد کی جانب سے کثرۃ ذکر و دوام طاعۃ ہوتا ہے اور خالق العباد کی جانب سے رضا و پسندیدگی ہوتی ہے رضی اللہ عنہم و رضوا عنہ کا مصداق ہوتا ہے۔ حاصل یہ کہ نسبت اس مجموعہ تعلقین کا نام ہے۔ اسی واسطے مرتکب معاصی کو نسبت مصطلحہ کا حصول نہیں ہوتا حتی یتوب الی اللہ غافر الذنب قابل التوب لانہا لا تجتمع مع المعاصی لان دوام الطاعۃ من لوازمہا والمعاصی تنافیہ وانتفاء اللازم یدل علی انتفاء الملزوم نعم النسبۃ العامۃ یمکن اجتماعہا مع الصغائر والکبائر واھل الشرک لان دوام الطاعۃ لیس من لوازمہا فانتفائہ لا یقدح فیہا ھذا ما عندی واللہ اعلم بحقیقۃ الحال۔ یہی نسبت وہ قرب ہے جو مامور بالتحصیل ہے اور اُس کا طریق صرف اعمال صالحہ ہیں جو اختیاری ہیں نہ کہ کیفیات و حالات غیر اختیاریہ جن کو قرب مذکور میں کچھ دخل نہیں مگر اکثر اصل طریق اختیاریات کو چھوڑ کر غیر اختیارات کے درپے ہو جاتے ہیں۔

(۳۱) طریق قرب کے اختیاری غیر اختیاری ہونے کی بحث سے ایک تحقیق یاد آگئی چونکہ اس کے بھی نافع ہونے کی امید ہے اس لئے تتمیماً للنفع اسکو بھی بالاختصار بیان کئے دیتا ہوں مجھکو کئی سال یہ اشکال رہا کہ جب قرب الی اللہ کے حصول کا طریق صرف افعال اختیاریہ ہیں۔ کما ذکرنا آنفا تو لازم آتا ہے کہ انبیاء و رسل علیہم الصلوٰۃ والسلام کی نبوت و رسالت جو قرب ممکن کے انتہائی درجات ہیں بھی کسی فعل اختیاری ہی کا نتیجہ ہوں حالانکہ نبوت و رسالت محض موہوب ہیں کسی فعل اختیاری کا ثمرہ نہیں۔ ایک مرتبہ خود بخود قرآن شریف پڑھتے ہوئے دفعۃً اشکال حل ہو گیا کہ قرب کی دو قسمیں ہیں۔ قرب موہوب۔ قرب مکسوب۔ پس جو قرب افعال اختیاریہ پر مترتب ہوتا ہے وہ وہ قرب ہے جو مامور بالتحصیل ہے مطلق قرب نہیں اور اس قاعدہ کی بناء پر یہ بھی ممکن ہے گو عادۃ اللہ کے خلاف ہے کہ کسی شخص کو وہبی طور پر نسبۃ مصطلحہ بغیر مزاولۃ افعال اختیاریہ حاصل ہو جاوے لکنہ خارج عن بحثنا کیونکہ یہ امر ہماری انظار و عقول کی حدود و ادراک سے بالاتر ہے (۳۲) اعمال اختیاریہ شرط ہیں قرب مکسوب کے مگر علت نہیں ممکن ہے کہ اعمال میں کوئی ایسا نقص رہ جائے جس سے اُن پر قرب مترتب نہ ہو اسی واسطے میں کہتا ہوں کہ نظراً الی الظاہر کسی کو شیخ۔ زاہد۔ عارف۔ عاشق۔ سالک کہنا تو جائز ہے لیکن

ولی اللہ کہنا ناجائز ہے کیونکہ ولایت یعنی قرب خاص و مقبولیت امر خفی ہے اسکا دعویٰ شہادۃ من غیر علم میں داخل ہے اسی واسطے حدیث میں لکھا ہے لا یزکی علی اللہ احد او یقول واللہ حسیبہ او کما قال یعنی اگر کسی شخص کو ولی اللہ کہنا ہو تو یہ تعبیر ہونا چاہئے ھو ولی اللہ فی ظاھر الحال واللہ حسیبہ یعنی بظاہر ایسا معلوم ہوتا ہے کہ فلاں شخص ولی ہے باقی حقیقۃ الحال سے علام الغیوب ہی واقف ہے کیونکہ ممکن ہے کہ جن افعال ظاہرہ کو ہم وسیلہ قرب الی اللہ سمجھ رہے ہیں ان کی کوئی شرط نہ پائی جاتی ہو یا کوئی منافی مخفی متحقق ہو رہا ہو اس تحقیق سے ایک اور بات بھی سمجھ میں آگئی۔ اشعریہ و ماتریدیہ کا اس مسئلہ میں اختلاف ہو رہا ہے کہ انا مومن انشاء اللہ تعالیٰ کہنا جائز ہے یا نہیں بعض اشاعرہ سے منقول ہے کہ انا مؤمن انشاء اللہ تعالیٰ کہنا جائز ہے اور اسکی توجیہ اہل علم نے یہ فرمائی ہے کہ لان العبرۃ فی الایمان والکفر بالخاتمۃ حتی ان المومن من مات علی الایمان وان کان طول عمرہ علی الکفر والکافر من مات علی غیر الاسلام وان کان من تحیاتہ علیہ۔ ماتریدیہ فرماتے ہیں۔ اذا وجد من العبد التصدیق والاقرار صح لہ ان یقول انا مؤمن حقا ولا ینبغی ان یقول انا مومن انشاء اللہ تعالیٰ لانہ ان کان للشک فی الحال فی تحقیق ما یحسبہ ایمانا سواء کان لعمل داخلا فی حقیقۃ الایمان اولا فھو کفر لا محالۃ وان کان للتادب واحالۃ الامور الی مشیۃ اللہ تعالیٰ او للشک فی المستقبل مع التیقن فی الحال او للتبرک بذکر اللہ او للتبری عن تزکیۃ نفسہ عملا بقولہ تعالیٰ فلا تزکوا انفسکم ھو اعلم بمن اتقی وغیرھا من التوجیہات فالاولی ترکہ لما انہ یوھم بالشک اور علمائے کلام نے تحریر اختلاف کے بعد یہ فیصلہ کیا ہے والحق ان ھذا الاختلاف لفظی لانہ ان ارید مجرد حصول معنی الایمان فھو حاصل فی الحال فلا معنی للتعلیق وان ارید ما یترتب علیہ النجاۃ فھو فی مشیۃ اللہ تعالیٰ فلا معنی للتحقیق فمن منع ان یقال انا مؤمن انشاء اللہ اراد الاول ومن اجازہ اراد الثانی اتفقت العبارۃ بمعناھا ویقول ھذا العبد الضعیف (ای صاحب الملفوظ مد ظلہ العالی) انہ یمکن بناء علی التحقیق السابق المار انفا ان یقال ان ھذا الاختلاف فی المعنی دون اللفظ وھو الظاھر المتبادر لان الاختلاف فی اللفظ مما یاباہ شان العلماء المحققین لاسیما المتکلمین فیمکن حمل قول بعض الاشاعرۃ قول المؤمن انا مؤمن انشاء اللہ تعالیٰ علی تعلیق الایمان بمشیۃ اللہ تعالیٰ فی الحال نظرا الی انہ یمکن ان یکون شرط من الشروط المعتبرۃ عند اللہ غیر متحقق فی الایمان الذی نحن نحسبہ ایمانا فی الظاھر وان کان عدم التحقق ھذا غیر قادح فی النجاۃ لان التکلیف بقدر الوسع فبالنظر الی ھذا الاحتمال الذی ھو مما کان عند الصوفیۃ قال

بعض الاشاعرۃ انہ یصح ان یقال انا مومن ان شاء اللہ تعالیٰ والاخرون لما لم یتنبھوا علی ھذہ الدقیقۃ منعوہ دان ھذا التوجیہ الوجیہ بمکان من الحسن علٰے مذاق الصوفیۃ الصافیۃ وظنی ان عقائد الاشاعرۃ فی الاکثر اقرب الی مذاق الصوفیۃ من عقائد الماتریدیۃ۔

(۱۵) اخیر میں ایک نہایت ضروری بات کہتا ہوں جو بیش بہا اور بہت زیادہ قابلِ توجہ ہے وہ یہ کہ ملفوظ سابق اور یہ تقریر دونوں علومِ مکاشفہ کے متعلق ہیں اور علومِ مکاشفہ بالکل ناقابلِ التفات ہیں جبکہ خود کشف وکرامات کو اہلِ فن حیض الرجال سے تعبیر کرتے ہیں پس مقصود فوائد ہیں نہ زوائد گو میں نے ایک گھنٹہ چالیس منٹ اس تقریر اور سوال جواب میں خرچ کیے لیکن میں ذرہ برابر بھی محظوظ نہیں ہوا میں اُس خدمت کو اصلی کام اور باعثِ حظ سمجھتا ہوں کہ کسی طالب عمل کو کچھ بتا دوں اور وہ اس پر اہتمام سے عمل پیرا ہو۔ باقی اس قسم کی تحقیقات وتدقیقات تو حقیقت میں میبذی وصدرا کی تقاریر کے مترادف ہیں۔ وایں انا منہا اگر سچ پوچھے تو ثمرات وبرکات کا حصول ان تحقیقات وتدقیقات نسیاً منسیاً کر دینے پر موقوف ہے۔ یہ تحقیقات وتدقیقات حجاب ومانع ہیں (شام کے وقت تربیت کے متعلق دو ایک معمولی باتیں بیان فرما کر فرمایا تھا کہ ان معمولی کلمات کے بعد تو قلب میں نور محسوس ہوتا ہے لیکن صبح کی طویل تقریر کے بعد بھی کچھ نورانیت محسوس نہیں ہوئی تھی اسی قسم کا مضمون ملفوظ سابق کے بعد بھی بیان فرمایا تھا مگر اس جلسہ میں بہت زور دیا اسی واسطے اس کو ضبط کیا گیا) ایک واقعہ یاد آیا جس زمانہ میں میں کانپور کے مدرسہ جامع العلوم میں مدرسِ اول تھا ایک طالب علم نے درخواست کی کہ مجھکو مثنوی مولانا رومی پڑھا دیجئے۔ میں نے دریافت کیا آپ تحصیل درسیات سے فارغ ہو چکے ہیں؟ کہا کہ درسیات قریب الختم ہیں کچھ باقی ہیں۔ میں نے کہا مولوی صاحب مثنوی کے پڑھنے کیلئے ابھی دُو درجے باقی ہیں۔ پہلے درسیات کا اکمال اور پھر اُن کا اہمال یعنی محو کرنا اور بھلا نا دفی مثلہ قیل العلم ھو الحجاب الاکبر چونکہ علومِ مکاشفہ میرے نزدیک اب ناقابلِ التفات ہیں اس لئے میں ممانعت کرتا ہوں کہ کوئی صاحب اس کے متعلق مجھ سے تقریراً یا تحریراً مکالمہ نہ کریں گو مجھ پر ایک زمانہ ایسا بھی گذرا کہ ان علوم سے بہت شغف تھا شب وروز انھیں میں منہمک رہتا تھا مگر اب تو ان کو مخل مقصود سمجھتا ہوں ؎

قدم باید اندر طریقت نہ دم	کہ اصلے ندارد دمِ بے قدم
قال را بگذار مردِ حال شو	پیشِ مردے کاملے پامال شو

کارکن کار بگذار از گفتار — کاندریں راہ کار باید کار

فائدہ ثانیہ: از قلم حقیقت رقم صاحب الملفوظ دام فیضہ ونفعہ۔ تحریر بالا سے یہ بھی معلوم ہو گیا ہو گا کہ لطائف خمسہ جوہر ہیں لا نفس عرض اور یہ ایک قول ہے اور اوپر یہی قول لیا گیا ہے اور اس قول پر لطائف کے عدد میں کہ پانچ ہیں یا چھ نزاع لفظی ہو گا جیسا اوپر مفصل گذرا۔ اور دوسرا قول یہ ہے کہ نفس بھی مثل دیگر بقیہ لطائف کے ایک لطیفہ مجردہ جوہر ہے تو اس وقت عدد لطائف میں حقیقی اختلاف ہو گا اور غزالیؒ کے قول سے بھی یہی معلوم ہوتا ہے انھوں نے دوسرے بعض لطائف کیساتھ نفس میں دو درجے نکالے ہیں ایک اصل مجرد دوسرا اس کا متعلق مادی کذا فی کتاب عجائب القلب من کتاب المہلکات من الاحیاء اور نصوص میں جو احکام نفس کے وارد ہیں۔ مثلاً از تقول نفس یاحسرتیٰ۔ اور علمت نفس ما قدمت واخرت۔ یاایتہا النفس المطمئنۃ۔ ظاہراً ان سے جوہریت کو ترجیح معلوم ہوتی ہے۔ البتہ اگر یہ کہا جاوے کہ ان نصوص میں بنا بر ترادف لغوی کے روح کو نفس کہدیا تو پھر کچھ اشکال نہیں یا یہ کہا جاوے کہ نفس تو عرض ہی ہے اور جو احکام مذکورہ اس کی طرف منسوب کئے گئے ہیں وہ احکام اُس جوہر مادی کے ہیں جس میں یہ عرض حال ہے یعنی جو محل ہے اس قوت داعی الی الشر کا یعنی جمیع بدن جس میں یہ قوت منطبع ہے اور یہ نسبت ایسی ہے جیسے بعض احکام نصوص میں سمع و بصر کی طرف منسوب کر دیئے ہیں اور وہ احکام واقع میں ان کے محل کے ہیں۔ کما قال الخازن فی قولہ تعالیٰ ان السمع والبصر والفؤاد کل اولئک کان عنہ مسئولا۔ مانصہ۔ قیل یسأل السمع والبصر والفؤاد عما فعلہ المرء اھ وکما فی قولہ تعالیٰ وما کنتم تستترون ان یشہد علیکم سمعکم ولا ابصارکم الآیۃ۔

التماس از جامع

نمبر ۱: میں ۴ ؍ شعبان ۱۳۴۹ھ کو حکیم الامت مجدد الملت محی الطریقت حضرت مولانا مولوی حافظ قاری شاہ اشرف علی صاحب دامت برکاتہ کی خدمت سراپا مکرمت میں بقصد زیارت چالیس روز قیام کی ارادہ سے حاضر ہوا تھا تین چار روز کے بعد حضرت اقدس کی اجازت سے ملفوظات لکھنا شروع کر دیئے تھے انھیں ملفوظات میں سے ایک مکمل ملفوظ مع اپنے متعلقات کے یہ (التقاط اللطائف من اللطائف) بھی ہے۔

نمبر ۲: حضرت اقدس کی مجلس مبارک میں علی الدوام علوم ظاہری وفیوض باطنی کی بیش بہا دولت لٹتی رہتی ہے جس سے ہر شخص اپنی استعداد وقابلیت کے موافق بہرہ اندوز دارین ہوتا رہتا ہے اسی وجہ سے

مضامین عالیہ تو میرے ضعیف قلم کے احاطۂ ضبط سے بالا تر تھے لہٰذا میں نے ان مضامین میں سے جو میری فہم ناقص میں آسکتے تھے کچھ مضبوط محفوظ کر لئے تھے کیونکہ قلت وقت و فراوانی معارف و علوم کی وجہ سے ان تمام مضامین کا احاطہ بھی جو میری فہم میں آسکتے تھے کم از کم میری طاقت سے تو ضرور خارج تھا میں اس عرصہ میں اکثر یہ شعر پڑھا کرتا تھا ؎

دامان نگہ تنگ و حسن تو بسیار　　　گلچین بہار تو ز داماں گلہ دارد

بلکہ ایک مرتبہ مغرور کرم و لطف بے پایاں ہو کر میں نے خود حضرت اقدس کی مجلس میں بآواز بلند یہ شعر پڑھ دیا تھا حضرت اقدس نے فرمایا تھا کہ مخاطب کون ہے۔ میں نے دل میں کہا مخاطب۔ لیکن رعایۃً لجانب الادب زبان سے ظاہر نہیں کیا۔

نمبر ۳۔ میرے علاوہ اسی زمانہ میں دیگر مختلف حضرات علماء بھی ان بے بہا جواہر سے دامانِ کاغذات کو پر کرتے تھے جن میں سے بعض ممتاز اسماء یہ ہیں جناب مولانا محمد شفیع صاحب مدرس دار العلوم دیوبند مجاز حضرت اقدس جناب مولانا محمد حسن صاحب مدرس اوّل مدرسہ نعمانیہ امرتسر مسجد خیر الدین مجاز حضرت اقدس جناب مولانا نثار احمد صاحب ساکن قصبہ مجرہان ضلع کیمل پور حال مدرس مدرسہ قادریہ حسن پور ضلع مراد آباد۔ مجاز حضرت اقدس۔ جناب مولانا عبد المجید صاحب ساکن بچھرایوں ضلع مراد آباد مجاز حضرت اقدس۔ جناب مولانا جلیل احمد خاں صاحب رئیس محلہ سرائے حکیم علیگڑھ۔ مولانا سعید احمد صاحب لکھنوی وغیرہ وغیرہ۔ خود اس ذیل مضمون کو بھی متعدد حضرات نے نہایت ذوق شوق سے منضبط فرمایا ہے جزاھم اللہ تعالیٰ احسن الجزاء۔

نمبر ۴۔ ذی علم و تجربہ کار حضرات پر مخفی نہیں کہ خود اپنی تقریر و تحریر میں کس قدر فرق ہوتا ہے بلکہ میرا تو خیال یہ ہے کہ ہر زبان کا ہر متکلم مجبوراً تقریر میں اپنی تحریری زبان کو محفوظ نہیں رکھ سکتا ہے۔ بہت سے عیوب تحریر تقریر میں عیوب نہیں رہتے اگر کسی قابل آدمی کی بیساختہ تقریر منضبط کی جائے تو غالباً بہت سے جملے غیر مرتبط ملیں گے اسی طرح تقریر کا جو اثر ہوتا ہے وہ قید تحریر میں آکر اکثر گم ہو جاتا ہے مگر اس کلیہ سے حضرت اقدس ایک خاص حد تک مستثنیٰ ہیں چنانچہ یہ حقیقت ان حضرات پر بخوبی روشن ہے جو حضرت اقدس کی تحریر و تقریر سے نفع اندوز ہو چکے ہیں نمبر ۵۔ میں اعتراف کرتا ہوں کہ میں کما حقہ حضرت اقدس کی تقریر کو منضبط نہیں کر سکا کیونکہ وہ تاثیر فیض و برکات تو حضرت کیساتھ مخصوص تھی ہی اکثر مقامات پر حضرت اقدس کے شاندار و پُر مغز و پُر معنی مختصر دلنشین الفاظ بھی باقی نہیں رہے ہیں میں نے کوشش تو اس کی کی ہے کہ کم از کم معانی محفوظ ہو جائیں لیکن اپنی بضاعتی

و کم مایگی پر نظر کرتے ہوئے مجھکو اعتماد نہیں کہ میں اس کوشش میں پورا کامیاب ہوا ہوں۔

نمبر ۵ میں خیال کرتا ہوں کہ اب تک عربی۔ فارسی۔ اُردو کی کسی کتاب میں لطائف ستہ کے متعلق اسقدر مبسوط و پُر از معلومات ذخیرہ یکجا موجود نہیں ہے امید ہے کہ تصوف مذاق حضرات حقیقی طور پر اس کی وقعت و توقیر کریں گے۔

نمبر ۶ حضرت اقدس کے خطابات حکیم الامۃ مجدد الملۃ جو عامۂ مسلمین نے باتفاق حضرت والا کیلئے پسند کئے ہیں زبان زد خواص و عوام ہیں۔ میں سمجھتا ہوں کہ اس زمانہ میں مراسم طریقت مٹ چکے ہیں دنیا ناواقف حقیقت ہے، اکثر مقامات پر زوائد کیساتھ مقاصد کا معاملہ کیا جاتا ہے۔ اول تو حقیقی تعلیمات تصوف کسی درجہ میں کسی مقام پر بھی محفوظ ہی نہیں اور جہاں کہیں برائے نام ہیں تو افراط و تفریط نے انقلاب ماہیت کر دیا ہے وہ کا اندر مشائخ نے تو بالکل حشر ہی برپا کر رکھا ہے ایسے وقت میں حضرت اقدس کا وجود باجود نہایت مغتنم ہے کہ تصوف کی شریعت مردہ کو علوم ظاہری و باطنی و براہین قاطعہ و دلائل ساطعہ سے از سر نو زندہ کر دیا ہے۔ نیز ہر مسئلہ کا اصل محل بتا دیا ہے میں تو حقیقی معنی میں حضرت اقدس کو "محی الطریقۃ" سمجھتا ہوں حق تعالیٰ اس لقب کو بھی اس کے اخوین (حکیم الامۃ مجدد الملۃ) کی طرح مشہور و معروف کر دیں۔ میں مناسب سمجھتا ہوں کہ یہاں حضرت اقدس کے ایک دوسرے ملفوظ (السلسبیل لعابری السبیل) کے چند جملے نقل کر دوں وھی ھذا۔

مگر میں دیکھتا ہوں کہ آجکل ان باتوں کا کہیں تذکرہ نہیں نہ علماء کے یہاں نہ مشائخ کے یہاں۔ تصوف کی ایک مبہم صورت بنا رکھی ہے اسی وجہ سے مدت سے اس کی حقیقت مستور چلی آتی تھی مگر الحمد للہ اسوقت ایسا وضوح ہو گیا ہے کہ کوئی خفا اور التباس کسی قسم کا اس میں باقی نہیں رہا مجھے تو بحمد اللہ کسی مسئلہ تصوف میں مطلق شبہ و خلجان نہیں ہوتا (وتدل علی ھذہ الدعوی تصانیفہ النافعۃ فی التصوف دلالۃ ظاھرۃ لا یصح لمعاند ان یرتاب فیہا فضلا عن معتقد متبع للحق ۱۲ جامع) نہ طالب کی کسی حالت کی حقیقت معلوم کرنے میں نہ اس کی اصلاح کی تدابیر تجویز کرنے میں خواہ کسی کی کیسی ہی الجھی ہوئی حالت ہو (ویشھد بہ تربیۃ السالک وتنجیۃ الھالک وھو کتاب لعمر فیضہ مغیں فی تربیۃ السالکین مشتمل علی احوال مختلفۃ تعتری السالکین واصلاحہا ۱۲ جامع) میں خیر خواہی سے عرض کرتا ہوں (عملاً بقولہ علیہ السلام الدین النصیحۃ ۱۲ جامع) کہ اس وضوح کو اس زمانہ میں غنیمت سمجھکر اس کی قدر کرنا چاہئے اور اس سے منتفع ہونا چاہئے (ص ۵

ہر وقت خوش کہ دست دہد مغتنم شمار　　کس را وقوف نیست کہ انجام کار چیست

کہیں ایسا نہ ہو کہ قیامت میں اس بیش بہا نعمت کی ناقدری پر باز پرس ہو ابھی وقت ہے کہ خوش نصیبان اسلام نعمت غیر مترقبہ سے مالا مال ہوں ؎

تمتع من شمیم عرار نجد　　فما بعد العشیۃ من عرار ۱۲ جامع

نمبر ۸ حضرت اقدس نے اپنا بہت سا قیمتی وقت خرچ فرما کر اس تمام تحریر کو لفظاً لفظاً ملاحظہ فرمایا ہے اور بہت زائد مقامات پر اصلاح فرمائی ہے۔

نمبر ۹ میں بظن غالب کہتا ہوں کہ اہل حضرات کو اس تحریر سے جہاں تک میرے الفاظ کا دخل ہے ایک ظلمت محسوس ہوگی لیکن جس قدر حضرت اقدس کے معانی و الفاظ کا تعلق ہے آثار نورانی کے جلوہ گر پائیں گے۔ میں نہایت ادب گذارش کرتا ہوں کہ ناظرین صورت ثانی پر نظر فرما کر میری اصلاح نفس، تزکیۂ اخلاق، فلاح دارین کیلئے لوجہ اللہ دعا فرمائیں گے وما ذلک علیہم بعزیز ؎ ہر کہ خواند دعا طمع دارم ＋ زانکہ من بندۂ گنہگارم ＋ ۳ر شوال ۱۳۵۲ھ

محمد اسعد اللہ عفا عنہ مدرس مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور

رسالہ البصائر فی الدوائر

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم۔ بعد الحمد والصلوٰۃ۔ یہ ایک رسالہ[1] نافعہ ہے حضرات نقشبندیہ خصوص مجددیہ کے ایک اصطلاحی لفظ یعنی دوائر کی تفسیر میں جیسا اس کے قبل ایک مقالہ جامعہ[2] ایسے ہی ایک لفظ یعنی لطائف کی تفسیر میں ضبط کیا گیا تھا[3] مفہوم دوائر کی اجمالی حقیقت اصطلاحیہ خاص مراقبات ہیں ان کو دوائر یا تو اس لئے کہا گیا ہے کہ اہل کشف کو ان مراقبات میں جن حقائق کا انکشاف ہوتا ہے اُن کی صور مثالیہ اکثر بشکل دائرہ منکشف ہوتی ہیں چنانچہ اہل ریاضت سے منقول ہے اور یا اس لئے کہا گیا ہے کہ ان مراقبات میں جو حرکت فکریہ ہوتی ہے وہ بوجہ اس کے کہ زمانہ فکر تک اُس کی مسافت ایک ہی رہتی ہے اور زمانہ ممتد ہوتا ہے مشابہ حرکت وضعیہ منشئہ للدوائر کے ہوتی ہے جس کا حیز نہیں بدلتا اور زمانہ بدلتا رہتا ہے وھذا الوجہ مما شھد بہ ذوقی ثم سنح لی انطباق علی قولہ تعالیٰ الذی خلق سبع سمٰوات طباقا ما تری فی خلق الرحمٰن من تفاوت فارجع البصر ھل تری من فطور ثم ارجع البصر کرتین ینقلب الیک البصر خاسئا وھو حسیر وھذا ھو شان الفکر یفرالی محل ثم یعرف ثم یکرمنہ وھکذا اور یا اسلئے

[1] یہ مکتوب ہے اسلئے اسکو رسالہ کہا گیا ہے [2] یہ ملفوظ ہے اسلئے اسکو مقالہ کہا گیا ۱۲ [3] جو النور بابت ماہ شوال ذیقعدہ ۱۳۵۲ھ میں شائع ہوا ہے ＋

کہا گیا ہے کہ طریق ان مراقبات کا بعض نے یہ لکھا ہے کہ ان حقائق کو بشکل دائرہ کے فرض کر کے یہ تصور کرے کہ میں اس دائرہ میں داخل ہو گیا ہوں یہ تو ان کی اجمالی حقیقت ہے اور تفصیلی حقیقت کا بیان یہ ہے کہ بعض اکابر اہل طریق کو مکشوف ہوا ہے کہ کائنات عالم اعیان و اعراض سب مظاہر ہیں اسماء و صفات آلٰہیہ کے اور وہ صفات و اسماء ان مظاہر کے حقائق و مبادی تعینات کہلاتے ہیں اور اس مظہریت کی کنہ کی تحقیق کسی دلیل قطعی عقلی یا نقلی سے منقح نہیں ہوئی لیکن ذوقی و کشفی طور پر بعض حضرات نے یہ حکم کیا ہے کہ عالم باتفاق اہل ملل کے بوجہ حادث بالذات و بالزمان ہونیکے پہلے معدوم تھا جب حق تعالیٰ نے اس کو پیدا کرنا چاہا تو ممکنات پر جو کہ خارج میں معدوم تھے اور علم میں موجود اسماء و صفات کی تجلی فرمائی جس سے ان ممکنات کو ایک قسم کا وجود نفس الامری نہ کہ خارجی حاصل ہو گیا جو مشابہ ہے تقرر و ثبوت کے اس وجہ کا نام ظلال ہے پھر اپنے اپنے وقت میں ان کو خارج میں موجود کرتے رہے پس یہ ظلال عکوس ہیں صفات کے اور صفات عکوس ہیں شیون کے اور شیون اعتبارات ہیں ذات کے یعنی خود ذات میں یہ اعتبار کہ وہ مبدأ ہے انکشاف معلومات کا شانِ علم ہے اور یہ اعتبار کہ وہ مبدأ ہے آثار کا شانِ قدرت ہے اور یہ اعتبار کہ وہ مبدأ ہے ترجیح احد المقدورین کا شانِ ارادہ ہے وھکذا اور شیون زائد علی الذات نہیں بلکہ ذات ہے ان کو صرف تغائر اعتباری ہے اور وہ بھی ایسا ہی حیثیت تغائر کا تحقق متغائرین کے صدق سے متأخر ہو وہ جیسی حیثیت تغائر کا تحقق متغائرین کے صدق سے مقدم ہو جیسا اپنے نفس کے معالجہ میں معالج بمعنی للفاعل و معالج بمعنی للمفعول میں تغائر ہوتا ہے ان کے بعد مرتبہ صفات کا ہے جو زائد علی الذات ہیں پھر ان صفات کے عکوس ظلال ہیں اور ظلال کے عکوس موجودات خارجیہ ہیں بالمعنی الذی یشمل الموجودات الذھنیۃ ایضاً پس کبھی سالک کو عالم کے عدم اصلی کا مراقبہ بتلایا جاتا ہے جو مراقبۂ احدیث کہلاتا ہے یعنی گویا ہستی حق کے سامنے تمام عالم اب بھی معدوم ہے اس سے سالک پر اضمحلال و فناء کا غلبہ ہوتا ہے اور یہ دائرۂ امکان کہلاتا ہے اور کبھی اسماء و صفات کا مراقبہ جن کا ظہور بواسطہ ظلال کے ہوا ہے جو مراقبہ معیت کہلاتا ہے مثلاً حق تعالیٰ کی صفت رزاقیت عامہ کو سوچے کہ دوست دشمن سب کو رزق دیتا ہے صفت رحمانیت کو سوچے کہ بندوں پر کیسی کیسی رحمتیں فرماتا ہے صفت ہادی کو سوچے کہ بندوں کی ہدایت کا کیا کیا سامان کیا ہے اور اس طرح سوچے کہ ان افعال کے مظاہر پر نظر نہ ہو صرف ظاہر پر نظر ہو جیسے توحید افعالی میں ہوتا ہے اس مراقبہ سے توجہ و حضور کا غلبہ ہوگا اور تخلق باخلاق آلٰہیہ میں رسوخ ہوگا اس مراقبہ کو سیر دائرہ ولایت صغریٰ کہتے ہیں اور عام ممکنات کیلئے یہی ظلال مبادی تعینات ہیں یعنی عام ممکنات پر اسماء و صفات کا فیض ان ہی ظلال کے واسطہ سے ہوتا ہے اور ان ممکنات میں حضرات انبیاء و ملائکہ علیہم السلام کو ایک خاص امتیاز ہے کہ خود اسماء و صفات براہ راست ان کے لئے مبادی

تعینات ہیں یعنی اُن کو اسمار و صفات کا فیض بلا واسطہ ظلال کے پہنچتا ہے پس اسمار و صفات کا مراقبہ خصوص الظاہر کا
اس حیثیت سے کہ وہ تعینات ہیں انبیار علیہم السلام کے لئے دائرہ ولایت کبریٰ ہے اور اسمار و صفات کا مراقبہ
خصوص الباطن کا اس حیثیت سے کہ وہ مبادی تعینات ہیں ملائکہ علیہم السّلام کیلئے دائرہ ولایت علیا ہے ان مراقبات
سے حضرات انبیار و ملائکہ علیہم السّلام کے ساتھ خاص مناسبت پیدا ہو جاتی ہے اور عمل بالاحکام مثل طبعیات کے ہو جاتا
ہے اور خلق کو ارشاد اور اُن پر شفقت کی رغبت ہوتی ہے اور دائرہ ولایت کبریٰ میں چونکہ نفس کو فنائے اتم حاصل
ہوتا ہے اس کے اس لئے اُس کو سیفِ قاطع بھی کہتے ہیں پھر جس طرح اسمار و صفات کا مراقبہ کیا جاتا ہے اسی طرح
ذات کا بھی مختلف حیثیات سے کیا جاتا ہے مثلاً اس حیثیت سے کیا جاتا ہے کہ وہ منشا ہے کمالاتِ نبوت کا اسکو دائرہ
کمالاتِ نبوت کہتے ہیں اور اس حیثیت سے کہ وہ منشا ہے کمالاتِ رسالت کا اُس کو دائرہ کمالات رسالت
کہتے ہیں پھر اس خصوصیت کی ساتھ کہ وہ منشا ہے کمالات اولوالعزم کا اُس کو دائرہ کمالات اولوالعزم کہتے ہیں
اور مراقبہ ذات کا اس حیثیت سے وہ مسجود خلائق ہے دائرہ حقیقت کعبہ کہلاتا ہے اور اس حیثیت سے کہ ذات میں
وسعت بے کیف ہے دائرہ حقیقت قرآن کہلاتا ہے پس قرآن مظہر ہے حقیقت واسع کا اور اسی وجہ سے
اُس کے فیوض و برکات میں ایک خاص وسعت ہے اور اس حیثیت سے ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ کہ ذات جامع ہے ان
دونوں مذکورہ جہتوں کو یعنی مسجودیت و وسعت کو دائرہ حقیقت صلاۃ کہلاتا ہے جیسے صلاۃ جامع ہے
سجدہ و قرارت کو اور اخیر کی ان تینوں کو سیر حقائق الٰہیہ کہتے ہیں اور یہ تینوں حقائق باعتبار صفات ثبوتیہ
کے ہیں اور ایک حقیقت الٰہیہ اور بھی ہے یعنی ذات کا مراقبہ باعتبار صمدیت یعنی تنزیہ عن النقائص کے اس کو
دائرہ حقیقتِ صوم کہتے ہیں اور ایک اصطلاح باعتبار حقائق انبیار کے ہے مثلاً ذات کا مراقبہ اس اعتبار سے کہ
منشا ہے حقیقت ابراہیمی کا دائرہ خُلت کہلاتا ہے اسی طرح حقیقتِ موسوی و حقیقتِ محمدی و حقیقت احمدی
کو سمجھ لیا جائے اور ان اصطلاحات کی شرح اس طرح کی گئی ہے کہ ذات کو جس طرح اپنی محبت ہے اسی طرح اپنی صفات
کی بھی۔ اول محبت کو حقیقت محمدی اور حقیقت احمدی اور محبت ذاتیہ صرف اور محبت متنزجہ محبوبیت
کہتے ہیں اور بعض اس کو حقیقت موسوی کہتے ہیں اور محمدی و احمدی میں باعتبار کا فرق ہے محب ہونیکے اعتبار
سے محمدی اور محبوب ہونیکے اعتبار سے احمدی کہلاتی ہے اور اگر محبیت و محبوبیت دونوں حیثیتوں کی طرف
التفات نہ کیا جائے محض حب اور ذات کی طرف توجہ ہو اُس کو حب صرف کہتے ہیں اور بعض اس کو حقیقتِ
محمدی کہتے ہیں اور اس سے آگے ذات بحت اور لاتعین کہلاتی ہے اور یہ تعین کی نفی باعتبار عدم التفات

الی المتعین کے ہے واقع کے اعتبار سے نہیں کیونکہ تعین تو واقع ہے اور یہ سب کلام اول محبت میں تھا اور
دوسری محبت کو حقیقتِ ابراہیمی اور خلت اور محبوبیت صفاتی کہتے ہیں ایک اصطلاح ان کے
علاوہ دائرۂ قیومیت ہے یہ دائرہ کمالات اولوالعزم سے ناشی ہے۔

حقیقت اس کی یہ ہے کہ جس طرح عالم اپنے وجود کے سب مراتب میں ذاتِ حق سے وابستہ ہے اسی طرح
اس شخص کو ذات بحت سے ایسی مناسبت ہو جاتی ہے کہ تمام عالم اپنے وجود کے ایک خاص مرتبہ میں یعنی روحانی
حیات کے کسی خاص درجہ میں اس کی ذات سے وابستہ ہو جاتا ہے جس کو اس درجہ کا جب کوئی دینی فیض ہوتا ہے
یہ شخص اس میں واسطہ ہوتا ہے اور جو اس کا منکر ہوتا ہے وہ اس فیض خاص سے محروم ہوتا ہے اور اصل میں
یہ منصب حضراتِ انبیاء اولوالعزم کا ہے مگر بالتبع بعض اولیاء کو عطا ہوتا ہے۔ یہ مختصر شرح ہے خاص
عنوانات اصطلاحیہ کی جن کا معنون خاص مراقبات ہیں جو مذکور ہوئے جن سے اصل مقصود تعلق وتخلق
یعنی ذکر وفکر و توسل وتبتل یعنی الی اللہ وعما سوی اللہ وتحلی بالفضائل وتخلی عن الرذائل چنانچہ بعض مراقبات
کے ثمرات کتب قوم میں مصرح ہیں جیسے اوپر کچھ مذکور بھی ہوئے۔ اور مثلاً بعض نے سیر ولایت کبری کے
یہ آثار بیان کئے ہیں۔ رضا بالقضا کا غلبہ نفس کا مطمئنہ ہو جانا اور ولایت علیا کے یہ آثار لکھے ہیں ملائکہ
سے مناسبت ہو جانا جس کی ایک فرع ہے عزیمت پر عمل کرنا کیونکہ رخصت پر عمل کرنا مقتضا ہے ضعفِ
بشریت کا اور سیر کمالات نبوت کے یہ آثار ذکر کئے ہیں کہ تمام احکام شرعیہ و اخبار غیبیہ عین الیقین ہو جاتے
ہیں اور تلاوتِ قرآن و کثرتِ نوافل و اذکار ماثورہ و شغلِ حدیث و اتباعِ سنن سے شدید رغبت ہو جاتی ہے
اور بقیہ کے ثمرات ذرا تامل سے متعین ہو سکتے ہیں اور احیاناً ایسے لوگوں کو جن کو کشف سے مناسبت ہے یا جن کا
شیخ صاحب تصرف ہے ان مراقبات میں کچھ واردات و کیفیات یا انوار و تجلیات کا انکشاف بھی ہو جاتا ہے
جو بتصریح محققین غیر مقصود ہے اسی واسطے ان حضرات نے وصیت کی ہے کہ اُن کی طرف التفات نہ کرے
نیز جب مقصود معلوم ہو گیا تو اگر طالب کی خصوصیات پر نظر کر کے شیخ کی رائے میں اُس مقصود کے لئے کوئی
دوسرا طریق اسلم وانفع ہو تو شیخ کو چاہیئے کہ اُسی کو تجویز کرے اور مرید کو چاہیے کہ اپنے کو اُس کے ہاتھ میں تفویض
کر دے کسی خاص طریق پر اصرار یا کسی حالت کا انتظار نہ کرے۔

خاتمہ اس تحقیق میں کہ ان مراقبات کا اور اُن کی تفصیلات کا شریعت میں کیا درجہ ہے اور اس باب
میں کیا اعتقاد اور کیا عمل رکھنا چاہئے سو جاننا چاہیئے کہ قریب ہی سطروں میں گذر چکا ہے کہ اصل مقصود ان

مراقبات کا تعلق و تخلق یعنی ذکر و فکر و توسل و تبتل یعنی الی اللہ و عما سوی اللہ و تحلی بالفضائل و تخلی عن الرذائل ہے اور ان سب کا مامور بہ ہونا شریعت میں وارد ہے مگر بدرجۂ اجمال و ابہام یعنی ان تفصیلات کے اعتبار سے وہ نصوص مجمل و مبہم ہیں باقی خاص تفصیلات اور اُن تفصیلات کے مبانی یعنی ظواہر اور مظاہر کی تعیین اور کیفیت ظہور کی تبیین ظاہر ہے کہ نہ تو شریعت میں منقول ہیں اور بعض کا کلام جو ان کے استناد الی النص کا موہم ہے اہل علم جانتے ہیں کہ وہ دلالات غیر مقبول ہیں۔ اور نہ وہ دلائل عقلیہ کے مدلول ہیں صرف کشوف و شہود ہیں جس کے حجت نہ ہونے پر دلائل شرعیہ موجود ہیں اس حالت میں ان تفصیلات کا یا اُن کی مبانی کا اعتقاد جازم رکھنا یا اس کے مقتضا پر عمل کو لازم سمجھنا یا اُن کو مقصود بالذات یا مقصود کے لئے شرط سمجھنا جیسا ہو وقت بعض میں مشاہد ہے۔ یقیناً غلو فی الدین ہے اور بعض محققین نے جو ان تفصیلات کو حجب کہا ہے اُس کا محمل یہی غلو کا درجہ ہے اس لئے ان تفاصیل کے متعلق اعتقاد تو یہ رکھنا چاہئے کہ کشف اگر شرع سے مصادم نہ ہو تو اس میں وہ اول امر محتمل ہے صحت بھی غلط بھی۔ خواہ اپنا کشف ہو خواہ اپنے اکابر کا خصوص جبکہ وہ محتاج تعبیر بھی ہو اور تعبیر کی بنا محض تخمین ہو . . . . پھر خصوص در خصوص جبکہ وہ کشف خود اہل کشف میں بھی مختلف فیہ ہو پھر خصوص در خصوص جبکہ وہ کشف ذات و صفات سے متعلق ہو جس میں ظنیات سے حکم کرنا یا بلا ضرورت خوض کرنا محل خطر و محتمل معصیت و ضرر اور نصوص سے ممنوع اور محققین علماء مشائخ کے فتوے سے بھی غیر مشروع ہے اور جن حضرات سے کچھ کلام منقول ہے وہ خاص اقتضاءات صحیحہ سے ہے اور حدود کے اندر ہے اس لئے اُن پر نکیر بھی نہ کیا جاوے۔ یہ تو اعتقاد کی تحقیق تھی اور عمل یہ رکھنا چاہئے کہ اگر یہ شخص مرید ہے تو اپنی رائے سے اس تفصیل کیساتھ مراقبات نہ کرے اور اگر شیخ محقق حکم دے تو جو تفصیل خلاف شرع نہ ہو اُس کو درجۂ تصور و تخیل تک عمل میں لاوے مگر تصدیق کا حکم نہ کرے اور اگر شیخ ہے تو وہ عامی کو ان چیزوں کی تعلیم نہ کرے خصوص اُن اشغال و مراقبات کی تعلیم جو مظنۂ کشف ہوں اور ذی علم خوش فہم کو بھی بلا ضرورت تعلیم نہ کرے کیونکہ مقصود اس پر موقوف نہیں اور بعض اوقات خواص کو بھی غلطی ہو جاتی ہے اور اگر ضرورت سے تعلیم کرے یعنی اس کی خصوصیت استعداد پر نظر کرکے دوسرا طریق اُس کے لئے ایسا نافع نہ ہو تو بہت نگرانی رکھے اور تعبیر کشوف کے وقت تصریحاً اُس کی ظنیت کو بیان کر دیا کرے تاکہ حدود سے متجاوز نہ ہو جاوے اور زیادہ مقصود میرا اس رسالہ کے ضبط سے جو کہ بدون کسی کی درخواست کے لکھا ہے یہی خاتمہ کا مضمون ہے اور زیادت بصیرت کے لئے مشورہ دیتا ہوں کہ میرے رسالہ ظہور العدم بنور القدم کے اختتام کا مضمون و صیت بھی ملاحظہ فرمایا جاوے۔

واللہ الہادی الی سواء السبیل وھو علی کل شئ وکیل ۔ کتبہ اشرف علی۔ ۳ محرم ۱۳۵۱ھ

رسالہ تصحیح العلم فی تقبیح الفلم

سوال۔ کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین اس مسئلہ میں کہ اگر بائسکوپ کے پردہ پر خلفائے اسلام، شاہانِ اسلام اور رہنمایانِ اسلام کی تصویریں متحرک بولتی گاتی اور ناچتی دکھائی جائیں اور خواتین اسلام کو بائسکوپ کے ذریعہ سے پبلک میں بے پردہ پیش کیا جائے تو کیا شریعتِ اسلامیہ اس فعل کو جائز قرار دیتی ہے یا شریعتِ اسلامیہ کے نزدیک یہ فعل ناجائز ہے۔ اور کیا حکم دیتی ہے شریعتِ اسلامیہ اُن حضرات کے بارے میں جو اس فعل کے جواز کی حمایت میں پروپیگنڈا کرتے ہیں اور مسلمانوں کو متحرک تصاویر اور بولتی تصاویر کی طرف رغبت دلاتے ہیں۔ بینوا توجروا۔؟

الجواب۔ شریعتِ اسلامیہ میں جاندار کی تصویر بنانا مطلقاً معصیت ہے خواہ کسی کی تصویر ہو اور خواہ مجسّمہ ہو یا غیر مجسّمہ ہو۔ فی جمع الفوائد عن الستۃ عن عائشۃؓ قدم النبی صلی اللہ علیہ وسلم من سفر وقد سترت بقرام علی سہوۃ لی فیہ تصاویر فنزعہ۔ وقال اشد الناس عذابا یوم القیامۃ الذین یضاھون بخلق اللہ اور کسی مسلمان کی تصویر بنانا اور زیادہ معصیت ہے کہ اس میں ایسے شخص کو آلۂ معصیت بنانا ہے جو اس کو اعتقاداً قبیح جانتا ہے اور اسی اصول پر حق تعالیٰ کی قسم معصیت پر کھانے پر خاص تشنیع فرمائی گئی ہے۔ فی تفسیر الجلالین ولا تجعلوا اللہ عرضۃ لایمانکم ای نصبا لھا بان تکثروا الحلف بہ ان لا تبروا وتتقوا وتصلحوا بین الناس فی الکمالین نصبا ای علما للایمان فی القاموس النصب بضمتین کما اجعل علما ای تجعلوا اللہ معرضا لا یمانکم اگرچہ اُس تصویر کی طرف کوئی امر مکروہ بھی منسوب نہ کیا گیا ہو محض تفریح و تلذذ ہی کے لئے ہو کیونکہ محرمات شرعیہ سے تلذذ بالنظر بھی حرام ہے۔ فی الدر المختار کتاب الاشربۃ وحرم الانتفاع بھا (ای بالخمر) ولو لسقی دواب او لطین او نظر للتلہی اور اگر اُس کی طرف کسی نقص یا عیب کو بھی منسوب کیا جائے تو اُس میں ایک دوسری معصیت یعنی غیبت بھی منضم ہوگی کیونکہ غیبت صرف کلام ہی میں منحصر نہیں نقوشِ قلم یعنی کتابت سے بھی ہوتی ہے اسی طرح اُس عیب کی ہیئت بنانے سے بھی ہوتی ہے بلکہ یہ سب سے اشد ہے۔ فی احیاء العلوم بیان ان الغیبۃ لا تقتصر علی اللسان اعلم ان الذکر باللسان انما حرم لان فیہ تفہیم الغیر نقصان اخیک وتعریفہ بما یکرھہ فالتعریض بہ کالتصریح والفعل فیہ کالقول والاشارۃ والایماء والغمز والھمز والکتابۃ والحرکۃ وکل ما یفہم المقصود فھو داخل فی الغیبۃ وھو حرام فمن ذلک قول عائشۃؓ دخلت علینا امرأۃ

فلما ولت اومات بیدی انہا قصیرۃ فقال علیہ السلام اغتبتیہا (ابن ابی الدنیا وابن مردویہ من روایۃ حسان بن مخارق وحسان وثقہ ابن حبان وباقیہم ثقات کذا فی تخریج العراقی باختلاف یسیر فی بعض الالفاظ) ومن ذلک المحاکاۃ کان یمشی متعارجا اوکما یمشی فہو غیبۃ بل ہو اشد فی الغیبۃ لانہ اعظم فی التصویر والتفہیم ولما رای صلی اللہ علیہ وسلم عائشۃ حاکت امراۃ قال مایسرنی انی حاکیت انسانا ولی کذا وکذا (تقدم فی الآفۃ الحادیۃ عشر عن ابی داؤد والترمذی وصححہ کذا فی تخریج العراقی) وکذلک الغیبۃ بالکتابۃ فان القلم احد اللسانین وذکر المصنف شخصا معینا وتہجین کلامہ فی الکتاب غیبۃ الخ اسی طرح اُس منسوب الیہ کی تصویر کی کوئی خاص ہیئت بنانا بھی ایسا ہی ہے جیسے خود اُس شخص کی طرف اُس وصف کو منسوب کرنا مثلاً محذورات کی تصاویر کو بے پردہ ظاہر کرانا فی صحیح البخاری غزوۃ الفتح عن ابن عباسؓ ان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم لما قدم ابی ان یدخل البیت وفیہ الآلہۃ فامر بہا فاخرجت فاخرج صورۃ ابراہیم واسمعیل فی ایدیہم من الازلام فقال النبی صلی اللہ علیہ وسلم قاتلہم اللہ لقد علموا ما استقسما بہا قط ثم دخل البیت الحدیث۔ اگرچہ وہ نقص یا عیب واقع میں بھی اُس میں ہو تب بھی اُس کی غیبت باتفاق حرام ہے اور اگر واقع کے خلاف ہو تو غیبت سے بڑھ کر وہ بہتان ہے عن ابی ہریرۃؓ قال قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اتدرون ما الغیبۃ قالوا اللہ ورسولہ اعلم قال ذکرک اخاک بمایکرہ فقال رجل ارأیت ان کان فی اخی ما اقول قال ان کان فیہ ما تقول فقد اغتبتہ وان لم یکن فیہ ما تقول فقد بہتہ۔ (جمع الفوائد عن ابی داؤد والترمذی) اور جس کی طرف کوئی نقص یا عیب منسوب کیا گیا ہے اگر علاوہ مسلمان ہونے کے اس میں اور کوئی وجہ بھی احترام کی ہو جیسے سلاطین اسلام میں ان کی اہانت اور زیادہ موجب انتقام خداوندی ہے ۔ لحدیث من اہان سلطان اللہ فی الارض اہانہ اللہ (ترمذی)۔ اور جس کی تنقیص یا اہانت مذموم ہے اُس کی طرف جو چیزیں خصوصیت کے ساتھ منسوب ہیں اُن کی اہانت کا بھی وہی حکم ہے جیسے ان کی بیبیاں وغیرہا چنانچہ کفار عرب حضرات صحابہؓ کی بیبیوں کے نام اپنے اشعار میں عشق بازی کے عنوان سے ذکر کرتے تھے اللہ تعالیٰ نے اس کو ایذا قبیح میں شمار فرمایا۔

فی الجلالین ولتسمعن من الذین اوتوا الکتاب من قبلکم الیہود والنصاریٰ ومن الذین اشرکوا من العرب اذی کثیرا من السب والتشبیب بنسائکم۔ اور زوجیت یا قرابت کی نسبت تو بڑی چیز ہے۔

استعمال کی نسبت بھی حرمت تنقیص کے لئے کافی ہے جیسے کسی کے استعمالی کپڑے میں عیب نکالنا۔
فی احیاء العلوم بیان معنی الغیبۃ ولما فی ثوبہ فقولک انہ واسع الکم طویل الذیل وسخ الثیاب
اور اگر وہ مشتہاۃ کی ہو تو نظر بد کی معصیت کا اس میں اور اضافہ ہو جاتا ہے اور تصویر تو صاحب تصویر کی پوری
حکایت ہے۔ اجنبیہ کے تو کپڑے کو بھی بدنفسی سے دیکھنا حرام ہے۔ فی رد المحتار باب الحظر والاباحۃ مفادہ
ان رؤیۃ الثوب بحیث یصف حجم العضو ممنوعۃ ولو کثیفا لا تری البشرۃ منہ وفیہ بحث النظر
الی الاجنبیۃ من المرأۃ او الامۃ بخلاف النظر لانہ انما منع منہ خشیۃ الفتنۃ والشہوۃ وذلک موجود ہہنا
وفیہ احکام ستر العورۃ ان النظر الی ملاءۃ الاجنبیۃ بشہوۃ حرام۔ بالخصوص اگر غیر مسلموں کو خواتین
مسلمات کی تصاویر کی طرف بدنفسی کے ساتھ نظر کرنے کا موقع دیا جائے کیونکہ بدنفسی سے نظر کرنا شریعت
میں ایک گونہ بدکاری ہے بنص الحدیث اور ایسی بدکاری کہ مرد غیر مسلم ہو اور عورت مسلم بلکہ ایسے موقع پر نکاح بھی
اس وجہ امر شدید ہے کہ اس کے احکام علماء مجتہدین کے لئے محل بحث ہو گئے ہیں اور جس کو مسلمان کے مرتد بنانے کی
اور اسلام اور قرآن میں طعن کرنے کی اور حربیوں سے سازش کرنے کی برابر قرار دیا گیا ہے۔ نمونہ کے طور پر اس کے متعلق
ایک روایت نقل کی جاتی ہے۔ فی الدر المختار فصل الجزیۃ قلت ومذہب الشافعیۃ ما فی المنہاج وشرحہ
لابن حجر ولو زنی بمسلمۃ او اصابہا بنکاح او دل اہل الحرب علی عورۃ المسلمین او فتن مسلما عن
دینہ او طعن فی الاسلام او القرآن الخ اور ان سب سے بڑھ کر شناعت میں وہ صورت ہے جس میں مقتدایان
دین کی اہانت ہو کہ درحقیقت وہ اہانت اسلام کی ہے جس کا تحمل کسی طرح طبعاً اور شرعاً ممکن نہیں۔
فی جمع الفوائد عن الکبیر عن ابی امامۃ رفعہ ثلثۃ لا یستخف بہم الا منافق ذو الشیبۃ فی الاسلام
وذو العلم وامام مقسط وفیہ عن الترمذی عن عبد اللہ بن مغفل مرفوعا اللہ اللہ فی اصحابی من
اذاہم فقد اذانی ومن اذانی فقد اذی اللہ ومن اذی اللہ فیوشک ان یاخذہ اور جب ایسی فلموں
کے قبائح معلوم ہو گئے تو مسلمانوں پر واجب ہے کہ بقدر اپنی قدرت کے گو وہ قدرت حکومت سے استعانت ہی
کے طور پر ہو ان کے انسداد میں کوشش کریں اور تماشا دیکھنے والوں کو ان قبائح پر مطلع کر کے شرکت سے روکیں
ورنہ اندیشہ ہے کہ سب عذاب خداوندی میں گرفتار رہیں۔ ابوداؤد۔ مرفوعاً ما من قوم یعمل فیہم بالمعاصی
ثم یقدرون علی ان یغیروا ثم لا یغیرون الا یوشک ان یعمہم بعقاب (مشکوۃ)
اور جب سا کنین کے لئے یہ وعید ہے تو ترغیب دینے والے کس درجہ کی وعید کے مستحق ہوں گے ردی

ابو داؤد عن النبی صلی اللہ علیہ وسلم قال اذا عملت الخطیئۃ فی الارض من شہدھا فکرھا کان کمن غاب عنہا ومن غاب فرضیہا کان کمن شہدھا (ای باشرھا وشارک اھلہا)۔

تمت الرسالۃ بحق ۱۸ شعبان ۱۳۴۲ھ

رسالہ تمہید الفرش فی تحدید العرش

فصل ششم درتحقیق مسلکین متعلق مسئلہ استوا مسمی بہ تمہید الفرش فی تحدید العرش

بعد الحمد والصلوٰۃ۔ احقر نے اپنی تفسیر بیان القرآن میں سورۂ اعراف آیۃ ان ربکم اللہ الذی خلق السمٰوات والارض فی ستۃ ایام ثم استوی علی العرش الخ میں ثم استوی علی العرش کی تفسیر اس عبارت سے لکھی۔ پھر عرش (یعنی تخت شاہی) پر قائم ہوا (یعنی زمین وآسمان میں احکام جاری کرنے لگا) اور اس عبارت پر ایک حاشیہ لکھا فسرتہ بجعلی ایاہ علی الکنایۃ عن التدبیر کما یؤیدہ قولہ تعالیٰ فی بعض الآیات بعد الاستواء یدبر الامر وانما حملتہ علیہا السہولۃ فہمہ للعوام والارجح حملہ علی الحقیقۃ وتفویض حقیقتہا الی اللہ تعالیٰ ولا یرد ان الملک لم یزل اللہ تعالیٰ فما معنی تاخرہ عن خلق العالم لانی اقول ان المراد التدبیر الخاص فی السمٰوات والارض وظاہر انہ یتأخر عن خلقہما ولا یلزم منہ حدوث الصفۃ بل حدوث الفعل ولا محذور فیہ فافہم۔ ایک مقام سے چند اعتراضات کے ضمن میں اس عبارت پر یکے بعد دیگرے چند بار مختلف عنوانات سے سوال آیا جس کا حاصل بحذف زوائد ومطاعن متعلقہ علماء وصوفیہ یہ تھا کہ اس تفسیر میں سلف کی مخالفت کی گئی اور ہر بار کے سوال کا نرم جواب جاتا تھا مگر آئندہ سوال میں بدون اس کے کہ اس جواب پر کچھ علمی شبہ کیا جائے مستقل طور پر سوال سابق ہی کا اعادہ کردیا جاتا تھا اور اس پر زور دیا جاتا تھا کہ طریق تاویل کو جو متاخرین اہل سنت کا مسلک ہے بالکل باطل وجہل کہا جاوے آخر میں یہ جواب دیا گیا جس کا حاصل یہ تھا کہ اب آپ کو جواب نہ دیا جاوے گا۔ آپ جو سوالات بھیجیں گے ان کو رکھ لیا جاوے گا اور خلو ذہن کے ساتھ مطالعہ کرکے جوابات قابل قبول ہوں گی اس کو بطور خود (ترجیح الراجح میں) شائع کردیا جاوے گا۔ اھ۔ اور حسب وعدہ ان سوالوں کو محفوظ رکھ لیا کہ اطمینان کے وقت ایسا ہی عمل کیا جاوے گا۔ سائل نے اپنا اخیر سوال مشتمل بر دو مقدح متجاوز عن الحدود اپنے یکم اپریل ۱۹۲۳ء کے اخبار میں شائع کردیا جس کا ضروری

یا غیر ضروری ہونا میرے اور ان کے درمیان مختلف فیہ ہے اور ساتھ ہی اپنے اخبار کی درج بھی لکھی جب تک میرے قلب پر اس کی ناگواری کا اثر رہا میں نے کچھ لکھنا مناسب نہ سمجھا کہ احتمال تھا شوب نفس کا اب بحمداللہ تعالیٰ اپنے قلب کو اس اثر سے خالی پاتا ہوں اس لئے خذ ما صفا ودع ما کدر کو پیش نظر رکھکر اس کا متعلق ضروری مضمون لکھتا ہوں اور وہ بھی برنگ مناظرہ نہیں کہ میں اس کو مفید نہیں سمجھتا بلکہ بطریق تحقیق مسئلہ اور ترجیح الراجح کا جزو بناتا ہوں اور چونکہ معظم مقصود وسائل کا بحث استوار کی تھی اسی مناسبت سے اس تحریر کا لقب **تمہید الفرش فی تحدید العرش** رکھتا ہوں۔ اللھم ارنا الحق حقا وارزقنا اتباعہ والباطل باطلا وارزقنا اجتنابہ۔ ربنا لا تزغ قلوبنا بعد اذ ھدیتنا وھب لنا من لدنک رحمۃ۔ انک انت الوھاب۔

تحقیق مقام کی یہ ہے کہ استوار اور اس کے امثال میں حضرات اہل حق اس پر متفق ہیں کہ ان کے ساتھ اتصاف حق تعالیٰ کا مثل اتصاف مخلوق کے نہیں ہے یہ مسئلہ عقل سے بھی ثابت ہے جو عقلاء کے نزدیک بدیہی ہے اور لیس کمثلہ شئ اس پر دلیل نقلی ہے دلیل عقلی پر بوجہ بداہت کے تنبیہ کی حاجت نہیں مگر بعض علماء میں بعض عارفین نے بلسان العرش ایک تقریر برنگ عجز وافتقار و ثنا وانکسار لکھی ہے جس کی روح عرش کا محدود ہونا اور رب العرش کا غیر محدود ہونا ہے اور اس بنا پر استوار کے معنی متعارف کے باب کا مسدود ہونا متفرع کیا ہے۔ تفریح اہل علم کے لئے اس کو نقل کرتا ہوں اور یہی تحدید عرش ماخذ ہے اس رسالہ کے نام کا اور وہ تقریر یہ ہے۔ وما اعرف ما قال بعض العارفین الذین کانوا من تیار[عہ] المعارف عارفین علی لسان حال العرش موجہا الخطاب الی النبی صلی اللہ علیہ وسلم لیلۃ المعراج حین اشرقت شمسہ علیہ الصلوۃ والسلام فی الملأ الاعلی فتضاء لکل نور وسراج کما نقلہ الامام القسطلانی معرضا اضلال اھل ھذا المذھب الثانی ولفظہ مع حذف ولما انتھی صلی اللہ علیہ وسلم الی العرش تمسک باذیالہ ونادا ہ بلسان حال۔ یا محمد انت فی صفاء وقتک + امنا من مقتک + الی ان قال یا محمد انت المرسل رحمۃ للعالمین ولا بد لی من نصیب من ھذہ الرحمۃ ونصیبی یا حبیبی ان تشھد بالبراءۃ مما نسبہ اھل الزور الی + وتقولہ اھل الغرور علی + زعموا انی اسع من لا مثل لہ + واحیط بمن لا کیفیۃ لہ + یا محمد من لا حد لذاتہ + ولا عد لصفاتہ + کیف یکون مفتقرا الی + ومحمولا علی +

عہ من تور، وھو انار یشرب فیہ کذا فی القاموس ۱۲ +

اذا کان الرحمٰن اسمہ * والاستواء صفۃ * وصفۃ متصلۃ بذاتہ کیف یتصل بی او ینفصل عنی یا محمد
وعزتہ لست بالقریب منہ وصلاً * ولا بالبعید عنہ فصلاً * ولا بالمطیق لہ حملاً * اوجد نی منہ رحمۃ و
فضلاً * ولو محقنی لکان حقا منہ وعدلاً * یا محمد انا محمول قدرتہ * ومعمول حکمتہ اھ۔

پھر نفی مماثلت کے بعد آگے اُن کے دو طریق ہیں ایک طریقہ سلف کا ہے کہ اس کو حقیقی معنی پر محمول فرماتے ہیں اور حقیقی معنی کی کنہ مفوض بعلم الٰہی کرتے ہیں اور اُس کی کوئی کیفیت متعین نہیں کرتے اور دوسرا طریقہ خلف کا ہے کہ اُس میں مناسب تاویل کر لیتے ہیں تاکہ گمراہ فرقے مشبہہ و مجسمہ ان کو غلطی میں واقع نہ کر سکیں اس طرح سے کہ دیکھو اللہ تعالیٰ عرش پر مستقر ہیں اور استقرار کے معنی ظاہر ہیں کہ جمنے اور بیٹھنے کے ہیں تو معلوم ہوا کہ اللہ تعالیٰ عرش پر بیٹھا ہے جیسے ہم تخت پر بیٹھے ہیں تو وہ بھی ہماری طرح جسمانی چیز ہے۔ نعوذ باللہ اس شبہ کا جواب اگرچہ سلف کے طریق پر یہ ہے کہ استقرار تو ثابت ہے مگر یہ ضرور نہیں کہ ہمارے استقرار کی طرح ہو جس سے جسم ہونا لازم آوے بلکہ اُسکی اور ہے جو ہم کو معلوم نہیں اور یہ جواب صحیح بھی ہے لیکن عوام کو یہ سمجھانا مشکل ہے کہ استقرار تو ہے مگر ہماری طرح کا نہیں۔

اسی طرح سے وہ یہ شبہ ڈال سکتے ہیں کہ دیکھو قرآن مجید میں اللہ تعالیٰ کا ید یعنی ہاتھ۔ اور حدیث میں وضع قدم یعنی پاؤں رکھنا وارد ہے اور ظاہر ہے کہ ہاتھ اور پاؤں اعضاء جسمانیہ ہیں تو معلوم ہوا کہ اللہ تعالیٰ کے اعضاء جسمانیہ ہیں اُس کا صحیح جواب بھی سلف کے طریقہ پر یہ ہے کہ ید اور قدم تو ہیں مگر ہماری طرح کے نہیں مگر اس کا سمجھنا بھی عوام کو مشکل ہے اُن کا ذہن تو ان مفہومات سے تجسیم اور تشبیہ ہی کی طرف جاتا ہے اور اس عقیدۂ تجسیم و تشبیہ سے بچانا واجب تھا اس لئے علماء خلف نے اُس کی یہ تدبیر کی کہ ایسی حقائق کی ایسے طریق سے تاویل کر دی کہ نہ قرآن و حدیث متروک ہو اور نہ عقیدۂ تجسیم و تشبیہ میں مبتلا ہوں مثلاً استواء علی العرش کو کنایہ تنفیذ احکام سے کہدیا اور ید کے معنی قدرت کے کہدیئے۔ وضع قدم کے معنی مقہور کر دینے کے کہدیئے اور یہ ضرورت حضرات سلف کو اس لئے پیش نہیں آئی کہ اُن کے خواص تو حدیث مذکور فی خاتمۃ الرسالہ تفکروا فی آلاء اللہ ولا تفکروا فی اللہ پر عمل رکھتے تھے اور ان چیزوں میں خوض نہ کرتے تھے اور اگر کوئی وسوسہ بھی آتا تھا تو اُس کو دفع کر دیتے تھے اور عوام اس لئے محفوظ تھے کہ اُس زمانہ میں یہ مبتدعین مضلین نہ تھے اس لئے ایسے شبہات اُن کے کانوں میں نہ پڑتے تھے اُن کا ذہن خالی رہتا تھا اور ایسے مفہومات پر اجمالاً عقیدہ رکھتے تھے تفتیش کی تشویش میں نہ پڑتے تھے اور اگر کوئی شاذ و نادر اس قسم کا کلام کرتا تھا تو خلافت راشدہ اُس کا انسداد کرتی تھی تو فساد متعدی نہ ہونے پاتا تھا جیسے حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے ایک شخص ضبیع نام کو جو مدینہ میں آکر متشابہات میں گفتگو کرتا تھا سخت سزا دی تھی اور جب وہ واپس اپنے وطن گیا تو حضرت ابو موسیٰ

اشعری رضہ کو حکم بھیجا کہ کوئی مسلمان اُس کے پاس بیٹھنے نہ پاوے (کذا فی روح المعانی سورۃ آل عمران عن سلیمان بن یسار) غرض عوام اُس وقت اس طرح محفوظ رہتے تھے جیسا کہ اس وقت کے عوام محض جن کو اہل بدعت کے اقوال کی اطلاع نہیں اور نہ اپنے کو ذی رائے سمجھتے ہیں اور بڑی بات یہ ہے کہ ایسے امور میں خوض نہیں کرتے اب بھی اُسی سنت پر موجود ہیں اور ایسی تاویلات کی اُن کو بھی حاجت نہیں نہ ان کو اس طرف متوجہ کرنا چاہیئے جیسے محققین علماء کو جو کہ اس فن پر قادر ہیں نیز حاجت نہیں۔ اب ایک فریق متوسط رہ گیا جو نہ محقق ہیں گو عربی داں ہوں اور نہ عامی محض ہیں کتب بینی کر سکتے ہیں اور کچھ رائے بھی رکھتے ہیں اور خوض کے بھی عادی ہیں اُن کو کچھ مختلف کتابوں سے کچھ رائے سے خوض کے سبب ایسے شبہات پیدا ہوتے ہیں ان کے لئے ایسی تاویلات ذریعہ ہے ان کے دین کی حفاظت کا بس ایسے لوگوں کے لئے علماء متاخرین نے طریقہ تاویلات کا اختیار کیا ہے اور تعلیم میں مخاطبین کے تحمل عقل کی رعایت خود شریعت میں مطلوب ہے کما روی البخاری عن علی رضہ قال حدثوا الناس بما یعرفون اتحبون ان یکذب اللہ ورسولہ وروی مسلم عن ابن مسعودؓ انہ قال ما انت بمحدث قوما حدیثا لا تبلغہ عقولهم الا کان لبعضہم فتنۃ۔ (تیسیر ص۲۳) جس میں نفس مقاصد تو داخل نہیں کیونکہ اُن کی تبلیغ تو فرض ہے بعض کی مفصلاً بعض کی مجملاً لیکن اُن مقاصد کے خاص عنوانات میں غور کرنے کی ضرور ضرورت ہوگی یہی باعث ہو گیا اختلاف مسلکین کا اور ان دونوں طریقوں کا اہل حق و اہل سنت کا مسلک ہونا عبارات ذیل سے ظاہر ہے فی المظہری تحت آیۃ ہل ینظرون الا ان یاتیہم اللہ فی ظلل من الغمام اجمع اہل السنۃ من السلف والخلف علی ان اللہ منزہ عن صفات الاجسام وسمات الحدوث فلہم فی ہذہ الآیۃ سبیلان الخ جس کا حاصل یہ ہے کہ علماء اہل سنت نے سلف سے خلف تک اس پر اتفاق کیا ہے کہ اللہ سبحانہ صفات اجسام و علامات حدوث سے منزہ ہے تو اس آیت میں (جس سے بعض صفات جسمیہ کا توہم ہوتا ہے) اُنھوں نے (یعنی اہل سنت نے) دو طریقے اختیار کئے ہیں۔ اول یہ کہ اس میں بحث نہ کی جائے اور کہا جاوے کہ اس کا علم اللہ تعالیٰ ہی کو ہے اور اس پر ایمان لایا جاوے یہ طریقہ تو سلف کا ہے۔ کلبی فرماتے ہیں کہ یہ امر مکتوم میں سے ہے جو قابل تفسیر نہیں۔ مکحول، زہری، اوزاعی، مالک، ابن مبارک، سفیان ثوری، لیث، اسحٰق رحمہم اللہ تعالیٰ ایسی آیتوں کے بارہ

لہ اور صوفیہ کا جو مراقبہ ذات کا شغل ہے وہ توجہ ہے جو تفکر سے عام ہے۔ تفکر تصور مع الحرکت ہے جس میں تصورات خاصہ میں ترتیب دینا ہوتا ہے ایصال الی الکنہ کے لئے جو ممتنع الادراک ہے اور توجہ مطلق تصور اجمالی پر بھی صادق ہے اور وہ دعا د ذکر کے لوازم سے ہے اس لئے وہ منہی عنہ نہیں ۱۲ +

میں فرمایا کرتے تھے کہ انھیں ایسے ہی رہنے دو جیسے وارد ہوئی ہیں۔ دوسرا طریقہ یہ ہے کہ مناسب طریقے سے ایسی آیات کی تاویل کی جاوے۔

فی حاشیۃ الجمل سورۃ الاعراف تحت قولہ تعالیٰ ان ربکم اللہ الی قولہ ثم استوی علی العرش۔ استواء یلیق به هذه طریقة السلف الذین یفوضون علم المتشابه الی اللہ بعد صرفه عن ظاهره وطریقة الخلف التاویل بتعیین محمل اللفظ الخ فی النبراس شرح شرح العقائد النسفیة واحتج المخالف وهو المجسم والمشبه بالنصوص الظاهرة فی الجهة کقوله تعالیٰ الیه یصعد الکلم الطیب وقوله تعالیٰ الرحمن علی العرش استوی وقوله علیه الصلوة والسلام لامرأة این اللہ قالت فی السماء قال هی مومنة کما فی صحیح مسلم وبان کل موجودین فرضا لابد ان یکون احدهما متصلا بالآخر مماساله او منفصلا عنه مباینا له فی الجهة الی قوله والجواب ان ذلک ای القول بان کل موجودین الخ وهم محض وحکم علی غیر المحسوس والادلة القطعیة ای البراهین العقلیة قائمة علی التنزیهات لان وجوب الوجود یقتضی التنزیه قطعا وهذا کلام مشترک فی الجواب عن دلیلهم المعقول والمنقول اما عن الاول فلما تقرر ان الحکم الوهم علی خلاف العقل باطل واما عن الثانی فلقوله فیجب ان یفوض علم النصوص الی اللہ تعالیٰ ذهبت الاشاعرة الی ان النص المخالف للدلیل العقلی مصروف عن الظاهر لان صحة النص انما تعرف بالاستدلال العقلی هو ان کلام صاحب المعجزة المصدوق من عند اللہ تعالیٰ فالعقل هو اصل النقل فلا یدفع الاصل بالفرع ای لا یبطل الاصل بالفرع اذ فی ابطال الاصل ابطال الفرع علی ما هو دأب السلف ایثارا للطریق الاسلم او یأول بتاویلات صحیحة ای مطابقة بقواعد الشرع والعربیة غیر مخلة ببلاغة القرآن وشرط بعض الائمة ان لا یقطع بمراد الحق سبحانه علی ما اختار المتأخرون دفعا لمطاعن الجاهلین وجذبا بالضبع العاجزین وسلوکا للسبیل الاحکم الی قوله وعلماء السنة بعد اجماعهم علی ان معانیها الظاهرة غیر مرادة ذهبوا مذهبین احدهما مذهب السلف وهو الایمان بما اراد اللہ تعالیٰ وتفویض علمها الیه تعالیٰ مع التنزیه عن التجسیم والتشبیه وثانیهما مذهب الخلف تفسیرها بما یلیق به تعالیٰ لاشتهار المذاهب الفاسدة فی زمانهم وتضلیل المشبهة عوام المسلمین ففعلوا ذلک حفظا للدین فی حاشیة النبراس عن شرح الفقه الاکبر للقاری نحو ما قال الامام مالک حین سئل

عن ذلک فقال الاستواء معلوم والکیف مجہول والسوال عنہ بدعۃ والایمان بہ واجب۔

اس تحقیق سے معلوم ہوگیا ہوگا کہ دونوں طریق علماء اہل سنت واہل حق کے ہیں ان میں سے کسی کی تجہیل یا تضلیل جائز نہیں گو ترجیح فی نفسہ مسلک سلف کو ہے اور عارض کے سبب مسلک خلف پر بھی عمل کیا جاسکتا ہے والاعمال بالنیات لیکن ہر جماعت میں عادۃً ہر طرح کے لوگ ہوتے ہیں چنانچہ اس مسئلہ کے متعلق بھی اس زمانہ میں دونوں جماعتوں میں اہل افراط و تفریط پائے جاتے ہیں اور ایک دوسرے پر طعن کرتے ہیں۔ میں نمونہ کے طور پر دونوں کے اقوال طعن کو مع جواب دافع طعن کے نقل کرتا ہوں اور سہولت تعبیر کے لئے ایک جماعت کا لقب سلفیہ اور دوسری کا خلفیہ رکھتا ہوں جو سلف یا خلف کی طرف اپنی غلط نسبت کرتے ہیں اور غلط اس لئے ہے کہ ان کے محققین ایک دوسرے پر طعن نہیں فرماتے یہ لقب بھی ان کے زعم کے اعتبار سے تجویز کیا گیا۔ پس خلفیہ کی طرف سے سلفیہ پر یہ اجمالی طعن ہے کہ ان کو مشبہہ و مجسمہ کہتے ہیں جس کا ذکر حضرت شاہ ولی اللہ صاحبؒ نے حجۃ اللہ البالغہ باب الایمان بصفات اللہ تعالیٰ میں کیا ہے۔ واستطال ھؤلاء الخائضون علی معشر اھل الحدیث وسموھم مجسمۃ ومشبھۃ الخ۔ اور تفصیلی طعن یہ ہے جو اسی طعن کی تفصیل ہے کہ ان مفہومات کے حقائق کے لئے استوا میں تجسم وتحیز اور ید و قدم میں ترکیب وتحدید اور نزول وغیرہ میں حرکت لازم عقلی ہیں اور لازم کا انفکاک ملزوم سے محال عقلی ہے پس اعتقاد ملزوم کا امر اور اعتقاد لازم سے نہی تکلیف بالمحال ہے جو عقلاً ونقلاً باطل ہے۔ اما الاول فظاھر واما الثانی فلقولہ تعالیٰ لایکلف اللہ نفسا الا وسعھا۔ اس کا جواب یہ ہے کہ حقیقت کے دو درجے ہیں ایک ظاہر معلوم الکنہ ایک باطن مجہول الکنہ پس جن امور کو ان حقائق کے لئے لازم کہا ہے وہ درجہ ظاہر کے لئے لازم ہیں درجہ باطن کے لئے لازم نہیں۔

حاصل یہ ہے کہ ہم ان مفہومات کو حقائق پر محمول کرتے ہیں ظواہر پر محمول نہیں کرتے اور حقائق اور ظواہر میں فرق کرنا بڑے محقق کا کام ہے اسی کا ذکر ہے میرے فتوے مرقومہ یکم صفر ۱۳۵۰ھ میں عنقریب آتا ہے اسی فرق کو ان عبارات میں بیان کیا گیا ہے۔ حاشیہ جمل کی عبارت بالا میں یہ جزو ہے ھذہ طریقۃ السلف الذین یفوضون علم المتشابہ الی اللہ تعالیٰ بعد صرفہ عن ظاھرہ الخ دیکھئے ظاہر کے متروک ہونے کی تصریح ہے۔ نبراس کی عبارت بالا میں یہ جزو ہے وعلماء السنۃ بعد اجماعھم علی ان معانیھا الظاھرۃ غیر مرادۃ الخ یہ جواب اس عبارت میں مذکور ہے فی روح المعانی سورۃ آل عمران نعم

ذهبت شرذمة قليلة من السلف الى ابقاء نحو المذكورات على ظواهرها الا انهم ينفون لوازمها المنقدحة للذهن الموجبة لنسبة النقص اليه عزشانه ويقولون انما هي لوازم لا يصح انفكاكها عن ملزوماتها في صفات الحادثة واما في صفات من ليس كمثله شئ فليست بلوازم في الحقيقة فيكون القول بانفكاكها مغلطة الخ اور اس عبارت میں ظواہر سے مراد معنی حقیقی ہے۔ قرینہ اس کا یہی تقسیم مذکور ہے دو درجہ کی طرف کیونکہ دوسرا درجہ تو ظاہر نہیں ہے اس کو ظاہر باعتبار تبادر کے بمقابلہ معنی مجازی کے کہہ دیا گیا اور کتب کلامیہ میں جو عبارت مذکور ہے کہ النصوص تحمل علی ظواهرها وہ ظواہر بمقابلہ تاویلات اہل باطل کے ہے پس اہل حق کی تاویل جو ادلہ شرعیہ کے اقتضاء سے ہو وہ بھی ظواہر میں داخل ہے اور سلفیہ کی طرف سے خلفیہ پر اجمالی طعن یہ ہے کہ وہ ان کو جہمیہ اور معتزلہ کہتے ہیں اور اس کی تفصیل یہ ہے کہ تاویل سے ان کو گمان ہو گیا کہ یہ حقائق کی جو کہ صفات ہیں نفی ہے۔ ۔۔۔ یہ جو مذہب ہے معتزلہ اور جہمیہ کا چنانچہ ہمارے سائل صاحب بھی اسی میں مبتلا ہیں جواب اس کا یہ ہے۔ ۔۔۔ اجتنبوا كثيرا من الظن ان بعض الظن اثم اور جب وہ صفات کی مستقل بحث بمقابلہ معتزلہ و جہمیہ و فلاسفہ کے اپنی کتابوں میں ذکر کرتے ہیں تو ان پر یہ گمان کیسے ہو سکتا ہے اور تاویل کرنا بنا بر نفی ان حقائق کے نہیں ہے بلکہ تائید و صیانۃ عوام کے لئے ہے اور اس کے ساتھ ہی مذہب سلف کی ترجیح کی تصریح کرتے ہیں بخلاف نفاۃ ۔۔۔ کے کہ وہ حقائق ہی کی نفی کرتے ہیں فاین هذا من ذاک۔ میں نے یکم صفر ۱۳۵۰ھ کے ایک تحریر میں اسی کو اس طرح لکھا ہے۔

الجواب۔ اصل مذہب سلف کا وہی ہے جو عمرو کہتا ہے کہ قدرت علیحدہ صفت ہے اور ید دوسری صفت مستقل ہے ید سے قدرت مراد لینا ایک صفت کا ابطال لازم آتا ہے لیکن اجراء علی الحقیقۃ کے ساتھ تنزیہ کا محفوظ رکھنا اور اجراء علی الحقیقۃ کو اجراء علی الظاہر کا مؤثر سمجھنا عقول عامہ سے ارفع تھا اس لئے متاخرین نے تاویل مناسب کی اجازت دیدی لیکن حقیقی معنی کی نفی نہیں کی اور یہی فرق ہے ان ماولین اور اہل بدعت کے درمیان اھ۔ اور یہ حضرات صفات کی نفی کیوں کرتے جن کا قدم ثابت ہے استواء اگر فعل بھی ہو گا جیسا بعض قائل ہوئے ہیں وہ اس کی بھی نفی کرتے حالانکہ افعال حادث ہوتے ہیں مگر چونکہ نص کا مدلول ہے اس لئے اس کی نفی جائز نہیں۔ فی روح المعانی ونقل البيهقي عن ابي الحسن الاشعری ان الله تعالى فعل في العرش فعلا سماه استواء كما فعل في غيره فعلا سماه رزقا او نعمة وغيرها من افعاله سبحانه لان ثم للتراخي وهو انما يكون في الافعال اور جو صفات میں سے کہتے ہیں وہ اس

وبیل کالان فی الذاتی وہ جواب دیتے ہیں جو روح المعانی سورۂ اعراف میں منقول ہے وحکی الاستاذ ابو بکر ابن فورک عن بعضهم ... الاستواء بذاتہ العلو بالمسافة والتحیز ... کون فی المکان متمکنا فیہ ولکن یلزمعنی یصح نسبتہ الیہ سبحانہ وھو من ... صفات الذات فکلما ثبوتھم ... المستوی علیہ لا بالاستواء اولانہا لتفاوت ساق الرتبۃ وھو قول متین۔ اور یہ افراط و تفریط ایک دوسرے پر طعن کے متعلق تھی ایک افراط و تفریط خود اپنے مذہب کے متعلق بھی بعض کے کلام میں پائی جاتی ہے چنانچہ خلف میں سے باوجود انتساب الی اہل السنۃ بعض نے معنی حقیقی کو مستحیل کہدیا۔ کما ھو ظاھر عبارۃ التلویح فی تعریف الکنایۃ واما عند علماء البیان فلان الکنایۃ لفظ قصد بمعناہ معنی ثانی ملزوم لہ ای لفظ استعمل فی معناہ الموضوع لہ لکن لا یتعلق بہ الاثبات والنفی ولا یرجع الیہ الصدق والکذب بل لینتقل منہ الی ملزومہ فیکون مناط الاثبات والنفی ومرجع الصدق والکذب کما یقال فلان طویل النجاد قصدا بطول النجاد الی طول القامۃ فیصح الکلام وان لم یکن لہ نجاد قط بل وان استحال المعنی الحقیقی کما فی قولہ تعالی والسموات مطویات بیمینہ وقولہ تعالی الرحمن علی العرش استوی وامثال ذلک فانھا کلھا کنایات عند المحققین من غیر لزوم کذب لان استعمال اللفظ فی معناہ الحقیقی وطلب دلالتہ علیہ انما ھو بقصد الانتقال عنہ الی ملزومہ گو یہ تاویل ہوسکتی ہے کہ معنی حقیقی سے معنی ظاہر متبادر مراد ہیں جیسا اوپر ایک مقام پر ظاہر سے مراد حقیقی لے لیا گیا تھا یہاں حقیقی سے مراد ظاہر لیلیا جاویگا۔ اور بعض سلفیہ میں سے باوجود انتساب الی اہل السنۃ بعضے خواص لازمہ جسمیت کے مع نفی جسمیت و مادیت کے قائل ہوگئے چنانچہ یہی بزرگ سائل اپنے رسالہ اسبوعیہ میں عبارت ذیل تحریر کرتے ہیں حالانکہ ملائکہ بھی آتے جاتے ہیں پس جب ان کا مجسم ہونا لازم نہیں آتا تو اللہ تعالیٰ کے آنے جانے اور حرکت کرنے سے اس کا مجسم اور مادی ہونا کیونکر ثابت ہوسکتا ہے ہم اس بات کو مانتے ہیں کہ حرکت کی تعریف خروج من القوۃ الی الفعل علی سبیل التدریج جو فلاسفہ نے کی ہے صحیح ہے مگر یہ حرکت ممکنات کی تعریف ہے اور حرکت واجب الوجود علیہ الفعل اور مبدأ الفیاض کی یہ تعریف نہیں ہے کیونکہ اس ذات مقدس میں کوئی حالت منتظرہ اور بالقوہ نہیں ہے سب بالفعل موجود ہے لہٰذا وہاں حرکت سے مجسم ہونا ثابت نہیں ہوتا اھ۔

اس کے قبل یہ صاحب رسالہ حدیث نزول الی السماء بعد نصف اللیل اور حدیث اين اللہ کے متعلق لکھ چکے ہیں کہ صبح کے قریب عرش پر چلا جاتا ہے اور آین کا موضوع لہ مکان ہونا بھی لکھ چکے ہیں تو ظاہر ہے کہ وہ اس حرکت

انہیں مانتے ہیں اور جب بعد نصف لیل نزول مکانی ہوا تو صبح کا عروج مکانی ہوا تو سب حالت بالفعل کہاں ہوئی پھر جب ایسی حرکت مدعیات میں ہوتی ہے تو اوپر اس کی نفی کرنا صریح تناقض ہے پھر دعویٰ ہے کہ ہم بے کیف ان امور کے قائل ہیں کیا یہ کیف نہیں ہے۔ اسی کو روح المعانی سورۂ اعراف میں بیان کیا ہے۔ نصّہ

ان ھذا القول (ای بقاء الاستواء علی حقیقتہ) ان کان مع نفی اللوازم فالامر فیہ ھین وان کان مع القول بھا والعیاذ باللہ تعالیٰ فھو ضلال وای ضلال وجہل وای جہل بالملک المتعال + بلکہ جن تاویلات کو یہ بزرگ باطل محض کہتے ہیں ان میں تنزیہ تو محفوظ اور اس قول میں تو تنزیہ بھی سالم نہ رہی پھر یہ کہ حضرات سلف نے جو ان امور کو ظاہر پر رکھا ہے تو اتباع نصوص کے سبب اور حرکت کا لفظ یا اس کا مرادف نصوص میں کہاں وارد ہے جو یہ بزرگ اس کے قائل ہو گئے پھر اگر این کی دلالت مکان پر محکم ہے تو حدیث این کان ربنا قبل ان یخلق الخلق قال فی عماء علہ میں عماء کو مکان کہنا پڑے گا پھر اس کو قدیم کہو تو غیر حق کا قدم لازم آویگا اور اگر حادث مخلوق کہو تو سوال ہے قبل خلق کے متعلق پھر اس کے مکان ہونے کی کیا صورت ہے تو لامحالہ کہنا پڑے گا کہ این دلالت علی المکان میں محکم نہیں تو این اللہ میں اس کا دعویٰ کیسے صحیح ہوگا اور تفسیر مظہری میں انی قریب کے تحت میں عبد الرزاق سے صحابہ کے سوال ہیں کہ این ربنا اس آیت کا نزول نقل کیا ہے کیا یہاں بھی جواب میں بقرینہ سوال قرب مکانی مراد ہوگا اور پھر یہ معترض صاحب جس عروج ونزول کے قائل ہوئے ہیں اس میں لازم آتا ہے کہ دن کو تو استواء علی العرش ہو اور شب کو استواء علی العرش نہ ہو کیا تغیر نہیں پھر شب کہیں نہ کہیں تو ہر وقت ہی رہتی ہے تو چاہیے کہ کسی وقت استواء علی العرش نہ ہو اور دن بھی ہر وقت ہی کہیں نہ کہیں رہتا ہے تو چاہیے نزول الی السماء کسی وقت بھی نہ ہو کیا ان سب محذورات کا التزام کریں گے اور

علہ تمام الحدیث ماتحتہ ہواء وما فوقہ ہواء ولعل اقرب محامل انہ لعماء ہو الاستعداد القریب بوجود الخلق والہواء الامکان الذاتی بلا قرینۃ والتحتیۃ مجاز عن الاحاطۃ والخلق اعلاء الوجود الخارجی العرفی والقبلیۃ متصلۃ بہذا الوجود العرفی فان العادۃ فی مثل ہذا السوال السوال عن مثل ہذہ القبلیۃ یعنی کان الحق تعالیٰ متجلیا لمرتبۃ الاستعداد للوجود المحاط بالامکان وباعتبار ذلک التجلی خرج الخلق من القوۃ الی الفعل وہذا الاستعداد مخلوق ایضا لکن لا بالمعنی العرفی المفہوم لاہل اللسان بل فی مرتبۃ التقرر الاصطلاحی شبہ الاستعداد بالسحاب والامکان بالہواء لکون الاستعداد وجود او جود ضعیف کالسحاب لامکان امرا عدمیا کالہواء المعدوم عند حس البصر وان کان الہواء بمعنی الجو والخلاء کان تشبیہا للعدم العدمی بہ لظہور تقیید السوال بما قبل الاستعداد لکون ہذا السوال متعلقا بہا استعداد آخر بعد الخلق والاستعداد الہدایۃ ذکر حقی شرح حدیث ان اللہ تعالیٰ خلق خلقہ فی ظلمۃ من رسالۃ التشرف ۱۲ +

قائلین بالحقیقۃ بلاکیف پر یہ محذورات لازم نہیں آتے اس لئے کہ وہ اس نزول و استواء کو مجتمع مان سکتے ہیں اور اشکالات کا جواب بلا کیف سے دے سکتے ہیں اسی طرح مسلک تاویل پر بھی یہ محذورات لازم نہیں آتے کیونکہ وہ تاویل سے تطبیق دے سکتے ہیں چنانچہ وہ کہتے ہیں کہ تجلی محیط بالکل کے تعلقات کو خاص خاص خصوصیات اور خاص خاص فوائد کی وجہ سے خاص خاص محال کیساتھ ذکر فرما دیا گیا مثلاً جاریہ سے این اللہ کا سوال اس فائدہ کے لئے تھا کہ آلہہ ارضیہ مزعومہ مشرکین عرب کی نفی کے اعتقاد کا امتحان تھا اور نزول الی السماء الدنیا کے ذکر سے مقصود بواسطہ استحضار تجلی خاص کے ترغیب دینا ہے اس وقت صلوٰۃ و توجہ الی اللہ کی اور استواء علی العرش کے ذکر سے مقصود استحضار ہے تفرد بالوجود الخاص الکامل کا کیونکہ تحت العرش و حول العرش تو اور کائنات کا بھی برائے نام وجود ہے اور فوق العرش برائے نام بھی کسی کا وجود نہیں اور مجردات کا وجود بوجہ متکلم فیہ ہونے کے اس استحضار میں قادح نہیں اور جن کا مشاہدہ اس متکلم فیہ ہونیکا رافع ہے وہ اُس نور سے جو بشانِ احاطہ فوق کے ساتھ متصف ہے جو مسلم کی حدیث میں وارد ہے۔ حجابہ النور لو کشفہ لاحرقت سبحات وجہہ ما انتہی الیہ بصرہ من خلقہ اُن مجردات کا محاط ہونا بھی مشاہدہ کرتے ہیں بس وہ بھی بشانِ مذکور فوق نہ ہوئے اور تفرد حق بالوجود فوق العرش سالم رہا اور حق تعالیٰ کے لئے فوق العرش کا عنوان حدیث مشکوٰۃ بدء الخلق میں بھی وارد ہے پس یہ تخصیص ایسی ہے جیسے لمن الملک الیوم للہ الواحد القہار ہر الیوم کی تخصیص یعنی گو اُس یوم کے قبل بھی سلطنت کسی کی نہیں مگر برائے نام تو ہے اُس روز برائے نام بھی کسی کی نہ ہوگی۔ یہ تو فوائد ہیں محال مخصوصہ کے ذکر کے باقی خصوصیات تجلیات کی تعیین سو نہ تو اُن کا ادراک تام ہو سکتا ہے اور نہ ادراک ناقص کا بیان ہو سکتا ہے اور جو کچھ ناتمام بیان صوفیہ کے کلام میں پایا جاتا ہے وہ بوجہ دلالت کے ناکافی ہونے کے نہ قابلِ اعتماد ہو سکتا ہے اور نہ مدار اعتقاد ہو سکتا ہے فعلیک بالفہم السلیم و ایاک والوہم السقیم پھر اس سے قبل کے ایک خط میں جس کا جواب یہاں سے ۱۲ ربیع الاول ۱۳۴۹ھ میں گیا ہے ان بزرگ نے احادیث علو جہت کا حکم کیا ہے جو کسی نص میں بعینہ یا بالمراد نہیں صرف علو و نزول کے لوازم سے ہے مگر لزوم فی الممکن سے لزوم فی الواجب لازم نہیں پس یہ بھی صریح قابل ہونا ہے کیف کا پھر ملائکہ کو غیر مجسم مان لیا جو بالکل غلط ہے اور اگر فرض بھی کر لیا جاوے تب بھی مخلوق تو ہیں اُن کی سی حرکت ماننا کب جائز ہے مگر ہم ان سب اغلاط کو قصور نظر علمی و فکری پر محمول کرتے ہیں۔ عفا اللہ تعالیٰ عنا و عنہم۔ اور یہ بزرگ اپنے اقرار سے ابن القیمؒ کے جامد مقلد ہیں اور وہ خود متشدد ہیں اور علماء پر طعن کرتے ہیں اُن کو باک نہیں پھر کچھ انھوں نے اُن کے متن

پر حاشیہ چڑھا دیا اس سے یہ اغلاط پیدا ہو گئے۔ ابن القیم کے تشدد پر محققین نے خود نکیر کیا ہے چنانچہ روح المعانی
سورۂ اعراف میں کہا ہے بالغ ابن القیم فی ردھم (ای الاشعریۃ) ثم قال ان لام الاشعریۃ کون الیہودیۃ
وھو لیس من الدین القیم عندی الی قولہ وانت تعلم ان المشہور من مذھب السلف فی مثل ذلک
تفویض المراد منہ الی اللہ تعالیٰ فھم یقولون استوی علی العرش علی الوجہ الذی عناہ سبحانہ منزھا
عن الاستقرار والتمکن اھ۔ اور اس عبارت میں جو استقرار کی نفی کی ہے مراد معنی متعارف متبادر ہیں ورنہ استقرار
بالمعنی المراد للہ تعالیٰ ثابت ہے جس کی تصریح مفسرین کے کلام میں ہے یہاں تک حضرات اہل سنت و جماعت
کے دونوں قول مع رد افراط و تفریط کے منقح ہو گئے پس احقر نے اپنی تفسیر میں دونوں قولوں کی رعایت اس
طرح کی کہ خلف کے مذہب کو متن میں لکھ دیا کیونکہ اکثر تفسیر کے دیکھنے والے بوجہ اس کے اردو میں ہونے کے
ایسے ہی لوگ ہوں گے کہ نہ عامی محض جن میں سذاجت ہوتی ہے اور نہ خواص محض جو کافی علوم رکھتے ہیں تو
اُن کے مناسب طریقہ تاویل کا سمجھا گیا جیسا اوپر مفصل بیان کیا گیا ہے جس جگہ تاویل کی مصلحت ذکر کی گئی
ہے اور حاشیہ چونکہ عربی میں ہے جس کو خواص اہل علم دیکھتے ہیں اُس میں مذہب سلف کی ترجیح کی تصریح کر دی
اس میں مناظرانہ درشت مضامین کلام کی کیا ضرورت تھی اور وہ بھی اہل حق کے ایک مسلک کے ابطال کے ساتھ اگر
تہذیب خیر خواہی کے لہجہ میں مشورہ دیا جاتا کہ گو متاخرین کا مذہب اور اُس پر جو تفسیر مبنی ہے وہ بھی تلقی
بالقبول لاہل حق ہے (یعنی مسلک تاویل کو بھی جہل و ضلال نہ کہیے) لیکن چونکہ راجح سلف کا مذہب ہے جیسا
حاشیہ میں تسلیم بھی کر لیا ہے اس لئے اگر متن میں وہی رہے تو اولیٰ ہے تو اُن کو اس میں اجر زیادہ ملتا اور مجھکو بھی
گرانی نہ ہوتی مگر بحمد اللہ تعالیٰ میری گرانی جو طبعی تھی بہت جلد رفع ہو گئی اور میں نے اس مناظرہ منکرہ سے وہی
اثر جو مشاورہ معروفہ سے لیتا اور متن اور حاشیہ کی ترتیب بدل دی یعنی سلف کا قول متن میں رکھ دیا اور
خلف کا حاشیہ میں اور جس مصلحت سہولت کے لئے میں نے ایسا کیا تھا اللہ تعالیٰ سے دعا کی کہ کوئی عنوان
ایسا قلب میں القا فرمائے کہ اُس سے تذبذب ہی پیدا نہ ہو سو بحمد اللہ تعالیٰ اس میں کامیاب ہوا چنانچہ ناظرین
خاتمہ رسالہ کے قبل اُس موقع کو ملاحظہ فرماویں گے اور چونکہ استواء علی العرش کا مضمون سات سورتوں میں آیا ہے
سورۂ اعراف، سورۂ یونس، رعد، طٰہٰ، فرقان، سجدہ، حدید سب جگہ ترمیم کر دی اس کے بعد اگر کہیں تفسیر کی جدید
طبع کا انتظام ہو تو وہ اس ترمیم کے موافق درست کر دیں اور چونکہ اس طرف توجہ معترض صاحب ہی کی بدولت
ہوئی اس لئے اپنے ساتھ اُن کے لئے بھی ہر خیر کی دعا کرتا ہوں اور اس خیر کی خصوصیت کے ساتھ کرتا ہوں کہ اللہ تعالیٰ

نیت اور لہجہ اور رائے سب کی رسی عطا فرماتے۔ یہاں تک اصل مقصود کا بفضلہ تعالیٰ بقدر ضرورت بیان ہو چکا اب بعضے فوائد متفرقہ متعلقہ بالمسئلہ بعنوان سوال وجواب کے ذکر کرتا ہوں۔

(سوال) ایسی نصوص کو حقیقت پر رکھکر بلاکیف ماننا جمہور سلف کا مسلک تھا خواہ بالاتفاق جیسا مشہور ہے خواہ بالاکثریت جیسا روح المعانی اوائل سورۂ یونس میں دونوں مسلک نقل کرکے کہا ہے وما نشرنا الیہ ھوالذی علیہ اکثر سلف الائمۃ رضی اللہ تعالیٰ عنہم اور دونوں میں یہ تطبیق ممکن ہے کہ سب کا بر تصریحاً اس کا منقول نہ ہونا مگر اس کے خلاف بھی منقول نہ ہونا اجماع سکوتی ہے اس کو کسی نے اتفاق کہدیا اور کسی نے بوجہ تصریحاً منقول نہ ہونے کے اکثر کا قول کہدیا۔ بہرحال اگر اجماع تھا تو اجماع کی مخالفت۔ اور اگر اجماع نہ تھا تب بھی ظاہراً سواد اعظم کی مخالفت ان کے لئے کیسے جائز ہوئی جو اتبعوا السواد الاعظم سے منہی عنہ ہے اور واقع میں اس کا حاصل بھی اجماع ہی ہے کیونکہ ظاہراً سوادِ اعظم سے متبادر کثرت عددی ہے مگر دوسرے دلائل سے یہ مقید ہے خیر القرون کے ساتھ پس معنی یہ ہیں کہ خیر القرون میں جس عقیدہ پر اکثر مسلمین متفق ہوں وہ واجب الاتباع ہے کیونکہ اس وقت زیادہ مسلمان اسی عقیدہ پہ تھے جو حق تھا۔ بدعت مغلوب تھی اس کا شیوع بعد میں ہوا پس اُس وقت مسلمانوں کا کسی عقیدہ پر متفق ہونا علامت تھی اُس عقیدہ کے حق ہونے کی اور اہل حق کا اتفاق بھی اجماع ہے تو یہ اس مسئلہ کی طرف اشارہ ہو کہ اہل باطل اجماع کے ارکان نہیں اور دلیل قید اول کی حدیث خیر القرون کا اخیر جزو ثم یفشوا الکذب ہے جس سے معلوم ہوتا ہے کہ بعد میں کثرت اہل باطل کی ہوسکتی ہے اور دلیل دوسری قید کی صحابہ میں فروع کا اختلاف ہونا اور کسی شئ کو بنا بر قلت کے رد نہ کرنا ہے اور راز اس میں یہ تھا کہ عقائد میں نصوص پر مدار ہے اور اہل حق ان میں اختلاف نہیں کرسکتے اور فروع میں قیاس بھی حجت ہے اور اُس میں اختلاف ہوسکتا ہے۔؟

جواب۔ مخالفت جب ہوتی ہے کہ جب خلف حضرات سلف کے قول کی نفی کرتے مگر ایسا نہیں ہوا بلکہ اُن کے کلام میں تصریحاً اُس کا اصل مذہب ہونا اور اصل ہونے کے سبب ارجح واسلم ہونا اور تاویل کا بضرورت حفاظت دین ضعفاء کے اختیار کرنا اور اُس کی ساتھ ہی اُس تاویل کے مرادِ حق ہونے کا یقین نہ کرنا صاف صاف مذکور ہے سو یہ مخالفت نہیں باقی اگر یہ شبہ ہو کہ سلف نے ایسا بھی نہیں کیا اس لئے یہ کرنا بھی ایک گونہ اجماع کی مخالفت ہے تو جواب اُس کا یہ ہے کہ سلف کے عہد میں اس کی حاجت نہیں ہوئی اگر داعی کے ہوتے ہوئے ایسا نہ کرتے تو مخالفت اجماع کا شبہ ہوتا پھر داعی حادث ہوگیا اس لئے ایسا کرنا مخالفت نہیں ہوئی

اور متاخرین کی اس عمل کی نظیر احادیث مرفوعہ میں موجود ہے کہ اصل تفسیر کے ہوتے ہوئے کسی مصلحت دینیہ
کے اقتضاء سے دوسری تفسیر جو اصل تفسیر سے مناسبت رکھتی ہے اختیار کر لی گئی اور اس مصلحت مقتضیہ
کی قوت کے بعد اس تفسیر کے قرب و بعد کو بھی نہیں دیکھا جاتا البتہ موافقت شرع کی ساتھ یہ شرط ضرور
ہے کہ الفاظ اس کے محتمل ہوں اور ان نظائر مقیس علیہا میں مقتضی کی قوت بھی ہے اور نفس الفاظ کو اعتبار
سے یہ تحمل بھی متحقق ہے کما سیاتی مثلاً بعد خمسة اسطر او ستة فی قولہ شراح حدیث الی قولہ تکثیر کی اگرچہ
قرائن کے اعتبار سے اُس میں بُعد ہو۔ اسی طرح مقیس میں مقتضی یعنی صون دین عوام بھی قوی ہے کما سیاتی
بعد صفحتین فی قولہ حفاظت دین ضعفاء اور الفاظ بھی محتمل ہیں پھر اگر بُعد بھی فرض کیا جاوے تو مضر نہیں اور یہ
فرق بھی مؤثر نہیں کہ مقیس علیہ میں مقتضی میں قلت ہے اور مقیس میں کثرت۔ کیونکہ اثر کا دوران مؤثر کی ساتھ ہے
قلت و کثرت کا فرق مقصود میں مضر نہیں۔

پہلی نظیر۔ روی البخاری فی کتاب التفسیر قصة وفاة ابن اُبی فقال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم
(فی جواب عمرؓ) انما خیرنی اللہ فقال استغفر لهم او لا تستغفر لهم ان تستغفر لهم سبعین مرة
وساذیده علی السبعین یہ یقینی ہے کہ آیت میں تردید تسویہ کے لئے ہے نہ کہ تخییر کے لئے اور سبعین
تکثیر کے لئے ہے نہ کہ تحدید کے لئے مگر حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے تخییر اور تحدید پر محمول فرما کر نماز
پڑھی جس کی حکمتیں شراح حدیث نے ذکر کی ہیں اور تسویہ چونکہ منافی نہیں تخییر کا اور یہ خاص تحدید بھی ایک فرد ہے
تکثیر کی اس مناسبت سے اس کو اختیار فرما لیا اور اصل کی بھی نفی نہیں فرمائی۔

دوسری نظیر۔ روی الشیخان عن علی قال قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ما منکم من احد
الا وقد کتب مقعده من النار ومقعده من الجنة قالوا یا رسول اللہ افلا نتکل علی کتابنا وندع
العمل قال اعملوا فکل میسر لما خلق له اما من کان من اهل السعادة فسییسر لعمل السعادة
واما من کان من اهل الشقاوة فسییسر لعمل الشقاوة ثم قرأ فاما من اعطی واتقی وصدق
بالحسنی الآیة۔ ظاہر ہے کہ آیت کا مدلول مسئلہ قدر نہیں ہے اُس کی بیّن دلیل یہ ہے کہ حدیث میں
جس تیسیر کا ذکر ہے وہ عمل سے مقدم ہے اور وہی قدر ہے اور قرآن مجید میں جس تیسیر کا ذکر ہے وہ عمل سے
مؤخر ہے اور وہ جزاء ہے تو ایک تیسیر دوسری تیسیر کی تفسیر کیسے ہو سکتی ہے مگر پھر بھی آیت سے حدیث پہ
استدلال فرمایا جس کی بناء محض دونوں میں باہمی مناسبت ہے۔ چنانچہ حضرت شاہ ولی اللہ صاحبؒ نے رسالہ

الفوز الکبیر میں اس تقریر کی تصریح فرمائی ہے ونصہ وماننداآنکہ آیۃ فاما من اعطی واتقی در مسئلہ قدر تمثیل خوانند اگرچہ معنی منطوق آیۃ آنست کہ ہرکہ ایں کار ہا کردہ است و ارادہ جنت ونعیم بنا ئیم وہرکہ اضداد آں بعمل آوردہ است و ارادہ دوزخ وتعذیب بخشائیم لیکن بطریق اعتبار تواں دانست کہ ہر کسے را برائے حالتے آفریدہ اند وآں حالت بروے جاری می گردد من حیث یدری او لا یدری پس باین اعتبار آیۃ را بمسئلہ قدر ربطی واقع شدہ۔

تیسری نظیر عن عمران بن حصین ان رجلین من مزینۃ قالا یا رسول اللہ ارأیت ما یعمل الناس الیوم ویکدحون فیہ اشیٔ قضی علیہم ومضی فیہم من قدر سبق او فیما یستقبلون بہ مما اتاھم بہ نبیہم وثبت الحجۃ علیہم فقال لا بل شیٔ قضی علیہم ومضی فیہم وتصدیق ذلک فی کتاب اللہ عز وجل ونفس وما سواھا فالہمہا فجورھا وتقواھا رواہ مسلم۔ اس کے متعلق بھی صاحب فوز کبیر نے تحریر فرمایا ہے ونیز ہمچنیں آیۃ وما سواھا یعنی منطوق آنست کہ بر بر والم مطلع ساخت لیکن خلق صورۃ علمیہ بر والم را باں بروالم اجمالاً در وقت نفخ روح مشابہتے ہست پس باعتبار عموم آں باین آیت درین مسئلہ استشہاد کرد اھ۔ اور دوسری تیسری نظیر میں تو یہی احتمال ہے قریباً کان او بعیداً کہ محض استشہاد ہو تفسیر نہ ہو گو بخاری نے دوسری نظیر کو کتاب التفسیر میں وارد کیا ہے مگر نظیر اول میں تو تفسیر یقینی ہے اور بھی چند حدیثیں مرفوع وموقوف اس کی موید ذہن میں ہیں مگر اس وقت اتنے ہی کو کافی سمجھا گیا یہی حالت ہے متاخرین کی ایسی تفسیرات کی اُن کو اصل مدلول نص سے مناسبت بھی ہے مثلاً استواء بالمعنی الحقیقی دال ہے عظمت پر اسی طرح تدبیر امور وتنفیذ تصرفات دال ہے عظمت پر اور اس مناسبت کو اختیار کرنیکا داعی مقتضی بھی ہے یعنی حفاظت دین ضعفاء بلکہ یہ مقتضی مقیس علیہ کے مقتضی سے اقوی ہے کیونکہ وہ مقتضیات صرف مصالح ہیں جن کی طرف نظیر اول کے اخیر میں اجمالاً اس قول سے اشارہ کیا گیا ہے کہ جس کی حکمتیں شراح حدیث نے ذکر کی ہیں اھ لو مقیس میں وہ مقتضی دفع مضرت ہے جس کو بعنوان حفاظت دین ضعفاء تعبیر کیا گیا ہے اور دفع مضرت اہم ہے جلب مصلحت سے کما ھو مقرر پس بطریق دلالۃ النص کے مقیس میں بدرجہ اولی حکم ثابت ہوگا پس باقی حضرات پر کوئی شبہ نہ رہا اور جس اجماع کا اوپر ذکر ہوا ہے وہ ان احادیث سے معارض بھی نہیں جس پر شبہ کیا جاوے کہ خبر واحد کے خلاف اجماع دلیل ہوتی ہے اس کے نسخ کی اس مسلک خلف کی نظیر فتاوی میں یہ ہے کہ صحابہ سے قراءت بالفارسیہ کی اجازت کہیں منقول نہیں

مگر امام صاحب نے بقول مرجوع الیہ اس کی اجازت عاجز کو دی گویا نظم قرآن کو بدل قرآن کا مناسبت ترادف کی شرط سے قرار دیا اور اس پر ائمہ متبوعین نے نکیر نہیں کیا کیونکہ پہلے اس کا داعی غالب نہ تھا پھر غالب ہوگیا اسی طرح داعی حادث کے سبب تاویل کو بشرط مناسبت بدل تفسیر کا قرار دیا گیا۔ اور امام صاحب کا اگر علی الاطلاق رجوع بھی فرض کر لیا جاوے تب بھی استدلال میں قادح نہیں کیونکہ امام صاحب کا ایک بار قائل ہوجانا بھی اس کے مجتہد فیہ ہونے کے لئے کافی ہے اور ہمارا یہی مدعا ہے اور یہ سب کلام علی سبیل التنزل ہے ورنہ امت میں برابر تعامل رہا ہے کہ تفسیر منقول کے ہوتے ہوئے بھی دوسری وجوہ سے تفسیر کی چنانچہ کتب معتبرہ تفسیر اس سے مملو ہیں البتہ اس میں شرطیں ہیں کہ یہ تفسیر خلاف قواعد عربیہ نہ ہو دوسرے خلاف قواعد شرعیہ نہ ہو تیسرے یہ کہ مفسر صاحب اجتہاد ہو ورنہ وہ تفسیر بالرائے ہوگی اور خلف کی تفسیر تینوں شرطوں کو جامع ہے پس غایت مافی الباب ایسی آیات ذو وجوہ ہوں گی اگرچہ بعض وجوہ راجح ہوں اور بعض مرجوح ہوں۔

سوال۔ محققین نے استواء کو استیلاء کے ساتھ تفسیر کرنے کی بدلیل تغلیط کی ہے کما یظہر من مراجعۃ اقوالھم تو اس آیت کی تاویل قول متروک ہوگیا۔

جواب۔ ایک تاویل کے غلط ہونے سے دوسری تاویل کا رد ہونا لازم نہیں آتا کیونکہ وہ دلیل اسی کی ساتھ خاص ہے جس کا حاصل یہ ہے کہ استواء بمعنی استیلاء اس استیلاء میں مستعمل ہے جو بعد عدم استیلاء کے ہو اور حق تعالیٰ کا استیلاء ایسا نہیں۔

سوال۔ کیا ایسے نصوص متشابہات میں داخل ہیں۔؟

جواب۔ اس میں اقوال مختلف ہیں کما فی روح المعانی تحت آیۃ ھوالذی انزل علیک الکتاب منہ آیات محکمات ثم اعلم ان کثیرا من الناس جعل الصفات النقلیۃ من الاستواء والید والقدم والنزول الی السماء الدنیا والضحک والتعجب وامثالھا من المتشابہ ومذھب السلف والاشعری رحمہ اللہ من اعیانھم کما ابانت عن حالہ الابانۃ انھا صفات ثابتۃ وراء العقل ما کلفنا الا اعتقاد ثبوتہا مع اعتقاد التجسیم والتشبیہ لئلا یضاد النقل العقل وذھب الخلف الی تاویلہا الخ اس عبارت میں

ف۔ ویتأید قولی ہذا بما فی روح المعانی سورۃ الانعام قولہ تعالیٰ وہوالقاہر فوق عبادہ وہوالحکیم الخبیر ونصہ والتاویل القریب الی الذہن الشائع نظیرہ فی کلام العرب مما لا باس بہ عندی علی ان بعض الآیات مما اجمع علی تاویلہا السلف والخلف واللہ تعالیٰ اعلم بمرادہ اھ قلت کحدیث مرضت فلم تعدنی وکحدیث ان اللہ خلق آدم علی صورتہ مثلاً ۱۲

اور بعض کا قول متشابہ ہونا لکھا ہے اور اس کے مقابلہ میں دوسرا قول لکھا ہے صفات ثابتۃ وراء العقل الخ
اس قول پر یہ محکم ہیں لان المحکم ہو الواضح المعنی ظاہر الدلالۃ اور معانی ان کے معلوم ہیں گو اُن معانی کی
کنہ معلوم نہیں وایضاً فی روح المعانی تحت آیۃ الکرسی واکثر السلف الصالح جعلوا ذلک من المتشابہ
الذی لا یحیطون بہ علماً وفوضوا علمہ الی اللہ تعالیٰ مع القول بغایۃ التنزیہ والتقدیس لہ تعالیٰ شانہ
والقائلون بالمظاہر من ساداتنا الصوفیۃ قدس اللہ تعالیٰ اسرارہم لو یشکل علیہم شئ من امثال ذالک
اور یوں کہا جاوے کہ جنھوں نے محکم کہا ہے باعتبار اصل معنی کے اور جنھوں نے متشابہ کہا ہے باعتبار کیف معنی
کے تو پھر دونوں میں محض نزاع لفظی رہ جائے گا چنانچہ روح المعانی کی عبارت ذیل سے اس کی تائید ہوتی ہے
فی روح المعانی تحت آیۃ ہو الذی انزل علیک الکتاب منہ آیات محکمات الخ نعم لو قیل ان تصویر
العظمۃ علی ہذا الوجہ دال علی ان العقل غیر مستقل بادراکہا وانہا اجل من ان یحیط بہا العقول
فالکنہ من المتشابہ الذی دلت الآیۃ علیہ وجب الایمان بہ کان حسنا وجمعا بین ما علیہ السلف
ومشی علیہ الخلف وہو الذی یجب ان یعتقد کیلا یلزم ازدراء باحد الفریقین کما فعل ابن
القیم حتی قال لام الاشعریۃ کنون الیہودیۃ اعاذنا اللہ تعالیٰ من ذالک۔

سوال۔ اگر ان صفات محکم فیہا کو باعتبار کنہ کے متشابہ کہا جاوے تو کنہ تو حق تعالیٰ کے علم و قدرت کی بھی
معلوم نہیں اُن کو متشابہ کیوں نہیں کہا جاتا؟

جواب۔ باہم صفات میں ایک فرق ہے وہ یہ کہ بعض صفات آلہیہ کو تو ہماری ویسی ہی صفات سے ایک گونہ
مناسبت ہے جیسے علم ہے قدرت ہے تو باوجود ان کی کنہ کے عالی عن العقول ہونے کے اس مناسبت کی
بنا پر ان کو متشابہ نہیں کہا گیا کیونکہ اُس مناسبت کی وجہ سے اُنکے حقائق ایک درجہ میں معلوم ہوتے ہیں
گو وہ درجہ ناقص بلکہ انقص ہے اور بعض صفات میں یہ مناسبت نہیں جیسے استواء حق کو ہمارے استواء
سے اُس کے ید کو ہمارے ید سے اُن کے قدم کو ہمارے قدم سے کوئی مناسبت نہیں اس لئے یہ کسی درجہ میں
بھی ہمارے فہم میں نہیں آتے اس لئے ان کو متشابہ کہا گیا چنانچہ روح المعانی آل عمران میں ہے واسماءہ الحسنیٰ
قسمان قسم یناسب ما عندنا من الصفات نوع مناسبۃ وان کانت بعیدۃ ولا یقال فلان فیہ فی
مھیمن معاشر الناقصین من ان یسمی بتلک الاسماء المشہورۃ عندنا فیسمی علما مثلا لا ادواۃ ولا قلما
و تسمیۃ لیس کذالک وہو المشار الیہ بقول علی اللہ علیہ وسلم او استاثرت بہ فی علم الغیب عندک

فقد اينذكر له اسماء مشتقة وان منه ما للانسان الكامل نصيب بطريق التخلق والتحقق فيذكر مادة اليد والنزول والقدم ونحو ذلك من المخيلات مع العلم البرهاني والشهود الوجداني بتنزهه تعالى عن كل كمال يتصوره الانسان ويحيط به فضلا عن النقصان الخ مگر صاحب روح المعانی نے مناسبت و عدم مناسبت کی کوئی وجہ بیان نہیں کی۔ میرے ذوق میں صفات قسم اول کی مناسبت کی وجہ یہ معلوم ہوتی ہے کہ علم و قدرت وغیرہ اپنے حقیقی مفہومات متبادرہ کے اعتبار سے مادیت کو مقتضی نہیں اور ید و قدم وغیرہا مادیت کو مقتضی ہیں قسم اول تنزیہ کے منافی نہیں اور دوسری قسم اس کے منافی ہو واللہ اعلم

سوال۔ یہ ظاہر ہے کہ اللہ تعالیٰ کو جمیع اقسام معلومات کے منکشف ہیں پھر باوجود اس کے اس کی کیا وجہ ہے کہ نصوص میں علم و بصر و سمع کو تو اُن کے لئے ثابت کیا گیا ہے مگر ذوق و لمس و شم کو اُن کے لئے ثابت نہیں کیا گیا حالانکہ مذوقات و ملموسات و مشمومات کا بھی اُن کو انکشاف ہے اس کے لئے صرف علم کا اثبات کافی سمجھا گیا؟

جواب۔ اصل مدار تو اس کا توقیف ہے لیکن خود اس توقیف کی حکمت میں یہ کہا جا سکتا ہے کہ علم و بصر و سمع سے عرفاً استیلاء و عظمت کی شان سمجھی جاتی ہے اس لئے ان سے تسمیہ کیا گیا اور ذوق و مس سے کوئی عظمت نہیں معلوم ہوتی بلکہ خود ان کے مفہومات ایک گونہ انتفاع و تلذذ و افتقار پر دال ہیں جو ایک قسم کی دنارت ہے اس لئے ان اشیاء کے ادراک کو ان اسماء سے موسوم نہیں کیا گیا۔ اسی طرح صفت کلام میں بھی جو جہاں امور ہی بھی ہے ایک شانِ حکومت پائی جاتی ہے اُس کو بھی ثابت کیا گیا ہے۔

حجۃ اللہ البالغہ باب الایمان بصفات اللہ میں اس مضمون کو اس طرح تعبیر کیا گیا ہے۔ واعلم ان الحق تعالیٰ اجل من ان یقال بمعقول او محسوس لکن قول یشرط ان یوهم المخاطبین ایهاما صریحا انه فی الواث البهيمة۔ وذلك يختلف باختلاف المخاطبين فيقال يرى و يسمع ولا يقال يذوق ويلمس الخ

سوال۔ جب اسماء الٰہیہ توقیفی ہیں جیسا اس کے قبل سوال و جواب میں محقق ہوا تو دوسری زبان کے لغات سے تسمیہ یا توصیف جائز نہ ہوگی جیسے خدا اور پروردگار وغیرہما۔

جواب۔ قواعد است سے معلوم ہوا کہ مترادفین کا حکم یکساں ہے پس یہ لغات جب ترجمہ ہوں اسماء منقولہ فی لسان شرع کا ان کا استعمال بھی جائز ہے اور یمین وغیرہ میں یہ مثل اصل کے ہوں گے یعنی جو لفظ اللہ کی قسم کا حکم ہے وہی لفظ خدا کی قسم کا حکم ہے۔

سوال: صوفیہ کا ان مسائل میں کیا مسلک ہے؟

جواب: چونکہ یہ مسائل صوفیہ کے فرض سے زائد ہیں کیونکہ ان کا فرض مقصود تربیت ہے اُن اعمال واخلاق کی جن سے اہل فتوی نے مفصل بحث نہیں کی اور عقائد سے وہ کافی بحث کر چکے ہیں اس لئے صوفیہ نے ان سے مقصوداً بحث نہیں کی اگر قدر قلیل کلام اس باب میں اُن سے صادر ہوا ہے تو اُس کا سبب اپنے کسی شاغل کی کیفیات وذوقیات کی تحقیق ہے جس سے اصل غرض اہل طریق کی تقریب الی المقصود وتبعید عن غیر المقصود فی العقائد او فی الاعمال ہے اور چونکہ ان تعلیمات کے مخاطب غالباً تو خاص خاص افراد خلوات میں تقریر سے اور احیاناً محدود جماعت جلوات میں تحریر سے ہوتے ہیں اس لئے وہ عنوانات وتعبیرات جامعہ مانعہ واضحہ غیر موہمہ کا اہتمام نہیں فرماتے صرف اس فرد خاص یا جماعت خاصہ کی تفہیم کی رعایت کافی سمجھتے ہیں اور وہ چونکہ متکلم سے خاص مناسبت رکھتے ہیں۔ نیز خاص اصطلاحات سے واقف ہوتے ہیں۔ ان کے لئے شیوخ کی ناتمام عبارات اور مجمل اشارات کافی ہو جاتے ہیں ان وجوہ سے ان کے کلام میں ظاہراً بہت ایجاز اور تجوز اور تسامح وتوسع ہوتا ہے ان وجوہ سے اُن کا مسلک اس باب میں نہ مدون اور منضبط ہے اور نہ واضح ہے اور حالات ان کے مقتضی ہیں حسن ظن کو اس لئے اُن کے مجمل یا مبہم کلام کو علماء کے اقوال کی طرف راجع کرنا واجب ہے گو اصطلاحات اُن کے جداگانہ ہیں مثلاً ایسے مواقع پر لفظ تجلی اُن کے کلام میں بکثرت پایا جاتا ہے ممکن ہے کہ وہ بھی ایک تاویل ہو اور ممکن ہے کہ حقیقت بلاکیف کی ایک تعبیر ہو خصوصاً متقدمین کے مسلک کی طرف راجع کرنا راجح ہے کیونکہ صوفیہ کا اصل مذہب ہی اخذ بالاحوط ہے اسی لئے مشہور ہو گیا ہے۔ التصوف لا مذھب لہ۔ چنانچہ نمونہ کے طور پر اُن کا کچھ کلام نقل کرتا ہوں۔ فی المظہری ان اللہ مع الصابرین قیل بالعون والنصر واجابۃ الدعوۃ قلت بل معیۃ غیر متکیفۃ یتضح علی العارفین ولا یمکن ان یکتنھ غیر احسن الخالقین وایضا فیہ فانی قریب قال المفسرون معناہ انی قریب منھم بالعلم لا یخفی علیّ شئ قال البیضاوی ھو تمثیل لکمال علمہ بافعال العباد واقوالھم واطلاعہ علی احوالھم بحال من قرب مکانہ منھم قلت وھذا التاویل منھم مبنی علی ان القرب عندھم منحصر فی القرب المکانی واللہ تعالیٰ منزہ عن المکان ومماثلۃ المکانیات والحق انہ سبحانہ تعالیٰ قریب من الممکنات قربا لا یدرک بالعقل بل بالوحی او الفراسۃ الصحیحۃ ولیس من جنس القرب المکانی ولا یتصور شرحہ بالتمثیل اذ لیس کمثلہ شئ وا قرب التمثیلات ان یقال قربہ الی الممکنات کقرب الشعلۃ الجوالۃ بالدائرۃ

الموهومة فان الشعلة ليست داخلة فی الدائرة لبون البعید بین الموجود الحقیقی والموجود فی الوهم ولیست خارجة عنها ولا عینها ولا غیرها وهو اقرب الی الدائرة من نفسها حیث ارتسمت الدائرة بها ولا وجود لها فی الخارج بل فی الوهم یوجود تلک النقطة فی الخارج والله اعلم و فی ما الابد منہ وحق تعالیٰ محیط اشیاء است باحاطۂ ذاتی و قرب و معیت با اشیاء دارد نہ آں احاطہ و قرب کہ در خور فہم قاصر ما باشد کہ آں شایان جناب قدس او نیست الیٰ قولہ و ہمچنیں استواء او سبحانہ علی العرش دید و وجہ کہ نصوص بداں ناطق اند ایمان بداں باید آورد و بر معنی ظاہر حمل نباید کرد و در تاویل آں نباید آمد و تاویل آں را حوالہ بعلم الٰہی باید کرد انتہیٰ مختصراً

وفی الیواقیت والجواهر المبحث الثامن عشر واما کلام الشیخ محی الدین فی ذلک فکله مائل الی التسلیم وعدم التاویل الا ان خصنا علی التمسک وقوعه فی محظور اذا لم نؤول ذلک القول فیتعین حینئذ التاویل کما فتح لنا الحق تعالیٰ باب التاویل للضعفاء بقوله فی حدیث مسلم وغیره مرضت فلم تعدنی فان العبد لما توقف فی ذلک وقال یا رب کیف اعودک وانت رب العلمین قال له الحق تعالیٰ اما علمت ان عبدی فلانا مرض فلم تعده اما انک لو عدته لوجدتنی عنده الی اخر النسق. وذکر الشیخ محی الدین فی الباب السابع والسبعین ومائة جواز التاویل للعاجز وقال فی الباب الثامن والستین عقب الکلام علی الاذان من الفتوحات یجب علی کل عاقل ستر السر الالهی الذی اذا کشف ادی عند من لیس بعالم ولا عاقل الی عدم احترام الجناب الالهی الاعز الاحمی فیجب التاویل لمثل هذا اه وکان الشیخ محی الدین رضی الله عنه یقول اسلم العقائد الایمان بما انزل الله علی مراد الله اذ الحق تعالیٰ ما کلفنا ان نعلم حقیقة نسبة الصفات الیه لعلمه بعجزنا عن ذلک فان حقیقته تعالیٰ مباینة بجمیع صفات خلقه وحقائقهم ذکره فی الباب الخامس واربعمائة. وقال عبد الوهاب الشعرانی فی الیواقیت المبحث السابع عشر واعلم یا اخی ان صفة الاستواء علی العرش والنزول الی سماء الدنیا والفوقیة والمعیة ونحو ذلک کله قدیم والعرش وما حواه مخلوق محدث بالاجماع وقد کان تعالیٰ موصوفا بالاستواء والنزول قبل خلق جمیع المخلوقات کما انه لم یزل موصوفا بانه خالق ورازق ولا مخلوق ولا مرزوق فکان قبل العرش یستوی علی ماذا وقبل خلق السماء ینزل الی ماذا فانظر یا اخی بعقلک فما تعقله فی حق الاستواء والنزول قبل خلق العرش والسماء فاعتقده بعد خلقهما وانا اضرب لک مثلا فی الخلق تعجز عن تعقله فضلا عن الخالق وذلک ان کل عرش تصورت وراءه خلاء او ملاء من جهاته

الصت فليس هو عرش الرحمٰن الذی وقع الاستواء علیہ فلا یزال عقلک کلما تقف علی شئ یقول لک فیما
بورائہ فاذا قلت لہ خلاء یقول لک فما وراء الخلاء وھکذا الی ابد الآبدین ودھر الداھرین فلا یتعقل
العقل کیفیۃ احاطۃ الحق تعالیٰ الوجود ابداً فقد عجز العقل واللّٰہ ان تعقل مخلوق فکیف بالخالق انتہی۔ و
نقل فی الیواقیت والجواھر اخر المبحث السابع عشر عن ابی طاھر وبالجملۃ فالعرش اعظم الممالک کلہا والحق تعالیٰ
اعلیٰ رتبۃ وذلک اننا اذا تاملنا ما فوقنا رأینا الھواء واذا تاملنا فوق الھواء رأینا سماء وفوق سماء بقلوبنا
ثم اذا ترقینا بالوھامنا من السموات السبع رأینا الکرسی واذا ترقینا من الکرسی رأینا العرش
الذی ھو منتھی المخلوقات التی ھی بجملتہا تدل علی الخالق جل جلالہ ثم اذا انتہینا بالفکر من العرش
الذی ھو نہایۃ المخلوقات لو تر الفکر مرقاۃ البتہ فیقف الفکر ھناک لان مطار الفکر ینتھی بانتہاء
الاجسام فنری اذ ذاک بقلوبنا وعقولنا الرحمٰن فوق العرش من حیث الرتبۃ اذ رتبۃ الخالق فوق
رتبۃ المخلوقات فھو تعالیٰ فوق العرش فوقیۃ تباین فوقیۃ العرش علی الکرسی لان فوقیۃ العرش
علی الکرسی لا تکون الا بالجہۃ والمکان بخلاف فوقیۃ الرب علی العرش فانہا بالرتبۃ والمکانۃ دون
المکان انتہی۔ وقد سبق من روح المعانی فی الجواب عن السوال الثالث قولہ واکثر السلف الصالح
الی قولہ والقائلون بالمظاھر من ساداتنا الصوفیۃ قدس اللّٰہ اسرارھم لم یشکل علیہم شئ من امثال
ذلک وفی المظہری تحت قولہ تعالیٰ ھو الذی خلق لکم ما فی الارض جمیعاً ثم استوی الی السماء والصوفیۃ
العلیۃ کما اثبتوا معیۃ لا کیف لہا وتجلیا خاصا للّٰہ سبحانہ وتعالیٰ علی قلب المؤمن کذلک
اثبتوا تجلیا خاصا رحمانیا علی العرش وذلک التجلی ھو المؤمی الیہ بقولہ تعالیٰ الرحمٰن علی العرش
استوی اھ۔ وفی روح المعانی سورۃ الاعراف وانت تعلم ان المشہور من مذاھب السلف فی
مثل ذلک تفویض المراد منہ الی اللّٰہ تعالیٰ فھم یقولون استوی علی العرش علی الوجہ الذی عناہ
سبحانہ منزھا عن الاستقرار والتمکن وان تفسیر الاستواء بالاستیلاء تفسیر مرذول اذ القائل
بہ لا یسعہ ان یقول کاستیلائنا بل لابد ان یقول ھو استیلاء لائق بہ عزوجل فلیقل من اول الامر
ھو استواء لائق بہ جل وعلا وقد اختار ذلک السادۃ الصوفیۃ قدس اللّٰہ اسرارھم وھو اعلم واسلم
واحکم خلافا لبعضہم۔

وفی رسالۃ تاثید الحقیقۃ قولہ تعالیٰ واللّٰہ محیط بالکفرین وقال فی ایات اُخر وکان اللّٰہ بکل شئ محیطا

قال ان ربی بما تعملون محیط وان ربک احاط بالناس۔ والله بما لدیهم وهذه الایات کلها دالة علی صحة قول من یقول من العلماء الصوفیة ان الله تعالیٰ بکل مکان غیر انهم لا یعلمون کیفیة کون مکان الله ای یقولون بالاحاطة الذاتیة لا بمحض الاحاطة الصفاتیة کاهل الظاهر) ولیس من ضرورة الاحاطة ان یکون المحیط والمحاط علیه جسما وان تفسیر الاحاطة ان لا یکون المحاط علیه بعید من المحیط ولا المحیط بعید امنه ثم ان ذلک مشهور بین المشائخ الصوفیة نحو جنیدؒ والشبلیؒ وابن عطاءؒ وغیرهم۔ روی عن جنیدؒ انه تکلم عنده رجل فاشار الی السماء فقال لا تشر الی السماء فانه معلق فهذا دلیل علی انه لا اختصاص مکان الله تعالیٰ بالعرش ولا بجهة دون جهة فافهم ویکون الاستواء علی العرش متشابها اوماً ولاجل اختلاف المسلکین وورد فی الحدیث اطلاق المکان حیث قال وارتفاع مکانی اھ۔

قلت لیس المراد عدم صحة القول الاخر کما توهم البعض بل المراد نفی البطلان عن هذا القول کما ادعی اهل الظاهر فلکل من القولین وجهة هو مولیها ولیس معنی قولهم ان الله تعالیٰ بکل مکان انه متمکن بکل مکان حاشاه عن ذلک بل المراد ان لا مکان له خاصا کسائر المتمکنات بقرینة قوله فیما بعد انه لا اختصاص مکان الله تعالیٰ الخ فاطلق الملزوم واراد اللازم مجازا فان کون شئ فی کل مکان یستلزم عدم کونه فی مکان خاص فافهم۔

اس عبارت کو ادنیٰ تامل کے بعد علماء کے اقوال کی طرف راجع کرنا ممکن ہے گو تعبیرات میں اختلاف ہے اخیر عبارت کے متعلق معترض مذکو خطبہ رسالہ کے جواب مرقومہ ۱۲ ربیع الاول ۱۳۳۹ھ میں اسی راجع کرنیکے متعلق لکھا گیا تھا اس کے بعض بعض جملے طریقہ رجوع کی طرف اشارہ کرنے کیلئے نقل کرتا ہوں۔ وھو ھذا میں اس عقیدہ میں حضرات سلف کے مسلک پر ہوں کہ نصوص اپنی حقیقت پر ہیں مگر کنہ اس کی معلوم نہیں اور صوفیہ کے مذہب کو سلف کے خلاف نہیں سمجھتا وہ حقیقت کے منکر نہیں بلکہ جہت کے منکر ہیں اور جہت کی نفی نقل و عقل دونوں سے ثابت ہے۔ اما النقل فقولہ تعالیٰ لیس کمثلہ شئ واما العقل فلان الجهة مخلوقة حادثة والله تعالیٰ منزه عن الاتصاف بالحوادث لان محل الحادث حادث اور استوا یا علو کا حکم مستلزم جہت کو نہیں اگر جہت کا حکم کیا جاویگا تو استواء و علو کی کنہ کی تعیین ہو جاویگی جو کہ خود حضرات سلف کے خلاف ہے کہ وہ کنہ کے نامعلوم ہونیکی تصریح فرماتے ہیں۔ پس حاصل یہ ہوا کہ استواء و علو میں دو حیثیتیں ہیں ایک مع الحکم بالجہۃ ایک مع عدم الحکم بالجہۃ بل مع الحکم بعدم الجہۃ اول مذہب ہے

خف۔ وما قال البعض بصحة الحکم بالجهة بناء علی ان الجهة لیست امرا وجودیا بل هی امر اعتباری فلا محذور فی ذلک فهو غیر صحیح لان کونها امرا اعتباریا

بجسمہ کا دوسرا مذہب اہل سنت کا جن میں محدثین و صوفیہ سب داخل ہیں۔ اگر کسی عبارت سے اس کے خلاف کا ایہام ہوتا ہو وہ تسامح فی التعبیر ہے جیسا تائید الحقیقۃ کی عبارت سے معترض کو وہم ہو گیا ورنہ اس میں یہ نہیں لکھا گیا کہ صوفیوں کا قول بہ نسبت محدثین کے صحیح ہے۔ صرف لزوم کا شبہ ہو گیا اور بر تقدیر تسلیم لزوم اس کو اس پر محمول کیا جائیگا کہ بعض لوگ جو نصوص سے اثبات جہۃ سمجھتے ہیں اس کے مقابلہ میں نفی جہۃ صحیح ہے ورنہ جو حقیقت میں مذہب ہے محدثین کا وہ خود مذہب صوفیہ سے معارض نہیں کما سبق۔ باقی اگر کسی غیر محقق سے اس کے خلاف منقول ہو وہ غیر مقبول ہے۔ اھ مختصراً۔

سوال۔ صاحب تلویح نے کنایہ کو محققین کا قول قرار دیا ہے جیسا اوپر انکی عبارت میں تصریح ہے تو گویا سلف کو غیر محقق ٹھیرایا۔

جواب۔ مراد یہ ہے کہ ماولین نے جو مختلف تاویلات کی ہیں ان میں یہ تاویل بہ نسبت اور تاویلات کے بوجہ موافقت قواعد عربیہ کے اقرب الی التحقیق ہے گو قواعد شرعیہ کے اعتبار سے کہ اتباع سلف اصل ہے حمل علی الحقیقۃ اقرب الی التحقیق ہے۔ الحمد للہ بحث متعلق صفات کے ختم ہوئی جو کہ اصل مقصود تھی۔ اب چند جملے معترض صاحب کے دوسرے اعتراضات سے متعلق جن کا ذکر اشارۃً خطبہ میں ہوا ہے بعد تلخیص عرض کرتا ہوں۔ ایک **اعتراض** یہ ہے جناب نے الکشف فی مہمات التصوف ص۱۳۳ پر لکھا ہے بعض متشددین حضرات صوفیہ پر بعض اذکار و اوراد کے ایجاد پر اعتراض بدعت کا کرتے ہیں اس حدیث سے اس ایجاد کا جواز ثابت ہوتا ہے کیونکہ لبیک منقول پر جس قدر زیادت ہے وہ ایجادی کی فرد ہے الخ اس کے متعلق ادب سے استفسار ہے کہ حضرت عمرؓ کا (یعنی صحابہ کا) لبیک منقول پر زیادہ کرنا اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا اس کو سنکر انکار نہ فرمانا مثبت اس امر کا ہے کہ یہ زیادتی صحابہ کرام کی جائز ہے کیونکہ ابوداؤد میں آیا ہے والناس یزیدون ذا المعارج ونحوہ من الکلام والنبی صلی اللہ علیہ وسلم یسمع ولا یقول شیئا بخلاف ان صوفیوں کے جو بعد زمانہ خیر القرون کے گذرے ہیں اور اپنی طرف سے اوراد اور وظائف بنا کر مریدوں کو گمراہ کرتے ہیں پس بجائے اس امر کے کہ جناب قرآن و سنت کی حمایت پر زور دیتے۔ مگر صوفیوں کے اقوال افعال کی تائید کر رہے ہیں۔

جواب۔ اول حدیث نقل کرتا ہوں عن ابن عمرؓ قال سمعت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم یُہِلُّ ملبیا الی قولہ لا یزید علی ھذہ الکلمات زاد فی روایۃ عن عبد اللہ بن عمر عن عمر یقول بعد ھذہ الکلمات لبیک اللھم لبیک لبیک وسعدیک والخیر فی یدیک والرغباء الیک والعمل وفی روایۃ ابی داؤد والناس یزیدون ذا المعارج ونحوہ من الکلام والنبی صلی اللہ علیہ وسلم یسمع ولا یقول شیئا اور مسئلہ مستنبطہ کی تقریر استنباط خود سوال میں مذکور ہے اب جواب عرض کرتا ہوں کہ صحابہؓ نے اس کا جواز قواعد کلیہ شرعیہ سے سمجھا کہ ذکر

اور دعا خود مطلوب ہے اور یہ زیادت کسی حکم شرعی کے مصادم نہیں اس لئے جائز ہے اگر جواز کو نص جزئی پر موقوف سمجھئے تو حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم سے اجازت لینا کیا مشکل تھا بس حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کی تقریر سے جیسا اس ذکر خاص کے جواز کی تاکید ہو گئی اسی طرح ایسی زیادات داخل تحت اصل کلی غیر مصادمہ لدلیل شرعی کے جواز کلی کی بھی تائید ہو گئی بس صوفیہ پر جو سوال میں طعن کیا گیا ہے اُس کے جواب میں صرف مولانا کا شعر پیش کر دینا کافی سمجھتا ہوں ؎

بگذر از ظن خطا اے بدگمان ۔۔۔ اِنَّ بعض الظن اثم را بخوان

کیا معترض صاحب ہر دعا کے لئے نقل کو شرط کہیں گے البتہ اگر ایسے اذکار کو ماثور پر ترجیح دی جاوے جیسے بعض غلاۃ میں مشاہد ہے اُس کے بدعت میں ہونے میں کوئی شبہ نہیں ایک **اعتراض** اس پر کیا ہے کہ میں نے بوجہ اشتمال بعض مطبوعات شرعیہ اخبار بھیجنے سے منع کر دیا تھا اس پر اپنے اخبار کی مدح میں لکھا ہے کہ جس نے حنفیوں سلفیوں سے یہ اعتراض کہ وہ اہل حدیث نہیں ہیں دور کیا اور بوجب تحریر شیخ الاسلام امام ابن تیمیہؒ الحنفیۃ ھم من اھل السنۃ والجماعۃ واھل السنۃ اھل الحدیث (منہاج السنۃ النبویۃ فی نقض کلام الشیعۃ والقدریۃ) ثابت کیا کہ حنفی سلفی بھی اہل حدیث ہیں ما انا علیہ واصحابی کے طریق پر ہیں اور ناجی ہیں کیونکہ اہل حدیث وہ جماعت ہے جو حدیث قولی وفعلی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو شرعاً حجت سمجھے اور بوقت نہ ملنے حدیث نبوی صلی اللہ علیہ وسلم کے آثار صحابہ کو بھی حجت جانے اور مثل حنبلیوں اور مالکیوں اور شافعیوں اور محدثین کے حنفیوں سلفیوں کا بھی یہی مذہب ہے ملاحظہ ہو اصول الشاشی حسامی۔ نور الانوار۔ مسلم الثبوت۔ توضیح تلویح وغیرہ کتب الاصول۔ اگر حنفی سلفی اہل حدیث نہیں تو اور کون جماعت ہے جو اہل حدیث کہلانے کی مستحق ہے جو کہتی ہے کہ اجماع حجت شرعی نہیں اور حدیث موقوف اور مرسل بھی حجت ہیں پس یہ کیونکر ہو سکتا ہے کہ تفسیر بالرائے کرنے والے اور منکرین اجماع تو اہل حدیث کہلائیں اور حنفی جو قرآن وحدیث واجماع امت کو حجت مانتے ہیں وہ اہل حدیث نہ ہوں مولانا سید نذیر حسین صاحب مرحوم دہلوی نے معیار الحق میں لکھا ہے کہ امام اعظم ابوحنیفہؒ نے عمداً کسی حدیث کا خلاف نہیں کیا اور اگر کسی جگہ خلاف نظر آتا ہے تو یہ اس لئے ہے کہ انھوں نے اس کے بالمقابل دوسری حدیث پر عمل کیا جو ان کے نزدیک زیادہ صحیح اور راجح ہے۔ اسی واسطے نواب صدیق حسن خاں صاحب مرحوم نے اتحاف النبلاء میں لکھا ہے کہ امام الائمہ سراج الامۃ ابوحنیفہؒ اکابر محدثین سے ہیں اور مجتہد مطلق ہیں اور ان کے اصول وفروع مدون ہیں بس وہ جیسے اہل حدیث تھے ویسے ہی ان کے پیرو کار بھی اہل حدیث ہیں اسی بنا پر مولوی محمد حسین صاحب مرحوم بٹالوی نے حنفیوں سلفیوں کو بھی اہل حدیث لکھا ہے اھ۔ اس کے بعد اعتراض

کیا ہے جس کا حاصل یہ ہے کہ ایسا اخبار کیوں بند کر دیا؟

جواب۔ مصلحت و مفسدہ کے اجتماع میں مصلحت موثر ہوگی یا مفسدہ۔ اب صرف ان ترمیمات کی صورت ضبط کرنا باقی رہا جس کا وعدہ سوالات وجوابات متعلقہ اصل مسئلہ سے ذرا قبل کی عبارت میں کیا گیا ہے سو اس کو ذیل میں سب مقامات کے متعلق لکھتا ہوں اور وہ سات مقام ہیں۔

مقام اول سورۂ اعراف آیت ان ربکم اللہ الذی خلق السموات والارض فی ستۃ ایام ثم استوی علی العرش یغشی اللیل النہار الخ عبارت سابقہ متن تفسیر پھر عرش (یعنی تخت شاہی) پر قائم ہوا (یعنی زمین و آسمان میں احکام جاری کرنے لگا) چھپا دیا ہے الخ عبارت سابقہ حاشیہ قولہ فی استوی احکام جاری فسرتہ بحمل ایاہ علی لکنایۃ عن التدبیر کما یؤید یہ قولہ تعالیٰ فی بعض الآیات بعد الاستواء یدبر الامر وانما حملتہ علیہا لسہولۃ فہمہ للعوام والارجح حملہ علی الحقیقۃ وتفویض حقیقتہا الی اللہ تعالیٰ ولا یرد ان الملک لم یزل للہ تعالیٰ فما معنی تاخرہ عن خلق العالم لانی اقول ان المراد التدبیر الخاص فی السموات والارض وظاہر انہ یتأخر عن خلقہما ولا یلزم منہ حدوث الصفۃ بل حدوث الفعل ولا محذور فیہ خافہم۔ ترمیم حال متن تفسیر پھر عرش پر (جو مشابہ ہے تخت سلطنت کے اس طرح) قائم (اور جلوہ فرما) ہوا (جو کہ اس کی شان کی لائق ہے جس سے سننے والے کے قلب میں بلزوم عرفی دو شانیں مستحضر ہو جاتی ہیں ایک رفعت و علو۔ دوسرے احکام شاہی کا صدور کیونکہ عادۃً تخت شاہی پر جلوہ افروز ہونے کیلئے یہ دو امر لازم ہیں چنانچہ دوسری شان کا آگے بھی ذکر ہے) چھپا دیتا ہے الخ ترمیم حال حاشیہ قولہ جو کہ اس کی شان الخ ھو الذی علیہ جمہور السلف من حمل الاستواء علی الحقیقۃ ثم تفویضہا الی اللہ تعالیٰ والمنع عن الخوض فیہا وھذا المنع معقول لان ادراکنا قاصر عنہ کما یمنع الاکمہ عن الخوض فی کنہ اللون بعین ہذہ العلۃ وایاک ان تقیس استواءہ علی استوائک لان الصفۃ تختلف حقیقتہا باختلاف الموصوف کما ان استقرار زید علی شئ یغایر کنہ استقرار الرأی علی امر وکما ان طول الخشب یغایر کنہہ طول اللیل مع کون کل من الاستواء والطول حقیقیا واذا کان المستوی غیر معلوم الکنہ فکان الاستواء لا محالۃ غیر معلوم الکنہ فای وجہ لقیاس مجہول الکنہ علی معلوم الکنہ کیف ومثل استوائک یستحیل علیہ تعالیٰ للدلائل العقلیۃ عند الخواص وھی مذکورۃ فی الکتب الکلامیۃ وعند العوام لان استواء اعظم الجبال بل اصغرہا علی الجزء الذی لا یتجزی لیس باستواء فی لغۃ نزل بہا القرآن مع کونہما

متناهيين فكيف اذا كان احد الشيئين متناهيا والآخر غير متناه تو اجرے سننے والے کو
اشارة الى حكمة بيان الاستواء وهي امران تؤيدها الآيات بانضمام الروايات اما الحكمة الاولى
فتتأيد بقوله تعالى فى سورة المؤمن رفيع الدرجات ذو العرش لانه يتبادر منه ان المقصود من
ذكر كونه ذا العرش كونه رفيع الدرجات واما الحكمة الثانية فتتأيد بقوله تعالى بعد ذكر الاستواء
هٰهنا يغشى الليل النهار وفى سورة يونس وفى السجدة بقوله تعالى يدبر الامر وصرح بالحكمة
الثانية فى الروح بقوله هنا ووجه ذكره سبحانه هذا بعد ذكره الاستواء على ما نقل عن القفال
انه جل شانه لما اخبر العباد باستوائه اخبر عن استمرار المخلوقات على وفق مشيته وبقوله
فى سورة يونس استئنافا لبيان حكمة استواء جل وعلا على العرش وتقرير عظمته واما
الروايات المناسبة للحكمتين ففى عظمة العرش التى توجب تصوير عظمة ذى العرش ما اخرج ابن
جرير وابو الشيخ وابن مردويه عن ابى ذر رضى الله عنه انه سأل النبى صلى الله عليه وسلم عن الكرسى فقال
يا اباذر ما السموات السبع والارض السبع عند الكرسى الا كحلقة ملقاة بارض فلاة وان
فضل العرش على الكرسى كفضل الفلاة على تلك الحلقة كذا فى روح المعانى وهذه تناسب
الحكمة الاولى لان من هو قاهر على مثل ذلك الجسم الرفيع المحيط المنيع البسيط ذا
يكون شانه وعلوه وسلطانه وذكر الشيخ محى الدين ابن العربى فى الباب السبعين و
ثلثمائة من الفتوحات على ما نقل الشيخ عبد الوهاب الشعرانى فى اليواقيت والجواهر المبحث
السابع عشر فى معنى الاستواء على العرش حكمة ثالثة مستقلة لذكر الاستواء ذكرتها
إتماما للفائدة وان لم يكن لها مدخل فى التفسير وهى انه سأل اولا ما الحكمة فى اعلامه
تعالى بانه استوى على العرش ثم ذكر الجواب بان الحكمة فى ذلك تقريب الطريق على عباده
وذلك انه تعالى لما كان هو الملك العظيم ولابد للملك من مكان يقصد فيه عبادة
بحوائجهم وان كانت ذاته تعالى لا يقبل المكان قطعا اقتضت المرتبة ان يخلق عرشا و
ان يذكر للعباده انه استوى عليه ليقصدوه بالدعاء لطلب الحوائج فكان ذلك من جملة رحمته

عــه فكان العرش قبلة للدعاء كما ان الكعبة قبلة للصلوٰة واورد عليه البعض بان قبلة الدعاء هى قبلة الصلوٰة فقد
صرحوا بانه يستحب للداعى ان يستقبل القبلة والجواب عن هذا الايراد ان المراد كون العرش قبلة للدعاء بالقلب بالوجه
كما صرح فيما بعد بقوله يتوجه بقلبه ودليله الضرورة التى يجدها فى قلوبنا فانه ما قال عارف قط يا الله الا وجد فى قلبه

لعبادة والتنزل لعقولهم ولولا ذلك لبقى صاحب العقل حائر الابد اى اين يتوجه بقلبه الى فوق فاذا
من الله تعالى عليه بالكمال اندمج نور عقله فى نور ايمانه تكافأت عنده الجهات فجانب الحق وعلم وتحقق
ان الحق لا يقبل الجهة ولا التحيز الخ وفى كون العرش (عطف على قوله فى عظمة العرش) مركزا
ومصدرا للاحكام وكون اللوح المحفوظ الجامع للاحكام تحته ما اخرج ابو الشيخ فى العظمة بسند
جيد عن ابن عباس رضی قال خلق الله اللوح المحفوظ كمسيرة مائة عام وقال للقلم قبل ان يخلق
اكتب علمى فى خلقى فجرى بما هو كائن الى يوم القيمة واخرج ابن ابى الدنيا فى مكارم الاخلاق والبيهقى
فى الشعب وابو الشيخ فى العظمة وابن مردويه من طريق جلال الغسلى عن انس قال قال رسول الله صلى
الله عليه وسلم ان لله لوحا من درة بيضاء دفتاه من زبرجد كتابه من نور يلحظ اليه فى كل يوم
ثلثمائة وستين لحظة (المراد به الكثرة) يحيى ويميت ويخلق ويرزق ويعز ويذل ويفعل ما
يشاء (كذا فى الدر المنثور) وفى الباب نصوص اخرى كثيرة كسجدة الشمس اذا غربت تحت العرش
واستيذانها للطلوع (ومعناه عندى سجدة روحها فلا حاجة الى تكلفات فى دفع الاشكالات
عليه) وكتعلق بعض التسبيحات بالعرش رواه البزار كذا فى الترغيب والترهيب وفيه ايضا برواية البزار
مرفوعا عن النبى صلى الله عليه وسلم قال ان الله تبارك وتعالى خلق عمودا من نور بين يدى العرش فاذا
قال العبد لا اله الا الله اهتز ذلك العمود الحديث وفيه ايضا برواية ابن ماجه والحاكم مع تصحيحه
مرفوعا ان ما تذكرون من جلال الله التسبيح والتهليل والتحميد ينعطفن حول العرش الحديث وفيه
قال صلى الله عليه وسلم الا اعلمك او لا ادلك على كلمة من تحت العرش رواه الحاكم وفى حديث
الشفاعة الذى رواه البخارى فى تفسير قوله تعالى ذرية من حملنا مع نوح قوله عليه السلام فآتى
تحت العرش فاقع ساجدا لربى الحديث وغير ذلك من الروايات ولا يعارض المذكور من الروايات
ما رواه مسلم فى حديث الاسراء فى السدرة اليها ينتهى ما يعرج به من الارض فيقبض منها واليها
ينتهى ما يهبط من فوقها فيقبض منها الحديث لان مصدرية العرش مصدرية السدرة اضافية و
الفاظ الحديث ينص صريحا فى ذلك . وها ان الحكماء تصوروا لعادة الملوك لتانيس عقولنا بما نشاهد
من جلوسهم على السرير لاظهار علوهم ورفعتهم فى تنفيذ الاحكام بحال يكونون فوق السرير ويكون
الديوان واهله تحته بين يديه كما قالوا فى حكمة خلق السموات والارض فى ستة ايام انه تعليم

العباد المتثبت لا يقطع بامثال هذه الحكمة ولا يحكم بالحصر فيها ولا يتوقف المقصود عليها و
انما يشتاق الذهن اليها ابتغاء للارتباط فى الكلام والانضباط فى الافهام، هذا كله كان
على مذهب السلف واختار الخلف مسلك التاويل لمصلحة سهولة فهمه للعوام ولهذا
التاويل وجوه اقربها الى العربية واوفقها بقوله تعالى يدبر الامر ونحوه حمله على التدبير فقوله
تعالى يدبر الامر تفسير للاستواء عند الخلف وبيان للحكمة عند السلف كما قررته آنفا ولا
يرد على الخلف ان الملك لم يزل لله تعالى فما معنى تاخره عن خلق العالم لانى اقول المراد
التدبير الخاص فى السموات والارض وظاهر انه يتاخر عن خلقهما ولا يلزم منه حدوث الصفة بل
حدوث الفعل ولا محذور فيه وافهم وقد كنت كتبت قبل هذا مذهب الخلف فى المتن بصورة
التفسير ومذهب السلف فى الحاشية مع التصريح برجحانه وغيرت الآن
الى العكس باشارة بعض اهل العلم، وان لم يكن من اهل الحلم، لاعتدائه
فى القائه، لكن عفوت وصفحت ورضيت بما قد قدروا نظرت الى ما
قيل خذ ما صفا ودع ما كدر، والله الهادى الى الرشد،
وهو العزيز المقتدر،

مقام ثانی سورۂ یونس آیۃ ان ربکم الله الذی خلق السموات والارض فی ستۃ ایام ثم استوی
علی العرش یدبر الامر الایۃ **عبارت سابقہ** پھر عرش یعنی تخت شاہی پر قائم ہوا یعنی زمین و آسمان میں احکام
جاری کرنے لگا پس حاکم بھی ہوا وہ ہر کام کی (مناسب) تدبیر کرتا ہے (پس حکیم بھی ہے) اُس کے سامنے الخ)
ترمیم حال پھر عرش پر (جو شابہ ہے تخت سلطنت کے) اس طرح (قایم) اور جلوہ فرما ہوا جو کہ اُس کی شان کے
لائق ہے تاکہ عرش سے زمین و آسمان میں احکام جاری فرماوے جیسا آگے ارشاد ہے) وہ ہر کام کی (مناسب)
تدبیر کرتا ہے (پس وہ حاکم بھی ہے حکیم بھی ہے) اُس کے سامنے الخ)
مقام ثالث سورۂ رعد آیت الله الذی رفع السموات بغیر عمد ترونها ثم استوی علی
العرش و سخر الخ **عبارت سابقہ** پھر عرش (یعنی تخت شاہی) پر قایم (اور جلوہ فرما) ہوا یعنی زمین
و آسمان میں احکام جاری کرنے لگا اور آفتاب الخ۔ **ترمیم حال**۔ پھر عرش پر (جو شابہ ہے تخت سلطنت کے
اس طرح) قایم (اور جلوہ فرما) ہوا جو کہ اُس کی شان کے لائق ہے) اور آفتاب الخ۔

مقام رابع سورۂ طٰہٰ آیۃ الرحمٰن علی العرش استوٰی لہٗ ما فی السمٰوات الآیۃ عبارت سابقہ وہ بڑی رحمت والا عرش (یعنی تخت سلطنت) پر قائم (اور جلوہ فرما) ہے اور وہ ایسا ہی کہ الخ ترمیم حال۔ وہ بڑی رحمت والا عرش پر (جو مشابہ تخت سلطنت کے) اس طرح (قائم اور جلوہ فرما) ہے جو کہ اُس کی شان کے لائق ہو اور وہ ایسا ہی کہ الخ،

مقام خامس سورۂ فرقان آیۃ الذی خلق السمٰوات والارض وما بینہما فی ستۃ ایام ثم استوٰی علی العرش الرحمٰن الآیۃ عبارت سابقہ پھر تخت (شاہی) پر قائم (اور جلوہ فرما) ہوا جس کا بیان الخ ترمیم حال پھر عرش پر (جو مشابہ ہے تخت سلطنت کے) اس طرح (قائم اور جلوہ فرما) ہوا جو کہ اُس کی شان کے لائق ہے جس کا بیان کہ،

مقام سادس سورۂ الم السجدہ آیت اللّٰہ الذی خلق السمٰوات والارض وما بینہما فی ستۃ ایام ثم استوٰی علی العرش مالکم الخ عبارت سابقہ پھر تخت (شاہی) پر قائم ہوا (یعنی تصرفات نافذ کرنے لگا وہ ایسا عظیم ہے کہ) ترمیم حال پھر عرش پر (جو مشابہ ہے تخت سلطنت کے اس طرح (قائم اور جلوہ فرما) ہوا جو کہ اُس کی شان کے لائق ہے وہ ایسا عظیم ہے کہ) الخ

مقام سابع سورۂ حدید آیت ھو الذی خلق السمٰوات والارض فی ستۃ ایام ثم استوٰی علی العرش یعلم ما یلج الخ عبارت سابقہ پھر تخت (شاہی) پر قائم ہوا (کنایہ ہے تنفیذ احکام سے اور وہ سب جانتا ہے الخ ترمیم حال پھر عرش پر (جو مشابہ ہے تخت سلطنت کے) اس طرح (قائم اور جلوہ فرما) ہوا جو کہ اُس کی شان کے لائق ہے اور وہ سب کچھ جانتا ہے الخ یہاں تک ترمیمات کی تفصیل بھی بحمد اللہ ختم ہوئی اور معنی باعتبار اصل مقصود کے گویا رسالہ ہی ختم ہوا مگر کچھ مضمون جو اپنی حقیقت میں تائید و توضیح ہے مقصود کی اور اپنی غایت میں ایک مشفقانہ وصیت ہے بیساختہ ذہن میں آ گیا صورۃً اُس کو خاتمہ قرار دینا مناسب معلوم ہوا۔

خاتمہ در حیرت و ثنا و غیرت و دعا

ایک صاحب طریقت کو ایسے ہی مسئلہ کی طرف متوجہ ہونے کے دوران میں جو حالت پیش آئی مفید سمجھ کر اسکو نقل کرتا ہوں ان کا بیان ہے کہ دوران تحقیق میں چونکہ مسئلہ کے متعلق مختلف اقوال و آراء و دلائل نے نظر سے اور ذہن سے عبور کیا نزاکت مسئلہ کے سبب میں علی التعاقب دو مضیق میں اس قدر شدت سے مبتلا ہوا کہ تحمل نے جواب دیدیا حق تعالیٰ کی رحمت نے من حیث لا احتسب دستگیری فرمائی اور دو مفید نسخوں کی ہدایت اور توفیق عطا فرمائی جن سے شفائے کامل نصیب ہوئی چونکہ احتمال ہوا کہ شاید کسی اور کو بھی وہی مضائق پیش آویں اسلئے شفقت و

خیرخواہی مقتضی ہوئی کہ وہ نسخے بھی پیش کردوں شاید عون اخوان مسلمین سے عون حق کی مزید دولت نصیب ہو
اور اس واقعہ کے نقل کرنے میں وصیت بھی ہے کہ ایسے اسرار میں خوض کریں سمعاً تو اسکی گنجایش ہی نہیں کیونکہ
اسکی نہی میں نصوص وارد ہیں بلکہ مسئلہ قدر میں جسکی حقیقت بعض افعال کی کنہ دریافت کرنا ہے۔ خوض کرنے سے منع
فرمایا گیا ہے تو خود ذات و صفات کی کنہ دریافت کرنے کیلئے تو خوض کرنے کی کیسے اجازت ہوگی پس سمعاً تو اجازت کی
گنجایش ہی نہیں البتہ دلائل عقلیہ یا کشفیہ کی بنا پر اسکا احتمال ہے اور ابتلاء بھی ہے سو دلائل عقلیہ میں بڑا
دھوکہ یہ ہوتا ہے کہ ظنیات کو قطعیات سمجھ لیا جاتا ہے البتہ اصول یعنی توحید و رسالت پر جو دلائل قائم کئے گئے ہیں وہ بیشک قطعی ہیں کیونکہ وہ
کوئی امر ایسا نہیں عقل کی ضروری رسائی وہاں تک ہو سکتی ہے باقی متکلمین نے جو ان مسائل میں بھی دلائل سے کام کیا ہے اُن کا مقصد حقیقت میں منع کا
یعنی بمقابلہ اہل بدعت مطالبہ دلیل و ابداء احتمال کا تھا غیر محققین نے خصوصاً اُن منع کو دعاوی بنا کر پریشانی اور خطرہ میں پڑ گئے یہ تو دلائل عقلیہ کا حال تھا
رہے کشفیات سو ان میں ایک تو احتمال غلطی کا ہوتا ہے اور اگر غلطی بھی نہ ہو تو تلبیس کا احتمال ہوتا ہے جس کو محققین اہل کشف خوب جانتے ہیں وہ اشد تلبیس یہ
ہوتی ہے کہ حقائق صور مثالیہ میں متشکل ہو کر مشاہد ہوتی ہیں صاحب کشف اگر غیر محقق ہوا تو ان کو حقائق سمجھ لیتا ہے بہر حال کوئی طریق
بھی ان حقائق کے کشف کیلئے کافی نہیں اور ایسی ناکافی بنیاد پر کوئی حکم لگانا تقولون ما لا تعلمون کا مخاطب بننا ہے تو اس خاتمہ میں ان مضائق
کے سننے سے معلوم ہو جاوے گا کہ اس قفل کی کوئی کلید نہیں مزید بصیرت کیلئے رسالہ الهو والعدم مسند النوحات الاخری سنہ ۱۳۳۴ مع الصور رسالہ الابصار مندرجہ
النور محرم ۱۳۵۱ھ کے خاتمہ کا مضمون دیکھ لینا اور زیادہ مفید ہوگا۔ اب اُس کو کہ ان مضائق کو عرض کرتا ہوں۔ اول ہر قول اور ہر مسلک کا
قلب پر ہجوم ہو کر کشمکش شروع ہوئی جس میں اور بحث کے تو اوّل ذہن کو بہت ہی سخت خطرہ میں مبتلا کر دیا پھر سب کے اخیر ہو کر جسم پر تغیر
کی کیفیت پیدا ہو گئی کہ اطفال اور جہال مجھ سے زیادہ عالم معلوم ہوتے تھے اور ان کی بیخبری پر رشک آتا تھا اس کا علاج اس سے ہوا کہ باعانت
ہدایات مہدیہ المرشدۃ الی الاعتقاد الاجمالی کسی فکر نہیں سے خالی ہوا ایسے جا اس کے ساتھ مضامین و الہامی تصرفات الحق وارد ہوئے اور ذہن نے ذرا صبر کرنا شروع
کیا اور باوجود کہ کبر اُن خیالات کی طرف متوجہ ہو گیا مگر اس سر کی جبر میں اپنا عجز مستحضر ہو گیا اور حال کو طبعاً ہر گز نہ وہ ذہن ایسے منزہ عند
ذات میں فکر کرنے سے غیرت اور شرم آئی اور ذہن کو ہٹا لیا مگر ساتھ ہی توجہ صبر ہو سکتا تھا اور توجہ میں خوف غالب ہوا کہ اگر پھر ایسی کشمکش ہوئی تو کہاں تک
مقاومت اور تعدیل کروں گا اسی کے ساتھ ہی دعا کی ہمت اور توفیق ہوئی اور الحمد للہ ان مضائق سے نجات ہوئی چونکہ ہر کرب میں بھی اور ہر نجات میں بھی
بعض کچھ ارشادات حق تعالیٰ کے اور اخبار رسالتمآب صلی اللہ علیہ وسلم کے اور بزرگان دین کے ذہن اور ذہن وارد ہوتے تھے جس سے ایک گونہ دل کی گھبراہٹ
نکلتی تھی اور سوزش کو سکون ہوتا تھا اسلئے ان میں بھی کچھ کچھ بعض جو یاد ہیں اور وقت الکتابۃ ذکر کر دیتا ہوں تاکہ اگر کسی کو ایسی حالت پیش
آوے تو اس سے گونہ تسلی حاصل کر سکے۔ فی الحیرۃ مع الھدایات المرشدۃ الی الاعتقاد الاجمالی قال اللہ تعالی
لا تدرکہ الابصار وھو یدرک الابصار وھو اللطیف الخبیر وقال تعالی ولا یحیطون بشیء من علمہ

الابما شاء وقال تعالیٰ سبحان ربک رب العزة عما یصفون فی رسالتی مسائل السلوک عن البغوی عن اُبی بن کعب عن النبی صلی اللہ علیہ وسلم انہ قال فی الآیۃ (ان الی ربک المنتہیٰ) لافکرۃ فی الرب واخرج ابو الشیخ فی العظمۃ عن سفیان الثوری وروی عنہ علیہ الصلوٰۃ والسلام اذا ذکر الرب فانتہوا واخرج ابن ماجہ عن ابن عباس رض قال مر النبی صلی اللہ علیہ وسلم علی قوم یتفکرون فی اللہ فقال تفکروا فی الخلق ولا تفکروا فی الخالق فانکم لن تقدروہ واخرج ابو الشیخ عن ابی ذر قال قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم تفکروا فی خلق اللہ ولا تفکروا فی اللہ فتہلکوا اھ وفی کنوز الحقائق تفکروا فی الآء اللہ ولا تفکروا فی اللہ (ابو) ونحوہ فی الجامع الصغیر عہ۔ وقال خسرو دہلوی ؎

حیران شدہ ام در آرزویت ۔۔۔ اے چشم جہانیاں بسویت
سائم و تحیر و خاموش ۔۔۔ آفاق ہمہ بگفتگویت
خسرو بکمند تو اسیر ست ۔۔۔ بیچارہ کجا رود زکویت

وقال الشیخ عبد القدوس ؎

نیست کس را از حقیقت آگہی ۔۔۔ جملہ می میرند با دست تہی

وقال العارف الرومی ؎

اے برادر بے نہایت درگہیست ۔۔۔ ہر چہ بروے میرسی بروے مایست

وقال بعضہم ؎

دور بینان بارگاہ الست ۔۔۔ جز ازیں پے نبردہ اند کہ ہست

وقال العارفون نثرا۔ کل ما خطر ببالک فہو ہالک واللہ اجل واعلیٰ من ذلک

وقال العارف الشیرازی رح ؎

بحریست بحر عشق کہ ہیچش کنارہ نیست ۔۔۔ آنجا جز ایں کہ جاں بسپارند چارہ نیست

وقال الاحقر ؎

اندریں رہ آنکہ می آید بدست ۔۔۔ حیرت اندر حیرت اندر حیرت ست

وقال العارف الشیرازی ؎

عہ وفقط بعض احادیثہ تفکروا فی کل شئ ولا تفکروا فی ذات اللہ تعالیٰ فان بین السماء السابعۃ الی کرسیہ (ای عرشہ) سبعۃ آلاف نور وہو فوق ذلک (ابو الشیخ فی العظمۃ عن ابن عباس رض) ۱۲

عنقا شکار کس نشود دام باز چیں | کاینجا ہمیشہ باد بدست ست دام را

وقال الشیخ الشیرازی ؎

جہاں متفق بر الٰہیتش | فرو ماندہ در کنہ ماہیتش
بشر ماوراء جلالش نیافت | بصر منتہائے جمالش نیافت
نہ بر اوج ذاتش پرد مرغ وہم | نہ در ذیل وصفش رسد دست فہم
دریں ورطہ کشتی فرو شد ہزار | کہ پیدا نشد تختۂ بر کنار
چہ شبہا نشستم دریں سیر گم | کہ دہشت گرفت آستینم کہ قم
محیط ست علم ملک بر بسیط | قیاس تو بر وے نگردد محیط
نہ ادراک در کنہ ذاتش رسد | نہ فکرت بغور صفاتش رسد
تواں در بلاغت بہ سحباں رسید | نہ در کنہ بیچوں سبحان رسید
کہ خاصاں دریں رہ فرس ماندہ اند | بلا احصی از تگ فرو ماندہ اند
نہ ہر جائے مرکب تواں تاختن | کہ جاہا سپر باید انداختن
دگر مرکب عقل را پویہ نیست | عنانش بگیرد تحیر کہ ایست

وقال الروحی ؎ اے بروں از وہم و قال و قیل من | خاک بر فرق من و تمثیل من

فی الثناء۔ قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم لا احصی ثناء علیک انت کما اثنیت علی نفسک

وقال السنائی ؎

نہ سپہری نہ کواکب نہ بروجی نہ دقائق | نہ مقامی نہ منازل نہ نشینی نہ بپائی
بری از چون و چرائی بری از عجز و نیازی | بری از صورت و رنگی بری از عیب و خطائی
بری از خوردن و خفتن بری از تہمت سرلن | بری از بیم و امیدی بری از رنج و بلائی
نتواں وصف تو گفتن کہ تو در وصف نگنجی | نتواں شرح تو کردن کہ تو در شرح نیائی

وقال حاجی الاصغر ؎

اگر جملہ دریا شود دستنائی | کند کلک اشجار مدحت سرائی
محال از ثنائے تو عہدہ برآئی | ازل تا ابد اسے تو فرمانروائی
کرا جز تو در ملک تو بادشائی

وقیل کانہ ترجمۃ للنثر العربی المذکور سابقاً عن العارفین ؎

اے برتر از خیال و قیاس و گمان و وہم ۔ وز ہر چہ گفتہ اند و شنیدیم و خواندہ ایم
مجلس تمام گشت و بپایاں رسید عمر ۔ ما ہمچناں در اول وصف تو ماندہ ایم

وقیل ؎
قلم بشکن سیاہی ریز و کاغذ سوز و دم درکش ۔ حسن ایں قصہ عشق ست در دفتر نمی گنجد

فی الغیرۃ قال العارف الشیرازی ؎
بخدا کہ رشکم آید ز دو چشم روشن خود ۔ کہ نظر دریغ باشد بچنیں لطیف روئے

وکاتب الدین القلندر ؎
غیرت از چشم برم روئے تو دیدن ندہم ۔ گوش را نیز حدیث تو شنیدن ندہم

فی الدعاء۔ قال اللہ تعالیٰ ربنا لا تزغ قلوبنا بعد اذ ہدیتنا وہب لنا من لدنک رحمۃ انک انت الوہاب

قال العارف الرومی ؎
آنکہ در کون ست اشیاء ہرچہ ہست ۔ واناں را بہر صورت کہ ہست
آب خوش را صورت آتش مدہ ۔ اندر آتش صورت آبے منہ
از شراب قہر چوں مستی دہی ۔ نیستہا را صورت ہستی دہی
یا غیاث المستغیثین اہدنا ۔ لا افتخار بالعلوم والغنا
لا تزغ قلبا ہدیت بالکرم ۔ واصرف السوء الذی خط القلم

بگذراں از جان ما سوء القضا ۔ وامبر ما را ز اخوان الصفا
گر خطا گفتیم اصلاحش تو کن ۔ مصلحی تو اے تو سلطان سخن
کیمیا داری کہ تبدیلش کنی ۔ گرچہ جوئے خوں بود نیلش کنی
ایں چنیں بینا گرہا کار تست ۔ ایں چنیں اکسیرہا ز اسرار تست
حق آں قدرت کہ بر تلوین ما ۔ رحمتے کن اے امیر لونہا
خویش را دیدیم و رسوائی خویش ۔ امتحان ما مکن اے شاہ بیش
کار تو تبدیل اعیان و عطا ۔ کار ما سہوست و نسیان و خطا
سہو و نسیان را مبدل کن بعلم ۔ من ہمہ جہلم مرا دہ صبر و حلم
از تناقض ہائے دل پشتم شکست ۔ بر سرم جانا بیا می مال دست

ولیکن ہذا آخر المقال۔ وبہ تمت الرسالۃ للرابع والعشرین من ربیع الثانی ۱۳۴۸ھ من ہجرۃ سید المرسلین۔ ولعلی لا اکتب بعدہا رسالۃ مستقلۃ لصیرورۃ قوی المدرکۃ العاقلۃ مضمحلۃ۔ والامر کلہ بید اللہ تعالیٰ والحمد للہ فی کل حال علی نعمۃ التی تتوالیٰ ۔

تمت رسالۃ تمہید الفرش فی تحدید العرش

رسالہ عبور البراری فی سرور الذراری

حال۔ ایک روز رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی زیارت حالت بیخودی (غیر منام) میں نصیب ہوئی اور آنحضرت علیہ الصلوٰۃ والسلام نے اس حقیقت پہ ارشاد فرمایا کیا تمھیں ذراری مشرکین کے جہنمی ہونے میں شک ہے۔ ارشاد ایسے طریقہ پر تھا کہ جس سے اُن کا جہنمی ہونا معلوم ہوتا ہے۔ یہ ایک مسئلہ شرعی ہے اس سے قبل میرا غلبہ ظن اُن کے ناجی ہونے کا تھا اور ناجی ہونے کی روایات کو راجح سمجھتا تھا۔ مگر اس ارشاد کے بعد سے اپنا خیال بھی برعکس ہوگیا ہے اور اُس وقت اس مسئلہ کا بالکل وہم وگمان بھی نہ تھا اچانک بیٹھے بیٹھے بیخودی طاری ہوکر (یعنی بدون النوم الخالص) زیارت اور ارشاد کی برکت نصیب ہوئیں۔

تحقیق۔ بڑی خوش قسمتی ہے مبارک ہو اور اس سے زیادہ خوش قسمتی کی بات یہ ہے کہ آثار رویت کو آثار روایت پر منطبق کہا جاوے کہ احکام مردیہ میں تجلیات مرئیہ سے مقصودیت زیادہ ہے پس اس بنا پر عرض ہے کہ دلائل سے یہ احکام ثابت ہیں۔ ۱؎ خواب یا بیخودی حجت شرعیہ نہیں ۲؎ پس اُس سے نہ غیر ثابت ثابت ہوسکتا ہے نہ راجح مرجوح نہ مرجوح راجح۔ سب احکام اپنی حالت پر رہیں گے البتہ اتنا اثر لینا شرع کے موافق ہے کہ جانب احوط کو پہلے سے زیادہ لیا جاوے ۳؎ مسئلہ مبحوث عنہا یعنی اطفال مشرکین میں علماء کے تین مذہب منقول ہیں تعذیب ونجات وتوقف۔ اور ہر مذہب پر دلائل شرعیہ قائم ہیں۔ تو خواب سے نہ کوئی مذہب منفی ہوسکتا ہے نہ کوئی دلیل ثبوتاً یا دلالۃً باطل ہوسکتی ہے پھر ان تینوں قول میں اکثر محققین نے نجات کو ترجیح دی ہے بخصوص بخاری کی حدیث کے بعد کہ آپ نے بچوں کو ابراہیم علیہ السلام کے پاس مجتمع دیکھا اُس وقت آپ سے پوچھا گیا واولاد المشرکین آپ نے فرمایا واولاد المشرکین۔ تو خواب سے اس ترجیح کا بطلان بھی نہ ہوگا۔ ۴؎ یہ بھی احتمال ہے کہ رائی کو اچھی طرح یاد نہ رہا ہو ۵؎ بعض علماء کی رائے پر یہ بھی احتمال ہے کہ مرئی حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نہ ہوں ۶؎ اور ان سب امور سے تنزل کرنے کے بعد یہ کہا جاسکتا ہے کہ جہنمی ہونا مستلزم تعذیب کو نہیں خود حدیث میں مصرح ہے کہ ایک جماعت اہل جنت کی ہوگی جو جہنمیین کہلائیں گے رواہ البخاری۔ اسیطرح ممکن ہے کہ یہ بچے جہنم میں کسی مصلحت کے سبب رکھے جائیں اور معذب نہ ہوں اور خواب سے غایت

مانی الباب اتنا ہی ثابت ہوتا ہے مگر نیز تامل کیا جائے کہ اگر کوئی شخص اس کے معارض خواب میں حضور کا ارشاد سن لے اُس وقت بجز اس کے کیا فیصلہ ہو گا کہ خواب حجت نہیں۔

(تتمہ) بعد تحریر جواب بالا بعض احباب نے بعض غیر مشہور روایتیں اس باب کے متعلق کنز العمال و جامع صغیر میں دکھلائیں چونکہ اُن سے بھی بعض ضروری فوائد ہوتے ہیں اس لئے تتمیم نفع کے لئے اُن کو بھی مع اُن فوائد کے نقل کرتا ہوں۔

الروایۃ الاولیٰ عائشۃ لو شئت لاسمعتک تضاغیہم من النار یعنی اطفال المشرکین (الدیلمی عن عائشۃ) **الروایۃ الثانیۃ** - ان اللہ تبارک وتعالیٰ اذا قضی بین اہل الجنۃ واہل النار ثم میز ہم بقوا فقالوا اللہم ربنا لم یأتنا رسولک ولم نعلم شیئا فارسل الیہم ملکا واللہ اعلم بما کانوا عاملین فقال انی رسول ربکم الیکم فانطلقوا فاتبعوا حتی اتوا النار قال لہم ان اللہ یأمرکم ان تقتحموا فیہا فاقتحمت طائفۃ منہم ثم اخرجوا من حیث لا یشعر اصحابہم فجعلوا فی السابقین المقربین ثم جاءہم الرسول فقال ان اللہ یأمرکم ان تقتحموا فی النار فاقتحمت طائفۃ اخری ثم اخرجوا من حیث لا یشعر اصحابہم فجعلوا فی اصحاب الیمین ثم جاءہم الرسول فقال ان اللہ یأمرکم ان تقتحموا فی النار فقالوا ربنا لا طاقۃ لنا بعذابک فامر بہم فجمعت نواصیہم واقدامہم ثم القوا فی النار (الحکیم عن عبد اللہ بن شداد) ان رجلا سائل النبی صلی اللہ علیہ وسلم عن ذراری المشرکین الذین ہلکوا صغارا فقال ذکرہ۔ **الروایۃ الثالثۃ** سألت ربی ان یتجاوز عن اطفال المشرکین فتجاوزہم وادخلہم الجنۃ (ابو نعیم عن انس) **الروایۃ الرابعۃ** - لم یکن لہم سیئات فیعاقبوا بہا فیکونوا من اہل النار ولم یکن لہم حسنات فیجازوا بہا فیکونوا من ملوک اہل الجنۃ ہم خدم اہل الجنۃ یعنی اطفال المشرکین (طب عن الحسن بن علی)

الروایۃ الخامسۃ - انی سألت ربی اولاد المشرکین فاعطانیہم خدما لاہل الجنۃ لانہم لم یدرکوا ما ادرک اباؤہم من الشرک ولانہم فی المیثاق الاول (الحکیم عن انس وابو الحسن بن ملۃ فی امالیہ عن انس) ہذا کلہ فی کنز العمال کتاب القیامۃ من قسم الاول ذکر اہل الجنۃ وفیہ ذکر اولاد المشرکین فی موضعین وحسن فی الجامع الصغیر الروایۃ الخامسۃ بالرمز وفی العزیزی باللفظ **الروایۃ السادسۃ** اولاد المشرکین خدم اہل الجنۃ (طس عن سمرۃ وعن انس)

اوردہ فی الجامع الصغیر وصححہ بالرمز والعزیز بالنفظ۔ **الفائدۃ الاولی۔**
اصل جواب کے ۶ سادس میں لکھا ہے کہ جہنمی ہونا مستلزم تعذیب کو نہیں اھ روایت اولی بظاہر
دال ہے تعذیب پر کیونکہ تضاغی کسی الم ہی کے سبب ہو سکتی ہے جواب یہ ہے کہ تضاغی کے دوسرے
اسباب بھی ہو سکتے ہیں مثلاً اپنے آبا کی حالت دیکھ کر جیسے دنیا میں مشاہد ہے اگر کسی بچے کے باپ بھائی
کو کوئی مارے بچہ رونے لگتے ہیں یا مثلاً باوجود عدم تالم کے احتمال تالم فی المستقبل سے جیسے دنیا میں بھی باوجود
عدم وقوع خوف کے احتمال خوف سے بچے رونے لگتے ہیں۔ یا مثلاً خود جہنم کے منظر ناپسند کر کے اس سے
خارج ہونے کیلئے الحاح کیلئے جیسے اُس کے نظائر دنیا میں بھی دیکھے جاتے ہیں غایت مافی الباب
اس کا قائل ہونا پڑے گا کہ بچوں میں بچپن کے بعض جذبات وہاں بھی رہیں گے سو اس کے التزام میں
چنداں بُعد نہیں چنانچہ چھوٹے بچے جو اپنے ابوین کے بخشوانے کیلئے اڑ جائینگے کہ ہم بدون ان کے
جنت میں نہ جائیں گے وہاں حدیث میں ارشاد خداوندی ان لفظوں سے منقول ہے ایھا السقط
المراغم ربہ ادخل ابویك الجنۃ ۔ مراغم کا لفظ ان جذبات کے بقا کو بتا رہا ہے۔
سوال۔ جب عذاب اس کا مدلول نہیں تو حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کا مقصود اس خبر دینے سے
کیا ہے۔
جواب۔ صرف دخول نار کی خبر دینا ہو سکتا ہے کہ اس میں بھی ظاہراً بُعد تھا اس بُعد کے رفع کرنیکے
لئے یہ ارشاد فرمایا ہو۔ یہ تو دلالت حدیث میں کلام ہے باقی ثبوت میں یہ کلام ہو سکتا ہے کہ حدیث
ضعیف ہے چنانچہ کنز العمال کے خطبہ میں دیلمی کی روایات کا ضعف مصرح ہے اسلئے جب اقوی
سے تعارض ہوگا اقوی کو ترجیح ہوگی۔ **الفائدۃ الثانیۃ** ۔ روایت ثانیہ بھی بظاہر دال ہے ذراری
مشرکین کے ایک حصہ کے تعذیب پر جنھوں نے اقتحام نار سے عذر و انکار کیا اس کا ایک جواب تو
وہی ہو سکتا ہے کہ القاء فی النار مستلزم تعذیب کو نہیں رہا یہ کہ پھر اس میں حکمت کیا ہے جواب یہ ہے
کہ ممکن ہے کہ صورت عصیان پر صورت عذاب کو مرتب فرمانا مقصود ہو جیسا اس کے عکس میں فرعون
کی صورت نجات کو مرتب فرمایا اور فاء ترتیب کے ساتھ ارشاد فرمایا فالیوم ننجیك ببدنك اس حکمت
کو تو اشارۃً فرمایا اور دوسری حکمت کو صراحۃً لتکون لمن خلفك اٰیۃ دوسرا جواب یہ ہے کہ اگر دلالت علی
التعذیب مسلم بھی ہو تو یہ ثمرہ تھا اُن کے عصیان کا کہ رسول رب کی نافرمانی کی اور اقتحام نار سے انکار کیا سو

سعذاب ثمرہ اعمال کا ہو امحض ذریۃ مشرکین ہونا سبب نہیں ہوا ورنہ ان ہی ذراری کے جو اور دو جتھے تھے اُن کو سابقین اور اصحاب یمین میں کیوں داخل کیا جاتا۔ سو چونکہ انھوں نے فرمانبرداری کی اس لئے ان کو یہ درجات عطا ہوئے۔

سوال۔ جس حکم کی مخالفت موجب تعذیب ہوسکتی ہے نصوص سے اُس میں یہ شرط ثابت ہے کہ وہ مالایطاق نہ ہو اور نار میں گرجانا ظاہر ہے کہ مالایطاق ہے چنانچہ انھوں نے یہی عذر بھی کیا کہ ربنا لا طاقۃ لنا بعد ایک پھر اس پر عذاب کیسے مرتب ہوا۔

جواب۔ چونکہ محض اقتحام نار مستلزم عذاب کو نہیں اُنھوں نے یہ کیسے سمجھ لیا کہ وہاں عذاب ہی ہوگا اس لئے اُن کو اطاعت کرنا چاہئے تھا۔

سوال۔ احتمال تو عذاب کا تھا اور احتمال بھی غالب اور ناشی عن دلیل۔

جواب ممکن ہے کہ اُن پر منکشف کردیا گیا ہو کہ عذاب نہ ہوگا محض ابتلاء و امتحاناً امر ہے جیسے اس کی نظیر مسلم و ترمذی کی حدیث میں وارد ہے فالحدیث الاول عن انسؓ ان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم قال یخرج من النار اربعۃ فیعرضون علی اللہ ثم یؤمر بھم الی النار فیلتفت احدھم فیقول ای رب لقد کنت ارجو اذ اخرجتنی منھا ان لا تعیدنی فیھا قال فینجیہ اللہ منھا والثانی عن ابی ھریرۃ رض ان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم قال ان رجلین ممن دخل النار اشتد صیاحھما فقال الرب تعالیٰ اخرجوھما فقال لھما لای شئ اشتد صیاحکما قالا فعلنا ذلک لترحمنا قال فان رحمتی لکما ان تنطلقا فتلقیا انفسکما حیث کنتما من النار فیلقی احدھما نفسہ فیجعلھا اللہ علیہ برداً و سلاماً ویقوم الآخر فلا یلقی نفسہ فیقول لہ الرب تعالیٰ ما منعک ان تلقی نفسک کما القی صاحبک فیقول رب انی لارجو ان لا تعیدنی فیھا بعد ما اخرجتنی منھا فیقول لہ الرب تعالیٰ لک رجاءک فید خلان جمیعاً الجنۃ برحمۃ اللہ (کذا فی المشکوٰۃ الفصل الثانی من باب الحوض والشفاعۃ)

پھر انکار محض ایسا تھا جیسے بعض لوگوں کو یہ یقین دلایا جاتا ہے کہ روزہ رکھنے سے کچھ تکلیف نہ ہوگی یا سفر حج میں جہاز اور دریا سے کوئی تکلیف نہ ہوگی پھر بھی کم ہمتی سے اُس کا تحمل نہیں کرتے تو کیا یہ لوگ معذور ہوں گے۔

سوال۔ آخرت تو عالم جزا ہے نہ کہ عالم ابتلا وہاں انکے ساتھ یہ معاملہ کیسے کیا گیا۔

جواب۔ یہ تقسیم باعتبار احوال غالبہ کے ہے ورنہ دنیا جو عالم ابتلاء ہے اس میں بھی بعض جزائیں مرتب ہوتی ہیں۔ اسی طرح آخرت میں بعض واقعات ابتلاء کے ہو سکتے ہیں۔

سوال بعد وقوع عصیان کے تو یہ حکم مستبعد نہیں لیکن قبل وقوع اُن کیلئے نار کا جو حکم کیا گیا وہ تو بہت مستبعد ہے۔

جواب۔ وہ حکم بھی ابتلاء تھا جزائی نہ تھا مگر اس کا ابتلاء ہونا ظاہر نہیں کیا گیا تھا اُس حکم کے بعد بھی یہی مقصود تھا کہ جو مانیگا اُس کو نجات ہوگی۔ جو نہ مانیگا اُس کو عقاب ہوگا مگر ان لوگوں کی سمجھ میں اس کا ابتلاء ہونا نہ آیا وہ جزا سمجھے اس لئے یہ عذر کیا کہ ہم کو تو کچھ خبر ہی نہیں پس اس جزا سے معاف کیجئے۔ پہلے سے چونکہ اللہ تعالیٰ کے علم ازلی میں تھا کہ اس کے بعد اُن کو اس طرح حکم دیا جائے گا اور اُن میں بعضے فرمانبرداری کریں گے بعضے نافرمانی کریں گے اس لئے اُس حکم ابتلائی کے بعد حکم تکلیفی فرما دیا۔ پس ترتیب جزا و سزا کا عمل ہی پر ہوا۔ اور اس روایت میں جو ارشاد ہے اللہ اعلم بما کانوا عاملین اس میں اشارہ اسی طرف ہو گیا کہ اُس حکم سابق کے وقت اللہ تعالیٰ کو معلوم تھا کہ یہ عذر کریں گے پھر ان پر اس طرح اتمام حجت ہوگا اور پھر اس تفصیل سے اُن کے ساتھ معاملہ کیا جاوے گا۔ اس تفسیر کی اس روایت میں دلیل بھی موجود ہے اور دوسری مشہور حدیثوں میں جو یہ جملہ وارد ہے وہاں بھی یہی تفسیر محتمل ہے پس اُس کی دلالت توقف پر جو مشہور ہے اور توقف کی یوں تقریر کی جاتی ہے کہ بڑے ہو کر جیسے عمل کرتے ویسی جزا ملی گی۔ اس کی کوئی دلیل نہیں پھر اس میں یہ استبعاد بھی ہے کہ اُس سے جزا بلا عمل کا قائل ہونا لازم آتا ہے جو ظاہراً دوسری نصوص صحیحہ صریحہ کے مصادم ہے اور اگر اس روایت ثانیہ کی تفصیل ثابت نہ ہو (جیسا کہ حکیم کی روایت کو خطبہ کنز العمال میں ضعیف کہا گیا اور یہ ضعیف بھی ایک جواب ہے اس روایت کی دلالت علی التعذیب کا جیسا اول جواب باعتبار دلالت کے تھا) اور اس لئے اللہ اعلم بما کانوا عاملین کی یہ تفسیر مسلم نہ ہوگی تو پھر توقف پر محمول کر کے اس کی اقرب التفاسیر یہ ہے کہ مدار جزا کا عمل پر ہے اور بلوغ کے بعد جو یہ عمل کرتے وہ اللہ ہی کو معلوم ہے کہ کیا کرتے اور اللہ تعالیٰ اُس کے موافق اُن کو جزا دیتا مگر وہ واقع نہیں ہوا اس لئے اس اصل کے موافق تو نہ یہ مستحق ثواب کے ہیں نہ عذاب کے باقی دوسرے دلائل سے عذاب کا انتفا ثابت ہے تو اب اس میں توقف رہا کہ آیا اُن کو ثواب ہوگا یا بہائم کی طرح نہ ثواب ہوگا نہ عذاب ہوگا مثلاً مٹی کر دیئے جاوینگے۔ چنانچہ نووی نے اس تفسیر کو اختیار کیا ہے حیث قال حقیقۃ لفظہ اللہ اعلم بما کانوا

یعملون لوبلغوا ولم یبلغوا اذ التکلیف لایکون الا بالبلوغ اھ اور یہ توقف اُس وقت فرمایا ہو کہ آپ کو اس کا علم نہ عطا کیا گیا ہو پھر بعد علم توقف نہ رہا ہو اور نجات کی جانب کو متعین فرمایا جیسا روایات آئندہ کا مقتضا ہے فائدہ ثالثہ کے تحت میں مذکور ہے۔

(ضمیمہ مضمون بالا) اس مقام کی تحریر کے کئی روز بعد ابوداؤد کی ایک حدیث سے مضمون بالا یعنی جملہ اللہ اعلم بما کانوا عاملین کی عدم دلالت علی التوقف کی تائید صریح مفہوم ہوئی اس لئے اُس کو یہاں لحق کرتا ہوں۔ وہ حدیث یہ ہے عن عائشۃ قلت یارسول اللہ ذراری المؤمنین فقال من اٰبائھم فقلت یارسول اللہ بلا عمل قال اللہ اعلم بما کانوا عاملین قلت یارسول اللہ فذراری المشرکین قال من اٰبائھم فقلت بلا عمل فقال واللہ اعلم بما کانوا عاملین (جمع الفوائد) تائید ظاہر ہے کیونکہ اگر اس جملہ سے توقف مقصود ہوتا تو دونوں جگہ ھم من اٰبائھم کے جزم کے ساتھ اس کا اجتماع کیسے ہوتا پس معلوم ہوا کہ اس کے معنے یہ ہیں کہ واقعی مدار جزا کا تو عمل ہی پر ہے اور بلوغ کے بعد یہ جو عمل کرتے وہ اللہ ہی کو معلوم ہے کہ کیا کرتے اور اللہ تعالیٰ اس کے موافق اُن کو جزا دیتا مگر وہ واقع نہیں ہوا اس لئے اس اصل کے موافق تو یہ نہ مستحق ثواب کے ہیں نہ عذاب کے۔ اور اس لئے ان کے ساتھ کوئی معاملہ جزاءً نہ ہوگا بلکہ الحاقاً ہوگا اس لئے دونوں جگہ من اٰبائھم فرمایا لیکن دوسرے دلائل سے ثابت ہے کہ ملحق باہل الثواب کو تو ثواب ہوتا ہے اور ملحق باہل العذاب کو عذاب نہیں ہوتا گو نار میں ہوں اور نار میں رہنا مستلزم تعذیب نہیں اور جس وقت یہ ارشاد ہوا تھا اس وقت تک یہی حالت تھی اُس کے بعد ان ملحقین باہل العذاب کا جنت میں داخل ہونا معلوم کر دیا گیا۔ اس وقت یہ ارشاد فرمایا۔

عن ابن عباس رض ان النبی صلی اللہ علیہ وسلم سئل عمن فی الجنۃ فقال النبی فی الجنۃ والشہید فی الجنۃ والمولود فی الجنۃ والموءودۃ فی الجنۃ للبزار عن سمرۃ رض سألت النبی صلی اللہ علیہ وسلم عن اولاد المشرکین قال ھم خدم اھل الجنۃ للبزار والکبیر والاوسط جمع الفوائد (وھذا التقریر محتمل لہ باول التقریر السابق فی العبارۃ ایضا واٰخرۃ باٰخرہ معنی فقط الا احتمال التوقف)

الفائدۃ الثالثۃ۔ روایت ثالثہ و رابعہ و خامسہ و سادسہ سے جن میں روایت خامسہ کی تحسین اور روایت سادسہ کی تصحیح بھی کی گئی ہے باہم سب روایات میں نہایت سہولت سے تطبیق ہو جاتی ہے۔ روایات توقف میں تو کوئی حکم ہی نہیں فقط ناطق اور ساکت میں تعارض ہی نہیں جو حاجت تطبیق ہو

بلکہ ناطق قاضی ہے ساکت پر اور روایات دخول نار سے اس طرح تطبیق ہوجاوے گی کہ دونوں واقعوں کا زمانہ مختلف ہے اول دخول نار کا حکم ہوا ہو یا اس کا وقوع ہوگیا ہو یا لتفصیل المذکور سبق پھر حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کی شفاعت سے دخول جنت ہوجاوے جیسا مؤمنین حضور کی شفاعت سے بعض قبل دخول نار بعض بعد دخول نار داخل جنت ہوں گے پھر اُن کا درجہ جنت میں بتلایا گیا کہ اہل الجنۃ کے خادم ہونگے اور اُس کی وجہ بھی فرمادی کہ اعمال نہ ہونے کے سبب اُن کو ملوکیت کا درجہ عطا نہیں ہوا تابع ہوکر جنت میں مقیم ہونگے اور دوزخ سے نجات کی وجہ بھی فرمادی کہ وہ اعمال شرکیہ سے بھی منزہ تھے اور میثاق اول پر قائم تھے اور اس تعلیل پر اگر سوال ہو کہ یہ علت تو ذراری مسلمین میں بھی پائی جاتی ہے کہ نہ اُن کے پاس اعمال صالحہ ہیں اور نہ معاصی ہیں تو چاہیے کہ وہ بھی اہل جنت کے خدم ہوں جواب یہ ہے کہ اس کا تو مقتضا یہی تھا مگر ایک دوسرے مقتضے سے کہ وہ انتساب الی المؤمنین ہے اُن کے ساتھ درجات میں بھی ملحق ہوں گے اور اگر روایت ثانیہ ثابت ہو تو یوں کہیں گے کہ ان ذراری کی مختلف جماعات کے ساتھ مختلف معاملہ ہوگا نجات سب میں معاملہ مشترکہ ہوگا اور غالب یہی ہے اور اگر ان کی ایک جماعت کی تعذیب بھی مان لی جاوے جیسا فائدہ ثانیہ کے شروع میں احتمال تعذیب کو علی سبیل التنزل مان کر جواب دیا گیا ہے تو اخیر روایات کی بنا پر یوں کہہ سکتے ہیں کہ پھر ان کو بھی نجات ہوکر اہل جنت کا خادم بنادیا جاوے گا کیونکہ روایت ثانیہ میں کوئی لفظ تابید پر دال نہیں۔ نیز اس جماعت کا محض عصیان وعذر منقول ہے جو موجب دخول نار ہوسکتا ہے جحود یا انکار استکبار منقول نہیں جو موجب خلود ہو تو قواعد کلیہ کا بھی یہی مقتضا ہے کہ اگر شفاعت بھی نہ ہو تب بھی اُن کو نجات ہوجاوے گی۔

سوال۔ روایت خامسہ حکیم کی ہے جن کی تضعیف کنز العمال کے خطبہ میں کی گئی ہے اس سے تمسک کیسے ہوسکتا ہے۔

جواب۔ یہ حکم اس جگہ ہے جہاں اس کا خلاف ثابت نہ ہو۔ یہاں تحسین دلیل سے ثابت ہے پس ضعف کا حکم نہ کیا جاویگا خصوص جب کہ روایت سادسہ سے بھی جس کی تصحیح کی گئی ہے متاید ہو بلکہ اگر کسی روایت کی تحسین و تصحیح بھی نہ ہوتی ہو خود تعدد روایات سے قوت آجاتی ہے خصوص جب تلقی علماء بالقبول بھی ہو تو وہ خود تقویت کا مستقل قرینہ ہے اور یہاں ایسا ہی ہے چنانچہ نووی وعزیزی اور دوسرے علماء نے اُن کی نجات کو جمہور علماء کا قول کہا ہے۔ واللہ اعلم وعلمہ اتم واحکم۔ تحدث بالنعمۃ ونفح جار رحمۃ

تمام دن روایت ثانیہ سے اشکالات واعضالات کا اس قدر ہجوم ہوا اور اس ہجوم سے قلب اس قدر مجمع ہموم و غموم ہوا کہ اُس کے سامنے سخت سے سخت بڑی عقبات اور بحری ورطات کی کچھ حقیقت نہ تھی پریشانی سے باطنی ہلاکت قریب تھی آخر دعا و ابتہال میں مشغول ہوا آخر شب میں خدا تعالیٰ کی مدد ظاہر ہوئی اور قلب پر علوم کا ورود ہوا جس سے انشراح نصیب ہوا آج صبح کو یہ سطریں ضبط کیں والحمد للہ علیٰ ما اعطانی مالم اکن اھلا ولہ۔ اور چونکہ مضمون میں صورۃً و معنیً ایک گونہ امتیاز ہو گیا اس لئے اس کا ایک لقب بھی جس میں اشکالات کے میدانوں کے قطع کرنے کی طرف بھی اشارہ ہے تجویز کرتا ہوں۔ عبور البراری فی سر ورالذراری وصلی اللہ تعالیٰ علیٰ خیر خلقہ محمد و آلہ واصحابہ اجمعین۔ سلخ جمادی الاخریٰ

تمت رسالہ عبور البراری

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

رسالہ ظہور العدم بنور القدم

(یعنی اس شعر مشہور کی شرح)

کل ما فی الکون وھم او خیال　　او عکوس فی المرایا او ظلال

(جس کا اصطلاحی عنوان مسئلہ وحدۃ الوجود و وحدۃ الشہود ہے)

بعد الحمد والصلوٰۃ احقر الخلیقہ۔ بل لا شئ فی الحقیقہ۔ عرض رسا ہے کہ مسئلہ وحدۃ الوجود کے باب میں اکثر قائلین کی خلاف حدود کشادہ زبانی اور اکثر منکرین کی خلاف واقع بدگمانی کا منشا مجموعہ ہے دو امر کا۔ ایک اس کو محض مسئلہ کشفیہ سمجھنا اور دوسرا اس کا صرف اُن اہل کشف کے کلام میں تتبع کرنا جو مغلوب الحال یا ضیق المقال ہیں اور اس مجموعہ کا اثر غلط فہمی ہونا ظاہر ہے پھر اس غلط فہمی کے ساتھ اگر صاحب کلام سے حسن ظن ہے تو مسئلہ کے متعلق اور اگر سوء ظن ہے تو صاحب مسئلہ کے متعلق مطلق العنانی لازم ہے اور ان ہی دونوں مفسدوں کی اصلاح و انسداد کے لئے علماء معتقدین اہل طریق اور عرفاء اصحاب تحقیق ہمیشہ ساعی رہے ہیں علماء کی غایت سعی کا حاصل تو یہ تھا کہ وحدۃ الوجود کو جس میں ملامت زیادہ ہے توجیہ و تاویل کر کے وحدۃ الشہود کی طرف کہ اس میں ملامت کم تھی اور دونوں مسئلہ کے اختلاف کو نزاع لفظی کی طرف راجع

عہ لیم تروم الطریق سموم المجاز ۱۲ منہ عہ بعض المحققین علی وحدۃ الوجود و بعضہا علی وحدۃ الشہود و بعض اعلیٰ کلام ۱۲ منہ

کیاجائے اور عرفاء کی تحقیق کا حاصل یہ تھا کہ غلط فہمی کے منشا کو رفع فرمایا جو کہ مجموعہ امرین مذکورین فی السابق ہے
یعنی اپنی تقریر سے اس کو واضح فرمایا کہ دونوں مسئلے علمی اور کلامی ہیں اور دونوں میں اختلاف حقیقی ہے
اور وجہ ان کے علمی و کلامی ہونے کی ظاہر ہے کیونکہ حاصل اُن کا تحقیق ارتباط الحادث بالقدیم ہے اور
اُس کا مسئلہ علمیہ و کلامیہ ہونا معلوم ہے البتہ یہ ضرور ہے کہ یہ اُن مسائل کلامیہ میں سے نہیں جو عقلی
محض ہیں کیونکہ مسئلہ الصولیہ کلامیہ دو قسم کے ہیں ایک عقلی محض یعنی عقل اُن کے لزوم کے حکم کے لئے کافی
ہو جیسے مسئلہ وجود صانع وحدوث عالم ونحوہما۔ دوسرے عقلی غیر محض یعنی عقل محض اُن کے امکان کا حکم
کرتی ہے مگر ثبوت میں نقل کی بھی احتیاج ہوتی ہے جیسے مسئلہ رویت کا کہ عقل اُس کے امکان کا حکم کرتی
ہے اور جو فرقے اس کے امتناع کا حکم کرتے ہیں اُن کے مقابلہ میں اس امتناع کی نفی کرتی ہے گو رویت
کی کنہ کا ادراک نہ کر سکے کیونکہ امکان کا بلکہ اثبات کا حکم بھی ادراک کنہ پر موقوف نہیں جیسے علم باری تعالیٰ
کا مسئلہ کہ عقلاً ثابت مگر کنہ اُس کی غیر معلوم بلکہ خود علم حادث کی کنہ آجتک قطعاً معلوم نہیں ہوئی کوئی اسکو
مقولہ اضافت سے بتلا رہا ہے کوئی مقولہ انفعال سے کوئی مقولہ کیف بلکہ اقسام علم میں سے جو قسم سب سے
اظہر و ابین ہے اُس کی کنہ تک منقح نہیں ہوئی خود ابصار ہی کی حقیقت کا اختلاف مشہور ہے لیکن تاہم ان کا
اثبات بلا نقل متفق علیہ میں العقلاء ہے جب حکم بالاثبات تک ادراک کنہ پر موقوف نہیں تو حکم بالامکان
تو بالاولیٰ ادراک کنہ پر موقوف نہ ہوگا پس مسئلہ رویت کا باوجود غیر مدرک بالکنہ ہونے کے عقلی کی دو قسم
ہے کہ امکان اُس کا عقلی اور ثبوت اُس کا نقلی تو ایک قسم عقلی کی ایسی بھی ہوئی پس مسائل کلامیہ دو قسم
کے ہوئے سو یہ مسئلے وحدۃ الوجود و وحدۃ الشہود کے بوجہ مدخلیت کشف کے گو قسم اول میں سے تو نہیں
لیکن قسم ثانی میں سے ہیں چنانچہ عنقریب آتا ہے باقی یہ کہ کتب کلامیہ میں مذکور کیوں نہیں سو اُس کی وجہ
یہ ہے کہ متکلمین نے بالالتزام صرف اُن مسائل کو لیا ہے جو اول تو قطعی ہوں اور دوسرے کسی فرقہ سے اُمیں
کلام ظاہر ہوا ہو گو بعض مسائل غیر قطعیہ بھی تبعاً ذکر میں آگئے جیسے جزء لا یتجزیٰ کا مسئلہ کہ تبعاً لمسئلۃ حدوث
العالم مذکور ہو گیا ہے لیکن التزام قطعیات ہی کا ہے اور یہ مسئلے نہ قطعی ہیں نہ زمانہ تدوین کلام میں ان کا
اس طرح ظہور ہوا تھا پس متکلمین کا ان دونوں مسئلوں کو اس عارض خاص سے ذکر نہ کرنا ہمارے اس دعویٰ
کے کہ یہ مسائل کلامیہ کی قسم ثانی سے ہیں معارض نہیں۔ رہا یہ کہ یہ قسم ثانی میں سے کس طرح ہیں مسئلہ وجود کو
متکلمین نے تو قسم اول میں ذکر کیا ہے سو بات یہ ہے کہ اثبات الوجود للحوادث کی کیفیت متکلمین کے نزدیک

تو عقلی محض ہے اور صوفیہ کے نزدیک مع الاختلاف بینھم امکاناً عقلی اور وقوعاً کشفی ہے کما ستیضح من تقریرھا اس لئے مسئلہ وجود متکلمین کے نزدیک قسم اول سے اور صوفیہ کے نزدیک قسم ثانی سے ہے متکلمین کے مسائل قسم ثانی سے اس کو اتنا فرق ہے کہ انھوں نے نقل میں محض نصوص کو لیا ہے اور صوفیہ نے کشف کو بھی مگر اس سے یہ لازم نہیں آتا کہ یہ مسئلہ عقلی نہ رہے جس طرح مسئلہ رویت باوجود مدخلیتہ نص کے عقلی ہے۔ غایت مافی الباب بوجہ استناد الی الکشف کے ظنی ہوگا اور ظنیت میں بھی ظنیات اصولیہ سے متنزل لعدم کون الکشف فی شئی من درجات الحجیۃ لیکن احتمال کے ہوتے ہوئے بطلان مسئلہ کا حکم جزمی یا اضلال اصحاب مسئلہ کا حکم حتمی یہ تو یقیناً غلو اور معاداۃ اولیاء ہوگا جس میں ایذان بحرب اللہ کی وعید وارد ہے۔ البتہ علماء ظاہر نے جو کیفیت ثبوت الوجود للحوادث کی بیان کی ہے اگر وہ قطعی ہوتی تو بیشک صوفیہ پر حکم بالبطلان صحیح ہوتا لیکن وہ خود قطعی نہیں پس کیفیت ثبوت کے اعتبار سے مسئلہ سب کے نزدیک ظنی رہا اہل ظاہر کے نزدیک قسم اول سے اور اہل باطن کے نزدیک قسم ثانی سے بہرحال عرفا نے ان اغلاط کی اس طرح اصلاح فرمائی کہ دونوں مسئلوں کا اپنی تقریر سے کلامی ہونا ظاہر فرمادیا۔ اور ان تقریرات میں سب میں اوضح و اقرب بیان حضرت مجدد صاحب کا ہے جس کو اپنی مکتوبات میں ذکر فرمایا ہے مگر چونکہ اس میں بھی اصطلاحات فن کی ممزوج ہوگئی ہیں اس لئے وہ بیان پھر غامض ہی رہا جس سے اہل ظاہر منتفع نہیں ہوسکتے اس لئے احقر کا دل چاہا کہ اس کے انتفاع کے تام و عام ہونے کیلئے اس کا ملخص جس کا اصل ماخذ مجدد صاحب کے مکتوبات کی جلد دوم کا مکتوب اول ہے درسی اصطلاحات میں لکھ دوں کہ مسئلہ سے اجنبیت مضرہ تو نہ رہے بلکہ اس کو بھی مثل دوسرے مسائل مسکوت عنہا نقلاً و محتملۃ الصحۃ عقلاً فی درجۃ الاجمال وغیر مدرکۃ الکنہ فی درجۃ التفصیل کے بلکہ بسبب استناد الی الکشف کے احتیاطاً ان سے بھی ادنیٰ درجہ میں قرار دے کر اقل درجہ اولیاء کے حق میں بدزبانی و بدگمانی سے تو بچیں۔ واللہ ولی الوقایۃ + من کل غباوۃ و غوایۃ۔

بیان مقصود۔ تمام اہل حق بلکہ جمیع اہل ملل سماویہ جو عالم کو حادث بالذات و بالزمان مانتے ہیں اس پر متفق ہیں کہ عالم اول معدوم محض تھا پھر حق تعالیٰ کی ایجاد سے موجود ہوا اس کے بعد کلام اس میں ہے کہ

۱؎ فائدہ قید کا یہ ہے کہ ظناً رد کرنا مثل دوسرے مسائل ظنیہ کے جائز ہے جیسا علماء اہل حق میں متداول ہے ۱۲ منہ ۲؎ چنانچہ ایک صاحب علم دوست نے اسی مسئلہ کے سمجھنے کیلئے مکتوبات کا ایک مقام دیکھنا شروع کیا دو چار سطریں دیکھ کر یہ کہکر رکھ دیا کہ خدا جانے کیا لکھ دیا ہے پتہ نہیں لگتا مجھ کو اس واقعہ سے زیادہ حرکت ہوئی اس رسالہ کو لکھنے کی ۱۲ منہ ۳؎ یعنی للخواص ۱۲ منہ

وجود کیساتھ متصف ہونے کی کیفیت کیا ہے اس کیفیت میں چار قول ہیں ایک علمائے ظاہر کا دوسرا بعض حکمائے اسلام کا تیسرا قائلین بوحدۃ الوجود کا جن کے مشہور رئیس شیخ اکبرؒ ہیں گو اجمالاً اس دعوے کا ان سے پہلے بھی بعض بزرگوں سے صدور ہوا ہے جیسا انا الحق وسبحانی کہنے کا واقعہ مشہور ہے لیکن وہ ظہور اجمال بلکہ ابہام کے درجہ سے متجاوز نہ تھا تفصیل اول شیخ ہی سے ظاہر ہوئی۔ چوتھا قائلین بوحدۃ الشہود کا جن کے امام حضرت مجدد صاحبؒ ہیں مجدد صاحب سے پہلے معروف دو ہی مذہب تھے۔ ایک پہلا اکثر کا ایک تیسرا اقل کا مگر اس تیسرے مذہب کا رنگ ایسا بگڑ گیا تھا کہ اس نے کفر و زندقہ کی صورت اختیار کر لی تھی اور علماء کو کشف سے خالی سمجھ کر نا واقف سمجھتے تھے اس لئے ان کے قول کو تسلیم نہ کرتے تھے۔ اللہ تعالیٰ نے حضرت مجدد صاحب کو اس کی اصلاح کا واسطہ بنایا اور ان کو ایک خاص کیفیت مسئلہ کی مکشوف ہوئی جس کو انھوں نے ظاہر فرمایا اور ان کے صاحب کشف ہونیکے سبب ان سے اتنی جرأت نہیں کی گئی اور اس طرح اس زندقہ کی اصلاح ہوگئی گو علمائے ظاہر حضرت مجدد صاحبؒ کی بھی موافقت سے اس لئے معذور ہیں کہ ان کے قول میں بھی بہ نسبت اپنے مذہب کے استبعاد پاتے ہیں اور محتاطین فریقین کے اسی اصل پر عامل ہیں اجعلوا ما ابھم اللہ تعالیٰ۔ مگر جن کو کشف سے ابہام نہیں رہا وہ بھی بزعم خود اس اصل کے تارک نہیں۔ وکل یعمل علیٰ شاکلتہ۔

اب میں ان چاروں کیفیتوں کی تقریر مختصر اور حتی الامکان سلیس عرض کرتا ہوں۔ مگر تسہیل و توضیح کے لئے اول ایک مثال کی چار کیفیتیں لکھتا ہوں جن سے سب اقوال پر کیفیات اتصاف بالوجود کے سمجھنے میں اعانت ہوگی وہ مثال آئینہ کی ہے اور اس کی چار کیفیتیں متعلق محاذاۃ شمس کے ہیں۔ بیان اس کا یہ ہے کہ بے قلعی آئینہ یعنی شیشہ جب آفتاب کے مقابل رکھا جاتا ہے اس میں چار کیفیتیں پیدا ہوتی ہیں ایک یہ کہ وہ نور آفتاب سے منور ہو جاتا ہے اور یہ نور جس سے آئینہ متصف ہو گیا نور آفتاب کا مغائر نہیں وہ ایک ہی نور ہے جو آفتاب کا وصف بالذات ہے اور آئینہ کا وصف بالعرض اور یہی وجہ ہے کہ اگر آئینہ کو آفتاب کے محاذاۃ سے ہٹا لیا جائے تو وہ منور نہیں رہتا دوسری کیفیت یہ کہ وہ حرارت آفتاب سے سخن ہو جاتا ہے اور یہ حرارت جس سے آئینہ متصف ہو گیا حرارت آفتاب سے مغائر ہے گو مستفاد حرارت آفتاب ہی سے ہے اور یہی وجہ ہے کہ اگر آفتاب کے محاذاۃ سے ہٹا لیا جائے تب بھی وہ آئینہ سخن

عہ اس تمہید کا فائدہ رسالہ کے قریب ختم وجہ تسمیہ وحدۃ الوجود و وحدۃ الشہود کے ضمن میں مذکور ہے ۱۲ منہ

رہتا ہے۔ تیسری کیفیت یہ کہ قرص آفتاب آئینہ کے اندر منعکس نظر آتا ہے اور دلیل سے محقق ہو چکا ہے کہ اُس میں جو نظر آرہا ہے وہ نہ عین آفتاب ہے چنانچہ ظاہر ہے اور نہ اُس کی شبح اور مثال ہے بلکہ محض وہم اور خیال ہے۔ کما صرح بہ فی الحاشیۃ علی المیبذی۔ والخیال الذی یری فی المراٰۃ وھو محض بفرضہ الوھم لا متیلاذہ علی وجہ الاستقامۃ و محاذاۃ الصورۃ۔ اور یہی وجہ ہے کہ اگر دیکھنے والا اپنی آنکھ بند کرلے تو پھر آئینہ کے اندر کچھ بھی نہیں رہتا اگر اُس میں کوئی شبح ہوتی تو آنکھ بند کرنے سے معدوم کیوں ہو جاتی اور حقیقت اُس کی یہ ہے کہ جب آئینہ پر شعاع بصری پڑتی ہے تو آئینہ سے ٹکرا کر آفتاب کی طرف لوٹتی ہے اور اُس شعاع سے خود آفتاب نظر آتا ہے مگر وہم یوں ہوتا ہے کہ آئینہ کے اندر کوئی چیز ہے اور واقع میں کچھ بھی نہیں جب حقیقت یہ ہے تو ظاہر ہے کہ جب آنکھ بند ہونے سے شعاع آئینہ پر نہ پڑے گی تو آفتاب کی طرف بھی وہ نہ لوٹے گی اور آئینہ میں آفتاب کے متخیل ہونے کا مدار یہی انعکاس شعاع کا تھا اس لئے اب اُس میں آفتاب بھی متخیل نہ ہوگا۔ چوتھی کیفیت یہ ہے کہ اُس آئینہ کا سایہ اُس کے مقابلہ میں زمین یا دیوار وغیرہ پر پڑتا ہے اور اس ظل کا وجود نہ تو نور و حرارت کے درجہ میں واقعیت رکھتا ہے اور نہ عکس مرئی فی المراٰۃ کے درجہ میں غیر واقعی ہے بلکہ دونوں کے بین بین ہے نور و حرارت کے اعتبار سے تو ضعیف اور غیر مستقل اور عکس مرئی کے اعتبار سے قوی اور مستقل۔ پس کیفیت اولیٰ میں نور آئینہ کو عین نور شمس کہیں گے اور کیفیت ثانیہ میں حرارت آئینہ کو مغائر حرارت شمس اور آئینہ کی صفت منضمہ کہیں گے اور کیفیت ثالثہ میں عکس مرئی کو خیال محض کہیں گے اور اُس کی حقیقت معلوم ہونے کے بعد ایک اعتبار سے اُس کو معدوم محض کہنا بھی صحیح ہوگا اور ایک اعتبار سے عین شمس کہنا بھی صحیح ہوگا اور کیفیت رابعہ میں ظل کو آئینہ کی شبح اور مثال کہیں گے اور یہ سب احکام ظاہر ہیں۔ جب یہ مثال اور اُس کی کیفیات مختلفہ کے مختلف احکام ذہن میں مرتسم ہوگئے تو اب بعونہ تعالیٰ و قوتہ اصل مقصود کو بیان کرتا ہوں وہ یہ کہ علماء ظاہر کہتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے معدومات کو اُن کے ازمنہ میں اپنی قدرت و ارادہ سے وجود حادث کیساتھ متصف کردیا اور مراد استقلال سے عدم افتقار الی الموجد حدوثاً او بقاءً نہیں ہے کہ یہ تو خواص واجب سے ہے بلکہ مراد یہ ہے کہ یہ وجود حادث نہ کسی موجود کا عین ہے نہ اُس کا ظل۔ پس اس وجود سے وہ معدومات موجودات حقیقتہ ہوگئے اور یہ وجود واجب اور ممکن دونوں پر مقول بالتشکیک ہے واجب تعالیٰ پر بالاولیۃ والاولویۃ اور ممکن پر لا بالاولیۃ والاولویۃ۔ پس ان کے نزدیک ممکنات کا اتصاف وجود کیساتھ

ایسا ہے جیسا مثال بالا میں آئینہ کا اتصاف حرارت وسخونیت کیساتھ کہ اتصاف تو حقیقی مگر آفتاب کا مستقر اور حرارت آفتاب کا مغائر۔ پس اُن کے نزدیک وجود بھی کلی ہے اور موجود بھی کلی اور بعض حکمائے اسلام یوں کہتے ہیں کہ جب اللہ تعالیٰ نے ماہیات ممکنہ کو موجود کرنا چاہا تو اُن کو اپنے وجود کیساتھ جو اس کی ذات کیساتھ قائم ہے ایک خاص نسبت جس کی کنہ معلوم نہیں عطا فرمادی اور کوئی جداگانہ وجود اُن کو نہیں دیا پس وہ ماہیات اس نسبت کے سبب متصف بالوجود ہوگئیں۔ پس ان کے نزدیک ممکنات کا اتصاف وجود کیساتھ ایسا ہے جیسا مثال بالا میں آئینہ کا اتصاف نور کیساتھ کہ وہ نور جزئی حقیقی ہے جس کے ساتھ آفتاب موصوف بالذات ہے اور آئینہ موصوف بالعرض۔ پس نور جزئی حقیقی ہے اور منور کلی اسی طرح یہ لوگ وجود کو جزئی حقیقی کہتے ہیں اور موجود کو کلی اور گو اس نسبت کی کنہ معلوم نہیں مگر دلیل کی ضرورت سے اُس کے قائل ہوگئے۔ فاضل میبذی نے اس مذہب کو شرح ہدایۃ الحکمۃ کی فصل فی ان الواجب لذاتہ لا یشارکہ الممکنات فی وجودہ میں اول مذہب مشہور حکماء کا لیس الوجود المطلق طبعیۃ نوعیۃ مقولا علی وجود ھو عین الذات ووجودات الممکنات بل ھو مقول علیھا قول عرضیا بالتشکیک ذکر کر کے اس عبارت سے نقل کیا ہے وقال بعض المحققین الی قولہ من الحکماء المحققین۔ یہ مذاہب تھے علماء وحکماء اسلام کے اور اہل کشف اپنے کشف اور ذوق کی بناء پر ممکنات سے وجود کی مطلقاً نفی کرتے ہیں پھر دعوئ کشف میں تو صرف اُن کے قول ہی کی تصدیق کی جاتی ہے باقی ذوق کی توضیح یہ تقریر کی ہے کہ وجود اصل ہے تمام خیرات وکمالات کی جس طرح عدم اصل ہے تمام شرور ونقائص کی اور تمام خیرات وکمالات راجع ہیں حق جل سلطانہ کی طرف تو اُن سب کی اصل یعنی وجود بھی خاص حق تعالیٰ کی ہی صفت ہوگا۔ ممکن کیلئے وجود ثابت کرنا ایک درجہ میں تشریک ہے ممکنات کی واجب تعالیٰ کیساتھ گو علماء کے پاس اس کا جواب ظاہر ہے کہ جب وجود و توابع وجود حق تعالیٰ کیلئے بالذات وعلی وجہ الکمال ثابت ہیں اور ممکنات کے لئے بالعرض علی وجہ النقص تو اس میں تشریک کیا ہوئی مگر صوفیہ اپنے اس دعوی میں ذوق کا دعوی کرتے ہیں اس لئے اس میں ان سے منازعت نہیں ہوسکتی اور یہ ذوق کسی دلیل قطعی عقلی یا نقلی کا مصادم بھی نہیں اس لئے اُن کو اس کے قائل ہونے کی گنجائش ہے۔ عقلی کیساتھ تو عدم مصادمت ظاہر ہے چنانچہ خود بعض حکماء اس اتصاف بالوجود کی دلیل عقلی سے نفی کرتے ہیں کما نقلتہ عن الفاضل المیبذی۔ اور گو اُن کی دلیل کے بعض مقدمات متکلم فیہ بھی ہیں مگر مسئلہ کا عقل سے غیر مصادم ہونا تو ثابت

ہوگیا اور نقل کیساتھ عدم مصادمت کی وجہ یہ ہے کہ نقل ایسی تدقیقات سے تعرض نہیں کرتی وہ احکام وجود
کا اثبات کرتی ہے اور وہ احکام جیسا اتصاف حقیقی میں صادق ہیں اسی طرح اتصاف مجازی میں بھی اور
اس کا کسی کو انکار نہیں تو نقل بھی اس کے مصادم نہ ہوئی۔ پس ان کے نزدیک وجود صرف حضرت حق سبحانہٗ
کیلئے ثابت ہے اور ممکنات کو موجود کہتے ہیں نہ بایں معنی کہ وجود اُن کی صفت ہے بلکہ بایں معنی کہ وجود سے
ان کو ایک گونہ تلبس ہے جس کی کنہ تو معلوم نہیں لیکن اُس کے بعض وجوہ و احکام معلوم ہوئے ہیں جن کو مختلف
طور پر بیان بھی کیا گیا ہے۔ کما سیاتی فی تقریر وحدۃ الوجود و وحدۃ الشہود اور محض کنہ معلوم نہ ہونے
سے جو اشکالات وارد ہو سکتے ہیں اُس سے تو متکلمین بھی محفوظ نہیں چنانچہ مسئلہ ایجاد بالاختیار پر فلاسفہ نے
اُن پر سخت سخت اشکالات کئے ہیں مگر جب اُنھوں نے جواب دیدیئے تو اُن کو کوئی ضرر نہیں ہوا اسیطرح
صوفیہ نے بھی اشکالات کا جواب دیدیا ہے کما سیاتی نبذ منہ۔ یہ ہے مذہب صوفیہ کا قاطبۃً جس میں سب
صوفیہ متفق ہیں اور نفی تعدد وجود میں صوفیہ کے ساتھ بعض حکماء بھی شریک ہیں کما صرح الفاضل بعض
المحققین۔ اب آگے دو مذہب پر مختلف ہوگئے۔ ایک مذہب ہے شیخ اکبر کا دوسرا حضرت مجدد صاحب کا
پس شیخ اکبریوں کہتے ہیں کہ قبل تخلیق عالم موجود حقیقی صرف ذات حق تھی جس میں دو مرتبے تھے ایک ذات مع
اپنے اسماء و صفات کے۔ دوسرے ان اسماء و صفات میں سے علم کا ایک مرتبہ یعنی تمام کائنات وجوبیہ و امکانیہ
کا علم تفصیلی جس کو اعیان ثابتہ کہتے ہیں اور ہرچند کہ یہ اعیان ثابتہ جو کہ مرتبہ ہے علم آلٰہی کا اُن ہی اسماء
و صفات میں داخل ہے مگر اس میں دو حیثیتیں ہیں ایک اُس کی صفت علم ہونے کی جس کے ساتھ ذات حق
متصف ہو جو منشاء ہے صدق قضیہ ھو عالم کا دوسری حیثیت اُس کی معلوم یعنی متعلق علم ہونے کی۔
پہلی حیثیت سے اُس کو موجود عینی یعنی موجود خارجی کہتے ہیں۔ دوسری حیثیت سے اُس کو موجود علمی کہتے ہیں جیسا
علم حادث میں صورۃ موجود فی الذہن میں دو حیثیتیں ہوتی ہیں ایک حیثیت اکتناف بالعوارض الذہنیہ کی
یعنی یہ کہ وہ ذہن کیساتھ قائم ہے اور ذہن اُس کے ساتھ متصف ہے اس اعتبار سے وہ صفت علم اور
موجود فی الخارج ہے دوسری حیثیت نفس صورۃ یعنی یہ کہ وہ علم کا متعلق ہے اس اعتبار سے وہ معلوم اور
موجود فی الذہن ہے اسی طرح اعیان دوسری حیثیت سے موجود فی العلم کہلاتے ہیں موجود فی الخارج نہیں
کہلاتے اور یہ شبہ نہ کیا جائے کہ جب یہ موجودات علمیہ علم آلٰہی میں موجود ہیں اور علم آلٰہی خارج میں موجود
ہے تو یہ موجودات علمیہ بھی بواسطہ خارج میں موجود ہوئے۔ جواب یہ ہے کہ موجود خارجی سے مراد موجود

خارجی اصطلاحی ہے یعنی جو خارج میں بلاواسطہ موجود ہو اور جو شئے بواسطہ علم موجود فی الخارج کے موجود ہو وہ موجود خارجی نہیں بلکہ واجب میں تو موجود علمی کہلاتی ہے اور ممکن میں موجود ذہنی ورنہ اگر موجود خارجی عام ہو تو موجودات ذہنیہ کو بھی شامل ہو جاوے گا اور قسیم کا قسم ہونا لازم آوے گا وھو باطل یہ جواب ہوگیا شبہ کا پس یہ اعیان ثابتہ پہلی حیثیت سے اسماء و صفات میں داخل ہیں جو کہ خارج بالمعنی المذکور میں داخل اور ایک مرتبہ ہے موجود کا اور دوسری حیثیت سے صفت علم کے مغائر ہو کر گو تغائر اعتباری ہی ہو ذات وصفات کی قسیم ہو کر خارج بالمعنی المذکور سے خارج اور دوسرا مرتبہ ہے موجود کا یعنی موجود علمی۔ غرض اس طرح سے قبل تخلیق عالم موجود حقیقی صرف ایک ذات تھی جس میں دو اعتبار سے دو مرتبے تھے ایک موجود عینی یعنی ذات مع اسماء و صفات کہ موجود خارجی اُسی میں منحصر ہے اور اُس کو ظاہر وجود سے بھی تعبیر کر دیا جاتا ہے وجود سے تو اس لئے کہ ان صوفیہ کے نزدیک وجود عین ذات ہے اور ظاہر بمقابلہ مرتبہ آئندہ کے کہ اس کے وجود علمی کی بناء پر اُس میں ایک گونہ بطون ہے چنانچہ اس پر وجود خارجی اصطلاحی کا حکم نہیں کیا جاتا پس ایک مرتبہ تو اُس موجود حقیقی کا یہ تھا۔ دوسرا مرتبہ موجود علمی یعنی اعیان ثابتہ۔ جب اللہ تعالیٰ نے عالم کو عدم محض سے نکالنا چاہا تو اپنے ارادہ سے اس موجود علمی یعنی اعیان ثابتہ کو ظاہر وجود پر باختلاف مراتب تجلی یعنی ظہور جو تنزلات کہلاتے ہیں متجلی و منعکس فرمایا۔ تو اس سے ظاہر وجود میں ان اعیان ثابتہ کے عکوس اس طرح ظاہر ہو گئے کہ نہ اُن عکوس کو وجود خارجی حاصل ہوا اور نہ ظاہر وجود میں انھوں نے حلول کیا۔ محض ایک طرح کا وجود تخیلی حاصل ہو گیا مگر سرسری نظر میں وہ وجود خارجی سمجھا جانے لگا پس ان کے نزدیک ممکنات کا اتصاف وجود کے ساتھ ایسا ہے جیسا آئینہ کی مثال بالا میں عکس قرص کا اتصاف وجود کیساتھ کہ آئینہ کے اندر کوئی چیز واقعی اور موجود بوجود خارجی نہیں شعاع بصری کے ٹکرانے سے وہی اصل جسم نظر آتا ہے جو اُسکے محاذی ہے اور آئینہ کے اندر وہ نہ بعینہ ہے نہ بمثلہ اور اس بناء پر یہ کہنا صحیح ہو گا کہ عکس مرئی فی المرآۃ فی نفسہ وہم و خیال محض ہے اُس کا کوئی مستقل وجود نہیں اور حقیقت اُس کی وہی جسم محاذی ہے اسی طرح یہ حضرات کہتے ہیں کہ ظاہر وجود پر اعیان ثابتہ کو تجلی فرمانے سے اُس میں جو عکوس و نقوش محسوس ہونے لگے انکا فی نفسہ کوئی مستقل وجود نہیں خیالات محضہ ہیں کہ باوجود غیر موجود ہونے کے موجود معلوم ہونے لگے اور حقیقت انکی وہی اعیان ثابتہ ہیں یہ تحقیق ہے وجودیہ کے اس قول کی کہ عالم بتمامہ عبارت ہے اسماء و صفات سے جنھوں نے

عـــہ یہاں ایک حاشیہ ہے لاحظہ ضمیمہ میں مکتوب ثالث کا جواب جو کتاب ہذا کے صفحہ عـــہ سے شروع ہے ۱۲ شبیر علی عفی عنہ

مرتبہ علم میں تمائز پیدا کر لیا ہے اور آئینہ ظاہر وجود میں ایک قسم کا ظہور تخیلی پیدا کر لیا ہے اور اس قول کی کہ اعیان ثابتہ نے وجود خارجی کی بو بھی نہیں پائی اور اس قول کی کہ اس ظہور میں عالم کو ظاہر وجود سے نہ اتحاد کا علاقہ ہے نہ حلول کا پس وہ حضرات صرف وحدۃ کے قائل ہیں کہ بجز ذات واحد کے کسی کو وجود مستقل حاصل نہیں محض خیالی وجود ہے اتحاد کے قائل نہیں کہ عالم موجود ہو پھر ذات حق کیساتھ وجود میں متحد ہو اور اس سے حلول کی بھی نفی ہو گئی کیونکہ حلول میں حال اور محل دونوں موجود ہوتے ہیں پھر ان میں ایک نوع کا اتحاد ہو جاتا ہے یہ حقیقت وجودیہ کے مذہب کی اور اسی کو وہ دو عبارتوں سے تعبیر کر دیتے ہیں کبھی تو اسطرح سے کہ عالم بالکل معدوم ہے جیسے صورۃ متخیلہ فی المرآۃ کو معدوم محض یعنی باعتبار وجود مستقل کے کہنا بھی صحیح ہے اور کبھی اس طرح کہ عالم عین حق ہے جیسے صورۃ مذکورہ کو عین جسم محاذی باین معنی کہ شعاع نے اسی کو ادراک کیا ہے کہنا بھی صحیح ہے۔ اب اس مذہب پر اس کی حقیقت کے درجہ میں تو کوئی اشکال نہیں رہا البتہ بعض استبعادات برنگ شبہات باقی رہ گئے ان کو مع جواب کے عرض کرتا ہوں۔

شبہ اول۔ اعیان ثابتہ کو ظاہر وجود پر متجلی فرمانیکے کیا معنے ہیں۔ **جواب** خود بعض عقلیات میں عقلاء دلیل کی ضرورت سے ایک حکم کے قائل ہوتے ہیں اور تحقیق حقیقت کے وقت اس کے ادراک سے عذر کر دیتے ہیں میبذی سے حکماء کا قول جو اوپر نقل کیا گیا ہے اس کے اخیر میں تصریح ہے وتلک النسبۃ علی وجوہ مختلفۃ وانحاء شتیٰ یتعسر الاطلاع علی ماھیاتھا اھ اور کشف میں تو اس کہنے کا زیادہ حق ہے کیونکہ وہ عقل سے اور بھی البعد ہوتا ہے حتے کہ فلاسفہ باوجود اتنے طویل وعریض دعوی تحقیق کے ایسے مسائل میں صاف کہدیتے ہیں وھذا الطور وراء طور العقل لا یدرکہ الا اصحاب القوۃ القدسیۃ ۔ لیکن تاہم تقلیل استبعاد کیلئے عرض کرتا ہوں کہ تجلی کے معنی ظہور کے ہیں پس اعیان ثابتہ کو ظاہر وجود پر متجلی فرمانیکے یہ معنے ہوں گے کہ اس پر ان کو ظاہر فرما دیا۔ رہا یہ کہ اعیان ثابتہ جو کہ مرتبہ ہے علم تفصیلی کا پہلے بھی ظاہر وجود پر یعنی ذات حق پر ظاہر تھے چنانچہ کوئی علم بھی ذات حق پر مخفی نہیں۔ پھر ظاہر کا اظہار چہ معنی۔ سو اس کے معنے یہ ہو سکتے ہیں کہ مطلق ظہور مراد نہیں بلکہ وہ ظہور جس سے وہ اعیان وجود تخیلی کیساتھ موصوف ہو جاویں سو چونکہ اہل حق کے نزدیک حق تعالیٰ علت موجبہ نہیں فاعل مختار ہے اس لئے باوجودیکہ پہلے سے اعیان ثابتہ بھی موجود اور ظاہر وجود بھی موجود اور وہ اعیان اس ظاہر وجود پر ظاہر بھی مگر چونکہ اس خاص ظہور کا جس کا اثر وجود تخیلی ہوا ارادہ نہ فرمایا تھا یہ ظہور خاص نہیں ہوا تھا جب اس کا ارادہ فرمایا وہ خاص ظہور بھی ہو گیا اور اس سے علم میں کوئی تغیر نہیں ہوا

لیکن خود اس ظہور میں تغیر اضافی ہوا یعنی اوّل اُس کے متعلق یہ علم تھا کہ لم یقع اب یہ علم ہوا کہ قد وقع لان العلم لا یخاف المعلومات سو یہ تغیر معلوم میں ہے علم میں نہیں مفسرین نے لیعلم اللہ کی تفسیر میں اس کو علم ظہوری تعبیر فرمایا ہے اسی ظہور کو عارف جامی نے شاعرانہ رنگ میں اس طرح ذکر کیا ہے ؎

بود اعیان جہاں بے چند وچوں　　　　ز امتیاز علمی و عینی مصون

ناگہاں در جنبش آمد بحر جود　　　　جملہ را در خود ز خود با خود نمود

شبہ ثانیہ۔ جب تمام عالم کا وجود محض خیالی ہے تو خیال کے مرتفع ہونے سے معدوم ہو جانا چاہئے اسی طرح وجود خیالی پر احکام تکلیفیہ کیسے اور اُس پر عذاب و ثواب چہ معنی۔

جواب۔ خیال کے درجات میں تفاوت یہ بھی فاعل مختار کے اختیار میں ہے خود اُس نے ایک خیال تو ایسا پیدا کیا کہ رفع خیال سے اُس کا وجود مرتفع ہو جاوے۔ اور ایک خیال ایسا پیدا کیا کہ رفع خیال سے وہ مرتفع نہ ہو پس عالم کا وجود خیالی اُسی دوسری قسم کا پیدا فرمایا اس لئے احکام وجزا و سزا میں کوئی اشکال نہیں۔

شبہ ثالثہ۔ جب عالم کی حقیقت اعیان ثابتہ ہے اور وہ مراتب وجوبیہ سے ایک مرتبہ ہے جیسا اوپر ذکر ہوا کہ وہ بھی اسماء وصفات میں داخل ہے اور مراتب وجوبیہ تمام نقائص سے منزہ ہیں تو عالم میں جو کہ عکس اور ظہور ہے اس مرتبہ کا شر ونقص کہاں سے آیا۔ جواب۔ وہ کہتے ہیں کہ کسی چیز میں کوئی شر اور نقص ذاتی نہیں فالوجود خیر کلہ جس میں کوئی شر ونقص ہے نسبی اور اضافی ہے سانپ کا زہر انسان کیلئے شر ہے مگر خود سانپ کے لئے قوام حیات ہے۔ وھکذا

شبہ رابع۔ اعیان ثابتہ کی حقیقت علم تفصیلی ہے پس اس کی تجلی سے عالم میں صرف علم کا ظہور ہونا چاہئے دوسرے کمالات کا ظہور کیسے ہوا۔ جواب چونکہ اعیان ثابتہ تمام معلومات پر مشتمل ہیں اُن میں دوسرے کمالات واجبہ بھی ہیں۔ اعیان ثابتہ کی تجلی اس طرح فرمائی گئی کہ اُس کے ضمن میں دوسرے کمالات کی بھی تجلی ہو گئی۔

شبہ خامسہ۔ شیخ کا مذہب مشہور ہے کہ اسماء وصفات باہم بھی اور ذات کی ساتھ بھی عینیت رکھتی ہیں اور تجلی علیہ میں تغائر ضروری ہے پھر یہ تجلی کیسے ہوئی۔ جواب اوّل تو شیخ سے اس مسئلہ کی نقل محل کلام ہی اور اگر ہو بھی تو اُن کا ایسی عینیت کا قائل ہونا ثابت نہیں جیسی عینیت کے فلاسفہ قائل ہیں کہ حقیقت

اُس کی نفی صفات سے ہے جس سے وہ اس لئے متحاشی نہیں کہ ذات حق کو علۃ موجبہ مانتے ہیں اور واحد سے زیادہ کا
کا مصدر نہیں مانتے اور باوجود اس اتحاد بالذات کے جس تغائر اعتباری کے وہ قائل ہیں چنانچہ ذات واجب
کو باوجود اتحاد کے ایک اعتبار سے وہ عاقل کہتے ہیں اور ایک اعتبار سے معقول اور ایک اعتبار سے عقل
چنانچہ مشہور ہے وہ تغائر اعتباری معتبر نہیں کیونکہ معتبر وہ تغائر اعتباری ہے جہاں وحدۃ ذات کیساتھ
جو حیثیت تغائر کی ہے وہ ایسی ہو کہ اُس کا تحقق متغائرین کے صدق پر مقدم ہو جیسے اپنے نفس کو معالجات
نفسانیہ ہیں۔ معالِج اور معالَج کا تغائر ہے اور وہ تغائر اعتباری معتبر نہیں۔ جہاں حیثیت تغائر کا تحقق
متغائرین کے صدق سے متاخر ہو اور فلاسفہ ذات واجب میں تغائر اعتباری بالمعنی الاول کے منکر ہیں۔
چنانچہ میرزا ہد نے حواشی رسالہ قطبیہ میں اُن سے تصریحاً نقل کیا ہے ان معنی حیثیۃ صفات الواجب معہ ان
هناك اتحاد احضا وان الحيثية فى قولهم ذاته تعالى من حيث انها مبدء الانكشاف علم ومن حيث انها
مبدء الآثار قدرة هى الحيثية المتاخرة عن اعتبار مفهوم العلم والقدرة لا الحيثية المتقدمة على صدقهما
حتى يثبت الكثرة فيه بوجه ما۔ اور اسی سلسلہ میں یہ بھی کہا ہے ان الامر فيما نحن فيه ليس كما فى المعالج
والمعالج حيث يحصل فى الاول حيثية القوة الفعلية وفى الثانى حيثية القوة الانفعالية فالعاقل والمعقول
والعقل يعنى الحاضر عند الذات المجردة ههنا امر واحد وليس بينها تغائر اصلا ولو بالاعتبار الخ اور یہاں
متجلی متجلی علیہ میں باوجود اتحاد بالذات کے تغائر اعتباری بالمعنی الاول کا انکار ان حضرات سے کہیں ثابت نہیں
اور یہ تغائر ان احکام کیلئے کافی ہے البتہ جس تغائر کے متکلمین قائل ہیں کہ صفات کو ذاتاً متحد نہیں کہتے بلکہ زائد
علی الذات مانتے ہیں کما فی الیواقیت گو لزوم کا بھی حکم کرتے ہیں اور گو ادب کے سبب غیریت کا اطلاق نہیں کرتے
صوفیہ اس کا انکار کرتے ہیں۔ خلاصہ یہ کہ فلاسفہ تغائر اعتباری کے بھی نافی ہیں اور متکلمین تغائر بالذات کے بھی
قائل ہیں۔ اور صوفیہ اتحاد بالذات و تغائر بالاعتبار کے قائل ہیں اور اسنا تغائر تجلی احدهما علی الآخر کے
لئے کافی ہے۔ یہ ہے حاصل مذہب وجودیہ کا جس سے معلوم ہو گیا ہو گا کہ منجملہ مسائل علمیہ کے یہ بھی ایک
علمی مسئلہ ہے گو مستند اُس کا کشف ہو جس کو مقدمہ میں شرح و بسط کیساتھ بیان کر چکا ہوں لیکن ممکن ہے کہ
کبھی کسی علمی مسئلہ کے کشف اضطراری یا اُس کے مراقبہ و استحضار اختیاری سے کسی کیفیت یا حال کا ایسا غلبہ ہو جاوے
کہ اُس مسئلہ کا اظہار بلا اختیار ایسے عنوان سے ہو جائے کہ وہ عنوان اُس مسئلہ کے تمام جوانب کے احاطہ کیلئے کافی
نہ ہو اور اس ناتمام عبارت کے سبب سامعین کو غلط فہمی پیدا ہو جائے پس اس مسئلہ میں جو موہم عبارات بعض کے

اقوال میں پائی جاتی ہیں منشا اُس کا یہ ہے سو حُسن ظن کا مقتضا یہ ہے کہ اگر فن میں مہارت ہو تو اُس کو حقیقت کی طرف راجع کرلے ورنہ سکوت اختیار کرے اور مسائل تصوف ہی کی کیا تخصیص ہے واقعات یومیہ میں بھی کسی عارض سے کبھی ایسا غلبہ ہو جاتا ہے کہ ایک طرف مشغول ہو جانے سے دوسری جانب ذہول ہو جاتا ہے کما فی المشکوٰۃ عن عثمان قال ان رجالا من اصحاب النبی صلی اللہ علیہ وسلم حین توفی حزنوا علیہ حتی کاد بعضھم یوسوس قال عثمان فکنت منھم فبینا انا جالس مر علی عمر رضی اللہ عنہ وسلم فلم اشعر بہ فاشتکی عمر الی ابی بکر رضی اللہ عنہ ثم اقبلا حتی سلما علی جمیعا الی قولہ قال ابوبکر صدق عثمان قد شغلک امر فقلت اجل الحدیث رواہ احمد۔ دیکھئے حضرت عثمان کو حضرت عمرؓ کے سلام کی خبر نہ ہوئی جس کا جواب دینا واجب تھا اکثر فرح یا غضب کے غلبہ میں ایسا ہو جاتا ہے کبھی ذہن قابو میں نہیں رہتا کبھی زبان قابو میں نہیں رہتی اسی طرح اگر حال باطنی کی مغلوب کو تکلم کے وقت خصوص جب کہ وہ بھی اضطراراً ہو عبارت کے تمام جوانب کا احاطہ نہ ہو تو کیا مستبعد ہے اُس کو معذور سمجھنا چاہئے۔ رہا یہ کہ بعد افاقہ کے اُس کی اصلاح کر دینا چاہیے تھا تاکہ گمراہی نہ پھیلتی جواب یہ ہے کہ اُس پر مطلع صرف خواص ہوتے تھے اور وہ حقیقت کو سمجھتے تھے کتابیں بھی خواص ہی کے لئے لکھی جاتی ہیں تاکہ وہ اپنے واردات کو اُن پر منطبق کر کے اُن کی صحت و فساد کا اندازہ کر سکیں اُن ہی بزرگوں کو ان مطالع کی جو کہ ہر خفی و ظاہر مضامین کے لئے مطالع ہو گئے کیا خبر تھی پھر اس پر بھی انھوں نے غیر اہل کیلئے یہ فتویٰ دیا یحرم النظر فی کتبنا اس سے زیادہ کیا کرتے۔ اب حضرت مجدد صاحب کے مشرب کا بیان کرنا باقی رہ گیا۔ سو اس میں تو شیخ اکبر کیساتھ وہ بھی متفق ہیں کہ وجود حقیقی کی عالم سے نفی کرتے ہیں جیسا اوپر بیان ہو چکا ہے صرف اثبات وجود غیر حقیقی للممکنات کی کیفیت میں ان سے مختلف ہیں اور یہ فرماتے ہیں کہ قبل تخلیق عالم موجود حقیقی صرف ایک ذات حق تھی مع اپنے جمیع اسماء و صفات کے اور ان اسماء و صفات کے علاوہ مرتبہ عدم میں کچھ حقائق اعتباریہ تھے یعنی اُن اسماء و صفات کے مقابل مفہومات جو ذات حق میں حد دم ہیں جیسے علم کے مقابل جہل اور قدرت کے مقابلہ میں عجز و علیٰ ہذا پس یہ دو چیزیں ہوئیں ایک کمالات کہ وہ وجودات ہیں اور دوسرے نقائص کہ وہ عدمات ہیں جب حق تعالیٰ نے عالم کو ظاہر کرنا چاہا ان کمالات کو ان عدمات پر تجلی فرمایا ان عدمات میں اُن کمالات کی صورت منعکس ہو گئی اور اس انعکاس سے ایسے حقائق ظاہر ہو گئے کہ اُن کا مادہ تو یہ عدمات ہیں اور اُن کی صورت یہ عکوس ہیں اور یہی حقائق ماہیات ہیں ممکنات کے اور چونکہ یہ عدمات بوجہ نقائص ہونے کے عین نہیں ہیں اسماء و صفات کے جیسا عین ثابتہ ان کے عین تھے

اور بوجہ اُن میں انعکاس کمالات کے عدمات محضہ بھی نہیں رہے لہذا اُن کا وجود نہ حقیقی ہے کا نحصار الوجود
الحقیقی فی الحق سبحانہ وتعالیٰ اور نہ خیالی محض ہیں کما کان فی مذھب الوجودیہ ورنہ عینیت نقائص کی
کمالات کیساتھ لازم آوے گی ھف (اور وجودیہ پر یہ لازم نہ آیا تھا صرف اُن کے نزدیک عینیت کمالات
ظاہر وجود کیساتھ لازم آتی تھی کیونکہ وجود خیالی کوئی چیز نہ تھا ولا تحذور فیہ) پس ان عدمات کا وجود
جب نہ حقیقی ہے نہ خیالی تو دونوں کے بین بین ہے اس کو وجود ظلی کہتے ہیں ظل کی یہی شان ہوتی ہے کہ
ذی ظل کے غائب ہونے سے تو غائب ہوجاتا ہے مگر شعاع بصری کے بند ہونے سے وہ معدوم نہیں ہوتا
پس اُن کے نزدیک یہ وجود ظلی مثال بالا میں اُس آئینے کے سایہ کے مشابہ ہے جو دھوپ میں ظاہر ہوتا ہے
کہ حقیقت اُس کی عدم نور ہے اور یہ خاص شکل وصورت مربع یا مدور وغیرہ احاطہ نور سے پیدا ہوتی ہے
کیونکہ اگر وہاں دھوپ نہ ہو تو یہ شکل خاص پیدا نہ ہو عجب نہیں یہی تصرف فی العدم محمل ہو مولانا رومی
کے کلام کا ؎

پس خزانہ صنع حق باشد عدم — کہ برآرد زو عطاہا دمبدم
مبدع آمد حق ومبدع آن بود — کہ برآرد فرع بے اصل وسند

(دفتر پنجم قبیل سرخی مثال عالم نیست ہست نما وعالم ہست نیست نما)

اور یہ حمل اگر صحیح ہو کہ ہو تو وحدۃ الشہود کے اجمالی قول کو بھی مجدد صاحب سے متقدم کہنا صحیح ہوگا جیسا وحدۃ
الوجود کے اجمالی قول کا شیخ اکبر سے متقدم ہونا اوپر بیان مقصود کے شروع میں مذکور ہوا ہے یہ حاصل ہے
مجدد صاحب کے مشرب کا جس کا لقب وحدۃ الشہود ہے اور حقیقت اس کی بھی وحدۃ الوجود ہی ہے کیونکہ
اوپر معلوم ہو چکا کہ ان کے نزدیک بھی وجود حقیقی واحد ہی ہے جیسا شیخ اکبر کے نزدیک تھا صرف فرق یہ ہے
کہ شیخ اکبر وجود ظلی کی نفی کرتے ہیں اور مجدد صاحب اُس کا اثبات کرتے ہیں۔ پس اصطلاح میں وحدۃ الوجود
کے معنے یہ ہوئے کہ اثبات وحدۃ الوجود مع نفی الوجود الظلی اور ظاہر ہے کہ مجدد صاحب اس کے قائل
نہیں اس لئے اُن کے مشرب کا لقب وحدۃ الوجود نہیں ہوا باقی وحدۃ الشہود سے ملقب ہونے کی وجہ
سو وہ یہ ہے کہ مجدد صاحب نے شیخ اکبر کا عذر یہ فرمایا ہے کہ اُن کو غلبۂ نور وجود سے وجود ظلی مشہود نہیں ہوا۔
صرف وجود واحد ہی مشہود ہوا جیسا بے قلعی کے آئینہ کا ظل جو کہ بوجہ اس میں سے دھوپ چھننے کے کامل طور
سے مستبین نہیں ہوتا بعض اوقات ضعیف البصر کو محسوس نہیں ہوتا بلکہ صرف محیط وممزوج دھوپ ہی

اس کو نظر آتی ہے (اور یہی تطبیق مثال سبب ہے مثال بالا میں غیر قلعی دار آئینہ کے فرض کرنے کا) سو چونکہ
مجدد صاحب شیخ کے دعوے وحدۃ الوجود بالمعنے المذکور کی اس حقیقت کے کہ وہ وحدۃ الشہود ہے کاشف
ہوئے اس کشف حقیقت کی مناسبت سے ان کے مشرب کا لقب وحدۃ الشہود ہوا بایں معنی کہ وحدۃ الوجود
مشہور کی حقیقت وحدۃ الشہود ہے اُنھوں نے ظاہر فرمائی پس گویا شیخ اکبر حقیقت مسئلہ کی وحدۃ الوجود
سمجھے اور مجدد صاحب اُسی مسئلہ کی حقیقت وحدۃ الشہود سمجھے۔ نیز شیخ وجود عالم کی نفی کرتے ہیں اس لئے
صرف وجود حق کا مشاہدہ کرتے ہیں اور مجدد صاحب عالم کے لئے وجود ظلی کا اثبات کرتے ہیں مگر باوجود
اس کے اُس کا مشاہدہ نہیں کرتے صرف وجود حق ہی کا مشاہدہ کرتے ہیں جیسے دن میں ستاروں کا مشاہدہ
نہیں ہوتا باوجودیکہ ستارے موجود ہیں اور موجود سمجھے بھی جاتے ہیں (کذا الوجہین ماخوذ من المکتوبات)
یہ وجہ ہے تسمیہ اصطلاحیہ میں فرق کی ورنہ لغوی معنی وحدۃ الوجود کے قائل ہونے میں دونوں حضرات شریک
ہیں جیسا اوپر ظاہر ہو چکا کہ وہ بھی وجود کو جزئی حقیقی کہتے ہیں پس چار مذہب میں سے تین مذہب اس
دعوے میں متفق ہیں صرف علماء ظاہر وجود کو کلی مشکک اور اس کے مصداق کو متعدد مانتے ہیں اور مجدد صاحب
کے مشرب پر اکثر وہ استبعادات بھی وارد نہیں ہوتے جو وجودیہ پر وارد ہوتے تھے اگرچہ اُن سے بھی دفع
ہو گئے تھے مگر اُن پر وارد ہی نہیں ہوتے۔ مثلاً شبہ ثانیہ اس لئے وارد نہیں ہوتا کہ اُن کے نزدیک
وجود عالم کا خیالی نہیں بلکہ ظلی ہے جو کہ قسم ہے وجود نفس الامری کی اور مثلاً شبہ ثالثہ اس لئے وارد
نہیں ہوتا کہ شرور و نقائص کو عدمات سے ناشی مان لیا جاوے گا اور مثلاً شبہ رابع اس لئے وارد نہیں
ہوتا کہ وہ جمیع کمالات کی مستقلاً تجلی کے قائل ہیں اور مثلاً شبہ خامسہ اس لئے وارد نہیں ہوتا کہ اُن کے
نزدیک تجلی و متجلی علیہ میں عینیت کا احتمال ہی نہیں البتہ شبہ اولیٰ یعنی عدمات پر اسماء و صفات کی
تجلی فرمانے کی حقیقت کا سوال یہاں بھی واقع ہو سکتا ہے اجمالاً بھی اور اُس کا جواب وہی ہے جو
وہاں اجمالاً لکھا گیا تھا اور تفصیلاً بھی جس کا جواب وہاں کے تفصیلی جواب سے اس لئے مغائر ہے کہ وہ سوال
تفصیلی بھی وہاں کے سوال کے مغائر ہے اور یہ اُس بھی عویص ہے جیسا ادنی تامل سے معلوم ہو سکتا ہے
کیونکہ اس میں عدم کیلئے وجود کے احکام (چنانچہ متجلی علیہ کا مقتضے الوجود ہونا ظاہر ہے) پھر اُس عدم پر
قدم کا حکم کرنا لازم آتا ہے گو جواب سے وہ بھی دفع ہو جاتا ہے لیکن سوال کے عویص ہونے میں شبہ نہیں
اور اس بنا پر وحدۃ الوجود کو بہ نسبت وحدۃ الشہود کے ابعد عن العقل کہنا اقرب الی العقل نہیں ہے

اور وہ سوال یہ ہے کہ وہ عدمات جب کسی قسم کے وجود سے بھی متصف نہیں پھر وہ محل انعکاس للوجودیات کیسے
بن گئے کہ محلیت للوجودی کیلئے وجودیت کا اشتراط ظاہر ہے جواب یہ ہے کہ عدمات گو موجود نہ ہوں مگر ہیں
واقعی۔ چنانچہ یہ قضیہ قطعاً صادق ہے کہ مثلاً عجز ذات حق میں معدوم ہے تو یہ عدم واقعی نہ ہوگا تو معاذ اللہ
عجز کا وجود واقعی ہوگا۔ لاستحالۃ ارتفاع النقیضین اور یہ محال ہے پس اس عدم کی واقعیت ثابت ہوگئی
اسی طرح دوسرے عدمات کی بھی اور اگر یہ شبہ ہو کہ قضیہ موجبہ کیلئے وجود موضوع شرط ہے اور یہاں موضوع
مثلاً عجز موجود نہیں چنانچہ ظاہر ہے تو موجبہ مثلاً العجز معدوم کیسے صادق آوے گا جواب یہ ہے کہ اول تو یہ
موجبہ حقیقت میں سالبہ ہے یعنی العجز لیس بموجود لیکن یہ سالبہ بھی واقعی ہے تو عدم کا واقعی ہونا اب بھی ثابت
رہا لیکن اگر اس کو موجبہ بھی مان لیا جائے تو اُس صورت میں محققین نے اس اشتراط ہی کو تسلیم نہیں کیا چنانچہ حمد اللہ
نے اس سے بحث کی ہے اُن کے نزدیک موضوع و محمول میں صرف تعلق شرط ہے اور وہ یہاں متحقق ہے بہرحال
جب عدمات واقعی ہوئے تو وہ محل انعکاس بن سکتے ہیں اور یہ مسلم نہیں کہ وجودی کے محل کیلئے وجودیت شرط
ہے صرف واقعیت کافی ہے اور وہ متحقق ہے کما ذکر۔ اگر کہا جاوے کہ عدم تو قدیم ہے اگر اس کو واقعی مانا جاوے
تو واقعیات کا قدم لازم آتا ہے جواب یہ ہے کہ کسی چیز کے عدم کا قدم حقیقت میں اُس کے قدم کا عدم ہے جو
عین مطلوب ہے اور اُس سے کوئی محذور لازم نہیں آتا صرف الفاظ موحش ہیں مگر اعتبار معانی کا ہے۔ اگر کہا جاوے
کہ عدم تو حقیقت واحدہ ہے اُس میں تجزی و تمائز نہیں پھر اسماء و صفات مختلفہ کی تجلی اس پر کیسے ہوئی کہ اس سے
محل واحد پر احوال متعددہ کا ورود لازم آتا ہے وھو غیر معقول۔ جواب یہ ہے کہ باوجود عدم کی حقیقت واحدہ
ہونے کے اُس میں باعتبار تمائز مضاف الیہ کے تمائز اضافی و اعتباری ہے پس جیسے حال میں تعدد ہے محل میں
بھی تعدد ہوگیا اور کوئی اشکال نہیں رہا غرض شبہات تو سب دفع ہوگئے باقی یہ کہ اس انعکاس کی کنہ کیا ہے
سو اوپر ذکر ہو چکا ہے کہ کشفیات کی کنہ تو ہم کو کیا معلوم ہوتی خود عقلیات کی کنہ بتلانے سے عقلاء عاجز ہیں۔
چنانچہ جن ارتسامات و انتقاشات کے عقلاء قائل ہیں ان کی کنہ نہیں بتلا سکتے۔ دیکھئے صور محسوسہ کا ارتسام
حدوثاً و بقاءً حس مشترک و خیال میں اور معانی جزئیہ کا وہم اور حافظہ میں اور معانی کلیہ کا ادراکاً عقل میں اور حفظاً
عقل فعال میں جو سب سے ہی زیادہ بے جوڑ ہے یہ سب حکماء و فلاسفہ کے دعوے ہیں جن میں سے بعض میں بعض
حکماء اسلام بھی متفق ہیں مگر آج تک کنہ معلوم نہ کر سکے اور اسی وجہ سے باخود ہا بھی کثرت سے اس میں اختلاف
کرتے رہیں۔ پس اگر ارتسام اسماء و صفات کا اعدام میں مدرک بالکنہ نہ ہو مگر کوئی دلیل قطعی نقلی یا عقلی اُس کی

مصادم بھی نہ ہو تو محض عدم ادراک کنہ سے اُس کا واجب الانکار ہونا لازم نہیں آتا۔ مذہب شہودیہ کا بیان بھی بحمد اللہ تعالیٰ ختم ہوا جس پر مقصود بھی ختم ہو گیا اب بطور فذلکہ کے دونوں مذہبوں میں فرق کا ملخص عرض کرکے ایک وصیت پر رسالہ کو ختم کرتا ہوں وہ فرق یہ ہے کہ وجودیہ کے نزدیک حقیقت عالم کی اسماء و صفات ہیں جو ظاہر وجود پر متجلی ہوئے اور اُس سے عالم کا وجود خیالی پیدا ہوا جس کی تعبیر کبھی یوں کرتے ہیں کہ وہ معدوم محض ہے مگر اس کی ساتھ ہی مورد احکام کا ہے اور کبھی یوں کرتے ہیں کہ وہ عین حق ہے اور دونوں کا حاصل ایک ہی ہے اور شہودیہ کے نزدیک حقیقت عالم کی عدمات ہیں جن پر اسماء و صفات نے تجلی فرمائی جس سے وجود ظلی پیدا ہوا اس لئے وہ عالم کو نہ معدوم سمجھتے ہیں نہ عین حق ہے۔ باقی عالم سے نفی وجود حقیقی میں دونوں شریک ہیں اور اس میں اہل ظاہر کی ملامت کے دونوں ہدف ہیں اور یہ ملامت شیخ پر اس سے زیادہ ہے کہ اُن کے کلام کو غلط سمجھتے ہیں حالانکہ ظاہر ہے کہ اگر شیخ کا قول ضلال محض ہوتا تو حضرت مجدد صاحب بجائے اُس کی تقریر کے اُس کا ابطال اور شیخ کی تضلیل بلکہ تکفیر فرماتے حالانکہ باوجود تغلیط کے اُن کو تصریحاً مقبولان الٰہی میں شمار فرماتے ہیں کمافی مکتوباۃ ۲۔

اب آخر میں ضروری وصیت کرتا ہوں وہ یہ کہ اول تو تمام مسائل کلامیہ میں عموماً اور ان میں سے اُن مباحث میں جن کا تعلق ذات و صفات سے ہو خصوصاً بدون قطعی عقلی یا نقلی کے محض ظنیات کی بناء پر کہ کشف سب میں انزل ہے کوئی حکم کرنا خصوص حکم جازم کرنا بلکہ بلاضرورت کچھ بھی گفتگو کرنا سخت محل خطر و خلاف مسلک سلف صالحین ہے اور جن بزرگوں نے کچھ کلام کیا ہے اُن میں اکثر کی غرض محض اہل اہواء کا دفع تھا (جیسا مجدد صاحب نے بغرض اصلاح غلاۃ وجودیہ اس میں کلام فرمایا) گو بعض نے اُس کو مقصود بنا لیا جو کہ خلاف احتیاط ہے۔ اسلم ایسے مسائل میں یہی ہے کہ نصوص سے تجاوز نہ کریں اور سلف کے مسلک پر اور اُن کے اس ارشاد پر کہ ابھموا ما ابھم اللہ تعالیٰ عمل رکھیں اور اگر کوئی حقیقت زائدہ علی النص کسی دلیل ظنی سے کہ کشف بھی اس میں داخل ہے منکشف ہو اور کسی دلیل عقلی قطعی اور نیز کسی نص قطعی یا ظنی کے مخالف بھی نہ ہو تو اُس میں بھی خوض نہ کریں دونوں جانب کو محتمل سمجھتے رہیں چونکہ یہ مسئلہ متکلم فیہا بھی اُن ہی مسائل سے ہے جن کا تعلق ذات و صفات سے ہے۔ کیونکہ حاصل اس کا ارتباط الحادث بالقدیم ہے اس لئے اس کیساتھ بھی یہی معاملہ رکھیں اور اجمالاً یہ اعتقاد تو جزم کیساتھ رکھیں کہ عالم پہلے ناپید تھا اللہ تعالیٰ نے اُس کو اپنے علم و قدرت و ارادہ سے پیدا فرمایا باقی یہ کہ

عہ یہاں ایک حاشیہ ہے ملاحظہ ہو ضمیمہ میں مکتوبات ثالث کے جواب کا اضافہ جو کتاب ہٰذا کے صفحہ [illegible] پر ہے۔ شبیر علی عفی عنہ

کس طرح پیدا فرمایا اس میں نہ خوض کریں نہ کلام کریں جیسے مسئلہ قدر میں احادیث میں بھی تعلیم منصوص ہے کہ اجمال کے درجہ میں اُس کے اعتقاد کو فرض اور شرط ایمان فرمایا اور تفصیل کے درجہ میں خوض یا کلام کو منع فرمایا۔ واللہ الموفق لکل مقلق ومحقق ومنقل ومدقق +

اوائل ربیع الثانی ۱۳۵۱ھ حین بلوغ عمری سبعۃ وستین سنۃ والحمد للہ اولا وآخرا والصلوٰۃ علی رسولہ باطنا وظاہرا

ضمیمہ۔ بعد تحریر رسالہ مولانا نور محمد صاحب مقیم حیدرآباد سے ایک اتفاقی مختصر مکاتبت اسی مسئلہ کے متعلق ہوئی تتمیما للفائدہ اس کو بھی ملحق کر دینا مناسب معلوم ہوا وھو ھذا

مکتوب اوّل از مولانا۔ (بعد تمہید) ایک مسئلہ میں جو التکشف صفلا میں تحت عنوان وحدۃ الوجود ووحدۃ الشہود درج ہے کہ لفظی فرق ہے دونوں میں یہ سمجھ میں نہیں آیا کیونکہ وحدۃ الوجود کی جو تقریریں دیکھنے میں آئی ہیں اس میں یہ معنی ہیں وجود ایک ذات دو"

کیونکہ ذات مایستند الیہ الصفات ہے اس لحاظ سے صفات کمال کا استناد ذات باری عز اسمہٗ کی طرف اور صفات نقص کا استناد ذات ممکن کی طرف ہے۔ مثلاً حیؔ اور میت واجب اور ممکن قدیم حادث یا یوں کہہ سکتے ہیں صفات ثبوتیہ کا استناد ذات واجب کی طرف صفات سلبی کا ذات ممکن کی طرف اس سے واضح ہوا غیریت اعتباری اور عینیت حقیقی ہے اور وحدۃ الشہود برعکس ہے۔ پھر صرف لفظی اختلاف کو قائل ہونے کی کیا سبیل ہے پھر درآں حالیکہ اہل فن کی تصریحات اسی نوع کی موجود ہیں۔ حضرت مجدد رحمۃ اللہ علیہ نے بھی لفظی اختلاف کی صراحت کی ہے اس کے علاوہ دونوں لفظ یہ بتلاتے ہیں کہ ہمہ اوست میں سالک وحدت وجود میں سمجھتا ہے اور ہمہ از وست میں شہود میں وحدت سمجھتا ہے یعنی وہاں وحدت حقیقی ہے یہاں وحدت صرف شہودی ہے اگر ارشاد ہوگا تو تفصیلی عرض کروں گا۔

جواب از احقر۔ السلام علیکم۔ یہ اختلاف بعد ظہور مسئلہ وحدۃ الشہود سننے ہے کہ ان دونوں میں نزاع لفظی ہے یا حقیقی۔ بعض اول کے قائل ہوئے ہیں اور اس کے خلاف عبارات کو اس کی طرف راجع کیا ہے و منھم شیخی رح اور بعض ثانی کے قائل ہوئے ہیں۔ مجدد صاحبؒ کے کلام سے ثانی ہی مفہوم ہوتا ہے چنانچہ ان کا ارشاد ہے تا فرق درمیان دو مذہب بر وجہ اتم حاصل گردد و یکے بدیگرے خلط نہ شود۔ اس کے بعد فرماتے ہیں۔ پس عالم باسرہا نزد شیخ محی الدین عبارت از اسماء و صفات ست کہ در خانہ

علم تمیز پیدا کردہ در مرات ظاہر وجود در خارج نموے حاصل کردہ است ونزد فقیر عالم عبارت از عدمات ست کہ اسماء وصفات واجبی در خانہ علم در آنجا منعکس گشتہ ودر خارج بایجاد حق سبحانہ آں عدمات بآں عکوس بوجود ظلی موجود شدہ الخ۔ میرا خیال یہ ہے کہ حقیقت میں تو اختلاف حقیقی ہے مگر چونکہ وحدۃ الوجود مسئلہ موحشہ تھا اس لئے بعض مصلحین امت نے اس میں تاویل کر کے وحدۃ الشہود کی طرف راجع کر لیا تکشف میں حضرتؒ کا ملفوظ اسی پر مبنی ہے اور میں بھی پہلے یہی سمجھتا تھا مگر تھوڑا زمانہ ہوا کہ حضرت مجدد صاحبؒ کا ایک مکتوب نظر سے گذرا اُس کو دیکھ کر وہ خیال پیدا ہوا جو اوپر عرض کیا گیا۔ اور اسی بناء پر بندہ نے آجکل ایک رسالہ لکھا ہے جو مجدد صاحبؒ کے قول پر مبنی ہے جو طبع نہیں ہوا۔ آپنے جو تقریر نقل کی ہے وہ نظر سے نہیں گذری اگر پوری عبارت مع ماخذ معلوم ہو تو اپنے رسالہ کی اصلاح کر دوں۔

مکتوب ثانی از مولانا۔ (بعد تمہید) حضرت مجدد صاحبؒ قدس سرہٗ مکتوب (۴۴) جلد ۲ میں فرماتے ہیں۔ محبت آثار این فقیر در مکتوبات ورسائل خود بہ تفصیل نوشتہ است ونزاع فریقین را بلفظ راجع داشتہ الخ اس کے بعد فرق وتوجیہات کو واضح فرمایا ہے۔ اور ان توجیہات میں مکتوب اول جلد ۲ کی توجیہات کا اعادہ کر کے تطبیق بیان فرمائی ہیں اور وجہ تطبیق بیان فرمانے کی یہ معلوم ہوتی ہے کہ مکتوب اول جلد ۲ میں متبادر فرق حقیقی ہے اور مکتوب (۴۴) میں صراحت لفظی کی ہے اس لئے قطع تعارض کی ضرورت آپکو محسوس ہوئی چنانچہ مکتوب اول جلد ۲ کی عبارت جو تقریباً نص ہے فرق تحقیق پر یہ ہے "تا فرق درمیان دو مذہب بوجہ اتم حاصل گردد" دونوں مکاتیب کے ملاحظہ سے اس ناچیز خادم نے دونوں مذہب کا خلاصہ جو جو سمجھا ہے وہ بھی عرض کرتا ہے اور پھر دونوں میں کیا فرق ہے۔ حضرت شیخ اکبر ابن عربی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں یعنی مکتوب اول جلد ۲ میں جو ان کا مذہب معلوم ہوتا ہے اس سے میں نے یہ سمجھا ہے وجود ایک ہے (وجود مطلق) ذات دو ہیں۔ (ذات واجب ذات ممکن) کیونکہ دونوں مرجع استناد صفات ہیں۔ کیونکہ ظلال وعکوس اسماء وصفات کو عین اسماء وصفات کہتے ہیں اور اسماء وصفات عین ذات ہیں اس لئے وجود واحد ہوا اور ذات وہمی وتخیلی ہوئی جس کا وجود فی الخارج قطعاً نہیں اور حضرت شیخ اعیان ممکنات کیلئے جو ظلال اور عکوس سے عبارت ہے ہستی فی الخارج کو مرآۃ قرار دیتے ہیں اور اسی وجہ سے ان کو عینیت کا قائل ہونا پڑا ان کے نزدیک صفات میں حسن وقبح اضافی ہے۔ اور حضرت مجدد صاحب رحمۃ اللہ علیہ اس بات میں حضرت شیخ سے متفق ہیں کہ اعیان ممکنات اسماء وصفات کے عکوس وظلال ہیں لیکن مرآت

عکوس میں اختلاف رکھتے ہیں۔

حضرت قدس سرہٗ ہستی فی الخارج کو مرآت نہیں قرار دیتے بلکہ اسماء و صفات کے مقابل میں جو عدمات مرتبۂ علم میں ہیں ان کو مرآت قرار دیتے ہیں بلکہ ان صور ممتزجہ کو ممکنات سے تعبیر فرماتے ہیں۔ حضرت شیخ فرماتے ہیں۔ "ماشمت رائحۃ الوجود الخارجی اور حضرت مجدد صاحبؒ اس کے وجود خارجی کے قائل ہیں۔ مگر ان عکوس یا صور ممتزجہ یا عدمات متقابلہ کا وجود ظاہر وجود کا ظل اور ان کا خارج اس کے خارج کا ظل اور ان کا نفس الامر اس کے نفس الامر کا ظل۔ چنانچہ جلد ۳ مکتوب ۲۶ صفحہ ۵۲ میں صراحت فرماتے ہیں۔

(عالم در خارج موجود است اگرچہ ایں خارج ظل آں خارج بود و ایں وجود ظل آں وجود باشد الخ)۔

حضرت شیخ اعیان کی نسبت فرماتے ہیں کہ یہ وہی اسماء و صفات ہیں جو مرتبۂ علم میں تمیز حاصل کر چکے ہیں اور حضرت مجدد صاحب فرماتے ہیں کہ نہیں یہ عکوس و ظلال ہیں اور عکس عین ذی عکس نہیں ہو سکتا۔ اور نہ وہی ہو سکتا ہے بلکہ فی الخارج موجود ہے (لیکن عین مرآۃ بھی نہیں ہو سکتا پھر تعبیر ممکنات کی عدمات متقابلہ سے کرنا کس توجیہ پر ہے نور محمد) اور حضرت قدس سرہٗ یہ بھی فرماتے ہیں کہ دو ذات ہیں لیکن اس کے ساتھ وہ وجود کو بھی فی الخارج دو مانتے ہیں گو دونوں کے فی الخارج میں فرق ہو اور صفات کے حسن و قبح کو اضافی نہیں مانتے بلکہ صفات نقص راجع بہ ذات ممکن و صفات کمال راجع بواجب کہتے ہیں اور اس کی ساتھ ہی وجود اصلی حضرت مجدد صاحبؒ کے نزدیک بھی ایک ہے جیسا کہ مکتوب اول جلد ۲ کی تمہید سے واضح ہوتا ہے۔ جہاں انھوں نے صفات نقص کو راجع بعدم اور صفات کمال کو راجع بوجود کہا ہے اور پھر ممکنات و اعیان کو تعبیر عدمات سے کی ہے اگر اس کے بعد کوئی ارشاد ہو تو اس خادم دعا گو کو مطلع فرمایا جائے۔

یہ خلاصہ ہے جو میں نے حضرت مجدد صاحبؒ کے خطوط سے سمجھا ہے جس کی بعض مواقع پر تعبیر اپنے لفظوں میں کر دی ہے۔

حضرت شاہ عبدالعزیز صاحبؒ رحمۃ اللہ علیہ نے بھی کسی حیدرآبادی بزرگ کے جواب میں دونوں میں فرق لفظی کی صراحت کی ہے اور فرق بیان بھی فرمایا ہے وہ قلمی ہے مدرسہ کے کتب خانہ میں ہے تلاش کیلئے کہہ دیا ہے امید ہے کہ ملنے کے بعد نقل کر کے بھیج دوں گا۔ دونوں مکتوب میں غور کرنے سے معلوم ہوتا ہے کہ فرق تو حقیقی ہے مگر چونکہ اصلی وجود کے ایک ہونے میں دونوں متحد ہیں اس لئے اس کو بہت تھوڑا فرق سمجھا گیا جو قطع نظر کرنے کے قابل ہے۔ واللہ اعلم

جواب از احقر۔ السلام علیکم۔ میں نے جو مکتوبات مجددیہ سے سمجھا ہے وہ قریب قریب وہی ہے جو آپنے سمجھا ہے۔ کچھ کچھ تعبیر میں تفاوت ہے جس کو میں نے اپنے رسالہ میں اختیار کیا ہے اور غالباً میری تعبیر کچھ واضح و سلیس ہے تاہم بعض اجزا آپ کی تحریر میں غالباً زائد ہیں اسی لئے میں نے اس مکاتیب کو اپنے رسالہ کا ضمیمہ بنانے کا ارادہ کرلیا ہے۔ اگر حضرت شاہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ کا جواب بہولت سے میسر ہوجائے اس کو بھی ضمیمہ کا جزو بنادوں گا۔ آپنے اپنے اس مکتوب میں اعیان کی نسبت حضرت مجدد صاحبؒ کا یہ قول کہ یہ عکوس ظلال ہیں اور عکس عین ذی عکس نہیں ہوسکتا اور نہ وہی ہوسکتا ہے بلکہ فی الخارج موجود ہے اھ نقل کرکے ایک اشکال وارد فرمایا ہے ونصہ (لیکن عین مراۃ بھی نہیں ہوسکتا پھر تعبیر ممکنات کی عدمات متقابلہ سے کرنا کس توجیہ پر ہے) تو رمحمد سو اس کا جواب یہ ہے کہ وہ عدمات کو مجموعہ حقیقت ممکنات نہیں فرماتے بلکہ اُن کی مجموعہ حقیقت میں عدمات کو اصل و مادہ کہتے ہیں اور عکوس اسماء و صفات کو بمنزلہ صور حالّہ کے پس جہاں عدمات کو ممکنات کی حقائق کہا ہے حقایق سے مراد مادہ ہے نہ کہ مجموعہ حقیقت۔

چنانچہ جلد دوم کے مکتوب اول میں اس کی تصریح ہے فی قولہ رح آن عدمات باآں عکوس اسماء وصفات حقائق ممکنات اند۔ غایت مافی الباب آن عدمات در رنگ اصول و مواد آں ماہیات اند و آن عکوس ہمچوں صور حالّہ درآں مواد اھ۔

مکتوب ثالث از مولانا۔ (بعد تمہید) اشکال کے جواب سے تسلی ہوئی۔ لیکن حلول کے مدارج اور اقسام ہیں۔ ایک قسم امتزاج ہے یعنی تداخل الاجزاء بعضہا فی بعض حتی لا یمتاز بعضہا عن بعض کما تشئی واحد فما بقی اسمہا الاول بل صار موسوما باسم جدید او متشخصا بتشخص جدید اور دوسری قسم ارتسام کحلول العکوس و حلول الظلال فی الماء او فی ذی محل۔ پس اگر اول قسم مراد ہے تو اُس کو اصل اور مادہ کہنا درست ہے لیکن اشکال یہ ہے کہ اعیان ثابتہ مرتبہ علم ہی میں ممتاز اور موجود مانے گئے ہیں جو مراتب قدیمہ میں سے ہے اور اس قسم کی ترکیب مراتب امکانیہ حدوثیہ میں سے ہے اور اگر دوسری قسم مراد ہے جیسا کہ حضرت مجدد صاحب کا ارشاد ہے تو چاہئے کسی صورت میں بھی حمل بالمواطات صحیح نہ ہو کیونکہ عکس اور مرآۃ میں حمل مذکور کسی طرح جائز نہیں۔ حالانکہ مجدد صاحب نے بعض حالات میں حمل صحیح قرار دیا ہے بایں معنی کہ وہ شخص کاذب نہیں اور اسی تاویل سے اہل وجود کی تعبیر سے تحاشی فرمائی ہے اور اگر یہ کہا جائے کہ حضرت مجدد صاحب قدس سرہٗ عکوس اور ظلال اور ان کے اذواء کے درمیان حمل مذکور کے قائل ہیں مگر مرآۃ یعنی عدمات اور ذی عکوس یا عکوس کے مابین حمل

مذکور کے قائل نہیں مثلاً کوئی ناواقف کم سمجھ زید کے عکس کو آئینہ میں دیکھ کر کہہ سکتا ہے کہ ھذا زید گو وہ مطابق نفس الامر نہیں مگر اس کو کاذب بھی نہیں کہہ سکتے ہاں اگر وہ مراۃ کو زید کہے یا عکس زید اور مراۃ میں حمل مذکور کا قائل ہو تو وہ خلاف نفس الامر ہے اور وہ شخص کاذب بھی ہے۔ جواب یہ ہے کہ ایسی حالت میں عدمات داخل حقائق ممکنات نہیں ہو سکتے پھر صرف عکوس و ظلال ہی حقائق ممکنات ہوں گے جو اہل وجود کا مسلک ہے میری سمجھ میں جو کچھ آیا عرض کیا گیا ہے اور صحیح وہی ہے جو حضور فرمائیں باقی پوری کتاب حضور کی خدمت مرسل ہے اور جہاں جہاں اس قسم کے مضامین ہیں اس کی فہرست کتاب کے بازو کے کاغذ پر بقید صفحات درج کر دی گئی ہے اس کے علاوہ حضور مکتوب از ص۲۴۳ بھی ملاحظہ فرمالیں کہ حضرت قدس سرہٗ نے اس میں بسط فرمایا ہے۔

جواب از احقر۔ مولانا السلام علیکم۔ محبت نامہ و رسائل یعنی مکتوبات حضرت مرزا صاحب و حضرت قاضی ثناء اللہ صاحب و حضرت شاہ ولی اللہ صاحب و حضرت شاہ عبدالعزیز صاحب موجب ازدیاد علوم ہوئے۔ سوال کے جواب میں عرض ہے کہ یہ ترکیب عدمات و عکوس سے ترکیب حقیقی نہیں مشابہ ترکیب کے ہے جیسے ظل جسم منسوب یا موضوع فی الشمس کو اسی توجیہ سے نور و ظلمت سے مرکب کہدیا جاتا ہے ورنہ عدم و وجود سے مرکب عدم ہونا چاہئے پس جس طرح حقیقت ظل کی ظلمت ہے مگر اس شرط سے کہ اس کو نور نے ایک خاص ہیئت عطا کر دی ہے۔

اسیطرح حقیقت ممکنات کی عدمات ہیں مگر نہ من حیث ہی ہی اور یہی معنی ہیں میرے کلام کے مکتوب سابق میں کہ وہ عدمات کو مجموعہ حقیقت ممکنات نہیں فرماتے الخ بلکہ اس شرط سے کہ وہ عکوس سے متاثر ہیں جنہوں نے ان عدمات کو ایک خاص تمیز عطا کر دی ہے اسی لئے مجدد صاحب کے کلام میں در رنگ اصول و مواد اور ہیچوں صور حالے سے تعبیر کیا گیا ہے۔ پس یہ تعلق مشابہ حلول کے ہے اور زیادہ تر مشابہ حلول قسم اول کو باقی اشکال کا جواب یہ ہے کہ جو خاص امتیاز اس ترکیب سے پیدا ہوا ہے۔ یہ اعیان ثابتہ میں کہاں تھا اور راز اس کا یہ ہے کہ مرتبہ اعیان کا امتیاز اثر ہے علم کا اور اس لئے مثل علم کے قدیم ہے اور یہ امتیاز اثر ہے فعل کا اور اس لئے مثل فعل کے حادث ہے۔ اور دوسری شق کے ذکر میں جو تحریر فرمایا ہے کہ جیسا مجدد صاحب کا ارشاد ہے اور تحریر فرمایا ہے کہ حمل صحیح قرار دیا ہے یہ میری سمجھ میں نہیں آیا مجدد صاحب ایسے وجود ظلی کے قائل نہیں جیسا عکس فی المرآۃ یا فی الماء اور حمل کی تو مصرحاً نفی فرمائی ہے۔ فی قولہ نہ غیر عین شئی نیست بلکہ شبح ست ومثال آں شئی وحمل یکے بر دیگرے ممتنع است الخ (مکتوب اول ج دوم) باقی مقامات معلمہ بھی میں دیکھ لئے اُن میں کوئی امر اپنے رسالہ کے خلاف نہیں پایا صرف دو مقام پر حاشیہ لکھنے کی ضرورت محسوس ہوئی ایک اصطلاح ظاہر وجود کے متعلق۔ دوسرے

وحدۃ الوجود وحدۃ الشہود کے اختلاف حقیقی یا لفظی ہونے کے متعلق۔ چنانچہ ذیل میں دونوں مرقوم ہیں اور میں اس سے مسرور ہوا کہ رسالہ کا کوئی جزو اکابر کی تحقیق کے خلاف ثابت نہیں ہوا اور اس مسرت کے سبب آپ ہوئے ورنہ یہ رسائل میں نے کبھی دیکھے بھی نہ تھے فجزاکم اللہ تعالیٰ اور وہ دونوں حاشیے یہ ہیں۔

پہلا حاشیہ۔ رسالہ میں جس مقام پر وجودیہ کے مذہب کی تقریر شروع ہوئی ہے وہاں یہ عبارت ہے "اسکو عنہ ظاہر وجود سے بھی تعبیر کر دیا جاتا ہے الخ لفظ ظاہر وجود پر یہ حاشیہ ہے بعض اکابر کے قول سے اس میں ایک قید بھی معتبر ہے کہ ذات کا وہ ظہور جو اعیان ثابتہ میں مؤثر ہوا ہو کما فی المکتوب المدنی للشاہ ولی اللہ رحمہ **قولہ** وھذا ھو الذی یسمیہ الصوفیہ بالفیض الاقدس و بعد اسطر **قولہ** فعبروا من ھذا المعنی بقولھم وان ظہر الوجود الی قولہ الذی یحصل منہ الآثار انما ھو الوجود فقط لکنہ ظہر علی القانون باطن الوجود الخ اور اسی سے اس تسمیہ کی ایک دوسری وجہ بھی معلوم ہو گئی وہ یہ کہ ظہور ذات کا اسی مقام سے شروع ہوتا ہے اس کے قبل باطن محض تھی۔

دوسرا حاشیہ۔ اس ضمیمہ کے مکتوب اول کے جواب میں میرا یہ قول ہے "میرا خیال یہ ہے" عہ اھ اس پر یہ حاشیہ ہے مکتوب مدنی میں حضرت شاہ صاحب بھی اختلاف لفظی کی طرف گئے ہیں اور مولوی غلام یحییٰ صاحب بھی اپنے ایک رسالہ میں اسی کے قائل ہوئے ہیں لیکن حضرت مرزا صاحب نے رسالہ مذکورہ پر جو حاشیہ تحریر فرمایا ہے اُس میں ارشاد کیا ہے اما تعارض بمسئلہ تطبیق ضرورتے نداشت کہ ایں توفیق بین المکتوبین اگرچہ خالی از تکلف نیست لیکن متضمن مصلحت عمدہ است ھی الاصلاح بین الفئتین العظیمتین اھ ۲۵ رجب ۱۳۴۷ھ

اضافہ در جواب مکتوب ثالث۔ ایک تیسرا حاشیہ بھی ہے جو اصل رسالہ کے اُسی مقام کے متعلق ہے جہاں خاتمہ کے قریب وحدۃ الوجود وحدۃ الشہود کے فرق کا خلاصہ بیان کیا گیا ہے **فی قولی** عہ وہ فرق یہ ہے کہ وجودیہ کے نزدیک الخ اور اس حاشیہ سے حاشیہ دوم کی بھی مزید توضیح ہو جاتی ہے وہ تیسرا حاشیہ حسب ذیل ہے اس فرق کی تکمیل و تفصیل یہ ہے کہ ذات واجب اصل میں باطن محض تھی جب باقتضائے حکمت ذات باطنہ کے بواسطہ مصنوعات حادثہ ظاہر فرمانے کا ارادہ کیا اور ظاہر ہے کہ ظہور کنہ کا ممتنع ہے پس اس ظہور مقصود کا محل وجود ہوگا بقول عارفین سہ

عہ یہ عبارت کتاب ہذا کے صفحہ ۷۵۴ سطر ۹ میں ہے ۱۲ شبیر علی عفی عنہ عہ یہ عبارت کتاب ہذا کے صفحہ ۷۵۸ پر ہے ۱۲ شبیر علی عفی عنہ
عہ یہ عبارت کتاب ہذا کے صفحہ ۷۶۶ پر ہے ۱۲ شبیر علی عفی عنہ للعہ چونکہ یہ حاشیہ بعد میں ذہن میں آیا اس لئے حاشیہ ثانی سے اس کی ترتیب نہیں رہی ۱۲ شبیر علی عفی عنہ۔

دور بیناں بارگاہِ الست — جز ازیں پے نبردہ اند کہ ہست

اور یہی معنی ہیں ھو الظاھر و الباطن کے یعنی الظاہر بوجودہ والباطن بذاتہ پس اول توجہ ارادہ ظہور کے لئے اپنے وجود کی طرف ہوئی اور یہ مرتبہ ظاہر وجود کہلاتا ہے اور اس کو ظاہر باعتبار ارادہ اظہار کے بمقابلہ باطن ذات کے کہدیا جاتا ہے ورنہ ظہور تام تو اس مرتبہ کا بعد ایجاد حوادث کے ہوگا۔ کما اشیر الیہ فی القول المشہور کنت کنزا مخفیا فاحببت ان اعرف فخلقت الخلق۔ اور باعتبار تعلق ارادہ ظہور کے بعض نے اس مرتبہ کو صادر اول کہدیا ہے نہ کہ باعتبار ایجاد کے کیونکہ وہی بعض اس میں اور ذات میں صرف فرق اعتباری کے بھی قائل ہوئے ہیں اور اس ارادہ کے بعد اس وجود کا اظہار اس طرح کیا گیا کہ اس کے مراتب ظہور میں جو کہ تنزلات کہلاتے ہیں اپنے علم و قدرت و ارادہ و سمع و بصر و کلام و جمیع کمالات سے تصرف کیا گیا اور یہی معنی ہیں اسماء و صفات کو ظاہر وجود پر تجلی فرمانیکے اور اُن مراتب ظہور میں جو مراتب وجوبیہ ہیں اُن میں اور ذات میں تو محض تغایر اعتباری ہی ہے اور وہ تصرف سے بھی منزہ ہیں پس اُن سے ظہور مقصود متحقق نہیں ہو سکتا اس لئے ظہور مقصود کیلئے مراتب امکانیہ ہیں (جو کہ اسماء و صفات کمال کے مقابل نقائص و عدمات ہیں مثل جہل و عجز وغیرہما) اُن اسماء و صفات سے تصرف کیا گیا اور یہی معنی ہیں ان اسماء کو ان عدمات پر تجلی فرمانیکے (اور یہ عدمات گو اعدام ملکات کے ہیں مگر بوجہ عدم محل کے ان میں وجودیت نہ تھی بلکہ اعدام محضہ ہیں اس لئے اصل رسالہ میں جو انکو عدم محض کہا ہے اُس سے تنافی نہ ہوئی) بس اس اسماء و صفات کی دو تجلیاں متحقق ہوئیں اور ہر ممکن کے حدوث میں یہ دونوں مستمر رہتی ہیں ایک ظاہر وجود پر مرتبہ ظہور میں ایک عدمات پر سو اس میں تو کسی کو کلام نہیں اور کسی کو کسی تجلی سے انکار نہیں اور اسی مقام پر نظر کر کے بعض اکابر نے وحدۃ الوجود و وحدۃ الشہود میں نزاع لفظی کا حکم کر دیا ہے۔ بایں معنی کہ جو فرقہ جس تجلی کا مثبت ہو دوسرا اُس کا نافی نہیں مگر اب صرف کلام اس میں رہ گیا کہ ممکنات کا مبدا تعین آیا تجلی اوّل ہے اور یہ وحدۃ الوجود ہے یا تجلی ثانی اور یہ وحدۃ الشہود ہے اور اسی مقام پر نظر کر کے نزاع حقیقی کا حکم کر دیا جاتا ہے اس کی ایسی مثال ہے کہ جیسے حکماء اس پر سب متفق ہیں کہ جب کوئی چیز ذہن میں آتی ہے وہاں اُس معلوم کی صورت بھی ذہن میں حاصل ہوتی ہے اور ذہن اس سے متاثر بھی ہوتا ہے اور ذہن میں اور اُس صورت میں ایک تعلق بھی ہو جاتا ہے اس میں تو سب کا اتفاق ہو گیا اس میں اختلاف ہو گیا کہ مبدأ انکشاف ان تین چیزوں میں سے کون چیز ہے اسی اختلاف کے سبب علم کو کسی نے مقولہ کیف سے کہدیا کسی نے مقولہ انفعال سے کسی نے مقولہ اضافت سے کذا سمعنا خوب

پھر تو ان تجلیین مذکورین میں سے تجلی اوّل کا محل چونکہ وجود ہے اور وجود پر وجود طاری ہونیکے کوئی معنی نہیں اسلیئے اُس تجلی سے ماہیات کا وجود خیالی ہوگا اور تجلی ثانی کا محل چونکہ عدمات ہیں اور عدم پر وجود کا طاری ہونا معقول ہے۔ لہذا اُس تجلی سے ماہیات کا وجود واقعی ہوگا جو اصلی کے مقابلہ میں ظلّی ہے اور یہ دونوں تجلی متعاقب ہوتی ہیں اگر تجلی اوّل سابق ہوتی ہو جس سے وجود خیالی ہوگا تو دوسری تجلی کا اثر اُس کے تابع ہوگا اُس کا مغیر نہ ہوگا۔ لہذا وہ خیالی ہی رہے گا اور ظلیت بھی اُس کا ایک درجہ ہوگا اور اگر دوسری تجلی سابق ہوتی ہو جس سے وجود ظلّی ہوگا تو پہلی تجلی کا اثر اُس کے تابع ہوگا اُس کا مغیر نہ ہوگا لہذا وہ ظلی ہی رہے گا۔ اور تخیلیت بھی اُس کا ایک درجہ ہوگا جیسے کسی بوتل کو اول رنگین کردیں پھر اُس میں سادہ پانی بھریں تو پانی رنگ میں بوتل کا تابع نظر آتا ہے اور اگر اول پانی کو رنگین کرکے سادہ بوتل میں بھردیں تو بوتل رنگ میں پانی کے تابع نظر آتی ہے اور واقع میں رنگ کے اعتبار سے نہ بوتل پانی کی مغیر ہوئی نہ پانی بوتل کا مغیر ہوا اور یہ تشبیہ من کل الوجوہ نہیں مطلق تابعیت مع عدم التغیر میں ہے گو کیفیت تابعیت کی طرفین تشبیہ میں متفاوت ہو۔

تمت الضمیمہ[۵]

الحاق + ھو للحق احقاق + وللباطل ازھاق

یہ تو رسالہ کے ضمیمہ سے معلوم ہو چکا کہ مسئلہ وحدۃ الوجود و وحدۃ الشہود مسائل کشفیہ سے ہیں کسی نص کے مدلول نہیں۔ ایسے مسائل کیلئے یہی غنیمت ہے کہ وہ کسی نص سے مصادم نہ ہوں یعنی کوئی نص اُن کی نافی نہ ہو باقی اس کی کوشش کرنا کہ نص کو اُن کا مثبت بنایا جاوے اس میں تفصیل ہے وہ یہ کہ اگر نص اُس کی محتمل ہو تو درجہ احتمال تک اس کا رکھنا غلو تو نہیں مگر تکلف ہے اور اُس کو درجۂ احتمال سے بڑھادینا غلو ہے اور اگر وہ محتمل بھی نہ ہو تو اُس کا دعویٰ کرنا احتمالاً یا جزماً صریح تحریف ہے نص کی۔ البتہ اگر وہ دعویٰ بطور تفسیر یا تاویل کے نہ ہو محض بطور علم اعتبار کے ہو تو اس میں یہ تفصیل ہے کہ وہ حکم اگر کسی اور نص سے ثابت ہو تب تو وہ اعتبار داخل حدود ہے اور اگر وہ کسی اور نص سے ثابت نہ ہو تو وہ بھی تکلف ہے چونکہ ان مسائل کے متعلق نصوص میں بعض نے تکلف کا ارتکاب کیا ہے اور بعض نے غلو کا اور بعض نے تحریف کا اس لئے نمونہ کے طور پر اس باب میں چند تنبیہات کرتا ہوں۔

---

[۵] چونکہ اس کے بعد جمادی الثانیہ ۱۳۵۲ھ تک بھی اور کوئی خط نہیں آیا لہذا ضمیمہ ختم کردیا گیا ۱۲ منہ

(تنبیہ اوّل) آیت ربنا ما خلقت ھذا باطلا کیساتھ۔ حدیث الا کل شئی ما خلا اللہ باطل کو منضم کرکے بعض نے کہا ہے کہ آیت اس قضیہ کی قوت میں ہے المخلوق لیس بباطل اور حدیث اس قضیہ کی قوت میں ہے کل غیر اللہ باطل ان دونوں مقدموں کا مجموعہ شکل ثانی ہے بعد حذف حد اوسط کے نتیجہ یہ نکلا المخلوق لیس غیر اللہ جب غیر نہ ہوا تو عین ہوا اور یہی وحدۃ الوجود ہے اور اُس کا صریح تحریف ہونا ظاہر ہے کیونکہ یقیناً آیت میں باطل کی تفسیر عبث ہے اور حدیث میں باطل کی تفسیر فانی ہے۔ پس حد اوسط مکرر بھی نہیں لہٰذا استدلال محض باطل ہے۔

(تنبیہ ثانی) آیت اللہ نور السموات والارض میں بعض کا قول ہے کہ نور کی حقیقت ہے ظاہر بنفسہ و مظہر لغیرہ اور یہ اصل شان وجود کی ہے پس نور کا مصداق وجود ہے تو نور السموات والارض کے معنی وجود السموات والارض کے ہوئے تو معلوم ہوا کہ ممکنات کا کوئی وجود جداگانہ نہیں ان کا وجود خود ذات واجب ہے اور یہی وحدۃ الوجود ہے اور یہ تکلف ہے اسی واسطے صاحب روح نے اس کو نقل کرکے کہا ہے وھذا منزع صوفی وانت تعلم انہ مما لا یھتدی الیہ بنور الاستدلال بل ھو طور وراء طور العقل لا یھتدی الیہ الا بنور اللہ عزوجل اھ آیت کی بے تکلف تفسیر یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نور (ہدایت) دینے والا ہے آسمانوں (میں رہنے والوں) کا اور زمین (میں رہنے والوں) کا (یعنی آسمان وزمین اور مراد اس سے کل عالم ہے جس کو ہدایت ہوئی ہے ان سب کو اللہ ہی نے ہدایت دی ہے۔ فھذا الحمل کنز یدھم ل اذ و عدل ای ھو ذو نور بمعنی منورھای

(تنبیہ ثالث) آیت کل شئی ھالک الا وجھہ میں بعض نے کہا ہے کہ ہالک کے معنے معدوم کے ہیں معلوم ہوا کہ سب ممکنات اس وقت بھی معدوم ہیں یہی وحدۃ الوجود ہے اور یہ تکلف یا غلو ہے کیونکہ یہاں ہالک اسم فاعل بمعنی مستقبل ہے یعنی سب معدوم ہو جاویں گے بمعنی حال نہیں کہ اس وقت معدوم ہیں جیسا ایک دوسرے مسئلہ پر اسی آیت سے بعض کا استدلال تحریف ہے وہ مسئلہ تجدد امثال ہے اس بعض نے یہ تاویل کی ہے کہ ہر موجود دوسری آن میں معدوم ہوتا رہتا ہے۔ روح المعانی میں اس کو نقل کرکے کہا ہے ولا یخفی بطلانہ۔

(تنبیہ رابع) آیت اجعل الالھۃ الھا واحدا سے بعض اہل غلو نے وحدۃ الوجود کو اس طرح ثابت کیا ہے کہ سب آلہہ کو آلہ واحد قرار دینے پر کفار نے انکار کیا تو معلوم ہوا کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اس وحدۃ کا دعویٰ فرمایا ہوگا لیکن یہ استدلال اس لئے غلط ہے کہ یہاں جعل واحد کے معنے یہ ہیں کہ دوسرے آلہہ کی نفی فرمائی اور آلہ واحد کا اثبات کیا نہ یہ کہ سب کے اتحاد کا دعویٰ کیا ہو (نعوذ باللہ) فمن ادعی فعلیہ البیان پس یہ جعل ایسا ہی

جیسا حدیث میں آیا ہے من جعل الھموم ھما واحدا ھم الآخرۃ۔ اور ظاہر ہے کہ یہ مراد نہیں کہ ہموم دنیا و ہم آخرت کو متحد کر دیا بلکہ مقصود یہی ہے کہ ہموم دنیا کی نفی کر دی اور ہم آخرت کو ثابت و باقی رکھا خوب سمجھ لو۔

تنبیہ خامس بعض نے لا الٰہ الا اللہ کی نئی تفسیر میں ایک رسالہ کلمۃ الحق جس کا جواب بعض علماء نے دعوۃ الحق کافی شافی لکھدیا ہے جو شائع بھی ہو گیا یہ سب وحدۃ الوجود کے متعلق نقول تھے آگے وحدۃ الشہود کے متعلق بعض نقول ہیں۔

تنبیہ سادس۔ آیت الم تر الی ربک کیف مد الظل میں بعض نے کہا ہے کہ نور حقیقی کا ماسواکہ واقع میں ظلمت ہے ظل ہے اور صانع عالم جو کہ معطی نور وجود ہے شمس کے مشابہ ہے اگر مشیت الٰہیہ ہوتی تو اس کو کتم عدم میں ساکن رکھتا مگر شمس کو اس کی دلیل یعنی شاہد بنایا گیا جیسے ارشاد ہے اولم یکف بربک انہ علی کل شیء شہید پھر تدریج اس کو منقبض کر لیا جیسے ارشاد ہے کل شیء ھالک الا وجہہ۔ تو اس آیت میں ممکنات کو واجب کا ظل کہا گیا اور یہ وحدۃ الشہود ہے اور اس کا تکلف ہونا ظاہر ہے۔ ظاہر تو ظل سے مراد اس کے حقیقی معنی ہیں اور آیت میں دھوپ اور سایہ کے تغیرات سے توحید پر استدلال کیا گیا ہے دیبان القرآن ملاحظہ ہو دوسرے اگر آیت میں استعارہ بھی مان لیا جائے تب بھی یہ یقینی ہے کہ ظل کے معنے اصطلاحی نہیں پھر آیت اس سے کیا تعلق۔

تنبیہ سابع۔ حدیث السلطان ظل اللہ فی الارض سے بھی استدلال کیا گیا ہے اور اس کا بھی وہی جواب ہے کہ یہاں ظل کے معنے اصطلاحی نہیں بلکہ استعارہ ہے اس بنا پر کہ یرجع الناس الیہ و یاوون الیہ ورنہ ظل بالمعنی الاصطلاحی میں سلطان کی کیا تخصیص ہے۔ تم الالحاق۔ ۲ رجب جمادی اخری ۱۳۴۲ھ وھو اول یوم وقف فیہ الریل بقرب الخانقاہ وعقدت لہ الجنۃ بھیۃ فرحا وسرورا بمحطۃ الجدیدۃ وکان الفصل بین ھذا الزمان وزمان دخول الریل فی القصبۃ اثنین وعشرین سنۃ وثلثۃ اشھر وعشرۃ ایام فقط (اشرف علی عفی عنہ)

رسالہ احکام الائتلاف فی احکام الاختلاف

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم ط

بعد الحمد والصلوٰۃ مقصود اس تحریر سے ایک غلطی عظیم کا رفع کرنا ہے جس میں قریب قریب عام ابتلا ہو رہا ہے

عـــہ اس قصہ میں اور الحاق میں ایک مناسبت ہے۔ پس اس کا ذکر بے ربط نہیں ہوا وجہ مناسب یہ ہے کہ کوئی شخص قدیم اسٹیشن ملقب بہ لقب لغوی "تھانہ بھون" کا محصول دے کر اس سے تجاوز کر کے جدید اسٹیشن ملقب بہ لقب اصطلاحی "قصبہ تھانہ بھون" پر اترے اور زائد محصول کے مطالبہ کا یہ جواب دے کہ اسٹیشن تھانہ بھون کا مفہوم اس پر بھی صادق ہے تو یہی جواب دیا جائیگا کہ تمہاری تفسیر اس معنی اصطلاحی سے غلط ہے وہی ہی الحاق ہذا کی بعض تفسیریں ہیں یہ بعض تفاسیر ممثل اور یہ قصہ مثال ہے ۱۲ منہ

الا ماشاء اللہ۔ اور وہ غلطی یہ ہے کہ عام طور پر علی الاطلاق اتفاق کو مطلوب اور اختلاف کو مذموم سمجھا جاتا ہے بالخصوص اگر علماء میں کسی قسم کا بھی اختلاف ہو جائے اُس کے سبب اُن پر سخت طعن کیا جاتا ہے اور اس مدعا پر دلائل مطلقہ سے (گو وہ کسی دلیل مستقل سے مقید ہی ہوں) تقریراً و تحریراً استدلال کیا جاتا ہے اس خیال کے غلط ہونے پر احقر وقتاً فوقتاً تقریر و تحریر سے تنبیہ بھی کرتا رہا ہے لیکن کسی داعی قوی کے پیش نہ آنیکے سبب اس مستقل تنبیہ کا کوئی خاص اہتمام نہیں کیا گیا۔ امسال بعض اسباب خاصہ کے سبب بعض مراکز تعلیمیہ کی جماعت کے آحاد میں کچھ اختلاف پیش آیا اور امتداد و اشتداد میں کسی قدر معمول سے بڑھ بھی گیا اور اس کے متعلق بعض ایسے صاحبوں نے جن کا یہ منصب بھی نہ تھا بزعم خود خیر خواہی سے معترضانہ خیالات ظاہر کئے اور ان میں سے جنہوں نے مجھ سے خطاب خاص کیا تھا اُن کو اصول صحیحہ کے موافق جواب بھی دیا گیا لیکن غالباً بوجہ اجمال اُن جوابوں کا اُن اصول پر انطباق واضح نہ تھا اس لئے توضیح کی بھی ضرورت تھی نیز آئندہ کے لئے ایسے شبہات کا انسداد بھی ضروری تھا یہ واقعہ اور یہ دو ضرورتیں داعی قوی ہو گئیں کہ تحقیق مسئلہ اتفاق و اختلاف کی کسی قدر تفصیل و توضیح کیساتھ قلمبند کر دی جائے تاکہ شبہات واقعہ مفقود اور شبہات متوقعہ مسدود ہو جاویں اور نیز واعظین و مقررین و مضمون نویس بھی اپنی تقریرات و تحریرات میں ان حدود کی رعایت رکھ سکیں۔ ولقبتہ باحکام الائتلاف فی احکام الاختلاف واللہ ولی الاعانۃ والیہ التضرع والاستکانۃ۔

مقدمہ۔ جاننا چاہئے کہ اختلاف تقسیم اولی دو قسم پر ہے۔ ایک حقیقی[1] دوسرا غیر حقیقی[2] اور اختلاف کی اقسام سے اتفاق کے اقسام بھی معلوم ہو جاوینگے، اور چونکہ محل کلام اختلاف ہی کو سمجھا جاتا ہے اس لئے موضوع تقسیم کا اسی کو قرار دیا گیا تو اختلاف کی دو قسمیں ہیں حقیقی[1] و غیر حقیقی[2] حقیقی سے مراد یہ ہے کہ دو حکموں میں ایسا تعارض ہو کہ وہ دونوں حکم واقع میں معاً صحیح نہ ہو سکیں اگر ایک صحیح ہو تو دوسرا غلط جیسے ایک شخص کہے کہ یہ فعل حلال یا حسن ہے دوسرا اُسی فعل کو کہے کہ یہ حرام یا قبیح ہے تو ظاہر ہے کہ یہ ممکن نہیں کہ واقع میں حلال بھی ہو اور حرام بھی ہو۔ پھر یہ تعارض خواہ درجہ تناقض میں ہو یعنی جیسے اُن دونوں حکموں کا اجتماع نہیں ہو سکتا اسی طرح دونوں کا ارتفاع بھی نہیں ہو سکتا جیسا مثال مذکور میں کہ جیسے یہ نہیں ہو سکتا کہ وہ فعل حلال بھی ہو اور حرام بھی ہو۔ اسی طرح یہ نہیں ہو سکتا کہ نہ واقع میں حلال ہو اور نہ واقع میں حرام ہو اور خواہ درجہ تضاد میں ہو یعنی دونوں حکموں کا اجتماع تو نہیں ہو سکتا لیکن دونوں کا ارتفاع ہو سکتا ہو جیسے ایک شخص کہے کہ یہ فعل مباح ہے دوسرا کہے کہ مستحب ہے سو ظاہر ہے کہ

ع۵ اس لقب میں اشارہ ہے کہ جب اختلاف کے صحیح احکام معلوم ہوں گے ایسے اختلاف کے بعد جو اتفاق ہوگا وہ نہایت مستحکم ہوگا کیونکہ وہی مطلوب شرعی ہوگا جو مصلحت ہی پر مشتمل ہوگا اور ایسے امر کا استحکام یقینی ہے مزید تحقیق اس کی خاتمہ رسالہ کے خاتمہ میں ہے ۱۲ منہ

یہ تو ممکن نہیں کہ مباح بھی ہو اور مستحب بھی مگر یہ ہو سکتا ہے کہ نہ مباح ہو نہ مستحب بلکہ مکروہ و بدعت ہو۔ اور غیر حقیقی سے مراد یہ ہے کہ اُن دو مختلف حکموں میں تعارض نہ ہو بلکہ دونوں حکم صحیح ہو سکتے ہیں مثلاً ایک پتھر سفید ہے ایک سیاہ ہے تو دونوں مختلف تو ہیں لیکن دونوں حکم صحت میں مجتمع ہیں کیونکہ دونوں رنگ کا محل مختلف ہے ایک کو سفید کہنے سے دوسرے کے سیاہ ہونے کی نفی نہیں ہوتی یا ایک زمانہ میں شراب حلال تھی دوسرے زمانہ میں حرام ہوگئی تو یہ دونوں حکم صحیح ہیں اور یہ اختلاف غیر حقیقی واقع میں اختلاف نہیں ہے محض صورت اختلاف ہے اور حقیقت اس کی تعدد ہے۔ پھر اختلاف حقیقی کی دو قسمیں ہیں ایک اختلاف فی الامر الدنیوی۔ ایک اختلاف فی الامر الدینی۔ پھر اختلاف فی الامر الدنیوی کی دو قسمیں ہیں ایک اختلاف عن منشاء صحیح۔ اور ایک اختلاف لا عن منشاء صحیح اور ایک اختلاف فی الامر الدینی کی دو قسمیں ہیں ایک اختلاف فی الفروع ایک اختلاف فی الاصول۔ پھر اختلاف فی الفروع کی دو قسمیں ہیں اختلاف عن دلیل اور اختلاف لا عن دلیل اور اختلاف فی الاصول کی دو قسمیں ہیں۔ اختلاف فی الکفر والایمان اور اختلاف فی البدعۃ والسنۃ۔ یہ سب اقسام اختلاف حقیقی کے تھے اور اختلاف غیر حقیقی کی دو قسمیں ہیں۔ ایک بفعل العبد۔ دوسرا بجعل الحق پھر اختلاف بجعل الحق کی دو قسمیں ہیں۔ ایک اختلاف طبائع۔ دوسرا اختلاف شرائع۔ پھر اختلاف شرائع کی دو قسمیں ہیں۔ ایک اختلاف فی الشریعۃ الواحدۃ۔ ایک اختلاف فی الشرائع المتعددہ۔ مجموعہ ان سب اقسام کا دس قسمیں ہیں۔ چھ اختلاف حقیقی کی اور چار اختلاف غیر حقیقی کی۔

یعنی قسم اوّل۔ اختلاف حقیقی فی الامر الدنیوی عن منشاء صحیح قسم دوم اختلاف فی الامر الدنیوی لا عن منشاء صحیح قسم سوم اختلاف حقیقی فی الامر الدینی من الفروع عن دلیل قسم چہارم اختلاف حقیقی فی الامر الدینی من الفروع لا عن دلیل قسم پنجم اختلاف حقیقی فی الامر الدینی من الاصول کفراً و اسلاماً قسم ششم اختلاف حقیقی فی الامر الدینی من الاصول بدعۃً و سنۃً قسم ہفتم اختلاف غیر حقیقی بفعل العبد۔ قسم ہشتم اختلاف غیر حقیقی بجعل الحق باختلاف الطبائع قسم نہم اختلاف غیر حقیقی بجعل الحق فی الشریعۃ الواحدۃ قسم دہم اختلاف غیر حقیقی بجعل الحق فی الشرائع المتعددۃ۔

(وھذا صورۃ الضبط بھیئۃ الجدول ذات الشعب)

اختلاف

حقیقی						غیر حقیقی			
فی الدنیا		فی الدنیا				بجعل الحق			
بمنشا صحیح	بمنشا غیر صحیح	فی الفروع		فی الاصول		[illegible]	[illegible]	باختلاف الشرائع	
		عن دلیل	لا عن دلیل	کفرا و اسلاما	بدعۃ و سنۃ			فی الشریعۃ الواحدۃ	فی الشرائع المتعددۃ
قسم اول	قسم ثانی	قسم ثالث	قسم رابع	قسم خامس	قسم سادس	قسم سابع	قسم ثامن	قسم تاسع	قسم عاشر

اور یہ سب اقسام واقعیہ ہیں اور نہ احتمالات عقلیہ تو اور بہت ہیں مگر چونکہ وہ غیر واقع تھے اس لئے اُن کا ذکر کرنا پھر اُن کے وقوع کی نفی کرنا فضول سمجھا اب ہم ان سب اقسام کے مصادیق اور اُن کے احکام بیان کرتے ہیں اور اس مجالہ میں ایک مقدمہ ہے جس کو آپ پڑھ رہے ہیں اور دس فصلیں ہیں ایک ایک قسم کے بیان میں اور ایک خاتمہ ہے جس میں کچھ تنبیہات ہیں جو کہ تحقیقات فصول پر تفریعات ہیں۔

والآن اشرع فی المقصود + مستعینا بواھب الکرم والجود

فصل اول۔ اختلاف کی قسم اول کے بیان میں یعنی جو اختلاف کسی امر دنیوی میں ہو اور کسی منشا صحیح سے ہو جیسے دو طبیبوں میں طریق علاج میں اختلاف کہ کسی نے طب یونانی کو اختیار کیا کسی نے ڈاکٹری کو کسی نے ویدک کو یا باوجود طریق میں متفق ہونیکے اختلاف تشخیص کے سبب کسی تدبیر کے متعلق اختلاف ہو کہ ایک طبیب کسی خاص تدبیر کو نافع بتلاتا ہے اور دوسرا طبیب اُس کو مضر بتلاتا ہے اور ہر ایک رائے کا منشا صحیح بھی ہے جس سے وہ استدلال کرتا ہے اور دوسرے کی دلیل کو رد کرتا ہے۔ یا دو وکیلوں میں کسی مقدمہ کے متعلق اختلاف ہے کہ ایک وکیل اُس کو ایک دفعہ میں داخل کرتا ہے۔ اور دوسرا وکیل دوسری دفعہ میں وعلی ہذا واقعات ایسے حسیہ میں اہل الرائے واہل تجربہ معمولی طور پر ایسا اختلاف کرتے رہتے ہیں اور یہ منشا کبھی دلیل ہوتی ہے کبھی کسی صاحب تحقیق کی تقلید ہوتی ہے کہ مقلد کی یہی دلیل ہے اور حکم اس اختلاف کا یہ ہے کہ یہ جبتک حدود میں رہے فی نفسہ مذموم نہیں بلکہ اگر اپنی رائے میں شرح صدر رہو تو دلیل صحیح کے پیش نظر ہوتے ہوئے اور دوسری شق میں ضرور دیکھتے ہوئے اُس دلیل کے خلاف محض تقلیداً متفق ہو جانا مذموم ہوگا اور اس باب میں جو نفع وضرر محتمل ہے چونکہ وہ اکثر دوسرے تک متعدی ہوتا ہے۔ اس لئے یہ اختلاف اُسی مشورہ کی ایک فرد ہے

جس کی ترغیب و تاکید قرآن و حدیث میں آئی ہے اور خلاف شرح صدر مشورہ دینے کی مذمت خود حدیث میں وارد ہے ومن اشار علی اخیہ بامر یعلم ان الرشد فی غیرہ فقد خانہ رواہ ابوداؤد عن ابی ھریرۃ مرفوعًا (مشکوٰۃ کتاب العلم) اور حدود سے خارج ہو جانے پر یہ اختلاف مذموم ہو جاتا ہے مثلاً کسی کا منشاء اختلاف صرف تحقیق و خیر خواہی نہ ہو بلکہ محض اپنی بات کی پچ اور دوسرے کی تذلیل و تحقیر ہو یا اپنے مخالف کی غیبت و ضرر رسانی میں مبتلا ہو جاوے اس عارض سے وہ اختلاف مذموم ہو جاوے گا۔ اگر یہ عارض دونوں جانب ہے تو دونوں کے اختلاف کو مذموم کہیں گے اور اگر ایک جانب ہے تو صرف اُس کے اختلاف کو مذموم کہینگے اور اکثر اُن نصوص کا مورد جن میں مطلق اختلاف کا ذم وارد ہے ایک یہ اختلاف بھی ہے جو عارض مذکور کے سبب مذموم ہو جاوے اور دوسرا مورد وہ اختلاف ہے جو فصل آئندہ میں مذکور ہے چونکہ محمول سے پہلے محل کی حقیقت کا تعین ہو جانا اعون فی الفہم ہے اس لئے وہ نصوص فصل آئندہ میں مذکور ہونگی۔ اور اسی قبیل سے[a] ہے اہل معاملہ کا اختلاف و نزاع جو کسی اپنے حق کے متعلق ہو اور ہر شخص کسی محتمل الصحت کی بناء پر دوسرے پر غلبہ حاصل کرنا چاہتا ہو اُس کا بھی یہی حکم ہے کہ جب تک کسی فریق کو اُس منشاء کا غلط ہونا محقق نہ ہو تب تک وہ معذور ہے اور بعد وضوح حق کے پھر اصرار معصیت ہے اور اگر باوجود اپنے حق پر ہونیکے دوسرے سے نزاع قطع کردے اور اپنے حق سے دست بردار ہو جاوے تو فضیلت عظیمہ ہے۔ حدیث میں ہے۔ عن انس قال قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم من ترک الکذب وھو باطل بنی لہ فی ربض الجنۃ ومن ترک المراء وھو محق بنی لہ فی وسط الجنۃ الحدیث رواہ الترمذی وقال ھذا حدیث حسن (مشکوٰۃ باب حفظ اللسان) البتہ اگر اپنے دعوے سے دست بردار ہونیسے کوئی محذور شرعی لازم آوے تو اس صورت میں یہ دست برداری اور اتفاق ناجائز ہے مثلاً عورت کے روبرو شوہر نے طلاق دی پھر منکر ہو گیا تو عورت کو جائز نہیں کہ اس دعویٰ سے دست بردار ہو کر اُس کے انکار کو تسلیم کرلے حدیث میں ہے عن عمرو بن عوف المزنی عن النبی صلی اللہ علیہ وسلم قال الصلح جائز بین المسلمین الا صلحا حرم حلالا او احل حراما الحدیث رواہ الترمذی وابن ماجہ وابوداؤد (مشکوٰۃ باب الافلاس) یہ تو اہل معاملہ کا حکم ہے۔ باقی دوسرے لوگوں کو جبتک دلیل شرعی سے ایک کا حق پر ہونا ثابت نہ ہو جاوے دونوں میں احتمال صواب کا سمجھ کر کسی کی نصرت دوسرے کے مقابلہ میں جائز نہیں اور جب دلیل شرعی سے ایک کا حق پر ہونا ثابت ہو جاوے تو اُس کی نصرت اس تفصیل سے واجب ہے کہ اگر یہ ناصر حاکم یا مامور من الحاکم ہے تو نصرت بالید اور اگر حاکم نہیں اور کسی فتنہ کا بھی اندیشہ نہیں تو وعظ باللسان کیساتھ اور اگر فتنہ دینیہ یا دنیویہ کا اندیشہ ہے تو صرف

[a] وکان نزاع اصحاب المرکز التعلیمی المذکور فی الخطبۃ من ھذا الشان ۱۲

دل سے صاحب باطل کے اس فعل کو بُرا سمجھے اور صاحب حق کے لئے دعا کرتا ہے اس کے متعلق بھی نصوص فصل آئندہ میں مذکور ہوں گے۔

فصل دوم۔ اختلاف کی قسم دوم کے بیان میں۔ یعنی جو اختلاف کسی امر دنیوی میں ہو اور اس کا کوئی منشا صحیح نہ ہو محض نفسانیت اُس کا باعث ہو اُس کا حکم ظاہر ہے کہ وہ مذموم محض ہے خواہ ایک جانب سے ہو یا دونوں جانب سے۔ اب بعض نصوص ذم اختلاف و معاملہ متعلقہ اختلاف کے لکھتا ہوں جن کا وعدہ مع تعیین محل فصل اول میں مذکور ہوا۔ قال اللہ تعالیٰ ولا تنازعوا فتفشلوا وتذھب ریحکم الایۃ وقال تعالیٰ ولا تقف ما لیس لک بہ علم وقال تعالیٰ فاصلحوا بین اخویکم الی قولہ ولا تلمزوا انفسکم ولا تنابزوا بالالقاب ثم الی قولہ تعالیٰ ان بعض الظن اثم ولا تجسسوا ولا یغتب بعضکم بعضا۔ الآیات والاحادیث۔

(۱) عن عائشۃؓ ان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم قال لا یکون لمسلم ان یھجر اخاہ فوق ثلثۃ فاذا لقیہ سلم علیہ ثلث مرات کل ذالک لا یرد علیہ فقد باء باثمہ رواہ ابو داؤد۔

(۲) عن ابی ھریرۃ قال قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ایاکم والظن فان الظن اکذب الحدیث ولا تحسسوا ولا تجسسوا ولا تناجشوا ولا تحاسدوا ولا تباغضوا ولا تدابروا وکونوا عباد اللہ اخوانا وفی روایۃ ولا تنافسوا متفق علیہ (۳) عن ابی الدرداء قال قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم الا اخبرکم بافضل من درجۃ الصیام والصدقۃ والصلوۃ قال قلنا بلی قال اصلاح ذات البین وفساد ذات البین ھی الحالقۃ رواہ ابو داؤد والترمذی وقال ھذا حدیث صحیح (۴) وعن الزبیر قال قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم دب الیکم داء الامم قبلکم الحسد والبغضاء ھی الحالقۃ۔ لا اقول تحلق الشعر ولکن تحلق الدین رواہ احمد والترمذی (۵) وعن ابی صرمۃ ان النبی صلی اللہ علیہ وسلم قال من ضار ضار اللہ بہ ومن شاق شاق اللہ علیہ رواہ ابن ماجۃ والترمذی وقال ھذا حدیث غریب (۶) وعن ابی بکر الصدیق رضؓ قال قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ملعون من ضار مومنا او مکر بہ رواہ الترمذی وقال ھذا حدیث غریب (۷) وعن ابن عمر رضؓ قال صعد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم المنبر فنادی بصوت رفیع فقال یا معشر من اسلم بلسانہ ولم یفض الایمان الی قلبہ لا تؤذوا المسلمین ولا تعیروھم ولا تتبعوا عوراتھم فانہ من یتبع عورۃ اخیہ المسلم یتبع

اللہ عورتہ یفضحہ ولو فی جوف رحلہ رواہ الترمذی (عث) وعن انس رض قال قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم لما عرج بی ربی مررت بقوم لهم اظفار من نحاس یخمشون وجوههم وصدورهم فقلت من هؤلاء یا جبرئیل قال هؤلاء الذین یأکلون لحوم الناس ویقعون فی اعراضهم رواہ ابو داؤد (عه) وعن ابی هریرة قال قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم حسن الظن من حسن العبادة رواہ احمد وابو داؤد (عنا) عن عائشة رض قالت اعتل بعیر لصفیة وعند زینب فضل ظهر فقال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم لزینب اعطیها بعیرا فقالت انا اعطی تلك الیهودیة فغضب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فهجرها ذا الحجة والمحرم وبعض صفر رواہ ابو داؤد (مشکوٰة) ف - فی اٰخر الاحادیث دلیل لتقیید اول الاحادیث وکذا ایدل علیہ حدیث کعب کما فی اللمعات عن السیوطی ومن خاف من مکالمة احد وصلته ما یفسد علیہ دینه ویدخل مضرة فی دنیاہ یجوز له مجانبته والبعد عنه ورب هجر جمیل خیر من مخالطة مؤذیة اھ من رسالة العذر والنذر (عال) عن ابی سعید الخدری قال سمعت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم یقول من رای منکم منکرا فلیغیرہ بیدہ فان لم یستطع فبلسانه فان لم یستطع فبقلبه وذلك اضعف الایمان رواہ مسلم والترمذی وابن ماجه والنسائی (ترغیب وترهیب) (عسل) واثلة ابن الاسقع قلت یا رسول اللہ ما العصبیة قال ان تعین قومك علی الظلم (عسا) بعل ذ... نزول الشرف خیرکم المدافع من عشیرته ما لم یأثم رواہ ابو داؤد (عک) اسامة قیل له لو اتیت عثمان فکلمته فقال انکم لترون انی لا اکلمه الا اسمعکم انی اکلمه فی السر دون ان افتح بابا لا اکون اول من فتحه (شیخین) (عها) ابو ثعلبة اذا رأیتم امرا لا تستطیعون تغیرہ فاصبروا حتی یکون اللہ هو الذی

فصل سوم - اختلاف کی قسم سوم کے بیان میں یعنی جو اختلاف ایسے امور میں ہو جو فروع میں سے ہے اور دلیل سے ہو خواہ دلیل نص ہو یا اپنا اجتہاد ہو یا اپنے کسی متبوع صالح للمتبوعیة کا اجتہاد یا فتویٰ ہو اور یہی ہے وہ اختلاف جو امت مرحومہ کی جماعت حقہ میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے عہد مبارک سے اس وقت چلا آرہا ہے اور مبنی اس اختلاف کا اسباب متعددہ ہیں جو کتب اصول وتصانیف حضرت شاہ ولی اللہؒ ورسالہ رفع الکلام (ابن تیمیہ) وغیرہا میں مدون ہیں مثلاً (عا) ایک مسئلہ میں نصوص مختلفة الدلالة ہیں اور سب جمع نہیں ہو سکے اور نسخ بھی متفق علیہ نہیں ایک مجتہد نے ایک پر عمل کیا اور دوسرے کو قواعد کلیہ کے اقتضاء سے متروک العمل کر دیا دوسرے مجتہد نے اس کا عکس کیا اور یہ قواعد کلیہ گو ماخوذ عن النصوص ہیں مگر ہیں اجتہادی اس لئے جانبین میں عمل کی گنجائش ہے مجتہد کو اصالةً اور مقلد کو تبعاً مثلاً مبیح ومحرم میں محرم کو ترجیح ہونا ایک قاعدہ ہے اور مثلاً

مثبت کا نافی پر مقدم ہونا ایک قاعدہ ہے اور مثلاً کسی واقعہ کا بہ نسبت عورتوں کے مردوں پر زیادہ منکشف ہونا جیسے کسوف کا واقعہ اس میں روایت رجال کی تقدیم ایک قاعدہ ہے اور مثلاً حکایت فعل میں عموم نہ ہونا یہ ایک قاعدہ ہے امثالہا۔ اور یہ حنفیہ کے قواعد ہیں۔ اسی طرح دوسرے مجتہدین کی تحقیق میں دوسرے قواعد ہیں۔ مثلاً تقیید بالوصف یا تعلیق کی دلالت جانب مخالف سے حکم کی نفی پر یا حمل المطلق علی المقید یا قرآن فی النظم کی دلالت قرآن فی الحکم پر وامثالہا ایسے قواعد سے احد النصین کو دوسرے پر ترجیح دینے سے حکم میں اختلاف ہو جاتا ہے (عـ۲) نصوص مختلفۃ الدلالۃ میں سے ایک مجتہد کو ایک نص پہونچی دوسرے مجتہد کو دوسری پہونچی یا ایک کو کوئی نص نہیں پہنچی اُس نے قیاس پر عمل کر لیا اس لئے باہم اختلاف ہو گیا اور نہ پہنچنے کی دو صورتیں ہیں یا تو بالکل ہی نہیں پہنچی یا سند محتج بہ سے نہیں پہنچی اور اس اخیر کی صورت کا اگر کسی کو خود یا بواسطہ ثقہ عالم کے تحقق ہو جاوے اُس پر قیاس کا چھوڑ دینا واجب ہے (عـ۳) کبھی نصوص مختلفہ مذکورہ بالا میں اوصاف رُواۃ سے ترجیح دینے سے اختلاف ہو جاتا ہے جیسے زیادہ ثقہ ہونا زیادہ حافظ ہونا زیادہ فقیہ ہونا طول ملازمت و صحبت وامثالہا (عـ۴) نصوص ظاہراً دلالت میں مختلف ہیں اور سب ثابت بھی ہیں مگر باہم جمع ہو سکتی ہیں۔ پس ایک مجتہد نے خواہ کسی قاعدہ کلیہ سے یا کسی قرینہ مقالیہ یا مقامیہ سے خواہ ذوق اجتہادی سے ایک نص کے مدلول کو اصل حکم قرار دیا اور دوسرے نص کو ماول یا کسی عارض پر محمول کر لیا اور دوسرے نے اس کا عکس کیا اس لئے باہم اختلاف ہو گیا۔ مثلاً رفع یدین کے بارہ میں احادیث مختلفہ ثابت ہیں حنفیہ نے اس بناء پر کہ اصل نماز میں سکون ہے بقولہ علیہ السلام مالی اراکم رافعی ایدیکم عند السلام اسکنوا فی الصلوٰۃ عدم رفع کو اصل قرار دیا اور رفع میں تاویل کی کہ مثلاً اعلام اصم یا بعید کے لئے تھا اور شافعیہ نے اس بناء پر کہ نماز عبادت وجودیہ ہے اور رفع امر وجودی ہے اور عدم رفع امر عدمی ہے رفع کو اصل قرار دیا اور عدم رفع کو بیان جواز پر محمول کیا اس سے ظاہر ہو جاوے کہ رفع موقوف علیہ صحت صلوٰۃ کا نہیں (عـ۵) کبھی نصوص میں مدلول کا اختلاف نہیں ہوتا مگر ایک ہی نص کا محمل مختلف ہو سکتا ہے۔ ایک مجتہد نے اپنے ذوق سے یا قواعد کلیہ سے ایک محمل پر محمول کر لیا دوسرے نے اُسی نص کو دوسرے محمل پر اس سے اختلاف ہو گیا مثلاً انتباذ کے لئے جمع بین البسر والتمر حدیث میں نہی وارد ہے اصحاب ظواہر نے اس جمع کو علی الاطلاق مثل جمع بین الاختین کے امر تعبدی قرار دیا اور دوسرے فقہاء نے اس کو معلل قرار دے کر ارتفاع علت کے وقت اس جمع کی اجازت دی اور وہ علت خواہ احتمال سرعت تغیر ہو خواہ مراعاۃ مساکین بزمانہ جدب و قحط ہو۔

(نمبر ٤) اجماع کے بعض اقسام کا بعض کے نزدیک حجت ہونا اور بعض کے نزدیک حجت نہ ہونا یہ بھی باب
اختلاف سے ہو جاتا ہے مثلاً ایسا اجماع جس کے قبل اختلاف ہو چکا ہو اور ایسا اجماع جس کا داعی کوئی دلیل
ظنی نہ ہو (مثلاً) کسی مسئلہ میں نہ نص ہے نہ اجماع بلکہ محض قیاسی ہے اور وجہ قیاس دونوں مجتہدوں کے نزدیک
مختلف ہے اس لئے حکم میں اختلاف ہو گیا اور ابواب فقیہ میں ایسے مسائل بکثرت ہیں اور اس اختلاف کا
حکم یہ ہے کہ یہ باتفاق و اجماع علماء امت محمود و مقبول ہے اور ان احادیث و اقوال اکابر کا یہی محمل ہے عن عمر
بن الخطاب قال سمعت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم یقول سألت ربی عن اختلاف اصحابی من بعدی فاوحی الی
یا محمد ان اصحابک عندی بمنزلة النجوم فی السماء بعضها اقوی من بعض ولکل نور فمن اخذ بشیء مما هم
علیه من اختلافهم فهو عندی علی هدی قال وقال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اصحابی کالنجوم فبایهم
اقتدیتم اهتدیتم رواه رزین (مشکوٰۃ باب مناقب الصحابة) فی المقاصد الحسنة من المدخل للبیهقی
من حدیث سفیان عن افلح بن حمید عن القاسم بن محمد قال اختلاف اصحاب محمد رحمة للعباد ومن
حدیث قتادة ان عمر بن عبد العزیز کان یقول ما سرنی لو ان اصحاب محمد صلی اللہ علیہ وسلم لم یختلفوا
لانهم لو لم یختلفوا لم تکن رخصة ومن حدیث اللیث بن سعد عن یحیی بن سعید قال اهل العلم اهل
توسعة وما برح المفتون یختلفون فیحل هذا ویحرم هذا فلا یعیب هذا علی هذا اه وکان اختلاف موسی و
هارون علیهما السلام فی معاملة بنی اسرائیل من هذا القبیل وغضب موسی علیه السلام کان قبل العلم بوجه اجتهاد هارون علیه السلام
اور اس اختلاف کا ایک یہ بھی حکم ہے کہ جب یہ محمود و مقبول ہے تو اس میں ایک کا دوسرے سے عداوت
کرنا اور کسی کی تضلیل و تفسیق کرنا جیسا آج کل غلاۃ میں تحریراً و تقریراً معمول ہے سخت بدعت و معصیت و تعصب

ف۵ وفهم هذا الوجه یتوقف علی تفسیر آیات القصة من قوله تعالی قال یا هارون ما منعک اذ رأیتهم ضلوا الا تتبعن الی قوله ولم ترقب قولی و
ایضا تبیین کساس تفسیر لابطال زعم بعض اهل الزیغ ان فی الآیة دلالة علی ان هارون علیه السلام رضی بالشرک ولم یرض بالتفریق حیث
قال انی خشیت ان تقول فرقت بین بنی اسرائیل الخ وحاشا الانبیاء علیهم السلام عن ذلک وهذا من ضروریات الدین اما عدم مفارقته
القوم مع مفارقة القوام مارقا بوا فهو ما بینه لاخیه حسب ما ینطق به تفسیرا لکون التفریق اقبح من الشرک وها انا انقل تفسیرا من بیان
القرآن لعین مبادیها المندرجة ونصها بعد اس کے ہارون علیہ السلام کی طرف متوجہ ہوئے اور کہا کہ اے ہارون جب تم نے (ان کو
دیکھا تھا کہ یہ (بالکل) گمراہ ہو گئے (اور نصیحت بھی نہیں سنی) تو (اس وقت) تم کو میرے پاس چلے آنے سے کون امر مانع ہوا تھا
(یعنی اس وقت میرے پاس چلا آنا چاہئے تھا تاکہ ان لوگوں کو اور زیادہ یقین ہوتا کہ تم ان کے فعل کو نہایت ناپسند کرتے ہو
اور نیز ایسے باغیوں سے قطع تعلقات جس قدر زیادہ ہو بہتر ہے) سو کیا تم نے میرے کہنے کے خلاف کیا (کہ میں نے کہا تھا لا تتبع سبیل
المفسدین جیسا پارہ نہم میں ہے جو بعموم دال ہے عدم موافقت مفسدین پر من الوجوہ پر اور اس عموم میں مساکنت بھی داخل ہے)
ہارون علیہ السلام نے کہا کہ اے میرے ماں جائے (یعنی میرے بھائی) تم میری داڑھی مت پکڑو اور نہ سر کے بال

بقیہ حاشیہ صفحہ آئندہ

ومخالفت سلف ہے۔

فصل چہارم۔ اختلاف کی قسم چہارم کے بیان میں یعنی جو اختلاف ایسے امور میں ہو جو فروع میں سے ہے اور بلا دلیل محض رائے سے ہو جیسے آج کل مدعیان عقل میں عام مرض ہوگیا ہے کہ بلا تحصیل علم دین مسائل دینیہ میں دخل دیتے ہیں اور بجائے دلیل کے اس کہنے کو کافی سمجھتے ہیں کہ ہمارا یہ خیال ہے اور علماء کیساتھ اختلاف کرتے ہیں حکم اس اختلاف کا یہ ہے کہ یہ سخت معصیت اور مذموم ہے اور یہ احادیث اسی باب وارد ہیں عن عبد الله بن عمر قال قال رسول الله صلى الله عليه وسلم الى قوله حتى اذا لم يبق عالما اتخذ الناس رؤساء جهالا فسئلوا فافتوا بغير علم فضلوا واضلوا متفق عليه (مشكوة باب العلم) (عوف بن مالك) رفعه تفترق امتي على بضع وسبعين فرقة اعظمها فتنة على امتي قوم يقيسون الامور برأيهم فيحلون الحرام ويحرمون الحلال للكبير والبزار (ابن عمرو بن العاص) رفعه لم يزل امر بني اسرائيل معتدلا حتى نشأ فيهم المولدون وابناء سبايا الامم فقالوا بالرأي فضلوا واضلوا للقزويني (ابن سيرين) قال اول من قاس ابليس وما عبدت الشمس والقمر الا بالمقائيس لله ادرى يعني قوله تعالى خلقتني من نار وخلقته من طين (المراد القياس الغير الماخوذ من الشرع) (من جمع الفوائد)

فصل پنجم۔ اختلاف کی قسم پنجم کے بیان میں یعنی جو اختلاف ایسے امور دینی میں ہو جو اصول میں سے ہے اور کفر و اسلام کے درجہ میں ہے اس کا حکم ظاہر ہے کہ اہل اسلام کو اہل کفر کیساتھ اختلاف کرنا اور بلا ضرورت شدیدہ یا بلا مصلحت شرعیہ اختلاط و ارتباط نہ کرنا محمود مطلق اور واجب ہے اور معاملات و معاشرات اس سے خارج ہیں جس کی حدود کی تفصیل اپنے محل میں مذکور ہے اور اہل کفر کو اہل اسلام کیساتھ اختلاف کرنا مذموم مطلق اور قبیح ہے۔ قرآن مجید میں جا بجا اہل حق کو اہل باطل کیساتھ دینی اختلاف کرنے کا حکم مؤکد وارد ہے کقوله تعالى ولا تتبع اهواءهم عما جاءك من الحق وكقوله تعالى ولا تركنوا الى الذين ظلموا فتمسكم النار وغيرهما من الآيات پھر ان میں بھی مسالم اور غیر مسالم کے احکام میں اختلاف ہے وهما مذكوران في سورة الممتحنة۔ باقی تبلیغ و مناظرہ میں رعایت اخلاق کی اور قول خشن سے تحرز دونوں میں مشترک ہے۔ قال۔ ولا تجادلوا اهل الكتاب الا بالتي

(ما شیہ بقیہ صفحہ گذشتہ) پکڑو اور میرا عذر سن لو میرے تمہارے پاس نہ آنے کی یہ وجہ تھی کہ مجھ کو یہ اندیشہ ہوا کہ اگر میں چلا تو میرے ساتھ غیر عابدین بھی چلینگے اور اس حالت میں) تم کہتے کہ تم نے بنی اسرائیل کے درمیان میں تفریق ڈالدی (جو بعض اوقات متارکت فی المسکن سے زیادہ مضر ہوتی ہے کہ مفسدین خالی میدان پاکر بخیط فساد میں ترقی کرتے ہیں) اور تم نے میری بات کا پاس نہ کیا کہ میں نے کہا تھا اصلح۔ ف حاصل مقام کا یہ ہے کہ یہاں دو اجتہاد ہیں ایک یہ کہ ترک مساکنت زیادہ نافع تھی دوسرا یہ کہ ترک مساکنت زیادہ مضر تھی موسیٰ علیہ السلام کا ذہن اجتہاد اول کی طرف گیا اور ہارون علیہ السلام کا ذہن دوسرے اجتہاد کی طرف گیا اور لا تتبع علوم

هی احسن وقال تعالیٰ ادع الی سبیل ربک بالحکمۃ والموعظۃ الحسنۃ وجادلھم بالتی ھی احسن وقال تعالیٰ وقل لعبادی یقولوا التی ھی احسن وقال تعالیٰ وان احد من المشرکین استجارک فاجرہ حتی یسمع کلام اللہ ثم ابلغہ مأمنہ اور اسی طرح اہل باطل کو اہل حق کیساتھ اختلاف کرنے کی مذمت اور اس پر وعید وارد ہے کقولہ تعالیٰ وان الذین اختلفوا فی الکتاب لفی شقاق بعید وکقولہ تعالیٰ ولا یزالون مختلفین الا من رحم ربک وکقولہ تعالیٰ ان ربک یقضی بینھم یوم القیٰمۃ فیما کانوا فیہ یختلفون وغیرہما من الآیات۔

فصل ششم۔ اختلاف کی قسم ششم کے بیان میں۔ یعنی جو اختلاف ایسے امر دینی میں ہو جو اصول میں سے ہے اور سنت وبدعت کے درجہ میں ہے اور اس اختلاف کا حکم بھی باستثناء احکام مخصوصہ بالکفار وہی ہے جو اوپر فصل پنجم میں ذکر کیا گیا ہے اور ان احادیث میں اسی اختلاف کا ذکر ہے۔

(۱) عن عبد اللہ بن عمرؓ قال ھجرت الی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم یوما قال فسمع اصوات رجلین اختلفا فی آیۃ فخرج علینا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم یعرف فی وجہہ الغضب فقال انما ھلک من کان قبلکم باختلافھم فی الکتب رواہ مسلم (۲) وعن العرباض بن ساریۃ فی حدیث طویل من قولہ علیہ السلام فانہ من یعش منکم بعدی فسیری اختلافا کثیرا فعلیکم بسنتی وسنۃ الخلفاء الراشدین المھدیین تمسکوا بہا وعضوا علیہا بالنواجذ وایاکم ومحدثات الامور فان کل محدثۃ بدعۃ وکل بدعۃ ضلالۃ رواہ احمد وابوداؤد والترمذی وابن ماجہ (۳) وعن عبد اللہ بن عمرو قال قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ان بنی اسرائیل تفرقت علی ثنتین وسبعین ملۃ وتفترق امتی علی ثلث وسبعین ملۃ کلھم فی النار الا ملۃ واحدۃ قالوا من ھی یا رسول اللہ قال ما انا علیہ واصحابی رواہ الترمذی (۴) وعن ابن عمر قال قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ان اللہ لا یجمع امتی او قال امۃ محمد علی ضلالۃ وید اللہ علی الجماعۃ ومن شذ شذ فی النار رواہ الترمذی (۵) وعن ابی امامۃ قال قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ما ضل قوم بعد ھدی کانوا علیہ الا اوتوا الجدل ثم قرأ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ما ضل قوم بعد ھدی کانوا علیہ الا اوتوا الجدل ثم قرأ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ھذہ الآیۃ ما ضربوہ لک الا جدلا بل ھم قوم خصمون۔ رواہ احمد والترمذی وابن ماجہ (۶) وعن ابی ذر قال قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم من فارق الجماعۃ شبرا فقد خلع ربقۃ الاسلام من عنقہ رواہ احمد وابوداؤد (۷) وعن ابراھیم بن میسرۃ قال قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم من وقر صاحب بدعۃ فقد اعان علی ھدم الاسلام۔ رواہ البیہقی فی شعب الایمان (مشکوٰۃ)

ف۔ بدعت سے مُراد وہ بدعت ہے جو باتفاق اہل حق بدعت اور جس میں اہل حق کے اجتہاد کی گنجائش ہو وہ مثل مسائل مختلف فیہا کے ہے جن کا حکم فصل سوم میں مذکور ہوا ہے اور ارشاد الطالبین کی اس عبارت کا یہی محمل ہے۔ علاوہ آنکہ انچہ بدعت در بعضے اعمال آنہا راہ یافتہ بنا بر خطائے اجتہادی ست و مجتہد مخطی معذور ست (حواشی باب ششم تعلیم الدین)۔

ف (۲) اور معاملات و معاشرت کا استثناء یہاں بھی ہے بلکہ بدرجۂ اولی لما رواہ مسلم عن عائشۃؓ ان رجلا استاذن علی النبی صلی اللہ علیہ وسلم فقال ائذنوا لہ فلبئس ابن العشیرۃ او بئس رجل العشیرۃ فلما دخل علیہ الان لہ القول قالت عائشۃ فقلت یارسول اللہ قلت لہ الذی قلت ثم النت لہ القول قال یاعائشۃ ان شر الناس منزلۃ عند اللہ یوم القیمۃ من ودعہ او ترکہ الناس اتقاء فحشہ۔ قال النووی وفی ھذا الحدیث مداراۃ من یتقی فحشہ وجواز غیبۃ الفاسق المعلن بفسقہ ومن یحتاج الناس الی التحذیر منہ۔ باب مداراۃ من یتقی فحشہ اھ

فصل ہفتم۔ اختلاف کی قسم ہفتم کے بیان میں یعنی جو اختلاف غیر حقیقی ہو اور متعلق بفعل عبد ہو اختلاف غیر حقیقی کی تفسیر اور یہ کہ اختلاف غیر حقیقی واقع میں اختلاف نہیں ہے محض صورت اختلاف ہے۔ اور حقیقت اس کی تعدد ہے خطبہ میں گذر چکا ہے) مثالیں اس اختلاف کی مثلاً اسباب معاش میں عقلاء و اہل تجارب کا اختلاف کسی نے زراعت کو اختیار کر لیا کسی نے تجارت کو کسی نے ملازمت کو جس میں ملازم اجیر خاص ہوتا ہے کسی نے اور کسی پیشہ کو جیسی وکالت و طبابت یا کوئی اور ٹھیکہ کا کام جس میں یہ پیشہ ور اجیر مشترک ہی سو اس کا اختلاف حقیقی نہ ہونا ظاہر ہے کیونکہ کوئی پیشہ ور دوسرے پیشہ کے ذریعہ معاش ہونے کی نفی نہیں کرتا اور نہ علی الاطلاق ایک کو دوسرے پر ترجیح دیتا ہے۔ غرض ان کے مقاصد میں تعارض نہیں ہر ایک نے خاص مصالح سے کسی ایک ذریعہ کو اختیار کر لیا۔ یہی معنی ہیں اختلاف حقیقی نہ ہونے کے اور ان ذرائع کا بفعل عبد ہونا بھی ظاہر ہے اسی طرح کا اختلاف مشائخ کی تدابیر میں ہے جو اصلاح نفس کے لئے اُنھوں نے تجویز کی ہیں کہ ہر شیخ طالب کی استعداد اور مناسبت کی بناء پر خاص تدابیر کو اختیار کرتا ہے اُن میں بھی باہم تعارض نہیں اور حکم اس اختلاف کا ظاہر ہے کہ اس میں کوئی محذور نہیں بلکہ درحقیقت یہ تو اختلاف ہی نہیں محض تعدد ہے اور اسی قبیل سے ہے اختلاف حضرت داؤد و حضرت سلیمان علیہما السلام کا حکم فی الحرث میں جو قرآن مجید میں مذکور ہے اور قضا بالابن للکبری والصغری میں جو حدیث شیخین میں مذکور ہے (مشکوۃ باب بدء الخلق و

(ذکر الانبیاء علیہم السلام)

فصل ہشتم۔ اختلاف کی قسم ہشتم کے بیان میں یعنی جو اختلاف غیر حقیقی ہو اور بفعل حق ہو اور تکوین کے متعلق ہو جس کو مقدمہ میں اختلاف طبائع سے تعبیر کیا ہے اُس کی مثال جیسے اللہ تعالیٰ نے اپنی مخلوقات کی صورتیں اور مزاج اور الوان وغیرہا مختلف پیدا فرمائے ہیں ان آیات میں اسی اختلاف کا ذکر ہے۔

قال تعالیٰ الم تر ان اللہ انزل من السماء ماء فاخرجنا بہ ثمرات مختلفا الوانہا ومن الجبال جدد بیض وحمر مختلف الوانہا وغرابیب سود ومن الناس والدواب والانعام مختلف الوانہ کذلک وقال تعالیٰ ومن آیاتہ خلق السموات والارض واختلاف السنتکم والوانکم وقال تعالیٰ والنخل مختلفا اکلہ وقال تعالیٰ یھب لمن یشاء اناثا ویھب لمن یشاء الذکور او یزوجہم ذکرانا واناثا ویجعل من یشاء عقیما وقال تعالیٰ واللہ خلق کل دابۃ من ماء فمنہم من یمشی علی بطنہ ومنہم من یمشی علی رجلین ومنہم من یمشی علی اربع۔ وقال تعالیٰ ان فی خلق السموات والارض واختلاف اللیل والنہار لآیۃ وقال تعالیٰ کل فی فلک یسبحون وغیرہا من الآیات اور اس اختلاف کا حکم اس کے سوا کیا ہو سکتا ہے کہ اس کے عین حکمت ہونے میں کسی کو کلام ہی نہیں ہو سکتا اور باوجودیکہ اختلاف کی اس قسم کا کوئی تعلق عبد کے کسی فعل اختیاری سے نہیں جیسا ما بعد کے اقسام کا ہے جو تشریع کے متعلق ہیں پھر بھی اس کا ذکر کرنا ایک غلطی کی رفع کرنے کیلئے ہے جس کا ذکر خاتمہ کی تنبیہ ہشتم میں ہے۔

فصل نہم۔ اختلاف کی قسم نہم کے بیان میں یعنی جو اختلاف غیر حقیقی ہو اور بجعل حق ہو اور تشریع کے متعلق ہو اور شریعت واحدہ میں ہو اس کی مثال اختلاف قرارت ہے اس کا حکم اس اعتبار سے کہ تشریع فعل حق ہے وہی ہے جو اوپر کی قسم میں گذرا کہ عین حکمت ہے اور اس اعتبار سے کہ اس پر عمل کرنا فعل عبد ہے یہ حکم ہے کہ سب قرارت قرارت رسول ہونے میں متساوی ہیں جس کو چاہے اختیار کرے کسی کو کسی پر ترجیح دینا تحکم ہے اگر ان میں ایسا اختلاف کیا جاوے گا تو قسم چہارم میں داخل ہو کر مذموم ہو جاوے گا اور ابتدائے اسلام میں جو سبعہ حروف یعنی سات لغات مختلفہ عرب کی اجازت تھی وہ اختلاف بھی اس قسم میں داخل ہے گو ان میں یہ تفاوت ہے کہ قرارت کا نزول حقیقی ہے اور یہ سب قرارت لغت قریش میں ہیں اور حروف کا نزول حکمی ہے باعتبار نزول اذن کے۔

فصل دہم۔ اختلاف کی قسم دہم کے بیان میں یعنی جو اختلاف غیر حقیقی ہو اور بجعل حق ہو اور تشریع کے متعلق

ہو اور شرائع متعددہ میں ہو اس کی مثال اختلاف شرائع ہے جو مختلف انبیا کو عطا کئے گئے اور شریعت متقدمہ کیلئے شریعت متاخرہ ناسخ ہوتی رہی اس کا حکم اس اعتبار سے کہ تشریع فعل حق ہے وہی ہے کہ عین حکمت ہے اور عبد کے اعتبار سے یہ ہے کہ اعتقاد سب کے حق ہونے کا فرض اور جزو ایمان ہے اور عمل کرنا صرف اُس شریعت پر فرض ہے جس کا یہ مکلف بنایا گیا ہے جیسے ہم پر شریعت محمدیہ پر کہ ناسخ ہے تمام شرائع سابقہ کی عمل فرض ہے اور اگر ایک ہی شریعت میں مثلاً شریعت محمدیہ ہی میں ایک حکم دوسرے کا ناسخ ہو وہ بھی اس خاص اعتبار سے شرائع متعددہ کے حکم میں ہو جانے گی اور اس اختلاف کو باوجودیکہ بوجہ اختلاف حلت وحرمت کے ظاہراً اختلاف حقیقی معلوم ہوتا ہے اختلاف غیر حقیقی اس لئے کہا گیا کہ ازمنہ مختلفہ کے اعتبار سے دونوں حکم صحت و صدق میں مجتمع ہیں یعنی وحدت زمانیہ نہ ہونیکے سبب اُن میں تعارض نہیں اور اختلاف حقیقی سے ایسا ہی تعارض مراد ہے جیسا مقدمہ میں ذکر کیا گیا فصول عشرہ بحمد اللہ ختم ہوئے۔

خاتمہ۔ اس میں بعض ضروری تنبیہات ہیں جو احکام مذکورہ فصول عشرہ پر بمنزلہ تفریعات ہیں۔

تنبیہ اول۔ عام عادت ہو گئی ہے کہ اگر ایسا اختلاف اطبار میں ہوتا ہے تو اُن کے معتقدین و منتسبین میں گروہ بندی ہو جاتی ہے اور فریق حدود شریعت یا حدود تہذیب سے متجاوز ہو کر دوسرے فریق پر مجالس عامہ و خاصہ میں لعن وطعن و تنقیص کرتا ہے بلکہ بعض اوقات اشتہار بازی تک نوبت آجاتی ہے جس کا سبب بجز طمع مال و زر یا حب جاہ و شہرت یا حسد و تکبر و تعصب و نفسانیۃ کے کچھ نہیں ہوتا جس کا قبح فصل اول میں ظاہر ہو چکا اور اگر یہ اختلاف علمار میں ہو جاتا ہے تو اُس وقت اس کے متعلق کئی فرقے پیدا ہو جاتے ہیں بعض تو ایک ایک جماعت کے طرف دار ہو جاتے ہیں بعضے دونوں سے بیزار ہو جاتے ہیں۔ پھر طرف داروں میں دو قسمیں ہو جاتی ہیں بعضے تو وہ ہیں جن کو حق و باطل کی کچھ خبر نہیں نہ تحقیقاً نہ تقلیداً مشروعاً یا اس سے بڑھ کر یہ کہ یہ بھی خبر ہے کہ ہمارا متبوع باطل پر ہے یا حدود سے تجاوز کر رہا ہے پھر بھی اُس کی نصرت عمیار کرتے ہیں پھر اس نصرت میں نہ غیبت سے پرہیز ہے نہ بہتان سے نہ جھوٹ سے نہ دوسری جماعت کو تقریراً و تحریراً و اخباراً و اشتہاراً بدنام و رسوا کرنے سے باک ہے اور نہ اس کی پروا ہے کہ اس کا اثر کسی اسلامی قوت مقصودہ پر کیا پڑے گا اور دین کو ضعف پہنچے گا یا ان حرکات سے مخالفان دین کی آرزوئیں پوری ہو رہی ہیں یا اُن کو قوت پہنچ رہی ہے اس جماعت کا عاصی اور مورد وعید شدید ہونا ظاہر ہے اور بعض وہ ہیں جو اپنے متبوع کو حق پر سمجھ کر اُن کی نصرت کرتے ہیں مگر وہ نصرت حد شریعت کے اندر ہے یعنی اپنے متبوع سے مدافعت کرتے ہیں اور اُس کے مقابل کو

کوئی ضرر نفسانی یا مالی یا جاہی نہیں پہنچاتے اور اگر مدافعت سے بڑھ کر انتقام لیتے ہیں تو اُس میں جزاء سیئۃ سیئۃ مثلہا سے تجاوز نہیں کرتے گو اس کی رعایت بنا بر تجربہ پل صراط پر گذر نیسے کم دشوار نہیں۔ یہ لوگ نصرت حق میں ماجور اور مجازاۃ بالمثل میں معذور ہیں۔ اور جو دونوں سے بیزار ہیں وہ وہ ہیں جن کو دین کیساتھ پہلے ہی سے محبت نہیں اور نہ وہ اطاعت احکام کو ضروری سمجھتے ہیں نہ اُن کو فکر عمل ہے نہ اُن کے قلب میں علماء کی عظمت و وقعت و محبت و عقیدت ہے اُن کو اعمال سے بچنے کا اور علماء پر اعتراض کرنے کا ایک بہانہ ملگیا سو اُن کی حالت کا فیصلہ ظاہر ہے حاجت بیان نہیں اور نہ اُن سے خطاب کچھ مفید ہے صرف تمام حجت کے لئے ایک نظیر جواب میں ذکر کئے دیتا ہوں وہ یہ کہ ان صاحبوں کو اگر اتفاق سے کیمیا کی ہوس ہو جاوے اور کسی شخص کے متعلق یقین بلکہ شبہ بھی ہو جاوے کہ یہ اس کو جانتا ہے مگر اُس کی ظاہری حالت اُس کی تکذیب کرتی ہو تب بھی اُن کو کوئی امر اُس کی خدمت و اطاعت سے مانع نہیں ہوتا محض اسی امید پر کہ اس سے اتنی بڑی دولت مل سکتی ہے اور اس کا دھوکہ باز ہونا بھی ثابت ہو جاوے تو خاص اُس سے تو علیحدگی اختیار کرے گا لیکن اگر کسی دوسرے پر اس کا مظنہ ہو جاوے تو یہی معاملہ اُس کیساتھ بھی کرے گا اور بالکل اس شعر کا مصداق ہو جاوے گا۔ ؎

طلبگار باید صبور و حمول ۔۔۔ کہ نشنیدہ ام کیمیا گر ملول

کشند از برائے دلے بارہا ۔۔۔ خورند از برائے گلے خارہا

سو اگر ان صاحبوں کو دین کی طلب ہوتی تو اس مطلوب کے حاصل کرنے کے لئے یہی معاملہ ان کا علماء کے ساتھ بھی ہوتا گو وہ علماء باعمل بھی نہ ہوتے مگر اس کو تو دولت علم دین ہر حال میں دے سکتے ہیں پھر اُس میں دھوکہ بھی نہیں دیتے اگر کسی کو شبہ ہو کہ بعض علماء اپنی غلطیوں کی تاویلیں بھی کرتے ہیں کیا یہ دھوکہ نہیں ہے جواب یہ ہے کہ مسائل تو غلط نہیں بتلاتے یا مسائل دانی کا دعویٰ تو غلط نہیں کرتے نہ اُن کی تاویل کا یہ مطلب ہوتا ہے اُس کا حاصل تو یہ ہے کہ باوجودیکہ مسئلہ کے خلاف کوئی کام لیا مگر یہ ثابت کرنا چاہتے ہیں کہ مسئلہ تو اپنے حال پر صحیح ہے مگر ہم نے اس کے خلاف نہیں کیا سو اس سے دوسرے کو تو کوئی ضرر نہیں پہنچا خود اُن کا معاملہ حق تعالیٰ کیساتھ ہے وہ آپ بھگتیں گے۔ اور ایک فرقہ ایسا بھی ہوتا ہے کہ نہ کسی کا طرفدار نہ کسی سے بیزار۔ اُن کی حالت بالکل بے خطر و بے ضرر ہے گو ناصر حق سے اُس کا اجر کم ہو مگر اس میں ترجیح یہ ہے کہ اس میں احتمال معصیت نہیں اور جس شخص کی نصرت پر حق کا غلبہ موقوف نہ ہو اُس کے لئے یہی

طرز اسلم اور بے غبار ہے۔

تنبیہ دوم۔ بعضے لوگ محض حمیت قومی یا نصرت خاندانی کی بنا پر ہر حال میں اپنی برادری یا کنبہ یا اولاد کی طرف داری کو ضروری سمجھتے ہیں۔ جا بیجا کو نہیں دیکھتے اور اس کا نام قومی اتفاق رکھتے ہیں فصل دوم میں اس کا حکم مذکور ہو چکا۔

تنبیہ سوم۔ بعض جہلاء علماء پر یہ اعتراض کرتے ہیں کہ ان کے یہاں ہر بات میں اختلاف ہے اب ہم کس کا اتباع کریں کس کو سچا سمجھیں کس کو جھوٹا سمجھیں سو فصل سوم میں جب اس اختلاف کا قرآن و حدیث و اقوال اکابر امت سے محمود ہونا ثابت ہو چکا ہے تو اس اختلاف پر اعتراض کرنا حق تعالیٰ اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور اکابر امت پر اعتراض کرنا ہے۔ رہا یہ کہ پھر ہم کس کا اتباع کریں سو اس کا فیصلہ نہایت سہل ہے وہ یہ کہ جب کسی مریض کے باب میں ماہرین اطباء کا اختلاف ہوتا ہے یا کسی مقدمہ کے متعلق وکلاء کا اختلاف ہوتا ہے کیا تم سب کو چھوڑ کر مریض کے معالجہ سے اور مقدمہ کی پیروی سے بیٹھ رہتے ہو یا کسی اصول کی بناء پر ان میں سے ایک کو ترجیح دے کر اپنے مقصود میں مشغول ہو جاتے ہو اسی طرح یہاں بھی ترجیح کے کچھ اصول ہیں جو عقل صحیح سے معلوم ہو سکتے ہیں ان ہی اصول سے یہاں بھی ایک کو ترجیح دیکر کام میں لگنا چاہئے مگر اختلاف اطباء کے وقت ان اصول کا اعمال اور اختلاف علماء کے وقت ان اصول کا اہمال صرف اس وجہ سے ہے کہ وہاں مقصود دنیوی کو ضروری سمجھتے ہیں اور وہ موقوف ہے اتباع پر اور یہاں مقصود دینی کو ضروری نہیں سمجھتے اس لئے بہانے ڈھونڈتے ہیں بعض لوگ اس سے بڑھ کر جہالت پر کار فرما ہوتے ہیں اور یہ مشورہ دیتے ہیں کہ علماء سب جمع ہو کر ایسے مسائل کا فیصلہ کر کے سب ایک شق پر متفق ہو جاویں اس کا حقیقی جواب سمجھنے کے لئے تو علوم شرعیہ میں مہارت کی ضرورت ہے جو ان صاحبوں میں اس وجہ سے مفقود ہے کہ علم دین میں مشغول ہونا ان کے نزدیک منجملہ جرائم و تنزل کے ہے اس لئے ایک سطحی جواب عرض کرتا ہوں وہ بھی کافی ہے وہ یہ کہ کیا اس کے قبل کسی زمانہ میں ایسے علماء و سلاطین نہیں گذرے جنھوں نے اس ضرورت کا احساس کیا ہو اور اس کا انتظام بھی کر سکتے ہوں اگر جواب نفی میں ہے تو آفتاب نصف النہار کا انکار ہے اور اگر اثبات میں ہے تو اسے اجمالاً سمجھ لیجئے کہ اس میں کوئی مانع شرعی ضرور تھا جس کے سبب اس کا قصد نہیں کیا گیا تو کیا ایک ممنوع شرعی کی ہم سے درخواست کی جاتی ہے۔ ع ایں خیال ست و محال ست و جنوں۔ کیا علماء تمہاری خواہشوں پر اس آیت کو بھول جائیں گے ولئن اتبعت اھواءھم بعد الذی جاءک من العلم انک

من اللہ من ولی ولا نصیر۔

لطیفہ۔ ایک عالم سے جو کہ فارسی میں احقر کے اُستاد ہیں ایک عیسائی نے اعتراض کیا کہ اہل اسلام میں دینی تحقیق کی کمی کی ایک بڑی دلیل یہ ہے کہ ان کے اکثر مسائل مختلف فیہ ہیں اگر کافی تحقیق ہوتی تو سب میں متفقہ فیصلہ ہو جاتا اُنھوں نے جواب دیا کہ یہی تو دلیل ہے ان کی غایت تحقیق کی کہ کوئی چھوٹے سے چھوٹا جزو بھی بے تحقیق کئے نہیں چھوڑا اور تحقیق کے لوازم عادیہ سے ہے اہل تحقیق میں اختلاف ہو جانا خصوص جب کہ محل تحقیق معانی میں سے ہو جبکہ مادیات مشاہدہ میں اختلاف ہو جاتا ہے ماشاء اللہ نہایت لطیف جواب ہے

تنبیہ چہارم۔ ایک عام طریقہ ہوگیا ہے۔ مسائل دینیہ میں جہلاء کا دخل دینا اور دلیل کے مقابلہ میں اس کہدینے کو کافی سمجھنا کہ ہمارا خیال یہ ہے اس کا مذموم ہونا فصل چہارم میں گذر چکا ہے اتنا اور مزید کرتا ہوں کہ کیا یہ حضرات کبھی کسی حکیم و ڈاکٹر کی تجویز سننے کے بعد اُس کے خلاف رائے قایم کرکے یہ کہنے کی ہمت کر سکتے ہیں کہ ہمارا خیال یہ ہے یا کسی حاکم وافسر کے سامنے اُس کے حکم کے خلاف رائے ظاہر کرکے یہ کہنے کی جرأت کرسکتے ہیں کہ ہمارا خیال یہ ہے۔ تو افسوس خدا و رسول کے احکام کے سامنے یہ کہنے کی کیسے جسارت ہوتی ہے اگر کہا جاوے کہ وہ اللہ ورسول کے احکام ہی نہیں ہوتے یا تو وہ علماء کا اجتہاد ہوتا ہے یا اگر نصوص ہوتے ہیں تو اُن کی تفسیر علماء کی ہوتی ہے ہم علماء کے مقابلہ میں کہتے ہیں۔ اس کا جواب ظاہر ہے کہ نصوص کو بھی علماء جیسا سمجھتے ہیں تم قیامت تک نہیں سمجھ سکتے اور اگر اُن کا اجتہاد ہے تو وہ اجتہاد بھی ماخوذ نصوص ہی سے ہے اُس کے اخذ کا سلیقہ بھی علماء ہی کو ہے تم کو نہیں لہذا دونوں حالتوں میں علماء کے مقابلہ میں یہ کہنا درحقیقت خدا ورسول ہی کے مقابلہ میں کہنا ہے۔

لطیفہ۔ میرا زمانہ فراغ درسیات کا قریب تھا کہ ایک وکیل جس کے ساتھ قانون کی کتابیں بھی تھیں ہمارے گھر مہمان ہوئے میں تفریحاً ایک اردو کتاب قانون کی اٹھا کر دیکھنے لگا اور امتحاناً ایک دفعہ کی تقریر اُن کے سامنے کرکے اُن سے تصویب چاہی انھوں نے کہا کہ اس دفعہ کا یہ مطلب نہیں اور جو مطلب اُنھوں نے سمجھا تھا وہ جی کو لگتا تھا دیکھئے اردو اپنی مادری زبان اور معمولی عبارت اور سمجھنے والا ایک فارغ طالب علم اور پھر بھی سمجھنے میں غلطی۔ تو یہ بیچارے اُردو خوان عربی کو یا عربی کے اردو ترجمہ کو کہ وہ دلالت علی المطلوب میں اور بھی بعید ہو جاتا ہے۔ صحیح صحیح کیسے سمجھ سکتے ہیں اور اس سے بڑھ کر یہ کہ اُس سے استنباط کیسے کر سکتے ہیں مجھ کو تو ایسے مدعیان کا منظر دیکھ کر بیساختہ یہ شعر یاد آجاتا ہے۔ ؎

گربہ میر و سگ وزیر و موش را دیوان کنند　　　ایں چنیں ارکان دولت ملک را ویراں کنند

تنبیہ پنجم ۔ بعض لوگوں کو اتفاق میں یہاں تک غلو ہو جاتا ہے کہ کفار سے بھی کامل اتفاق رکھنا چاہتے ہیں حتی کہ اُن کے بعض شعائر مذہبی تک کو اختیار کر لیتے ہیں اور حتی کہ بعض مدعیان علم جوش اتفاق میں مشرکین کو اہل کتاب ثابت کرنیکی کوشش کرنے لگتے ہیں اور حتی کہ اُن کفار کی خاطر احکام اسلامیہ میں تحریف کرنیکو گوارا کرلیتے ہیں اور یہ ہوا چند روز سے زیادہ چل گئی ہے فصل پنجم میں اس کی تحقیق گذر چکی ہے۔

تنبیہ ششم ۔ بعض منسوبین الی التصوف میں یہ مرض ہو گیا ہے کہ اُن کے یہاں بدعت و سنت کا فرق ہی لاشئی ہے اُن کا مذاق یہ ہے کہ ایسے امور میں نزاع و اختلاف ناحقیقت شناسی سے ہے سب کو توسع سے کام لینا چاہئے اور یہ تو اُن کا ذکر ہے جو اللہ کا نام لینے والے اور کسی قدر مجاہدہ سے اپنے اخلاق کو درست کرچکے ہیں ورنہ اُن میں جو ذکر مجاہدہ سے محروم ہیں وہ تو اہل حق کے دشمن اور سنت سے نفور ہیں اور متبعین سنت کو بُرے القاب سے یاد کرتے ہیں اور اپنے تابعین کو اُن سے نفرت دلاتے ہیں اور بدعات کو سنن بلکہ فرائض سے بڑھ کر مثل جزو ایمان کے اور اللہ و رسول کی محبت کی علامات سے ٹھیرا رکھا ہے اُن کی بیہودگی کا تو ذکر ہی نہیں میں اُن کا ذکر کرتا ہوں جن میں کچھ اثر ذکر و فکر کا ہے سو اُن کا مذاق جس کو وہ مذاق تصوف سمجھتے ہیں یہ ہے کہ ایسے امور میں باہم اختلاف نہ کرنا چاہئے بلکہ بعضے تو جو زیادہ غالی ہیں اسلام و کفر کے اختلاف ہی بھی تنگی کو اچھا نہیں سمجھتے اور اُن کا مقولہ یہ ہے موسیٰ بدین خود عیسیٰ بدین خود ۔ اور ان کے دلائل اس قسم کے اقوال ہیں

حافظا گر وصل خواہی صلح کن با خاص و عام　　　با مسلماں اللہ اللہ با برہمن رام رام [۵]

سو اول تو خدا جانے یہ کس کا قول ہے دوسرے اگر کسی بزرگ کا بھی ہو تب بھی دو حال سے خالی نہیں اگر قرآن و حدیث کے خلاف ہے تو اُس کو بزرگ کا قول ہی کہنا جائز نہیں اور اگر موافق ہے تو موافقت کی صورت بجز اس کے کچھ نہیں کہ ان اقوال میں کوئی ایسی تاویل کیجائے جس سے وہ قرآن و حدیث کے معارض نہ رہے فصل ششم میں بدعت میں توسع نہ ہونیکی تحقیق گذر چکی ہے۔

لطیفہ ۔ میں بالکل نوعمر تھا اور کانپور میں تازہ تازہ مدرسی پر مامور ہوا تھا ۔ والد صاحب مرحوم اتفاق سے ایک مقدمہ کی ضرورت سے الہ آباد آئے اور بیمار ہو گئے ۔ میں بیماری کی خبر پا کر الہ آباد حاضر ہوا اُس زمانہ میں وہاں ایک ولایتی بزرگ تھے محمدی شاہ ذاکر شاغل با اوقات بزرگ تھے گو صاحب سماع تھے مگر دنیادار

[۵] اس کا ابطال حضرت نے اپنے رسالہ ارسال الجنود میں کیا ہے ۱۲ منہ

نہ تھے اکثر اہل مقدمہ اُن کی خدمت میں مقدمات میں دعا کرانے کیلئے جایا کرتے تھے والد صاحب مرحوم اپنے ساتھ مجھ کو بھی ان کی خدمت میں لیگئے بہت اخلاق سے پیش آئے اور جب اُن کو معلوم ہوا کہ یہ طالب علم ہے تو فرمانے لگے مولوی اس آیت کا ترجمہ کرو۔ لکل امۃ جعلنا منسکا ھم ناسکوہ فلا ینازعنک فی الامر وادع الی ربک انک لعلی ھدی مستقیم۔ دیکھو اس میں نزاع سے منع فرمایا ہے میں نے عرض کیا کہ حضرت آیت میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو نزاع کفار سے منع نہیں فرمایا چنانچہ لاتنازعھم نہیں فرمایا گیا بلکہ کفار کو نزاع رسول سے منع فرمایا ہے چنانچہ لاینازعنک اس میں صریح ہے تو آیت سے تو نزاع اہل باطل مع اہل الحق کی نہی ثابت ہے نہ کہ اس کا عکس کیونکہ اس کا عکس تو دعوت الی الحق ہے جو وادع الی ربک کا مدلول ہے آگے دونوں حکموں کی علت ہے انک لعلی ھدی مستقیم یعنی چونکہ آپ ہدی مستقیم پر ہیں اس لئے آپ کو حق ہے کہ دوسروں کو اپنی راہ کی طرف بلائیں اور وہ لوگ ہدیٰ پر نہیں اس لئے ان کو حق نہیں کہ آپ کو اپنی راہ کی طرف بلائیں یہ بسط ہے اُس تقریر کا جو شاہ صاحب کے جواب میں عرض کی گئی شاہ صاحب سنکر بالکل خاموش ہو گئے مگر خوش ہے۔ اگر کسی طالبعلم کو شبہ ہو کہ بعض مفسرین نے فلا ینازعنک کی تفسیر میں فلا تنازعھم کہا ہے تو جواب صحیح نہ رہا اس شبہ کا جواب یہ ہے کہ ان بعض کی تفسیر پر مطلق نزاع مراد نہیں بلکہ نزاع خاص مراد ہے یعنی نزاع غیر احسن۔ فصل پنجم میں تبلیغ و مناظرہ کے متعلق ان دونوں کا فرق گذر چکا ہے اور فصل ششم میں اُن آیات کا اشتراک کفار و مبتدعین میں گذر چکا ہے۔

تنبیہ ہفتم۔ بعض لوگ اختلاف غیر حقیقی کیساتھ اختلاف حقیقی کا سا معاملہ کرتے ہیں اور اختلاف حقیقی کی بھی وہ قسم جو اصول دینیہ میں ہو کہ اُس میں ایک شخص دوسرے کو گمراہ کہتا ہے چنانچہ بعض مدعیان تصوف سلاسل میں ایک دوسرے پر اس طرح ترجیح دیتے ہیں جس سے دوسرے کی تنقیص ہوتی ہے کوئی چشتی کو بڑھاتا ہے اور نقشبندی کی اہانت کرتا ہے کوئی بالعکس اس کا حکم فصل ہفتم میں مذکور ہو چکا ہے کہ اس اختلاف میں کوئی محذور نہیں بلکہ یہ اختلاف ہی نہیں محض تعدد طُرق ہے جیسے ایک کراچی سے حج کو چلا گیا۔ دوسرا بمبئی سے اس میں کسی کی تنقیص کرنا جہل محض اور تعصب قبیح ہے۔

تنبیہ ہشتم۔ مسئلہ اتفاق کے متعلق اکثر محرکین اتفاق اپنی تقریروں میں ایک غلطی کرتے ہیں وہ یہ کہ ان مقررین کا بالعموم یہ شیوہ ہو گیا ہے کہ دلائل تکوینیہ سے بھی اپنے مدعا کی اس طرح تائید کیا کرتے ہیں کہ دیکھو زمین کے اجزاء میں اگر اجتماع و اتفاق نہ ہوتا تو اُس پر ہمارا استقرار نہ ہو سکتا اگر آسمان کے اجزاء میں تعلق

نہ ہوتا تو ہم اُس کے منافع سے محروم رہتے ان سب کی ذات اور منافع کا وجود اتفاق ہی پر موقوف ہے اس استدلال کا غلط ہونا ظاہر ہے کیونکہ یہ اتفاق تکوینی اگر استحسان اتفاق کی دلیل ہو سکتی ہے تو اسی طرح اختلاف تکوینی جس کا ذکر فصل ہشتم میں ہے۔ استحسان اختلاف کی بھی دلیل ہو سکے گی۔ ولعل بہ احد۔

لطیفہ۔ جب میری شادی ہوئی تو برادری کے ایک ممتاز شخص کو جن سے والد صاحب مرحوم کی کچھ کشیدگی تھی والد صاحب نے دعوت شرکت کیلئے مجھ سے رقعہ لکھوایا۔ میں نے اُس میں اتفاق کے ذیل میں اجتماع اجزاء ارض وسماء کا بھی ذکر کیا تھا اُنھوں نے جواب میں وہ حدیث ذکر کی جس میں باہم آسمانوں میں اور زمینوں میں پانچ پانچ سو برس کا فصل وارد ہے اور لکھا کہ یہ حدیث افتراق کے استحسان پر دال ہے۔ اوکما قال۔ اب مجھ کو سوچنے سے اپنی کمزوری یاد آتی ہے کہ واقع میں میرا استدلال ہی لاشئی تھا اس لئے اُس کا جواب بے شک لاجواب ہے اور اس غلطی استدلال کے ذکر کا وعدہ فصل ہشتم کے اخیر میں گذرا ہے۔

تنبیہ ہشتم۔ بعض لوگوں کو قرآن مجید کا حقیقی نزول سات قرارت میں اور حکمی نزول سات لغات میں جن کو حدیث میں سبعہ احرف فرمایا گیا ہے سُن کر قرآن مجید کے محفوظ قطعی ہونے پر نعوذ باللہ شبہ ہو جاتا ہے کہ محفوظ قطعی میں اختلاف کیسا اس غلطی کا منشا یہی ہے کہ اختلاف کے معنی تعارض کے سمجھ گئے جس میں ایک کا اثبات دوسرے کی نفی ہے ایسا تعارض فی الواقع منافی محفوظیت کے ہے مگر یہاں تو اختلاف ہی نہیں۔ صرف تعدد ہے اور حفاظت جیسے امر واحد کی ہو سکتی ہے امور متعددہ کی بھی ہو سکتی ہے۔ چنانچہ سبع قرارت کا اس وقت تک محفوظ ہونا اور سبعہ احرف کا جبتک وہ باقی تھے محفوظ رہنا مشاہد ہے فصل نہم میں اس کی تحقیق گذر چکی ہے۔

تنبیہ نہم۔ بعض اہل باطل کو نسخ احکام پر یہ شبہ ہو گیا ہے کہ نسخ فرع ہے تعارض کی اور متکلم واحد کے دو کلاموں میں تعارض ہونا مستلزم ہے متکلم کے یا ذہول عن الکلام السابق کو یا جہل عن مصلحۃ الکلام اللاحق کو اور حق تعالیٰ اس سے منزہ ہے پس نسخ ہی منفی ہے۔

جواب اس کا ظاہر ہے کہ ان دونوں حکموں میں محض صورۃً تعارض ہے حقیقۃً تعارض نہیں بوجہ اختلاف زمن حکم کے جیسا طبیب ماہر کے نسخوں میں خاص یہ اختلاف ہوتا ہے کہ وہ اول منضج کا نسخہ تجویز کرتا ہے پھر مسہل کا پھر تبرید کا پھر تقویت کا اور یہ سب وہ پہلے ہی سے تجویز کر لیتا ہے کہ مختلف اوقات میں یہ سب نسخے

علی الترتیب استعمال کراؤں گا وہاں کسی کو یہ شبہ نہیں ہوتا پس اشکال کی بنا ہی منہدم ہے۔ لہذا اشکال بھی منعدم ہے اس کا تعارض حقیقی نہ ہونا فصل دہم میں مذکور ہو چکا ہے۔

التفریع علی المجموع ۔ مجموعہ اجزاء رسالہ سے امور ذیل ثابت ہوئے۔

(عـ۱) اختلاف کے اقسام عشرہ میں سے اختلاف مذموم صرف چار اختلاف ہیں یعنی قسم دوم۔ چہارم وپنجم وششم۔ اور وہ بھی جانبین سے نہیں بلکہ صرف صاحب باطل کی طرف سے۔ باقی صاحب حق کی طرف سے تو یہ اقسام بھی محمود اور مطلوب ہیں اور بقیہ چھ اقسام تو علی الاطلاق محمود ہیں۔ اور اگر قسم ہشتم کو اس وجہ کی بناء پر جو کہ فصل ہشتم میں مذکور ہے ان اقسام میں سے مستثنیٰ کر دیا جائے تب بھی اختلاف محمود کی پانچ قسمیں ہو جاتی ہیں تو ہر حال میں زیادہ اقسام اختلاف کے محمود ہی رہے ایک صورت میں چھ قسمیں اور ایک صورت میں پانچ قسمیں اور دوسری جانب چار ہی قسمیں ہیں پس علی الاطلاق اتفاق کو محمود اور اختلاف کو مذموم کہنے کا حکم غلط ہو گیا۔

(عـ۲) اختلاف محمود کے بعض اقسام وہ بھی ہیں کہ وہ صرف محمود ہی نہیں بلکہ شرعاً واجب اور ان کے مقابل اتفاق شرعاً حرام ہے ان سب کی تفصیل فصول سابقہ میں جدا جدا مذکور ہو چکی ہے اور ساتھ ساتھ دلائل بھی مذکور ہوئے ہیں بعض دلائل بطور تتمہ کے اور بھی ذکر کرتا ہوں۔

قال اللہ تعالیٰ۔ وقال انما اتخذتم من دون اللہ اوثانا مودۃ بینکم فی الحیوۃ الدنیا ثم یوم القیمۃ یکفر بعضکم ببعض ویلعن بعضکم بعضا الآیۃ۔ وقال تعالیٰ وقالوا تقاسموا باللہ لنبیتنہ واھلہ ثم لنقولن لولیہ ماشھدنا مھلک اھلہ وانا لصادقون ومکروا مکرا ومکرنا مکرا وھم لا یشعرون وقال تعالیٰ واذ یمکر بک الذین کفروا لیثبتوک او یقتلوک او یخرجوک ویمکرون ویمکر اللہ وغیرھا من الآیات وعن ابن عباس قال قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم لابی ذر یا اباذر ای عری الایمان اوثق قال اللہ ورسولہ اعلم قال الموالاۃ فی اللہ والحب فی اللہ والبغض فی اللہ رواہ البیھقی فی شعب الایمان وعن ابی ذر فی حدیث طویل قال النبی صلی اللہ علیہ وسلم ان احب الاعمال الی اللہ تعالیٰ الحب فی اللہ والبغض فی اللہ رواہ احمد۔ وروی ابوداؤد الفصل الاخیر وعن ابی رزین فی حدیث طویل انہ قال لہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ان تحب فی اللہ وتبغض فی اللہ

(عـ۳) جب بعض افراد اتفاق کے حرام اور بعض افراد اختلاف کے واجب ہوئے اور واجب خیر ہے حرام سے تو ثابت ہوا کہ بعض اختلاف خیر ہے اتفاق سے اور بعض اتفاق شر ہے اختلاف سے۔ عارف رومی اسی

باب میں فرماتے ہیں۔ ۵

جنگ ہا بیں کان اصول صلح است | چوں نبی کہ جنگ او بہر خدا است
طرفہ آں جنگے کہ اصل صلحہا ست | شاد آں کایں جنگ او بہر خدا است
غالب است و چیر بر ہر دو جہاں | شرح ایں غالب نگنجد در دہاں
ذرۂ کو محو شد در آفتاب | جنگ او بیروں شد از وصف حساب
چوں ز ذرہ محو شد نفس و نفس | جنگش اکنوں جنگ خورشید ست و بس
رفت از وے جنبش طبع و سکوں | از چہ از انا الیہ راجعون

(خطبہ دفتر سادس)

(۴) جب بعض اختلاف محمود بلکہ واجب بھی ہے اور جو اختلاف مذموم ہے وہ بھی مطلقاً نہیں بلکہ صرف صاحب باطل کی طرف سے جیسا ابھی نمبر (۱) میں بھی گذرا ہے تو ہر نا اتفاقی کے وقوع پر بعض لوگوں کا جانبین کو ملامت کرنا یا بلا تحقیق ایک پر ملامت کرنا ظلم ہے بلکہ سب سے اول اس کی تحقیق ضروری ہے کہ کس کا اختلاف محمود ہے کس کا مذموم۔ پھر صاحب محمود کی نصرت اور صاحب مذموم پر ملامت کا حق ہے اور اشتباہ کی صورت میں سکوت واجب ہے جیسا تنبیہ اول میں مفصلاً بیان کیا گیا ہے۔

(۵) جو دلائل مطلوبیت اتفاق کے ہیں وہ مطلق نہیں بلکہ اُن کے خاص محامل ہیں جیسے دلائل مطلوبیۃ اختلاف کے بھی خاص محامل ہیں ان سب کی تفصیل فصول رسالہ میں مذکور ہوئی ہے۔ ان دلائل مطلوبیۃ اتفاق میں سے ایک خاص دلیل کے متعلق جو کہ کثیر الدور علی الالسنہ ہے ایک خاص غلطی عام ہو رہی ہے اُس کا مختصر دفع بطور تتمہ کے ضروری سمجھتا ہوں وہ دلیل یہ آیت ہے واعتصموا بحبل اللّٰہ جمیعاً ولا تفرقوا واذکروا نعمۃ اللّٰہ علیکم اذ کنتم اعداء فالف بین قلوبکم فاصبحتم بنعمتہ اخوانا الایۃ اور وہ غلطی یہ ہے کہ اس آیت میں دو لفظ دیکھ لیتے ہیں ایک جمیعا کہ اجتماع پر دال ہے۔ دوسرا لا تفرقوا کہ افتراق سے ناہی ہے اور اُس کی قید پر نظر نہیں کرتے اس لئے محل بے محل اس کو استدلال میں پیش کر دیتے ہیں۔ یہ ہے وہ غلطی عام۔ اور دفع اس غلطی کا اس قید میں نظر کرنا ہے اور وہ قید اعتصام بحبل اللّٰہ کی ہے جس کی تفسیر احکام دینیہ کا التزام اعتقادی و عملی ہے۔ تقریر مدلول آیت کی بلحاظ قید یہ ہے کہ تم سب اعتصام اختیار کرو اور اس میں تفرق مت کرو بلکہ کوئی اعتصام اختیار کرے کوئی نہ کرے پس مقصود بالذات اعتصام ہے نہ کہ اجتماع اور منہی عنہ ترک

اعتصام ہے نہ کہ تفرق۔ پس اگر اعتصام میں تفرق ہوتا ہو اس طور سے کہ بعض نے اعتصام کیا بعض نے نہ کیا تو اس تفرق سے بچنے کے کیلئے اعتصام کو نہ چھوڑیں گے بلکہ اعتصام کے لئے تفرق کو گوارا کرلیں گے اور اگر ترک اعتصام سے اجتماع حاصل ہوتا ہو اس طور سے کہ سب نے اعتصام ترک کردیا اور بے دینی پر مجتمع ہوگئے تو اس اجتماع کے لئے اعتصام کو ترک نہ کریں گے بلکہ اعتصام کے لئے اجتماع کو ترک کردیں گے خوب سمجھ لو۔ یہ تو دفع ہے غلطی کا اور اس آیت میں ایک فائدہ عظیمہ علمیہ عملیہ متعلقہ اتفاق پر بھی دلالت ہے یعنی اس میں اتفاق و اجتماع مطلوب کے حاصل ہونے کا ایک سہل اور کامیاب طریقہ بھی بتلایا گیا ہے وہ طریقہ یہ ہے کہ سب مل کر احکام الٰہیہ کا اتباع کرنے لگیں اس سے خود بخود بلا کسی تدبیر مستقل کے لزوماً اتفاق پیدا ہو جاوے گا۔ ورنہ بدون اس کے بڑی سے بڑی تدبیر بھی ناکام ہے۔ اول تو حدوث ہی ہیں ورنہ بقا میں تو ضرور۔ اور راز اس کا یہ ہے کہ ایسا اتفاق اغراض پر مبنی ہوگا اور اغراض میں تبدل ہوتا رہتا ہے اُسی کیسا تھ اتفاق بھی رخصت ہو جاوے گا۔ اور جو اتفاق احکام الٰہیہ پر مبنی ہوگا چونکہ احکام بدلتے نہیں اس لئے وہ اتفاق بھی باقی رہتا ہے اور ایسی تدابیر کے غیر نافع ہونے کی طرف دوسری آیت میں اشارہ فرمایا گیا ہے۔ ھو الذی ایدک بنصرہ وبالمؤمنین والف بین قلوبھم لو انفقت ما فی الارض جمیعا ما الفت بین قلوبھم ولکن اللہ الف بینھم۔ یہ مجمل تقریر ہے آیت اعتصام کے دو مدلولوں کی ایک دفع غلطی متعلق اتفاق اور دوسری تعلیم تدبیر اتفاق۔ اور مفصل تقریر مدلول اول کی احقر کے وعظ الاعتصام بحبل اللہ کے ثلث دوم میں جو اسی آیت کے بیان میں ہے اور مدلول ثانی کی وعظ الاتفاق کے ثلث دوم اور ورق اخیر میں جو ایک دوسری آیت کے بیان میں ہے شائع ہو چکی ہے اگر شوق ہو ملاحظہ فرمالیا جاوے۔

ھ قولہ وہ طریقہ یہ ہے الخ۔ میں کہتا ہوں کہ احکام الٰہیہ کے اتباع کا اصل مبنیٰ ہے ترک ہوی کیونکہ جب تک ترک ہوی نہ ہو اُس وقت تک صحیح طور پر اتباع احکام الٰہیہ ہی نہیں ہوسکتا۔ اس لئے اب اتفاق کا اصل مبنیٰ ترک ہوئی قرار پایا۔ پس جو لوگ دل سے چاہتے ہیں کہ مسلمانوں میں اتفاق و اتحاد ہو اُن کا فرض یہ ہے کہ وہ اپنی خواہشات کو چھوڑ کر اپنے کو حق تعالیٰ خواہش کا تابع بناویں اور جو خدا و رسول کا حکم ہو اُس کو صحیح طور پر سمجھ کر اُس پر عمل کریں اور اگر اس صحیح طور پر عمل کیا جاوے گا تو انشاء اللہ مسلمانوں میں نہ بنیادی اختلافات رہیں گے اور نہ مذہبی فرقہ بندیاں۔ اور جو اختلاف افہام کے تفاوت وغیرہ سے باقی رہیگا وہ اختلاف کی حد میں رہیگا اور مخالفت و مخاصمت کی حد تک نہ پہنچیگا۔ اور ترک ہوی کا مبنیٰ ہے تواضع اس لئے یہ کہنا بھی نہایت صحیح ہے کہ مبنی اتفاق کا تواضع ہے اس لئے مسلمانوں کا فرض ہے کہ وہ ترک کبر اور تحصیل تواضع کی کوشش کریں تاکہ اُس سے ترک ہوی حاصل ہو اور اس سے امتثال اوامر الٰہیہ و اجتناب عن نواہیہ اور اس سے اتفاق و اتحاد۔ یہ تفصیل ہے حضرت حاجی شاہ امداد اللہ صاحب قدس سرہ کے اس مختصر ملفوظ کی جس کو حضرت مولانا اشرف علی صاحب نے روایت کیا ہے کہ اتفاق کا اصل مبنیٰ تواضع ہے ۱۲ حبیب احمد کیرانوی۔

الحمد للہ رسالہ ختم ہوا اور غالباً اپنے موضوع میں یہ پہلا رسالہ ہے و اللہ اعلم وعلمہ اتم واحکم۔

کتبہ اشرف علی عفی عنہ بیوم النحر من ذی الحجۃ سنہ ۱۳۴۶ھ

رسالۃ سد التوحد فی الطلاق ذات التعدد بصورۃ السوال والجواب

السّوال۔ جامع کمالات صوری و معنوی حکیم الامۃ جناب مولانا اشرف علی صاحب دامت برکاتہم۔
بعد تحیہ مسنونہ عرض این کہ این استفتاء معہ جواب ارسال خدمت اقدس ہے۔ حضور والا بنفس نفیس مہربانی فرما کر ملاحظہ کریں اگر مجیب کا جواب صحیح ہے تو دستخط فرما دیا جاوے ورنہ اختصار کیساتھ تردید کردی جاوے جہانتک ممکن ہو جواب باصواب سے جلد مطلع فرماویں نوازش ہوگی۔ جواب کا سخت انتظار رہے گا۔ والسلام

(استفتاء) جس کا ذکر خط بالا میں ہے۔ کیا فرماتے ہیں علماء دین اس مسئلہ میں کہ زید اپنی بی بی ناہیدہ سے چند روز قبل سے ناخوش (ناراض) رہا کرتا تھا کل اتفاق یہ ہوا کہ زید جس وقت حویلی میں گیا تو ناہیدہ کو واہیات خرافات بولتے پایا۔ اس نے منع کیا۔ نہیں ماننے پر بات بڑھ گئی اور زید نے دو جوتہ ناہیدہ کو مارا جس پر ناہیدہ نے زید کو ماں بہن کی گالی دیا۔ زید نے بحالت غضب ناہیدہ کو کہا کہ ہم نے تم کو طلاق دیا طلاق دیا طلاق دیا۔ اب سوال یہ ہے کہ طلاق بائنہ ہو گیا یا نہیں۔ اور از روئے شرع شریف کوئی صورت پھر اپنے زوجیت میں لانے کی ہے یا نہیں۔

(جواب ہمراہ خط) صورت مسئولہ میں اگر زید کا غصہ اس درجہ تھا کہ زید کے ہوش وحواس درست نہ تھے۔ یا غصہ کی وجہ سے کسی امر کا صحیح ارادہ نہ کر سکتا ہو بلکہ بیخودی میں ایسے کام اس سے سرزد ہوئے ہوں جن پر غصہ دور ہونیکے بعد سخت نادم ہونا پڑے تو ان دونوں صورتوں میں طلاق ہی نہ واقع ہوگی۔ ابوداؤد ج ۲ صفحہ ۱۲۲ قالت سمعت عائشۃ رض تقول سمعت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم لا طلاق ولا عتاق فی اغلاق قال ابوداؤد الغلاق اظنہ فی الغضب وقال ابن القیم فی زاد المعاد صفحہ ۳۳ والغضب علی ثلثۃ اقسام احدھا ما یزیل العقل ولا الشعر صاحبہ بما قال وھذا لا یقع طلاقہ بلا نزاع۔ الثانی ما یکون فی مبادیہ بحیث لا یمنع فی التصور لما یقول وقصدہ وھذا یقع طلاقہ الثالث ان یستحکم ویشتد ولا یزیل عقلہ بالکلیۃ ولکن یحول بینہ وبین نیتہ بحیث یندم علی ما فرط منہ اذا زال فھذا محل نظر وعدم الوقوع فی ھذہ الحالۃ قوی متجہ۔

ورنہ اگران دوصورتوں کے علاوہ تیسری صورت ہو تو ایک طلاق رجعی واقع ہوگی زید عدت کے اندر رجعت کرسکتا ہے۔ مسلم شریف ج ۱۔ ان ابا الصهباء قال لابن عباس تعلم انما كانت الثلث تجعل واحدة على عهد النبي صلى الله عليه وسلم وابي بكر وثلاثا في امارة عمر فقال ابن عباس نعم عون المعبود شرح ابوداؤد ج ۲ عن ابن عباس قال طلق ركانة بن عبد يزيد امرأته ثلاثا في مجلس واحد فحزن عليها حزنا شديدا قال فسأله رسول الله صلى الله عليه وسلم كيف طلقتها قال طلقتها ثلاثا قال فقال في مجلس واحد قال نعم قال نعم قال فانما تملك واحدة فارجعها ان شئت قال فراجعها قال ابن القيم في اعلام الموقعين وقد صحح الامام هذا الاسناد وحسنه۔ قال الحافظ في فتح الباري الحديث اخرجه احمد وابو يعلى وصححه من طريق محمد بن اسحق وهذا الحديث نص في المسئلة لا يقبل التاويل الذي في غيره من الروايات ابن عباسؓ سے مروی ہے کہ کہا رکانہ نے اپنی بی بی کو تین طلاقیں دیں۔ کہا راوی نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان سے پوچھا کہ تو نے کس طرح طلاق دی ہے رکانہ نے کہا میں نے اس کو تین طلاقیں دی ہیں راوی کہتا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس سے پھر پوچھا کیا ایک ہی مجلس میں انھوں نے کہا کہ ہاں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تو ایک ہی طلاق کا مالک ہوا گر تو چاہے تو اپنی بی بی سے رجعت کرلے کہا کہ رکانہ نے اپنی بی بی سے رجعت کرلی۔ علاوہ ازیں زید کے کلمات طلاق کو تاکید پر محمول کرنا قواعد شرع کے زیادہ موافق و انسب ہے چونکہ طلاق ابغض المباحات ہے۔ واللہ اعلم بالصواب۔

خط بالا اور فتویٰ بالا کا جواب حسب ذیل گیا

السلام علیکم۔ تین طلاق کا ایک ہونا جمہور کے مذہب کے خلاف ہے اور جن دلائل سے اس پر استدلال کیا گیا ہے جمہور نے سب کا جواب دیا ہے اور دلائل کی قوت اور ضعف کو تو علماء سمجھ سکتے ہیں مگر عوام کے لئے تو ایک سہل طریق یہ ہے کہ اگر یہ شخص طلاق دینے والا مذاہب اربعہ میں سے کسی مذہب کا مقلد ہے تو نفسانی شہوانی یا اور کسی دنیوی مصلحت سے اپنے امام کی مخالفت کرنا جس کے قول کو دین اور راجح سمجھتا ہے دنیا کو دین پر ترجیح دینا ہے اور مذاہب اربعہ وقوع ثلث پر متفق ہیں نقله النووی عن الشافعي ومالك وابي حنيفة واحمد وجماهير العلماء من السلف والخلف اور اگر وہ کسی مذہب کا مقلد نہیں ہے تو مشتبہ میں احتیاط پر عمل کرنا خود حدیث میں مامور بہ ہے کما روی مسلم امره صلی الله علیه وسلم لسودة بالاحتجاب من حکم بثبوت

تسبیہ مزاحمت۔ اور اس میں فتویٰ کے اخیر مضمون کا جواب بھی ہوگیا کہ تاکید پر محمول کرنا قواعد شرع کے زیادہ موافق ہے حیرت ہے مشتبہ پر اقدام اقرب الی الشرع ہے یا اس سے احجام اور ابغض المباحات ہونا تو اس کو مقتضی ہے کہ طلاق دینے والا طلاق نہ دے نہ یہ کہ طلاق واقع کرنے کے بعد اُس کو واقع نہ کہا جاوے بلکہ تامل کے بعد تو معلوم ہوتا ہے کہ ابغض مباحات ہونا اُس کو مقتضی ہے کہ زجراً وقوع کا حکم دیا جاوے تاکہ آئندہ اس ابغض کا ارتکاب نہ کریں ورنہ اگر ایسی گنجائشیں دیجاویں گی تو ایقاع پر زیادہ بیباک ہوجاوینگے کہ ایقاع سے کچھ ضرر تو ہوتا ہی نہیں خوب آزادی سے واقعے کرتے رہو منصف کیلئے تو اتنا کافی ہے باقی دلائل کا جواب سو ابن القیم نے اس باب میں بہت دلائل جمع کئے ہیں اور یہاں مدرسہ میں اُس کا مفصل جواب لکھا گیا ہے جو شائع ہونے والا ہے اگر کسی کا دل چاہے یہاں آکر ملاحظہ فرمالیں مگر اس مقام پر بہت مختصر کچھ عرض کئے دیتا ہوں۔

۱ غصہ میں جو تفصیل لکھی گئی ہے اس کی کوئی دلیل نہیں لکھی اگر ابوداؤد کی حدیث کو دلیل سمجھا جاوے تو اوّل تو اُس میں لفظ اغلاق ہے لفظ غضب نہیں اور اگر اُس کی تفسیر میں کئی وجوہ محتمل ہیں ایک غضب جس پر مفسّر کو بھی وثوق نہیں خود اظنہ کہہ رہے ہیں تو کیا تفسیر مظنون دوسرے پر حجت ہوجاوے گی بعض نے اکراہ کے ساتھ تفسیر کی ہے جیسا مجمع البحار و قاموس میں نقل کیا ہے بلکہ یہ تفسیر بہ نسبت غضب کے اقرب ہے کیونکہ عتاق غضب میں کم واقع ہوتا ہے اور اکراہ میں دونوں واقع کئے جاتے ہیں گو وقوع فی الاکراہ بھی مختلف فیہ ہے اور بعض محدثین فقہاء سے جیسے یہ تفسیر سنی ہے کہ کلام مغلق مُراد ہے یعنی تکلم کے وقت الفاظ مفہوم نہ ہوئے ہوں جیسا منہ میں کوئی چیز بھری ہو یا کسی نے منہ پر زور سے ہاتھ رکھ لیا ہو۔ قاموس میں بھی اس کی تائید کلام غلق کلف مشکل چونکہ اس صورت میں الفاظ ادا نہ ہوں گے اور طلاق کا تعلق الفاظ سے ہے محض قصد نہیں لہٰذا واقع نہ ہوگا جیسا ابوداؤد نے باب فی الوسوسہ بالطلاق میں ایک حدیث اسی مضمون کی نقل کی ہے اور بعض نے اس کو نہی پر محمول کیا ہے۔ مجمع البحار میں ہے او معناہ لا تغلق الطلقات دفعۃ واحدۃ حتی لا یبقی منھا شیٔ ولکن تطلق طلاق السنۃ تو اپنے احتمالات کے ہوتے ہوئے کسی خاص تفسیر پر استدلال کا مبنی کرنا کیسے صحیح ہوگا اذا جاء الاحتمال بطل الاستدلال۔ دوسرے غضب کی تفسیر مان لینے پر ابن القیم کی تفصیل کی کیا دلیل ہے ظاہر ہے کہ حدیث تو مطلق ہے اس میں کوئی قید لگانا کسی دوسری دلیل کلی یا جزئی سے ہوگا کیونکہ خود ابن القیم کا قول تو حجت نہیں سو جیسے دوسرے دلائل سے اس حدیث کا مأول کرنا جائز ہے اسی

طرح دوسرے دلائل سے ابن عباس اور رکانہ کی حدیث کا ماؤل کرنا جائز ہے اور اگر ان حدیثوں میں تاویل جائز نہیں تو حدیث غضب میں بھی تاویل جائز نہیں بلکہ غضب کے تینوں درجوں میں وقوع طلاق کا حکم کرنا چاہیئے۔ اب صرف ابن عباس ورکانہ کی حدیث میں کلام باقی رہ گیا۔ سو دونوں استدلال کا جواب کافی نووی کے کلام میں موجود ہے جس کو ملخصاً نقل کرتا ہوں وہاں کسی عالم سے خواہ مجیب صاحب سے ترجمہ کرا لیجیے

واحتجوا ای الجمہور ایضا بحدیث رکانۃ انہ طلق امرأتہ البتۃ فقال لہ النبی صلی اللہ علیہ وسلم آللہ ما اردت الا واحدۃ قال آللہ ما اردت الا واحدۃ فھذا دلیل علی انہ لو اراد الثلاث لوقعن و الا فلم یکن لتحلیفہ معنی واما الروایۃ التی رواھا المخالفون ان رکانۃ طلق ثلاثا فجعلھا واحدۃ فروایۃ ضعیفۃ عن قوم مجھولین وانما الصحیح منھا ما قدمناہ انہ طلقھا البتۃ ولفظ البتۃ محتمل للواحدۃ والثلاث ولعل صاحب ھذہ الروایۃ الضعیفۃ اعتقد ان لفظ البتۃ یقتضی الثلاث فرواہ بالمعنی الذی فھمہ وغلط فی ذلک الی قولہ واما حدیث ابن عباس فاختلف العلماء فی جوابہ وتاویلہ فالاصح ان معناہ انہ کان فی اول الامر اذا قال لھا انت طالق انت طالق انت طالق ولم ینو تاکیدا ولا استینافا یحکم بوقوع طلقۃ لقلۃ ارادتھم الاستیناف بذلک فحمل علی الغالب الذی ھو ارادۃ التاکید فلما کان فی زمن عمر رضی و کثر استعمال الناس بھذہ الصیغۃ وغلب منھم ارادۃ الاستیناف بھا حملت عند الاطلاق علی الثلاث عملا بالغالب السابق الی الفھم منھا فی ذلک العصر اھ۔

اور رکانہ کی حدیث کے متعلق نووی کے تحقیق مذکور کی تائید خود ابو داؤد کی تصریح سے ہوتی ہے انھوں نے اول ابن عباس کی حدیث جو سوال میں مذکور ہے بسند ابن جریج عن بعض بنی ابی رافع عن عکرمۃ عن ابن عباس روایت کی ہے جس میں لفظ ثلاثا ہے پھر دو صفحے کے بعد نافع بن عجیر بن عبد یزید بن رکانہ اور عبد اللہ بن علی بن یزید بن رکانہ کی سند سے نقل کی ہے جس میں لفظ البتہ ہے اور نافع اور عبد اللہ کی روایت کو ابن جریج کی روایت پر اس عبارت سے ترجیح دی ہے ایک عبارت ابن جریج کی روایت کے بعد ہے وحدیث نافع بن عجیر وعبد اللہ بن علی بن یزید بن رکانۃ عن ابیہ عن جدہ ان رکانۃ طلق امرأتہ (وفی نسخۃ البتۃ) فردھا الیہ النبی صلی اللہ علیہ وسلم اصح لانھم ولد الرجل واھلہ اعلم بہ الخ اور ایک عبارت نافع وعبد اللہ کی روایت کے بعد ہے وھذا اصح من حدیث ابن جریج ان رکانۃ طلق امرأتہ ثلاثا لانھم اھل بیتہ وھم اعلم بہ الخ قلت معنی قولہ فردھا الیہ یعنی بالنکاح لانھا مطلقۃ بتطلیقۃ

واحدۃ البتۃ (فتح ابوداؤد) اور ایک جواب ابن عباس کی حدیث کا نحو اسی حدیث کے دوسرے طریق سے ہے وھو
ما فی سنن ابی داؤد عن طاؤس ان رجلا یقال لہ ابو الصھباء کان کثیر السوال لابن عباس قال اما علمت
ان الرجل کان اذا طلق امرأتہ ثلثا قبل ان یدخل بھا جعلوھا واحدۃ علی عھد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم
وابی بکر وصدرا من امارۃ عمر قال ابن عباس بلی کان الرجل اذا طلق امرأتہ ثلثا قبل ان یدخل بھا
جعلوھا واحدۃ علی عھد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم وابی بکر وصدرا من امارۃ عمر فلما رأی الناس قد تتابعوا فیھا قال اجیزوھن علیھم
اس میں غیر مدخول بہا کی قید ہے جس سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ حکم علی الاطلاق نہ تھا اور محمل اس کا یہ ہے کہ غیر
مدخول بہا کو جب متفرقاً طلاق دی تو وہ اول ہی صیغے سے نکاح سے نکل گئی اسلئے دوسرا تیسرا طلاق واقع
نہ ہوگا اگرچہ استیناف ہی کی نیت ہو۔ پھر لوگوں نے مدخول بہا کو اُس پر قیاس کرکے اسی طرح طلاق دینا
شروع کردیا اور باوجود نیت استیناف کے اُس کو ایک قرار دینے لگے ہوں گے اس واسطے حضرت عمرؓ
نے اصلی حکم کو ظاہر فرماکر اس پر لوگوں کو مجبور فرمایا۔ اور عون المعبود سے جو رکانہ کی حدیث نقل کرکے کہا
گیا ہے۔ وھذا الحدیث نص فی المسئلہ لا یقبل التاویل الذی فی غیرہ من الروایات۔
بعد تسلیم تصحیح یا تحسین کی (جس کی میں اس وقت تحقیق نہیں کرسکا) دعویٰ عدم قبول تاویل کا ظاہر البطلان
ہے وہ تاویل جو اس لئے بھی ضروری ہے کہ اُس سے سب روایات جمع ہوجاتی ہیں) یہ ہے کہ اُس وقت
تعدد میں عادت غالبہ تاکید کی ہوتی تھی اور تاکید کے لئے مجلس واحد شرط ہے تو مجلس واحد علامت تھی
ارادۂ تاکید کی پس مقصود آپ کا سوال عن التاکید تھا جس کی یہ ایک تعبیر ہے خواہ یہ روایت باللفظ ہو
خواہ بالمعنی۔ چنانچہ دوسری روایت میں آپ کا یہ ارشاد واللہ ما اردت الا واحدۃ۔ اس کی
تصریح دلیل ہے اور اس سوال کا یہ بھی مقتضا ہے کہ طلاق متفرق پر محمول کیا جاوے کیونکہ صیغہ واحدہ میں
تو مجلس کا تعدد ہو ہی نہیں سکتا جب صیغہ متفرق تھا تو حمل علی التاکید سے کوئی امر آبی نہیں یہ مختصر کلام تھا
ابن عباس و رکانہ کی حدیث میں۔ اب اس مذہب وقوع واحد علی الطلاق پر عمل کرنے کو علماء نے نا
جائز کہا ہے چنانچہ ابوداؤد کے حاشیہ پر عینی سے نقل کیا گیا ہے۔ وقالوا من خالف فیہ فھو شاذ مخالف
لاھل السنۃ وانما تعلق بہ اھل البدع ومن لا یلتفت الیہ لشذوذہ عن الجماعۃ اور فتح القدیر میں ابن
الہمام کا قول نقل کیا گیا ہے لم ینقل عن احد منھم انہ خالف عمر حین امضی الثلاث وھو یکفی فی الاجماع الخ
اور ایک بڑی بات یہ ہے کہ اس مذہب پر عمل کرنے میں حضرت عمر رضی اللہ عنہ جن کی اقتدا ء حدیث صحیح

میں مامور بہ ہے اور جمہور صحابہ اور ائمہ مجتہدین کی تضلیل لازم آتی ہے کیونکہ اُن کے اس قول کو عدم اطلاع حدیث پر محمول کرنا ممکن نہیں خود اُن کا یہ قول اُس سے آبی ہے جو مسلم میں مروی ہے فقال عمرؓ ان الناس قد استعجلوا فی امر کانت لھم فیہ اناۃ فلو امضیناہ علیھم فامضاہ اور جمہور کے مذہب پر کوئی محذور لازم نہیں آتا اور سب حدیثوں پر اپنی اپنی جگہ عمل رہتا ہے۔ فاختر ای السبیلین شئت فقط۔ ۲۹ صفر ۱۳۵۱ھ

تمت رسالہ رد التوحید

رسالہ افکار دینی ضمیمہ اخبار بینی

بعد الحمد و الصلوٰۃ۔ احقر نے ۱۳۴۱ھ میں ایک رسالہ اخبار بینی کے مفاسد کے متعلق لکھا تھا اور یہی اُس کا نام تھا۔ اور اس کے ختم پر بعنوان تنبیہ یہ تصریح کر دی تھی کہ اگر کسی اخبار کے بائع و مشتری میں یہ مفاسد نہ ہوں تو میں حلال کو حرام نہیں کہتا لیکن اس کا مصداق بہت قلیل ہے چونکہ اس تنبیہ کا مضمون گو مبہم تو نہ تھا بلکہ مفسر تھا لیکن مجمل تھا اس لئے قاصر النظر لوگوں نے اس کو یا دیکھا نہیں یا سمجھا نہیں۔ اور بیجا اعتراضات کرنے لگے اور کہنے لگے کہ اس حالت میں تو اخبار کا وجود ہی اُڑ جائے گا۔ اس لازم کی تغلیط کے لئے میری ایک تقریر ملفوظ اور ایک تحریر محفوظ شائع ہو چکی ہے۔ اس وقت سہولت ناظرین کے لئے مناسب معلوم ہوا کہ ان دونوں کے مختصر اقتباسات سے نفس اخبار کی مشروعیت اور خاص آداب سے اس کی مشروعیت قلمبند کر کے دکھلا دیں کہ ان آداب کی رعایت کیساتھ اخبار جاری رہ سکتا ہے۔ البتہ بقدر ضرورت علم دین کی ضرورت ہے اور اگر خود ایڈیٹر صاحب ذی علم نہ ہو تو اخبار کا مسودہ مرتب کر کے کسی محقق بصر عالم کی خدمت میں خود حاضر ہو کر اصلاح کیلئے پیش کرے۔ وہ ان مضامین کو آداب شرعیہ پر منطبق فرما کر زبانی سمجھا دیں گے۔ ذیل میں انہیں آداب کی تفصیل ہے۔ اور اس عجالہ کو افکار دینی کے لقب سے اور اُس کے اجزاء کو عنوان فکر سے ملقب کرتا ہوں۔ اور اس کو اخبار بینی کا ضمیمہ بناتا ہوں۔

(فکر اول) جو اخبار حدود شرعیہ کے خلاف ہو اُس کا مذموم ہونا اس آیت سے معلوم ہوتا ہے۔ واذا جاءھم امر من الامن او الخوف الیٰ قولہ یستنبطونہ منھم یعنی جب ان لوگوں کو کسی امر جدید کی خبر پہنچتی ہے خواہ (وہ امر موجب) امن ہو یا (موجب) خوف تو اس (خبر) کو فوراً مشہور کر دیتے ہیں۔ (اس میں ایسے اخبار اور ایسے جلسے بھی آگئے حالانکہ کبھی وہ غلط ہوتی ہے کبھی اس کا مشہور کرنا خلاف

مصلحت ہوتا ہے) اور اگر (بجائے خود مشہور کرینگے) یہ لوگ اس (خبر) کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم (کی رائے) کے اوپر اور جو ان میں ایسے امور کو سمجھتے ہیں (یعنی اکابر صحابہ) ان (کی رائے) کے اوپر حوالہ رکھتے (اور خود کچھ دخل نہ دیتے) تو اس کو وہ حضرات پہچان لیتے جو ان میں تحقیق کر لیا کرتے ہیں (پھر جیسا یہ حضرات عملدرآمد کرتے ویسا ہی ان خبر اڑانے والوں کو کرنا چاہئے تھا) (نساء)

(فکر ثانی) اور جو اخبار حدود شرعیہ کے اندر ہو سو اس کا مفید ہونا اس حدیث سے معلوم ہوتا ہے یعنی ابن ابی ہالہ سے (ایک لانبی حدیث میں) روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اپنے اصحاب کے حالات کی تلاش رکھتے تھے اور (خاص) لوگوں سے پوچھتے رہتے کہ (عام) لوگوں میں کیا واقعات (ہو رہے) ہیں (شمائل ترمذی) ف اخبار کا یہی حاصل ہے۔

(فکر ثالث) اس باب میں سب سے پہلے یہ جاننا ضروری ہے کہ کسی بات کا قلم سے لکھنا بعینہ وہی حکم رکھتا ہے جو زبان سے کہنے کا ہے۔ جس بات کا زبان سے ادا کرنا ثواب ہے اس کا قلم سے لکھنا بھی ثواب ہے۔ اور جس کا بولنا گناہ ہے اس کا قلم سے لکھنا بھی گناہ ہے بلکہ لکھنے کی صورت میں ثواب اور گناہ دونوں میں ایک زیادتی ہو جاتی ہے۔ کیونکہ تحریر ایک قائم رہنے والی چیز ہے مدتوں تک لوگوں کی نظر سے گذرتی رہتی ہے اس لئے جب تک وہ دنیا میں موجود رہے گی اور لوگ اس کے اچھے یا برے اثر سے متاثر ہوتے رہیں گے۔ اس وقت تک کاتب کیلئے اس کا ثواب یا عذاب جاری رہے گا۔ اس لئے ہر مضمون نگار کا فرض ہے کہ ہر مضمون پر قلم اٹھانے سے پہلے اس کو مندرجہ ذیل معیار پر جانچ لے اور درحقیقت یہی معیار تمام اُن اداب کی مجمل تصویر کا ہے جن کی تفصیل ہم اس وقت ہدیہ ناظرین کرنا چاہتے ہیں۔

(فکر رابع) مضمون نگاری اور اخبار نویسی میں مذہبی جرائم اور شرعی گرفت سے بچنے کا سب سے بہتر ذریعہ اور جامع مانع اصول یہ ہے کہ جس وقت کسی چیز کے لکھنے کا ارادہ کرے پہلے اپنے ذہن میں استفتاء کرے کہ اس کا لکھنا میرے لئے جائز ہے یا نہیں اگر جائز ثابت ہو تو قدم آگے بڑھائے ورنہ بعض لوگوں کے خوش کرنے کیلئے گناہ میں ہاتھ رنگ کر پرائی بدشگونی کے لئے اپنی ناک نہ کاٹے۔ اور اگر خود احکام شرعیہ میں ماہر نہ ہو تو کسی ماہر سے استفتاء کرنا ضروری ہے یہ ایک شرعی اجمالی قانون ہے جو فقط اخبار نویسی میں نہیں بلکہ ہر قسم کی تحریریں ہر مسلمان کا مطمح نظر ہونا چاہئے اس کے بعد ہم اس کی تفصیل چند نمبروں میں ہدیہ ناظرین کرتے ہیں۔

(۱) جو واقعہ کسی شخص کی مذمت اور معائب پر مشتمل ہو۔ اس کو اس وقت تک ہرگز شائع نہ کیا جائے جب تک حجت شرعیہ سے اس کا کافی ثبوت نہ ملجائے۔ کیونکہ جھوٹا الزام لگانا یا افترا باندھنا کسی کافر پر بھی جائز نہیں لیکن آہ آج اہل قلم اس سے غافل ہیں۔ اور اخبار کا شاید کوئی صفحہ اس سے خالی ہوتا ہو۔

(۲) یہ بات بھی یاد رکھنا ضروری ہے کہ اس معاملہ میں حجت شرعیہ کیلئے کسی افواہ کا عام ہونا یا کسی اخبار کا لکھ دینا ہرگز کافی نہیں بلکہ شہادت شرعیہ ضروری ہے کیونکہ دور حاضر کے تمام اخبارات کے صد ہا تجربات نے اس بات کو ناقابل انکار کر دیا ہے کہ بہت سے مضامین اور واقعات اخبارات میں شائع ہوتے ہیں اور جس شخص کی طرف سے شائع کئے جاتے ہیں اس غریب کو خبر تک نہیں ہوتی۔ اور یہ صورت کبھی تو قصداً کیجاتی ہے اور کبھی سہواً و خطا ہو جاتی ہے اس لئے اگر کسی اخبار میں کسی شخص کے حوالہ سے کوئی مضمون یا واقعہ نقل کر دیا جائے تو شرعاً اس کو ثابت نہیں کیا جا سکتا۔ البتہ اگر یہ واقعہ کسی کی مذمت یا مضرت و عیب جوئی پر مشتمل نہ ہو تو پھر ضعیف ثبوت بھی کافی ہے۔ اور اس کو نقل کر کے شائع کر دیا جائے۔

(۳) کسی شخص کے عیب یا گناہ کا واقعہ اگر حجت شرعیہ سے بھی ثابت ہو جائے تب بھی اس کی اشاعت اور درج اخبار کرنا جائز نہیں بلکہ اس وقت فرض یہ ہے کہ خیر خواہی سے تنہائی میں اس کو سمجھایا جائے۔ اگر سمجھانے کو نہ مانے اور آپ کو قدرت ہو تو جبراً اس کو روک دیں۔ ورنہ کلمہ حق پہنچا کر آپ اپنے فریضہ سے سبکدوش ہو جائیں۔ اس کی اشاعت کرنا اور رسوا کرنا علاوہ نہی شرعی کے تجربہ سے ثابت ہے کہ بجائے مفید ہونیکے ہمیشہ مضر ہوتا ہے۔ اور اسی لئے رحمۃ اللعالمین صلی اللہ علیہ وسلم نے متعدد احادیث میں اسکی تاکید فرمائی ہے کہ اگر اپنے بھائی مسلمان کا کوئی عیب یا گناہ ثابت ہو تو اس کو رسوا نہ کرے۔ بلکہ پردہ پوشی سے کام لے اور خفیہ اس کو سمجھائے کیونکہ یہی طرز زیادہ موثر اور مفید ثابت ہوا ہے۔

(۴) البتہ اگر کسی مسلمان کا عیب یا گناہ حجت شرعیہ سے ثابت ہو کہ جس کا نقصان اپنی ذات کو پہنچتا ہے اور یہ اس سے مظلوم ٹھہرتا ہے۔ تو پھر اس کی برائی کو علانیہ شائع کر سکتا ہے اس کے متعلق حق تعالیٰ کا ارشاد ہے۔ لا یحب اللہ الجھر بالسوء من القول الا من ظلم۔ ترجمہ اللہ تعالیٰ برائی کے اعلان کو پسند نہیں فرماتے مگر جس پر ظلم کیا گیا ہو (وہ ظالم کے ظلم کا اعلان کر سکتا ہے) امام تفسیر مجاہدؒ کہتے ہیں کہ اس آیت کی مراد یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ اس کو پسند نہیں فرماتے کہ کوئی شخص کسی کی مذمت یا شکایت کرے لیکن اگر کسی پر ظلم ہو تو اسکے لئے جائز ہے کہ ظالم کی شکایت کرے اور اپنے معاملہ کا اعلان کرے اور اس کے

ظلم کو لوگوں پر ظاہر کرے (روح المعانی) لیکن اس صورت میں بھی بہتر یہ ہے کہ عام اعلان و اشاعت کے بجائے صرف ان لوگوں کے سامنے بیان کرے جو اس کی دادرسی کر سکیں۔

(۵) اگر کسی اخبار میں کوئی قابل تردید غلط مضمون کسی شخص کے نام سے طبع ہوا ہو تو اُس کے جواب میں صرف اس پر اکتفا کیا جائے کہ فلاں اخبار نے ایسا لکھا ہے۔ اس کا جواب یہ ہے اس شخص کی ذات پر کوئی حملہ نہ کیا جائے۔ کیونکہ ابھی تک کسی حجت شرعیہ سے یہ ثابت نہیں ہوا کہ واقع میں یہ مضمون اس شخص کا ہے۔

(۶) جو خبر کسی شخص کی مذمت اور ضرر پر مشتمل نہ ہو اس کی اشاعت جائز ہے مگر اس شرط سے کہ اس کی اشاعت کسی مسلمان کی خاص مصلحت یا عام مصلحت کے خلاف نہ ہو اور جس میں ایسا احتمال ضعیف بھی ہو تو بجز ان لوگوں کے جو عقل اور شرع کے موافق اس معاملہ کو ہاتھ میں لئے ہوئے ہوں۔ عام لوگوں پر اس کو ظاہر کرنا نہ چاہئے۔ کیونکہ ممکن ہے کہ اس کے نقصانات کی طرف اس شخص کی نگاہ نہ پہونچی ہو آیت و اذا جاءهم امر من الامن او الخوف اذاعوا به میں ایسے ہی اخباروں اور جلسوں کی مضرت اور مذمت کو بیان فرمایا ہے (جیسا اوپر بھی گذرا ہے) لیکن مسلمانوں کیلئے مناسب ہے کہ اس کو بھی محض خبر کی حیثیت سے نقل نہ کرے بلکہ اس سے کوئی دینی یا دنیوی فائدہ پیدا کرے۔ اس کی نقلی دلیل یہ ہے۔ من حسن اسلام المرء ترکه مالا یعنیه۔ ترجمہ۔ انسان کے اسلام کے اچھا ہونے کی علامت یہ ہے کہ بے فائدہ کاموں کو چھوڑ دے۔ اور عقلی دلیل یہ ہے کہ کوئی خبر خود مقصود نہیں ہوتی بلکہ ہمیشہ کسی انشاء کا ذریعہ ہو کر مقصود کی صورت اختیار کر لیتی ہے۔ اور در اصل مقصود کوئی فصل ہوتا ہے جو اس خبر سے متعلق ہو اس لئے بہتر ہے کہ نتائج اخبار کو بھی ذکر کر کے اُس کے اذادہ میں اضافہ کر دیا جائے۔ مثلاً آپ کسی شخص کے متعلق یہ خبر درج کرتے ہیں کہ اس نے چند ہزار روپیہ کسی مدرسہ یا مسجد یا کسی اور نیک کام میں صرف کیا تو اس کے بعد اس شخص کے لئے دعا ترقی اور دوسرے مسلمانوں کیلئے اس کی ترغیب ذکر کر دی جائے۔ یا مسلمانوں کی کسی جماعت یا ایک شخص کی مصیبت کا ذکر آیا تو خود بھی دعا کرے اور مسلمانوں کو بھی اس کی طرف متوجہ کرے۔ نیز یہ کہ جس سے ہو سکے تو اس کی مادی امداد بھی کرے کسی کی موت کا ذکر کیا ہے تو لوگوں کو اس طرف متوجہ کرے کہ عبرت حاصل کریں اور اپنے لئے اس وقت کیلئے سامان تیار کریں اول تو کوئی واقعہ اور کوئی خبر دنیا میں ایسی کم ہوتی ہے جو نتیجہ خیز نہ ہو یا جس سے کوئی دینی یا دنیوی فائدہ متصور نہ ہو۔ لیکن اگر کوئی خبر ایسی بھی ہو تب بھی اس کو محض تفریح طبع کی مد میں ذکر کر دینا مضائقہ نہیں بلکہ یہ بھی ایک درجہ میں شرعاً مطلوب ہے جب اعتدال کیساتھ ہو۔ اور حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا بعض اوقات

مزاح و خوش طبعی، فرمانا اس حکمت پر مبنی تھا۔

(۷) خلاف شرع مضامین اور ملحدین کے عقائد باطلہ اول تو شائع نہ کئے جائیں اور اگر کسی ضرورت سے اشاعت کی نوبت آئے تو جس پرچہ میں شائع ہوں اسی پرچہ میں ان کی تردید اور شافی جواب بھی ضرور شائع کر دیئے جائیں آئندہ پرچہ میں اس کو حوالہ نہ کیا جائے۔ کیونکہ بہت سے آدمی وہ ہوتے ہیں جن کی نظر سے آئندہ پرچے نہیں گذرتے۔ خدانخواستہ اگر وہ اس سے کسی شبہ میں گرفتار ہوگئے تو اُس کا سبب شائع کرنے والا ہوگا۔

(۸) اگر مسلمانوں پر کافروں کے ظلم کی خبر شائع کرنا ہو تو جب تک اس ظلم کی نسبت کافروں کی طرف حجت شرعیہ سے ثابت نہ ہو اس طرح شائع کیا جائے کہ فلاں مقام کے مسلمانوں پر مظالم ہو رہے ہیں مسلمان ان مظالم کا انسداد کریں۔ اور جائز طریق پر اُن کی جانی و مالی امداد کریں۔

(۹) اخبار کا اڈیٹر ہمیشہ ایسا شخص ہے جو تمام علوم اسلامیہ پر عبور رکھتا ہو یا کم از کم علماء سے رجوع کرنے کا پابند ہو اور مذہب سے ہمدردی رکھنے والا ہو۔ ورنہ ظاہر ہے کہ اخبار اشاعت بیدینی و بیقیدی کا ایک کامیاب آلہ ہے۔

(۱۰) کسی ایک کتاب کا جو دین کو مضر ہو یا ایسی دوا کا جو شرعاً حرام ہو یا کسی ایسے معاملہ کا جو شرعاً فاسد ہو اشتہار نہ دیا جائے اور نہ اخبار میں تصویر بنائی جائے۔

یہ مختصر گذارش ہے جو محض دلسوزی اور ہمدردی پر مبنی ہے اگرچہ زمانہ کی مسموم ہوا میں کارگر ہونے کی توقع نہیں لیکن بایں ہمہ امید کہ شاید خدا تعالیٰ کسی نیک بندہ کو عمل اور اصلاح کی توفیق عطا فرمائیں یہ سب عرض کر دیا گیا ہے۔ وللہ الحمد۔

فکر خامس۔ آدمی دنیا میں ذخیرہ آخرت جمع کرنے کیلئے آیا ہے پس اصل کام اس کا شغل دینی ہے لیکن بضرورت اسی شغل دینی کی اعانت و تقویت کیلئے دنیوی مشاغل کی بھی اجازت دی گئی ہے بشرط اعتدال و اباحت۔ پس اسی قاعدہ کو پیش نظر رکھ کر جو چیز اس دائرہ سے باہر ہو اس سے مجتنب رہے اور اسی قاعدہ کی معرفت کیلئے کتب و رسائل دینیہ کا پڑھنا سننا اور علماء کی صحبت لازم سمجھے۔

وما علینا الا البلاغ المبین

تمت الضمیمہ۔ ۴ ر شعبان ۱۳۴۹ھ

رسالہ تمیز العشق من الفسق

بعد الحمد و الصلوٰۃ۔ جب رسالہ السنۃ الجلیہ فی الچشتیہ العلیہ کی تحریر سے فارغ ہوا کئی روز بعد دفعۃً قلب پر وارد ہوا کہ جن غلطیوں کی اصلاح کیلئے رسالہ مذکورہ لکھا گیا ہے اُس قسم کی ایک غلطی میں مدعیان تصوف کی ایک کثیر جماعت مبتلا ہے جس کا منشا بعض بزرگوں کو اقوال یا احوال کو غلط سمجھنا ہے اور وہ غلطی صور جمیلہ سے تعلق ہے اگرچہ محل حلال میں نہ ہو جس کا نام عرف میں حسن پرستی یا عشق مجازی ہے مثلاً مولانا جامیؒ فرماتے ہیں ؎

متاب[۱] از عشق رو گرچہ مجازی ست   کہ آں بہر حقیقت کارسازی ست

اور مولانا رومی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں ؎

عاشقی[۲] گر زیں سر و گر زاں سر ست   عاقبت مارا بداں شہ رہبر ست

اور مثلاً بعض بزرگوں کی طرف ایسے واقعات کو منسوب کرنا چونکہ بعض کو اس میں اتنا غلو ہو گیا کہ بجائے معصیت سمجھنے کہ اُس کو واسطہ مشاہدہ حق سمجھ کر طاعت سمجھنے لگے اور اس اعتبار سے یہ غلطی اشد ہے تو مثل اُن اغلاط کے اس کی اصلاح بھی ضروری ہے اور چونکہ یہ غلطی ایک امتیاز[۳] شان رکھتی تھی اور باوجود اس کے اغلاط رسالہ سے مناسبت بھی رکھتی تھی اس لئے نظر بامتیاز اس کو مستقل رسالہ قرار دے کر ایک خاص نام بھی رکھدیا گیا تمیز العشق من الفسق اور نظر بمناسبت رسالہ مذکورہ کیساتھ ملحق کر دیا گیا۔ یہ چند سطریں اسی باب میں ہیں۔ اور اس میں دو بحث ہیں ایک اجمالی۔ ایک تفصیلی۔

اجمالی تو یہ ہے کہ ان ہی حضرات کے دوسرے اقوال اسکے خلاف بھی ہیں مولانا جامیؒ ہی کا قول اُس قول کے بعد یہ ہے ؎

ولے[۴] باید کہ در صورت نمانی   وزیں پل زود خود را بگذرانی

اور مولانا رومیؒ کا قول اُسی قول کے قریب یہ بھی ہے ؎

---

[۱] عشق سے اعراض نہ کر اگرچہ وہ مجازی ہو کیونکہ وہ عشق حقیقی کے لئے سبب ہے ۱۲ [۲] عشق اگر اس شئے کا ہو یا اُس شئی کا لوازم ملکی کسی شئی کا ہو محبوب ہے کیونکہ آخر کار ہمارے لئے اُس بادشاہ محبوب حقیقی کی طرف رہبر ہے ۱۲ مترجم [۳] امتیاز شان یہ ہے کہ اس میں موجب بعد کو موجب قرب بنایا گیا ہے بخلاف سائر الاغلاط ۱۲ [۴] لیکن یہ ضرور ہے کہ صورت (یعنی عشق مجازی) میں نہ رہ جائے تو (کیونکہ یہ مثل پل کے ہے) اور اس پل سے بہت جلد گذر جانا چاہئے ۱۲ منہ

عشقہائے کز پئے رنگے بود | عشق نبود عاقبت ننگے بود
عشق بامردہ نہ باشد پائیدار | عشق را باحیّ وباقیوم دار
زانکہ عشق مردگاں پایندہ نیست | چونکہ مردہ سوئے ما آئندہ نیست
عشق آں زندہ گزیں کو باقی ست | وز شراب جانفزایت ساقی ست

اور چونکہ محققین کے اقوال اُن کے دوسرے اقوال واحوال سے متعارض نہیں ہوتے لہذا اُن کے اقوال واحوال موہمہ شابت النسبتہ کے محامل وہ نہیں ہیں جو تمسکین نے سمجھے ہیں۔ یہ تو اجمالی بحث ہے۔ اور تفصیلی بحث یہ ہے کہ اُن کے محامل صحیحہ کو بتلا دیا جائے اور وہ محامل طرق ہیں عشق مجازی کے موصل الی الحقیقۃ ہونیکے سو اس کے متعلق میں اس سے قبل دوسرے رسالوں میں بقدر ضرورت لکھ چکا ہوں۔ چنانچہ اس وقت ایسی دو تحریریں میرے سامنے ہیں ایک میں اس مرض کے ازالہ کی دوسری میں عشق حقیقی کی طرف امالہ کی تدبیر ہے اور دونوں کا دخل ایصال مذکورہ میں ظاہر ہے سو اُن کو نقل کر دینا کافی سمجھتا ہوں۔

تحریر اول بجواب بعضے اہل ابتلاء مشفقم السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ۔ اول یہ سمجھ لینا چاہیئے کہ بدون ہمت کے آسان سے آسان کام بھی نہیں ہوتا۔ دیکھئے امراض ظاہری کے علاج کیلئے دوائے تلخ و ناگوار پینا پڑتی ہے چونکہ صحت مطلوب ہوتی ہے اس لئے ہمت کر کے پی جاتے ہیں اور امراض باطنی میں تو زیادہ اس کی ضرورت ہوگی۔ جب یہ امر معلوم ہوا تو اب اُس کا علاج سنئے اور ہمت کر کے بنام خدا اس کا استعمال کیجئے انشاء اللہ تعالیٰ شفائے کامل حاصل ہوگی۔ علاج اُس کا مرکب ہے چند اجزاء سے۔

اوّل۔ اُس مُردار سے قطعاً تعلق ترک کر دیجئے۔ یعنی اُس سے بولنا چالنا اُس کو دیکھنا بھالنا آنا جانا حتیٰ کہ دوسرا شخص بھی اگر اُس کا تذکرہ کرے قطعاً نہ کیا جاوے بلکہ قصداً بتکلف کسی بہانہ سے اُس کو خوب بُرا بھلا کہکر اُس سے خلاف وخصومت کر لیجاوے اس طور پر کہ اُس کو ایسی نفرت ہو جائے کہ اصلاً اُس کو ادھر میلان وتوقع رام ہونیکی باقی نہ رہے اور اُس سے ظاہراً اس قدر دوری اختیار کیجائے کہ کبھی غلطی سے بھی اس پر نظر نہ پڑے۔ غرض اُس سے انقطاع کُلی ہو جاوے۔

سلہ جو عشق ومحبت رنگ روپ کی وجہ سے ہوتا ہے وہ حقیقت میں عشق نہیں بلکہ اُس کا انجام ندامت ہے دکیونکہ عشق فانی شئی کے ساتھ قایم نہیں رہ سکتا عشق ساتھ حیّ وقیوم دیعنی خدا تعالیٰ کے رکھنا چاہیئے کیونکہ فانی چیزوں کا عشق دائمی نہیں اسلئے فانی چیزیں دفنا ہوکر ہمارے پاس واپس نہیں آتیں۔ پس عشق اس زندہ کا اختیار کرجو ہمیشہ باقی ہے اور تجھ کو روح تازہ کرنیوالی محبت کی شراب پلاتا ہے ۱۲ مترجم

دوم - ایک وقت خلوت کا مقرر کرکے غسل تازہ کرکے صاف کپڑے پہن کر خوشبو لگا کر تنہائی میں روبقبلہ ہوکر اول دو رکعت نماز توبہ کی نیت سے پڑھ کر اللہ تعالیٰ کے روبرو خوب استغفار اور توبہ کیجائے اور اس بلا سے نجات پینے کی دعا و التجا کیجائے اور پانچ سو لیکر ہزار مرتبہ تک لا اله الا الله کا ذکر اس طرح کیا جاوے کہ لا اله کیساتھ تصور کیا جائے کہ میں نے سب غیر اللہ کو قلب سے نکال دیا اور الا اللہ کیساتھ خیال کیا جاوے کہ میں نے محبت الٰہی کو قلب میں جما لیا - یہ ذکر ضرب کیساتھ ہو -

سوم - جس بزرگ سے زائد عقیدت ہو اُس کو اپنے قلب میں تصور کیا جاوے کہ بیٹھے ہیں اور سب خرافات کو قلب سے نکال نکال کر پھینک رہے ہیں -

چہارم - کوئی حدیث کی کتاب کا ترجمہ ہو یا ویسے ہی کوئی کتاب ہو جس میں دوزخ اور غضب الٰہی کا جو نافرمانوں پر ہوگا ذکر ہو مطالعہ کثرت سے کیا جاوے -

پنجم - ایک وقت معین کرکے خلوت میں یہ تصور باندھا جاوے کہ میں حق تعالیٰ کے روبرو میدان قیامت میں حساب کیلئے کھڑا ہوں اور حق تعالیٰ فرمارہے ہیں کہ لے بے حیا تجھ کو شرم نہیں آتی کہ ہمکو چھوڑ کر ایک مردار کی طرف مائل ہوا کیا تجھ پر ہمارا یہی حق تھا کیا ہم نے تجھ کو اسی لئے پیدا کیا تھا لے بیحیا ہماری ہی دی ہوئی چیزوں کو آنکھ کو دل کو ہماری نافرمانی میں تونے استعمال کیا کچھ شرم بھی آئی - بڑی دیر تک اس مراقبہ میں غرق و مشغول رہنا چاہیئے اور یہ میں پہلے لکھ چکا ہوں کہ گو نفس کو تکلیف پہنچے مگر اس نسخہ کو ہمت کیساتھ نباہ کر کرنا چاہیئے - اللہ تعالیٰ شافی مطلق ہے - والسلام

تحریر دوم طریق و شرائط ایصال عشق مجازی بہ عشق حقیقی

اگر ایسا اتفاق ہو کہ عشق مجازی میں بلا قصد مبتلا ہو جائے تو اول عفت و پارسائی اختیار کرے یعنی کوئی امر خلاف شرع اُس کیساتھ نہ کرے حتیٰ کہ اُس کو قصداً نہ دیکھے نہ اُس سے باتیں کرے نہ اُس کی باتیں کرے و رنہ دل میں قصداً اُس کا خیال کرے کیونکہ مخالفت شرع عشق حقیقی کے منافی ہے اور منافی کے رہتے ہوئے کب امید ہے کہ عشق حقیقی حاصل ہو - دوسرے اُس سے ظاہراً دوری اختیار کرے کہ اتفاقاً و مفاجاتہً بھی اس پر نظر نہ پڑے نہ اُس کی آواز کان میں پہونچے تاکہ اُس سے قلب میں سوز و گداز پیدا ہو اور اگر قصداً یا بغتۃً و اتفاقاً اُس سے متمتع رہا تو عمر بھر اُسی شغل میں رہے گا کبھی نوبت نہ آوے گی کہ ادھر سے مطلوب حقیقی کی طرف توجہ ہو -

تیسرے یہ کہ خلوت و جلوت میں یہ سوچا کرے کہ اس شخص کا کمال یا حسن و جمال کہاں سے آیا اور کس نے عطا کیا جب موصوف مجازی کی یہ دلربائی ہے تو موصوف حقیقی کی کیا شان ہوگی بقول ع

چہ باشد آں نگار خود کہ بندد ایں نگار ہا - اس سے اس کا عشق مخلوق سے خالق کی طرف مائل ہو جاویگا یہی معنی ہیں اس قول کے کہ شیخ کامل عشق مجازی کا ازالہ نہیں کرتا امالہ کر دیتا ہے جس طرح انجن گرم ہو مگر اُلٹا چلتا ہو تو قطع مسافت کرنیوالے کو مناسب نہیں کہ اُس کو بجھا دے بلکہ آگ تو روشن رکھنا چاہیے اور اسکی کَل پھیر کر سیدھا چلا دیا جاوے اور بعض مشائخ نے جو بعض طالبین کو قصداً عشق مجازی پیدا کرنے کا مشورہ دیا ہے مراد اس سے عشق حلال ہے نہ حرام کیونکہ معصیت تو موصل الی اللہ ہو ہی نہیں سکتی اور جو اس مشورہ سے غرض ہے وہ عشق حلال سے بھی حاصل ہے کیونکہ عشق میں گو وہ مجازی ہو یہ خاصیت ضرور ہے کہ اُس سے قلب میں سوز و گداز پیدا ہو جاتا ہے اور اُس میں باقی تعلقات قلب سے دفع ہو جاتے ہیں اور خیال میں یکسوئی پیدا ہو جاتی ہے اب صرف ایک کام باقی رہجاتا ہے کہ اس تعلق کو حق تعالیٰ کی طرف پھیر دیا جاوے تو بہت آسانی سے قلب خالی ہو جاتا ہے جیسے گھر میں جھاڑو دے کر تمام خس و خاشاک ایک جگہ جمع کر لیتے ہیں پھر ٹوکرے میں اٹھا کر باہر ایک دم سے پھینکدیتے ہیں یہ ظاہر ہے کہ اگر ایک ایک تنکا گھر سے اُٹھا کر باہر پھینکا جاوے مدت طویل صرف ہو اور پھر بھی اس قدر صفائی نہ ہو۔ غرض مقصود اصلی ترک تعلقات یا قلب میں رقت و سوز و گداز پیدا کرنا ہے اگر اور طریق سے حاصل ہو جاوے تو بھی کافی ہے۔ بعض نے اس طریق مجازی کو تعلیم کرایا مگر چونکہ اس زمانہ میں اس طریق کے اندر خطرہ شدید ہے کیونکہ نفوس میں شہوت پرستی و لذت جوئی زیادہ ہے اس لئے قصداً ایسے طریق کا بتلانا جائز نہیں ہاں اگر اتفاقاً مبتلا ہو جاوے تو بطریق مذکورہ بالا اس کا امالہ عشق حقیقی کی طرف کر دینا چاہئے اور طریقوں کا بدلجانا زمانہ کے بدل جانے سے کوئی امر عجیب نہیں یہ طریقہ حضرت مرشد علیہ الرحمۃ کا ارشاد فرمایا ہوا ہے۔

تنبیہ - یہ ازالہ یا امالہ کی تدبیریں ہیں اگر ان کا اثر مرتب ہونے میں کسی عارض سے تاخیر ہو جاوے تو پریشان نہ ہوں۔ اس کوشش میں بھی اجر ملتا ہے جو اصل مقصود ہے حتیٰ کہ اگر اسی میں جان بھی جاتی رہے تو شہادت کا ثواب ملتا ہے جیسا کہ ایک حدیث سے ثابت ہے جس کو مقاصد حسنہ میں خطیب و جعفر سراج و ابن مرزبان و دیلمی و طبرانی و خرائطی و بیہقی سے کسی قدر تضعیف کیساتھ کہ بعد تعدد طرق وہ ضعف شدید نہیں رہتا باین الفاظ وارد کیا ہے[1] من عشق فعف فکتم فصبر فمات فھو شھید۔ اب اخیر میں بعض اکابر کے کچھ ارشادات

[1] جو شخص عاشق ہو اپس پاک دامن رہا اور چھپایا اور صبر کیا پھر مرگیا تو وہ شخص شہید ہے ۱۲

بطور نمونہ کے اس رذیلہ کی مذمت میں نقل کر کے ختم کرتا ہوں۔

از تعلیم الدین فصل عورتوں اور مردوں کی مخالطت کا مضر ہونا

جواہر غیبی میں حکایت لکھی ہے کہ ایک شخص طواف کرتا جاتا تھا اور کہتا تھا اللّٰھم انی اعوذ بک منک[1] کسی نے اس کا حال دریافت کیا کہنے لگا کہ ایک بار کسی امرد حسین کو نظر شہوت سے دیکھا تھا اُسی وقت غیب سے ایک طمانچہ لگا جس سے آنکھ جاتی رہی۔ یوسف بن حسین فرماتے ہیں رأیت[2] آفات الصوفیۃ فی صحبۃ الاحداث ومعاشرت الاضداد ورفق النسوان۔ شیخ واسطی فرماتے ہیں اذا[3] اراد اللّٰہ ھوان عبد القاہ الی ھولاء الانتان الجیف یرید بہ صحبۃ الاحداث۔ منظفر قرمینی فرماتے ہیں احسن[4] الارفق ارفاق النسوان علی ای حال کان۔ کسی نے حضرت شیخ نصیر آبادی سے کہا کہ لوگ عورتوں کے پاس بیٹھتے ہیں اور کہتے ہیں کہ ان کے دیکھنے میں ہماری نیت پاک ہے اُنھوں نے فرمایا مادامت[5] الاشباح باقیۃ فان الامر والنھی باق والتحلیل والتحریم مخاطب بہ۔ اور غضب یہ ہے کہ بعض اُس کو ذریعہ قرب آلہی سمجھتے ہیں۔ خدا کی پناہ اگر معصیت ذریعہ قرب آلہی کا ہو تو سارے رنڈی بھڑوے کامل ولی ہوا کریں اور یہ جو مشہور ہے کہ بدون عشق مجازی کے عشق حقیقی حاصل نہیں ہوتا۔ اول تو یہ قاعدہ کلیہ نہیں دوسرے عشق حلال موقع پر بھی ہو سکتا ہے صرف نکتہ اس قاعدہ میں یہ ہے کہ عشق مجازی سے قلب کے تعلقات متفرقہ قطع ہو جاتے ہیں اور نفس ذلیل ہو جاتا ہے اب صرف ایک بلا کو دفع کرنا رہجاتا ہے اس کے دفع کرتے ہی کام بن گیا سو یہ غرض تو اولاد بی بی گائے بھینس ہر چیز کی زیادہ محبت کرنیسے حاصل ہو سکتی ہے غیر عورت یا امرد کی کیا تخصیص ہے اور اگر اتفاقاً بلا اختیار کہیں الجھنس ہی گیا تو اُس وقت مجازی سے حقیقی حاصل ہونے کیلئے یہ شرط ہے کہ محبوب اور محب میں دوری ہو ورنہ وصل و قرب میں تمام عمر اسی میں مبتلا رہے گا۔ اسی لئے مولانا جامی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں۔ شعر

وصلے[6] باید کہ در صورت نمائی   وزیں پل زود خود را بگذرانی

یہاں تو ہر روز نیا معشوق تجویز ہوتا ہے بقول شاعر۔ شعر

---

[1] اے اللہ آپ کی پناہ آپ کے غضب سے مانگتا ہوں ۱۲ [2] دیکھا میں نے آفات صوفیہ کو امردوں سے میل جول کرنے میں اور نا جنسوں سے ملنے میں اور عورتوں سے نرمی کرنے میں ۱۲ مترجم [3] جب اللہ کسی بندے کی ذلت و خواری چاہتا ہے تو ان گندوں اور مردوں کی طرف اس کو ڈالتا ہے اور مائل کرتا ہے اس سے اُنکی مراد امردوں سے میل جول کرنا ہے ۱۲ [4] نرمی اور مہربانی کرنے میں سب سے برا عورتوں سے نرمی کرنا ہے جس طرح ہو [5] جب تک جسم انسان باقی ہے امر و نہی بھی باقی ہے اور تحلیل و تحریم کیساتھ مخاطب ہے ۱۲ مترجم [6] ترجمہ اس کا صفحہ ۔ پر گذرا ۱۲۔

زنِ نو کن اے یار در ہر بہار	کہ تقویم پارینہ ناید بکار

خطوط نفسانیہ اور لذات شہوانیہ حاصل کرنے کیلئے بزرگوں کے اقوال کو آڑ بنا رکھا ہے اور دل کا حال اللہ تعالیٰ کو خوب معلوم ہے اور خود ان سے بھی پوشیدہ نہیں انصاف اور حق پرستی ہو تو سب کچھ امید ہے اشعار

خلق راگیرم کہ بفریبی تمام	در غلط اندازی تا ہر خاص و عام
کارہا با خلق آری جملہ راست	با خدا تزویر و حیلہ کے رواست
کار با او راست باید داشتن	رایتِ اخلاص و صدق افراشتن

از بوستانِ سعدیؒ

ان کے اشعار خصوصیت سے اس لئے لایا ہوں کہ غرض پرستوں نے حضرت شیخؒ کو اپنے مثل مشہور کیا ہے تو ان کا تبریہ بھی ہو جائے گا۔ باب سوم (گفتار اندر ثبوت عشق حقیقی)

چناں فتنہ بر حُسن صورت نگار	کہ با حُسن صورت ندارند کار
ندادند صاحبدلاں دل بپوست	و گر ابلہے داد بے مغز اوست

باب ہفتم (گفتار در بیان تربیت اولاد)

پسر چوں زدہ بر گذشتش سنیں	زناں محرماں گو فراتر نشیں
بر پنبہ آتش نشاید فروخت	کہ تا چشم بر ہم زنی خانہ سوخت

(گفتار در احتراز از صحبت امردان)

خرابت کند شاہد خانہ کن	برو خانہ آباد گرداں بزن

۵۱ اے یار ہر موسم بہار میں نئی عورت کر اسلئے کہ پرانی جنتری کسی کام کی نہیں رہتی ۱۲ ۵۲ مانا ہی کہ تو مخلوق کو کامل طور پر دھوکہ دے سکتا ہے تو تاکہ ہر خاص عام کو غلطی میں ڈالدے تو مخلوق کیساتھ تو دیکھ لے ہر معاملہ کو درست کر سکتا ہو مگر خدا کیساتھ مکر و حیلہ کسطرح چل سکتا ہو اسلئے اپنے معاملہ کو خدا کیساتھ درست کرنا ضروری ہے اخلاص و صدق کا جھنڈا بلند کرنا چاہئے یعنی خلوص اپنے اندر پیدا کرنا چاہئے ۱۲ ۵۳ ایسے مفتون اور فریفتہ صورت بنانیوالے دیعنی خدا تعالیٰ کے حسن پر کہ صورت کو حسن سے کچھ تعلق نہیں رکھتے صاحبدل پوست اور صورت کو دل نہیں دیا کرتے اور اگر کسی بیوقوف نے دیا تو وہ بے مغز ہے ۱۲ مترجم ۵۴ لڑکے کی عمر جب دس سال سے زیادہ ہو جائے تو رہائش کرنی چاہئے کہ نامحرم عورتوں سے الگ رہے۔
روئی پر آگ نہ جلایا جائے کیونکہ چشم زدن میں تمام گھر پھنک جائے گا یہی حال تنہائی کے لڑکوں اور نامحرم عورتوں کا ہے ۱۲ مترجم
۵۵ مشرق گھر برباد کرنے والا مجھ کو تباہ کرنے کا اجازت سے نکاح کرکے گھر کو آباد کر اور اگر کسی لڑکے کو تو نے دل دیا تو یاد رکھ میں سمجھ حبیب باقی نہ رہے گا اور سر میں بھیجا یعنی عقل و دولت دونوں برباد ہو جائیں گے) دوسروں کے لڑکوں کی طرف بدنگاہ مت کر اس لئے کہ تیرا لڑکا خراب اور تباہ ہو جائے گا ۱۲

سر از مغز و دست از درم کن تہی　　چو خاطر بنفسہ زند مردم دہی

مکن بد بنفسہ زند مردم نگاہ　　کہ فرزند خویشت بر آید تباہ

حکایت متصل گفتار بالا۔

در شہوت[له] نفس کافر بہ بند　　دگر عاشقی لت خور و سر بہ بند

حکایت متصل حکایت بالا۔

گروہے[۵۲] نشینند باخوش پسر　　کہ ما پاک بازیم و صاحب نظر

زمن پرس فرسودہ روزگار　　کہ بر سفرہ حسرت خورد روزہ دار

ازان تخم خرما خورد گوسپند　　کہ قفل ست بر تنگ خرما و بند

سر گاو عصار ازان[۵۳] کہ ست　　کہ از کنجدش ریسماں کوتہ است

حکایت متصل حکایت بالا۔

یکے[۵۴] صورتے دید صاحب جمال　　بگردیدش از سوزش عشق حال

بر انداخت بیچارہ چنداں عرق　　کہ شبنم بر آرد بہشتی ورق

گذر کرد بقراط بر وے سوار　　بپرسید کیں راچہ افتاد کار

[۵۱] نفس بد کو شہوت پرستی سے باز رکھ اور اگر تو نے عشق بازی کی تو لاتیں کھانے اور سر کو زخموں سے باندھنے کیلئے تیار ہوجا۔ یعنی ذلیل اور خوار ہوگا ۱۲ [۵۲] ایک گروہ خوبصورت لڑکے کے پاس بیٹھا ہوا ہے یہ دعویٰ کرتا ہے کہ ہم عارف اور خالص نیت ہیں (بطور طعنہ کے) سعدیؒ کہتے ہیں کہ مجھ تجربہ کار سے (انکی حالت) دریافت کرو یہ اسلئے ہیں کہ جیسے دستر خوان پر روزہ دار حسرت کھاتا ہے (کہ کھانا نکو بھی جاتا ہے مگر روزہ کی وجہ سے کھا نہیں سکتا ایسے ہی یہ لوگ اُسپر حسرت کرتے ہیں مگر لباس پارسائی کی وجہ سے متمتع نہیں ہو سکتے اور دیکھئے کہ) بکری چھوارہ کی گٹھلیاں اسوجہ سے کھاتی ہے کہ چھواروں کے ڈھیر پر تالا لگا ہوا ہوتا ہے اور دیکھئے روغن گر کا بیل گھانس کیساتھ مشغول ہوتا ہے کیونکہ تل سے اُسکی رسی تنگ ہوتی ہے ۱۲ مترجم [۵۳] ایک شخص نے ایک باجمال صورت دیکھی سو اس کی حالت عشق کی پریشانی سے متغیر ہوگئی۔ اُس بیچارہ کو عشق کی گرمی سے اس قدر پسینہ آیا کہ جیسے شبنم گلاب کے پھول پر گرتی ہے۔ حکیم بقراط کا بحالت سواری اُسپر گذر ہوا دریافت کیا کہ اس شخص کا معاملہ کیا ہے کسی نے جواب دیا کہ یہ ایک عبادت گذار پارسا آدمی ہے کہ اسکے ہاتھ سے کبھی کوئی خطا ظاہر نہیں ہوئی۔ رات دن ہمیشہ بہ زاویہ جنگل میں رہتا ہے آدمیوں کی صحبت سے بھاگنے والا۔ ایک خوبصورت لڑکے پر اس کا دل آگیا عقل اُسکی خراب ہوگئی جسوقت مخلوق سے ملامت سنتا ہے تو روتا ہے اور کہتا ہے کہ اس قدر ملامت نہ کرنی چاہئے اگر میں نالہ و زاری کروں تو مجھکو معذور سمجھو کیونکہ میری آہ و فریاد بے سبب نہیں اس خوبصورت لڑکے نے میرے دلکو پامال نہیں کیا بلکہ جس نے اسکو پیدا کیا ہے اُس نے دلکو پامال کیا ہے (یعنی عشق مجازی نہیں حقیقی ہے) بقراط نے جوکہ کار آزمودہ مرد تربیت یافتہ تجربہ کار تھا یہ واقعہ سنا تو کہا کہ اگرچہ کسی شخص کی نیکنامی مشہور ہوجائے لیکن یہ ضروری نہیں کہ وہ جو کچھ کہے اسکو تسلیم کر لیا جائے۔ (تو یہ شخص جو دعویٰ کرتا ہے کہ وہ اسلئے اس لڑکے کا عاشق حقیقی ہے مسلم نہیں اسلئے کہ اگر یہ واسطے صورت و شکل کیلئے ہوتی کیا اللہ تعالیٰ کی بہ صورت ہی کہ جبکی اس عاشق کا دل غارت گیا ہرگز نہیں خدا تعالیٰ صورت و شکل ہو یا ہے اور ہر صنعت بنانے کیلئے واسطہ ہیں

کسی گفتش ایں عابد پارساست — کہ ہرگز خطائے نرفتش نخاست
رود روز و شب در بیابان کوہ — زصحبت گریزاں زمردم ستوہ
بیوست خاطر فریبی دلکش — فرو رفت پائے نظر در گلش
چو آید ز خلقش ملامت بگوش — بگرید کہ چند از ملامت خموش
مگو ار بنالم کہ معذور نیست — کہ فریادم از علتے دور نیست
نہ ایں نقش دل میربائید زدست — دل آں میربابد کہ ایں نقش بست
شنید ایں سخن مرد کار آمائے — کہن سال پروردۂ پختہ رائے
بگفت ار چہ صیت نکوئی رود — نہ با ہر کسے ہر چہ گوئی رود
نگارندہ را خود ہمیں نقش بود — کہ شوریدہ را دل بیغمار بود
چرا طفل یکروزہ[1] ہوشش نبرد — کہ در صنع دیدن چہ بالغ چہ خرد
محقق ہماں بیند اندر ابل — کہ در خوبرویاں چین و چگل

ف ۱ـ یہ بقراط کے قول سے استدلال نہیں بلکہ حضرت شیخؒ کی تقریر یعنی اس قول کے ساتھ توافق کرنیسے ہے (۲ـ) اور اسی سے جواب حاصل ہوگیا ایک استدلال فاسد کا جو بعض نفس پرستوں سے مجھ کو کل ہی پہونچا کہ حدیث میں ہے اللہ جمیل[2] یحب الجمال۔ جواب یہ ہے کہ اگر یہ منشا ہے تو طفل جمیل یکروزہ کیساتھ اس کیفیت کی محبت کیوں نہیں ہوتی بس جتنا تفاوت ہے وہی اثر ہے شہوت کا۔

مشورہ ـ اس مرض کے جزئی معالجات کیلئے رسالہ حسن العلاج لسوء المزاج کا بھی ملاحظہ فرمالینا نافع ہے جو النور کی جلد اول ذیقعدہ ۱۳۳۹ھ سے جلد سوم جمادی الاخری ۱۳۴۱ھ تک مسلسل چلا گیا ہے صرف شوال و ذیقعدہ ۱۳۴۰ھ و صفر ۱۳۴۱ھ کا پرچہ خالی ہے اور اگر ان پرچوں کے جمع کرنے میں دشواری ہو تو تبویب تربیت السالک میں جو کہ تازہ شائع ہوئی ہے باب سوم کے ایسے مواقع کا دیکھ لینا کافی ہے ان مواقع کے یہ عنوانات ہیں ۔ ۱ـ نظر بد کا علاج ۲ـ عشق کا علاج ۳ـ عشق اجنبیہ کا علاج دو جگہ ۴ـ امرد پرستی و ترک فرائض کا

[1] یکروزہ بچہ دیکھنے سے اسکے ہوش و حواس کیوں نہیں گئے اسلئے صنعت معلوم کرنے میں بڑے چھوٹے میں کیا فرق ہے۔ حقیقت شناس اونٹ میں وہی بات دیکھتے ہیں جو چین و چگل کے حسینوں میں ۱۲

[2] اللہ تعالیٰ جمیل ہیں پسند فرماتے ہیں جمال کو۔ بحمد اللہ ترجمہ تمام ہوا۔ سراج احمد امروہی ۵ ربیع الثانی ۱۳۵۱ھ

علاج ۔ ۵ شہوت کا علاج دو جگہ ۶ حسن پرستی کا علاج تین جگہ ۷ ضمیمہ ۸ محبت غیر اللہ کا علاج ۔ ۸ حقیقت عشق مجازی جو قنطرہ حقیقت ہے ۹ لڑکوں سے محبت کا مذموم ہونا ۱۰ تقاضائے نفس سے بچنے کا علاج ۱۱ امارد سے محبت کا علاج ۱۲ نفسانی نگاہ سے بچوں کو دیکھنا ۱۳ زنا و لواطت کا علاج ۱۴ وسوسہ نظر بد کا علاج ۱۵ رغبت الی المعصیت کا علاج ۱۶ بڑھاپے میں شہوت کا اثر ۱۷ غلبہ خواہش نفسانی کا علاج ۱۸ ایک طبیب کے خط کا خلاصہ ۱۹ خیالی زنا کا علاج ۲۰ خیالی زنا کی حرمت۔

والسلام کتبہ اشرف علی ۔ ۲۶ صفر ۱۳۵۱ھ

رسالۃ الادراک والتوصل الی حقیقۃ الاشراک والتوسل

حدیث مصعب بن سعد عن ابیہ انہ ظن ان لہ فضلا علی من دونہ من اصحاب النبی صلی اللہ علیہ وسلم فقال النبی صلی اللہ علیہ وسلم انما ینصر اللہ ھذہ الامۃ بضعفتہا بدعوتہم واخلاصہم رواہ النسائی وھو عند البخاری بلفظ ھل تنصرون وترزقون الا بضعفائکم ف دل علی امرین الاول فضل الضعفاء ومن ثم تری اھل اللہ یقدمون الضعفاء علی الکبراء والثانی ثبوت التوسل بالمقبولین ذواتہم واعمالہم الظاھرۃ واعمالہم الباطنۃ کما تدل علیہ بضعفائہا ودعوتہم واخلاصہم والتفصیل فی المسئلۃ ان التوسل بالمخلوق لہ تفاسیر ثلثۃ الاول دعاؤہ واستغاثتہ کدیدن المشرکین وھو حرام اجماعا اما انہ شرک جلی ام لا فمعیارہ انہ ان اعتقد استقلالہ بالتاثیر فھو شرک کفری اعتقادا کما ان الصلوۃ

حدیث: مصعب بن سعد کی حدیث وہ روایت کرتے ہیں اپنے باپ سے کہ ان کو یہ خیال ہوگیا کہ مجھکو دوسرے صحابہ پر بوجہ [illegible] کے کچھ فوقیت ہے پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ اللہ تعالیٰ کی جو نصرت اس امت کیساتھ ہے وہ بدولت اس کے عاجزوں کے اور ان کی دعا و اخلاص [illegible] ہے تو رؤسا ان کے محتاج ہوئے نہ کہ برعکس [illegible] کیا اسکو نسائی نے اور یہ حدیث بخاری کے نزدیک ان الفاظ سے ہے کہ تمہاری جو نصرت کی جاتی ہے اور تم کو جو رزق ملتا ہے یہ صرف تمہارے عاجزوں کی بدولت ہے۔

ف یہ حدیث دو امر پر دال ہے ایک تو عاجزوں کی فضیلت اور [illegible] سے تم اہل اللہ کو دیکھتے ہو کہ عاجزوں کو رؤسا پر مقدم رکھتے ہیں [illegible] مقبولین سے توسل کا ثبوت ان کی ذات سے بھی [illegible] اعمال [illegible] کیساتھ بھی چنانچہ اس حدیث پر یہ الفاظ دلالت کرتے ہیں [illegible] عاجزوں کے اور ان کی دعا و اخلاص کے [illegible] عمل ظاہر ہے اور اخلاص عمل باطن ہے [illegible] توسل بالمخلوق کی تین تفسیریں ہیں ایک تو مخلوق سے [illegible] سے التجا کرنا جیسا مشرکین کا طریقہ ہے سو یہ بالاجماع حرام ہے [illegible]

والصوم مما يختص بالله تعالى فالمعاملة بها المخلوق شرك كفرى عملا ومعاملة لا يجوز التحية وان كانت معصية الا ما كان شعارا	شرک جلی بھی ہے یا نہیں سو اس کا معیار یہ ہے کہ اگر شخص اس مخلوق کو مؤثر مستقل ہونیکا معتقد ہے تب تو یہ شرک کفری ہے جیسا کسی مخلوق کے لئے نماز روزہ ایسی عبادت کرنا جو خاص ہے حق تعالیٰ کیساتھ عملاً و معاملۃً شرک ہے

لہ حاصل اس اعتقاد تاثیر و عدم اعتقاد تاثیر کے معیار فرق کا یہ ہے کہ بعض کا تو یہ عقیدہ ہوتا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے کسی خاص مخلوق کو جو اس کا مقرب ہے کچھ قدرت مستقلہ نفع و ضرر کی اس طرح سے عطا فرما دی ہے کہ اس کا اپنے معتقد و مخالف کو نفع و ضرر پہنچانا مشیت جزئیہ حق پر موقوف نہیں گو اگر روکنا چاہے پھر قدرت حق ہی غالب ہے جیسے سلاطین اپنے نائبین و حکام کو خاص اختیارات اس طرح دیدیتے ہیں کہ اُن کا اجرا اُس وقت سلطان عظم کی منظوری پر موقوف نہیں ہوتا گو روکنا چاہے تو سلطان ہی کا حکم غالب رہے گا سو یہ عقیدہ تو اعتقاد تاثیر ہے اور مشرکین عرب کا اپنے آلہہ باطلہ کیساتھ یہی اعتقاد تھا" اور بعض کا یہ عقیدہ ہوتا ہے کہ ایسی قدرت مستقلہ تو کسی مخلوق میں نہیں مگر بعض مخلوقات کو قرب و قبول کا ایسا درجہ عطا ہوتا ہے کہ وہ اپنے متوسلین کیلئے سفارش کرتے ہیں پھر اُس سفارش کے بعد قبول میں تخلف کبھی نہیں ہوتا اور اُس سفارش کی تحصیل کیلئے اُس کیساتھ بلا واسطہ یا بواسطہ معاملہ مشابہ عبادت کرتے ہیں یہ عقیدہ اعتقاد تاثیر نہیں ہے لیکن بلا دلیل شرعی بلکہ خلاف دلیل شرعی ایسا عقیدہ رکھنا معصیت اعتقادیہ ہے اور مشابہ عبادت معاملہ کرنا معصیت عملیہ ہے اور اسی مشابہت کے سبب اطلاقات شرعیہ میں اسکو شرک کہدیا جاتا ہے۔ ھذا ما عندی۔ واللہ اعلم تتمیم لزیادۃ التفہیم۔ تقریر مذکور فارق بین الشرکین جو کہ ماخوذ ہے کلیات شرعیہ سے اپنے دونوں دعووں کے اعتبار سے ایک یہ کہ مشرکین اس تصرف غیر مقید بالاذن کے قائل تھے دوسرے یہ کہ تصرف مقید بالاذن کا قائل ہونا شرک اکبر نہیں زیادت اقناع میں محتاج تھی او اجزئیہ کی جن سے ایک مدت تک باوجود فکر ذہن خالی رہا الحمد للہ کہ بہ سہولت دو کلیں علی التعاقب ذہن دلیلیں بذہن اور نظر میں گذریں جن کا مجموعہ دونوں دعووں میں تردد کیلئے نافی ہے۔ دلیل اول عقلی۔ یہ اصول میرا ذہنی جو اپنی جزئیت کے سبب کلیت سے زیادہ کافی ہے وہ یہ ہے کہ مسئلہ توحید الٰہی واجب عقلی ہے خواہ بدیہی ہو یا نظری یہ دوسری بحث ہے اور کسی حکم کا وجوب عقلی مستلزم ہوتا ہے اُس کی نقیض کے امتناع عقلی کو پس نقیض توحید کا حکم ممتنع ہوگا اور اس نقیض کی دو قسمیں ہیں ایک نفی الہ کہ کفر ہے دوسری تشریک الٰہ آخر معہ کہ شرک ہے اور ہر قسم کا امتناع مستلزم ہوتا ہے اُس کے سب اقسام کے امتناع کو پس شرک کیلئے لازم ہوا کہ وہ کسی امر ممتنع کا اعتقاد ہوگا اور اس امتناع و استحالہ کیطرف نصوص میں بھی تشیر ہے کقولہ تعالیٰ لو کان فیہما آلہۃ الا اللہ لفسدتا وقولہ تعالیٰ لو کان معہ آلہۃ کما یقولون اذا لابتغوا الی ذی العرش سبیلا وقولہ تعالیٰ ما اتخذ اللہ من ولد وما کان معہ من الہ اذا لذہب کل الہ بما خلق ولعلا بعضہم علی بعض وقولہ تعالیٰ لو اراد اللہ ان یتخذ ولدا لاصطفی مما یخلق ما یشاء سبحانہ ونحوہا من الآیات علی ما فسرت فی بیان القرآن۔ اور تصرف مقید بالاذن عقلاً ممتنع نہیں۔ پس وہ شرک نہ ہوگا گو کسی تصرف منفی بالنص کا اعتقاد بوجہ مخالفت نص کے معصیت یا کفر یا بدعت ہو علی اختلاف مراتب النص و مراتب المخالفۃ مگر شرک کسی حال میں نہ ہوگا اور جاہلان عرب کا مشرک ہونا نص سے ثابت ہے پس لا محالہ وہ تصرف غیر مقید بالاذن کے قائل تھے اس سے بحمد اللہ دونوں دعوے ثابت ہوگئے۔ دلیل ثانی نقلی من الاقوال المنقولۃ عن العلماء الربانیین جو بوجہ صراحت و موافقت اکابر کے دلیل عقلی سے زیادہ شافی ہے۔ قال القاضی محمد اعلیٰ التھانوی فی کتابہ کشاف اصطلاحات الفنون الشرک علی اربعۃ انحاء الی ان قال ومنہم من یقول ان اللہ سبحانہ خلق ہذہ الکواکب وفوض تدبیر العالم السفلی الیہا وقال بعد ورقۃ ان القوم یعتقدون ان اللہ فوض تدبیر کل من الاقالیم الی ملک معین وفوض تدبیر کل قسم من اقسام العالم الی روح سماوی بعینہ ملخصاً ص ۷۵۲ و ص ۷۵۳۔ وقال ابن القیم فی اغاثۃ اللہفان ما حاصلہ انہ تعالیٰ قال ام اتخذوا من دون اللہ شفعاء قل اولو کانوا لا یملکون شیئا ولا یعقلون قل للہ الشفاعۃ جمیعا لہ ملک السموات والارض فاخبران الشفاعۃ (بقیہ حاشیہ صفحہ آئندہ)

الکفر کسجدۃ الصنم وشد الزنار والاقلاء ومعنی
استقلال ان اللہ قد فوض الیہ الامور بحیث
لا یحتاج فی امضائها الی مشیئۃ الجزئیۃ وانہ قادر
علی عزلہ عن ھذا التفویض والثانی طلب الدعاء منہ
وھذا جائز فیمن یمکن طلب الدعاء منہ ولم یثبت
فی المیت بل لمن یختص ھذا المعنی بالحی والثالث
دعاء اللہ ببرکۃ ھذا المخلوق المقبول وھذا قد
جوزہ الجمہور ومنع منہ ابن تیمیۃ واتباعہ زعما
منہم انہ لم ینکر احد من العلماء انہ یشرع
التوسل والاستسقاء بالنبی والصالح بعد موتہ
ولا فی مغیبہ کما فی رسالۃ زیارۃ القبور والعجب
منہ انہ نفسہ قد ذکر فی رسالتہ المذکورۃ
قول المجوزین ودلیلہم بما نصہ قالوا ولیس
فی التوسل دعاء المخلوقین ولا استغاثۃ
بالمخلوق لکن فیہ سوال بجاھہ کما فی سنن ابن
ماجہ بحق السائلین علیک وبحق ممشای ھذا

کفر ہے نہ کہ سجدہ تحیت کہ معصیت ہے باستثناء اُس فعل کے جو شعار کفر ہو
جیسے سجدہ صنم شد زنار ورنہ نہیں صرف معصیت ہے، اور مستقل بالتاثیر ہونیکے
معنے یہ ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے یہ کام اُس کے سپرد ایسے طور پر کر دیئے ہیں کہ وہ اُنکے
نافذ کرنے میں حق تعالیٰ کی مشیت خاصہ کا محتاج نہیں ہے گو اللہ تعالیٰ کو یہ قدرت
ہے کہ اُس کو اس تفویض و اختیار سے معزول کر دے اور دوسری تفسیر
یہ کہ مخلوق سے دعا کی درخواست کرنا اور ایسے شخص کے حق میں جائز ہے
جس سے دعا کی درخواست ممکن ہو اور یہ امکان میت میں کسی دلیل سے ثابت
نہیں پس یہ معنی توسل کی زندہ کیساتھ خاص ہونگے۔ اور تیسری تفسیر یہ کہ
اللہ تعالیٰ سے دعا کرنا اُس مقبول مخلوق کی برکت سے اور اسکو جمہور نے جائز
رکھا ہے اور ابن تیمیہ اور اُنکے اتباع نے منع کیا ہے اس خیال سے کہ کسی نے علماء
میں سے اسکو ذکر نہیں کیا کہ توسل یا استسقاء کسی نبی یا صالح کے وسیلے سے انکی وفات
یا غیر حاضری کی حالت میں مشروع ہے جیسا کہ اُنکے رسالہ زیارۃ القبور میں
یہ تقریر مذکور ہے اور اُنسے تعجب ہے کہ خود انہوں نے اپنے رسالہ مذکورہ میں مجوزین
کا قول اور ان کی دلیل بھی اس عبارت سے ذکر کی ہے کہ وہ مجوز لوگ کہتے ہیں
کہ توسل میں نہ مخلوق سے دعا ہے اور نہ اُن سے التجا ہے لیکن اس میں صرف
اُسکی جاہ (مقبولیت) کے ذریعہ سے (حق تعالیٰ سے) سوال ہے جیسا کہ

(بقیہ حاشیہ صفحہ گذشتہ) لمن له ملك السموات والارض وهو الله وحده فهو الذي يشفع بنفسه الى نفسه ليرحم عبده فيأذن هو لمن يشاء ان يشفع فيه
فصارت الشفاعة في الحقيقة انما هي له والذي يشفع عنده انما يشفع باذنه له وامره بعد شفاعته سبحانه تعالى وهي ارادته من نفسه ان يرحم عبده وهذا
ضد الشفاعة الشركية التي اثبتها هولاء المشركون ومن وافقهم وهي التي ابطلها سبحانه وتعالى في كتابه بقوله ليس لهم من دونه ولي ولا شفيع فاخبر سبحانه
انه ليس للعباد شفيع من دونه بل اذا اراد الله تعالى رحمة عبده اذن هو لمن يشفع فيه فشفاعة باذنه وليست بشفاعة من دونه والفرق بين الشفيعين
كالفرق بين الشريك والعبد المامور الى ان قال فالرب تعالى هو الذي يحرك الشفيع حتى يشفع والشفيع عند المخلوق هو الذي يحرك المشفوع اليه حتى
يفعل ومثله الى ان قال) ان اقوال سے دعویٰ اولیٰ منطوقاً اور دعویٰ ثانیہ مفہوماً ثابت ہے دلیل ثالث نقلی من آیات رب العٰلمین جو عالم
السرائر والضمائر کی شہادت ہونیکے سبب حجیت میں سب سے زیادہ وافی ہے وہو قولہ تعالیٰ قل ادعوا الذین زعمتم من دونه فلا یملکون کشف الضر عنکم
ولا تحویلا وقوله تعالى ولا يملك الذين يدعون من دونه الشفاعة الا من اذن له وامثالهما من الآيات التي لا تفوت الحصر وجہ دلالت دعویٰ اولیٰ پر
یہ ہے کہ ان نصوص میں ملک تصرفات کی نفی کی گئی ہے اور ملک من حیث الملک کا مقتضا بلکہ حقیقت تصرف غیر مقید بالاذن ہے اور سیاق کی تصریح
مزعومات مشرکین کا ابطال ہے اس سے معلوم ہوا کہ وہ ایسے ہی تصرفات کے قائل تھے جو کہ مقید بالاذن نہ ہوں پس دعویٰ اولیٰ ثابت ہو گیا

[illegible]

واللہ تعالیٰ قد جعل علی نفسہ حقا
الی آخر ما قال وامال وسرد الآیات و
الاحادیث ولم یجب عن ہذہ الدلائل
لکن مع ہذا ثبت علی المنع وحقیقۃ
ہذا المعنی الثالث اللہم ان العبد
الفلانی او العمل الفلانی لنا او لفلان
مقبول ومرضی عندک ولنا تلبس
وتعلق بہ اما مباشرۃ لہ فی العمل
واما محبۃ لہ فی العبد او عمل وانت
وعدت الرحمۃ بمن لہ ہذا التلبس
فنسئلک ہذہ الرحمۃ فیالیت
شعری ای محذور فیہ نقلا او عقلا
نعم لو منع عنہ لمصلحۃ العوام لملنا الغلاۃ
لکن الکلام فی تحقیق المسئلۃ فالحق فیہ
معنا انشاء اللہ تعالیٰ فاغتنم ہذا
التحریر الکاشف بحقیقۃ التوسل وحقیقۃ
الشرک اللذین یتحیر فیہما کثیر
من الفضلاء والعقلاء۔

سنن ابن ماجہ میں آیا ہے کہ میں اُن لوگوں کے حق سے سوال کرتا ہوں جو آپ سے
سوال کرتے ہیں اور اپنے اس چلنے کے حق سے سوال کرتا ہوں (جو شخص غلام
کیسا تھ واضح ہوا ہے) اور اللہ تعالیٰ نے اپنی ذات پر (مقبولین کا) حق
قرار دیا ہے اپنے قول کے ختم تک اور دور تک کہتے چلے گئے اور (اس حق کے
اثبات کیلئے) آیات واحادیث بیان کی ہیں (غرض مجوزین کے دلائل خود
ذکر کئے ہیں) اور ان دلائل کا کچھ جواب نہیں دیا لیکن باوجود اس (جواب نہ
دینے) کے اس منع ہی پر جمے ہوئے ہیں اور اس معنی ثالث کی حقیقت یہ ہے کہ اے
اللہ فلاں بندہ یا فلاں عمل ہمارا یا فلاں بندہ کا عمل آپ کے نزدیک مقبول
و پسندیدہ ہے اور ہم کو اس (بندہ یا عمل) سے تلبس اور تعلق ہے اور خواہ تو اُس
عمل میں ارتکاب کا اور خواہ اُس بندہ یا اُس کے عمل میں اس سے محبت رکھنے کا
اور آپ نے ایسے شخص پر رحمت فرمانیکا وعدہ کیا ہے جس کو یہ تلبس و تعلق
ہو پس ہم اُس رحمت (موعودہ) کا آپ سے سوال کرتے ہیں (یہ حقیقت ہے
اس توسل کی) پس کاش مجھ کو کوئی یہ بتلائے کہ اس (معنے) میں کونسی
خرابی نقلی یا عقلی ہے البتہ اگر عوام کی (دینی) مصلحت کیلئے اس سے منع کیا
جائے تو ہم بھی ابن تیمیہ کی مخالفت نہ کرینگے لیکن کلام مسئلہ کی تحقیق میں
ہے سو اُس میں حق ہمارے ساتھ ہے انشاء اللہ تعالیٰ پس اس تحریر کو غنیمت
سمجھو جس سے حقیقت توسل کی اور حقیقت شرک کی مکشوف ہو گئی
جن میں بہت فضلاء و عقلاء متحیر رہتے ہیں۔

تنبیہ۔ مسئلہ توسل کی ضروری تحقیق مع احادیث رسالہ نشر الطیب کی اڑتیسویں فصل میں بھی قابل
ملاحظہ ہے۔ فقط خاتمہ۔ مصعب بن سعد کی حدیث جو مکمل رسالہ مستقلہ ہے ختم ہوئی۔

سلہ اس تحریر کے بعد ایک تحقیق علامہ شوکانیؒ کی جواز توسل کے باب میں نظر سے گذری چونکہ ابن تیمیہؒ کے معتقدین شوکانی کو بھی حجت
کہتے ہیں اس لئے اُس کو نقل کرنا نافع معلوم ہوا وھو ہذا اسعد ۲۹ رجون ۳۳ء قاضی شوکانی کا بیان۔ رہی یہ بات کہ انسان اپنے
مقصد کے حصول کیلئے اللہ تعالیٰ کے دربار میں کسی شخص کو بطور وسیلہ پیش کرے تو اس میں شیخ عز الدین عبدالسلام فرماتے ہیں کہ نبی کریم صلی اللہ
علیہ وسلم کے سوا کسی شخص کو اللہ تعالیٰ کے دربار میں بطور وسیلہ پیش کرنا جائز نہیں ہاں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو (بقیہ حاشیہ صفحہ گذشتہ)

(حاشیہ بقیہ صفحہ گزشتہ)

وسیلہ بنانا جائز ہوگا لیکن بشرطیکہ وہ حدیث صحیح ہو جو توسل بالنبی صلی اللہ علیہ وسلم کے اثبات میں پیش کی جاتی ہے۔ شاید حدیث توسل بالنبی صلی اللہ علیہ وسلم سے شیخ عز الدین کی مراد وہ حدیث ہو جو نسائی نے اپنے سنن اور ترمذی نے اپنی صحیح اور ابن ماجہ وغیرہ محدثین نے اپنی اپنی کتابوں میں باسند نقل کی ہے کہ ایک اندھا دربار نبی صلی اللہ علیہ وسلم میں حاضر ہوا اور اس نے عرض کیا کہ یا رسول اللہ میں اندھا ہو گیا ہوں میرے لئے خدا سے دعا کرو کہ میں بینا ہو جاؤں۔ تو آنحضرت نے فرمایا وضو کر کے دو رکعت نماز ادا کرو۔ پھر یہ دعا کرو اے اللہ میں تیرے نبی کے طفیل تجھ سے درخواست کرتا ہوں اور تیری طرف متوجہ ہوتا ہوں۔ یا محمد میں اپنی بینائی واپس کرانے میں تجھے (خدا کے دربار میں) سفارشی پیش کرتا ہوں اے اللہ میرے حق میں اپنے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی سفارش قبول فرما۔ پھر نبی کریم نے ارشاد فرمایا کہ اس کے بعد بھی اگر تمہیں کبھی کوئی ضرورت پیش آئے تو اسی طرح مجھے وسیلہ بناؤ (اس شخص نے نبی کریم کو وسیلہ بنایا اور آنکھوں کیلئے دعا کی) تو اللہ تعالیٰ نے اس کو بینا کر دیا علماء حدیث مذکورہ بالا حدیث کا مطلب دو طرح بیان کرتے ہیں ایک تو یہ کہ اس حدیث میں توسل کا مطلب یہی ہے جو حضرت فاروق نے بیان کیا ہے کہ اے اللہ جب قحط پڑتا تھا تو ہم تیرے نبی کو دربار میں وسیلہ پیش کیا کرتے تھے پس تو ہم پر بارش کرتا تھا اور اب ہم اپنے نبی کے چچا کو تیرے دربار میں وسیلہ پیش کرتے ہیں۔ یہ حضرت عمر کی حدیث صحیح بخاری وغیرہ کتب میں موجود ہے تو حضرت عمرؓ کا یہ مطلب ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی زندگی میں بارش کی دعا کے وقت صحابہ کرام آپ کو وسیلہ بنایا کرتے تھے پھر آنحضرت کی رحلت کے بعد آپ کے چچا عباسؓ کو وسیلہ بنایا جاتا تھا تو صحابہ کے توسل بالنبی کا یہ مطلب ہے کہ وہ اللہ تعالیٰ سے اس طرح طلب باران کیا کرتے تھے کہ نبی کریم دعا فرماتے اور صحابہ بھی آپ کے ساتھ دعا کرتے تو اس طرح آں حضرت صحابہ کیلئے خدا کے دربار میں وسیلہ ہوتے کہ سفارشی بھی ہوتے اور ان کیلئے دعا بھی فرماتے۔ اور دوسرا مطلب حدیث توسل بالنبی کا یہ ہے جو قاضی شوکانی کا مذہب ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو حاجات میں وسیلہ بنانا صرف زندگی کی حالت سے مخصوص نہ تھا بلکہ جس طرح زندگی میں آپ کو وسیلہ بنایا جاتا تھا اسی طرح انتقال کے بعد بھی آپ کو وسیلہ بنانا جائز ہے اور جس طرح آپ کی موجودگی میں آپ کا توسل جائز تھا اسی طرح عدم موجودگی میں بھی جائز تھا۔ یہ بالکل واضح ہے کہ نبی کریم کو آپ کی زندگی میں وسیلہ بنانا اور آپ کے انتقال کے بعد دوسرے بزرگوں کو وسیلہ بنانا صحابہ کرام کے اجماع سکوتی سے ثابت ہے کیونکہ جب حضرت فاروقؓ نے حضرت عباسؓ کو وسیلہ بنایا تو کسی صحابی نے بھی اس کا خلاف نہیں کیا۔ میرے خیال میں جواز توسل کو نبی کریم سے مخصوص کر دینا جیسا کہ عز الدین کو وہم ہوا ہے اس کی کوئی وجہ نہیں اس عدم تخصیص کی دو دلیلیں ہیں پہلی تو یہی صحابہ کا اجماع جس کی ہم اطلاع کر چکے ہیں اور دوسری دلیل یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کے دربار میں ارباب فضل اور کمال کا بطور وسیلہ پیش کرنا اور اس کا یہ مطلب ہے کہ ان کے اعمال صالحہ اور کمالات کو وسیلہ بنایا جاتا ہے کیونکہ کوئی شخص وسیلہ بننے کے قابل ہی تب ہوتا ہے جبکہ وہ اعمال صالحہ کرے تو گویا جب کوئی شخص یوں کہے کہ اے اللہ میں فلاں صاحب کمال کو تیرے دربار میں وسیلہ پیش کرتا ہوں تو اس کا وسیلہ بنانا بلحاظ کمال کے ہوگا۔ اور نیک عمل کو وسیلہ بنانا حدیث سے ثابت ہے جیسا مسلم و بخاری وغیرہ میں موجود ہے کہ نبی کریم نے ان تین شخصوں کا قصہ بیان کیا جو غار میں تھے اور غار کے منہ پر پتھر آگیا تھا ان تینوں میں سے ہر ایک نے اپنے نیک عمل کو وسیلہ بنایا اور پتھر غار سے ہٹ گیا تو اگر اعمال صالحہ سے توسل ناجائز ہوتا یا شرک ہوتا جس طرح عز الدین وغیرہ سخت گیر لوگ کہتے ہیں تو اللہ تعالیٰ ان تین آدمیوں کی دعا قبول نہ کرتا اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم ان کا قصہ بیان کرنے کے بعد ان کے فعل توسل کو حرام و ناجائز قرار دیتے۔ قاضی مرحوم توسل کو ثابت کر کے اب منکرین توسل کے دلائل کا جواب دیتے ہیں اور فرماتے ہیں کہ جب یہ ثابت ہو گیا کہ توسل جائز ہے تو اب معلوم ہو گیا کہ جو دلائل منکرین توسل پیش کرتے ہیں مثلاً ما نعبدهم الا ليقربونا الى الله زلفى اور فلا تدعوا مع الله احدا اور له دعوة الحق والذين يدعون من دونه لا يستجيبون لهم بشيء ہمارے دعوے جواز توسل بالنبی والصالحین کیلئے مضر نہیں بلکہ اگر ان آیات کو امتناع توسل کیلئے پیش کیا جائیگا تو یوں کہا جائیگا کہ محل نزاع اور امتناع توسل سے یہ دلائل بالکل اجنبی ہیں کیونکہ مشرکوں کے اس قول سے (کہ ما نعبدهم الا ليقربونا) یہ واضح ہے کہ مشرک قرب الٰہی حاصل کرنے کیلئے بتوں کی عبادت کیا کرتے تھے جو شخص بزرگ کو وسیلہ بناتا ہے وہ اس کی عبادت نہیں کرتا (بقیہ حاشیہ صفحہ آئندہ میں)

رسالہ الارشاد فی مسئلۃ الاستعداد

الحدیث (ولقب بیانہ بالارشاد الی مسئلۃ الاستعداد) ان اللہ تعالیٰ خلق خلقہ فی ظلمۃ فالقی علیہم من نورہ فمن اصابہ من ذلک النور یومئذ اھتدی ومن اخطأہ ضل وحدث لک عن ابن عمر (مصم) قال المحقق وفی روایۃ فرش ای طرح و رمی علیہم من نورہ ای نورہ فمن زائدۃ فی الاثبات او بیانیۃ ای شیئا ھو نورہ او تبعیضیہ ای بعض نورہ وفی المشکوۃ زیادۃ وھی فلذلک اقول جف القلم علی علم اللہ رواہ احمد والترمذی قلت دلت ھذہ الزیادۃ ان القاء النور کان فی درجۃ کتابۃ المقادیر کان للخلق سابقا علیہ کما ھو مقتضی الفاء ومن روی مسلم کما فی المشکوۃ قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم وکتب اللہ مقادیر الخلائق قبل ان یخلق السموات والارض بخمسین الف سنۃ قال وکان عرشہ علی الماء فکان ھذا الخلق فی مرتبۃ لم تکن فیہ السموات والارض فکان قبل خلق آدم بکثیر لان خلقہ بعد السموات والارض کما روی مسلم مرفوعا فی حدیث طویل بعد ذکر خلق الارض ومافیہا وخلق آدم بعد العصر یوم الجمعۃ فی آخر الخلق وآخر ساعۃ من النہار فیما بین العصر الی اللیل الحدیث وکان خلق السموات والارض

حدیث۔ اللہ تعالیٰ نے اپنی مخلوق کو ظلمت میں پیدا کیا پھر ان پر اپنا نور القار فرمایا سو جس کو اس میں سے نور پہنچ گیا اُس نے ہدایت پائی اور جس کو نہیں پہونچا وہ گمراہ ہوا اور مشکوۃ میں اتنا اور زیادہ ہے کہ میں اسی لئے کہتا ہوں کہ اللہ تعالیٰ کے علم پر قلم خشک ہو گیا۔ میں کہتا ہوں یہ زیادت اس پر دال ہے کہ یہ القار نور مراتب وجود میں سے اُس درجہ میں تھا جس میں تقدیر لکھی گئی ہے (کیونکہ آپ نے تقدیر کے طے ہو جانیکو القار نور پر متفرع فرمایا ہے۔ اور مسلم کی حدیث میں ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ نے مخلوقات کی تقدیرات کو آسمان و زمین کے پیدا ہونے سے پچاس ہزار سال قبل لکھا ہے آپ نے یہ بھی فرمایا اور اُس وقت اللہ تعالیٰ کا عرش پانی پر تھا یعنی اُس کو پہلے سے پیدا کر دیا تھا فہو حادث ایضا ان کان سابقا علی غیرہ) تو یہ پیدائش مذکورہ حدیث میں مذکور ہے) ایسے مرتبہ میں ہوئی ہے کہ اُس میں آسمان و زمین موجود نہ تھے سو یہ پیدائش مذکورہ آدم علیہ السلام سے بہت پہلے ہوئی کیونکہ آدم علیہ السلام کی پیدائش آسمان و زمین کے بعد ہوئی جیسا مسلم نے ایک حدیث طویل میں مرفوعاً زمین اور زمین کی چیزوں کی پیدائش کے بعد روایت کیا ہے کہ آدم علیہ السلام عصر کے بعد جمعہ کے روز آخر خلق میں اور دن کی آخری ساعت میں عصر اور رات کے درمیان پیدا کئے گئے اور دم نفصلت کی آیات سے ظاہراً معلوم ہوتا ہے کہ آسمان و زمین کی آفرینش

في ايام متصلة فكان خلق آدم بعد
السموات والارض فكان حمل هذا الخلق على
خلق الذرات المستخرجة من صلب آدم وحمل القاء
النور على نصب الشواهد والحجج وانزال الآيات
التي هي بعد خلق آدم بكثير وكذا حمل
الظلمة على ظلمة النفس الامارة بالسوء
المجبولة بالشهوات الرديئة والاهواء
المضلة التي هي بعد خلق بني آدم في الارض
بعيدا كل البعد دخيل القول فكان حمل هذا
الخلق وان ذهبت الى امثال هذا الحمل
جماعة من المحشين والشراح وكذا يبعد
القول بعموم الشهوات الرديئة والاهواء
المضلة للانبياء عليهم السلام في بدء فطرتهم
ثم زوالها بعد كيف وقد قال رسول الله
صلى الله عليه وسلم ما من مولود الا يولد على
الفطرة فابواه يهودانه او ينصرانه او
يمجسانه متفق عليه فاذا كان العوام في بدء
الفطرة منزهين عن هذه القاذورات
فكيف بالانبياء عليهم السلام فالاقرب في
تفسير هذا الحديث عندي بذوقي ان
يقال ان هذا النور هو الاستعداد للهداية
والقاء النور هو اعطاء هذا الاستعداد
وهذا كله منوط بالارادة والاختيار منه تعالى

ایام متصلہ میں ہوئی ہے پس آدم علیہ السلام کی پیدائش زمین وآسمان کے بعد
ہوئی اور وہ پیدائش جو حدیث میں مذکور ہے آسمان وزمین کے بہت قبل ہوئی
جیسا اوپر مذکور ہوا، تو اس پیدائش (مذکور فی المتن) کا اُن ذرات کی پیدائش
پر محمول کرنا جو آدم علیہ السلام کی صلب سے مخرج ہوئے اور القاء نور کا اقامت
شواہد دلائل اور انزال آیات محمول کرنا جو آدم علیہ السلام کی پیدائش کے بہت
بعد واقع ہوا اور اسی طرح ظلمت کا نفس امارہ کی ظلمت پر محمول کرنا جو شہوات
ردیہ اور گمراہ کن خواہشوں پر مجبول کیا گیا ہے جس کا بنی آدم کے زمین پر پیدا
ہونے کے بعد وقوع ہوا ہے یہ سب بہت بعید ہو (کیونکہ حدیث متن میں جو خلق
اور القاء نور اور ظلمت مذکور ہے یہ سب آدم علیہ السلام سے بہت پہلے ہیں اور یہ
کمال یعنی ذرات مستخرجہ اور اقامت دلائل وظلمت نفس امارہ یہ سب آدم
علیہ السلام کے بعد ہیں تو یہ حمل کیسے صحیح ہوگا) اگرچہ ایسے حمل کی طرف ایک جماعت
محشین اور شراح کی گئی ہے۔ نیز اس کا قائل ہونا بھی بعید ہے کہ شہوات ردیئہ اور اہوائے
مضلہ بدء فطرت میں حضرت انبیاء علیہم السلام کیلئے بھی عام تھے۔ پھر بعد میں
زائل کردیئے گئے اور یہ کیسے ہو سکتا ہے حالانکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے
ارشاد فرمایا ہے ہر مولود فطرت (صحیحہ) پر پیدا کیا جاتا ہے۔ پھر اُس کے والدین
اس کو یہودی یا نصرانی یا مجوسی بنالیتے ہیں پس عوام الناس بدء فطرت میں
ان گندگیوں سے پاک ہوتے ہیں تو حضرات انبیاء میں اس کے خلاف کیسے ہو سکتا ہے
اس واسطے حدیث کی تفسیر مشہور صحیح نہیں ہو سکتی، پس اقرب اس حدیث کی تفسیر میں
میرے ذوق سے یہ ہے کہ یہ کہا جائے کہ یہ نور ہدایت کی استعداد ہے اور ظلمت
اس استعداد سے خالی ہونا ہے اور القاء نور اس استعداد کا عطا فرمانا ہے اور اس
نور کا پہنچ جانا حق تعالیٰ کے ارادہ و اختیار سے ہے بنا بر رحمت کے اسی طرح نور کا
نہ پہنچنا یہ بھی حق تعالیٰ کے ارادہ و اختیار سے ہے بنا بر حکمت کے اور اس رحمت
اور حکمت کی علت کا سوال نہیں کیا جا سکتا کیونکہ یہ سوال تقدیر کے متعلق ہے

رحمة وكذا هذا الخطأ المفسر بعدم الاصابة
بالارادة والاختيار منه تعالى حكمة ولا يسئل عن
علة هذه الرحمة وهذه الحكمة لانه سؤال عن
العقل ولم يؤذن فيه فكان معنى الحديث ان الله تعالى
خلق خلقه اي المكلفين خالين عن هذا الاستعداد
ثم افاض على من شاء منهم ذلك الاستعداد رحمة
ولم يفض على من شاء منهم حكمة فاهتدى بعضهم
بوجود ذلك الاستعداد وضل بعضهم بفقد
هذا الاستعداد ثم هذا الفقد على قسمين الخلو
عن ذلك الاستعداد مع الخلو عن ضده وتلك
حالة من لم تبلغه الدعوة فكانوا معذورين
ان كانوا ضالين بمعنى عدم الاهتداء والثاني
الخلو عن ذلك الاستعداد والاتصاف بضده
وتلك حالة من بلغته الدعوة ولم يقبل
وهم ضالون ضلالا لا يعذرون عليه فدل الحديث
على كون الاستعداد مجعولا وكون الباري تعالى
مختارا في اعطائه ومنعه فزل قدم بعض وضل
حيث حكموا بكون الاستعداد غير مجعول وكونه
تعالى غير مختار في مقتضاه وانما قالوا
بذلك [illegible] عن استلزام جبر الباري
تعالى العبد بان صدر عن العبد ان كان بخلقه
تعالى لكنه خلق ما خلق لا جبرا بل لاقتضاء
استعدادهم وكان ممتنعا تبديله لقدمه وكذا

جس کی اجازت نہیں دی گئی پس حدیث کے معنے یہ ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے اپنی
مکلف مخلوق کو اس استعداد مذکور سے اولاً خالی پیدا کیا پھر جس پر منظور
ہوا اس استعداد کو بنا بر رحمت کے فائض فرمایا اور جس پر منظور ہوا بنا بر حکمت کے
فائض نہیں فرمایا پس بعضے اس استعداد کے موجود ہونے سے ہدایت یافتہ
ہو گئے اور بعضے اس استعداد کے مفقود ہونے سے گمراہ ہو گئے پھر یہ مفقود ہونا دو
قسم پر ہے ایک اس استعداد سے خالی ہونا اور اسکی ضد سے بھی خالی ہونا اور یہ
اس شخص کی حالت ہے جسکو دعوت نہیں پہنچی سو وہ معذور ہیں اگرچہ گمراہ بایں معنے
ہیں کہ وہ ہدایت یافتہ نہ ہوئے اور دوسری قسم اس استعداد سے خالی ہونا اور
اس کی ضد کیساتھ متصف ہونا اور یہ اس شخص کی حالت ہے جس کو دعوت پہنچی
مگر اسنے قبول نہیں کیا اور یہ ایسی گمراہی سے گمراہ ہیں جس پر معذب ہوں گے
پس بلحاظ تفسیر مذکور کی بنا پر یہ حدیث استعداد کے مجعول ہونے پر اور باری
تعالیٰ کے اسکے اعطاء اور عدم اعطاء میں مختار ہونے پر دال ہوگی اور اس مقام پر
بعضوں کو لغزش ہو گئی ہے اور گمراہ ہو گئے ہیں۔ اسطرح کہ انہوں نے استعداد کے غیر مجعول
ہونیکا اور استعداد کے مقتضا کیخلاف میں حق تعالیٰ کے غیر مختار ہونیکا حکم کر دیا اور
وہ لوگ اسکے صرف اسلئے قائل ہوئے تاکہ اس اشکال کے لازم آنیسے بچ رہیں کہ اللہ
تعالیٰ نے بندہ پر جبر فرمایا ہے (اور بچا) اسطرح (رہتے ہیں) کہ بندہ سے جو کچھ صادر
ہوا ہے وہ اگرچہ حق تعالیٰ ہی کے پیدا فرمانے سے ہے لیکن حق تعالیٰ نے جو کچھ پیدا
کیا وہ جبر نہ تھا بلکہ اسکی استعداد کی اقتضاء سے تھا اور اسکی تبدیل محال تھی
کیونکہ وہ قدیم ہے اسی طرح اس استعداد کیخلاف پیدا کرنا بھی ممتنع تھا کیونکہ خلقت
کیلئے قوت شرط ہے اور اگر خلاف پیدا کرتے اسکی قوت بھی نہیں (اھ) میں کہتا ہوں
کہ ان لوگوں پر یہ استعداد اور استعداد بمعنی امکان ذاتی مختلط ہو گئی اور وہ
امکان ذاتی قدیم ہے اور غیر مجعول ہے اور اسکے غیر مجعول ہونے میں کوئی محذور
نہیں کیونکہ وہ امر عدمی محض ہے جو جعل کو قبول نہیں کرتا اور یہ امکان ممکن سے

كان شيئا لم يخل عنها لعدم ان الاستعداد لان القوة شرط للفعلية لا قلت اختلط عليهم الاستعداد بالاستعداد بمعنى الامكان لان ذلك وهو قد يوجد غير مجعول والثاني مجعول لانه امر عدمي محض لا يقبل الجعل ولا يزول هذا الامكان ابدا عن الممكن لان الامكان لا يكون الا ذاتيا ولا يكون بالغير لانه لو كان بالغير لزم ان يكون واجبا لذاته او ممتنعا بذاته فيلزم انقلاب الحقائق وهو محال واذا كان ذاتيا لا ينفك عن الممكن ابدا لا في وجوده ولا في عدمه فهو ازلي ابدي لكنه لما لم يكن وجوديا لا يلزم المحذور وهو ازلية شيء موجود لا شيء معدوم لان الاعدام كلها ازلية فهذا حكم الاستعداد بمعنى الامكان واختلط عليهم ثم انهم لم يتخلصوا عن الاشكال بل لزمهم اصعب منه فانهم فروا عن كون الباري تعالى جابرا ولزمهم كونه تعالى مجبورا غير مختار لانه لا يفعل الا بمقتضى الاستعداد ودخل هذا الامر باعين المقلدين وخوفا من هذا الباب فتفكروا وتدبروا

کبھی منفک نہیں ہوتا کیونکہ امکان ہمیشہ بالذات ہوتا ہے بالغیر نہیں ہوتا کیونکہ اگر امکان بالغیر ہو تو لازم آتا ہے کہ وہ شئی ممکن واجب بالذات یا ممتنع بالذات ہو گی۔ وہ پھر ممکن نہ رہیگی تو انقلاب حقائق لازم آویگا اور وہ محال ہے اور جب امکان ذاتی ہوا تو ممکن سے کبھی منفک نہ ہوگا نہ اسکے وجود کی حالت میں اور نہ عدم کی حالت میں پس وہ امکان ازلی بھی ہے ابدی بھی ہے لیکن چونکہ وہ کوئی وجودی چیز نہیں (بلکہ اس کی حقیقت عدم الوجوب و عدم الامتناع ہے جو کہ عدمی محض ہے) اسلئے کوئی محذور لازم نہ آئے گا اسلئے کہ محذور کسی شئی موجود کا ازلی ہونا ہے نہ کسی شئی معدوم کا اسلئے کہ اعدام سب ازلی ہیں سو یہ حکم اس استعداد کا ہے جو بمعنے امکان کے ہے اور ان لوگوں پر وہ مختلط ہو گئی اور باوجود اس امر باطل کو قائل ہونے کے اس اشکال سے انکو خلاصی نہیں ہوئی بلکہ اس سے زیادہ سخت اشکال ان پر لازم آگیا اسلئے کہ وہ باری تعالی کے جابر ہونے سے بھاگے تھے اب ان پر باری تعالے کے مجبور و غیر مختار ہونیکا اشکال لازم آگیا کہ نعوذ باللہ وہ اس استعداد کے مقتضا کے خلاف پر (بھی) قادر نہیں (غلط ہے) اور اس کی ایسی مثال ہو گئی کہ بارش سے بھاگ کر اور پرنالے کے نیچے کھڑے ہو گئے ۔ خوب غور اور تفکر و تدبر و تعمق سے کام کرو اور اس تحقیق پر شکر کرو۔

رسالہ التحریض علی صالح التعریض

الحديث (ولقبه بيان التحريض على صالح التعريض) ان مثل الذي يعود في عطيته كمثل الكلب اكل حتى اذا شبع قاء ثم عاد في قيئه فاكله (ق) عن ابي هريرة (ح) ف اعلم ان هذا محمول عند الحنفية على الاستقباح لا على التحريم كما في الهداية وهذا الاستقباح عند بعضهم كراهة التنزيه وعند بعضهم كراهة التحريم كما في الدر المختار وعند غيرهم

حدیث ۔ اور اس حدیث کی شرح کا لقب ہے التحریض علی الصالح التعریض جو شخص اپنی دی ہوئی چیز کو واپس کرے اسکی مثال کتے کی سی ہے کہ اول کھاتا ہے یہاں تک کہ جب پیٹ بھر جاتا ہے تو قے کر دیتا ہے پھر اس قے کو چاٹتا ہے ف جاننا چاہیے کہ یہ حدیث حنفیہ کے نزدیک تقبیح پر محمول ہے نہ کہ تحریم پر جیسا ہدایہ میں ہے پھر یہ تقبیح بعض کے نزدیک کراہت تنزیہی ہے اور بعض کے نزدیک کراہت تحریمی ہے جیسا درمختار میں ہے اور غیر حنفیہ کے نزدیک یہ حدیث تحریم کیلئے ہے اور حدیث اپنے ظاہر الفاظ سے تحریم پر دلالت کرتی ہے کیونکہ قے کا چاٹنا حرام ہے لیکن جب اس قے کے چاٹنے والے کی طرف نظر کیجاوے کہ کتا ہے تو پھر حدیث عدم تحریم پر دلالت کرتی ہے کیونکہ کتے کا فعل تحریم

للتحريم والحديث بظاهره يدل على التحريم
لان الوشم فانه حرام لكن لما انظر الى الاكل
وهو الكلب يدل على عدم التحريم لان فضل
الكلب لا يوصف بالتحريم وعلى تفسير الحنفية
يدل الحديث على مسئلة مهمة عملية يستعملها
المحققون من الصوفية في تربية اصحابهم
وهي انهم قد يتكلمون في مخاطبات اصحابهم
بعبارة هي موضوعة لحقيقة لكنها موهمة
لحقيقة اخرى هي غير مدلولها ويريدون
ايهام المخاطب لهذه الحقيقة الاخرى لمصلحة
راجعة الى المخاطب ومن شرطها ان تكون هذه
المصلحة بحيث لو اريد تحصيلها بطريقها
الظاهر لما تمكن من ذلك الطريق كان مبنيا
على هذا الطريق الموهم ومثال
هذه المسئلة جواب استاذي مولانا محمد
يعقوب رحمه الله تعالى لبعض الذاكرين
شكا اليه رحمه الله عدم المداومة على الذكر
ورأى فيه آثار العجز عن المداومة ورأى انه
لا يرضى بالعمل الغير الدائم وانه لو لم يتيسر
له المداومة لترك العمل بالكلية فاجاب
رحمه الله تعالى ان العمل تارة وتركه اخرى
نوع من المداومة ايضا فانه مداومة على
مجموع العمل والترك فحصل النشاط من

کیساتھ مخصوص نہیں ہوتا یہ تو اختلاف مذاہب کا بیان تھا آگے اس حدیث سے ایک
مسئلہ تصوف کا استنباط ذکر کرتے ہیں اور وہ یہ کہ حنفیہ کی تفسیر پر یہ حدیث ایک ضروری
عملی مسئلہ پر دال ہے جسکو صوفیہ محققین اپنے متعلقین کی تربیت میں استعمال میں لاتے
ہیں اور وہ مسئلہ یہ ہے کہ یہ حضرات بعض اوقات اپنے متعلقین کے خطاب میں ایسی عبارت
کیساتھ تکلم کرتے ہیں کہ وہ موضوع تو ایک حقیقت کیلئے ہو لیکن موہم دوسری حقیقت
کیلئے ہو جو اس عبارت کا مدلول نہیں اور وہ اس عبارت کے تکلم کے وقت مقصود اُنکا
مخاطب ہی کی مصلحت کیلئے اُسکے ذہن کو اُس دوسری حقیقت غیر مدلولہ کی
طرف منتقل کرنا ہوتا ہے اور اسکی ایک شرط یہ بھی ہے کہ وہ مصلحت ایسی ہو کہ اگر اسکو
اُس کے ظاہری طریق سے ہی حاصل کرنیکا ارادہ کیا جاتا تو متکلم کیلئے جائز ہو لیکن یہ
ظاہری طریق اُس مخاطب پر دشوار تھا اور یہ طریق موہم اُس پر سہل تھا اور اس
مسئلہ کی مثالوں میں سے ایک مثال میرے استاذ حضرت مولانا محمد یعقوب صاحب رحمہ اللہ
تعالیٰ کا ایک جواب ہے جو بعض ذاکرین کو دیا تھا جنکو اُنسے ذکر پر مداومت نہ
کرسکنے کی شکایت کی تھی اور اُنھوں نے اُس ذاکر میں ذکر پر مداومت کرنے سے عجز
کے آثار محسوس فرمائے اور یہ بھی محسوس کیا کہ یہ عمل غیر دائم پر راضی نہ ہوگا اور
یہ بھی محسوس کیا کہ اگر اس کو دوام میسر نہ ہوا تو عمل کو بالکلیہ ترک کر دیگا پس
اُنھوں نے اس کو یہ جواب دیا کہ کبھی عمل کرنا اور کبھی اُسکا ترک کر دینا یہ بھی ایک
نوع کی مداومت ہے کیونکہ مجموعہ عمل و ترک پر مداومت ہے تو اس جواب سے
اُس شخص کو ایک طرح کا نشاط پیدا ہو گیا اور اس نے بالکلیہ عمل کو ترک نہیں کیا پھر
اُس نشاط اور اُس عمل غیر دائمی کی برکت سے اُس کو مداومت مطلوبہ حاصل ہو گئی
پس مولانا کے اس ارشاد سے کہ کبھی عمل کرنا اور کبھی ترک کر دینا یہ بھی ایک قسم کی مداومت
ہے مخاطب کے خیال میں یہ بات آگئی کہ یہ مداومت بھی مداومت مطلوبہ ہے اور
مولانا کی یہ مراد نہ تھی کیونکہ مداومت مطلوبہ تو وہی ہے جس کیساتھ بجز نسیان و نادر
کے ترک کبھی نہ ہو سو اگر مولانا یہ جواب دیتے کہ کبھی عمل کرنا اور کبھی ترک کر دینا

هذا الجواب ولم يترك العمل راسا نعم بركة هذا
النشاط وهذا العمل حصل له المداومة المطلوبة
فقوله ان العمل تارة وتركه اخرى نوع من المداومة
اوهم المخاطب ان هذه مداومة مطلوبة ولم يكن
مراده لان المداومة المطلوبة هي التي لا يكون معه
ترك الاصلا فاجاب بان العمل تارة وتركه اخرى
وان لم يكن مداومة لكن لا ينبغي تركه بالكلية وهو
يكون سببا للمداومة المطلوبة انشاء الله تعالى
لصعب عليه العمل بهذا الجواب فاختار المصلحة
هذا الطريق ويسهل عليه العمل ثم وفق للمداومة
عليه ودلالة الحديث عليه ظاهر على مسلك الحنفية
فان قوله صلى الله عليه وسلم كمثل الكلب يعود في قيئه
اوهم المخاطب حرمته ومراده صلى الله عليه وسلم
الاستقباح فقط فلو لم يصرح النبي صلى الله عليه وسلم بعدم تحريمه
لكان تركه العود اصعب فبعدم التصريح به واما
تحقق الشرط المذكور في قولي ومن شروطه كون هذه
المصلحة بحيث لو اريد تحصيلها بطريقها الظاهر لساغ
للمتكلم فبيانه انه صلى الله عليه وسلم لو نهى عن العود في الهبة
بدون هذا التمثيل مع كونه مباحا في نفسه لساغ له كما
يدل عليه قوله تعالى وما كان لمؤمن ولا مؤمنة اذا قضى الله
ورسوله امرا ان يكون لهم الخيرة من امرهم حيث ان ابى
زينب عن نكاح زيد كان مباحا في نفسه لكنه صلى الله
عليه وسلم لما امر بالنكاح نهى عن الاباء ووجب عليها الامتثال
في هذا المباح وكان هذا في حكم جزئي اما وجوب مثل
هذا المباح في حكم كلي فيوخذ من قول بعض العلماء من
قوله صلى الله عليه وسلم لمن سأل عن الحج أفي كل عام لو قلت
نعم لوجبت قال النووي فيه دليل للمذهب الصحيح انه صلى
الله عليه وسلم كان له ان يجتهد في الاحكام ولا يشترط في حكمه
ان يكون بوحي او ظهر انه لو قال صلى الله عليه وسلم
مباح او تحريم جميع الامة برايه ثم قال وهذا
الاجتهاد او نسخ امر آخر وقال المشركون في وجوب الحج
بالنبوت قوله عليه السلام لو قلت نعم لوجبت يستدل به

اگرچہ مداومت نہیں ہے لیکن بالکلیہ ترک مناسب نہیں اور یہی انشاء اللہ
تعالیٰ سبب ہو جاویگا مداومت مطلوبہ کا تو اس مخاطب کو اس جواب پر
عمل کرنا دشوار ہو جاتا پس اس مصلحت کیلئے اس طریق کو اختیار کیا اور
اسکے اس پر عمل سہل ہو گیا پھر اس کو مداومت کی توفیق ہوا اور اس حدیث
کی دلالت اس مسئلہ پر حنفیہ کے مسلک پر ظاہر ہے کیونکہ حضور اقدس کا
یہ ارشاد کہ اس کی مثال کتے کی سی ہے جو اپنی قے میں عود کرتا ہے مخاطب
میں حرمت کے خیال کو پیدا کرتا ہے اور حضور کی مراد صرف تقبیح ہے سو آپ
اگر عدم تحریم کی تصریح فرماتے تو ترک عود فی الہبہ دشوار ہوتا نفس میں
بار بار یہی داعیہ پیدا ہوتا کہ حرام تو ہے ہی نہیں پھر نفع کو کیوں چھوڑیں
اور جب عدم تحریم کی تصریح نہیں فرمائی تو اب ترک عود سہل ہو گیا۔
کیونکہ نفس کو مایوسی ہو گئی کہ اب اس کی گنجائش نہیں رہی۔ باقی اس
شرط کا تحقق جس کا ذکر میرے اس قول میں تھا کہ اس کی ایک شرط یہ
بھی ہے کہ وہ مصلحت ایسی ہو کہ اگر اس کو اس کے ظاہری طریق سے بھی
حاصل کرنے کا ارادہ کیا جاوے تو متکلم کیلئے جائز ہو الخ سو اس شرط کے
تحقق کا بیان یہ ہے کہ اگر باوجود اس عود کے مباح فی نفسہ ہونیکے
بھی بدون اس تمثیل کے اس عود سے منع فرماتے تو آپ کو اس کا حق
تھا جیسا آیت اس پر دلالت کرتی ہے کہ کسی مومن مرد اور کسی مومن عورت
کو یہ حق نہیں کہ جب اللہ اور اس کا رسول کسی بات کا حکم کر دیں تو پھر بھی
اُن کو اس بات میں اختیار باقی رہے (گو وہ امر فی نفسہ محل اختیار تھا
مگر اس حتمی حکم کے بعد محل اختیار باقی نہیں رہا) چنانچہ حضرت زینب
کا زید کے ساتھ نکاح کرنے سے انکار فی نفسہ مباح تھا لیکن جب حضور اقدس
نے نکاح کا حکم فرمایا اور انکار سے منع فرمایا تو زینب پر اس مباح میں آپ کی
اطاعت واجب ہو گئی اور یہ وجوب اطاعت ایک امر جزئی میں تھا

أعني ان النبي صلى الله عليه وسلم مفوض إليه الأحكام
وفي ذلك خلاف مبسوط في الأصول اهـ وهذا
أقوى دلالة على ما قلناه في انه جاز له صلى الله
عليه وسلم تشريع حكم عام بتحقق الشرط بأتم وجه
وأوضحه ولا يضر الاختلاف في أمثاله ولو ضر
لضر الدليل الخاص وغايته انتفاء الدليل الخاص
ولا يستلزم انتفاؤه انتفاء المدلول لإمكان
ثبوته بدليل آخر كحديث مسلم الآتي ههنا وهو
النص بغرضنا لأن غرضنا هو الاستدلال على
طريق الإصلاح الخاص لا التشريع العام الذي
كان في حديث الهبة ويكفي بهذا الغرض حديث
مسلم لما ستعلم وهو ما في قوله في الباب حديث
آخر أصرح في الدلالة من حديث المتن وهو ما
في صحيح مسلم باب صحة الإقرار بالقتل إلى قوله
واستحباب طلب العفو منه عن وائل في قصة
تمكين رسول الله صلى الله عليه وسلم ولي المقتول
من القصاص انه لما ولى قال صلى الله عليه وسلم
ان قتله فهو مثله وفي طريق أخرى له عن وائل قال
صلى الله عليه وسلم القاتل والمقتول في النار اهـ
أراد صلى الله عليه وسلم طلب العفو عنه لمصلحة
محتمل وجوهاً وهو مما لو أمره به صريحاً لوجب عليه
لكن لم يأمره بصريح اللفظ كيلا يأثم إن لم يمتثل
فعرض صلى الله عليه وسلم بقول فهم منه المخاطب
ما يريده صلى الله عليه وسلم فإن المعنى المراد له
صلى الله عليه وسلم مطلق المماثلة فعلا لا حكماً
ودخول بعض القاتل النار لا لخصوص هذا القاتل
الذي يقتل الظالم قصاصاً ويتأيد استدلالي
بالحديث على المسألة التصوفية بما قال النووي في شرح
الحديث وإن كان ما قال مجملا وما قلته مفصلا
ونصه إنما قال النبي صلى الله عليه وسلم ما قال بهذا
اللفظ الذي هو صادق فيه لإيهام لمقصود
صحيح وهو أن الولي ربما خاف فعفا والعفو مصلحة
للولي والمقتول في ديتهما وفيه مصلحة للجاني وهو
إنقاذه من القتل فلما كان العفو مصلحة توصل
إليه بالتعريض وقد قال الضمري وغيره من علماء أصحابنا
وغيرهم يستحب للمفتي إذا رأى مصلحة في التعريض
للمستفتي أن يعرض تعريضاً يحصل به المقصود
مع أنه صادق فيه إلى قوله كمن يسأل عن الغيبة
في الصوم هل يفطر بها فيقول جاء في الحديث الغيبة
تفطر الصائم اهـ ويتأيد ما قلت من انه لو أمره
صلى الله عليه وسلم بالعفو صار محالا لوجب

باقی ایسے مباح کا کسی حکم کلی میں واجب ہو جانا (یعنی خوب اپنے
ذاتی حکم کا تشریع عام بن جانا) سو بعض علماء کے قول پر آپ کے اس
ارشاد سے ماخوذ ہوتا ہے جو آپ نے اس شخص سے فرمایا تھا جس نے حج
کے باب میں پوچھا تھا کہ کیا ہر سال ہم پر حج واجب ہے تو آپ نے فرمایا
کہ اگر میں ہاں کہہ دیتا تو پھر ہر سال کیلئے واجب ہو جاتا (ماخوذ
ہونے کی تقریر یہ ہے کہ نووی نے لکھا ہے کہ اس حدیث میں مذہب
صحیح کی دلیل ہے کہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کو احکام میں اجتہاد
فرمانے کا اختیار تھا اور آپ کے حکم میں یہ شرط نہیں کہ وہ وحی ہی سے ہو۔
اس سے یہ بات ثابت ہو گئی کہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کو اپنی
رائے مبارک سے کسی مباح کے واجب فرمانے کا یا کسی مباح
کے حرام فرمانے کا حق تھا اس لئے اس سائل کے سوال کے وقت
اگر یہی رائے ہو جاتی کہ ہر سال کیلئے واجب کر دینا چاہئے تاکہ
سب کو بصیرت حاصل ہو کہ بے ضرورت سوال کرنا مضر ہے تو اس
رائے پر عمل کرنا آپ کو جائز تھا پھر اس حکم اجتہادی کا باقی رہنا
یا منسوخ ہو جانا سو یہ دوسری بات ہے اور شوکانی نے نیل
الاوطار میں باب وجوب حج میں اس ارشاد مذکور کے تحت میں
ذکر اگر میں ہاں کہہ دیتا تو ہر سال حج فرض ہو جاتا) یہ لکھا ہے کہ
اس (ارشاد) سے اس پر استدلال کیا گیا ہے (یعنی بعض علماء
نے استدلال کیا ہے) کہ آپ کو احکام کے شروع کر دینے کا بھی
اختیار مفوض کیا گیا ہے اور اس میں اختلاف بھی ہے جو اصول میں
بسط کے ساتھ مذکور ہے اھ اور یہ قول (اس مضمون پر دلالت کرنے
میں) اور زیادہ قوی ہے جو ہم نے کہا ہے کہ آپکو حکم عام کی تشریع
بھی جائز ہو بشرطیکہ وہ شرط مذکور بھی بوجہ اتم و اوضح متحقق ہو گئی

عليه بما حكى مسلم عن اسمعيل بن سالم ابو داود حديث
القاتل والمقتول في النار قال فذكرت ذلك
لحبيب ابن ابي ثابت فقال حدثني ابن اشوع
ان النبي صلى الله عليه وسلم انما سأله ان يعفو
عنه فابى الخ قلت لعل مراد ابن اشوع ابداء
احتمال صحيح لحكم بدخول النار بالقتل فعلم
انه لو امره لوجب عليه امتثال امره صلى الله
عليه وسلم فثبت جميع ما ذكرنا باقوال علماء الظاهر
ايضا ومن الاصل ينفع جميع ما اشكل من قوله
صلى الله عليه وسلم في عبد الله بن ابي حين قام
صلى الله عليه وسلم ليصلي عليه فقام عمر فقال
تصلي على ابن ابي وقد قال يوم كذا كذا وكذا فقال
صلى الله عليه وسلم اني خيرت فاخترت وفي رواية
قال سازيده على سبعين والاشكال فيه من
وجهين احدهما ان قوله تعالى استغفر لهم او لا
تستغفر لهم للتسوية لا للتخيير وثانيهما ان قوله
تعالى سبعين مرة محمول على المبالغة فلا مفهوم
لهذا الحد وتحير في الجواب عنها العلماء قديما و
حديثا واسهل توجيه في الحديث على ما قال استاذي
مولانا محمد يعقوب بناء على الاصل المذكور انه صلى
الله عليه وسلم تمسك بمحض الالفاظ من غير
التفات الى المراد بها كما قصد صلى الله عليه وسلم
فيما سبق من حديث الهبة وترك القصاص ان
يتمسك المخاطب بمحض الالفاظ من غير التفات
الى المراد بها وكان الفعل جائزا في نفسه لعدم ورود
النهي المعلوم عن الصلوة والاستغفار وان كان عبثا
في نفسه من الاصل لكنه لما اراد صلى الله عليه وسلم
بعض الحكمة ما نقل في حاشية البخاري عن الكتب
المختلفة ما نصه ولكنه تحيل بما قال الظاهر الغائب
او راقة على من بعث اليه وروى انه قال صلى الله
عليه وسلم وما يغني عنه قميصي وصلاتي من الله
اني كنت ارجو ان يسلم به الف من قومه وروى انه اسلم
الف من قومه لما رأوه يتبرك بقميص النبي صلى الله عليه وسلم
اهـ وهذه الروايات وان لم ارها منقولة لكنها انسب بما
دون من ابداء حكمة فعله صلى الله عليه وسلم بعض
الحكم التي منها ما قاله استاذي مولانا محمد يعقوب من انه
صلى الله عليه وسلم بهذا الفعل ان المتروكات لا
تغني من الحق شيئا اذا لم يكن مؤمنا والله اعلم و
ان الفقه درجة المسئلة بالتفريع

اور دیگر علماء کا اس انتقال تشریع عام میں اختلاف ہے گو ایسے امور
میں اختلاف مضر نہیں کیونکہ اثر اختلاف کا دلیل ظنی ہو جانا ہے اور جس
مسئلہ تصوف کو ہم مستنبط کر رہے ہیں عمل کیلئے اس کا بھی ظنی ہونا کافی ہے
پھر اگر اختلاف مضر بھی ہو تو دلیل خاص کو مضر ہوگا اور غایت اس
مضرت کی یہ ہوگی کہ وہ دلیل خاص ظنی ہو جائیگی اور دلیل خاص کا انتفاء
مدلول کے انتفاء کو مستلزم نہیں کیونکہ ممکن ہے کہ وہ دوسری دلیل سے
ثابت ہو جائے جیسے یہاں مسلم کی حدیث سے جو عنقریب آتی ہے اور وہ
ہمارے مقصود کو زیادہ مبین ہے کیونکہ ہمارا مقصود اصلاح خاص کے
طریق پر استدلال کرنا ہے نہ کہ تشریع عام پر اور اس کیلئے مسلم کی
حدیث (آئندہ) کافی ہے جیسا عنقریب تم کو معلوم ہو جائیگا اور وہ
وہ حدیث ہے جو میرے قول آئندہ میں ہے (یعنی یہ سب بیان تھا اس
مسئلہ کو حدیث متن سے ثابت کرنیکا) اور اس باب میں ایک حدیث اور
حدیث بھی ہے جو دلالت میں حدیث متن سے زیادہ صریح ہے اور وہ
وہ حدیث ہے جو صحیح مسلم میں حضرت وائل سے اس قصہ میں مذکور ہے
جس میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک ولی مقتول کو قصاص لینے
کا اختیار عطا فرما دیا اور جب وہ وہاں سے چلا تو آپ نے ارشاد فرمایا کہ اگر یہ
اس کو قتل کر دیگا تو یہ بھی مثل (قاتل اول) کے مثل ہو جائیگا اور مسلم
ہی کی دوسری روایت میں وائل سے آپ کا یہ ارشاد ہے کہ قاتل اور
مقتول دونوں دوزخ میں ہیں اھ آپ کا مقصود کسی مصلحت سے قصاص
معاف کرنے کی درخواست تھی جس کی متعدد وجوہ ہو سکتی ہیں اور یہ
مقصود معافی کا ایسا ہے کہ اگر آپ اس ولی مقتول کو اس کا صریح حکم کرتے
تو اس پر واجب ہو جاتا لیکن آپ نے صریح الفاظ سے حکم نہیں دیا تاکہ
اگر وہ امتثال امر نہ کرے تو گنہگار نہ ہو بس آپ نے تعریض و اشارہ)

کے طور سے ایسی بات فرمادی کہ اُس مخاطب نے ایسا مضمون سمجھا جو آپ کی مراد نہ تھی کیونکہ آپ کی مراد پہلے ارشاد میں مطلق تفاوت
فی الفعل تھی نہ فی الحکم یعنی یہ مطلب تھا کہ دونوں نفس فعل قتل میں یکساں ہو جاوینگے کہ جیسا اصل مجرم قاتل تھا اسی طرح ولی مقتول بھی قاتل
ہو جائیگا گو حکم دونوں قتل کا جدا جدا ہے کہ مجرم کا فعل حرام تھا اور ولی مقتول کا فعل جائز ہے اسی طرح دوسرے ارشاد میں آپ کی مراد بعض
قاتل کا نار میں داخل ہوتا ہے (یعنی جو ظلماً قتل کرے) نہ خاص اس قاتل کا جو ظالم کو قصاص میں قتل کر رہا ہے اور اس حدیث سے جو میں نے اس
مسئلہ تصوفیہ پر استدلال کیا ہے اُسکی تائید نووی کے قول سے بھی ہوتی ہے جو انھوں نے حدیث کی شرح میں کہا ہے اگرچہ اُنکا قول مجمل ہے اور میرا
قول مفصل ہے اور اس تائید کے نقل کرنے میں یہ فائدہ ہے کہ اکثر طبائع کو علماء ظاہر کے اقوال سے زیادہ قناعت ہوتی ہے اور صوفیہ کو مخترع سمجھتے
ہیں اسی واسطے اس حدیث کے جزو عفو کے متعلق اور حدیث آئندہ واقعہ عبد اللہ بن ابی کے متعلق بھی علماء ظاہر کے اقوال نقل کرونگا اور نووی کے قول
کی عبارت یہ ہے کہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے جو کچھ فرمایا ایسے الفاظ سے فرمایا جس میں آپ صادق ہیں اور اس میں جو ایہام ہے وہ ایک مقصود صحیح
کیلئے ہے اور وہ مقصود یہ ہے کہ ولی قتیل (اس کہنے سے) ڈر جاویگا اور معاف کر دیگا اور معاف کر دینا ولی مقتول کی بھی اور اس مقتول کی بھی دینی
مصلحت ہے ولی کی مصلحت تو ثواب ہے عفو کا اور اس مقتول کی مصلحت اُسکے اجر کا بڑھ جانا کیونکہ جس مظلوم کا انتقام نہ لیا جاوے اُس کا اجر بڑھ
جاتا ہے) اور اس مجرم کی بھی مصلحت ہے کہ قتل سے اُس کی رہائی ہے پس جبکہ عفو سراسر مصلحت تھی آپنے تعریض ہی اُس کے ساتھ حاصل
کی اور مضری وغیرہ نے جو ہماری جماعت کے اور دوسری جماعت کے بھی علماء ہیں یہ کہا ہے کہ مفتی جب تعریض میں مستفتی کی مصلحت دیکھے تو اُس کے
لئے مستحب ہے کہ ایسی تعریض کرے جس سے مقصود حاصل ہو جاوے اور اسکے ساتھ یہ بھی ہو کہ اُس (تعریضی قول) میں سچا ہو آگے مثال دی ہے کہ
جیسے کوئی شخص روزہ میں غیبت کرنیکے متعلق پوچھے کیا اس سے روزہ ٹوٹ جاتا ہے اور مفتی یہ کہدے کہ ایک حدیث میں آیا ہے کہ غیبت سے روزہ ٹوٹ
جاتا ہے (یہ نووی کی اس نقل سے میرے استدلال کی تائید ہو گئی اور میں نے جو یہ کہا ہے کہ اگر آپ عفو کا صریح امر فرماتے تو ولی مقتول پر معاف کر دینا
واجب ہو جاتا اس کی تائید اس سے ہوتی ہے جو امام مسلم نے اسمٰعیل بن سالم سے جو اس حدیث کے راوی ہیں نقل کیا ہے وہ کہتے ہیں کہ میں نے حبیب بن
ابی ثابت سے اس کا ذکر کیا کہ ولی مقتول کی نسبت فی النار کیسے فرمایا اُنھوں نے جواب دیا کہ مجھ سے ابن اشوع نے روایت کیا ہے کہ پیغمبر صلی اللہ علیہ
وسلم نے اُس عفو کی درخواست کی تھی اُس نے انکار کر دیا (اس لئے آپنے ایسا فرمایا اسلئے کہ اس صورت میں وہ تارک واجب ہوا تو مستحق وعید
ہوتا ہے) میں کہتا ہوں شاید مراد ابن اشوع کی ایک ایسے احتمال کا پیدا کرنا ہو جس سے قتل کرنے پر دخول نار کا علم صحیح ہو جاوے کیونکہ ابن اشوع
نے کوئی سند بیان نہیں کی سو (اس جواب سے) اتنا تو معلوم ہو گیا کہ اگر آپ اُس کو عفو کا حکم فرماتے تو اُس پر آپکے حکم کا امتثال واجب ہو جاتا پس
جملہ سب دعوے علمائے ظاہر کے اقوال سے بھی ثابت ہو گئے اور اس قاعدہ مذکورہ سے وہ سب اشکالات بھی مرتفع ہو جاتے ہیں جو حضور اقدس
صلی اللہ علیہ وسلم کے ارشاد پر واقع ہوتے ہیں جو آپنے عبد اللہ بن ابی (منافق) کے باب میں فرمایا ہے جس وقت آپ اُس کے جنازہ کی نماز
پڑھنے کو کھڑے ہوئے اور حضرت عمرؓ کھڑے ہو گئے اور عرض کیا کہ آپ عبد اللہ بن ابی پر نماز پڑھتے ہیں حالانکہ اُس نے فلاں دن یوں کہا فلاں دن
یوں کہا آپنے ارشاد فرمایا کہ اللہ تعالیٰ نے (مجھکو صریح نہی نہیں فرمائی بلکہ مجھکو (استغفر لهم او لا تستغفر لهم میں) اختیار دیا ہے سو میں نے
(استغفار کو) اختیار کر لیا اور ایک روایت میں ہے کہ (اللہ تعالیٰ نے ستر پر عدم مغفرت کی خبر دی ہے) میں ستر سے بڑھا دونگا اور اشکال اس پر
دو وجہ سے ہے ایک یہ کہ حق تعالیٰ کا ارشاد (استغفر لهم او لا تستغفر لهم) تسویہ کیلئے ہے تخییر کیلئے نہیں اور دوسرا یہ کہ حق تعالیٰ کا یہ ارشاد
سبعین مرۃ مبالغہ پر محمول ہے (نہ کہ تحدید پر) پس اس عدد کا مفہوم مخالف معتبر نہیں اور ان دونوں اشکالوں کے جواب میں علماء قدیماً
وحدیثاً متحیر رہے ہیں اور سب سے سہل توجیہ حدیث میں جیسا کہ قاعدہ مذکورہ کی بناء پر مولانا محمد یعقوب صاحبؒ نے ارشاد فرمایا ہے یہ ہے کہ حضور
اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے بعض الفاظ سے بدون التفات معانی کے تمسک فرمانیکا قصد فرمایا جیسا آپنے سب اور قصاص کی گذشتہ حدیث
میں اس کا قصد فرمایا کہ مخاطب محض الفاظ سے تمسک کرے اور اس طرف التفات نہ کرے کہ ان الفاظ سے مراد کیا ہے اور فعل (یعنی اُس پر

نماز جنازہ کی پڑھنا) فی نفسہ جائز تھا کیونکہ نماز و استغفار سے نہی صریح وارد نہ ہوئی تھی اگرچہ یہ نماز و استغفار فی حد ذاتہ اصل سے فضل غیر مفید تھا لیکن جب حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اس میں کچھ حکمتوں کی بھی رعایت فرمائی تھی اس لئے وہ فعل عبث بھی نہ رہا اور شاید حکمت وہ ہو جسکو حاشیہ بخاری میں مختلف کتابوں سے نقل کیا ہے جسکی عبارت یہ ہے کہ آپنے جو کچھ (جواب میں فرمایا) اسکی وجہ امت پر غایت رحمت و شفقت کے اظہار کو خیال میں ڈالدیا اور یہ بھی روایت ہے کہ آپنے ارشاد فرمایا کہ میرا قمیص اور میری نماز اس کو کیا نافع ہو سکتی ہے واللہ میں امید کرتا ہوں کہ اسکی قوم کے ایک ہزار آدمی اسلام لے آئیں اور یہ بھی روایت ہے کہ اُسکی قوم کے ایک ہزار آدمی اسلام لے آئے۔ جب دیکھا کہ اُس کو حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کے قمیص مبارک کا تبرک عطا ہوا۔ اور ان روایتوں کو میں نے کہیں منقول نہیں دیکھا۔ لیکن یہ روایتیں اس احتمال سے تو کم ہی ہوئی نہیں کہ شاید حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے ایسی حکمتوں کا قصد فرمایا ہو جنمیں ایک حکمت وہ بھی ہے جو میرے استاذ مولانا محمد یعقوب صاحب ؒ نے بیان فرمائی کہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے اس عمل سے اس کو ظاہر فرما دیا کہ اگر کسی میں ایمان نہ ہو تو اُس کو تبرکات بالکل کام نہیں دیتے (اس شخص کے برابر کس کو تبرکات نصیب ہو سکتے ہیں مگر منافق ہونیکی وجہ سے پھر نار کے درک اسفل کا مستحق رہا اور پہلی حکمتیں غیر مسلمین کے اعتبار سے تھیں کہ اُن کا تالیف قلب کرنا مقصود تھا اور یہ اخیر کی حکمت مسلمین کے اعتبار سے ہے کہ اُن کو مسئلہ کی تعلیم کرنا مقصود ہے) واللہ اعلم۔ اور میں مناسب سمجھتا ہوں کہ اس مسئلہ کی تقریر کو التعرض علی مصالح التعریض سے ملقب کردوں۔ یوم الخمیس ۱۳ ربیع الاول ۱۳۲۰ھ

رسالہ الحصحصة فی حکم الوسوسة

الحديث ان الله تعالى تجاوز لامتي عما حدثت به انفسها مالم تتكلم به او تعمل به (ق م) عن ابي هريرة (طب) عن عمران ابن حصين (صح) قال العزيزي وفي رواية اخرى ما وسوست به صدورها قال الحفني ان المراتب خمسة هاجس وخاطر وحديث نفس وهم وعزم فالشئ اذا وقع في القلب ابتداء ولم يجعل في النفس سمي هاجسا فاذا كان موفقا دفعه اول الامر لم يحتج الى المراتب بعده فاذا جال اي تردد في نفسه بعد وقوعه ابتداء ولم يحدث بفعل ولا عدمه سمي خاطرا فاذا حدث نفسه بان يفعل به او لا يفعل على حد سواء من غير ترجيح احدهما على الآخر سمي حديث نفس

حدیث۔ اللہ تعالیٰ نے میری امت کیلئے اُنکے خیالات سے تجاوز فرمایا ہے جنکو وہ اپنے جی سے باتیں کرتے ہیں جبتک کہ اُن کو منہ سے نہ نکالیں یا اُنکو عمل میں نہ لادیں۔ عزیزی نے کہا ہے کہ ایک دوسری روایت میں ہے کہ اُنکے سینہ میں جو وسوسہ پیدا ہوں حفنی نے کہا ہے کہ (خیال کے) مراتب پانچ ہیں ایک ہاجس دوسرا خاطر تیسرا حدیث النفس چوتھا ہم پانچواں عزم پس جب کوئی بات قلب میں ابتداءً واقع ہوئی اور اُسنے نفس میں کوئی حرکت نہیں کی اُس کو ہاجس کہتے ہیں پھر اگر اُس شخص کو توفیق ہوئی اور اول ہی سے اُس کو دفع کردیا تو وہ مابعد کے مراتب (کی تحقیق) کا محتاج نہ ہوگا اور اگر وہ نفس میں دورہ کرنے لگے یعنی وقوع ابتدائی کے بعد اُس کے نفس میں اُسکی آمد و رفت ہونے لگے مگر اُسکے کرنے نہ کرنے کا کوئی منصوبہ نفس نے نہیں باندھا اُس کو خاطر کہا جاتا ہے جب نفس کرنے نہ کرنیکا برابر درجہ میں منصوبہ باندھنے لگا اور ان میں سے کسی ایک کو دوسرے پر ترجیح نہیں ہوتی اُس کو حدیث نفس کہتے ہیں سو یہ تین درجے ایسے ہیں کہ ان پر نہ عقاب ہے اگر یہ شر میں ہے اور نہ ثواب ہے اگر خیر میں ہو پھر جب اس فعل کو کرلیا تب اُس فعل پر عقاب یا ثواب ہوگا اور ہاجس اور خاطر اور حدیث النفس پر نہ ہوگا (جیسا بعض علماء اسطرف بھی گئے ہیں) پھر جب نفس میں فعل یا عدم فعل کا منصوبہ ترجیح فعل کیساتھ ہونے لگا لیکن وہ ترجیح قوی نہیں ہے بلکہ ترجیح ہے جیسا وہم ہوتا ہے اسکو ہم کہتے ہیں اس پر ثواب بھی ہوتا ہے اگر وہ خیر ہے

فهذه الثلاثة لا عقاب عليها ان كانت في الشر
ولا ثواب عليها ان كانت في الخير فاذا فعل الا
عوقب او اثيب على الفعل الهاجس والخاطر
وحديث النفس فاذا حدثته بالفعل وعد
مع ترجيح الفعل لكن ليس ترجيحا قويا بل
مرجوح كالوهم سمى هما فهذا يثاب عليه ان
كان في الخير ولا يعاقب عليه ان كان في
الشر كما في الحديث فاذا قوى ترجح الفعل
حتى صار جازما مصمما لا ينفك على الترك سمى
عزما فهذا يثاب عليه ان كان في الخير ويعاقب
عليه ان كان في الشر قلت الوسوسة عام لجميع
المراتب الثلثة الهاجس والخاطر وحديث
النفس فجميع اقسامها غير مواخذ به وعدم المواخذة
على حديث النفس بالحديث الصحيح وعلى الباقيين
بالاولى لانه اذا ارتفع حديث النفس ارتفع ما قبله
بالاولى وان خالجك ان الحكم بارتفاع حديث
النفس بالحديث يتوقف على كون المراد في
الحديث ما اصطلحتم عليه فما الدليل عليه
فازحه بان هذا الاصطلاح عين اللغة والنصوص
محمولة على اللغة ما لم يطرأ عليها اصطلاح
شرعي ولم يطرأ فيحمل على اللغة وهو ما ذكرنا
فافهم والسر في عدم المواخذة على الهاجس
لانه ليس من فعله وانما هو شيء ورد عليه لا قدرة

اور عقاب بھی ہوتا ہے اگر شر میں ہو پھر جب فعل کا رجحان قوی ہوگیا یہاں
تک کہ جازم مصمم بنگیا کہ ترک پر قابو نہیں رہا اسکو عزم کہتے ہیں اس پر بھی
ثواب ہوتا ہے اگر خیر میں ہے اور عقاب ہوتا ہے اگر شر میں ہو اھ میں کہتا
ہوں کہ لفظ وسوسہ تینوں مرتبوں کو عام ہے۔ یعنی ہاجس اور خاطر اور
حدیث النفس سو وسوسہ کی ان تینوں قسموں پر مواخذہ نہیں ہے اور دونوں
حالتوں میں حکم معافی کا مختلف نہیں ہوتا اور حدیث النفس پر مواخذہ نہ ہونا
تو حدیث صحیح سے ہے (جو اوپر مذکور ہوئی) اور بقیہ دو پر (یعنی ہاجس خاطر پر)
عدم مواخذہ بالاولی ہے۔ کیونکہ جب حدیث النفس معاف ہے تو اس کے
ماقبل کے درجات (یعنی ہاجس و خاطر جو کہ اس سے ادون و ادون ہیں) بدرجۂ
اولیٰ معاف ہونگے اور اگر تمکو یہ خلجان ہو کہ حدیث کی بنا پر حدیث النفس
کی معافی کا حکم اس پر موقوف ہے کہ حدیث میں حدیث النفس کے (
اصطلاحی معنی مراد ہوں سو اسکی کیا دلیل ہے پس اس خلجان کو اسطرح دفع
کردو کہ یہ اصطلاح عین لغت ہے اور نصوص معنی لغویہ ہی پر محمول ہوتی ہیں
جبتک معانی لغویہ پر کوئی شرعی اصطلاح طاری نہ ہو جائے اور یہاں
طاری نہیں ہوئی۔ پس لغوی معنی ہی مراد ہونگے۔ اور لغوی معنی حدیث
النفس کے وہی ہیں جو ہم نے اوپر ذکر کیا خوب سمجھ لو۔ اور ہاجس پر عدم مواخذہ
کا راز یہ ہے کہ یہ اس کا فعل نہیں صرف اس پر ایک ایسی شی وارد ہوگئی
جسپر اس کو قدرت ہی نہ اس کا کوئی تصرف ہے اور خاطر کا درجہ جو اسکے بعد ہے
اگرچہ یہ شخص اسکے دفع پر اس طرح قادر ہے کہ ہاجس کے اول ہی وارد ہونیکے وقت
اسکو ہٹادے (مثلاً کسی دوسری جانب میں لگ جاوے) لیکن چونکہ یہ خاطر
حدیث النفس سے کم ہے اور حدیث النفس حدیث کی رو سے معاف ہے اس لیے
یہ خاطر بدرجۂ اولی معاف ہے اور اس (تحقیق) سے ایک سخت اشکال حل
ہوگیا اور وہ اشکال یہ ہے کہ کلیات شرعیہ اور قواعد عقلیہ کا مقتضا یہ ہے
کہ اختیاری پر مواخذہ ہو اور غیر اختیاری پر مواخذہ نہ ہو اور یہ تو مقدمہ ہے
آگے اشکال یہ کہ پھر امت مرحومہ کا دیہ اختصاص ہے کہ وساوس پر مواخذہ
نہیں ہوتا اگر مراتب مذکورہ حد غیر اختیاری کے اعتبار سے ہیں کہ غیر
اختیاری پر ان سے مواخذہ نہیں ہوتا اور دوسری امم سے ہوتا تھا تب تو
امم سابقہ کا امور غیر اختیاریہ کیساتھ مکلف ہونا لازم آتا ہے اور یہ کلیات
شرعیہ کا منافی ہے جیسے لا یکلف اللہ نفسا الا وسعہا کہ ظاہراً اس میں
نفس عام ہے لاحق اور سابق کو اور اختیاری کے اعتبار سے تو خود یہ

لا عنه فالاصح والخاطر الذی بعده وان کان قادرا علی
دفعه بصرف البال عنه والمجئ ولکنهما لا یخطران حدیث
النفس هو متعلق وبالحدیث کان مرفوعا بالاول کما ذکرنا
وهذا المحل اشکل حیث ظواهر الکلیات الشرعیة والقواعد
العقلیة تقتضی المواخذة علی الاختیاری وعدمها
علی غیر الاختیاری فاختصاص الامة المرحومة
من بین الامم ان کان باعتبار غیر الاختیاری
من المراتب المذکورة یلزم تکلیف الامم السابقة
بغیر الاختیاری وهو ینافی الکلیات الشرعیة
وان کان باعتبار الاختیاری فما الفرق بین
اختیاری واختیاری حیث یواخذ علی العزم
ولا یواخذ علی حدیث النفس مع اشتراکهما فی کونهما
اختیاریین وجه الانحلال ان الاختصاص باعتبار
الاختیاری والفرق بین العزم وبین الخاطر وحدیث
النفس ان الخاطر وکذا حدیث النفس وان کان
دفعه اختیاریا لکنه یحتاج الی قصد له فهو
کثیرا ما یقع الذهول عن هذا القصد فیجر الاول
الی الثانی والثالث فالمواخذة علیه لا ینافی الکلیات
الشرعیة لکن الرحمة الالهیة قد خصت هذه
الامة بالعفو عنه کوضع الاصر والاغلال التی کانت علی
السابقین عن هذه الامة فهذه المرتبة اختیاریة لکن
فیها مشقة فکانت فرع الاصر والاغلال اما العزم فلا
ینجر الخاطر الیه کذلک وانما یحصل بقصد مستقل فهذا
هو الفرق بین حدیث النفس والعزم فمدار العفو هو الاقتضاء
الذی یجر الیه والمواخذة هو العزم المستقل فلو حدث نفسه
بالمعصیة بعزم مستقل او لم یعزم علی المعصیة لکن التذ
بصورة الاجنبیة قصدا فالظاهر انه یواخذ علیه هذا ویلیق بیان محل الحدیث بالخصوصة فی حکم الوسوسة ۔
الا انه داخل عندی فی عموم حدیث النفس نعم تشمیہ فی روایة والقلب عوض عن النفس روی الاول الشیخان والثانی
مسلم واستحضار هذا الحدیث علاج عظیم للوساوس من زاد المشائخ وبعض الاکابر هنا کلام غیر هذا لکن لا یحتاج الیه المقصود

اختیاری اور دوسری اختیاری میں کیا فرق ہے کہ عزم پر تو مواخذہ ہوتا ہے
اور حدیث النفس پر مواخذہ نہیں ہوتا باوجودیکہ اختیاری ہونے میں دونوں
شریک ہیں وجہ حل ہونے کی یہ ہے کہ اختصاص مرتبہ اختیاری ہی کے اعتبار
سے ہے اور فرق درمیان خاطر و حدیث النفس کے اور درمیان عزم کے یہ
ہے کہ خاطر و حدیث النفس کا دفع اگرچہ اختیاری ہے مگر اسکے لئے قصد کی ضرورت
ہے اور اس قصد سے اکثر ذہول ہو جاتا ہے پس بعض اوقات اس ذہول کی حالت
میں اکثر خاطر اور حدیث النفس کی طرف دبلا قصد منجر ہو جاتا ہے سو اس
(خاطر اور حدیث النفس) پر مواخذہ ہونا کلیات شرعیہ کے خلاف نہیں کیونکہ
یہ بایں معنی اختیاری ہے کہ اس کا دفع اختیاری تھا جب دفع نہ کیا تو لقا اختیاری
ہوا۔ اور اس بناء پر کسی امت کا اس کا مکلف ہونا کلیات شرعیہ کے خلاف نہ
تھا لیکن رحمت الٰہیہ نے اس امت کو یہ خصوصیت عطا فرمائی کہ اس درجہ کو
معاف کر دیا جیسے اصر و اغلال (بوجھ اور طوق یعنی احکام شدیدہ) کو جو امم
سابقہ پر تھے اس امت سے ہلکا کر دیا پس یہ مرتبہ اختیاری ہے لیکن اس میں
شدت تھی اسلئے یہ اصر و اغلال کی ایک فرد تھی۔ باقی رہا عزم تو خاطر اس کی
طرف اسطرح منجر نہیں ہوتا بلکہ وہ قصد مستقل سے پیدا ہوتا ہے پس یہ
فرق ہے عزم میں اور حدیث النفس میں تو مدار عفو وہ اقتضاء ہے جو ذہول
کے سبب ہو اور مدار مواخذہ عزم مستقل ہوا جب یہ بات ہے تو اگر گناہ کا
حدیث النفس بھی عزم مستقل سے ہو اگرچہ عزم معصیت نہ ہو جیسے کسی نامحرم
عورت کے تصور سے (قصداً) لذت حاصل کرنا سو ظاہر ہے کہ اس پر مواخذہ ہوگا
اور وسوسہ اگرچہ میرے نزدیک اس حدیث کے عموم میں داخل ہوگا کہ نفس بھی
زنا کرتا ہے اور اسکا زنا یہ ہے کہ وہ تمنا کرتا ہے اور اشتہا کرتا ہے اور ایک حدیث
میں ہے کہ قلب بھی ایسا کرتا ہے اور ظاہر ہے کہ التذاذ بدون اشتہاء و میلان کے
ہو نہیں سکتا پس یہ التذاذ بھی زنا ہوا اور اس حدیث کا مستحضر رکھنا وساوس
کا علاج عظیم ہے جس کا مشائخ استعمال کرتے ہیں اور اسی حیثیت سے اس رسالہ
میں یہ حدیث لائی گئی ہے اور بعض اکابر جیسے غزالی کا کلام اس مقام پر اور
طرح ہے لیکن اصل مقصود نہیں بدلتا (یعنی اختیاری پر مواخذہ اور غیر
اختیاری پر عدم مواخذہ خواہ حقیقۃً غیر اختیاری ہو خواہ حکماً)

رسالہ قائد قادیان

بسم اللہ الرحمن الرحیم

بعد الحمد والصلوٰۃ۔ قادیان ایک گاؤں کا نام ہے ضلع گورداسپور پنجاب ہندوستان میں۔ اس رسالہ میں اس گاؤں کے ایک قائد یعنی پیشوا کی حالت باطلہ کا بقدر ضرورت بطور نمونہ بہیئت رسالہ انموذج کے تذکرہ ہے جس سے ناظرین کافی تبصرہ حاصل کرکے اپنے دین کی حفاظت کر سکیں والرسالۃ مشتملۃ علیٰ ثلثۃ فصول۔ شرفنا اللہ تعالیٰ بالنفع والقبول۔

کتبہ اشرف علی ۲۲ شوال ۱۳۳۸ھ

فصل اول در فہرست بعضے اکاذیب واباطیل قادیانی کہ بعضے ازانہا بدرجہ کفر رسیدہ است اعاذنا اللہ تعالیٰ منہما

نمبر شمار	اقوال قادیانی بالاختصار مع حوالہ کتاب قادیانی	ماخذ احقر	کیفیت قول بقواعد کلیہ یا بجواہر جزئیہ
نمبر ۱	لیکن ضرور تھا کہ قرآن و احادیث کی وہ پیشین گوئیاں پوری ہوتیں جن میں لکھا تھا کہ مسیح موعود جب ظاہر ہوگا تو علماء اسلامی کے ہاتھ سے دکھ اٹھائیگا وہ اسکو کافر قرار دینگے اور اس کے قتل کیلئے فتوے دیئے جاوینگے اور اس کی سخت توہین کیجاویگی اور اس کو دائرہ اسلام سے خارج اور دین کا تباہ کرنیوالا خیال کیا جائیگا (اربعین نمبر ۳ صفحہ ۱۷)	صحیفہ رحمانیہ نمبر ۲ صفحہ ۲	قرآن مجید کی کسی آیت یا کسی حدیث میں یہ مضمون نہیں محض افترا علی اللہ والرسول ہے
نمبر ۲	مولوی غلام دستگیر قصوری نے اور مولوی اسمٰعیل علیگڈھ والے نے میری نسبت قطعی حکم لگایا کہ اگر وہ کاذب ہے تو ہم سے پہلے مریگا اور ضرور ہم سے پہلے مریگا کیونکہ کاذب ہے مگر جب ان تالیفات کو دنیا میں شائع کر چکے تو پھر بہت جلد آپ ہی مر گئے اور اسطرح پر ان کی موت نے فیصلہ کر دیا کہ کاذب کون تھا (اربعین نمبر ۳ صفحہ ۹)	ایضاً	مرزائیوں کو چیلنج دیا گیا کہ ان کی کتابوں میں یہ مضمون دکھلاویں مگر کسی کو ہمت نہ ہوئی۔ (صحیفہ نمبر ۲ صفحہ ۳)
نمبر ۳	جس طرح حضرت موسیٰ علیہ السلام کے بعد ان کی امت میں سلسلہ نبوت۔	ایضاً صفحہ ۳	حدیث لا نبی بعدی

نمبر شمار	اقوال قادیانی بالاختصار مع حوالہ کتاب قادیانی	ماخذ حقہ	کیفیت قول بقواعد کلیہ یا بحوالہ جزئیہ
	جاری رہے گا اسی طرح آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی امت میں بھی سلسلہ نبوت جاری رہے گا	مع جواب استدلال	ونص خاتم النبیین سے اس کا بطلان ظاہر ہے۔
۴	توفی کو موت ہی کے معنے میں منحصر سمجھنا۔	ایضاً صـ۵	تفسیر کبیر میں ہے کہ توفی جنس ہے۔ اس کے تحت میں انواع ہیں۔ موت اور آسمان پر اُٹھایا جانا رافعک الیّ فرمانا تعیین نوع کی ہے اس میں تکرار نہیں صحیفہ رحمانیہ ۲ـ صـ۳ خود قرآن مجید کی آیت وھوالذی یتوفٰکم باللیل میں اس کے معنے سلا دینا ہے خود مرزا صاحب ازالۃ الاوہام صـ۲۹۱ جلد دوم میں لکھتے ہیں کہ مات کے معنے لغت میں نام کے ہیں۔ آیت کا یہ مطلب ہوا کہ میں آپ کو سلا دینے والا ہوں پھر اپنی طرف اُٹھا لینے والا ہوں۔ چنانچہ خازن میں ہے کہ نیند کی حالت میں اُٹھا لیا تاکہ خوف لاحق نہ ہو صحیفہ ۱۲ صـ۴ و۲ـ اور یہ بات کہ کثرت سے جس معنی میں ہو ہر جگہ اسی پر محمول کرینگے خود ہی قاعدہ غلط ہے۔ اصحاب النار کا لفظ قرآن میں بکثرت معذبین بالنار کے معنی میں ہے مگر سورہ مدثر میں ملائکہ کو اصحاب النار

نمبر شمار	اقوال قادیانی باختصار مع حوالہ کتاب قادیانی	ماخذ احقر	کیفیت قول بقواعد کلیہ یا بحوالہ جزئیہ
			کہا گیا ہے جہاں یہ معنے نہیں ہیں۔
نمبر ۵	حضرت ابن عباسؓ نے متوفی کی تفسیر ممیت فرمائی ہے۔	ایضاً	درمنثور میں بروایت صحیح حضرت ابن عباسؓ سے ثابت ہے کہ اس آیت میں تقدیم وتاخیر کے قائل ہیں آپ فرماتے ہیں رافعک الی ثم متوفیک فی آخر الزمان (صحیفہ رحمانیہ نمبر ۲ صہ ۵)۔
نمبر ۶	خدا نے اس امت میں مسیح موعود بھیجا جو اُس پہلے مسیح سے اپنی تمام شان میں بہت بڑھ کر ہے (دافع البلاء صہ ۱۳) پھر اسی رسالہ کے آخر میں لکھتے ہیں بلکہ یحییٰ نبی کو اُس پر ایک فضیلت ہے کیونکہ وہ شراب نہیں پیتا تھا اور کبھی نہیں سنا گیا کہ کسی فاحشہ عورت نے آکر اپنی کمائی کے مال سے اسکے سر پر عطر ملا تھا یا ہاتھوں اور اپنے سر کے بالوں سے اُسکے بدن کو چھوا تھا یا کوئی بے تعلق جوان عورت اُسکی خدمت کرتی تھی اسی وجہ سے خدا نے قرآن میں یحییٰ کا نام حصور رکھا مگر مسیح کا یہ نام نہ رکھا کیونکہ ایسے قصے اس نام کے رکھنے سے مانع تھے اھ۔	صحیفہ رحمانیہ نمبر ۵ صہ ۳	اس میں حضرت مسیح علیہ السلام کی سخت اہانت ہے کہ اُن کو پاک دامن نہ سمجھا اور یہ کفر ہے۔
نمبر ۷	ہر ایک شخص جس کو میری دعوت پہونچی ہے اور اُس نے مجھے قبول نہیں کیا وہ مسلمان نہیں ہے (حقیقۃ الوحی صہ ۱۶۳) اور اسی صفحہ میں ہے علاوہ اس کے جو مجھے نہیں مانتا وہ خدا اور رسول کو بھی نہیں مانتا اھ۔	صحیفہ رحمانیہ ۵ صہ ۲۸	یہ بالکل نبوت مستقلہ کا دعویٰ ہے پس توجیہ ظلی اور بروزی کی محض آڑ اور تلبیس ہے۔

نمبر شمار	اقوال قادیانی بالاختصار مع حوالہ کتاب قادیانی۔	ماخذ احقر	کیفیت قول بقواعد کلیہ یا بحوالہ جزئیہ۔
نمبر ۸	قرآن مجید کے وہی معنی لائق اعتبار ہیں جو میں بیان کروں اور حدیث وہی لائق اعتبار ہے جسے میں صحیح کہدوں ورنہ ردی میں پھینکدینے کے لائق ہے۔ حاشیہ میں ہے کہ حدیث کاردی کی طرح پھینکنا اور غیر معتبر ہونا رسالہ اعجاز احمدی کے صفحہ ۳۰ و ۳۱ و صفحہ ۵۶ سطر اخیر صفحہ ۷۶ سطر ا وغیرہ اور ضمیمہ تحفہ گولڑویہ حاشیہ صفحہ ۱۰ میں مرقوم ہے۔	صحیفہ رحمانیہ ۲۷ ص ۲	کتنا بڑا باطل اور بلا دلیل بلکہ خلاف دلیل دعویٰ ہے کیا بجز صاحب وحی کے ایسا دعویٰ کوئی کر سکتا ہے بس ایسا مدعی وحی قطعی کا مدعی ہے۔
نمبر ۹ نمبر ۱۰	لکھتے ہیں کہ میرے انکار سے کافر ہو جاتا ہے۔ صفحہ ۱۶۳ حقیقۃ الوحی۔ خدا نے مجھے اطلاع دی ہے کہ تمہارے پر حرام ہے اور قطعی حرام ہو کہ کسی کفر یا مکذب یا متردد کے پیچھے نماز پڑھو بلکہ تمہارا وہی امام ہو جو تم میں سے ہو۔ حاشیہ اربعین ۳ ص ۲۸۔	صحیفہ رحمانیہ ۱۲ صحیفہ رحمانیہ نمبر ۹ ص ۲	مثل خانہ نمبر ۵ نماز ہر مسلمان کے پیچھے درست ہے تو پھر غیر احمدی کے پیچھے نماز نہ پڑھنا اُس کو کافر سمجھنا ہے۔
نمبر ۱۱	سوال ہوا اگر کسی جگہ امام نماز حضور کے حالات سے واقف نہیں تو اُس کے پیچھے نماز پڑھیں یا نہ پڑھیں۔ فرمایا پہلے تمہارا فرض ہے کہ اُسے واقف کرو پھر اگر تصدیق کرے تو بہتر ورنہ اُس کے پیچھے اپنی نماز ضائع نہ کرو اور اگر کوئی خاموش رہے نہ تصدیق کرے نہ تکذیب تو وہ بھی منافق ہے اُس کے پیچھے نماز نہ پڑھو۔ فتاویٰ احمدیہ ج ۱ ص ۸۲۔	ایضاً	ایضاً
نمبر ۱۲	دعویٰ نبوت کے متعلق مرزا کے بعض الہامات و اقوال (۱) فارسلنا الیکم رسولا شاھدا علیکم کما ارسلنا الی فرعون رسولا حقیقۃ الوحی ص ۱۰۱ (۲) یٰسٓ انک لمن المرسلین علی صراط مستقیم ۔		ان سب اقوال میں رسالت کا دعویٰ ہے جو صریح آیۂ ختم نبوت کے خلاف ہے اور بعض میں رسالت مستقلہ تشریعیہ کا دعویٰ جو تاویل ظلیت اور بروزیت

نمبر شمار	اقوال قادیانی باختصار مع حوالہ کتاب قادیانی	کیفیت قول بقواعد کلیہ یا بحوالہ جزئیہ
نمبر ۱۲	تنزیل العزیز الرحیم صفحہ۱ حقیقۃ الوحی (۳) انا ارسلنا احمد الی قومہ فاعرضوا وقالوا کذاب اشر۔ اربعین ۳ ص۳۵ (۴) فکلمنی ونادانی وقال انی مرسلک الی قوم مفسدین وانی جاعلک للناس اماما۔ وانی مستخلفک اکراما۔ کماجرت سنتی فی الاولین ص۷۹ انجام آتھم (۵) الہامات میں میری نسبت بار بار بیان کیا گیا ہے کہ یہ خدا کا فرستادہ خدا کا مامور خدا کا امین اور خدا کی طرف سے آیا ہے جو کچھ کہتا ہے اس پر ایمان لاؤ اور اس کا دشمن جہنمی ہے ص۶۲ انجام آتھم مطبوعہ ضیاء الاسلام قادیان (۶) سچا خدا وہی ہے جس نے قادیان میں اپنا رسول بھیجا (دافع البلاء ص۱۱) (۷) تیسری بات جو اس وحی سے ثابت ہوتی ہے وہ یہ ہے کہ خدا تعالیٰ بہر حال جب تک کہ طاعون دنیا میں رہے گو ستر برس تک رہے قادیان کو اس کی خوفناک تباہی سے محفوظ رکھے گا کیونکہ یہ اس کے رسول کا تخت گاہ ہے ص۱۰ دافع البلاء (۸) مجھے بتلایا گیا تھا کہ تیری خبر قرآن و حدیث میں موجود ہے اور تو ہی اس آیت کا مصداق ہے کہ ہو الذی ارسل رسولہ بالہدی ودین الحق لیظہرہ علی الدین کلہ ص۷ اعجاز احمدی (۹) خدا وہی خدا ہے جس نے اپنے رسول یعنی اس عاجز کو ہدایت اور دین حق اور تہذیب اخلاق کے ساتھ بھیجا ص۳۶ ، ۳ اربعین (۱۰)	کو باطل کرتا ہے جیسے قول ۹ و ۱۰ میں ہے اور بعض میں مزید تحریف بھی ہے جیسے قول ۸ میں ہے کہ بجائے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے خود کو مصداق بتایا ہے اور چونکہ قول ۷ کی تکذیب قادیان میں طاعون کے آجانے سے ہو گئی چنانچہ ۱۹۰۴ء میں قادیان میں طاعون آیا اور ۲۸۰۰ کی آبادی میں سے ۳۱۴ مرے جن میں اُن کے خاص مرید عبدالکریم سیالکوٹی بھی تھے اور صدق لوازم رسالت دوحی سے ہے اور لازم کی نفی سے ملزوم کا انتفاء یقینی ہے تو عقلا و نصوص شرعیہ کے خود اُن کا یہ قول بالضمام واقعہ طاعون اُن کے کاذب ہونے کی کافی دلیل ہے اور اگر طاعون کی پیشین گوئی میں کوئی قید ہے جو معلوم نہیں تو پھر توسیع مکان کے لئے چندہ کیوں مانگا۔ ممکن ہے کہ اُس مکان میں رہنے کے بعد بھی اُس وجہ غیر معلوم سے بتلائے طاعون ہو تو چندہ بھی برباد گیا اور یہ صریح دھوکہ ہے کیونکہ دینے والا تو اسی خیال سے دے رہا ہے کہ محفوظ رہیں گے۔

صحیفہ رحمانیہ نمبر ۷ ص۱ و ۱۱ و ۱۲ و ۱۳ و ۱۴ و ۱۵ و ۱۶ و ۱۷ و ۱۸ و ۱۹ و صدیہ عثمانیہ - ص۹۴

نمبر شمار	اقوال قادیانی بالاختصار مع حوالہ کتاب قادیانی۔	ماخذ احقر	کیفیت قول بقواعد کلیہ یا بحوالہ جزئیہ
	سمجھو کہ شریعت کیا چیز ہے جس نے اپنی وحی کے ذریعہ سے چند امر و نہی بیان کئے اور اپنی امت کے لئے ایک قانون مقرر کیا وہی صاحب شریعت ہو گا پس اس تعریف کی رو سے بھی ہمارے مخالف ملزم ہیں کیونکہ میری وحی میں امر بھی ہیں اور نہی بھی صلا مگا اربعین (۱۱) صاحب شریعت نبی ہوں (اربعین مکا)		تو چندہ کی ترغیب کے وقت اس کو کیوں نہیں ظاہر کیا صفحہ ۲۲ کشتی نوح ملاحظہ ہو از ہدیہ عثمانیہ صلا۱۳۱۔
نمبر ۱۳	تتمہ خانہ (۱۲) (۱) مجھے اپنی وحی پر ایسا ہی ایمان ہے جیسا کہ توریت و انجیل و قرآن کریم پر صلا۱۹ اربعین ملا (۲) میں خدا تعالیٰ کی قسم کھا کر کہتا ہوں کہ میں ان الہامات پر اسی طرح ایمان لاتا ہوں جیسا کہ قرآن شریف اور خدا تعالیٰ کی دوسری کتابوں پر اور جس طرح میں قرآن شریف کو یقینی اور قطعی طور پر خدا تعالیٰ کا کلام جانتا ہوں اسی طرح اس کلام کو بھی جو میرے پر نازل ہوتا ہے صلا۲۱۱ حقیقۃ الوحی (۳) اور جس قدر مجھ سے پہلے اولیاء اور ابدال اور اقطاب اس امت میں گذر چکے ہیں ان کو یہ حصہ کثیر اس نعمت کا نہیں دیا گیا پس اس وجہ سے نبی کا نام پانے کے لئے میں ہی مخصوص کیا گیا اور دوسرے تمام لوگ اس نام کے مستحق نہیں۔ صلا۳۹۱ حقیقۃ الوحی (۴) خدا تعالیٰ نے اس امت میں سے مسیح موعود بھیجا جو اس سے پہلے مسیح سے اپنی تمام شان میں بڑھ کر ہے مجھے قسم ہے اس ذات کی جس کے ہاتھ میں میری جان ہے کہ اگر مسیح ابن مریم	صحیفہ رحمانیہ ملا ۲ وصلا۲ وصلا۳ وصلا۹ وصلا۱۳ وصلا۱۹ وصلا۲۰ وصلا۲۲ وصلا۲۷ وصلا۳۱	ان سب اقوال میں مضمون مشترک دعویٰ ہے نبوۃ مستقلہ تشریعیہ کا جو تاویل بروزیت وظلیت کا مبطل ہے کیونکہ اس تاویل سے تو دوسرے بزرگوں کے لئے بھی ثابت ہو سکتی ہے جس کی نفی قول (۳) میں کی ہے اور قول (۴) میں دعویٰ افضلیت کا ہے حضرت مسیح علیہ السلام سے جو کہ نبی مستقل ہیں افضل نہیں ہو سکتا اور دعویٰ افضلیت کے ساتھ ان کی تحقیر و تنقیص بھی ہے اور قول (۵) میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر افضلیت کا دعوےٰ ہے اسی طرح قول (۶) میں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے زیادہ جامع کمالات اپنے کو بتایا ہے اور اس سے بڑھ کر قول (۷) و (۸) و (۹) میں حضور صلی اللہ علیہ

نمبر شمار	اقوال قادیانی بالاختصار مع حوالہ کتاب قادیانی	ماخذ احقر	کیفیت قول بقواعد کلیہ یا بحوالہ جزئیہ
	بہرے زمانہ میں ہوتا تو وہ کام جو میں کر سکتا ہوں وہ ہرگز نہ کر سکتا اور وہ نشان جو مجھ سے ظاہر ہوئے ہیں وہ ہرگز نہ دکھلا سکتا صـ۱۴۸ حقیقۃ الوحی (۵) اُس نے میری تصدیق کیلئے بڑے بڑے نشان ظاہر کئے جو تین لاکھ تک پہونچتے ہیں صـ۶۸ تتمہ حقیقۃ الوحی اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے بقول مرزا صاحب تین ہزار معجزے ظاہر ہوئے۔ صحیفہ صـ۵ صـ۱۲۱ حاشیہ تحفہ گولڑویہ صـ۳ وحاشیہ حصہ سوم فیصلہ آسمانی صـ۵۵ از تحفہ گولڑویہ صـ۳۹ (۶) لیکن پھر بھی دو نام دو نبیوں سے کچھ خصوصیت رکھتے ہیں۔ یعنی مہدی کا نام ہمارے نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے خاص ہے اور مسیح یعنی مؤید بروح القدس کا نام حضرت عیسیٰ علیہ السلام سے کچھ خصوصیت رکھتا ہے اور نبیوں کی پیشین گوئیوں میں یہ بھی تھا کہ امام آخر الزماں میں یہ دونوں صفتیں اکٹھا ہو جائینگی۔ صـ۱۳ اربعین ۲ (۷) لہ خسف القمر المنیر وان لی۔ غسا القمران المشرقان اتنکر (ترجمہ از مرزا) اُسکے لئے (یعنی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کیلئے۔ ذرا ترجمہ کا ادب قابل لحاظ ہے) چاند کا خسوف ظاہر ہوا اور میرے لئے چاند اور سورج دونوں کا۔ اب کیا تو انکار کریگا صـ۷۱ قصیدہ اعجازیہ (۸) اور ظاہر ہے کہ فتح مبین کا وقت ہمارے نبی کریم کے زمانہ میں گذر گیا اور دوسری		وسلم پر اس طرح فضیلت کا دعویٰ ہے کہ یہ حدیث حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے باب میں لفظاً تو غیر ثابت اور معنیً ثابت مگر ظنی اور مرزا کے حق میں الہامی جو کہ اُن کے نزدیک قطعی ہے اور ظاہر ہے کہ فضیلت قطعیہ والا افضل ہوگا فضیلت ظنیہ والے سے اور سب سے بڑھ کر قول (۱۰) میں تو معراج ترقی انتہا تک پہونچ گئی کہ حق تعالیٰ کی خاص صفت میں شریک ہو گئے اور جو خدا کا مساوی ہوگا وہ نبی کا ظل کیوں ہوگا۔

نمبر شمار	اقوال قادیانی باختصار مع حوالہ قادیانی	ماخذ احقر	کیفیت قول بقواعد کلیہ یا بحوالہ جزئیہ
	فتح باقی رہی کہ پہلے غلبہ سے بہت بڑی اور زیادہ ظاہر ہے اور مقدر تھا کہ اسکا وقت مسیح موعود کا وقت ہو اور اُسی کی طرف خدا تعالیٰ کے اس قول میں اشارہ ہے سبحان الذی اسریٰ الخ صفحہ ۱۹۳ سیرۃ الابدال (۹) لولاک لما خلقت الافلاک صفحہ ۹۹ استفتار (۱۰) انما امرک اذا اردت شیئاً ان تقول لہ کن فیکون۔		
نمبر ۱۴	تتمہ خانہ نمبر ۱۴ پھر جب کہ خدا نے اور اُس کے رسول نے اور تمام نبیوں نے آخر زمانہ کے مسیح کو اُس کے کارناموں کی وجہ سے افضل قرار دیا ہے تو پھر شیطانی وسوسہ ہے کہ یہ کہا جائے کہ کیوں تم مسیح بن مریم سے اپنے تئیں افضل قرار دیتے ہو صفحہ ۱۵۳ حقیقۃ الوحی۔	صحیفہ رحمانی ۱۱ و ۱۲ صفحہ ۲۷	چونکہ کوئی نائب رسول کسی ادنیٰ نبی کے درجہ کو نہیں پہونچ سکتا چہ جائے کہ ایک اولوالعزم رسول سے افضل ہو جائے تو اس میں صاف نبوت مستقلہ غیر ظلیہ وغیر بروزیہ کا دعویٰ ہے۔
نمبر ۱۵	۱۸۸۸ء کے اشتہار میں لکھتے ہیں کہ ہر ایک مانع کے دور ہونے کے بعد انجام کار اس عاجز کے نکاح میں لائے گا۔ ازالۃ الاوہام میں لکھا ہے کہ خدا تعالیٰ نے ظاہر فرمایا کہ احمد بیگ کی دختر کلاں انجام کار تمہارے نکاح میں آئے گی اور آخر کار ایسا ہی ہوگا۔ شہادت القرآن صفحہ ۷۵ میں لکھتے ہیں ان میں سے وہ پیشین گوئی جو مسلمانوں کی قوم سے تعلق رکھتی ہے بہت ہی عظیم الشان ہے۔ کیونکہ اس کے اجزاء یہ ہیں (۱) مرزا	حصہ دوم فیصلہ آسمانی صفحہ ۲ و صفحہ ۹	اس پیشینگوئی کا کاذب ہونا اظہر من الشمس ہے چنانچہ ۱۸۹۲ء میں اس کا نکاح ہوا اور ۱۹۰۸ء میں مرزا صاحب مرے اور وہ دونوں میاں بی بی ہونے کی حالت پر زندہ رہے اور کاذب ہونے کا تجربہ وہ خود انجام آتھم صفحہ ۳۱ کے حاشیہ میں لکھ رہے ہیں میں بار بار کہتا ہوں کہ نفس پیشین گوئی داماد احمد بیگ کی تقدیر مبرم ہے اس کی انتظار کرو

نمبر شمار	اقوال قادیانی بالاختصار مع حوالہ کتاب قادیانی	ماخذ احقر	کیفیت قول بقواعد کلیہ یا بحوالہ جزئیہ
	احمد بیگ ہوشیار پوری تین سال کی میعاد کے اندر فوت ہو (۲) اور پھر داماد اس جو اُس کی دختر کلاں کا شوہر ہے اڑھائی سال کے اندر فوت ہو (۳) اور پھر یہ کہ مرزا احمد بیگ تا روز شادی دختر کلاں فوت نہ ہو (۴) اور پھر یہ کہ وہ دختر بھی تا نکاح اور تا ایام بیوہ ہونے اور نکاح ثانی کے فوت نہ ہو (۵) اور پھر یہ کہ عاجز بھی ان تمام واقعات کے پورے ہونے تک فوت نہ ہو (۶) اور پھر یہ کہ اس عاجز سے نکاح ہو جاوے اور ظاہر ہے کہ یہ تمام واقعات انسان کے اختیار میں نہیں اھ		اور اگر میں جھوٹا ہوں تو یہ پیشینگوئی پوری نہیں ہوگی۔ اور میری موت آجاوے گی۔ اور احمد بیگ کے مرنے سے وسوسہ نہ کیا جاوے کیونکہ مرکب صادق و کاذب کا ذب ہے اور یوں تو کیفما اتفق کوئی شخص ویسی پیشینگوئی کرے تو کسی نہ کسی کا واقع ہو جانا اتفاقی بات ہے دلیل صدق نہیں۔
۱۶ و ۱۷ و ۱۸ و	اعجاز احمدی میں پیشینگوئی ہے کہ مولوی ثناء اللہ صاحب قادیان میں تمام پیشینگوئیوں کی پڑتال کے لئے میرے پاس ہرگز نہ آئیں گے۔ اور مرزا صاحب نے پیر مہر علی شاہ صاحب سے مناظرہ کا اشتہار دیا اور یہ بھی لکھدیا کہ اگر میں پیر صاحب اور علماء کے مقابلہ پر لاہور نہ جاؤں تو پھر میں مردود و جھوٹا ملعون ہوں۔ نیز مرزا صاحب نے مولوی ثناء اللہ صاحب کی نسبت میں آخری فیصلہ کا اعلان دیا اور اس طرح دعا کی کہ لے میرے آقا اب میں تیرے تقدس اور رحمت کا دامن پکڑ کر	فیصلہ آسمانی حصہ دوم صٹ و فیصلہ آسمانی حصہ سوم ص۲۳ ہدیہ عثمانیہ ص۲۵	مگر مولوی صاحب ۱۰ر جنوری ۱۹۰۳ء کو قادیان پہونچے۔ اور مرزا صاحب نے بجز اظہار غیظ و غضب اور زبردستی کی باتوں کے اور کچھ نہیں کیا صلا و صلا۔ الہامات مرزا۔ اسی طرح پیر صاحب تاریخ مناظرہ سے ایک روز پہلے ۲۴ر اگست ۱۹۰۰ء کو لاہور پہونچے اور ۲۹ر تک منتظر مرزا صاحب کے رہے مگر مرزا صاحب گھر سے نہ نکلے (حاشیہ فیصلہ آسمانی

نمبر شمار	اقوال قادیانی بالاختصار مع حوالہ کتاب قادیانی	ماخذ احقر	کیفیت قول بقواعد کلیہ یا بحوالہ جزئیہ۔
	تیری جناب میں ملتجی ہوں کہ مجھ میں اور ثناء اللہ میں سچا فیصلہ فرما اور وہ جو تیری نگاہ میں حقیقت میں مفسد اور کذاب ہے اس کو صادق کی زندگی ہی میں اٹھا لے اے میرے مالک تو ایسا ہی کر (اخبار الحکم جلد ۱۱ ۱۳ اپریل ۱۹۰۷ء) مجھے خدا نے اطلاع دی ہے کہ ڈاکٹر عبد الحکیم خاں پٹیالوی میری زندگی میں مر جائے گا (چشمہ معرفت صفحہ ۳۲) از اخبار اہل سنت والجماعت ج ۱ نمبر ۳ صفحہ ۵ کالم ۲۔		حصہ ۳ صفحہ ۴۳) مباہلہ ثنائیہ میں مرزا صاحب پہلے مر گئے اسی طرح مولوی عبد الحق صاحب غزنوی و ڈاکٹر عبد الحکیم خاں کے مباہلہ و بددعا میں ہوا۔ شہادت آسمانی حصہ ۳ ص ۱۱۴۔
۱۹	شعر فارسی۔ اینک منم کہ حسب بشارات آمدم + عیسیٰ کجاست تا بنہد پا بمنبرم۔ شعر اردو۔ ابن مریم کے ذکر کو چھوڑو + اس سے بہتر غلام احمد ہے۔ سہ اشعار دیگر فارسی۔ آنچہ داد ست ہر نبی را جام + داد آں جام را مرا بتمام۔ انبیاء گرچہ بودہ اند بسے + من بعرفاں نہ کمترم ز کسے + کم نیم زاں ہمہ بروئے یقین + ہر کہ گوید دروغ ہست لعین (حقیقۃ النبوۃ از مرزا محمود نقلاً عن ابیہ) قول و لما ترکہ یونس لسوء فہمہ لا استقامۃ والاستقلال (آتھم ص۲۵)۔	ہدیہ عثمانیہ ص۳ و ص۴ و تذکرہ یونس ص۱۱	کھلی اہانت ہے ایک نبی اولوالعزم کی کیا اس کے کفر ہونے میں کوئی شبہ ہونے میں کوئی شبہ ہو سکتا ہے۔ اور صریح تفضیل ہے اپنی سب انبیاء پر کیونکہ جو سب کمالات انبیاء کا جامع ہوگا سب سے افضل ہوگا اور ایک قول میں اہانت ہے یونس علیہ السلام کی کہ ان کو بدفہم کہا ہے۔
۲۰	مسجد اقصیٰ سے مراد مسیح موعود کی مسجد ہے جو قادیان میں واقع ہے (حاشیہ صفحہ ۵	ہدیہ عثمانیہ ص۱۲	تمام علماء اسلام کی تفسیر کے خلاف اور تواتر کے بھی خلاف۔

نمبر شمار	اقوال قادیانی بالاختصار مع حوالہ کتاب قادیانی۔	ماخذ احقر	کیفیت قول بقواعد کلیہ یا بحوالہ جزئیہ
	سیرۃ الابدال۔		کیا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم شب معراج میں قادیان کی مسجد میں تشریف لائے تھے جس کا نام ونشان بھی نہ تھا
۲۱	جب احمد بیگ کے مرنے کی پیشین گوئی میعاد کے اندر پوری نہ ہوئی تو مرزا کو اقرار کرنا پڑا کہ اس وعید کی میعاد میں تخلف ہوگیا (انجام آتھم ص۲۹)	تذکرہ یونس ص۶	صریح نصوص کے خلاف ہے۔
۲۲	(۱) انت منی وانا منک (حقیقۃ الوحی ص۷۴) (۲) ظہورک ظہوری (حقیقۃ الوحی (۳) انت منی بمنزلہ توحیدی وتفریدی (حقیقۃ الوحی ص۸۶) (۴) انت منی بمنزلۃ ولدی (حقیقۃ الوحی ص۸۶) (۵) میں نے اپنے کشف میں دیکھا کہ خود خدا ہوں اور یقین کیا کہ خود وہی ہوں (کتاب البریہ ص۸۵)	محکمات ربانی ص۷۹	خدا ہونا یا خدا کا بیٹا ہونا یا خدا کے ساتھ اتحاد شرعاً وعقلاً ہر شخص جانتا ہے کہ باطل ہے۔
۲۳	تتمہ خانہ ۱۲ و ۱۳ (۱) یا قمر الانبیاء (حقیقۃ الوحی ص۹۹) (۲) یا نبی اللہ کنت لا اعرفک (تحفۃ ص۸۵) (۳) خدا نے مجھے اطلاع دی ہے کہ یہ تمام حدیثیں جو پیش کرتے ہیں تحریف معنوی اور لفظی سے آلودہ ہیں یا سرے سے موضوع ہیں اور جو شخص حکم ہو کر	محکمات ربانی	مثل خانہ ۱۲ و ۱۳۔

نمبر شمار	اقوال قادیانی بالاختصار مع حوالہ کتاب قادیانی	ماخذ احقر	کیفیت قول بقواعد کلیہ یا بحوالہ جزئیہ
	آیا ہے اُس کو اختیار ہے کہ حدیثوں کے ذخیرہ میں سے جس انبار کو خدا سے علم پاکر چاہے رد کردے (ضمیمہ تحفہ گولڑویہ صـ) ہم اب تک سمجھتے ہیں کہ حکم اُس کو کہتے ہیں کہ اُس کا حکم قبول کیا جاوے۔ اور اُس کا فیصلہ گو وہ ہزار حدیث کو موضوع کہے ناطق سمجھا جاوے (اعجاز احمدی صـ)		
۲۴	میں نے اپنے ایک کشف میں دیکھا کہ میں خود خدا ہوں اور یقین کیا کہ وہی ہوں اس حالت میں میں یوں کہہ رہا تھا کہ ہم ایک نیا نظام اور نیا آسمان اور نئی زمین چاہتے ہیں سو میں نے تو پہلے آسمان اور زمین کو خیالی صورت میں پیدا کیا جس میں کوئی ترتیب اور تفریق نہ تھی۔ (کتاب البریہ صـ و صـ)۔	قادیانی مباہلہ کی داستان صـ	جس کو کوئی عذر شرعی نہ ہو وہ بلا تاویل ایسا دعویٰ کرے اس کا جو شرعاً حکم ہے ظاہر ہے۔
۲۵	(۱) آپ کے (حضرت عیسٰی کے) ہاتھ میں سوائے مکروفریب کے اور کچھ نہ تھا۔ (۲) یہ بھی یاد رہے کہ آپ کو (یعنی حضرت عیسٰی کو) جھوٹ بولنے کی بھی عادت تھی۔ (۳) آپ کا (حضرت مسیح کا) خاندان بھی نہایت پاک اور مطہر ہے۔ تین دادیاں اور نانیاں آپ کی زنا کار اور کسبی عورتیں تھیں جن کے خون سے آپ کا وجود ظہور پذیر ہوا۔	خیر خواہی صـ و اشتہار مسیح قادیان اور توہین انبیاء ذیشان	عیاں راچہ بیاں اور جواب الزامی میں بھی اس عنوان کا اختیار کرنا خلاف ایمان ہے۔ اس کا عنوان یہ ہے کہ اگر تمہارا قول مان لیا جاوے تو یہ یہ امور لازم آویں گے۔ نعوذ باللہ منہ ام خصوص جب کہ انجام آتھم کے حاشیہ صـ میں یہ لکھتے ہیں کہ عیسائیوں

نمبر شمار	اقوال قادیانی بالاختصار مع حوالۂ قادیانی کتاب	ماخذ احقر	کیفیت قول بقواعد کلیہ یا بحوالۂ جزئیہ
	(۴) آپ کا (حضرت عیسٰےؑ کا) کنجریوں (کسبیوں) سے مناسبت اور صحبت بھی اسی وجہ سے ہو کہ جدی مناسبت درمیان میں ہے ورنہ کوئی پرہیزگار انسان ایک جوان کنجری (کسبی) کو ایسا موقع نہیں دے سکتا کہ وہ اُس کے سر پر اپنے ناپاک ہاتھ لگاوے اور زنا کاری کا عطر اُس کے سر پر ملے اور اپنے بالوں کو اُس کے پیروں پر ملے۔ سمجھنے والے سمجھ لیں کہ ایسا انسان کس چلن کا آدمی ہو سکتا ہے (ضمیمہ انجام آتھم) (۵) یسوع (یعنی حضرت عیسٰےؑ) کے دادا صاحب داؤد نے تو سارے بُرے کام کئے۔ ایک بے گناہ کو اپنی شہوت رانی کے لئے فریب سے قتل کرا دیا اور دلالہ عورت بھیجکر اُس کی جورو کو منگوایا اور اس کو شراب پلائی اور اُس سے زنا کیا۔ اور بہت سا مال زناکاری میں ضائع کیا انتہی معیار المذہب۔		نے بہت سے آپ کے معجزے لکھے ہیں مگر حق بات یہ ہے کہ آپ سے کوئی معجزہ نہیں ہوا پھر صفحہ میں لکھتے ہیں ممکن ہے کہ اپنی معمولی تدبیر سے کسی شبکور وغیرہ کو اچھا کیا ہو اور اسی صفحہ میں ہے کہ آپ کے ہاتھ میں سوائے مکر و فریب کے الخ + (از اشتہار مسیح قادیان اور توہین انبیاء ذی شان یہ صریح ہے کہ یہ الزامًا نہیں بلکہ اسی کو حق سمجھ کر لکھا ہے۔ نیز دافع البلاء کی عبارت جو خانہ (۶) میں ہے جس میں یہ قصے نقل کر کے لکھا ہے کہ اسی وجہ سے خدا نے قرآن میں یحیٰی کا نام حصور رکھا مگر مسیح کا یہ نام نہ رکھا کیونکہ ایسے قصے اس نام کے رکھنے سے مانع تھے اھ اس سے صاف معلوم ہوتا ہے کہ یہ الزام نہیں کیونکہ پادریوں پر قرآن کا حوالہ حجت نہیں بلکہ خود اپنی تحقیق ہے۔ قرآن سے اپنا مدعا

تم القصر من المختصر الکاشف عن عقائد القائل القادیانی + حفظ اللّٰہ تعالیٰ جمیع المسلمین عن امثال ھٰذہ الضلال
الشیطانی +. وان اشتقت الی البسط فی الاطلاع علیھا و علی جوابھا فانظرھا فی الفصل الثانی۔
(نوٹ) الامداد جمادی الاولیٰ و ثانیہ ۱۳۳۲ھ و رجب و شعبان و رمضان ۱۳۳۲ھ دیکھنا مزید معلومات کے لئے مفید ہے۔

رسالہ الحکم الحقانی فی حزب الآغا خانی

سوال۔ کیافرماتے ہیں علماء دین ومفتیان شرع متین صورت مسئولہ میں کہ ہمارے شہر کٹک میں ایک شخص اطراف بمبئی کا باشندہ قوم سے خوجہ سوداگر رہتا ہے اپنے آپ کو سرآغاخاں کا مُرید اور پیرو ظاہر کرتا ہے۔ اتفاق سے اس کے ہاں ایک میت ہوگئی تاجر مذکور نے اس کو مسلمانوں کے قبرستان میں دفن کرنا چاہا۔ اس پر یہاں کے مسلمانوں میں کچھ کشمکش پیدا ہوگئی ہے ایک فریق کی رائے ہے کہ اُس کو مسلمانوں کے قبرستان میں ہرگز دفن نہ کیا جاوے کیونکہ سرآغاں خاں دائرہ اسلام سے خارج ہیں۔ اور اپنی رائے کی تائید میں امور ذیل پیش کرتا ہے۔

عا سرآغاخاں کی تصویر کی پرستش کرتاہے عا ہندوؤں کے مشہور اوتار کرشن کی مورت اپنے عبادت خانہ میں رکھ چھوڑی ہے عا دیوالی جو ہندوؤں کا مشہور تیوہار ہے اس میں اپنے حساب کا بھی کھاتہ تبدیل کرتا ہے۔ علاوہ اس کے اور بھی بعض مراسم مشرکانہ ادا کرتاہے۔ عا مثلاً اپنے کھاتہ کے ابتداء میں بجائے بسم اللہ الخ کے لفظ اوم لکھتا ہے۔ عا سرآغاخاں کے اندر خدائی حلول کا معتقد ہے۔

مسلمانوں کا دوسرا فریق کہتا ہے کہ وہ کلمہ گو ہے اپنے آپ کو مسلمان کہتا ہے۔ اُس کو کسی طرح کافر نہیں کہہ سکتے خود تاجر صاحب سے جو دریافت کیا گیا تو اُس نے بھی بیان کیا کہ میں مسلمان ہوں۔ کلمہ پڑھتا ہوں۔ عیدین کی نماز تم لوگوں کے ساتھ ملکر ادا کرتا ہوں۔ مسلمانوں کی ضروریات میں چندہ دیتا ہوں۔ فرق صرف یہ ہے کہ میں سرآغاں خاں کو اپنا رہنما اور مرشد سمجھتا ہوں جیسے عام طور پر مسلمان کسی نہ کسی پیر کے مُرید ہوا کرتے ہیں۔

فریق اول۔ اس تمام بیان کو تاجر مذکور کی ضرورت اور مصلحت وقت پر محمول کرتا ہے۔ اب حضرت چند امور دریافت طلب ہیں۔

(سوال اول) ۔ سرآغاخانیوں کے متعلق حضور کی کیا تحقیق ہے ان کو شرعاً مسلمان کہیں گے یا کافر۔

(سوال دوم) اگر کافر ہیں تو تاجر مذکور کا اپنی صفائی میں یہ پیش کرنا کہ میں مسلمان ہوں کلمہ گو ہوں وغیرہ وغیرہ۔ اس بیان سے اُس کو مسلمان سمجھا جائیگا یا نہیں۔

(سوال سوم) اگر نہیں تو ایک مدعی اسلام کی تکفیر کیسے ہوسکتی ہے۔ کا فرادر مسلمان ہونیکا آخر معیار کیا ہے۔

(سوال چہارم) بعض بہی خواہان قوم کا خیال ہے کہ گو تاجر مذکور شرعی نقطہ نگاہ اسلام سے خارج ہوا لیکن

اس وقت ہم مسلمانوں کو اتحاد قومی اور ترقی کی ضرورت ہے۔ لہذا ایسے جھگڑے جھیڑوں کو نکالنا مناسب نہیں یہ وقت نازک ہے۔ سب مدعیان اسلام کو مسلمان کہنا اور سمجھنا چاہئے ان کو اسلام سے خارج کر کے اپنی تعداد اور مردم شماری کو گھٹانا نہیں چاہئے۔ بہی خواہان قوم اور ہمدردان اسلام کا یہ خیال شرعاً کس قدر وقعت رکھتا ہے

(سوال پنجم) سر آغاخانیوں کے معتقدات کا خواہ اسلام روادار ہو یا نہ ہو مسروست یہ امر مل طلب ہے کہ خصوصیت کے ساتھ تاجر موصوف کا بیان اور دعویٰ اسلام کو ملحوظ رکھتے ہوئے اُس کو کافر کہیں گے یا مسلمان سمجھیں گے۔ اور اُن کو مسلمانوں کے قبرستان میں جگہ دی جائے کیا معاملہ کرنا چاہئے۔

(سوال ششم) جو نام نہاد مولوی تاجر مذکور کے میت کی نماز جنازہ پڑھتے اور اس کو مسلمان کہتے اور اور کہلواتے ہیں اور اس میں کوشش کرتے ہیں اُن کا کیا حکم ہے۔

(نوٹ) اسی اثنا میں گجراتی زبان میں ایک استفتا دستیاب ہو گیا جس میں اُن کے عقائد اور طریقہ نماز کا ذکر موجود ہے۔ مزید بصیرت کے لئے منسلک لفافہ بڑا ہے۔

طریقہ نماز با اصول دعا تعلیم کردہ آغاخان

نماز پڑھو۔ نماز پڑھو۔ نماز پڑھو۔ خدا تم کو برکت دے۔ خدا کا نام لو۔ خداوند شاہ علی تمکو ایمان اور اخلاق دے۔ یا شاہ میری شام کی نماز اور دعا قبول کر۔ جو حق تم کو ملا میں اس کا واسطہ دیتا ہوں اے ہمارے آقا آغا سلطان محمد شاہ اس کے بعد سجدہ کرو۔ اور اگر رات کی نماز ہو تو اس طرح کہو۔ میری شام کی اور رات کی دعائیں۔ اگر صبح کی نماز ہو تو اس طرح کہو میری شام کی۔ رات کی اور صبح کی دعائیں۔ اس کے بعد سجدہ کرو۔ اور تسبیح پڑھو۔ اور حسب ذیل طریقہ پر دعا و درود پڑھو۔

تسبیح۔ میں اپنے گناہوں پر پچتاتا ہوں۔ دو مرتبہ۔ میں سر سے پاؤں تک تیرا قصوروار اور گنہگار ہوں اے غفور رحیم شاہ میرا گناہ معاف کر۔ پیر تیری ہی عبادت کرتے ہیں۔ بندہ دعا مانگتا ہے اے سچے شاہ تو منظور رکھنے والا ہے۔ میں شاہ کے اس فرمان کو سر اور آنکھوں پر رکھتا ہوں جو پیر کے ذریعہ مجھکو ملا ہے یہ کہکر تسبیح زمین پر رکھدو۔ اور نیچے بتایا ہوا ورد کرو۔

ٹھل۔ سبحان اللہ۔ الحمد للہ۔ لا الہ الا اللہ۔ اللہ اکبر۔ لا حول ولا قوۃ الا باللہ العلی العظیم۔ الرحمن۔ ذی الجلال والاکرام۔ ان تمام صفتوں سے بنا ہوا قدوس۔ سب پر طاقتور خدا۔ ایران کے ضلع چالدیا میں انسان کا

جسم لیکر شتر باپ کی پیٹھ سے نکلا۔ آنہتر خدا ہو جانے کے بعد ستر ہویں اوتار کے نطفہ سے۔ اڑتالیسواں امام۔ دسواں بے عیب اوتار ہمارا خداوند آغا سلطان محمد شاہ داتا۔ اس کے بعد سجدہ کرو حق شاہ اچھا دنیا اور زمین کا شاہ خلیفہ اور، اور گدی کے جانشینوں کے نام کا وظیفہ کرو۔ دنیا اور زمین کے اچھوں کا نام یہ ہے۔ شاہ کے خلیفہ ابو طالب ولی کا نام حسب ذیل۔

۱ ہمارا سچا خداوند شاہ علی ۲ ہمارا سچا خداوند شاہ حسین ۳ ہمارا سچا خداوند شاہ زین العابدین۔ ۴ ہمارا سچا خداوند شاہ محمد باقر ۵ ہمارا سچا خداوند شاہ جعفر صادق ۶ ہمارا سچا خداوند شاہ اسمٰعیل ۷ ہمارا سچا خداوند شاہ محمد الی اسمٰعیل ۸ ہمارا سچا خداوند شاہ رفیع احمد۔ ہکذا الی ۹ ۴۶ ۴۷ ہمارا سچا خداوند شاہ آغا علی شاہ ۴۸ ہمارا سچا خداوند شاہ آغا محمد شاہ داتا۔

اور اس وقت کی امامت کا مالک خداوند زماں۔ امام شیخ المشائخ۔ امامت کی طاقت رکھنے والا مالو۔ آغا سلطان محمد شاہ داتا۔ بیشمار کروڑوں آدمیوں کا دستگیر۔ اس وقت کی امامت کا مالک۔ اے شاہ جو حق تمکو ملاہے۔ بطفیل اس کے اپنے حضور میں میری دعا منظور کرلے ہمارے خداوند آغا سلطان محمد شاہ۔

منقول از رسالہ تقویۃ الایمان بزبان گجراتی۔

(الجواب) اوّل چند مقدمات ممہد کرتا ہوں (الف) قال اللہ تعالیٰ۔ لقد کفر الذین قالوا ان اللہ ھو المسیح ابن مریم (ب) قال اللہ تعالیٰ ما جعل اللہ من بحیرۃ ولا سائبۃ ولا وصیلۃ ولا حام ولکن الذین کفروا یفترون علی اللہ الکذب (ج) قال اللہ تعالیٰ ولا ترکنوا الی الذین ظلموا فتمسکم النار (د) قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم من صلی صلوتنا واستقبل قبلتنا واکل ذبیحتنا فذلک المسلم رواہ البخاری (ہ) قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اٰیۃ المنافق ثلث رواہ الشیخان۔ زاد مسلم وان صام وصلی وزعم انہ مسلم (و) عن حذیفۃ قال انما النفاق کان علی عہد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فاما الیوم فانما ھو الکفر او الایمان رواہ البخاری (ز) فی اللمعات فی شرح الحدیث ای حکمہ بعدم التعرض لاھلہ والستر علیھم کان علی عہد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم لمصالح کانت مقتصرۃ علی ذلک الزمان اما الیوم فلم یبق تلک المصالح فمن ان علمنا انہ کافر سرا قتلناہ حتی یومن اھ (ح) فی رد المحتار احکام المرتد تحت قول الدر المختار لان التلفظ بھا صار علامۃ علی الاسلام ما نصہ افاد بقولہ صار الی ان ما کان فی زمن الامام محمد تغیر لانھم فی زمنہ ما کانوا یمتنعون عن النطق بھا فلم تکن علامۃ الاسلام فلذا

اشترطوا معہا التبری لعلہ فی زمن قاری الہدایۃ فقد صارت علامۃ الاسلام لانہ لایاتی بہا الا المسلم الخ (ط) فی الدر المختار احکام غسل المیت فی محل فلہم کل فرد میت جل من مسلم الخ (ی) فی مختصر المعانی بحث الاسناد ما نصہ وقولنا فی التعریف بتاول یخرج نحو ما مر من قول الجاھل انبت الربیع البقل انبات الابنات من الربیع الخ وفیہ بحث وجوب القرینۃ للاسناد المجازی ما نصہ وصدورہ عطف علی استحالۃ ای وکصدورہ عن الموحد فی مثل اشاب الصغیر الخ۔ آیات وروایات وعبارات بالا سے یہ امور مستفاد ہوئے۔
اول۔ حلول کا قائل ہونا کفر ہے (آیت الف) ثانی جو رسوم اور عادات کفار کے ساتھ ایسی خصوصیت رکھتے ہوں کہ بمنزلہ اُن کے شعار کے ہوگئے ہوں اگر عرفاً وہ شعار مذہبی سمجھے جاتے ہوں وہ بھی کفر ہیں۔ (آیت ب) اسی اصل پر فقہا نے شد زنار کو کفر فرمایا ہے۔ ورنہ تشبہ بالکفار بھی جو مستلزم رکون الی الکفار ہونیکے سبب معصیت و حرام ہے (آیت ج) جس طرح عادات مخصوصہ بالمسلمین دلیل اسلام ہیں۔ (روایت د) بشرطیکہ کوئی یقینی دلیل کفر کی نہ ہو۔ ورنہ کفر ہی کا حکم کیا جائیگا لقولہ تعالیٰ ان الذین یکفرون باللہ ورسلہ ویریدون ان یفرقوا بین اللہ ورسلہ ویقولون نؤمن ببعض ونکفر ببعض ویریدون ان یتخذوا بین ذلک سبیلا ۔ اولئک ھم الکفرون حقا۔ اور اسلام کی وجہ واحد کو کفر کی وجوہ متعددہ پر ترجیح اُسی وقت ہے جبکہ وہ وجوہ کفر محتمل ہوں تیقن نہ ہوں (ثالث) موجبات کفر کے ہوتے ہوئے محض دعویٰ اسلام و صلوٰۃ و صیام و استقبال بیت الحرام ترتب احکام اسلام کے لئے کافی نہیں۔ جب تک ان موجبات سے تائب نہ ہو جاوے۔ (روایت ہ) (رابع) باوجود ثبوت کفر کے اسلام ظاہر کرنیوالوں کیساتھ بنا بر مصالح اسلامیہ مسلمانوں کا سا برتاؤ کرنا گو بعض اوقات ان کے کفر کا بھی ظہور ہوجاتا تھا کما نقل عنہم وقولہم انؤمن کما آمن السفہاء ونحوہ مخصوص تھا حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کے عہد مبارک کے ساتھ۔ اب وہ حکم باقی نہیں رہا۔ (روایت وعبارات ز) بلکہ بعض احکام کے اعتبار سے خود حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کے اخیر عہد میں معاملہ کالمسلمین میں تغیر ہوگیا تھا چنانچہ آیت ولا تصل علی احد منہم مات ابدا ولا تقم علی قبرہ میں مصرح ہے والنھی عن الزیارۃ یستلزم النھی عن الدفن فی مقابر المسلمین لان الدفن یستلزم الزیارۃ عادۃ۔ البتہ تعرض بالقتل والنھب کی ممانعت باقی رہ گئی تھی۔ خامس جو کافر اصول اسلامیہ کا بھی مقر ہو اس کے حکم بالاسلام کیلئے محض تلفظ بکلمتی الشہادہ کافی نہیں جب تک اپنی کفریات سے تبری کا اعلان نہ کرے۔ (عبارت ح) سادس کافر کا مقابر مسلمین میں دفن کرنا جائز نہیں (عبارت ط) سابع جس شخص کا کفر ثابت ہوجاوے اس کے اقوال و

انساں محتمل الکفر والاسلام ہیں تاویل کرنیسے اس کا کفر مانع ہوگا (عبارت ی) اب مقدمات کے بعد سب سوالات کا جواب ظاہر ہے مگر تبرعاً جدا جدا بھی عرض کرتا ہوں ۔سوال میں دو قسم کے امور مذکور ہیں۔ ایک قسم وہ جو یقیناً موجب کفر ہیں جیسے تصویر کی پرستش کرنا یا کرشن کی تصویر عبادت خانہ میں رکھنا جو شعار کفار کا ہے۔ یا بجائے بسم اللہ کے لفظ اوم لکھنا کہ یہ بھی اُن کا شعار ہے۔ یا حلول کا قائل ہونا جو سوال کی تمہید اور ترکیب نماز کے آغاز میں مذکور ہے۔ اور دوسری قسم وہ جو صرف محتمل کفر ہیں جیسے دیوالی سے بھی کھاتہ کا حساب شروع کرنا یا مقتداؤں کو لفظ خداوند سے خطاب کرنا یا اُن سے دعائیں مانگنا بس قسم اول پر تو حکم بالکفر ظاہر ہے (للامر الاول والثانی اور قسم ثانی کا صدور اگر مسلمان سے ہوتا تو اس میں تاویل کرکے مباح یا معصیت پر محمول کیا جاتا مگر جب اس کا صدور کافر سے ہے تو تاویل کی ضرورت نہیں (للامر السابع) اور ان کفریات کے ہوتے ہوئے کہ ایسے شخص کا دعویٰ اسلام کافی ہے نہ اس کا نمازی اور روزہ دار ہونا کافی ہے نہ اُس پر نماز جنازہ جائز ہے نہ مقابر مسلمین میں دفن کرنا جائز ہے للامر الثالث والسادس) اور نہ مصلحت کے سبب کافر کو مسلمان کہنا یا اسکے ساتھ مسلمانوں کا سا معاملہ کرنا جائز ہے (للامر الرابع والخامس) البتہ بلا ضرورت کسی سے لڑائی جھگڑا کرنا بھی نہ چاہئے۔ اور ایسے مصالح کی بنا پر ایسی رعایت کرنا اُن مصالح سے زیادہ مفاسد کا موجب ہوجاتا ہے۔ کیونکہ وہ مصالح تو محض دنیوی ہیں۔ اور مفاسد دینیہ۔ اُن مفاسد کا خلاصہ یہ ہے کہ جب ان کفریات کے ہوتے ہوئے کسی کو مسلمان کہا جاوے گا تو ناواقف مسلمانوں کی نظر میں ان کفریات کا قبح خفیف ہوجاوے گا اور وہ آسانی سے ایسے گمراہوں کے شکار ہوسکیں گے تو کافروں کو اسلام میں داخل کہنے کا انجام یہ ہوگا کہ بہت سے مسلمان اسلام سے خارج ہوجاوینگے کیا کوئی مصلحت اس مفسدہ کی مقاومت کرسکے گی ایسے ہی مصالح و مضار کے اجتماع کا یہ فیصلہ فرمایا گیا ہے۔ قال تعالیٰ قل فیھما اثم کبیر ومنافع للناس و اثمھما اکبر من نفعھما۔ قال تعالیٰ یدعو لمن ضرہ اقرب من نفعہ۔ واللہ اعلم۔

تمت رسالۃ الحکم الحقانی ۔ ذیحجہ ۱۳۵۱ھ

رسالہ شق الجیب عن حق الغیب

سوال۔ حضرت دام برکاتہم آمین۔ السلام علیکم ورحمۃ اللہ اس پرچہ میں جو عبارات درج ہیں اس سے بھی بدعتی نے حضور پرنور صلی اللہ علیہ وسلم کا علم محیط ثابت کیا ہے۔

(۱) لقد ترکنا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم وما یحرک طائر جناحیہ الاذکرلنا منہ علما ھذا تمثیل لبیان کل شیء مفصلاً تارۃ واجمالاً اخری۔

طبرانی میں لکھا ہے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ان اللہ رفع لی الدنیا فانا انظر الیھا والی ما ھو کائن فیھا الی یوم القیمۃ کانما انظر الی کفی ھذہ ان اللہ قد رفع ای اظھر وکشف لی الدنیا بحیث احطت بجمیع ما فیھا

یہ سب عبارتیں زرقانی شرح مواہب جلد سابع مسئلہ غیب ما وراء القرآن میں مذکور ہیں۔

(۲) کتاب الابریز ص۲۶۲ مطبوعہ مصر وعند نا یعلم صلی اللہ علیہ وسلم من العرش الی الفرش ویطلع علی جمیع ما فیہما فوقہ احد۔

(۳) ملا علی قاری حنفی کی شرح قصیدہ بردہ قلمی میں ہے تحت شعر ۵ ومن علومک علم اللوح والقلم وکون علومھما من علومہ صلی اللہ علیہ وسلم ان علومہ تتنوع الی الکلیات والجزئیات وحقائق ومعارف وعوارف متعلق بالذات والصفات وعلمھما یکون سطرا من سطور علمہ ونہرا من بحور علمہ اور حالانکہ لوح محفوظ میں کل کائنات ذرہ ذرہ کا علم مذکور ہے۔

(۴) اور کیا آدم علیہ الصلوٰۃ والسلام کو کل کائنات عالم ماضویہ واستقبالیہ کلیات وجزئیات کا علم تھا جو کہ بظاہر وعلم آدم الاسماء کلھا سے استغراق تام حقیقی مفہوم ہوتا ہے۔

(۵) قال فی کتاب الابریز ثم الارواح مختلفۃ فی ھذا التمیز علی قدر الاطلاع فمن الارواح من ھو اقوی فی الاطلاع ومنھا من ھو ضعیف واقوی الارواح فی ذلک روحہ صلی اللہ علیہ وسلم فانھا لم یحجب عنھا شیء من العالم فھی مطلعۃ علی عرشہ وعلوہ وسفلہ ودنیاہ واخرتہ ونارہ وجنتہ لان جمیع ذلک خلق لاجلہ صلی اللہ علیہ وسلم فتمیزہ علیہ السلام خارق بھذا العوالم باسرھا فعندہ تمیز فی اجرام السموات من این خلقت ومتی خلقت ولم خلقت والی این تصیر فی جرم کل سماء وکن اما بقی من العوالم ولیس فی ھذا مزاحمۃ للعلم القدیم الازلی الذی لانھایۃ لمعلوماتہ وذلک لان متعلق العلم القدیم لم ینفصل فی ھذا العالم فان اسرار الربوبیۃ واوصاف الالوھیۃ التی لانھایۃ لھا لیس من ھذا العالم فی شیء ثم الروح اذا احبت الذات امدتھا بھذا التمیز فلذلک کانت ذاتہ الطاھرۃ صلی اللہ علیہ وسلم تمیز ذلک التمیز السابق وتخرق بہ العوالم کلھا فسبحان من شرفھا وکرمھا واقدرھا علی ذلک۔

(٦) قال في موضع آخر ناقلا عن شيخه عبد العزيز قدس سره ولقد رأيت وليا بلغ مقاما عظيما وهو انه شاهد المخلوقات الناطقة والصامتة والوحوش والحشرات والسموات ونجومها والارضين وما فيها وكرة العالم تستمد منه ويسمع اصواتها وكلامها في لحظة واحدة ويمد كل واحد بما يحتاجه و يعطيه ويصلحه من غير ان يشغل هذا من هذا بل اعلى العالم واسفله بمنزلة من هو في حيز واحد عنده ثم يرجع هذا الولي فينظر فيرى مدده من غيره وهو النبي صلى الله عليه وسلم ويرى مدد النبي صلى الله عليه وسلم من الحق سبحانه فيرى الكل منه تعالى۔

(٧) وفي موضع آخر: واعظم الارواح علما واقواها نظرا روحه عليه الصلوة والسلام لانها يعسوب الارواح فهي مطلعة على جميع ما في العوالم كما سبق دفعة واحدة من غير ترتيب ولا تدريج ثم لما وقع الاتصال بينها وبين ذاته الطاهرة صلى الله عليه وسلم امتزجا بعدم الغفلة حتى صارت الذات مطلعة على جميع ما في العالم مع عدم طروق الغفلة لها اذ ذاك لكن الاطلاع ليس مثل الاطلاع فان اطلاع الروح دفعة من غير ترتيب واطلاع الذات على سبيل التدريج والترتيب بمعنى انها مهما توجه اليه في العالم الا وتعلمه لكن علمه لا يحصل الا بالتوجه فاذا توجهت الى شيء آخر علمته وهكذا حتى تأتي على ما في العالم كلها التسلط في العلم على ما في العالم ولكن بتوجه بعد توجه ولا تطيق الذات ما تطيق الروح من حصول ذلك دفعة واحدة وكذا يختلفان في عدم الغفلة فانه في الروح على نحو ما سبق تقديره واما في الذات فهو بالنسبة الى ما توجهت بمعنى انها اذا توجهت الى شيء لا تغفل عنه ولا يلحقها اذ توجهها اليه سهو ولا غفلة ولا نسيان واما اذا لم تتوجه اليه فقد تغفل عنه ويقع لها فيه السهو والنسيان ولهذا قال صلى الله عليه وسلم كما في صحيح البخاري انما انا بشر انسى كما تنسون فاذا نسيت فذكروني قال ذلك صلى الله عليه وسلم حين وقع السهو ولم ينبهوه۔

الجواب

اصول موضوعہ (۱) عقائد قطعیہ کیلئے ضرورت ہے دلیل قطعی کی جو ثبوتاً بھی قطعی ہو اور دلالۃً بھی قطعی ہو۔
(۲) عقائد ظنیہ کیلئے دلیل ظنی کافی ہے بشرطیکہ اپنے مافوق کیساتھ معارض نہ ہو ورنہ دلیل مافوق ماخوذ ہوگی اور یہ دلیل متروک ہوگی اور اگر مماثل کیساتھ معارض ہوگی تو دلائل مابعد کی طرف رجوع کرینگے۔ اگر دلائل مابعد بھی متعارض ہوں گے دونوں شقوں کے قائل ہونے کی گنجائش ہوگی (۳) عقائد قطعیہ میں تو کسی غیر معصوم کا

کلام حجت نہ ہوگا اور عقائد ظنیہ میں غیر مجتہد کا کلام حجت نہ ہوگا بلکہ خلاف دلیل ہونے کی صورت میں وہ غیر مجتہد اگر مقبول ہے تو اُس کے کلام میں تاویل کیجائے گی ورنہ رد کر دیا جائے گا ان مقدمات کے بعد عرض ہے کہ علم غیب بلا واسطہ کا یا علم غیب غیر متناہی کا گو بواسطہ ہو خواص باری تعالیٰ سے ہونا عقیدہ قطعیہ اور نصوص قطعیہ سے ثابت ہے غیر باری تعالیٰ کیلئے اس کا قائل ہونا کفر و شرک ہے اور کوئی مسلم اس کا قائل نہیں اور علم غیب متناہی اور بواسطہ ممکن کیلئے ممکن الثبوت اور ثابت بھی ہے پھر اُس میں مطلق کا درجہ تو ہر ذی شعور کیلئے مشاہدہ سے ثابت ہے اور اس میں بھی کسی کو کلام نہیں اور اس میں خاص مقدار کے درجہ کا ثبوت محتاج نقل ہے پھر وہ نقل اگر قطعی ہے تو اُس کا ثبوت قطعی ہے اور اگر ظنی ہے تو اُس کا ثبوت ظنی ہے اس ہی تفصیل کیساتھ جو مقدمہ ۲ میں مذکور ہوئی ہے اب عبارات منقولہ سوال میں نظر کرنا چاہئے۔ اور میرے پاس اس وقت کتابیں نہیں ورنہ اس سے زیادہ لکھنے کا بھی احتمال تھا۔

عبارت اولیٰ۔ اس کا حصہ اولیٰ معلوم نہیں کس کا قول ہے اور بدون تعیین قابل حجت نہیں (مقدمہ ۳) دوسرا حصہ طبرانی کی روایت ہے اس سے صرف علم متناہی محدود الی یوم القیمۃ ثابت ہوتا ہے سب سے پہلے اس کے رجال کی تحقیق کی ضرورت ہے بدون اس کے اس سے احتجاج ہی نہیں ہوسکتا اور اگر فرضاً سب کا عادل ثقہ ہونا بھی ثابت ہوجاوے تو خبر واحد ہے جو ثبوتاً ظنی ہے پھر معارض ہے اپنے سے مافوق دلائل سے خود قرآن مجید میں ہے ما علمنٰہ الشعر الآیۃ حالانکہ صنعت شعر بھی مافی الدنیا میں داخل ہے۔ نیز قرآن مجید میں ہے۔ ومن اهل المدینۃ مردوا علی النفاق لا تعلمھم نحن نعلمھم اس میں اقرب الاشیاء الحسیہ یعنی بعض منافقین کا آپ کو علم نہ ہونا منصوص ہے اور چونکہ یہ آیت غزوہ تبوک کے قصہ میں نازل ہوئی ہے جو آپ کی آخر عمر میں واقع ہوا ہے اسلئے اس سے یہ بھی ثابت ہوگیا کہ آخر عمر تک البعض اشیاء آپ سے مخفی رکھی گئیں اور احادیث صحیحہ میں آپ کا تحقیق واقعات کے لئے قاصدوں کو بھیجنا بہت امور میں مشورہ اور رائے مناسب دریافت کرنا معنیً متواتر ہے اور تاریخ معلوم نہیں اس لئے تعارض کا حکم کیا جائے گا نیز حدیث انک لا تدری ما احدثوا بعدک۔ نص ہے اس میں کہ آخر عمر تک بھی بہت سے واقعات ایسے مخفی رہے پس عدم علم کی تاریخ کے تقدیم کا احتمال بھی نہ رہا۔ پس لامحالہ روایت طبرانی اگر صحیح ہے تو ماؤل اور خاص ہوگی اُن علوم کے ساتھ جن کو منصب نبوت سے تعلق ہے اور اس کا کوئی منکر نہیں اور صحیح السند نہیں تو پھر نہ حجت ہے نہ جواب کی حاجت ہے۔

عبارت ثانیہ۔ کتاب الابریز کی سو اول تو وہ غیر معصوم غیر مجتہد کا کلام ہے جو حجت نہیں ثانیاً اُس سے بھی

علم متناہی ثابت ہوتا ہے اگر اس کو عام کہا جاوے تو اُن دلائل اقوی سے معارض ہے جن کا ذکر عبارت اولی کی تحقیق میں ہو چکا ہے من قولہ خود قرآن مجید الی قولہ معنی متواتر ہے اور اگر عام نہ کہا جاوے بلکہ علم نبوت کیساتھ خاص کہا جاوے تو پھر خصم کے دعوے سے اس کو مس ہی نہ ہوگا۔

عبارت ثالثہ۔ ملا علی قاریؒ کا قول اول تو غیر معصوم غیر مجتہد کا قول ہے پھر اس سے بھی علم متناہی ثابت ہوتا ہے۔ پھر اگر عام کہا جاوے تو وہی تعارض جو عنقریب مذکور ہوا اور اگر خاص کہا جاوے تو پھر کچھ مضر نہیں اور متعلق بالذات کی قید اس تخصیص کی تائید کرتی ہے اور بعض الفاظ کی ترکیب غلط ہونیسے معلوم ہوتا ہے۔ کہ عبارت ناتمام یا غلط نقل کی گئی ہے اور اس عبارت کے تحت میں سائل کا قول کہ لوح محفوظ میں کل کائنات ذرہ ذرہ کا علم مذکور ہے اھ۔ اس سے اگر علم غیر متناہی مراد ہے تو اُس پر دلیل قایم کرے اور اگر متناہی مراد ہے تو مضر نہیں۔ کما مر۔ نیز ملا علی قاری کے قول کے معنے یہ ہو سکتے ہیں کہ حضور کے اصل علوم کا تعلق ان کلیات وجزئیات حقائق ومعارف سے ہے جو ذات وصفات سے متعلق ہیں اور لوح وقلم کے علوم کائنات عالم سے متعلق ہیں اور شرف علم کا شرف معلوم سے ہوتا ہے پس اس شرف کے تفاوت سے دونوں علموں میں وہ نسبت ہے جیسے نہر اور بحر میں اور حرف اور سطر میں گو دونوں علم ایک جنس سے نہ ہوں جیسے نہر کا پانی اور بحر کا پانی ایک جنس سے نہیں ہوتے پس اس سے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے علم کا لوح وقلم کے علوم پر مشتمل ہونا ثابت نہیں ہو سکتا۔

عبارت رابعہ۔ بالکل ناتمام ہے معلوم نہیں اُس سے کیا مقصود ہے آیا محض استفسار ہے یا استدلال اپنے مدعا پر۔ اگر محض استفسار ہے تو جواب یہ ہے کہ استغراق حقیقی کی کوئی دلیل نہیں بلکہ احتمال ہے کہ خاص وہی اسماء مراد ہوں جن کا تعلق شان خلافت آدمیہ سے تھا اور اگر استدلال مقصود ہے تو اُس کی تقریر موجود تو ہے نہیں لیکن شاید یہ تقریر ہو کہ جیسا آدم علیہ السلام کا علم محیط تھا تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا بدرجہا اولیٰ محیط ہوگا تو جواب یہ ہے کہ اول تو استغراق حقیقی ہی ثابت نہیں کما ذکرنا انفا اور پھر اگر مان بھی لیا جاوے تو صرف اسماء کا ہوگا نہ جمیع کائنات کا اور پھر وہ بھی متناہی اس لئے لا تناہی کہ اسماء کی بھی محال ہے تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے علوم کا محیط ہونا اس سے کیسے ثابت ہوا۔

عبارت خامسہ۔ اول تو غیر معصوم غیر مجتہد کا کلام پھر کوئی دلیل قوی وارد نہیں کی نہ نقلی جیسا ظاہر ہے اور نہ عقلی کیونکہ جو مذکور ہے من قولہ ان جمیع ذلک الخ وہ مستلزم مدعا کو نہیں کیونکہ کسی کیلئے کسی چیز کا پیدا ہونا

مستلزم اُس کے علم کو نہیں چنانچہ ارشاد ہے ھوالذی خلق لکم مافی الارض جمیعا اور یقیناً ہم کو جمیع مافی الارض کا علم نہیں پس ماوّل ہوگا کہ غلبہ محبت وعشق سے یہ مبالغہ آمیز کلام صادر ہوگیا۔

عبارت سادسہ۔ اگر اس کو ظاہر پر رکھا جاوے تو اس ولی کے علم کا بھی محیط ماننا لازم آتا ہے اور اگر اس سے محیط نہیں کہ نبی سے مستمد ہے تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا بھی علم محیط نہ ہوگا کہ حق تعالیٰ سے مستمد ہیں۔

عبارت سابعہ۔ اول تو اپنے اغلاق سے کسی مدعا میں نص نہیں پھر وہی جواب اس کا بھی ہے کہ غیر معصوم غیر مجتہد کا کلام۔ پھر بے دلیل پس وہی تاویل ہوگی۔ صدور عن غلبۃ المحبۃ والعشق خلا حجۃ فیہ لاسیما بمقابلۃ ماھوا قوی منہ۔ ۱۳ ربیع الثانی ۱۳۵۲ھ۔ تمام شد رسالہ شق الجیب عن حق الغیب

ضمیمہ رسالہ شق الجیب مشتمل بریک سوال وجواب

السلام علیکم ورحمۃ اللہ۔ خاکسار حضرت شیخ الہند قدس سرہ کا ظاہری اور روحانی فیض یافتہ ہے۔ اور مشائخ دیوبند کے توسل اور اُن کے مسلک کو نجات یقین کرتا ہے اور یہی حال ان تمام حضرات کا ہے جو مجلس مستشار العلماء پنجاب سے وابستہ ہیں۔ یہاں لاہور میں ایک صاحب ہیں جنہوں نے عوام میں اپنے آپ کو دیوبندی مشرب مشہور کر رکھا ہے جو حقیقت حال کے سراسر خلاف ہے ان بزرگوار کا وتیرہ ہے کہ ماہ بماہ کوئی نہ کوئی رسالہ شائع کرتے رہتے ہیں۔ اس ماہ میں انھوں نے ایک کتاب بنام صد حدیث شائع کی جو ارسال خدمت ہے یہ کتاب تمام تر خام اور حیثیت سے مولوی صاحب مذکور کے دوسرے رسائل کی طرح ناقابل التفات ہے مگر اس کو کیا کیا جائے کہ آج پندرہ روز سے اس کتاب کی ایک عبارت کی وجہ سے تمام لاہور فتنہ وفساد کا مرکز بنا ہوا ہے مشائخ دیوبند کو عموماً اور ذات گرامی کو خصوصاً بریلویوں کی طرف سے نشانہ طعن وتشنیع بنایا جارہا ہے عام جلسوں میں کہا جاتا ہے کہ عبارت معلوم تمام دیوبندیوں کا مسلک ہے۔ ہمارے جگر میں سن سن کر ناسور ہوگئے ہیں اسلئے قبلہ سے التجا ہے کہ اس عبارت کے متعلق اپنا مسلک واضح فرمائیں۔ عبارت حسب ذیل ہے۔ عن ام العلاء الانصاریۃ قالت قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم واللہ لا ادری واللہ لا ادری وانا رسول اللہ ما یفعل بی ولا بکم "تشریح" حاصل یہ ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اپنے وجود اقدس سے علم غیب کی نفی فرماتے ہیں کہ جو آپ کے حق میں مقدر ہے یا دوسروں کے حق میں علم الٰہی میں مقرر ہے اس کا علم نہیں رکھتے۔ اس کا یہ مطلب نہیں کہ آپ کو اپنی نجات کا بھی یقین نہیں کیونکہ دوسری

احادیث اس کے خلاف ہیں" (گلدستۂ صد احادیث نبوی ص۳۲ و ۳۳) یہ عبارت ہماری جماعت کو تین طرح سے کھٹکی ہے (۱) کیا وجود اقدس سے مطلق علم غیب کی نفی مسلمانوں میں سے کسی کا مذہب ہے؟ حالانکہ واقعات سراسر اس کے خلاف ہیں۔ قرآن حکیم کتاب الفتن کتاب الملاحم۔ کتاب اشراط الساعۃ وغیرہ کے بالکل خلاف ہے (۲) مقدر اور نجات میں وجہ فرق معلوم نہیں کہ مقدر کا تو اصلا علم نہیں اور نجات کا یقین ہے بظاہر یہ متعارض غلط بیانی اور جہالت ہے (۳) پھر یہ بھی قابل غور ہے کہ دوسری روایات اس کے خلاف ہیں گویا (عیاذا باللہ معاذاللہ) انبیاء علیہم السلام بے تکی باتیں بھی کہتے ہیں جہاں ایک نہ بنے دوسری بنائی جائے۔ حالانکہ مولوی صاحب کو اس حدیث کا کوئی صحیح محمل بیان کرنا چاہیئے تھا جیسا شروح شفاء وغیرہ میں مذکور ہے۔

قبلہ گاہا یہ ہے عبارت اور یہ ہیں شکوک غایت ادب سے التجا ہے کہ آپ اس عبارت کے متعلق اپنا مسلک بیان فرمائیں تاکہ ہم وابستگان اپنا دامن پاک کر سکیں اور ہمارے لئے باعث اطمینان ہو۔

الجواب۔ علم غیب المخلوق کے متعلق اثباتاً و نفیاً نصوص مختلف عنوانات سے وارد ہیں گو معنوں میں اختلاف نہیں۔ بعض نصوص مع ترجمہ بطور نمونہ کے ذکر کرتا ہوں۔ اور ترجمہ میں یہ مصلحت ہے کہ معنوں کا عدم اختلاف ظاہر ہو جائے۔

اول۔ قال اللہ تعالٰی فی سورۃ الانعام قل لا اقول لکم عندی خزائن اللہ ولا اعلم الغیب الآیۃ یعنی آپ (ان لوگوں سے) کہدیجئے کہ (میں جو دعویٰ رسالت کا کرتا ہوں تو اس کی ساتھ) نہ تو میں تم سے یہ کہتا ہوں کہ میرے پاس (یعنی میری قدرت میں) خدا تعالٰی کے (تمام مقدورات کے) خزانے ہیں (کہ جب مجھ سے کسی امر کی فرمائش کیجائے اس کو اپنی قدرت سے ظاہر کر دوں) اور نہ میں (یہ کہتا ہوں کہ میں) تمام غیبوں کو (جو کہ معلومات الٰہیہ میں ہیں) جانتا ہوں (جیسا کبھی کبھی براہ عناد اس قسم کی باتیں پوچھتے ہو کہ قیامت کب آویگی مثلاً

ثانی۔ قال اللہ تعالٰی ایضاً فی سورۃ الانعام وعندہ مفاتح الغیب لا یعلمہا الا ھو۔ یعنی اللہ ہی کے پاس (یعنی اسی کی قدرت میں) ہیں خزانے تمام مخفی اشیاء کے (ان میں سے جس چیز کو جس وقت اور جس قدر چاہیں ظہور میں لے آتے ہیں مطلب یہ کہ اور کسی کو ان پر قدرت نہیں اور جس طرح قدرت تامہ ان کے ساتھ خاص ہے اسیطرح علم تام بھی چنانچہ) ان (خزائن مخفیہ مقدورات) کو کوئی نہیں جانتا بجز اللہ تعالٰی کے۔

ثالث۔ قال اللہ تعالٰی فی سورۃ الاعراف یسئلونک عن الساعۃ ایان مرساھا۔ قل انما علمہا عند ربی لا یجلیہا لوقتہا الا ھو الی قولہ قل انما علمہا عند اللہ ولکن اکثر الناس لا یعلمون۔ یعنی یہ لوگ آپ سے قیامت کے متعلق سوال

کرتے ہیں کہ اُس کا وقوع کب ہوگا آپ فرما دیجئے کہ اُس کا دیہ) علم (کہ کب واقع ہوگی) صرف میرے رب ہی
کے پاس ہے (دوسرے کسی کو اس کی اطلاع نہیں) اُس کے وقت پر اُس کو سوا اللہ کے کوئی اور ظاہر نکریگا
(اور وہ ظاہر کرنا یہ ہوگا کہ اُس کو واقع کردے گا اُس وقت سب کو پوری خبر ہو جاوے گی۔ اُس کے قبل کسی کو
بتلانے کے طور پر بھی اُس کو ظاہر نہ کیا جاوے گا۔ آگے ارشاد ہے کہ) آپ فرما دیجئے کہ اُس کا علم (مذکور) خاص
اللہ ہی کے پاس ہے لیکن اکثر لوگ (اس بات کو) نہیں جانتے (کہ بعض علوم حق تعالیٰ نے اپنی خزانہ علم
میں مکنون رکھے ہیں انبیاء علیہم السلام کو بھی تفصیلاً اطلاع نہیں دی) **ف** اس آیت سے اور حدیث
ما المسئول عنها باعلم من السائل رواہ الشیخان سے صاف معلوم ہوتا ہے کہ تعیین و تفصیل کیساتھ قیامت کی
اطلاع آپ سے بھی مخفی تھی اور بعض روایات جو تعیین کے باب میں آئی ہیں کہ دنیا کی عمر سات ہزار سال کی ہے
اول تو وہ قوت میں قرآن اور حدیث شیخین کے برابر کیا فی نفسہ بھی صحیح السند نہیں دوسرے ماؤل ہو سکتی ہیں۔
ظن غالب کیساتھ **رابع**۔ وقال اللہ تعالیٰ فی سورۃ الاعراف قل لا املک لنفسی نفعاً ولا ضراً الا ما شاء
اللہ ولو کنت اعلم الغیب لاستکثرت من الخیر وما مسنی السوء یعنی آپ کہدیجئے کہ میں خود اپنی ذات خاص
کے لئے (بھی چہ جائیکہ دوسروں کے لئے) کسی نفع (کے حاصل کرنے) کا اختیار نہیں رکھتا اور نہ کسی ضرر کے
دفع کرنے کا (اختیار رکھتا ہوں) مگر اتنا ہی کہ جتنا خدا تعالیٰ نے چاہا ہو (کہ مجھکو اختیار دیدیں) اور اگر میں
غیب کی باتیں (امور اختیاریہ کیمتعلق) جانتا ہوتا تو میں (اپنے لئے) بہت سے منافع حاصل کرلیا کرتا اور کوئی
مضرت ہی مجھ پر واقع نہ ہوتی اور اب چونکہ علم غیب نہیں اس لئے بعض اوقات نافع و مضر کا علم نہیں ہوتا
بلکہ گاہے بالعکس نافع کو مضر اور مضر کو نافع سمجھ لیا جاتا ہے۔ **خامس** قال اللہ تعالیٰ فی سورۃ النمل قل لا یعلم
من فی السموات والارض الغیب الا اللہ یعنی آپ کہدیجئے جتنی مخلوقات آسمان اور زمین (یعنی عالم) میں موجود
ہیں (اُن میں سے) کوئی بھی غیب کی بات نہیں جانتا بجز اللہ تعالیٰ کے (یعنی اللہ تعالیٰ کو تو بے بتلائے سب
معلوم ہے اور کسی کو بے بتلائے کچھ بھی معلوم نہیں۔ **سادس**۔ قال اللہ تعالیٰ فی سورۃ الاحقاف قل ما کنت
بدعا من الرسل وما ادری ما یفعل بی ولا بکم۔ یعنی آپ کہدیجئے کہ میں کوئی انوکھا رسول تو نہیں ہوں (کہ تمہارے
لئے موجب تعجب ہو گو انوکھا ہونا بھی فی نفسہ منافی رسالت نہیں چنانچہ جو سب سے پہلے پیغمبر تھے باوجود انوکھے
ہونیکے بھی پیغمبر تھے مگر انوکھا ہونا موجب تعجب ہو سکتا ہے گو وہ تعجب زائل کردیا جاوے۔ لیکن یہاں تو تعجب
بھی نہ ہونا چاہئے کیونکہ مجھ سے پہلے بہت سے پیغمبر آچکے ہیں جن کی خبر تواتر سے تم نے بھی سنی ہے) اور (اسی طرح کسی

اور عجیب بات کا بھی میں دعویٰ نہیں کرتا جیسا مثلاً علم غیب ہے چنانچہ میں خود کہتا ہوں کہ مجھکو غیبیات میں سے بجز معلومات بطریق الوحی کے اور کسی بات کی خبر نہیں حتیٰ کہ میں نہیں جانتا کہ میرے ساتھ کیا کیا جاوے گا۔ اور نہ (یہ معلوم کہ) تمہاری ساتھ (کیا کیا جاوے گا۔ بس جب اپنے اور تمہارے احوال آئندہ کے علم کا باوجود شدت تلبس اُن احوال کے میں مدعی نہیں ہوں تو اور مغیبات بعیدہ کی نسبت تو میں کیا دعویٰ کرتا پس اس باب میں بھی میں کسی امر عجیب کا مدعی نہیں ہوں) سلع قال اللہ تعالیٰ فی سورۃ الجن قل ان ادری اقریب ما توعدون ام یجعل لہ ربی امدا عالم الغیب فلا یظہر علیٰ غیبہ احدا الا من ارتضی من رسول فانہ یسلک من بین یدیہ ومن خلفہ رصدا الآیۃ یعنی آپ (ان سے) کہدیجئے کہ مجھ کو معلوم نہیں کہ جس چیز کا تم سے وعدہ کیا جاتا ہے آیا وہ نزدیک آنے والی) ہے یا میرے پروردگار نے اُس کے لئے کوئی مدت دراز (کذا فی الخازن والقرینۃ علیہ کونہ مقابلا لقولہ قریب) مقرر کر رکھی ہے (لیکن ہر حال میں وہ آوے گی ضرور۔ رہا علم تعیین کا سو وہ محض غیب ہے اور) غیب کا جاننے والا وہی ہے سو (جس غیب پر کسی کو مطلع کرنا مصلحت نہیں ہوتا) وہ اپنے (ایسے) غیب پر کسی کو مطلع نہیں کرتا (اور علم تعیین قیامت ایسا ہی ہے کہ اس پر کسی کو مطلع کرنے میں کوئی مصلحت نہیں کیونکہ وہ علوم متعلقہ بالنبوۃ سے نہیں جن کو حصول قرب الٰہی میں دخل ہوتا ہے پس ایسے غیب پر کسی کو مطلع نہیں کرتا) ہاں مگر اپنے کسی برگزیدہ پیغمبر کو (اگر کسی ایسے علم پر مطلع کرنا چاہتا ہے جو کہ علم نبوت سے ہو خواہ مثبت نبوت ہو جیسے پیشین گوئیاں خواہ فرع نبوت سے ہو جیسے علم احکام) تو (اس طرح اطلاع دیتا ہے کہ) اُس پیغمبر کے آگے اور پیچھے (یعنی جمیع جہات میں وحی کے وقت) محافظ فرشتے بھیجدیتا ہے تاکہ وہاں شیاطین کا گذر نہ ہو جو کہ وحی کو فرشتہ سے سن کر اور کسی سے جا کہیں۔ چنانچہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کیلئے ایسے پہرہ دار فرشتے جاتے تھے۔ کذا فی روح المعانی بروایۃ ابن المنذر عن ابن جبیر و بروایۃ ابن مردویہ عن ابن عباس)

ف چونکہ اس کے مشابہ مضمون آل عمران کی ایک آیت کے جزو ما کان اللہ لیطلعکم علی الغیب ولکن اللہ یجتبی من رسلہ من یشاء میں بھی مذکور ہے بقدر ضرورت اُس کا ترجمہ بھی لکھا جاتا ہے کہ اللہ تعالیٰ (بمقتضائے حکمت) تم کو ایسے امور غیبیہ پر (فی اللام للعہد بقرینۃ المقام والمعہود ہو تمییز الخبیث من الطیب فلا یشکل اطلاعہ تعالیٰ ایاہم علی کثیر من المغیبات منہا احکام الشرع المنصوصۃ بلا واسطہ وقوع حوادث کے) مطلع نہیں کرنا (چاہتے) تے۔ ولیکن ہاں جس کو (اس طرح مطلع کرنا) خود چاہیں اور (ایسے حضرات) وہ اللہ تعالیٰ کے پیغمبر ہیں ان کو (اس طرح مطلع کرنے کیلئے اپنے بندوں میں سے) منتخب فرماتے ہیں۔

ف۔ وجہ مشابہت دونوں آیتوں کی استثنار رسل کا بعض مغیبات کے علم میں خواہ استثنار متصل ہو یا منفصل اور اس آیت سے کسی کو شبہ نہ ہو کہ جو علم غیب خصائص باری تعالیٰ سے ہے اُس میں رسل کی شرکت ہو گئی کیونکہ خواص باری تعالیٰ سے دو امر ہیں۔ اس علم کا ذاتی ہونا اور اُس کا محیط بالکل ہونا یہاں ذاتی اس لئے نہیں کہ وحی سے ہے اور محیط اس لئے نہیں کہ بعض امور خاص مراد ہیں پس یہ بالمعنی الاعم غیب ہے نہ کہ بالمعنی الاخص۔ خوب سمجھ لو کہ۔ یہ اس باب میں مختصر نصوص مع تفسیر تھیں اس مجموعہ سے چند امور مستفاد ہوئے۔

اول۔ تحقیق مسئلہ کی کہ علم ذاتی و علم محیط بالکل بحیث لایشذ منہ شئی خواص باری تعالیٰ سے ہے اُس میں نہ کوئی رسول شریک ہے نہ غیر رسول۔

دوم۔ اللہ تعالیٰ نے علوم مغیبہ میں سے محض مخلوق کو بعض علوم عطا فرمائے ہیں جن میں سب سے زیادہ حضرات انبیاء و ملائکہ علیہم السلام کو اور پھر ان سب میں بھی زیادہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کو علوم عطا فرمائے ہیں خصوص امور تشریعیہ کے ایک ایک جزو کا اسی طرح امور تکوینیہ مناسبہ منصب نبوت کی ایک ایک جزئی کا علم آپ کو عطا فرمایا گیا ہے۔ اور بعض عطا نہیں فرمائے جن میں بعض کا عطا ہونا اور بعض کا عطا نہ ہونا متفق علیہ ہے اور بعض جزئیات کا عطا ہونا نہ ہونا مختلف فیہ ہے۔ مثلاً قیامت کا علم یا جمیع حوادث الی یوم القیٰمہ کا علم ظاہر نصوص اس کی نفی پر دال ہیں اور جمہور اہل حق کا یہی اعتقاد ہے اور بعض نے بعض روایات غیر ثابتہ یا غیر کافیہ فی الدلالۃ سے تمسک کر کے حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کے لئے اس کا اثبات کر کے جمہور کا خلاف کیا ہے مگر یہ خلاف حد بدعت سے نہیں بڑھتا البتہ اگر کسی نص قطعی الثبوت و قطعی الدلالۃ کا اُس میں رد ہو تو وہ کفر ہے اور غالباً کوئی ذی علم اس رد کا مرتکب نہ ہو گا اور ان بعض روایات کے ثبوت یا دلالت کے ناکافی ہونے کو علماء وقت نے بھی بقدر ضرورت اپنی تصانیف[1] میں ذکر فرمایا ہے۔

سوم۔ بعض نصوص میں علم غیب للمخلوق کی نفی کا عنوان تو مطلق ہے اگرچہ دوسرے دلائل سے وہ مقید ہے لیکن علم غیب للمخلوق کے اثبات کا عنوان کسی نص میں مطلق نہیں اس سے معلوم ہوتا ہے کہ اصل نفی ہی ہے اور اثبات للعارض پس اطلاقات تقریریہ یا تحریریہ میں نفی کا اطلاق جب کہ تقیید منوی ہو اور اُس پر قرائن قائم ہوں حقیقت اور مقاصد شریعت سے اتنا بعید نہیں جتنا اثبات کا اطلاق اگرچہ تقیید منوی ہو اور اُس پر

---

[1] اُن میں سے ایک رسالہ اس وقت میرے سامنے ہے الارشاد الی سبیل الرشاد مؤلفہ پیرزادہ بہار الحق قاسمی مطبوعہ آفتاب برقی پریس امرت سر ۱۲۔

قرائن قائم ہوں البتہ پہلا اطلاق بھی اگر موہم خلاف حقیقت یا موہم تنقیص شان کمال ہو واجب المنع ہوگا۔
لیکن ہر شخص کا حکم کر دینا کہ یہ ایہام ہو گیا یا تنقیص ہو گئی قابل اعتبار نہیں اس حکم کے لئے تبحر و تیقظ و تدین شرط ہے
چہارم۔ باوجود ثبوت بعض علوم مغیبات للمخلوق کسی نص میں مخلوق پر عالم الغیب کا اطلاق وارد نہیں۔ پس یہ
اطلاق ضرور ظاہری مزاحمت ہے نص کی جو واجب الاحتراز ہے۔
پنجم۔ علم غیب للمخلوق کی نفی کے نصوص اور اس کے اثبات کے نصوص میں تناقض اس لئے نہیں کہ دونوں
قضیوں میں وحدات ثمانیہ نہیں کہیں موضوع مختلف ہے کہ ایک جگہ ایک شئے کا علم ہے دوسری جگہ دوسری شئے کا
کہیں محمول مختلف ہے کہ ایک جگہ علم قطعی ہے دوسری جگہ علم غیر قطعی۔ کہیں شرط مختلف ہے کہ ایک جگہ علم بواسطہ
ہے دوسری جگہ بلا واسطہ وعلی ہذا۔ یہاں تک مسئلہ کی تحقیق ہے جو جواب سوال کیلئے بمنزلہ تمہید کے ہے اب جواب
عرض کرتا ہے۔ **قولکم** جنھوں نے اپنے آپ کو دیوبندی مشرب مشہور کر رکھا ہے **اقول** اس کی فکر میں پڑنا
تکلیف میں پڑنا ہے۔ کیا ایسے لوگ نہیں ہوئے کہ اسلام کی طرف اپنی نسبت کر کے اسلام کیلئے مضر ثابت ہوئے
مگر بجز صبر اور دعا کے کیا چارہ۔ **قولکم**۔ مشائخ دیوبند کو عموماً اور ذات گرامی کو خصوصاً الخ **اقول**۔ اس کا
رنج ہی فضول ہے ابتداء میں طبعاً رنج ہونا بعید نہ تھا اب تو عادت ہو جانا چاہئے **قولکم**۔ عام جلسوں میں
کہا جاتا ہے کہ عبارت مذکورہ تمام دیوبندیوں کا مسلک ہے **اقول** مصنف نے تو یہ کہا بھی نہیں کہ یہ سب
دیوبندیوں کا مسلک ہے یہ الگ بات ہے کہ اگر ایسا کہا جاتا تو صحیح ہوتا یا غلط لیکن اب تو کوئی منشاء اعتراض کا
بھی معترضین کے پاس نہیں بجز اس کے کہ بدنام کرنے کا بہانا ڈھونڈا جاتا ہے۔ حسبنا اللہ ونعم الوکیل **قولکم**۔ اپنا
مسلک واضح فرمائیں **اقول** کسی خاص عبارت کے متعلق خوض کرنا ردا یا تسلیماً اکثر بے نتیجہ ہوتا ہے اس لئے
میں نے بجائے اس کے اصل مسئلہ کے متعلق ضروری مضمون عرض کر دیا ہے اب اس پر عبارت کا انطباق یا عدم
انطباق خود ناظرین ملاحظہ فرمالیں گے گو ان مہربانوں سے زیادہ توقع یہی ہے کہ وہ اس مضمون میں بھی تہمات
پیدا کر کے ہم لوگوں کے بدنام کرنے کیلئے اس کو دوسرا حربہ بنالیں گے مگر آپ کے حکم کی تعمیل کر دی اب اس کا
اظہار یا اخفاء آپ کی رائے پر ہے۔ **قولکم**۔ عبارت حسب ذیل ہے الخ **اقول**۔ یہ مرقاۃ کا حوالے دیئے ہیں۔
جو میرے پاس نہیں ہے ورنہ اس پر انطباق دیکھا جاتا اب اس سے قطع نظر کر کے نفس عبارت پر نظر کرتا ہوں۔
قولکم نقل العبارۃ وجود اقدس سے علم غیب کی نفی الخ **اقول** دلالت بالکل صحیح ہے مگر غالباً مصنف کا بھی یہ
مقصود نہیں مراد خاص علم غیب ہے مابعد کی عبارت اس کا قرینہ ہے غالباً ان پر رد کر رہے ہیں جو اس باب میں

موجبہ کلیہ کے مدعی ہیں اُن کا رد سالبہ جزئیہ سے کرتے ہیں جو اُس کی نقیض ہے یعنی بعض علوم غیبیہ کی نفی سے اُس ایجاب کلی کا بطلان ہوگیا اور اُس بعض کی تعیین آئندہ اس عبارت میں کی ہے جو آپ کے حق میں الی قولہ منحصر یعنی آپ کیلئے یا دوسروں کیلئے بوحالت ایسی مقدر ہو جو صرف علم الٰہی میں منحصر ہو اُس کے علم کی نفی کی ہے تو اس سالبہ جزئیہ کے صدق سے ایجاب کلی کا رفع ہوتا ہے ایجاب جزئی کا رفع نہیں ہوتا اور اشراط الساعۃ وغیرہا سے ایجاب جزئی ثابت ہوتا ہے پس دونوں میں تناقض نہیں البتہ یہ کہا جا سکتا ہے کہ عبارت صاف نہیں بلکہ تنگ ہے اور بے ترتیب ہے مگر جرم کے ایک دفعہ کو دوسری دفعہ میں داخل کرنا یہ بھی توجرم ہے۔

قولکم مقدار اور نجات میں الخ **اقول**۔ مقدر سے اگر وہ مقدر مراد ہو جو صرف علم الٰہی میں منحصر ہے جس کا علم دوسرے کو عطا نہیں ہوا تو نجات سے اُس کا فرق ظاہر ہے کیونکہ اس مقدر کا علم عطا فرما دیا گیا ہے۔

قولکم دوسری روایات اس کے خلاف ہیں **اقول**۔ تقریر مذکور پر مخالف نہیں رہا **قولکم** حالانکہ الخ **اقول** نیک مشورہ ہے میرے پاس شرح شفاء نہیں ورنہ اس میں دیکھتا لیکن اگر دونوں محل میں تغائر بھی ہو تو محامل صحیحہ میں تعدد بھی تو ممکن ہے خواہ راجح و مرجوح کا تفاوت ہو مگر نفس صحت میں تو اشتراک ممکن ہے چنانچہ ایک محمل احقر نے اوپر سورۂ احقاف کی آیت کی تفسیر میں لکھا ہے **قولکم** آپ اس عبارت کے متعلق الخ **اقول**۔ کونوا قوامین بالقسط کو پیش نظر رکھ کر حکم کی تعیین کر دی ہے اگرچہ میں بھی تفسیر بالرائے کی وجہ سے اُن کا شاکی ہوں۔ اب دعا و طلب دعا پر ختم کرتا ہوں۔ اشرف علی ۳ رجب ۱۳۵۲ھ۔

رسالہ التواجہ بما یتعلق بالتشابہ

بعد الحمد والصلوٰۃ والدعاء اللھم ارنا الحق حقا وارزقنا اتباعہ والباطل باطلا وارزقنا اجتنابہ۔

عرض کرتا ہوں کہ نص متشابہ کی تعریف یہ ہے کہ اُس کی مراد بجز اللہ تعالیٰ کے (اور بقول بعض بجز اللہ تعالیٰ اور رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے) کسی کو جزما معلوم نہ ہو۔ اور جس کی مراد بنا بر شیوع مجاز یا کنایہ کے معلوم ہو وہ متشابہ نہیں اگرچہ اُس کے حقیقی معنی میں کوئی استحالہ لازم آتا ہو پھر اس متشابہ کی دو قسمیں ہیں ایک وہ کہ اُس کا مدلول لغوی بھی کسی کو معلوم نہ ہو جیسے مقطعات اور ایک وہ کہ اُس کا مدلول لغوی معلوم ہو مگر کسی محذور عقلی یا نقلی کے لزوم کے سبب مراد نہ لے سکیں پھر اس قسم اخیر کی دو قسمیں ہیں ایک یہ کہ اُس کا مدلول لغوی واحد ہو جیسے سمع و بصر و کلام اور ایک یہ کہ اُس کا مدلول لغوی متعدد ہو یعنی وہ مشترک اور محتمل وجوہ

متعددہ کو ہو پھر اس کی دو قسمیں ہیں ایک یہ کہ اُن معانی و وجوہ میں کسی دلیل سے کسی ایک کو ترجیح نہ دی گئی
ہو ایک یہ کہ اُن میں کسی ایک کو ترجیح دی گئی ہو خواہ دلیل قطعی سے یا دلیل ظنی سے۔ یہ بیان ہوا اقسام کا آگے
احکام کا بیان کیا جاتا ہے۔ مقطعات میں سب کا مذہب یہی ہے کہ اُس میں تفویض واجب ہے اور سمع و بصر
کلام میں سب کے نزدیک تفسیر جائز ہے مگر اس قید کے ساتھ لا کسمعنا ولا کبصرنا ولا ککلامنا اور ذات معانی متعددہ
میں اگر کسی معنی کو ترجیح نہ دی گئی ہو نہ قطعاً نہ ظناً اُس میں بھی سکوت واجب ہے اس کی مثال کوئی ذہن میں نہیں
آئی ایک نظیر فقہی تنویر کیلئے لکھتا ہوں کہ امام صاحبؒ نے اسی وجہ سے فرمایا ہے لا ادری ما الدهر۔ اور جس میں
کسی ایک معنی کو ترجیح دی گئی ہو اگر اُس کو لفظ منصوص ہی سے تعبیر کریں تب تو کوئی اختلاف ہی نہیں جیسے
استواء جب کہ اس کا نہ ترجمہ کیا جاوے نہ اس سے اشتقاق کیا جاوے البتہ دفع ایہام معنی متبادر متعارف
مستحیل کے لئے اس قید کا بڑھا دینا احتیاط ہے استواء یلیق بہ جیسا جمہور مفسرین کا صنیع ہے اور یہی محمل
ہے قول ائمہ کا الاستواء معلوم والکیف مجہول والایمان بہ واجب والسوال عنہ بدعۃ اور اگر لفظ غیر
منصوص سے تفسیر کیجاوے تو اُس میں دو مسلک ہیں ایک سلف کا وہ یہ کہ اس کو معنی حقیقی ہی پر محمول کیا جاوے
خواہ اُس معنی کی تعیین دلیل قطعی سے ہو خواہ دلیل ظنی سے مثلاً کسی نے اُس کی استقرار سے تفسیر کی کسی نے علو سے
کسی نے استیلاء سے کسی نے اقبال سے یہ سب معانی حقیقیہ لغویہ ہیں کما یظہر من کتب اللغۃ وتفسیر الطبری
فی قولہ تعالیٰ ثم استوی الی السماء اور یہ سب تفسیریں مسلک سلف پر منطبق ہیں گو تعیین ظنی ہے لیکن ہر
قول میں محمل حقیقی معنی ہیں اور یہی حاصل ہے مسلک سلف کا اور اُن سب تفسیروں میں سے ہر تفسیر کا حکم تفسیر
سمع و بصر کا سا ہو گا یعنی ہر ایک میں اس قید کا التزام واجب ہو گا لا کاستقرارنا المستلزم للمادیۃ ولا
کعلونا المقتضی للجہۃ ولا کاستیلائنا المسبوق بالعجز ولا کاقبالنا المسبوق بالادبار اور ان سب معانی حقیقیہ
لغویہ کے مسلک سلف پر منطبق ہونے کی دلیل یہ ہے کہ مضامین قرآن مجید کی تبلیغ عام مامور بہ ہے اور ظاہر ہے کہ
عجم کو تبلیغ بدون ترجمہ کے نہیں ہو سکتی۔ اگر ترجمہ قائم مقام اصل کلمہ کے نہ ہو تو لازم آتا ہے کہ مسلک سلف پر
ان اجزاء کی تبلیغ ممکن نہ ہو حالانکہ وہ اصل مسلک ہے پس ترجمہ کو قائم مقام اصل کے کہنا لازم ہے اور استوا
کا جب ترجمہ ہو گا وہ ان ہی معانی حقیقیہ لغویہ میں سے کسی کا ترجمہ ہو گا۔ پس ان سب معانی سے تعبیر کرنا بھی بجائے
استوی سے تعبیر کرنیکے ہو گا اور استوی لا کاستوائنا بالاتفاق مسلک سلف کا ہے۔ اسی طرح دوسری تفاسیر کو
مع القید بھی البتہ خود لفظ استوی کا محفوظ رکھنا اسلم واحکم ہے جبکہ مخاطب کو ترجمہ کی احتیاج نہ ہو جیسے عربی

متراد فات سب ایک حکم میں ہیں لیکن لازم بحکم مرادف نہیں کیونکہ ممکن ہے کہ وہ لزوم حادث میں ہو قدیم میں نہ ہو مثلاً اتیان کے ثبوت سے حرکت کا اطلاق جائز نہ ہوگا۔ دوسرا مسلک خلف کا ہے وہ یہ کہ اصل تو مسلک سلف ہی کا ہے لیکن ضعفار العقول کے تحمل و دفع تشویش کی مصلحت سے مجاز یا کنایہ پر محمول کر لیا جاویگا۔ پھر اس مجاز یا کنایہ میں مختلف وجوہ ہو سکتے ہیں یہ خلاصہ ہے بحث کا۔ اب تین تنبیہوں پر اس بحث کو ختم کرتا ہوں ایک یہ کہ بعض کلمات کے متشابہ ہونے میں اقوال مختلف بھی ہوتے ہیں منشار اس کا اسباب مختلف سے جن کا مرجع قواعد شرعیہ و عربیہ میں اختلاف ہے رائے و اجتہاد کا۔ دوسری تنبیہ یہ کہ تفصیل کی بنار پر بعضے دوسرے متشابہات بھی استوار کے حکم میں ہیں پھر خصوصیت کیساتھ خود سلف سے بھی زیادہ حکم استوار ہی کے متعلق کیوں منقول ہے اس کی وجہ میری رائے میں یہ معلوم ہوتی ہے کہ اس زمانہ میں کسی وجہ سے اہل بدعت نے اسی میں زیادہ تشکیک کی ہوگی۔ تیسری تنبیہ یہ کہ آج کل بعض لوگ جن پر ظاہریت غالب ہے جب متشابہات کی تفسیر کرتے ہیں تو درجۂ اجمال میں تو مسلک سلف پر رہتے ہیں مگر چار غلطیاں کرتے ہیں ایک یہ کہ تفسیر ظنی کی قطعیت کے مدعی ہو جاتے ہیں۔ دوسری غلطی یہ کہ جب تفصیل کرتے ہیں تو عنوانات موہمۂ تکیف و تجسیم اختیار کرتے ہیں۔ تیسری غلطی یہ کہ مسلک تاویل کو علی الاطلاق باطل کہکر ہزاروں اہل حق کی تضلیل کرتے ہیں حالانکہ اہل حق کے پاس ان کے مسالک کی صحت کیلئے احادیث بھی بنار ہیں اور قواعد شرعیہ بھی قاعدہ کا بیان تو اسی تحریر میں مذکور ہے اور احادیث رسالہ تمہید الفرش میں مذکور ہیں۔ چوتھی غلطی یہ کہ تفسیر بالاستقرار کو تو سلف کے مسلک پر سمجھتے ہیں اور دوسری تفاسیر لغویہ کو تاویل خلف سمجھتے ہیں حالانکہ سب کا مساوی ہونا اوپر ظاہر ہو چکا البتہ دوسری آیات غیر متشابہ میں معنی استقرار میں کثرت استعمال ہونا تفسیر بالاستقرار کیلئے ایک گونہ مرجح ہے دیکھنا فلیکتف القلم ولیلبنہ الرقم ونکرر الدعاء اللھم ارنا الحق حقا وارزقنا اتباعہ وارنا الباطل باطلا وارزقنا اجتنابہ وصلی اللہ تعالیٰ علی خیر خلقہ محمد و آلہ وصحبہ اجمعین ٥

مرقوم دوم جمادی الاولی یوم الجمعہ ۱۳۵۲ھ تمت رسالہ التواجہ

ضمیمہ رسالۃ التواجہ"

بعد حمد و صلوٰۃ وسط شوال ۱۳۵۱ھ میں بحث متشابہات کے متعلق دو مضمون ذہن میں وارد ہوئے نافع ہونے کے سبب بعنوان اضافہ رسالہ بالا کے ساتھ ملحق کرتا ہوں۔

اضافہ اوّل۔ رسالہ بالا کی تیسری تنبیہ کی تیسری غلطی کے بعد یہ عبارت بڑھائی جاوے وھی ھذا البتہ رسالہ تمہید الفرش کے فوائد متفرقہ کے سوال اول کے جواب میں احادیث سے جو مسلک تاویل کی تحت کی تائید ذکر کی گئی ہے اس میں ایک مضمون قابل اضافہ ہے جس کو اب ذکر کرتا ہوں وہ یہ کہ یہ توجیہ مذکور یعنی آیات متشکلم فیہا میں صورت تفسیر کو بجائے حقیقت تفسیر کی قرار دینا یہ علی سبیل التنزل ہے قطع نزاع اہل شغب کے لئے ورنہ خود یہی مسلم نہیں کہ یہ تاویلات متاخرین کی محض صورت تفسیر ہیں مقابل حقیقت تفسیر کے بلکہ ایسی تاویل کو حقیقت تفسیر بھی کہنا ممکن ہے۔ غایت مافی الباب تفسیر متیقن و متعین نہ کہیں گے تفسیر محتمل کہیں گے۔ اور سلف اس احتمال کی نفی نہیں کرتے کیونکہ ان کے قول کا حاصل کسی تفسیر متعین کے تیقن کی نفی ہے نہ کہ اس تفسیر کی نفی کا تیقن۔ چنانچہ اتقان نوع ثالث واربعین میں مقطعات کی تاویلات مختلفہ صحابہ و تابعین کی ایک جماعت سے منقول ہیں جو بوجہ شدت خفاء معانی شان تشابہ میں دوسرے متشابہات سے اقوی ہیں جن کے معانی کسی درجہ میں تو معلوم ہیں گو اس مقام میں معلوم نہیں۔ و نیز اتقان نوع سادس و ثلثین میں خود کشف ساق کی تاویل ابن عباسؓ سے منقول ہے۔ یہ صریح دلیل ہے کہ سلف تیقن مراد معین کے نافی ہیں نہ کہ احتمال کو ورنہ وہ کیوں ایسی تاویل کرتے گو متاخرین کی طرح یہ اُن کی عادت نہ تھی لیکن تاویل کی اصل تو اُن سے بھی ثابت ہو گئی۔ نیز نبراس شرح شرح عقائد نسفیہ میں سلف کے مذہب کو اس عبارت سے نقل کیا ہے الایمان بما اراد اللہ تعالیٰ وتفویض علمہا الیہ تعالیٰ الخ اور شرح فقہ اکبر میں امام مالکؒ کا قول اس عبارت سے نقل کیا ہے الاستواء معلوم والکیف مجہول والسوال بدعۃ والایمان بہ واجب۔ ان دونوں عبارتوں میں تاویل متاخرین کی نفی نہیں بلکہ کیف یعنی مراد متعین کو مجہول یعنی غیر معلوم اور اس کو یعنی اس کے علم بالتعیین کو مفوض الی اللہ تعالیٰ کہا ہے جس میں دونوں احتمال ہیں یعنی ممکن ہے کہ وہ کیف تاویل متاخرین ہو اور ممکن ہے کہ اس کا غیر ہو۔ پس سلف اور خلف دونوں کسی خاص تاویل کے جازم ہونیکے نافی ہیں اور محتمل ہونیکے مثبت ہیں اس میں تو دونوں شریک ہیں صرف فرق یہ ہے کہ سلف کو کسی خاص محتمل کے اظہار کی ضرورت نہیں ہوئی یعنی بطور عادت کے

کما مر قریباً اگرچہ احتمال ہی کے درجہ میں وہ اظہار ہوتا اور خلف کو اس کی ضرورت ہوئی مگر تصریح درجہ احتمال۔
اور ظاہر ہے کہ تفسیر محتمل بھی حقیقتاً تیسری فرد ہے نہ کہ محض صورت تفسیر اور قائم مقام تفسیر۔ اور نظائر حدیثیہ میں
اس سے زیادہ وسعت ہے جس کی طرف علماء مضطر نہیں ہوئے تو اس صورت میں اس توسع کی خصوصیات نبویہ
سے بھی کہنا ممکن ہے۔ واللہ اعلم۔

اضافہ دوم۔ رسالہ بالا میں تیسری تنبیہ کی چوتھی غلطی کے بعد یہ عبارت بڑھائی جاوے وھی ھٰذہٖ چوتھی
تنبیہ یہ کہ تفویض جو سلف کا مسلک ہے اس کی تفسیر بعض اقوام سے القائلون ہم الاقلون یہ معلوم ہوتی ہے
کہ مراد تو معنی حقیقی ہیں مگر اس کی کنہ معلوم نہیں پس تفویض نفس معنی میں نہیں بلکہ صرف کنہ میں ہے۔ وھو ظاھر
عبارات شرح الفقہ الاکبر کقولہ فی المتن وله ید و وجہ ونفس الخ وکقولہ فی الشرح فیجب ان یجری ما ورد
فی الاحادیث المرویات من العبارات المتشابھات علی ظاھرہ ویفوض امر علمہ الی قائلہ وینزہ الباری عن الجارحۃ
ومشابھۃ صفات المحدثات اھ اور بعض اہل حدیث مثل ابن تیمیہؒ کا یہی قول ہے اور جہاں اس معنی حقیقی پر کوئی
استحالۂ عقلی لازم آتا ہو وہ مطلقاً اس کو اس معنی کے لوازم میں سے نہیں مانتے بلکہ بشرط تحقق فی الحادث کے لازم
مانتے ہیں اور بعض اقوال سے والقائلون ہم الاکثرون یہ تفسیر معلوم ہوتی ہے کہ یہی تعین نہیں کہ معنی حقیقی مراد
ہیں یا مجازی مراد ہیں۔ دونوں محتمل ہیں بشرطیکہ ان میں کوئی تنزیہ کے منافی نہ ہو وھو ظاھر قول مالکؒ الا
ستواء معلوم والکیف مجھول والسوال عنہ بدعۃ والایمان بہ واجب کما مر ثم قال فی الشرح المذکور بعد
نقل القولین وھٰذہ طریقۃ السلف وھو اسلم واللہ اعلم اھ پس اس تفسیر پر بعض محدثین مذکورین کا قول
تفویض کا مسلک نہ ہوگا جو سلف کا مذہب ہے، بلکہ تاویل کا مسلک ہوگا جو خلف کا مذہب ہے، بلکہ عامۂ خلف کا
مسلک ان محدثین سے اقرب الی التفویض ہے کیونکہ یہ جازم نہیں جزم میں مفوض ہیں بلکہ ظان بھی نہیں جیسا
غیر متشابہ محتمل وجوہ میں ظن سے تعیین کر دیتے ہیں مثلاً لامستم النساء میں یا غیر باغ ولا عاد میں۔ سو متشابہ میں
احتمال کو ایسے ظن تک کبھی نہیں پہنچاتے اور محدثین جازم ہیں جزم میں مفوض نہیں اور اسلم بھی ہے کیونکہ انھوں نے
یہ مسلک عوام کی حفاظت عن الاشکالات کی ضرورت سے اختیار کیا ہے اور یہ مقصود حاصل بھی ہوگیا اور محدثین کو
تاویل کی کوئی ضرورت بھی پیش نہیں آئی نہ کوئی مصلحت حفاظت وغیرہ کی مرتب ہوئی بلکہ اس تعیین میں عوام
کا اشکال وخلجان قوی ہوگیا پس انھوں نے بلا وجہ ہی سلف کا قول چھوڑا۔

یہ دونوں تفسیروں کے آثار ہیں۔ میں اول تفسیر اول کو راجح سمجھتا تھا مگر بعد تتبع و تامل اب تفسیر ثانی کو راجح سمجھتا

ہوں تمہید الفرش والتواجد وبیان القرآن کے مقامات تفسیر آیات استواء وغیرہا میں تنبیہ پیش نظر رکھی جاوے
کیونکہ اس تنبیہ کا تعلق تحریرات مذکورہ کیساتھ ترجیح الراجح کا سا ہے اسی لئے بیان القرآن سورہ اعراف
آیت استوی علی العرش کے حاشیہ عربیہ منقولہ عن التمہید کے شروع میں لفظ الحقیقۃ کے بعد یہ عبارت بڑھا دی
گئی المتھمۃ لنا اھ تاکہ یہ لفظ حقیقۃ عام ہو جاوے حقیقۃ لغویہ ومجاز لغوی کو جس سے یہ عبارت تفسیر ثانی پر منطبق
ہو جاوے اور اُس کے دو سطر بعد تقییس استوارہ کے بعد یہ عبارت بڑھا دی گئی مثلاً علی بعض التفاسیر اھ تاکہ تفسیر
بالاستقرار کیساتھ تخصیص حکم کا ایہام نہ ہو جو مبنی ہے مسلک سلف کی تفسیر اول پر اگر کسی کو مزید تحقیق میسر ہو وہ
ملحق کرکے مستحق اجر ہو جاوے وھو الموفق۔ تمت الضمیمہ۔ شوال ۱۳۵۲ھ۔

توضیح تنبیہ چہارم ضمیمہ رسالہ بالا

تشابہات کے متعلق بیان القرآن کے بعض مقامات پر بطور حاشیہ ایک مفصل تحریر مولوی حبیب احمد سلمہ نے
بھی لکھی تھی اُس کو بھی اس رسالہ میں ملحق کرنا مناسب سمجھا۔ اُس میں چند تحقیقات ہیں اور تحقیق چہارم میں سابق
بالا کی تنبیہ چہارم کی توضیح بھی ہے۔ وھو ھذا۔

قولہ فی سورۃ الاعراف ثم استوی علی العرش **قلت** مفسر الیہ جملہ از قبیل متشابہات ہے ولا یعلم
تاویلہ الا اللہ فالاستواء معلوم والکیف مجھول والایمان بہ واجب والسوال عنہ بدعۃ کما قال الامام مالک
رضی اللہ عنہ چونکہ یہ ایک مجمل کلام ہے لہٰذا اس کی قدرے تفصیل مناسب معلوم ہوتی ہے۔
واضح ہو کہ اس مقام پر چند تحقیقات ہیں۔ اول یہ کہ تشابہ کے وجوہ مختلف ہوتے ہیں کبھی یہ ہوتا ہے کہ لغت
عرب میں ایک لفظ کے حقیقی معنی یہ ایسے ہوتے ہیں جو حق سبحانہ کی ذات میں قطعاً منفی ہیں اس لئے وہ حقیقی
معنی وہاں مراد نہیں ہو سکتے۔ اور جو معنی وہاں مراد ہوتے ہیں وہ ایسے ہوتے ہیں کہ ان تک عقول بشریہ کی
رسائی نہیں ہو سکتی بنا بریں وہ کلام نامعلوم المراد ہو جاتا ہے جیسے یسمع ویری وغیرہ کیونکہ لغت عرب میں سماع
حقیقی معنی ہیں ایسی قوت سے اصوات کا ادراک کرنا جو ایک عضو جسمانی خاص میں موضوع ہے اور حق سبحانہ چونکہ
جسمیت وجسمانیت سے پاک ہے اس لئے یہ معنی وہاں مراد نہیں ہو سکتے لیکن چونکہ حق سبحانہ نے اپنے لئے سماع
ثابت فرمایا ہے اس لئے ہم کہیں گے کہ اُس کے لئے سماع ثابت ہے اور وہ سنتا ہے مگر نہ اس طرح جس طرح ہم
سنتے ہیں بلکہ اس کی کنہ اور حقیقت خود اُس کو معلوم ہے ولیس علیہ الرؤیۃ وغیرھا پس ایسے الفاظ معلوم اللغۃ

منقی الظاہر نا معلوم الکنہ ہوئے اور کبھی یہ وجہ ہوتی ہے کہ اس جگہ ازدحام معانی ہوتا ہے اور کوئی معنے شارع کی جانب سے متعین نہیں ہوتے۔

استواء کے معنے اقبال علی الشئی بالفعل اور احتیاز و استیلاء اور علو و ارتفاع ہیں۔ پھر علو و ارتفاع کی دو صورتیں ہیں ایک حسی وظاہری جیسے بیٹھنا متعارف دوسری معنوی و باطنی جیسے کہتے ہیں فلاں بادشاہ آج کل تخت حکومت پر بیٹھا ہوا ہے یعنی زمام حکومت اس کے ہاتھ میں ہے۔ پس چونکہ یہ سب معانی آیت میں محتمل ہیں اور کسی معنی کو خاص کیا نہیں گیا لہذا یہ جملہ متشابہ المعنی ہو گیا اس لئے کہا جاویگا کہ الاستواء معلوم ثبوتہ تعالیٰ النص والکیف مجہول فلا یدری ھل ھو بالاقبال علیہ او بالاحتیاز والاستیلاء او الجلوس ثم الجلوس ھل ھو بالمعنی المعروف او بمعنی نفاذ الامر فتشابہ الامر۔ دوم یہ کہ اگر معانی محتملہ میں سے کوئی معنی بنا بر احتمال بیان کئے جائیں تو یہ صحیح ہے اور اگر کوئی معنی علی سبیل القطع متعین کئے جائیں تو تقول علی اللہ ہے اعاذنا اللہ منہ پس بعض غیر مقلدین کا یہ دعویٰ کہ اس سے صرف عرش پر ہونا مراد ہے اور ما سوائے اسکے سب غلط اور باطل ہے ایک دعوائے باطل ہے۔ وما نقل عن الفقہ الاکبر المنسوب الی ابی حنیفۃ رح فالجواب عنہ انہ لم یثبت نسبتہ الیہ رضی اللہ عنہ۔ وما نقل عن کتاب العلو للذھبی فلیس فیہ ان کونہ فوق العرش ثابت من الاستواء علی العرش وما نقل عن ابن خزیمۃ فلیس فیہ دلیل علی ما قال وکذا ما نقل عن ابن القیم وغیرہ۔ والعجب منہ انہ تمسک باقوال الذین لم یقیموا علی ما ادعوا دلیلا من الکتاب والسنۃ بل ادعوا دعاوی مجردۃ الشہادۃ وذوقہ مراد تقلید من سبقہم لو ثبت صحۃ النقل عنہم مع انہ یقول لا حجۃ فی قول احد ما لم یستند الی الکتاب والسنۃ والاجماع والقیاس الصحیح۔ سوم یہ کہ نصوص میں جو صفات حق سبحانہ کیلئے ثابت کی گئی ہیں اگر لغت عرب میں انکے معنے متعین ہیں جیسے سمع و بصر و کلام وغیرہ تو ان کو حق سبحانہ کیلئے بذلک المعنی ثابت کیا جاوے گا مگر بنفی مشابہت مخلوق اور اگر متعین نہیں ہیں تو بلا تعیین معنی ان کو حق سبحانہ کیلئے ثابت کیا جاوے گا۔ مثلاً یہ کہ حق سبحانہ نے استوی علے العرش فرمایا ہے اور اس کے کئی معنی ہیں اور ہر معنی حق سبحانہ کیلئے ثابت ہیں[a] پس تعیین مراد استواء میں توقف کیا جاوے گا اور کہا جاویگا کہ حق سبحانہ مستوی علی العرش ہے بالمعنی الذی اراد اللہ تعالیٰ بل اگر استواء کے صرف ایک معنی ہونے یا دوسرے معانی کا احتمال نہ ہوتا تو سمع و بصر کی طرح ان کی تعیین کی

ع ۵ مراد نعیم اللہ غیر مقلد بنارسی ہے جس نے اپنی کتاب اتمام الحجۃ والبرہان علی المولوی اشرف علی و وحید الزماں میں ان تقریر کے مضمون پر اعتراض کیا تھا ۱۲ منہ ۵ یعنی بلا عدم استحالہ عقلیہ ۱۲ منہ

تھی اس کے ساتھ ہی یہ امر بھی جان لینا ضروری ہے کہ جہاں بشہادت عرف اہل لسان کسی کلام کا استعارہ و
کنایہ و مجاز ہونا معلوم ہو وہاں اس کے معنی مجازی لینا ضروری ہے مثلاً حق سبحانہ یہود کے رد میں فرماتے ہیں۔
یداہ مبسوطتان۔ پس اس سے یہاں بشہادت عرف بسط ید جود و سخاوت سے کنایہ ہے پس اس سے حق سبحانہ کے
لئے ید ثابت کرنا زلت فاحشہ ہوگا۔ وکذا قولہ تعالیٰ ان ربك لبالمرصاد فلا یصح اثبات المرصاد لہ تعالیٰ لانہ
کنایۃ ومجاز لا حقیقۃ اور راز اس میں یہ ہے کہ قرآن عربی زبان میں ہے اس لئے ادائے مقصود میں محاورات
عرب کا اتباع ضروری ہے جس مضمون کو وہ صراحت کیساتھ بیان کرتے ہیں وہاں صراحۃ کہی گئی ہے اور جس کو وہ
کنایہ اور استعارہ و مجاز کی صورت میں ظاہر کرتے ہیں وہاں کنایہ و استعارہ و مجاز اختیار کیا گیا ہے پھر صراحۃ
کی صورت میں بھی اسی قدر صراحۃ ہو سکتی ہے جہاں تک زبان متحمل ہو اور جب زبان ہی متحمل نہ ہو تو پھر تقریبی الفاظ
استعمال کئے گئے ہیں مثلاً صفات خداوندی بکنہہا ظاہر کرنیکے لئے عربی زبان میں الفاظ نہ تھے اس لئے اُن کے
اظہار میں وہی لفظ استعمال کئے گئے جو موضوع الصفات المخلوقین ہیں جیسے سمع و بصر وغیرہ کیونکہ صفات مخلوقین
کو صفات باری تعالیٰ سے کوئی نسبت ہی نہیں اور اسی لئے اشتراک سمع و بصر وغیرہ درمیان صفات الخالق
والمخلوق اشتراک لفظی ہے نہ کہ معنوی اور اس مضمون پر تنبیہ کیلئے حق سبحانہ نے لیس کمثلہ شئی فرما دیا ہے۔

چہارم یہ کہ نصوص صفات بعض تو ایسے ہیں جن میں بالاجماع تاویل لازم ہے جیسے ھو معکم اینما کنتم ای بعلمہ
وان ربك لبالمرصاد وغیرہ اور بعض ایسے ہیں جن میں علماء کا طرز عمل مختلف ہے۔ چنانچہ بعض ان میں تاویل کرتے
اور استعارہ و کنایہ و مجاز قرار دیتے ہیں اور بعض کہتے ہیں لا نفسرھا ولا نتکلم فیھا بل نمرھا کما جاءت۔ مسلک
ثانی مسلک سلف ہے اور مسلک اول مسلک متکلمین ہے۔ ان دو جماعتوں کے علاوہ ایک تیسری جماعت ہے جو نہ
سلف کے طریق پر ہے اور نہ متکلمین کے طریق پر۔ یہ لوگ نصوص کو ان کے معانی حقیقیہ پر محمول کرتے ہیں مگر نفی
تشبیہ بالمخلوق۔ پس یہ لوگ نہ طریق سلف پر ہیں اور نہ طریق متکلمین پر بلکہ ایک اعتبار سے ان کو متکلمین ہی میں شمار
کرنا زیادہ مناسب ہے کیونکہ متکلمین کی طرح یہ بھی معنی بیان کرتے ہیں گو طریق تاویل مختلف ہے کیونکہ وہ کلام کو حقیقۃ سے
پھیرتے ہیں یہ کلام کو حقیقۃ پر محمول کرتے ہیں مآل تاویل۔ اب ہم ان تینوں مسلکوں کو ایک مثال سے سمجھاتے
ہیں مثلاً حق سبحانہ فرماتے ہیں خلقتہ بیدی تو سلف تو کہتے ہیں کہ حق سبحانہ نے اپنے لئے خلق بالید ثابت کیا ہے
سو ہم بھی کہتے ہیں کہ خلقہ بیدہ لیکن ہم نہیں جانتے کہ خلق بالید سے کیا مراد ہے آیا یہ کنایہ ہے خلق بنفسہ سے اور معنی
یہ ہیں کہ خلقتہ نفسی دون غیری یا درحقیقت اس نے ہاتھ ہی سے پیدا کیا ہے ہم نہیں جانتے کہ ہاتھ سے کیا مراد

اور متکلمین کہتے ہیں کہ خلق بیدہ سے مراد خلق بنفسہ ہے۔ یا یدے مراد قدرت ہے اور گروہ ثالث[۵] لکھتا ہے کہ ید سے معنی حقیقی مراد ہیں اور خدا کے ضرور ہاتھ ہیں مگر جیسے اُس کی ذات ہے ویسے ہی اسکے ہاتھ ہیں اس تحقیق سے گروہ ثالث اور مسلک سلف میں اچھی طرح فرق ظاہر ہوگیا کہ گروہ ثالث طریقہ سلف سے جدا اور طریق متکلمین سے اقرب ہے۔ للاشتراک الحزبین فی تاویل وان کان طریق التاویل مختلف۔ اور اگر گروہ کو مجسمہ کہنا توصحیح نہ ہو مگر اصحاب الظواہرین اہل التاویل کہنا صحیح ہے اس تحقیق سے بعض غیر مقلدین[عہ] اور اس کی جماعت کا ادعا اتباع سلف اور حضرت مولانا مدظلہم العالی پر الزام اتباع جہم غلط ثابت ہوگیا۔ پنجم۔ یہ کہ اس مسئلہ میں مسلک سکوت جو طریقہ ہے سلف کا وہ احوط ہے۔ رہا مسلک تاویل تو اس میں میرے نزدیک جب تک محاورات اہل لسان مساعد ہوں اُس وقت تک کوئی مضائقہ نہیں مگر اُس میں بھی یہ شرط ہے کہ تاویل خاص پر قطع و یقین نہ ہو بلکہ تاویل بنا بر احتمال ہو لیکن جب تاویل محاورات و ذوق اہل لسان سے خارج ہوجائے یا اس کو یقینی سمجھا جائے تو یہ طریق پُرخطر ہے۔ اس تحقیق سے معلوم ہوگیا کہ بعض غیر مقلدین[سہ] اور اُن کے ہم مشربوں کا مسلک بھی پُرخطر ہے جس طرح جہم وغیرہ کا کیونکہ ہر دو اپنی تاویلات پر جازم ہیں اور یہ بھی ظاہر ہوگیا کہ حضرت مولانا کا مسلک قابل اعتراضات نہیں ہے کیونکہ انھوں نے کسی تاویل کو یقینی نہیں سمجھا اور نہ وہ محاورہ اہل زبان سے خارج ہے۔

قولہ فی بیان القرآن فی الآیۃ المذکورۃ یعنی و آسمان میں الخ **اقول** یہ تفسیر اس ترجمہ کیخلاف نہیں ہے جو بعض نے کیا ہے یعنی پھر بیٹھا تخت پر کیونکہ تخت پر بیٹھنے کے دو معنی ہیں ایک حسی معروف دوسرے معنوی جس کا حاصل زمام سلطنت ہاتھ میں لینا اور انفاذ امر تدبیر و تصرف شاہانہ ہے اور نہ الفاظ قرآن میں تعیین معنی اول کی کوئی دلیل ہے اور نہ الفاظ ترجمہ میں۔ پس بنا بر احتمال و بلا نفی معنی اول معنی ثانی سے تفسیر کردی گئی پس وہ شبہات جو بعض غیر مقلدین[للعہ] نے وارد کئے ہیں کافور ہوگئے۔

قولہ فی الحاشیۃ علی الآیۃ المذکورۃ الارجح حملہ علی الحقیقۃ **اقول** ان اراد رضی اللہ عنہ بالحقیقۃ الجلوس و التمکن و الاستقرار علی العرش وجعل الارجحیۃ کونہ حقیقۃ وفیہ ان ھذا الترجیح یعارض بترجیح اٰخر وھو کون المجاز متعارفا و انسب بشان منزھو بالغ فی التنزیہ کما لھا فلا یکون المعنی الحقیقی ارجح فالارجح ھو السکوت عن تعیین معناہ کما ھو مسلک السلف واللہ اعلم

---

[۵] یہ گروہ غیر مقلدین کا ہے اور گو اس میں بعض اجلہ محدثین بھی داخل ہیں مگر چونکہ بنی ان کے خیال کا نصوص صریحہ نہیں ہیں بلکہ وہ ان کی ذاتی رائے ہے اسلئے اس بارے میں ان کی تقلید واجب نہیں البتہ اجتہادی ممکن مثلہ کسائر اجتہادیات غیر یہ لوگ اس بلا میں گرفتار ہیں کہ جب یہ کوئی دعویٰ کرتے ہیں تو اس پر انہی نصوص سے استحسان کرتے ہیں جو خود مذکورہ ہیں اور بوجہ متشابہ ہونے کے ان کی دلالت ان کے مدعا پر غیر مسلم ۱۲۔

[عہ] ثنا اللہ غیر مقلد بنارسی مذکور ۱۲ منہ [سہ] ثنا اللہ مذکور ۱۲ منہ [للعہ] ثنا اللہ مذکور ۱۲ منہ۔

رسالہ تحقیق التنبیہ باہل السفاح لمن لا یرید اداء المہر فی النکاح

السوال ل۔ کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ کسی شخص کی آمدنی قلیل ہے اور عام رواج ہے کہ مہر کثیر ہوتا ہے کہ جس کو وہ شخص ادا نہیں کرسکتا ایسی صورت میں اس شخص کو نکاح کرنا چاہیے یا نہیں۔

الجواب۔ اگر اس شخص کی حالت ایسی ہو کہ اس کے لئے نکاح کرنا فرض یا واجب یا سنت موکدہ ہو یعنی نفس میں ایسا تقاضا ہو کہ اگر نکاح نہ کریگا تو بظن غالب یا علی الیقین کسی معصیت میں مبتلا ہوجاویگا اور معصیت عام ہے زنا اور نظر حرام اور استمنار بالید کو اور یہ صورت فرضیت و وجوب کی ہے یا اس درجہ کا تقاضا نہ ہو مگر اعتدال کیساتھ تقاضا ہو اور یہ صورت سنیت کی ہے اور تینوں حال میں نفقہ واجبہ پر قدرت ہو۔ اسی طرح مہر معجل پر قدرت ہو یا مہر موجل ہو گو فی الحال اس پر قدرت نہ ہو تو ایسے شخص کو نکاح کرنا فرض یا واجب یا سنت ہے اور مہر کثیر پر قدرت نہ ہونا جبکہ وہ مؤجل ہو ترک نکاح میں عذر نہیں ہے دلیل الجمیع ما فی الدر المختار ویکون واجبا عند التوقان فان تیقن الزنا الا بہ فرض نہایہ۔ وھذا ان ملک المہر والنفقۃ والا فلا اثم بترکہ بدائع۔ ویکون سنۃ مؤکدۃ فی الاصح فیاثم بترکہ ویثاب ان نوی تحصینا وولدا حال الاعتدال ای القدرۃ علی وطء ومہر ونفقۃ اھ وفی رد المحتار تحت قولہ عند التوقان قلت وکذا فیما یظہر لو کان لا یمکنہ منع نفسہ عن النظر المحرم او عن الاستمناء بالکف فیجب التزوج وان لم یخف الوقوع فی الزنا وفیہ تحت قولہ وھذا ان ملک المہر والنفقۃ قلت ومقتضاہ الکراھۃ ایضا عند عدم ملک المہر والنفقۃ لانہما حینئذ واجبان ایضا وان خاف الزنا لکن یأتی ای فی الدر المختار بعد اسطر) انہ یندب الاستدانۃ لہ وھذا مناف للاشتراط المذکور الا ان یقال المشروط ملک کل من المہر والنفقۃ ولو بالاستدانۃ او یقال ھذا فی العاجز عن الکسب ومن لیس لہ جہۃ وفاء اھ دلالت روایات کی جواب کے اجزاء پر ظاہر ہے صرف دو امر غالباً محتاج تنبیہ ہوں ایک یہ کہ روایات میں متبادر قدرت علی المہر سے قدرت فی الحال معلوم ہوتی ہے اور جواب میں قدرت۔ اس کا جواب یہ ہے کہ جب مہر کی دو قسمیں ہیں تو قدرت بھی عام ہوگی ہر قسم پر اسکے مناسب قدرت ہوگی پس عموم ثابت ہوگیا۔ نیز بالاستدانۃ اور لیس لہ جہۃ وفاء سے بھی مہر مؤجل کو شمول معلوم ہوتا ہے کیونکہ غیر کے مدیون بننے سے منکوحہ کا مدیون بالرضا بننا اقرب الی الجواز ہے کیونکہ اس دین میں خود منکوحہ کے مصالح بھی ہیں اسیطرح زوجین میں باہم محبت و مودت رہنا ابرار کیلئے مقوی ہے خصوص نساء ہند میں اور برات ذمہ وفاء اور ابراء میں مشترک ہے اور صورت وفاء میں بھی تدریج بہتر تاجیل الفرق

استدانت غیر سے بھی سہل ہے پھر جو انا ستدانت کے بعد عسرت کی صورت میں وجوب نہال معلوم ہے پس قدرۃ علی الاستدانۃ میں قدرت علی المہر المؤجل بھی داخل ہوگئی۔ دوسرا امر محتاج تنبیہ یہ ہے کہ عبارت مقتضاہ الکراھۃ الخ سے متوہم ہوتا ہے کہ عدم قدرت علی المہر کی صورت میں باوجود خوف زنا کے مکروہ ہے اور اس کا جو جواب دیا گیا ہے وہ محض ایک توجیہ ہے جس کا حجت ہونا محتاج دلیل ہے اس کا جواب یہ ہے کہ یہ توجیہ محض بحث نہیں بلکہ روایت استدانۃ اس میں صریح ہے اور صریح مقدم ہوگا مقتضا پر۔ پس ان دونوں امر کی تحقیق کے بعد کوئی جزو روایات مذکورہ کی دلالت سے خارج نہ رہا و للہ الحمد یس صورت مسئولہ میں قیود مذکورۂ جواب کیساتھ نکاح کا تاکد ثابت ہوگیا اور یہی مقصود تھا اب صرف ایک شبہ کا رفع کرنا باقی رہ گیا وہ یہ کہ بعض روایات میں (جو کہ عنقریب مذکور ہونگی) نکاح میں ادائے مہر کی نیت نہ ہونے پر وعید آئی ہے اور ظاہر ہے کہ مہر کثیر ناقابل تحمل کے ادا کی نیت نہایت مستبعد ہے تو ایسی حالت میں نکاح کرنا ممنوع ہوگا اور اس سے جواب بالا مخدوش ہو جاویگا اس کا جواب یہ ہے کہ ان روایات میں یہ الفاظ ہیں۔

۱؎ ینوی ان لا یعطیھا من صداقھا شیئا الخ ۲؎ وھو ینوی ان لا یؤدیہ الیھا ۳؎ لیس فی نفسہ ان یؤدی الیھا حقھا خدعھا الخ ان الفاظ میں ادنی تامل کرنے سے صاف معلوم ہوتا ہے کہ کسی عذر کے سبب عدم نیت ادا پر وعید نہیں ہے بلکہ نیت عدم ادا پر وعید ہے حیث قال ینوی ان لا یعطیھا وھو ینوی ان لا یؤدیہ ولم یقل لا ینوی ان یعطیھا ولا ینوی ان یؤدیہ۔ اور دونوں عنوانوں کا تفاوت ظاہر ہے اور تیسری روایت میں جو لا ینوی کا مرادف وارد ہے یعنی لیس فی نفسہ ان یؤدی الخ سو مراد اس سے بھی ینوی ان لا یؤدی ہے جس کا قرینہ اُسی روایت میں خدعھا کیساتھ تفسیر فرمانا ہے کیونکہ خداع میں نیت عدم ادا ہوتی ہے جیسا ظاہر ہے پس سب روایات کا حاصل مشترک نیت عدم ادا ہے نہ کہ عدم نیت ادا۔ البتہ عدم نیت ادا اگر بلا عذر ہو تو احکام میں وہ بھی بجائے نیت عدم ادا کے ہوتی ہے جیسے پورا وقت نماز کا گذر جائے اور کوئی مکلف ادا کی نیت نہ کرے تو یہ عدم نیت ادا بجائے نیت عدم ادا کے ہوگی لیکن عذر کی حالت میں اُس کا حکم جدا ہوگا اسی لئے میں نے عذر کی قید لگائی ہے اور راز اس کا یہ ہے کہ حالت عذر میں محض صورۃً عدم نیت ہوتی ہے ورنہ واقع میں ادا ہی کی نیت ہوتی ہے اس طرح سے کہ جب عذر مرتفع ہو جاویگا ادا کر دوں گا پس وہ شبہ بھی رفع ہوگیا اور جواب مذکور خدشہ سے سالم رہ گیا اب وہ روایات نقل کرتا ہوں جن کے کچھ کچھ ٹکڑے جواب شبہ میں نقل کئے گئے ہیں وہ روایات یہ ہیں روی الطبرانی فی الکبیر عن صہیب الخیر رضی اللہ تعالیٰ عنہ قال سمعت رسول

اللہ صلی اللہ علیہ وسلم یقول ایما رجل تزوج امراۃ ینوی ان لا یعطیها من صداقها شیئا مات یوم یموت وھو
زان الحدیث وفی اسنادہ عمرو بن دینار متروک وروی البزار وغیرہ عن ابی ھریرۃ رضی اللہ تعالی عنہ قال قال
رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم من تزوج امراۃ علی صداق وھو ینوی ان لا یؤدیہ الیها فھو زان الحدیث
وروی الطبرانی فی الصغیر والاوسط ورواتہ ثقات عن میمون الکردی عن ابیہ رضی اللہ تعالی عنہ قال
سمعت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم یقول ایما رجل تزوج امراۃ علی ما قل من المھر او کثر لیس فی نفسہ
ان یؤدی الیها حقها خدعها فمات ولم یؤد الیها حقها لقی اللہ تعالی یوم القیمۃ وھو زان الحدیث
الروایات کلها فی الترغیب والترھیب فی ذکر الترھیب من الدین۔ نیز یہ امر قابل غور ہے کہ ان روایات
میں جو عدم ادا پر وعید ہے اس کی علت اضرار ہے صاحب حق یعنی منکوحہ کا تو اصل وعید کا مدار اضرار و اتلاف
حق ہے اور یہ اس صورت میں ہے کہ صاحب حق مطالبہ کرتا ہو اور یہ بلا عذر ٹال مٹول کرے جس کو حدیث
مطل الغنی ظلم میں ظلم فرمایا ہے اور عذر میں تو آیت وان کان ذو عسرۃ فنظرۃ الی میسرۃ میں خود امہال کو واجب
فرمایا ہے یا اس صورت میں ہے کہ صاحب حق سے وعدہ تعجیل کا کیا تھا اور نیت میں تاجیل تھی جس کو ایک روایت
میں خداع فرمایا ہے اور جس صورت میں نہ اضرار و اتلاف ہو نہ خداع ہو بلکہ صاحب حق کو پہلے ہی سے معلوم ہے
کہ یہ حق مؤجل ہے اور وہ اس پر راضی ہو یا من علیہ الحق کو توقع قوی ہو کہ صاحب حق معاف کر دیگا خواہ وہ بعد
میں معاف کرے یا نہ کرے تو ان دونوں صورتوں میں علت معدوم ہوگی پس حکم وعید بھی معدوم ہوگا اور
ہندوستان میں عام عادت سے تاجیل پر رضا معلوم ہے یا توقع ابرا مظنون ہے اسلئے اس حالت میں توقف
محل وعید نہ ہوگا اور اتلاف حق دین پر وعید کچھ نکاح کیساتھ خاص نہیں بلکہ مطلق دین کے اتلاف پر وعید
آئی ہے چنانچہ احادیث بالا کیساتھ ہی کتاب الترغیب والترھیب میں وہ وعید بھی مذکور ہے عن ابی ھریرۃ
قال قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم من اخذ اموال الناس یرید اداءھا ادی اللہ عنہ فی الدنیا او فی الآخرۃ
کما ورد کلاھما فی ھذا المقام یعنی ومن اخذ اموال الناس یرید اتلافها اتلفہ اللہ الحدیث اور بھی
اس مقام پر اس قسم کی چند حدیثیں وارد ہیں جن میں اشترا کے بعد ثمن نہ دینے والے کو خائن اور دین کو ادا نہ
کرنیوالے کو سارق فرمایا ہے جیسے مہر نہ دینے والے کو زانی فرمایا ہے شاید نکتہ اس میں یہ ہو کہ مہر بضع کے متعلق
ہے جیسا زنا اور ثمن اور دین مال کے متعلق ہے جیسا خیانت و سرقہ سو اس نکتہ کے سبب وعید کے عنوان میں
اختلاف ہے ورنہ نفس معنوں میں سب برابر ہیں یعنی اصل مقصود اتلاف حق واجب پر معصیت کا حکم

فرماتا ہے گو تشبیہ اس معیت کی ہر مقام پر جدا معصیت سے ہے للتناسب بین طرفی التشبیہ۔ واللہ اعلم
وقد تمت ہذہ العجالۃ تحقیق التشبیہ باہل السفاح + مزالۃ الریب عن اداء المہر فی النکاح۔ ۲۰ رجب ۱۳۵۲ھ

رسالہ تعدیل المہر فی درجۃ تقلیل المہر

تمہید۔ منجانب ریاست جاورہ ایک خط مع مضمون متعلق تجویز انسداد زیادت مہر بغرض مشاورت آیا جس کا جواب یہاں سے لکھا گیا اول خط کی نقل کیجاتی ہے پھر جواب جس میں اس مضمون کا خلاصہ لیا گیا ہے نقل کیا جاتا ہے

مضمون خط ریاست جاورہ۔ بخدمت مولانا اشرفعلی صاحب تھانوی دام فیضہ السلام علیکم۔ جاورہ ایک اسلامی ریاست ہے یہاں کے مسلمان حیثیت سے بہت زیادہ مہر باندھتے ہیں جس کو وہ کسی طرح ادا نہیں کر سکتے یہ بے اعتدالی مذہبی نقطۂ نظر سے بھی قابل تدارک ہے۔ میری ہدایت کیموافق یہاں کے مفتی صاحب شہر نے منسلکہ تجویز پیش کی ہے اس میں بھی حسب حیثیت صاف حد بندی نہیں اس لئے مکلف خدمت ہوں کہ اگر تجویز میں ترمیم کی گنجائش ہو تو از راہ کرم اصلاح فرمادی جاوے یا شرعی احکام کے تحت میں ایسی تجویز تحریر فرمائی جائے جس سے مذکورہ بے اعتدالیوں کا سد باب ہو جاوے فقط۔

الجواب۔ اس مفصل تجویز کا مجمل حاصل یہ سمجھ میں آیا ہے کہ احادیث سے تقلیل مہر کی مطلوبیت معلوم ہوتی ہے مگر اس تقلیل کی کوئی خاص حد نہیں بلکہ معیار اس کا سہولت ادا اور استطاعت ہے لیکن اگر باوجود اس کے کوئی شخص بہت زیادہ مہر کا التزام کرے تو وہ سب واجب ہو جاویگا اور حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے جو بعض روایات میں چالیس اوقیہ سے زائد مہر لانے پر زائد کو بیت المال میں داخل کرنیکی رائے منقول ہے جس سے تحدید معلوم ہوتی ہے سو ایک عورت کے محاجہ پر آپنے اس سے رجوع فرمالیا (ہذا کلہ فی الدر المنثور) غرض تحدید مشروع نہیں پھر سہولت ادا اور استطاعت ہر ایک کے اعتبار سے جدا ہے نیز ہر ایک کی استطاعت کا علم بھی نہیں ہو سکتا ان موانع عدیدہ کے سبب کسی مقدار کا مقرر کرنا قضاءً جائز نہیں لیکن چونکہ مہر کے ایک معتدبہ حصہ کی تقدیم یعنی قبل دخول ادا کرنا بھی واجب یا مستحب ہے علی اختلاف العلماء (کما فی رد المحتار باب المہر تحت قول الدر المختار (درایۃ الاقل تعجیل بعض المعجل) اور بعض جگہ مقدم و مؤخر کی تنصیف کا عرف بھی ہے اسلئے اگر قضاءً یہ تجویز کر دیا جاوے کہ نصف مہر معجل یعنی مقدم اور نصف مؤجل یعنی مؤخر الی الاجل المشروط او المعروف ہونا چاہیے تو اس صورت میں تحدید بھی نہ ہوگی اور اصل مقصود یعنی تقلیل مہر بقدر استطاعت بھی حاصل ہو جاویگا کیونکہ استطاعت سے

زائد کا نصف دینا بھی عادۃً متعذر ہے اھ اگر تجویز کا یہی حاصل ہے تو جواباً عرض ہے کہ مقدمات سب صحیح ہیں مگر اس میں ایک جزو اور قابل اضافہ ہے وہ یہ کہ اگر مہر کثیر کی کسی مقدار کا کسی جماعت میں عام رواج ہوجاوے تو تاوقتیکہ رواج نہ بدلے اُس وقت تک شرعی مقدار کثیر شرعاً مہر مثل قرار دیجاویگی اور بہت سے احکام (جیسے اُس سے کم پر بعض صورتوں میں نکاح کا صحیح نہ ہونا اور بعض میں قابل فسخ ہونا وغیرذلک) اُس مقدار کیساتھ متعلق رہیں گے البتہ خود اس رواج کا بدلنا ایک درجہ میں پھر بھی مامور بہ رہے گا۔ اب اس اضافہ کے بعد تجویز مذکور کے متعلق عرض ہے۔ اول کچھ روایات لکھتا ہوں جس سے مسئلہ کا تعلق ہے پھر اُن کا نتیجہ عرض کروں گا۔

الروایات ھذہ الروایۃ الاولی - فی الھدایۃ کتاب الکراھۃ ولا ینبغی للسلطان ان یسعر علی الناس لقولہ علیہ السلام لا تسعروا الحدیث ولان الثمن حق العاقد فالیہ التقدیر فلا ینبغی للامام ان یتعرض لحقہ الا اذا تعلق بہ دفع ضرر العامۃ علی مانبین الی قولہ فان کان ارباب الطعام یتحکمون ویتعدون عن القیمۃ تعدیا فاحشا وعجز القاضی عن صیانۃ حقوق المسلمین الا بالتسعیر فحینئذ لاباس بہ بمشورۃ من اھل الرأی والبصیرۃ فاذا فعل ذلک وتعدی رجل عن ذلک وباع باکثر منہ اجازہ القاضی وھذا ظاھر عندھما الاان یکون الحجر علی قوم باعیانھم اھ وفی البنایۃ ای کذا ظاھر عندھما لانھما یریان الحجر لکن علی حر معین او قوم باعیانھم اما علی قوم مجھولین فلا وھنا کذلک فلا یصح اھ

الروایۃ الثانیۃ فی روح المعانی تحت قولہ تعالی اطیعوا اللہ واطیعوا الرسول واولی الامر منکم وھل یشمل (المعروف) المباح ام لا فیہ خلاف فقیل انہ لا یجب طاعتھم فیہ لانہ لا یجوز لاحد ان یحرم ما حللہ اللہ ولا ان یحلل ماحرمہ اللہ وقیل تجب ایضا کما نص علیہ الحصکفی وغیرہ وقال بعض محققی الشافعیۃ تجب طاعۃ الامام فیما امر بہ ونہی عنہ مالم یامر بمحرم وقال بعضھم الذی یظھر ان ما امر بہ مما لیس فیہ مصلحۃ عامۃ لا یجب امتثالہ الا ظاھرا فقط بخلاف ما فیہ ذلک فانہ یجب باطنا ولکن ایقال فی المباح الذی فیہ ضرر للمامور بہ اھ (قلت) ولھذا الظاھر یجمع بین جمیع الاقوال فالوجوب یحمل علی الظاھر وعدم الوجوب علی الباطن وفیما یضر العامۃ علی الوجوب ظاھرا وباطنا والقواعد تقتضی ترجیح ھذا الظاھر واللہ اعلم

الروایۃ الثالثۃ - فی الھدایۃ کتاب احیاء الموات فصل کری الانھار فالاول (ای النھر الذی ھو

هو غير مملوك لاحد) كريه على السلطان من بيت مال المسلمين فان لم يكن في بيت المال شئ
فالامام يجبر الناس على كريه احياء لمصلحة العامة اذ هم لا يقيمونها بانفسهم وفي مثله قال عمر لو تركتم
لبعتم اولادكم الا انه يخرج له من كان يطيق ويجعل مؤنته على المياسير الذين لا يطيقونه بانفسهم

الرواية الرابعة في الدر المختار تكبيرات العيد بحث المعراج طاعة الامام فيما ليس بمعصية
واجبة وفيه بعد اسطر امر الخليفة لا يبقى بعد موته او عزله كما صرح به في الفتاوى الخيرية و
بنى عليه انه لو نهى عن سماع الدعوى بعد خمس عشرة سنة لا يبقى نهيه بعد موته وانكى اعلم اه۔

الرواية الخامسة في الدر المختار كتاب الحجر تحت قول الدر المختار ومنع مفت ماجن وطبيب جاهل ومكار مفلس
ما نصه اشار به الى انه ليس المراد حقيقة الحجر وهو المنع الشرعي الذي يمنع نفوذ التصرف لان المفتي لو افتى بعد الحجر وامن
جاز وكذا الطبيب لو باع الادوية نفذ فدل على ان المراد المنع الحسي كما في الدرر عن البدائع اه

اب روایات پر تنبیہ کو متفرع کرتا ہوں کہ تجویز مذکور بوجہ جامعیت و رعایت تمام جوانب شرعیہ و عادیہ کے
نہایت مستحسن و مناسب ہے اس وقت اس سے اچھی تجویز میرے ذہن میں حاضر نہیں اور زیادہ سوچنے کی فرصت نہیں مگر اس
میں قابل غور یہ امر ہے کہ اس تجویز کی تنفیذ کا درجہ کیا ہوگا اگر قانون لازمی بنانا ہے اس طرح سے کہ اگر متناکحین اس کو
خلاف معاملہ کریں یعنی نصف مہر پیشگی نہ دیا جائے تو اس معاملہ کو باطل اور کالعدم کہا جائے اور جبراً نصف مہر کی
تقدیم پر مجبور کیا جائے تب تو شرعاً ایسا قانون بنانا جائز نہیں۔ دلیلہ الروایۃ الاولیٰ اگر اس پر شبہ کیا جاوے
کہ حاکم مسلم کو گو ایسا عام قانون بنانے کا اختیار نہ ہو جس سے حکم شرعی کے تغیر کا ایہام ہو مگر وقتی طور پر بعض تصرفات
مالیہ میں حکم امتناعی دینے کا تو اختیار ہے جس کا مکمل قانون کتب فقہیہ کے کتاب الحجر میں مذکور ہے اور حجر کی حقیقت
یا لازم بطلان تصرف ہے اس کا جواب یہ ہے کہ اول تو یہاں اسباب حجر نہیں جیسا ظاہر ہے اور اسباب حجر کی صورت
میں بعد منع امام بھی تصرف کو باطل نہیں کہا جاتا دلیلہ الروایۃ الخامسۃ حیث لم یبطل بیع الادویۃ وغیرہا
بعد المنع بیعہ۔ دوسرے اس میں شرط یہ ہے کہ وہ محجور علیہ معین ہو خواہ منفرد ہو یا جماعت چنانچہ روایت اولیٰ
میں اس کی بھی تصریح ہے فی قولہ فاذا فعل ذلک الی قولہ فلا یصح اور ظاہر ہے کہ محل متکلم فیہ میں کوئی جماعت
بھی معین نہیں محجور علیہ ہمیشہ بدلتے رہیں گے اس لئے حجر کا قاعدہ بھی یہاں جاری نہیں ہو سکتا اور اگر یہ شبہ ہو کہ گو
زیادت مہر مباح ہے لیکن اگر حاکم مسلم کسی مباح کو منع کردے محکومین پر اطاعت واجب ہو جاتی ہے اور واجب کے
ترک پر تعزیر جائز ہے پس تنفیذ بطور حجر کے نہ ہو حتیٰ کہ زیادت مہر یا تاجیل مہر کے التزام کو باطل نہ کیا جاوے

لیکن خلاف کرنے پر تعزیر مقرر ہو اور وجوب اطاعۃ امراء مسلمین آیات و احادیث میں مصرح ہے اور ظاہر ہے کہ اس کا
محل وہی امر ہے جو فی نفسہ مباح ہے ورنہ واجب یا حرام میں خود امر و نہی شرعی کافی ہے اس میں اولی الامر کا کیا
دخل اس کا جواب یہ ہے کہ اول تو خود مسئلہ ذات خلاف ہے جس میں تحقیق یہ ہے کہ اگر وہ امر ایسا ہو کہ اس میں مصلحت
عامہ ہے اور خلاف میں ضرر عام اس میں تو اطاعت ظاہراً و باطناً واجب ہے اور اگر ایسا نہیں تو صرف ظاہراً واجب
ہے تاکہ فتنہ نہ ہو باطناً واجب نہیں کیونکہ اپنے ضرر کے التزام کا شخص کو اختیار ہے اور اگر اس سے قطع نظر کر کے اطاعت
مطلقہ کو بھی واجب کہا جاوے تب بھی حاکم کو تو ایسا جبری حکم دینا جائز نہ ہوگا گو بعد حکم اطاعت واجب ہو یہ
سب تفصیل روایت ثانیہ میں اور اسی طرح ضرر عام کی قید روایت ثالثہ میں مذکور ہے اور حاکم کیلئے اپنے
حکم کے عدم جواز کی تائید حدیث مسلم فضائل فاطمہؓ میں صریح ہے عن المسور بن مخرمہ فی قصۃ خطبۃ علیؓ بنت
ابی جہل قال صلی اللہ علیہ وسلم انی لست احرم حلالا ولا احل حراما الحدیث۔ دیکھئے آپ نے باوجود ناخوشی
کے حضرت علیؓ کو نہی نہیں فرمائی بلکہ اس نہی کو تحریم حلال میں داخل فرمایا اسی طرح حضرت بریرہ کو مغیثؓ سے
نکاح کرنیکا باوجود رجحان کے امر نہیں فرمایا بلکہ ان کے اس پوچھنے پر کہ یا رسول اللہ تأمرنی آپ نے جواب دیا
انما اشفع جس پر انھوں نے عذر کیا لا حاجۃ لی فیہ اور آپ نے مجبور نہیں فرمایا کذا فی المشکوٰۃ باب بعد باب
المباشرت عن البخاری و اما امرہ صلی اللہ علیہ وسلم عبد اللہؓ و زینبؓ بالنکاح فکان للمصلحۃ العامۃ الشرعیۃ
فی مثل ہذا المقام او ہو من خصوصیاتہ صلی اللہ علیہ وسلم فی خصوص لوا قعۃ او کان لمعالجۃ النخوۃ و ہو من
باب ازالۃ المنکر۔ پھر اس سب سے قطع نظر کر کے ایسا حکم دائمی نہیں ہو سکتا حاکم کی حیات تک باقی رہے گا پھر
باطل ہو جاوے گا اس کے بعد کے حاکم کو خصوصیت کیساتھ تجدید کی حاجت ہوگی کما فی الروایۃ الرابعۃ۔
اور اگر یہ شبہ کیا جاوے کہ جب زیادت مہر ایک درجہ میں منکر ہے تو حاکم مسلم کو امر بالمعروف و نہی عن المنکر کے
تحت میں مخالفت کرنیوالے کو سزا دینا جائز ہے جیسا عام منکرات میں اجازت ہے جواب یہ ہے کہ منکر درجہ
معصیت میں نہیں جس پر سزا دینا جائز ہو یہ ایسا ہی منکر ہے جیسا طلاق بلا وجہ کہ حدیث میں اس کو ابغض فرمایا
ہے اور مہر میں تو کوئی ایسا لفظ بھی وارد نہیں پھر بھی طلاق پر کوئی سزا نہیں۔ اگر کہا جاوے کہ بعض احادیث
میں ادائے مہر کی نیت نہ ہونے پر تشبیہ بالزانی کی وعید آئی ہے جس سے اس کا معصیت ہونا معلوم ہوتا ہے اور
ظاہر ہے کہ مقدار زائد از تحمل کیلئے عدم نیت ادا عادۃً لازم ہے۔ جواب یہ ہے کہ وہ وعید تکثیر مہر پر نہیں بلکہ
نیت عدم ادا یا عدم نیت ادا پر ہے اور اس کیلئے نہ تکثیر مستلزم ہے نہ تقلیل مانع دونوں کیساتھ اس کا

تحقق وعدم تحقق مجتمع ہو سکتا ہے دوسرے علت اُس وعید کی خداع ہے جیسا اُس حدیث کے بعض طرق
میں مصرح ہے اور جب منکوحہ کو معلوم ہوا اور وہ اس پر راضی ہو تو علت نہیں پائی گئی اس کی پوری بحث احقر
کے رسالہ تحقیق التشبیہ باھل السفاح + لمن لا یرید اداء المھر فی النکاح میں ہے پس اس کا عـہ تنہا
موجب لاستحقاق التعزیر ہونا ثابت نہ ہوا۔ یہ سب کلام اُس صورت میں ہے کہ جب اصل تجویز کی تنفیذ درجہ
جبر میں ہو اگر محض درجہ ترغیب ومشورہ میں ہو تو کچھ مضائقہ نہیں ہر طرح مستحسن ہے جیسا ظاہر ہے اگر شبہ کیا جاوے
کہ دیکھئے روایت اولیٰ میں تسعیر جبری کو فی نفسہ ناجائز کہا گیا ہے مگر تعدی فاحش کے وقت جبر کی بھی اجازت
دیدی گئی اسی طرح اگر تقلیل مہر پر جبر کو فی نفسہ ناجائز کہا جاوے مگر جب تکثیر سے تعدی فاحش ہونے لگے تو اس میں بھی
جبر کی اجازت دیجاوے بلکہ در مختار کتاب الکراہیۃ میں عام علماء میں امام مالکؒ کا قول وجوب تسعیر کا منقول ہے
جواب یہ ہے کہ وہاں عدم تسعیر میں ضرر عام ہے اور یہاں تکثیر مہر یا عدم تعجیل میں ضرر خاص ہے جس پر زوج وزوجہ
راضی ہیں فافترقا۔ اس سے ایک دوسرے شبہ کا بھی جواب ہو گیا کہ احتکار اقوات میں مخالفت پر تعزیر
مشروع ہے کما فی الدر المختار کتاب الکراھیۃ فان لم یرجع بل خالف امر القاضی عزرہ بما یراہ رادعا لہ اھ
وجہ جواب ظاہر ہے کہ اس میں ضرر عام ہے اور اگر شبہ کیا جاوے اور غالباً یہ آخری شبہ ہے کہ امر مجتہد فیہ میں حاکم
مسلم اگر ایک شق متعین کر دے تو وہ واجب ہو جاتی ہے اور تقدیم بعض مہر کا وجوب مجتہد فیہ ہے جیسا خلاصۂ
سوال میں مذکور ہوا اور ترک واجب پر تعزیر جائز ہے جواب یہ ہے کہ یہ بعض متعین نہیں خاتم حدید دینے سے بھی
بشرط رضائے زوجہ یہ جواب ادا ہو جاتا ہے پس اس سے نصف مہر کے ادا کی تقدیم کا وجوب کیسے ثابت ہوا
ولیکن ھذا اخر الکلام + فی ھذا المقام + واللہ ولی الاحکام + فی کل حلال وحرام + وادری تسمیۃ ھذہ العجالۃ تبعدیل
اھل الدھر + فی درجۃ تقلیل المھر وتلقیبھا بحسن المشاورۃ + فی استفسار ریاست جاورہ + والحمد للہ المفضال
المنعام + علی اتمام المرام + وصلی اللہ تعالیٰ علی نبیہ سید الانام + الف الف صلوٰۃ والسلام + الی یوم القیام +

۲۲ رجب یوم جمعہ ۱۳۵۲ھ

عـہ یہ رسالہ وضع ترتیب میں رسالہ ہذا کے متصل ہے۔

رسالہ کلمۃ القوم فی حکمۃ الصوم

تمہید۔ ایک صاحب نے اپنے خط کے ساتھ ایک مولوی صاحب کا ایک مضمون دیکھنے کیلئے بھیجا اُس کے متعلق یہاں ایک تحقیق لکھی گئی ذیل میں دونوں منقول ہیں۔

مضمون۔ صوم رمضان کے متعلق ایک نہایت ضروری اصلاح کی طرف آپ کو متوجہ کرنا چاہتا ہوں کیونکہ جہانتک مجھے یاد ہے آپنے ابتک اس اہم مسئلہ کی طرف توجہ نہیں فرمائی ہے۔ یہ مسلّم ہے کہ رمضان کے روزوں کا اصلی مقصد قوت بہیمیہ کو مغلوب اور قوت ملکیہ کو غالب کرنا ہے اسی لئے شارع نے ان ہیجات و محرکات سے چند دنوں کیلئے روکا ہے جن سے قوت بہیمیہ میں ہیجان پیدا ہوتا ہے یعنی کھانا پینا عورتوں سے متمتع ہونا اور ان تینوں چیزوں کے چھوڑ دینے کے بعد مادی حیثیت سے روزے کی حقیقت مکمل ہو جاتی ہے یہی وجہ ہے کہ علم اسرار الدین کے ماہرین نے روزے کی تکمیل کیلئے جو باتیں ضروری قرار دی ہیں اُن میں ایک یہ ہے کہ غذا میں جہانتک ممکن ہو کمی کیجائے چنانچہ امام غزالیؒ احیاء العلوم میں لکھتے ہیں کہ روزے کی تکمیل کی پانچویں شرط یہ ہے کہ افطار کیوقت حلال کھانا بھی اسقدر نہ کھایا جائے کہ پیٹ میں امتلاء پیدا ہو جائے کیونکہ خدا کے نزدیک کوئی ظرف اُس پیٹ سے زیادہ مبغوض نہیں جو حلال کھانے سے بھر لیا جائے۔ درحقیقت روزے سے خدا کے دشمن کی شکست اور خواہش نفسانی کی مغلوبیت کیونکر ممکن ہے جب کہ روزے دار اپنے افطار کے وقت اس کمی کی تلافی کرے جو دن میں کیگئی ہے بلکہ بسا اوقات طرح طرح کے کھانوں سے وہ اس پر اضافہ کر لیتا ہے۔ یہانتک یہ ایک مستقل عادت ہوگئی ہے کہ رمضان کیلئے ہر قسم کے کھانے مہیا کئے جاتے ہیں اور اس میں وہ وہ کھانے کھائے جاتے ہیں جو اور مہینوں میں نہیں کھائے جاتے حالانکہ یہ معلوم ہے کہ روزے کا مقصد بھوکا رہنا اور خواہش نفسانی کو شکست دینا ہے تاکہ نفس کو تقویٰ حاصل کرنیکی قوت حاصل ہو لیکن جب معدے کو صبح سے شام تک خالی رکھا جائے یہانتک کہ اُس کی خواہش طعام میں ہیجان پیدا ہو جائے اور اُس کی رغبت غذا کی طرف بہت زیادہ ہو جائے پھر اُس کو لذیذ کھانے کھلا کر آسودہ و سیر کر دیا جائے تو اُس کی لذت طلبی بڑھ جائیگی۔ اس کی قوت دوگنی ہو جائیگی اور وہ خواہشیں ابھر جائیں گی جو تقریباً دبی ہوئی تھیں غرض روزے کی روح اُن قوتوں کو ضعیف کرنا ہے جو بُرائی کیطرف میلان پیدا کرانے میں شیطان کا آلہ ہیں۔ اور یہ غرض صرف تقلیل غذا سے حاصل ہو سکتی ہے اور وہ یہ ہے کہ روزہ دار صرف وہی کھانا کھائے جو رمضان کے علاوہ معمولاً کھاتا تھا لیکن اگر صبح و شام

دونوں وقت کا کھانا ملا کر کھائے تو اسکو روزہ سے کوئی فائدہ نہیں پہنچ سکتا بلکہ آداب صوم میں یہ ہے کہ روزہ دار دن کو بہت نہ سوئے تاکہ اسکو بھوک اور پیاس کا احساس ہو اور اپنی قوت کا ضعف معلوم ہونے لگے۔
(احیاء العلوم ج ۱ مطبوعہ مجتبائی پریس ص ۱۸۲)۔

احادیث کے مطالعہ سے بھی اس کی تائید ہوتی ہے کیونکہ عہد نبوت اور عہد صحابہ میں رمضان میں کھانے کا کوئی مزید اہتمام نہیں کیا جاتا تھا کہ بلکہ معمولی غذا رمضان میں بھی کھائی جاتی تھی۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کھجور یا پانی سے افطار کرتے تھے۔ سحر میں بھی ایک حدیث سے معلوم ہوتا ہے کہ آپنے صرف کھجورین کھائیں بعد کو بعض صحابہ ستو گھولکر لائے تو ستو پی لیا اس سے زیادہ مجھے اس مبارک عہد میں غذاؤں کی رنگینی اور بوقلمونی نظر نہیں آئی لیکن اسوقت مسلمانوں کیحالت کیا ہے رمضان نے ایک تہوار یا تقریب کی صورت اختیار کرلی ہے۔ معمولی آدمی کیلئے بھی افطار کے وقت گھنگنی اور پھلوڑی (پھلکی) تولازمی ہے۔ سحر کیلئے دودھ بھی ایک اہم چیز فرض کر لیگئی ہے کھانا نہیں جو شخص دال روٹی کھاتا تھا وہ کم از کم ترکاری کا اضافہ کرہی لیتا ہے۔ اہل مقدرت کے دسترخوان تو رمضان میں گویا رنگینی غذاؤں کا گلدستہ بنجاتے ہیں۔ دعوتوں کا ہنگامہ گرم ہوجاتا ہے۔ روزہ کشائی کی رسم تو خالص شادی کی تقریب بنجاتا ہے۔ یہ حالت معمولی دنیاداروں کی نہیں ہے علماء وصوفیہ بھی اسی رنگ میں رنگے ہوئے ہیں۔ رمضان میں بجائے اسکے کہ حدیث وقرآن کا درس دیاجائے راحت طلبی کیلئے ہمارے عربی مدارس میں تعطیل ہوجاتی ہے۔ میں نے ایک خالص تصوف کے مرکز کے متعلق ایک مضمون پڑھا تھا جس کا خلاصہ یہ تھا کہ مغرب سے سحر کے وقت تک تمام لوگ جو اس مرکز سے روحانی فیض اٹھاتے ہیں بیدار رہتے ہیں اور زیادہ تر عمدہ غذاؤں کا لطف حاصل کرتے ہیں۔ تراویح سے پہلے تراویح کے بیچ میں اور تراویح کے بعد تین بار چائے کا دور چلتا ہے چونکہ آپنے زیادہ تر علماء وصوفیہ کا فیض صحبت اٹھایا ہے اس لئے براہ کرم مجھ کو اور ناظرین سچ کو اس معاملہ میں اپنی معلومات سے فائدہ پہنچایئے اور یہ بتایئے کہ اس کی سند کیا ہے۔

تحقیق۔ بعد الحمد والصلوٰۃ تحقیق مقصود سے قبل بعض مبادی کی ضرورت ہے۔ (۱) احکام باعتبار ثبوت کے تین قسم ہیں۔ منصوص۔ اجتہادی۔ ذوقی۔ اجتہادی میں اجتہاد سے مراد وہ ہے جسکو فقہاء اجتہاد کہتے ہیں اور ایسے اجتہاد سے جو احکام ثابت ہوتے ہیں وہ واقع میں نص ہی سے ثابت ہوتے ہیں اجتہاد سے صرف ظاہر ہوجاتے ہیں۔ اسی لئے کہا جاتا ہے۔ القیاس مظہر لا مثبت اور ذوقی وہ احکام ہیں جو نص کا مدلول نہیں نہ بلاواسطہ جو منصوص کی شان ہوتی ہے نہ بواسطہ جیسے اجتہادیات کی شان ہوتی ہے بلکہ وہ احکام محض

وجدانی ہوتے ہیں اور اس ذوق و اجتہاد میں فرق یہ ہے کہ احکام اجتہادیہ تو مدلول نص ہیں اور یہ مدلول
نص نہیں اسیواسطے مجتہدین سے ایسے احکام منقول نہیں نہ کسی پر ان احکام کا ماننا واجب ہے محض اہل ذوق کا
وجدان ان احکام کا مبنی ہوتا ہے البتہ ان میں بعض احکام ایسے ہوتے ہیں کہ اشارات کتاب و سنت سے
ان کی تائید ہو جاتی ہے تو اس صورت میں ان کا قائل ہونا جائز ہے اور اگر کتاب و سنت کیخلاف ہو تو اس کا رد
واجب ہے اور اگر کتاب و سنت سے نہ متأید ہوں نہ اس کیخلاف ہوں تو اس میں جانبین میں گنجائش ہے اسی طرح
اگر ایک صاحب ذوق کو متأید معلوم ہوں اور دوسرے کو خلاف تب بھی اس میں جانبین میں گنجائش ہے اور
اجتہادیات جزو فقہ ہیں اور ذوقیات جزو تصوف۔ (۲) احکام اجتہادیہ کا مبنی علت ہوتی ہے جس سے
حکم کا تعدیہ کیا جاتا ہے اور ذوقیات کا مبنی محض حکمت اور وہ بھی غیر منصوص جس سے حکم متعدی نہیں ہوتا
نہ حکم کا وجود و عدم اس کیساتھ دائر ہوتا ہے اور یہ عدم دوران حکمت منصوصہ میں بھی عام ہے جیسے طواف
میں رمل کہ اسکی بنا ایک حکمت تھی مگر وہ مدار حکم نہیں رہی۔ مگر تمام مسائل تصوف کو اس شان کا نہ سمجھا جاوے
اُن میں بھی بعض اجتہادی ہیں اور بعض منصوص بھی ہیں مقصود یہ ہے کہ اُن میں جو ذوقیات ہیں اُن کی یہ شان
ہے جو مذکور ہوئی (۳) ایک دوسرے اعتبار سے احکام کی اور دو قسمیں ہیں۔ مقاصد اور مقدمات یہ
احکام ذوقیہ صرف مقدمات ہوتے ہیں مقاصد نہیں ہوتے مقاصد صرف منصوص ہوتے ہیں یا اجتہادی یہ
(۴) احکام منصوصہ و اجتہادیہ شریعت ہیں۔ احکام ذوقیہ شریعت نہیں البتہ اسرار شریعت اُن کو کہا جا سکتا ہے
اور یہ سب مبادی ماہر قواعد شرعیہ کے نزدیک ظاہر ہیں۔ اب مقصود عرض کرتا ہوں کہ مسئلہ زیر بحث نہ منصوص
ہے نہ اجتہادی صرف ذوقی ہے اور ذوقی بھی مختلف فیہ چنانچہ امام غزالیؒ کا یہی ذوق ہے اور جو کچھ اس باب
میں احیاء العلوم میں فرمایا ہے وہ اسی ذوق پر مبنی ہے اور اُن کے نزدیک کچھ رمضان کی تخصیص نہیں مطلق
جوع کے باب میں وہ اسی کے قائل ہیں اور بعض کا ذوق اس کیخلاف ہے۔ چنانچہ علی قاریؒ شرح شمائل ترمذی
میں ابن الجوزیؒ سے نقل کرتے ہیں۔ ومن جملة الصوفية تقليل المطعم واكل ما لا يسمن حتى ييبس بدنه و
يعذب نفسه بلبس الصوف ويمتنع من الماء البارد وما هذه طريقة رسول الله صلى الله عليه وسلم والطريقة
صحابته واتباعهم انما كانوا يجوعون اذا لم يجدوا شيئا فاذا وجدوا اكلوا الخ من حاشية تقليل
الطعام بصورة الصيام) اور حضرت شاہ ولی اللہؒ حجۃ اللہ البالغہ ابواب الصوم میں فرماتے ہیں۔ ثم ان تقليل
الاكل والشرب له طريقان احدهما ان لا يتناول منهما الا قدرا يسيرا والثاني ان تكون المدة المتخللة بين

الاکلات مرائیۃ علی النفس والمعتاد والمعتبر فی الشرع ھو الثانی لانہ یخفف دنیقہ ویذیق بالفعل مذاق الجوع والعطش
ولیحر البھیمیۃ خیرہ ودھشتہ ولا علیھا اتیانا محسوسا والاول انما یضعف ضعفا یسیرا ولا یجد بالاحتویۃ
منہ ولیغ فان الاصل لایاتی تحت التشریع العام الاجمعی فان الناس علی منازل مختلفۃ جداً الخ

اس سے یہ تو معلوم ہوگیا کہ مسئلہ متکلم فیہا میں ذوق مختلف ہیں اب دیکھنا یہ ہے کہ کونسا ذوق قریب الی الکتاب والسنۃ
ہے اس کا موازنہ ذوق کے مؤیدات میں غور کرنے سے ہو سکتا ہے سو ذوق اول کے یہ مؤیدات ہو سکتے ہیں۔
(الف) کتب علیکم الصیام کما کتب علی الذین من قبلکم لعلکم تتقون ای تحترزوا المعاصی فان الصوم یکسر
الشہوۃ التی ھی اسھا او یکسرھا (ب) قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم یا معشر الشباب من استطاع منکم
الباءۃ فلیتزوج فانہ اغض للبصر واحصن للفرج ومن لم یستطع فعلیہ بالصوم فانہ لہ وجاء رواہ الشیخان (ج)
احادیث فضیلت جوع وذم شبع مگر ان سب استدلالات میں شبہات ہیں۔

الف میں یہ کہ یہ تفسیر متعین نہیں دوسری تفسیر بھی محتمل ہے چنانچہ ابن جریر نے سدی سے نقل کیا ہے۔
تتقون من الطعام والشراب والنساء مثل ما اتقوا قبلکم اور تفسیر نیساپوری میں ہے لعلکم تتقون بالمحافظۃ
علیھا لعظم شانھا وبعد بسطر او لعلکم تنتظمون فی سلک اھل التقوی فان الصوم شعارھم اور اگر یہی تفسیر
مان لی جاوے تب بھی دلالت علی المقصود میں یہ شبہ ہے کہ کسر قوت بہیمیہ تقلیل طعام پر موقوف نہیں کما مر قریبا
عن حجۃ اللہ البالغۃ وسیاتی ایضا اور ب میں یہ کہ اس میں صوم کی خاصیت بیان کی گئی ہے تشریع صوم کی
حکمت بیان نہیں کی گئی اور یہ خاصیت موقوف نہیں ہے تقلیل اکل پر کیونکہ تجربہ ہے کہ باوجود تشبع من اللذات
کے رمضان میں ضعف معتد بہ ہو جاتا ہے اور راز اس کا یہ ہے کہ عادت تھی دو وقت رغبت کیساتھ
کھانے کی اور اب رغبت کیساتھ صرف ایک وقت کھایا جاتا ہے یعنی شام کو۔ اور سحر کو وقت عادت نہ ہونیکے
سبب رغبت سے نہیں کھایا جاتا اس لئے وہ جزو بدن اور بدل ما یتحلل نہیں بنتا پھر جب وقت معتاد آتا
ہے عادت کے سبب طبیعت کو اشتیاق ہوتا ہے اور باوجود اشتیاق کے کھانا نہیں ملتا اسلئے طبیعت
ضعیف ہو جاتی ہے چنانچہ یہ ضعف عشرہ وسطی میں کمی کیساتھ اور عشرہ اخیرہ میں زیادتی کیساتھ بین طور
پر محسوس ہوتا ہے البتہ اگر کئی مہینے کے روزے ہوتے تو چند روز میں کھانے کے اوقات متعادہ بدل جاتے پھر رغبت
سے دونوں وقت کھانا کھایا جاتا اور جزو بدن بنتا اور ضعف نہ ہوتا اور قوت شہویہ میں انکسار نہ ہوتا اور
اسی راز سے صوم دہر پسند نہیں کیا گیا اور صوم داؤدی میں عادت قدیمہ نہیں بدلتی اسلئے اس کی

اجازت مع بیان الفضیلت دی گئی اور یہی تقریر الف میں بھی ہو سکتی ہے کہ اگر اس تفسیر کو متعین بھی مان
لیا جاوے تب بھی صوم ہر حالت میں قوت شہویہ کا کاسر ہے وھذا ھو الذی وعدناہ قریبا فی قولنا۔
ومیاتی الخ اور ج میں یہ کہ احادیث فضل جوع وذم شبع میں احتمال ہے کہ جوع سے مراد جوع اضطراری
ہو یعنی اگر میسر نہ ہو تو اس کی فضیلت کو یاد کر کے صبر کرے جیسے نصوص میں بیماری کے فضائل بیان کئے گئے
ہیں تو اس کا یہ مطلب نہیں کہ عمداً بیمار ہو جایا کرے چنانچہ آیت ولنبلونکم الخ میں جوع کو مصائب میں شمار
فرمایا ہے اور سب مصائب مذکورہ آیت غیر اختیاری ہیں تو جوع سے بھی مراد وہی ہوگا جو غیر اختیاری ہو
اسی طرح شبع مذموم میں یہ احتمال ہے کہ شبع مفرط یعنی فوق الشبع مراد ہو چنانچہ ایک حدیث میں اکثرہم شبعا
فرمایا ہے من شبع منھم نہیں فرمایا سو ایسے شبع کو فقہاء نے بھی حرام فرمایا کما فی الدر المختار ورد المحتار کتاب
الکراھۃ۔ یہ تو ذوق اول کے مؤیدات پر کلام تھا اب ذوق ثانی کے مؤیدات عرض کرتا ہوں۔ د۔ حدیث
میں ہے شھر یزاد فیہ رزق المؤمن کذا فی المشکوۃ عن البیھقی تو کیا یہ امر معقول ہے کہ رزق تو زائد تو رمضان
میں دیا جاوے اور اس سے منتفع ہونے کے لئے شوال کے انتظار کا حکم دیا جاوے ہ۔ افطار کے وقت حضور صلی اللہ
علیہ وسلم سے یہ منقول ہے ذھب الظماء وابتلت العروق وثبت الاجر رواہ ابوداؤد انشاء اللہ تعالیٰ۔
ظاہر ہے کہ ذہاب ظما و ابتلال عروق بدون سیراب ہو کر پانی پینے کے نہیں ہو سکتا اور باوجود اس کے وہ سبب
اجر نہیں ہوا چنانچہ ثبت الاجر اس میں نص ہے اور کھانے اور پانی میں کوئی معقول فرق نہیں کہ ایک سے
سیری پسندیدہ ہو اور دوسرے سے ناپسندیدہ ہو و۔ حدیث میں اشباع صائم کی فضیلت اور ثواب وارد
ہے (مشکوۃ عن البیھقی) اگر شبع ناپسندیدہ ہوتا تو اشباع جو کہ اس کا سبب اور معین ہے وہ بھی ناپسندیدہ
ہوتا لان مقدمۃ الشئ ملحق بہ نہ کہ موجب اجر ہوتا نیز شبع اور ری تو مقدمات شہوت سے ہیں اور جماع
خود قضاء شہوت ہے اگر شبع اور ری مفوت روح صوم ہے تو جماع بدرجہ اولیٰ اس کا مفوت ہے اگر اسکی
تقلیل کی کسی نے ترغیب نہیں دی بلکہ اس کی اجازت وسعت کو موقع امتنان میں ارشاد فرمایا گیا ہے۔
فالئن باشروھن وابتغوا ما کتب اللہ لکم اور اس کے ساتھ کلوا واشربوا کو بھی مقرون فرمایا۔ اور سب کے
لئے غایت فرمائی حتی یتبین لکم الخیط الابیض من الخیط الاسود من الفجر ح۔ اگر تقلیل طعام فی رمضان کوئی
امر مقصود ہے تو فضائل صوم کیساتھ اسکی فضیلت اور منکرات صوم کیساتھ شبع کی مذمت نصوص میں یا
مجتہدین کے کلام میں کیوں نہیں وارد ہوئی کیا اس سے اکملت لکم دینکم پر اشکال نہیں وارد ہوتا ہے

یہ پانچ سودات ہیں ذوق ثانی کے جو اس وقت ذہن میں حاضر ہوگئے اگر اہل ذوق اول ان تائیدات میں بھی کوئی خدشہ نکالیں ہمکو مضر نہیں کیونکہ احکام مختلف فیہا میں جانبین میں گنجائش ہوتی ہے اس لئے اس کا بھی مطالبہ کیا جاوے گا کہ اہل ذوق اول بھی اہل ذوق ثانی پر طعن و تشنیع اور ان کی تحقیر و تقبیح نہ فرماویں کیونکہ ذوقیات میں ایسا اختلاف کوئی امر منکر نہیں چنانچہ قوم میں دعا و ترک دعا کا مسئلہ مختلف فیہ ہے اور مباشرت اسباب و ترک اسباب کا مسئلہ مختلف فیہ ہے اور بہت سے مسائل ایسے ہی ہیں اسیطرح یہ مسئلہ فقہی نہیں جسکا اتنا اہتمام کیا جاوے۔ چنانچہ فقہاء نے باوجودیکہ مستحبات تک کی تدوین فرمائی مگر اسے کہیں تعرض نہیں فرمایا اور اگر فقہی بھی ہوتا تو مختلف فیہ ہونیکی صورت میں پھر بھی یہی حکم ہوتا۔ اس تقریر سے امید ہے کہ اصل اجزاء مسئول عنہا کا جواب ہوگیا ہوگا باقی بعض زوائد متعلق بھی کچھ مختصر عرض کئے دیتا ہوں (۱) صحابہ کیوقت میں اہتمام نہ ہونا حجت نہیں کیونکہ اُن کے یہاں ہر چیز میں سادگی تھی اسی عادت کیموافق بھی عمل تھا نیز جب صحابہؓ کو رمضان کیلئے تکثیر الطعمہ کا اہتمام نہ تھا اسی طرح رمضان کی خصوصیت سے تقلیل کا بھی اہتمام نہ تھا پھر اس سے مدعا یعنی حکمت خاص کی بناء پر اہتمام جوع بھی کیسے ثابت ہوا (۲) اور اس کو تقریب بنالینا اگر حدود کے اندر ہو تو کیا حرج ہے خود حدیث میں ہے کہ رمضان کیلئے جنت کی زینت سال بھر تک ہوتی رہتی ہے (مشکوٰۃ عن البیہقی) سو اگر اُسکی تقلید میں یہاں بھی کچھ اہتمام ہو تو کیا حرج ہے۔ (۳) دعوتوں کا ہنگامہ یہ فرد ہے مواسات کی حدیث میں اس کو شہر المواساۃ فرمایا گیا ہے (مشکوٰۃ عن البیہقی) (۴) روزہ کشائی کی تقریب بھی ایک فرد ہے فرحت عند الفطر کی اولاد کی توفیق دین سے فرح کیوں مذموم ہو قرآن مجید میں اس کو قرۃ اعین فرمایا گیا ہے (۵) تعطیل مدارس کی راحت اور اعمال رمضان کیلئے کیوں منکر ہے اور وہ درس کیساتھ عادۃً جمع نہیں ہو سکتے۔ (۶) صوفیہ کی طرف سے جواب دینا خود صوفیہ کے مذاق کیخلاف ہے وہ بیچارے خود ہی اپنے کو سب سے اخس اور ادون سمجھتے ہیں اپنی نصرت سے خود اس طرح منع کرتے ہیں۔ ؎

با مدعی بگوئید اسرار عشق و مستی … بگذار تا بمیرد در رنج خود پرستی

اس حقیر کو صوفیہ کے اور اعمال میں تو اُن کی تقلید کی توفیق نہیں ہوئی مگر یہ رسم سنکر جو ابتک نہ سنی تھی ضرور حرص ہوئی کہ واقعی چائے کا دور جاگنے کی تو اچھی تدبیر ہے مگر حرص ہی ہوکر رہ گئی کہ اسلئے کہ پھر نیند سے محرومی ہوجاویگی جس کا میں اس سے زیادہ حریص ہوں اور جس طرح تقلیل طعام میں وہ ذوق پسند آیا جس میں شبع بھی ہاتھ آوے اسی طرح تقلیل منام میں وہ مسلک پسند ہے جو مخل نوم نہ ہو وہ مسلک یہ ہے حدیث من صلی العشاء فی جماعۃ

فکانما قام نصف اللیل ومن صلی الصبح فی جماعۃ فکانما صلی اللیل کلہ رواہ مالک ومسلم۔ تفسیر عن انس تتجافی جنوبہم عن المضاجع قال ما بین المغرب والعشاء وعنہ ایضاً نزلت فی انتظار الصلوٰۃ التی تدعی العتمۃ وعنہ ایضاً فی قولہ تعالیٰ کانوا قلیلا من اللیل ما یہجعون قال یتیقظون یصلون ما بین ھاتین الصلوٰتین ما بین المغرب والعشاء عن محمد بن علی قال لا ینامون حتی یصلوا العتمۃ وعن ابی العالیۃ قال لا ینامون بین المغرب والعشاء (تفسیر ابن جریر) وفی الدر المنثور کانوا ینامون اللیل کلہ ام فالقلیل لا یقابل الکثیر بل یقابل الجمیع نحو فی معنی البعض (کذا فی بیان القرآن)

(اثر) قال سعید بن المسیب من شہد العشاء من لیلۃ القدر فقد اخذ بحظ منہا (مؤطا امام مالک) (قلت ہو کانہ تفسیر المرفوع من حرم خیرہا فقد حرم فالذی شہد فی جماعۃ لم یحرم خیرہا)۔ اس نوم کی پسندیدگی سے وہ جاگنے کی حرص بھی جاتی رہی اور اپنے جی کو یوں سمجھا لیا کہ اللہ تعالیٰ نا کاروں کو بھی بخش ہی دینگے اس امید مغفرت پر کلام کو ختم کرتا ہوں اور چونکہ اس کی مقدار معتد بہ ہو گئی اس لئے اس کا ایک لقب بھی بمناسبت مضمون کے تجویز کئے دیتا ہوں یعنی کلمۃ القوم فی حکمۃ الصوم۔

ضمیمہ۔ یہ بھی محتمل ہے کہ امام غزالیؒ کے ارشاد کو اختلاف ذوق پر محمول نہ کیا جاوے بلکہ اپنے زمانہ کے قویٰ کو دیکھ کر بطور مجاہدہ اس طریق کو تجویز فرمایا اور مجاہدہ زمانہ کے اختلاف سے بدلجاتا ہے اب قویٰ ایسے ضعیف ہیں کہ اتنی تقلیل یقیناً طاعات مقصودہ میں مخل ہو جاوے گی۔ باقی یہ کہ حضرت امام نے عنوان تاکید سے کیوں فرمایا اس کی وجہ یہ ہے کہ حضرات صوفیہ پر بعض حالات کا یا بعض اصلاحات کا غلبہ ہوتا ہے اس میں اس قسم نے عنوان بیساختہ صادر ہو جاتا ہے اور اس مقام پر ایک اور نکتہ قابل سمجھنے کے ہے گویا قواعد طریقت سے وہ روح ہے مسئلکی وہ یہ کہ مقصود سالک کا حسب تصریح ائمہ تشبہ ہے ملائکہ کیساتھ اور یہ تشبہ جسطرح شبع مفرط سے فوت ہوتا ہے اسیطرح جوع مشوش سے بھی کیونکہ ملائکہ دونوں سے منزہ ہیں اور یہ سب تحقیق اس تقدیر پر ضروری ہے کہ صوم میں حکمت کسرہ قوۃ شہوۃ کو مان لیا جاوے ورنہ اگر وہ امر تعبدی ہو جیسا خود روزہ کا عدد کہ اس میں کوئی حکمت معلوم نہیں تو اس تمام تر سوال وجواب ہی کی گنجائش نہیں اور بعض الفاظ حدیث سے یہ احتمال تعبد کا ظاہر اور قوی معلوم ہوتا ہے۔ چنانچہ ارشاد ہے۔ من صام رمضان ایماناً واحتساباً رواہ الشیخان حیث جعل الباعث علیہ الایمان وطلب الثواب لا شیئاً من الحکمۃ والمصلحۃ وھذا ھو التعبد واللہ اعلم۔ ۲۵ رشعبان ۱۳۵۲ھ

رسالہ اعداد الجنۃ للتوقی عن الشبہۃ فی اعداد البدعۃ والسنۃ

سوال۔ حضرت مولانا اسمٰعیل شہید رحمۃ اللہ علیہ کی کتاب ایضاح الحق الصریح کی ایک عبارت نظر سے گذری اس سے ایک شبہ واقع ہوا لہٰذا اصل عبارت نقل کرنے کے بعد شبہ عرض کرتا ہوں ازالہ فرما کر تشفی فرمادی جاوے۔

(عبارت) استحسانات اکثر متاخرین از فقہاء صوفیہ کہ بنا بر ظن حصول بعضے منافع دینیہ و مصالح شرعیہ بدون تمسک بدلیلے از دلائل شرعیہ اصلی از اصول عبادات یا معاملات اختراع می نمایند تحدید اصلی از اصول دینیہ بحدود خاصہ احداث میکنند یا ترویج امریکہ شامل در قرون سابقہ بود بر روئے کار می آرند یا احتمال امریکہ دراں ازمنہ مروج بود عمل می آرند مثل نماز معکوس و وجوب تقلید شخص معین از ائمہ مجتہدین و مثل تحدید ذکر کلمہ تہلیل باوضاع مخصوصہ از اعداد و ضربات و جلسات و تحدید مار کثیر بعشر فی العشر و ترویج مسائل قیاسیہ و کشفیہ و استغراق بجمیع ہمت خود درآں و احتمال ظاہر کتاب و سنت مگر بطریق تبرک و تیمن ہمہ از قبیل بدعت حقیقیہ است وانچہ در مقام عذر آں می گویند ہر چند کہ ایں امر محدث است اما مشتمل بر مصلحتے از مصالح دینیہ است یا اصل آں در شرع ثابت است اگرچہ خصوصیت مذکورہ محدث باشد پس ہیچ پرواے ایں عذر امور مذکورہ را از حد بدعات خارج نمی گرداند الخ۔ (دوسری عبارت) اما تخریجات متاخرین فقہا مثل تحدید مار کثیر بعشر فی العشر بنا بر قیاس بر زمین متعلقہ چاہ و مثل حکم بوجوب تقلید مجتہدے معین از مجتہدین سابقین و حکم بالتزام بیعت شخصے معین از شیوخ طریقت بنا بر قیاس بر اطاعت امام وقت و التزام بیعت او و امثال آں از تخریجات غیر محصورہ کہ منقول از متاخرین فقہاء و صوفیہ است و کتب فقہ و سلوک بآں مملو و مشحون است و اکثر اتباع ایشاں ہمیں تخریجات محدثہ را احکام شریعت و اسرار طریقت می انگارند ہمہ از قبیل بدعات است و دلائل ایشاں ہمہ از قبیل لطائف شعریہ و نکات جملیہ است کہ ہرگز احکام مذکورہ را از بدعت خارج نمی گردانند و در دائرۂ شریعت ربانیہ و طریقہ احسانیہ داخل نمی کنند الخ۔

تقریر شبہ۔ وجوب تقلید شخصی التزام بیعت شخص معین یا التزام اصلاح از شخص معین تحدید اعداد در وظائف باوضاع مخصوصہ وغیرہ ایسے امور جن کی نافعیت فی الدین عند المحققین مجرب ہے یہ تو مسلم ہے کہ یہ امور فی ذاتہا مقاصد میں سے نہیں بلکہ دیگر مقاصد دینیہ ضروریہ کیلئے مقدمات ہیں اور خود فی ذاتہا ایسے دنیاوی محضہ بھی نہیں کہ جن پر ترتب اجر کی توقع نہ ہو اور یہ امور بہیأتہا الکذائیہ زمانہ خیر القرون میں بھی پائے نہ جاتے تھے گو ان کا اطلاق عمومات نصوص کے ماتحت داخل ہے مگر تخصیصات کذائیہ ضرور محدث ہیں تو پھر ان میں اور دیگر بدعات میں

جن کا اطلاق نصوص سے ثابت اور ہیئت کذائی محدث کیا فرق ہوگا اگر محض دنیاوی ہیں تو دلائل شرعیہ سے ان کا ثابت کرنا کیوں کر درست ہوگا اور منکرین پر نکیر کرنا شرعاً کس طرح جائز ہوگا۔ الغرض اصل مسئلہ حقیقت اور حضرت شہیدؒ کی عبارات کا صحیح مطلب یا تحقیقی جواب تحریر فرما کر تشفی فرمادیجائے۔ اپنی اصلاح کے لئے خصوصی دعا کا طالب ہوں۔ والسلام۔

الجواب۔ فی رد المحتار سنن الوضوء ان کان مما واظب علیہ الرسول صلی اللہ علیہ وسلم او الخلفاء الراشدون من بعدہ فسنۃ والا فمندوب ونقل فی صلاۃ الدر المختار بحث النیۃ والتلفظ عند الارادۃ بہا مستحب ھو المختار وقیل سنۃ یعنی احبہ السلف او سنۃ علماءنا اذ لم ینقل عن المصطفیٰ ولا الصحابۃ ولا التابعین بل قیل بدعۃ فی رد المحتار قولہ قیل سنۃ عزاہ فی التحفۃ والاختیار الی محمد وصرح فی البدائع بانہ لم یذکرہ محمد فی الصلوۃ بل فی الحج نحو الصلوۃ علی الحج قولہ الخ اشاربہ للاعتراض علی المصنف بانہ جمع القولین واحدہما مستحبا باعتبار انہ احبہ علماءنا او سنۃ باعتبار انہ طریقۃ حسنۃ لہم لا طریقۃ للنبی صلی اللہ علیہ وسلم کما حررہ فی البحر قولہ بل قیل بدعۃ نقلہ فی الفتح وقال فی الحلیۃ ولعل الاشبہ انہ بدعۃ حسنۃ عند قصد جمع العزیمۃ لان الانسان قد یغلب علیہ تفرق خاطرہ وقد استفاض ظہور العمل بہ فی کثیر من الاعصار فی عامۃ الامصار فلا جرم انہ ذہب فی المبسوط والہدایۃ والکافی الی ان ان فعلہ لیجمع عزیمۃ قلبہ فحسن فیندفع ما قیل انہ یکرہ الخ وفی الدر المختار احکام الامامۃ ومبتدع ای صاحب بدعۃ وھی اعتقاد خلاف المعروف عن الرسول لا بمعاندۃ بل بنوع شبہۃ فی رد المحتار قولہ ای صاحب بدعۃ ای محرمۃ والا فقد تکون واجبۃ کنصب الادلۃ علی اھل الفرق الضالۃ وتعلم النحو المفہم للکتاب والسنۃ ومندوبۃ کاحداث نحو رباط ومدرسۃ وکل احسان لم یکن فی الصدر الاول ومکروھۃ کزخرفۃ المساجد ومباحۃ کالتوسع بلذیذ المآکل والمشارب والثیاب کما فی شرح الجامع الصغیر للمناوی عن تہذیب النووی ومثلہ فی الطریقۃ المحمدیۃ للبرکوی۔ ان عبارات سے امور ذیل مستفاد ہوئے (اول) سنۃ کے کئی معنی ہیں منقول عن الرسول صلی اللہ علیہ وسلم کما ذکر فی عبارۃ الطریقۃ النبی صلی اللہ علیہ وسلم ۲ منقول عن الرسول صلی اللہ علیہ وسلم او الخلفاء الراشدین کما ذکر فی عبارۃ واظب علیہ الرسول صلی اللہ علیہ وسلم او الخلفاء الراشدون ۳ منقول عن الرسول صلی اللہ علیہ وسلم او الصحابۃ او التابعین کما فی

عبارۃ اذ لم ینقل عن المصطفیٰ ولا الصحابۃ ولا التابعین ۶ منقول عن العلماء کما فی عبارۃ اوسنۃ
علماءنا فی تفسیر السنۃ وفی عبارۃ انہ طریقۃ حسنۃ لھم ای العلماء اور چونکہ بدعت کے بھی کئی معنی ہوں گے
یعنی سنت کے ہر معنی کے مقابل ۱ غیر منقول عن الرسول ۲ غیر منقول عن الرسول والخلفاء ۳ غیر منقول عن الرسول
او الصحابۃ او التابعین ۴ غیر منقول عن العلماء اور یہ تعدد محض ظاہری ہے ورنہ حقیقت میں سنت کے
معنی یہ ہیں۔ ھی الطریقۃ المسلوکۃ فی الدین کما ھو مذکور بعد العبارۃ الاولیٰ باسطر اور یہ سب معانی
سنت کو شامل ہے اور بدعت کے معنی ہیں اعتقاد خلاف المعروف عن الرسول لا بمعاندۃ بل بنوع شبھۃ یا بعنوان
دیگر ما احدث علی خلاف الحق المتلقی عن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم من علم او عمل او حال الخ کذا فی الدر المختار
ورد المحتار فی بحث الامامۃ قلت وھذا التلقی عام کان بلا واسطۃ او بواسطۃ الادلۃ الشرعیۃ کما ھو معلوم
من القواعد وھذا المعنی الحقیقی البدعۃ مراد فی قولہ صلی اللہ علیہ وسلم من احدث فی امرنا ھذا ما لیس منہ
الحدیث ای ادخل فی الدین ما ھو خارج عن الدین والثابت بالادلۃ داخل فی الدین لا خارج منہ

پس سنت حقیقیہ و بدعت حقیقیہ جمع نہیں ہو سکتیں لیکن بعض صور یہ سنت حقیقیہ کے ساتھ جمع ہو سکتی ہے چنانچہ
لفظ نیۃ الصلوٰۃ کو سنت کہا گیا ہے جس معانی کے اعتبار سے کہ وہ معنی ایک قسم ہے سنت حقیقیہ کی اور بدعت بھی
کہا گیا ہے بعض معانی سنت کے مقابلہ کے اعتبار سے اسی لئے حلبیہ کی عبارت مذکورہ میں اس کو بدعت مان کر
حسن کہا گیا ہے جو صریح ہے جواز اجتماع بعض اقسام بدعت مع السنۃ الحقیقیہ میں اور یہ اجتماع حضرت عمرؓ کے قول
نعمت البدعۃ ھٰذہ سے بھی متاید ہوتا ہے جیسا جزئی حقیقی تو کلی کے ساتھ جمع نہیں ہوتی مگر جزئی اضافی کلی کے ساتھ جمع
ہو سکتی ہے اور یہاں سے یہ بھی معلوم ہو گیا کہ بدعت حسنہ کی جو بعض اکابر نے نفی کی ہے اور جمہور اثبات سے یہ نزاع
لفظی ہے نافی نے اپنی اصطلاح میں بدعت کو حقیقی کے ساتھ خاص کیا ہے اور مثبت نے بدعت کو عام لے لیا ہے اور
یہی راز ہے کہ صحابہ کو تو کسی امر کے منقول عن الرسول صلی اللہ علیہ وسلم نہ ہونے سے اس کے سنت ہونے میں تردد
ہوتا تھا اور بعد کے حضرات کو صحابہ یا تابعین سے منقول نہ ہونے سے تردد ہوتا تھا مگر اذا حتی کہ ہمارے لئے وہ
وہ چیز بھی سنت ہو گی جو علماء راسخین نے اصول شرع سے سمجھا ہے اس سے بھی تعدد معانی سنت کی تقویت ہوگئی
جب یہ مقدمہ ممہد ہو چکا اب مولانا کے کلام کی طرف متوجہ ہوتا ہوں ان دونوں عبارتوں میں جن چیزوں کو بدعت قرار
دیا ہے ان کا بالمعنی الاتم بدعت ہونا تو منافی سنت نہیں لیکن بدعت حقیقیہ ہونا اس صورت میں صحیح ہے جب
ان کو احکام مقصودہ فی الشرع سمجھا جائے اس وقت ان پر بدعت حقیقیہ کا حکم کرنا صحیح ہو گا چنانچہ دوسری عبارت

میں قول یاس کا قرینہ ہے۔ تہیں تخریجات مجددشد احکام شریعت و اسرار طریقت می انگارند۔ اور عبارت اول کو
اسی پر محمول کیا جاوے گا کیونکہ محکوم علیہ دونوں عبارات میں ایک ہی چیزیں ہیں متفاوت بسیر لایعبؤ والا یؤثر
فی الحکم پس مولانا کے کلام کی تو توجیہ سے فراغت ہوئی لیکن اگر کوئی شخص ان کو احکام مقصودہ فی الشرع
نہ سمجھے اور ان کے بدعت غیر بدعت ہونیکی تحقیق کا طالب ہو تو اس کے لئے ایک ایک جزئی کی تفصیل کرتا ہوں
اسی سے قواعد کلیہ بھی سمجھ میں آجاوینگے جن سے دوسرے امور غیر مذکورہ فی المقام کا بھی حکم معلوم ہوجاوے گا پس معروض
ہے نماز معکوس کا دین سے کوئی تعلق نہیں وہ ایک قسم کا مجاہدہ ہے اور مثل معالجات طبیہ کے نفس کی تادیب کے
لئے ایک معالجہ ہے اس درجہ میں اس کو سمجھنا بدعت نہیں البتہ اگر اس سے کوئی بدنی ضرر کا اندیشہ ہو تو معصیت ہے
ورنہ مباح مثل دیگر ریاضات بدنیہ کے اور اگر اس کو کوئی قربت سمجھے تو بدعت ہے۔ **تقلید شخصی**۔ اس کو حکم مقصود
بالذات سمجھنا بیشک بدعت ہے لیکن مقصود بالغیر سمجھنا یعنی مقصود بالذات کا مقدمہ سمجھنا یہ بدعت نہیں بلکہ طاعت ہے
تحدید کلمہ تہلیل الخ ذکر کو مقصود سمجھنا اور مطلق زیادت عدد کو زیادت اجر کا سبب سمجھنا اور اوضاع و ضربات و جلسات
کو از قبیل علاج طبیہ سمجھنا بدعت نہیں اور خود انکو قربات سمجھنا بدعت ہے۔ **تحدید ما نکتبہ**۔ اس کو مقصود سمجھنا بدعت
ہے اور عوام کے انتظام کیلئے بلا شبہ مطلوب بالغیر ہے **ترویج مسائل قیاسیہ وکشفیہ واستغراق بجمیع ہمت خود**
دراں الخ اس میں ظہور مراد کا قرینہ خود اس کے بعد موجود ہے یعنی اخمال کتاب و سنت مگر بطریق تبرک و تیمن اس طریق
پر بدعت ہونے میں کیا شبہ ہے لیکن اگر ہر چیز اپنے درجہ میں رہے تو وہ بدعت نہیں اور جو درجہ ان اعمال میں بدعت ہی
اس میں یہ عذر جو بعد میں مذکور ہے ظاہر ہے کہ نافع و مقبول نہیں جیسا مولانا نے فرمایا۔

حکم بالتزام بیعت۔ یہ جس پر مبنی کیا گیا ہے اس اعتبار سے بیشک بدعت و زیادت فی الدین ہے اور اگر دوسری
بنا صحیح ہو اور وہ بنا وہ ہے جسکے اعتبار سے طبیب کے اتباع شخصی کا التزام کیا جاتا ہے اور اسی کے لوازم میں سے
اس کا قائل ہونا بھی ہے کہ اس کے التزام کو ترک کردینا یا دوسرے کے اتباع سے بدل دینا جائز ہے تو اس صورت
میں کوئی وجہ نہیں بدعت ہونیکی۔ اس کے بعد تخریجات کے نسبت جو فرمایا ہے محمل اس کا وہی صورت ہے جب حدود سے
آگے بڑھا دیا جاوے اعتقاداً یا عملاً آگے ان کے دلائل کے متعلق فرمایا ہے مراد ان سے وہ دلائل ہیں جو اکثر جہلاء
کالعلماء نے ان مقاصد پر اختراع کئے ہیں نہ کہ دلائل صحیحہ جو بفضلہ تعالیٰ احقر کی تالیفات میں مذکور ہیں اس کے بعد
تقریر شبہ میں سوال کیا گیا ہے کہ ان میں اور دیگر بدعات میں کیا فرق ہے اگر اہل بدعت ان کو حدود سے نہ
بڑھاتے تو یہ سوال سب امور میں تو نہیں بعض امور میں صحیح تھا لیکن مشاہدہ ہے کہ وہ ان بدعات کو داخل

دیں بلکہ عبادات منصوصہ سے بدرجہا زیادہ اور مؤکد خواہ اعتقاداً یا عملاً سمجھتے ہیں اور مخاطبین سے اس قدر بغض رکھتے ہیں جتنا کفار سے بھی نہیں اور امور مذکورہ بالا کے اختیار کرنیوالے ایسے غلو سے منزہ ہیں پہلا اسی دونوں قسم کے اعمال میں فرق ہے الکلام علی سبیل التنزل فی المقام جو توجیہ حضرت مولانا شہیدؒ کے کلام کی ذکر کیگئی ہے اگر اس کو کوئی قبول نہ کرے تو اخیر جواب یہ ہے کہ مولانا نہ مجتہد تھے نہ اپنے سابق علماً سے فائق تھے۔ اگر ہم مولانا کا ادب تو ملحوظ رکھیں اور ان کے ارشاد کو حجت نہ سمجھیں تو ہمارے کسی التزام خلاف نہیں۔ غایت ما فی الباب اُن کے اس ارشاد سے یہ مسائل بھی مختلف فیہ ہو جاویں گے جس میں نہ قائل پر ملامت نہ قائل کا اتباع واجب واللہ اعلم ولقبت ھذہ العجالۃ باعلاء الجنۃ للمتوقی عن الشبھۃ فی اعلاء البدعۃ والسنۃ۔ کتبت لسابع رمضان ۵۲ھ۔

رسالۃ التعرف فی تحقیق التصرف

از افاضات قطب عالم مجدد الملۃ حکیم الامت حضرت مولانا اشرف علی صاحب ادام اللہ برکاتہم

مع ترجمہ اردو از احقر الخدام محمد شفیع دیوبندی عفا اللہ عنہ ومتعہ لفیوضہ برکاتہ

بسم اللہ الرحمن الرحیم + بعد الحمد والصلوٰۃ

بسم اللہ الرحمن الرحیم۔ نحمدہ ونصلی علی رسولہ الکریم۔ اما بعد توجہ باطنی کے ذریعہ دوسرے شخص پر کوئی اثر ڈالنا جس کو اصطلاح صوفیہ میں تصرف اور توجہ وغیرہ کہتے ہیں اُس کی اصلی حقیقت نہ معلوم ہونیکی وجہ سے عوام بلکہ بہت سے خواص بھی اکثر غلط فہمی میں مبتلا ہو جاتے ہیں۔ کوئی اسی کو معیار ولایت و بزرگی سمجھ بیٹھتا ہے کوئی سرے سے اسکا انکار کر دیتا ہے۔ اسلئے مجدد الملۃ حکیم الامۃ سیدی وسندی حضرت مولانا اشرف علی صاحب دامت برکاتہم نے اس مسئلہ کے تمام پہلوؤں کو قرآن وحدیث کی تصریحات وارشادات سے ایک مستقل رسالہ میں واضح فرمایا ہے اُس کے مستحسن یا غیر مستحسن ہونے اور نفع وضرر کی حدود کو قواعد فقہیہ سے متعین فرمایا ہے یہ رسالہ چونکہ عربی زبان میں ہے اسلئے مناسب معلوم ہوا کہ اصل رسالہ کو بعینہا قائم رکھکر اُس کا اردو ترجمہ بھی ساتھ ہی شائع کر دیا جائے تاکہ عوام وخواص سب منتفع ہو سکیں۔ ترجمہ میں بغرض افادہ عوام لفظی ترجمہ کو چھوڑ کر خلاصہ مطلب کو اختیار کیا گیا اللہ تعالیٰ اُس کو بھی اصل رسالہ کی طرح نافع ومفید بنائے۔ آمین۔

فقد قال اللہ تبارک و تعالیٰ فی عیسیٰ علیہ السلام "وایدناہ بروح القدس" الآیۃ۔

اعلم ان ھذا التائید یحتمل وجوھا اقربھا عندی ما اختارہ صاحب تبصیر الرحمٰن المشہور بالتفسیر الرحمانی حیث قال بتغلیب ملکیۃ علی بشریۃ اھ۔

وحاصلہ التائید الباطنی وجہ الاقربیۃ موافقۃ الحدیث من قولہ علیہ السلام لحسان رضی اللہ عنہ اللھم ایدہ بروح القدس رواہ مسلم وغیرہ وظاھر ان ھذہ التائید لیس الا الباطنی فقط وکون ھذہ الموافقۃ من اسباب الترجیح ظاھر فان الوحی یفسر بعضہ بعضا وحقیقۃ ھذا التائید افاضۃ کیفیات خاصۃ محمودۃ والقاؤھا فی النفس ثم آثار خاصۃ تتعدد حسب اختلاف المقاصد ویسمّٰی ھذا التائید فی عرف اھل التصرف تصرفا وتوجھا وھمۃ وجمع الخواطر فالآیۃ اذن اصل لھذا العمل واصرح منہ فی الباب

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم۔ بعد الحمد والصلوٰۃ۔ حق تعالیٰ نے حضرت عیسےٰ علیہ السلام کے بارہ میں فرمایا ہے ایدناہ بروح القدس یعنی ہم نے جبرئیل کے ذریعہ اُن کی تائید کی۔ یہ تائید جسکا ذکر قرآن مجید میں ہے مختلف صورتوں سے ہوسکتی ہے جنمیں سے میرے نزدیک اس جگہ زیادہ اقرب وہ صورت ہے جسکو تفسیر رحمانی میں اختیار کیا گیا ہے کہ جبرئیل علیہ السلام حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے ملکی آثار کو ان کے بشری خواص پر غالب کر دیتے تھے اور وہ ان ملکی اثرات سے کام لیتے تھے اور یہ ظاہر ہے کہ یہ وہی تائید باطنی ہے جس کو تصرف کہا جاتا ہے۔ اور اس احتمال (تائید باطنی) کے اقرب ہونیکی وجہ یہ ہے کہ اس احتمال کی تائید ایک حدیث بھی ہوتی ہے وہ یہ کہ آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت حسانؓ کی متعلق ارشاد فرمایا ہے کہ یا اللہ روح القدس (جبرئیلؑ) کے ذریعہ ان کی تائید کر۔ یہ روایت مسلم شریف میں مذکور ہے ظاہر ہے کہ اس جگہ تائید سے تائید باطنی ہی مراد ہوسکتی ہے (جس سے بمقابلہ کفار اشعار بلیغہ کہنے کی طاقت پیدا ہو) اور چونکہ ایک وحی سے دوسری وحی کی تفسیر ہوتی ہے اس لئے تائید مذکور کی وہی تفسیر راجح معلوم ہوتی ہے جو اس حدیث میں مراد ہے حقیقت تصرف۔ اور حقیقت اس تائید کی یہ ہے کہ خاص کیفیات محمودہ کا دوسرے شخص پر افاضہ کیا جاوے جس سے اُس میں آثار خاصہ پیدا ہوجاویں اور یہ آثار اغراض ومقاصد کے اختلاف کی بنا پر مختلف انواع واقسام کے ہوتے ہیں اور اس تائید کو اہل تصوف کی اصطلاح میں تصرف اور توجہ اور ہمت اور جمع خاطر کہتے ہیں۔ ثبوت تصرف بآیات حدیث۔ پس یہ آیات اس عمل کیلئے اصل ہوا اور اس سے زیادہ صریح اس باب

قولہ تعالیٰ فی الانفال اذ یوحی ربک الی الملائکۃ انی معکم فثبتوا الذین اٰمنوا علی ما فسرہ الزجاج بقولہ کان باشیاء یلقونہا فی قلوبہم تصح بہا عزائمہم ویتاکد جدہم وللملک قوۃ القاء الخیر فی القلب و یقال لہ الہام کمان للشیطان قوۃ القاء الشر ویقال لہ الوسوسۃ اھ (کذا فی روح المعانی)۔

واصرح من الاٰیتین فی الدلالۃ ما فی الصحیح من اخبارہ علیہ السلام فی حدیث الوحی عن فعل جبرئیل علیہ السلام بعق فاخذنی فغطنی الثانیۃ وفیہ فغطنی الثالثۃ الحدیث فالظاہر وھو کالمتعین ان ھذا الغط کان لتقویۃ القلب لتحمل الوحی. کما قال العارف المحدث عبد اللّٰہ ابن ابی جمرۃ المتوفی ۶۹۹ من الہجرۃ فی بہجۃ النفوس (وھو من الجلالۃ فی شان یحتج بہ الحافظ فی فتح الباری) تحت حدیث بدء الوحی

میں سورہ انفال کی یہ آیت ہے اذ یوحی ربك الی الملئکۃ انی معکم فثبتوا الذین اٰمنوا (یعنی جب وحی بھیجتا تھا آپ کا پروردگار ملائکہ پر کہ میں تمہارے ساتھ ہوں تم ثابت قدم رکھو ایمان والوں کو) زجاج نے اس آیت کی تفسیر میں کہا ہے کہ یہ تثبیت وتائید فرشتوں کی طرف سے اسطرح ہے کہ وہ کچھ کیفیات مؤمنین کے قلوب میں القا کرتے جس سے ان کے عزائم صحیح اور ہمتیں قوی ہوجاتی تھیں۔ اور فرشتہ کو حق تعالیٰ نے یہ قدرت دی ہے کہ وہ قلب میں خیر کا القا کرسکتا ہے جسکو الہام کہا جاتا ہے جس طرح شیطان کو القاء شر کی قوت حاصل ہے جسکو وسوسہ کہا جاتا ہے (کذا فی روح المعانی) اور ان دونوں آیتوں سے زیادہ صریح باعتبار دلالت کے وہ ہے جو صحیح بخاری میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے حدیث وحی میں جبرئیل علیہ السلام کے فعل کے متعلق وارد ہوا ہے کہ مجھے جبرئیل علیہ السلام نے آغوش میں لیلیا اور مجھے دبایا اور پھر دوسری مرتبہ اسی طرح دبایا پھر تیسری مرتبہ اسیطرح کیا۔ (یعنی ابتداء وحی میں جب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم پر تنزیل وحی کا سلسلہ جاری کرنا تجویز کیا گیا تو جبرئیل علیہ السلام نے افعال مذکورہ کئے) اس میں ظاہر بلکہ متعین یہ ہے کہ یہ دبانا تقویت قلب کے لئے تھا تاکہ وحی کی برداشت ہوسکے جیسا کہ عارف محدث عبد اللہ ابن ابی جمرہ (جو ساتویں صدی ہجری کے اکابر محدثین میں سے ہیں اور حافظ الدنیا ابن حجرؒ انکے اقوال سے فتح الباری میں استدلال کرتے ہیں) اپنی کتاب "بہجۃ النفوس" میں صحیح بخاری کی حدیث بدء الوحی کے تحت میں فرماتے ہیں کہ تیسواں فائدہ اس حدیث سے یہ واضح ہوا کہ دبانے والے کے جسم کا دوسرے شخص کیساتھ اتصال (جو القاء کیفیت کے طرق میں سے ایک طریقہ ہے) اس کے ذریعہ اُس شخص میں ایک کیفیت نوریہ پیدا ہوجاتی ہے جس سے یہ شخص اُس کیفیت کا متحمل ہوسکتا ہے جو اُس پر القاء کیجاوے۔ کیونکہ جبرئیل علیہ السلام کا جسم جب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے جسم شریف کیساتھ متصل ہوا تو اُس کے ذریعہ سے آپ میں وحی کے تحمل کی وہ

من صحیح البخاری مانصہ لوجہ النلاثون فیہ دلیل علی ان اتصال جرم الغلط بالمغلوط ضمہ الیہ (وھو احدی طرق الافاضہ) تحدث بہ فی الباطن قوۃ نوریۃ منتعشہ تکون عونا علی حمل ما یلقی الیہ لان جبریل علیہ السلام لما اتصل جرمہ بذات محمد لسنیہ حدث لہ بذلک ما ذکرناہ وھو حمل ما القی الیہ وقوتہ سمع خطاب الملک ولم یکن لہ قبل ذلک وقد وجد ذلک اھل المیراث من اھل الصوفیۃ المتبعین المحققین ان ما قد دل الکتاب والسنۃ علی مشروعیۃ ھذا العمل اذا کان لغرض مشروع وان کانت الدلالۃ ظنیۃ لاحتمال الآیۃ والحدیث وجوھا اخر ولا یضر فان المسئلۃ ظنیۃ یکفی فیہا الظن بل ولو لم یکن علیہ دلیل لما اضر لان الفعل ثابت اباحتہ بالقواعد فلا یحتاج الی نقل خاص یستعمل کثیر من المشائخ لا سیما النقشبندیہ منہم لمقاصد

قوت پیدا ہوگئی جو پہلے نہ تھی اور یہ طریقہ آپ کے سچے وارث صوفیہ کو حاصل ہوا۔
ثابت ہوا کہ قرآن وحدیث اس عمل کی مشروعیت وجواز پر دلالت کرتے ہیں اگرچہ دلالت ظنی ہے کیونکہ آیات وحدیث مذکورہ میں دوسرے احتمالات بھی ہو سکتے ہیں مگر دلالت کا ظنی ہونا مقصد کیلئے مضر نہیں کیونکہ مسئلہ ظنی ہے اس میں ظن غالب کافی ہے بلکہ مسئلہ تو ایسا ہے کہ اگر کوئی خاص دلیل منقول بھی نہ ہوتی جب بھی مضر نہ تھا کیونکہ اس فعل کی مشروعیت قواعد سے معلوم ہے اسلئے کسی نقل خاص کی حاجت نہیں اور بہت سے بزرگان دین بالخصوص مشائخ نقشبندیہ اس کا استعمال مقاصد محمودہ کیلئے کرتے ہیں جو دین میں مطلوب ہیں اور اُن کی کتابوں میں اسکی تفصیل مذکور ہے۔ مثلاً عزم توبہ اور نفس پر خوف وخشیہ یا شوق ورغبت فی الطاعۃ کا رنگ غالب ہو جانا وغیرہ۔

قوتِ تصرف پیدا ہونیکا طریقہ اور یہ قوت تصرف ان مشائخ میں اکثر مجاہدات وریاضات نفسانیہ سے پیدا ہوتی ہے جیسے کشتی لڑنیکی قوت ریاضتِ جسمانی (ورزش وغیرہ) سے پیدا ہوتی ہے اور بعض اوقات کسی کسی شخص میں فطرۃً بھی ہوتی ہے مگر یہ صورت بہت قلیل ہے۔

استعمال تصرف کا حکم شرعی۔ اس عمل کا حکم فقہی یہ ہے کہ فی نفسہٖ مباح وجائز ہے پھر غرض ومقصود کے تابع ہے یعنی اگر اس کا استعمال کسی غرض محمود کیلئے کیا جائے جیسے تصرفات مذکورہ جو مشائخ صوفیہ کے معمول ہیں تو یہ فعل بھی تبعاً للغرض محمود سمجھا جاوے گا اور اگر کسی مقصد مذموم کیلئے اس کا استعمال کیا تو یہ فعل بھی مذموم ہو جاوے گا پھر مذمت وکراہت میں جو درجہ اس کی غرض اور مقصد کا ہوگا اُسی کے مطابق اُس فعل کی مذمت وکراہت میں کمی بیشی ہوگی۔ جیسے کشتی لڑنا کہ اپنی ذات میں مباح ہے اور حکم میں اپنی غرض کے تابع ہے۔

محمودۃ مطلوبۃ من کونہ فرزہم کالعزم علی التوبۃ وکانصباغ النفس بالخشیۃ او الشوق والرغبۃ فی الطاعۃ وامثالہا وہذہ القوۃ فی ہؤلاء المشائخ اہل الخاصۃ علی مثل ہذا الالقاء اکثر ما یکون بالریاضۃ والمزاولۃ النفسانیۃ کقوۃ المصارعۃ البدنیۃ یکون بالریاضۃ الجسمانیۃ وقد یکون فطریا فی بعض النفوس وقلیل ماہو۔ **وحکمہ الفقہی** مع اباحتہ فی نفسہ انہ تابع للغرض منہ فان کان غرضا محمودا کالتصرفات المذکورۃ المعتادۃ للمشائخ کان محمودا وان کان مذموما کان مذموما علی خلاف درجاتہ للذم کالمصارعۃ البدنیۃ فانہا مباحۃ فی ذاتہا تابع فی حکمہا لغرضہا فالتصرفان متحدان نوعا باعتبار الذات متغائران صنفا باعتبار المتعلقات وعلی کل حال فہو لیس بکمال دینی ولا من علامات القبول فی شیء وکان ہذا کل کلامنا فی اصل المسئلۃ وبقی بعض التنبیہات المہمۃ علی بعض ما یتعلق بہا۔

التنبیہات۔ (التنبیہ الاول) ان ہذا التصرف الذی یستعملہ المشائخ ہل ہو سنۃ ام لا۔ فالذی اری کنت کتبتہ قبل ہذا فی السقص الثانی من رسالتی لطائف الطرائف اری نقلہ بلفظہ کافیا وہذا المقام ہو۔ **فائدۃ تتعلق بالتصوف فی مسئلۃ التصرف** صح عنہ صلی اللہ علیہ وسلم فی بعض الحوادث ضربہ صلی اللہ علیہ وسلم

غرض یہ کہ دونوں قسم کے تصرف باعتبار ذات اتحاد نوعی رکھتے ہیں اور باعتبار متعلقات کے ان میں صنفی تفاوت ہے۔ اور ہر حال میں یہ تصرف کوئی کمال دینی نہیں ہے اور نہ اللہ تعالیٰ کے نزدیک مقبول ومقرب ہونے کی علامت ہے بلکہ ہر مشق کرنیوالا یہ قوت اپنے اندر پیدا کر سکتا ہے اگرچہ فاسق کافر ہی کیوں نہ ہو جیسے بہت سے جوگیوں کے تصرف مشہور ہیں۔ یہاں تک تمام کلام اصل مسئلہ کے متعلق تھا اب چند ضروری تنبیہات یہاں بیان کیجاتی ہیں جن سے مسئلہ کا تعلق ہے۔

تنبیہات۔ (تنبیہ اول) اس بارہ میں کہ یہ تصرف جس کو مشائخ استعمال کرتے ہیں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی سنت ہے یا نہیں سو اس بارہ میں جو کچھ مجھے ثابت ہوا وہ میں نے رسالہ الطرائف والظرائف کے حصہ دوم میں لکھدیا ہے اُسی کا بعینہ اس جگہ نقل کر دینا کافی معلوم ہوتا ہے اور وہ یہ ہے۔

فائدہ۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے نقل صحیح کیساتھ یہ منقول ہے کہ آپ نے بعض لوگوں کے سینہ پر ہاتھ مارا جس سے اُن کا وسوسہ جاتا رہا اور بعض بیماریوں کے بدن پر دست مبارک پھیرا جس سے اُن کا مرض جاتا رہا اس سے بعض لوگوں کو یہ وہم ہو گیا کہ آپ نے تصرف کا استعمال فرمایا اور کچھ زیادہ بعید نہیں کہ اس قسم کی روایات سے کوئی شخص استعمالِ تصرف کے سنت ہونے پر بھی استدلال کرنے لگے۔ لیکن جب غور سے دیکھا جاوے تو یہ استدلال

فی مدرس بعض ومسحہ صلی اللہ علیہ وسلم بیدہ الشریفۃ علی بدن بعضہم وذہاب لوسوسۃ الاول وذہاب المرض فی الثانی فادہو ظاہر ہذہ الاحادیث استعمال التصرف ولا یعدل الاستدلال بامثالہا علی کون مثل ہذا التصرف سنۃ لکن اذا دقق النظر لا یتم ہذا الاستدلال لان کون تصرفاً یتوقف علی ان جمع ہمتہ خاطرہ لحدوث الاثار ولم یثبت بل یحتمل انہ فعل ما فعل بعد ما اکتفی علیہ بالوحی نفع ینفعہم ہذہ الاعمال من دون ان یجمع ہمتہ خاطرہ ولیس ہذا من التصرف المتعارف فی شیء ومن ثم ذکر العلماء ہذہ الواقعات فی باب المعجزات التی تغایر التصرفات۔ واوضح القرائن علی عدم صدور التصرفات عنہ صلی اللہ علیہ وسلم انہ لم یتصرف قط فی قلب ابی طالب مع شدۃ حرصہ صلی اللہ علیہ وسلم علی ایمانہ واقتصر علی الدعاء لہ ودعوتہ الی الاسلام واللہ اعلم۔ ولو سلم صدورہا عنہ صلی اللہ علیہ وسلم احیاناً لم یثبت بہ سنیتہا الموقوفۃ علی الاعتیاد کما لایقال بسنیۃ المصارعۃ بوقوعہا مع رکانۃ واللہ اعلم۔ بل لو ثبت الاعتیاد لم یحکم بکونہا سنۃ مقصودۃ فی الدین لان السنۃ العادیۃ لایلزم کونہا عبادۃ۔ انتہت انفاس ۱۲۔

التنبیہ الثانی ہل ہو من علامات الولایۃ او من لوازم المشیخۃ فالجواب لا کاستعمال

لازم نہیں ہے۔ کیونکہ اس عمل کا تصرف ہونا اسکا محتاج ہے کہ نقل صحیح سے یہ ثابت ہو کہ آپنے اپنی باطنی قوت کو ان آثار کے پیدا کرنیکے لئے جمع فرمایا ہو اور یہ بات ثابت نہیں ہو بلکہ یہ احتمال بھی ہے کہ آپنے یہ افعال اس بنا پر کئے ہوں کہ آپ کو بذریعہ وحی ان افعال کا اُن لوگوں کے حق میں بدون جمع خواطر و استعمال تصرف نافع و مفید ہونا معلوم ہو گیا ہو اور اس احتمال کی بناء پر یہ افعال اصطلاحی تصرف میں ہرگز داخل نہیں ہو سکتے۔ یہی وجہ ہے کہ تمام علماء امت نے اُن واقعات کو معجزات میں شمار کیا ہے جو کہ تصرف سے بالکل جُدا ہیں۔ اور سب سے زیادہ واضح قرینہ اس بات پر کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے کبھی تصرف صادر نہیں ہوا یہ ہے کہ آپنے ابوطالب کے قلب میں تصرف نہیں فرمایا باوجودیکہ آپ اُن کے ایمان لانیکے بہت زیادہ متمنی اور خواہشمند تھے بلکہ اُن کیلئے صرف دعا اور دعوت دینے پر کفایت فرمائی۔ اور اگر کسی وقت آپکے تصرف کا صدور تسلیم بھی کر لیا جاوے جب بھی اُس سے اس فعل کا سنت اصطلاحی ہونا ثابت نہیں ہوتا کیونکہ اصطلاحی سنت ہونا اسپر موقوف ہے کہ یہ فعل معمول بھی ہو یہی وجہ ہے کہ کشتی لڑنیکو سنت نہیں کہتے حالانکہ ایکمرتبہ آپنے رکانہ رضی اللہ عنہ کیساتھ کشتی بھی کی ہے بلکہ اگر عادت ہونا بھی ثابت ہو جائے جب بھی سنت مقصودہ ہونیکا حکم نہیں کیا جا سکتا کیونکہ سنت عادیہ کیلئے یہ لازم نہیں کہ وہ عبادت بھی ہو۔

(تنبیہ دوم) کیا تصرف ولایت اور بزرگی اور مقبولیت عند اللہ کی علامت ہے تو جواب یہ ہے کہ ہرگز نہیں

سائر القوى الجارحة الفاعلة ومر من قبل۔

(التنبيه الثالث) هل في التصرف المعمول للمشائخ شيء من الضرر العارض دينيا او دنيويا مع اباحته في ذاته فالجواب نعم اما الدنيوي فاضمحلال قوى العامل الدماغية والقلبية وخوف الامراض الناشئة من هذا الضعف وهو كثير مشاهد. واما الديني فتوهم العوام الولاية في المفيض وهو ضرر اعتقادي وترك المستفيد اهتمام الاعمال والقناعة على هذا العمل وهو ضرر عملي ولاجل هذه المضار العارضة تركه المحققون من القوم ولم تكن هذه المضار في السلف لقوة ابدانهم وسلامة فطرتهم وصفاء اذهانهم فلا يقاس الخلف على السلف هذا ولينظر في الباب السابع من كتاب دلائل القرآن على مسائل النعمان للفاضل الصالح المولوي محمد شفيع الديوبندي بارك الله تعالى في عمره وعلمه وعمله تجد فيه بعض الفوائد المتعلقة بالباب والله اعلم بالحق والصواب كتبه اشرف علي التهانوي عفي عنه في العشر الاواخر من رمضان سنة ١٣٥٢ھ

جیسے دوسرے قوی بدنیہ اور ہاتھ پیر وغیرہ کے استعمال کا حال ہے وہی اس کا ہے جیسا کہ پہلے گزر گیا۔

(تنبیہ سوم) کیا استعمال تصرف میں کوئی دینی یا دنیوی مضرت بھی ہے تو جواب یہ ہے کہ ہاں بعض مضرتیں بھی ہیں دنیوی مضرت تو یہ ہے کہ اسکی کثرت کرنے سے عامل کے قوی دماغیہ اور قلبیہ ضعیف و مضمحل ہو جاتے ہیں اور اُسکی وجہ سے بہت سے امراض پیدا ہونیکا خطرہ ہے جیسا کہ بکثرت مشاہدہ و تجربہ ہوا ہے۔ اور مضرت دینی یہ ہے کہ عوام اس کو ولایت و بزرگی کی علامت سمجھتے ہیں اور یہ ایک اعتقادی ضرر ہے اور مرید کا یہ ضرر ہے کہ وہ اکثر اسی پر قناعت کر بیٹھتے ہیں اور اصلاح کا اہتمام چھوڑ دیتے ہیں اور یہ عملی ضرر ہے اور انہیں مضرتوں کی وجہ سے محققین طریق نے اس کا استعمال چھوڑ دیا ہے اور سلف صالحین کے زمانہ میں یہ مضرتیں بوجہ مضبوطی قوی اور سلامت فطرت اور خوش فہمی کے موجود نہ تھیں لیکن خلف کو سلف پر قیاس نہیں کیا جا سکتا۔ خوب سمجھ لو۔ اور مزید فائدہ کیلئے رسالہ دلائل القرآن علی مسائل النعمان کے ساتویں باب کا مطالعہ کیا جاوے جسکو فاضل صالح مولوی محمد شفیع صاحب دیوبندی نے تالیف کیا ہے اللہ تعالیٰ اُن کی عمر اور علم و عمل میں برکت عطا فرماوے تو اس مسئلہ کے متعلق بعض فوائد اس میں بھی ملیں گے۔

(حضرت مصنف دامت برکاتہم نے حسن ظن سے الفاظ مذکورہ احقر کے متعلق تحریر فرمائے ہیں اس ناکارہ کو چونکہ اپنی حالت معلوم ہے اس لئے ترجمہ میں یہ الفاظ چھوڑ دینے کو دل چاہتا تھا مگر یہ سمجھکر کہ بزرگوں کے الفاظ میں بھی برکت ہوتی ہے اُن کو بعینہا قائم رکھا۔

واللہ المستعان وعلیہ التکلان۔ کتبہ الاحقر محمد شفیع عفا اللہ عنہ۔ ۲ شوال سنہ ۱۳۵۲ھ۔

رسالہ تقدیس القرآن المنیر عن تدنیس التصاویر

السوال - حامی السنۃ حکیم الامۃ حضرت مولانا۔ بعد سلام مسنون الاسلام عرض ہے کہ ایک صاحب کا ترجمہ قرآن حکیم جلد دوم شائع ہو چکا ہے اسکے صفحہ ۔۔۔ پر پورے صفحہ کی تصویر ذوالقرنین کی سورۃ الکہف کی تفسیر کے سلسلہ میں دی گئی ہے۔ قرآن حکیم کیساتھ ایسی تصویر کی اشاعت سے میرا دل جل گیا ہے سورہ یوسف کا ترجمہ دیکھ رہا تھا اور اس میں صاحب مذکور نے ان کیدکن عظیم کی تفسیر میں یہ ثابت کرنیکی کوشش کی ہے کہ اس آیت کا مفہوم یہ نہیں کہ مکر عورتوں کیلئے خاص ہے بلکہ مکر فریب دغا سب مردوں کا کام ہے ابھی اس مقام کا مطالعہ کر رہا تھا کہ اتفاق سے تصویر پر نظر پڑی قرآن حکیم میں تصویر کی اشاعت سے غضب و غصہ کی لہر بدن کے رونگٹے رونگٹے میں دوڑ گئی اور وہ ترجمہ جس دوست کا تھا بغیر پڑھے اُسکے پاس بھیجدیا۔ غالباً حضور کے پاس یہ واقعہ سب پہونچ گیا ہوگا اس کے متعلق کیا علاج کیا جاوے۔

الجواب - وھو الموفق للصواب۔ اول چند مقدمات معروض ہیں ۔ مقدمہ اولیٰ تصویر ذی حیات کی بنانا علی الاطلاق حرام و معصیت شدیدہ ہے خواہ ذوظل یعنی مجسمہ ہو خواہ غیر ذی ظل یعنی منقوشہ ہو لاطلاق احادیث الوعید وخصوص النکیر علی الرقم غیر ذی الظل وھو ما فی صحیح البخاری باب ما وطئ من التصاویر۔ عن عائشۃ رضی اللہ عنہا قالت قدم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم من سفر وقد سترت بقرام لی علی سھوۃ لی فیہ تماثیل فلما راٰہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ھتکہ وقال اشد الناس عذابا یوم القیمۃ یضاھون بخلق اللہ قالت فجعلناہ وسادۃ او وسادتین دلالا جماع قال النووی بعد نقل حرمۃ صنع تصاویر الحیوانات مانصہ ولا فرق فی ھذا کلہ بین ما لہ ظل وما لا ظل لہ ھذا تلخیص مذھبنا فی المسئلۃ وبمعناہ قال جماھیر العلماء من الصحابۃ والتابعین ومن بعدھم وھو مذھب الثوری ومالک وابی حنیفۃ وغیرھم وقال بعض السلف انما ینھی عما کان لہ ظل ولا باس بالصور التی لیس لھا ظل وھذا مذھب باطل فان الستر الذی انکر النبی صلی اللہ علیہ وسلم الصورۃ فیہ لا یشک احد انہ مذموم ولیس لصورتہ ظل مع باقی الاحادیث المطلقۃ فی کل صورۃ۔ رہا استثناء الارقما فی ثوب کا سو چونکہ یہ استثناء دوسرے نصوص صحیحہ صریحہ قویہ و اجماع سے معارض ہے اور تاریخ معلوم نہیں اس لئے یا منسوخ ہے بنا بر قاعدہ اذا تعارض المحرم والمبیح ترجح المحرم۔ اور یا ماؤل یا مقید ہے اور وہ تاویل یہ ہے جس کو صاحب فتح نے ابن ابی لیلی سے نقل کیا ہے۔ بقولہ الثالث ان کانت الصورۃ باقیۃ الشکل حرم وان قطعت الراس وتفرقت الاجزاء

جائز قال وھذا ھو الاصح - اور نیز صاحب فتح نے اس تاویل کی تائید میں فرمایا ہے ویؤید ھذا الجمع الحدیث الذی فی الباب قبلہ فی نقض الصور (ای فی صحیح البخاری عن عائشۃ رضی اللہ عنہا ان النبی صلی اللہ علیہ وسلم لم یکن یترک فی بیتہ شیئا فیہ تصالیب (وفی نسخۃ تصاویر) الا نقضہ اھ) اور تقیید یہ ہے جسکو صاحب فتح نے ابن العربی سے نقل کیا ہے بقولہ الرابع: ان کان مما یمتھن جاز وان کانت معلقا لم یجز اھ کلہ من الحواشی علی صحیح البخاری باب التصاویر الی باب من کرہ القعود علی الصور ولفظ حدیث الباب الاخیر قال ما ھذہ النمرقۃ قلت لتجلس علیھا وتوسدھا قال ان اصحاب ھذہ الصور یعذبون یوم القیمۃ الخ اور قرینہ تعلیق کا یہ ہے کہ عادۃً ثوب ممتہن ہوتا ہے چنانچہ جو ثوب ممتہن نہ تھا جیسا حدیث اول میں ہے قد سترت بقرام الخ اُس میں آپ نے جائز نہیں رکھا اور اور فرضاً اگر استثناء رقم کے تعارض و مخالفت اجماع و تاویل و تقیید مذکور سے غض بصر کر لیا جاوے اور اس مذہب کو بھی محتمل الصحۃ مان لیا جائے تب بھی کلیات شرعیہ سے ایک دوسری قید سے اس کی تقیید ضروری ہے وہ یہ کہ اس سے کوئی محذور لازم نہ آئے اور یہاں محذور مشاہد ہے چنانچہ اس توسع کا عوام پر یہ اثر ہوا کہ تصویر سے مطلقاً نفرت نہیں رہی مجسمہ تک کو جائز سمجھنے لگے۔ شہوت انگیز اور فحش تصویریں التذاذ کے لئے رکھنے لگے سو ایسی حالت میں تو مباحات متفق علیہا بھی حرام ہو جاتے ہیں چنانچہ ایسے ہی عارض سے اجنبیہ کی چادر پر نظر کرنے کو فقہاء نے حرام فرمایا اور تعجب نہیں کہ اوپر باب اخیر کی حدیث میں جو حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے جلوس و توسد کو بھی ناپسند فرمایا اس کا بھی محمل ہو اس حمل سے مجوزین ممتہن پر بھی اشکال نہیں رہا۔ بہر حال کاغذ وغیرہ پر متعارف منقوش تصویر یقیناً حرام ہیں خواہ لعینہا خواہ لغیرہا اور ظاہر ہے کہ قرآن مجید میں جو تصویر بنائی یا رکھی جاوے گی بوجہ مجاورت قرآن مجید کے وہ کسی طرح بھی ممتہن و مبتذل نہیں ہو سکتی تو اُس میں اس قول پر بھی گنجائش نہیں نکل سکتی خصوصاً جبکہ وہ کسی معظم کی ہو تو وہاں تو خود اُسکی ذاتی عظمت سے بھی اور مجاورت قرآن سے بھی بجائے ابتذال کے اُس کی تعظیم کیجاوے گی جو صریح مزاحمت و مصادمت ہے حکم شرعی کی کہ جس کی اہانت کا حکم تھا اُسکی تعظیم کیجاتی ہے اور کسی معظم کے نامزد ہو جانے سے اُس میں عظمت نہیں آجاتی۔ بیت اللہ میں حضرت ابراہیم علیہ السلام و حضرت اسمٰعیل علیہ السلام کی تصاویر تھیں مگر آپ نے جو انکی ساتھ معاملہ کیا حدیثوں میں مذکور اور مشہور ہے گوسالہ سامری پر الٰہ کا نام لگا دیا گیا تھا۔ کما فی قولہ تعالیٰ فقالوا ھذا الٰھکم واله موسیٰ فنسی الآیۃ مگر حضرت موسیٰ علیہ السلام نے اُسکی ساتھ تو وہ عمل جو معاملہ فرمایا وہ قرآن مجید میں مذکور ہے وانظر الی الٰھک الذی ظلت علیہ عاکفا لنحرقنہ ثم لننسفنہ فی الیم نسفا الآیۃ۔

(مقدمہ ثانیہ) اہل جاہلیت نے جیسے خانہ کعبہ کے حول میں بت کھڑے کئے تھے اسی طرح جوف کعبہ کے اندر تصاویر

منقوش بھی بنائی تھیں۔ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے دونوں قسم تصاویر کیساتھ یکساں معاملہ فرمایا یعنی نہایت اہتمام کیساتھ ان کا ازالہ فرمایا کما فی زاد المعاد فصل فی الفتح الاعظم (فتح مکۃ) ثم نھض رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فاقبل الی الحجر الاسود وفی یدہ قوس وحول البیت ثلثمائۃ وستون صنما فجعل یطعنھا بالقوس تساقط علی وجوھھا ودعا عثمان ابن طلحۃ فاخذ منہ مفتاح الکعبۃ فامر بھا ففتحت فدخلھا فرای فیھا الصور ورای فیھا صورۃ ابراہیم واسمٰعیل ورای فی الکعبۃ حمامۃ من عیدان فکسرھا بیدہ وامر بالصور فمحیت اھ مختصرا وفی سیرۃ ابن ھشام ذکر الاسباب الموجبۃ للمسیر الی مکۃ وذکر فتح مکۃ وحدثنی بعض اھل العلم ان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم دخل البیت یوم الفتح فرای فیہ صور الملئکۃ وغیرھم الی قولہ ثم امر بتلک الصور کلھا فطمست اھ مختصرا ان روایات سے جس طرح مقصود پر استدلال کرونگا جسکی تقریر عنقریب آتی ہے اسیطرح اسپر بھی استدلال صحیح ہے کہ غیر ذی ظل تصویر بھی حرام ہے کیونکہ جوف کعبہ کی اکثر تصاویر ایسی ہی تھیں کما یدل علیہ لفظ الصور ولفظ المحو والطمس۔ نیز مجموعی دلائل حرمت تصویر غیر ظل مذکورہ مقدمتین سے اس کا جواب بھی نکل آیا جو بعضی لوگ کہا کرتے ہیں کہ انتظامی مصلحت سے آپنے ایسا کیا کہ یہ مفضی الی الشرک نہ ہو جائے جیسا سابق میں ہوا ورنہ فی نفسہ اسکی اجازت ہے اور اب اسکا احتمال نہیں بوجہ ترقی علم کے جواب ظاہر ہے کہ ترقی علم سے زیادہ مانع حکومت تھی تو حکومت ختم ہوتے ہوئے اگر تصاویر جوف کعبہ کی باقی بھی رہتیں تو ہرگز افضاء الی الشرک محتمل نہ تھا۔ دوسرے مفسدہ افضاء الی الشرک میں تو منحصر نہیں اگر خاص یہ مفسدہ محتمل نہ رہا تو دوسرے مفاسد بھی حرمت کیلئے کافی ہیں جن میں بعض مقدمہ اولیٰ میں مذکور ہوئے ہیں فی قولی اور فرضا اگر استتار رقم الخ۔

(مقدمہ ثالثہ) قرآن مجید کا درجہ عظمت واحترام میں خانہ کعبہ سے بدرجہا بڑھا ہوا ہے۔ دلیلہ قول ابن عمرؓ مرفوعا وقد نظر یوما الی الکعبۃ فقال ما اعظمک وما اعظم حرمتک والمؤمن اعظم حرمۃ عند اللہ منک۔

(تکشف حدیث صد وسی وسوم عن الترمذی) ومثلہ لایقال بالرأی فھو مرفوع حکما ولم ینقل فیہ اختلاف من احد واختلفوا فی التفاضل بین النبی صلی اللہ علیہ وسلم وبین القرآن کما فی الدر المختار وعنہ علیہ الصلٰوۃ والسلام القرآن احب الی اللہ تعالیٰ من السموات والارض ومن فیھن فی رد المحتار وظاھرہ یعم النبی صلی اللہ علیہ وسلم والاحوط الوقف (قبیل باب المیاہ) وسرد فی المقاصد الحسنۃ حرف الھمزۃ تحت حدیث آیۃ من کتاب اللہ خیر الخ روایات ظاھرھا توجیہ ھذا الظاھر۔ ان مقدمات ثلثہ کے بعد مدعا ظاہر ہے کہ جب تصویر ذی جان کا اتخاذ واقتناء اگرچہ غیر ذی ظل ہو حرام اور معصیت شدیدہ ہے کما فی المقدمۃ الاولیٰ اور آپنے خانہ کعبہ سے

اندر ایسی تصویر کا رکھنا گوارا نہیں فرمایا کما فی المقدمۃ الثانیۃ تو قرآن مجید کے اندر جو کہ خانہ کعبہ سے افضل ہے کما فی المقدمۃ الثالثۃ کیسے گوارا ہو سکتا ہے بلکہ سخت حرام اور معصیت شنیعہ قبیحہ ہوگا خصوص ایسی حالت میں کہ ائمہ دین نے تجرید قرآن میں بہت اہتمام فرمایا ہے چنانچہ بعض روایات اتقان سے نقل کیجاتی ہیں۔ قد اخرج ابو عبید وغیرہ عن ابن مسعود ومجاهد انهما كرها التعشير واخرج ابن ابی داؤد عن النخعی انه كان يكره العواشر والفواتح وتصغير المصحف وان يكتب فيه سورة كذا وكذا واخرج عنه انه اتى بمصحف مكتوب فيه سورة كذا وكذا اية فقال امح هذا فان ابن مسعود كان يكره واخرج عن ابی العالية انه كان يكره الجمل فی المصحف وفاتحة سورة كذا وخاتمة سورة كذا وقال الحلیمی تكره كتابة الاعشار والاخماس واسماء السور وعدد الايات فيه لقوله جردوا القرآن وقال البيهقی ولا يخلط به ما ليس فيه كعدد الايات والسجدات والعشرات والوقوف واختلاف القراءات ومعانی الايات۔ فصل فی آداب كتابته۔ گو بعض ضرورت صیانت قرآن عن الغلط والتحلط کے سبب ایسی چیزوں کی اجازت دیدی گئی جن کو اس صیانت میں دخل تھا چنانچہ اتقان فصل مذکور ہی میں ہے قد اخرج ابن ابی داؤد عن الحسن وابن سيرين انهما قالا لا باس بنقط المصاحف واخرج عن ربيعة ابن ابی عبد الرحمن انه قال لا باس بشكله وقال النووی نقط المصحف وشكله مستحب لانه صيانة عن اللحن والتحريف اھ جب ائمہ دین نے ایسی چیزوں سے تجرید قرآن کو ضروری فرمایا ہے جو فی نفسہ مباح تھیں تو اسباب آلات معصیت کو قرآن کا جزو بنانا یا اسکا اُن سے متلبس کرنا کب جائز ہوگا یہ تلبس تو بوجہ تصاویر کے قاذورات معنویہ ہونیکے مشابہ القاء مصحف فی القاذورات یا القاء قاذورات علی المصحف کے ہے جسکو فقہاء نے بعنوان اول کفر کہا ہے اتنا تفاوت ہوگا کہ قاذورات اگر حسی ہیں تو کفر حسی اور جلی ہوگا اور اگر قاذورات معنوی ہیں تو کفر خفی یعنی مشابہ کفر جلی کے ہوگا۔ جیسے حدیث میں اسی بناء پر ریاء کو شرک خفی فرمایا گیا ہے اور ظاہر ہے کہ حرکات وغیرہ پر تصاویر کا قیاس بالکل باطل ہے کیونکہ اُن چیزوں کا تو صیانت قرآن میں دخل ہے جو مقاصد قرآن سے ہے تصاویر کا اُس میں کیا دخل جو کہ مقاصد قرآن کے صریح خلاف ہے فاین هذا من ذالك جب اس فعل کا منکر اور مضر فی الدین ہونا ثابت ہوگیا اور منکر سب مسلمانوں پر بقدر قدرت فرض ہے اسلئے سب مسلمانوں کو اسکے روکنے میں سعی کرنا چاہئے اور کچھ نہیں تو اتنی قدرت تو بلا کسی خطر و ضرر کے سب کو حاصل ہے کہ ایسا قرآن نہ خریدیں نہ پاس رکھیں واللہ الموفق۔ بمناسبت مضمون کے ان سطور کا ایک لقب بھی تجویز کرتا ہوں۔ تقدیس القرآن المنیر عن تدنیس التصاویر۔

۲ ربیع الثانی ۱۳۵۵ھ

(نوٹ الف) آپ نے علاج پوچھا ہے ہم جیسوں کے کرنیکا جو کام تھا وہ پیش کر دیا آگے دوسرے حضرات کا کام ہے کہ اس نکیر کی اشاعت کریں علماء سے فتاوی حاصل کرکے اس نکیر کو موکد بنائیں۔ اشرف علی ۔ ۲ ربیع الثانی ۱۳۵۵ھ

(نوٹ ب) تقریباً ایک عشرہ کے بعد مستفتی صاحب کا ایک اور خط آیا جس سے معلوم ہوا کہ اس تصویر کا ماخذ ایک مجسمہ ہے جو مصر کے آثار قدیمہ میں دستیاب ہوا اور خط کیساتھ اس کا فوٹو بلاک بھی آیا چونکہ اس سے احتمال تھا کہ شدید کیسکو نادر تفی کیوجہ سے حکم بدلجانیکا شبہ ہو جائے اس لئے متنبہ کر دیا گیا کہ اس کا بھی وہی حکم ہے جو رسالہ ہذا میں مذکور ہے۔

(نوٹ ج) پھر تقریباً ایک ہفتہ کے بعد مستفتی صاحب کا ایک تیسرا خط آیا جس میں لکھا تھا کہ کل مولانا (مولف ترجمہ مذکورہ) نے لکھا ہے کہ انھوں نے میری چٹھی سے متاثر ہو کر کتاب کے شائع کنندہ کو لکھدیا ہے کہ کل تصاویر کو قرآن مجید کے ترجمہ سے نکالدیا جائے اھ میں نے اس خط کا یہ جواب لکھا ہے کہ ماشاء اللہ تعالیٰ یہ آپ کے خلوص کا اثر اور انکے سلامت قلب کی دلیل ہے۔ دونوں کیلئے اللہ تعالیٰ سے دعائے مزید کرتا ہوں۔ فقط

اکرم بہ من جواب و اعظم بہ من حق و صواب احقر ظفر احمد تھانوی بقلم خود۔ خانقاہ امدادیہ تھانہ بھون ۔ ۴ ربیع الثانی ۵۵ھ	للہ در المجیب مدظلہ لقد اجاب بما ہو عین الحق والصواب وکشف الحجاب عن وجہ الصور فی کل باب محمد مصطفیٰ بجنوری مقیم میرٹھ محلہ کرم علی
ہذا ہو الحق وما ذا بعد الحق الا الضلال احقر عبد الکریم گمتھلی عفی عنہ خانقاہ امدادیہ تھانہ بھون ۴ ربیع الثانی ۵۵ھ	ہذا ہو التقریر فی مسئلۃ التصویر سراج احمد امروہی مدرس خانقاہ امدادیہ تھانہ بھون ۔ ۴ ربیع الثانی ۱۳۵۵ھ

یہ ناپاک سلسلہ جو قرآن پاک میں تصاویر کا شروع کیا ہے اس کے مٹانے کے لئے ہر مسلمان پر واجب ہے کہ ہر ممکن کوشش کو کام میں لاویں۔ عبد المجید بچھرایونی۔

رسالہ سد الغلط والمفاسد فی حکم اللغط عند المساجد

سوال۔ یہاں کے ایسوسی ایشن کے چند مقتدر لیڈروں کی طرف سے ایک استفسار خدمت عالیہ میں روانہ ہے امید ہے کہ جناب رائے گرامی سے مطلع فرما کر ممنون فرماویں۔

جناب پر روشن ہے کہ آئے دن مسلمانوں اور ہندوؤں کے درمیان مساجد کیسامنے باجہ بجانے کیمتعلق کشت و خون ہوتے رہتے ہیں۔ چنانچہ بمبئی کے خونی ہنگامہ سے یہاں کے ایسوسی ایشن کے چند لیڈر بہت متاثر

ہوئے اور اب وہ چاہتے ہیں کہ ہندوستان کے معزز علماء عوام کو سمجھا دیں کہ ان باتوں پر لڑنا خواہ مخواہ کو جانی ومالی نقصانات کا شکار ہونا ہے۔

الجواب۔ اس میں تو کچھ شک ہی نہیں کہ گانا بجانا مطلقاً اور مسجد کے قریب خصوصاً فی نفسہ امر منکر ہے واجب الانسداد ہے جزو اول کی دلیل نصوص عامہ ہیں۔ اور جزو ثانی کی دلیل یہ آیت ہے وما کان صلاتھم عند البیت الا مکاء وتصدیۃ الخ (انفال) فی روح المعانی مکاء ای صفیرا وتصدیۃ ای تصفیقا وھو ضرب الید بالید بحیث یسمع لہ صوت۔ یروی انھم کانوا اذا اراد النبی صلی اللہ علیہ وسلم ان یصلی یخلطون علیہ بالصفیر والتصفیق الی قولہ والماثور عن ابن عباس وجمع من السلف ماذکرناہ الخ ملخصاً۔ اور ظاہر ہے کہ سیٹی بجانا اور تالی بجانا ڈھول وغیرہ بجانے اور مجمع کے مل کر گانے سے بدرجہا اہون اور ادون ہے۔ جب اخف واہون پر نکیر کیا گیا تو اثقل واشد پر تو بدرجہ اولیٰ نکیر ہوگا۔ اگرچہ اس میں بجز لہو ولعب کے اور کوئی غرض ونیۃ فاسد معارض مقاصد اسلامیہ کے بھی نہ ہو لاطلاق النصوص وللزوم التخلیط والتشویش علی المصلین فی فعلہا عند المساجد لو لعلت لہو مطلقاً اور بعلت تخلیط وتلبیس خصوصاً مسلمانوں کو بھی اس سے روکا جائیگا گو اس میں کوئی اور غرض فاسد بھی نہ ہو اور اگر کوئی غرض فاسد بھی منافی مقاصد اسلام کے ہو جیسے مشرکین مکہ کی نیت تھی یعنی اہانت واستخفاف اسلام واغاظت اہل اسلام اور جیسے اب بھی بعض مقامات پر قرائن قویہ سے کفار کی ایسی ہی اغراض معلوم ہوتی ہیں تو اس حالت میں اس فعل کی شناعت اور بڑھ جائیگی حتی کہ ایسے امور سے جن کا اثر اس قسم کا ہو ذمیوں کو بھی باوجود اس کے کہ ان کیساتھ قانون اسلامی میں بہت رواداری برتی جاتی ہے روکا جاتا ہو اگرچہ وہ اثر اسکی نیت میں بھی نہ ہو منع کیلئے لزوم کافی ہے التزام شرط نہیں چنانچہ اہل ذمہ کے احکام میں سے یہ بھی ہے الا حق ان لا یترکوا ان یرکبوا الا للضرورۃ واذا رکبوا للضرورۃ فلینزلوا فی مجامع المسلمین وفی نسخۃ فی مجامع المسلمین (ہدایہ فصل فیما ینبغی الذی) اور یہ فعل مبعوث عنہ تو اعزاز وتنویہ کفر واستخفاف واخماد اسلام میں اس سے بھی اشد ہے تو اس سے کیوں نہ روکا جائیگا لیکن یہ سب وجوب منع وغیرہ اس وقت ہے جب منع پر قدرت ہو خواہ بلا واسطہ جیسے اسلامی حکومت کی حالت ہوتی ہے خواہ بواسطہ جیسے اسلامی حکومت نہ ہونیکی حالت میں حاکم وقت سے استعانت کی صورت میں ہوتی ہے۔ اور قدرت سے مراد قدرت حسیہ نہیں۔ بلکہ قدرت شرعیہ ہے یعنی جس کا شریعت نے احکام میں اعتبار کیا ہے اور وہ قدرت وہ ہے کہ اسکے استعمال کے بعد کوئی ضرر ایسا لاحق نہ ہو جو نہ قابل تحمل ہو نہ وجوباً یا استحباباً ماموربہ ہو دلیل اس کی یہ حدیث ہے۔ من رای منکم منکرا فلیغیرہ بیدہ

فان لم یستطع فبلسانہ فان لم یستطع فبقلبہ الحدیث ظاہر ہے اگر قدرت حسیہ مراد ہوتی تو دیسے اکثر حالات میں اور لسان سے جمیع حالات میں استطاعت حاصل ہے پھر فان لم یستطع کے کیا معنے۔ اس سے واضح ہو گیا کہ عدم استطاعت کے معنی یہ ہیں کہ اسکے استعمال سے کوئی ایسا ضرر لاحق ہو جائے جو نہ قابل تحمل ہو اور نہ وجوبا یا استحبابا مامور بہ ہو کما ذکر۔ اسی قدرت کی دو قسمیں ہیں جو مذکور ہوئیں ایک بلا واسطہ ایک بواسطہ اور اگر دونوں قسموں میں سے ایک قسم کی بھی قدرت نہ ہو تو وجوب تو یقینا ساقط ہے باقی جواز سو فقہاء نے اباحۃ جہاد میں یہ شرط بھی لگائی ہے ان یرجو الشوکۃ والقوۃ باجتہادہ او باجتہاد من یعتقد فی اجتہادہ ورأیہ وان کان لا یرجو القوۃ والشوکۃ للمسلمین فی القتال فانہ لا یحل لہ القتال لما فیہ من القاء نفسہ فی التہلکۃ اھ (الباب الاول من کتاب السیر من العالمگیریہ۔ اسی طرح دوسری روایت ہے قال محمد لا باس ان یحمل الرجل وحدہ علی المشرکین وان کان غالب رأیہ انہ یقتل اذا کان فی غالب رأیہ انہ ینکی فیہم نکایۃ بقتل او جرح او ھزیمۃ وان کان غالب رأیہ انہ لا ینکی فیہم اصلا لا بقتل ولا بجرح ولا ھزیمۃ ویقتل ھو فانہ لا یباح لہ ان یحمل وحدہ اھ (الباب السابع عشر کتاب الکراھیۃ من العالمگیریۃ) اور یہ ظاہر ہے کہ اس وقت ایسے منکرات کے روکنے کی قدرت مسلمانوں کو بلا واسطہ تو حاصل نہیں پس اگر حاکم سے مدد حاصل ہو جاوے ایسا کریں ورنہ صبر کریں باقی جن کو یہ تفصیل معلوم نہ ہو اور وہ مقابلہ و مقاتلہ میں ہلاک ہو جائیں تو وہ معذور اور گناہ سے بری ہیں کما فی کتاب الاکراہ السلطان اذا اخذ رجلا وقال لاقتلنک او لتشربن ھذا الخمر او تاکل ھذہ المیتۃ او لتاکل لحم ھذا الخنزیر کان فی سعۃ من تناولہ بل یفترض علیہ التناول اذا کان فی غالب رأیہ انہ لو لم یتناول یقتل فان لم یتناول حتی قتل کان آثما فی ظاہر الروایۃ عن اصحابنا وذکر شیخ الاسلام انہ آثما خوذ فیہ الا ان یکون جاھلا بالاباحۃ حالۃ الضرورۃ فلم یتناول حتی قتل یرجی ان یکون فی سعۃ من ذلک فاما اذا کان عالما بالاباحۃ کان ماخوذا کذا قال محمد رحمہ (الباب الثانی من کتاب الاکراہ من العالمگیریۃ) ۲۴ شعبان ۱۳۳۵ھ

رسالۃ التسوید لسطح فی تصفیۃ بعض الشطح

السوال۔ کتاب اقتباس الانوار تصنیف شیخ محمد اکرم صاحب رحمہ اللہ چشتی کی دیکھی جس کے صفحہ ۱۰۹ پر شیخ محمد صادق گنگوہی کے تذکرہ میں یہ عبارت دیکھی کہ از شیخ فرید گنج شکر منقول است کہ فرمودہ اگر اللہ تعالیٰ مرا در روز قیامت جمال باکمال خود بصورت پیر من خواہد نمود خواہم دید والا نہ چشم بداں سونخواہم کشود یعنی

حضرت سلطان المشائخ فرمودہ کہ اگر فردا روز بازپرس جمال حق در نظرم بصورت پیر من جلوہ خواہد نمود خواہم دید والا نہ رفیے ازانجا خواہم گردانید مخفی نماند کہ ازینجا معلوم میشود کہ رؤیت حق تعالیٰ در روز قیامت مر مریدان صادق را بصورت پیر ایشاں خواہد بود بلکہ الحال ہم مریدان صادق را جمال حضرت رسالت پناہ و حضرت حق تعالیٰ در آئینہ صورت پیر جلوہ گرست و نیز ازیں بیان معلوم شد کہ کسانیکہ نسبت و بندگی شیخ کامل و مکمل پیدا نکردہ یا بعد پیدا کردن این نسبت بہ اعتقاد شیخ خود ثابت نماندہ اند ہر دو جہاں از رؤیت محروم اند (من کان فی ہذہ اعمی) درشان این چنیں مردم نازل گشتہ" اس عبارت کا کیا حاصل ہے۔ سوال تجلی کی بابت ہے، کہ کیا باری تعالیٰ کی زیارت بموجب عبارت مذکورہ ہر ایک ایک کو اپنے مرشد کی صورت میں ہوگی۔ کیا باری تعالیٰ کی صورت انسانی نظر آئیگی۔ دوسرے جبکہ مرشد فقط وسیلہ باری تعالیٰ تک پہنچانیکا ہے اور مقصود طالب کا زیارت باری تعالیٰ ہے اور محبت بھی اصل میں باری تعالیٰ کی ہے اور پیر جبکہ باری تعالیٰ تک پہنچانیوالا ہے اس وجہ سے اسکی محبت اور اطاعت بھی مقصود ہے مگر اصل مقصود باری تعالیٰ ہے یہ بات سمجھ میں نہیں آتی کہ کیا وجہ ہے کہ اُن بزرگوں نے باری تعالیٰ کی زیارت بھی پیر کی صورت میں طلب کی ہے اور بغیر اسکے دیکھنے کو ناپسند کیا ہے بلکہ نظر ہی نہ کرنیکو لکھا ہے اور آخر عبارت میں یہ لکھا ہے کہ زیارت باری تعالیٰ ہوگی بھی پیر کی شکل میں اس سے شبہ ہوا کہ جب مقصود باری تعالیٰ ہے تو زیارت بھی باری تعالیٰ کی ایسی ہو جس سے باری تعالیٰ ہی سمجھ یا نظر میں آئے اگر مرشد کی صورت میں زیارت باری تعالیٰ کی ہوئی تو فقط مرشد ہی نظر آئیگا۔

الجواب۔ اول چند مقدمات ممہد کرتا ہوں **اوّل** شیخ اکبرؒ کا قول ہے (جو مجھ کو خوب یاد ہے مگر اس وقت حوالہ کا مقام مجھکو نہیں ملا) کہ جب انسان پیدا کیا گیا ہے اللہ تعالیٰ کی رؤیت جس کو ہوئی ہے انسان ہی کی صورت میں ہوئی ہے اور اصل دلیل تو اس قول کی کشف ہے لیکن ایک درجہ میں نصوص سے بھی اس کی تائید بدرجہ استیناس ہوسکتی ہے۔ حدیث میں ہے رأیت ربی فی احسن صورۃ اور قرآن میں ہے قولہ تعالیٰ صورکم فاحسن صورکم وقولہ تعالیٰ لقد خلقنا الانسان فی احسن تقویم دونوں ملانیسے وہ دعویٰ قریب بصحت ہو جاتا ہے۔ **ثانی**۔ انسان عام ہے خواہ معین معروف ہو جیسے کسی خاص شناسا کی صورت خواہ غیر معین و غیر معروف ہو جیسے ناآشنا کی صورت مگر صاحب صورت مؤمن ہو۔ **ثالث** معروف میں جو صورت سب سے احسن ہوگی وہ احق ہوگی کہ اُس میں رؤیت ہو **رابع**۔ مرید کی نظر میں سب سے احسن اپنے شیخ کی صورت ہوگی جس کی وجہ محبت ہے اگرچہ حسن ظاہری کے اعتبار

سے وہ اکمل نہ ہو چنانچہ مشاہدہ ہے اور عشاق کی شہادت بھی ہے کما قال قائلھم ؎

آں دل کہ رم نمودے باخوبرو جواناں ۔۔۔ دیرینہ سال پیرے بردش بیک نگاہے

اور چونکہ مرید کو فیض باطنی اُسی صورت کے واسطہ سے ہوا ہے اس لئے احسنیت اسکی نظر میں دوبالا ہو جاتی ہے اسیے بانضمام مقدمات سابقہ اقرب اغلب و اصل یہ ہے کہ اسکو شیخ کی صورت میں رؤیت ہوا کرے ۔ الا العارض حکمہ یقتضی ضدہ ۔ خامس ۔ اگر غیر صورت شیخ میں رویت ہو اور مرید اُسسے اعراض کرے تو اس اعراض کی بنا یہ نہیں کہ وہ اسکے اعتقاد میں رویت حق ہے اور یہ محض اس بنا پر کہ غیر صورت شیخ میں ہے پھر اُس سے اعراض کرتا ہے بلکہ بنا یہ ہے کہ وہ اسکے اعتقاد میں رویت حق ہی نہیں چنانچہ اقتباس کی یہ عبارت اس پر دال ہے" ازینجا معلوم میشود کہ رویت حق تعالیٰ سبحانہ درروز قیامت مر مریدان صادق بصورت پیر ایشان خواہد بود بلکہ بحال ہم مریدان صادق را جمال حضرت رسالت پناہ وحضرت حق تعالیٰ در آئینہ صورت پیر جلوہ گرست اھ جب ان حضرات کی تحقیق یہ ہے کہ جب کبھی رؤیت حق ہوگی شیخ ہی کی صورت میں ہوگی تو ظاہر ہے کہ جب غیر صورت میں ہوگی تو وہ رؤیت حق نہ ہوگی پھر اس سے اعراض محل اعتراض و اشکال کیا ہو سکتا ہے اسکی نظیر ایک طویل حدیث میں وارد ہے اُس کا ضروری اقتباس نقل کیا جاتا ہے ۔ روی مسلم عن ابی سعید الخدری مرفوعا حتی اذا لم یبق الا من کان یعبد اللہ تعالیٰ من برو فاجر اتاھم رب العلمین فی ادنی صورۃ من التی راوہ فیھا ای عرفوہ بھا وفی لفظ ابی ھریرۃ وتبقی ھذہ الامۃ فیھا منافقوھم فیاتیھم اللہ تعالیٰ فی صورۃ غیر صورۃ التی یعرفون الحدیث ای قبل ذلک فی الدنیا ویکون ھذا تجلیا مثالیا کما ھو ظاھر من لفظ الصورۃ قال فماذا تنظرون تتبع کل امۃ ما کانت تعبد قالوا یا ربنا فارقنا الناس افقر ما کنا الیھم ولم نصاحبھم فیقول انا ربکم فیقولون نعوذ باللہ منک لا نشرک باللہ شیئا مرتین او ثلثا وفیہ فیقول ھل بینکم وبینہ آیۃ فتعرفونہ فیقولون نعم فیکشف عن ساق فلا یبقی من کان یسجد اللہ من تلقاء نفسہ الا اذن لہ بالسجود وفیہ ثم یرفعون رؤسھم وقد تحول فی صورۃ التی راوہ فیھا اول مرۃ فقال انا ربکم فیقولون انت ربنا ۔ اس میں تصریح ہے کہ مومنین نے ایک تجلی کے وقت اسلئے انکار کیا کہ وہ اُن کی صورت ذہنیہ حاصلہ فی الدنیا کیخلاف تھی اور اس پر نکیر نہیں کیا گیا بلکہ اُن کو معذور قرار دیکر دوسری بار صورۃ معروفہ حاصل فی الذہن میں تجلی فرمائی گئی ۔ اور یہ تجلی مثالی جنت کی نہیں وہاں تو رؤیت ذات کی ہوگی جسکی کنہ معلوم نہیں بلکہ یہ تجلی میدان قیامت کی ہے اور یہی محمل ہو سکتا ہے ان بزرگوں کے اقوال مذکورہ فی السوال کا چنانچہ حضرت گنج شکر کے قول میں تصریح ہے کہ اگر خدا تعالیٰ مراد در روز قیامت

جمال باکمال خود بصورت پیرمن خواہد نمود۔ خواہم دیدوالا نہ چشم بداں سو نخواہم کشود۔ اور اسی طرح حضرت سلطان المشائخ کے قول میں ہے اگر فردا روز باز پرس جمال حق درنظرم بصورت پیرمن جلوہ خواہد نمود خواہم دیدوالا نہ رخے ازانجانب خواہم گردانید۔ اور جن بزرگوں کے کلام میں یہ قید نہیں ہے وہ مطلق اسی مقید پر محمول ہوگا جیسے حضرت شیخ محمد صادق گے اس قول میں بلکہ رویت حق تعالیٰ ہم اگر بصورت حضرت پیر دستگیر خواہد شد خواہم دید والا نہ آں را نیز نخواہم۔ پس ان مقدمات کے بعد جواب ظاہر ہے حاجت تقریر نہیں البتہ بعض مقدمات غیر یقینیہ میں اس لئے حکم جازم کا اعتقاد جائز نہیں بلکہ بالکل اس حکم کا انکار بھی جائز بلکہ دلائل سے نفی وانکار راجح ہے لیکن قائلین پر بھی طعن وتشنیع جائز نہیں بلکہ اُن کو مقدمات مذکورہ کی بنا پر معذور سمجھا جائیگا اور اس تقریر سے اس کا بھی جواب ہوگیا کہ ان اقوال سے شیخ کی مقصودیت کا ایہام ہوتا ہے حالانکہ مقصود ذات حق ہے۔ جواب کی تقریر ظاہر ہے کہ وہ اس رویت متکلم فیہا کو خود حق تعالیٰ کی رویت ہی نہیں کہتے کہ اُس سے اعراض مستلزم مقصودیت ذات شیخ ہو بلکہ حق کی رویت اُسی کو کہتے ہیں جو صورت شیخ میں ہو اور اس صورت کے غیر میں جو رویت ہو اُس کو رویت ہی نہیں کہتے تو مقصودیت شیخ کا شبہ کیسے ہوسکتا ہے اس کی نظیر وہ ہے جو عارفین محققین نے جن میں غالباً شیخ اکبرؒ بھی ہیں فرمایا ہے کہ جو علوم بلا واسطہ حق سے فائض ہوں وہ مقصود نہیں اور جو بواسطہ رسل کے عطا ہوں وہ مقصود ہیں تو اس سے رسل کا مقصود ہونا لازم نہیں آتا بلکہ جو علوم بلا واسطہ ہوں اُن کا من الحق ہی ہونا مشتبہ ہے اس لئے اُن کو مقصود نہیں سمجھا گیا اور جن بزرگوں کے کلام میں علم بواسطہ کو مقصود بتایا گیا ہے جیسے عارف رومی فرماتے ہیں۔ ؎

علم کاں نبود ز حق بے واسطہ　　　　در نپاید ہمچو رنگ ماشطہ

یہاں واسطہ سے مراد وحی رسل نہیں بلکہ دلائل فلسفیہ جو کہ سفسطہ ہوں مراد ہیں اب بحمد اللہ تعالیٰ مقام صاف ہوگیا۔ یہ تو توجیہ کی تقریر تھی لیکن اگر کسی کے دل کو یہ توجیہات نہ لگیں اُس کیلئے اسلم یہ ہے کہ اُن بزرگوں کے غلبۂ حال پر ان اقوال کو محمول کرے جس کو اصطلاح تصوف میں شطح کہتے ہیں اور معذور سمجھے نہ اُن کا اتباع کرے نہ اُن کیساتھ گستاخی کرے جیسا کہ مولانا اسمٰعیل شہیدؒ نے صراط مستقیم میں باب اول رکہ مثل باب چہارم کے حضرت شہیدؒ کا ترتیب دیا ہوا ہے جیسا کہ دیباچہ میں تصریح ہے) فصل اول کی دوسری ہدایت حب عشقی کے آثار کے تیسرے افادہ میں یہ قول نقل فرما کر اپنی کوئی رائے شدید ظاہر نہیں فرمائی جس سے صاف معلوم ہوتا ہے کہ وہ ان لوگوں کو معذور سمجھتے ہیں۔ اور میں نے اس تحریر کے لقب میں اسی جانب کی زیادہ رعایت کی ہے کہ تسویۃ السطح فی تصفیۃ بعض الشطح

لقب تجویز کیا ہے۔ واللہ اعلم باسرارہ واسرار عبادہ۔ ۲۸ شعبان ۱۳۵۱ھ

رسالہ صائب الکلام فی حکم مناصب الحرام

السوال۔ ایک مسئلہ بہت زور سے دریافت کرنا چاہتا تھا اب تک زبانی بھی موقع نہ ملا۔ وہ یہ ہے عدالتی عہدے خواہ تنخواہ دار ہوں مثلاً سب ججی، منصفی، ڈپٹی کلکٹری، تحصیلداری، خواہ بلا تنخواہ مثلاً آنریری مجسٹریٹی غیر مسلم حکومت کے تحت میں قبول کرنے جہاں فیصلے لامحالہ غیر اسلامی قانون کے مطابق کرنا پڑیں گے کہاں تک جائز ہے۔ بظاہر تو صورت عدم جواز ہی کی معلوم ہوتی ہے لیکن اگر یہ عہدے سرے سے نہ قبول کئے جائیں تو امت اسلامیہ ہی کے دوسرے مصالح فوت ہوتے ہیں جناب کی کسی تحریر میں کوئی قول اس باب میں نہیں دیکھا ورنہ الگ دریافت کرنیکی ضرورت نہ پڑتی۔

الجواب۔ میں نے اس کے متعلق لکھا تو ہے مگر اس وقت مقام مجھ کو بھی یاد نہیں اسلئے اس وقت جو ذہن میں حاضر ہے مختصراً عرض کرتا ہوں اور وہ یہ ہے کہ بعض افعال ایسے ہیں کہ شرعی کلی قانون سے حرام ہیں لیکن ضرورت میں شرعاً ہی اس کی اجازت دیدی جاتی ہے خواہ نصاً خواہ اجتہاداً جیسے اکل میتہ تناول خمر مخمصہ میں یا اکراہ میں یا اساغۃ لقمہ خاصہ کے لئے ایسے ہی افعال میں باقتضاء قواعد یہ مناصب مسئول عنہا بھی داخل کئے جاسکتے ہیں اگرچہ کوئی نقل جزئی اس وقت میری نظر میں نہیں مگر کلیات ونظائر سے تمسک ممکن ہے چنانچہ اسکی نظیر فقہاء نے ذکر کی ہے۔ دفع النائبۃ والظلم عن نفسہ اولی الی قولہ وبوجر من قام بتوزیعہم بالعدل وان کان الاخذ باطلا وقولہ ویوجر من قام بتوزیعھا بالعدل ای المعادلۃ کما فی الفنیۃ ای بان یحمل کل واحد بقدر طاقتہ لانہ لوترک توزیعھا الی الظالم ربما یحمل بعضھم ما لا یطیق فیصیر ظلما علی ظلم ففی قیامہ العارف بتوزیعھا بالعدل تقلیل للظلم فلذا یوجر وھذا الیوم کالکبریت الاحمر بل ھو نادر ام رد مختار ورد المحتار قبیل باب المصرف من کتاب الزکوٰۃ۔ نظیر ہونا ظاہر ہے کہ مقصود کا فی نفسہ غیر مشروع ہونا اور اہل کے ہاتھ میں ہونے سے اشد المفسدتین کا اخف المفسدتین سے متبدل ہوجانا دونوں میں مشترک ہے۔ البتہ کلام ضرورت میں ہے اور یہی اہم ہے سو اسکی تحقیق یہ ہے کہ ضرورت کی عرفی دو قسمیں ہیں ایک تحصیل منفعت خواہ دینی ہو یا دنیوی خواہ اپنی ہو یا غیر کی دوسری دفع مضرت اسی تعمیم کیساتھ۔ سو تحصیل منفعت کیلئے تو ایسے افعال کی اجازت نہیں مثلاً محض تحصیل قوت ولذت کیلئے دوائی حرام کا استعمال یا اجتماع لاستماع الوعظ کیلئے آلات لہو وغنا کا استعمال ومثل ذلک اور دفع مضرت

کیلئے اجازت ہے جبکہ وہ مضرت قواعد صحیحہ منصوصہ یا اجتہادیہ سے معتد بہا ہو اور شرعی ضرورت یہی ہے۔
مثلاً دفع مرض کیلئے دوائے حرام کا استعمال جبکہ دوسری دوا کا نافع نہ ہونا تجربہ سے ثابت ہوگیا ہو کیونکہ بدون
اسکے ضرورت ہی کا تحقق نہیں ہوتا اور مثلاً مسئلہ منقولہ مذکورہ میں بضرورت دفع ظلم اشد کے توزیع کی کہ وہ
بھی ظلم اخف ہے اجازت دیگئی۔ پس یہی تفصیل واقعہ مسئول عنہا میں سمجھنا چاہیے کہ یہ مناصب فی نفسہ شرعاً
حرام ہیں جس کی وجہ خود سوال میں بھی مذکور ہے اور اگر عمل کی ساتھ خاص یہ فساد عقیدہ بھی ہو کہ حکم قانونی کو
بمقابلہ حکم شرعی کے مستحسن و راجح سمجھا جاوے تو کفر ہے جسکو میں نے بیان القرآن سورہ مائدہ آیت ومن لم یحکم بما
انزل اللہ فاولئک ھم الکافرون ہ کی تفسیر میں بیان بھی کیا ہے مگر اس وقت کلام صرف اس درجہ میں ہے جو محض
معصیت اور حرام ہے۔ پس فی نفسہ حرام ہونیکے بعد ان کو اگر جلب منفعت مالیہ یا جاہیہ کی غرض سے اختیار کیا
جاوے تو کسی حال میں جائز نہیں اور اگر دفع مضرت کی غرض سے اختیار کیا جاوے کہ امت مسلمہ پر کفار کی طرف سے
جو مظالم اور مضرات پہنچتے ہیں اہل مناصب بقدر امکان ان کو اگر دفع نہ کرسکیں تو کم از کم تقلیل و تخفیف کرسکیں
تو اس صورت میں حکم جواز کی گنجائش ہے۔ واللہ اعلم۔

نوٹ میں نے یہ مسئلہ کسی نقل جزئی سے نہیں لکھا استدلال سے لکھا ہے جس پر مجھکو اعتماد نہیں اسلئے مناسب بلکہ
واجب ہے کہ دوسرے علماء محققین سے بھی اطمینان کرلیا جاوے اور پھر بھی عمل کرتے وقت حضرت امام مالکؒ کا ارشاد
نفعل ونستغفر کو معمول رکھیں۔ ۳ ر رمضان ۵۳ھ۔

رسالہ المقالۃ المتالکۃ فی تصور الحلیلۃ الھالکۃ

السوال۔ گذشتہ شب بیدار ہونے پر احتلام کی حالت نظر آئی۔ گھڑی دیکھی تو رات نصف کے قریب باقی تھی
اسلئے سستی سے پھر لیٹ گیا۔ غنودگی آمیز بیداری میں زوجہ متوفاۃ کا استحضار ہوا جس میں قصد و اختیار شامل
تھا اسکی شکل کے استحضار سے استلذاذ کی نوبت آتی رہی۔ غسل کیلئے جب اٹھا تو معاً خیال آیا کہ موت کیوجہ سے
نکاح فسخ ہوچکا اب وہ اس دنیا کے اعتبار سے اجنبیہ ہوچکی۔ لہذا اسکا استحضار اجنبیہ کا استحضار اور اس سے

عـــه قلت ولعلہ یستانس فیہ بعمل یوسف علیہ السلام تحت امرۃ فرعون وھو کافر وقانونہ الرائج کان خلاف دین اللہ
تعالی یستفاد من قولہ تعالی ما کان لیاخذ اخاہ فی دین الملک الایۃ ومع ذلک اختیار یوسف علیہ السلام خدمۃ
لہ ولو لا ان الاول ان یکون ذلک جائزاً فی شریعتہ ثم نسخ فی شریعتنا بقولہ تعالی ومن لم یحکم بما انزل اللہ الآیۃ والثانی
ان یوسف علیہ السلام اختارہ لدفع المضرۃ عن الخلق لیقسم علیہم الرزق بالعدل وھو ھذا محمل الصدق بالقلب واللہ اعلم۔ محمد شفیع عفی عنہ

استلذاد اجنبیہ سے استلذاذ ہوا جو معصیت کبیرہ ہے۔ طبیعت سخت پریشان ہوئی غسل کے بعد توبہ و استغفار کیا تھوڑے عرصہ بعد پھر خیال آیا کہ اسکی شکل مستحضرہ تو حالت حیات کی تھی جو زمانہ حلت کا تھا لہٰذا اس استحضار و استلذاذ میں کیا معصیت ہوئی۔ اسکے بعد سے طبیعت میں تشویش و تردد ہے۔ اسی طرح اس سے قبل کئی مرتبہ ایسی نوبت آچکی ہے کہ کبھی کسی مناسبت سے اس متوفاۃ کا ذکر آگیا تو اسکے اعضاء مرئیہ کا مطالعہ نفس میں شروع ہو گیا جسمیں اختیار و قصد کی آمیزش ضرور ہوتی رہی ہے مگر کبھی تنبہ نہیں ہوا۔ اب ناگاہ تنبہ ہوا تو فکر ہوا اسلئے مؤدبانہ عرض ہے کہ صحیح بات پر متنبہ فرمایا جائے۔ نیز جو امر قابل تدارک ہے اس کا تدارک بھی ارشاد فرمایا جاوے۔

الجواب۔ حالت نکاح کی حیثیت سے قبل نکاح یا بعد زوال نکاح عورت کے تصور سے تلذذ کی کئی صورتیں ہیں بعض کا حکم ظاہر ہے بعض کا قابل نظر ہے۔ ایک صورت یہ ہے کہ ایک عورت سے نکاح نہیں ہوا مگر یہ فرض کرے کہ اگر اس سے نکاح ہو جاوے تو اس طرح سے تمتع حاصل کروں خواہ اس سے نکاح کا ارادہ ہو یا ارادہ بھی نہ ہو اس کا حکم یہ ہے کہ یہ تلذذ حرام ہے اسلئے کہ اس تلذذ کا محل کبھی حلال نہیں ہوا جس میں تمتع بالحلال کا شبہ ہو سکے اور فرض سے حلت نہیں ہوتی بعض لوگوں کو ایسا دھوکا ہو گیا جو مجھ سے بیان کیا گیا اور میرے جواب سے بفضلہ تعالیٰ رفع ہو گیا جواب کا حاصل یہ تھا کہ بتصریح حدیث تمنی و اشتہاء بالقلب زنا ہے گو درجات میں کچھ تفاوت ہو مگر نفس معصیت میں اشتراک ہے اور اگر کوئی یہ فرض کرے کہ اگر اس عورت سے نکاح ہو جائے تو اس طرح اس سے ہمبستر ہوں تو ہمبستری کر لے تو کیا یہ فعل حلال ہوگا اسی طرح وہ بھی حلال نہیں۔ دوسری صورت یہ ہے کہ ایک عورت سے نکاح ہو چکا تھا مگر طلاق وغیرہ کے سبب اس کا نکاح زائل ہو گیا اور وہ زندہ ہے خواہ کسی سے نکاح کر لیا یا نکاح نہ کیا ہو اور اس کے تصور سے تلذذ حاصل کیا کہ جب یہ میرے نکاح میں تھی اس سے اس طرح تمتع کیا کرتا تھا یہ تلذذ بھی حرام ہے گو پہلی صورت سے اس میں یہ فرق ہے کہ یہ محل کسی وقت حلال بھی رہ چکا ہے اور اس لئے یہ تصور محض فرض ہی نہیں بلکہ اس کا وقوع بھی ہو چکا ہے لیکن اول تو کسی دلیل سے اس فرق کا حکم میں کوئی دخل نہیں۔ دوسرے یہاں ایک دوسری علت بھی ہے یعنی خوف فتنہ کہ یہ تصور مفضی ہو سکتا ہے اسکی تحصیل میں سعی کیطرف اور پھر غلبہ نفس کے وقت تحصیل میں حلال و حرام کی قید نہیں رہتی۔ تیسری صورت یہ ہے کہ یہی دوسری صورت والی عورت کسی سے نکاح کر کے مر گئی خواہ اسکے نکاح میں مری خواہ اسکے طلاق یا وفات کے بعد مری اس کے تصور مذکور سے بھی تلذذ حرام ہے کیونکہ دوسرے سے نکاح کرنیکی وجہ سے وہ اس سے بالکل ایسے ہی بے علاقہ ہو گئی جیسے اس تصور کرنیوالے کے ساتھ نکاح کرنیکے قبل تھی یعنی اس کا کسی ماضی وقت میں محل حلت ہونا معتبر نہیں رہا اور اسلئے یہ صورت مثل صورت

اول کے ہوگئی بس اس کا حکم بھی وہی ہوگا جو صورت اول میں مذکور ہوا ان تین کا حکم تو ظاہر ہے جیسا ادلہ سے
معلوم ہوا۔ چوتھی صورت یہ ہے کہ وہ عورت اس شخص کے نکاح میں مرگئی اور اسی کے متعلق سوال کیا گیا ہے چونکہ
اسکی حالت ذوجہتین اور بین بین ہے اسلئے اس کا حکم محل نظر ہے اگر اس پر نظر کیجاتی ہے کہ موت زوجہ سے نکاح
باقی نہیں رہا اور وہ اجنبیہ ہوگئی تو اسکا تصور مثل تصور اُس عورت کے ہے جس سے نکاح ہی نہ ہوا تھا جو
صورت اول ہے یا ہونیکے بعد منکوحہ کی حیات ہی میں زائل ہوگیا تھا جیسا صورت ثانیہ و ثالثہ میں ہے اس کا
مقتضا یہ ہے کہ تصویر مذکور جائز نہ ہو چنانچہ فقہاء نے بھی حکم بحرمۃ المس و الغسل میں اسکا اعتبار کیا ہے۔ کما
فی الدر المختار و یمنع زوجہا من غسلہا و مسہا۔ اور اگر اس پر نظر کیجاتی ہے کہ کل احکام میں مثل اجنبیہ کے قرار
نہیں دی گئی چنانچہ خود فقہاء نے حکم مذکور کے بعد ہی لا من النظر الیہا علی الاصح بڑھایا ہے اور اجنبیہ محضہ کیلئے
یہ نظر بھی جائز نہیں رکھی گئی۔ نیز احادیث میں حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کا حضرت خدیجہؓ کا اُن کی وفات کے
بعد نہایت محبت کیساتھ ذکر فرمانا اور حضرت عائشہؓ کا حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کی تقبیل و فعلتہ انا و
رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم تک کا ذکر فرمانا جو کہ اجنبیہ و اجنبی کے لئے جائز نہیں رکھا گیا تو یہ صاف دلیل اسکی
معلوم ہوتی ہے کہ یہ چوتھی صورت مثل صورت ثلثہ سابقہ کے نہیں اور خصوصیت کا دعوی محتاج دلیل مستقل
ہے اور حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے فعل کا منشا تو لا تنکحوا ازواجہ من بعدہ ابدا کو احتمال کے درجہ میں کہہ بھی
سکتے ہیں۔ لیکن حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے فعل میں تو یہ بھی احتمال نہیں کیا کسی فقیہ سے منقول ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ
وسلم کو آپ کی کسی بی بی کی وفات کے بعد اُن بی بی کی بہن سے نکاح جائز نہیں تو یہاں تو حضرت خدیجہؓ کو حکما بھی
منکوحہ نہیں کہہ سکتے تو اُن کا ذکر یقیناً غیر منکوحہ کا ذکر ہے پھر اس کا جائز ہونا دلیل ہے کہ چوتھی صورت میں متوفی بی بی
کو کل احکام میں مثل اجنبیہ محضہ کے قرار نہ دینگے۔ اور جزئیہ فقہیہ مذکورہ متعلقہ نظر میں اختلاف جیسا علی الاصح سے معلوم
ہوتا ہے عجب نہیں اسی تردد کی وجہ سے ہو اور علامہ شامیؒ نے جو اس جواز کی دلیل بیان کی ولعل وجہہ ان النظر
اخف من المس فجاز لشبہۃ الاختلاف۔ اور غالباً قائلین بالجواز کی نظر عدم احتمال فتنہ عادۃً پڑ گئی ہو پھر اُس کے
بعد واللہ اعلم کہنا یہ سب ناشی اسی تردد سے ہو۔ یہ تو تردد کی تقریر تھی مگر میرے ذوق میں جواز کو ترجیح معلوم
ہوتی ہے کیونکہ تأمل و تتبع سے معلوم ہوتا ہے کہ علت تحریم تصور کی علی سبیل مانعۃ الخلو دو امر ہیں ایک تمتع غیر
محل حلال کا دوسرا خوف فتنہ۔ چوتھی صورت میں علت اولی تو یقیناً منتفی ہے اور علت ثانیہ بھی اس تفصیل سے
منتفی ہے کہ متصور میں تو یقیناً اور غیر متصور میں بطور افضاء کے ظناً۔ لیکن اگر اس پر افضاء محتمل ہو تو پھر حکم حرمت

کا کیا جاویگا۔ لان الحکم تابع للعلۃ۔ باقی میرا ذوق قابل اعتماد نہیں دوسرے علماء سے تحقیق کرلیا جاوے۔

واللہ اعلم۔ ۸ رمضان ۱۳۵۵ھ ۔ تمت رسالۃ المقالۃ التمالکۃ۔

رسالہ نعم المنادی فی تصحیح المبادی ستائیسواں خط

خط اول

حال۔ درستگی اخلاق و معاملات کا حتی الامکان کوشاں ہوں اسکی تفصیل یہ ہے کہ خصائل رذیلہ مثلاً حسد کینہ غصہ۔ عجب وغیرہ کا مادہ دل کے اندر چھپا ہوا موجود ہے۔ گو اسکے مقتضا پر عمل نہیں کرتا ہوں۔ لیکن کبھی کبھی ذہول ہو جاتا ہے۔ خیال آنے پر قصد سے دفع کرتا ہوں۔

تحقیق۔ پھر اور کیا چاہیے۔ صاف لکھئے۔

حال۔ معاملات کیمتعلق عرض ہے کہ شروع ملازمت سے رشوت سے محتاط نہ تھا۔ ۱۵ سال ہوئے ہیں نے اس سے توبہ کی۔ جن جن سے رشوت لی تھی یا قرض لیا تھا اُنسے معاف کرانیکا یا اُن کو ادا کرنیکا قصد کر لیا ایسی شخصوں سے معاف کرا چکا ہوں۔ ایسے اشخاص کی جہانتک یاد آسکی فہرست بنالی ہے اور مصمم ارادہ ہے کہ اُن سے معاف کراؤنگا یا ادا کردوں گا۔ میرے اوپر سودی قرضہ بھی ہے۔ پہارم تنخواہ سے زیادہ اس میں ہر ماہ دیدیتا ہوں۔ اللہ پاک سے دعا کرتا رہتا ہوں کہ مجھکو حقوق العباد سے نجات دے۔ حضور بھی دعا فرماویں۔

تحقیق۔ دعا کرتا ہوں۔

حال۔ اصلاح کی حقیقت میرے ذہن میں یہ ہے کہ حق سبحانہ وتعالیٰ کی رضا جوئی کے جو طریقے ہیں یعنی تزکیہ نفس۔

تحقیق۔ اس کی کیا تفسیر ہے۔

حال۔ مامورات شرعیہ کی باخلاص سے تعمیل۔

تحقیق۔ اس میں مصلح کا کیا دخل۔

حال۔ اور منہیات سے بیزاری ان پر استقامت کی توفیق عطا ہو جائے اور اللہ پاک کی یاد قلب میں جاں گزیں ہو جائے۔

تحقیق۔ کسی بیزاری عملی یا اعتقادی یا حالی۔

خط دوم

حال۔ پچھلے خط میں مینے عرض کیا تھا کہ خصائل رذیلہ کا مادہ دل میں موجود ہے لیکن اسکے مقتضیات پر عمل نہیں کرتا "حضوروالا نے استفسار فرمایا ہے کہ "پھر اور کیا چاہئے" جواب میں عرض ہے کہ میں جانتا ہوں کہ رذائل کا ازالہ کلیۃً محال ہے اور اُن کے مقتضیات پر عمل نکرنا کافی ہے بفضلہ اسکی توفیق اپنے میں پاتا ہوں گو قوی نہیں۔ اللہ پاک توفیق میں زیادتی فرمائے۔ باقی میرا یہ کہنا کہ رذائل کے مقتضیات پر عمل نہیں کرتا۔ میرے اپنے محسوسات کی بنا پر ہے۔ ایک عامی کی محسوسات ہی کیا۔ غالباً بہت سے اخلاق ذمیمہ میں مبتلا ہوں گا لیکن مجھ کو اُن کا احساس نہیں ہے۔

تحقیق۔ احساس ہونا چاہئے ورنہ اُس کا علاج کیسے پوچھا جاویگا خصوص جبکہ مصلح کے مشاہدہ سے بھی دور ہو ایسی حالتیں مصلح کے احساس کی بھی کوئی صورت نہیں اور ایسا کم ہوتا ہے کہ مصلح کو کسی واقعہ سے اطلاع دی اور اُس نے اُس واقعہ سے کسی خصلت کا استنباط صحیح کرلیا سو یہ کافی علاج کیلئے کافی نہیں لہٰذا خود طالب کو احساس کرنا چاہئے جسکی تدبیر یہ ہے کہ ایسے رسائل کا مطالعہ کیا جاوے جیسے تبلیغ دین یا میرے مواعظ۔

حال۔ دوسرا استفسار حضوروالا کا یہ ہے کہ تزکیہ نفس کی تفسیر کیا ہے" جواب میں عرض ہے کہ تزکیہ نفس کی تفسیر یہ ہے کہ قلب کو ان اخلاق ذمیمہ مثلاً حسد۔ کینہ۔ تکبر۔ غصہ۔ خود پسندی۔ ریا۔ کذب۔ حب جاہ حب مال۔ وغیرہ سے پاک کرے جو حق تعالیٰ کو ناپسند ہیں اور ان اخلاق حمیدہ مثلاً محبت خشیت۔ رجا صبر۔ شکر۔ اخلاص۔ صدق۔ توکل۔ رضا بر قضا وغیرہ سے قلب کو آراستہ کرے جو حق تعالیٰ کو پسند ادر محبوب ہیں

تحقیق۔ ٹھیک ہے

حال۔ تیسرا استفسار حضوروالا کا یہ ہے کہ "حصول اخلاص میں مصلح کو کیا دخل ہے" جواب میں عرض ہے کہ اخلاص امر اختیاری ہے اور امر اختیاری کے حصول کا طریقہ استعمال اختیار اور مجاہدہ ہے لیکن ممکن ہے کہ مرض ریا جو اخلاص کی ضد ہے اس صورت سے ظہور کرے کہ طالب اصلاح خود احساس نہ کرسکے ایسی حالت میں وہ مصلح کا محتاج ہوگا جو بعض اوقات ایسے امراض کی تشخیص اور طریق مجاہدہ تجویز کرتا ہے جو ان امراض کا علاج ہے۔ نیز مجھ کو بزرگوں کی دعا کے برکات اور توجہ کے فیض کا انکار نہیں ہے لیکن چونکہ یہ دونوں امور غیر اختیاریہ ہیں۔ میں نے حضوروالا سے اصلاح کی درخواست کرتے وقت اپنی اصلاح کیلئے ان ذرائع

سے امید وابستہ نہیں کی ہے تاکہ بعد کو توحش اور مایوسی کا سامنا نہ ہو۔

تحقیق۔ سب اجزاء مضمون کے بالکل صحیح اور تسلی بخش اور امید افزا ہیں۔

حال۔ آخر میں حضور والا نے منہیات سے بیزاری کے متعلق دریافت فرمایا ہے کہ بیزاری عملی یا اعتقادی یا حالی کونسی مراد ہے۔ جواب میں عرض ہے کہ صرف اعتقادی اور عملی درجہ مراد ہے۔ حالی امر غیر اختیاری ہے اور امور غیر اختیاریہ حصول رضا کی طرق نہیں ہوسکتے۔

تحقیق۔ بالکل صحیح۔ اب وقت آگیا کہ کیفما اتفق مجھ سے ایک ایک چیز کے متعلق پوچھا جاوے اور میں جو عرض کروں اُس پر عمل کرکے پھر مجھ کو اطلاع کیجاوے۔ اسیطرح جب ایک چیز کے متعلق علمی تحقیق اور عملی رسوخ کا فیصلہ ہوجاوے پھر دوسری چیز کا اسی طرح سلسلہ شروع کیا جاوے اور ہر خط کیساتھ اُس سے پہلا خط بالالتزام رکھا جاوے

خط سوم

حال۔ حسب الارشاد تبلیغ دین اور حضرت والا کے مواعظ زیر مطالعہ ہیں۔ میں سمجھتا تھا کہ کبر و عجب پر بفضلہ غالب آچکا ہوں لیکن اس ہفتہ میں اپنے ہر فعل پر غور کیساتھ توجہ رکھنے سے کئی مرتبہ مجھ کو اپنے اندر کبر و عجب کا احساس ہوا گو نفس نے ہر اُس فعل کی جس پر مجھ کو کبر و عجب کا گمان ہوا تاویل پیش کرنیکی کوشش کی لہذا چند واقعات مع اُن تاویلات کے جو نفس نے پیش کیں حضور والا کے فیصلہ کی غرض سے تحریر کرتا ہوں۔

(۱) ایک عالم صاحب نے میرے دماغ اور ذہانت کی مدح فرمائی جس کو سنکر مجھکو نہایت مسرت ہوئی اور مدح کو سچ سمجھا عقلی طور پر خوب ذہن نشین ہے کہ میرا کوئی کمال میرا ذاتی نہیں ہے حق سبحانہ تعالیٰ نے محض اپنے فضل سے بلا استحقاق عطا فرمایا اور جب چاہے واپس لیلے۔ مدح کو سچ سمجھنے کی بابت نفس نے یہ تاویل کی کہ جب تم اسکو اپنا کمال نہیں سمجھتے اور اللہ پاک کا انعام سمجھتے ہو تو اس خوبی کو خوبی نہ سمجھنا اللہ پاک کی ناشکری ہوگی۔

(۲) گھر میں گھی کی ضرورت تھی۔ ملازم کام کو گیا ہوا تھا مجھ سے کہا گیا کہ بازار سے گھی لے آؤ۔ میں نے ایک دیگچی ہاتھ میں اٹھائی اور جانیکو تیار ہوگیا۔ میری اہلیہ نے میرے ہاتھ میں ایک اٹھنی دی ۸ر دیکھکر میں نے دیگچی رکھدی اور یہ کہا کہ ۸ر کا گھی خریدنے میں مجھکو شرم آتی ہے۔ یہ کہنے کے بعد فوراً خیال آیا کہ شرم کی وجہ تکبر ہے۔ نفس نے تاویل کی [illegible] یات تمکو لازم [illegible] ہیں۔ دو سو روپیہ ماہوار کی تنخواہ ہے۔ سرکاری عہدہ دار کیا ہے۔ اگر کوئی شخص [illegible] گھی [illegible] دیکھے گا تو ذات کی نگاہ سے دیکھے گا کہ اتنی تنخواہ ہے اور ۸ر کا گھی خریدتے ہیں۔ لیکن میں نے [illegible] دل [illegible] تاویل ہی سمجھا اور نفس کی تادیب کی غرض سے اس پر آمادہ ہوگیا کہ ۸ر کا نہیں بلکہ ۴ر کا گھی

خرید کر لاؤنگا اور دیگچی اٹھا کر چلا تو اب اس بات پر شرم آنا شروع ہوئی کہ ہم رکے گھی کیلئے اتنا بڑا برتن لیجاؤنگا تو دکاندار احمق سمجھے گا۔ ابھی سوچ ہی رہا تھا کہ ملازم آگیا اور میری اہلیہ نے برتن میرے ہاتھ سے لیکر اُسکو دیدیا

(۳) میں نے اپنے ایک ماتحت کو اشارہ سے بلایا اُس نے دیکھا لیکن اپنے کام میں مشغول رہا مجھ کو اُس کا کام چھوڑ کر فوراً نہ آنا طبعی طور پر ناگوار ہوا لیکن میں نے اُسکے مقتضا پر عمل نہیں کیا بعد کو خیال آیا کہ ایسے موقع پر تواضع کا برتاؤ کرنا سیاست اور انتظام میں مخل ہوگا۔ لہذا میں نے اپنے اوپر مصنوعی غصہ طاری کیا اور اُسکے پاس جا کر اُسکو تنبیہ کی۔ میری اس تنبیہ میں ظاہراً تکبر کی سی شان تھی لیکن قلب بفضلہ تعالیٰ تکبر سے پاک تھا۔ حضور والا مطلع فرمادیں کہ ایسے موقع پر جہاں تواضع کا برتاؤ سیاست اور انتظام میں مخل ہونا معلوم ہو ظاہراً متکبروں کا سا برتاؤ کرنے کی شرعاً رخصت ہے یا نہیں۔

(۴) میرے ایک شناسا ہیں جو اکثر میرے اوپر پھبتیاں کیا کرتے ہیں اور میری عیب جوئی کی فکر میں رہتے ہیں میں اُن کیساتھ تواضع کا برتاؤ کرتا تھا جس سے وہ اور زیادہ جری ہوتے تھے اور مجھ کو اور زیادہ دق کرتے تھے اُن کے انداز گفتگو سے اکثر اُن کا تکبر بھی ظاہر ہوتا تھا۔ میں نے اُنسے نجات حاصل کرنیکا یہ طریقہ سوچا کہ اُن کیساتھ سخت برتاؤ کروں اور متکبروں کیساتھ تکبر کرنیکی رخصت پر عمل کروں۔ لہذا ایک مرتبہ گفتگو کے سلسلہ میں انھوں نے مجھ سے پوچھا کہ کیا میں یہ چاہتا ہوں کہ وہ مجھ سے حضور کہکر خطاب کیا کریں۔ میں نے نہایت کرخت لہجہ میں اُنکو جواب دیا کہ اُن کے ایسا کرنے سے میری شان میں کچھ اضافہ نہیں ہوگا میرے ماتحت جن میں بارہ بارہ وہ انسپکٹر بھی شامل ہیں جنکی تنخواہ ڈیڑھ سو روپیہ ماہوار ہے ہر وقت مجھ سے حضور کہا کرتے ہیں یہ جملے ادا ہونیکے بعد طبیعت گھبرائی تھی اور فعلی تکبر معلوم ہونے لگا اور میں نے توبہ اور استغفار کرلیا۔

تحقیق۔ خط حرفاً حرفاً پڑھا طلب اور اہتمام اور فکر سے دل خوش ہوا دل سے دعا نکلی سب کا جواب یہ ہے کہ مبتدی کو ایسی کاوش نافع تو اس لئے ہے کہ اس سے نظر بڑھتی ہے مگر تحقیق کی فکر یا اس تحقیق پر اصلاح کو اس طرح مبنی کرنا کہ اگر نفس میں رذیلہ ثابت ہوجاوے تو اُس کا تدارک کریں ورنہ مطمئن ہوجاویں یہ مضر ہے اسلئے کہ ایسی تحقیقات اکثر وجدانی ہوتی ہیں کہ اُن میں دونوں جانب دلائل و کلام کی بہت گنجائش ہوتی ہے اگر رذیلہ کو ثابت کیا جاوے بعض اوقات غلو و تعمق ہوجاتا ہے پھر ہر چیز میں ایسے سوالات پیدا ہونے لگتے ہیں جو ایک مستقل مشغلہ ہوجاتا ہے جو ضروری مقاصد سے مانع ہوجاتا ہے۔ اور اگر مطمئن کردیا جاوے تو نفس کو یہی عادت ہوجاتی ہے اور فکر کی چیزوں سے بھی بےفکر ہوجاتا ہے بعض اوقات خود مصلح کی رائے بھی مشتبہ ہوجاتی

ہے اُس وقت طالب کو زیادہ شبہات پیدا ہونے لگتے ہیں۔ لہذا یہ طرق بجائے نافع ہونیکے مضر ہوجاتا ہے اسلئے صحیح طریق یہ ہے کہ جس امر میں ذرا بھی شبہ ہوجائے اُس شبہ کو کو حقیقت سمجھکر اُس کا تدارک عملی یعنی نفس کی مخالفت کیجائے اور اگر ہمت نہ ہو یا کوئی امر صریح وبین طور سے خلاف مصلحت شاہد ہو تو بجائے تدارک عملی کے استغفار اور جناب باری تعالیٰ سے دعا و التجا اصلاح کی بکثرت کریں بس یہی معمول رکھا جائے۔ اور جس امر کے قبیح ہونے میں کوئی اشتباہ نہ ہو اور تاویل کی گنجائش نہ ہو اُس میں ہمت کرکے نفس کی مقاومت و مخالفت کیجائے اور رسمی وہمی مصالح کی پروا نہ کی جائے۔ والسّلام۔ تمت رسالہ نعم المنادی فی تصحیح المبادی۔

رسالہ حل الاشکال علی ضرورۃ الشیخ مع وجود الاختیار فی الاعمال

حال۔ حضرت المخدوم والمکرم ذوالمجد والمعظم حکیم الامت مجدد الملت مولانا الشاہ محمد اشرف علی صاحب عمت فیوضہم

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہٗ۔

بعدہٗ عرض ہے کہ بندہ نے حضرت والا کیساتھ اصلاح کا تعلق کیا ہے۔ حضرت نے یہ طریق تجویز فرمایا تھا کہ نفس کی ایک ایک حالت لکھو اور میرے بتائے ہوئے طریقہ پر عمل کرو۔ چنانچہ میں نے اپنے اندر امور رذائلہ علی الکبر پاکر ان کی اصلاح کیمتعلق درخواست کی تھی حضرت نے تحریراً سوال فرمایا تھا کہ یہ امور اختیاری ہیں یا غیر اختیاری میں نے جواب میں شق اول عرض کی تھی۔ حضرت والا نے جواباً تحریر فرمایا کہ اختیاری کی ضد بھی اختیاری ہے۔ اب کیا سوال باقی رہا۔ بحمد اللہ تعالیٰ میں نے وہ امور ترک کئے مگر گاہے گاہے خیال نہ رہنے کی وجہ سے مرتکب ہوجاتا ہوں جس کا تدارک بعد میں ندامت اور توبہ سے کرلیتا ہوں اور ارادہ کرتا ہوں کہ آئندہ انشاءاللہ العزیز خیال رکھوں گا۔ اب میں حضرت والا سے ایک بات دریافت کرتا ہوں سزاوار واللہ العظیم وباللہ الکریم حاشا ثم کلا اس سے اعتراض مقصود نہیں ہے بلکہ محض ایک شبہ جوکہ پیش آیا ہے اسکے حل کیلئے۔ اور وہ یہ کہ شریعت مقدسہ کے جمیع احکام اختیاری ہیں اور میرے اندر اور بھی امراض ظاہرہ و باطنہ متعلق اخلاق نہ کہ عقائد بفضلہ تعالیٰ عقائد تو درست) میں پس وہ امور بھی اختیاری ہی ہیں۔ اب ان کو حضرت والا کے سامنے اظہار کرکے طریقہ ان کی اصلاح کا معلوم کرنیکے متعلق یہ خیال پیدا ہوتا ہے کہ چونکہ اسکا جواب ہی ہے جوکہ اوپر مذکور ہوا کہ اختیاری کی ضد بھی اختیاری ہے لہذا باوجود جواب معلوم ہونیکے پھر خواہ مخواہ حضرت والا کو تکلیف دینا یہ غیر مناسب معلوم ہوتا ہے اور اگر بایں وجہ مذکور اظہار امراض نہ کروں تو خود بخود اپنے

طور پر یہ خیال کر کے کہ یہ امر اختیاری ہے لہٰذا اس کو اظہار کرنیکی ضرورت نہیں دبوجہ جواب مذکور معلوم ہونیکی بلکہ اپنے اختیار سے تو کلاً علی اللہ ہمت کر کے اسکو ترک کرونگا اور اگر غیر اختیاری ہے (مثلاً وساوس وغیرہ) تو اس کا مواخذہ نہیں۔ لہٰذا اسکے بھی اظہار کی ضرورت نہیں ہے تو یہ خیال گلوگیر ہوتا ہے کہ پھر حضرت والا سے جو اصلاح کیلئے تعلق کیا ہے تو اس کا تو سلسلہ ہی اب کیسے قایم رہ سکتا ہے حالانکہ اصلاح کا سلسلہ تو بہت طویل ہے اور بہت مدت تک خط و کتابت و عرض حالت کے بعد اصلاح کا حصول ہوتا ہے۔ پس اس وقت یہی شبہ مستقر ہو کر اظہار امراض سے (توقفاً علی الجواب) مانع ہوا جناب والا سے متوقع ہوں کہ اس کا حل فرما کر احقر کو تشفی بخش کر سرفراز فرمادیں فقط والسلام مع الاکرام۔

تحقیق۔ السلام علیکم۔ نفیس سوال ہے جس کا بعونہ تعالیٰ سلیس جواب ہے مگر ایک خاص سوال کے جواب کی طرف توجہ کرنیکو اس کی توضیح میں اعانت کا دخل ہے اسلئے فی الحال اسی کو کافی سمجھتا ہوں وہ سوال یہ ہے کہ اگر کوئی کہے کہ طبی کتابوں میں تمام اغذیہ و ادویہ کے منافع و مضار مصرحاً مذکور ہیں جس کا قبل لحوق مرض مطالعہ کر کے ہر شخص کامل احتیاط کر سکتا ہے۔ جو کسی اتفاق سے مرض لاحق ہو جاوے تو طبی کتابوں میں ہر مرض کی علامات دیکھ کر مرض کی تشخیص اور تدبیرات دیکھکر مرض کا علاج کر سکتا ہے پھر طبیب کی طرف رجوع کرنیکی کیا ضرورت ہے سو اس سوال کا کیا جواب ہوگا اسی سے یہ سوال حاضر بھی حل ہو جائیگا۔ فقط۔

حال۔ احقر اس سال دورۂ حدیث میں شریک ہے ایک عرصہ سے خط لکھنے کا خیال کر رہا تھا لیکن ایک عارض مانع بنا رہا وہ یہ کہ احقر کو آپکے مصنفات و ملفوظات دیکھنے کا بیحد شوق ہے چنانچہ بچپن سے ابتک برابر دیکھتا رہا بحمد اللہ بہت مستفید ہوا ان سے ایک خاص بات معلوم ہوئی وہ یہ کہ مامورات شرعیہ سب کے سب اختیاریہ ہیں چونکہ مامورات اختیاریہ ہیں اسلئے جہاں رکنے کا امر ہے وہ بھی اختیاری ہوئے اسلئے سارے امراض کا علاج یہی ہے کہ اپنے اختیار سے رکے اب اپنے متعلق بھی ہمیشہ یہی تقریر جاری کرتا رہا اب سوال یہ ہے کہ مشائخ طریقت سے اس قاعدہ کے معلوم ہونیکے بعد کیا سوال اور علاج کرانا چاہئے میری یہی سمجھ میں نہیں آتا کہ بہت عرصہ سے اسی امر پر غور کر رہا ہوں امید کہ جناب والا مطلع فرمائیں گے تاکہ احقر اسی پر عمل کرے۔ آخر اس قاعدہ کلیہ کے علم کے بعد معالج یعنی شیخ کی ازالہ مرض میں کیا حاجت باقی رہتی ہے۔ امید کہ اگر کوئی غلطی ہوگئی ہو تو مطلع فرمائینگے

تحقیق۔ مامورات و منہیات سب اختیاری ہیں پس مامورات کا ارتکاب اور منہیات سے اجتناب بھی سب اختیاری ہیں لیکن اس میں کچھ غلطیاں ہو جاتی ہیں کبھی تو یہ کہ حاصل کو غیر حاصل سمجھ لیا جاتا ہے کبھی اس کا

عکس مثلاً ایک شخص نے نماز میں خشوع کا قصد کیا اور وہ اپنی حقیقت کے اعتبار سے حاصل ہو گیا مگر ساتھ ہی ساتھ
وساوس وخطرات کا ہجوم بھی ہوتا رہا یہ شخص اسکو خشوع کا مضاد سمجھ کر خشوع کو غیر حاصل سمجھا یا ابتدار عبادت میں
وساوس غیر اختیاری تھے مگر اسی سلسلہ میں ... وساوس اختیاریہ کی طرف منجر ہو گئے اور یہ ابتدار کے دھوکے میں
رہ کر خشوع کو باقی سمجھا حالانکہ وہ زائل ہو چکا [illegible] یا غیر راسخ کو راسخ سمجھ لیا جاتا ہے مثلاً دو چار خفیف حادثوں
میں رضا بالقضا کا احساس ہوا یہ سمجھ گیا کہ یہ ملکہ راسخ ہو گیا پھر کوئی بڑا حادثہ واقع ہوا اور اس میں رضا نہیں ہوئی
یا درجہ مقصود تک نہیں ہوئی مگر اسی دھوکہ میں رہا کہ اس میں رسوخ ہو چکا ہے اب بھی رضا معدوم یا ضعیف نہیں ہے
اور حاصل کو غیر حاصل سمجھنے میں یہ خرابی ہوتی ہے کہ شکستہ دل ہو کر اس کا اہتمام چھوڑ دیتا ہے پھر وہ سچ مچ زائل ہو جاتا ہے
اور اسکے عکس میں یہ خرابی ہوتی ہے کہ اس کا اہتمام ہی نہیں کرتا اور محروم رہتا ہے اور غیر راسخ کو راسخ سمجھنے میں بھی
وہی خرابی عدم اہتمام تکمیل کی ہوتی ہے کبھی یہ غلطی ہوتی ہے کہ حاصل راسخ کو زائل سمجھ لیتا ہے مثلاً شہوت حرام کی
مقاومت اور وہ زمانہ غلبۂ آثار ذکر کا تھا اسلئے داعیۂ شہوت حرام کا ایسا مضمحل ہو گیا کہ اسکی طرف التفات بھی نہیں ہوتا
پھر ان آثار کا جوش وخروش کم ہونے سے طبعی التفات گو درجہ ضعیفہ میں سہی ہونے لگا یہ شخص یہ سمجھ گیا کہ مجاہدہ بیکار
گیا اور شہوت حرام کا رذیلہ پھر عود کر آیا پھر اصلاح سے مایوس ہو کر سچ مچ بطالت وخلاعت میں مبتلا ہو گیا۔ یہ
چند مثالیں ہیں غلطیوں کی اور ان کے مضار کی اگر کسی شیخ سے تعلق ہو اور اس پر اعتماد ہو تو اسکو اطلاع کر دینے سے
وہ اپنی بصیرت وتجارب کے سبب حقیقت سمجھ لیتا ہے اور ان اغلاط پر مطلع کرتا ہے اور یہ ان مضرتوں سے محفوظ رہتا
ہے اور فرضاً سالک اگر ذکاوت وسلامت فہم کے سبب خود بھی مطلع ہو سکے مگر ناتجربہ کاری کے سبب مطمئن نہیں
ہوتا اور مشوش ہونا مقصود میں مخل ہوتا ہے یہ تو شیخ کا اصلی منصبی فرض ہے اور اس سے زیادہ اسکے ذمہ نہیں لیکن
تبرعاً وہ ایک اور بھی خدمت کرتا ہے وہ یہ کہ مقصود یا مقدمۂ مقصود کے تحصیل میں اور اسی طرح کسی ضمیمہ یا مقدمۂ ضمیمہ
کے ازالہ میں طالب کو مشقت شدید پیش آتی ہے گو تکرار مباشرۃ اور تکرار مجانبت سے وہ مشقت اخیر میں مبدل
بہ یُسر ہو جاتی ہے لیکن شیخ تبرعاً کبھی ایسی تدابیر بتلا دیتا ہے کہ اول امر ہی سے مشقت نہیں رہتی یہ ایک اجمالی تحقیق
تقریب فہم کیلئے ہے باقی ضرورت شیخ کا مشاہدہ اس وقت ہوتا ہے جب کام شروع کر کے اپنے احوال جزئیہ کی اسکو
بالالتزام اطلاع کرتا ہے اور اسکے مشورہ کا اتباع کرتا ہے اور یہ اتباع کامل اسوقت ہو سکتا ہے جب اس پر اعتماد
ہو اور اس کے ساتھ تعلق انقیاد ہو اس وقت حسًا معلوم ہو گا کہ بدون شیخ کے مقصود کا حاصل ہونا عادۃً متعذر ہے
الا نادراً والنادر کالمعدوم پھر اس ضرورت میں تفاوت فہم واستعداد کے اعتبار سے تفاوت بھی ہوتا ہے یہی وجہ

کہ متقدمین کو کم ضرورت تھی۔ تمت رسالۃ حل الاشکال۔

رسالۃ التخفیف فی الاختیار الضعیف

حال۔ حضرت یہ امور اختیاریہ کا جو مسئلہ ہے۔ اس کی نسبت اکثر ایک وسوسہ یہ ہوا کرتا ہے خصوصاً اپنے ہی حالات پر نظر کرنے سے کہ کیا جسمانی امراض خاصکر ضعف قلب و دماغ اور مسلسل خلاف طبع حالات کے پیش آتے رہنے سے یہ اختیار بھی ضعیف و مضمحل نہیں ہو جاتا ہے اور کیا پھر اس حد تک یہ اختیار امور غیر اختیاریہ میں داخل ہو جاتا ہے۔ نیز ارادہ و اختیار میں اور نیت میں کیا فرق سمجھوں مثلاً اگر نماز میں خشوع و خضوع کی ہر وقت نیت رکھتا ہوں۔ اور پھر بھی یہ اس درجہ تک کا بھی نہ حاصل ہوتا ہو جسکو حضرت امر اختیاری میں فرمایا کرتے ہیں تو ایسی نیت معتبر نہ ہوگی۔

تحقیق۔ خشوع لغۃً مطلق سکون ہے اور شرعاً سکون جوارح جس کی حقیقت ظاہر ہے اور سکون قلب کی حقیقت حرکت فکریہ کا انقطاع ہے اور جس طرح سکون جوارح کی تکلیف بقدر ضرورت ہے مثلاً صحیح قوی سوی اسپر قادر ہے کہ نماز میں کوئی حرکت زائد علی الصلوٰۃ صادر نہ ہونیدے وہ اسی کا مکلف ہوگا اور مریض صاحب وجع غلبۂ وجع کے وقت اس پر قادر نہیں جب درد اٹھے گا وہ بے چین ہو کر پیچ و تاب کھائیگا اسلئے وہ اس درجہ سکون کا مکلف نہ ہوگا۔ البتہ جب درد نہ ہو پھر وہ اس سکون کی تجدید کا مکلف ہوگا اسی طرح سکون قلب کی تکلیف بھی بقدر قدرت ہوگی مثلاً جو شخص تمام اسباب مشوشہ سے محفوظ ہو وہ حرکات فکریہ کے انقطاع کلی پر قادر ہے وہ اسی کا مکلف ہوگا اور جو اسباب مشوشہ میں مبتلا ہو وہ ایسے جمع خاطر پر قادر نہیں اسلئے وہ اس درجہ کا مکلف بھی نہ ہوگا البتہ جتنا وقت تشویش سے سکون کا ہے۔ ہوگا یعنی وہ تشویش متخیلہ پر غالب نہ ہو اس وقت میں اس کا مکلف ہوگا۔ یہ تو کلام کلی ہے اب اس مقام پر ایک دقیق جزئی ہے وہ زیادہ قابل اعتناء ہے اور اس میں زیادہ بصیرت کی ضرورت ہے اگر صاحب معاملہ کو ایسی بصیرت نہ ہو تو کسی مصلح حکیم تجربہ کار سے مشورہ کی حاجت ہے وہ یہ ہے کہ اس قطع حرکت فکریہ کا طریق کیا ہے کیونکہ یہ قطع براہ راست حاصل نہیں ہوتا۔ کما ھو مشاھد بلکہ طریق اس کا یہ ہے کہ اپنے قلب کو کسی محمود چیز کی طرف قصداً متوجہ کر دیا جائے جو وضع صلوٰۃ کے خلاف نہ ہو مثلاً ذات حق کیطرف برابر متوجہ رہے اگر خیال نہ جمنے کی وجہ سے اسپر قادر نہ ہو تو یہ تصور کرے کہ میں کعبہ حسناء کیطرف رخ کئے ہوئے ہوں یا نماز میں جو اذکار و قراءت پڑھ رہا ہے ان کی طرف توجہ

رکھے کہ میں یہ الفاظ پڑھ رہا ہوں یا اُن کے معانی کی طرف توجہ رکھے چونکہ نفس ایک آن میں دو طرف متوجہ نہیں ہوتا اسلئے یہ توجہ مانع ہو جائے گی دوسرے خطرات کے آنیسے یہ ہے وہ طریق اب اس میں ایک غلطی ہوتی ہے وہ یہ کہ ہر شخص کی استعداد جدا ہے کسی شخص کیلئے ایک تصور نافع ہے۔ دوسرے شخص کیلئے دوسرا تصور بعض اوقات صاحب معاملہ بوجہ عدم بصیرت وعدم تجربہ کے اپنے لئے ایک طریق کو اختیار کرتا ہے اور وہ طریق اُسکی طبیعت کے مناسب نہیں ہوتا اسلئے اسکا مقصود حاصل نہیں ہوتا اور بار بار کی ناکامی سے مایوس ہو کر اس غلط گمان میں مبتلا ہو جاتا ہے کہ خشوع فعل اختیاری نہیں اسلئے بالکل اس کا اہتمام چھوڑ بیٹھتا ہے اور اس طلب کی برکت سے محروم رہتا ہے اسلئے اپنے مناسب طریق کی تعیین کے لئے سخت اہتمام کی حاجت ہے۔ دوسری غلطی اس سے اشد یہ ہوتی ہے کہ تعیین کے بعد جس طریق کو اختیار کیا گیا ہے اس میں کاوش زیادہ کرنے لگتا ہے اور اس کا منتظر اور متوقع رہتا ہے کہ دوسرا کوئی خیال اصلا نہ آنے پائے اور اسکے لئے طبیعت پر زور ڈالتا ہے حتی کہ نوبت کلال وملال کی پیش آتی ہے جس کا نتیجہ وہی یاس کے بعد ترک کر دینا ہے سو اس لئے ضرورت ہے ترک کاوش کی بس سرسری معتدل توجہ کافی ہے اگر اس توجہ کیساتھ دوسرا کوئی خطرہ آجاوے وہ غیر اختیاری ہوگا اور مضر نہ ہوگا جیسے کسی خاص صفحہ میں سے کسی خاص لفظ پر قصداً نظر کیجاوے تو یقینی بات ہے کہ وہ شعاعیں بلا قصد دوسرے کلمات پر بھی پہنچ جاتی ہیں مگر وہ نظر قصدی نہیں ہوتی اور ایک غلطی سب سے بڑھکر ہوتی ہے کہ دوسرے خیال کے آنیکے ساتھ یہ سوچنے لگتا ہے کہ یہ خیال قصداً آیا یا بلا قصد سو یہ فیصلہ محض بیکار ہے اگر فرضاً یہی تحقیق ہو جاوے کہ قصداً آگیا تو اب گذشتہ کا تو اعدام ہو نہیں سکتا۔ آئندہ کیلئے تدارک کیا ہی جائیگا سو اگر اس فیصلہ کے بدون بھی اس تدارک میں مشغول ہو جاوے تو کیا ضرر ہے اور وہ تدارک بفور تنبہ کے تجدید ہے اُس توجہ مقصود کی اور نیت وارادہ جو کہ مترادف ہیں فعل اختیار ہوتے ہیں جو بدون اختیار کئے ہوئے مامور بہ کے کافی نہیں جیسے نماز کی نیت کرے مگر فعل صلوٰۃ کو اختیار نہ کرے ناکافی ہے لیکن جن اشکالات کا مخلص اس فرق کی تحقیق کو سوچا تھا اب وہ بدون اس تحقیق کے بحمد اللہ حل ہو گئے یعنی فرق ہونے پر بھی اور نیت کے کافی نہ ہونے پر بھی اشکال نہیں رہا۔ کیونکہ اختیار کے درجات میں ایسی گنجائش نکل آئی کہ کسی درجہ میں بھی خلجان اور مشقت کا احتمال نہیں رہا۔ وللہ الحمد۔

(نوٹ) مضمون کی اہمیت پر نظر کرکے مناسب معلوم ہوتا ہے کہ اسکو "التخفیف فی الاختیار الضعیف" سے ملقب کر دیا جاوے فقط۔

(نوٹ) ۔ تمہیدی ذیل کا خط بھی اسی سلسلہ کا ہے۔

حال۔ بحمد اللہ حسنہ اور اختیاریہ کی نسبت بھی حضرت کے نسخے نے کامل شفا بخشی اور شرح اسباب کے متعلق حق تعالیٰ احسن جزائکم ونفعنا بہ۔

اب صرف ایک بات دریافت کرنا چاہتا ہوں کہ حضرت نے حرکت فکریہ کے قطع کی جو صورتیں تحریر فرمائیں اُن میں [illegible] جو صورت [illegible] سب حضرت کے نزدیک ہو وہ بھی تحریر فرمائی جائے۔

میں خود تو جو کچھ نماز میں پڑھتا ہوں اسی کے معنے پر متوجہ رہنے کی کوشش کرتا ہوں مگر اس میں کامیابی تام ہوتی ہے چاہتا ہوں کہ مثلاً جس وقت اھدنا الصراط المستقیم زبان سے ادا ہوتا ہے اسی کے معنے پر توجہ ہو مگر اکثر اتنا بھی نہیں ہوتا یا آگے نکل جانے کے بعد خیال آتا ہے مقتدی ہونے کی صورت میں پاس انفاس کا لحاظ رکھنا چاہتا ہوں اس میں بھی زیادہ کامیاب نہیں ہوتا اصل یہ ہے کہ حضرت بس حدیث نفس کا بہت غلبہ رہتا ہے۔

بہر حال اب حضرت جو صورت تجویز فرمائیں۔ حق تعالیٰ کی طرف متوجہ رہنے کی جو صورت حضرت نے لکھی ہے اس کی کچھ تفصیل کا محتاج ہوں۔

تحقیق۔ اس سوال سے اسلئے دل خوش ہوا کہ ایسا سوال علامت ہے کام کرنے کی اور جو شخص کام کرے گا اُس کو یہ سوال پیش آئے گا تو الحمد للہ آپ کو اسکے حل کا ذریعہ بنایا جس سے آپ بہت سے طالبین کے رفع پریشانی کا سبب ہوگئے والحمد للہ علی ذلک۔ اور خط سابق لکھنے کے وقت میرا دل چاہتا تھا کہ یہ سوال کیا جائے اور کئے جانے کی امید بھی تھی۔ اب جواب عرض کرتا ہوں۔ اصل میں جو توجہ خطرات کی قاطع ہے وہ دو قسم کی ہے ایک مع الخوض اگرچہ اشیاء مختلفہ کی طرف ہو۔ دوسری شے واحد کی طرف اگرچہ بلا خوض ہو اب جس شخص کو آیات و اذکار کے معانی بلا خوض ذہن میں آجاتے ہوں وہاں نہ خوض ہے نہ ما فیہ الفکر شے واحد ہے اسلئے کوئی قسم توجہ کی نہ پائی گئی پس وہ قاطع خطرات بھی نہ ہوگی بخلاف اُس شخص کے جسکو سوچنے سے معنے یاد آتے ہوں اُس شخص کی توجہ قاطع خطرات ہوگی اس لئے آپ کو اس تدبیر میں کامیابی نہیں ہوئی کہ آپ کو خوض کی حاجت نہیں ہوتی پس ایسے شخص غیر محتاج الی الخوض کیلئے دوسری توجہ کی ضرورت ہوگی یعنی توجہ الی الشئ الواحد خواہ وہ شے واحد کچھ ہو ذات حق ہو یا ہیئت نماز ہو یا نظر الی الکعبہ یا کچھ اور۔ اور جس توجہ الی الحق کی تفصیل آپ نے دریافت فرمائی ہے وہ یہ ہے کہ باری تعالیٰ کی ذات کا اجمالاً تصور کیجئے جس طریق سے بے تکلف ذہن میں آجائے

جس پر یہ شخص قادر ہے زیادہ کاوش کی حاجت نہیں یا ان کے کسی فعل کا تصور رکھے مثلاً وہ ہمکو دیکھ رہے ہیں یا توجہ الی الشئ الواحد کا ایک طریق میں نے تجویز کیا ہے جو غایت درجہ سہل بھی ہے اور بے حد نافع بھی ثابت ہوا وہ یہ کہ اپنی تمام طاعات صلوٰۃ و تلاوت و اذکار بلکہ افعال مباحہ میں بھی اس کا تصور رکھے کہ یہ سب عنقریب حق تعالیٰ کے اجلاس میں پیش ہونگے تو ان میں کوئی ایسا اختیاری نہ ہو جس سے پیشی کے قابل نہ ہوں پس اتنا ہی تصور کافی ہے ابتداء میں استحضار ضعیف ہوگا مگر ممارست کے بعد اس استحضار میں دوام پیدا ہو جاویگا چونکہ یہ مجھ کو نافع ہوا اور کئی موقعوں پر آپ کی طبیعت کا تناسب اپنی طبیعت کیساتھ مشاہدہ کر چکا ہوں امید ہے کہ آپ کیلئے بھی انشاء اللہ تعالیٰ نافع ہوگا اور اس بحث کے متعلق جو تنبیہات رقیمہ سابقہ میں عرض کر چکا ہوں وہ سب اس میں بھی ملحوظ رہیں۔ واللہ الموفق۔ امید ہے کہ سب اجزاء سوال پر بقدر ضرورت کلام ہو چکا ہے اگر کچھ رہ گیا ہو پھر متنبہ فرما دیا جاوے۔ والسلام فقط۔

المقالات المفیدہ فی حکم اصوات آلات الجدیدہ

(مشتمل بر دو فتوے)

تمہید۔ ریڈیو کے متعلق خانقاہ امدادیہ سے اول کسی نے ایک استفتاء کر کے جواب حاصل کیا تھا چونکہ اس میں کچھ شبہ پیدا ہوا تھا اسلئے احقر نے دوسرا استفتاء کیا دونوں استفتے مع جواب ذیل میں منقول ہیں۔

استفتاء اول۔ کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ آجکل ریڈیو کا رواج بہت ہو رہا ہے جس میں خبریں بھی ہوتی ہیں اور تقریریں بھی اور گانا بجانا بھی اور بعض اوقات خوش الحان قاریوں کا قرآن بھی اس میں سنایا جاتا ہے اور جو قاری خوش الحان ریڈیو پر قرآن پڑھتے ہیں ان کو معقول معاوضہ دیا جاتا ہے۔ پس ایں صورت ریڈیو گھر میں لگانا یا اس کا کسی طور سے سننا یا اس پر قرآن پڑھنا اور معاوضہ لینا یا ریڈیو سے قرآن سننا جائز ہے یا نہیں۔ بینوا توجروا۔

الجواب۔ اگر کوئی ریڈیو لہو و لعب اور گانے بجانے سے بالکل پاک ہو یعنی اسکے کسی پروگرام میں بھی یہ خرافات نہ ہوں اور اس میں صرف کسی واعظ یا مقرر اسلام کی تقریر ہو یا خبریں ہوں تو ایسے ریڈیو پر قرآن پڑھنا اور اس سے قرآن سننا فی نفسہ جائز تھا گو قرآن پڑھنے کا معاوضہ لینا حرام ہی ہوتا اور جس ریڈیو میں گانا بجانا بھی ہو تو اس میں تو کسی طرح بھی نہ قرآن پڑھنا جائز ہے نہ سننا۔ بلکہ اس پر قرآن پڑھنا یا سننا قرآن کی بحرمتی

کا سبب ہے کہ قرآن کیساتھ تلاعب ہے یہ تو اس کا فی نفسہ حکم تھا جس میں تفصیل مذکور تھی لیکن عوام الناس کا حدود میں رہنا عادۃً قریب ناممکن ہے اس لئے علی الاطلاق اس پر قرآن مجید سننے کو روکنا واجب ہے اور اسی تفصیل سے ریڈیو کو گھر پر لگانے اور کسی طور سے اس کے سننے کا حکم بھی معلوم ہوگیا کہ قسم اول کا لگانا اور سننا فی نفسہ جائز اور قسم دوم کا حرام ہے مگر چونکہ قسم اول کا تحقق ہے ہی نہیں عام طور سے صرف قسم دوم ہی کا تحقق ہے اس لئے اس کا لگانا اور سننا علی الاطلاق حرام ہے واللہ تعالیٰ اعلم بالصواب۔

دستخط　　　　　　الجواب صحیح

(مولانا) ظفر احمد عفا عنہ از تھانہ بھون خانقاہ امدادیہ ۲۲ رمضان ۵۶ھ + اشرف علی عفی عنہ - ۲۳ رمضان ۱۳۵۶ھ

استفتاء ثانی

سوال وجواب مندرجہ بالا کے مطالعہ کے بعد گذارش ہے کہ شاید جواب تحریر فرماتے وقت یہ ذہن میں تھا کہ ریڈیو مثل گراموفون کے ریکارڈ کے ہے جس میں ہر قسم کی آواز محفوظ ہو سکتی ہے اور جب چاہیں اس ریکارڈ کو کام میں لا سکتے ہیں اور ایسے ریکارڈ تیار ہو کر فروخت ہو سکتے اور خریدے جا سکتے ہیں اسلئے ضرورت اس امر کی ہوئی کہ ریڈیو کا مفہوم اور اس کی حقیقت بیان کردی جائے اسکے بعد جو شرعی حکم ہو وہ تحریر فرما دیا جاوے۔ ریڈیو کی حقیقت مثل ٹیلیفون کے ہے فرق صرف اس قدر ہے کہ ٹیلیفون کی آواز صرف ایک شخص سن سکتا ہے اور ریڈیو کی آواز جتنے سننے والے وہاں موجود ہوں سن سکتے ہیں۔ گراموفون ایک کمپنی کے انتظام میں ہے جسکی غرض صرف تجارت ہے خواہ اس کے ریکارڈ لہو ولعب گانے بجانے ہنسی مذاق کھیل تماشہ کے ہوں یا علمی مضامین یا قرآن شریف کی آیات کے ہوں لیکن ریڈیو کا محکمہ گورنمنٹ کے انتظام میں ہے اس میں جو کام ہوتا ہے فنی ترقی یا سننے والوں کی دلچسپی کی غرض سے خواہ وہ ہر قسم کا گانا بجانا ہی کیوں نہ ہو۔ اس میں یکمرتبہ جو آواز سنائی دیتی ہے وہ دوسری مرتبہ نہیں سنائی جاسکتی اسمیں سناتے وقت سنانیوالے کا موجود رہنا اور اپنی زبان سے سنانا لازمی ہے اور یہ کلام دوسری مرتبہ قائم نہیں رہ سکتا۔ اس میں قرآن شریف ہو یا حدیث وید کے اشلوک ہوں یا رامائن کا کوئی باب یا اس کا کوئی ٹکڑہ علمی۔ فنی۔ مذہبی۔ اخلاقی مضامین ہوں یا تمدنی اور شعر وسخن کے۔ غرض ہر قسم کا مضمون خواہ کسی قسم کا ہو اور کسی زبان کا ہو۔ نثر ہو یا نظم سنایا جاسکتا ہے محکمہ ایسے لوگوں کو جو محنت کرتے اور سناتے ہیں ایک مقررہ معاوضہ دیتا ہے اور ان کی قدر کرتا ہے یہ مختصر حقیقت ہے ریڈیو کی۔ ایسی حالتمیں ریڈیو لگانا، ریڈیو سننا، خواہ کسی قسم کا مضمون ہو یا اجرت پر کوئی مضمون پڑھنا اور سنانا

جس میں قرآن شریف اور ہر قسم کے مضامین نظم و نثر شامل ہیں جائز ہے یا نہیں۔ بینوا توجروا۔

الجواب۔ سوال میں جن تین آلات کا ذکر ہے وہ اپنی تین اغراض کے اعتبار سے قابل تحقیق ہیں۔ وہ تین آلات یہ ہیں۔ گراموفون۔ ٹیلیفون۔ ریڈیو اور تین اغراض یہ ہیں اصوات مباحہ۔ اصوات محرمہ۔ اصوات طاعات۔ اور ان تینوں اصوات کے بعض احکام مشترک ہیں۔ اور بعض مخصوص غیر مشترک۔ احکام مشترکہ یہ ہیں کہ اصوات مباحہ مباح۔ اور اصوات محرمہ حرام۔ اور اصوات طاعات کی نفس ذات کا مقتضا تو اشتراک حکم ہی تھا مگر ایک عارض کے سبب اس میں تفصیل ہو گئی اور وہ عارض ان آلات کا لہو کیلئے موضوع ہونا یا نہ ہونا ہے اور وہ تفصیل یہ ہے کہ جو آلہ تلہی کیلئے موضوع ہے ان اصوات طاعت کے استماع کیلئے اس کا استعمال ناجائز ہے اور جو تلہی کیلئے موضوع نہیں اس کا استعمال ان اصوات طاعت کیلئے جائز ہے۔ اب اس کی تعیین باقی رہی سو دونوں کی حالت تو ہمیں پہلے سے معلوم ہے یعنی ٹیلیفون کا تلہی کیلئے موضوع نہ ہونا اور گراموفون کا تلہی کے لئے موضوع ہونا۔ سو ان کا حکم بھی ظاہر ہے کہ ٹیلیفون کا استعمال ان اصوات طاعت میں جائز ہے اور گراموفون کا ناجائز۔ اور قواعد سے یہ حکم ظاہر ہے مگر تبرعاً ایک خاص حدیث بھی اسکی تشہید و تائید کیلئے مع تقریر استدلال نقل کئے دیتا ہوں۔ حدیث یہ ہے۔ فی المشکوٰۃ۔ باب اعلان النکاح الفصل الاول بروایۃ البخاری عن الربیع بنت معوذ بن عفراء قالت جاء النبی صلی اللہ علیہ وسلم فدخل حین بنی علی فجلس علی فراشی کمجلسک منی وجعلت جویریات لنا یضربن بالدف ویندبن من قتل من آبائی یوم بدر اذ قالت احدٰھن وفینا نبی یعلم ما فی غد۔ فقال دعی ھذہ وقولی بالذی کنت تقولین۔ قال الشیخ الدہلویؒ فی اشعۃ اللمعات فی شرح الحدیث وگفتہ اند کہ منع آں حضرت ازیں قول بجہت آنست کہ دروے اسناد علم غیب است بآنحضرت ہیں آں حضرت را ناخوش آمد و بعضے گویند بجہت آنست کہ ذکر شریف وے در اثنائے لہو مناسب نشد۔ میں کہتا ہوں کہ گو اس حدیث کی توجیہ میں دونوں احتمال ہیں اور غور کرنے سے توجیہ ثانی راجح بھی معلوم ہوتی ہے کیونکہ اگر احتمال اول اسکی بنا ہوتی تو ممانعت شدید زجر کے صیغہ سے ہوتی لیکن اس ترجیح سے قطع نظر کرکے بھی علماء امت کا دونوں کا تجویز کرنا واضح دلیل ہے دونوں بناؤں کے فی نفسہ صحیح ہونیکی گو یہاں تحقق ایک ہی ہو۔ پس دوسری توجیہ پر تقریر استدلال یہ ہے کہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے صرف مجلس لہو میں ذکر طاعت پر نکیر فرمایا حالانکہ یہاں آلہ ذکر یعنی زبان لہو کیلئے موضوع نہیں صرف قران فی المجلس کو منع میں مؤثر قرار دیا۔ سو جہاں خود آلہ ان اذکار کا لہو کیلئے موضوع ہو وہاں تو قبح و شناعت بہت زیادہ ہوگی۔ اس تقریر سے گراموفون اور ٹیلیفون میں قرآن مجید

اور دیگر اذکار طاعات تعبدیہ کے استماع کا حکم معلوم ہو گیا کہ اول میں اس علت مذکورہ کی بناء پر عدم جواز ہے
اور ثانی میں جواز جبکہ اور کوئی علت منع کی نہ ہو۔ سوان دونوں کی حالت تو ہمکو پہلے سے معلوم ہے اسلئے ان کا
حکم بھی معلوم ہے باقی ریڈیو کی حالت اب تک معلوم نہ تھی اسلئے قبل تحقیق تو اس کے حکم میں تشقیق ہو گی یعنی
اگر وہ گراموفون کے مشابہ ہے تو اس کا حکم گراموفون کے مثل ہے اور اگر وہ ٹیلیفون کے مشابہ ہے تو اس کا
حکم ٹیلیفون کے مثل ہے۔ پہلے فتوے کی تصدیق کئے ہوئے مدت ہو گئی یاد نہیں اس کی کیا بنا ہو گی مگر غالباً
اس وقت ذہن میں یہی ہو گا کہ وہ گراموفون کے مشابہ ہے جیسا کہ جواب کی بعض عبارات سے مفہوم بھی ہوتا
ہے۔ اب دوسرے سوال میں اس کی حالت ٹیلیفون کے مشابہ ظاہر کیگئی ہے سو اگر ایسا ہے تو اسکا حکم ٹیلیفون
کی مثل ہو گا یعنی اس میں اصوات طاعت تعبدیہ کے استماع کا جواز۔ البتہ اگر باوجود آلہ لہو نہ ہونیکے کوئی
کوئی دوسرا عارض مانع جواز ہو گا تو اس عارض کے سبب پھر منع کیا جاوے گا۔ مثلاً قاری کو اجرت دینا
یا مسمع یا مستمع کا غیر طاعت کے قصد سے سنانا یا سننا جیسا فقہائے نے تصریح فرمائی ہے کہ تاجر کا فتح متاع کے
وقت ترویج سلعہ یا ترغیب مشترین کی غرض سے درود شریف پڑھنا یا حارس کا ایقاظ نائمین کی غرض سے
تہلیل کا جہر کرنا ان سب عوارض کی وجہ سے ممانعت کا حکم کیا جاوے گا۔ یہ تفصیل اس بناء پر ہے کہ ریڈیو
لہو کیلئے موضوع نہ ہو۔ لیکن اگر کسی وقت میں باوجود موضوع للتلہی نہ ہونیکے عام طور پر یا غالب طور پر لہو کیلئے
مستعمل ہونے لگے تو اس وقت بھی اس کا حکم مثل موضوع للتلہی کے ہو جاوے گا کیونکہ اہل شر کے اعتیاد بدرجہ
لزوم تشبہ کو بھی فقہاء نے احکام میں موثر مانا ہے بعض اہل خبرت سے سنا گیا ہے کہ اب اس کی حالت ایسی ہی ہو گئی
ہے سوال کے بعض الفاظ سے بھی اس کا تشبہ ہوتا ہے سو اسکو اہل استعمال تدین کیساتھ خود دیکھ لیں اور یہ سب
احکام ہیں آلات مذکورہ سوال کے ان کی مناسبت اور ضرورت وقت سے ایک چوتھے آلہ کا حکم بھی لکھ دینا
ضروری معلوم ہوتا ہے گو اس سوال میں اس کا ذکر نہیں مگر دوسرے سائلین اس کے متعلق بھی سوال کرتے ہیں اور
وہ آلہ ہے لاؤڈ اسپیکر یعنی مکبر الصوت جس میں آواز بڑھ جاتی ہے اس کا اجمالی حکم یہ ہے کہ تقریبات میں اسکا استعمال
جائز ہے اور عیدین و جمعہ کے خطبہ میں بدعت اور تکبیرات صلوۃ میں اسکا اتباع مفسد صلوۃ۔ اس وقت سب
کے دلائل کی گنجائش نہیں اور تکبیرات صلوۃ کے حکم مذکور کے دلائل میں احقر کا ایک مستقل رسالہ ہے (التحقیق
الفرید فی آلۃ التقریب الصوت البعید) اس کا ملاحظہ کافی ہے یہ سب تحقیقات اپنے معلومات کی موافق لکھی
گئیں اگر کسی کو اس سے زیادہ یا اس کے خلاف تحقیق ہو وہ اپنی تحقیق پر عمل کرے اور اگر ہم کو بھی مطلع کردے

تو ماجور ہوگا۔ واللہ تعالیٰ اعلم وعلمہ اتم واحکم۔ تمت رسالۃ المقالات المفیدہ۔

کتبہ اشرف علی تھانہ بھون ۱۵ محرم الحرام ۱۳۵۸ھ

رسالہ شق الغین عن حق علی وحسین

سوال۔ حضرت سیدنا ومولانا دامت برکاتہم۔ السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ!۔

معروضات ذیل کا جواب ارقام فرما کر ممنون فرمایا جاوے۔

(۱) حضرت مولانا حسین احمد صاحب ومولانا مفتی محمد کفایت اللہ صاحب (مدظلہما) کو حضرت والا کیسا سمجھتے ہیں اور کیا اپنے مخصوص معلوم سیاسی معتقدات کے باوجود یہ حضرات لائق احترام ہیں۔

(۲) جو افراد یا اخبارات ان حضرات کی شان میں بیباکانہ کلمات استعمال کرتے ہیں مثلاً شیخ الاصنام شیخ الہنود۔ (جو دھیا باشی اور سالار اور بہاشہ دغیرہ وغیرہ انکو حضرت کیسا سمجھتے ہیں اور وہ شرعی مجرم ہیں یا نہیں۔

(۳) حضرت والا ان حضرات کو سیاسیات میں اختلاف رائے کے باوجود نیک نیت اور دیانت دار سمجھتے ہیں یا بدنیت اور خائن۔ اور ان حضرات کی سیاسی جدوجہد کیا حضرت کے نزدیک اخلاص اور ملت کی خیر طلبی پر مبنی ہے یا کسی خود غرضی اور خود مطلبی پر۔ والسلام۔ محمد منظور نعمانی بریلی۔

الجواب (الملقب بشق الغین عن حق علی وحسین) بعد الحمد والصلوٰۃ۔ اس قسم کے سوالات چند بار پہلے بھی مجھے کئے گئے ہیں۔ لیکن چونکہ اب تک اکثر سائلین غیر اہل علم تھے جنکی غرض سوال بھی قابل اطمینان نہ تھی اور جوابات بھی واضح تھے اسلئے سوال میں اہمیت نہیں سمجھی گئی۔ نیز بعضے سوالات دوسری جانب سے بھی ایسے آئے جنمیں واقعات اس کیخلاف ظاہر کئے گئے اور ان کی تحقیق کا کوئی ذریعہ نہ تھا سو ان کا جواب ان سوالوں کے جواب کا مضاد ہوتا ان اشکالات کی وجہ سے دونوں قسم کے سوالوں میں اجمالی جواب پر اکتفا ہوتا رہا مگر اب اہل علم کی طرف سے سوال کیا گیا ہے جنکی غرض بھی متہم نہیں اسلئے ایک امر توجہ مفصل جواب سے مانع تھا مرتفع ہوگیا۔ اور دوسرے مانع کے رفع کی یہ صورت ذہن میں مناسب معلوم ہوئی کہ جواب عمومات کیساتھ دیا جاوے جو بلا تخصیص ہر قسم کے سوال پر اور ہر مسئول عنہ پر منطبق ہو سکے حتی کہ خود مسئول یعنی مجیب پر بھی جیسا کہ تحریر ہذا کے لقب میں اصل مسئول عنہ کے نام کیساتھ خود مسئول کے نام کی طرف بھی اشارہ ہے۔

اب اس تمہید کے بعد وہ جواب عام عرض کرتا ہوں۔

الدلائل اما من الآیات فالاول قال اللہ تعالیٰ والذین یؤذون المؤمنین والمؤمنات بغیر ما اکتسبوا فقد احتملوا بہتانا و اثما مبینا۔

والثانی قال اللہ تعالیٰ والذین اذا اصابھم البغی ھم ینتصرون الی قولہ ولمن انتصر بعد ظلمہ فاولئک ماعلیھم من سبیل۔

والثالث قال اللہ تعالیٰ یا ایھا الذین امنوا لا یسخر قوم من قوم الی قولہ تعالیٰ و لا یغتب بعضکم بعضا۔

واما من الروایات فالرابع قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سباب المسلم فسوق متفق علیہ۔

والخامس قال صلی اللہ علیہ وسلم لیس المؤمن بالطعان ولا باللعان ولا الفاحش البذی۔ رواہ الترمذی والبیہقی فی شعب الایمان۔

والسادس قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فی علامات النفاق واذا خاصم فجر متفق علیہ فی المرقاۃ ای شتم ذکرہا من المشکوٰۃ۔

واما من الدرایات فالسابع۔ فی احیاء العلوم فلعن الاعیان فیہ خطر لان الاعیان تتقلب فی الاحوال۔

والثامن فیہ ایضا اعلم ان المرخص فی ذکر مساوی الغیر ھو غرض صحیح فی الشرع لا یمکن التوصل الیہ الا بہ فیدفع ذلک اثم الغیبۃ وھی ستۃ امور الی قولہ تحذیر المسلم من الشر۔

والتاسع فیہ ایضا وکل ھذا یرجع الی استحقار الغیر والضحک علیہ استہانۃ واستصغارا

واما من الحکایات فالعاشر روی البخاری فی کتاب التفسیر عن سعید بن جبیر قال قلت لابن عباس ان نوفا البکالی یزعم ان موسیٰ صاحب الخضر لیس ھو موسیٰ صاحب بنی اسرائیل فقال ابن عباس کذب عدو اللہ الخ فی الحاشیۃ عن الکرمانی قالہ تغلیظا فی حالۃ الغضب والا فہو کان مومنا مسلما حسن الایمان والاسلام وایضا فی الحاشیۃ فی کتاب العلم باب ما یستحب العالم الخ علی قولہ عدو اللہ قال العلماء ھذا علی سبیل الزجر والانکار مومنا ایماما الا ہو مشق قال ابن التین لم یرد ابن عباس اخراج نوف عن و لایۃ اللہ ولکن قلوب العلماء تنفر اذا سمعت غیر الحق فیطلقون امثال ھذا الکلام لقصد الزجر وحقیقتہ غیر مرادۃ اھ۔

المسائل ان دلائل عشرہ سے یہ مسائل ثابت ہوئے۔

اول ۔ بدون حجت شرعیہ کے کسی کی طرف خصوص مومن کی طرف کسی قول یا فعل قبیح کا منسوب کرنا بہتان اور صریح گناہ ہے اور خصوص در خصوص کسی امر باطن مثل نیت وغیرہا پر حکم کرنا حدیث ھلا شققت قلبہ میں اسی پر تنبیہ ہے۔

دوم ۔ بعد ثبوت شرعی بھی بدون ضرورت شرعیہ اُس کا تذکرہ کرنا جب کہ منسوب الیہ کو ناگوار ہو غیبت حرام اور معصیت ہے۔

سوم ۔ البتہ ضرورت شرعیہ سے اسکی اجازت ہے اور منجملہ ان ضرورتوں کے کسی مسلمان یا مسلمانوں کو ضرر سے بچانا بھی ہے خواہ وہ ضرر دنیوی ہو یا دینی۔

چہارم ۔ لیکن اس ضرورت مذکورہ سے بھی تذکرہ میں یہ واجب ہے کہ لعن وطعن وتمسخر واستہزا اور دشنام اور فحش الفاظ سے خصوص ایسے کلمات سے جو عرفاً کفار و فجار کے حق میں استعمال کئے جاتے ہیں احتراز کیا کیا جاوے اگر دلیل شرعی سے کسی قول وفعل پر رد اور نکیر کرنا ہو تو حدود شرعیہ کے اندر علمی عبارات کا استعمال کرے مثلاً فلاں امر بدعت ہے معصیت ہے باطل ہے واشالہا جیسے میں کانگریس کی شرکت بہیئت کذائیہ کو معصیت اور اس کے اجتہادی ہونے کو باطل کہا کرتا ہوں جس کی بالکل اخیر میں کسی قدر تفصیل بھی معروض ہے

پنجم ۔ البتہ انتقام میں یہ بھی جائز ہے دو شرطسے ایک یہ کہ بالمثل ہو۔ دوسرے یہ کہ وہ امر مماثل کسی مستقل دلیل سے علی الاطلاق سے ناجائز نہ ہو مثلاً زید نے عمرو کے والد یا استاذ یا شیخ کو بُرا کہا تو عمرو کو انتقام کے وقت یہ جائز نہیں کہ وہ زید کے بزرگوں کو بُرا کہے۔

ششم ۔ لیکن اگر غضب للدین کے غلبہ میں احیاناً بلا اعتیاد کوئی ایسا لفظ نکل جاوے تو معذور سمجھا جائے گا۔ جیسے حضرت ابن عباس نے نوف بکالی کو عدو اللہ کہدیا۔

ہفتم ۔ معصیت ہر حال میں معصیت ہے حسن نیت دافع معصیت نہیں ہوتی یعنی تحسین نیت سے وہ مباح یا طاعت نہیں ہو جاتی۔ آیات وروایات مرقومۂ بالا کا اطلاق اس کی کافی دلیل ہے۔ مگر اس کی تنویر کے لئے حضرت مولانا گنگوہی کی ایک ارشاد فرمودہ مثال یاد آگئی کہ اگر کوئی شخص ناچ ورنگ کی محفل اس نیت سے منعقد کرے کہ نمازی اذان سنکر تو آتے نہیں ناچ دیکھنے کے واسطے جمع ہو جائیں گے۔ پھر سب کو مجبور کرکے نماز پڑھوا دونگا۔ تو کیا کوئی شخص اس نیت سے ناچ کرانے کو جائز کہہ سکتا ہے بلکہ معصیت میں طاعت

کی نیت قواعد شرعیہ کی رو سے زیادہ خطرناک ہے جیسے حرام چیز پر بسم اللہ کہنے کو فقہاء نے قریب بکفر کہا ہے۔

تفریع - امید ہے کہ ان کلیات سے سب جزئی سوالات کا جواب ہو گیا۔ الحمد للہ ان جوابوں میں اس آیت پر عمل نصیب ہو گیا وقل لعبادی یقولوا التی ھی احسن الآیہ۔

ازالہ شبہ موعودہ مسئلہ چہارم - حامیان کانگریس میں سے بعض حضرات اس اشتراک کو استاذی حضرت مولانا دیوبندی کا اتباع سمجھتے ہیں اور بعض اصحاب اس اختلاف کو مثل اختلاف حنفی شافعی کے خیال کرتے ہیں سو میرے نزدیک یہ دونوں خیال محض غلط ہیں۔ حضرت مولانا کا اشتراک مصالحت تھا نہ کہ متابعت یعنی اس وقت تحریک خلافت نہایت قوت پر تھی جس سے حضرت مولانا کو قوی امید تھی کہ حکم اسلام کا غالب ہو گا۔ اور ہم لوگوں کا خیال قرائن اور وجدان سے اسکا عکس تھا سو یہ اختلاف محض رائے کا اختلاف تھا اور مثل اختلاف حنفی شافعی کے اجتہادی تھا۔ اس اشتراک میں متابعت کے شائبہ کا وہم بھی نہ تھا یہی وجہ ہے کہ اگر اس وقت کسی شعار اسلامی کے ضعیف یا کسی شعار کفر کی قوت کا ذرا شبہ بھی ہوتا تھا فوراً اس پر نکیر شدید فرماتے چنانچہ مشاہدہ متواترہ اسکا شاہد ہے بخلاف اس وقت کی حالت کے کہ اب کانگریس کی قوت سے کفر و شرک کا حکم غالب ہے اسکی ہر تجویز سے موافقت و مداہنت کیجاتی ہے اس وقت کا اشتراک بصورت ادغام بالکل متابعت ہے جو کہ ناجائز ہے اسلئے مسلمانوں کو اپنی تقویت اور تنظیم مستقل لازم ہے تاکہ اسکے بعد جو اشتراک ہو وہ مصالحت ہو متابعت نہ ہو۔ خلاصہ یہ کہ اشتراک ایک لفظ مشترک ہے مگر اسکے دو فردوں کا یعنی مصالحت و متابعت کا حکم جدا جدا ہے پس حقیقی امتیاز کے بعد محض لفظی اشتراک سے اشتباہ نہ ہونا چاہئے۔ و فی مثل ھذا قال العارف الرومی ؎

کار پاکاں را قیاس از خود مگیر	گرچہ ماند در نوشتن شیر و شیر
ہر دو گوں زنبور خوردند از محل	لیک شد زاں نیش و زاں دیگر عسل
ہر دو گوں آہو گیا خوردند و آب	زیں یکے سرگیں شد و زاں مشک ناب
ہر دو نے خوردند از یک آب خور	آں یکے خالی و آں پر از شکر
صد ہزاراں ایں چنیں اشباہ بیں	فرق شاں ہفتاد سالہ راہ بیں
جز کہ صاحب ذوق نشناسد طعوم	شہد را ناخوردہ کے دانند ز موم

والسلام خیر ختام۔ تمت رسالہ تحق الغین ۱۵ر صفر ۱۳۵۷ھ۔

رسالۃ الاختلاف للاعتراف در قبح افراط و تفریط در انساب

لسنۃ ۱۳۵۲ھ

بعد الحمد والصلوٰۃ۔ مجھ سے مختلف مسلمان اقوام کے متعلق جن میں بعض قومیں دوسری قوموں کی تنقیص و تحقیر کرتی ہیں اور بعض قومیں اپنے کو بلا دلیل دوسری قوموں میں داخل کرتی ہیں پوچھا گیا کہ یہ دونوں فعل شرعی قاعدہ سے کیسے ہیں۔ اس کا جواب عرض کرتا ہوں کہ یہ دونوں فعل شرعاً قبیح ہیں۔ پہلا تفریط۔ اور دوسرا افراط۔ تفصیل اس کی یہ ہے کہ نصوص شرعیہ اس باب میں ظاہراً دو قسم کے ہیں ایک مثبت مساوات و تماثل۔ ایک مثبت تفاوت و تفاضل۔ چنانچہ حدیث جاننے والوں کو معلوم ہے اور ظاہر ہے کہ نصوص میں تعارض نہیں ہو سکتا لہٰذا دونوں کے لئے جدا جدا محمل قرار دیا جاوے گا۔ پس نصوص مساوات تو احکام متعلق آخرت کے باب میں ہیں یعنی آخرت کی نجات کے لئے ایمان و اعمال صالحہ کے مدار ہونے میں سب برابر ہیں۔ اسی طرح اسلامی حقوق میں اور دینی کمال حاصل کرنے کے بعد تقدم میں سب برابر ہیں۔ مثلاً سلام و تشمیت عاطس و عیادت۔ و شہود جنازہ میں کہ حقوق اسلامیہ ہیں یا تحصیل اوصاف استحقاق امامت کے بعد یا تحصیل علوم دینیہ کے بعد یا تحصیل کمالات باطنیہ کے بعد امام یا استاد یا شیخ بننے کے استحقاق میں سب برابر ہیں چنانچہ مدعیان شرافت عرفیہ بھی سب قوموں کے پیچھے نماز پڑھتے ہیں ان سے علوم حاصل کرتے ہیں ان سے بیعت ہوتے ہیں ان کو بطور خلافت طریق بیعت و تلقین کی اجازت دیتے ہیں چنانچہ خود احقر ایسے حضرات کا شاگرد بھی ہے اور بعضے میری طرف سے مجاز طریقت بھی ہیں پس نصوص مساواۃ کا تو یہ محمل ہے اور نصوص تفاوت احکام راجعہ الی المصالح الدنیویہ کے باب میں ہیں جیسے شرف نسب یا نکاح میں کفاءت حتے کہ جا اقوام عرفاً اعلیٰ طبقہ کے مشہور ہیں خود ان میں بھی باہم گراس تفاوت کا شرعاً اعتبار کیا گیا ہے۔ قریش میں بنی ہاشم کا شرف نسبی بقیہ قریش پر نص میں وارد ہے۔ کفاءت میں قریش کا شرف غیر قریش پر گو وہ بھی عربی ہوں دلائل شرعیہ سے ثابت ہے۔ اب نصوص میں کوئی تعارض نہیں۔ پس اس تفاضل کے یہ معنے نہیں کہ کوئی قوم اپنے کو بڑا سمجھ کر دوسرے کو حقیر سمجھے بلکہ صرف بعض احکام میں جن کا بیان اوپر گذر چکا اس تفاضل پر عمل کی اجازت ہے پس جو لوگ اپنے کو بڑا اور دوسروں کو اعتقاداً یا عملاً حقیر سمجھتے ہیں یا بلا دلیل شرعی بڑی قوموں میں داخل ہونے کی کوشش کرتے ہیں یہ دونوں افراط و تفریط میں مبتلا ہیں۔ پہلی جماعت کا تکبر تو کھلا ہوا ہے کہ دوسروں کو علانیہ حقیر سمجھا مگر دوسری جماعت والے بھی عند التامل تکبر کا ارتکاب کرتے ہیں

کیونکہ جب ایک قوم سے نکل کر بلا دلیل شرعی دوسری قوم میں داخل ہونے کی کوشش کی تو جس قوم سے نکلنا چاہا اس کو حقیر سمجھا ورنہ اس سے نکلنے کی کوشش کیوں کرتے اور علاوہ تکبر کے نسب کے بدلنے کے گناہ کا بھی ارتکاب کرتے ہیں جس پر حدیث میں سخت وعید وارد ہے۔ بہر حال ان احکام کے علم کے بعد دونوں جماعتوں پر واجب ہے کہ افراط و تفریط سے توبہ کرکے اتباع نصوص کے تحت میں حدود شرعیہ کے اندر رہیں اور باہم ایک دوسرے کے حقوق کا لحاظ رکھیں اور کمالات دینیہ حاصل کریں کہ اصلی شرف یہی ہے ورنہ دوسرے اسباب شرف آخرت میں نافع نہ ہوں گے جو کہ مسلمان کا اصل مقصود ہے واللہ الموفق۔ اور یہ سب مضمون مع اجزائہ آیت یا ایها الناس انا خلقنٰکم من ذکر و انثی (الی قولہ تعالیٰ) ان اکرمکم عند اللہ اتقٰکم میں مذکور ہے۔ احکام آخرت میں مساواۃ تو صراحۃً (فی قولہ تعالیٰ) ان اکرمکم عند اللہ اتقٰکم پس تقوے کے مدار اکرمیت ہونے میں سب مساوی ہیں اور احکام دنیویہ میں تفاوت قریب بصراحت (فی قولہ تعالیٰ) وجعلنٰکم شعوبا وقبائل لتعارفوا تقریر دلالت یہ ہے کہ اختلاف شعوب وقبائل کی غائت تعارف وتمائز کو فرمایا اور ظاہر ہے کہ تعارف وتمائز احکام دنیویہ میں سے ہے اور خود مقصود بالذات نہیں بلکہ ادائے حقوق خاصہ کے لئے مقصود ہے اور جو حقوق تعارف وتمائز پر متفرع ہوتے ہیں وہ سب احکام متعلقہ بالمصالح الدنیویہ ہیں پس اس طرح یہ دلالت حاصل ہو گئی۔ وللہ الحمد علی ما علم و فہم وھدانا الی الطریق الاقوم۔

کتبہ بقلم اشرف علی عفی عنہ

فی کانپور یوم الغد من انعقاد مومن کانفرنس

۱۶ رجب المرجب ۱۳۵۷ھ

فہرست رابع البدائع

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

نوٹ رسالہ ہذا یعنی "بوادر النوادر" میں جس شان کے یہ تین سو مضمون ہیں جو آپ کے سامنے ہیں ان کے بعد تین سو مضمون اور بھی اسی شان کے جمع کئے گئے ہیں جن میں ہر مضمون کی سُرخی بدیعہ اور مجموعہ کا لقب بدائع تجویز کیا گیا۔ اس وقت اُس کی طباعت کی گنجائش نہ ہونے کی وجہ سے صرف فہرست شائع کیجاتی ہے تاکہ مستقل شائع ہونے تک صرف فہرست کی مدد سے ان مضامین کو تلاش کیا جا سکے۔ پھر اس کے بعد اگر پانچویں فہرست کی تیاری کا اتفاق ہو جاوے اُس کی سُرخی لطیفہ لکھی جاوے اور مجموعہ کا لقب لطائف ہو اور اس کے بعد کے لئے اہل نظر جو سرخی مناسب سمجھیں مثل حقائق و معارف و نکات و دقائق و بصائر وغیرہ۔ پھر ان مضامین کی معتدبہ مقدار جمع ہونے پر اگر اُن کو شائع کیا جاوے وہ بوادر کا دوسرا تیسرا حصہ ہوگا انشاء اللہ تعالیٰ اب سہولت کے لئے کہ آئندہ انتخاب مضامین کن کن تالیفات سے ہو یہ لکھا جاتا ہے کہ بوادر میں موجودہ تین سو مضامین میں کس کس تالیف سے انتخاب ہو چکا ہے تاکہ پھر ان کے علاوہ سے انتخاب کیا جائے اور بدائع کی چونکہ صرف فہرست مضامین ہی شائع ہو رہی ہے اس لئے اُس کے مضامین کے ماخذ کی فہرست الگ شائع نہیں کیجاتی کہ اسی فہرست سے ماخذ کا انتخاب آسانی سے ہو سکتا ہے

البدائع یعنی چوتھی فہرست یکصد مضامین کی مضامین عجیبہ سے مؤلفہ حضرت اقدس دشائع شدہ در تصانیف و مواعظ جس کی پہلی فہرست غرائب دوسری عجائب اور تیسری نوادر ہے۔

اس فہرست میں مواعظ سلسلہ تبلیغ کے ۱ سے ۱۰ تک سے انتخاب کیا گیا ہے۔ اور تصانیف میں سے النور جمادی الآخری ۱۳۵۰ھ سے ذی الحجہ ۱۳۶۰ھ تک سے اور الطرائف حصہ سوم سے اور کلید مثنوی الحصہ اول و دوم از دفتر اول و بیان القرآن سے مضامین لئے گئے ہیں۔

اور سابق فہرستوں میں مندرجہ ذیل کتابوں سے انتخاب ہوا ہے۔

الامداد - جلد ۱ ماہ رجب ۱۳۳۵ھ ۲ شعبان ۱۳۳۵ھ ماہ ۳ رمضان ماہ ۴ شوال ۵ صفر ۱۳۳۶ھ - ماہ ربیع الثانی و جلد ۲ ماہ ۱ و ۲ و ۳ و ۴ و ۵ و ۶ - و جلد ۵ ماہ و جلد ۲ ماہ ۱۱ و ۱۲ و جلد ۳ ماہ ۱ و ماہ ۲ و جلد ۴ ماہ ۱ و ۲ و جلد ۵ ماہ ۱ و ۲ و ۹ جلد ۱ و ۸ و ۱۱ و ۱۲ و جلد ۸ ماہ ۱ و ۵ و ۱ و ۲ -

امداد الفتاویٰ و تتمات و حوادث و ترجیح الراجح - ہر پنج جلد - تبویب تربیت السالک - اصل الوصول مصالح

مسائل فہرست رابع ملقب بہ بدائع

تینتیسواں بدلیعہ تحقیق علم آدم و نفی علم حیطان انبیاء	کلید مثنوی جلد ا نصف دوم ص ۱۲۱ س ۱۱ انکو یعنی آدم علیہ السلام کو تا ص ۱۲۱ س ۲۶ مرتفع ہوگئے۔
چونتیسواں بدلیعہ شرح کنت کنزا مخفیا بہ نہج غریب	کلید مثنوی جلد ا نصف دوم ص ۱۴۳ س ۱۷ احد ہیں تا ص ۱۴۳ س ۲۱ سمجھ لو
پینتیسواں بدلیعہ ۔ تحقیق معنی حدیث ما بیت عند ربی یطعمنی و یسقینی	″ ″ ″ ص ۲۴۶ س ۲۴ احدیث میں تا ص ۲۴۶ س ۲۶ طرف گئے ہیں
چھتیسواں بدلیعہ ترجیح استفادہ از شیخ زندہ بر اہل قبور	″ ″ ص ۲۷ س ۲ باطنی نفع تا ص ۱۷۱ س ۹ خیر من الواحد
سینتیسواں بدلیعہ ۔ توضیح حقیقت خلق و فعل و قطع شبہات متعلق تقدیر۔	بیان القرآن جدید جلد ا ص ۶ س ۱ فعل و خلق کی تا ص ۷ س ۳۱ مالک کو اختیار ہے مع حاشیہ ص ۵
اڑتیسواں بدلیعہ ضرورت انسان برائے اصلاح انسان و عدم کفایت ملک و جن	بیان القرآن جدید ج ا ص ۱۹ س ۱۲ تحقیق مقام تا ص ۲۰ س ۵
انتالیسواں بدلیعہ طریق سہولت حضور قلب در صلوۃ	″ ″ ص ۲۸ س ۱ آیت انہا تا راجعون پھر ص ۲۸ ترجمہ تا ص ۲۹ س ۱
چالیسواں بدلیعہ بعض احکام سحر و تعویذات	″ ″ ص ۵۴ س ۶ سحر کے فسق تا ص ۵۵ س ۱۲ صحیح ہے۔
اکتالیسواں بدلیعہ تفسیر عجیب لنعلم	″ ″ ص ۸۴ س ۱ آیت وما جعلنا تا عقبیہ مع ترجمہ پھر ص ۸۸ س ۱۸ ایک تقریر تا ص ۸۹ س ۱۲ نہیں ہوا۔
بیالیسواں بدلیعہ دفع شبہ بر استراق سمع و رجم شہاب و نزول آب از سموات	بیان القرآن جدید ج ۱ ص ۲۲ س ۲ استراق سمع تا ص ۲۲ س ۲۹ استراق کرتے ہیں۔
تینتالیسواں بدلیعہ نکتہ قسم بمخلوقات و نسبت برائے مکلف	بیان القرآن ج ا ص ۳۰ س ۱۹ حق تعالیٰ نے تا ص ۳۰ س ۲۲ واجب کیا گیا
چوالیسواں بدلیعہ فرق درمیان جمال و زینت و تکبر و فخر	″ ص ۳۶ س ۱۶ فرق یہ ہے تا ص ۳۶ س ۲۲ حرام ہے۔
پینتالیسواں بدلیعہ تحقیق عجیب حرکت و سکون ارض۔	″ جدید ج ا ص ۳۷ س ۱ آیت والقی تا تمید بکم مع ترجمہ پھر ص ۳۸ س ۶ پہاڑاں تا ص ۳۸ س ۲۶ کلام ہے
چھیالیسواں بدلیعہ دفع شبہ فضیلت علم باطن بر علم شریعت	بیان القرآن ج ص ۱۳۲ س ۱۴ بعض کو دھوکہ تا ص ۱۳۲ س ۲۱ ایجا نہیں۔
سینتالیسواں بدلیعہ تحقیق عجیب دیوار یاجوج و ماجوج	″ ″ ص ۱۳۵ س ۳ جاننا چاہیے تا ص ۱۳۵ س ۶ قلت یقین ہے آہ
اڑتالیسواں بدلیعہ معنی ان الصلوۃ تنہی۔	″ جلد ص ۱۳۲ س ۲ آیت ان الصلوۃ تا منکر پھر ص ۱۳۲ س ۲۲ بیشک نماز تا ص ۱۳۲ س ۲۶ نازیبا پھر ص ۱۳۲ س ۶ ف تا ص ۱۳۵ واقع ہو
انچاسواں بدلیعہ شریعت و طریقت	وعظ دفع الموانع تسلیغ ۲ ص ۳ س ۳ شریعت اللہ طریقت تا ص ۳ س ۶ منافی نہیں
پچاسواں بدلیعہ علاج وساوس	″ ″ ص ۵ س ۱ اکثر لوگ تا ص ۵ س ۶ جی لگانے کا
اکیاونواں بدلیعہ انبیاء و خواص پر باعتبار نعمت مصیبت کا اثر	″ ″ ص ۹ س ۱۴ شغل مع غیر اللہ تا ص ۹ س ۱۹ ختم شعر نہ ہم

تم فہرس البدائع وتمامہ

تمت رسالۃ البوادر مع متعلقاتھا و ملحقاتھا المنتصف ذی الحجۃ سنۃ ۱۳۶۱ھ وللہ الحمد

عہ پورے سو بدیعہ کے انتخاب کے بعد دو مضمون قابل درج ہونے کے اور ذہن میں آئے یعنی رسالہ ملاحۃ البیان کے اضافہ کا تو ایک مخلص حکیم نے مشورہ دیا۔ اور مضمون ضرب ور ذکر خود ذہن میں آیا۔ لہذا ان دو نون مضمونوں کا بھی اضافہ کیا گیا۔ ۱۲ منہ

بخاری شریف کی منتخب احادیث کا ترجمہ اور بے مثل تشریح

رحمۃ القدوسین ترجمہ بہجۃ النفوسین

انتخاب بخاری شریف

(ترجمہ و تشریح)

تخریج احادیث

امام بخاری قدس اللہ سرہ العزیز سنہ ۲۵۶ھ

عربی شرح	اردو ترجمہ و تشریحی فوائد	زیر نگرانی
علامہ ابن ابی جمرہ مالکی اندلسی	حضرت مولانا ظفر احمد عثمانی	حکیم الامت مولانا اشرف علی تھانوی

احادیث شریفہ سے مسائل سلوک و تصوف، مسائل اخلاق و آداب اور مسائل فقہ کے استنباط پر وہ گرانمایہ کتاب جو ہر دور میں علماء، صوفیاء اور دیندار حضرات کی توجہ کا مستقل طور پر مرکز رہی ہے۔ بخاری شریف کی منتخب احادیث کی بے نظیر شرح

ناشر

ادارہ اسلامیات ۱۹۰ انارکلی ○ لاہور

مصر کے نامور محقق عالم علامہ حسین آفندی کی جدید علم کلام پر
مشہور تصنیف الرسالۃ الحمیدیہ کا اردو ترجمہ

سائنس اور اسلام

مترجم مولانا سید محمد اسحٰق علی صاحب مدرس جامع العلوم کانپور
زیر نگرانی حکیم الامت حضرت مولانا اشرف علی تھانوی قدس سرہٗ

مع رسالہ **سائنس اور اسلام**

از حضرت مولانا قاری محمد طیب صاحب مہتمم دارالعلوم دیوبند

ادارہ اسلامیات لاہور

بوادر النوادر

حکیم الامت مجدد الملت حضرت مولانا شاہ اشرف علی تھانوی قدس سرہٗ
تفسیر، حدیث، فقہ، علم کلام اور تصوف کے نادر علمی مضامین پر مشتمل حضرت کی آخری تصنیف

ادارہ اسلامیات لاہور
۱۹۰- انارکلی

اسلام کا اقتصادی نظام

اسلام کے نظام معاشی کا مکمل خاکہ جس میں یہ واضح کیا گیا ہے کہ دنیا کے تمام
اقتصادی و معاشی نظاموں میں اسلام کا نظام اقتصادی ہی ایسا نظام ہے
جس نے سرمایہ و محنت کا صحیح توازن قائم کر کے اعتدال کا راستہ پیدا کیا ہے

تالیف

حضرت مولانا محمد حفظ الرحمٰن سیوہاروی رحمۃ اللہ علیہ

ادارہ اسلامیات
۱۹۰- انارکلی ○ لاہور